

عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

# کوہِ کرا

یہاں حصہ



**داور** نے آہنی ہینڈل جیل کے پھانک سے نکل کر وہیں جبر سے ماس پی اور دھیرے دھیرے گرت کی طرف بڑھنے لگا۔ سارے چار برس جیل میں گزارنے کے بعد اسے اس عموں پر ہوا تھا جیسے اس نے نیا جنم لیا ہے جیل میں اس نے کئی مشقت کی تھی۔ مافیاضوں کا کیا اور ماہرین کھائی تھیں یہی سزا پانے والے قیدیوں نے بتائی تھیں۔ تین چار ماہ داور کو اچھی طرح یاد تھا۔ اس کا خوب دل دکا لگا تھا۔ بڑی خدمت کرانی تھی آخر تنگ آکر اس نے دیکھ کر کیا تھا کہ شرافت سے کام نہیں چلے گا۔ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہی ہے۔ گلا اس نے خیر دل رکھ کر صورت حال سے آگاہ کر کے اس کی مدد چاہی تھی۔

جیلر نے مسکرا کر فرمایا کہ تمہارا یہ بھلا اپنا مسکراہ اور اسے تمہاری حل کر سکتے ہو۔ میں اس معاملے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ آئی ایم وری ساری۔ میں قیدیوں کے اس قسم کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا۔ یہ میرا اصول ہے اور میں تمہاری اس کی پابندی کرتا ہوں۔

”پھر آپ کیا کرے گا جیلر صاحب؟ چار بار پانچ عرصہ کے قیدیوں کے سردار بنے ہوئے ہیں۔ ان شیطان کا مالک تھوڑے عرصے میں اپنا جتنی خواہ کرے وہی ہے۔ داور نے بھڑکی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

”سو۔ میں تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں تمہاریوں کو کن قیدیوں کی بات کر رہا ہوں۔ ان خبیثوں کی سرواڑی کو ختم کرنا میرے بس کا وہ نہیں ہے البتہ میری طرف سے تمہیں اجازت ہے۔ تم چاہو تو ان سے اپنے طور پر بحث کر سکتے ہو۔ ان کا فائدہ ہونے نہیں تمہارے خلاف کوئی انجمن نہیں لوں گا۔ بس اتنا کہ تمہارے لیے کر سکتا ہوں۔ ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ لڑائی مار پیٹ میں تمہارے ہاتھوں کوئی بدعاش مر گیا۔ شدید جھڑپ ہو گئی تو میں تمہاری رہنمائی نہ کر سکتا ہوں۔

مسلحہ عورت مشقت پر میاری غذاؤں اور منشیات کے ساتھ استعمال نے سارے چار سالوں میں داور کا حلیہ خراب کر دیا تھا۔ اس کی صحت بری طرح متاثر ہوئی تھی۔

داور جیل میں داخل ہوا تھا تو اس کا وزن دو سو پونڈ سے زائد تھا۔ گال سرخ و سفید اور بھرے بھرے تھے۔ محراب اس کا وزن ڈیڑھ سو پونڈ سے بھی کم ہو گیا تھا۔ گالوں میں گڑھے بڑھ گئے۔ چہرے کی خوبصورتی اور دل کشی جاتی جاتی تھی۔ وہ برائے نامی زندہ مریض لگ رہا تھا۔

جیلر نے داور کے بہترین طرز عمل کے باعث اسے رہائی کے مقصد پر نیا جیل بھیج دیا۔ وہی جیل صاحب سے داور کو ہوجاس دے دیتے ہوئے جیلر نے شرفیادہ زندگی گزارنے اور محنت کی کمانی کھانے پر لہجہ بڑا کر دیا تھا۔ داور نے جیل کی نصیحت اور نیکو باتیں ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے نکال دی تھیں۔

داور نے چلتے چلتے جیلر سے کہا تھا ”ایک بات بولے جیلر صاحب! بھلا میں ملنے کا کیا کرنا؟“

”ہاں ہاں بولو داور۔ تم ایک شریف اور گھناؤنی رہے ہو میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔“ جیلر نے نرمی سے کہا تھا۔

”آپ کو کھلی ہوئی جیلر صاحب! ایدھر آنا معاملہ ہے۔ اپنی بہت گھرب آدلی ہے۔ ماں کسم ان شریف بالکل نہیں ہے۔“

”مگر تمہارا جیل کار کیا بدعت ہے؟ سارے چار برس تم نے بڑی شرافت سے گزارے ہیں۔ کچھ تین سال سے تم قیدیوں کے مجددار رہی رہے ہو۔“

داور نے ایک گھبراہٹ سے کہہ دیا کہ آپ کا غلطی ہے جیلر صاحب! میں نے ایدھر آپ کا جیل میں ایک کا نام نہ لکھا ہے۔“

جیلر کے چہرے پر حیرت کے اثرات ابھرے تھے اور اس نے کچھ خیر نہیں کہا تھا۔ میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا اور تمہارا کہنا چاہتے ہو؟

”برا غلط بات ہے جیلر صاحب! داور نے پچھلے روز کہا تھا۔ آپ میں کا تو سلاطین کا کچھ بھی نہیں ملے گا۔ آج جیل میں ان کا کھری دن ہے۔ اس لیے آپ کو بتاؤں گا کہ اس کا واسطہ آپ کو ایک وجہ رہتا پڑیں گا۔“

”کیسا سچا دن داور۔“ جیلر نے حیرت سے پوچھا۔ ”ہم کو چھ دن دو جیلر صاحب! آپ بات کسی ادا نہیں بولے گا تم۔“





جانی داکر کے سے انداز میں اس سے بات کی تھی۔ اگر وہ لڑکا داور سے واقف ہوتا تو اسے دیکھ ہی پھر کر اپنے نگ جانے اس طرح اطمینان سے بیٹھا نہ رہتا۔ سارے جاہل برکس میں یہ ایک بڑی تبدیلی تھی جو دناہوئی تھی جیل جانے سے پہلے چھوٹے بڑے بد معاشیہ بچے جو ان پورے داور کے نام سے کاپٹے تھے مراٹھا کالونی میں کسی کی مجال نہیں تھی جو اس سے اوپر کی آواز میں بات بھی کرتا۔

داور نے یہ کہہ کر خود کو تسلی دی کہ زیادہ تر لوگ اب بھی اس سے واقف ہیں اور جو واقف نہیں ہیں وہ جلد جان جائیں گے۔ اس نے بیکر کا کہنے کو دل کو وہ بہت جلد ہی اہمیت کا احساس ملا دے گا۔ اس میں دینی عزت اور تفریق کرنے پر غور کرو گے گا۔ غور ہی دین داور اور عمر کا رجن گھبرا ہوا جی دھڑا سے سے نمودار ہوا۔ وہ ایک غلط فہمی سے ہاتھ پوچھ رہا تھا۔ داور پر نظر پڑے ہی اس نے حالت نکال دیے اور بڑی طرح اس کی اپنے کو فہم جاگ گئے۔

ماجن رنجوئی نے داور سے پتہ لگا لیا اس کے جسم سے پسینہ آئے اور مسالوں کی ملی جلی بسانا ٹھہری تھی۔

”کیسے ہوا رجن؟ دھندلا پانی کیسا ہے؟“ داور نے اس کی اپشت پر ہنسی دے کر پوچھا۔

”اور دھندلا کمر ہے داور۔ دھندلا گرم جلتا ہی رہتا ہے۔ تیرے جانے سے تو ایدھر کی رونق ہی ختم ہو گئی استاد۔ ماں کی ہر کسی چیز میں ان کا دل نہیں لگتا تھا۔ اور بڑے ایک نیا دانا جو ایدھر گھسٹا ہے۔ سلا بہت حرامی ہے۔ بڑا نقصان کہا ہے اس نے ان کا؟ داجن کی آواز بھر گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جو پ بہنے لگے۔

”ارے! تم سلا جو کوری کا مارا کھ روٹا ہے ایسی جی جی تم بھکیت کرو۔“ ان اس حرام زادے کا کھنکھارے گا۔ وہ سلا ایدھر تھا۔ راجن میں برن دھوئے گا۔ تھا راتوں میں جھاڑو لگنے کا لگا دن میں تم کو نہیں سلام کرے گا اور تم جو لے گا کرے گا۔

”بھگوان تم کو کھوٹ کر رکھے داور۔“ ان سلا ایدھر تھا راتوں کے لیے دعا کرتا تھا۔ بھارے واسطے ان سے ہوتا منہ میں ناپی چڑھا تھا۔ اسی سے منت بھی مانتا تھا کہ واپس آگیا تو سلا ہونا منہ بکاشی جھگڑا کھانچا کیلو تھا دے گا؟ داجن نے جھجک کر داور کے چٹنے پڑنے سے کہا۔

داور نے راجن کو راتوں سے بڑے اٹھا ہوا اور بڑے

پیارے بولا۔ ”اب تم سلا روٹا دھونا بند کرو۔ یہ بتاؤ سلا شوک دادا کدھر گیا؟“ ماما کا لونی میں اس کا راج پات چلتا تھا۔ سلا شوک دادا سے تھا راما مدعا نہیں کیا۔

”شوگ دادا پندت بن گیا ہے استاد۔“ داجن نے غیظ قہر سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”کیا بولنا ہے؟“ داجن راجن، دین شری جاک لیند نہیں کرتا کیا؟“ داور غیر لفظی سے اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”ابن شریک بولا استاد۔ شوگ دادا پندت بن گیا ہے لٹھا کالونی میں اس نے آنا چھوڑ دیا ہے۔“

”یہ تو تم نے اچھا نہیں سنایا داجن، لٹھا ہے شوگ دادا کا مچ پر گھلا ہے۔ اگر تو شوگ دادا پندت بن گیا ہے تو ایں لٹھین کر لیتا پرتو یہ پندت والا معاملہ اپنا کوئی ہی نہیں آتا۔ تم نے بہت داور کو نہیں بی لیا راجن؟“ داور نے اپنے شوگ انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں استاد تو ایں کو ابھی طرح جانتا ہے۔ ہم سلا داور کا دھندلا جھڑک رہا ہے مگر دارو دیتا نہیں ہے۔ ہم نے شوگ دادا کو اپنا آنکھوں سے دیکھا ہے استاد، سلا پکا پندت بن گیا ہے۔ اور مگر گن رنجیش کا آشرم میں رہتا ہے۔“

”ہر تو شوگ دادا سے لیا کاتے کو کیا راجن؟“ داور نے بولا۔

”ہم اپنا گل خرید کا ساتھ دوہینہ پہلے چپائی پر لٹھا تھا اور سلا شوگ دادا سے ان کا ملاکت ہوا تھا۔ داور میں چھوڑ کر اس کا ساتھ تھا۔ ہم نے شوگ دادا سے چھوڑ کر لوگ کا بارے میں پوچھا۔ تو لاکر یہ رنجیش آشرم کا داساں ہیں۔ شوگ دادا میں چھوڑ کر کو بیل پوری کھلائے اور ناپیل پانی پلانے کا واسطے چپائی پر لٹھا تھا۔ پھر ہم نے شوگ دادا سے پوچھا کہ تم دادا گیری کاتے کو چھوڑا تو معلوم وہ کیا بولا۔“

”کیا بولا۔“

”سلا اپن کو آٹھ مار کے بولا۔ یہ پندت کا دھندلا دادا گیری سے اچھا ہے۔ دام رام جینا پر اپنا مال اپنا۔ سلا وہ بہت کھوٹ تھا استاد۔ ایدھر شوگ دادا کو کوئی دینی چھوڑ کر بھی لٹھ نہیں دیتا تھا۔ اس نے تیا تھا کہ آشرم میں بہت امریکن چھوڑ کر ہیں۔ معلوم ان کا شوگ دادا سے کیا بولا۔“

”کیا بولا؟“

”بولا۔ تم بھی پندت بن جاؤ۔ بھگوان رنجیش اپنے چلوں پر پت مہربان ہے۔ ان کو بولا آشرم میں عیش میں عیش ہے جی جی جی

سلا بھگوان کے ساتھ بھی دھندلا کرتا ہے؟“ داجن نے بڑا سادہ بنا کر کہا۔

”وہ سالانہ گھو ملنا کہاں ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”ہو مان مندر۔“ کاما جو میں پورکری کا نال لٹھانا۔ دھوئے پٹھان بابا کو اور سے بھگا کر اپنا آڈو بنایا ہے۔ اور سلا دھو جاتی کروٹا ہے۔ چھوڑا پٹائی اس کا دارو پاندت کی سینیٹینہ بھی پٹائی کرتا ہے۔ مراٹھا کالونی کا رکا داسے وہ پانچ روپو روچ نہیں بننا ہے شروع میں ان نے اس کو ٹیکس نہیں دیا تو اس کے گروں نے ایدھر دنگا فساد کیا ان کو مارا پٹیا، سارا فریج کر کر کی اور دارو کا بول تو دیا اور پھر بول کو آگ لگا دیا۔ ان کے گناہ استاد بیاو ہو گیا۔ آٹھا دس بجار لٹھنا ہوا ہے۔

داجن سے بداشت نہ ہو سکا اور وہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

داور اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک زور دلا دلا داجن کی کمرہ رسید کی اور وہ مری طرح بلبلاتا اور قلا بازیاں کھاتا اور ہارے جان لگا اور بولنے کے کی طرح اپنے لگا۔

”سلا پھر چھوڑ کر کا مالک ہوتا ہے۔“ داور نے نفرت اور حقارت سے کہا۔ ”ہم تم کو بولا، پھکوت کرو۔ لیکن اس حرامی داسے رگھو کا پنی پسلی ایک کر دیں گا۔ سلا کیا پتلا استاد مگر بولنا ہے؟ وہ لوزا پورے دھو تیرے کو دس کا میں، بھار کھائی میں رکھ کر دس کا اور وہ سلا تھا راجن کی جی میں گا۔“

”اب نہیں روٹیں گا استاد۔ بالکل نہیں روٹیں گا۔“ داجن نے آٹھتے ہوئے کہا۔ ”تم سلا استاد جیل میں کسی گزری؟ بہت کھوٹ ہوئے ہو۔“

”جیل اور سسرال میں مزا فرم ہوتا ہے راجن۔ خاطر قوام تو دونوں جگہ ہوتی ہے مگر ان میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ سالوں نے میرا خون پوچھ رہا ہے۔“

”کوئی بات نہیں استاد۔ ہر روز تیرے واسطے پیش کھانے پکوان گا۔ کھاؤ گے پیو گے تو شیک ہو جاؤ گے۔ آؤ اندر میرے کمرے میں جاؤ۔“

داجن داور کو اپنے خاص کمرے میں لے گیا کمرے کے وسط میں ایک بیزا دار چکر مہاں بھی نہیں، دایں طرف شراب کی بوتلی کے بہت سے کمرے تھے اور کمرے مہرے تھے۔ بائیں جانب ایک صاف پتھر کا میز رکھا ہوا تھا جس پر نظر پڑتے ہی داور نے اپنے ہاتھوں پر زبان پھیری اور راجن مسکرایا۔

”وہیسی مال ہے استاد مگر میں آج تیرے کو جانی داکر پانچ

گاہ راجن نے بیڈ کی طرف بڑھے ہوئے کہا۔

داور نے وہ بارہ ہاتھوں پر زبان پھیری اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھا گیا۔ راجن نے بیڈ کے پیچے سے جانی داکر کی ایک بوتل نکالی، اسے جہارت سے کھولا اور ایک گلاس میں دھکی کر منڈیل کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے بیڈیالی سے جھپٹ کر گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں پھر چلا گیا۔

داجن نے گلاس دوبارہ بھر دیا اور بولا۔ ”تیرے کو پیتے دیکھ کر بہت کھوٹی ہوئی ہے استاد۔ ماں گھم دارو کے دھندے کا اصل مجاہدہ لکھتا ہے۔“

داور نے تیسرا گلاس نکالی کر کے ایک گلاس سانس لیا اور بولا۔

”جیو راجن جیو۔ اب اس حرامی داسے دھوئے بات کرنے کا چاہئے گا۔“

”مختاری جیب تو خالی ہوگی استاد۔ وہ دوا ہر روپے کے

لوئے راجن نے لٹوں کی ایک گڈی داور کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”چیک بک کی ضرورت تو نہیں ہے؟“

”نوٹ واپس جب میں رکھ لے راجن؟“ داور نے غصے میں کہا۔ ”آج میں دھوئے تیرے دس بجا روکے ساتھ ڈول کر لی گا۔ اصل تو رکھ لینا، اپنا کام سوئے پہل جانے گا۔ ہاں وہ چیک بک میرے کوسہ دے۔“

داجن نے لٹے کی ایک ڈرائی الماری سے ایک نئی کوئی چیک بک نکالی اور داور کو دکھا کر بولا۔ ”دیکھ استاد۔ جیسی تم چھوڑ گئے تھے ویسی ہی بڑی ہے۔“

داور نے چیک بک پٹوں کی جیب میں ٹھونس لی اور بولا۔

”میں لکے بارے میں تیرے کو کچھ معلوم ہے راجن؟ وہ آج کل کہاں ہے لکھا رہی ہے۔“

داجن نے سر جھکا لیا اور دھکی آواز میں بولا۔ ”منا بھول جاؤ استاد۔ وہ تیرے شجر سے آئی ہے۔“

داجن لٹا لٹا کر تھی ہے۔

”بات کہا ہے راجن؟ اگر وہ کسی پٹھن کیسیل بن گئی ہے تو کوئی نئی بات نہیں ہے۔ لیکن ایک سٹی جانیس گا اور ان کے شجرے میں آجائے گی؟“ داور نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”اس نے شادی کر لی ہے استاد ایک مارواڑی سہتے تری جینکے پرکات دیے ہیں۔ وہ ہاندے کے ایک بنگلے میں گوری میم کی طرح رہ رہی ہے۔ تیری سٹی اکام نہیں آئے گی۔“

”کیا بولتا ہے رے؟“ داور نے لٹھنا ہے راجن۔ داور کل پڑ غصے سے لال پھر کا ہوا۔

”تیرے کو معلوم ہے استاد ان کی جوت کی عادت نہیں ہے۔“

بنانے میرے کو سادی میں بلا بانغا۔ بہت دھوم دھام کی تھی اس  
 موقعے مارواڑی سبھنے نے راجن نے ڈری ڈری اور آواز میں کہا۔  
 ”میں اس حرام سادے کا پتہ پھاڑ دوں گا۔“ داور نے غصے  
 کی شدت سے کھیلنے نہ لے لایا۔  
 ”بات اپنی کچھ نہیں آئی ہے اُستاد۔ مینا کو سادی سے کھینک  
 رکھیں ہونے میں تیرے کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب اس نے  
 سادی کی کہے تو تم گسہ ہو رہے ہو۔ سادی کے بغیر رہنا چاہیے  
 راجن حیرت سے لایا۔  
 ”کسی کو یان دے کہ کبھی راجن چاہیے راجن“ نے  
 غصے سے تھلائے ہوئے کہا اس نے اپنی کوجمان دی تھی کہ کسی  
 سے شادی نہیں کرے گی۔ اور اگر کرے گی تو صرف اپن سے کرے  
 گی۔ اگر اس کو کوئی مجبور کرے گا تو سادی کو میں بیچ کر میری مرضی معلوم  
 کر سکتی تھی۔ بات باپ اور جن کی نہیں ہے راجن، بات جہاں کی ہے  
 مینا کو یہ شادی بہت اچھی ہے نہ کی ہے۔  
 راجن نے ان کے کو بیچ کر باورچی کو اس کے گھر سے ملوایا اور  
 اسے دوسری غیاں بھوننے کی ہدایت کی۔ پھر اس نے داور کے بے  
 سودا اور برف کا انتظام کیا اور اس کے برابر کسی پر بیٹھ گیا۔  
 داور نے اپنی نشست سے اٹھ کر زور دارانہ انداز میں اپنی اور  
 نرم بیٹ پر چڑھ کر بیت دراز ہو گیا۔ چند لمحوں میں وہ انھیں موندے لپٹا  
 رہا۔ پھر تڑپا کر اٹھ بیٹھا۔ جیسے کوئی اہم بات اسے یاد آئی ہو اس  
 نے سارا اودھان میں راجن سے کہا اس میرے باپ کیلک کا حال چاہ  
 آج کل وہ سالانہ کہہ رہے ہیں۔  
 ”عبدالکبیر شراپوڑی ان میں لگے اُستاد۔ فالتو طریقے  
 دارو کا حصہ کرتا ہے۔“ راجن نے کہا ”تمہارا جیل خانے کے  
 لہجہ تو وہ ایک دھما دھما کر گویا برس نکلتا تھا۔ ایسا معلوم  
 ہوتا تھا کہ کادن کا پیمانہ اس کے پاس آگیا ہو۔ روتھ جاتی پر  
 چھوڑیوں کے سنگ کھونٹا تھا۔ ہر سنگ کے اوٹے فلیٹ میں  
 ڈرک پائی کرتا تھا۔ ایک سال میں سالانہ اپنی پھیل لائے پر  
 آگیا۔ تیرے کو بہت یاد کرتا ہے۔ اُستاد بھیجی میں تیرے کو یاد  
 نہیں کرتا تھا۔ اب مندی میں تھری کی تیری یاد میں روتا  
 ہے۔ معلوم کیا بولتا ہے؟“  
 ”کیا بولتا ہے؟“  
 ”بولتا ہے اُستاد داور ایک سال میں جیل سے نہیں  
 چھوڑا تو وہ اپنے آپ کو بالکل کھلا کر لے گا۔ تیرے لیفر  
 وہ بہت دھکی ہے اُستاد۔“  
 ”سلا، امرا مجاہد، داور حقارت سے فرش پر ٹھوک

گنہگار لاکھلاں ہو گئے تو اپن کو یاد کرتا ہے۔ اس کا کاڑی تو  
اپن کے بغیر نہیں چل سکتا۔  
داور اور راجن فریڈ بیٹھے ہوئے دوسری کی چسکیاں  
لیتے رہے۔ ڈڑھ دو گھنٹے بعد داور جی نے کھانا تیار کر دیا۔  
داور کو زور دیا کہ بھوک لگی تھی۔ وہ چسکیوں کی طرح کھانے  
پر ٹوٹ پڑا جیسے کسی دوزخ بھوکا ہو۔ جیل میں اسے سلحشی کی ہی  
بدولت اچھا کھانا نصیب ہو جاتا تھا۔ زیادہ تر اس کا گندارہ  
پنٹی بے مزہ دال اور غیر معیاری روٹی پر ہوتا تھا۔  
داور نے ڈٹ کر کھانا کھا یا اور پھر دو تین ڈکارا  
لے کر سسکتا ہوا ہوئے راجن کو دیکھنے لگا۔ راجن نے ہنسے  
کو بلا کر برتن اٹھواے اور مزید کی صفائی کرادی۔  
”کیا کھیا ہے راجن! گھودا داکے اُٹے بدر چلا جائے  
دیکھنا ہوں سالانہ کتنے پانی میں ہے؟“ داور نے ایک منگڑیٹ  
سلنگا کر دو تین گہرے شیش دگا کے بولا۔  
راجن نے بڑی کلائی ٹھری میں وقت دیکھا اور سہے سہے  
انداز میں بولا۔ وہ راجن شیش اس وقت اپنے اُٹے پر ہرگا  
مگر تیرا اکیلے جانا چاہیے نہیں ہے استاد۔  
داور نے ایک حق دنگا یاد اور بولا۔ ”گتتا ہے تو سالا  
کچھ بھول گئیا ہے۔ تیرا ٹیٹو کھرب نہیں ہوگا ہے راجن! کسے  
بھول گیا جیل جانے سے پہلے ابن ابدھر کا راجہ ہونا تھا۔ اشوک  
دادا بھی اپنا اجیت کرنا تھا۔ سالا تیرا بھی دم چھڑ کر کا۔  
مافک بات کرتا ہے۔ اچھا ہے بنا۔ اشوک دادا کے جیلے اب  
کہاں ہیں؟“  
”گھرو بدل گیا ہے استاد! چیلے وہیں کھڑے ہیں۔“ راجن  
نے مسکرا کر جواب دیا۔  
”اب یوں ملے! کس کی مجال ہے جو اپن کے  
سانے سر اٹھا کر کھڑے ہو سکیں؟“ داور نے زور سے لپے میں  
کہا۔ ”سالا ایک بھی میرے سانے کھڑا نہیں ہوگا اور باقی اس  
اوکے حقے کو گھودا داکے اپن اکیلا نمٹ لے گا جابل اب اٹھ  
چا سکتے؟“  
راجن، داور کو لے کر گھودا داکے اُٹے پر بڑھ گیا۔  
لکڑی کی ٹال ختم ہو گئی تھی۔ رگھو نے وہاں تین کینے کینے کرے  
نوا لیے تھے۔ احاطے میں دو بدعاش بیٹھے گھٹیا شرب سے  
ششلی کر رہے تھے۔ راجن کو دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر استہزائیہ  
مسکراہٹ بھر گئی۔  
داور نے انھیں پہلی نظر میں پرچان لیا تھا۔ دونوں ہی

اشترک دادا کے زمانے چیلے تھے۔ ان میں سے ایک چیلے نے  
لڑکی کو چھپنے پر داور سے مار پیٹ کھائی تھی۔ واو نے لاٹوں  
گھولنوں اور دھڑلے سے اس کی بھی طرح مرمت کی تھی اور وہ  
ایک عجیبے تک ہنسنے اُٹھتا نہیں تھا۔ دو دفن داور کو کیوں  
بہیں سکے تھے انھوں نے داور کو غور سے دیکھا بھی نہیں تھا۔  
سرخ لبین واسے بدعاش نہ لگے ہیں بڑا ہوا سنی پھول  
رومال درست کیا اور گردن اکڑا کے کھڑا ہو گیا۔ وہ حقائق اور  
نور سے راجن کو دیکھ رہا تھا۔ چند سے وہ راجن کی آنکھوں میں  
آنکھیں ڈالے دیکھا راجن پھونکنے لگے ہیں لولا! ابدھر کاٹے کو پیار  
ہے راجن۔ تیری سکل سے معلوم ہوتا ہے کہ تیرے پیٹ میں پیر  
درد اٹھتا ہے۔“  
”وہ بڑا پاپ رکھو کدھر ہے؟“ داور نے مسکاکہ بولے  
میں کہا۔  
سرخ لبین واسے نے داور کے لیے کی سخی پر اسے چونک  
کہ دیکھا چند ہی لمحوں میں اس کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اس  
پرستے کی کیفیت طاری ہو گئی۔ پھر اس کی آنکھیں کپکپانے  
لگیں اور وہ کاپاتی ہوئی آواز میں لولا! داور! اتم!“  
”ہاں میں بڑا پاپ داور ہوں۔ ڈیمیری مارا کھول تو  
انہیں گیا جیسے ناٹھ۔“ داور نے زہر خند سے پوچھا، پریم ناٹھ  
جیسے داور نے طنزاً کھولا ناٹھ کہا تھا کیا بتائے ہوئے۔ سوٹوں  
پر زبان پھیر کر لولا! اناٹا داور۔ مال سم این ترے کے کیسے  
کھول سکتا ہے۔ تم تو این کا مالی پاپ ہے داور۔“  
داور نے آگے بڑھ کر ایک زوردار پھونکنے پریم ناٹھ کے  
ریسہ کیا۔ وہ دو دین قدم پیچھے ہٹ کر لایا اور لاؤنچ پر بزنار نہکتے  
ہوئے پشت سے بل زمین پر ڈھیر ہو گیا، داور نے آگے بڑھ  
کر ایک زوردار ہونکر پریم ناٹھ کی پسیلوں میں ریسہ کیا۔ بدیم  
ناٹھ بلبلا یا اور اسے کپکپاتے ہوئے ہاتھ معافی مانگنے کے انداز  
میں جوڑ دے اور دُری طرح گھگھائیے لگا۔ اس کی آنکھوں  
میں آنسو بہ کرے تھے اور آواز بھرا سخی تھی۔  
”سامنے کتے، کینے یہ کیوں نہیں لوٹا کہ تو پیسے پاپ  
کو بھول گیا تھا۔“ داور نے چند سے کچھ سوچا پھر قدرت زنی  
سے لولا! پرستوں میں تیرا کوئی قصور بھی نہیں۔ اب جا اپنے  
جیسا جی جو لکے لول کہ تیرا پاپ اُبلے۔ جیسا میں نے لولا  
تو ویسا ہی جا کے بول دے۔“  
پریم ناٹھ بدستور ہاتھ جوڑے ہوئے کا پینا ہوا گھڑا اور گیا  
اور بسے بسے سے اپنے سامنے کی طرف دیکھ کر لولا! چل ہوٹ

نہی میرے ساتھ ہیں۔“

لوہٹ نے ہوتوں پر زبان بھیر کر اس طرح داور کی طرف دیکھا جیسے اس سے اجازت طلب کر رہا ہو۔ داور نے ایک شان بے نیاز سے لوہٹ کو جانے کا اشارہ کیا اور وہ دو دن تیز قدم اٹھاتے دھودا اسکے اٹنے کی طرف چل دیئے۔ ان کی نظروں سے اوچھل ہوتے ہی داور نے راجن کی پشت پر ہلکی سی ہتھکی دیکھی اور ایک جھٹہ لگا کر نولہ۔ اب دیکھنا راجن۔ اب تیرے کو بہت بجائے گا۔ سلا ایسا سین یاٹ لٹے اسی اکھا جندگی میں نہیں دیکھا ہوئیں گا۔ وہ حرام مادہ دیکھو باہر جو ترکم سے معافی منانے تو بہن کا سکل پر لغت دے رہا ہے کیا سمجھا۔“

”اس کمپنے نے اپن کو ٹرا تکلیف دیا ہے استاد۔ اپن کا جینا حرام کر دیا تھا سالے نے۔ اس حرام مادے دیکھو کا آبلٹ بنا دو استاد۔“

”تو جھکرت کرو راجن جہانی! اپن رگھو کو اٹھا آبلٹ نہیں اٹھا تھو تالہ رنا دیں گا۔“ داور نے چھاتی چوری کیے کہا۔

راجن کے ہوتوں پر مسکر اٹ پھیل گئی اور اس نے بھی اس طرح سینہ پچھلایا جس طرح مرغ اذان دینے سے پہلے پھلانا ہے۔ وہ دو دن خاموشی سے انتظار کرنے لگے۔

دس بندہ منٹ بعد ایک دراز قد اور مضبوط جسامت کا دھیرے دھیرے خام شخص گروں اکڑتے ہوئے ان کے سامنے سامنے کمرے سے نکلنا اور تو خمار نظروں سے داور کو گھورتے ہوئے، دھیرے دھیرے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ داور نے اس کے تیروں سے اندازہ لگا لیا کہ دیکھو اگنی بندے کا نام ہے اس نے راجن کو دیکھا جس کے چہرے کا رنگ ڈاٹھا تھا اور ناچیں ایک خاص مشین پکپکار رہی تھیں۔ داور نے ایک نو دوار باہر راجن کی پشت پر رسید کیا اور سخت لمبے میں بولا۔

”سالے جھیکر کی کاماک کی گائے کوڈ زتا ہے۔ بیدھان کرکھڑا ہے سالے نہیں تویر کچھوڑ سہلے ناؤں گا۔“

رگھو دادا داور سے باہر چھ قدم دور تک کھڑا ہو گیا اور زہریلا مسکراہٹ ہوتوں پر بیکھیرے سنا پیا اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ داور کی زندہ دلی اور مذہب سے کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ داور کو کشادہ دیکھ کر عام ساداد گیر سمجھ کر اس کی چٹنی مٹانے لگا تھا۔ مگر داور کے ہمارا مانا اور بے خوف رویے نے مئے مٹھنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن اس کے حامو د رگھو دادا

داور سے مرعوب دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے اپنی جسمانی طاقت اور گھوڑے بازی پر بڑا ناز تھا۔ داور کو یہ ایک مغزور اور گمنامی جھوٹا سمجھا رہا تھا۔ پھر گھوڑے راجن کو دیکھا جھپٹتے ہوئے داور کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ داور کے چہرے پر استہزا اور مسکراہٹ پیدا ہوئی اور وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے پرسکون آواز میں بولا۔ یہ جھوٹا ٹھیک بولتا ہے راجن یہ سالا تم جو کسی کا مالک کاؤ کرتا ہے۔ تم کو سالا جھوٹا کامانک ڈرنا چاہیے۔ جھڑا لوگ جھوڑی لوگ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ اور تم سالا ابن سے اس لیے ڈر رہے کہ تم ابن کو اچھی طرح جانتا ہے اور یہ بنا چھی ابھی ایک ٹھٹھے کے بعد ابن سے بالکل بھلا کامانک ڈر رہا ہے۔

”رگھو دادا تمہارا جھوٹا بانی کدھر ہے؟“ داور نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

”کیسا مطلب کیا بولتا ہے تم جو بولنا ہے صاف صاف بولو۔ ابن کو اس کی پہلی بات پسند نہیں ہے۔ ابن کا کچھ کھراب ہو گیا تو تمہارا جھوٹا بانی کا دوسرا کرنا بھی بے فائدہ ہو جائے گا۔“

داور کی پیشانی پر ایک شکن بھی نمودار نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی اور وہ مضبوطی سے اپنی جگہ جم رہا تھا۔ اس نے پھر پرسکون آواز میں کہا۔ رگھو دادا ابن اس جھوٹا بانی کا بات کرتا ہے جس نے ابن کا دوست راجن کا ہونٹ توڑا تھا۔ ذرا اپنے جیلوں کو آواز دو اسے ابن تم کو ایک نر شا دکھانا چاہتا ہے۔“

رگھو دادا کے چہرے پر اٹھن کے تاثرات نمودار ہوئے۔ وہ اب کسی قدر پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے پرسکون انداز میں اسے ٹھوڑا سا گڑا دیا تھا۔ رگھو نے راجن سے جوابات بھی تھی اس کا مقصد داور کو مرعوب کرنا تھا۔ راجن کو داور پر اس کی وحشی کا لٹی ہر بڑی اثر نہیں ہوا تھا۔ اور یہی بات رگھو کی پریشانی کا باعث بنی ہوئی تھی اور اب داور نے اس کے لیے جانوں کو بلوایا تھا تو یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ رگھو جھٹلے طیش کے عالم میں داور کو گھورتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اور وہ طنز پر لبے میں بولا۔ ”تم ابن کو مداری معلوم پڑنا ہے مداری کا تماشا ابن کو بہت پسند ہے جھوٹا ہے۔ یہ کہہ کر رگھو نے ایک مخصوص انداز میں سنی بجائی اور ایک کردار سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک ایک کے

احاطے میں آگئے۔ ان سب کے چہروں پر حیرت انگیز نظریں اور وہ سب ہی ہوئی نظروں سے داور کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی کیفیت بکریوں کے اس رپڑ کی سی تھی جس نے کسی خود کش کو دیکھا ہو۔

رگھو نے اپنے جیلوں کو خوفزدہ دیکھا تو غصے کی شدت سے اس کا سہا ہرہ کچھ اور سیاہ ہو گیا۔ آگے بڑھ کر اس نے ایک دروازہ توڑ توڑی الجھنے جیلے کا گریبان پکڑ لیا اور اسے داور کی طرف دھکیل کر بولا۔ سالا! تم بڑا ہیرو بننا تھا۔ اپنا آپ کو سالا اپنا ہیچ سمجھتا تھا۔ اب تمہارا آپ امیر خان آگے نکلیا ہے چلو اپنا پھلیم شروع کرو۔ سالا دیکھنا ہے کہ تم کتنا بڑا ہیرو ہے۔“

طویل قیامت بدعا شاور سے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے رگھو کو بے بسی سے دیکھنے لگا۔

رگھو دادا نے نفرت اور حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کاٹ وار آواز میں کہا۔ ”کیوں سے بتالال آگے کیوں نہیں بڑھتا ہے۔“

داور نے راجن کو ایک طرف دھکیل دیا اور آستین کا بن کھول کر اسے بڑھانے لگا پھر کچھ سوچ کر اس نے بشرط کے ساتھ بن کھول دیے اور اسے اتار کر ایک طرف اچھال دیا۔ رگھو دادا کے تمام جیلے بڑی دلچسپی سے داور کی ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے تھے۔ وقتی طور پر راجن چھوٹنے سے ان کے چہروں پر اطمینان جھلک رہا تھا۔

بتالال اب بہت حد تک سنبھل گیا تھا۔ رگھو نے اس کی خاصی بے عزتی کی تھی اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اب اگر وہ آگے نہیں بڑھا تو رگھو سے روٹی کی طرح دھک کر رکھنے کا داور پر گویا اس کے لیے ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ رگھو کے طنزیہ جلوہ نے بتالال کے تن بدن میں آگ سی بھری تھی۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا۔ غصہ تلخ و طبع بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں ایک خیال ابھر اٹھا کہ مارا اس کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر اس نے داور سے مقابلہ کرنے اور اس کے ہاتھوں پر نشانہ منظور نہ کیا تب بھی وہ بے غیر نہیں ہے۔ گالیندا اس نے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا تھا بھل بیٹا بتالال! پڑھ جا سولی پر، رام بھلی کرے گا۔“

بتالال نے ایک گہرا سانس لیا اور خود بخود انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

ہوئی تھیں۔ نظرس داور پر مرکوز تھیں جو پرسکون اور مطمئن اس کے قریب آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

داور کے قریب پہنچ کر بتالال نے ایک زور وار گھونرہ رسید کرنے کے لیے ہاتھ لہرایا۔ داور نے بڑے مزے سے بائیں کھنپی پر بتالال کا وار روک لیا اور پھر اس کا دایاں پاؤں حرکت میں آیا۔ اس کا زور وار گھونرہ بتالال کے پیٹ پر پڑا اور وہ ڈر کر اتار ہوا اس کے رگھو کے قدموں میں جا پڑا۔ رگھو نے ایک موٹی سی گالی کے ساتھ زور وار گھونکر اس کی پسلیوں میں رسید کی۔ پھر اس کے پیچھے چلانے کی پروا نہ کرتے ہوئے رگھو نے بھلی کی سی تیزی سے جھک کر بتالال کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور دوبارہ داور کی طرف دھکیل دیا۔ داور نے پے در پے دو تین گھونرے بتالال کے منہ پر رسید کئے اور پھر اچھل کر ایک فلائنگ کلک اس کے سینے پر رسید کی۔ بتالال فضا کی طرح اڑ کھٹکا ہوا دوبارہ رگھو کے قدموں میں جا پڑا۔

رگھو نے پھر ایک زور دار لات بتالال کو رسید کی۔ اسے دو تین گالیاں دیں اور اپنے جیلوں چانٹوں کو ناکارہ اور دلو سے خوفزدہ سمجھتے ہوئے تیزی سے اس پر ٹوٹ پڑا۔ غرلے ہوئے اس نے داور کو لاتوں اور گھونٹوں پر رکھ لیا۔

داور کو سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اس کے سامان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ رگھو دادا یوں اچانک اس پر حملہ کرے گا۔ اپنے استاد اور حمایتی کو پیٹنے دیکھ کر راجن ہکا بکا رہ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر زبردستی کھنکھاتی تھی اور اسے یقین تھا کہ داور کی اچھی طرح دھناتی کرنے کے بعد رگھو دادا اس کی خبر لے گا۔ اسے داور کو لائے کا مزا اچھی طرح چکھائے گا۔

رگھو نے داور کو سنبھلے اور جوابی حملہ کرنے کا ذرا بھی موقع نہیں دیا تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔ وقفہ وقفے سے وہ ایک آدھ لات بھی داور کو رسید کرتا جا رہا تھا۔

داور کا ایک اور بڑی دانت ٹوٹ کر باہر آچکا تھا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اور سر میں شدید دھماکے ہو چکے تھے۔ رگھو نے ایک زور دار لات رسید کی تو وہ جان بوجھ کر قذرا بایاں کھاتا ہوا در جا پڑا۔ اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیے جیسے اس پر بے ہوشی طاری ہو رہی ہو۔

رگھو سینہ پھلانے لگا تا ہوا داور کے قریب پہنچ گیا اور شدید نفرت اور حقارت سے اس کی پسلیوں میں ٹھوکر مارنے کے لیے اپنا دایاں پاؤں اٹھایا اور اسی لمحے داور نے بھلی کی سی پھرتی سے اس کی ٹانگ کی جھپٹ کر دوبرقی کی۔ رگھو اپنی ٹانگ چھڑکنے کے لیے جدوجہد کرنے لگا۔ وہ ایک ٹانگ پر ناپا کر رہا تھا۔ اسے توازن پر مقرر رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ داور نے بڑی قوت صرف کر کے رگھو کی ٹانگ پر مری طرح مردہ ڈی اور جودھ لڑنے کے کسی ماہر کی طرح نعرہ لگا کر اسے اچھال دیا۔ رگھو کے سین پر گرے ہی داور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بڑی قوت سے ایک ٹھوکر اس کی پسلیوں میں رسید کر دی۔ رگھو نے تکلیف کی شدت سے ہونٹ میچنے لیے۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ داور مضبوط اور بھاری فوجی ہوتے ہیٹے ہوئے تھا۔

داور نے رگھو کو اٹھتے دیکھا تو فزنی اسٹال کشنی کے جاپانی ماہر کی طرح اچھل کر اس کی چھاتی پر کود گیا۔ رگھو نے مونٹ پاستے سی دونوں ہاتھوں سے داور کی گردن اور بڑی ریوگھو دادا نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑائی اور تار پڑا تو پڑھنے لگا۔

راجن نے باکی بیٹھے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات کیمر تہ دل ہو گئے تھے۔ اس کی جان میں جان آگئی تھی۔ اور وہ بڑی دلچسپی سے اپنے استاد کے گھونٹے بانٹنے کے فن کو دیکھ رہا تھا۔ داور نے ہندی مرٹ میں رگھو کا کلیہ بگاڑ دیا اسے لہو لہا کر دیا۔

رگھو دادا کو اوجھل کر کے داور اس کی چھاتی سے اتر گیا۔ اسے یقین تھا کہ رگھو میں اب اتنا دم خم نہیں رہا کہ دوبارہ اس پر حملہ کرنے کے لیے سوچ بھی سکے۔ وہ فحاشانہ انداز سے راجن کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ”کیوں رے بھانٹا ہے نا؟“

راجن دھڑکا ہوا کر ٹوٹتی سے داور سے لپٹ گیا اور چلا کر بولا۔ ”تیرے کو کون نہیں جانتا استاد۔ اٹھا بھی تیرے کو مانتا ہے۔ تو نے تو رگھو دادا کا پچھا وہ نہ بایا۔ سالا بہت اگڑا تھا۔ اب کیسا بڑا سنگھ کا مالک بڑا ہے۔“

داور نے راجن کی بات پر ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”ہاں تو راجن، ابن ایدھر کھٹے کو آ رہا تھا؟“

راجن نے حقارت سے رگھو دادا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کہنے نے ابن کا بہت نقصان کیلئے استاد۔ انا تیرے داور جیل میں تھا تو ادر یہ گیدر شیر بن لکھتا تھا۔ اس

حالتے نے اپنا چہرہ بائیں کو مچھ کر کین کا ہوش توڑ دیا تھا۔ اپن کو اس راکشہ شخص نے بہت مارتا تھا۔ اس دوا پر ان کا ہفتہ بستر پر لٹائے کے بل کر رہتا تھا۔

دوڑنے آگے بڑھ کر ایک بھر پور ٹھوکر لگو کر پھیل گیا۔

میں رسید کی اور سفاک چہرے میں بولا۔ "کیوں کھڑے تیرے کو کسی نے نہیں بولا تھا کہ یہ راجن اپن کا دوست ہے، دوا کا بار جانی ہے۔ وہ دوا جس سے اٹھا چکی اور اوجھا ہندوستان ڈرتا ہے۔ اپن جلی گیا تھا تو اوجھ کا دادا اٹھو کا تھا۔ وہ سالاب پڑت بن گیا ہے۔ اٹھو کا دادا بھی اوجھ کا تھا۔ کالونی میں اپنا ڈیر میں دوا گری چلا تھا۔ سن سے گڈر سنگھ آج سے تیرا دوا گری کھلاں کیا، اب مراٹھا کالونی میں اپن کا راج پاٹ چلیں گا۔ کوئی مانی کالال اپن کا مرضی کا بغیر اوجھ والی گری نہیں چلا سکتا۔

دوڑنے شعلے پر سائی آنکھوں سے دگو دوا کے چلیں چاتوں کو دیکھا جو رہ جگائے اسے کھڑے تھے۔ ان میں سے کسی ایک کی مجال بھی نہیں تھی کہ دوا سے انکھیں ملا سکے۔ دوا سے قریب کھڑے ہوئے پریم ناتھ کو غما طلب کر کے کہا۔ "مجبورے ناتھ جی، اپنے گڈر سنگھ کو اٹھا کر لائز کرے میں چلو، اپن اس سالے سے حساب کتاب کرنا مانگتا ہے۔"

دوڑ شام سات بجے اپنے دوست اور پارٹنر عبدال کے گھر پہنچ گیا۔ اسے دیکھ کر عبدال پرکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اور پھر وہ گرجو بھئی سے دوا سے لپٹ گیا تھا۔ عبدال اس سے بغلی گیر ہوتے ہوئے رونے لگا تھا۔ دوا سے آنے سے پہلے اس نے سستے اور گھٹیا پائڈل ٹھوسے کی ادھی بوتل چڑھائی تھی اور اس نے پہرے ہوئی کی کیفیت بہادہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ بہہ رہے تھے۔

دوا کی عبدال سے بارہ سال پرانی دوستی تھی۔ اس کے دکھ سکھ میں عبدال نے ہمیشہ اس کا ساتھ دیا تھا۔ زیادہ تر وارداتیں دونوں نے مل کر کی تھیں۔ دوا اچھی غامی رزم عبدال کو نے کر جلی گیا تھا اور اب وہ فطری فلسفہ دکھائی دے رہا تھا۔ ٹھوسے کی بوتل دکھ کر ہی دوا کو اس کی ناگفتہ بہ حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ یہاں اسے سے پہلے لڑیں بھی اسے عبدال کے فلاں ش ہونے کی خبر سے جکا تھا۔

یہ عبدال کی پرانی عادت تھی۔ دوا کے ساتھ اس نے لاکھوں روپے کمائے تھے اور اپنی شاہانہ طبیعت کی وجہ سے فیکر فیکر ہی رہا تھا۔ پیسے اس کی جیب میں تھتے ہی نہیں تھے۔ اس نے کبھی اسے دوا کے لیکل کی پروا نہیں کی تھی۔

رسمی علیک سلیک کے بعد دوا جوتوں سمیت عبدال کے ڈبل بیڈ پر دراز ہو گیا تھا۔ عبدال پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پیادہ پھری نظروں سے دوا کو دیکھنے لگا۔ دوا برقی طرح تھک گیا تھا۔ لکھو دوا کے اڈے پر اس کی اچھی خاصی ورزش ہو گئی تھی۔

سارے چار سال جیل میں سزا یافتہ سے گزارنے کے بعد جیل مرتبہ ہاتھ پاؤں جلائے کا موقع ملا تھا۔ دوا نے جیل سے نکلنے ہی پر فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ پولیس کی نظروں سے بچ کر پونا میں اپنے بیک سے دس ہندہ ہزار روپے لٹوائے گا اور عبدال کے ساتھ مل کر سیر و سفر کر کے لیے شملہ یا ریکر جلا جائے گا۔ دوا کا ارادہ نیا دہ دیر نہیں میں نہ بنے گا نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجرموں کی زیر زمین دنیا میں اس کی رہائی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلے گی۔ جس دنیا میں دوا کے دوست کو اب اور دشمن زیادہ تھے۔ وہ دوا سے اس بات پر چلبے اور نفرت کرتے تھے کہ وہ انہیں اپنے پیارے بھری کے منصوبوں میں شریک نہیں کرتا تھا۔ بھئی کی جڑ میں بیڑہ افراد کی کئی منظم تنظیموں نے دوا کو ملائی کو شش کی تھی۔

مگر دوا نے ان کی التجاؤں اور دھمکیوں کو رد و راجت نہیں سمجھا تھا۔ وہ اپنی فطرت کے خلاف کسی بھی فرد یا تنظیم کا پابند نہیں ہونا چاہتا تھا۔ دوا نے اسی بنا پر اپنا کوئی ٹوکہ بھی نہیں بنایا تھا۔ وہ ہر واردات کے منصوبے کے مطابق معقول معائنہ پر باصلاحیت لوگوں کی خدمات حاصل کرتا تھا اور واردات کے بعد انہیں مقررہ رقم دے کر جان چھڑا لیا کرتا تھا۔

دوا کوئی واردات کا منصوبہ بنانے سے پہلے جیل کی تنکیاں بھلائے کے لیے لمبی عیاشی اور بھرپور آرام کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی رہائی کی خبر پھیلے ہی جو بے بی کار پانکھیں شروع ہو جائے گا۔ دشمن ہتھیار اٹھائیں گے اور اسے اپنی حفاظت کے لیے چکر بڑا کار پ دھانا پڑے گا۔ بھئی کے چوٹی کے بدعاشوں میں وہ کو برائے نام سے مشہور تھا۔ دوا کے اس بدبخت انگیز نام سے لائق اد ہنگامے وابستہ تھے۔ دوا کوئی الحال کو برا کو چیرنا نہیں چاہتا۔

تھا ایک کچھ ماہ کے بعد وہ اس نظر نام کا نام کو اپنے دوستوں اور دشمنوں کے لبوں پر لانا چاہتا تھا۔ وہ دوا پر کوئی عمل کی ممکن اور بروت دور کرنا چاہتا تھا۔ اپنا تندرہ زندگی کالا عمل مرتب کر کے لیرے سکون اور آسودگی کی صورت تھی اور یہ سکون اسے کم از کم بھئی میں رہ کر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

پر دگر کم کے مطابق دوا کو آج رات ہی پونا روانہ ہونا تھا۔ اس نے رات آٹھ بجے کی آرام دہ ایک کونڈیشنڈ ریل کار سے پونا روانگی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اس کا خواب پورا ہوتا ہوا دکھائی نہ دیتا تھا۔ راجن کے چکر میں دوا کے کئی کھٹے نکلے ہو گئے تھے اور وہ آج رات پونا روانگی کو ملتوی کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ اب اس نے کل صبح کی ریل کار سے روانہ ہونے کا پورا آرام بنایا تھا۔ پونا جانے سے پہلے دوا سلمی سے ملنا چاہتا تھا۔ حسین و جمیل سلمی جس کا خیال آتے ہی دوا کی دھڑکنیں تیز ہو جاتیں اور سینے میں مدھما مدھما سا درد ہونے لگتا تھا سلمی اسے جیل میں ملنے مسلسل آتی رہی تھی۔ دوا کے اور اس کے نظریات میں یہی آسمان کا فرق تھا۔ سلمی زندگی میں ایک راہ اپنے کی قابل تھی اور دوا کی کی راہوں کا مسافر تھا۔ یہ اور بات تھی کہ وہ بڑی کویدی نہیں سمجھتا تھا۔ اس بارے میں دوا کا اپنا ایک فلسفہ تھا جس سے سلمی اتفاق نہیں کرتی تھی۔

"دیکھو سلمی، میں تجھے نہیں ہوں اور نہ ہی میں ان پڑھ ہوں۔ تم میری تعلیمی استعداد اور قابلیت سے بخوبی واقف ہو۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے حالات کے تحت اپنے اوپر ایک خول چڑھا رکھا ہے۔ ایک روز دوا نے سلمی کی نصیحتوں سے تنگ کر لیا تھا۔ "میں نے بہت دیکھے کھائے ہیں۔ وہ کہ ٹھوکر لوں سے مجھے بڑے تلخ جذبات حاصل ہوتے ہیں۔ اب تک میں نے جو زندگی گزارا ہے اس کے تحت ایک ہی بات میری سمجھ میں آئی ہے اور وہ یہ کہ اس دنیا میں صرف طاقتور ہی کی حکمرانی ہے۔ چلے کوئی عام آدمی ہو یا حکومت، یہاں جس کی لاکھڑی اس کی بھینس کی مثال صادق آتی ہے۔ جو جتنا دولت مند اور طاقتور ہے لوگ اس کی آغوش ہی زیادہ عزت کرتے ہیں۔ نامور مجرموں اور ملنگوں سے حکومت تک مرعوب ہو جاتی ہے۔ اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر دیتے ہیں۔ انہیں جا بیزیت ہی فتح مندی کا باعث ہوتی ہے۔"

بڑی جلی جھوٹی جھل کر کھا جاتی ہے اور میں بھاری بھاری باتوں میں آکر جھوٹی جھلی بنتا چلتا ہوں۔

سلمی دوا کو جرات سے دیکھتی رہی تھی اور پھر خوب خیر بے میں بولی تھی۔ یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہے ہو دوا رو کندی گلی کا کوئی لفظ اس قسم کی باتیں کرنا تو مجھے کوئی انخوس نہ ہوتا۔ جوت ایک پڑے کھٹے شخص ہو، اسکول کالج کی دوسری کتا لوں سے ہٹ کر ہی تم نے بہت کچھ پڑھا ہے کیا تم اتنی ہی بات ہی نہیں کچھ کر ساری دنیا جوت ہونے لگے تھے تب ہی جوت کو جوت ہی رہے گا۔ بھائی اور لوت مار کو کوئی بھی عقل سلیم رکھے اور انکھیں جائز نہیں کہہ سکتا۔ بھیت اقدام کی بڑی اہمیت ہے دوا رنجی اور شرافت کی ہر دور میں قدر ہوتی ہے۔ پورب اور امر لکھیاں لکھو دوا کو کمر پر بٹھا جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مجھے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اپنا یہ بدعاشوں اور تیروں والا خول آتا رہو دوا۔ یہ نہیں تباہ کر دے گا۔ تم نہیں کہ نہیں رہو گے۔ تم میری راہوں پر چل رہے ہو۔ ان کا اعتقاد جیل کی کال کو ختمی یا بھائی کے لئے ہے۔ ہوتا ہے۔ ان ملاؤں سے لوت آکر دوا جس کی کوئی منزل نہیں ہے۔ "تم انسانی جبلت سے واقف نہیں ہو سکتی" دوا نے سیدھی دے کہا تھا۔ "انکھیں نہیں معلوم نفس کہا چیز ہے۔ دنیا کی ساری خرابیاں نفس کی ریزن منت ہیں۔ یہ باتیں تم اس لیے نہیں جانتیں کہ پھر عالم کتابی ہے۔ علی زندگی کا انکھیں کئی خاں تجربہ نہیں ہے جبکہ میں نے ہر دور ہی بھوکروں میں چالی ہے انسانی زندگی کے میں نے عجیب و غریب نمائش دیکھے ہیں۔ میں نے اپنے اوپر بخول نہیں چڑھا دکھا۔ اپنے باطن کا اور دکھا ہے جیسے معلوم ہے بہت سے لوگ اس لیے بڑے نہیں ہوتے کہ انکھیں بڑائی کی طرف مائل ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ جیسا کہ میں نہیں ہوتے کہ انکھیں پوری کے لیے سازگار ماحول نہیں ملتا۔ حال ہی میں امریکا کے سب سے بڑے اور ترقی یافتہ شہر نیویارک میں ایک گھنٹے کے لیے بجلی بجی تھی اور بولا پھر جنگل میں لگا تھا۔ لکھنے میں مختارے ایڈیٹر ل ترقی یافتہ اور مذہب لوگوں نے اپنے بچوں آسار پیچھے تھے اور بڑوں اور ادیبوں کو ڈالی تھیں۔ انکھیں لکھنے نے کھنکھینے کا موقع فراہم کیا تھا اور یوں ساری اخلاقی اقدار دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔ تم اس امریکا کی بات کر رہی ہو نا جس نے جاپان کے دو شہروں میں ایٹم بم گرنے کے لاکھوں انسانوں کو موت کی ہیند سلا دیا تھا۔ طاقت کا مظاہرہ کر کے جاپان کو بھتیجا ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔"



داور اور مل کر جب بھی ملے ہی قسم کی گفتگو ہوتی تھی۔ سلی بی بی کی پرستار تھی۔ داور بدی کا دلدادہ تھا اور دونوں دنوں ایک جگہ کے بہت قریب ہوتے ہوئے بھی بہت دور رہتے۔ اسی تفاوت نے انھیں یکجا نہیں ہونے دیا تھا۔ اس نظر بانی جنگ سے والہ کی موسی پریشان ہو جاتی تھیں۔ جنگ اگر وہ دونوں کو برا بھلا کہنے لگی تھیں اور دوا دیکھنے سے ان کے گھر سے کھسک لینا تھا۔ سلی کا خیال آئے ہی دوا دیکھنا تھا اور عبدال پر نظر کر مگر ذرا دیر جوڑی کی خوب سے اسے دیکھ رہا تھا۔ دوا دیکھنے دیکھ کر وہ چونک کر ادا اور دلا راجن تیرے کو بہت یاد کرتا تھا۔ داور اور دوا صراحتاً کالونی میں ایک نیا دارادار محوایا ہے اس نے راجن کا دھڑن تختہ کر دیا تھا۔

داور کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اس نے سلی کی تڑکی اٹھ کر عبدال کی کرسی پر ٹھوکر دیا کہ اور وہ کرسی بہت اٹل و دوہ جاگڑا۔ داور نے جڑا کر کہا "ابن تو ادا صریحی نیشنل جیل میں بند تھا۔ تو نے باجن کا مدد کیوں نہیں کیا سارے؟ تو کیا امیر لدا تھا؟ عبدال نے سر کو دو تین جھٹکے دیئے اور مسکرا کر نرم لہجے میں بولا "مگر کامے کو ہونا ہے یا تیرے کو ملام ہے کہ اپن تیرے شیر بیڑی کا مامک ڈاؤن ہو جاتا ہے۔ تم اپن کا ساتھ ہونا ہے تو اپن کا اٹھا جسم جیل کزنٹ دوڑنے لگتا ہے۔ تم سلا جیل میں لگتا تو اپن کا فیور ہو جاتا۔ ڈنگ لدا تھا۔ وہاں جا آ گیا۔ تو نے اپن کو کلاتا ملا ہے تو اور اپن کا جسم جیل کزنٹ آ رہا ہے۔ چل یا راتھ اس کیجئے رگو کی تیل مالش کے لیے مراٹھا کالونی چلے ہیں۔"

"اپن نے اس سالے کا بیڑی ڈاؤن کر دیا ہے؟" داور نے گردن اڑا کر کہا "وہ سالہ ایک مٹھہ آٹھ نہیں کہیں گا۔ راجن کا نقصان اپن نے ہوا کر لیا ہے کیا؟"

"جینو داور۔ طبیعت کھوش کر دیا تھے؟" عبدال جھومنا ہوا اٹھا اور دھڑکتے ہوئے تھوڑے کیوں تیرے اٹھا کر دوا دیکھتا تھا۔

داور نے حقارت سے تھوڑے کیوں اٹھا کر دوا دیکھنے لگا اور عبدال خیرت سے بلیکس چھپکاتے ہوئے بولا "کیا استناد کو لے داور پنا چھوڑ دیا ہے؟"

داور نے سو سو کے دس نوٹ جیب سے نکالے اور عبدال کے منہ پر مار کے بولا "سالہ آٹھ مٹھہ دسی شہر امت پنا چل گئے جلی دار کر کیوں لے؟" اپن کو ہر تھوڑا کلاس چیز سے نفرت ہے کیا تھا۔ کچھ کھانے کا واسطے بھی لے آنا۔ اپن ایک ضروری کام

سے جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹہ بعد تھارے ننگ ڈونک کرے گا۔ کیا سمجھا؟"

"سمجھ گیا استناد مگر تم جلدی آنا۔ جانی دار کو دیکھ کر اپنے سبز نہیں ہوئیں گا۔ وہ اپن کا بڑا نوٹ مانتو ہے کیا؟ عبدال نے نوٹ جیب سے کرجیب میں تھولتے ہوئے کہا۔

داور نے اذیتاں نہ بن کر بولا "داور دوسرے کمر میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک خوبصورت بھڑکی کی الماری میں اس کے پڑے اور روز نوٹ استعمال کی دوسری چیز نہ پڑی تھیں۔ اپنے کپڑے وغیرہ سلامت دیکھ کر داور نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ اس کے پانچ چھ خوبصورت سوٹ بیگروں میں رنگ رہے تھے۔ عبدال نے ان پر بلا ننگ لیٹ کر تیری عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔

داور نے ایک گھر سے کلک سا نوٹ نکال لیا جو اس نے دو تین بار سے زیادہ نہیں پہنا تھا۔ جیل جانے سے پہلے یہ سوٹ داور کے جسم پر ننگ پڑنا تھا۔ اس سوٹ میں وہ اپنے جسم کو جھکا ہوا کرنا تھا اور تیری وجہ سے کمر آواز ہونے سے تین چار ماہ پہلے داور نے اسے پہننا چھوڑ دیا تھا۔ لیبل کی صورتوں نے داور کا دل نہ کانی کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ سوٹ اس کے جسم پر بالکل نوزوں تھا۔ اپنا ننگ تھا جیسے داور نے کل ہی ملوایا ہو سوٹ بہن کر اس نے خود کو آئینہ میں دیکھا اور زبردست مسکراتے ہوئے اپنے بال سناٹے لگا ساتھ ہی وہ ایک بڑا ناگرت ٹنگٹا مارا تھا۔ ہر طرح سے تیار وہ کر اس نے ایک ناقدانہ نگاہ کیجئے پر ڈالی اور عبدال کے فلیٹ سے باہر گیا۔

داور نے عبدال کے گھر سے باہر کر ایک چٹکی پکڑی اور مل کے گھر پہنچ گیا۔ اس نے چٹکی کھد کھد چھوڑی تھی اور کر کے بدل ہی سلی کے گھر کی طرف چل چکا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر اس وقت مسکرا تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سلی ایک بار پھر اسے آڑ سے ہاتھوں سے لگی ایک بار پھر اس کے دار کئی کے درمیان نیکی اور بدی کا فلسفہ شروع ہو جائے گا۔ لیکن اس بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کئی کی باتوں میں اگر کبھی فطرت بدل نہیں سکتا۔ پھر بھی اس رکی سے ملنے کی خواہش ہوتی تھی۔ دل چاہتا تھا کہ اس کی بھولی مجال باہر سنی جاوے۔ ہر شخص نے دنیا کو دیکھ لیا تھا۔ بوں سے دیکھا ہے ہر ایک کے تجربے محدود ہوتے ہیں۔ سلی بے جا رہی کہ کیا معلوم کہ زندہ رہنے کے لیے کتنا دل کا مارنا پڑتا ہے۔ اس دنیا میں خوشی جھیک لٹے سے نہیں جینے سے ملتی ہے۔

جب وہ مل کے گھر پہنچا تو داور اندر سے برآمد ہوئے تھے

کو دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔ "دھت تیری کی۔ نہ جلتے نہ لڑکی کہاں رہتی ہے؟"

وہ بلبلا ہوا عبدال کے فلیٹ واپس آیا۔ یہاں ایک اور معیت اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عبدال کمرے کے فرش پر اس طرح لیٹا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔ دبانے ہاتھ سے کچھ ی صلیب پر جانی دار کی ایک۔ بوتل لڑکی ہوتی تھی جس میں آدھی شراب باقی تھی۔ جبکہ اس بوتل سے کچھ فاصلے پر دوا خالی بوتلیں اپنا حال سنار ہی تھیں۔ صوبے کے قریب پنا ہوا کھانا بھی رکھا تھا۔ مرغی کی خالی ہڈیاں جنھیں بہت بے دردی سے چھینا گیا تھا۔ داور پر دیکھ کر غصہ میں پھر گیا۔ اس نے ایک نو دوا لٹات عبدال کی کمر پر رید کر دی۔

"اسے بابا۔ کیا کرتا ہے؟" عبدال مدد ہوتی کے عالم میں بڑبڑایا "میرے کو کالے کو مارنا ہے۔"

داور نے ایکس لٹ اور رید کر دی "سالہ تم لوگ کو اچھا حال ہضم نہیں ہوتا۔ جانی دار کو دیکھا اور کچھ جیرا کھا۔ دھت تیری کی؟ وہ عبدال کو تیسری ٹھوکر رید کر کے ہی والا تھا کہ اس کی نگاہ کاغذ کے ایک تختہ پر پڑی۔ یہ کاغذ صوفے کے نیچے فرش پر لگا ہوا پچھڑ پچھڑا تھا۔ داور نے جلدی سے اسے دلچ لیا۔ وہ ایک خط تھا۔ مینا کا خط۔ داور اس کی تحریر کو بہت اچھی طرح پچھا پچھا تھا۔ اس خط میں مینا نے لکھا تھا۔

"پیارے داور! مجھے معلوم ہے کہ تم واپس آچکے ہو۔ یوں کمر بہت خوش ہوئی۔ شاید تمھیں یہ بتا دینا ہو کہ میں نے ایک ماہ اوڑی میٹھ سے شادی کر لی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میں غصہ بھی آیا ہو۔ لیکن جب تم مجھ سے ملو گے تو تمھیں ب پتہ چل جائے گا۔ میں تم سے ملنے کے لیے آئی تھی، لیکن تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اب عبدال مدد ہوتے پنا ہوا تھا میں یہ خط لکھ کر جا رہی ہوں میری کوئی کاہرہ ہے۔"

"جینو جی رو دوا ہم۔ میں تمھارا انتظار کر رہی ہوں کھاری مینا۔"

مینا کا خط پڑھ کر داور نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھے بہت اوڑی آڑی تھی لیکن واپس لیکن وہ مینا سے ناراض نہیں رہ سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس دھندے میں اس سے بھی لڑکی کوئی نہیں مل سکتی۔ اس کا ذہن بھی خوب چلتا تھا۔ ایسی دو لڑکیاں واپس لڑکی کو خود داور کی حیران رہ جاتا۔ سب سے بڑی بات یہ بھی کہ وہ

بہت حوصلے والی لڑکی تھی۔ خوف زدہ ہونا تو اس نے کبھی نہیں تھا صورت شکل کی ایسی بھی کر جوا ایک بار دیکھ لینا وہ اس کے آگے پیچھے ہونے لگتا۔ لیکن جب اسے معلوم ہوتا کہ دوا کی خوب ہے تو چھوڑتی بھی اس کے قریب نہیں چلتا تھا۔ مینا کی سب سے بڑی خرابی یہ بھی کہ وہ گایاں بے تحاشہ دبا کرتی۔ وہ اس معاملے میں اتنی منہ پھٹ تھی کہ کسی کا لانا بھی نہیں کرتی تھی۔ داور نے ایک بار اس سے یہ کہا تھا کہ اگر اس نے داور کے سامنے کبھی گالی دی تو وہ اس کی زبان چھینے لے گا۔ اس کے بعد سے وہ داور کے سامنے اصیلا طرے نہ لگتی۔

"جینو جی رو دوا ایک بڑی کوئی غبی۔ جی میں عام طور پر ایسے کھتے ہوتے مکانات بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ یہاں لوگ ایک دوسرے کے اوپر پیچھے رہنے کے عادی ہیں بلکہ چند بہت تیر کرتے جلتے ہیں اور کئی کئی ماہے وجود میں آجاتے ہیں۔ ان میں ہر ماہ اپنے اندر بے شمار زمین زدہ اور کئی بوئی چاہیں اور کھولیاں کھاتے اور ہر کھولی میں دھن بھرا فراڈ گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے مٹی انسانوں کا نہیں بلکہ پتھر کے سکڑوں کا شہر ہے۔ جن لوگوں کو چاہیں اور کھولیاں بھی غیب نہیں ہوتیں۔ وہ پڑے آرام کے ساتھ ساتھ پاخوں پر لیبر کر لیتے ہیں۔ اور فٹ ہاتھ ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے ان پر شیل لگا ہوا ہو۔"

لیکن "جینو جی رو دوا ایک بڑی کوئی غبی۔ مینا کی عمارت مینا کا اعطاف اور سلیٹے کے وہ دو دنیا کی کرکھا جو لوہے والے تھے گہٹ پر میرے دے رہے تھے۔ داور نے بڑی لالہ وانی سے گہٹ کے اندر جلتے کی کوشش کی لیکن ان دونوں نے اسے روک لیا۔

"اسے حوالی کریدر جانا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا تھا مجہ نہیں ہے کوئی پر۔"

"صاحب نہیں تو کہا ہوا تھا راجم صاحب تو بھلی کا داور اپنی ایک آنکھ دباتے ہوئے بولا۔ وہ ان دونوں سے پیچھے چھاڑنے کے موڈ میں تھا۔

"جینو ہوا دھرے؟" داور نے اسے دھک دیا۔ دوزیت پھاڑیں لگا۔

"اچھا۔" داور نے اپنی قمیض اوپر اٹھا دی "ایسا بولا تو پچھا۔ دہیت راجن بھی دیکھ لیں گا۔"

وہ دونوں اس کی اس حرکت پر حیران ہو کر رہ گئے۔ پھر انھوں نے کچھ کہا پنا یا لیکن اندر سے کسی کی آواز آئی۔

"اوہ بلام سنگھ کیا بات ہے کیا ہوا ہے؟" یہ آواز کسی لڑکی

کی تھی۔

واوہنے آواز کی سمت دیکھا۔ وہ ایک لڑکی تھی۔ انیس بیس برس کی۔ بہت خوب صورت۔ اس نے نیلی چٹاٹ اور سنہری بینیں پہن رکھی تھیں۔ اس کے لانے بال اس کی پشت پر لہرا رہے تھے اس کے ہاتھ میں ایک چابک تھا جسے گھمائی ہوئی وہ کیٹ کی طرف آئے گی۔

”یہ موالی اندر جا رہا ہے۔ ایک گورکھے نے داور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس لڑکی کو بتایا۔

”اچھا۔ وہ لڑکی داور کے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ جیسی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ”کیا بات ہے؟“ اس نے پوچھا۔ ”کس سے ملنا ہے؟“

”اب تو ایسا لگتا ہے کہ تم ہی سے ملنے آیا ہوں۔“ داور نے اہلچل چلے بدلتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ خوبی بہت طویل مشق کے بعد حاصل کی تھی۔ وہ جب جاتا تھا تب بھی کئی موبایلوں کی زبان بولنے لگتا اور جب جاتا اس کا اہر مہذب اور صاف ہو جاتا۔ ”تم بڑے مہذب۔“ اس لڑکی نے داور کا جواب سن کر کہا چابک اچانک گھمادیا۔

داور اس موقع کی توقع کر رہا تھا۔ اس لیے وہ چہرے سے ایک طرف ہٹا اور اس نے وہ چابک لڑکی کے ہاتھ سے چھین لیا۔ چابک چھیننے ہی وہ لڑکی اور بھی مشتعل ہو گئی۔ اس نے جھڑک کر ایک موٹی سی گالی داور کی طرف لٹھکادی اور اس کے ساتھ ہی اس نے دونوں گورکھاؤں کو اشارہ کیا کہ وہ داور پر ٹوٹ پڑیں۔

داور نے ابھی تک سب کچھ بہت آرام سے برداشت کیا تھا وہ یہاں لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے یہاں آنے کا مقصد کچا در تھا۔ لیکن اب صورت حال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ وہ اگر ان گورکھاؤں کے سامنے ایسا ہی اختیار کرنا تو وہ دونوں اُسے رگڑ کر رکھ دیتے۔ ان نیپالی گورکھاؤں نے اپنی روایت کے مطابق اپنی کمرے آڑے ہوتے چاقو نکال لیے۔ ان چاقوؤں کی ساخت بہت مختلف ہوا کرتی تھی۔ یہ لگے سے خم دار ہوتے اور کہا جاتا تھا کہ گورکھاؤں سے بہتر اس چاقو کا استعمال کوئی نہیں کر سکتا۔

داور جانتا تھا کہ چاقو کا کھیل آسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشکل بھی ہوتا ہے۔ اس میں آسانی تو یہ ہوتی ہے کہ یہ دھڑک کر کسی کو قتل نہیں کر سکتا۔ اور مشکل یہ ہوتی ہے کہ اگر لڑکا چوک جلتے تو اچھے اچھے سوراخیں چاقو کے گھاؤ سے نہیں نکال سکے۔ اس میں آنکھوں کو بالکل بند کرنا پڑتا ہے۔ پکلیں تک نہیں جھپکائی جائیں۔

چاقو بازوں کا فن داور نے استاد گن خان سے حاصل کیا تھا۔ جو رام پور کے سب سے بڑے چاقو باز استاد کے جانتے تھے اور اس وقت استاد گن خان کا بتایا ہوا امن اس کے کام آ سکتا تھا۔ اگر اس کے مقابلے میں دوسرے لوگ ہوتے تو داور کا تکیا اٹھن نہیں ہوتی۔ لیکن دونوں چاقو بازی کے فن میں ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کے چاقوؤں کو بھیننے کا انداز ہی بتا رہا تھا۔

وہ دونوں بچے تلے انداز سے قدم بہ قدم داور کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ بڑے دلیرانہ اور ان اگ چاکر کی ہو گئی تھی۔ داور کو اس لڑکی کی حرکت، پوری سی، اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو چاقوؤں کو دیکھ کر ہی اس کے ہوش اڑ جاتے۔ لیکن یہ بڑے اطمینان کے ساتھ اس تلے سے گزرنے کی منتظر تھی جو کچھ ہی دور میں شروع ہونے والا تھا۔

وہ دونوں لگے بڑھتے رہے اور داور نے بنی لگائیں ان پر جھادیں۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں کی طرف پھیلایے تھے۔ یہ اس کا خاص انداز تھا۔ جس طرح عتاب اپنے ہاتھوں میں اپنے شکار کو دھونچ لیا کرتا ہے۔ وہ اسی طرح اپنے شکار کو گرفت میں کر لیا کرتا تھا۔ دونوں گورکھے اب اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اور ان دونوں نے بیک وقت اس پر حملہ کر دیا لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ان کے سامنے داور کھڑا ہے۔ اس نے فوراً اپنے پاؤں کی ٹھوک سے ڈھیر سی لڑادی۔ یہ بہت آسمان حرب تھا۔ اور ایسے موقعوں پر یہ حرب بہت کام آتا کرتا تھا۔

اڑتی ہوئی کئی کئی بہت سے دھڑات ان دونوں کی آنکھ میں جا گرے۔ وہ بولکھائے تھے۔ وہ ایک لمحے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے چہرے کی طرف لائے اور اس نے دونوں گورکھاؤں کے چاقو داور کے قبضے میں آگئے۔ اس نے بڑی برق رفتاری سے دونوں کے ہاتھوں سے چاقو اچک لیے تھے۔

”بہت خوب۔ وہیل ڈن۔“ وہ لڑکی بے ساختہ تالیاں بجانے لگی۔ ”ونڈ فل۔ کمال کر دیا۔“

داور نے اس کی طرف دیکھ کر اپنے سر کو خم کر لیا اور دونوں چاقو اس کی جانب اچھال دیے۔ وہ دونوں چاقو اس لڑکی کے ہاتھوں کے پاس جا گرے۔ وہ لڑکی بدگ کر کچھ پیچھے ہٹ گئی تھی۔ جبکہ وہ دونوں گورکھا اچھی تک اپنی آنکھیں ملنے میں لگے ہوئے تھے۔ وہ ساتھ ہی ساتھ داور کو دھمکیاں بھی دینے جا رہے تھے۔

”بے بی۔ یہ تمہارے طرف سے دوسری کاروائی اور داور نے اس آواز کو پہچان لیا۔ یہ مینا کی آواز تھی۔

مینا بڑی تیزی سے گیت کی طرف آئی پھر داور کو دیکھ کر ٹھکرا گئی۔ ”اے داور۔ تم کب آئے۔“

”میں تو بہت پیچھے آچکا تھا لیکن تم نے اپنے رستے میں دواوریں کھڑی کر رکھی ہیں۔“ اس نے دونوں گورکھاؤں اور لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ پریشی ہے۔“ مینا نے اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ شرم کی بیٹی۔“

”یہی تمہاری بیٹی۔“ داور نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہاں ایسا ہی کچھ لو۔“ اندر آ جاؤ۔“

”نہی۔ یہ کن ہیں۔“ پھر بیٹی نے دیانت کیا۔

”یہ داور ہے۔“ مینا نے بتایا۔ ”مالا ایک نمبر۔“ اس نے گالی دینی جاپی کئی پھر اپنے ہونٹ بھینچنے لگے۔

”تمہاری پرانی عادت ابھی تک نہیں گئی کیوں؟“ داور مسکرتے ہوئے بولا۔

”اب یہ عادت کہاں جائے گی۔ تم آؤ اندر تو آ جاؤ۔“ وہ اسے مکان کے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ پرتی ان کے ساتھ یہاں نہیں آئی تھی۔ دو کئی اور طرف چلی گئی تھی۔

”چلو بیٹو۔“ مینا نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ داور کو دیکھ کر کہاں بولتی جا رہی تھی۔

”پہلے تمہارے ٹھکانے کو دیکھ لوں۔“ داور نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ ”لیکن یہاں آنا کہ یہ ڈرائنگ روم کی مارواڑی سیٹھ کا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یہ گداؤں کا زمین، قیمتی آرام دہ صوفے، دیواروں پر لگی ہوئی خوبصورت پینٹنگز، یہ فائوس۔“ تیرے تو مہرب آگئے مینا۔“

”کیا مرے؟“ مینا نے مذہبنا ”میں تو بس یہاں اپنا وقت گزار رہی ہوں۔“ مینا نے آگے کا انتظار کیا تھا۔

”میں تو بہت غصے میں آیا تھا۔ اس لیے کہ تم نے مجھ سے بے وفائی کی۔ تم نے کہا تھا کہ تم اگر شادی کی تو مجھ ہی سے کرو گی۔“

پھر تم نے اس سیٹھ سے کہیں شادی کر لی۔“

”تو اور کیا کرنا؟ تم تو جانتے ہی ہو کہ یہی کیسا شہر ہے۔ یہاں قدم قدم پر بھیکو گھومتے رہتے ہیں۔ جب تک تم میرے ساتھ تھے کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن تمہارے

جیل جانے کے بعد سب کے سب مجھے دیکھ کر غمزدہ لگے ان میں سے ہر ایک مجھے جھپٹ لینے کی کوشش کرنے لگا۔“

”اچھا۔“ داور غصے سے بل کھانے لگا تھا۔ ”خدا نام تو تیرا کون کون تھا۔؟“

”اب کس کس کا نام بتاؤں؟“ مینا نے کہا۔ ”ویسے سب سے زیادہ تنگ کرنے والا بھولا ہے۔“

”نوں بھولا۔ بھولا نا تھا؟“ داور نے پوچھا۔

”ہاں وہی۔ وہ کہتا تھا کہ تو مجھ سے شادی کر لے تو پھر زندگی بھر عیش کرے گی۔ اور میں داور کو جیل سے نکلے نہیں دوں گا۔“

جیل ہی میں اس کا کام تمام ہو جائے گا۔“

”پھر تم نے کیا کیا۔؟“ داور نے گہری سانس لیتے ہوئے پوچھا۔

”اس کے بدن میں چنگاری سی دوڑنے لگی تھی۔“

”مجھے کیا کرنا تھا۔“ میں نے پہلے تو اسے ایک گالی دی۔ پھر اس نے مذہب نہ بھوک دیا۔

”یہ تم نے بہت اچھا کیا۔“ داور خوش ہو گیا تھا۔ ”میں اسی لیے تم پر غرور کرتا ہوں۔“

”پھر آج بھی سنبھل کر کیا گزری۔“ اس نے مجھے اٹھوایا تھا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم۔“ داور نے غصے سے اپنی دونوں ہاتھیں بھینچ لی تھیں۔ ”اس کی یہ جال۔“

”ہاں۔“ دیکھو داور۔ میں کوئی پاراسا عورت نہیں ہوں۔ میں تو ایسی کئی بے تنگ کی طرح ہوں جو نہ جانے کتنے آنگنوں میں تیری ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اپنی مرضی سے ہوا ہے۔ آج تک کچھ بڑی نے جبر نہیں کیا۔ بس کہ ایک غرور تھا میرے پاس۔ اس سے عذر وہی اور تھا ہی کیا۔ لیکن اس بھولا نا تھا کی اولاد نے مجھ سے یہ عذر بھی چھین لیا۔ میرا ذہن معذرت کر دیا تھا اس نے۔“

”میں اس سے ٹھٹھے کر کے بیٹی کی فٹ پاہوں پر بیکھر دوں گا۔“ داور نے سفاک لہجے میں کہا۔

”نہیں۔ ایسا مت کرنا۔“ مینا طلدی سے بول بڑی مامومی خودی م جانے تو وہ اپنی ہائی کا تاشا کیسے دیکھ سکتا ہے اسے تو ایسا سبق دو کہ زندگی بھر یاد رکھے۔ کوئی ایسی بات ہو اس کے ساتھ کہ پورا شہر لطف لے۔“

”یہ سب ہو گا۔ تم حکومت کرو۔“ داور نے تسلی دی۔

صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ ”اے بتاؤ۔ اے کیا ہوا ہے۔“

”دی تو بتا رہی ہوں کہ ایسی حالت میں اس سے علاہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ میں کسی کا ہاتھ بٹاؤں۔ پھر یہ مٹا مارواڑی دھرم

داس مجھ سے ٹکرا گیا اور میں نے اُس سے شادی کر لی۔ یہ ایک فقی شادی ہے۔ تم فکرت کرو کہ جب چاہو میں اُسے جھوڑ کر تمہارے پاس آسکتی ہوں۔“

”اودہ تو یہ بات بھی“ دادو نے اپنے ہونٹ سیکھڑے لیتے اودہ پر بڑی کڑھ ہے۔“

”یہ دھرم داس کی بیٹی ہے۔“ مینا نے بتایا۔ ایک بات اودہ یہ دھرم داس اور اس کی بیٹی دونوں بہت اچھے ہیں۔ بہت کھلے ہوئے دل کے۔ تم اس مکان کی سے اندازہ لگاؤ۔ دھرم داس چائنا سے کہیں کس فحاش کی عودت ہوں۔ میرا پس منظر کیا ہے کن کن لوگوں سے میرے تعلقات رہ چکے ہیں اُس کے باوجود اُس نے مجھے ایک بیوی جیسی عزت دی ہے۔ پورا گھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ یہی حال اس پر رہتی کا ہے۔ یہی مجھے اپنی ماں سمجھتی ہے۔“

”گو یا تم اس سے الگ نہ ہونے کے بہانے تلاش کر رہی ہو۔“

”جی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا اس سے دو لفظی نہیں جو تعلق نہ ہے۔ میں نے کہا نا کہ میں جب چاہوں اس سے الگ ہو سکتی ہوں۔ میں تو بس اُس کی خوبیاں بتا رہی تھی۔“

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ تمہیں میرے ساتھ کام کرنا ہے یا نہیں؟“

”کیوں نہیں کرنا۔ اور اسی کام کے سلسلے میں تمہارے پاس بھی کئی کئی جہاں عبدال شرب پئے مدہوش پڑا ہوا ملتا تھا۔“

”ہاں۔ وہ کچھ زیادہ ہی چڑھا گیا تھا۔ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو کب اپنے موٹے سے چپٹا رہو رہی ہو۔“

”ابھی نہیں۔“ مینا دھیرے سے بولی۔ ”ابھی اُس کا ایک مرض ہے جھیر پر میں اُس قرض کو اتارنے کے بعد تمہارے پاس آؤں گی۔“

”کیسا قرض؟“ دادو نے جھرت سے پوچھا۔ ”صاف صاف بات کرو۔“

”وہ جھوڑا دور۔ تمہارے بھی رستم کا نام سنا ہے۔“

”رستم؟ دادو کی پیشانی پر یکپڑوں چڑھیں۔ وہ رستم کے بابے میں سوچنے لگا تھا۔ پھر اچانک اُسے یاد آگیا۔ ”ہاں سنا ہے۔ وہی رستم تو نہیں جو ایک بار ملنگ میں پکڑا گیا تھا۔ جس کا ایک بکری جہاز بھی تھا۔“

”نہیں۔ یہ وہ رستم نہیں ہے۔ یہ رستم آج تک نہیں پکڑا

گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا ہی نہیں ہے کسی کو نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ اس کی صورت کبھی وہ اپنے کارندوں کو فون کے ذریعے احکامات دیا کرتا ہے۔“

”اور ہو۔ یہ تم کیسی خبر سنا رہی ہو۔ میں آج کل ایسا بھی ہونے لگا ہے۔“

”تمہیں کیا معلوم؟ تم تو جیل میں تھے اُس رستہ پر اپنی ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نام جموں بنگلہ ہے۔“

”پھر وہ رستم ہندو ہوا۔ یہی فون کا نام تمہاری لوگ استعمال کیا کرتے ہو۔“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ اس تنظیم میں ہندو مسلمان، سکھ عیسائی سبھی شامل ہیں۔“ مینا نے بتایا۔ ”تم تو جانتے ہی ہو کہ جموں دہلی کی کس بات کی علامت ہے۔ خیبر تو اس کی یہ تنظیم آج کل بہت زوردار رہا رہی ہے۔ اس تنظیم نے شہر بھر کے بہت سے داداؤں اور وسط ناک لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔“

”یہ سب کچھ تو میں کچھ گیا۔ لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق؟“

”میں بتا تو رہی ہوں تم کو شروع ہی سے ہر بات جلدی معلوم کر لینے کے چکر میں رہتی ہو۔ پہلے یہ بتاؤ چائے ٹھنڈا ہو گئے یا کچھ اور منگوادو۔“

”ابھی کچھ نہیں۔ کام کے وقت کام کی بات۔“ دادو نے اپنا ہاتھ اٹھا دیا۔ ”تم مجھے پہلے ساری باتیں بتاؤ۔“

”میرا بیٹی دھرم داس اس کے ہاتھوں ذلت اٹھ رہا ہے۔“

مینا نے بتایا۔ ”ایک بار رستم نے فون کر کے دھرم داس سے دس لاکھ روپوں کا مطالبہ کیا اور وہ دس لاکھ روپوں کی رقم دے دے اور اُس کی توقع نہیں کی تو بیچنا دے میں اس کی بے عزتی کر دی جائے گی اور اُس کے بعد اسے جھوڑا دیا جائے گا۔ یہ دھرم داس کو اس وقت تک یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہ رستم ہے کون اور اس کے وسائل اور اقتدار کتنے ہیں۔ اُس نے دھمکی کی کوئی پروا نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بار کو لایے کہ قریب قریب دو گھنٹوں کے دن دہانے دھرم داس کی گاڑی روک دی۔ اُسے گاڑی سے کھینچا گیا اور اُس کے جسم کے سارے کپڑے اتار دیے گئے۔ اب تم خودی سوچو کہ بیچ سڑک پر اگر ایسی کوئی بات ہو جائے تو کوئی بے عزتی ہوتی ہے۔ دھرم داس کا یہ حال دیکھنے کے لیے سکاڑوں آدنی جٹ ہو گئے۔ اور وہ بے چارہ ان کے درمیان بیچ رہی ہوں گے کھڑا تھا۔ اُس کا یہ حال کرنے کے بعد رستم کے غنڈے واپس چلے گئے۔ بس دو دن ہے اور آج کا دن کہ بے چارہ دھرم داس کچھ دینی دیر

ماؤں سا ہو گیا ہے۔ وہ دھرم داس کے سامنے آنے سے شرم محسوس کرتا ہے۔ تم اس کی حالت کچھ رہے ہو گے۔ اُس نے کاروبار کی طرف بھی دھیان دینا ختم کر دیا ہے۔“

”میں کچھ باہر ہوں۔ تمہارے کوئے ماداؤں کے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ہے۔ تو اب تم یہ چاہتی ہو کہ رستم سے بدلہ لینے کی بجائے قرض ہے تمہارا۔“

”ہاں۔ یہی قرض ہے۔“ مینا نے گروں ہلا دی۔ ”اور اس میں تمہیں میرا ساتھ دینا ہوگا۔“

”ارے بابا۔ ہم پہلے ہی تو ایک دوسرے کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ اگر تم کو اس رستم کی آہٹیں نکال لاؤں۔“

”یہ معاملہ اتنا آسان نہیں جتنا تم کھ رہے ہو۔“ مینا نے کہا۔ ”یہ رستم کوئی معمولی غنڈہ نہیں ہے جس کے بیٹے میں تم چاؤ آتا رہو گے۔ یہ ایک ایسا آدمی ہے جسے اب تک دیکھا نہیں گیا صرف فون پر باتیں کیا کرتا ہے۔ اگر تم اس کی کھوج میں رہے تو اس میں برسوں لگ جائیں گے۔ اس لیے یہ سب جھوڑا اور سبجی سے میری بات سنو۔“

”تو پھر بتاؤ نا میں اس کے لیے کیا کروں۔“

”میں خود جموں بندھ میں شامل ہو گئی ہوں۔“ مینا نے بتایا۔

”کیا کہا۔“ دادو نے جھرت سے اُس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا دماغ تو خراب نہیں رہ گیا۔ یہی کہہ رہی ہو۔“

”میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ میں اس رستم کا کھونٹا لگانے اور اُس سے بدلہ لینے کے لیے اس کے گرد میں شامل ہوئی ہوں۔ دھرم داس والے واقعے کے دوسرے دن میرے پاس رستم کا فون آیا تھا۔ وہ میرے ماضی سے واقف ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کے گرد میں شامل ہو جاؤں۔ کیونکہ اُس کے گرد وہیں کچھ جیسی لڑکی نہیں ہے اور میں اس کے لیے بہت کام آسکتی ہوں۔ اس نے دھرم داس کی بے عزتی کا بھی حوالہ دیا۔ اُس نے کہا کہ اُسے دھرم داس سے روپے نہیں لینے۔ یہ حرکت اس نے صرف اس لیے کی کہ اُس کا احساس ہو جائے کہ رستم کے ہاتھ پر کھڑا وہ شخص کتنے بے رحم ہے۔ رستم نے مجھے سوچنے کے لیے ایک دن کا وقت دیا تھا۔“

”پھر تم نے اپنے موٹے سے مشورہ لیا ہوگا۔“ دادو بول پڑا۔ ”اور اُس نے کہا ہوگا کہ جھگڑا کر کے لیے اُس کی بات مان لو۔ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”ہاں یہی ہوا تھا۔ جب میں نے دھرم داس سے بات کی تو اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ وہ بے چارہ خوف سے لرزے لگا۔ اُس نے یہی کہا کہ اپنی اور اُس کی جان کی خاطر میں رستم کی بات مان لوں ورنہ وہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔“

”بزدل۔“ دادو نے غصے سے قالین پر تھک دیا۔ ”وہ جانے تمہارے کیسے آدمی سے شادی کر لی۔“

”وہ بے چارہ چوہا ہے۔ لیکن اُس نے مجھے اتنی عزت دی ہے کہ میں ایسا بھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ تم ہی بتاؤ مجھ جیسی لڑکی کو کوئی اپنے گھر میں ٹھک سکتا تھا۔ لیکن یہ کارنامہ صرف دھرم داس نے انجام دیا ہے۔ اور یہی قرض میرے سر رہے ہیں۔ اسے اتار لوں تو پھر میں آزاد ہو جاؤں گی کچھ جیسی لڑکی جی تو مجھے کبھی کسی کی احسان مند ہو جانی ہے۔ تو پھر میں اس تنظیم میں شامل ہو گئی اور رستم مجھے کام لینے لگا۔ یہ کام بہت مٹی ہو کر رہے ہیں۔ مثلاً فلاں کو فلاں پیٹنا۔ پھر دو۔ فلاں کو فلاں چیز دے۔ آؤ میں نے رستم سے کسی حکم کو رو نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ ہوا کہ رستم نے رستم میں اُس کے قریب ہوئی کئی گئی۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے اُسے دیکھ لیا ہے۔“ دادو نے جلدی سے پوچھا۔

”جیہاں۔ ایسی کئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن اُس کے لیے سے پتہ چلتا ہے کہ اُس حرام میرا مطلب ہے کہ وہ فلیٹ مجھ پر بھروسہ کرنے لگا ہے۔ اور میں اس کو کشش میں ہوں کہ اُس کے اور قریب ہو جاؤں تاکہ اُس سے دھرم داس کا انتقام لیا جاسکے۔“

”یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔“ دادو نے اپنے ہونٹ کھینچے۔

”جب ایک بندہ سامنے ہے ہی نہیں تو تم اُس سے بدلہ کس طرح لو گی۔“

”نہی تو سوچ رہی ہوں۔“ مینا نے ایک گہری سانس لی۔

”تمہیں میں نے ہی بے بلا کہا ہے کہ تم کوئی ٹوکب سوچو جس ایک بار اُس کا دھرم تختہ ہو جائے۔ پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد مجھے دھرم داس کی بھی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ میں اُسے بول جاؤں گی کہ میں اُسے چھوڑ رہی ہوں۔“

”تم ایسا کرو مجھے اپنے شوہر سے ملو اور۔“ دادو نے کہا۔ ”دیکھو تو یہی کہ وہ موٹا کیسا آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے رستم کا کوئی پتہ چل جائے۔“

”وہی بھی ادھر ادھر ہے۔ میں اُس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اچھا میں اب چلتا ہوں اور ہاں اُس پر تکی کو تو بھلاؤ۔“

”کوئی بدعاشی ہے۔“ میں نے جھٹک کر کہا۔ ”تم جاؤ یہاں سے شام کو آ جانا۔ دھرم داس بھی واپس آ جانے کا“

گلیٹ پر موجود دونوں گھرکھولنے کے تہیاز نہ تھے۔ دواور دھرم داس کی طرف دیکھا۔ پھر دوسری طرف دیکھنے لگے۔ دواور دھرم داس کے پاس دقت ہوتا تو وہ ان دونوں سے اور بھی چھڑ چھاڑ کرنے کی کوشش کرتا۔ لیکن اسے سب سے پہلے بھولا نا تھا۔ تمنا تھا جس نے دنیا کی بے عزتی کی تھی اس کے نزدیک یہ بہت بڑی بات تھی کہ کوئی اس کی محبوبہ پر زبردستی ہاتھ ڈال دے۔ دنیا ایسی لڑکی تو نہیں تھی جس کے لیے جھٹکا اٹھ کر کیا جاسکتا۔ لیکن سارا معاملہ اس کی اپنی رضامندی کا تھا۔

بھولا نا تھا کہ اسے پاس جانے سے پہلے دواور دھرم داس سے فلیٹ میں واپس آ گیا۔ اس وقت تک اس کی مدد کوئی ختم ہو چکی تھی۔ لیکن وہ ابھی تک فرسٹر پر براہ راست تھا۔ دواور دھرم داس نے اپنی پکیلیں چھپا کر بائیس روپے دیے۔ چھپے اُسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو پھر وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔

”ماں کسم استاد۔ ابن کو تیر ہی نہیں چلا کر اپن کس طرح انشا غلیل ہو گیا۔ اس سالی تو بول سے دو چار گھوٹ ہی لیا تھا۔“ ”اس تو کا کج مت بھراؤ۔“ دواور دھرم داس نے بولا۔ ”تم سالہا ہوش میں نہیں تھا۔ اب دھرم داس باپ گیا اور دھرم داس کو رو کر لیا۔ ہو گیا۔ تم لکھنا کاسا تھیں۔ میں سکتا ہوں۔ تیرے کوئی ٹھکانہ دارا پر تم سالہا مگر گھٹلا تھا۔ اگر کوئی تیرے کو چا تو بھی مار دیتا تو سالہا اسی طرح سو بار بتاتا۔“

”نیں دواور دھرم داس تھی ہوئی۔“ عبدل کوشش کر کے کھڑی ہو گیا تھا۔ سالہا جانی دار کو بھی بالکل چھو کر کی کاما فک ہے ایک بار باپ تھا۔ اب اور لٹھ چڑھتا چلا گیا۔ ابن اب تو بے گناہ ہے۔“ ”چھا اچھا بوم مت چاؤ۔“ دواور دھرم داس نے کہا۔ ”ابن کو یہ بناؤ ایدھر کوئی ڈاکٹر ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس عیال مالا کوئی ڈاکٹر ہے۔“ ”اؤ کاما فک اپن کاسا تھیں کیا دیکھتا ہے۔“ ”نہیں۔“ ”نہیں۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔ ”عبدل نے بتایا۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔ ”دواور دھرم داس نے کہا۔“

”دواور دھرم داس نے کہا۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔“ ”دواور دھرم داس نے کہا۔“

”تم سالہا چاٹ کھائیں گا۔“

”بھگیا۔“ عبدل نے اپنی گردن ہلائی اور جلدی سے باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد دواور دھرم داس میں نے لگا۔ پورے تہہ میں شراب اور کھانسی کی گھسی ہوئی تھی۔ ہر طرف تو سگریٹوں کے ٹوٹے پڑے ہوئے تھے اور کچھ کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ عبدل کی زندگی اس طرح گذر رہی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہے بالکل اس کی خبر جو لوگ زندگی کی اہلی ماہوں سے جھٹک کر سیاہ راستوں پر چلے جاتے ہیں۔ ان کے تمام رشتے اس طرح ختم ہو جاتے ہیں جیسے کوئی جہاز اچانک زن وے سے اوپر اٹھ جائے۔ زمین سے ان لوگوں کا پھرنی ناظر نہیں رہتا۔ ان کی دنیا ان کے اپنے اندر ہوتی ہے۔ ان کا ساتھ کوئی بھی نہیں دیا کرتا۔ ان کا معاشرہ بالکل الگ ہو جاتا ہے۔ دواور دھرم داس نے دیکھا کہ انسان تھا اور عبدل بھی۔ اور ان کی طرح دنیا بھی تھی اور دنیا کی طرح دھرم داس لڑکیاں بھی ہوں گی۔ اور دواور دھرم داس کی طرح دوسرے بھی تھے۔ یہ سب ایک ہی برادری سے تعلق رکھتے تھے اور وہ برادری تھی جرائم پیشہ افراد کی پس ان کی شناخت بھی ہو تھی۔ اس کے علاوہ ان کے کوئی رشتے نہیں تھے۔ کوئی دھرم نہیں تھا کوئی مذہب نہیں تھا۔

”آج آ جاؤ ڈاکٹر صاحب۔“ عبدل کی آواز سنائی دی اور وہ دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ اس کے ساتھ ایک مٹا سا ڈاکٹر بھی تھا جس نے سفید قمیض اور سفید جینز پہن رکھی تھی۔ وہ صورت ہی سے کامیاب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ”آج آؤ۔“

ڈاکٹر جھٹکا ہوا کر کے وسط تک آ گیا۔ عبدل نے دواور دھرم داس کے اشارے پر دروازہ بند کر دیا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دواور دھرم داس ایک ڈاکٹر کو بلایا ہے۔ ”مرضی کہاں ہے؟“ ڈاکٹر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”ڈاکٹر صاحب۔“ کہا میں مرضی دکھائی نہیں دے رہا۔“ دواور دھرم داس نے ہنسنے لگا۔ ”تم۔“ ڈاکٹر کی جینوں تن گئیں۔ ”نہا ہوا ہے نہیں؟“ ”یہ دیکھیں ڈاکٹر صاحب۔“ دواور دھرم داس نے اپنا ہاتھ اُسے بڑھا دیا۔ ”بھنڈ دیکھ لیں میری۔“ ڈاکٹر اپنا بیگ مین پر رکھ کر دواور دھرم داس کی طرف بڑھا اور

نے ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مائی طرف کھینچ لیا۔ ڈاکٹر جھٹکے میں آئے آ رہا دواور دھرم داس ایک سینا تھا۔ اس کی پٹی پر جڑ دیا۔ یہ صرف ایک لمبے کی ضرب تھی۔ بہت لمبی۔ لیکن اس ضرب نے ڈاکٹر کو بے ہوش کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ فرش پر گرے اور اسے اُسے سنبھال لیا تھا۔ اُس نے بڑی آہستگی سے فرش پر رلنا دیا۔ عبدل بڑی جھنجھکی ہوئی انھوں سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

”ماں کسم۔“ دواور دھرم داس نے کہا۔ ”یہ چارہ تو بڑا ہوش ہو گیا۔“ عبدل بھی جھٹکا سمجھ کر سیدھی سا دواور دھرم داس کے پاس۔ ادب تم اس فلیٹ میں رہنا۔ دواور دھرم داس نے بولا۔ ”میں ایک گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔ اور دواور دھرم داس نے ڈاکٹر کو جانے کی اجازت دے دیا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو میں تمہارا پیچھا کر دوں گا۔ کسی کو یہ نہ چلے کہ ڈاکٹر یہاں ہے۔“

”بھگیا استاد۔“ عبدل کی جھنجھکی ہوئی۔ لیکن ابھی تک دواور دھرم داس کی

دواور دھرم داس نے اپنا سوٹ اتار دیا اور پٹی کی ایک قمیض اور پٹی پہن لی۔ پھر اس نے عبدل کو دیکھ کر ہنسنے لگا۔ ”ڈاکٹر یہ ایک نگاہ ڈالو اور کرے سے باہر آ گیا۔ اب اس کا رخ بھولا نا تھا کہ جو خانے کی طرف تھا۔

بجی میں دادا ڈال اور غنڈوں نے الگ الگ علاقے میں اپنی حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ ایک علاقے کا غنڈہ دھرم داس کے علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ایک طرح کی سلطنت تھی ان لوگوں نے بجی تھم کے نقشے میں اپنی اپنی ٹھکانیں بنائی تھیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا۔ سب اپنے اصول تھے۔ اپنے کارندے تھے۔

بھولا نا تھا دواور دھرم داس کے علاقے میں اپنا حوالہ نہ تھا۔ اس کا یہ جوانانہ آوی آوی عمارتوں کے عقب میں واقع تھا اور سامنے ایک بڑا سا ہوٹل تھا۔ اس شان ہوٹل کی پشت پر جو خانہ آباد تھا۔ تاوقتیکہ کوئی معلوم ہوتا تھا کہ یہاں ہوٹل کا ہی ایک حصہ ہے۔ دواور دھرم داس کے گروام کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن وہ دراصل بھولا نا تھا کا جوانانہ تھا۔ جس کے دور استے تھے۔ پہلا راستہ سن شان ہوٹل سے ہو کر جاتا تھا۔ جو اکیلے والوں کے لیے تھا۔ جگہ دوسرے راستے کاظم خاص خاص لوگوں کو تھا۔ یہ بھولا نا تھا کے کارندے ہوا کرتے تھے۔

دواور دھرم داس نے جو خانے کے دروازے پر پہنچ

گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ہراسا لینا تھا۔ جیسے وہ کسی دقت میں آیا ہو۔ دروازہ ہلکے لہجے سے کھٹکے صحت مند سے آؤنی نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ اس نے آؤنی آؤنیوں والی بنیان پہن رکھی تھی۔ جس سے اس کے سر کی ہانڈ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ شاید دواور دھرم داس جانتا تھا۔ ”کیا بات ہے؟“ اس نے درشت لہجے میں پوچھا۔ ”کہاں جا رہے ہو تم؟“

”بھئی۔“ بھولا نا تھا سے ملتا ہے۔ دواور دھرم داس نے زمزمہ میں کہا۔ ”میں اس سے ملنے کے لیے بہت دور سے آیا ہوں۔“ ”ادھر کو؟“ بھولا نا تھا نہیں ہے۔ وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ ”میں کہیں اور جاؤں۔“ چلی ٹوٹا سامنے سے۔

”الہامت کرو بھائی۔“ دواور دھرم داس کا ہاتھ پکڑ کر لیا۔ ”جانتا ہوں کہ بھولا نا تھا اندر ہے۔ میں اس کے گاؤں سے آیا ہوں۔ اس کی ماں مری ہے۔“

دواور دھرم داس نے بات پس پس کی۔ لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ وہ آؤنی تیزی سے مڑا اور دواور دھرم داس کے سامنے آئے کا اشارہ کرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ اندر آتے ہوئے دواور دھرم داس اس طرح چمک رہی تھی جیسے اس نے جیتنے کی آنکھیں ہو اپنے ٹھکانہ کو سامنے دیکھ رہا ہو۔ اندر ایک گھڑی تھی۔ جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس گھڑی میں بڑا بڑا تھی۔ حقی اور سامنے کی طرف ایک دروازہ تھا۔ وہ آؤنی اس دروازے کو دھکا دے کر اندر چلا گیا۔ اس نے دواور دھرم داس کو دیکھا کہ وہ باہر کی اس کا انتظار کر رہے۔ دواور دھرم داس کے پاس کھڑا رہ گیا تھا۔

دواور دھرم داس قسم کی کوئی حرکت نہ کی۔ یہی باری تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی خوفناک بروش فطرت کو قاتلوں میں سے کامیاب ہو سکے گا یا نہیں۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر خوشی ہو رہی تھی کہ اس نے ابھی تک بہت جھٹکا کامیاب رہا تھا۔ دواور دھرم داس کے لیے دروازے پر کھڑے ہوئے آؤنی کو راستے سے ہٹا کر لگا بھولا نا تھا نہیں تھا۔ اس نے یہ کھیل بان بوجھ کر اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت شروع کیا تھا۔

اچانک کر کے دواور دھرم داس کو آؤنی باہر لگے۔ وہ سب کے سب چھوٹے چھوٹے آؤنی تھے۔ دواور دھرم داس نے سب کے سب کا رخ دواور دھرم داس کی طرف تھا۔ دواور دھرم داس نے بہت مسکون کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ جیسے ان آؤنیوں نے ہاتھوں میں کھلنے لگا تھا۔ دواور دھرم داس نے سب کے لیے یہ سب نے جبر سے

ایسا لگتا تھا جیسے بھولانا مانتے اپنے ارد گرد صرف نئے لوگوں کو رکھ چھوڑا ہو۔ ویسے بھی وہ ایسا آدمی تھا جو زیادہ دیر تک کسی پر اعتماد نہیں کیا کرتا تھا۔

کون ہو؟ "ان میں سے ایک نے سوال کیا یہ کیا نام ہے تمہارا۔"

"اپنے پاس سے مجھ دو کو وہ خود اگرچہ سے سوالات کرے۔ داور نے کہا۔ اس نے تم لوگوں کو متوجہ کرنا چاہتا تھا۔"

"ابھی تم خود پاس کے پاس جانے والے ہو، وہی آدمی اپنا ہسٹول والا ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا۔ چواندر! اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

داور یہی جا رہا تھا۔ اس نے بڑے مطمئن انداز میں ان لوگوں کو دیکھا اور یہی کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔

سائے ایک بڑی سی میز تھی۔ اور اس میز کے عقب میں ایک کرسی تھی جس پر بھولانا بیٹھا تھا۔

داور کو دیکھتے ہی بھولانا تھکا کو جیسے کرٹ سالہا دکھائی دے گی۔ بڑی طرح کرسی سے اچھلا کر گرتے گرتے بچا تھا۔ اس پر جیسے سکت طاری ہو گیا تھا۔ اس آدمی کی طرح وہ بھی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھرنے لگا۔ لیکن اس کے خوف کی یہ حالت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ اس نے بہت جلدی خود توبہ پالیا تھا۔

"داور۔ تم بدو پھنکارتی ہوئی آواز میں بولا۔ تم یہاں کیا کرنے کے لئے آئے ہو۔"

"نہیں۔ داور نے بڑے سکون سے جواب دیا۔ میں نے اپنے لئے آیا ہوں اور کسی کو مارنا چاہتا ہوں۔"

"پھر یہاں کیوں آئے ہو؟ بھولانا تھکا کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ کیا کہتے ہو۔"

"اچھا۔ تم جانتے ہو۔ تم جانتے ہو۔ کوئی تہدلی حسوس نہیں کر رہا۔ داور نے سوال کیا۔

ہم کو میں چال چلنے کا عادی نہیں ہوں میں جو کچھ بھی کرتا ہوں بولتا کرتا ہوں۔ پھر تجھے چال بازی کرنے کی کیا ضرورت۔ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں اگر چاہوں تو تمہارے اس جواختے کو تھس تھس تھس کے یہاں سے جا سکتا ہوں۔ کیا تمہارے کسی آدمی میں اتنی ہمت ہے کہ تجھے روک سکے۔ بتا دیا ایسا کوئی مافی کا لال ہے یا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے بھولانا تھکا نے اپنا سر جھٹکایا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ نہیں داور۔ تم کوئی اور پھر چلانے والے ہو۔ کیوں ایسی بات کر رہے ہو بھولانا تھکا نے داور غصے سے بولا۔ کیا تجھے کوئی پھر چلانے کی ضرورت ہے۔ اور اگر تم ایسا ہی سمجھتے ہو تو میں واپس جا رہا ہوں۔"

وہ دروازے کی طرف مڑا اور دھڑکتے ہی اس نے اپنے ہر دل کے پاس بھیجی ہوئی ایک کرسی ان آدمیوں کی طرف پھیل دی جو دروازہ روک کر کھڑے ہوئے تھے۔ یہ حرکت اتنی اپناک ہوئی تھی کہ وہ اس کرسی کو سمجھنا نہیں سکے تھے۔ اور وہ کرسی ان سے ابچ کر فرش پر گر پڑی۔ ان میں سے ایک نے داور کی طرف ایک گولی بھی جھونک ماری تھی، لیکن دارو اتنی دیر میں جست لگا کر بھولانا تھکا کے سین عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے لوکھلائے ہوئے بھولانا تھکا کی گردن پر اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی گرفت اتنی سخت تھی کہ بھولانا تھکا کی آنکھیں باہر نکل آئیں جیسا کہ اس کے آدمی ہکا بکا سے کھٹے رہ گئے تھے۔

"اب اپنے آدمیوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اپنے اسلئے فرش پر ڈال دیں۔ داور نے پھنکارتی ہوئی آواز میں حکم دیا۔ گردن ٹوٹ جائے گی۔"

بھولانا تھکا نے بڑی مشکل سے چھنی چھنی آواز میں اپنے آدمیوں کو اسلئے پھینک دینے کی ہدایت کی۔ وہ لوگ کچھ دیر تک ابھی لکھی لگا ہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتے رہے پھر جاری باری اپنے اسلئے فرش پر ڈال دیئے۔ داور کی ہدایت پر وہ سب کے سب دوبار سے جا گئے تھے۔ اس کے بعد داور نے بڑے اطمینان سے بھولانا تھکا کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کا ہسٹول نکال لیا۔ اب بھولانا تھکا بوری طرح اس کے بس میں آجکا تھا۔ داور نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ اور اسے کرسی پر بٹھا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہسٹول بھی اس کی کپٹی پر رکھ دیا تھا۔

"ہاں۔ اب تم بھولانا تھکا سے کہہ دو کہ تمہارے بھولے بھولے میں نہیں ہند کی طرح بنی سکتا ہوں یا نہیں۔"

بھولانا تھکا نے اس کی طرف سے ہنس دیا۔

بھولانا تھکا اس پر ایک تہر توڑ لگا ڈال کر رہ گیا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ داور کے ساتھ نہ جانے کیا کر رہا تھا۔ لیکن میں یہ سب نہیں کروں گا۔ داور نے اپنا جو پھر بدل لیا۔ میں جب تم سے کہہ چکا تھا کہ میں یہاں کسی بری چیز سے نہیں آیا ہوں تو پھر نہیں مجھ پر مجھو کہہ کر لینا چاہیے تھا۔ تم خود ہی اندازہ کرو کہ میں اگر چاہوں تو کیا نہیں کر سکتا ہوں۔ بھولانا تھکا نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن اپنے ہونٹوں پر زبان پھرنے لگا۔ داور نے اسے اپنے پس میں کر لیا تھا۔ اور اب میں تمہیں یہ ہسٹول واپس کر رہا ہوں۔ داور نے ہسٹول میز پر رکھ دیا تھا۔

بھولانا تھکا نے جھپٹ کر ہسٹول اٹھا لیا۔ وہ اب بری طرح ابچ رہا تھا۔ پتول اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار تھوک نکل کر رہ جا رہا تھا۔ کو بھولانا تھکا سے الگ ہوتے ہوئے دیکھ کر اس کے آدمیوں نے بھی بڑی پھرتی کے ساتھ فرش پر پڑے ہوئے بھٹیا اٹھا لے۔ اب ایک بار پھر ان ہتھیاروں کے رخ داور کی طرف ہو گئے تھے جس کے اطمینان میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"یہ سب کیا پھر ہے داور۔ بھولانا تھکا نے بول پھرا۔ تم نے تو مجھے پاگل کر دیا ہے۔ تم یہاں کیوں آئے ہو، کیا چاہتے ہو۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں مجھ پر یقین ہوا ہے یا نہیں۔ داور نے کہا۔ اگر یقین نہیں ہے تو پھر تمہارا وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔"

بھولانا تھکا کے چہرے پر کشمکش کے آثار تھے۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ داور پر یقین کرے یا نہ کرے۔

ڈاکٹر نے کسم کسم آنکھیں کھول دیں۔ وہ اندازے سے پہلے ہوش میں آ گیا تھا۔

عہد اسے ہوش میں آتے دیکھ کر اس کی طرف جھپٹ پڑا۔ پھر اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے جو خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا اس کی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے ہلکے ہلکے ہاتھوں نے اس کے دونوں ہتھیلیاں فرش پر ٹیک کر کھڑے ہوئے۔ اس کی کوشش کی لیکن عہد جلدی سے بولا۔ "بس بس۔ ڈاکٹر صاحب۔ تیرے کو لیٹا رہنے میں کیا راز ہے۔ بس لیٹے رہو۔ اور کھڑے ہونے کی بات مت کرو۔"

ڈاکٹر خوف سے کم کر لیٹا رہا تھا۔ اس نے بڑی بے

سے عہد کی طرف دیکھا اور بھرتی آواز میں بولا۔ کون ہو؟ لوگ۔ کیوں بے ہوش کیا تھا تجھے۔"

"اس کا جواب تو امتدادی دیں گا، عہد نے کہا۔ اپن کو تو بس اتنا معلوم ہے کہ تیرے کو داور سے جانے نہیں دینا چاہیے۔ رات ہی ہو جائے۔"

"میں بولیں گے پاس جاؤں گا۔ تم لوگوں نے مجھے قید کر لیا ہے۔ میں بولیں گے کسب کچھ بتا دوں گا۔"

"ارے بابا۔ جب تم داور سے چھوٹے کا بٹ بٹ بٹ لیں گے پاس جاؤں گا۔ نکالی آئی ابھی سے کیا نظر آتا ہے۔ بس لیٹنا رہو۔ جب چاہو۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک کمانی دار چاقو نکال لیا۔ چاقو کھول کر وہ اسے ڈاکٹر کی آنکھوں کے سامنے لہرائے لگا تھا۔ کھلے ہوئے چاقو کو دیکھ کر ڈاکٹر کی حالت اور خیر ہوئی۔ عہد کی فلی ولن کی طرح ہنسنے لگا تھا۔ ڈاکٹر کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس وقت اس کا بی چاہ رہا تھا کہ مانی ڈاکٹر کی کم از کم ایک ہسٹول واپس جانے تاکہ وہ اس نظر کا بدلہ بطور لطف حاصل کر سکے۔ اسے یہ سب بہت اچھا لگا رہا تھا۔ داور کے جانے کے بعد اس کی زندگی اس حد تک بے زار بن گئی تھی کہ ایک جگہ بڑے بڑے رنگ لگتا تھا۔ نہ کوئی ہنگامہ نہ کوئی طوفان۔ نہ کوئی جھگڑا۔ کچھ بھی نہیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنی ساری صلاحیتیں کھو کر جا رہا ہے۔ لیکن داور کے آتے ہی زندگی میں ہلچل شروع ہو گئی تھی۔ داور نے جو خاک و خاک طوفان کھلا۔ اس نے جیل سے رہا ہونے ہی عہد کی گردن میں خون کا دریا دوڑا دیا تھا۔

داور نے ہر ہونے والی دستک نے عہد کو چڑکا دیا۔ وہ صوفے سے اٹھا اور جلدی سے ڈاکٹر کے پاس آ گیا۔ دیکھو ڈاکٹر کوئی شور نہیں کرنے کا کیا۔ اگر شور کیا تو اسے فلیٹ میں کھلاس کر دیں گا۔ تیرے کو بچانے والا بھی کوئی نہیں آئے گا۔ بھٹا۔ ڈاکٹر نے سب سے ہونے انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔ عہد نے چاقو بند کر کے اپنی جیب میں ڈالا اور اسے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی ہوئی تھی جس نے اپنے ہاتھ میں ایک پتیلی اٹھا رکھی تھی۔ عہد نے دروازہ کھولنے میں احتیاطاً یہ برہنہ تھی کہ وہ دروازہ صرف اس حد تک کھولا تھا کہ اندر کے حالات معلوم ہو سکیں۔ خود کو اس نے کھلے ہوئے دروازے کے درمیان میں رکھا تھا۔

"کس سے ملنے کا ہے اب۔ عہد نے سوال کیا۔ پھر داور نے جواب دیا۔



فحشہ ڈاکٹر تولوی سے ملنا ہے۔ عورت نے کہا میں نے ان کو ادھر ہی آتے دیکھا ہے۔

عبدل ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ حالانکہ اس نے ڈاکٹر کو وہاں تک لانے میں بہت احتیاط برتی تھی۔ پھر بھی اس بوڑھی عورت نے اسے دیکھا کیا تھا۔

”ادھر رہیں اکیلا ہے۔ یہ عبدل عورت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ڈاکٹر تولوی کا ایصر کیا کام۔ جاؤ ادھر سے۔ وہ تھرے کو اپنا دکان پریشانی کا۔“

”اسے جھوٹ مت بول۔ عورت بگڑی ہوئی اب اتنی بوڑھی بھی نہیں ہوئی کہ ڈاکٹر تولوی کو نہ پہچان سکوں۔ میں نے اسے خود تیرے غیبت میں آتے دیکھا ہے۔ میں تیرے بازو والے غیبت میں رہتی ہوں۔ بتا کہاں ہے وہ۔“ فحشہ اس سے بہت ضروری ملتا ہے۔ کل رات سے نیند نہیں آئی۔ سر میں درد ہے۔ خدا دیکھو تو لوں۔“

عبدل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس عورت کا کیا کرے۔ داوڑ نے اسے ڈاکٹر کے بارے میں دوسروں سے چھپانے کے لیے کہا تھا۔ اور اس پر دھیانے آکر سلام لکھا تو بچے کر دیا تھا۔ یہ بوڑھی عورتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ دوسروں کی کھوج میں رہنے والی۔ اگر یہ بوڑھی عورت کچھ دعا درز ڈاکٹر کو دیتی تو کیا نقصان ہو جاتا۔

”ٹھیک ہے اماں۔ اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا آج اندر ڈاکٹر صوفے پر بیڑا ہے۔“

عورت اسی موقع کی منتظر تھی۔ وہ جلدی سے فلیٹ کے اندر آ گئی۔ اس کے اندر آتے ہی عبدل نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا اور چاقو نکال لیا۔ چاقو کو دیکھ کر اس عورت کے اوسان خطا ہو گئے جبکہ ڈاکٹر کی حالت پہلے ہی غیر ہوشیاری تھی۔

”اب تیرے کو کیا کرے ماں۔“ عبدل چاقو لہراتا ہوا بولا تو تو خالی پہلی اس لشکر سے میاں لگی ہے۔ اور میں اب تیرے کو نہیں سکتا۔ استاد کا حکم ہے۔“

”ارے میں نے تمہارا کیا کیا کر رہا ہے۔ میں تو خود میری ہوں۔ تم نے مجھ پر چاقو کیوں کھولا ہے؟ یہ کیا ظلم ہے؟“ بوڑھی نے شور مچانا شروع کر دیا۔

”اے اماں جیسا کہ تم نہیں جانتے کیا عبدل نے اسے چاقو دکھانے سے کہا۔ اپنا کایج پھر کیا تو تیرا مزیدار کورہ میں کاروا۔“

بڑھیا نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”بس چپ رہو موسیٰ، یہ بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ عبدل مسکراتا ہوا پھر صوفے پر بیڑہ گیا۔ اس کے سامنے اب دوسرے ہونے قیدی موجود تھے۔

”تمہیں معلوم ہو گیا نا کہ میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آیا ہوں۔“ اور نے کہا۔

اس وقت وہ خود بھی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ بھولانا تھا ابھی تک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی انجھور دوسری ہوسکی تھی اسی لیے وہ بھی اپنے ہاتھ میں بیسے ہوئے بیسٹول کو دیکھتا اور کبھی داوڑ کو دیکھنے لگتا۔ اس کے آدمی جسے کی طرح داوڑ کے پاس ایسا دھتھے کمرے کی بدلتی ہوئی صورت حال نے ایسے سکے میں مبتلا کر دیا تو ”دیکھو بھولے۔“ داوڑ سمجھانے والے انداز میں بولا۔

”یہ لائن ایسی ہے کہ اس میں دوستی اور دشمنی چلتی ہی رہتی ہے بلکہ یہ لکیل ہی دوستی دشمنی کا ہے۔ کبھی کسی ایسا بھو ہوا جاتا ہے کہ دوست دشمن بن جاتا ہے اور دشمن دوستی کرنے لگتے ہیں۔ یہ طاقت اور وسائل حاصل کرنے کی لائن ہے۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ اگر کسی معاملے کو خوب کر لے تو اس میں کسی لڑکی کو ڈال دو، وہ معاملہ تیار ہو جائے گا۔ میں پہلے مینکے سسٹے میں بہت سنجیدہ تھا۔ تم تو اچھی طرح جانتے ہو۔“

لیکن اب مجھ میں عقل انجھی ہے مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میں اب تک اپنا وقت برباد کرتا رہا ہوں۔ صرف ایک جھوٹو کی کے لیے اپنی لائن کے کسی آدمی سے دشمنی کرنے ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ ”تمہیں یہ معلوم ہے کہ میں نے۔“ بھولانا تھا کچھ کہتے کہتے رگ تکیا۔ ”میرا مطلب ہے کہ اس کے باوجود تم میرے کہہ رہے ہو۔“

”ماں مجھے معلوم ہے کہ تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“ بھولانا تھا نے کہا۔ ”بچی بات تو یہ ہے کہ جب تم نے سنا تو غصے سے میرا برا حال ہو گیا تھا۔ بھولانا تھا اگر اس وقت تم میرے سامنے آ جاتے تو میں تمہارے ٹوڑے ادا کرتا لیکن میں نے اس پر بہت غور کیا۔ بہت سوچا اور اگر نتیجہ پر پہنچا کہ یہ سب جزائی باتیں ہیں۔ اگر میں تمہارے چکر میں پڑا رہا تو رابرٹ گولابہ میرے ہاتھ سے نکل جائے۔“

”رابرٹ گولابہ۔“ بھولانا تھا نے حیرت سے کہا۔ ”ماں یہ رابرٹ گولابہ؟“

”کیا تمہارے ان آدمیوں پر پھر دیکھا جا سکتا ہے؟“ داوڑ نے بھولانا تھا کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔

”ہاں۔ ہاں بالکل جیسو سرے۔ لیکن تم بات تو بناؤ۔“ ”پیلے انہیں کمرے سے باہر کر دو۔“ داوڑ نے کہا۔ ”یہ میں جب ان کے سامنے تمہیں قابو کر سکتا ہوں تو مجھے پھر ان کو باہر نکلنے کی کیا ضرورت ہے لیکن یہ بات دوسری ہے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ پہلے انہیں باہر کر دو، پھر میں تمہیں سب کچھ بتا سکا ہوں۔“

بھولانا تھا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اور وہ سب کمرے سے باہر چلے گئے۔ ”ماں اب بتاؤ، کیا کہہ رہے۔“ بھولانا تھا نے پوچھا۔

”تم نے کسی آدمی کا حالہ دیا ہے۔“ ”رابرٹ گولابہ بالینڈ کا ایک مشہور حواری ہے۔“ داوڑ نے بتایا۔ ”اس کا کام دنیا بھر میں گھوم پھرنے کے لیے لڑنے کو تلاش کرنے کے لیے تھا۔ وہ ان کے ہمدرد بن جاتا ہے۔ ان کی طرف سے ہوا کھینچا ہے اور وہ خود بھی بہت بڑا شاعر ہے۔ اس لیے شروع شروع میں وہ جیتا رہتا ہے۔ پھر بار بار شروع کر دیتا ہے اور فوٹ میں ایک سبقتی ہے کہ وہ آدمی تباہ ہو کر رہ جاتا ہے، کنگال ہو کر رہ جاتا ہے۔“

”اچھا۔“ بھولانا تھا نے حیرت سے کہا۔ ”تو پھر اس معاملے سے میرا کیا تعلق؟“

”وہی تو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔“ رابرٹ اس دفعہ ایک کوڑبی تاجر کو فرانس سے جہازس کر لینے کے ساتھ مزید لایا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے مزاج کا کوئی ایسا جو غاد مل جائے، جہاں کی انتظامیہ اسے ایمان میں اس کا ساتھ دے۔ اس فرامشی تاجر نے لاکھوں روپے مینک کے ذریعے پہنچا سگو لایے ہیں۔ رابرٹ کسی ایسے جوان خانے کی تلاش میں گھوم رہا تھا کہ مجھ سے ملاقات ہو گئی۔ اور میں اسے اپنے ساتھ لے آیا۔ وہ دو دن اس وقت میرے فلیٹ میں موجود ہیں۔ ان کے آنے کے بعد میں سوچتا رہا کہ کس کو بیڑوں ایسا کو ساتھ لانا ہو سکتا ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر تمہارا نام میرے ذہن میں آیا۔ پھر اس دوران تمہارا اور دینا کا معاملہ بھی تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں، تمہارا ساتھ

مینک کے معاملے میں الجھنا ہوں یا بزنس کی بات کروں۔ پھر میں نے بہت سوچ سمجھ کر فحشہ کو بغل لیا کہ تمہارے ساتھ بزنس کر لینا چاہیے۔ مینا کی بات تو بعد میں کی جا سکتی ہے۔ ”ابھی تک تمہاری بات کا یقین نہیں آیا۔“ بھولانا تھا نے کہا۔ ”یہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ اگر رابرٹ گولابہ والی بات سچی ہے تو۔“

”اب کوئی بات نہیں ہوگی۔“ داوڑ نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں ٹائیکل کے جوان خانے کی طرف جارہا ہوں۔ یہ سودا اسی سے ہوگا۔“ رابرٹ نے تیس فی صد کمیشن کی بات کی تھی۔

”ڈاؤمیری بات تو سنو۔“ بھولانا تھا بول پڑا۔ ”میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے تم سے بزنس نہیں کرنا۔ لیکن تم خود پوچھ مجھے حیرت ہوئی چاہیے یا نہیں؟“

”ٹھیک ہے۔ تم حیرت کرتے رہو۔ میں ٹائیکل کو رابرٹ سے ملو دیتا ہوں۔ وہ میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ میرے پاس وقت نہیں ہے اور میری طرف سے کسی دھوکے یا جال بازی کی توقع مت کرنا۔ میں اگر چاہتا تو جس وقت تمہیں بے بس کیا تھا اسی وقت بے بس کر کے یہاں سے نکال لے جاتا۔ تمہارے پاس وقت نہیں ہے۔ اور میری طرف سے کسی دھوکے آدمی میرا کیا کر سکتے تھے؟“

”اچھا۔ اچھا میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ۔“ بھولانا تھا جلدی سے بولا۔ ”میں دس فیصد کم کو بھی دوں گا۔“

”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے خود ہی رابرٹ سے معاملہ کر لیا ہے۔“ ماں اگر تم میرے ساتھ چلے گے تو نو احتیاط کے طور پر اپنے کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ رکھ لو۔ یہ لوگ ساتھ رہیں گے تو تمہاری ہمت بندھی رہے گی۔ میں یہ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔“

”اور اب ایسی بھی کیا بات ہے۔“ داوڑ بھائی۔“ بھولانا تھا نے دانت نکال دیے۔ ”میں خود بھی آنا گیا کروں تو نہیں ہوں۔ پھر تم کو میرے بزنس پارٹنر بن گئے ہو۔“

داوڑ دل ہی دل میں مسکرایا۔ اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہ بھولانا تھا کو کسی طرح اس جوان خانے سے نکال لے جائے۔ اس نے اسے قابو میں تو کر لیا تھا۔ وہ اگر کوشش کرتا تو شاید وہ اسی طرح بھولے کو لے جانے میں کامیاب ہو جاتا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس جوان خانے میں بھولانا تھا کے نہ جانے کتنے مسلح آدمی موجود ہوں گے اور

کہاں کہاں چھپے ہوئے ہوں گے۔ اسی لیے اندھیرے کے تیر سے ٹپکنے کی خاطر اس نے یہ حرکت کی تھی۔ بھولانا دوا دیکھو کہ اس کمرے سے گیلری میں آگیا۔ یہاں بھولا کے آدمی بالکل پوکس کسی بھی حافضے کے لیے منتظر کھڑے تھے۔ ان ہی میں وہ آدمی بھی موجود تھا تو دھوکہ انداز تک نے کیا تھا۔ اس آدمی پر نظر پڑتے ہی بھولا غضب ناک ہو گیا۔

”امو! بھولانا نے اس آدمی کو مخاطب کر کے کہا۔ میں واپس آ کر تجھے ایسی سزا دوں گا کہ تو زندگی بھر یاد رکھے گا۔ اب اسے چھوڑ دو بھولانا تھ۔“ اور بول پڑا۔ ”اس بے چارے کا کیا قصور، وہ تو میں نے ہی ایسا جکڑ چلا تھا۔“ یہ بات نہیں اور بھائی، اصل بات اس کی لا پرواہی ہے اس طرح تو یہ کسی کو بھی اندر لاسکتا ہے۔ اور میری اماں کو تو سو گناش ہوئے بھی بہت دن ہو گئے۔ اسی لیے تو تب اس نے یہ بات سنائی تو میں ٹھسک گیا تھا۔ میں نہیں سمجھ رہا تھا کہ وہ کون ہے جو اس طرح دھوکہ دے کر اندر چلا آیا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو اب تم اس کے ٹوکے ہو چکے ہوتے لیکن تمہاری قیامت ہی اور ہے اور بھائی۔ اب تم سے کوئی کیا بولے؟“

داؤد نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ بھولانا تھ کے ساتھ چلتا ہوا چرخانے سے باہر گیا۔ بھولانا تھ کے آدمیوں نے اس کا ساتھ دینے کی کوشش کی تھی لیکن بھولانا تھ نے نشانے سے منع کر دیا۔ وہ سب ان لوگوں کو ایک ساتھ باہر جاتا دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے کی صورت حال کچھ اور تھی اور اب کچھ اور ہو گئی تھی۔ اتنی دیر میں ان کے سامنے ان کے پاس کی گردن پچی گرفت میں لے کر اسے بری طرح سے پس کر دیا تھا۔ اور اب وہی بالک ہنستا مسکراتا ہوا داؤد کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔

باہر بھولانا تھ کی ادین گاڑی کھڑی تھی جو اس بات کا ثبوت تھی کہ اس کا حصہ خوب چلنے لگا ہے۔ بھولانا تھ نے ڈرائیوگ سیٹ سے تھیل لی تھی جبکہ داؤد اس کے برابر بیٹھ گیا پھر اس نے گاڑی ایک طرف بڑھا دی۔ داؤد نے اسے جیل کے فلٹ کا پرتے دیا۔ ”میں نے تو بہت دنوں سے تمہارا ڈانٹنا نہیں دیکھا تھا۔“ داؤد نے اس کا دھیان مرکوز رکھنے کے لیے اس سے گفتگو شروع کر دی۔ ”اس وقت کتنے آدمی جوا کھلنے پر ہیں،

مشتیں کسی ہیں؟ بشار پکنتے ہیں، روزانہ کتنے کی ہیرا پیرا ہو جاتی ہے؟“ اس وقت جوا کھلنے پر صرف چار آدمی ہیں۔ بھولانا نے بتانا شروع کیا۔ ”لیکن یہ چاروں بہت زبردست ہیں۔“ سے ایک بڑھ کر سب باز، جمال ہے جو ایک جھکے جانے سے ملے کو پتہ نہیں چلتا اور ہیرا پیرا ہو جاتی ہے۔ مشتیں دو ہیں، اصل بات یہ ہے کہ مشتیں سے کھیل کرانے میں زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ چار سال مشتیں وقت بڑھو کہ فیے جاتی ہیں کبھی کبھی سامنے والے کا میرا ہیرا بھی کر دیتی ہے۔ جبکہ آدمی کے ساتھ ایسی نہیں ہوتا کیوں ٹھیک ہے نا۔“

داؤد بھائی، ”بالکل ٹھیک ہے۔“ داؤد نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ”بس اب تم گاڑی اس درخت کے پاس روک دو، وہ سامنے جو عمارت نظر آ رہی ہے اس کی دوسری منزل پر چار بنگرا کا فلٹ ہے۔ پہلے میں جانا ہوں پھر تم آ جا نا۔“ پھر چھوڑ دو تو اس ساتھ چلتے ہیں۔ جب بزنس کرنا ہے تو پھر دوسروں کا خیال کیوں کریں؟

”اور کیا داؤد بھائی؟“ بھولانا تھ نے ایک بار پھر دانت نکال دیے۔ ”وہ اس وقت بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے تصور میں نوٹوں کی گڈیاں پھر رہی تھیں۔“

”اب مجھے جانے دنا بھائی، ڈاکٹر نے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میرے مریض میرا انتظار کر رہے ہیں۔“

”ہاں مجھے بھی جانے دنا۔“ بڑھی جیسی بول پڑی تھیں نے کیا تصور کیا ہے؟ یہ تو بہت بری بات ہے۔“ اچھا تم دو دنوں اور جمعہ صبح جاؤ۔“ عدیل نے دونوں کو ڈانٹ دیا۔ ”چپ چاپ رہو، ابھی اسٹاؤ آئے والا ہوگا وہ آجائے نہ لانا۔“

”میں کہتا ہوں کہ تم جہاں نہیں کر رہے؟“ ڈاکٹر نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ ”پولیس تمہیں نہیں چھوڑے گی۔“ پولیس کی دھمکی کا پرتے نہیں چھوڑ کر۔ ”عدیل صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”خالی پٹی مچ مت کڑا کرو، چپ رہو۔“ ڈاکٹر پھر ہم کر خاموش ہو گیا عدیل ابھی صوفے پر

بیٹھا ہی تھا کہ دو روز سے پھر دھسک ہونے لگی۔ عدیل نے پہلے کی طرح ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی داؤد اور بھولانا تھ اندر آ گئے۔ بھولانا تھ تو ڈاکٹر اور بڑھی کو دیکھ کر ترستے ہیں رہ گیا تھا۔ جبکہ خود اور بھی اس بڑھی عورت کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر اور بڑھی ان دونوں کو دیکھ کر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔

”سب کیا ہو رہا ہے یہاں؟“ بھولانا تھ نے داؤد سے پوچھا۔ ”کون ہے یہ؟“ تمہارا رابرٹ کہاں ہے؟“ ابھی بتانا ہوں داؤد نے ہلکی سے دروازہ بند کر لیا۔ پھر اس نے عدیل کی طرف دیکھا۔ ”عدیل، یہ بڑھیا کون ہے؟“

”کیا بتاؤ؟“ داؤد بھائی، ”عدیل نے ایک گبی ماس لی۔“ اپن تو ٹھیک ٹھاک اس ڈاکٹر کو دیکھ رہا تھا کہ یہ بڑھیا دروازے کو پیٹنے لگی۔ اس نے تو نفردا کر دیا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو ایڑھراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اسی لیے میں اسے اندر لے آیا۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ داؤد غصے سے بولا۔ اب اس کو کہاں سے مشتیں گئے۔ یہ تو معصیت کھڑی کر دے گی۔“

”میں پوچھتا ہوں آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟“ بھولانا تھ نے اچانک جیب سے پسٹول نکال لیا۔

داؤد اس سے اس حرکت کی توقع کر رہا تھا اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ وہ پسٹول اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔ ساتھ ہی اس نے ایک زوردار گھونس اس کے بڑھے پر سید کر دیا تھا۔ گھونس کھاتے ہی بھولانا تھ دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس دوران عدیل چاقو تھرا ہوا بڑھی اوڈا کر کے پاس پہنچا۔ وہ ان دونوں کو خاموش رہنے کی ہدایت دینے لگا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو وہ دونوں جو اس ہو کر جیتنے لگتے۔

بھولانا تھ دیوار سے پلٹ کر سانب کی طرف پھٹکنا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے داؤد پر حملہ کرنے کے لیے اپنا ہاتھ کھایا۔ داؤد نے پیچھے ہٹ کر اس کا وار خالی دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی ٹھوک بھولانا تھ کے سینے پر پڑی اور وہ کمرے میں دھکی ہوئی میز پر لٹ گیا۔ میز اور وہ دونوں ایک ساتھ ہی دوسری طرف جا گئے۔ وہ کہہ اچھا خاما میدان جنگ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ داؤد اس کھیل کو زیادہ طول

نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس نے میز کے عقب میں گرے ہوئے بھولانا تھ پر جھلنگ لگائی اور گریبان پکڑ کر کھڑا کر لیا۔ ”تم دونوں بالکل چپ چاپ رہنا،“ عدیل نے ڈاکٹر اور بڑھی سے کہا۔ ”ابھی آؤ، چپ جنگ ہوتا ہے اور ہر ہم تم دونوں کو کھٹکس کر دے گا۔“

بڑھی تو تیرا کر صوفے پر گر پڑی۔ جبکہ ڈاکٹر نے کچا قائم رکھے اپنے پیروں پر کھڑا رہا۔ لیکن حالت اس کی بھی غیر ہوتی جا رہی تھی۔

داؤد نے ایک زوردار دھکاک کر کے بھولانا تھ کو صوفے پر گر کر دیا۔ وہ بھی اب کسی چوہے کی طرح خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس کی ساری اکثریت ہو چکی تھی۔ ذرا سی دیر میں داؤد نے اس کے کس بل نکال دیے تھے۔

”تم نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے داؤد؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میں تم کو نہیں چھوڑاؤں گا۔“

”دھوکہ تو تم نے بھی کیا تھا۔“ نہیں معلوم تھا کہ مینا میری ہے لیکن میں اور حیران کیا اور اور تم نے مینا کو بے اثر کر دیا۔ آخر کیوں؟ کیا میرے ساتھ دھوکہ نہیں ہے اور ویسے بھی میرے محبت اور جنگ میں سب جیتا ہے اور تم نے دھوکہ دیا اور میں نے دھوکہ کیا۔ حساب برابر! لیکن میں نے تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں کیا۔“

بھولانا تھ بولا۔ ”مینا تو ایسی ہی لڑکی ہے۔ تم اس کے لیے میرے ساتھ ایسا سلوک کرنے چلے ہو۔“ ”میں جانتا ہوں کہ وہ ایسی ہی لڑکی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی کی مالک ہے۔ میں اس کو بہت بڑا جرم سمجھتا ہوں کہ کسی کو اس کی مرضی کے خلاف بے اثر کر دیا جائے۔ پھر تم نے تو کچھ کیا ہے میرے غصے میں کیا ہے، عجیب کو بجا دکھاتے کے لیے کیا ہے اور میں ایسے کسی آدمی کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں سمجھ گئے؟“

پھر کیا تم مجھے مارنا چاہتے ہو؟“ بھولانا تھ نے پوچھا۔ ”نہیں۔ میں اس وقت کسی کو مارنے یا مارنے کے موہ میں نہیں ہوں۔ میں نہیں پس تھوڑی سی سزا دینا چاہتا ہوں۔“ ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ بھولانا تھ اچانک اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

داؤد نے ایک زوردار تھپڑ اس کے گال پر سید کر دیا۔  
تھپڑ کھاتے ہی الٹ پڑا اس کے ہونٹوں کے ٹکڑے بیٹ  
گئے اور ان سے خون بھی رسنے لگا تھا۔ داؤد کی انگلیاں  
اس کے گال پر سرخ نشان بنا دیے تھے۔ ڈاکٹر اور بوٹھی تو  
نے اپنے ہرے دوسری طرف کر لیے۔ ان کے لیے ہر سب  
کچھ نیا تھا۔ انہوں نے کبھی اتنا شدید نہیں دیکھا ہوگا۔  
جب کہ عبدل اس صورتحال سے پوری طری لطف اندوز  
ہو رہا تھا۔

بھولا نا تھ کے صوفے پر گرے ہی داؤد نے دونوں  
ہاتھوں سے اس کے بالوں کو جھٹکے دئے شروع کر دیے۔ یہ  
جھٹکے اتنے شدید تھے کہ بھولا نا تھ کی شخصی گھٹی چپٹیں کر  
میں گونجنے لگی تھیں۔ آٹھ دس باس نے جھٹکے دینے کے  
بعد اس کے بال چھوڑ دیے اور اس کے ساتھ ہی اس کی پٹی  
پر ایک مخصوص ضرب رسید کر دی۔ بھولا نا تھ بے ہوش ہو چکا  
تھا۔

”دیکھو ڈاکٹر! عبدل خوش ہو کر بولا اپنا استاد کو  
طرح ہے ہوش کر تا ہے۔ تم لوگ تودا لگا تا ہے۔ استاد کو  
اس کی بھی ضرورت نہیں۔“  
”کیوں مت کرو عبدل“ داؤد نے اسے جھڑک دیا۔

”ڈاکٹر کو میسے پاس بھیج دو“  
عبدل نے سہمے ہوئے ڈاکٹر کو دھکیل کر داؤد کے  
پاس پہنچا دیا۔ اس لڑکے کا کیا کریں استاد؟  
”اس کو دوسرے کمرے میں بند کر دو“ داؤد نے  
”کی“ اور اس سے کہہ دینا کہ ذرا سہمی واز نہیں لگالے  
بوٹھی میں آواز لگانے کی ہمت بھی نہیں تھی۔ وہ  
کسی کی طرح عبدل کے شانے پر چلتی ہوئی اس  
کمرے میں داخل ہو گئی جس میں دنیا بھر کا کٹھ کاڑ بھجلا  
رہتا تھا۔

”ڈاکٹر! داؤد نے ڈاکٹر کی طرف دیکھا۔ تمہارا کام فر  
اتنا ہے کہ ال آؤدی کے دونوں کان کاٹ دو“  
”نہیں! ڈاکٹر پورے بدن سے لرز اٹھا۔ یہ مجھ سے  
نہیں ہوگا، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔“  
”یہ کام تو تمہارا ہوگا تھے ڈاکٹر! داؤد سفاک لہجے میں  
بولتا۔ ورنہ یہ آؤدی تمہارے کان کاٹ دے گا۔“ اس نے  
عبدل کی طرف اشارہ کیا جو اس درمیان بوٹھی کو دوسرے  
کمرے میں بند کر رہا تھا۔ یہ مجھ سے زیادہ بے رحم اور خطرناک

آؤدی ہے۔“  
”یہ کام تم مجھ سے کیوں کر دار ہے۔ تم خود کیوں نہیں  
کرتے۔“

”تم ایک ڈاکٹر ہو۔ اس لیے یہ کام تم سے کرنا چاہا  
ہے کہ تم اس کے کان ذرا سہمی سے کاٹو گے۔ اس کے ساتھ  
ساتھ دو باجھی لگاتے جاؤ گے۔ اگر سن کر رونے والی ہو  
تمہارے پاس تو پھر شیک ہے۔ اگر نہیں تو کوئی بات نہیں  
بیش خیال رکھنا کہ غون زیادہ نہ بیٹے پائے۔“

”تم واقعی بہت بے رحم آؤدی ہو۔ میں نے تم جیسا  
آؤدی نہیں دیکھا۔“  
”یہ استاد“  
”بھئی میں کیا ہے۔“ عبدل جھکا  
”ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ بھولا نا کام شروع کر دو ورنہ  
وہ اپنا چاقو تلے کر ڈاکٹر کے پاس آگیا۔

ڈاکٹر نے دیکھا کہ اس کیس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا  
میں اس کی دوا میں رکھی تھیں۔ وہ بار بار بیٹ کر داؤد کو اس  
طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی بھی لمحے اسے ایسا کرنے سے  
روک دے گا۔ لیکن داؤد کے ہرے کی سفاکی دیکھ وہ اوپر  
لڑنے لگا۔ داؤد کا لہجہ اس وقت کسی پتھر کے جیسے کی طرح  
ہو رہا تھا بے جان اور بے حس، جس پر کوئی تاثرات نہ ہوا  
کوئی جذبہ نہ ہو۔

”چلو ڈاکٹر! عبدل نے اپنا چاقو تھرا لیا جلدی کر دیا  
لوگوں کے پاس ٹیم نہیں ہوتا۔“  
ڈاکٹر نے لڑنے سے اور کراہتے ہوئے کیس کھول لیا  
اس میں بے شمار شیشیوں اور بوتلوں میں دوائیں بھری  
ہوئی تھیں۔ قینچی تھی، ایک تیز دھارا ستر اٹھا اور مرہم  
پٹی کا سامان رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کا کبس آلات سے بھرا  
ہوا تھا۔

اس نے کاپٹے ہوئے ہاتھوں سے مدلی، ایک دوا دیا ایک  
تیز دھارا ستر نکال لیا۔ اس کے بعد پھر داؤد کی طرف دھکا۔ اگر  
کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بیوقوف کر رہا ہو کہ داؤد سے روکے گا  
لیکن داؤد نے کوئی بھی طاری کر دی تھی جیو عبدل بھی ڈانٹ  
کے پاس ہی آکھڑا ہوا تھا۔ وہ حملہ دوا چاقو اٹھی تک اس کے  
ہاتھ ہی میں تھا۔ چو ڈاکٹر کو خوف زدہ کیے جارہا تھا۔

”چلو جلدی کرو۔“ داؤد نے غصے سے کہا۔ ”دیہ کیوں کر ہے؟  
ڈاکٹر نے بھولا نا تھ کے ایک کان پر دوا لگائی اور انھیں  
کر کے اسے سکی دھارا اس کے کان پر رکھ دی۔ وہ اترے کچھ

نا تھ کے کان پر رکھنے کے بعد ہی انتظار کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بھولانے  
چاقو کی نوک ڈاکٹر کے چہرے کی طرف ترھاٹ اور اس کے گال پر  
رکھ دی۔ چاقو کا مس محسوس کرتے ہی ڈاکٹر نے استرا جلا دیا۔  
وہ استرا بھولا نا تھ کے کان میں اس طرح اترا جلا گیا جیسے تلوار  
موم میں آنار دی جائے۔ ایک جھٹکے سے وہ کان بھولا نا تھ کے  
چہرے سے الگ ہو گیا۔ کان کٹنے کی افیت اتنی شدید تھی کہ بھولا  
نا تھ پہلے ہوش کے عالم میں اس طرح ترہنے لگا جیسے کسی  
بکرے کو آدھا کر کے چھوڑ دیا جائے۔ وہ اچھل کر نہ  
پٹے میں اٹھا جس کے نتیجے میں ڈاکٹر کو بھی جھٹکا لگا اور وہ کچھ  
بچے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں جب اس نے بھولا  
نا تھ کے کٹے ہوئے کان اور ہتھے ہوئے خون کو دیکھا تو مارے  
خوف کے اس کی کھجکی بندھ گئی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا  
چہرہ چھپا لیا۔ بھولا نا تھ کے اس حصے سے جہاں کچھ پر پہلے ایک  
کان ہوا کرتا تھا اس طرح خون بہہ رہا تھا جیسے کوئی نل ٹھول دیا  
گیا ہو۔

”جلود و سر کا ان بھی کاؤ اس کا، داؤد نے ڈاکٹر کے شانے  
پر ہاتھ رکھ دیا۔“ جلدی کرو۔“  
”یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔“ ڈاکٹر نے اپنے دونوں ہاتھ تھیلے  
دھنگوان کے لیے ایسا پاپ پٹ کر ڈاڑھا۔  
”یہ تو آدھا پاپ ہوا۔“ عبدل نے مسکراتے ہوئے کہا پاپ  
دوا ہونا چاہیے کیوں استرا د۔“  
”نہیں! نہیں۔ یہ میں نہیں کروں گا۔“ ڈاکٹر اپنا مرزد  
دورے ہلانے لگا۔

”دھنچا ہے کہ ایسے نہیں ملے گا۔“ عبدل داؤد کی طرف دھچتے  
ہوتے بولا۔ ”اپنے کو بولوا ستاؤ اس ڈاکٹر کا بھی ایک کان کاٹ  
دلو۔“

”نہیں رہے دھاس کو۔“ داؤد نے کہا۔ ”ہیرا خیال ہے کہ اس  
بھولا نا تھ کو اب چھوڑ دیتا ہوں۔ کتنی سزا ملی ہے۔ سالہ  
لٹا لٹا ہار لگے گا۔ کبھی کسی عورت سے جو برہمدی نہیں کرے گا  
بس اب تو یہاں سے چلنے کی تیاری کرو۔“

”لوں کیوں استرا د۔“ اپن یہاں سے کہاں جائے گا۔“  
”بے خوف۔ اس گھر میں بے گرفتار ڈالنے کا ہے کیا اسرار  
گھر کو یہ چل جائے گا کہ اسے اس گھر میں ہر سب کیا ہے میں  
چھترنے کی خبر نہیں ہوئی۔“ اوو گہرا ہو جا رہا تھا۔ بے چارہ  
رہنے دے سامان کو ان سائیرے باپ کا ہے۔ بلیٹ بھی لائے  
ٹاؤد سامان بھی قسط والوں کا۔ جھٹکے پھروں کے بعد میں

خود ہی۔ اب یہ فلیٹ تیرے لیے نہیں رہا۔“  
”یہ بھی تم نے جھٹک بولا استرا د۔ عبدل نے کہا۔“ اپن کو بھی  
اس فلیٹ میں جا نہیں آتا تھا۔ وہ سالنے والی جھکر کی پٹی  
لٹی ہے۔ پھر ابھر رہے کا کیا فائدہ۔ جھٹک ہے استرا د۔ اپن  
جلدی جلدی کپڑے کیٹ لیوے۔ پھر تیرے ساتھ چلتا ہوں۔“  
داؤد نے ایک سٹریٹ سلکان اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر خود  
بھی اب یہاں پہنچنے کی عالم میں تھا۔ اس کے باوجود وہ بھولا نا تھ  
کے زخم پر کوئی دوا لگانے میں مصروف تھا تاکہ خون کی روانی  
بند ہو جائے۔ بھولا نا تھ تھ نہ کر جھٹکے لگتا تھا۔ اسے ہوش  
تو آگیا تھا لیکن زخم کی تکلیف نے اس کے حواس کو گم کر دیئے تھے۔  
وہ تکلیف کی اس شدت میں کبھی نہیں رہا تھا کہ اس کے ساتھ  
کیا ہوا ہے۔ وہ بار بار اپنا سر جھٹکے لگتا تھا۔

شام ہونے ہی۔ اور ایک بار پھر در و دراز اس ماداری  
سیٹھ کے منظر پر پہنچ چکا تھا۔

اس وقت ہی وہ بہت سہمیٹے کے لباس میں یہاں آگیا اور  
گیت پر کھڑے ہوئے گورکھاؤں نے اس سے کوئی بات نہیں کی  
اور وہ براہ راست گیت سے اندر داخل ہوتا جلا گیا۔ وہ اوٹھل  
اپنا تمام سامان میٹ کس فلیٹ سے نکل آئے تھے۔ انھوں  
نے زخمی بھولا نا تھ، ڈاکٹر اور اس بوڑھی عورت کو وہیں چھوڑ دیا  
تھا۔ ان دونوں کے پاس سے چلنے کے لیے سامان ہی لیا تھا۔  
بس دو سوٹ کیس جن میں کپڑے مٹوس لیے گئے تھے۔

داؤد نے رہنے کا انتظام جنگلش کے یہاں کر لیا تھا۔  
یہ اس کے اسکول کے زمانے کا سماجی تھا۔ ایک بینک میں کلرک  
تھا۔ اور عملی کی طرح اچھے اور بینک جذبول پر یقین رکھتا تھا لیکن  
داؤد اس کی کسی نہیں کرتا تھا۔ داؤد اس سے پہلے بھی  
جنگلش کے پاس گئی بارہ جکا تھا۔ اس کی بیوی سوشل بہت ہی  
اچھے کھانے پکا باکری تھی۔ اس کے دونوں بیٹے داؤد سے بہت مالوس  
تھے۔ جنگلش ایک ایسا آدمی تھا جس پر داؤد ہمیشہ اعتماد کرتا رہا  
اس کے گھر کی چوٹ پر اپنا چولہا آگیا جھٹکا تھا۔ انداز گڑبہ  
مہذب اور مہربان بن جانا۔ ایک ایسا شخص جو ایک خوش و خرم  
خاندان کو دیکھ کر خود بھی خوشی محسوس کرتا ہو۔

جنگلش نے ان دونوں کے لیے فوراً ہی ایک کمرہ غفوس  
کر دیا۔ یہ اس کا اپنا مکان تھا اس لیے فاصلہ سین و غریب تھا  
وہ ہندو خان جیسے ملک میں ایک کلرک اپنا مکان کس طرح  
نوا سکتا ہے۔ داؤد نے جنگلش سے کہہ دیا تھا کہ ان دونوں کے

لیے کرو الیسا ہونا چاہیے جس کا دروازہ باہر سے کھلتا ہو تاکہ انہیں آنے جانے کی کوئی پریشانی نہ ہو چونکہ لینٹن نے ان دونوں کو الیسا ہی ایک کمرہ دیا تھا بہاں سامان رکھ کر اور عبدال کو چھوڑ کر دواور مدارائی بیٹھ کے بیٹھے کی طرف گیا۔

مینا کے سامنے اس کی کھڑی تھی۔ شہاب وہ دواوری کا انتظار کر رہی تھی، کیونکہ دواور کو دیکھتے ہی وہ لپک کر اس کے قریب آگئی۔

”اگلے ٹھیک وقت پر ملے ہو، اس نے کہا۔ وہ مالا اندر بیٹھا ہے۔ لیکن اس کے سامنے ٹھیک رہنا۔ وہ آدی بہت اچھا ہے۔“

”اچھا زیادہ بیک بک مدت کرو۔“ دواور منہ سے غصے سے بولا۔ اس نے تم سے شادی کی ہے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کا بیٹہ چھاڑ دوں۔“

”بھلا اس مدت کو چلو اندر میں نے اس سے تمھاری تعریف کر دی ہے، تم فلاں کی بہت بڑھا دینا۔ تمہارے خیال نے اس کی نیند پر حرام کر دی ہیں۔“

وہ دواور کو اس قدر مانگ رہی تھی جہاں وہ پہلے آچکا تھا۔ صوفے پر دھرم داس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بالکل دلیسا ہی تھا جیسا دواور نے تصور کیا تھا۔ اس نے سفید رانچی سی جھوٹی ہانڈنگی تھی اور سفیدی کرنے پر ہنسا ہوا تھا۔ اس کے گلے میں ایک مینوٹک رہا تھا۔ اور اس کی تو ندرت سے اس کی ظاہر ہوا سی تھی جیسے باہر سے کوئلے تاب ہو۔ وہ ایک ادبیز عرقا آدی تھا۔ لیکن اس کے چہرے کے عضلات تنے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں پر نظر کا چشتر تھا۔ دواور کو دیکھ کر اس نے صوفے سے کھڑے ہونے کی کوشش کی پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر دواور اس کی حالت دیکھ کر مسکرایا تھا۔

”تم نے مغالو خوب چھانسا ہے۔“ دواور نے مینا کے کان میں سرگوشی کی۔

”کچھ خیال کرو۔“ مینا چمک کر بولی۔ ”سامنے میرا شوہر بیٹھا ہے۔“ اتنی دیر میں وہ دونوں دھرم داس کے قریب پہنچ گئے۔

”یہ دواور ہے۔“ مینا نے اس کا تعارف کر دیا۔ ”جس کی بات کی تھی میں نے۔“ پھر اس نے دواور کو دیکھا اور بیٹھ کی طرف اشارہ کیا۔

”اور میرے چچے ہیں دھرم داس۔“

”آؤ کی بیٹھو بیٹھو۔“ دھرم داس نے اپنا ہاتھ دواور کی طرف بڑھا دیا۔ ”معاف کرنا۔“ اپن سے جلدی کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ ”کوئی بات نہیں۔“ دواور اس سے ہاتھ ملا کر سامنے والے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مینا بھی اس کے برابر بیٹھ گئی تھی۔

”یہ بہت زبردست آدمی ہے۔“ مینا نے دھرم داس سے غصے سے کہا۔ ”یہ بہت زبردست آدمی ہے۔“ مینا نے دھرم داس سے غصے سے کہا۔ ”یہ بہت زبردست آدمی ہے۔“ مینا نے دھرم داس سے غصے سے کہا۔

”لیکن مجھے تو اس قسم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔“ دھرم داس کہتے ہوئے انداز میں بولا۔ ”وہ بڑا جام ہے۔ میری تو جنگی خراب ہو گئی۔“

دواور اس شخص کی بزدلی پر غصہ آگیا۔ ”تم نے اس کا پرچہ چھو دیا تھا۔ اس کے باوجود اس کا خوف اس کے دل پر طاری تھا۔

”کیا تم مجھے اس قسم کے باسے میں بنا سکتے ہو بیٹھ؟“ دواور نے پوچھا۔

”بھائی، میں کیا بناؤں۔“ دھرم داس نے ایک گہری سانس لی۔ ”ہم ٹھہر کر دواور باری آدی۔ اپنا کام صرف برٹش۔ ہم کہاں ایسے لوگوں کے لفظ میں پڑتا ہے۔ بس وہ خود ہی میرے پیچھے چھو گیا ایک بار فون آیا کہ کل تک دس لاکھ روپے دے دو۔ ورنہ بہت بے عزتی ہوگی۔ میں سمجھا کسی نے سنوئی کہا ہے۔ میری کون بے عزتی کر سکتا ہے۔ لیکن میرے کو کیا معلوم تھا کہ اس نے تو بولا ٹھیک ہی بولا ہے۔ اس نے راستہ چلتے ہوئے اپنے آپ کو اس کے میری بے عزتی کر دیا۔

”باپ رے۔ میرے ساتھ تو ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ کیا بتاؤں۔؟“

”کیا تم اس کے کسی آدمی کو پہچان سکتے ہو بیٹھ؟“

”ارے بابا۔ اس وقت میرے کو ہوش ہی کہاں تھا کہ اس کا کسی آدمی کو پہچان سکتا ہے۔ تو بولا ہی نہیں جا رہا تھا بلکہ ایسا کہو اس نے تو اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اب کوئی اپنی نیت خراب ہونے تو نہیں دیکھ سکتا نا کیوں؟“

دواور پھر مسکرایا۔ یہ بدلہ چارہ واقعی بہت سادہ طبیعت کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ ہر کاروباری آدمی کی طرح۔ وہ جانتا تھا کہ اب کسی کے پاس دولت آجاتی ہے تو ہمارا دسی اس کے اندر سے غائب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی دولت کی حفاظت کرنے کے لیے بزدلی پر جانتا ہے۔ اسے ہر وقت دھرم داس کا لگا رہتا ہے کہ میں اسے دولت اس سے زچہ بنی جلنے سے چارہ دھرم داس بھی ایسے ہی آدمیوں میں سے تھا۔ ویلے دواور کو تعین تھا کہ اگر تم فون کر کے یہ بتا دینا کہ اگر اس نے دس لاکھ روپے نہیں دیئے تو اس کی بیوی مرگے۔ پھر عزت آتا رہ جائے گی۔ تو اس وقت دھرم داس رو بہرہ آئی چمکنے کی کوشش کیا اور اس وقت اس کے خوف کی وجہ تھی کہ اگر تم کی تلواریں بھی تک اس کے سر پر لٹک رہی تھیں۔

”تو اب تم کہا جاتے ہو؟“ دواور نے پوچھا۔

”میں کہا بناؤں۔ میں تو باہر آنا چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کوئی خطرہ مطلق نہ ہو۔ جلد ہی آراہے سے گزر جائے۔ یہ تم

دیکھا چھوڑ دو۔“ اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ یہ مینا تعزیری بہت تعریف کر رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ تمہیں بھی مل لوں۔ اور ”تھرو۔“ میں نہیں جانتی ہوں۔“ مینا نے اس کی بات کاٹ دی اور دواور کی طرف دیکھا۔ ”بیٹھو دواور۔ میں یہ بتا رہی ہوں کہ میرے دل میں اس حرام زادے سے تمہارے خلاف بہت سخت بھڑک رہا ہے۔ اس نے دھرم داس کی توہین کی ہے لیکن اہمیت یہ ہے کہ وہ سامنے آتا ہی نہیں ہے۔ اب اگر تمہارے گناہی جاہوں کو کیا کروں۔ میں نہیں جانتی کہ میں نے اس کی تکذیب کوئی نیر میں شمولیت حاصل کی ہے اور تم پر اپنا اعتماد قائم کر لیا ہے۔ لیکن اس اعتماد سے بھی بات انہیں سن رہی ہے کہ کوئی اصل منکر اس تک پہنچے گا۔ یہ خبر کچھ دواور ایسا ہوا کہ رستم نے مجھے ایک کام بتایا اور وہ کام ایسا تھا کہ اگر میں نے وہ کام کر لیا تو رستم مجھے سے ملاقات کرے گا اور مجھے اپنی تکذیب کا بہت اہم منکر بنا دے گا۔ اور ہی اس نے بہت سی باتیں کی تھیں۔“

”ارے یہ تو بہت خطرناک غور ہے۔“ دھرم داس نے مینا کی طرف اشارہ کیا۔ ”کیسی ہے وہی آئی نہیں؟“

”خوف موت ہے بیٹھ صاحب۔“ دواور نے کہا۔ ”اور تمہارے گناہوں کا گوارہ کر گیا۔ مینا زندہ اس کی لیے ہے کہ وہ دورتی نہیں۔ خبر۔ تو اس نے کام کیا بتایا۔“

”اس نے کہا ہے کہ میں تم سے اس کی بات کر دواور۔“

”کیا؟“ دواور کو شک پڑا۔ ”بھلے۔ کیوں۔ وہ مجھے کیسے جانتا ہے۔ مجھے کیا کام ہے؟“

”کام کے بارے میں تو کچھ نہیں بتا سکتی۔ لیکن زیر زمین دنیا کا کون سا شخص نہیں جانتا۔ مینا مسکرائی ہوئی بولی۔

”ارے بابا۔ اس سے مت ملنا۔“ دھرم داس نے اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ ”وہ تم کو نقصان دے گا۔“

”اس سے بات کس طرح ہوگی؟“ دواور نے مینا سے پوچھا۔

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

”اس نے کہا ہے کہ میرے ہی تمام مان جاؤ اسے ایک فون پر اطلاع کر دی جائے۔ اس فون پر ہر اس کا ایک خاص آدمی ہوگا۔ وہ رستم سے رابطہ برقرار رکھے گی اس وقت مجھے بتا دے گا کہ رستم سے کس وقت بات ہو سکتی ہے۔“

”ٹھیک ہے تم آؤ فون کے بتا دو۔ میں بھی اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ ایک جگہ میں وہ غیر نہیں رہ سکتے۔“ دواور نے مینا سے اتنی سفاکی تھی کہ رستم دھرم داس اپنی جگہ بیٹھ بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر زبان پھیری اور خوف زدہ نگاہوں سے دواور

کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا تم نے اس فون پر کچھ بتا دیا ہے؟“ دواور نے پوچھا۔

”ہاں۔ لیکن اس فون پر نہیں درج ہی نہیں ہے۔ مینا نے غصے سے دھرم داس سے کہا۔ ”وہ بہت دھرم داس کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“

”خیر۔ تم اس کے آدمی کو فون کے بتا دو۔“ دواور نے پوچھا۔

”مینا صوفے سے کھڑی ہو گئی۔ اسی وہ فون کی طرف توجہ دے رہی تھی کہ دواور نے آواز سے کہنے سے روک لیا۔ ”اور بابا۔ میں نہیں ایک خبر سنائی تو بھول ہی گیا۔“

”کیسی خبر؟“ مینا نے دھرم داس کی طرف دیکھا۔

”میں نے بھولا تھا کہ ایک کان کاٹ کر کے رستم میں بیٹھ کر دیا ہے۔“ دواور نے بتایا۔

”کیا مینا دواور کو دواور کے پاس آگئی۔“ مینا نے اس کے ساتھ لیا۔ ”اب اس طرح ہوا۔“ مینا نے مینا کی لاج رکھی۔ ”میرا مان رکھ لیا اس کیسے کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا۔ اب وہ ساری زندگی کسی کے ساتھ رہے گا۔“ مینا نے اس کے ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کا سر ہلکا کر دیا۔

”کون بھولا تھا؟“ دھرم داس پوچھ رہا تھا۔ ”وہی جو دینا کر؟“

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہاں دی۔“ دواور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تو بوجھا تھا کہ اس کے دونوں کان صاف کر دوں۔ پھر ایک ہی کان کاٹنے کے بعد چھوڑ دیا۔“

”باپ رے باپ۔“ دھرم داس کی حالت غیر ہونے لگی۔ ”تم تو بابا بہت خطرناک آدمی ہے۔ یہ مینا ٹھیک ہی بولا تھا۔ اس میں اس بھولا تھا کہ کوئی جانتا ہوں۔ وہ جو خانہ چلا تا تھا تم اس کو کیسا مار دیا اس کے جواخانے میں کھس کر کھال ہے بابا۔“

”جاؤ تم فون کر دو۔“ دواور نے دھرم داس کی طرف دھیان دے بغیر مینا سے مخاطب ہوا۔ ”اس سے کہو کہ دواور اس کے جوہرے اس سے صرف فون پر بات ہی نہیں کرے گا۔ مینا اس سے ملاقات بھی کرنا چاہتا ہے۔ اگر اس جوہرے کو یہ شرط منظور ہے تو ٹھیک۔ ورنہ بات ختم۔“

میں ایسا ہی بولوں گی۔“ مینا پھر فون کی طرف چل پڑی۔

وہ دوی منٹ میں فون کے لوٹ آئی تھی۔ دھرم داس اس دوران دواور کے سامنے ہی بیٹھا رہا تھا۔ لیکن وہ بہت ہی خوفزدہ تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دواور سے خطرناک آدمی کو اپنے

ساتھ بیٹھ کر دیکھ کر اپنے اعصاب منتشر ہو گئے۔ اس کے اسان غائب ہوتے جا رہے تھے۔ اور دادو اُسے دیکھ کر مسکراتا تھا مینا نے اس بار بہت ہی عجیب آدمی کا انتخاب کیا تھا۔ دادو کے خیال میں ایسے لوگوں کے سامنے سے اُن کی بڑبڑوں کو بھی اٹھایا جائے تو یہ جوں نہیں کریں گے۔ دادو کا یہ ایمان تھا کہ ایسے لوگوں کو خود کوئی کوئی چاہیے۔

”میں نے بات کرنی ہے۔“ مینا نے تکرار کیا۔ ”ایک گھنٹے کے بعد ورت تم سے بات کرے گا۔“

”کہاں بات کرے گا؟“ دادو نے پوچھا۔  
 ”اس فون پر،“ مینا نے جواب دیا۔ ”میں نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ تم اس کے پاس سے ملنا چاہتے ہو۔ اس پر اُس نے کہا کہ دادو رخصتی رستم سے اس موضوع پر بات کرے۔ وہ اس معاملہ میں اپنے پاس سے کچھ نہیں کہے گا۔“

”بہت رعب معلوم ہو رہا ہے اس پاس کا۔“ دادو نے کہا۔  
 ”بہت زیادہ،“ مینا نے گردن ہلاتی ”میں دیکھتی ہوں۔ ایک بار اس کا ایک آدمی کسی جگہ وقت پر نہیں پہنچ سکا۔ حالانکہ اس سے پاس کا آدمی بھی نفی، پھر بھی وہ بے جاہد ٹریفک میں، پھنس کر رہ گیا تھا۔ اُس کو ستر اہر دی گئی کہ اُس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ اس طرح کی ستر نہیں دے کر اس نے مقامی دادو پر اپنی وبشت بٹھا دی ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس شہر کے کتنے غٹے اُس کے لیے کام کر رہے ہیں۔“

دوسرے کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ مینا جلدی سے فون سننے کے لیے مٹی مٹی پھر اُس نے واپس آکر میٹھ دھرم داس کو بتایا کہ کسی بھاری مل نے اُسے چادروں کے گو دام پر فوراً پہنچنے سے کہا ہے۔

”کیا نصیحت ہے بابا،“ میٹھ دھرم نے لگا۔ ”میرے کو کسی ٹائم چین نہیں ملتا۔ کوئی آرام سے بیٹھ بھی نہیں دیتا۔ اب تو جانا ہی ہوگا۔ جس کا معاملہ ہے۔ نہ چاول تو پہنچیں یہ بھاری مل کیا نقصان کر دے۔“ اچھا بابا۔“

وہ بڑی مشکلوں سے صوفے سے کھڑا ہوا تھا۔ اُس کی ٹوند کرتے کے اندر سے گھنٹہ کی گھنٹی کی طرح بٹنے لگی تھی۔ دادو جی دیکھیں اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ بیٹھنے جاتے ہوئے بھی دادو سے ہاتھ ملایا اور اس سے اجازت لے کر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد دادو نے مینا کی طرف دیکھا۔

”ایسا عجیب نو روئے بھئی میں کوئی نہیں ہوگا۔“  
 ”مت بولو میرا شوہر ہے۔“ مینا ہنس بڑی۔ لیکن تم

نے دیکھ لیا آدمی ایسا۔ سوئے بڑنس کے اوندھے نہیں جانتا۔“ اچھا یہ جٹاؤ کہ وہ ستر سس طرح غنڈوں کو اپنے ساتھ شامل کیا کرتا ہے۔ دادو نے پوچھا۔

”اس کے طریقے مختلف ہیں،“ مینا بتانے لگی۔ ”کبھی کسی کو دولت سے خرید لیا جاتا ہے۔ جو دولت سے قبضے میں نہ آئے انہیں کسی خطرناک جرم میں پھنسا کر ان کے پاس سے نہیں بڑا دیا۔ اور دیکھ لیا کسی کی شہائی کو رادی کسی بڑی گولی چھوادی۔ جیسے جیسے سرکاری آفیسری اس کی صفی میں لیں اور ان آفیسروں کو دولت اور عورت کے ذریعے قابو میں کیا گیا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔“ دادو نے سوچتے ہوئے کہا۔

”بہت زیادہ۔ وہ اندھیرے کا تیر ہے۔ وہ تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اسے زیر زمین دنیا کے ہر اہم آدمی کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ اسی لیے وہ تم سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔ جو سنا ہے کہ وہ کام ایسا ہو کہ سوائے تمہارے اور کوئی نہ کر سکے۔“

”میں اس جہرے کو اس کے مل سے نکال کر مار دوں گا۔“ دادو نے کہا۔

”لیکن بہت بلا ٹنگ کے ساتھ یہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ رستم عام غنڈوں کی طرح گلیوں اور سڑکوں پر مار مارا نہیں بھرتا ہاں۔ تم یہ تو بتاؤ کہ بھولا ناتھ کے ساتھ کیا ہو تو تم مجھے تفصیل سے بتاؤ۔ کیا کہیں دادو کہ اس خبر نے میرے سینے میں کتنی ٹھنڈ بھر دی ہے۔ تم واقعی میرے لیے سب کچھ کر سکتے ہو۔“

دادو نے جلدی سے تفصیل سے ساتھ اُسے بھولا ناتھ کے چورا خانے میں داخل ہونے سے کر اُس کے آپریشن تک دھندا سنا دی۔ مینا یہ سب سن کر حیران رہ گئی تھی۔

”تم واقعی شیر ہو دادو،“ اُس نے کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم رستم کو بھی اُس کے بل سے باہر آؤ گے۔“

دادو نے کچھ کہنا چاہا کہ فون کی گھنٹی بج گئی تھی۔ مینا دادو کی ہون کی طرف چلی گئی۔ وہ فوراً ہی واپس آئی اور اس نے اشارے سے دادو کو بلالیا۔ دادو تیزی سے آگے بڑھا اور اُس نے ریسیور اٹھا لیا۔

”دادو،“ دوسری طرف سے سمراتی ہوئی آواز آئی۔ ”یہ تم ہی ہو نا۔“

”ہاں میں دادو کی بولی رہا ہوں۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟“  
 ”بہت اگھر ہوئے معلوم ہوتے ہو دوست۔“

”دوست مت کہنا مجھے۔“ دادو تیزی سے ولولہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم کیسے آدمی ہو۔ میں ہر دے میں چپے ہوئے آدمی کو اپنا دوست نہیں سمجھ سکتا۔ اگر تم ہر دے سے باہر کر ملاقات کرو تو پھر سوچو کہ تم میرے دوست بننے کے قابل ہو یا نہیں۔“

”یہی ہو جائے گا۔“ وہ ہنس بڑا۔ ”تم واقعی بہت دلیر ہو۔ تم میرا کام کر سکتے ہو۔“

”ابھی معلوم ہے کہ میں جو کچھ کرنا ہوں اپنے لیے کرتا ہوں کسی دوسرے کے لیے میں نے کبھی کام نہیں کیا۔“

”ہاں یہ میں جانتا ہوں۔ لیکن اس میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے بارے میں مینا نے کہا ہے جس پر میں بہت بھروسہ کرنے لگا ہوں۔ حالانکہ وہ اس کو نے چوبے کی بیوی ہے۔ پھر بھی وہ بہت دلیر ہے۔“

اس نے میرے لیے بہت کام کیے ہیں۔ اسی لیے میں نے تم سے رابطہ قائم کیا ہے۔“

”کام جٹاؤ کام کیا ہے؟“ دادو نے پوچھا۔ اُس کے بعد ہی کوئی بات ہوئی۔

”کیا تم سیدو گنڈز کو جانتے ہو؟“ دوسری طرف سے دریافت کیا۔  
 ”ہیڈو گنڈز؟“ دادو نے اپنی جنوری سیکرٹس میں اس ہیڈو کی بات کو نہیں کر رہے جس نے یہاں بہت وارداتیں کی تھیں۔ پھر بھی سے بھال کر گواچالیا اور آج ٹنگ دہیں ہے۔

”ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔ رستم نے کہا۔ اُس نے گواے بارہ میل کے فاصلے پر ایک جرنل کے میں اپنا ایک بہت بڑا جواخانہ قائم کر لیا ہے جس کا نام پیراڈا ہے۔ اس جرنل سے ہر ایک طرح سے ہیڈو کی حکومت قائم ہے۔ وہیں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ اس نے جرنل سے ہر چادروں طرف اپنے سس آؤٹی پھیلا رکھے ہیں۔ اُس کی مرضی کے بغیر کوئی اس جرنل پر نہیں جاسکتا۔“

”تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے؟“ دادو نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم نے ابھی تک میرا کام نہیں بتایا۔“

”تم کسی طرح اس ہیڈو کو وہاں کے کچھ کر رہی لے آؤ۔“ اس نے کہا۔

”کیوں؟“ دادو یہ سن کر حیران رہ گیا تھا۔ اس سے کیا

ہوگا۔

”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ دادو اُس کی آواز کی اُس کی آواز بہت کبھی ہوئی اور پھر بہت قہر تھا۔ وہاں کے حالات ایسے ہیں کہ میں خود وہاں جاسکتا ہوں اور وہیں کسی اور کو بھیج سکتا ہوں۔ اور یہ کام تمہارے علاوہ اور کوئی کر نہیں سکتا۔ تم اس کے جواخانے میں سے جو کچھ بھی حاصل کرو وہ تو تمہارا ہوگا۔ میں تو صرف پیڑ رو کر اپنے سامنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور وہی زندہ اب تمہاری مدت پوچھنا اس کا سہب کیا ہے۔ ہر شخص اپنے سر پر قرض کا بوجھ اٹھانے پھر رہا ہے۔ میرے سر پر اس کا ایک قرض ہے۔ اور میں ہر حال میں وہ قرض اٹارنا چاہتا ہوں۔ بولو کیا کہتے ہو؟“

”میں پہلے سوچ لوں۔“

”نہیں دادو۔ یہ تمہیں آدمی ایسے معاملات میں سوچا نہیں کرتے۔ یہ وقت ضائع کرنے والی بات ہوتی ہے۔ تم تو آگ میں کود پڑنے والے انسان ہو۔ تم آخر خرابی کی برواہی مت کر دینا۔ تمہیں اس کام کے لیے اسی وقت پانچ لاکھ دینے کو تیار ہوں بولو منظور ہے۔“

”پانچ لاکھ؟“ دادو نے اپنی انھیں پچائیں۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بہت بڑا معاملہ ہے۔

”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ اگر تمہارے زندہ لے کر آؤ گے تو پانچ لاکھ اور دہی دلاؤ گا۔ اس کے علاوہ تمہارے سامنے بھی آج کل کا بوجھ دیکھ سکو گے۔ مل سکو گے۔ بولو کیا کہتے ہو؟ اگر منظور ہے تو میں نہیں پانچ لاکھ بھولنے کا بندوبست کر دیتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ دادو نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھے منظور ہے۔ اس ہیڈو کا ایک قرض میرے سر پر بھی ہے۔“

وہ چھوٹی لیکن مضبوط لاپٹ لہر دس کے دس بڑا چھوٹی بلی جاری تھی۔

اُس کے عرشے پر دادو اور عبدل کھڑے ہوئے تھے۔ اُن دونوں نے مٹی پنکٹوں اور سفید چٹیس پہن رکھے تھے۔ عبدل کے ہاتھ میں دو بڑی مٹی۔ دونوں نے پی کیپ پہن رکھے تھے۔ وہ دونوں ہی اس وقت ایسے سناٹ معلوم ہو رہے تھے جیسے کی سیر کرنے نکلے ہوں۔ لاپٹ چلانے والا ایک اور آدمی تھا۔ اُس کو عبدل اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ اس وقت لانچ کے اگن کے پاس بیٹھے کوسنبھالے کھڑا تھا۔ اُس کا نام کالو تھا۔ کالو کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہ سمندر سے اس طرح واقف ہے جیسے کوئی



اپنے ہاتھ کی بکیروں سے ہوا کرتا ہے۔ اس ایک خولی سے علاوہ اس میں خولی یعنی کھوہ بہت جی دادادی خندا پنی بات سے پیچھے ہٹنا جانتا ہی نہیں تھا۔ چاقو سے نہ کر توب تک جلا کر کرتا تھا۔ کالو سے علاوہ اس لایچ پر ایک اور ادنیٰ بھی موجود تھا جس کا نام کوپی تھا۔ اس کی فطرت بھی کالو سے مختلف نہیں تھی لیکن اس میں ایک خولی یعنی کھوہ کس کا نشانہ غضب تھا۔ وہ اس وقت لایچ کے پتھ جھٹے میں ایک گن لیے جو کس بیٹھا تھا۔

رستم نے اپنے وعدے کے مطابق پانچ لاکھ روپے اسی رات بھجوا دیئے تھے۔ یہ روپے اس کا ایک آدمی نے کرایا تھا۔ داور نے رستم کو کھوئی کے ایک بھول کا پتہ دیدیا تھا یہاں وہ آدمی ایک بریف کیس لے آیا اور اس نے وہ بریف کیس داور کے حوالے کیا اور ایک لفظ کہے "ٹے لیف واپس ہو گیا۔"

داور نے جب اس ہم سے بارے میں عبدل کو بتایا تو جب کہ عبدل نے کھانے پینے کا ڈھیر سا سامان فراہم کر لیا تھا۔ وہ خوشی سے چل پڑا تھا۔

"واہ استاد! ان کا بارٹ ٹھہر گیا۔ البسا کام پھیلے گئے کو نہیں کہا تھا۔ اب پانچ لاکھ میں جانی واکر کا لٹا ہوا پل آئے گا۔"

"دیکھ عبدل! داور نے اسے ڈانٹ دیا۔ یہ پیسے شرب پینے سے بے نہیں ہیں۔ اس میں بہت کام کرنے ہیں۔"

"میرے بھی حضور! بہت تو اسٹاک ہوئے گا نا باس! عبدل نے کہا۔" داور نے جواباً اسے کاپس کھالی پتلی جاؤ اور واپس آ جاؤ۔ اچھا اچھا۔ بدم مدت چاؤ۔ لے لینا بڑا تیل بھی۔ لیکن پہلے آدھوں کا بندوبست کرو۔"

پھر عبدل بھی کالو اور کوپی کو ڈھونڈ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ داور اس طرح باقاعدہ منصوبہ بندی کے ذریعے کوئی کام کرنے والا تھا۔ روزانہ ایک اس نے جو کچھ کہتا تھا ہی کیا تھا۔ وہ دونوں داور کو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔ اس سے خوفزدہ تھے اور ان کے لیے یہ ایک اعزاز کی بات تھی کہ انہیں داور سے ساتھ کام کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ راتوں رات ہی انھوں کا بندوبست کر لیا گیا تھا۔

یہ گاؤں کی خیر بڑھی کو بیٹی سے گواہک کا سفر لایچ کے ذریعے کیا جائے۔ کیونکہ اس سے خیال کے مطابق اس طرح تو وہاں کچھ دن ٹھہر کر اس جزیرے کے بارے میں معلومات حاصل کرے اس لایچ ہی سے وہاں تک جایا جاسکتا تھا یہ لایچ کو گیا ان کا پتہ کو ٹر ہوئے والی تھی۔ کالو اپنے ساتھ سمندر کی لگتے بھی لینا آیا تھا اس کا کہنا تھا کہ کو بیٹی سے گواہک جو کہ ہندوستان کا

ہی ساحل ہے اس لیے آئے جانے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہوگی۔

کالو کی یہ تجویز پسند کر لی گئی۔ اسلوں کی خریداری کے لیے کوپی کو بھیجا گیا تھا جب کہ لایچ کا سودا کرنے کا کام تھا۔ عبدل کے فتنے کھانے پینے کے سامان کی فراہمی تھی۔ جب کہ داور اپنے طریقہ کار پر غور کرنے لگا تھا۔ ابھی تک اس کے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ جب وہ اس جزیرے پر پہنچ جائے گا تو پھر کوئی رکاوٹ رستم نکل ہی آئے گا اس کے ساتھ ہمیشہ سے ہی ہوتا آیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وقت پر جو سوجھ جائے بس وہی کر لینا چاہیے۔

صحت ہوتے ہوتے ہر ایک چیز کا بندوبست ہو گیا۔ کوپی نے اسلوں کے ڈھیر لگا دیے۔ کالو ایک چھوٹی لیکن مضبوط لایچ خرید لیا۔ اور اب ان کا سفر کوئی طرف جاری تھا۔ تیز رفتار لاکھڑی عقب میں پانی کے جھاگ اٹائی ہوئی دوڑی چلی جا رہی تھی۔ یہ لوگ دوسری شام کو اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔ رات بھر کے سفر میں کسی نے اس سے تعرض نہیں کیا۔ ان کے بارے میں کوئی لاپرواہی نہ تھی۔ کوئی اس کے موٹر بوٹ کو زبردستی نہیں لے اس لایچ کی طرف دھیان نہیں دیا۔ جس کا نام کالو نے کوہلا رکھا تھا۔

"کوہلا داور! یہ کادور صنام تھا۔ زبردستی زمین دینا کے لوگ آسے دو دنوں نام سے جاننے تھے۔ داور کو جہاں اپنی دہشت پھیلانی ہوئی وہاں وہ اپنا یہ لقب بتا دیا کرتا۔ اس کے بعد اس مقام پر سستی پھیل جاتی۔ قریبی جاننے والے اسے داور کوہلا کہتے تھے۔ جبکہ دوسروں کے لیے وہ کوہلا تھا۔"

داور جس وقت بھی کسی جہتی پر عبدل کے ساتھ پہنچا تو اس لایچ پر گور لکھا ہوا دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ اسے یہاں معلوم تھا کہ یہ حرکت کالو کی ہے۔

"کیا اس لایچ کا نام کوہلا ہے عبدل! اس نے پوچھا۔"

"نہیں استاد! عبدل جلدی سے بولا۔ اس کا نام تو میا ہے۔ لیکن اپنا کالو بھائی ہے نا۔ یہ جانتا ہے کہ تم کوہلا ہے۔ اسی لئے اس نے اس پر کوہلا لکھوا دیا ہے۔ دیکھو کیا لکھا ہے۔" ہر ناچور در۔ میں تو بولتا ہوں کہ یہ کالو بہت گا کا آدمی ہے۔ داور کی پیشانی پر بل بڑھ گئے۔ اسے بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ داور تھا لیکن کوہلا نہیں تھا۔ خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کوہلا کیوں ہے۔ بس ہوش سنبھالتے ہی اس نے دیکھا تھا کہ اس کے دائیں بازو پر کوہلا لکھا تھا

یوہلا اس کے بازو پر یاد لکھا ہوا ہے۔ سیاہ رنگ سے اس طرح کھلا ہوا تھا کہ جب وہ کبھی لڑی اسٹین اوپر کرتا تو دیکھنے والے دورانی سے اس نشان کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ داور نے اس بات پر کالو سے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ کالو نے یہ اس کی خوشنودی کے لیے کیا تھا۔

ڈرا دیکھنا استاد! عبدل نے آواز لگائی۔ وہ کچھ دکھائی دے رہا ہے بہت دور۔"

داور نے اس کے ہاتھ سے دور بین لے کر آنکھوں سے دیکھی۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی اس لیے دور دور تک کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ ان کے سروں کے اوپر سے کئی پرندے بھی پرواز کر رہے تھے جو اس بات کی علامت تھے کہ ساحل قریب آ جا رہا ہے۔

"یہ جہاز گہرے استار کا لونے آواز لگائی۔ میں اسے اپنی طرح جانتا ہوں۔"

ابھی صرف ایک تیزی پر دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاز بہت سرعہ پر آواز کھیر رہی تھی کہ ساحل کے کسے بہت سے درخت بھی موجود تھے۔ ان کی لایچ جیسے جیسے آگے بڑھتی رہی۔ ساحل کے مناظر واضح ہوتے چلے گئے۔ اب داور کو پام اور ناندیل کے اونچے اوپے ڈھرتوں سے علاوہ چھوٹے چھوٹے پانچ جیسے مکانات بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان گاؤں کے تختہ میں بھی کچھ عمارتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ داور نے دور بین اپنی آنکھوں سے بٹائی۔

"اس جہاز میں ابھی خاصی آبادی ہے استاد! کالو نے بتایا۔ زیادہ تر عیسائی آباد ہیں۔ یہ گاؤں کا ایک حصہ ہے۔"

عبدل جزیہ لنگر لنگر کی خوشی میں نیچے جا کر ایک بوتل لے آیا اور بوتل کو منہ سے لٹکا کر گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔ بوتل کا انتظام اس نے داور کے منہ کرنے کے ساتھ کیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دو چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا ایک داور استاد داور کو بوتل۔ اگر یہ دونوں ساتھ ہوں زندگی میں مرزا آجاتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی کم ہو جائے تو جیسے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت وہ دونوں ہی جہاز میں اس کے ساتھ تھیں۔ داور سامنے خطرہ تھا اور وہ اس کے ہاتھوں میں اس لیے زندگی اس کے لیے بہت حسین ہوئی تھی۔ اس نے ترنگ میں آکر زور زور سے گانا شروع کر دیا۔

"لکھا مت جائیو۔ رہتو میں گہرا ڈال کے۔ ہاتھوں میں گہرا ڈال کے اس کی بھونڈی آواز دور دور تک ابرائی پئی گئی

مند کرو یہ اپنا گانا کالو نے اسے جھڑک دیا۔ ایک لایچ ہمارے پیچھے آ رہی ہے۔"

داور نے مرکز دیکھا۔ ایک چھوٹی لیکن تیز رفتار لایچ بڑی تیزی سے کوہلا کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ اس کا فاصلہ کچھ کم ہو جاتا تھا۔ عبدل جلدی سے ہاتھ میں رکھی ہوئی بوتل نیچے بھٹکا۔ اس نے گول کو ہوشیار بننے کی تاکید کر دی تھی۔ کچھ داور نے اپنی دور بین ایک طرف لگی اور آنے والی لایچ کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ کالو بدستور پیٹے پر جھک رہا اس نے اپنے تاثرات میں کوئی تہریل نہیں آنے دی تھی۔

وہ چھوٹی لایچ لہروں کے دوش پر اچھلتی کودتی ہوئی کوہلا کے قریب آ گئی۔ اس لایچ میں تین آدمی تھے۔ وہ تینوں ہی نوجوان اور طاقت ور معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دور بین تھی۔ جبکہ دوسرے ہندو قبیلہ اٹھارہ لایچ تھیں۔ لیکن ان ہندوؤں کا رخ لایچ کی طرف تھا۔ وہ لایچ کوہلا کے پہلو میں آکر ہر اہم راہر چلنے لگی۔ کچھ دوسرے بند ان میں سے دور بین والے شخص نے دونوں ہاتھوں کو اپنے منہ کے قریب ایک بھونچو بنایا اور زور سے بولے ہوئے پچھا "کیا تم راسم بھول گئے ہو، کہاں جانا ہے نہیں۔"

اس سے پہلے کہ داور اس کے سوالوں کے جواب دے سکتا عبدل بول پڑا۔ "ابن راسد کبھی نہیں بھولتا۔ بھائی رستم! ابن کو بھول جاتا ہے۔ جب سڑک پر چلتے ہیں تو کسی دوری کھوئی میں گھس جاتے ہیں۔ اور جب سمندر میں ہوتے ہیں تو کسی اور طرف جا لگتے ہیں۔ سارا زندگی میں یہی سب ہوتا رہتا ہے۔"

عبدل کی بات سن کر وہ تینوں ہنس پڑے۔ ماحول کا تناؤ اچانک ختم ہو گیا تھا۔

"اگر تم لوگ جہاز کی طرف جا رہے ہو تو بہت ہوشیار رہنا سمندر میں خطرناک چٹانیں ہیں۔ وہاں سے دیکھا ہی نہیں دیتیں۔ لیکن بڑی بڑی لاپرواہی تباہ ہو جاتی ہیں پہلے ہی طرح دیکھ لینا۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی! داور نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ویسے اپنے ساتھ تو آدمی ہے وہ سمندر کی چٹانوں کو جانتا ہے۔ اس نے کالو کی طرف اشارہ کیا۔ تم نے ہمیں آگاہ کر دیا تمہاری مہربانی۔"

اس آدمی نے ہاتھ ملانے اور وہ چھوٹی لایچ تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ آگے جا کر اس نے ایک لمبا چکر مارا پھر

اسی طرف واپس ہوئی جہاں سے آئی تھی۔ وہ تینوں حیرت سے اس کی طرف دیکھتے رہے تھے۔ اس دوران کوئی بھی اوجھڑا نہیں ہوا۔ اس نے اپنی ہندو بیچھے رکھ دی تھی۔  
"یوں لوگ تھے استاد عبد نے داد کی طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔

"اسنے کو کیا معلوم بابا! داد نے لاہور والی سے جواب دیا کہ جے گل کرنا یہ معلوم ہو جائے۔"

وہ جزیرہ اب اور قریب آگیا تھا۔ اب ساحل کے ساتھ ساتھ تھا۔ یہی ہوئی سیاہ منظر پر ادنیٰ بھی چلتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ کالو نے ٹھیک ہی کہا تھا اس جزیرے پر اچھی خاصی آبادی تھی۔ کالو جانتا تھا کہ جہاں غریب بوشیدہ چٹانیں ہیں کہاں ہیں۔ اس نے وہ بڑی احتیاط سے لائی چلا تاہم اس کے ساحل تک لے آیا۔ ساحل پر پہلے غمراہ چھوٹی بڑی لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے لاکھوں کی نمائندگی کی ہو۔

"یہ اتنی لڑکیاں یہاں کیوں ہیں؟ دادھنے کالو سے بول چھا۔  
"کچھ نہیں کہہ سکتا استاد! کالو نے جواب دیا۔ میں یہاں ایک بار بہت پہلے آیا تھا۔ اب وہاں اس جزیرے کی صورت حال کیا ہوئی ہے۔ ویسے میں نے لاکھوں کارش اتنا پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ایسا لگتا ہے جیسے دور دراز سے لوگ اس جزیرے کی طرف آئے ہوں۔"

"وہ لاکھ بھر ہمارے پیچھے بھاگتا رہا۔ گپنی نے بتایا۔  
"کہو تو کچھ کروں؟"

"نہیں" داد نے سختی سے انکار کر دیا۔ ابھی نہیں آگیا انہیں نظر انداز کر دو۔"

وہ لوگ جزیرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جواب ان کے بہت قریب آگیا تھا۔ کالو نے ایک طویل چکر لگا کر اپنی لاکھوں ایک طرف کھڑی کر دی۔ وہ چھوٹی لاکھ اب بھران کی لگا ہوں سے اوجھل ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوگ بے مقصد ہی نمود میں گشت کرتے پھر رہے ہوں۔

لاکھ کا آجین بند کر کے وہ تینوں نیچے بنے ہوئے کمرے میں آ گئے۔ جہاں ان لوگوں نے کھانے پینے کا سامان اور اسلحہ خیر رکھ رکھے تھے۔ یہ کالو ہوشیار تھی کہ اسلحہ اس طرح چھپا دیا گیا تھا کہ تلاش کے باوجود ان کے ملنے کا امکان نہیں تھا۔ اس کمرے میں ایک بستر تھا اور بستر کے برابر ایک میز اور دو کرسیاں بھی رکھی تھیں۔ کالو نے اپنے ساتھ لایا ہوا بڑا نقشہ میز پر

بھیلا دیا۔  
"یہ دیکھو استاد! اس نے نقشہ پر ایک جگہ انگلی رکھ دی۔ تم یہاں پہنچ چکے ہیں اور میں یہاں سے لاکھ کی طرف چلا ہوں۔ یہ کالو اس چٹان کا نام ہے استاد۔ عبد نے بول چھا۔  
"وہی جزیرہ ہے جہاں پہلے روئے اپنا شاندار جہاز بنا پایا ہے۔ داد نے جواب دیا۔

"استاد! اور یہ دیکھو! کالو کا بوجھ پر محسوس ہو گیا تھا۔ یہاں سے کالام بہت قریب ہے۔ یوں مجھ کو صرف بیس میل کے فاصلے پر ہے اور رستے میں کوئی رکاوٹ بھی نہیں ہے۔ ہم چاہیں تو اس جزیرے میں رک کر کالام کے جوتانے پر حملہ کر سکتے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات بتائی تم نے؟ داد بھی خوش ہو گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اب ہمیں گوا جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ گوا جانے میں کبھی بے بھی ہو سکتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہاں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہاں ہمیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو کالام سے واقف ہو۔ داد نے کہا۔ ہم اس کی مدد سے کالام کا نقشہ جوا سکتے ہیں۔ یہ ایک خطرناک کام ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس جزیرے کی پوری تفصیل میرے پاس ہو۔"

"ایسے کوئی ضرور مل جائیں گے۔ گوپنی نے کہا۔ میرا ایک دوست تھا۔ پھر۔ وہ پہلے بھی یہی میں رہتا تھا۔ پھر اس کے خلاف ایک کیس بنا اور وہ بھاگ کر کالام کی طرف آگیا۔ بہت دنوں کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اب بھی یہیں ہو۔"

"پہلے تو قہمت سے لوگوں کا نام ہوتا ہے۔ پھر بے ہواہ نے کہا۔ اسے کیسے تلاش کریں گے؟"

"وہ بہت اچھا گاتا ہے استاد! کالو نے بتایا۔ گانے والا کبھی اپنی فطرت نہیں سمجھتا۔ وہ ہمارے میں بھی کہیں نہ کہیں گارہا ہو گا۔"

"ہاں۔ یہ ایک آسان پتہ ہے۔ عبد ملنس بڑا آدمی تھا۔ اب سب لوگ ذرا ہمارے گرد گھومتے ہیں۔ اس کا مکھڑا کبھی وہ چاروں کہیں سے غصے پر آگے۔ لیکن ابھی انہوں نے لاکھ سے اترنے کے لیے قدم بڑھانے ہی تھے کہ لاکھ کے دونوں پہلوؤں سے دو بڑی بڑی لڑکیاں آگئیں۔ ان دونوں لاکھوں پر پولیس والے کھڑے۔ ان میں سربراہ مسلح تھا۔

انہوں نے اپنی ہندو فوں کے رخ ان کی طرف کر رکھے تھے۔  
"ہاتھ اٹھاؤ! ہاتھ دو! لوگ! پولیس کے ایک آفیسر نے آواز دی۔

"کیوں ہاتھ اٹھاؤ؟ ہاتھ اٹھاؤ! داد نے بول چھا۔ ہم شریف لوگ ہیں۔ کیا کیا ہے تم نے؟"

"تم لوگ اپنے ساتھ اسلحہ لے کر گئے ہو؟ ای آفیسر نے کہا۔ پھر اس نے تو یہیوں کی طرف دیکھا۔ چلو کر دنا کر لو انہیں؟"

**پولیس** والے ان لوگوں کی طرف بڑے اور وارو دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو اتنی دوسرے پہنچے لیا کہ اس کے گالوں کی ہڈیاں ٹٹک بھڑکتی اس نے اپنے چہرے پر بے فکری کے تاثرات لاتے ہوئے کہا۔  
"کالو! کالو! اسے جو دار صاحب۔ ابن کرنا بھڑا آدمی ہے۔ کیا اب ابن پول دیار کا لاکھ ہیں؟ کوئی مارا مارا کلمہ نہیں ہے تو کچھ نہیں ہے۔ سارا ابن نے اکھا جندگی بہتوں بند کو کاسکی نہیں دیکھا کیا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو؟ پولیس آفیسر گرجا۔ ہمیں تلاشی لینا ہی ہوگی۔ ابھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

"تلاشی سوچ سے دو ملانی آپ۔ ہر تو اس کا پہلے ابن کا ایک بات سن لو؟ داد نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ابن ابدا صر تو کہ اکھا جوتین کچھ اس کا مسٹر ابن کو سب کچھ بتا دے گا کیا؟ پولیس آفیسر اس کی بات سن کر کڑن منٹ میں مبتلا ہو گیا۔ دوسرے پولیس والوں کے ترستے ہوئے قدم بھی ہلک گئے تھے۔ وہ سب اپنے آفیسر کے رد عمل کا انتظار کر رہے تھے۔  
"تھیک ہے۔ میں آتا ہوں تمہارے پاس۔ پولیس فیم بولا۔ لیکن کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔"

"ابن کا کہنا کہ اسے کچھ کوئی ترستے ہے جو حملہ صاحب۔ ابن خالی ہو چکی گڑبڑ نہیں کرتا کیا پھر؟ ابن کا ٹٹک بھی نہیں ہے؟ داد نے اتنا کہہ کر اپنے دونوں ہاتھ لگا کر دیئے۔

پولیس آفیسر داد کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہاں بتاؤ۔ کیا بات ہے؟ اس نے بول چھا۔ "بچہ بچہ بتانا۔"

پولیس آفیسر کے قریب پہنچنے ہی داد نے پرناپ لہو بند کر لیا اور میز پر بھاٹا کچھ توڑا خالص اردو میں دھیمی آواز میں بولا۔ "اپنے کو صاحب۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھڑاؤں گا۔ جو کہیں جاتا ہوں آپ کے تعاون کے بغیر میں اپنا کام پورا نہیں کر سکتا۔ میں آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں جناب۔ اگر آپ نے ہمیں پھر اس کی حکام کے حوالے

کر دیا تو آپ کو کہا ملے گا؟ ایک تعریفی سند اور ہزار بار سونقہ لیکن اس سے آپ کا کہنا ہے گا۔ ہنگامی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور میں جانتا ہوں کہ پولیس والوں کو بہت کم کھائیں دی جاتی ہیں۔ آپ کی طرح ہمارے بھی چھوٹے بچے ہیں۔ آپ صاحب اگر کم ایک دوسرے سے تعاون کریں تو ہمارے بہت سے مسئلے حل ہو سکتے ہیں۔ ہم خطا کا مجرم نہیں ہیں۔ میں ذرا تیرا بھیری کا دھندلا کرتے ہیں یعنی اصرار کا مال ادھر ادھر کا مال ادھر ادھر ہم بھی اسے سمجھتا اسلحہ لائے ہیں۔ اس علاقے کے ایک بڑے آدمی نے ہمیں آ کر ڈر دیا تھا۔ وہ آج ہمیں پچاس ہزار روپے دے کر اپنا مال لے جانے کا پچاس ہزار روپے میرا منافع نہیں ہزار روپے جو ہم کتنی فتنی کر رہے ہیں۔ اس بڑا آپ کے اردو اس ہزار ہمارے۔"

داد نے یہ سب کچھ اتنے اعتماد اور یقین سے کہا کہ پولیس آفیسر ایک بار پھر کڑن منٹ میں مبتلا ہو گیا۔ اسے سوچتے ہوئے دیکھ کر داد کے ہاتھوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بھانپ لیا کہ وہ ہار کر ہونے لگا ہے۔ پس ایک آخری ضرب کی ضرورت ہے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ پولیس آفیسر صاحب نے مال اب رات ہی کہیں چلا جائے گا۔ یہاں نہیں رہے گا۔ جہاں میں کتنی کی گڑبڑ نہیں ہوگی۔ آپ کے اور ہمارے معاملے کی کسی کو کالو کاں جز نہیں ہوگی۔ میں نے تو آپ کے فائدے کی بات کی ہے آگے آپ کی مرضی۔ ویسے میں اس بات سے مزید کہوں گا کہ جو فیصلہ کرنا ہے سوچ کر کریں۔ کیونکہ میرے پیچھے بہت بے ہاتھ ہیں وہ آپ کو یہیں سے نہیں رہنے دیں گے۔"

پولیس آفیسر اپنے ہاتھوں پر زبان بھینے لگا۔ داد کی پیش کش نے اسے بے حد تھکا دیا تھا۔ بالآخر اس نے سرگوشی کی "ہاں" سے کام نہیں چلے گا۔ کچھ بڑھانا ہو گا۔"

"آپ کو یہی ہو گا؟ داد نے بول چھا۔ "داد ملنس بڑا چلتے دو اور اسی بارہ۔ اب تو خٹک ہے۔"

"تھیک ہے۔ پولیس آفیسر نے اپنی گردن ہلا دی۔ لیکن مجھے تلاشی ضرور لینا ہوگی۔ ورنہ یہ لوگ آپ پر بوٹ بیج دیں گے۔"

"شوق سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور کچھ بھر کے واپس آ جاؤں۔" داد نے مسکرا کر کہا۔

"اور تم؟ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "تم مجھے کب ملے گی؟"

"خوش سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور کچھ بھر کے واپس آ جاؤں۔" داد نے مسکرا کر کہا۔

"اور تم؟ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "تم مجھے کب ملے گی؟"

"خوش سے تلاشی لیں جناب۔ میں جانتا ہوں آپ کو خانہ گیری تو کرنی ہی پڑے گی۔ پس آپ آئیے پیچھے کہیں میں جاؤں اور کچھ بھر کے واپس آ جاؤں۔" داد نے مسکرا کر کہا۔

"اور تم؟ پولیس آفیسر نے شکوک انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ "تم مجھے کب ملے گی؟"

”اب میں سب کے سامنے تو رقم نہیں دے سکتا جناب! داور نے کہا نہ شام کو آکر اپنا حصہ لے جائے گا مگر ہماری لائن کھڑی ہونی چاہیے۔“

”ایسا ہی ہوگا“ پولیس آفیسر سرگوشی میں بولا۔ میری آواز بلند کر کے لولائے نہیں۔ تم ساتھ نہیں چلو گے میں خود چاہا ہوں تلاشی لینے۔“

”جاؤ مائی باپ جاؤ! ان کا منجھت کھرب کرو داور نے بلند آواز میں لب و لہجہ بدل کر کہا۔“

”تم لوگ ان لوگوں پر نگاہ رکھنا“ پولیس آفیسر نے اپنے ماتحتوں کو ہدایت دی اور خود میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور نے عبدل کی طرف دیکھ کر کہا ایک آنکھ دبا دی۔ عبدل ایک گہرا سانس لے کر عجیب انداز میں مزہ چلاتا ہوا دوسری طرف دیکھنے لگا۔ کالادو دہائی میں عبدل کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ پولیس کی بے وقت آمد نے انہیں تھوڑا سا پریشان کر دیا تھا۔ لیکن اب داور کو مطمئن دیکھ کر وہ بھی مطمئن تھے۔ انھوں نے کچھ لیا تھا کہ داور کوئی کچھ چورہیے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

پولیس آفیسر کچھ ہی دیر بعد بھلائے ہوئے انداز میں ادا کیا۔ وہ اپنا کاردار برقی خودی سے ادا کر رہا تھا۔

”تھک ہے۔ اس وقت تو کچھ نہیں ملا لیکن تم لوگوں پر گہری نگاہ رکھی جائے گی“ وہ داور کے پاس آکر لولا۔

”جناب! مجھے ایک بات تو بتائی۔“ داور نے دھیرے سے کہا۔

”کوئی سی بات؟“ پولیس آفیسر نے اس کی طرف دیکھا۔

”آپ کو کس نے بتایا کہ اس لالچ میں کچھ بڑا بھری کامال ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”کسی نے نہیں“ پولیس آفیسر مسکرا دیا۔ کچھ دلوں سے ہم لوگوں نے یہی طریق اپنا رکھا ہے جو کبھی لالچ آتی ہے۔ اُسے اگر کچھ لیتے ہیں۔ اگر ان کے پاس مال ہوتا ہے تو بڑا ہوتا ہے۔ اگر نہیں ہوتا تو معذرت کہے دالیں چلے جاتے ہیں۔“

”دھت تیری کی؟“ داور نے پھر اپنا ہاتھ جھٹک دیا۔ آپ بہت ذہین پولیس افسر ہیں جناب۔ جواب نہیں ہے۔ آپ کی ہوشیار کاری کا۔ چھاپ کٹر لینے کے جا میں شام کو آجلیے۔“

پولیس والوں کے جانے کے بعد وہ بیٹوں جلدی سے داور کے پاس آ گئے۔ داور نے انھیں صورت حال بتا دی تھی۔

”ارے باپ! رے! اب بارہ بج رہا ہے کہیں سے دو گے سڑاؤ عبدل نے سوال کیا۔“

”یہ تو شام کو پتہ چلے گا، داور نے لہجہ بازی سے جواب دیا۔“ ابھی تو تم لوگ مہاجر کی سر کرنے چلے جاؤ جب تک میں آرام کرتا ہوں۔ اگر بنا کر بنا کر معاملہ ہے۔ کیسا بڑا بڑا ہے کہنے لوگ رہتے ہیں۔ پوری خبر لے کر آنا۔“

داور کے کہنے پر وہ بیٹوں لالچ سے آنکر ساحل کی بھیر

میں گم ہو گئے۔ وہ سب غمالی ہاتھ ہی کھٹے تھے۔ ان کے جانے کے بعد داور نے کچھ کین میں آکر۔ وہ جھپٹتا آرام کی گلیا ہاتھ اٹھا اور اسے اسے نقشے کا بھی جائزہ لینا تھا جو کالادو نے فراہم کیا تھا۔ اس نے وہ نقشہ اپنے سامنے بچھال دیا۔ اس نقشے کے مطابق کالادو اچھا خاصا بڑا جڑ بڑہ کسی زمیں میں بیٹھ بیٹھ جنگلی جانوروں اور درختوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ کئی دال اس کی طرف جاتے تھے خوف کھا رہا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ اچھا خاصہ آباد تھا اور اس کی دھڑکی اصل درجہ ہیڈ کوارٹر کا جو خانہ تھا جسے بے پروا خانہ قائم ہوا تھا اس وقت سے یہاں رونق رہنے لگی تھی۔ وہ جو خانہ دراصل ایک بڑی قلعہ عمارت کا نام تھا جس کے اندر بے شمار کرے اور بال غور بنے ہوئے تھے۔ اور اس پورے جزیرے پر ایک طرح پرورد گنرا کی حکومت تھی اسی قلعہ میں۔

کالادو تک جانے کے لیے ایک صاف ساحل تھا اور آمدورفت اس ساحل کے ذریعے ہوا کرتی تھی جبکہ میں لالچ میں آکر بیٹھ جاتا تھا۔ یہیں میں اور ان جانوروں کو عبور کر کے جزیرے میں داخل ہونا نظر اچھا رہا مگر تھا لیکن داور نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ جزیرے میں داخل ہونے کے لیے جتنا ساحل ہی پر قیمت آزما کر کرے گا۔ یہ فیصلہ کر لینے کے بعد اس نے نقشہ پھیلت کر ایک طرف رکھ دیا اور آرام کرنے کے لیے ریت گہرا۔ کچھ دیر بعد وہ گہری نیند سو رہا تھا۔

اس کی آنکھ ان بیٹوں کی دباویں پر پڑی تھی۔ وہ بیٹوں مہاجر کی سر سے دالیں آچکے تھے۔ گویا اور کالادو بہت بڑا جنگی دکھائی دے رہے تھے جبکہ عبدل لپٹا خاموش تھا۔

”اب تیرے منگ کہا تھا“ پوچھا کالادو۔ داور نے اس سے پوچھا۔ تو منہ دکھائے کاٹے کو کھڑا لایا۔ بول سارے۔“

”ابن سالالیا پولیس کا استاد۔ تم پر پچھانہ کس کو باکر سنا میں گا۔ ایک دم لڑم جڑ ہے۔ استاد۔ سالالیا میرا داور بھی ایک دم پولیس ہے۔“

”ارے اور شرابی کی اولاد۔ تم سالالیا کھا گم دارو ما کھا ہے داور نے اس کی پشت پر دھب جما دیا۔ اور سالالیا میرا لالچ میں قاتل کی وارو کا جو استاد بڑا ہوا ہے وہ سالالیا لایا

بیٹیں گا۔“

عبدل نے بات سن کر اپنے دانت نکال دیے جیسے اس کی لٹنی ہوئی ہو۔

”ہم لوگوں نے بہت کچھ معلوم کر لیا ہے استاد“ گویا نے کہا۔ یہی بات تو یہ ہے کہ داور ساحل پر جتنی لالچیں کھڑی ہوئی ہیں۔ وہ سب کی سب ان لوگوں کی ہیں جو کالادو میں جو اچھے کے لیے آئے ہیں۔ یہ مہاجر ان لوگوں کے لیے لیٹ باؤس کا کام دیتا ہے۔ وہ لوگ ہندوستان سے یہاں آکر جوت ہوئے ہیں پھر انھیں کالادو پر جانے کے لیے لوگوں دے دیا جاتا ہے۔ یہ لوگوں بیٹروں کے مقامی آدمی دیا کرتے ہیں۔“

”واہ۔ تو بہت اس دن بندوبست کر رکھا ہے اس نے۔“

”ہاں استاد۔ کالادو میں بول بٹلا۔ ایک بات یہ ہے کہ ہر ایک کو کالادو تک جانے کے لیے لوگوں ہی نہیں دیا جاتا بلکہ یہ لوگ آسانی دیکھ کر دے دے کٹا دھول کو لوگوں دیا کرتے ہیں۔“

”مگر کچھ بڑے لوگ کہاں ملیں گے؟“ داور نے پوچھا۔

”مطلب یہ ہے کہ لوگوں لینے کے لیے ہم ان کے پاس کیسے جائیں گے۔“

”اس کے پاس کسی کو جانے کی ضرورت نہیں ہوتی بکرہ لوگ خود ہی لالچ والوں سے رابطہ قائم کیا کرتے ہیں۔“

”ابھی تک اور قوس سے شکل نہیں دکھائی۔“ عبدل نے کہا۔ لنگتا ہے۔ ملتا ہے۔ روکھ گئے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ سب تک کوئی آئی جائے۔“ داور کچھ بچتے ہوئے بولا۔ انھیں آباؤ کوئی ترکیب نہ کر رہے تھے۔

”وہ بیٹوں کین کے غرض پر گئے۔ اس وقت سورج چڑھ رہا تھا اور لالچ اور اس کی جالی ہوتی کر میں پانی میں مل کر ڈھبے خنجر پیش کر دی تھیں۔ ساحل پر روشنیان بھلائے تھیں۔ اور ان روشنیوں میں مہاجر بہت خوبصورت معلوم ہو رہا تھا۔ پر سکون آبادی یہاں کے لوگوں کے اپنے مسائل تھے۔ اپنی زندگی تھی۔“

”یار استاد! عبدل نے داور کو مخاطب کیا۔ وہ سالالیا پولیس والا بھی آنے والا ہی ہو میں گا۔ سالالیا چھوٹ میں بارہ بجار لینے کا واسطے۔“

”ہاں۔“ داور نے اپنی کروں بولا دی۔ اس کے سامنے کالادو پر کیلے لیکن میں چاہتا ہوں کھڑا اور اچھا ہوا جائے۔ یہ اندھیرا بھی بڑا تھا۔ ہوتا ہے بہت سی باتوں کو چھپا لیتا ہے۔ یہی نہیں جانتا کہ اس پر کیا سمیٹتی ہی ہے۔ بہت ترنگ لوگ اندھیرے میں گناہ کرتے ہیں اور اپنے ضمیر

کو بھی اندھیرے کی چادر میں لپیٹ لیتے ہیں۔“

”واہ واہ استاد! کیا دنیا کالادو کے لیے ہے۔“

کچھ اجازت عطا کر کے داور لالچ میں گامزن ہو گئے۔ لیکن کالادو پر استاد اور ان کھڑی میں تیرا بات نہیں آیا۔ تو کیا بولتا ہے۔“

”کچھ نہیں۔“ داور نے اسے ٹال دیا۔ اس کی نگاہیں تو ساحل پر پڑی ہوئی تھیں۔ اندھیرا اب چانک زیادہ شدید ہو گیا تھا۔ سورج کے غروب ہوتے ہی تاریکی جیسے پتھر دوا کے پتھر میں رکھی ہوئی بلاؤں کی طرح نکل آئی تھی۔

”ذرا دور بین کو دینا۔“ داور نے اچانک عبدل سے کہا۔

عبدل نے دور میں اس کے ہاتھ میں پتھر اوی داؤد نے دور میں اپنی آنکھوں سے لگائی تھی۔ وہ پولیس والا آ رہا ہے۔ اس نے ان تینوں کو بتایا۔ ابھی کنارے سے کچھ دوسرے اس نے اپنی وردی شری اتار دی ہے تاکہ کوئی اسے نہ جانے سکے۔ لیکن اپنی نگاہیں بھی آنت ہیں۔ اس نے دور میں لولائی تھی۔

”وہ سالالیا چھوٹ کامال والا آگیا۔ عبدل نے گھڑ کر کہا۔ ابن کی کھوپڑی تو کام نہیں کرتی تو نے کچھ سوچا ہے استاد۔“

”کوئی؟“ داور نے کوئی کو مخاطب کیا۔ میں تم سے ایک شرط لگانا چاہتا ہوں۔ بولو تیار ہو۔“

”کیسی شرط؟“ گویا مستعد ہو گیا تھا۔

”گوئی اس طرح چٹائی جائے کہ دونوں آنکھوں کے بیچ میں لگے اور تیرے نہیں چلے کہ کوئی اس طرف سے چلائی گئی ہے۔ اور یہ کالادو میں ہی دیکھا سکتے ہو۔“

”یہ کام تو ہو جانے کا۔ کوئی ٹھک سے دونوں آنکھوں کے بیچ میں لگے گی لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرے چلے۔“

”یہ اس طرح ہوگا کہ ہماری لالچ کے بعد جو چٹائی لالچ میں

اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میں نے دیکھ لیا ہے۔ تم داخل لے کر آہستہ سے پانی میں اتر جانا۔ اور تیرے ہونے چوتھی لالچ کے کچھلے حصے میں پہنچ جانا۔ وہاں سے لالچ میں چھپ لگانا اور وہاں سے نشانے نہ کروا پس آ جانا۔ رات میں برواہ مت کرنا۔ اُسے اچھی ڈال دینا۔ لیکن اس کام میں تھوڑی ہوشیاری کرنی ہوگی۔“

”یہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے استاد۔ کچھ ہوگا کام۔“

گویا مسکرا دیا۔ کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔“

”اور وہ جو بھی لایع دلا خالی پہلی پھینس جائیگا۔“ عبدال نے پوچھا ”اُن کا کیا ہو گا؟“

”ہیں ان لوگوں سے کیا لینا ہے۔ اپنے کام سے کام رکھو تم نے سنا نہیں کہ محنت اور جنگ میں سب کچھ چلتا ہے تو ہم لوگوں کی جنگ ہے۔ اس میں سب چلے گا۔“

گوپی اتنی دیر میں کہیں سے وہ دود مار مار اُٹھا لہا جس پر وہ بھر دوسرے کرتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھ کر دو انگلیوں سے دی کا نشان بنایا اور اُن کے دلے ہاتھ کو سر سے بلند کر کے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ اس سے کوئی نہ بچا۔ وہ سا ہوا تھا۔ لیکن یہ اتنی بلند آواز نہیں تھی کہ کسی اور کو متوجہ کر سکتی۔ داد نے عبدال اور کا کو مدد کی کہ وہ دونوں لائے کے عرشے کی دیوار سے ٹیک لگا کر اس طرح کھڑا ہو جائیں جیسے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہوں۔ جب کہ اس نے دور میں ایک بار پھر اپنی آنکھوں سے لنگائی۔

اس دور میں پولیس آفیسر ساحل کی طرف آتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ اب بہت قریب آچکا تھا۔ داد نے اس کی جال میں ترنگ سی محسوس کی تھی لیکن اس پولیس دانے کو کیا معلوم کہ موت نے اسے ساحل پہنچنے نہ دینے کی قسم کھا رکھی ہے۔ وہ انسانی تصور سے بھی زیادہ رفتار سے ساتھ اپنے ہدف پر چھٹی ہے اور اُسے اپنے جنگل میں اڑا لے جاتی ہے۔

داد سے اندازے کے مطابق ساحل سے اس کا فاصلہ دو سو گز سے بھی کم رہ گیا تھا۔ دن کی روشنی میں نشانہ لینے کے لیے یہ فاصلہ کچھ بھی نہیں تھا۔ لیکن اس اندھیرے میں نشانہ لینا کسی کے لیے بھی بہت مشکل ثابت ہوتا۔ اُسے گوپی کی کارگزاری کے بارے میں علم نہیں تھا۔ عبدال بھی گوپی اور کا کو لے کر آیا تھا۔ اور داد کو یہ معلوم تھا کہ عبدال لکھ لڑائی ہی نہیں اس کا انتخاب غضب کا ہو کر رہا ہے۔ اس نے آدمیوں کو بھیجائے بھی غلطی نہیں کی ہے۔

پولیس آفیسر کچھ اور قریب آگیا۔ برابر کسی لایع سے کسی لڑکی اور مرد کا ملا جلا ہاتھ بلند ہوا اور اسی وقت دھماکے کی آواز فضا میں گونج اُٹھی۔ گوپی اپنے نشانے کا سہارا نکلا تھا۔ اس کی چوٹی پر گوپی پولیس آفیسر کی دونوں آنکھوں کے درمیان بھی

اور وہ ایک کرہ پر پہنچنے سے ساتھ لٹو کی طرح ٹھوکتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ اس کے گرد ہی پہلے تو سنا چھپا رہا۔ پھر بہت سے لوگ نہ جانے کدھر کدھر سے نکل کر ان کی طرف دوڑ پڑے۔ داد کے کہنے کے مطابق عبدال اور کا کو نے کچھ مگر ہی نہیں دیکھا۔ بلکہ وہ بھی دوسری لایعوں والوں کی طرح اپنی لائے کے اگلے حصے میں آئے اور ہاتھ ہلا کر شور کرنے لگے۔ داد بھی دود میں رکھ کر ان میں شامل ہو گیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ لائے کسی کے وزن سے ہلکوا کھائی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ گوپی واپس آچکا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے کچھ مگر نہیں دیکھا۔ گوپی ان کے پاس آنے کی بجائے سیدھا کہیں میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ آگیا تو اس نے اپنے تیلے پرے اتار کر دوسرے پرے پہن لیے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ داد نے اپنی جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر اس سے ہاتھ پر رکھ دیا۔ یہ لوہا نعام۔ دل خوش کر دیا۔ واہ کیسا مارا ہے اس کو۔

گوپی نے مسرت سے ہونے والے نوٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اب ان لوگوں کی پوری توجہ ساحل کی طرف لگی ہوئی تھی۔ جہاں پہلی جی ہوئی تھی۔ اب بہت سے پولیس دانے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ انجیلوئس بھی تھی۔ گویا اس پولیس دانے کی لاش کو لے جانے کا بندوبست کیا جا رہا ہے۔ بہت سے لوگ ادھر سے ادھر لو لائے پھر رہے تھے۔ ان لوگوں کی طرح دوسرے لوگ بھی اپنی اپنی لائے پر کھڑے ہو کر اس تماشے کو دیکھنے میں ہی مصروف تھے۔ لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ساحل پر جس کا قتل ہوا ہے وہ پولیس کا ایک اعلیٰ آفیسر تھا۔

”استاد“ عبدال نے داد کو مخاطب کیا ”وہ بارہ بار دالا تو ہو گیا کھلا۔ اب اس کے رشتے دار لائے کی تلاش کے واسطے آج آئیں گے۔“

”ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ داد نے خمیدگی سے جواب دیا۔ ”اور اگر اس بار تلاش کی گئی تو ہمارا راز کھل جائے گا۔“

”سوچو استاد سوچو۔“ ابن تو عقل سے ایک دم ہیرل ہو گیا ہے۔ داد وہاں کا باؤی میں بیٹھ کر دل کا مافک کام کرتا ہے۔ کیا۔ ان کا آج تو اس وقت ڈیڈ پڑ گیا ہے۔ ایک دم ڈیڈ کیا۔“

”بس سالہ اب بیٹے پلانے کا بات نہیں کرنے کا۔“ داد نے اُسے بھٹی بھٹا میں جھڑک دیا۔ ”اب تو اس وقت ہوشیار رہنے کا ہے۔ ویسے ابن کا منج میں ایک جو روار کھینچا گیا ہے۔“

”وہ کہا استاد؟“ گوپی اور کا کو نے بیک وقت سوال کیا۔ ”یہ ابن ابھی نہیں بنائے گا۔ ابھی یہ دیکھنا مانگتا ہے۔ یہ سالہ پولیس لوگ کیا کرتا ہے۔ اگر وہ لوگ ابن کا لائے کا تاشی کا واسطے آیا تو وہ اُٹھ گیا چلے گا۔ شیش تو نہیں چلے گا۔“

پولیس دانوں نے سرخ لائے روشن کروں۔ پوری ساحل ان روشنیوں سے جگمگ کرنے لگا تھا۔ اس روشنی میں پولیس نے تاشی کا کام شروع کر دیا۔ ان لوگوں کے خدشے درست ثابت ہوئے تھے۔ پولیس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی سی لائے ہی سے چلائی گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے تاشی کے عمل میں ویر نہیں لگائی تھی۔

”گوپی تم نے رائے کہاں بھیجی تھی؟“ داد نے پوچھا۔ ”میں نے اُسے لائے پر ڈال دیا تھا۔“ گوپی نے جواب دیا۔ ”کوئی غلطی ہو گئی کیا؟“

”نہیں۔ ابھی ابھی کچھ نہیں بول سکتا۔ جب کوئی ایسا لفظ آتا ہے اور ابن کا تاشی میں کوئی بات نہیں آتا تو ابن سالہ لفظ قسمت پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ ابن کا جوتے ہے کہ قسمت نے ابن کا جوتہ ساتھ دیا ہے کیا۔ اس شہ پر بھی کچھ ایسا بات ہے۔“

داد نے اتنا کہا ہی تھا کہ تقدیر نے اس کا ساتھ دے دیا۔ جو بھی لائے سے وہ رائے پر آمد ہوئی۔ وہ لوگ جو بھی لایع کو دیکھ کر نہیں سکتے تھے۔ لیکن برہا ہونے والے شور اور مختلف آوازیوں نے انہیں یہ بتادیا تھا کہ پولیس نے مصروف وہ رائے پر آمد کر کے جس سے پولیس آفیسر کو گولی ماری تھی۔ بلکہ اس لائے سے دو آدمی بھی پڑے گئے تھے۔ اور اب ان جتنے جلاتے ہوئے آدمیوں کو بھی زندگی لائے سے اتار کر ساحل پر لے جایا جا رہا تھا۔

”اس لائے پر تو اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔“ گوپی نے کہا۔ ”لگتا ہے لائے والا بھی آگیا ہے۔ جلوسائے کا ہو گیا دھڑن تھڑن کیا بولا تھا انہوں نے۔ ہے نابین کا قسمت جو رہ۔“

”یہ لفظ تو کین فٹاک ہو گیا استاد۔ ایک دم روٹنگ سا بھلا گیا۔“ عبدال نے انفسوس ظاہر کیا۔ ”ناریل پانی والے نے گولی چلا دی اور پڑ گیا۔ بھیل پوری والا۔ یہ تو اکھا جلم ہے استاد۔“

”ارے اور عبدال۔ سالہ ابھاشن مانتا ہے۔ وہ سالہ کون سا بڑا سکا ہو رہا ہے۔ خالتو بات نہیں کرنے کا کیا۔ وہ لوگ سالہ کون سا دھڑ داتا ہے۔ ایک دم ابن کا کی مافک ہے۔ ابن اب دھڑ لوٹ مار کرنے آ رہا ہے اور وہ لوگ کھینچنے کا واسطے ہوئے کوئی مولیٰ بندت ہوتا تو ابن جو روار انفسوس کرتا کیا۔“

داد کی بات پر کسی نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ سب ہی اس کی فطرت اور مزاج سے واقف تھے۔ وہ اپنی جنگ جیتنے سے لیے سب کچھ کر سکتا تھا۔ اُسے ہریت پر بھی چاہیے تھی۔ چاہے اس کے لیے کچھ ہی کرنا پڑے۔ اس کے لیے زندگی گزارنے کا صرف ایک اصول تھا۔ طاقت طاقت اور صرف طاقت۔ طاقت حاصل کرو چاہے جس طرح ہی ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا تو دوسرے پولیس ٹرنکھ دیں۔ یہ لوگ پھیرے ہوئے ہاتھوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ ہر چیز کو کھل کر کھسکے بھج جانا جاتے ہیں۔

کھیل ختم ہو گیا تھا۔ جو بھی لائے سے دو آدمی پڑے گئے تھے اور پولیس انہیں اپنے ساتھ لے گئی۔ پولیس آفیسر کی لاش بھی اٹھوائی گئی تھی۔ ساحل پر روشن سرج لائے کھڑے تھے۔ ایک بار پھر اندھڑا چلا گیا۔ اور اس اندھیرے کے ساتھ سناٹا بھی پھیلتا چلا گیا۔ اس حادثہ سے پہلے مختلف لایعوں سے لوگوں کے سننے اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ لیکن اب ہر طرف خاموشی تھی۔ اپنی اپنی لائے کے عرشے پر کھڑے ہوئے لوگ بھی اپنے اپنے کین میں گھس گئے۔ وہ تینوں بھی کین میں آ گئے۔

”ابھی کیا کرنے کا ہے استاد۔ ابن کا تو سالہ کھوڑی گھوم لگلا ہے۔“ عبدال نے ایک مردہ بھرے کہا۔ ”تم سالہ کسی میٹل باسپیل میں چلا جاؤ۔ سالہ اتہ ابن کا بھی کچھ کرنا ہے۔“ داد نے غصے سے کہا۔ ”چلنے کا بتا رہی کرو ابن کو ادھر سے بولیں میں کہہ لینے کا ہے کیا۔“

”یہ کیلئے ہو سکتا ہے استاد۔“ کا کو نے جلدی سے کہا۔ ”اس لائے پر اسلو ہے۔ ہم اسلو چھوڑ کر کہاں جائیں گے؟“

”ایدھر سالاب کوئی نہیں آئیں گا۔ نوادہ مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ایدھر کا سارا فرس اینا آفیسر کا بچہ میں پرکھتا ہے۔ وہ سالاب جو جتنی لالچ والا بھینس ٹیلا ہے۔ اب پولیس کا سالاب ایدھر کیا کام ہے؟“

وہ تینوں فیصلہ کر لیتے کہ بعد لالچ سے اتر آئے۔ اس وقت سناٹا اور شدید ہو گیا تھا۔ سینٹر لالچ والوں نے روشنیاں اٹھا دی تھیں۔ ساحل پر کھڑے والے بھی اب غائب ہو چکے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ پولیس آفیسر کے حادثے کے بعد لوگ اس طرف سے ہونے لگے۔ گورے ہوں۔ کیونکہ یہ حادثہ ابھی تازہ تھا۔ وہ لوگ تنگ شکر اور بدولدار گھریوں سے گزرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ داور سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس سے پیچھے عبدل تھا اور اس کے پیچھے گوپی اور کالو باتیں کرتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ پھر چانگ ای نادریہ احساس ہو گیا۔ کوئی چٹیا ہو۔

یہ ادا کر چہ بہت مدد مہنگی لیکن اس سے حساس کاؤن نے صرف یہ بتا دیا تھا کہ چٹنے والی کوئی لڑکی ہے بلکہ سب کی بھی نشان دہی کر دی تھی۔ یہ نوادہ پتھر کے بنے ہوئے ایک ایسے مکان سے لٹل رہی تھی جو ان کے سامنے ہی تھا۔ اس مکان کے دروازے پر ایک چھوٹی سی گاڑی بھی لکڑی تھی اور مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا جس میں سے کوئی ایک لکیر باہر نکل برآمدیے پر پڑی تھی۔

وہ چٹنے والی اسی مکان میں تھی۔ اس بار داور سے ساتھیوں نے بھی وہ چٹنے والی تھی۔ اسی لیے سب ہی روک گئے۔

”تم لوگ ایدھر دیکھو، ایدھر سے ملنے کا نہیں ہے۔“ داور نے ان لوگوں کو ہدایت دی۔ ”اپن جا کر دیکھتا ہے کہ وہ چھوڑ کر گئے کوہم ماں تارے۔“

”چھوڑو استاد۔ کائے کوہم تارے لہڑے میں ٹنگی ڈاڑیاں۔ اپن کو کیا۔ اپن اس چھوڑ کر کاٹھیک لیا۔ بکھا۔ سالی کو کھدے میں ڈالو استاد۔“

”تم سالاب راہ چوڑے بند کرو۔“ داور نے اسے چٹ کر دیا۔ ”سالابم ہر وقت بڑا کامانک بات کرتا ہے۔ تم جانتا ہے اپن سالاب آج تک کسی چھوڑ کر کاٹھیک پرکان بند نہیں کیا۔ لیکن تم لوگ کو ایدھر ہی رہتے کا ہے۔“

وہ تینوں ایک طرف اندھیرے میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ داور تھکاؤ منوں چلتا ہوا مکان کے دروازے پر گیا۔

لڑکی کی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن پرسکیاں اس کمرے سے نہیں آئیں۔ یہ تھیں۔ بلکہ اس کمرے کے عقب سے آ رہی تھیں۔ ان سسکیوں کے ساتھ ہی کسی مرد کی آواز سنائی دی جو اس لڑکی کو بڑی سختی سے سناٹوں ہو جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ داور اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ مکہ خالی تھا۔ لڑکی کی سسکیوں اور مرد کی آوازیں اس کمرے کے برابر والے کمرے سے آ رہی تھیں۔ داور نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا گائیڈارچا نکال لیا۔ اور اسے کھول کر کمرے کی طرف چھٹ پڑا۔ وہ تینوں اسی کمرے میں موجود تھے انہیں دیکھتے ہی داور نے کھڑا ہوا تیز دھار چاقویشی پشت پر چھپایا تھا۔

وہ تین تھے دو مرد اور ایک لڑکی۔ ان دونوں نے اس لڑکی کو ایک کمرے کے ساتھ بائندھ رکھا تھا جب کہ وہ دونوں کمرے کے آس پاس کھڑے ہوئے تھے۔ داور کو اس طرح آنے دیکھ کر وہ دونوں بڑی طرح جوں جوں لڑکی نے بھی اپنی سسکیاں بند کر دی تھیں۔ داور نے کمرے میں داخل ہونے ہی سسکیوں صورت بنائی تھی اس سے چہرے پر پتی برس رہی تھی۔

”کون ہو تم؟ ان میں سے ایک نے بڑے اکھر سے ہونٹے لیے میں پوچھا۔

”ہم مسافر ہیں جناب۔“ داور نے لہر کر خالص بھوئی انداز میں کہا۔ بڑے کو مردوں کے مالک ہیں۔ ان معزز خاتون کی چیخ سن کر ادھر چلے آئے۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ آپ حضرات اس خاتون پر اساتذہ کیوں کر رہے ہیں اللہ کے واسطے اُسے چھوڑ دیجیے ہمارا دل ڈوبا جا رہا ہے ہم سے یہ ستم برداشت نہیں ہو گا۔ آپ نے انہیں نہیں چھوڑا تو ہم روئے نہیں گئے۔ چلا چلا کر نکلے والوں کو اٹھا کر لیں گے۔“

”ٹیک آؤٹ۔“ داور نے داور کے ہونٹے شخص نے غرا کر کہا۔ ”تم ایدھر روک ساڈا گیا ہے۔ یہ لکھنؤ نہیں، کھڑا ہے نواب صاحب۔ تم روئیں گا تو اپن ہرما بیٹ بھار دیں گا۔“

داور نے اس کھنڈی مذاق کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا۔ اس کے چہرے سے سناٹا دفعتاً تبدیل ہونے لگا۔ اس نے کوراکار نہ چیر روپ دھار لیا۔ اپنا تیز دھار چاقو سامنے کر کے وہ ان دونوں کی طرف بڑھا اس نے دیکھا

تھا کہ ان دونوں کے ہاتھ خالی ہیں۔ ان میں سے ایک نے اچانک میز پر ہاتھ پھیر کر اپنا گائیڈا کھینچ کر ایک کھینچ مارا۔ اس کا نشانہ چوک گیا۔ لیمپ داور کے برابر دوڑا۔ لیمپ داور سے ٹکرایا اور پاش پاش ہو گیا۔ داور نے جھٹکا کر اسے مٹی کے لیے مٹی ایک مٹی کی گالی دی اور اس پر چھٹ پڑا۔ لیکن وہ آدمی داور سے تیز رفتار ثابت ہوا تھا۔ وہ پہلی ہوئی کھنڈی کی طرف دوڑ پڑا۔ اور اس سے پہلے کہ داور سنبھل سکے اس نے باہر چھلانگ لگادی تھی۔ اس کے ساتھ دوسرے آدمی نے بھی یہی حرکت کی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دونوں بڑے سے ہونٹے ہوں جیسے ہی داور دھکائی دے گا وہ کھنڈی کے ذریعے بھاگ نکلیں گے۔ ان کے بھاگ جانے کے بعد داور کے ہونٹوں پر سسکیاں دوڑ گئی۔ اس نے اپنا چاقو بند کر کے جیب میں لٹکا اور لڑکی کی طرف منہ پھیرا۔

”اب بتاؤ بے بی۔ تم ان کے بچہ میں کس طرح بھینس رہیں؟“ داور نے شائستگی سے پوچھا۔

”کیا بتاؤں؟“ لڑکی سسک پڑی۔ ”اپنی نقد پری لپی ہے۔ یہ دونوں دھوکے سے مجھے یہاں لے آئے تھے۔ پھر انہوں نے زبردستی مجھے کمرے سے بائندھ دیا۔“

”اچھا۔ صبر کرو۔ پہلے میں تمہاری یہی کھول دوں۔“ داور نے کہا۔

داور نے چاقو نکال کر مٹی کے ٹکڑے کر دیے۔ لڑکی کھڑی ہو کر ہاتھ تیروں کو جھٹکتی تھی۔ وہ ایک لڑکی کی تھی۔ اور چہرے پر بھائی ہوئی دہشت اور پریشانی کے باوجود بہت خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے فیشن ابل لباس پہن رکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے لفظ کرنے کے لیے نکلی ہو اور وہ دونوں اُسے گھیر لائے ہوں۔

”لاؤ جھینے۔ استاد۔“ باہر سے عبدل نے آواز لگائی۔ اس کی آواز سن کر لڑکی بڑی طرح جوں جوں پڑی۔

”کھڑا ہوؤں؟“ داور نے بڑا مہربانی سے جان کے ساتھ تو بہت سے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ یہ ان ہی میں سے ایک ہے۔ اپنا ہی آدمی ہے۔“ اتنا کہہ کر اس نے عبدل کی لکار کا جواب دیا۔ ”آ جاؤ۔ ادھر میدان صاف ہے۔ کوئی بھی نہیں ہے۔“

وہ تینوں بھاگے ہوئے انداز سے لڑکی کو دیکھ کر وہ تینوں ہی حیران ہو رہے تھے۔

”اس بے چاری کو دو آدمیوں نے ایدھر کمرے کے ساتھ

بائندھ دیا تھا۔“ داور نے بتایا۔ ”مجھے دیکھ کر وہ دونوں ہی بھاگ گئے۔ کیا نام ہے تمہارا؟“ اس نے یہ بات مٹی سے پوچھی تھی۔

”روزی۔“ لڑکی نے دھیرے سے جواب دیا۔ ”میں یہیں مہا سڑ میں رہتی ہوں۔ میں شام کے وقت فادر سے ملنے سینٹر مارن گئی تھی کہ راستے میں یہ لوگ مل گئے۔ انہوں نے کہا کہ فادر کو ایک مکان میں بیمار پڑا ہوا ہے۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے ان کی باتوں کا اعتبار نہ لیا اور ان کے ساتھ یہاں آگئی۔ یہاں آنے کے بعد ان دونوں نے زبردستی مجھے اس کمرے سے بائندھ دیا۔ اور خود کہیں چلے گئے۔ کچھ دیر پہلے یہ لوگ واپس آئے تھے۔ انہوں نے آئے ہی مجھ پر تشدد شروع کر دیا تھا۔“

”نہیں پڑا کیوں تھا؟“ گوپی نے پوچھا۔ ”کیا چاہتے تھے یہ لوگ؟“

”کچھ نہیں معلوم۔“ روزی نے جواب دیا۔ ”یہ لوگ ابھی کچھ پوچھ رہے ہیں۔“ اس نے داور کی طرف اشارہ کیا۔

”اور کھیل ختم ہو گیا۔“ داور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”جلد اب یہاں سے تو چلو۔“

وہ سب باہر آ گئے۔ باہر اسی طرح سنسان تھی۔ اس سے پہلے کچھ کاؤنوں میں روشنیاں بھی ہو رہی تھیں۔ لیکن اب وہ بھی خاموش ہو گئی تھیں۔

”تمہارا گھر کہاں ہے؟“ داور نے پوچھا۔ ”آؤ ہم تمہیں وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر تم ایسی لڑکی تو وہ بد حال تمہیں پھر پھیر لیں گے۔“

”میں اس وقت گھر نہیں جاؤں گی۔“ لڑکی نے پھر جھپٹی۔ ”مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے میں تو اپنے گھر میں آگئی رہتی ہوں۔“

”ابھی تم نے بتایا کہ تم اپنے فادر کے پاس جا رہی تھیں۔“ داور نے پوچھا۔ ”تو یہ فادر تمہارے ساتھ نہیں رہتا کیا؟“

”اوہ۔“ لڑکی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”وہ ہمارے چرچے کے فادر ہیں یعنی ہمارے پادری۔ یہ لوگ ان کو فادر کہتے ہیں۔“

”ہاں۔ یہ تو میں بھولی ہی گیا تھا کہ تم لوگ اپنے پادری کو فادر کہتے ہو۔“ داور نے بتا دیا۔ ”اب تم کہاں جاؤ گی؟ ہم نہیں اس طرح نہیں چھوڑ سکتے تم جہاں ہو گی۔ تمہیں چھوڑ دیں گے۔“



”بس ایک رات کے لیے کہیں ٹھکانہ مل جائے“  
 لڑکی کچھ سوچی ہوئی لہی: ”لوگوں سے اٹھ کر پڑی سسر کے پاس نکالام چلی جاؤں گی“  
 ”گالام“ داور چونک پڑا: ”تمہاری بہن گالام میں رہتی ہے؟“  
 ”ہاں“ لڑکی نے جواب دیا: ”وہ گالام میں رہتی ہے میرے بہنوئی نے وہاں ایک دکان کر رکھی ہے۔ میں بھی اکثر آتی جاتی رہتی ہوں“  
 ”استاد“ عبدل نے داور سے پاس آکر روشنی کہ یہ چھوڑ کر کام کمالا ہے۔ اپن کو اس سے لگام کے بارے میں معلوم پڑ سکتا ہے“  
 داور نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلادیا۔ عبدل نے بڑے پتے کی بات کی تھی گالام کے سلسلے میں اس دینی عیسائی لڑکی سے مدد کی جاسکتی تھی اس نے جب لڑکی سے بات کی تو وہ فوراً تیار ہو گئی اس کا پر کھل اٹھا تھا۔  
 ”اپن بھی گالام پر جانے واسطے ابھر کر بیٹھا ہے“ عبدل نے بتایا: ”کچھ جھامو اٹھ لینا ہے اُدھر جا کر“  
 ”ہاں۔ وہاں تو بڑی کچھ ہوتا ہے“ روزی نے کہا: ”میں تم لوگوں کو اس چراغ خانے کے بارے میں بھی بتا سکتی ہوں میں کئی بار یہاں بھی جا چکی ہوں“  
 ”وہ لوگ اس لڑکی کو بے گرا لائے بد آئے۔ روزی لائے کہ وہ کچھ کبھی خوش ہوئی تھی۔“  
 ”تمہاری لائے تو بہت خوب صورت ہے؟“ وہ تعریفی انداز میں بولی۔  
 ”بہ صورت تو میں بھی نہیں ہوں؟“ داور نے جواب دیا۔  
 ”آوی کا دل خوب صورت ہو تو ہر چیز خوب صورت ہے۔ آوی میں تمہیں کافی پڑتا ہوں“  
 ”وہ سب بیڑھیاں اگر کہیں میں آگئے ہمارے کچھنگی سی تھی جبکہ اس کہیں کی فضا کچھ گرم اور پرسکون تھی۔“  
 ”عبدل!؟“ داور نے عبدل کی طرف دیکھا: ”تمہاری جیب میں جا تو ہے۔ لیکن بہت تیز ہونا چاہیے“  
 ”جے استاد“ عبدل نے انجھی ہوئی نگاہوں سے داور کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پاتا تھا۔  
 ”تو چھ جیب سے جا تو نکالو۔ اس چھوڑ کر کوئی کمالا کر دو“ داور نے روزی کی طرف اشارہ کیا: ”سال کے سلسلے بال آ کر دو“

”کیا؟“ روزی اچھل کر کھڑی ہو گئی: ”کیا کہہ رہے ہو تم؟ تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے؟“  
 ”آواز نہیں نکالنا، سمجھیں“ داور غرایا: ”ورنہ ہل کر پانی میں چھینک دوں گا۔ گویا، کالو تم دونوں اس چھوڑ کر ہاتھ پٹے لو۔“ عبدل تم اس کے سر کے بال صاف کر دو۔ جلدی کرو“  
 ”وہ تینوں ہچکچاہے تھے لیکن داور کے تیر دیکھ کر انہوں نے روزی کو بکڑ لیا۔ وہ ان کی گرفت میں بہت تیرا طرف چل رہی تھی۔ داور کے اشارے پر عبدل نے اپنی جیب سے حاقو نکال لیا۔ ان دونوں نے روزی کو دھکیلے ہوئے دیوانے کے ساتھ جاکر لگا دیا۔  
 ”کھینے، ذلیل!؟“ روزی نے گالیاں دیتی شروع کر دیں چھڑ سکتے تھی۔ اس کو روتے دیکھ کر عبدل کے بڑھتے قدم رک گئے تھے۔  
 ”اپن کسی چھوڑ کر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا استاد؟“ وہ داور کی طرف دیکھ کر بے بسی سے بولا: ”تم ان کو پڑا بولو یا کچھ اور بولو۔ اپن سے یہ کام نہیں ہوئیں گا کیا؟“  
 ”پھر سالام چھوڑ کر ایک رات روتے لگا؟“ وہ غزباً اگر تم نے اس چھوڑ کر کو گناہیں کیا تو اپن یہ کام تیرے سنگ کرے گا سمجھا“  
 عبدل نے کھلا ہوا حاقو روزی کی پیشانی سے لگا دیا۔ اس کی سنسکیاں اب اور تیز ہو گئیں۔  
 ”معاف کر دو مجھے۔ معاف کر دو“ وہ سسکتی ہوئی بولی: ”میں ہاتھ دینے والوں کو معاف نہیں کرتا“ داور نے کہا: ”تم لوگوں نے نہیں کیا ہے و قوف سمجھ کر کھاتھا؟“  
 ”عبدل، اب یہ تو یہی بتائے گی؟“  
 ”وہ تینوں اس کو چھوڑ کر الگ الگ ہٹ آئے۔ لڑکی سسکیاں تو بند ہو گئیں لیکن وہ ابھی تک ناک سطر سطر جاری تھی۔  
 ”اپن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی استاد، تم کو کیے معلوم ہو کہ لڑکی کھلا کرتی ہے؟“ عبدل نے پوچھا: ”یہ تو مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا“ داور نے دھجھے بے وقوف نانا آسان نہیں ہے عبدل۔ اس چھوڑ کو بتا دو کہ کبھی کے بعد معاش مجھے کو برا کہتے ہیں اور نام سے کہتے ہیں۔ میں جس وقت گھر میں اس کی بڑے چہنچا تو یہ لوگ اس طرح بیٹھے تھے جیسے ہر انتظار کر ہوں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ دونوں اس طرح بھاگ گئے

اپنی دیوٹی پوری کر رہے ہوں۔ اگر وہ واقعی اس چھوڑ کی کو رہنما کر رہے تھے تو نہیں میرا مقابلہ کرنا چاہیے تھا ایک لمحوں کے مجھے کیمپ چھینک کر مارا۔ انداز کھنکھنے کی تھلے نوب کا سا تھا۔ واہ! کیا ترکت تھی، اگر کوئی مجھے بھی وہ کیمپ مانتا تو نشانے پر لگتا مگر کیسے لگتا، وہ لمبو بچے زانا ہی نہیں چاہتا تھا پھر وہ بڑی آسانی سے اس حرام زادی کو کھوڑ کر بھاگ گئے اور یہ ہمارے ساتھ چلے کو کیسے تیار ہو گئی جیسے پہلے سے انتظار کر رہی ہو۔ یہ کھپڑا نہیں تو اور لیا ہے عبدل، ہمارا دھوکہ ہے۔ تمہاری کھو پڑی میں تو گوبر بھرا ہوا ہے۔ نہیں تو میں داور چاہیے۔“  
 ”وہی دونوں آتھوں سے تیرہ چھپا کر کہیں کے فرش پر بیٹھ گئی تھی۔“  
 ”تو پھر کھلا کر دوں اس حرامی کو؟“ عبدل نے کہا: ”اس کا بچہ اتنا خوفناک تھا کہ وہ لڑکی گھر کو کھڑی ہو لئی تھی۔“  
 ”نہیں نہیں، ایسا مت کرنا۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے تم لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا“  
 ”چلو یہی بتا دو کس نے بھیجا تھا؟“ گویا نے پوچھا۔  
 ”یہی بہتر یہی ہے کہ سچ بچ بتانا“  
 ”مجھے اسی طرح بھیجا تھا ہے۔ میں خود مجبور ہوں“ لڑکی نے کہا: ”میرے پاس نے نہ انگر میں اپنے بہت سے آدمی بیٹھ رکھے ہیں۔ میں بھی ان میں سے ایک ہوں وہ بہت نظر ناک آدمی ہے“  
 ”کون ہے تمہارا پاس؟“ داور نے پوچھا۔  
 ”پڈر و گنرا، لڑکی نے جواب دیا۔ وہی جو گالام چڑیے ایسے تاج بادشاہ ہے اور جس کے جوئے خانے میں دور در سے لوگ آتے ہیں“  
 ”اوہ! داور نے ایک گراں رس لیا اب سمجھا، چلو ہ اپنی اسوڑی ستائی تیار کرو“  
 ”اس سے پہلے کسی نے مجھ پر شہ نہیں کیا تھا“ لڑکی نے جواب دیا: ”میں اس طرح یا کسی اور پہلے سے ان لوگوں کے قریب آتی ہوں جو لگام جانے کے لیے آ کر تے ہیں۔ یہ نقصان لوگوں کو چیک کرنا ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کہیں غلط لوگ تو نہیں ہیں جب یہ انداز ہو جائے۔ وہ لوگ صرف جو ہی کھینچے آئے ہیں تو پھر لاش کا لیر کا شاو دے دیا جائے اور ان لوگوں کو توں جانتا کر دیا جائے“

”تم سیدھے طریقے سے لگے گی کے پاس جاؤ تو اس سے کیا فرق پڑے گا؟“ کالو نے کہا: ”اتنا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“  
 ”اگر میں براہ راست کسی پارٹی کے پاس جا کر کہوں کہ میں پڈر و گنرا کی بیٹھ ہوں تو وہ اپنی اصلیت چھیلے گا پھر پتہ نہیں چلے گا کہ آئے والا کس ارادے سے آیا ہے اس شخص قسم کی ترکیب سوچی ہے کہ ڈرامہ حقیقت معلوم ہو۔“  
 ”پاس کو تمہارے نے کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس سے ہمیں ہدایت کی کہ ہم تم لوگوں کو چیک کریں۔ پھر ہلار ایک آدمی تمہارے پیچھے لگا رہا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم لوگ لائے سے اتر کر شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ سچ راستے میں یہ ڈرامہ ترتیب دیا گیا۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم لوگ کسی لڑکی کی پیچ سنا کر مزدور متوہر ہو گئے اور اس طرح مجھے تمہارے قریب آئے کالو منقہ مل جائے گا۔“  
 ”واہ!؟ داور ہنس پڑا: ”یہ تمہارا پاس تو بد دست بکری معلوم ہوتا ہے کیسی شاندار ترکیب لڑا ہے اس نے۔“  
 ”چلو اب یہ بتا دو کہ ہم تمہارا مجید معلوم نہ کرتے تو یہ تم کیا کرتی؟“  
 ”کرنا کیا تھا، میں یہاں کے ایجنٹ کو بتا دیتی کہ تم لوگ واقعی ہمارے کھینچے آتے ہو۔ تمہارا اور کوئی ارادہ نہیں ہے پھر تم لوگوں کو لوگوں جا کر کو دیا جاتا“  
 ”تیرے کو اب ایسا کرنے کا ہے؟“ عبدل نے سرد لہجے میں کہا: ”ہم اب پھر جو کھینچنے کے واسطے آیا ہے، کیا۔ ادھر اپنے جیسا پڈر و کو تم نے ایسا ویسا بات بولا تو اپن تم کو ایک دم کھلا کر کرے گا۔“  
 داور کے لیے انھیں یہی کہہ اس لڑکی کو رات بھر لاپرچہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ وہ خود تو اس معاملے میں بہت سخت واقع ہوا تھا عبدل بھی اسی کے مزاج کا تھا لیکن گویا اور کالو کے لیے کوئی بات نہیں ہی ہاں سکتی تھی۔ وہ دونوں اس کے پیچھے تھے۔ اس نے ویسے ہی بخوش کر لیا تھا کہ وہ دونوں بڑی عجیب نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے لڑکی کو واپس بھیجنا بہت ضروری تھا۔  
 ”چلو اپنے پڈر و کو بتا دو کہ ہم لوگ کون ہیں؟“ داور نے لڑکی کو مخاطب کیا: ”اس کے بعد تم اپنے گھر چل جانا۔“  
 عبدل، تم میرے ساتھ چلو۔ گویا اور کالو، تم دونوں ادھر ہی رہنا، ہم جلدی واپس آجائیں گے؟

لوئی نے کچھ کہنا چاہا لیکن داد کے تیور دیکھ کر کسی ہمت نہیں بڑی۔ داد و عبد کے ساتھ اس لوئی کو لے کر لارنج سے اتر آیا۔ ساحل اب ویرانی کا انتہائی منظر پیش کر رہا تھا۔ لارنج والے بھی روشنیان گل کے سونچے تھے۔ لوئی ان کی راہنمائی کر رہی تھی عبد اور داد اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ وہ تینوں ایک ایسے علاقے میں آگئے جہاں زندگی اچھی جاگتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ یہ ایک مرگ تھی جس کے دونوں طرف چھوٹے چھوٹے شراب خانے بنے ہوئے تھے۔ ان میں اچھی رات جوان تھی۔ لوگوں کے قبضے بلند ہو کر رک پر چھیل رہے تھے۔ اور میاں کے فٹ پاتھ پر اسے جانے والوں کی جھرمٹ لگی ہوئی تھی۔ یہاں کا ماحول ایسی سے تڑپے مختلف تھا۔ انشیت دیسی عسائیوں کی تھی۔ یہ آہ و گریز اور دھبے ہندوستانی بڑی بیانی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ ریڈیاں اور ٹرکے ہاتھ میں ہاتھ دالے فز سے ٹپل رہے تھے۔ ہندوستانی دسکواڑوں کے ساتھ تیز مغربی موسیقی بھی سنائی دے رہی تھی۔

اجانک ایک آدمی کسی طرف سے نمودار ہوا اور اس نے داد کا راستہ روک لیا۔ داد کو سکتے دیکھ کر عبد بھی رک گیا۔ تھا۔ جبکہ گتائی ہوئی لوئی بڑی تیزی سے بڑھ آئی تھی۔ داد نے محسوس کیا کہ لوئی اس آدمی کو دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وہ ایک قوی سیکل آدمی تھا۔ اس نے نیلی قمیص پر بغیر استینوں والی بڑی پہن رکھی تھی۔ اس کے بازوؤں کی۔ مچھلیاں تیار ہی تھیں کہ وہ ورزش کرنے کا عادی رہا ہے۔ داد کو اس کے چہرے میں ایک خاص بات بد دکھائی دی کہ اس کے چہرے پر بال نہیں تھے۔ جیسوی تک نہیں تھیں سر پر بھی ایک بال نہیں تھا۔ عجوبی طور پر وہ ایک جھباکھی سی شکل و صورت کا آدمی تھا۔ اس نے اپنی دونوں کلائیوں پر چمڑے کی چوڑی چوڑی بٹیاں باندھ رکھی تھیں۔

”اے مدین، اس نے داد کے شانے پر اپنا چھاری جھرمٹ ہاتھ رکھ دیا۔ تم اس چھوڑی کو دھڑلے جانا ہے۔ یہ کوئی ڈرامہ نہیں تھا کیونکہ داد نے اس لوئی کے خوف کو محسوس کر لیا تھا۔

”تم سالہا کون ہوتا ہے پوچھنے والا؟ داد نے جھلا کر کہا اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اگر تم نے اگر کوئی بڑا گھوٹالہ کیا تو پرین تھارا۔ حقیر الال کرے گا، مار کا مالک، کیا؟“

”میرا نام جوزف ہے اس نے کہا۔ پورا مہانگ جانا ہے کہ ام اس لوئی سے محبت کرتا ہے۔ میرے کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ اس حور مرزا سے بڑھ کر مرزا کے لیے کام کرتی ہے۔ میں میرے کو اس ایڈیٹ پڈر ورنر کا بھی پروا نہیں ہے۔ ہم کسی دن اس باسٹرڈ کی انگلیں پر کرچھینک کے گا۔ یہ فوٹاشی لوئی جب کسی کے سنگ اس طرح چلتا ہے تو بانی کا ہم سے بدداشت نہیں ہوتا۔ ہم پر اس آدمی کے ٹکڑے کر کے گا جو اس لوئی کے سنگ دکھائی دے گا۔“

”جوزف نے کیا حاققت ہے؟“ لوئی نے آگے بڑھ کر ڈانٹ دیا۔ ”تم ہمیشہ سچی کرتے ہو۔ ان سے میری کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

”تم اپنی زبان بند رکھو بلڈی فول“ جوزف غراہچہ اس نے داد کی طرف دیکھا۔ ”دیکھو میں ہم بہت سچا اور کھرا آدمی ہے۔ ہم تمہیں اس لوئی کے ساتھ کسی ردو پر چلنے کا حق نہیں دے سکتا۔ لیکن ہانی کا ڈوم نے کبھی کسی بڑھو کے سے حکم نہیں کیا ہم رنگ میں لگا کر مارا ہے ہم تم کو لگا کر مارے۔ ہم تم سے فائدہ کرنا چاہتے ہیں، اگر تم جیت گیا تو بے شک پورے مہانگ میں اس چھوڑی کو لے کر گھومتا رہو۔ ہم کچھ نہیں بولے گا اور اگر تم ہار گیا تو کبھی اس کے ساتھ دکھائی نہیں دینا۔“

”یکسیا نظر پڑ گیا اسٹالو“ عبد قریب آکر بولا۔ ”اگر بوا تو کھلا اس کردوں اس کو۔“

”نہیں،“ داد نے انکار میں اپنی گردن ہلا دی۔ ”یہ بھی بڑا کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ پھر اس نے جوزف کو مخاطب کیا۔ ”چھوڑا، اپنا کام تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے اور اپنا کلاس چھوڑی سے بھی کچھ نہیں لینا دینا لیکن تم خالی بیٹھ رہتے ہو؟ گھسیلا ہے۔ اسی لیے یا تو مات مان کر راستہ دے دو یا پھر پڑتے تم سے لڑنے کو تیار ہو جائے گا۔ کچھ کچھ مت کرنا۔“

”تم لڑنے کو تیار ہو جائے گا۔“ جوزف ہنس پڑا۔ اس ہنسی بھی بڑی وحشا دہنی۔ ”یہ کیا بات کیا تم نے، ایسے ہے تیرے کو اپنا لائف پسند نہیں ہے؟“

”جوزف،“ لوئی نے اس کا بھی غافل کچھ رخا۔

”کیا“ پلنر سب مت کرو۔ مجھے کیوں تماشنا ہونے ہو۔ جب جوزف نے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تو اس نے کو دیکھا۔ اس کی بات پر دھیان مت دو، یہ ہمیشہ سچی کرنا۔ یہ میرے ساتھ کسی کو نہیں دیکھ سکتا۔“

اس دوران ادھر ادھر سے بہت سے لوگ بھی ان کے قریب آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ داد نے محسوس کیا

ان میں سے ہر ایک جوزف کو غصے، نفرت لیکن خوف سے دیکھ رہا تھا۔ بہت ممکن تھا کہ جوزف اس قسم کا تماشنا کر کر تار با یو لیں۔ راج تک شاید اسے کسی نے روکنے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ اس قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وحشی اور تیز نو۔

”مجھے اس چھوڑی سے بہت محبت ہے۔“ جوزف نے پھر کہا۔ ”اور میں کسی اور کے ساتھ اسے نہیں دیکھ سکتا۔“

جائے وہ اس کا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لیے ہم تم دونوں کو بھی نہیں دیکھنا مانگتا۔ اب تم مجھ سے فائدہ کرنے کو تیار ہو جاؤ۔ لیکن ہم یہ فائدہ اس لوئی کا نام پر کرے گا۔ ادھر دیکھو، اس طرح۔“

اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مڑی مڑی سی تصویر نکال لی۔ ”داد بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جوزف نے وہ تصویر داد کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔ وہ روزی ہی کی تصویر تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ، نہ جانے کس زمانے کی تھی۔ لیکن روزی کے خدوخال پہچانے جا سکتے تھے۔ روزی اپنی تصویر جوزف کے ہاتھ میں دیکھ کر چیز قدیم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ بہت بری طرح نروس اور ترنم نہ سی دکھائی دے رہی تھی۔ تماشنا دیکھنے والوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”یہ تصویر اس لوئی کی ہے؟“ جوزف نے کہا۔ ”اور ہم تصویر کو اس مالک کو دیتا ہے۔“ اس نے کہا کہ اس نے تصویر کو خرید کر اس کا گول سا بنایا۔ ”اب ہم یہ تصویر روڈ پر ڈالنے کا تمہارا آدمی دن تو بھری بولے گا اور ہم دونوں تصویر لٹھانے کی کوشش کرے گا۔ اگر تم نے پہلے اٹھایا تو پھر ہم کچھ نہیں بولے گا۔ راستے سے ہٹ جائے گا اور اگر میں نے اٹھا لیا تو پھر تم اس کے ساتھ نہیں ملنا، سمجھ گیا۔“

داد اس پکڑ میں نہیں جھنسن چاہتا تھا۔ یہ آدمی تو جو اس کے گلے پڑ گیا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس لوئی پر لعنت بھیج کر لارنج کی طرف چلا جائے۔ لیکن اسے اس لوئی سے کام بھی لینا تھا۔ اسے خود ایک ایسے آدمی کی تلاش تھی جو ہڈیوں کے جو خاتمے میں جا چکا ہو تاکہ وہاں کے اندرونی حالات معلوم کیے جا سکیں اور یہ لوئی اس کے لیے بیان کے مطابق وہاں کسی بار جا چکی تھی۔ اسی لیے وہ اس جو خانے کے کھٹے میں مفید معلومات دے سکتی تھی۔ اسی لیے اسے رخصت پر وہ اس لوئی سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اسے ہر حال میں اس بھروسے ہونے آدمی سے جنگ کرنی تھی جو کسی گزندے کی طرح طاقتور معلوم ہوتا تھا اور خود ہی اس سے

”اچھا تھا۔“ استاد اپن کو اس لڑکے میں شین پٹنے کا، کیا، عبد نے اسے مخاطب کیا۔ یہ چکر پان گلے زبرد جائے۔ ”کچھ بھی نہیں ہوگا۔“ داد نے کہا۔ یہ جنگ میں نے نہیں اس گندے سے شروع کی ہے۔“

”تو پھر کیا بولتے تم؟“ جوزف نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”میرے سے فائدہ کرنا نہیں مانگتا۔“

”کیوں نہیں مانگتا؟“ داد نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”جیک ہے، تم یہ تصویر پھینک دو۔ اور عبد تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ اس نے عبد سے کہا۔

عبد اپنے شانے اچکا تا ہوا ایک طرف ہٹ گیا۔ روزی بھی اس کے پاس آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ قریب کھڑے ہوئے لوگ بھی کئی کئی قدم پیچھے ہٹ گئے۔ جیسے مقابلے کے لیے

عمران ڈاک جسط کا سسٹم سسٹم  
اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

زمانہ قدیم کے ایک نوجوان نے جب نئی دنیا میں آنکھ کھولی تو حزن لگا، دیوی دیوتاؤں کی سازش کے شکار کی انجھی داستان، وہ اپنے دور کا ناہوا ہمارا تھا، شروع سے آخر تک حیرت رسی حیرت

مکمل ایک حصہ قیمت ۱۰ روپے ڈاک خرچ، روپے منگو کے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈاک جسط  
۳۷ اردو بازار، کراچی

جگہ خالی کی جارہی ہو۔ بہت سے لوگ داور کو ہر درازنگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ نظام داور اور اس گینڈے کی جفا میں بہت فرق تھا یا وہ یہ جانتے تھے کہ یہ آدمی کس قدر خطرناک ہے۔

”یہ لو، میں نے یہ تصویر پھینک دیا، وہ تصویر ایک طرف پھینکے ہوئے بولا۔ پھر اس نے عبدل کی طرف دیکھا، چلو دن تو تھری بولو“

”دن تو تھری“ عبدل اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے چلا یا۔ تھری کے ساتھ ہی وہ دونوں اس تصویر کی طرف چبھ پڑے۔ سب سے پہلے داور پہنچا تھا۔ اس نے جب تک کہ تصویر اٹھائی اور اسی وقت جوزف کی ایک زوردار ٹھوکرا اس کے ہاتھ پر لگی جس ہاتھ سے اس نے تصویر اٹھائی تھی تصویر اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف جا گری اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا وہ ہاتھ اس کے جسم سے الگ ہو گیا ہو۔

جوزف نے بڑی بے دردی کے ساتھ ٹھوکرا سید کی متھی، ٹھوکرا مٹانے ہی وہ تصویر کی طرف دوڑ پڑا اور داور نے اپنا ایک پیر اڑا دیا۔ جوزف اس پیر سے لہجہ کر قلا زیاں کھاتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ گرتے وقت وہ کسی جھینس کی طرح ڈکڑا یا تھی تھا۔

داور نے چھوڑ کر تصویر کی طرف لپکا لیکن پھر چارناک اس طرح بٹٹ آیا جیسے کوئی اسپرنگ کھینچ لی جائے۔ اس نے جوزف کو متھل کر اٹھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لیکن وہ پوری طرح اٹھ بھی نہیں پایا تھا کہ داور اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے پوری قوت سے ایک زوردار ٹھوکرا جوزف کے گھٹنے پر رسد کر دی۔ جوزف تڑپ کر پھر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر داور پھر تصویر کی طرف مڑا۔ اس نے تصویر اٹھائی اور اسی لمحے جوزف پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔

اس شخص میں بھی جنونی قوت معلوم ہوتی تھی۔ اس کی برداشت کمال کی تھی۔ داور نے اتنی برداشت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر داور کے ساتھ ایک الجھن یہ ہو گئی تھی کہ جوزف نے اس کے جس ہاتھ پر ٹھوکرا لگا تھی وہ ہاتھ ابھی تک درد کر رہا تھا۔ اس ہاتھ میں جان ہی نہیں رہی تھی۔

وہاں کھڑے ہوئے لوگ پہلے تو اس مقابلے پر خوفزدہ ہو گئے تھے لیکن اب زور زور سے تالیاں بجا رہے تھے۔ داور کے لیے یہ ایک بے مقصد جنگ تھی جو بس یوں ہی اس

پر مسلط کر دی گئی تھی۔ اور اب وہ اس سے پیچھے بھی نہیں ہٹ سکتا تھا۔

جوزف نے اس کے قریب پہنچ کر اس کے جڑے پر ایک گھونسہ رسد کر دیا۔ داور اس ضرب سے لڑکھڑا کر پیچھے کو ہٹ آیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ جوزف کے ٹکے مارنے کا انداز پیشہ ورانہ ہے۔ شاید وہ کسی زلے میں یا کسرہ چکا ہو یا اب بھی اس دن سے متعلق ہو۔ داور کے پیچھے ہٹنے ہی جوزف نے ٹھوکرا مارنے کے لیے اپنا پیر بھرا تھا یا۔ وہ داور کے اب دوسرے ہاتھ پر ٹھوکرا مارنا چاہتا تھا جس ہاتھ میں داور نے تصویر سے رکھی تھی۔ لیکن اس بار داور اس سے زیادہ پختہ ثابت ہوا۔ وہ ایک طرف کو گھوم گیا۔ جوزف کی ٹھوکرا خالی تھی گئی۔ اس کا پاؤں فضا میں لہر کر رہ گیا تھا۔ اسی لمحے داور نے ایک ٹھوکرا اس کے اٹھے ہوئے پیر کے پچھلے حصے پر رسد کر دی۔ یہ بڑی وحشیانہ ٹھوکرا تھی۔

جوزف ملبلا تا ہوا سر تک پر ڈھیر ہو گیا۔ داور نے اب اسے ٹھوکروں پر لڑکھ لیا تھا۔ چار یا پانچ ٹھوکروں کے بعد جوزف کے کس بل نکل گئے۔ اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر تماشنا دیکھنے والوں نے ہر جوش امان میں تالیاں بجا کر شروع کر دیں۔ داور ان لوگوں کی طرف دھیان دینے پر غور کیا اور ردی کی طرف آ گیا۔ ردی وہ ہی تھی۔ اس کی آنکھیں انوکھ سے بھری ہوئی تھیں۔

”یہ لوانی تصویر“ داور نے اپنی مٹھی میں دی ہوئی تصویر ردی کی طرف بڑھا دی۔ تم چھو کر کی لوگ بھی کیا کیا عاشق پال کر لکھتا ہے۔“

”میں مجبور ہوں۔“ ردی سکے لگی مجھے معاف کر دو۔“

”اچھا اچھا۔“ ردی نے کہا۔ داور جلدی سے بولا تاہم اپنے گھر چلو۔“

ردی کا گھر اس سرگ کے اختتام پر تھا گھر کیا بس ایک کمرہ تھا جو ایک جڑے سے مکان سے منسلک تھا اس کمرے کا دروازہ باہر لگی کی طرف لکھتا تھا۔ اس کمرے کا ساڑھ مان بھی جیسے معمولی تھا۔ ایک چارپائی جس پر معمولی سا بستر کمرے میں رکھی ہوئی دو کرسیاں اور ایک میز ایک چھوٹی کا الماری، اس میں اس کمرے کی ساری اشیاء ہی تھیں۔ داور اور عبدل کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے جبکہ ردی کے سامنے والے بستر پر بیٹھی تھی۔ اس کے منہ سے تو بڑھ چکے تھے لیکن اس کی۔

ہمیں سوجی ہوئی تھیں۔

”یہ سب کیا لفظ ہے بے بی۔“ عبدل نے اسے مخاطب کیا۔ یہ کیوں پیچھے پر گیا تھا۔“

”کیا بتاؤں“ ردی نے ایک گہرا سانس لیا۔ میں بہت بد قسمت لڑکی ہوں۔ ہم دو بہنیں ہیں۔ میں اور بڑی بہن وہ مجھ سے بڑی ہے، ہم لوگ اس گھولی میں پیدا ہوئے تھے میرا پیر میری پیدائش کے کچھ دنوں کے بعد مر گیا تھا جبکہ ہماری ماں ہم دونوں کے جوان ہونے کے بعد مری تھی میری بہن سودی بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ اس نے مائیکل نامی ایک آدمی سے شادی کر لی تھی جو بعد میں بہت غلط ثابت ہوا۔ میں نے جھوٹ کہا تھا کہ میرے بہنوئی کی گالام میں دوکان ہے بلکہ وہ میرا بہنوئی بڑی دولت مند کے خاوند میں کام کرتا ہے۔ وہ میری بہن کو بھی اپنے ساتھ لے گیا اور پلڑے اپنے اپنے محبوب بنالیا تھا۔ وہ بے چاری مجبور ہو گئی تھی۔ ویسے وہ دل کی بہت اچھی ہے۔ وہ بھی آج کل اس کے خاوند میں بیٹھی ہے جبکہ پلڑے دھوا ہوا میں مجھے اپنا ایک کٹ مقرر کر دیا۔ میرا کام آدمیوں کو تھپک کر کے جوا کھیلنے کے لیے اس کی طرف بھجوانا ہے۔“

”اور یہ گینڈا کون ہے؟“ عبدل نے بتایا۔ جو ان کے متھے لگ گیا تھا۔“

”وہ جوزف ہے۔“ ردی نے بتایا۔ سب سے وہ ایک پیشہ ور باکسنگ تھا۔ پھر جب اس نے مجھے دیکھا تو دوبارہ کی طرح مجھ سے محبت کرنے لگا۔ جبکہ میں اس سے خوف کھاتی ہوں۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ یہ پورا علاقہ اس سے خوف کھاتا ہے۔ لوگ اس کی زیادتیوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں۔ وہ میرے محلے میں آنا حامد ہے کہ کسی کو بھی میرے ساتھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے نہ جانے کس طرح میری تصویر حاصل کر لی تھی جو آج تم نے اس سے چھین لی۔ میرے ساتھ جو آدمی بھی نظر آتا ہے وہ اس کے ساتھ میری حرکت کرتا ہے یعنی تصویر ایک طرف پھینک کر اٹھانے کی دعوت دیتا ہے پھر مار مار کر اس کا کلیہ خراب کر دیتا ہے لیکن آج تم نے اس کا سارا غرور خاک میں ملا دیا۔ کیا تم بھی باکسروں جیسے ہو؟ اس نے یہ سوال بڑی مصدمیت سے کیا تھا۔

داور اس کی بات سن کر مسکرایا۔ پھر اس نے سوال کیا۔ ”جوزف پلڑے کے آدمیوں کو کچھ نہیں کہنا۔“

”وہ جانتا ہے کہ یہ پلڑے کے آدمی ہیں۔ اسی لیے وہ

ہمیں میرے ساتھ دیکھ کر کچھ نہیں کہتا۔ بس بک بک کرتا رہتا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ پلڑے بک بک جوزف کے خلاف کیوں نہیں قدم اٹھایا۔ جوزف اس کے پاس آئے والوں کی ٹھکانی کر دیتا ہے لیکن پلڑے کو کچھ نہیں کہتا۔“ اچھا اب اپنی جیتا ہے۔“ داور اپنا بک کھڑا ہو گیا۔ ”اب اپنی لوگوں کو گالام تک جانے کے لیے لوگوں جاپے۔“ میں خود ہی لوگوں کے گول صبح تمہارے پاس آجاؤں گی۔“ ردی نے کہا۔

وہ دونوں اس کے کمرے سے باہر گئے۔ رات اب اور بھی تاریک اور برباد ہو گئی تھی۔ لیکن جب وہ اس سڑک کے وسط میں پہنچے جہاں شراب خانے اور بھولے ہوئے تھے تو یہاں زندگی کی بڑی بھر دکھائی دینے لگی۔ یہاں ابھی تک لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ شراب خانے اور بھولے آباد تھے اور ان سے نکلتی ہوئی آوازیں دفنا کو پر شور بنا رہی تھیں۔ جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔ شاید وہ کچھ پیر دیر بعد خود ہی اٹھ کر کسی طرف چلا گیا ہو۔

پھر داور کی نگاہ ایک عورت پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ یہ ایک بڑھی عورت تھی، جو ایک بھول کے سامنے والے فٹ پاتھ پر بیٹھی تھی۔ اس عورت کے جسم پر پڑوں کے نام پر چھوٹے سے قبول رہے تھے۔ وہ سکتا ہے کہ کبھی وہ خوبصورت بھی رہی ہو۔ لیکن اس وقت وہ اپنے کندھری طرح ہو رہی تھی۔ جس کی دیوار پر چھڑنے لگی ہوں۔ اس عورت کی گردن میں ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا جو کھلاٹے جارہا تھا اس کے پاس دو چار برتن بھی رکھے ہوئے تھے۔ اور بھول کی دیوار کے پاس ایک مٹکا بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ عورت راہ گیروں کی طرف خست بھری لگا ہوں سے، دیکھتی تو تھی لیکن اس کے ہونٹ خاموش رہتے تھے۔

داور کی نگاہ اس طرف سے جاتے ہوئے اس عورت پر نہیں پڑی تھی لیکن اب وہ اسے دیکھ کر اس طرح رک گیا تھا جیسے زمین نے اس کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔ ”کیا ہو گیا استاد؟“ عبدل نے اسے مخاطب کیا۔ کیا دیکھ رہتا ہے۔“

”تم اس عورت کو دیکھو عبدل۔“ داور نے اس عورت کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ میری ماں ہے۔“

”تمہاری ماں؟“ عبدل نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”یہ کیا کہہ رہا ہے استاد، یہ عورت تمہاری ماں کیسے ہو سکتی ہے؟“

ہاں، یہ میری ماں ہے اور اس کی گود میں جو بچہ دکھتا ہے نا، وہ میں ہوں۔ نہیں نہیں معلوم، ذرا پختہ پرہیز والا ہر عورت میری ماں ہے۔ ہر بچہ میں ہوں اور سلیم بہت تم سلیم کو بھی نہیں جانتے ہو گے۔ وہ میرا بھائی تھا۔ سالانہ نہیں کہاں چلا گیا۔ یہ بھائی لوگ بھی ایسا ہی ہوا کرتے ہیں۔ جب ساتھ بہتے ہیں تو سانس کی طرح رہتے ہیں اور جب الگ ہونے ہیں تو اپنا نشان بھی نہیں دیتے۔ او سہل میں اپنی ماں سے مل لوں۔“

عبدل کے لیے داور کا یہ روبرو قطعاً اپنی تھا۔ اس نے کبھی داور کو اتنا اداس اور پریشان نہیں دیکھا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ داور کا کوئی بھائی بھی ہے۔ وہ داور کے مامی کے ہاں ہے جبکہ بھی نہیں جانتا تھا لیکن آج خود داور نے یہ گفتگو چھیڑ دی تھی۔ وہ بہت ڈوٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ داور اس عورت کے پاس اگر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

عبدل اس کے ساتھ ہی کھڑا رہا تھا۔  
 ”ماں! داور نے اس عورت کو مخاطب کیا۔ میری طرف دیکھ ماں، میں تیرا بیٹا ہوں۔ مجھے یہی بتا دے کیا؟“  
 عورت لمبی ہوتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس عورت نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور اس وقت

عبدل کو معلوم ہوا کہ وہ عورت کو نگہی ہے۔  
 ”ہاں ماں! داور ایک گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”دنیا کی ہر مظلوم عورت تمہاری طرح کوئی ہوتی ہے۔“  
 پھر اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر بہت سارے نوٹ نکلے اور اس عورت کے قدموں میں رکھ دیے۔ عبدل کے لیے یہ سب کچھ بہت حیران کر دینے والا تھا۔ داور کی شخصیت کا عجیب پہلو اس کے سامنے آ رہا تھا۔ نوٹ دھیر کرنے کے بعد اس نے بڑی عقیدت سے اس عورت کو سلام کیا۔ بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور عبدل کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”بھائیے پاس دارو پیسے ہیں عبدل!؟“  
 ”ہاں استاد!۔“ عبدل نے اپنی جیب پر تھپکی دی۔

پر تہیں دارو کی کیا سوچی؟  
 ”پس خاموش رہو، داور پکڑ گیا۔ بس میرے ساتھ چلے آؤ۔“

وہ دونوں جس شراب خانے میں داخل ہوئے وہ بہت چھوٹا سا تھا۔ ایک طرف ایک ڈاکٹر بنا ہوا تھا۔ جس کے پیچھے دو اور ایسے کئی کے غائب تھے جن میں شراب کی بوتلیں بھری رکھی تھیں۔ ان میں مقامی شرابیں بھی تھیں اور باہری بھی تھیں۔

شراب خانے میں مگر بیٹوں کا دھول پھیلا ہوا تھا اور لوگوں کے مکروہ ہتھوں نے ہنگامہ برپا کر رکھا تھا۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ان دونوں کو ایک خالی میز مل گئی تھی۔  
 شراب اگرچہ مقامی طور پر جکڑی ہوئی تھی لیکن اس کا ذائقہ بہت عمدہ تھا۔ شراب نوشی کے درمیان داور خاموش رہا رہا تھا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر اپنے سر کو جھکا کر تباہی شراب کا گلاس اپنے ہونٹوں سے لگا لیتا اس کے زخم پرے ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی یہ کیفیت عبدل کے لیے بالکل نئی تھی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ دینی داور ہے اپنے ساتھ طوفان لے کر چلا کر رہا ہے۔ نہ جانے کیسی یاد دلانے اسے بڑھال کر دیا تھا۔

شراب پی کر وہ دونوں شراب خانے سے باہر آ گئے عبدل نے بھی اتنی یاد کی تھی جتنی داور نے بنی تھی لیکن داور کے قدم لکڑیاں رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ جان لوچ کر خود کو زخموں کو دینا چاہتا ہو۔ پھر اس نے اسی طرح چلتے ہوئے خود زور سے گانا شروع کر دیا۔ اسے دل کہیں اور چلے غم کی دنیا سے سالانی بھر گیا۔

تکلیفات ہے استاد۔ آج بہت ترنگ میں ہوئے عبدل نے اسے لوگ دیا۔

”نہیں باری میں ترنگ میں نہیں ہوں؟ داور نے نشے میں بھی بھٹا کر بھول کر خاص اور دو میں جواب دیا بہت سی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ نہیں معلوم ہے فلم میں کیا ہوتا ہے سامنے ایک مرد ہوتا ہے۔ سفید سفید سارا اس مرد کے سامنے بہت سے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں۔ سب کی آنکھیں اس مرد سے بہر ہوئی ہیں اور بالکل پیچھے ایک آدمی ایک مٹین لے بھٹا رہتا ہے۔ اسی مٹین سے ہر دے ہر فلم دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت بھی میرے سامنے ایک مرد ہوتا ہے اور اس مرد پر ایک فلم چل رہی ہے۔ بہت عجیب فلم ہے یہ میری اپنی فلم ہے عبدل۔ میری ماں کی فلم ہے میں نے جب ہوش سمجھا لا تو سب سے پہلے نیلے آسمان اٹھتے ہوئے فٹ پاتھ مرگ پر چلتی ہوئی گاڑیاں ایک ہوش بہت کسی دکائیں اور اپنی ماں کو دکھنا۔ بالکل اس عورت کی طرح جو ابی اید صرف پاتھ پر ملتی تھی۔ میری ماں کے پاس ایک کبیل تھا۔ بڑا سا لیکن اس میں بہت سے سواراں تھے۔ وہ جب ہر کی رات کو وہ کبیل ہم دونوں بھائیوں ہر ذاتی کو ہم دونوں مردی سے کاٹتے رہتے۔ اس ایک کبیل کے علاوہ میری ماں کے پاس ایک ٹیکہ بھی تھا۔ ایک صندوق تھا جس میں

کچھ کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ ایک پانی پینے کا مٹکا تھا۔ کچھ برتن تھے اور ایک چوٹھا۔ یہ سب سامان بھی میری ماں نے نہ جانے کیسے جمع کیا ہو گا۔ ایم دو بیٹا تھے۔ داور اور سلیم سلیم مجھ سے تین سال چھوٹا تھا۔ ہماری ماں بہت خوبصورت عورت تھی۔ اور میری ماں سے بھی زیادہ میرا پ خوبصورت تھا۔ تھا کیا۔ بلکہ ہے۔“

”ہے۔ یہ تم کیا بولا استاد؟ عبدل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ کہ صر ہے تھلا پاپ؟“ ابن کو آج حالو م پڑا کہ تھلا پاپ بھی ہے۔

”میں کچھ تمہاں ہوں عبدل۔“ داور نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ بہت بڑا آدمی ہے اتنا بڑا آدمی ہے کہ اس کی طرف گردن اٹھا کر دیکھو تو گردن میں درد ہو جائے۔ اس کے پاں اتنی دولت ہے کہ پورا اپنی خریدے لیکن وہ اس وقت وہ وقت نہیں تھا جب میں اور سلیم اس کے کمر میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت وہ ایک کلرک تھا۔ کسی سرکاری محکمے میں لیکن اس کو دارو اور کچھ عادت پڑی ہوئی تھی۔ یہ دونوں بہت ملتی جلتی تھیں عبدل۔ اس کی طرف ہو گیا وہ مر گیا۔ اور ہم تو ملے پہلانی مرنے کے لئے ہوئے ہیں۔ یہ میں ہی بتا رہا تھا کہ میری ماں میرے باپ کی بہت خدمت کرتی تھی۔ وہ جب رات کو دارو پی کر نشے میں دھت آ کر تا تو ماں اس کے جوتے اتارتی۔ لیے کپڑے سے اس کا چہرہ صاف کرتی اور چیک چیک روٹی دیتی۔ اس وقت ہم بہت چھوٹا تھا۔ سارا لیکن مجھے ایک لنگ تھا جسے ماں کے آنسوؤں اور داکٹر کی ہر یاد رہتے ہیں۔ تو وہ آنسو مجھے بھی یاد ہیں۔ پھر جب روئے روئے میری ماں کی آواز بڑھنے لگی تو میرے باپ کو غصہ آجاتا۔ وہ لوٹا کہ یہ عورت گھر میں خود سمجھتی ہے۔ پھر وہ ماں کو مارنے لگا۔ بہت بڑی طرح مارنا تھا۔ چیل سے چیل سے۔ بال نوح نوح کر مارتا۔ میری ماں کا خوبصورت چہرہ مار کھا تھا کہ سر پر ہو جاتا۔ پھر جب باپ تنگ جاتا تو ہمیں بڑا جگر لٹ جاتا۔ اس سے بھی تو زندگی تھی اپنی۔ میرے ساتھ تھا پھر چھوٹا بھائی بھی تھا۔ جب جگر لٹ پڑتا تو میں اسے گھٹک اٹھا کر باہر چلا جاتا۔ پھر جب واپس آتا تو باپ سوچا کہ ہوتا اور ماں اپنی نقد عہد کر رہی ہوتی۔ پھر وہ میرے آگے سوئی روٹی کھ دیتی۔ پھر عبدل یہ روٹی بھی عجیب چیز ہوتی ہے۔ اس کے لیے کیسے کیسے جان کرنے پڑتے ہیں کیسی کیسی باتیں سنی پڑتی ہیں۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اوپر والے نے انسانوں کو پیدا کیا اور روٹی کے پیچھے لگا دیا۔ یاد کرتے ہی سواری کے

اس حال کو دیکھا ہے جو اگر چلنے میں اڑی کر رہا ہے تو اس کا مالک ایک ڈاکٹر ہے۔ اس کی غذا باندھ کر اس کے منہ کے آگے لے جاتا ہے اور وہ غذا حاصل کرنے کے لیے میلوں دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہی حالت ہم انسانوں کی ہے میرا باپ بھی روٹی کے پیچھے دوڑتا رہا تھا۔ یاریں تو یہ سوچا ہوں کہ اگر کسی کو روٹی کی آدھی ملے وہ بھی بڑا ہے اور اگر بہت سی مل جائے تو وہ بھی بڑا ہے۔ آدھی میں انسان میرے باپ کی طرح ہو جاتا ہے گھر دار رہی کر آ اور اپنی بیوی اور بچوں کو مارنا اور اگر بہت سی مل جائے تو بھی انسان میرے باپ ہی جیسا بن جاتا ہے۔ جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے پیچھے کہاں میں بیوی کہاں ہوگی۔ اور ایک بات اور بتا دوں یہاں اصل چیز روٹی نہیں ہے پیسہ ہے۔ پیسہ انسان کی جیب میں ہو تو بھوک بھی نہیں لگتی۔ ایسا لگتا ہے جیسے بیٹ بھرا ہو۔ ہوا۔ میں پیسے کی طاقت کا ایک واقعہ جانتا ہوں ایک بار فٹ پاتھ میری ماں میں پڑ گئی۔ سرنگ کے سامنے ایک ڈاکٹر رہتا تھا۔ مال میں رات کو اسے بلانے کے لیے گھسیٹے تو وہ اس بات پر بہت ناراض ہوا میں رات میں اس کے دروازے پر چلا آیا تھا۔ پھر بیس روپے مانگے۔ اس وقت ماں کے پاس کچھ بھی نہیں تھا کہ اتنی ڈاکٹر فٹ پاتھ کی ایک جہان چوڑی کا ذریعہ علاج کیا کرتا ہے۔ میں نے جب یہی بات ڈاکٹر سے کی تو وہ ہنس کر بولا کہ چوڑی اور تیری ماں کا کیا علاج چوڑی لگی جو ان سے اور تیری ماں بڑی بھی ہے میں تج کو بتا ہوں عبدل کہ اس وقت مجھے معلوم تھا کہ ڈاکٹر کے اس جملے کا کیا مطلب نکلتا ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو میں اسی وقت اس کا پیٹ بھانڈ دیتا۔ خیر میں بہت فارورڈ چلا گیا ہوں۔ میں نہیں اپنے باپ کے ہاتھ میں ہٹا رہا تھا کہ اس نے ہم کو کس طرح رکھا ہوا تھا؟

”پھر نہ جانے کیسے میرے باپ کی ملاقات کچھ ایسے لوگ سے ہوئی جو وہ خبر کا کام کیا کرتے تھے۔ میرا باپ تو موقع کے انتظار میں رہتا تھا۔ اس نے ان لوگوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اور اس طرح میرے باپ کے پاس پھیر آئے لگا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ وہ پھر میرے باپ کے پاس آتا تھا۔ میرے گھر میں نہیں آتا تھا۔ تم اس سے کوئی غلط مطلب نہ نکال لینا۔ آدمی کی جیب میں جب پیسہ آجائے تو ہر اپنی چیز اسے گوارا نہیں ہوئی۔ وہ ان سے بھی بھرتلے کی کوشش کرتا ہے۔ ہر آنے پڑے بدل لیتا ہے۔ ہر آنا پھر بدل لیتا ہے۔ ہر آنے جو تے بدل لیتا ہے اور اپنی بیوی بدل لیتا ہے۔

ہے میرے باپ نے بھی ایسا ہی کیا۔ جب میرے آباؤ ااس نے چکے چکے نیل نام کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔ میری ماں کو اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ اسے آکر بتا دے۔ پس کئی شادی وہ نیل بھی اسی مزاج کی تھی۔ اس کے لیے بھی اس کا بدن حاکم سب کچھ بے بسی تھا۔ وہ اور میرا باپ دونوں مل کر بڑا کام کرنے لگے۔ پھر ایک دن ایسا آیا کہ دونوں کے پاس بے تحاشہ دولت ہوئی۔ اور اس وقت میرے باپ نے ہم سب کو سے بھی چھڑا لیا۔

دور اتنا گہرا کہ خوش ہو گیا۔ بعد اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی باتیں بڑے دھیان سے سن رہا تھا۔ آج عبد کو یہ معلوم ہو رہا تھا کہ داد سے اپنی زندگی سس طرح گزاری ہے۔ یہ بے جھکا انسان اپنے سینے پر کیسے کیسے زخم سائے زندہ ہے۔ وہ دونوں اس وقت بھی ساحل سے بہت دور تھے۔ اس کے علاوہ ان کی رفتار بھی بہت زیادہ سست تھی۔

”میرے باپ نے جانتے ہو کس طرح میری ماں سے بھی چھڑا لیا۔ وہ ایک دن میری ماں کے پاس آیا اور اس نے اس کے بہتر ہر دس ہزار روپے کے سنے سنے فٹ چھینک دیے۔ اس نے کہا کہ اس نے میری ماں کو چھوڑ دیا ہے۔ میری ماں بہت روٹی بہت چلائی۔ اس کے پر تیرے پر دیے۔ لیکن میرے باپ نے اس کی ایک بھی نہیں سنی۔ وہ پہلا دن ہے عبد جب مجھے اپنے باپ سے نفرت ہوئی تھی۔ اس پر غصہ آیا تھا۔ میں نے کونے میں رہ کر کھا وایک پتھر اٹھا یا اور بلوری فونٹ سے اپنے باپ کے سر پر مار دیا۔ میرے باپ کا سر پھٹ گیا تھا۔ یاد یہ مٹھنی عورت بھی عجیب ہوتی ہے۔ میرے باپ نے گھر پر میری ماں کو چھوڑ دیا تھا لیکن میں نے جب اپنے باپ کا سر پھاڑا تو وہ مجھ ہی کو مارنے لگی اس سے میری بڑی دھماکی کی میرے باپ نے بھی اس دن مجھے بہت مارا اور کہنے زخم پر پانچ دھکے کرنا چلا گیا۔ اس کی دوسری بیوی نیل اس وقت باہر ہی کاڑی لیا بیٹھی ہوتی تھی۔ وہ میرے باپ کو اسی وقت کے روٹی لگی ہا۔ کیا اس کے بعد تمہاری اپنے باپ سے کبھی ملاقات کیا ہوئی؟“ عبد نے بولچھا۔

”بنا بنا یوں یاد آتا ہوں“ داد نے کہا۔ اتنا فارورڈ منت جاؤ۔ دھیرے دھیرے سنے ہوئے میرے باپ کے جلنے کے بعد ماں بے چاری بیٹھ گئی۔ وہ توجہ ہوئی تھی۔ بل اس نے وہ دس ہزار روپے تو اسی وقت باہر ہی میں پھینکا دیئے تھے

بار مجھے وہ میں بھی یاد ہے۔ میری ماں نے سارے فٹ باہر فٹی میں لے جا کر پھینک دیئے۔ میں نے اس وقت اپنے اچھے لوگوں کو کتوں کی طرح لٹاتے ہوئے دیکھا۔ سب کے سب فٹ جھینے کے لیے ایک دوسرے کو کچلا۔ سب تھے ایک دوسرے کو گالیاں دے رہے تھے۔ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے ہوا محض باگی ہو گیا ہو۔ کسی نے بھی نہیں بول چھا کہ اتنے فٹ میری ماں کہاں سے لائی تھی۔ اس کے پاس کہاں سے آئے۔ کون دے گیا تھا۔ وہ سب فٹ جھینے میں لگے تھے۔ میں تو کبہ رہا ہوں عبد کو فٹ جھیننے کے چکر میں جاؤ فٹ لکل آئے تھے۔ بارم کتوں کے درمیان ایک بڑی پھینک دو۔ پھر دیکھو کیا منہ مڑتا ہے۔ پس وہی منہ وہاں ہو رہا تھا۔ اللہ کی قسم مڑا گیا تھا مجھے اس وقت ہت چلا کہ یہ فٹ کتنی اہمیت رکھنے میں اس کے لیے کس طرح باگی بن جاتا ہے۔ دولت لٹانے کے بعد میری ماں نے جھوٹا موٹا سامان لیا اور ہم دونوں کو لے کر دینا ناخدا روڈ کے فٹ پانچہ پرائی۔ اس لیے کہ اب اس کے پاس اتنا پیسہ بھی نہیں تھا کہ وہ اس کوئی کار کراہ ادا کر سکتی۔ تو تو جاتے ہی ہو کر بھی کبہا شہر ہے۔ لکھوں آدمی یہاں فٹ پانچہ پر رہتے ہیں۔ بلوری دنیا فٹ پانچہ پر آباد ہے۔ ہم دونوں کو بھی ٹھوڑی سی جگہ مل گئی تھی۔ یہ جگہ ایک ہوٹل کے سامنے تھی۔ میری ماں نے دو باس اٹھائے۔ اس پر ایک پرانا سا مکمل تان دیا پس ہمارا گھر بنا رہو گیا کیماٹ کلاس گھر تھا۔ اس وقت تو ہم لوگوں کے پاس بہتر بھی نہیں تھا۔ پس کئی فٹ پانچہ پر رہتے تھے۔ دن بھر سوئی کی روشنی رات ہی اور دن کو سرکاری کھمے کا سرکاری بلب ہمارے گھر میں روشنی کرتا۔ اس وقت فٹ پانچہ پر ادھ بھی بہت سے لوگ رہتے تھے۔ چلی ہوئی چرسی فیملی والے لوگ تیل ماش اور بوٹ پاش کرنے والے ہوٹل میں کام کرنے والے سب ہی بہتے تھے لیکن سب کے سب مومن کی مرضی سے رہتے تھے۔ اور ہم لوگ مومن بھائی کی مرضی کے بغیر ادھر چلے گئے تھے۔“

”یہ مومن بھائی کون تھا استاد کو عبد نے بولچھا۔“ یہ اس فٹ پانچہ کا ٹھیکیدار تھا۔ ممی بھی عجیب جگہ ہے یہاں کھوٹیوں کا بھی کرنا چلتا ہے۔ اور فٹ پانچہ کا بھی۔ ہر جگہ ٹھیکیدار ہو کر کتے ہیں۔ اگر فٹ پانچہ پر پیسے نہ دوں گا مگر اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ فٹ پانچہ پر بھی رہتے نہیں دیتے۔ مومن بھائی بھی اسی رات کو ہمارے پاس آ گیا۔ وہ بہت

گرم ہو رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ تم لوگوں نے ایسا کتوں ڈیرا ڈالا ہے۔ اگر ڈیرا ڈال ہی دیا ہے تو پھر روپے ماہانہ دینے پڑیں گے۔ میری ماں کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ پیسے کی مجبوری ایک بار پھر میرے سامنے آئی تھی۔ اس مومن بھائی کی بہت خوشامدگی۔ اتنا آہستہ میرے میں بولی کہ جیسے ہی اس کے پاس پیسے ہوں گے وہ دے دیے گی۔ لیکن وہ کبہ ماٹھا ہی تھا۔ بار عبد اس وقت مجھے بہت غصہ کر رہا تھا۔ لیکن میں کیا کر سکتا تھا۔ میں تو بہت چھوٹا تھا۔ پھر میری ماں نے اپنی بالیاں اتار کر مومن بھائی کے حوالے کر دیں۔ اور وہ خبیث کا پڑتہ بالیاں لے کر وہ پس چلا گیا۔ اب سوال یہ تھا کہ روٹی کہاں سے لائی جائے۔ زندگی کیسے گزرے۔ تو ایسا ہوا کہ میری ماں نے خود بھی کام شروع کر دیا اور مجھے بھی کام پر لگا دیا۔ ہم دونوں ماں بیٹے کام شروع کر دیا۔ وہ کام کیا تھا معلوم ہے۔ پھر اچھے کام یہ سلا کر چنا تھا عجیب کام ہے۔ تم کو نہیں معلوم ہے کہ کسی بھی دھیرے اس علاقے کے آدمیوں کا پڑتہ چل جاتا ہے۔ اگر وہ علاقہ ہر لوگوں کا ہو گا تو پھر بھی ایسا ہو گا۔ غریب لوگوں کو ہوا کو پھر بھی غریب ہو گا۔ امیر لوگوں کے کچرے میں طرح طرح کی رنگین رنگین اور نہ جلنے کی کپا پتیریں مل جاتی ہیں۔ اور غریب لوگوں کے کچرے میں سوائے گندی کے کچے بھی نہیں ہوتا تھا۔ ہماری قسمت ایسی تھی کہ ہم لوگوں کو پھر بھی غریب ملا تھا۔ جہاں سوائے کچرے کے پڑوں گندی کے ڈھیر اور ادھر ادھر کی چیزوں کے اور کچے بھی نہیں ہوتا تھا۔ اب ہمیں یہ بھی مدد مل کر اس کو پھر کچا کچا ٹھیکیدار ہو کر رہا ہے۔ اب ہر پھر اٹھ میں پھر اچھلنے کے دس روپے ہینہ اور غریب پھر اٹھ پانچ روپے ہینہ۔ ہم لوگوں کے پاس پیسے نہیں تھے۔ ماں نے نہ جانے کہاں سے پانچ روپے بیع کے ٹھیکیدار کو دیئے تھے۔ اس نے ہم دونوں کو اجازت نہ دی اور ہمارے کام شروع کر دیا۔ ہم دن بھر کچرے اچھلنے اور کچرے جمع ہوتا وہنا کے وقت ایک دوسرے ٹھیکیدار کو دے دیا کرتے۔ وہ کبھی دو روپے پھر دیتا۔ کبھی تین روپے دے دیتا۔ پس اس سے زیادہ ہماری حیثیت نہیں ہوئی تھی۔ اور کبھی جب کچھ نہیں ملتا تو اس دن ہم بھوکے رہا کرتے۔ اس فٹ پانچے کے سامنے والے فٹ پانچہ پر بھی ادھ اس کی ماں رہا کرتی تھی۔ اس کا باپ اس وقت مزدور ہی کرتا تھا۔ جھلا اور شرب آدمی تھا۔ لیکن وہ لوگ بھی فٹ پانچہ پر رہتے تھے۔ میری ماں نے سستی کی ماں سے دوستی کر لی اور جب ہم دونوں کام پر

جانے لگے تو وہ سب کو اس کے پاس چھوڑ جاتی۔ سب کو ملتا تھا۔ اسی کے پاس رہتا تھا۔“ اس کچرے گھر سے بھی میں نے بہت سے کچرے حاصل کئے ہیں عبد۔ آدمی جب کچرے حاصل کرنے کے لیے کتوں کو بلوری دنیا اس کے لیے استو کی طرح ہو جاتی ہے کچروں کو دیکھتے دیکھتے مجھے بہان ہوئی تھی کہ فلاں پھر اس مکان سے آیا ہو گا۔ یہ شریف لوگ اپنے بہت سے عجیب پھر اٹھیں پھینک جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان کے عجیب چھپ گئے ہیں۔ لیکن انہیں معلوم نہیں کہ بے جان چیزیں بھی زبان کتنی تھیں۔ ہم لوگ جس کچرے گھر میں ہوتے تھے تو وہی ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دو لوہے کے پاس ایک بلوری عورت بیٹھی رہتی تھی۔ میں نے اس جیسی عجیب صورت آج تک نہیں دیکھی۔ اس عورت کی فاک غائب ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ دو بڑے بڑے سوراخ تھے جن سے ہر وقت کچھ نہ کچھ گرتا رہتا تھا۔ اس کی ایک آنکھ لڑھ کو دھس چکی تھی۔ اس کی انگلیاں جھڑنے لگی تھیں۔ اس کے بدن سے ایسی بدبو آتی تھی کہ پورے کچرے کی بدبو ایک طرف اور اس عورت کی بدبو ایک طرف۔ لوگوں نے بتا تھا کہ اس عورت کو کوڑھ ہے۔ اس لیے اس کی یہ حالت ہو چکی ہے اور اس کو کبھہ والی عورت کے خوف سے کوئی پھر اچھلنے والا اس کچرے میں نہیں جایا کرتا تھا۔ لیکن میری ماں ادھر چلے ودر راضی ہو گئی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر بہت میں روٹی نہ ہو تو انسان کے لئے بھوک سب سے بڑا کوڑھ بن جاتی ہے۔ بھوکے رہنے کا خوف کوڑھ کے خوف سے زیادہ تھا۔

”بار عبد تو نے سستی کو دیکھا ہے نا۔ کیسی باتیں کرتی ہے۔“ اس زمانے ہی سے ایسی ہے۔ بڑی بڑی موٹی موٹی باتیں کیا کرتی تھی۔ اس کا باپ غریب آدمی تھا لیکن اسے بڑی قیمتی کو پڑھانے کا بہت شوق تھا۔ وہ کہیں لاکر اس کو دیکر بتائے کچے کی روشنی میں پڑھا کرتا اور وہ پڑھتی رہتی۔ میری ماں سے جان پہچان اسی زمانے سے ہوئی ہے۔ میں اس کی ماں کو اس بے مومنی کہتا ہوں۔ سستی بھی کتا ہیں لاکر دیا کرتی تھی۔ لیکن مجھے پڑھنا تھا۔ البتہ میں اس کا دل کھنے کے لیے وہ کتا میں اس سے لیتا تھا۔ اور پھر اٹھیں آگ کوئی کتاب مجھے مل جاتی تو میں ٹھیکیدار کو دینے کی بجائے سستی کو دے دیتا تھا۔ ایک دن اس بات پر اس ٹھیکیدار نے مجھے بدھا تھا دیا۔ ہوا لوں کہ ایک دن پڑھتے ہوئے مجھے ایک موٹی سی کتاب ملی۔ بہت اچھی سی کتاب تھی۔ مومنی سی سڑخ جلد والی



بہت مضبوط تھی۔ میں نے یہ سچ بیا کر میں جب یہ سچا ملی  
 کھلے جا کر دوں گا وہ بہت خوش ہوئی۔ ہم لوگ شام تک اس  
 کچرا گھر بیٹھے رہے اور شام کے وقت جب چٹی ہوئی چربا  
 لے کر ٹھیکہ دار کے پاس پہنچے تو اس نے وہ کتاب میرے ہاتھ سے  
 چھین لی۔ وہ اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا۔ اس  
 وقت مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا اور میں نے صاف صاف  
 کہہ دیا کہ ٹھیکہ دار صاحب میں یہ کتاب تم کو نہیں دوں گا۔ میں  
 نے یہ کتاب کسی اور کے لیے اٹھائی ہے۔ میری یہ بات نہ مانتا  
 کہ بہت غصہ آیا اور اس نے میری ماں کے سامنے ایک پتھر  
 مار دیا۔ میری ماں نے چھپ کر اپنے سینے سے لگا لیا اس  
 کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے تھے اور اس وقت مجھے پیوں کی  
 حقیقت کے بعد دوسری اس حقیقت کا پر جھلکا انسان کے پاس  
 ہاتھ پیروں کی طاقت بھی ہونی چاہیے۔ اگر میں برا ہوتا ہوں  
 ہاتھ پاؤں مضبوط ہوتے تو اس پتھر کے جواب میں ٹھیکہ دار کی  
 ہڈیاں بھی توڑ سکتا لیکن میں تو ایک پتھر نہ کروڑیے لیں  
 غریب مجھ سے اس لیے میں کچھ بھی نہیں کر سکا۔ ٹھیکہ دار نے  
 مجھے پتھر بھی مارے اور میری کتاب بھی چھین لی۔  
 ”یار عبدل اپنی زندگی میں کیا تھا کچھ بھی تو نہیں۔ دن بھر  
 کچرے میں ہوتا اور شام کو دوپٹن روپے کے گردا پس آجاتا ہوا  
 میں بازار سے روٹی اور اگر بہت تو آٹا بڑے لیتا بھیے باو  
 بنوں پر تاک کر میرے اس فٹ ہاتھ پر بھی چڑھا ہوا ہوں۔ چوہا بھلا  
 کے لیے بڑے چاہیے ہوتا ہے۔ ہم لوگ دن بھر صوف کی کوش  
 برداشت کرتے اور رات کو دیے ہی سو جاتے۔ ایک بار مجھے  
 کچرا گھر سے کھل کا ایک ٹکڑا مل گیا۔ میں ماں کے منہ کرنے کے  
 بعد کسی آٹے پھانے کے لیے لے آیا۔ بے چارہ سلیم بہت جھوٹا تھا  
 اس کے لیے لہجہ چاہیے تھا۔ بارش میں تو بارہم لوگوں کا حال  
 اور برا ہو جاتا تھا۔ ہمارے سامنے والے فٹ ہاتھ پر ایک کال  
 بن رہا تھا جب بارش ہوتی تو ہم فٹ ہاتھ والے لوگ اس  
 مکان میں جا کر گناہ لیتے تھے لیکن جب وہ مکان بن گیا اور  
 اُدھر لوگ آباد ہو گئے تو انہی گناہ کا بھی کئی۔ بارہم بھی عجیب  
 چڑھے۔ اگر ایک کو اس رات ملے تو دوسرے اس رات جاتا ہے  
 ”بہر حال ہم لوگ اس ماحول میں پرورش پلے رہے  
 مضبوطا سا بنیں بھی بڑا ہو گیا، مٹو ٹا سا سلیم بھی بڑا ہو گیا۔  
 جبکہ ماں اور زیادہ لڑھی اور کمزور ہوتی گئی۔ اب تو اس  
 کچرے میں بیٹھا جاتا تھا۔ اس لیے میں اکبر لیا جانے لگا۔ میں نے  
 ماں کو کہہ دیا کہ اب آپ کو میرا بیٹا لے لے لاکر واکرے گا یاں  
 ایک بات تو بتانا بھول ہی گیا۔ میں نے ایک با اپنے باپ کو  
 بھی دیکھا تھا۔ یہ پچھمانی ہوئی بڑی سی گاڑی پر آتا تھا۔

وہ ہمارے لیے نہیں آیا تھا بلکہ وہ دوسرے جا رہا تھا کہ اس کی  
 گاڑی کا پیرہ پتھر ہو گیا۔ یہاں اب اپنی نئی بیوی کے ساتھ چلی  
 سب سے پہلے چلا گیا۔ جبکہ گاڑی کا ایک ڈرائیو ریلر ہاتھ دلاس  
 کے طور پر اور دردی میں بھی کیا شائد راتھی سیفنگی ہوئی اس  
 نے ایک فوٹی پر نرنگی تھی۔ یارہ کیسا اندر ہاتھ میرے باپ  
 کا ڈرائیو تک صاف سمجھنے لباس میں تھا اور اس آدمی کے  
 بیٹے اور اس کی بیوی فٹ ہاتھ پر کچرے کی طرح بڑے ہوئے  
 تھے۔ یارہ میں نے تو یہ سنا تھا کہ ماں اور باپ کا جو رشتہ  
 ہوتا ہے نا۔ بھی ختم نہیں ہوتا۔ بلکہ باپ بیوی کو تو نکال سکتا  
 ہے لیکن اپنی اولاد کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ چلے میرا باپ کیا  
 تھا اس وقت میرے باپ نے گاڑی کی کھڑکی سے سر نکال  
 کر میری طرف دیکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے مجھے پہچانا  
 یا نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ پہچان گیا ہو گا خون تو خوش  
 مانڈا ہے نا۔ چاہے آدمی لاکھ لگا بھی نہیں پڑتا رہے۔ میرے میں نے  
 اس دن اپنے باپ پر دوسرا پتھر اٹھایا۔ میں نے پتھر اٹھا کر تو  
 لغزت سے اس کی طرف چھینک دیا تھا۔ وہ میرا دوسرا پتھر تھا  
 اور اب میں اس پر پتھرا پتھر چھینکوں گا۔ وہ آخری پتھر ہو گا  
 اس پتھر کے بعد کھیل ختم ہو جائے گا۔ وہ بہت زبردست پتھر  
 ہو گا جملہ وہ دوسرا پتھر جب اس کی گاڑی پر جا کر لگا تو  
 اس کا ڈرائیو بڑے غصے میں گاڑی سے اتر کر میری طرف لپکا  
 لیکن باپ نے اسے آواز دے کر روک لیا۔ پتھر نہیں اُسے دم  
 آگیا تھا یا وہ ڈر گیا تھا۔ شائد۔ میرے جب وہ پلٹنے کا ڈری  
 کا پیرہ بدل لیا تو وہ گاڑی آگے چلی گئی۔ میں نے اپنی ماں  
 کو کچھ نہیں بتایا کہ کیا گناہ تھا بتانے کا۔ لیکن یہ میری بھول تھی  
 میں نے سمجھا تھا کہ اس نے دیکھا نہیں ہو گا۔ لیکن اس نے دیکھ  
 لیا تھا۔ وہ ایک طرف چھپی ہوئی دیکھ رہی تھی اور دوسری طرف  
 اس دن میں نے اپنی ماں کے آنسوؤں کو دیکھ کر ایک قسم  
 کھالی۔ یارہ کیا بتاؤں اس وقت مجھے اتنی عقل تھی جتنی کہ تم  
 کھا سکتا تھا۔ میں نے قسم کھالی کہ میں اپنے باپ سے انتقام  
 لوں گا۔ اور ایسا انتقام کہ پوری دنیا دیکھ لے گا۔ وادہ اتنا کہہ  
 کر خاموش ہو گیا۔  
 وہ لوگ اب ساحل کے پاس پہنچ چکے تھے۔ لاچون میں  
 روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کی لڑائی میں بھی روٹی  
 ہو رہی تھی۔ شائد کوئی اور کالو ایسی تک جاگ رہے تھے عبدل  
 کے لیے وادہ کی کہانی بہت زبردست تجربہ ثابت ہو رہی  
 تھی۔ اب آپ سے معلوم ہو رہا تھا کہ آدمی اتنا لڑائی کیوں ہے  
 اس نے دولت کو اپنا سب کچھ کیوں بھڑکھا ہے۔

”یار عبدل! داؤد نے اس کی طرف دیکھا۔ ایک بار  
 پھر جھانک کر پتھر لگاتے ہیں۔ ابھی میری بات ختم نہیں ہوئی۔  
 ابھی بہت کچھ یاد رہا ہے۔ ہمارے ریسوں سے سچ ہاتھ کا  
 کسی کو ایک دن سب کچھ تاروں۔ رُٹا ہے کہ آدمی اگر اپنے  
 دل کی ساری بات کسی کو بتا دے تو اس کا دل ذرا ہلکا ہو جاتا  
 ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا دل ہلکا ہو گا یا نہیں لیکن آنا  
 جاتا ہوں کہ بہت دلوں سے جن آنسوؤں کو میں نے نہ دیکھا  
 روک رکھا ہے شائد وہ بہرنگ لکھیں۔  
 عبدل نے کچھ کہے بغیر راستہ بدل لیا۔ وہ دونوں ایک  
 بار پھر شہر کی طرف جا رہے تھے۔  
 ”یار پھر ایسا ہو گا کچھ دلوں کے بعد ماں مری گئی۔ داؤد  
 نے پھر کھنا شروع کیا۔ بارہ محنت کرنے والے زیادہ ویرانہ  
 نہیں رہے۔ الگ ہو جاتے ہیں۔ لیکن ماں ایک دم نہیں  
 مری۔ وہ بہت بیمار پڑی تھی۔ پچھلے چھتے اس کے بھی بدن  
 کا گوشت جھڑنے لگا تھا سر کے بال اتر چکے تھے لیکن وہ فوری  
 ماں تھی نا۔ اس کی خدمت کرتا رہا۔ لوگوں نے مجھ سے کہا  
 کہ تم اس کے پاس دست جاؤ یہ بیمار تھیں بھی لگ جائے  
 گی۔ لیکن میں نے لوگوں کی باتوں پر دھیان نہیں دیا ایک  
 دن غلے کا ایک بٹا آدمی دیکھا تھا۔ بٹا کے پردہ مال رکھے  
 ہوئے۔ اس کے ساتھ ایک دو کالٹری تھے۔ وہ لوگ بہت غصہ  
 سے بات کرتے رہے۔ وہ ہمارے قریب بھی نہیں آ رہے تھے۔  
 میری ماں کھل کے پاس گولی گولی پڑی ہوئی تھی جبکہ میرا  
 بھائی سلیم میرے پیروں سے لپٹا ہوا تھا۔ اور میں ان آٹے  
 دالوں سے بائیں کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں  
 اپنی ماں کو شہر سے دور چھینک آؤں۔ میں ان سے لڑتا رہا  
 انکار کر دیا۔ میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا تو میں اس روٹی کی طرح  
 جھینڈوں گا۔ لوگ لگا دوں گا۔ جو لوگ میری ماں کو اٹھانے کے  
 لیے آئیں گے ان کے سر توڑ دوں گا۔ اس پر وہ لوگ اور بھی ناگوار  
 ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے اگر کل تک ماں کا بندوبست  
 نہیں کیا تو وہ زبردستی آئے اٹھا کر چھینک آئیں گے اب تم ہی  
 بتاؤ عبدل کہ میرا حال ہاں ہو رہا ہو گا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ پوری  
 دنیا میں آگ لگا دوں۔ سب کو مار دوں۔ سب لوگ مجھ سے  
 ایسی نفرت کرنے لگے تھے جیسے میں نے کوئی گناہ کر دیا ہو۔ ایک  
 سلی اور اس کے گھر والے تھے جس وقت بھی میرا ساتھ دے  
 رہے تھے۔ لیکن وہ بھی اس معاملے میں کہا کر سکتے تھے۔ اس رات  
 ہم دونوں بھائی ماں کے پاس بیٹھ کر بہت دیر تک دوتے  
 رہے۔ کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کہا کریں۔ کس

دل سے اس کو شہر سے باہر چھینک دیں۔ ماں کو تو ہوش ہی  
 نہیں تھا۔ گرجہ اس کی آنکھیں کھلی رہتی تھیں۔ اور اس کی وجہ  
 یہ تھی کہ اس کی پتیلیاں بھی چھری تھیں۔ جبر سے دل میں آیا  
 کہ میں اپنی ماں کو دور چھینکے کے بجائے کچرا گھر میں ڈال دوں  
 اتنا تاکہ داؤد نے بڑے جذباتی انداز میں عبدل کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”یار عبدل۔ بہت سے لوگوں کی قسمت میں کچرا گھر ہوتا ہے  
 میرے باپ نے ہم لوگوں کو اپنی مرضی سے زبردستی کچرا گھر میں  
 ڈال دیا تھا اور اب ہم اپنی ماں کو کچرا گھر میں ڈالنے جا رہے  
 تھے۔ تم خود سوچو کہ کبسا دوسرے آپس اٹھائے۔ ایسی بھائی  
 ہے کہ اب ایسا کوئی ہے جس نے اپنی ماں کو کچرے میں ڈال دیا  
 ہو گا۔ لیکن ہم لوگوں نے بھی کیا یہ بھی کیا عبدل۔ ماں بھی  
 پتھر کو لے جا کر میرے بڑا دل دیا۔  
 داؤد نہ حال سا ہو کر فٹ ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں  
 آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ عبدل اُسے لے کر دینا چاہتا  
 تھا۔ لیکن اُسے معلوم تھا کہ اس وقت داؤد کے دل کا غم واصل  
 رہا ہے۔ اس لیے اُسے وصل جانا چاہیے۔ وہ بھی اس کے ساتھ  
 ہی بیٹھ گیا تھا۔  
 ”تھیں معلوم ہے کہ ہم نے اپنی ماں کو کس طرح کچرا گھر  
 تک پہنچایا۔ میں چاہتا تھا کہ کوئی دیکھ نہ سکے کسی کو معلوم نہ ہو  
 کہ میں اپنی ماں کو کہاں لے رہا ہوں۔ چہرہ چہرہ رات ہو گئی  
 اور سب فٹ ہاتھ والے سو گئے۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا تو میں  
 نے اپنی ماں کو گھسیٹنا شروع کر دیا۔ ہارکا ہارکا بتاؤں اس وقت  
 سلیم کو کھنا رونا نہ ہاتھ۔ وہ کس طرح بیٹاب ہو کر رعد ہاتھ  
 اس وقت اس میں اچھی خاصی عقل آچکی تھی۔ وہ جانتا تھا  
 کہ میں ماں کو کہاں لے جا رہا ہوں۔ اس لیے روٹے کے باجوڑ  
 تھوڑا بہت اس نے بھی ساتھ دیا۔ لیکن ہم دونوں میں  
 اتنی طاقت نہیں تھی کہ ماں کو گھسیٹ کر کھیل سکے۔ ہم نے ایک  
 موٹی سی رسی لی اور ماں کی کمر میں باندھ دی۔ اور ہم دونوں  
 جھابڑوں نے اس کے دوسرے سرے کو جھینڈنا شروع کر دیا۔  
 بس ایسا لگتا تھا جیسے ہم کچرے کا ڈھیر ہی چھین رہے ہوں  
 یا کسی مزار جافز کی لاش چھینتی جا رہی ہو۔ میری ماں اس  
 وقت بھلا رہی تھی۔ نہ جانے وہ کیا بول رہی تھی یا نہ سچ  
 بتاؤں اب اس کی بات بھی کچھ نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ  
 اس کے دونوں ہونٹ ہی گلے میں مڑ کر چکے تھے اس لیے جب  
 وہ بولنا چاہتی تو صرف ادھ آں سنائی دیتی۔ وہ بے چاری  
 نہ جانے کیا کہہ رہی تھی۔ شائد وہ ہم لوگوں کو منہ کر رہی تھی  
 کہ اس کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ پہلے اس کے منہ پر سے پتھر  
 دبا تھا اور اب دونوں نے اسے چھوڑ رہے تھے۔ لیکن وہ یہ

میری جانتی تھی کہ ہم ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ اس انداز کا کفن  
اس وقت دل چھٹا جا رہا تھا۔ ہم اسے پیچھے بے جا رہے تھے  
اور راتے ہیں اس کے پیروں کی انگلیاں تھڑھڑ کر رہی  
تھیں۔ بڑی مشکوں سے ہم نے اپنی ماں کو کچھ گھرنک پیچھا  
دیا۔ اور جانتے ہوئے ہم نے وہاں کیا دیکھا۔

”ہوئے جاؤ استاد عبدل دھیرے سے بولا۔ اپنا کا  
سینہ پھٹ رہا ہے۔ مانتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ کھارا  
زندگی ایسا جیوان کا مالک کر رہا ہے۔“

”ہاں۔ بہت تجربے کیے ہیں میں نے بہت کچھ سیکھا  
ہے۔ تو میں یہ بتا رہا تھا کہ ہم لوگ ماں کو چھوٹے ہوئے پھر کر  
پہنچے تو وہاں اس فوری کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہی لورٹی جو  
پچھلے دنوں رہا کرتی تھی۔ وہ مر چکی تھی۔ اور قدرے لاش  
کی جگہ لینے کے لیے میری ماں کو بیچ دیا تھا۔ پھر میری ماں  
نے اس کی جگہ لی۔ وہ پچھلے دنوں پڑی رہتی اور ہم دونوں  
پچھلے دنوں لاش کے لیے دوڑتے لاپاک کرتے۔ لوگ کہتے تھے کہ  
ایسا ایسی بیماری ہے جو کوئی اس طرح اپنے نشانے پر لگتی ہے۔  
لیکن یار عبدل میں نہیں کیا تھا تو اس نے مجھے اور میرے بھائی کو  
تو یہ بیماری نہیں لگی۔ سب کو اس بات پر حیرت بھی تھی۔

”میری ماں روز بروز چھوٹتی جا رہی تھی کہ ہم بڑی جا  
رہی تھی۔ جیسے کوئی نوم چلی جا کر چھوڑ دے۔ اس کے  
جسم کے حصے ٹوٹنے لگے تھے۔ وہ اب روٹی بھی ڈھکی شکل  
سے لکھا کرتی۔ یا اس زلزلے میں یہ روٹی بھی شکل ہی  
سے ملتی تھی میں تھے ایک بات سناؤں۔ ایک بار کہیں  
کچرے کے ڈھیر سے کچھ بھی نہیں ملا۔ جب کچرے کے  
ڈھیر سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ روٹی بھی  
نہیں ملتی۔ ہم نے وہ رات بڑی مشکوں سے گزاری تھی۔  
میں تینوں بھی بھوکے رہے تھے۔ پھر صبح سویرے ہی میں  
اچھے کچرے کی تلاش میں پچھلے دنوں گیا۔ وہاں میں نے  
ایک روٹی دیکھی۔ بڑی بڑی کول کول تانہ تانہ روٹی۔ یہ روٹی  
اس وقت ایک کتے کے منہ میں دبی ہوئی تھی جو مجھے دیکھ  
کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ مجھے لغزت اور غصے بھری  
لنگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ محبت کا دشمن کو جانور اور آدمی  
سب برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن روٹی کی دشمنی کوئی بھی  
برداشت نہیں کرتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن  
تھے۔ میں اپنے دونوں ہاتھ پھیل کر اس کی طرف بڑھا  
کتے کو بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ انسان اس سے روٹی چھینے  
کر رہا ہے تو میں اس کی طرف بڑھا اور وہ کچھ اٹھے بڑھ گیا

میں اس کے پیچھے تھا۔ وہ داد دے کر بھاگا۔ میں نے ایک  
دو بار کی سائڈ میں اس کو گھیر لیا۔ وہ ادھر سے لپٹنے سے  
لیے کوشش کرنے لگا لیکن میں نے اسے جانے نہیں دیا  
پھر جب میں نے اس پر چب لگا دیا اور اس کے منہ سے  
وہ روٹی چھین لی۔ یار عبدل میں نہیں کیا تھا تو اس نے  
سے مجھے روٹی کے کچھ کتنی خوشی ہوئی تھی۔ میں نہیں کہہ  
سکتا کہ اس وقت ہم دونوں میں سے جانور کون تھا۔ میں  
یا وہ کتا۔ میں نے اس روٹی کے تین ٹکڑے کیے تھے۔  
سب سے بڑا ماں کو دیا۔ ایک ٹکڑا سلیم کو کھلایا اور دوسرا  
ٹکڑا میں نے خود کھایا۔“

”جانور بھی ٹھیک زندگی گزارتے ہیں لیکن ہم لوگ  
تو اس سے بھی بدتر تھے۔ بالکل مجبور رہے کار۔ بدن پر پڑے  
تک نہیں تھے کچھ دنوں بعد میری ماں لگتی اسی کچرے  
میں جسے بڑے اُسے موت آئی۔ ویسے اُسے موت تو  
بہت پہلے آچکی تھی جس وقت میرے باپ نے اُسے  
کچرے سے نکالا تھا تو اسی وقت اس کی موت واقع ہوئی  
تھی۔ لیکن یہ تو اس کی دوسری موت تھی۔“

میں اس سے بے پانی لینے گیا تھا اور جب پانی  
لے کر واپس آیا تو وہ مرنے لگی تھی۔ اس وقت میں بہت  
دوڑتا تھا۔ پھر بعد میں سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ایسی عورت  
کا نور جانا ہی بہتر تھا۔ خالی بیلی زندہ رہنے کا کیا فائدہ۔  
ہم دونوں بھائی اپنے فٹ ہاتھ پر بیٹھ کر بہت دیر تک  
روئے رہے۔ ماں کی لاش کا بھی ہم کوئی بندوبست  
نہیں کر سکتے تھے۔ میونسپل کمیٹی کا ایک ٹرک ماں کی لاش  
ہوئی لاش کو اٹھا کر لے گیا تھا۔ پس اس سے سانفہ  
اس عورت کا قافہ ختم ہو گیا۔ ہم دونوں بہت دیر تک  
فٹ ہاتھ پر بیٹھ کر روئے رہے۔ اب ہمارا کوئی بھی نہیں  
رہا تھا۔ مجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس طرح رہیں گے ہمارے۔  
پاس کو کچھ بھی نہیں تھا۔ ویسے تو ماں سے پاس بھی کچھ  
نہیں تھا۔ لیکن جب تک وہ تھی اس وقت تک زندگی  
اتنی پھیلائی نہیں معلوم ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد تو  
جیسے کچھ نہیں رہا تھا۔ کچھ مجھ میں نہیں آتا تھا۔ میرے  
ساتھ صرف میرا ہی بیٹ نہیں بلکہ میرا بھائی بھی لگا ہوا تھا۔  
سلی کی ماں ہماری بھی مدد کر رہی تھی لیکن وہ بھی جب  
تک مدد کرتی۔ اب پھر کچھ کی طرف جانے کو دل ہی نہیں  
چاہتا تھا۔ بہت سوچ کر میں سامنے والے ملباری  
کے ہوٹل کا بار والا بن گیا۔ سالی یہ فوری بھی ہے عزت

کھانے والی ہے۔ وہ ملباری غذا اور اسی بات پر گالیاں  
دینے لگا تھا۔ کچھ تو کچھ نہیں تھی۔ بس کیشی ہی پر  
کام چلتا تھا۔ اور کیشی بھی بہت کم ملا کرتا تھا۔ میں صبح  
سویرے اٹھ کر ننگے سے منہ ہاتھ دھو کر بغیر کچھ کھائے  
ٹپے کام کرنے کے لیے بیچ جاں کدہ کو ملباری بھی اس  
وقت گالیاں دے رہا ہوتا۔ میں نہیں اس وقت کی  
ایک بات بتانا ہوں عبدل۔ اس رات میرے پاس صرف  
اتنے پیسے تھے کہ میں صرف دو روٹیاں خرید کر لاسکتا تھا  
میں نے وہ دونوں روٹیاں سلیم کے آگے لکھ دیں۔ آخر  
وہ مجھ سے چھوٹا تھا۔ اور خود مجھ کا بڑا سونپا۔ صبح میں سلیم  
کو مٹی کے پاس چھوڑ کر کام پر چلا گیا۔ مجھے اس وقت  
جسے زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میری  
آنتیں باہر جا رہی ہیں اس صبح ایک لاکھ نے ملانی  
والی جانے اور مسکندہ کا آؤر ڈوڑا تھا۔ ملباری نے  
یہ دونوں چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اور اس صبح میں  
نے زندگی میں پہلی بار غلط کام کرنا تھا۔ ملانی والی جانے  
اور مسکندہ کو بڑا کچھ کر میرے سے صبر نہیں ہو سکا۔ خود  
سوچو یا کر میری عمر کی کتنی بچہ تھا نا۔ میں نے یہ  
کیا کہ بچائے جانے کا کچھ کو دینے کے میں خوف فٹ ہاتھ  
پر بیٹھ گیا۔ اس وقت تو میری نیت چوری کی نہیں تھی۔  
میں نے سوچا تھا کہ ملباری کا جا کر نانا دونوں کا۔ وہ میرے  
کیشی سے پیسے کاٹے گا۔ یہ تو کوئی چوری نہیں ہوئی  
ناخیر تو میں نے وہ چائے پی لی اور وہ مسکندہ کھالیا۔  
یار عبدل میں تیرے کو کیا بتاؤں کہ اس کی لذت کیسی تھی۔  
بہت دنوں کے بعد مجھے بیٹ بھر کر کچھ کھانے کو ملا تھا۔  
اس کام سے منٹ کر میں ملباری کے پاس پہنچ گیا اور  
میں نے اُسے بتلایا کہ میں نے وہ چائے پی لی ہے  
اور مسکندہ کھالیا ہے۔ میری بات سن کر اس ملباری کا  
ماتھا گرم ہو گیا۔

اس کھانے نے میرے پھر سے پر ایک تھڑ مار دیا۔ یار  
عبدل، میں وہ تھڑا بھی تک نہیں بھولا۔ ایسا لگتا ہے جیسے  
میری روت تک کو کسی نے زخمی کر دیا ہو۔ اس پتھر نے مجھے  
آک کی طرح کر دیا۔ مجھے اس وقت سے اپنے جیسے انسانوں  
سے نفرت ہونے لگی ہے۔ یہ سب کے سب ایسے ہی ہوتے  
ہیں سب کے لیے پیسہ بڑی چیز ہے۔ میرا باپ ہوا یا اس ہوں  
کا ملباری، سب ایک ہی جیسے ہیں۔ اس نے میرے پھر سے پر  
تھڑ مارا تھا جیسے مجھے ننگا کر دیا تھا۔ کیا ہم عرب لوگ

اس لیے رہے گئے تھے کہ جس کی مرضی ہو اپنے پھر سے پتھر مار  
نے۔ اس وقت پہلی دفعہ میرے اندر آگ پیدا ہوئی اور  
میں نے میرے ایک گلاس اٹھا کر اس کے سر پر سے  
مارا۔ اس کا سر تو نہیں پھٹا تھا لیکن اسے جوت بہت آئی  
تھی۔ اور یا اس نے اتنا واو لایا، اتنا شور کیا کہ سارا محل  
اکٹھا ہو گیا۔ سب کے سب مجھے گالیاں دینے لگے۔ بار بار کبسا  
دستور ہے۔ آدمی اگر تھڑ کا جواب دے تو لوگ ہاتھ دھو  
کر پیسے کیوں پر مارتے ہیں۔ اس دنیا میں پہلا تھڑا دینے  
والے کو کوئی نہیں دیکھتا کیوں اس کی طرف دھیان نہیں  
دیتا۔ اس ہوٹل والے نے اپنے دوسرے نوکر لوگوں سے مجھ  
بہت مار کھلوائی اور مجھے ہونٹ سے باہر نکال دیا۔ سالی کوئی  
بھی بولی گئی تھی میں جب اس ہوٹل سے روانہ ہوا تو  
اسی وقت سکندہ لگ گیا۔ یار، یہ سکندہ بہت نبردست چیز  
تھا۔ اس کی عمر کچھ زیادہ نہیں تھی لیکن اس نے بہت کچھ  
سیکھ کر کھا تھا۔ وہ بھلا آدھی تھا جس نے مجھے یہ بتایا کہ  
زندگی کس طرح گزارنی چاہی ہے۔ میں جب اپنے فٹ ہاتھ پر  
جا رہا تھا تو اس نے مجھے سے کہہ کر میرا ہاتھ تھام لیا۔

”کیوں دل چھوٹا کر رہے ہو؟“ اس نے کہا۔ میں یہ سب  
دیکھ چکا ہوں۔ تم آؤ میرے ساتھ۔  
”میں کسی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں بیل کو بولا۔  
”کون ہو تم؟ میں نہیں جانتا۔“  
”سب جان جاؤ گے، تم آؤ سو۔“ وہ مجھے کھینچنے  
لگا تھا۔

یار میں اس وقت اتنا ٹوٹا ہوا تھا کہ بس میں جا رہا  
تھا کہ اس سنہرے چلا جاؤں۔ یہ ظالم شہر بھی ہم لوگوں کے  
سہنے کے لیے نہیں تھا۔ لیکن اس وقت سکندہ نے میری  
ڈھارس بندھائی۔ وہ مجھے اپنی کھولی میں لے گیا۔ اس کی کھولی  
اتنا رام رو پر تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ آدمی کی آنکھوں  
میں اگر اس وقت کی آجائیں تو یہ دنیا اور بھی زیادہ رانسی  
کوشش کرتی ہے۔ زندہ رہنا ہے تو کسی کی پروا مت کرو۔  
طاقتو بنو، بس بڑی فائدہ مولو ہے۔ کوئی ایک اسے لے دو۔  
اس کا دماغ خود ٹھکانے آجائے گا۔ بس وہ سکندہ ایسا ہی  
تو کا تھا۔ اس سے ملنے کے بعد میری دنیا بدلتی چلی گئی۔ میں  
نے زندہ رہنے کا بہتر جان لیا۔ سکندہ نے سب سے پہلا کام  
یہ کیا کہ ہم دونوں کو اپنی کھولی میں اٹھا کر لے آیا۔ پہلے تو  
میں نے کھولی ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ اس کے بعد ایک کھولی مل  
گئی۔ اس کھولی میں جگہ تو بہت کم تھی لیکن سکندہ کا دل

بہت بڑا تھا ماسمندر کی طرح پھیل رہا تھا اس نے مجھے لڑائی کے بہت سے گڑبڑاتے چاقو چلانے کا تھوڑا بہت ہاتھ سکھایا پھر سب سے پہلا نشانہ ہم نے اس مبارک کو بنایا تھا تو میں یقین نہیں کرتے کہ اس کا گھر میں نہ رہے سب سے پہلا نشانہ جو وہ برس کی عمر میں مارا تھا اور اسی مبارک کے ہوش میں ڈالا تھا۔ اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کی حسرت تو پوری نہیں ہوئی تھی کیونکہ وہ اس وقت وہاں نہیں تھا لیکن ہم دونوں نے جی بھر کر اس کے ہوش کا کیا ڈنکا دیا اس کا سارا لکیش لوٹ لیا۔ سارا فریخہ توڑ ڈالا پھر ان پسوں سے خوب عیاغی کی۔ جی بھر کر کھینٹے کھائے کھینٹے کھائے، ایسی بھی بڑی زندگی میں پہلی بار کھینٹیں تھیں اور اس وقت مجھے پتہ چلا کہ انگریز کچر اچھٹے میں لگا مارا تو خود کچر کا دمیر بن جاتا ڈنگا۔ اس وقت سلیم بھی اچھا خاصا سمجھتا ہو چکا تھا۔ اس کو بھی مل گئی تھی۔ اور کبھی کبھی میں اسے بھی اپنے ساتھ لے لیا کرتا تھا۔ اسے بھی یہ سب دیکھ کر بہت مزہ آتا تھا۔

پھر ایک دن میری زندگی نے ایک اور بڑا کھایا۔ حالات بھی ایک جیسے نہیں رہتے۔ ہمیشہ ہلے رہتے ہیں۔ پل میں رقی بن پل نامہ۔ اسی شمار وہ ایک بارک تھا جسے کبھی میں اولیئم اس پارک میں جیل جاتے تھے جبکہ سکندر تو بادشاہ تھا۔ نہ جانے دھرم کیا کرتا پھر بڑا تھا۔ البتہ رات کو کھانے کے وقت وہ ہر حال میں واپس آ جاتا تھا ان میں اس پارک کی بات بتا رہا تھا۔ وہاں ایک بڑا کھانا کھاتا تھا۔ وہ بڑھا تو تھا لیکن اس کے بدن میں جان بہت معلوم ہوتی تھی۔ وہ مجھے بہت غور سے دیکھتا کرتا تھا نہ جانے اس نے مجھ میں ایسی کون سی بات دیکھ لی تھی کہ میں جب کبھی پارک میں جاتا وہ دیکھنے لگتا۔ پھر ایک دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں بھی سلیم کو ساتھ لے کر اس کے پاس پہنچ گیا جہاں وہ روزانہ کھانا کھاتا تھا۔

”کیا بات ہے بابا؟“ میں نے اسے پوچھا۔ مجھ سے کوئی کام ہے کیا؟“ ”ہاں! اس نے اپنی گردن ملا دی۔ تم کوں ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟ تمہارے کھولے کہاں ہیں؟ یہ دیکھنا کون ہے؟“ ”خبر کیا بات ہے؟ میں اس کے سوالات سن کر چونک پڑا تھا۔ مجھ سے تمہارا کیا لینا دینا۔ یہ سب پوچھ کر تم کو کیا کرنا ہے؟“ ”تم پہلے بتاؤ تو سہی؟“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ مجھے تم اپنا دوست ہی سمجھو شاید میں تمہارے کسی کام آ جاؤں؟

یاد عبدل، پوچھی زندگی میں یہ سکندر کے علاوہ دوسرا آدمی تھا جس نے مجھے انسانی سمجھ کر باتیں کی تھیں۔ ورنہ جسکو دیکھو تو گالیاں دینے اور تھپڑ مارنے کے لیے تیار رہتا ہے اس لیے اس کی باتیں سن کر میری دل بھر گیا۔ سوچا کہ اس بوڑھے کو اپنے باندے میں سب کچھ بتا دوں۔ بوڑھا آدمی ہے یہ میرا کیا کرے گا۔ یہ سوچ کر میں اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور میں نے اسے ساری کہانی سنائی۔ وہ بے چارہ بڑی ہیر اور دلچسپی سے میری کہانی سن رہا تھا۔ پھر میرے پپ ہر جانے کے بعد وہ بولا ”جینے نہیں دیتے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم کس طرح اپنی زندگی گزار رہے ہو۔ اس لیے میرا بچپن بھی تمہارے جیسا ہی تھا۔“

پھر اس بوڑھے نے مجھے اپنے باندے میں بھی بہت کچھ بتایا۔ وہ ایک پاری بوڑھا تھا۔ اس کا نام فیروز ہوشنگ تھا۔ اس نے اپنا بچپن بہت غریبی میں گزارا تھا۔ لیکن اب اس کے پاس بہت سی دولت آگئی تھی۔ اس نے شادی نہیں کی تھی۔ بالکل اکیلا تھا۔ اس نے مجھے در سلیم کو اپنے ساتھ ہٹنے کے لیے بولا لیکن نہ کہ وہ تو سب سے پہلا ہوا تھا ہر جگہ پیسے کی طاقت دیکھنا آتا تھا۔ ادب پر مجھے کھرا ہوتا تھا کہ علم بڑی طاقت ہے۔ یار یہ کیسا کھیل ہے۔ ہر آدمی کی سوچ تھی الگ الگ کیوں ہوتی ہے۔ پہلے دن تو میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور جب سکندر رات کو واپس آیا تو اسے سب کچھ بتا دیا۔ سکندر تو بہت حیران ہو گیا تھا۔ یہ فیروز ہوشنگ کو جانتا تھا۔ اس نے کہا وہ تو بہت بڑا آدمی ہے۔ لکھتی نہیں بلکہ کوڑ پیتی۔ اگر کسی کو ایسا چانس مل جائے تو فوراً ہاں کر دینا چاہیے۔ یار دل تو میرا بھی چاہ رہا تھا کہ بڑے سے مکان میں رہوں۔ بڑی سی گاڑی میں گھوموں۔ اچھے اچھے کھانے کھاؤں، اچھا ڈانس سینوں، لیکن میں سکندر کی دیر سے چپ رہا تھا۔ اگر میں سلیم کو لے کر اس کے پاس چلا جاتا تو سکندر کا دل ٹوٹ سکتا تھا۔ اسی لیے میں نے اسے شہرہ کر لیا۔ اس نے فوراً ہاں بھی کہی تھی۔ یار وہ ایسا ہی آدمی تھا۔ دل کا سمندر دوستوں کی خوشیوں میں خوش۔ میں نے کہا ابھی کہ ہم اس کو چھوڑ کر نہیں جاسکتے لیکن اس کا کہنا تھا کہ آدمی کے دروازے پر چائیں صرف ایک مرتبہ آتا ہے۔ اس کو فائدہ اٹھانا لینا چاہیے۔ اُدھر وہ ہوشنگ بھی ہمارے پیچھے ہی چلا گیا تھا۔ پھر ہم سکندر سے الگ ہو کر اس کے پاس آ گئے۔ یار کیا بتاؤں، وہ باپ تو نہیں تھا لیکن اس نے ایک باپ کی طرح میں اپنے سینے سے لگا کر کھرا اس نے میرے اور سلیم کے

بچانے والوں کا بندہ بست کر دیا پھر ہم دونوں کو ایک اسکول میں بھیج دیا۔ میں وہاں سے ہماری نئی زندگی شروع ہو گئی۔ کیا بتاؤں، کیسا مکان تھا اس کا کیسی گاڑی اس کے پاس، کیسے کیسے کھانے ملتے تھے اس کے ہاں، اپنی بات تو یہ ہے کہ میرا دل نہیں گنا تھا۔ ایسا لگتا ہے جادوں طرف سے ہوا نہ ہوئی ہو۔ مجھے کبھی کبھی یہ غصہ بھی آتے لگتا تھا۔ اس نے خواہ مخواہ ہم لوگوں کو باپ کے پکر میں چسپاں دیا تھا۔ میں تو زیر گزائے جاتا۔ میرے سلسلے بڑا آدمی بننے کی خواہش تھی، لیکن سلیم کو نہیں تھا۔ وہ بہت اکسارتا تھا۔ وہ کہتا رہتا تھا ”لوگ وہاں سے چھوٹ لیں۔ اسے ایسی زندگی پسند نہیں

پھر ایک دن میں بھی اس کی باتوں میں آ گیا۔ میں نے اصرار کرتے کرتے گرام بنایا۔ یہ لوگ کیا تھا اس راتوں رات سے نکل جاتا تھا۔ ہم لوگوں کے واسطے جو کچھ دیا گیا تھا ایک ٹکڑی باہر بارش کی طرف کھنی تھی۔ ہم نے یہ سوچا تھا کہ ہوتے ہی ہم دونوں اس کھڑی سے چلا نکل کر آکر۔ لیکن اس بوڑھے کو پتہ بھی نہیں تھا کہ ہم کہاں آ رہے ہیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہم سکندر کی کھولی کی طرف چلی جائیں گے۔ جو سکندر اس بوڑھے کو سکندر کی کھولی کا نام تھا۔ رات کو اپنے کمرے میں آ گئے اور اس وقت سلیم نے طرف ایک تھیل بڑھا دیا یہ تھیل اس نے مہر کی کے چلا رکھا تھا۔

یہ تو بھائی؟ وہ مجھ سے بولا۔ یہ ہمارے کام ہے گا؟ لیسا اب اس میں؟ میں نے وہ تھیل اس کے ہاتھ سے

چرمی نے جب اس تھیل کو کھول کر دیکھا تو بار بار کیا بتاؤں لڑا اس میں اتنے نوٹ بھرے ہوئے تھے جتنے نوٹ ہادی زندگی میں نہیں دیکھے تھے۔ لال لال نوٹوں اور نقیص اس میں۔

”بھائی سے لایا ہے تو؟“ میں نے سلیم سے پوچھا۔ ”لے لے یہ اس بوڑھے کی گاڑی سے لیے ہیں بھائی؟“ ”نہ بتاؤں اس طرح ہم لوگوں کے پاس بھی پیسے ہیں۔ دن بھر کبے نا؟“

کو دے گئے۔ وہ تھیل میرے ہی پاس تھا لیکن ابھی چل کر تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بوڑھا کسی جین کی طرح ہمارے شانے پر کھڑا ہو گیا۔ اس کو سلسلے دیکھ کر کچھ بات تو یہ ہے کہ کم دونوں ہی گھبرا گئے تھے۔

”میں تمہیں مانے سے نہیں روکوں گا“ اس نے کہا۔ لیکن مجھے کم سے کم اس امر ذرا دو کر اب میں کسی کے ساتھ بھلائی کروں یا کروں؟ یار عبدل اس کی بات سن کر مجھے ایسا لگ گیا جیسے کسی نے گڑھا کھود کر مجھ میں اس میں پھینک دیا ہوا اور اوپر سے طعیر سی مٹی ڈالی ہو۔ زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے شرمندگی ہوئی تھی۔ اس سے پہلے مجھے غصہ آتا تھا کسی سے نفرت ہوتی تھی لیکن کسی سے شرمندگی نہیں ہوتی تھی۔ میں نے گردن ہیشہ اوجھائی تھی لیکن کاش! اس ناظم فحش کی بات نے میری گردن جھکا دی میں نے لوٹوں سے عورادہ کھینچ لے جا کر اس کے پیروں پر رکھ دیا۔ اس پر اس نے مجھے گلے سے لگالیا۔ یار وہ بھی عجیب آدمی تھا۔ سمندر کی طرح بڑا۔ اور ماں کے مانند بہران۔ وہ ہم دونوں کو واپس لے آیا اور سب کچھ بھول گیا۔ اب عبدل تم ہی بتاؤ، ایسا کون ہو گا جو سب کچھ بھول جائے۔ لوگ نئی تو بھول جاتے ہیں لیکن بڑائی کوئی نہیں بھولتی۔ اور وہ آدمی ایسی تھا جس نے ہم لوگوں کی بڑائی کو بھلا دیا۔ ہم اس کے پاس واپس آ گئے۔ پھر ہماری زندگی کا نیا دور شروع ہو گیا۔ ہم نے پڑھائی کی۔ خوب پڑھا کی۔ ایک باپ مل گیا تھا۔ اچھا نہ نہیں لیکن تھا تو وہ باپ کی طرح۔ اور سال یا باپ ہونا کیا ہے۔ یار۔ یہ تو محبت کے رشتے کا نام ہے جہاں سے محبت ملے وہی ہمارا باپ۔ اس نے محبت دی اور ہم نے اسے باپ سمجھا شروع کر دیا۔

لیکن یار وہ اپنا بھلی سلیم لائن پر نہیں آیا۔ مجھے نہیں معلوم کس کی عقل پر پردے کیوں پر نہ گئے اسے غرض اگر ہم ابھی نہیں جانتا تھا۔ سلیم نے اچھا نہیں لگتی تھی۔ اچھا سنہرا ماحول آسے پسند نہیں تھا۔ لگتا تھا وہ کچھ گھر سے چلا آیا ہے لیکن کچھ اپنے ساتھ نہیں لایا ہے۔ اس نے آوارہ گردی شروع کی۔ سارا لٹیکٹ لوگوں کی صحبت میں اٹھنے بیٹھنے لگا۔

ایک شام میں نے اسے روکا تو وہ مجھے انکھیں دکھانے لگا۔ یار اس سے بڑا سمندر کیا ہو سکتا ہے تم خود ہی سوچو میں نے اس ساتھ کیا کوئی نہیں کیا۔ دن دن مجھ پر چٹا شام ہوتے ہی اس کے لیے روٹی لایا۔ اس کو زندہ رکھا لیکن ہو گیا۔ وہ میرے سامنے دونوں انکھیں نکال کر کھڑا ہو گیا۔ پھر پٹی مرتبہ جس پر اتنا غصہ آ گیا کہ میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ پھر پٹی کھڑے ہو کر بولا تو کچھ نہیں لیکن اسی رات نہ جانے کہاں چلا گیا۔ وہ تو چلا گیا

ایک کر کے، چن چن کر نیت و نالود کر دے گا۔  
 ”تم نے اپنے بھائی سلیم کا پتہ چلانے کی کوشش نہیں کی  
 عدیل نے پوچھا۔

”کیوں نہیں کی تھی بار بیت کو توش کی؟“ دادر نے کہا۔  
 ”میرے ساتھ نہایت وہ لے جا رہا ہوشنگ بھی خوار ہو گیا۔ لیکن  
 سی نہیں۔ اب آدمی کہیں غصہ نہ کر بیٹھ جائے تو اسے کیسے  
 چاٹتا ہے۔ جب کرکشی میں تنگ لگا کر چھوچا ہو کر بیٹھا  
 کو دوری رشتہ دار پر دیر ہے۔ ایک منٹ کا، دو (الفن)  
 قیمت کا رشتہ تھا بار میں اسے یہ عمل نکلتا تھا اس کے  
 کے علاوہ میرے پاس رشتہ نفرت کے تھے۔ مجھے سب  
 تھی۔ لڑی وٹا سے نفرت۔ اس معاشرے سے نفرت  
 آدمی سے نفرت، جو اپنے سے کمزور کے منہ پر تھکا رہا ہے۔  
 کام کرنے کے بعد شام کو دوری دینے میں بھی کھلا کر  
 کے چپ میں پیہ آجائے تو اس کی آنکھوں سے دھڑکن کی  
 ہوا جاتی ہے جس کی گردن اکڑا رہی ہے۔ ایسے لوگوں کی جگہ  
 پیہ نہ لگنے اور ان کی اکڑی ہوئی گردن کو توڑنے کے لیے  
 بنا ہے۔ بلبل، یہ جو بیا کر رشتہ ہوتا ہے، نا، یہ سب سے  
 ہے۔ اس میں صرف دوسروں کے انصوبہ جائے ہیں۔ دور  
 دکھا جاتا ہے۔

ٹڈا کر دیا دیتے وقت یہ نہیں سمجھا کہ اس کا مرنے والا  
 یہ مسلمان دودھ دونوں کو دیا دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اس کی بہ  
 ہے اور ایک اچھے انسان کی بیوی بیٹے یہ کہ دوسروں  
 ان کی مدد کرے یہ خوشگامی اور اچھا انسان سمجھا  
 مثال نہیں ملتی۔ یہ کہ اس کی عزت کی علامت تھا  
 نے زندگی میں حق دہستوں کا احترام کیا ہے۔ ایک مال  
 دوسرا رنگ کا بس باقی ان کے علاوہ سب لوگ جھوٹے  
 معاشرہ جھوٹا ہے سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک دودھ  
 دیکھ کر دیتے ہیں۔

۵ تا تو کیم کہ تم شیکار استاد و مولود نے ایک کبوتر  
لی۔ اس پر تو کام رہ کر یہ دنیا پہنچے کا میرت ہے۔ اٹھا  
پچھے بھاگ رہا ہے۔ ایدھر بھیجی میں لکھی کسی کو میر  
اس دن دنیا میں ہونگے جسے نئے لوگ بھی میں جہاں  
پارسی بابا میرے لیے سب کہتا تھا۔ مجھے اپنے سے بیٹے کی طرح  
تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنی ساری جائیداد میرے ہاتھ  
معلوم کہتے پتے پتے اس کے پاس؟ چپاس لاکھ رو  
کے پاس۔ پورے چپاس لاکھ۔

ہی اولاد استاد؟ عبداللہ کی مائیں رنگین ہو گئیں۔ یہ کچاس لاکھ،  
پہرے باب؟ اتنا پیسہ! ایک منڈن استاد تہذیبات سے اپن کا  
چشمہ لہا ہے۔ تم لو! ادھ ہارس یا تیرے کو کچاس لاکھ دے دے  
خاؤ۔ وہ کچاس لاکھ روپیہ کرھ گیا استاد۔ حق کو نوہ۔ البتہ بولاکھ  
بانی اولاد! ساسم اڑا تو ان کوٹنے میں اوم چڑھتا ہے کیا؟  
میں نہیں بتا تاہوں کہ اس دولت کا کیا ہوا۔ ٹھٹھک کے مرتے  
اس کے مکان پر اس کے شے داروں کی بیوی جمع ہو گئی۔ یہ تھرتھار  
میں کہیں سے آگئے تھے۔ ایک سے ایک۔ اونچے سے اونچا۔  
بق ٹھٹھک کی زندگی میں کوٹھنی کھائی نہ تھیں۔ دیے۔ لیکن اس  
تھی پیسے آئے، انہوں نے سوچا کہ اتنی سادگی دولت سے غیر  
کئی کو قسبت مڑا ہوگا۔ اس دولت کو با نانیں چاہیے۔ لہذا  
موتوں نے مجھے ایک جھوٹے پکڑ میں پھنسا دیا۔ اس وقت میں  
کچھ کر شریف بن چکا تھا۔ مجھے با ریت اچھی نہیں لگتی تھی۔  
میں سستے سے بات کرتا تھا۔ مزہب آدمیوں کی طرح چلتا پھرتا تھا۔  
میں زبان استعمال کرتا تھا۔ اسی لیے میں ان موتوں کا کچھ نہیں

دلیسے ہیں یہ، خوبت بھی یا بہت وادیاں ہیں لیکن کسی نے  
 ایک ہی سنی۔ ان کا کہیں ٹیکہ بھی بہت دھڑکی تھا اس  
 سے کہیں میں اپنی جان بٹاؤ دی اور مجھے جیل جا پڑ گیا۔ ٹیکہ ہی  
 یہ کہ جیل گیا کہ بوشنگ کی ساری بارگاہی دولت بھرتے  
 میں بالکل خالی ہاتھ رہ گیا۔ مجھے ایک سال کے لیے جیل  
 دیا گیا۔  
 ٹیکہ بھی میں سو فیصد بولوں ان لوگوں نے یہ اچھا کیا تھا  
 ان کا غم غم کی سوچ کہ میں جیل میں جاتا تو میرے پاس  
 نہ تھا نہ کہلے آتا۔ یہ دیکھا بھی کسی کو زیادہ دلوں کی شریف  
 ہرے دیتی۔

جیل میں جا کر جہاں نے ساری مشرفیت پر رشور کر دی وہی ہے  
 کہ جیل کے باہر رہ کر کیا تھا اور بہت کچھ جیل کے اندر کیے لیا۔  
 وہ لکھی موقع ہاتھ سے مانے نہیں دیا کیونکہ رہنا بہت مشکل  
 بلکہ کرکڑی کیوں کر لیے آدمی کا کفن اس سے قدامت پرور کو  
 اسے رازوں کی ترغیب دیتے ہیں کہ کہنے پر چلے ہوئے  
 میں یہی رازیں نہ کہ طرح سرائیت کرنی بل جاتی ہیں، میں نے ایک  
 دن اپنا جیل میں گزارا وہاں ایک سے ایک میز اسٹاڈ اپڑا رکھا تھا۔  
 یہ مثال فوجی مذکور کی کسی محفل جسے دشمنوں سے مقابلہ کرنے  
 کے لیے ترقیم کر کے ٹینک دی جاتی ہے۔ پورا جیل میرا بل ٹریننگ  
 پر تھا، وہاں اسٹاڈوں نے مجھے خوب خرطہ کے دوران کچھ کرنا

دیجئے۔ وہاں اسلادو کا ایک اسلادو سائن کا نام لکھتے ہیں  
معلوم مگر قیدی اسے ملک باہر لے گئے، وہ ایک عاشق بیچ اور  
عیب شخص تھا۔ بہت کم بات کرتا تھا۔ زیادہ تر سڑک کے ایک کونے  
میں عاشق پڑا رہتا تھا۔ وہ کسی قیدی کے معاملے میں مداخلت نہیں  
کرتا تھا۔ میں نے اسے تو اسے ایک نشست اور کابل شخص سمجھا تھا۔ ایسے  
بزرگوں لوٹھے، مہنگی کسٹریکوں پر بیٹے ہیں، کام کے راج کے پیش  
انام کے مسگر لیں، صلح معلوم ہو کہ وہ لوٹھا سڑک کراچ قاتلوں اور  
پیسے کی طرح بیچتا تھا۔ پونا نجل کے محافظ بہت حرامی تھے۔ بات  
بلے بات پر قیدیوں کو مری طرح مارتے تھے۔ ایک دفعہ محافظ ایک  
بزرگ کو مار رہے تھے کہ کچھ سے برداشت نہیں ہو رہی اور میں نے ایک  
زندہ اور گھونٹہ محافظ کے منہ پر رسید کر دیا۔ اس پاداش میں مجھے ایک  
بیسے کی قید تہائی سبکدستی پڑی اور پھر بڑوں کی ماراگ کھائی پڑی  
یہ قید تہائی بھی ایک مذہب سے کم نہیں ہوتی۔ آدمی کو پاگل بنا دیتی

لوں کچھ لو کہ آدمی کو اگر بازو رکھ کسی کنوئیں میں لٹکا دیا جائے تو اس کا کبکب جھڑک ہوگا؟ یہ سزا ایسی ہی جہنمی ہے۔ دلی کرتا ہے کہ کہ وہ باروں سے سر جھکا کر مر جائے۔ موت آج آئے۔ تم نے کسی خوشنویس کو بدن پر جلتا ہوا محسوس کیا؟ ایسی ہی چیزیں دلوں میں غائب ہوتی ہیں۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں لاشوں کی زندگی میں غائب ہو جاتی ہیں۔ آدمی بولنا بھول جاتا ہے لیکن میرے ساتھ یہ ہوا کہ یہ سزا صرف ایک ہفتے کی تھی۔ ایک ہفتے کے بعد مجھے عام برسرک میں بھیج دیا گیا اور وہیں ٹھہر گیا۔ وہاں وہ لوگ اسی طرح استقامت سے موجود تھے۔

یہودی بڑھاپا تھا جسے نمازوں کے باغیر نہیں دیکھ کر میں منتقل ہو گیا تھا اور میں نے ایک زوردار گولہ مارا کہ اس ذلیل نماز کے دودھات ٹوڑ دیئے گئے۔ وہ عجیب و غریب بڑھاپا تھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس پوری جیل میں میرے جیسا جوان کوئی اور نہیں ہے۔ یا رب عبدہ! ایک الیا آدمی تھا جس نے مجھے جان کر دیا تھا۔ (اس کی یہ بات انوکھی نظر)۔

اس نے مجھ سے کہا کہ یہ جیل اس کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ باب چاہے اس جیل کو توڑ کر جا سکتا ہے لیکن وہ کس کے لیے جا سکتا ہے اس کا تجھے کچھ بھی نہیں تھا۔ بس یہی جیل اس کے لیے سب کچھ تھی۔ وہ ہندوستان کا بننے والا نہیں تھا۔ ادھر افریقہ سے آیا تھا۔ بہت پہلے ادھر چلا گیا تھا۔ اس نے ادھر ایسا ایسے کام کیے کہ آدمی کو عقل دگر رہا تھا۔ وہ ہندوستان ایک آدمی کو رہنے کے لیے آیا تھا۔ اسے غم کرنے کے بعد وہ بے کار ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

لیکن میں نے لڑھے کو نہیں چھوڑا۔ اس کے ساتھ چیک پکارا۔ اس نے مجھے بہت پرہیزا بہت کچھ سکھایا۔ آج میں تب تک ایک عجیب بات بتا رہا ہوں عبدل۔ ایسی عجیب بات تم نے پہلے بھی نہیں سنی ہوگی۔ میری شخصیت و محنتوں میں بگ ٹی ہے ہر آدمی کا ایسا ہی ہوتا ہے۔ لیکن میں وہی شخصیت کا حامل ہوں۔ میرے وجود میں دو دلوں میں، اچھا، ایک اور پرہیزا کا دور ہے ہوشنگ نے علم کی کھٹی میں پکا کرکڑہ نکلیا یہ دور انتہائی مذہب اور خوش اخلاقی، خوش لباس، خوش گفتار اور خوش اطوار ہے۔ روانی سے انگریزی کو لوتا ہے، ادب، آرٹ، سیاست و دیگر میں وسیع معلومات رکھتا ہے، اعلیٰ سوسائٹی کی گرمی قربات میں اپنی دلچسپ شخصیت سے صحرا کو گرم کرتا ہے۔ اس کے قطعی ریکس دو سرا اور بے صحت پر فٹ پانڈ کی زندگی کی چھاپ گئی ہوئی ہے۔ فٹ پانڈ کے کوڑوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ ان ہی کی طرح لوتا ہے۔ یہ دور ٹرے سے بڑے بدعاش سے بھی نہیں ڈرتا بہترین سوغہ بندی سے ڈانکے مارنے کا ماہر ہے۔ لڑھے بھیلے نے اور مرنے مارنے سے بالکل نہیں گھبرا تا۔ جان بھیلی پر رکھ کر بڑے سے بڑا کام گرم کرتا ہے اور اس اور کو روپے ہندوستان کے بدعاش اور مجرمان کے گروہ کو مارنے کے نام سے مانتے ہیں۔

مگر بڑا کا نام سننے پر ان کے چہرے فق و جھلنے میں آبرو  
 ٹانگیں خون سے لگی پائے گئی ہیں۔ داد کا یہ دوسرا روپ بہت  
 خوفناک ہے، بلبل، اس داد کو بہت سے قہر سے پکڑنے ہیں۔  
 اسے اپنے باپ سے بدلہ لینے کے خاکہ بندی کی خاطر اپنی غمت  
 کش بیڑی اور دو بیڑوں کو کٹ پھینک گیا تھا۔ مگر کورا کو اس  
 حراقہ قہر سے نشہ ہے جس کی وجہ سے اس کی ماں نے گھر چھوٹی  
 اور کڑھ میں جتا کر کھڑا کھڑا میڑیاں رگڑ رگڑ کر مری گئی تھی۔  
 کورا کو بہت سے چہرے مسخ کرنے میں بہت سے امتوں کو  
 توڑنا ہے جو برسوں سے ظلم و جبر کا نازا لگ رہے ہوئے ہیں۔ کورا  
 کو اس منہ کی مٹی پیدا کرنے ہے جس نے کس داد کو کھلیا تھا پٹر  
 مایہ کھانتی کی سمیت کا کاسا دلایا تھا۔ کورا کو اس لمبا کی  
 زندگی اجیرن کرنی ہے جس نے معصوم اور بے گناہ داد کو دوسرا حق پٹر  
 ماکے اس کے دل میں دولت کی سمیت کو آجا کر کیا تھا۔ یہ دوسرا  
 داد بڑے لوگ کورا رہتے ہیں۔ یہ رجم و جلا و صفت اور بے حد سفاک  
 ہے۔ تم اس دوسرے داد کو اچھی طرح جاننے جو عبد اللہ کورا کے  
 سینے میں جو دیر اور پھاٹکا، بزدل اور بے وقوف داد ہے، ناسا کورا  
 کو بہت تنگ کرتا ہے۔ اسے اپنے طرح کا بزدل اور ڈر کوک بننے  
 پر اکساتا ہے مگر کورا اس کی باتوں میں کبھی نہیں آئے گا۔ وہ اپنے  
 دشمنوں کو معاف کرنے کی حماقت کبھی نہیں کرے گا۔ وہ ان کو ایک

کیونکہ اس پر ہلکے مارا اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے ایک مشتق کے ذریعے اپنے بدن کو پتھر میں کر لیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ جب چاہے اپنے بدن کو پتھر میں بنا سکتا ہے۔ اس پر کسی کی مار کا اثر نہیں ہو سکتا۔ اس نے مجھے تجربہ بھی کروایا۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایک کھڑکی دی اور کہا کہ اپنی مرضی سے جہاں جی چاہے مارو۔ پہلے تو میں نے انکار کر دیا لیکن جب اس نے امر کیا تو میں نے وہ کھڑکی پورے زور سے ساتھ کھسک کر اس کی کمر پر مار لی۔ لیکن یہ ہوا کہ کچھ بھی نہیں۔ وہ کھڑکی ٹوٹ گئی لیکن اس پر زور سے پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ فولاد تھا۔ فولاد۔

وہ بہت بڑا آدمی تھا۔ عدل، ایسا آدمی اگر چاہتا تو پوری بمبئی میں آگ لگا سکتا تھا۔ لیکن وہ پتھر پر ہل چل نہیں سکتا تھا۔ اس سے میری دوستی ہو گئی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اب اس کا دل ٹوٹ گیا ہے۔ اس لیے وہ کچھ بھی نہیں کرتا۔ کسی سے کچھ نہیں بولتا۔ اپنے آپ کو چھپا کر رکھتا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ افریقہ میں اس کا نام کیا تھا؟ افریقہ میں اس کا نام تھا کوربرا۔

”کوربرا“۔ عدل جو کچھ پڑا۔ لیکن استاد یہ تو وہ کچھ کہتے کہتے تنگ گیا۔

ہاں۔ ہاں۔ اب تو میرا نام ہے۔ کیونکہ اس نے مجھے اس نام کی اجازت دے دی تھی۔ یہ میرے بازو پر جو کوربرا لکھا ہوا ہے۔ نا۔ یہ بھی اس نے گودا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کوربرا ایک خاندان ہے۔ ایک سلسلہ ہے۔ اور اس میں بہت خطرناک اور بہادر لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اور اسے اس بات کا دھوکہ تھا کہ وہ اپنے خاندان کا آخری کوربرا تھا۔ اس کے بعد پھر کوئی کوربرا نہیں ہوئے والا تھا۔ لیکن پھر جب میں نے اس کی بہت خدمت کی تو اس نے مجھے کوربرا بنادیا۔

اس نے میرے بازو پر کوربرا کی صورت میں بنا دی۔ اس نے بتایا تھا کہ ان کے سامنے والے افریقہ میں بہت ہیں جو میرے دو بڑے کی طرح پوجتے ہیں۔ اگر میں بھی ان لوگوں کے پاس جا کر اپنا نام بتاؤں اور یہ نشان دکھاؤں تو وہ لوگ میرے لیے جان کی بازی بھی لگا دیں گے۔

مجھے کوربرا بنانے کے بعد وہ مجھ پر مہربان ہو گیا۔ وہ تیسرا آدمی ہے جس نے مجھ سے نفرت نہیں کی بلکہ محبت کی۔ اس نے مجھے لڑائی کے گھر سکھائے۔ چاقو چلا سکھایا۔ نشانہ بازی سکھائی۔ جیل میں تو یہ سب بندوبست نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے چاقو کا کام ہم لوگ کھڑکی کے ایک کھڑکے سے لیتے تھے۔ اور نشانہ بازی کے لیے اس کے میرے ہاتھوں کو تربیت دی۔ کہ نشانہ ڈالنے کا چھپا ہوتا ہے جس کی آنکھیں اور ہاتھ دونوں قابو میں ہوں۔ اس کے

علاوہ اس نے جیل ہی میں مجھ سے اتنی محنت کروائی کہ میں بھی اس طرح کا فولاد بن گیا۔

یاد عدل! میری زندگی میں تین باپ آئے۔ پہلا باپ وہ جس نے فٹ پاتھر پر ڈال کر مجھے نفرت کرنا سکھایا۔ دوسرا باپ ہرننگ تھا۔ اس نے مجھے علم کے ذریعہ سے آراستہ کیا۔ اور تیسرا استاد کوربرا تھا جس نے ہنر سکھایا۔ استاد نے مجھ کو آدھے ساتوں کی مشق پڑھا کر لے جو حضور جوڑو۔ کاسٹنگ ماسٹر ہنر تیرنے کا ہنر۔ دیوار توڑنے کا کام۔ اس کے لیے کیا نہیں کر اس کی وجہ سے مجھے بھی شوق پیدا ہو گیا۔ میں دن رات محنت میں رہتا۔ میں نے رات کو رات اور دن کو دن نہیں سجا۔ وہ کچھ میں کسی وقت شروع کر دیتا۔ اس نے بتایا کہ مجھ کے سنے کا طریقہ ہے۔ پیاس کی طرح بڑا اشتیاق کرتے ہیں۔ گندہ کی طرح ڈالتے ہیں۔ مزہ دیکھوڑوں کو کس طرح قابو میں کر سکتے ہیں سچ کہتا ہوں اگر یہ باتیں وہ مجھے جیل سے باہر سکھاتا تو میں دوسرا مارٹن ہوتا لیکن اس کے باوجود اس نے جو کچھ بھی وہ آج تک میرے کام کر رہا ہے۔ یہ مارا ماری، یہ پھرتی، یہ کھا پیس کچا کسی کا کرم ہے۔ اس نے مجھے زندہ رہنے کا اصول

کہ وہ کر زندہ رہت ہو۔ اور جو کچھ دل میں ہو اسے کہہ دو۔ نفرت محبت کو چھپانا نہیں چاہیے۔ اگر نفرت ہو تو دل اور نفرت بنا دو۔ اب تنگ میں نے اسی اصول پر کام کیا ہے۔ اور آئندہ رہوں گا۔ اس کے میرے لیے پورا ایک سال کھا دیا۔ تین ہر اور ہر دن اس نے مجھے ایک نئی بات سکھائی۔ ایک نیا ہنر جیل جانے سے پہلے بہت کم ہوتا تھا۔ مانی کے پٹے کی طرح۔ ذرنگا تو سب کچھ ختم ہو کر کچے آجائے والا لیکن جیل میں کرانے مجھے نذرانہ بنا دیا۔ نہ ڈھنسنے والا فولاد۔ ایک سیالہ جیل گیا کہ میں جب جاؤں اس جیل سے جا سکتا ہوں۔ مجھے والا کوئی نہیں ہوگا۔ جیل کی اونچی دیواریں میرے لیے کوئی آ نہیں رکھتی تھیں۔

یار! اس نے تو میرے بدن میں آدھی اور طوفان ہوا اس کا کہنا تھا کہ انسان کے پاس طاقت ہونی چاہیے۔ دوسرا زندگی بے کار ہے۔ یہ طاقت چاہے پیسے کی ہو۔ چاہے دھار یا چاہے دن کی ہو۔ اور میرے پاس دو طاقتیں ہیں۔ بدن کی اور دماغ کی طاقت۔ اس استاد نے مجھے ایک نئی زندگی دے دی۔ استاد کوربرا کا احسان ہے کہ میں اب اس دنیا کی بڑی سے طاقت سے بھی نہیں گھبراتا۔ اس نے مجھے ناقابل تخریب بنا دیا۔ ہنر میرے سینہ میں! انکر مار کر انکھیں بند کر لیں۔ یار اس دنیا کے

پھر کوئی ایسا پناہ دھوکہ کر چلا جاتا ہے تو اس کا شوم بھی تھا۔ اس نے مجھے دکھایا اور چلا گیا اس دن میں بہت دیر تھا۔ ہرننگ کے بعد میرا دوسرا باپ مرا تھا۔ اور کوئی مجھ سے اتنی محبت کرنے والا نہیں ہوگا۔ کوئی اتنے پیار سے سکھانے والا نہیں ہوگا۔ یار وہ مر گیا تو میری سزا کی موت بھی ختم ہو گئی۔ بالکل حساب کتاب والا معاملہ تھا۔ ناپ تول کا پورا ایک سال۔ پھر جب میں جیل سے باہر آیا تو اور کوربرا بن چکا تھا۔ میں نے اپنا علم اور اپنا ہنر بھر لپیٹ کر ایک طرف لٹکھ دیا کہ یہ سب سینے کی آگ ٹھنڈی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھ میں وہی فٹ پاتھ والا اور ہو گیا۔ استاد کوربرا نے مجھے ایک بات بھی بتائی تھی کہ اگر سینے میں کوئی چیز لپکی نہ گئے تو اسے کھانا نہیں چاہیے۔ آدمی سست پڑ جائے تو اس کے سامنے مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ قصہ میری تو زندگی ہے۔ اگر کسی سے نفرت کہے تو اس کی نفرت کمر وقت تازہ رکھو۔ دل ہی دل میں دھڑکتے ہو۔ یاد کرتے رہو۔ اگر نفرت کسی آدمی سے ہے تو اس کا چہرہ ہر وقت اپنے دھجیان میں رکھو۔ اس کے چہرے پر غور نہ کرو۔ یاد رکھو کہ اگر تم نے ایک دن بھی ایسا نہیں کیا تو یہ آگ ٹھنڈی ہوتی جاگے گی۔ میں نے اس کی یہ بات بھی اپنی گڑ سے باز نہ لی ہے۔ میرا دشمن تو دعا شر ہے۔ یار! یہ سب قبو لے لو۔ معنوی لوگ میرے دشمن ہیں۔ ان سے بے نفرت ہے۔ اس لیے میں ہر وقت ان کے چہروں پر تنقید کرتا ہوں۔ انہیں یاد کرتا ہوں کہ اپنے سینے میں جیسے والی آگ کو ٹھنڈا نہیں ہوئے وینا کہ یہ نکوسیت ہے اور میں پورا قرض ادا کیے بغیر رہا نہیں چاہتا۔

دارو استاد کہہ کر خاموش ہو گیا۔ عدل نے محسوس کیا کہ کچھ دیر پہلے اس کے چہرے پر جو ایسی کے تاثرات تھے وہ اب ختم ہو چکے تھے۔ یکساں کی جگہ اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا۔ یہ اس بات کی علامت تھا کہ اس نے اپنی باہری ایک بار پھر جنگ دی ہے۔ وہ اب پہلا دھڑ ہو گیا ہے۔ بے آگ، بے دھڑ اور دیر۔ اس کے چہرے کی پچھ اس کے غم اور ادا لے کی تھی۔

دارو کی آنکھوں میں بھی ایسی چمک تھی۔ جو کوربرا کی آنکھوں میں ہو کر تھی ہے۔ آخر وہ کوربرا ہی تھا۔

”یار عدل! بولتے بولتے میرا حق تنگ ہو گیا ہے۔“ دارو نے کہا۔ ”پھر تمہیں اس وقت دارو ملے گی یا نہیں۔“

”بازار تو بند ہو چکا ہوگا۔ استاد! عدل نے بتایا۔“ اب تو صبح ہونے والی ہے۔ اپنی نگاہوں نے ساری رات گزار دی ہے۔“

”ہاں یار! پرانی باتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔ آدمی کے سینے سے لگنے لگیں تو میلاب کی طرح پھسلی جاتی ہیں۔ آؤ کچھ کی طرف

چلتے ہیں۔“

وہ دونوں کھڑے ہو گئے۔ ان کے رخ پھر سائل کی طرف تھے۔ اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ لیکن گلیوں اور سڑکوں پر ابھی تک دیرانی وسط تھی۔ انسان تو کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن کتے دوڑتے پھر رہے تھے۔ یہ کتے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کھو بیٹھے تھے۔ پھر عدل کی کھڑکی سے بھونکنے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

”استاد تم نے کبھی اپنے باپ سے بھی ملاقات کی؟“ عدل نے راستہ چلتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ جیل سے چھوٹ کر جب اپنا باپ آیا تو میں نے اس سے بھی ملاقات کی تھی۔“ دارو نے بتایا۔ وہ بھی ایک عجیب ملاقات تھی۔ خونی رشتوں کی ایسی ملاقات کبھی نہیں ہوئی ہوگی۔ باپ اور بیٹا ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے لیکن باپ بچہ نہیں رہا تھا۔ اس لیے کہ بیٹے کی آنکھوں میں اس کے لیے نفرت تھی۔ اس کے لیے میں نفرت تھی۔ جیل سے نکلنے کے بعد میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ہرننگ کا سارا پیسہ اس کے دھتے دار لوگوں نے چھینا لیا تھا۔ مجھے ان لوگوں کا بھی قرض ادا کرنا پڑا۔ انہوں نے میری زندگی خوار کر دی تھی۔ مجھے دولت و ظہور کا دکھ نہیں ہے۔ پیسہ تو سالانہ ہاتھ کا میل ہے۔ ہنر دکھ دھوکہ ہے۔ ان لوگوں نے مجھے دھوکے سے جیل بھجوا دیا تھا۔ اسی لیے ان کے خلاف بھی میرے سینے میں آگ دھک رہی ہے۔ خیر تو میں تمہیں اپنے باپ کے بارے میں بتا رہا تھا۔ اب اگر میں نے تمہیں اپنے باپ کے بارے میں بتا دیا تو تم پریشان اور خوف زدہ ہو جاؤ گے۔ تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ میرا باپ کون ہو سکتا ہے۔ تم نے کبھی ریڈمرکس کا نام سنا ہے؟“

”ریڈمرکس؟ ہاں۔ ہاں بہت سنا ہے۔ استاد! عدل نے کہا۔“

”ماکسم وہ تو بہت زبردست تنظیم ہے۔ باپ سے باپ! بہت خطرناک لوگ اس پانچویں میں ہیں۔ وہ تو آدمی کو دیکھتے ہی کھڑکی کر دیتے ہیں۔ پورے ملک میں ان کا حال اچھا ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی کو سب کی دشمنی اتنی بھی نہیں پڑتی۔ جتنی ریڈمرکس کی دشمنی ہوتی ہے۔ ریڈمرکس کا تیسرا باپ سے کیا لگتی؟“

”تعلق ہے کہ ریڈمرکس کا باپ میرا باپ ہے۔“ دارو نے بتایا۔

”کیا؟ عدل حیران رہ گیا تھا۔“ یہ کیا بولا تو تم نے! ایسا تو میرے گھر میں ہی نہیں آ سکتا۔“

”میں نے کہتی بھوت نہیں بتایا۔ ریڈمرکس کا باپ میرا باپ ہے۔ میرا گناہ باپ۔ پورے ہندوستان میں اس کی دشمنی ہے۔ تو جیل سے باہر آنے کے بعد میں نے سب سے پہلا.....“



کام یہ کیا کہ ایک کھولی لے کر بہنے لگا۔ میں نے سسلی اور ماسی کا پتہ بھی چلا لیا تھا۔ وہ لوگ فٹ پاتھ سے اچھے گئے تھے۔ ان کے حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے۔ اور وہ سسلی جو بہنے لگا وہ توڑے غضب کی چیز بن گئی تھی۔ ایک اسکول میں پڑھتا تھا۔ اور نیک اور شریف بننے کی باتیں کرتی تھی۔ ایسا۔ تو وہ آج بھی کرتی ہے مگر اس کی طرف وہ صبا کون دیتا ہے جیل سے باہر آتے ہی میں نے مارا مارا شروع کر دی۔ میرے دل اور بدن میں طاقت نہ رہی تھی نا، اسی لیے میں نے اس معاشرے سے دُرا چھوڑ دیا تھا۔ بلکہ وہ لے لگا۔ پھر ایک دن میں نے ریڈمرکل کے ایک ٹرک کو لوٹ لیا۔ اپنے باپ کے خلاف میں نے یہ پہلا قدم اٹھا لیا تھا۔ اپنے باپ کے ٹرک کو لوٹ کر مجھے بڑا اڑا لیا تھا۔ وہ لذت میں آج تک نہیں بھول سکا ہوں۔ وہ ٹرک بہت سارا سامان لے کر مار مار کر گھر پہنچا۔ پتی کی طرف جا رہا تھا۔ اس میں آگ لگ گئی۔ سامان لدا ہوا تھا۔ گھر باں، ریڈمرک، کپڑے اور نہ جانے کیا کیا۔ میں نے دادر پل کے سامنے والے میدان میں اس ٹرک کو روک لیا اور پھر ہانپنے ٹرک والوں کا مار مار کر گھر بس نکال دیا۔ اور سارا سامان لوٹ کر چھوڑ بیچی والوں میں بانٹ دیا۔ مجھ کے لئے غریب لوگ وہ قیمتی سامان لے کر بہت خوش ہو گئے۔ دھماکا دیتے دیتے ان کی زبانیں سوکھ گئیں۔ مجھے سلسلہ ڈاکو والا یہ کام کر کے بہت مزہ آتا تھا۔ ٹرک کے ڈرائیور سے کہا کہ اپنے پاس سے جا کر بتا دو کہ یہ کام کو برا نہ کیا ہے۔ اور کو برا بہت خطرناک آدمی ہے۔ اگر وہ کو برا کو اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہے تو اسی حکم کو کر لے کو برا اس کے بہت کام آئے گا۔ میں نے اس حکم کو بھی کر لیا۔ مگر میرا پ سامنے آیا تو اس کی چھٹی گردن کا ٹکڑا لیا۔ وہ بھی بہت جلاک آدمی ہے۔ میرا باپ پھنسا، وہ آیا تو سہی لیکن اس کے ساتھ بہت سے لوگ آئے تھے۔ سب کے سب مسلح، ہتھیار لیے ہوئے اور وہ خود ایک گاڑی میں بیٹھا تھا۔ چوہدری گاہے گاہے وقت نے میرے اندر بہت تبدیلی کر دی تھی۔ میں پہلے ایک رینگتے ہوئے کپڑے کی مانند تھا۔ جو بھی جاتا بیرون سے کل سکتا تھا۔ لیکن اب میں شہر کی طرح تن کر کھڑا تھا۔ اس لیے وہ مجھے پہچان نہیں سکا۔ جبکہ وہ اسی طرح تھا، وہی چہرہ، وہی آنکھیں، بیلہ، ایک بار تو جی پایا کہ کہہ کر اس سے لٹ جادوں پھر جب اس کا سلوک یاد آیا تو دل میں ہول مہول آگ اور تیز ہو گئی۔ استاوانے کہا تھا کہ نفرت کے کسی بھی لمحے

میں خود کو کروز نہ ہونے دینا۔ ورنہ نفرت ختم ہو جائے گی۔ آگ بجھ جائے گی اور آدمی کے اندر کی آگ بجھ جائے تو وہ دو کوڑی کا ہو جاتا ہے۔ سمجھو وہ مر گیا۔ اسی لیے میں نے اس سے بہت ہی سخت لہجے میں بات کی۔ اس کے چپے میری باتیں سن کر بہت تازہ لگا ہے تھے۔ لیکن میرے سامنے نہ جانے کیوں مجھے کچھ نہیں کہا۔ اس نے صرف اتنا کہا کہ اگر میں اس کے ساتھ شامل ہونے کا ارادہ کروں تو وہ دس ہزار روپے عہدہ دے گا۔ اس وقت موقع نہیں تھا اس پر بات کرنے کا، پھر ایک بات اور بھی میرے ذہن میں آگئی کہ اس طرح انتقام لینے سے کیا فائدہ؟ انتقام تو ایسا لینا چاہیے کہ اگر کے زخم بہنے کے لئے بند ہو جائیں۔ ایسا انتقام دل نہیں دماغ لیا کرتا ہے۔ سو میں نے بھی دماغ سے کام لے کر اس سے انتقام لینے کا ارادہ کیا۔ میں سوچ سمجھ کر اس پر ہاتھ ڈالوں گا۔ یہ تو بڑا جانتے ہو عبدل، اگر میں ڈاکے بھی بانٹا ہوں۔ بنا کر ڈاکو ہوں۔ جرنیٹ تک کا خیال رکھتا ہوں۔ اپنے باپ سے انتقام بھی میں منصوبہ بنا کر لوں گا۔ میں اسے بے بسی اور لاجپاری کی اس انتہا تک لے جاؤں گا جہاں اس نے میری ماں کو چھوڑا تھا۔ وہ معذور ہو کر رہ جائے گا۔ پانچ بن کر ایک ایک روٹی کو ترسے گا۔ اور پھر میں اسے اسی فٹ پاتھ پر ڈال دلاں گا جہاں اس نے میری ماں اور ہم دونوں بھائیوں کو چھینک دیا تھا۔ اسی لیے میں دولت کے پیچھے بڑا ہوا ہوں۔ دولت مل جائے تو اینٹ کا ٹوبہ پھر سے دیا جاسکتا ہے۔ مگر ان کی اس دنیا میں سوائے شے اور بڑے آدمیوں کے جو توں تلے کچھ جانے کے کچھ نہیں کر سکتا۔

گوئی اور کالو دونوں لایچ کے عرشے پر کھڑے تھے۔ اس وقت صبح ہو چکی تھی اور دور دور تک کا منظر سامنے آ رہا تھا۔ اس نے رہا تھا۔ گوئی اور کالو ان دونوں کو واپس آتے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے۔ ان دونوں نے لایچ سے چھلانگ لگا دی اور سامنے پر بڑھ کر کھڑے تھے۔

"کیا بات ہو گئی تھی؟ غیر تو ہے؟" کالو نے ان کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ تو رات بھر پریشان رہے ہیں۔"

"ہم ذرا لمبی سیر کر نکل گئے تھے۔" کالو نے بات مائل کی۔ "آج تم لوگ دن بھر آرام کرو۔ شام کو ہمیں لوگوں مل جائے گا۔ اور آج رات ہی ہم لوگوں کو گالام جانا ہے۔ ہمارا اہل کام تو وہیں سے شروع ہونا ہے۔"

پیڈر گٹر اس وقت اپنے خوبصورت دفتر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کمرے کو دیکھنے سے یہ احساس ہوتا تھا جیسے یہ دفتر ایک سپورٹ امپورٹ یا سی قسم کے کسی کاروبار کے لئے استعمال کیا جاتا ہو۔ درمیان میں ایک بڑی سی مہانگی میز جس پر ریجیٹر کے علاوہ کئی عدد فائلیں اور دو عدد ٹیلی فون اور ایک انٹر کام بھی رکھا ہوا تھا۔ کمرے کے عقب میں پرکھنڈ کا ایک بڑا آئینہ تھا جس میں کالام بھی لٹائی ہے۔ رہا تھوڑا بڑا دل کے ساتھ کئی عدد شیلف تھے جن میں فائلیں سیٹے کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔

ایک دو بار کے ساتھ صوفے بھی بیٹھے ہوئے تھے جن کے آگے جھللاتے شیشوں والی ایک میز تھی۔

پیڈر خود بھی ایک ایسا کاروباری معلوم ہوتا تھا جو ہتھالی سیٹے کے ساتھ اپنے کاروبار کو جاری رکھے ہوئے ہو۔ وہ بھاری جسم کا ایک ایسا آدمی تھا جس کے چہرے پر چپکے کے ہلکے دارغ تھے اور آنکھوں پر پر وقت تاریک شیشوں والی عینک لگی رہتی تھی۔ وہ لباس بھی بڑے سیٹے سے پسنا کرتا تھا۔ خوبصورت سے ہوئے سوٹ اور ان سے مزج کرتی ہوتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہیرے کی آنکھ جیانی بھی ہوتی تھیں۔ مجموعی طور پر وہ ایک ایسا آدمی تھا جو دیکھنے والوں پر خوشگوار اثر مرتب کر سکتا تھا۔

اس وقت اس کے ہونٹوں کے ایک گوشے میں ایک سگریٹ دبی ہوئی تھی۔ اور وہ گہرے گہرے کش لیتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔ یہ کمرہ گریج جو خانے کے ہال سے کچھ فاصلے پر تھا۔ اس کے باوجود لوگوں کے شور اور موسیقی کی آوازیں یہاں پر گہرے ہی تھیں کہ جو خانے میں کاروبار اپنے دنوں پر جاری ہے۔

اس نے یہ جواب دہ بڑی محنت اور بلا لنگ سے تیار کیا تھا اور اسے دفتر تھا کہ کم سے کم انیشیا میں اس نوعیت کا کوئی دوسرا جواخانہ نہیں ہے۔ اس نے اپنے جواخانے کو گائیڈ کی گالام کا کام بنائے رکھا تھا۔ اس نے یہاں کی ہر چیز اور کی طرح کی رکھی تھی۔ ایک بڑا سالن جو کھیلنے کی قیمتی اور جدید شیشیں، ان کے درمیان منڈولی ہوئی حسین و جمیل ڈھلیان جو لوگوں کو زیادہ سے زیادہ رقم لگانے پر راکشیا تھیں۔ ان کے علاوہ اس کے اپنے ہاتھوں کی بھاری فوج، یہ بڑے جدید اسلحہ سے لیس کیے گئے تھے۔ یہ ساری سہولت پیڈر

کو اس کے بھائی کا سیو گنزا کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔ وہ گورا کارمرزی دوزیرہ جاکتا تھا۔ اور اس کے زلے میں پیڈر نے اپنے ماؤں جھیلنے شروع کر دیے تھے اور اب وہ خود انشا طاقت ور ہو چکا تھا کہ اس کی طرف اٹھتے دانی لگا ہوں ویران کر دی جاتی تھیں۔ اس کی جانب بڑھنے والے ہاتھوں کو توڑ دیا جاتا تھا۔ یہ سارا کام اس کے ہاتھوں نے انجام دیا کرتے۔ اس لیے میں اتنی بہت نہیں ہوتی تھی کہ کالام اگر کوئی گڑبڑ کرے گا۔ کالام بنیادی طور پر کسی زلے میں چھیدوں کی بستی ہوا کرتی تھی لیکن اب کالام بنیادی کالام کی وجہ سے وہ بڑے پیرہ چھیدوں سے خالی ہو گیا تھا اور بڑے پیرہ میں ان لوگوں کی رہائش بھی جو کسی طرح کا سیوئے تعلق رکھتے تھے۔ اور پیڈر گٹر کو ایسا جزیرے کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔

پیڈر نے سگریٹ ایش ٹرے میں تیزی سے مسلتے ہوئے ایک فون اٹھا لیا۔ کوئی نمبر ملانے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اس نے ریسیور واپس رکھ دیا تھا۔ آنے والا ایک ٹیمپلیم آدمی تھا جس کے دونوں پہلوؤں پر ہوا پور۔ ایک ہاتھ سے وہ صونت ہی سے انتہائی ورلڈت مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن پیڈر کے سامنے آکر اس کی حیثیت صفر سی ہو گئی تھی۔ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیا بات ہے جارج؟" پیڈر نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس وقت تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"روزی آپ سے ملنا چاہتی ہے۔" پاس، جارج نے کہا۔

"تیس منٹ سے کہا بھی کہ پاس کے پاس ناگم نہیں ہے لیکن وہ نہیں مانی۔"

"کون روزی؟" پیڈر کی بھینوں کھنکھن گئیں۔

جارج نے کہا۔ "تھوڑی سالی۔"

"جی ہاں، جارج کی مہانگی میں ایک بٹ بھی ہے، حکم ہو تو بیچ دوں اس کو۔"

"اوہ۔ چلو بیچ دو۔"

جارج واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد روزی اٹھ اٹھی۔ وہ کچھ ابھی ہوئی اور پریشان سی دکھائی دیتی تھی۔

"کیا بات ہے روزی؟" پیڈر نے بڑے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ کوئی خاص خبر لائی ہے کیا؟

"جی ہاں۔" روزی نے اپنی گردن ہلا دی۔ "کچھ لوگ مجھے سے جو کھیلنے آئے ہیں۔" اس نے بتایا۔

”تو اس میں نئی بات کون سی ہے؟“ یہاں تو لوگ کہتے ہیں کہ ”تو تو ٹھیک ہے“ مگر اس کے بعد وہ لوگ دوسروں سے مختلف دکھائی دیتے ہیں۔ کم از کم ان میں ایک بہت خطرناک ہے۔ کل رات پر گزیم کے تحت ایک مکان میں بند ہو گئی تھی پھر آدی بھی ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے کمری سے باز نہ دیا تھا۔ وہ آدی مجھے چھڑانے کے لیے اس مکان میں داخل ہوا اور پہلے کی طرح میرے آدی فوراً اچھاگ لیے۔ ہم نے یہ سارا کام بڑی ہوشیاری سے کیا تھا لیکن نہ جانے کس طرح اس نے یہ اندازہ کر لیا کہ یہ سب کچھ ڈرامہ ہے۔

”بہت خوب!“ یہ پیرڈو کی آنکھیں چمک چکی تھیں۔ ”اس کا مطلب یہ ہو کہ وہ آدی بہت چالاک معلوم ہوتا ہے۔ پھر کیا ہوا؟“

”وہ صرف چالاک ہی نہیں باس، بڑا فائٹر بھی ہے۔“ روزی نے بتایا۔ ”کل رات اس نے مجھے ہونے والے کو مار مار کر کھنڈ کر دیا تھا۔ وہی جلد باس، جو مجھے سے عشق کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور کسی کو میرے قریب نہیں دیکھ سکتا۔ آپ کو تو معلوم ہی ہوگا باس اس طرح نہ جانے کتنے آدمیوں کو بہت بری طرح مار چکا ہے۔ لیکن اب اس فائٹر نے دو منٹ میں جادو کو زمین پر لٹا دیا تھا۔“

”اوہ، پھر تو وہ واقعی خطرناک آدمی ہوگا اور اس کا مطلب یہ ہو کہ یہ جادو بھی اپنے کام کا نہیں رہا۔ اس کو بھی الگ کرنا ہوگا۔ میں نے تو اس کا بہت سوچ سمجھا کر انتخاب کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ کم از کم دو چار آدمیوں کے بس میں نہیں آسکتا۔ اور جو لوگ ڈرا پیڑ سے دکھائی دیتے ہیں ان کی سی۔ بہانے ٹھکانے بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن تم بتا ہی ہو کہ وہ صرف ایک آدمی سے مار کھا گیا کیا نام ہے اس آدمی کا، معلوم ہے تمہیں؟“

”جی باس، روزی نے کہا۔ اس کا نام وادہ ہے۔“

”وادہ؟“ پیرڈو کی پیشانی پر کیریں پڑ گئیں۔ ”وادہ؟“

”کچھ اور یاد ہے اس کے بارے میں؟“ میرا مطلب ہے کوئی خاص نشانی؟“

”وہ بہت صحت مند اور خوبصورت آدمی ہے باس اور اس کی لالچ کا نام کوہا ہے۔“

”کوہا؟“ پیرڈو چانک کر کسی سے ساٹھ کھڑا ہوا۔ ”تم بڑے کبڑی ہو۔“ اس کی لالچ کا نام کوہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو

پھر وہ کوہا ہی ہوگا۔ اوہ گاڈ! یہ آدمی ادھر کہاں سے آگیا؟ اس کو تو بھی میں ہونا چاہیے تھا۔ گھٹے کہہ سکتے آدی تاکہ وہ ہوتے جا رہے ہیں۔ کوئی بھی صبح اخبار میں نہیں دیکھتا۔“

”میرے لیے کیا حکم ہے باس؟“ روزی نے پوچھا۔

”مکان کے لیے لوگوں جا رہی کرو۔“

”ٹوکن۔“ ہاں ٹوکن جا رہی کرو۔ جب وہ یہاں تک آئی گیلیے تو اسے بڑے کڑھن ہانا چاہیے۔ میں اسے مہاگوئی نہیں بلکہ اپنے کاسینو میں لکھ دوں گا۔ اب تم جا سکتی ہو۔“

”روزی کمری سے کھڑی ہوئی۔ دروازے تک گئی پھر رک گئی۔ اس کے چہرے پر کشش کے آثار تھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہو لیکن ہمت نہ پاری ہو۔“

”اب کیا رہ گیا ہے؟“ پیرڈو نے سیدھا رٹھا ہے۔

”کہا۔“ اس کے جبے میں جھلاہٹ تھی۔

”باس! میں نے شاید آپ تک ایک اہم اطلاع پہنچائی ہے۔ آپ دیکھ لیں کہ میں اپنی ڈیوٹی کس طرح انجام دے رہی ہوں۔ میں نے کبھی آپ کو رشکیت کا موقع نہیں دیا۔ آپ میری۔ میرا مطلب ہے کہ وہ تصویریں۔ اب میں برداشت نہیں کر سکتی باس۔ پیرڈو وہ تصویریں واپس کر دیں۔ روزی کی آنکھوں میں آنسوؤں کے تھے۔“

”اچھا جادو، جادو۔ بکواس مت کرو۔“ پیرڈو غصے سے بولا۔ ”پھر کبھی آجانا میرے پاس۔“

”روزی اپنے آنسوؤں کو خشکی ہوئی دروازے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد پیرڈو نے گوما کو طلب کر لیا۔ گوما ایک اذیتی تھا۔ سات ڈنٹ کا ڈراوڑی انداز کا جھلا ہوا طاقتور اور ٹھوس جسم، وہ کسی زمانے میں اذیتی آدی میں کا بڑا ورہ چکا تھا۔ پیرڈو نے گوما کو اپنی سیکورٹی کا انچارج مقرر کر رکھا تھا۔ اور اسے معلوم تھا کہ گوما وہ شخص ہے جو ابھی سے بھی جھجھکنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

”گوما آج رات کو کچھ ایسے مہان آئے ہیں کہ ان میں کو واپس نہیں جانا چاہیے۔“ اس نے گوما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہی ہوگا باس؟“ گوما کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ”بس نشانی تیار ہیں، وہ لوگ واپس نہیں جہاں گئے۔ بہت دنوں سے ہمارے بازوؤں کو بھی ننگ لگ رہا ہے اور سمندر کی چھٹیوں کو بھی غذا نہیں ملے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ شام کو تمہیں ان کی نشانی بتا دی جائے گی۔ تم خود بھی تیار رہنا اور اپنے دو میوں کو بھی تیار رکھنا۔“

رات کے اندھیرے میں وہ لالچ چٹانی ساحل کے پاس آکر رک گئی۔

یہاں سمندر کی لہریں اتنی پر شور اور شوریدہ مرتھیں کہ لالچ کسی کھنڈے کی طرح جھل رہی تھی۔ وادہ کے لیے اس لالچ کو سنبھالنے کا بہت دشوار ثابت ہوا تھا اس نے یہ منصوبہ بہت ہوشیاری سے بنایا تھا۔ روزی کو اس نے پیرڈو کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ وادہ کے بارے میں اسے بتا دے۔ روزی سے اس کی ملاقات دن میں بھی ہوئی تھی اسے اس لوگ سے بہرہ دہی ہو گئی تھی کیونکہ پیرڈو کے قبضے میں وادہ کی ایسی تصاویر تھیں جن کی اگر نشانی کر دی جاتی تو وہ بہانہ میں برآمد ہو کر رہ جاتی۔ روزی اسی لیے پیرڈو کی کینز بن کر رہ گئی تھی۔ اس کے حکم کو ماننے کے لیے مجبور تھی۔ وادہ کا خیال تھا کہ انسان کو ہر کام کرنا چاہیے لیکن وہ کسی لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی نگاہوں میں یہ کام دنیا کا سب سے گھٹیا کام تھا۔ اور کسی لڑکی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا امرِ نامحسوس کے خلاف بات تھی۔ روزی رات والے وقت سے اتنی متاثر ہو گئی تھی کہ اس نے وادہ کو اپنے باسے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ پھر یہ دور ہی کا مضبوط تھا کہ وادہ پیرڈو کو اس کے بارے میں بتا دے۔ وادہ کی سن کر تیراں رہ گئی تھی۔

”یہ بات تو میری سمجھ میں نہیں آئی مشرور! اس نے کہا تھا۔ اس سے تو وہ ہوشیار ہو جائے گا۔“

”میں ہی تو چاہتا ہوں۔“ وادہ نے کہا تھا۔ ”وہ غیبت ہو رہا ہے۔ پھر اس کا سارا ادھیان کوہا لالچ پر ہوگا۔ اوہیں ایک دوسری لالچ پر سو رہا ہو کہ اس جزیرے کے دوسرے ساحل پر پہنچ جاؤں گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس طرف سے جزیرے میں جا سکتی ہوں یا نہیں لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے میں اپنا تمام مال مسالے کے گرد دوسری طرف سے جزیرے میں پہنچ جاؤں گا۔ اور اس کے آدمیوں کا دھیان کوہا لالچ کی طرف ہوگا۔ وہ مجھے ڈھونڈتے ہی رہیں گے۔“

”اور اس لالچ پر کون ہوگا؟“

”اس پر میرے آدی ہوں گے۔ عدل کا اور گرونی بڑے لالچ سے انکار کر رہے۔“ وہ ہنستے ہوئے بولا۔

جائیں گے۔ دوسری طرف میں بھی جزیرے پر پہنچ جاؤں گا۔ اور پھر ہم اپنا کام کر کے تو وہ گیارہ ہو جائیں گے۔“

روزی کی سمجھ میں اس کی بات آئی یا نہیں آئی بہت مشکل اس نے مزید کوئی حرج نہیں کی اور وادہ کے پاس سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وادہ نے مہاگو سے ایک لالچ کر لیا۔ پھر ساحل کر لی تھی۔ اس طرح کا لام کی طرف دو لالچیں روانہ ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک لالچ پر عدل کا، کالو اور گرونی تھے جبکہ دوسری لالچ پر صرف وادہ تھا اور اس کا بڑا بیڑہ بھی کوہا سے لیا تھا کہ دوسری لالچ پر پھر وادہ گیا تھا۔ وادہ کا خیال تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ لالچ کو کھیل کر چٹانوں کو عبور کرتا ہوا جزیرے میں داخل ہو جائے گا لیکن شرمیہ لہروں کی وجہ سے اسے بڑی پریشانی ہونے لگی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کس طرح لالچ کو تباہ کر سکے۔ بالآخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ لالچ کو ساحل سے کچھ فاصلے پر کھڑی کر دے گا جہاں لہروں کی طبیعت میں بہت حد تک ٹھہراؤ تھا۔ اور وہاں سے تیرے ہوئے ساحل تک پہنچنا آسان تھا۔ وادہ نے یہ بھی کیا۔ وہ اپنی لالچ کا رنڈ بدل کر ساحل سے کچھ فاصلے پر لے گیا اور وہاں اس نے لالچ کھڑی کر دی۔ پھر اس نے عرشے پر کھڑے ہو کر سمندر میں جھونک لگا دی۔ سمندر بھی آشنا اور نا آشنا ہوتا ہے۔ اگر یہ بھی کالو ہو تو وادہ کے لیے بڑے ناگوار مشکل نہیں تھا کیونکہ وہ بھی کے ساحل سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کہاں پر چٹانیں ہوں گی، کہاں پر گڑھے ہوں گے۔ کہاں لہریں زیادہ سر جاتی ہوں گی لیکن اس اجنبی جزیرے کے اجنبی ساحل کی طرف تیز اس کے لیے بہت دشوار ہوا تھا۔ اس رات آسمان پر چاند تو تھا لیکن بادلوں نے اسے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا جس کی وجہ سے صرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ وادہ کی نگاہوں کوئی ہونا تو اب تک ہمت ہار چکا ہوا لیکن وہ پیدا ہی ان کاموں کے لیے ہوا تھا۔ وہ پوری قوت سے سر اٹھاتے ہوئے پھری ہوئی موجوں کے خلاف تیرتا ہوا چٹانوں کے دامن تک پہنچ رہا تھا۔ راستے میں ایک مقام پر سمندر میں ابھری ہوئی ایک چٹان نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ وہ وہ اتفاق سے عین اس وقت چاند بالوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا ورنہ وادہ سیدھا اس چٹان سے جا کر ٹکرا جاتا۔ لیکن جب وہ چٹان سے دکھائی دے گئی تو وہ راستہ بدل کر دوسری طرف ہوا تھا۔ چٹانوں کے دامن میں اتنی جگہ موجود تھی جہاں کچھ یہ

کے لیے کام کیا جاسکتا تھا۔ اور بھی سانس لینے کے لیے۔  
 چٹانی دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے اسباب  
 سے بڑا مہر اس چٹانی دیوار پر چڑھا تھا۔ اس نے یہ اندازہ  
 کر لیا تھا کہ وہ چٹانی کسی دیوار کی طرح سیدھی تھیں اور ان  
 پر آسانی سے چڑھا نہیں جاسکتا تھا لیکن وہ ایسے ہی موقع  
 کے لیے اپنے ساتھ کسی بھی لیتا آیا تھا۔ جو اس وقت اس کی  
 کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ ایک بار پھر تیرتا  
 ہوا لاریج کی طرف جاتے اور اس میں سے کوئی ہتھیار اٹھالے  
 لیکن اس نے فی الحال اپنا یہ ارادہ ترک کر دیا۔ سب سے پہلے  
 چٹانوں کی دیوار کے اوپر کسی ایسی جگہ کا انتخاب کرنا تھا۔  
 جہاں اسکو لاکر ڈھیر کیا جاسکے۔ اسکو کے آنے کے بعد ہی۔  
 بڑا جانے پر حملہ کی کارروائی کی جاسکتی تھی۔  
 کچھ دیر کام کرنے کے بعد وہ کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی  
 پشت سمندر کی طرف رکھی اور دونوں ہاتھوں سے چٹانی دیوار  
 کو ٹوٹنے لگا۔ اس دیوار پر نیچے پتھر جیسے ہوئے تھے۔ اوپر  
 چڑھنے کے لیے بہت ہوشیاری اور مہارت کی ضرورت تھی۔  
 اس نے اپنی کمر سے بندھی ہوئی رسی کھولنے کے لیے اپنا ہاتھ  
 بڑھایا اور اسی وقت کوئی چیز اس کے شانے سے نکل گئی۔  
 وہ ایک لمبے کے لیے سن ہو کر رہ گیا تھا۔  
 چاند نے ایک بار پھر بادلوں کی اوٹ سے اپنا چہرہ دکھایا  
 اور اور اس نے لٹنے والی چیز دیکھ لی۔ وہ ایک رسی تھی جو کسی  
 نے اوپر سے پھینکی تھی۔ اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی لیکن  
 اسے کوئی دکھائی نہ دیا جو بھی تھا وہ جتنا ڈر کے اور مڑ جوتا تھا  
 اور اس نے داور کے لیے رسی پھینکی تھی تاکہ وہ اس کی مدد سے  
 اوپر آجائے۔ داور کے لیے یہ ایک امداد غیبی تھی۔ اس نے  
 دونوں ہاتھوں کے گرد اس رسی کو لپیٹ لیا اور ایک جھکے سے  
 کر اشارہ کیا کہ وہ اوپر آنے کے لیے تیار ہے۔  
 اشارہ دیتے ہی اس رسی کو اوپر پھینکا نہ لگا۔ اس نے  
 اپنے دونوں پاؤں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ لیے تھے تاکہ ان کی  
 چٹانوں سے ٹکرائے نہ جائے۔ اس کے باوجود وہ جھوٹا ہوا  
 کبھی کبھی مڑا جاتا تھا تاکہ اس پر اس کو کھینچ لیا جاتا چٹان  
 پر آتے ہی وہ ہاتھ آگے بڑھے اور انہوں نے داور کو اوپر پھینچ  
 لیا۔  
 وہ کچھ دیر تک پونہ پڑا رہا پھر اس نے لیٹے لیٹے ہی  
 اپنے ہاتھوں کے گرد بندھی رسی الگ کر کے ایک طرف ڈال  
 دی۔ اسے کھینچنے والے دوا دی تھے جن کے پہرے اندھیرے

طرف چلا دیے۔ پہلا گھونٹہ اس کے پیٹ پر پڑا جبکہ دوسرا  
 گھونٹہ اس کے پیٹ پر پڑا تھا۔ اس کی حالت پہلے والے  
 سے بڑھ چکی تھی۔ وہ کسی فٹ بال کی طرح اچھٹا ہوا اور  
 جاگرا۔ اتنی دیر میں پہلے والا سنبھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے  
 داور کو مارنے کے لیے ایک بڑا سنگ پھراٹھا لیا تھا۔ داور کو اس  
 بات کا اطمینان تھا کہ ان دونوں کے پاس پیسٹول وغیرہ نہیں  
 تھے۔ ورنہ وہ لوگ اب تک گولیاں چلا چکے ہوتے۔  
 دوسرے آدمی نے اس بڑے سے پتھر کو توڑا اور داور  
 نے مینڈھے کی طرح اپنی گردن نیچے کر لی۔ وہ پتھر سنسناتا ہوا  
 اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا تھا۔ داور نے اسی حالت میں  
 دوڑ لگادی۔ اور اس کا سر پوری قوت کے ساتھ اس آدمی کی  
 پیٹ سے جا ٹکرایا۔ وہ اس بار سنبھل نہیں سکا تھا۔ وہ پڑ گیا  
 ہوا پیچھے ہٹا پھر اس کے قدم اٹھ گئے۔ اس نے ہاتھ جلائے،  
 لیکن اس کے ہاتھ کوئی سہارا لاس نہیں کر پائے۔ وہ اس وقت  
 چٹانی گھر کے پاس ہی کھڑا ہوا تھا۔  
 اسے گمستہ دیکھ کر داور نے اسے پکڑنے کے لیے اپنا  
 ہاتھ آگے بڑھا دیا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ وہ آدمی ایک  
 بھانسا کی طرح کے ساتھ چٹان سے پیچھے جا پڑا۔ اس کی چرخ کچھ  
 دیر تک بدلتی رہی تھی۔ پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ داور  
 کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس بار نصیب کا قسم نیچے گرنے کے  
 بعد کسی ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا ہوگا۔  
 وہ ایک لمبے کے لیے چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر اس دھڑک  
 آدمی کی طرف بڑھ گیا جو ابھی تک چپ لٹا ہوا تھا۔ ایسا  
 لگتا تھا جیسے اس کے جسم کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ داور  
 جس وقت اس کے پاس پہنچا تو اس نے آہٹ سن کر  
 اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے اٹھا نہیں گیا۔ وہ بری طرح  
 ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اس وقت چاند بادلوں کے غوش سے  
 نکل آیا تھا۔ اور اس روشنی میں داور نے دیکھا کہ اس آدمی  
 نے خون کی قے شروع کر دی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے  
 اپنی گردن ڈال دی۔ وہ بھی مری گیا تھا۔ داور کے لیے بہت  
 غیر متوقع صورت حال تھی۔ یہ دونوں تو اچانک سے بہرہ یار نہیں ملے  
 ہوئے تھے بلکہ ان کا سلسلہ کار اور تھا۔ انہیں کسی لاریج کے  
 ذریعے کسی آدمی کے آنے کی توقع تھی۔ جو ان کے لیے کوئی چیز  
 یا پیغام لے کر آ رہا ہوگا۔ داور کو انہوں نے دبی آدمی سمجھ  
 لیا تھا۔ اور انہیں مارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ دونوں گھبرا  
 کے آدمی نہیں معلوم ہوتے تھے۔ ورنہ انہیں اتنا پوشیدہ رکھ

طرف دیکھتے ہوئے بولا "ابھی تو پہلے ہے۔ ٹھیک گیارہ بجے استاد بختیار لے کر کاسینو کے باہر ولے گا رڈن میں بیٹھ جائے گا اس گاڑن کے بائیں میں اس جھوکی نے ابن لوٹ کو سب سمجھا دیا ہے۔ ہونے گیارہ بجے ابن ہال میں گڑ بڑ بڑا کرے گا۔ بس یوں تو اچھینے بھینے ابن کو لفظ انشروہ کر دینے کا ہے کیا پھر تم۔۔۔ ہال سے نکل کر گاڑن میں استاد کے پاس بیٹھ جانا اور اس سے ہتھیار لے کر ہال میں آتے ہی مارا ماری چالو کر دینا۔ ادھر سالار استاد ایک کھڑکی سے جواخانے میں داخل ہو کر سیدھے پردہ کے کمرے میں پہنچ جائے گا۔ ابن ٹھیک بولا کہ نہیں بولا، کیا؟

"ہاں نہیں یاد ہے۔" کالو نے کہا "تم اس کی فکر مت کرو، آؤ اب چلتے ہیں۔"

وہ تینوں لاریج سے اتر کر ساحل کی طرف بڑھ گئے۔

گیت پر انہیں بڑی گرم جوش مسکراہٹ سے روک لیا گیا تھا۔ انہیں روکنے والے مسلح جوانوں نے جو گیت نہیں بولتے تھے پھر عدلی کی نگاہ گیت سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے افریقی بربری۔ وہ ایک شاندار آدمی تھا۔ اس کا ڈیل دول اس کاہن، اس کے چہرے سے بھرے بازو اس بات کی علامت تھے کہ وہ ایک لڑاکا آدمی ہے۔ اس کی نکت کی ٹٹلی کی طرح تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کر پکے ہوئے تھے اور بڑی گہری نگاہوں سے گیت پر آنے جانے والوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ عدلی اور اس کے ساتھیوں کو دیکھ کر وہ چونک پڑا تھا۔ پھر اس نے کسی کی تلاش میں ادھر ادھر لگا ہوا دوڑا میں پھر چہرہ وہ مظلوم شخص سے دکھائی نہیں دیا تو اس نے دوبارہ عدلی اور اس کے ساتھیوں پر اپنی نگاہیں جمادیں۔ وہ اس بار کچھ لکھا ہوا دکھائی دینے لگا تھا۔

"آپ لوگوں کے پاس تو کن تو ہوں گے بڑو کنے والے نے دریافت کیا۔"

عدلی نے اپنی جیب سے ٹوکن نکال کر اس آدمی کو دکھا دیا۔ اس آدمی نے ٹوکن دیکھ کر بڑی خوش اخلاقی سے اپنی گول ہلا دی اور ایک طرف ہٹ کر انہیں باہر جانے کے لیے راستہ دے دیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تینوں گیت سے باہر نکل سکتے وہ افریقی تیز ترین قدم چلتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

"خوش آمدید" اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بٹھا دیا۔

"ہم اس جزیرے میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

ان تینوں نے باری باری اس سے مصافحہ کیا۔ عدلی

اس کے طریقے سے کچھ بگڑ گیا تھا وہ افریقی آدمی اس کے تجربے کے مطابق خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بھی محسوس کر لیا تھا کہ اس کو دیکھ کر گیت پر تعینات مسلح لوگ سہمے گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان لوگوں کا افسیر یا اسی قسم کا کوئی پیر ہو۔

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ پہلی بار گلام آئے ہیں اس افریقی نے کہا۔" اسی لیے روایت کے مطابق رات کا کھانا ناگاہک ساتھ کھائیں گے۔ میں اپنا تعارف بھی کروا دوں۔ میرا نام گوما ہے اور میں اس جزیرے کی سیکوری کا نگراں ہوں۔"

"آپ سے؟" عدلی نے اپنی آنکھیں پچائی تھیں۔ "تم تو سالار گیت کا اردو ماں تھے۔ اپنا سالار، اس دیکھو کہ ہر گز فرار اور وہ نہیں بولے کو سکتا، کیا کھانے پینے کے معاملے میں اپنا بہت ڈھیلا ہے بلکہ گنگ، کھانے کا پان سے سیاسی تم جروت ہے کیا۔ پھر اپن کھانے پینے کے واسطے نہیں آئیلا ہے۔ اپن ادھر دو تین ہزار جوتے میں ہارین کا اور چلا جائیں گا، کیا؟"

"کھانا کھانے میں دیر بھی لگتی لگے گی، صرف اُدھ گھنٹے میں آپ لوگ فارغ ہو جائیں گا۔ اردو ویسے بھی بہ ہلاری روایت ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو بہت برا ہوگا۔"

"کیا بوتا ہے بھائی تم لوگ؟" عدلی نے کا اور کو پی کی طرف دیکھا۔ "یہ آدمی دعوت دینا چاہتا ہے اپن کو؟"

"جیسی تمہاری مرضی؟" کالو نے کہا "پھر اس نے مروتی کی دیکھی تو کوئی کھپلا معلوم ہو رہا ہے؟"

"اپن کا خیال بھی کچھ ایسا ہے۔ کیا؟" عدلی بھی اسی آہستہ آواز میں بولا۔ "مگر ڈرنے کی کیا جروت ہے۔ یہ کالیا اپن کو کھا نہیں جائیں گا، کیا۔ اپن کو ڈرنے کا بالکل جروت نہیں ہے۔ یہ کالیا تو ڈرنا کیا، کالیا کا تو ڈرنا نہیں، اپن یاد کیا ہے کیا۔ کوئی چوٹی میں کھینلا۔ استاد اور کو کبھی دو گھنٹے بعد آنے کا ہے۔ یہ کالیا لگ لگا لایں کو دارو سارو بھی لائیں گا۔ اپن نے اس کنگ کا ٹانگ کی بات مخور نہیں کیا تو یہ سالار اپن سے نارنج ہو جائیں گا۔ اور جب یہ نارنج ہو جائیں گے تو اپن کا پستہ نکال دیں گا۔ کیا؟"

"کیا سوچ رہے ہیں آپ لوگ؟" گومانے انہیں غائب کیا۔ "اب چل بھی دیں کچھ ڈی آپ کے انتظار میں ہے؟"

"ٹھیک ہے بابا۔ اپن لوگ تمہارے ساتھ چلتا ہے؟"

عدلی نے رماندگی سے ہر کردی۔

گیت سے باہر ایک مڑک تھی جس پر ایک دین کھڑی تھی۔ دین کا ڈر نیچر اپنی نشست پر بیٹھا ہوا ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ عدلی اور اس کے ساتھیوں کو یہ معلوم کسے دیکھ کر اطمینان ہو گیا تھا کہ اس دین میں کچھ خفیہ بھی تھی۔ ان میں دو عورتیں بھی تھیں جو بڑے شائقین کے ساتھ کھڑی سے مڑک نکال کر جواخانے طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان لوگوں کو بھی روایت کے مطابق کھانے کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ ان لوگوں کے آتے ہی دین چل پڑی۔ وہ افریقی گوما بھی ان کے ساتھ ہی آکر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایسی کھل ہوئی مسکراہٹ تھی جیسے وہ جان دول سے اپنے مہمان پر حد سے پہلے کا ارادہ رکھتا ہو۔

وہ جزیرہ ان کی توقع سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ دکھائی دے رہا تھا۔ مڑک کے دونوں کناروں پر کھمبے لگے ہوئے تھے جن میں دو دو جلاب لگائے گئے تھے اور جن کی روشنائی بہت بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔ مڑک سے بہت کچھ پھوٹے ہوئے مگر خوبصورت کین بنے ہوئے تھے جن کے بائیں میں گوما نے تیار کیا کہ کاسینو میں کام کرنے والوں کے کوارٹر ہیں وہ ان نیوٹکوں کو انگلش میں اور ان لوگوں کو اردو میں بتاتا جا رہا تھا۔

"کچھ دیر کے سحرے بعد ان کی دین؟" کاسینو دی گلام؟

پہنچ چکی تھی اس عمارت کو دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں کھل رہ گئی تھیں۔ انہیں نے شاید کبھی میں بھی کسی تفریح گاہ کی ایسی خوبصورت عمارت نہیں دیکھی ہوگی۔ جدید طرز تعمیر کی اس عمارت کو دیکھ کر غیر ملکی خوشی سے متور کرنے لگے۔ جبکہ گوما کی مسکراہٹ اور گری ہو گئی۔ اس عمارت کا رنگ دو دو جلاب تھا۔ باہر مڑک کا کاسینو دی گلام؟ "حاکم کر رہا تھا۔ اس کی فرسیر تھیں روبرو دی محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ اس عمارت میں بڑے بڑے قدر آور شیشے لگے ہوئے تھے جس کے عقب سے رنگ بونگی روشنائی پھوٹی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

گومانے لوگوں کو دین سے اتار کر اپنے ساتھ ہی ہال میں لے آیا تھا۔ ہال میں آکر یہ لوگ اور بھی حیران رہ گئے۔ ہر طرف بڑی بڑی چوڑھینے کی شیشیں تھیں۔ اس کی چھت خوبصورت فائوس سے مزین تھی۔ دیواروں سے ہلکی ہلکی موسیقی کی لہریاں نکل رہی تھیں۔ پردہ روتے اس مقام کو وہ اتنی بے نظمیسا بنا دیا تھا۔ اس ہال میں جو اچھینے والوں کی بھرپور تھی ان میں مقامی بھی تھے اور غیر ملکی بھی کام کرنے والوں میں

بھی ہندوستانی اور غیر ملکی نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ گوما اس ہال میں آکر کراہنیں تھا بلکہ بڑھتا چلا گیا تھا۔ وہ سب اس کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ وہ ان لوگوں کو کئی دروازوں اور کمرے سے گزرتا ہوا ایک ایسکر میں لے گیا جہاں کھانے کی ایک بڑی میز بھیچھی ہوئی تھی اور اس پر انواع و اقسام کے کھانے سجائے گئے تھے۔ اس کمرے میں بھی دو مسلح میاں فطرتوں کی طرح ایستادہ تھے۔ میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتلیں دیکھ کر عدلی کی رال ٹپکنے لگی۔

"آپ لوگ تشریف رکھیں؟" گومانے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ چہران غیر ملکیوں کی طرف دیکھ کر انگریزی میں بولا۔ "آپ لوگوں کے لیے دوسرے کمرے میں انتظام کیا گیا ہے۔ آپ لوگ اس طرف چلے جائیں؟"

"اے بھائی! یہ سالار سفید چڑی کا لوگ! اپن کے ساتھ کیوں نہیں بیٹھ کر بیٹھا ہے؟" عدلی نے چک کر کہا "اپن سالار چھوٹ ہے کیا؟"

"یہ لوگ اور قسم کی غذا میں استعمال کرتے ہیں بغیر چوڑی۔" گومانے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر ہم نے آپ کو موز تھوڑے کے ساتھ نہیں بٹھا کر ہندوستانی تیز مزہ کے کھانے کھلا دیے تو یہ لوگ سانس کاسینو میں چلتے پھرن گے۔ ڈکوتوں میں شروع کر دیں گے۔ اسی لیے انہیں دوسرے کمرے میں بھیجا جا رہا ہے۔ آپ لوگ بیٹھ جائیں۔"

وہ تینوں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھ کر رہ گئے۔ ان غیر ملکیوں اس کمرے میں موجود ایک محاذ کے ساتھ دوسرے کمرے میں پہنچ دیا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد عدلی نے پٹ کر گوملے سے کہا۔ "اگر ایسا بات ہے تو سالار بہت اچھا بات ہے۔ کیا۔ اپن کو بھی یہ سالار ڈکوتوں کو پسند نہیں ہے کیا سالار ایک دم اہمیت اور بلک لوگوں کا ڈانسن ہے۔ اپن سالار اہم بانی والا ڈانسن کا شوق ہے۔ بگ لنگروں باندھ میرا ناچ تھی، کیا۔ سا۔ سا۔ سا۔ سا۔ کو۔ سا۔ بھین ڈانک۔" اسے بھائی گوما، برائیاں منسنے کا کیا۔ یہ سالار ڈکوتوں کو راوک نے تم سالار افریقی سے کالوگ سے نقل کھیلا ہے۔"

"آپ لوگ تشریف رکھیں، گومانے برامانے بزم کرا کر کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "میں بھی آپ لوگوں کا ساتھ دوں گا۔"

ان تینوں نے کرسیاں کھینچ لیں اور ان پر بیٹھنے پر آمادہ ہوئے۔

تھک کر گومانے اچانک گونی کی کسی کو ٹھوکر ماری۔ اس کی ٹھوکر سے وہ کرسی ایک طرف ٹھٹھک گئی۔ اس کے ساتھ ہی گونی فرش پر گر پڑا۔ پھر اس سے پیسے کے عدل اور کالو سنبھل سکتے گومانے ان پر چھلانگ لگادی تھی۔ وہ پیسے ہی پلے میں انہیں گریدتا ہوا دیوار تک لے گیا تھا۔ اس دوران میں مسلح جانفوس نے اس کمرے کے دروازے پر ہند کر دیے اور اپنے دونوں ہاتھ کر پر رکھ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اسے اس تماشے سے کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔

عدل نے دیوار کے پاس پہنچ کر سنبھلنا چاہا لیکن گویا نے دیکھا کہ ان دونوں کو اس طرح چھوڑ دیا جیسے کسی چھپتے وقت رسی درمیان سے ٹوٹ جائے۔ اس جھجکے کا نوا اور عدل کے پاؤں اٹھا ڈیے۔ وہ دونوں دو ٹھٹھکے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اس دوران گونی سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک کرسی اٹھا کر اپنے سر سے بلند کی اور اسے گویا کے سر پر ہی والا تھا کہ گویا کسی سانپ کی طرح ہٹ پڑا۔ اس نے گونی کے بیٹ پر بیک لک سید کر دی۔ گونی بھی کرسی لیے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

گویا کی طرف ان کی طرح ان پر چھلانگ لگایا تھا۔ وہ ان دونوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے حلوں میں اتنی شدت اور پھر جتنی تھی کہ ڈراما میں اس نے ان تیزوں کو مارا کہ بے حال کر دیا تھا عدل اور کالو ایک طرف دیوار سے جا لگے۔ گونی میں ابھی توانائی باقی تھی۔ اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر گویا پر چھلانگ لگادی لیکن گومانے کسی فٹ بال کی طرح اسے اچھال دیا۔ گونی اڑتا ہوا اٹھانے کی میز پر جا پڑا اور اس دھچکے سے کھانے والی میز الٹ گئی اور یوں کھانا نچا ہو گیا۔

گویا اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر پھر عدل اور کالو کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس نے کالو کو ایک جھجکے سے دو پھینکا تو عدل کا رگبارن بٹولیا۔

”اے اب بتاؤ، تمہارا چوتھا ساتھی کہاں ہے براہ راست خود بخوارچہ میں دیا منت کیا۔“

”اے بھائی، اے مائی باپ، اپنی کوچھ نہیں ملام۔ کسم تم سالاد آدی ہے باگرتے آف انڈیا، پتھر کا مالک، اپنی تم کو کنگ کا ٹھیک بولا تھا۔“ عدل نے کراہتے ہوئے کہا۔ ”تم جھوٹ بولتے ہو۔“ اس نے عدل کی گردن دبا دی۔ ”اگر تم نے نہیں بتایا تو تم تینوں کو جان سے مار دوں گا، سمجھے؟“

عدل نے انکار میں پھر اپنی گردن ہلا دی۔ گومانے دفعتاً اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھا دیا۔ عدل کی آنکھیں ہلنکل اٹھیں اس کے حلق سے دم توڑتے ہوئے شخص جیسی غراہٹ نکلنے لگی اور پھر اس کی گردن ایک طرف دھٹک گئی۔

وہ دوسری لالچ کے برابر میں آکر کھڑی گئی۔ وہ نے دیکھا کہ لالچ کے عرسے پر کچھ آدمی پہل چھڑے تھے۔ پھر ان میں سے دو آدمیوں نے اس لالچ پر چھلانگ لگادی۔ جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ لوگ شاید صورتحال معلوم کرنے کے لیے اس لالچ پر آگئے تھے لیکن تھا کہ انہوں نے آواز میں بھی دی ہوئی۔ لیکن سمندر کے شور کو، دوسرے ان کی آوازیں اور تنگ نہیں پہنچ سکی تھیں۔ آسمان اب بادلوں سے صاف ہو چکا تھا اس لیے چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ اور اس چاندنی میں داور نے والی لالچ پر موجود آدمیوں کو دیکھ سکتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق ان کی تعداد چار سے زیادہ نہیں تھی۔ جن میں سے دو نے داور کی لالچ پر چھلانگ لگائی تھی۔ جبکہ بقیہ دو اپنی لالچ پر کھڑے نہ تھے۔

داور کے لیے یہ صورت حال انتہائی ناگہانی تھی۔ اس لالچ پر اسلحہ چھڑا ہوا تھا۔ اگر وہ اسلحہ ان کے ہاتھ لگ جاتا تو وہ اور اس کے ساتھی اس جزیرے میں ناکارہ ہو کر رہ جاتے۔ وہ بڑے کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے اپنی نگاہیں دونوں انجنوں پر جم رکھی تھیں۔ اس کی تیوریوں پر پہلے پڑے ہوئے تھے۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے کچھ سورج رہا تھا۔ گونی ایسی ترکیب پر لالچ والوں کو قابو کر سکے۔ اور اس کا اسلحہ بھی محفوظ رہ سکے۔

داور کی لالچ پر جاتے والے دونوں آدمی اپنی لالچ میں واپس آگئے اور اتنے فاصلے سے بھی یہ اندازہ لگا نہ سوار نہیں تھا کہ ان دونوں نے اسلحہ دریافت کر لیا ہے کیونکہ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک دور مار داخل تھی۔ یہ راز نقل داور لینے ساتھ ہی لایا تھا۔

بالآخر ایک ترکیب داور کی سمجھ میں آئی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے جلدی سے وہ تاریں اٹھالی جو وہ دونوں اپنے ساتھ لائے تھے اور ٹرائی کے دوران یہ تاریں ایک طرف جا گری تھیں۔ اس نے تاریں تو اٹھالی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ وہ لالچ والوں کو کس قسم کا اشارہ دے۔ وہ ابھی اسی جگہ میں تھا

کہ اسے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ بڑی چرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ اس طرح آنے والے اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

کسے والے تعداد میں تین تھے۔ آدمیوں کی تعداد دو لوہ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی۔ لیکن انہیں یہ بھی کہ گردن لوگوں نے ایک طرف بڑی ہوتی انکس دیکھ لی تو پھر وہ پوشیا یا توڑوہ ہو کر واپس بھی جا سکتے تھے۔ یہ ان دونوں سے ایک کی لاش متنی جھولنے اور کوشاں کے اوپر کھینچی تھا۔ ان میں سے ایک تو اپنی ہی جھونک میں چٹان سے پیچھے جا کر تھا۔ اس کا خدر خدر دست ثابت ہوا۔ اسے والوں کی نگاہ اس لاش پر پڑی اور وہ ٹھٹھک کر رہ گئے۔ پہلے والے دونوں آدمیوں کے برعکس یہ تینوں مسلح تھے اور چاندنی میں داور نے ان کے ہاتھوں میں ڈبے ہوئے چھوٹے چھوٹے سیاہیستوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تینوں کچھ دیر تک لاش کے پاس کھڑے رہے پھر آہستہ آہستہ اس چٹانی لکڑی کی طرف بڑھنے لگے جہاں ایک طرف داور ایک بڑے سے پتھر کے عقب میں بیٹھا ہوا تھا۔

”سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں کیسا ہنگامہ ہوا ہے؟“ ایک شخص کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کون اس لاش کو یہاں پھینک گیا ہے۔“

”پھینک نہیں گیا بلکہ اس شخص کو شاید یہیں ہلاک کیا گیا گیا ہوگا۔“ دوسرے نے کہا۔ ”آٹار ہی بتا رہے ہیں۔“

وہ دیکھو لالچ؛“ یا تیسرے کی نگاہ جب سمندر کی طرف گئی تو وہ چونک اٹھا تھا۔ ان کی گفتگو سے داور کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ پہلے والے دونوں آدمی اور یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ تھے۔ ان میں آپس میں کوئی ربط نہیں تھا۔ اور لالچ کی بات یہ تھی کہ ان دونوں پائیوں کو کسی لالچ کا انتظار تھا۔ نہ جانے کس جزیرے پر کون سا پہل لکھلا جا رہا تھا۔

”اپنا اشارہ تو دو۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ لالچ کسی اور کی ہو۔“

کی طرف دیکھا۔ اس دوسری لالچ سے اس اشارے کا ہی طرح جواب دیا جانے لگا۔ اس کا مطلب تھا کہ دوسری لالچ ان تینوں کے ساتھ ہوں گی تھی۔

”خیر یہ لالچ تو اپنی ہی ہے۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”لیکن یہ دوسری لالچ کہاں سے آگئی؟“

”کچھ کہہ نہیں سکتے۔“ دوسرے نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں کے کئے کے بعد یہاں پہلے چلے گا۔“

”لیکن ان لوگوں کو بلائے سے پہلے اس پاس دیکھ لو۔“ ہو سکتا ہے کوئی چھپا ہوا ہماری نگرانی کر رہا ہو۔“

داور نے دل ہی دل میں اس شخص کو کوئی درد کا لیاں دے دیں جس نے یہ مشورہ دیا تھا۔ اس کے مشورے پر وہ لوگ اگرمحل کرنے لگے تو اس کا دیکھ لیا جانا یقینی تھا۔ ان لوگوں نے ہیٹوں لینے ہاتھوں میں اٹھار کھے تھے اور ایک خطرناک بات تھی۔ اگر وہ خالی ہاتھ ہوتے تو پھر داور کون کی پروا نہیں ہوتی۔ بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ہی تھا۔

اسے تلاش کرنے والے دو آدمی ادھر ادھر پھیل گئے۔ جبکہ تیسرا بے منتہی سے اس پتھر کے پاس چلا آیا جس کے عقب میں داور چھپا ہوا تھا۔ وہ اس وقت نے عدل کو جان ہوا رہا تھا۔ یہ داور کی خوش قسمتی تھی کہ یہ رات کا وقت تھا۔

چاندنی اور دھوپ میں بہت فرق ہو کر رہا ہے۔ اگر یہ دن کا وقت ہوتا تو اب تک داور دیکھ لیا جانا یقینی تھا لیکن اس لمحے اندھیرے نے کسی حد تک اسے چھپا رکھا تھا۔

وہ تیسرا پیچھے قدم بڑھاتا ہوا پتھر کے پاس گیا۔ اس کی گردن بڑی مشین انداز میں چاروں طرف گھوم رہی تھی۔ داور نے ہاتھ آگے بڑھا کر ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا لیا اور اس پتھر کو اچھال کر اس آدمی کے آگے پھینک دیا۔ پتھر کی آواز سننے ہی اس آدمی نے اس مقام پر گولی جھونک ماری جہاں پتھر گر کر اٹھا اور اسی لمحے داور نے پتھر کے عقب سے نکل کر اس کی گردن اپنی گرفت میں لے لی۔ یہ صرف ایک لمحے کا عمل تھا اس میں اندازے کی ڈرامائی غلطی خود اس کے لیے مصیبت بن سکتی تھی۔ اس کی گردن کو گرفت میں لے کر داور نے دوسرا ہاتھ اس کے ہیٹوں والے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ ایک وقت وہ ہیٹوں بھی اس کے ہاتھ میں آگیا اور اس شخص کی گردن بھی بیچ گئی۔

مرنے والا شخص اس کی گرفت میں پھر کا اور داور نے یگانہ اسے چھوڑ دیا۔ وہ جھونکا لے کر آگے گر پڑا۔ اس کے



ساتھ ہی وہ دونوں تیزی سے مڑے اور دائرہ نے پستول کا مرکز دبا دیا۔ اس کی چلائی ہوئی ایک گولی نے ان میں سے ایک کا سینہ چھڑ دیا تھا جبکہ دوسرا اپنے ہاتھ اٹھا کر گھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا پستول ایک طرف پھینک دیا تھا۔

دائرہ چھڑ کے عقب سے نکل کر اس کے سامنے آگیا۔ اس جویرے پر اس کی آنکھیں تباہ کن ثابت ہوئی تھیں اب تک چلائی ہوئی ہلاک ہو چکے تھے۔ اور ابھی یہ اس کیانی کا آغاز تھا۔ انجام تک نہ جانے کتنے آدمیوں کی لاشیں پھینچنے والی تھیں۔ نہ جانے کتنے لوگوں کا رشتہ نہایت منقطع ہوئے والا تھا۔

”اسی طرح ہاتھ اٹھائے ہوئے قریب آ جاؤ،“ دائرہ نے حکم دیا۔ گڑبڑ کی تو ایک سوراخ کھو پڑی ہیں کون کا گادہ دوسرا سوراخ کون میں بنا دوں گا؟“

وہ آدمی اس کے حکم کی تعمیل میں اس کے قریب آگیا۔ قریب آنے کے بعد اس کے اندر خال واضح ہوئے تھے۔ وہ ایک جوان آدمی تھا لیکن اس کے چہرے کی خوشنودی بے غاہ کر رہی تھی کہ اس نے اپنی عمر غلط کاموں میں گزاری ہے۔ اس وقت بے پناہ خوف نے اس کے چہرے کو اور بھی کڑھ کر دیا تھا۔

”تم لا رنج والوں کو لاشیں کلیئر ہونے کا اشارہ دو،“ دائرہ نے آگے بڑھ کر پستول کی نالی اس کی کندھی پر رکھ دی۔ یہیں پھر کھینچا ہوں کہ کوئی گڑبڑ مت کرنا۔ میں بہت ہی بے رحم آدمی ہوں۔ دس منٹ میں چار آدمیوں کو مار چکا ہوں۔ تین لاشیں تمہارے سامنے ہیں اور جو بھی لاش نیچے پڑی ہے، ”کون ہو تم؟“ اس آدمی نے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو؟“

”معاملہ یہ ہے کہ اگر تم میرا ساتھ دو تو میں تمہاری زندگی کے بارے میں غور کروں گا۔“ دائرہ نے کہا۔ ”ورنہ۔“ اس نے اپنا جملہ اودھورا اچھوڑ دیا تھا۔

”کس معاملے میں ساتھ دو؟“ اس آدمی نے پوچھا۔ ”صورت حال یہ ہے کہ وہ دوسری لالچ مری ہے،“ دائرہ نے بتایا۔ ”اس لالچ پر یہ غور کرنا اسلحا ہوں۔ لیکن تمہارے ساتھیوں نے جو دوسری لالچ سے آئے ہیں۔ اس وقت اس لالچ کے اگلے پہر قبضہ کر رکھا ہے میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب نکال کر میرا اسلحہ لالچ پر نرمز واپس پہنچ جائے مگر وہ اسلحہ ہاں اس جگہ آجائے۔ اس کے بعد میں سفار لوں گا۔“ سچہ گئے۔ ”وہ اس وقت بہت ہی شائستہ انداز سے بول رہا تھا۔“

”اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم مجھے چھوڑ دو گے؟“ اس آدمی نے پوچھا۔ اس کا جواب بہت خشک تھا۔

”تمہیں اتنا تو صبر کرنا ہی ہوگا۔“ دائرہ سنتے ہوئے بولا۔ ”اگر تم میرا ساتھ نہیں دو گے تو نہ دو۔ میں ایک ہی حالت کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اور جو کچھ کرنا ہے جلدی کرو۔ تمہارے دل کے سامنے تمہارے اشارے کا اختیار کر رہے ہوں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہارا ساتھ دوں گا۔“ اس آدمی نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے لیے مجھے ان کے کسی آدمی کو اوپر بلانا پڑے گا۔“

”کچھ بھی کرو۔ بہتر معاملہ ہے۔“ دائرہ نے کہا۔ ”میں دوبارہ اس پتھر کے پیچھے جا کر چھپ رہا ہوں۔ لیکن دھیان رکھنا کہ پستول کا رخ تمہاری طرف ہوگا۔ اور ایک بات بھی سن لو کہ میں اندر سے ہی جی اٹھ کر رخ دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اور میرا نشانہ ڈالنا کہ تم کو بھی نہیں سوسکتے اور تمہاری کوششیں میں دشمنانہ بن جائیں گی۔“

وہ آدمی خاموش رہا۔ دائرہ اُسے کو کرنا ہوا اس پتھر کے عقب میں چلا گیا جہاں وہ پہلے چپا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں اس آدمی پر مرکوز رکھی تھیں۔ اس آدمی نے نیچے گھڑی ہوئی مارچ اٹھائی اور اسے جاکر اس کا رخ سمند کی طرف دلایا اور اسی ہاتھ ہوئی حالت میں اس مارچ کو ایک دائرے میں گھمایا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے مٹی کا گڑ سا بن گیا ہو۔ یہ ایسا نشانہ اشارہ تھا جو اس آدمی کی مدد کے بغیر دائرہ کو معلوم نہیں ہوتا تھا۔

اس اشارے کے جواب میں سمند کی طرف سے روشنی کو ایک دائرے میں گھمایا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک آدمی نے ہاتھ سے سمند میں چھانک لگا دی۔ لا رنج والوں کو گولہ بالوں کا قبضہ ہونے کا یقین ہو گیا تھا۔ اس آدمی کے سمند میں کودنے ہی دائرہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ آدمی نے مارچ ایک طرف رکھی۔ اور ایک طرف پڑی ہوئی رخ اٹھائی۔ وہ دیکھ رہی تھی اور احتیاط سے اپنا کام کر رہا تھا۔ ایسا تھا جیسے دائرہ کی کسی ہدایت سے سڑائی کی جرات ہی نہ رکھتا ہو۔

سمند میں کودنے والا بھی بہت اچھا تیراک معلوم ہو رہا تھا۔ دائرہ نے دیکھا کہ وہ بھیڑی ہوئی موجوں کے تھلانے کی سیالیاں سے مدد جھکرتا ہوا ساحل کی طرف چلا نا رہا تھا۔ اس دوران اس آدمی نے رخ کو ایک سراسر ایک طرف سے لگ کر کے چاروں طرف پھیل دیا تھا۔ اور دوسرا اس نے نیچے لٹا دیا تھا۔ دائرہ طبعی تو مدد دل بھی سے۔ یہ سب دیکھتا رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے ہی اس کا اسلحہ ہاتھ کی طرف سے آئے والے نے اوپر چڑھنا

شروع کر دیا تھا۔ رخ کو ہاتھ دیکھ کر چٹان پر کھڑا ہوا۔ آدمی کچھ دیر میں ساکھائی دینے لگا۔ وہ دزدہ دنگلوں سے اس پتھر کی طرف دیکھتا جس کے عقب میں دائرہ چپا ہوا تھا۔ اس کے بعد وہ پھر رخ کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد چٹان کے عقب سے ایک آدمی کا ہاتھ بلند ہوا اور چٹان پر کھڑے ہوئے آدمی نے اس شخص کو اپنی طرف کھینٹ لیا۔ نیچے آئے والا کچھ دیر تک بے مدد سا پڑا رہا تھا۔ پھر جب اس کی سانسیں اعتدال پر آگئیں۔ تو وہ کھڑا ہو گیا۔ اس وقت دائرہ اور بھی غماظ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر گرفت مضبوط کر لی اور اپنے کان الٹ کی طرف دگایا۔ وہ دونوں اب آپس میں باہمی کر رہے تھے، آئے والے شخص کی نگاہ لاشوں پر پڑی تھی۔ اسی لیے وہ حیران ہو رہا تھا۔

”یہ سب کچھ بڑے مہیا۔“ آئے والے نے حریفانہ کیا۔ ”پس کی لاشیں ہیں سب کو گڑبڑ ہوئی ہے یہاں۔“

”بہت لمبا پتھر ہو گیا تھا۔“ دھیان سے جواب دیا۔ ”میں لوگوں نے ہمیشہ سے کچھ اسلحہ بھی منگوایا ہے۔ وہ اسلحہ اسی لالچ پر آیا ہے۔ جو اس وقت سمند میں کھڑی ہے۔ نہ جانے کس طرح ایک دوسرے کو گڑبڑ کو اسے اسلحہ چپا تھا گیا۔ اور اس نے اپنے کو ہی یہاں پہنچ دیا۔“

”جیسے زوروں کی مارا ماری ہوئی۔“ ہمارے دو آدمی مارے گئے۔ ان کے بھی۔ دو آدمی مارے گئے۔ ان میں سے ایک کی لاش تم نے نیچے پڑی ہوئی دیکھ لی ہوگی۔“

”ہاں۔ ایک لاش دکھائی تو دی تھی؟ آئے والے نے کہا۔ ”میں اسی وقت کشک گیا تھا۔ میں نے سمجھا تھا کہ کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہوگئی ہے۔“

”میں اس کے بعد ان کے دوسرے ساتھی بھاگ لیے۔ اس آدمی نے پتھر تاننا شروع کیا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو اسلحہ پہنچا دی ہے۔ وہ آئے والے ہوں گے۔ تم لوگ ایسا کرو کہ اس لالچ سے جو اسلحہ لے رہے ہیں اس لالچ میں کھدو۔ جیکھو توڑی سی جرات کرو تو اسلحہ کو ایک مگر بھیج کر کسی طرح ساحل پر لے آؤ۔ اور رستی سے باز دو۔ جیسے آدمی انہیں اوپر پہنچنے لیں گے۔ اس کے بعد تم لوگ یہاں سے چلے جا۔ یہاں رکنا نہیں ہے۔ ورنہ بہت گڑبڑ ہو جائے گی۔“

”اور دل کا کیا ہوگا؟“ آئے والے نے پریشان ہو کر پوچھا۔ ”ہم لوگ کسی دور سے ہی آئے ہیں۔ اس لیے تو آئے ہیں۔“

”ال تمہیں مل جائے گا۔“ اس نے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ سمیت میں پھنس جاؤ۔ تمہارا دھندہ اٹک رہا ہے۔ یہاں سے

ساتھ کیوں مارا ماری میں حقہ لیتے ہو کسی کو کچھ ہوگا تو ساری نیتے داری تم پر آجائے گی۔ جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔“

”یہ تمہیں کتنے ہو۔ دوسرا آدمی کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ معاملہ تو خراب ہو گیا ہے۔“ غیر ہم اسلحہ اور بھیجے گی کوشش کرتے ہیں؟“

”لاٹچ سے آئے والا اس رخ کے سراسرے دوبارہ پھر لڑنے کی داور کو اس کی مہارت دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ وہ اس معاملے میں بہت بالکل دکھائی دیتا تھا۔ ایسا گفتہ جیسے وہ برسوں سے اس چٹان پر چڑھنے اور اترنے کی مشق کرنا رہا ہو۔ اس کے غائب ہو جانے کے بعد دائرہ پتھر کے عقب سے نکل کر اس آدمی کے پاس آگیا۔ جس کا نام دھیان تھا۔ وہ بڑی امید بھری نگاہوں سے دائرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تم نے بہت سیلف سے بات کی تھی؟“ دائرہ نے اس کی تلافی کی۔ ”اگر تم نے اسی طرح جیسے ساتھ تعاون کرتے رہے تو یہ تمہارا دشمن ثابت نہیں ہوں گا۔“

”تم کو ہون۔“ اس نے پوچھا۔ ”اور یہاں کیوں آئے ہو؟ یہ اسلحہ کس کے لیے لائے ہو؟“

”میں یہ سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔“ دائرہ نے کہا۔ ”یہ لوگ کون تھے؟ انکس مال کی باتیں کر رہے تھے؟“

”میرا نام تو تم نے سن ہی لیا ہوگا۔“ وہ سمند کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں دھیان ہوں۔ میرا تعلق پٹنڈو کے جواخانے سے ہے۔ کچھ لوگوں نے اب اس جواخانے کو ٹوٹنے کا پروگرام بنایا ہے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا ہے۔“

”اوہ۔“ دائرہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ ”اس آدمی سے اس کی دلچسپی ایک ایک بڑھ گئی تھی۔“ وہ کون لوگ ہیں؟ اس نے پوچھا۔ ”وہ ہمارے لوگ ہیں۔“ دھیان نے بتایا۔ ”کل ملا کر پانچ آدمی ہیں۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ وہ ایک لالچ کے کراس کی طرف آئیں گے۔ اور جواخانے کو ٹوٹنے کے بعد اس ساحل سے سفار ہو جائیں گے۔“

”لالچ میں جو لوگ آئے ہیں۔ ان کا کام صرف ہم لوگوں کو مارنے کے یہاں سے نکل جانا ہے۔ یہ لوگ اس کی حرکت ہمارے ساتھ ہیں۔ جبکہ جواخانے کو ٹوٹنے کا منصوبہ جن آدمیوں نے بنایا تھا۔ ان میں سے دو تمہارے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ جبکہ بقیہ تین اس وقت جواخانے میں موجود ہوں گے۔ ہم لوگوں کو سسل یہاں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ ہم لوگوں کو یہاں سے لے جانے والی لالچ آئی ہے یا نہیں۔ لیکن تم نے تو سارا معاملہ ہی چوہن کر کے رکھ دیا۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ ہیڈوں جو اس وقت جواخانے میں موجود ہیں۔ وہ اپنے منصوبے پر عمل کرنے والے ہوں گے۔ پروگرام یہ تھا کہ چلے گئے پھر مجھے ہوجائے ان تینوں کو اپنا کام مکمل کرنا ہے۔“

”ہم نے بہت عجب بات بتائی۔ اور نہ کہا۔ لیکن تم سے پہلے جو آدمی یہاں آئے تھے۔ وہ کہتے تھے۔“  
 ”وہ ایک دوسرا مسلمان ہے۔ وہمیں نے بتایا۔ مجھے یہاں آتے وقت یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ ایک اور پارٹی آج ہی رات اس جگہ آئے گا۔ کوٹھنے کا منصوبہ بنا چکی ہے۔ اور اس کے آدمی بھی اس وقت جگہ خانے میں موجود ہیں۔ بلکہ انہوں نے اپنے دو آدمیوں کو اس طرح اپنی لالچ دیکھنے کے لیے بھیج دیا ہوگا۔“  
 اس صورت حال پر داد مرزا جا کر رہ گیا۔ ایسے دلچسپ حالات اسے کبھی پیش نہیں آئے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک وقت تین سو پارٹیاں ایک ہی رات میں اس جگہ آئے گا۔ کوٹھنے کا منصوبہ بنا چکی تھیں۔ ان میں سے ایک پارٹی داد مرزا کی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ ان تینوں میں سے کون سب سے پہلے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کا ریس تھی۔ جو ان میں سے کسی ایک پارٹی کو مرزا میں جیتنی تھی۔ اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ ہر پارٹی اپنی اپنی لالچ جزیرے کے اسی سمت لے آئی تھی۔ اور ہر پارٹی کا کوئی ٹھکانہ بھی اس ساحل پر موجود تھا۔ اور تمام آدمی جگہ خانے میں تھے۔ لیکن داد مرزا کی لالچ جزیرے پر موجود تھی۔ اور باقیوں کے پارٹیوں کے آدمی ٹھکانے لگ چکے تھے۔ ایک تھا جزیرہ اور اس کے قریب میں تھا اور دوسرا جزیرہ چاند آبادی کے ساتھ آئے لڑنے سے جٹا سکتا تھا۔

پیلو رگنڈز نے سگریٹ ایش ٹرے میں بچکان اور گوما کی طرف دیکھنا لگا۔ جان کے سامنے اپنے کمر پر دو ڈولز پانچرھے ہوئے کھڑا تھا۔ پیلو روکی نگاہوں میں اس کے لیے ساکش کے احساسات تھے۔ گوما اس کے سامنے کھڑا ہوا ایسا محسوس ہوا تھا جیسے لوہے کے تختے کو گزشت پرست کی شکل دے دی گئی ہو۔  
 ”ایک کا کیا رپوٹ ہے گوما؟“ پیلو نے دریافت کیا۔  
 ”کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی باس۔“ گوما نے جواب دیا۔  
 ”نہ واد کے تینوں آدمیوں کو رہ کر دیا ہے۔ میں نے بہت بڑی طرح ان کی ٹھکانہ کی ہے۔ لیکن وہ بھی عجیب لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی نہیں بتا رہا کہ واد کہاں ہے۔ اور یہ لوگ کس لادے سے یہاں آئے ہیں۔“

مجھے معلوم ہے کہ آج رات دو رک پارٹی کے علاوہ دو اور پارٹیاں خطرناک لادے کے کمریزے میں داخل ہوئی ہیں۔ پیلو نے کہا۔ لیکن وہ لوگ ہماری نظر میں ہیں۔ اس کو وہ جیسے کہیں اپنی آنکھیں کھل سکتا ہوں۔ میں اس معاملے میں بہت باخبر آدمی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے ان کی پروا بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ واد

بہت خطرناک آدمی ہے۔ میں نے کبھی نہیں اس کی شہرت سنی تھی۔ یہ شخص ہمارے لیے مصیبت پیدا کر سکتا ہے۔“  
 ”آپ کو کھنگو کر کے رہے ہیں۔“ گوما کے بھندے ہونٹ مسکراتے کے انداز میں کھل گئے، اور ان کے درمیان ان کے چکر دارانت دکھائی دینے لگے۔ ”آپ کو کیا گوما پر کچھ مشورہ نہیں ہے۔ میں داور جیسے وہ آدمیوں کو کچھ چیزیں کی طرح منسلک کر سکتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں ہی انہیں گنوار دی۔“  
 ”یہ میں جانتا ہوں لیکن داد مرزا سے مقابلہ کرنے کے وقت بہت احتیاط کرنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے ایک بہترین آدمی کا کی وجہ سے کوئی نقصان پہنچ جائے۔“  
 ”اگر آپ اتنے ہی فکر مند ہیں تو آپ کہیں تو میری داد مرزا کے ایک ماہل چکا دوں۔ وہ اس حال میں آئے کے بعد بے بس ہو جائے گا۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ تم جو نام سب سمجھو کرو۔ لیکن بہت احتیاط رہو۔ بہت دقتوں کے بعد کسی کی وجہ سے میں بے سکون رہا ہوں۔“

اور ان دونوں پارٹیوں کے آدمیوں کے ساتھ کیا ہوگا جائے؟ گوما نے پوچھا۔  
 ”اوہ جہنم ان کی پرامتہ مت کرو۔ انہیں اپنے دوسرے ہی سمجھا سکتے ہیں۔ میں جب چاہوں انہیں ہال سے اٹھاؤں۔ لیکن انہیں پتہ نہ ہوگا کہ اس کے لیے وہ تمہارا واد کی طرف رکھو۔ اگر تم اس کو تار کر دیا تو روزی نہا ہو جائے گی۔“  
 ”بس تو میں مار رہا ہوں۔“ گوما کی مسکراہٹ اور گہری آنکھیں دیکھتے ہیں کہ میں داور کے لیے کیسا حال چکا ہوں۔“

گوما آتا کہ پیلو رگنڈز کے کمرے سے باہر گیا۔ یہ کہہ کر اس کی اور یہی منزل پر تھا۔ وہ پڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ مختلف اور تمام آدمیوں کے گزردہ ایک ایسے دروازے پر آگیا جس کے دو چاق و چوبند سلاخ پیر ہمار کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے گورکھ کر عذر کی سے دروازہ کھول دیا۔

اس کمرے میں فریڈرک نام کی طرف تین کرسیاں تھیں جو دیوار کے ساتھ رکھی تھیں۔ ان کرسیوں سے گولی کا لودا عبدل بندھے ہوئے تھے۔ ان تینوں کی حالت غیر سو رہی تھی۔ اس کے چہرے مڑے ہوئے تھے۔ کپڑے پھٹ چکے تھے اور ان کی سرخ زور سی تھیں۔ عبدل بھی اب ہوش میں دکھائی دے، لیکن اس کی آنکھوں میں بھانے خون کے نفرت تھی۔ بے نفرت یہی حال گولی اور کا لودا تھا۔ وہ دونوں بھی عبدل کی

ہفتے میں دکھائی دے رہے تھے۔  
 ”مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ اپنے جوئے ساتھی کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ گوما نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”کوئی بات نہیں۔ یہ تمہاری منہ ہے۔ اور میری منہ ہے کہ میں اس شخص سے شکوے کر دینا چاہتا ہوں جس کی خاطر تم لوگوں نے اپنی زبان بند کر رکھی ہے۔“  
 ”بھیرا بہن کا نام کیوں کوئی کرتا ہے؟ عبدل بول پڑا۔ جاؤ باکر اس کا پتہ چلاؤ اور اسے کھاس کر دو۔“  
 ”میں یہ بھی کر سکتا ہوں۔ گوما مسکرایا۔ اور تم لوگوں نے یہ دیکھ کر ہر گز کہ میرے لیے یہ کیوں کیوں نہیں ہے۔ لیکن میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگائوں گا۔ اس کی موت کا اندازہ کرنا اور ہر گز کہ میرے لیے یہ خود کوئی حقیقت نہیں گھنٹا لیکن میرا اس زمانے میں اس کی وجہ سے پریشان ہو رہا ہے۔ اس لیے میں اسے اٹھانے لگا۔ اس کی ایک ترکیب سوچ لی ہے۔ اور تم لوگوں کو اس معاملے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔“

”یہ تم کی کبہ رہے ہو۔“ گولی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔  
 ”تیار کیا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ تم کیا اپنے ساتھی کو پھینکا کر لینے چاہتا رہا ہو؟“  
 ”ہاں۔ نہیں۔ ہر حال میں ساتھ دینا ہوگا۔ گوما نے کہا۔ تم لوگوں سے ان کی مرض کے خلاف کام لیتا ہوگا۔ تم لوگ دیکھتے رہو کہ میں کیا کرتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ دروازے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عبدل نے غلط کر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھی۔ اور وہ تینوں صورت حال کا تجزیہ کرنے لگے۔

ابھی وہ لوگ اسی قسم کی باتوں میں مصروف تھے کہ گوما پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک برلین کیس تھا۔ اس نے وہ برلین کیس کھل کر دے کے درمیان میں رکھ دیا اور خود برلین کیس کے پاس ہی گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس برلین کیس میں عجیب ہی قسم کی چھوٹی چھوٹی بلی جی جی رہی تھی۔ ان کی صورت ایسی تھی جیسے چھوٹے ڈاکٹر برلین کیس میں بچے ہوئے ہوں۔ ان راکٹوں کے ساتھ بے شمار زخمیں خشک تھیں۔ اور ان تاروں کے ساتھ برلین کیس میں ہی رکھی ہوئی ایک الارم ٹیگڑی جیسی کبھی چیز سے خشک تھے۔

گوما نے ان راکٹوں کو برلین کیس سے نکال لیا۔ اس نے ایک راکٹ دروازے پر اس طرح چپکا دیا کہ وہ باہر سے دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ پھر اس نے راکٹ کے تار کو برلین کیس میں رکھی ہوئی چھوٹی مشین سے خشک کر دیا۔ یہ سب کام وہ بڑے ہنماک اور

گوما نے ان راکٹوں کو برلین کیس سے نکال لیا۔ اس نے ایک راکٹ دروازے پر اس طرح چپکا دیا کہ وہ باہر سے دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ پھر اس نے راکٹ کے تار کو برلین کیس میں رکھی ہوئی چھوٹی مشین سے خشک کر دیا۔ یہ سب کام وہ بڑے ہنماک اور

عبدال کے ساتھ کرنا تھا۔ پھر اس نے ایک ایک راکٹ ان تینوں کی کرسیوں کے پاؤں سے چپکا دیے۔ ان راکٹوں کے تاروں کے ساتھ بھی برلین کیس سے خشک تھے۔ پھر اس نے ہر ایک کیس ایک دیوار کے پاس لے جا کر رکھ دیا۔

اس عمل سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بڑی ہمتی اور گہری نظر سے اپنی کھدائی کا جائزہ لیا اور مطمئن انداز میں سر ہلاتا جہان ان کے پاس آگیا۔

”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں نے کچھ دن ہو گا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ اس نے کہا۔ کیونکہ تم لوگ اتنے معلوم نہیں ہو۔ ہر حال اگر میں مجھے سوچوں۔ یہ بتاؤں کہ یہ انتہائی عجیب قسم کے ہم ہیں۔ اور ان لوگوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کا دائرہ کار بہت محدود ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اگر یہ میرا دائرہ کار ہے تو صرف دروازہ کھولنے والا اور دروازہ ہی تیار ہوگا۔ کس کی حیرت! اس کی دیواروں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس طرح کھائی کرسیوں میں لگا ہوا یہ دم مرت نہیں اور کرسیوں کو فنا کرے گا۔ کمرے کی دوسری چیزیں اسی طرح سلامت رہیں گی۔ ویسے اگر یہ کمرہ اسی طرح تھا تو اس سے خاص فرق نہیں پڑے گا۔ جیسے اس کے پاس بہت دولت ہے۔ وہ اس قسم کے پچاس کمرے تعمیر کر سکتا ہے۔ اب پیلو اس طرح تیار ہے۔ اور ضرورت ہے تو اسے اس سامتی کی جس کا کام داور ہے۔ اس کے آگے ہی یہ کہانی مکمل ہو جائے گی۔ وہ بتا رہے ہیں اس کے میں داخل ہو گا اور دروازہ کھٹے ہی دم پھٹ جائے گا۔ اور کچھ عرصے کے پتھر سے بچھ جائیں گے۔ کبھی یہ ترکیب ہے؟“  
 ”ایک دفعہ کلاس ترکیب ہے۔ کنگ کنگ۔“ عبدل بولا۔

”اوپن جیاتی بات نہیں کرتا کیا۔ یہ تو ایک بات جرد بولیں گا۔ تیار بل بھی اپنی کا استاد داور کو نہیں پوچھ سکتا۔“

”تم اس کی نمونہ کرو۔“ گوما ہنس پڑا۔ میں جانتا ہوں، اگر تیار وہ ساتھی اس کی جزیرے پر کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ تم نے یہاں آتے ہوئے شاید ایک چیز نہیں دیکھی، اس پورے جزیرے پر لاڈلہ سپیکر کے جال بکھار دیے گئے ہیں۔ ان کا ایک کام جزیرے میں موسیقی نشر کرنے کے ساتھ ساتھ جزیرے کے اعلیٰ نہایت کرنا بھی ہے۔ یہ لاڈلہ سپیکر پورے جزیرے پر موجود ہیں۔ کوئی جگہ بھی ان سے غلط نہیں ہے۔ میں اعلان شروع کرنے والا ہوں کہ مسٹر داور جہاں کہیں بھی ہوں براہ کرم کامیونٹک پیج جاؤ کہ یہ کہیں ان کے کام ساتھی کو ایک علامت پیش آگیا ہے۔ مسٹر داور جہاں کہیں بھی ہوں براہ کرم کامیونٹک پیج جائیں۔ اب سچے سچے میری آغوش۔“  
 ”مجھ کی کنگ کنگ۔“ عبدل نے ایک گہری سانس لی۔ یہ تو

تیرے کہہ تجا کہ اسکو دے دے دوتوں نہیں ہے۔ وہ کھجے والے  
 گا کہ اس کی سستی کے ساتھ کوئی عادت نہیں ہوا ہے۔ یہ  
 اعلان اس کو دھوکہ دینے کے لیے کیا جا رہا ہے۔  
 " لیکن اس سے میری کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیونکہ اس کو  
 تو وہ نون صورتوں میں بیان ہو گیا ہے۔ اگر اس نے یہ سمجھا  
 کہ واقعی اس کی سستی کے ساتھ کوئی عادت نہیں آگیا ہے تو  
 وہ دیکھنے کے لیے آئے گا۔ اور اگر اس نے سمجھ لیا کہ اس کے ساتھ  
 دھوکہ کیا جا رہا ہے تو کم لوگوں کو بھڑانے کے لیے آئے گا۔ اس کو  
 آنا ضرور ہے۔ "

وہ تینوں گروا کا طعن دیکھتے رہ گئے تھے۔ ہلاک لیر اور  
 بلا کا دھین ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے دوہن کی کڑی سزا میں اور  
 اس کے بدن کی قوت نے مل کر اسے ایک ناقابل تیز شخصیت  
 بنا دیا تھا۔

" اچھا اب میں جانتا ہوں۔ " گروا نے کہا۔ " امید ہے کہ اگلے  
 جہاں میں تم میرے کسی ہمراہی کے ساتھ ضرور ملاقات ہوگی۔  
 وہ جانے کے لیے میرا ہی خاکسار ایک آدمی دھڑا سوار کرے  
 میں لگیا۔ اس نے گروا سے کہا کہ اور اس کی بات سن کر گروا کی  
 مسکراہٹ اور گہری ہنسی۔ اس کی بات میں ان تینوں کو بھی  
 پہنچ سکی تھیں۔ گروا نے اس آدمی کو اشارہ کیا کہ وہ سر ہٹا کر  
 سلام کرتا ہوا باہر چلا گیا۔

" مجھے ایک اچھی خبر ملی ہے۔ " گروا نے تینوں کی طرف دیکھتے  
 ہوئے بولا۔ " شاید وہ خبر تمہارے کان کی زہر پھر بھی بتا دینے  
 میں کوئی عرصہ نہیں ہے۔ وہ خبر یہ ہے کہ میرے پاس پڑھو  
 نے میرے اس انتقال سے خوش ہو کر ہمارے گھر کی ایک لڑکی لے گیا  
 کو میرے گھر بھجوا دیا ہے۔ شاید تم کو بھی معلوم سے واقف ہو  
 گئے۔ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ بہر حال اب میں جانتا ہوں۔ اور  
 ہاں۔ میں کون کا رسم تم کو ظاہر دوں۔ "

اس کا کہہ کر وہ بریل کیس کی طرف گیا اور اس نے بریل کیس  
 میں رکھی ہوئی مشین کا ایک چین دیا۔ اب اس کے میں چکی  
 چکی جگہ ایک کی آواز اُٹھنے لگی تھی۔  
 " اب اس کرے میں باہر سے موت تیار داسا سنی آئے گا۔ "  
 اس نے کہا۔ " اور مجھے اس سے ہے کہ وہ قتل نہ ہو جس کو مجھے  
 اچھا قسم آئے زندہ دیکھ سکوں گے۔ "



پہاڑی کے بچے سے روتی کا اشارہ کیا گیا اور اس  
 اشارے کے ساتھ ہی وہ جہاں سے روتی پہنچا لگا دی۔ اور وہی  
 اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ لاہ  
 والوں نے اس کو ساحل تک پہنچا دیا تھا۔ اور وہ اب اس کو  
 اور پہنچنے لینے کے لیے کہہ رہے تھے۔ دھیلے ہوئے جینے لگا کی  
 تھی کچھ پر بعد اسے جھٹکا لگا دیا جانے والا اور اشارہ کر دیا  
 داور نے بھی وہ روتی بچہ کی اور ان دونوں نے مل کر روتی  
 کھینچی شروع کر دی۔ اس کا وزن اچھا خاصہ تھا۔ نہ چلنے  
 وہ لوگ لاہ سے بے وزن آتے تھے کہ اس طرح اس کے  
 تھے۔ داور کو معلوم تھا کہ اسے میں دو مشینوں کے علاوہ بھی  
 کا کاتوں کے چار دتے آتے تھے۔ ان سب چیزوں کو ایک  
 برتن سے بھرتے ہیں بند کر دیا گیا تھا۔ لاہ والوں نے اس لیے  
 کر روتی سے باز رہا تھا۔

دونوں نے مل کر زور لگایا اور وہ غنچلا کچھ اور اُپر  
 اُگھا اور جھبک اسی وقت ایک اور واقعہ رونما ہوا۔  
 سمندر کی طرف سے کسی لاہ کی آواز سنائی دی۔ اور  
 ایک تیسری لاہ ان دونوں لاہوں سے کچھ فاصلہ پر آکر کڑ  
 ہو گئی۔ داور اور جہا آنے والی لاہ کو دیکھنے لگے تھے۔ اس  
 لاہ میں بھی اندھیرا رکھا گیا تھا جس کی وجہ سے اندازہ نہیں  
 ہو رہا تھا کہ اس لاہ میں کتنے آدمی موجود ہیں۔

آنے والی لاہ نے آتے ہی قیامت برپا کر دی۔ یہ  
 لوگ بہت چوکے اور خوشحال معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے  
 کچھ معلوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی تھی۔ آنے والی لاہ  
 سے نڑاڑ گویاں برسنے لگیں۔ یہ گویاں دوسری لاہ پر  
 چلائی جا رہی تھیں۔ گویوں کے ساتھ ہی پہنچ دیکار شروع  
 ہو گئی۔

" یہ کیا ہو گیا؟ " حیلے کو کھلا کر لہجہ تھا۔ " یہ کون لوگ ہیں؟ "  
 " ایسا معلوم پڑتا ہے کہ پہلی بار اندھیرے پہنچ گئی تھی۔  
 داور نے سمندر کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ " اب ہر گاہ  
 میں تو ان کا شک پڑ گیا ہے۔ کہا سالا ایک سے ایک جڑا  
 اب ہر گاہ لگا ہے۔ ہنگامہ اب ہر جہاں دار لہجہ ہو گیا۔  
 " بے بھجوان۔ " دھیلے نے ایک گہرا سانس لیا۔ " ہمارا  
 لاہ والے مفت میں مارے گئے۔ "

" اے دھیلے! تم سالا لے گویہ لیریاں ہوتا ہے۔ " داور  
 نے مضطرب آواز سے انداز میں کہا۔ " یہ ایک کامی کا گھر  
 ہے۔ یہ سالا لوٹ مار کا دھڑا بھی کڑ بڑ کھولنے والا ہوتا ہے۔

ابھرتی پانی پینڈو کا دھڑن تختہ کرنے کا واسطہ آ بیلا  
 ہے۔ ان تینوں میں مارا مارا ہو گیا۔ ایک پانی کا بلی  
 بالادریانی دوکانہ کا لاہ ہو گیا۔  
 آنے والی لاہ سے گویوں کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی۔  
 جہا سے سائینوں والی لاہ سے کچھ لوگوں نے سمندر میں کونا  
 شروع کر دیا۔ اندھیرے کے باوجود یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ  
 اپنی اپنی جان بچا کر سمندر میں کودنے لگے ہیں۔ لیکن تیسری  
 لاہ والوں نے شاید یہ تہہ کر لیا تھا کہ وہ کسی کو بھی نہ بچنے  
 کا موقع نہیں دیں گے۔ لاہ کی طرف سے انتہائی طاقتور  
 سرخ لاش کی شعاعیں سمندر میں پھینک چلنے لگیں۔ ان  
 دھنیوں نے سمندر میں آجالا کر دیا تھا اور اس روٹی میں  
 داور کو سمندر میں کچھ سر کھائی دے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دوسری  
 لاہ سے کو کو کر گزار ہو رہے تھے۔ لیکن وہ بد قسمت لوگ  
 زیادہ دور نہیں چکے۔ لاہ والوں نے تاک تاک کر نشانے  
 لگائے اور کچھ ہی دیر بعد ان کی لاشیں سطح آب پر تیرنے  
 لگیں۔

داور اور جہا بڑی جرات سے یہ منظر دیکھتے رہے تھے۔ یہ  
 تیسری لاہ جنہوں کی معلوم ہوئی تھی۔ وہ ایسے لوگ تھے  
 جو کھل وغارت گری کے معاملات میں وقت ضائع کرنے سے  
 قائل نہیں تھے۔ انھوں نے سمندر میں اپنی جایش چیلنے کے  
 لیے جہد بہد کرنے والوں کو اس طرح ہلاک کر دیا جیسے ٹھیکان  
 ماری ہوں۔ مرنے والوں کے خون سے سمندر کا پانی دھلا  
 دہرے کے لیے لیکن ہوا پھر سمندر کی دوسری موجوں نے اس  
 رنگ کو غائب کر دیا۔

ان لوگوں کی طرف سے طین ہو کر لاہ والوں نے ساحل  
 پر موجود لوگوں کی طرف رخ کیا۔ ان کی طاقتور سرخ لاشیں  
 دھڑلے سے روٹھیں۔ پھیل رہی تھی۔ اور اس روٹھ میں وہ  
 دھڑلے سے منظر بھی دیکھتے تھے۔ پہاڑی سے پہنچے ساحل  
 پہنچے پہنچ دیکار شروع ہو گئی۔ یہ وہ لوگ تھے جو داور کی لاہ  
 سے اسکو نے کر ساحل تک آئے تھے۔ ان لوگوں کے لیے ہزار  
 گاؤں راستہ ہی نہیں تھا۔ سامنے گہرا سمندر تھی بلکہ پہاڑوں  
 اور دونوں جانب گہری کھائیاں۔ داور کو یہ اندازہ نہیں تھا  
 کہ اس ساحل پر اس وقت کتنے لوگ موجود ہیں۔ لیکن اتنا مزہ  
 معلوم تھا کہ وہ جیتے جی ہوں گے انھیں بری طرح بھونکا یا  
 گیا ہے۔ اس ساحل پر موت کا رقص جاری تھا۔ راستہ  
 دہریں نہ جانے کتنے آدمی موت کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ کچھ

لوگ داور کی طرح سے ہلاک ہوئے تھے اور بہت سے لوگوں کو  
 ان جنہوں نے ہلاک کر دیا تھا۔  
 ساحل پر ہونے والا کھیل ختم ہو گیا۔ اسی لیے سرخ  
 لاشیں بھادی نہیں۔ ایک بار پھر ٹھپ اندھیرا طاری ہو گیا۔  
 داور نے غصوں سے کہا کہ دھیلے کو اسے لڑ رہا تھا۔ شاید وہ  
 ایسا آدمی تھا جس نے ایک خطرناک کھیل میں حصہ لینے کا  
 فیصلہ کر لیا تھا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ موت اتنی تیزی  
 سے بھی جھٹ سکتی ہے۔

داور کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اب تیسری لاہ والے کہا  
 کریں گے۔ لیکن جب ایک زوردار دھماکے کے ساتھ سمندر  
 میں آگ کا فوارہ اُچھٹا ہوا دکھائی دیا تو داور کو یہ چل گیا کہ  
 آنے والی لاہ والوں نے دھماکے کے ساتھ ہی لاہ کو اُڑا  
 دیا تھا۔ وہ غصے کی شدت سے زور زور سے اپنے پاؤں زمین  
 پر مارنے لگا۔ اس نے سمجھا تھا کہ اس لاہ کے بعد اس کی  
 لاہ کی بھی باری آ جائے گی۔ وہ تند خو لوگ اس ساحل پر  
 اپنے علاوہ کسی اور کا نشان باقی رکھنا نہیں چاہتے تھے۔

اسے اپنی لاہ کی تیاری دیکھنے کے لیے زیادہ انتظار  
 نہیں کرنا پڑا۔ ویسا ہی ایک دوسرا دھماکا ہوا اور کور کے  
 پر پہنچے آگئے۔ داور نے جھل کر ان لوگوں کو گایا۔ دہنی  
 شروع کر دی۔ دہنی دوسرے ان لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ  
 سکتا تھا۔

" یہ تو بہت ہی خطرناک لوگ ہیں۔ " دھیلے بڑبڑایا۔  
 " میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ انھوں نے تم لوگوں کی لاہ  
 بھی تباہ کر دی۔ "

" یہ لفظ ان سالوں کو مہنگا پڑا ہے گا۔ " داور نے ہلکا  
 دہنی میں کہا۔ " ان حرام جاووں کا اہلیت بناؤں گا۔  
 سالوں نے اپنا موت کا آواز دہلایا ہے۔ سالوں نے ہار دے  
 ڈھیریں انکا جھینکا ہے۔ سب کا سب سالے جل کر پشندا کا  
 چپری کباب بن جائے گا کیا۔ "

" تیسری لہجہ میں نہیں آتا کہ ان کروں۔ " دھیلے نے کہا۔ ایک  
 طرف تو میرے ساتھی ہیں دوسری طرف تو لوگ جو تیسری  
 طرف لاہ والے ہیں۔ پھر پینڈو روٹتا ہے۔ اگر یہ معلوم  
 ہو گیا کہ میں نے اس سے غلامی کی ہے۔ میں نے جوئے خلع  
 میں کام کرتے ہوئے بھی دوسروں کے ساتھ مل کر کھانے کا  
 بنایا تھا۔ پینڈو بہت باخبر آدمی ہے۔ اُسے معلوم ہو گیا ہوگا  
 کہ میں اس کے خلاف سازش میں ملوث ہوں۔ پھر میرا کہاں

تھکا نہ ہوگا؟ میں کیا کروں گا؟

”دیکھو دوست، داور نے ہوجہ بدل کر سیدی سادی سلینس اردو میں کہا یہ درست ہے کہ میں نے بی بی طاقت کے بل پر تم پر قرا لو حاصل کیا ہے۔ لیکن مجھے مختار سے لگاؤ کی بھی ضرورت ہے۔ تم اس علاقے سے ابھی طرح واقف ہو۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ میں یہاں سے نکلے ہونے نہیں بھی اپنے ساتھ سے جاؤں گا اور تم بے دیکھ لو کہ میں جنت بارنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے روکنے کے لیے لوہے کا جگر چاہیے۔“

”ہاں،“ دھیما نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں نے مختاری ہمت اور ہمداری دیکھی ہے۔ لیکن اب مختارا اداؤ کیا ہے؟“

داور نے جواب دینا ہی چاہا تھا کہ اچانک چاروں جانب سے ایک آواز گونجنے لگی۔ داور اور دھیما جرت سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔

”داور صاحب جہاں بھی ہوں براہ کرم کا سینہ پہنچ جائیں ان کے ایک ساتھی عبدال بڑی طرح زخمی ہوئے ہیں۔ داور صاحب جہاں بھی ہوں۔“

”یہ کیا پتہ ہے؟ دوست؟“ دھیما نے داور کی طرف دیکھا۔ ”یہ اعلان میرے ہی لیے ہے؟“ داور نے بتایا۔ ”عبدال میرا ساتھی ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ دھوکہ ہے۔ وہ لوگ مجھے چھانسن کر کا سینہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے میرے لیے یہ ایک جال بچھا یا ہے۔“

”بھرا پ کا کیا اداؤ ہے؟“ دھیما نے پوچھا۔ وہ اس وقت بہت ہی سہاوت مند دکھائی دے رہا تھا۔

”میں کا سینہ درد جھاؤں گا؟“ داور نے کہا۔ اس اعلان کا مطلب یہ ہے کہ میرے ساتھی ان لوگوں کے چکر میں پھنس گئے ہیں اور ان کی بات جرت کی ہے۔ وہ لوگ نر توڑا تو نہیں تھے پھر جانے کس طرح انھیں پکڑ لیا گیا ہے۔“

”کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے ساتھیوں کو پکڑ لیا گیا؟“

”سو فیصد۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“

سمندر کی طرف اب خاموشی تھی۔ ان دونوں لالچوں کو تباہ کر دینے کے بعد تیسری لالچ والے بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ ان کا انگو قدم کیا ہوگا بہت ممکن تھا کہ وہ راستہ صاف کر لینے کے بعد سامان پر کٹنے کی بڑائی کر رہے ہوں۔ داور کا اسکو بھی ہاتھ سے نکل گیا تھا جس وقت

تیسری لالچ نے حملہ کیا اس وقت غرا دی طور پر وہ دھڑکی داور کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ دھیما بھی اس رسی کو پھرنے میں ناکام رہا تھا اور وہ رسی بڑی تیز رفتاری کے ساتھ سرسرا کر ہوئی کمرے سے تپتے جاگتی تھی۔ اس کے بعد ہی بنگلہ شروع ہو گیا میں نے ان دونوں کو کسی اور طرف دھیما دینے کا منصوبہ ہی نہ دیا تھا۔

”اس پورے جزیرے پر لاؤ ڈھائی سیکڑا جال بچھا ہوا ہے۔ دھیما نے بتایا۔ یہ اعلان اس وقت پورے جزیرے میں سنا جا رہا ہوگا۔“

”بھگہ میں نہیں آتا کہ میرے آدمی پیڑوں کے ٹپنے میں کیسے آگئے۔“ داور زبردیا سے ان میں سے ہر ایک کو دس بھاری ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ گوما مختارے آدمیوں پر بھاری پڑ گیا ہوگا۔“ دھیما نے کہا۔ یہ اس کی حال معلوم ہوئی ہے۔ وہ دیکھ بھی ہے اور طاقت ور بھی۔“

”کون ہے یہ گوما؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”ایک ایسا آدمی جو گیندے کو بھی بچھانسنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اکیلا نہیں آدمیوں پر بھاری ہے۔ وہ ایک لائق ہے۔ پیڑ روکا سا کارا رو بار اس کی وجہ سے قائم ہے۔ وہ طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ بے انتہا ذہنی بھی ہے۔“

”بہت خوب،“ داور مسکرایا۔ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس جزیرے پر مقابلہ کرنے میں مزائے گا۔ ٹھیک ہے اب تم مجھے بتاؤ کہ میں اس کا سینہ میں کس طرح داخل ہوں؟ میں سب کی نگاہوں سے بڑک کر سینہ میں داخل ہونا چاہتا ہوں اور یہ تم خود ہی بتانے ہوگا آج رات ایک وقت تین تین پارٹیوں نے اس کا سینہ کو لٹے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس لیے مجھے تو ایسا راستہ چاہیے جو اب تک دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ ہو۔“

”دیکھو دوست،“ دھیما کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”یہ بات تو طے ہے کہ اب ہر کسی کی طرف جانے کے قابل نہیں رہا۔ پیڑ کی طرف اس لیے نہیں جاسکتا کہ اس کو معلوم ہوگا کہ وہاں کی طرف اس سے غدار کی ہے۔ ان کی طرف بھی نہیں جاسکتا جنھوں نے کا سینہ کو لٹے کے لیے میرا لگاؤ حاصل کیا تھا کیونکہ میری وجہ سے ان کے دو آدمی مر چکے ہیں اور مجھے میرا تمام ہتھیار کر کے کیونکہ میں مختار سے مخالفین میں شامل ہوں۔ اس لیے

میری حیثیت یہاں سب سے مشکوک ہو گئی ہے۔“

”دھیما، میں تم پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ داور نے جلدی سے کہا۔ اس لیے میں تم ہی سے پوچھ رہا ہوں کہ کاسینو میں داخل ہونے کا سازش کیا ہو۔ اس وقت میرے نزدیک سب سے اہم بات اپنے ساتھیوں کی رہائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ بچے گئے۔ میں اور میں ہر قیمت پر ان کو چھڑانا چاہتا ہوں۔ میں انھیں بے بسی سے مرنے کے لیے ان حیثیتوں سے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتا۔ وقت بہت کم ہے دھیما۔ فوری فیصلہ کرو کیا تم میرا ساتھ دو گے؟“

”میں ایک خفیہ راستے سے واقف ہوں۔ دھیما کچھ دیر بعد بولا۔ یہ دراصل گٹر لائن ہے۔ خاصا نشانہ راستہ ہے۔ ہم اس کے اندر سے ہوتے ہوئے کاسینو میں داخل ہو سکتے ہیں کسی کو پتہ ہی نہیں چلے گا۔“

”کیا تم نے ان لوگوں کو اس گٹر لائن کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جنھوں نے مختار لائنوں حاصل کیا تھا؟“

”نہیں۔ میں نے انھیں کچھ نہیں بتایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ راستہ میں نے اپنے لیے رکھا تھا۔ دھیما بھی سچی بات ہے کہ میں ذرا بڑول آدمی ہوں۔ اس لیے میں نے دانیسی کی راہ میں رسی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر اندر کے حالات بہت خراب ہو گئے تو میں اس راستے کے ذریعے کا سینہ بھاگ نکلوں گا۔ اس لیے میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا۔“

داور اس کی بات سن کر مسکرایا۔ اس آدمی کی یہ صاف گوئی آئے ابھی تھی۔ رنر کو اس طرح اپنی بڑی کا نگاہ کیا کرتا ہے۔ لاؤ ڈھائی سیکڑا رسی بھی دھکے دھکے سے اعلانات کا سلسلہ جاری تھا۔ داور کے لیے اس وقت سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے پاس سوائے ایک پستول کے اور کوئی ہتھیار نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ داور نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”اچھ، تم میں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

دھیما اور داور دونوں ایک طرف چل پڑے۔ جاندار اس وقت بالوں کی خوش میں تھا اس لیے اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ تیسری لالچ والے کی ہر کہہ رہے ہیں۔ ویسے ان کی طرف سے ابھی بالکل خاموشی تھی۔ داور نے اس وقت دھیما پر اس لیے بھروسہ کر لیا تھا کہ اس کے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں تھا کاسینو کے اندر گھسنے کے لیے اسے ایک ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو اندر کا حال جانتا ہو جو تمام راستوں سے واقف ہو لے سب سے پہلے اپنے ساتھیوں کو قید سے چھڑانا تھا پھر پیڑ

کی خریدنی تھی۔ اس سلسلے کو وہ ایسا سنی دینا چاہتا تھا جو وہ زندگی بھر نہیں بھول سکے۔ اس بوقت نے داور کے ڈھیر کو بھنگاری دکھائی تھی اور اب اس کی بربادی لازمی تھی وہ دونوں اندھیرے میں پتھروں سے ٹکراتے تھے تو آگے بڑھتے رہے۔ یہ جگہ بالکل ویران تھی۔ اس پاس کوئی بھی دکھائی نہ آتا تھا۔ ایک چھوٹے سے مہمان کو عبور کر لینے کے بعد وہ دونوں جھاڑیوں کے ایک طویل سلسلے کے پاس ٹکڑکڑ گئے۔ خود رو کاٹنے دار جھاڑیاں تھیں۔ دھیما ان جھاڑیوں کے پاس کھڑا ہو کر کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے ٹھنوں کے بل دونوں ہونے والوں ہاتھوں کی مدد سے ان خارا جھاڑیوں کو ایک طرف چٹانا شروع کر دیا۔ شاندار وہ ان کے درمیان سے راستے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچھ دیر کی کوشش کے بعد وہ جھاڑیوں کو ایک جانب ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اس کی طرف داور کو اشارہ کیا اور بھی اس کے قریب ہی ٹھنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وہ دونوں ہی طرح ٹھنوں کے بل بیٹھے ہوئے دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگے ان کے دونوں طرف کاٹنے دار جھاڑیاں تھیں۔ یہ جھاڑیاں ان کے پتھروں سے ٹکراتیں اور ان کے ذمیلے کانٹے ان کے لباس اور بدن میں کھب کر رہے تھے۔ انھیں اس انداز سے زیادہ سے زیادہ دس گز تک چٹانا پڑا ہوگا۔ لیکن یہ دس گز کا سفر ہی بڑی مشکلوں سے طے ہوا تھا۔

دھیما پھر ایک جگہ ٹوک گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے زمین کو ٹوٹنا شروع کر دیا۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مل گیا۔ ہی وہ راستہ ہے۔ یہاں سے ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر جوئے خلتے میں داخل ہو سکتے ہیں۔“

وہ لوہے کا ایک ٹراسا وٹھکن تھا۔ ایسا وٹھکن جو عام طور پر گٹر کے دھانے پر رکھا جاتا ہے۔ اس وٹھکن کے اوپر ایک کمرنگی لگا ہوا تھا۔ دھیما اس کمرنگے کو دو درجے سے نیچے لگا لگا لیکن وہ ابھی کوشش میں ناکام رہا تھا۔ کمرنگے سے اسے وٹھکن نش سے سس بھی نہیں ہوا تھا۔

”تم ایک طرف ہٹ جاؤ اور داور نے کہا۔ میں کوشش کرتا ہوں۔“

دھیما اپنے بدن کو سمیٹ کر ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کے پیچھے ہی داور نے اس کے کمرنگے سے پر ہاتھ ڈالا۔ اپنی سانسیں روئیں اور ایک دھڑک دھڑک کر نکلا دیا۔ اس کی پہلی کوشش ناکام ہوئی تھی۔ دوسری بھی ناکام ہوئی لیکن تیسری کوشش میں وہ وٹھکن اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس بھاری اور سختی سے جگے

خود کو سنبھال رکھا تھا پھر ایک موقع ایسا بھی آیا جب وہ صما  
چلتے چلتے زور سے لڑکھڑایا اور حلقی ہوئی تاہم اس کے ہاتھ

”کہاں ہیں وہ میزبیاں؟“ داؤد نے پوچھا۔ ”میں  
آگے تو نہیں نکل آئے۔“

تو اندھیرے میں تھے نیکن روشنی کسی بھی لمحے ان تک پہنچے اسی

کھڑے ہونے کی بھی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ اس کا یہ حال ہے



کردار و مسکراہو اس نے ٹکڑے ٹکڑے کو دوبارہ بند کر دیا تھا۔ وہ وہی کاسینو کے اندر بیٹھ چکا تھا لیکن اصل مرحلے ابھی تک باقی تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ اس کے لیے کاسینو کے چھپتے پھرتے بیڑے بچھاوا ہوگا۔ پیڈرو گنز اس آدمی کے استقبال کے لیے تیار ہوں گے۔ پیڈرو کا بلاواسطہ سے بھاری تھکا داور کے آدمی اس کے قبضے میں آئے بغیر کا پڑا اس لیے بھاری تھکا وہ ان کی نگاہوں میں آئے بغیر کاسینو تک پہنچنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کی صورت سے کتنے لوگ واقف ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ پیڈرو نے اپنے جن آدمیوں کو چاروں طرف پھیلا رکھا ہو وہ اس کی صورت ہی سے واقف ہوں اور وہ ان کے درمیان سے گزرنا چاہا جائے۔

اب وہ یہ سب سوچ رہی رہا تھا کہ وہ اعلان پھر ہونے لگا۔ وہی اعلان۔ وہی الفاظ۔ وہی اس دوران خود کو بھال کر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کی حالت اعتدال پر آچکی تھی۔ داور نے وہی ایک طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی۔

”کیا پیڈرو جانتا ہے کہ تم نے غداری کی ہے؟“ اس نے وہی سب سے پوچھا۔

”یہ میں نہیں کہہ سکتا“ وہی نے جواب دیا۔ لیکن میرے اندازے کے مطابق وہ ایک باخبر آدمی ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں اس کے خلاف ہو گیا ہوں۔ پھر یہی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اندھا جاکر صورت حال معلوم کر دو“ داور نے کہا۔ ”میں نہیں رہتا ہوں۔ تم تو اندر سے آدمی ہو۔ انہیں کوئی نہیں روکے گا اور وہ سب کچھ کہیں معلوم ہو چکا کہ میرے سامنے کس مہبت میں پہنچے ہوئے ہیں میرے ذہن سمجھتی ہیں۔ عبدل گو بی ادب کا لو۔ تم ان بیٹوں کے بارے میں معلوم کر دو۔“

داور کی بات سن کر وہی کاش کش کش میں مبتلا ہو گیا جیسے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ کاسینو کے اندر چلنے کا خطرہ مول لے رہا ہے۔ پھر اس نے اپنے سر کو جھٹکا اور داور پر ایک نگاہ ڈالتا ہوا کاسینو کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور جھاڑیوں کے عقب سے باہر نکل آیا۔ وہ اس وقت اس کی عاید شان عمارت کی عین غمت کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک عظیم الشان عمارت تھی جو رنگ رنگی روشنیوں سے بھی ہوئی تھی عمارت سے موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ لوگوں کا شور

بھی سنائی دے رہا تھا۔ البتہ اس طرف سنا تھا۔ پیڈرو نے اس حلقے میں کسی کو کھڑا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ داور برآمدہ کی سیڑھیوں کے اوپر جا کر بیٹھ گیا۔ فی الحال اسے کوئی مصلحت محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ اگر اسے دیکھ لیا جاتا تو اب تک اس پر حملہ ہو چکا ہوتا۔ لیکن اس کی آمد زیادہ دیر ہو چکا ہے۔ انہیں رہ نہ سکتی۔ اچانک بھاگتے دو تھے قدروں کی آواز سنائی دئی۔ اور نہ جانے کدھر۔۔۔ سے بیک وقت دس بارہ آدمی نکل کر داور کے سامنے آئے۔ ان بھوسوں کے ہاتھوں میں ہلکی مشین گنیں تھیں جن کے رخ داور کی طرف تھے۔ یہ لوگ لان پر آکر اس کے سامنے ایک قطار بنا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ داور انہیں دیکھ کر نام نہان چلا لگا۔ صورت حال خراب ہو گئی تھی۔ یہ سب لوگ بہت ہی بے ہوش ہوئے۔ نور کے ساتھ اس کے سامنے آئے تھے۔

داور اس وقت اگرچہ خود کو لاپرواہا ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ یہ جانتا تھا کہ یہ معاملہ مذاقی نہیں ہے۔ دس بارہ مشین گنیں سامنے ہوں تو پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی جیب میں ایک لپسٹول تو تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ بھٹکا سا کلاں ان بیٹوں کے سامنے کتنا بے وقعت ثابت ہوگا۔ وہ زیادہ سے زیادہ ایک ہی دو آدمیوں کو دھجک کر لے گا اور باقی دو تین ان کی گنت گوہاں اس کے جسم میں ان گنت تواریخ بنا دیں گی اس لیے جو کچھ بھی کرنا تھا بہت سوچ بچار کرنا تھا۔ ابھی تو ان لوگوں کی انگلیاں تیز چڑھ رہی تھیں صرف جی ہوئی نہیں لیکن کسی بھی وقت ٹرچر ہو سکتا ہے۔ اس کی جگہ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے کس طرح نہٹے۔

پھر ایک طرف سے کچھ گرنے کی آواز آئی۔ داور نے چونک کر اس طرف دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی۔ وہ کوئی آدمی تھا لان کی گھاس پر گر کر ترپٹے لگا تھا۔ داور نے اسے پہچان لیا۔ وہ وہی تھا۔

وہی کوس حال میں دیکھ رہا کہ وہی سے کھڑا ہو گیا۔ اور وہی وقت سیاہ بھر کا ایک مجسمہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک آدمی تھا۔ انتہائی خوبصورت اور مضبوط بدن جیسے لوہے کو انسانی گوشت پوست میں ڈھال دیا گیا ہو۔ اس کی سیاہ جلد بلب کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کر پکڑے ہوئے تھے۔ وہ مستحکم اڑانے والے انداز سے داور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ داور اسے دیکھتے ہی کھجکھجائی ہوئی محسوس ہو سکتا ہے۔ وہی نے اس کے بارے میں داور کو بہت کچھ بتا دیا تھا۔

”میں اپنے عزیز بھائی کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ تم گومانے سکتے ہو گئے کہا۔“ اسے بھائی تم کنگ کا گنگ ہو کر آدمی کا مالک بات کرتا ہے۔ داور نے بھی کسے مایوس کے محسوس انداز میں یہ نفی سے کہا۔ اور یہ تم اپن کو کیا بولا۔ امیں! اپن خلیف آگئی ہے کیدل بھر تم نے اپن کو کھڑا کیا ہے کہ بولا ہمزہ ہو میں کا تم۔ معزز ہو میں کا تمہارا باپ ہمزہ ہو میں کا تمہارا دادا کنگ کا گنگ۔ اتنا دور کا ہے کنگ کا بے کالیا۔ اب دھر اپن کے باجوس آؤ امیں! تمہارا دشن اچھی طرح کرنے کا ہے۔ کیا۔ بھر داور نے وہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ تم نے بھر کھینچ لیا کر دیا۔ کیا یہ کنگ کا ہے۔ اگر یہ کنگ کا ہے تو بہت بڑا بات ہے۔ امیں! وہاں اس کی آواز میں بولا۔ امیں! تمہاری جو تعریف تھی تمہاری پرورے اسے ہو تمہارے سامنے اس وقت بارہ آدمی مشین گنیں لیے کھڑے ہیں اور تین ان کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔ اس وقت بھی تم اپنے ساتھ دینے والے کی بات کر رہے ہو۔ بہتر یہی ہے کہ اپنی جان کی خیر منادو۔“

”اپنا یہ مین ہوں کھا کھلہ بند کر دیا کالیا۔ کا ہے کہ وہم مچاتا ہے؟“ داور نے شانے اچکا کر کہا۔ دیکھ رہے کالیا۔ امیں! سلامت دوت سے نہیں لڑتا کیا۔ تم کاب کا سا عری ماز کی پھلا ہے؟ مگر تم سالہا کاب کو کیسے جانتے ہو۔ سلامت تو فواریہ کا مین ماس ہے کیدل کاب اب دھر ہندوستان کا سا عری آدمی تھا۔ سالہا جھوٹ کا دارو پیتا تھا اور چور دارو عری ماز تھا۔ کیا۔ اس کاب نے اپن جیسا مٹی لوگ کا واسطے ایک سو مارا ہے۔ سو قواہن کو یا نہیں ہے۔ کاب کچھ ایسا بولا تھا کہ موت کا ایک نیم مقرر ہے۔ یہ سالہا نیندا کھا رات کبہ کہ نہیں آتا تو بھائی کا لیے۔ امیں! کابوت کا نیم بھی مقرر ہے۔ اور امیں! کھارات بہت جیسے سے سوتا ہے۔ تم سالہا کنگ کا گنگ اپن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

”تم واقعی کاب بہادار انسان ہو۔ اس لیے میڈل پر نہیں جاہ دے کہ میں نہیں اپنے آدمیوں کے ذریعے ہلاک کر دے گا۔ اس لیے آج پہلی بار میں اپنے ہاں بیٹوں کے حکم کی خلاف ورزی کروں گا جانتے ہو اس نے کیا حکم دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تم جہاں بھی نظر آؤ تمیں گولی مار دی جائے۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔“ یہ تو اچھا کیا کالیا۔ امیں! تم سے کہ سلام مارتا ہے اس بات پر اب بھی میرے سنگ کشی کرنا مانتا ہے۔ کیا۔ داور نے مزید صفا کر کے کہا۔

”یہ مرادیوں والی بھاشا بند کر داور۔ مجھے معلوم ہے۔ تم بہت اچھی اور دلول لیتے ہو۔ گومانے بارہا سامنا کرنا کرنا۔“

”ادہ“ داور نے ایک گری سانس کی قہر بہت باخبر آدمی معلوم ہوتے ہو۔ اچھا یہ تباہ کر تم نے میرے لیے اعلان کیوں کر دیا تھا؟

”اس کی وجہ تم بھی جان گئے ہو گے کہ تمہارے آدمی میرے قبضے میں ہیں۔ گومانے کہا اور بہتر یہی ہوگا کہ تم ان کے بارے میں سب کچھ جان لو تا کہ تمیں حسرت نہ پڑے۔ میں نے تمہارے مینوں آدمیوں کو ایک کمرے میں بند کر رکھا دیا ہے۔ ان کی کیسیوں کے ساتھ کم ایک بندھے ہوئے ہیں۔ دینے ہی کم دروازے کے ساتھ جھکا دیے گئے ہیں۔ کوئی بھی شخص اگر دروازہ کھولے گی کوشش کرے تو دروازہ کھولنے والا اور تمہارے مینوں آدمی بیک وقت دھماکے سے اڑ جائیں گے۔ اور اس قسم کو سوائے میرے اور کوئی ناکارہ نہیں کر سکتا۔ گویا تمہارے آدمی میرے رحم و کرم پر ہیں۔“

داور نے غصے کی شدت سے اپنی بھٹی بھٹی لیں۔ اگر اس کے لیے میں بتا دوں اس وقت اس شخص کی گردن توڑ کر دیتا۔ لیکن اس کی طرف بارہ عدو شین گنیں تھیں ہوتی تھیں اور وہ لوگ ابھی تک پوری طرح جکڑے تھے۔ لان پر گر کر ہوا دھماکا بھی تک اس طرح ٹرپ رہا تھا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی گئی ہو۔

”میں نے مرادی پرورام تھا کہ جب تم وہ دروازہ کھول کر میرے میں داخل ہو گے تو بغیر میرے ہاتھ لگائے تمہارا کام تمام ہو جائے گا لیکن اب میں نے تمہاری ہمدردی دیکھ کر سالہا ارادہ بدل دیا ہے۔ میں افریقہ کے زوق قبیلے کا شخص ہوں۔ ہم لوگ بہادری کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور کبھی کسی کو لاکارے پر نہیں مارتے۔ بولو اب تم کیا کہتے ہو۔ مقابلہ کر رہے ہو یا۔“

”تمہاری زبان واقعی بہت لمبی ہے کالے انسان۔ داور غصے میں بھینکا رہا۔ اگر اس وقت میرے سامنے تمہارے یہ آدمی نہ ہوتے تو میں تمہیں دیکھ لیتا۔ تم نے میرے آدمیوں کو قابو میں کر کے اپنی موت کو دعوت دی ہے۔“

”تم میرے آدمیوں کی پروا مت کرو۔ یہ مجھ کو تمہارے سامنے پتھر کے مجسمے کمرے ہیں۔ خیر۔ وہ میں اس مقابلے کو اور دلچسپ بنا دیتا ہوں۔ اتنا کہ اگر اس نے اپنے سامنے کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا اور دروازے سے بولنے لگا۔ تم لوگ مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ تمیں معلوم ہے کہ گومانے جانتا ہے وہی جیتا ہے۔ میں تمہارا چیف گوماناس وقت یہ کہہ رہا ہوں کہ میں اس داور نامی آدمی کے ساتھ مقابلہ کر کے والا ہوں۔ اور اس مقابلے کی ایک شرط یہ ہے کہ جو ہارنے لگے اسے تم لوگ گولیوں سے چھینی

کر دینا۔ یہ میرا حکم ہے۔ اگر میں مارنے لگوں تو تم لوگ مجھے کوئی مارو دینا۔ اور اگر میرے مارنے لگے تو اس کو سمجھو کہ رکھو دینا۔ تم لوگ میری بات سمجھ گئے؟

”سمجھ گئے؟“ ان سمجھوں نے ہلکے آواز پر فرمایا۔

داور حیرت سے اس آدمی کو دیکھتا رہ گیا۔ یہ بہت بڑے جیسے پن کی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ گوما کو خود پر بہت اعتماد تھا۔ ایسا دیر دوسن داور نے اس سے پہلے کسی نہیں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے جو دشمن تھے انہوں نے داور کو جھپ کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس شخص نے داور کو یہ احساس دلایا تھا کہ جنگ اس طرح بھی لڑی جاتی ہے کہ زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ ختم ہو جائے۔ اس جنگ میں شکست کا مطلب تھا موت۔

”تم اپنے آدمیوں سے یہ بھی تو کہہ دو کہ جیتنے والے کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا ہے؟“ داور نے کہا۔

”ہاں۔ تم نے ٹھیک کہا۔ گوما نے اپنی گردن ہلائی۔ پھر اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ اور میں تم سے یہ بھی کہتا ہوں کہ ہم دونوں میں سے جو زندہ رہ جائے تم اس کے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو ایک فاتح کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اگر میں زندہ رہا تو پھر کوئی بات نہیں ہوگی اور اگر ایسا میں ہوا تو پھر تم لوگ اس شخص کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرو گے۔ تم سب میرے خاص آدمی ہو۔ مجھے تم کو درگم لوگ اس جزیرے سے مجھے سالم باہر نکلنے کے لیے اس آدمی کا ساتھ دو گے؟“

”ہاں۔ ہم اس کا ساتھ دیں گے؟“ ان لوگوں نے پھر ایک آواز میں اپنے غم کا اظہار کیا۔

”لیکن میرے آدمیوں کا کیا ہوگا؟“ داور نے جلدی سے پوچھا۔

”اگر تم نہیں رہو تو ان کو مار دے گا؟“

”میں نے تمہارے آدمیوں کی ضمانت نہیں لی ہے۔ گوما نے دو کھے ہو کر جواب دیا۔ ”اگر میں رہا تب بھی وہ سب سچ کہیں گے۔ اور اگر تم نہیں رہے تب بھی انہیں موت آجائے گی۔ یہ بیروت ان کے مقتدر ہیں۔ لکھی تاجی ہے۔ بس اب تم اپنی فکر کرو۔“

”ٹھیک سے دوست؟“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”موت آتی ہے تو تم سب کو ایک ساتھ ہی آئے گی۔ تو میں تیار ہوں۔“

گوما نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ وہ آدمی آگے بڑھے اور انہوں نے وہاں گھسٹ کر ایک طرف پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ سب دیوار کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ان کی مشین گنیں ابھی تک اٹھی ہوئی تھیں۔ اور ان مشین گنوں سے ان دونوں میں سے کسی ایک کی موت

آنے والی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ کس کا بدن گولیوں سے چھلنی ہوتا ہے۔ یہ جنگ زندگی اور موت کی جنگ تھی۔

داور اور گوما لان پر آئے۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کو گہری نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر داور نے ہانک

گوما پر پھینک لگا دی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے تھے۔ وہ اچھلتا ہوا گوما کی طرف آیا۔ اور اس کے دونوں پاؤں کو گوما کے سینے پر پھینک گئے۔ گوما اس حملے سے ڈھکرا رہ گیا تھا۔ جس سے پہلے کہ داور وہاں زمین پر گرنے لگا۔ گوما نے اپنا ایک ہاتھ اٹکے

کر دیا۔ یہ ایک خطرناک داؤ تھا۔ داور کی ہڈی بڑی سچ تھی۔ داور نے نیچے گرے ہوئے اپنے جسم کو اڑا لیا۔ غولیں کر لیا۔ یہ مخصوص داؤ اسے پہل میں مایا نے سکھایا تھا۔ اس کا جسم کڑی ذہنی

پتھر کی طرح گوما کے گھٹنے سے ٹکرا اور گوما کیوں غموس ہوا۔ جیسے اس کے گھٹنے پر سہاگر گر پڑا ہو۔ داور اس کے گھٹنے سے چھل

کر لان پر گر پڑا تھا۔ اس کے گھٹنے کی گولہ نے جلدی سے اپنے اس پیر کو بھانپنا شروع کر دیا جس کے گھٹنے سے داور کا ٹکڑا ہوا تھا۔

داور کو ٹھٹھ بھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس دغا سے صرف ایک پیر سے حملہ کیا تھا۔ اس کا بایاں پاؤں گوما کے سر سے بھی

بلند ہوا اور گرتی ہوئی تلوار کے انداز میں گوما کے شانے سے ٹکرا گیا۔ یہ بھی بہت خطرناک داؤ تھا۔ گوما کی جاکہ گرتی اور ہوتا

تو اس کے شانے کی بڑی ٹوٹ چکی ہوتی۔ لیکن گوما اس حملے سے بھی متنبہ نہ ہوا تھا۔ اس نے بھی داور کی طرح اپنا پیر اٹھایا اور

پوری قوت کے ساتھ داور کے پیٹ پر پھونک کر رسید کر دی۔

لان میں پتھر کے ٹکڑوں کی طرح پھرنے ہوئے لوگوں نے سانسیں روک لیں۔ انہوں نے ایسی تباہ کن جنگ اس سے پہلے

کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی بے مثال مہارت اور طاقت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس وقت وہ دونوں ایک

دوسرے سے گھم گھماتے ہوئے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے داور اپنے آپ کو پھونک کر دو قدم پیچھے ہٹا اور اس نے ایک زوردار گھونٹ

گوما کے چہرے پر رسید کر دیا۔ یہ گھونٹ گوما کی ناک پر لگا تھا۔

گوما نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ اس کی غیر پرواہ

گئی تھی۔

داور نے آگے بڑھ کر ایک دوسرا گھونٹ اس کے سینے پر رسید کیا۔ پھر ایک لات اس کے پیٹ میں مار دی۔ اس ضرب

نے گوما کو ہار کر دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ چہرے سے ہٹا لیے۔ اس کی ناک سے خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں

کا گلا حلقہ خون سے تر ہو چکا تھا۔ لیکن اس نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی۔ داور نے دوسری لات اسے ماری تاجی اور

گوما نے بڑی جھرتی سے اس کا پر پھینک لیا۔ پھر وہ اسی حالت میں پیچھے کی طرف گھوم گیا۔ داور متنبہ نہیں سکا تھا۔ وہ کسی

پلے ہوئے بہتر کی طرح لان پر گر پڑا۔ اس نے دونوں کتیاں

دیک کر جلدی سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن گوما نے آہنی دیر

میں اس کے چہرے پر پھونک کر رسید کر دی۔

اس غمور گئے داور کے ہونٹ پھاڑ دیے۔ اس کے بھی ہونٹ

سے خون بہنے لگا تھا۔ اس نے گوما کے وارے بچنے کے لیے اپنے

دونوں ہاتھ اٹکے کر لیے۔ اور گوما نے اس حیرت لگا دی۔ وہ

اسے ردتے ہوئے دوسری طرف نکلی جانا چاہتا تھا۔ لیکن داور

اس سے پہلے ہی کرٹ لے چکا تھا۔ گوما کے ہونٹیں سے خون

اور داور نے دونوں ہاتھوں کو اس کی پٹھلی پر پھونک کر مار دی۔

گوما اڑے بدن سے چپ کر رہ گیا۔ داور نے دوسری پٹھلی کو

اور گوما بھی لان پر گر پڑا۔ داور اس کے سینے پر جڑوہ بٹھا تھا۔

لیکن گوما کے چہرے پر گھونٹ مارنے کی حسرت اس کے دل میں

ہی رہ گئی۔ گوما نے اپنے پیچھے سے لاکر اس کی گردن میں

چھندا سا سوال دیا۔ داور نے پھونک کر گوما کے دونوں پیر پھونک

لیے اور گوما نے اسے اچھال کر ایک طرف پھینک دیا۔

وہ دونوں پھر ایک دوسرے سے گھم گھماتے ہوئے دونوں

ہولہان ہو چکے تھے۔ ان کی سانسیں چوڑھنے لگی تھیں۔ لیکن ان

دونوں میں سے کوئی بھی مارنے کو تیار نہیں تھا۔ ان دونوں کو

اتنا سخت مزہ مقابل بھی نہیں ملتا تھا۔ لان میں کھڑے ہوئے لوگوں

پر جیسے سکتا ہو گیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس

جنگ کا فیصلہ کس کے حق میں ہوئے والا ہے۔ وہ دونوں ہی

ایک دوسرے کے سامنے کمزور بھی تھے اور طاقتور بھی۔

وہ دونوں پھر ایک دوسرے کے اوپر بڑے اور

گھاس پر لڑھکتے ہوئے برآمدے کی بیڑیوں کے پاس پہنچ گئے۔

پہاں اٹھانک گوما نے داور کی اسٹین پکروٹی۔ داور نے ایک ہاتھ

کو اس کی گرفت سے نکالنے کے لیے جھٹکا دیا اور اس کی آستین

اوپر سے نیچے تک پکڑ لی۔ داور کے بازو پر گھٹا ہو کر ہوا

داخل ہو گیا تھا۔ گوما نے اس نشان کو دیکھا اور اس کے ہاتھ

دک گئے۔ اس کی آنکھیں بے یقینی کے انداز میں پھیل گئی تھیں

یہ ایک لمحہ داور کے لیے بہت ثابت ہوا تھا۔ اس نے دونوں

ہاتھوں سے گوما کی گردن اپنی گرفت میں لے لی۔ وہ اس کا

لاگھونٹ دینا چاہتا تھا۔

”ٹھہرو۔ ٹھہرو داور۔ ٹھہرو جاؤ۔ گوما پھنسی پھنسی آواز

میں بولا۔ ”ایک منٹ“

داور نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ ہاں لوگوں کی بات ہے؟

”یہ کہو تمہارے بازو پر کس نے بنایا؟“ گوما نے پٹھلی پٹھلی

آنکھوں سے داور کے بازو پر گڑے ہوئے سانپ کو دیکھتے

ہوئے حیرت سے پوچھا۔

”کیا کرنا ہے پوچھ کر لڑائی کرتی ہے تو ایسی بات مت

کر دوسرے ہی طرح لڑائی کرو“

”نہیں نہیں۔ میں تم سے نہیں لڑ سکتا۔ تم کو برا ہو۔ میں کسی

کو برا برا ہاتھ اٹھانے کا قصور بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ غلطی نہ

ہوگا۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ یہ نشان انہیں بابا نے دیا ہوگا۔ گوما

بڑا چرایا۔ وہ اقلیت سے ہندوستان آیا تھا۔ بتاؤ کیا نشان

اس نے دیا ہے؟

”کیا تم بابا کو جانتے ہو؟“ داور نے حیرت سے سوال کیا۔

”بہت اچھی طرح؟“ گوما نے جواب دیا۔ ”وہ میرا باپ

ہے۔ روحانی باپ۔ اس نے مجھے یہ سب سکھایا ہے۔ میں اس

کا شاگرد ہوں۔ ادہ۔ اب میں سمجھا۔ تم بھی اسی کے سکھائے

ہوئے معلوم ہوتے ہو۔ جو جسم کو پتھر کی طرح بنانے کا فن سوائے

اس کے پوری دنیا میں اور کوئی نہیں جانتا۔ تم مجھ اپنے جسم کو

پتھر کا کر لیتے ہو۔ مجھے پہلے ہی سمجھ جاتا جا رہے تھے۔ بتاؤ کیا

یہ نشان اسی نے بنایا ہے؟“ پھر وہ پوچھنا نہیں

”ہاں۔ یہ نشان اسی نے بنایا ہے۔“ داور نے کہا۔ اور

اس نے کہا تھا کہ اس کے جہاد میں ہی کو برا ہوں۔

داور نے گوما کی آواز نہ بات کی شدت سے نرنے لگی تھی۔

”میں اب تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ تم اب میرے لیے کسی دیوتا

کی طرح ہو۔ میں تمہارا غلام ہوں۔“

”ارے بابا۔ تم نے اتنے آدمیوں کو جو کھڑا کر رکھا ہے۔

ان کا کیا ہوگا؟ یہ تو مارنے والے کو گویاں مار دیں گے۔“

”تم اسی طرح لڑتے رہو داور۔ گوما نے کہا۔ جب تک

میں کوئی ترکیب سوچ نہ لیتا ہوں۔“

ان دونوں نے پھر اسی طرح لڑنا شروع کر دیا۔ اس بار

اس لڑائی کا انداز بہت مختلف تھا۔ دو کھڑے ہوئے لوگوں

کے لیے یہ جنگ ابھی تک زندگی اور موت کی جنگ تھی۔ لیکن

وہ دونوں ایک دوسرے کو پس پکڑے جا رہے تھے۔ وہ ایک

دوسرے پر طرب بھی لگاتے تو بڑی احتیاط کے ساتھ گوما نے

ایک بار داور کو اچھال کر پھینک دیا اور اس پر پھینک لگا دی۔

داور نے فوراً ہی اس کی کمرے کر دو دونوں بازو دھماکے کر دیے تھے۔

”ارے بابا۔ پھر سوچا یا نہیں سوچا؟“ داور نے دھمی آواز

میں پوچھا۔ ”وہ ہم دونوں اسی طرح لڑتے لڑتے کھلاں ہر



سمجھا۔ آہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟  
 ”مسجد کی بات ہے۔ تم گوم کو اپنے راستے سے ہٹا کر  
 روزی کو حاصل کرو بیٹو نہ ہوا۔  
 پٹیل سن کر ہرگز نہ گیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے لرزنے لگے  
 تھے۔ اس کی حیرت زدہ آنکھیں کبھی سکڑ جاتیں، کبھی پھول جاتیں۔ پھر  
 وہ اپنے ہونٹوں پر زبان بھر لے لگا۔  
 ”جاؤ۔ گوم کو تلاش کر کے گولی مار دو۔“ پیڈرو ہاتھ ہلاتے  
 ہوئے بولا: ”وہ ابھی عمارت کے اندر ہی ہے۔ جاؤ۔ میں یہ  
 اجازت دے رہا ہوں۔ اور اہل اسے ہرجال میں مرنے پر۔ میں  
 اسے زندہ دیکھنا نہیں چاہتا۔ یہ میرا حکم ہے۔ سمجھ گئے؟“  
 ”جی۔ جی سمجھ گیا۔“ پٹیل نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔  
 ”ایسا ہی ہوگا باس۔ گوم ماندہ نہیں رہے گا۔ میں اس کے جسم  
 میں آئی گویاں آدروں کا کر اس کی صورت بھی پہچانی نہیں  
 جائے گی۔“  
 ”بس اب جاؤ۔ اور جب اسے مار تو اگر مجھے بتا دینا؟“  
 پٹیل اسے دھم دے دایں چلا گیا۔ اس وقت پیڈرو کی آنکھیں  
 اس طرح چمک رہی تھیں جیسے کوئی چیتا اپنے شکار پر بھینٹنے کے  
 لیے تیار ہو۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی غیبی سی مسکراہٹ تھی۔  
 پٹیل کے جانے کے بعد وہ کچھ دیر تک دروازے کی طرف دیکھتا  
 رہا۔ پھر اٹھ کر کام کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس نے  
 جلدی سے اٹھ کر کام کا ریسور اٹھا لیا۔ وہ کچھ دیر تک دوسری  
 طرف سے ہونے والی گفتگو سن رہا تھا۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے  
 اٹھ کر کام کا ریسور رکھا اور اندر گیا۔  
 کمرے سے باہر اس کے محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ جواسے  
 دیکھ کر جھٹکے ہو گئے۔ ان لوگوں نے اس کے ساتھ ساتھ چلنا  
 چاہا تھا۔ لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں منع کر دیا اور  
 اکیلا ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس کا رخ تہرخانے کی طرف تھا۔  
 تہرخانہ بھی اس کے محافظوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے  
 ہندوستان کے کوئے کوئے سے اپنے کاہنوں کے لیے غنڈوں کی  
 پوری فوج تیار کر لی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو سوائے قتل و غارت  
 گری کے کسی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ ان کے ذہن ہرجال  
 سے ان کی فطرت کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ یہ لوگ بھی اسے دیکھ کر  
 جھٹکے ہو گئے۔ لیکن پیڈرو ان کی طرف دھیان دے بغیر تہرخانے  
 کی ٹرہیاں اترتا ہوا تہرخانے میں آ گیا۔ یہاں بھی بہت  
 سے لوگ کھڑے تھے۔ یہ بھی اس کے ہاتھ غنڈے تھے۔  
 اس لیے چوڑے تہرخانے میں بڑی کابہت معتدل انتظام  
 کیا گیا تھا۔ ایک دیوار کے ساتھ ہی ایک گٹر تھی جس کا مندراس

وقت کھلا ہوا تھا۔ گٹر پر تو کچھ بہت کام آیا کرتا۔ اس نے  
 نہ جانے کتنی لاشیں اس گٹر میں ڈاڑی تھیں۔ گٹر کا پانی ان  
 لاشوں کو بہاتا ہوا سمندر میں اٹل رہتا تھا۔ جہاں ان کو نہت  
 مچھلیاں ان لاشوں کو کھجے۔ کھجے کھجے ان لاشوں میں تقسیم کر کے  
 کھا جاتیں اور کبھی تو غائب ہو جاتے۔ ماحول کا ناموشان  
 تک نہیں ملتا تھا۔  
 اس تہرخانے میں اس وقت محافظوں کے علاوہ دو  
 لڑکیاں بھی کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ دونوں کاپیوٹن کا کمرے والی  
 معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں نے ایک ہی کم کی دو دیواریں  
 رکھی تھیں۔ اور ان دونوں میں یہ دونوں لڑکیاں بہت خوبصورت  
 دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن اس وقت ان لڑکیوں کے منہ پر  
 چہروں کے رنگ اڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہی بہت خوفزدہ  
 معلوم ہوتی تھیں۔ اور ان کے خوف کی وجہ ایک آدمی تھا جسے  
 یہ لوگ بال میں گھیر کر اس تہرخانے میں لے آئی تھیں۔  
 ان لڑکیوں نے پرکاش کے کہنے پر چل کیا تھا۔ اس نے  
 بتایا تھا کہ بال میں موجود کچھ آدمی کو باری باری کسی بہانے لال  
 سے باہر لے جاتا ہے۔ اور تہرخانے پہنچا دینا ہے۔ وہ دہائیت  
 کے مطابق پہلے آدمی کو بال سے اٹھا کر یہاں لے آئی تھیں۔  
 بال سے باہر تک تو یہ آدمی بہت ترنگ میں دکھائی دے رہا تھا  
 اس کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ وہ لڑکیاں اسے اپنے ساتھ  
 لے جا رہی تھیں۔ لیکن یہاں پہنچ کر جب اس نے اپنے جاولوں  
 طرف منسلک آدمیوں کی بھیر دیکھی تو اس کی حالت غیر ہو گئی۔ ان  
 آدمیوں کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت ہی جادو تھا۔ انہوں  
 نے کوئی بات کیے بغیر اس آدمی کو دھکے دیتے ہوئے دیوار سے  
 ٹکرایا۔ اور اس کی طرف دیا اور نکال لیے۔ وہ آدمی اب اس  
 طرح لرز رہا تھا جسے تیز ہوائیں سوکھے ہوئے پتے لرزاتے  
 رہتے ہیں۔ اس نے گھبرا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ان منسلک  
 آدمیوں میں سے ایک نے گولی مار کر اس کے ایک ہاتھ کو زخمی  
 کر دیا۔ وہ بے حارہ درد سے بری طرح کراہتا ہوا وہیں ڈھیر  
 ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے بری طرح خون نکل رہا تھا۔ لیکن ان  
 لوگوں کو اس کی پردا ہی نہیں تھی۔  
 وہ دونوں لڑکیاں ایک دوسری کے ساتھ چمک کر کھڑی  
 ہو گئیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ ان  
 کے دھم دگان میں بھی تھکا کہ اس آدمی کے ساتھ ایسا سلوک  
 کیا جائے گا۔ وہ اس طرح خود بھی اس آدمی پر ہونے والے تشدد  
 میں ملوث ہو گئی تھیں۔

پیڈرو کو دیکھ کر تہرخانے میں موجود لوگ سہل کھڑے  
 ہوئے۔ پیڈرو نے ایک نظر دیوار کے پاس کرے ہوئے آدمی پر  
 ڈالی۔ جہاں آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا یہ وہی  
 آدمی ہے جس کے لیے پرکاش نے بتایا تھا تم لوگوں کو؟“  
 ”جی ہاں۔“ ایک آدمی نے دوقدم آگے بڑھتے ہوئے جواب  
 دیا: ”یہ وہی آدمی ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں اسے بال سے  
 لے آئی ہیں۔ اس نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا؟“  
 ”یہ زندہ ہے یا مر گیا؟ پیڈرو نے دریافت کیا۔ اس کا  
 لہجہ بے حد سرد تھا۔  
 ”زندہ ہے باس۔“ اسی آدمی نے بتایا۔ ”صرف اس کے  
 ایک ہاتھ پر گولی ماری گئی ہے۔“  
 ”اسے زندہ کیوں رکھا ہے۔ چلو مار کر گٹر میں بہاؤ۔“ پیڈرو  
 نے حکم دیا۔  
 پیڈرو کی بات سن کر وہ کراہتا ہوا آدمی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔  
 خوف اور دہشت نے اس کے ہرے کے نقوش منہ کر دیے  
 تھے۔ اس نے دونوں ہاتھ ادا ہٹا کر کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن  
 اسی وقت تہرخانہ کو لیاں کی آواز سے گونج اٹھا۔ بیک  
 وقت نہ جانے کتنے آدمیوں نے اس کے بدن میں گولیاں آداری  
 تھیں۔ گولیوں کی آوازیں اور اس کی چیخیں دونوں ایک دوسرے  
 میں مدغم ہو کر رہ گئیں۔ اس کی لاش تہرخانے کے فرش پر گر گئی اور  
 لڑکی طرح پھیلنے لگی۔ پھیلنے کا یہ عمل زیادہ دیر تک جاری نہیں  
 رہا تھا۔ وہ لاش ٹھنڈی ہو گئی تھی۔  
 دونوں لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چہرے چھپا  
 لیے۔ ان کی حالت اتنی خراب ہو گئی کہ وہ دونوں فرش پر پڑھ  
 گئیں۔ پیڈرو کے ہونٹ اس وقت جھنجھے ہوئے تھے اور  
 اس کی آنکھوں کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ اس کے اشارے پر  
 دواڑیوں نے اس تادی کی لاش کھینچ کر گٹر میں ڈال دی۔  
 ایک چپا کے کے ساتھ وہ لاش غائب ہو گئی تھی۔  
 ”تم لوگ کیا روئے بیٹھے گئیں۔“ پیڈرو ان لڑکیوں کی طرف  
 دیکھ کر دھماکا دے کر بولا: ”  
 دونوں لڑکیاں خوف سے کانپتی ہوئی کھڑی ہو گئیں۔ ان  
 کے ہرے کے حوالے ہو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود ہی  
 بے ہوش ہو کر گر پڑیں گی۔  
 ”بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے سمجھیں پیڈرو کچھ دھاڑا۔  
 تمہاری طرح باقی باقی آدمیوں کو بھی اس تہرخانے میں  
 لانا ہے۔ اور اگر تمہاری رائے میں سے کسی نے بھی بزدلی دکھائی تو

اس کا بھی وہی حشر ہوگا۔ اس آدمی کا ہوجکا ہے۔ میں آدمیوں  
 کو بھی اسی طرح نظر میں بھیجنا شروع کر دوں گا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔“  
 دونوں لڑکیاں لرزتے ہوئے دوقدم چلتی ہوئی تہرخانے  
 سے باہر چلی گئیں۔ ان کے جانے کے بعد پیڈرو اس آدمی سے خطاب  
 ہوا۔  
 ”اب بار بار بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی یہاں آئے  
 اسے مار کر اسی طرح گٹر میں بھیجنا شروع کرو۔“  
 اس آدمی نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ اور پیڈرو  
 تہرخانے سے نکل کر اپنے دفتر میں آ گیا۔ یہاں پرکاش اس کے  
 انتظار میں دونوں ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ بہت سراسیمہ دکھائی  
 دیتا تھا۔ جیسے کسی ناگہانی آفت آنے سے پریشان کر دیا ہو اسے  
 دیکھ کر پیڈرو غصے سے پھر اٹھا تھا۔  
 ”اب تم یہاں کیوں چلے آئے؟ اس نے غصے سے پوچھا۔  
 ”تمہارے ذمے جو کام دیا گیا ہے۔ تم اسے کرو۔ جاؤ یہاں سے۔“  
 ”میں ایک جگہ سے آ گیا ہوں باس۔“ پرکاش نے ڈرتے  
 ڈرتے کہا: ”وہ چھ آدمی بال سے غائب ہو چکے ہیں۔“  
 ”کچھ آدمی؟“ پیڈرو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔  
 ”کیا بکواس ہے یہ۔“ ان میں سے ایک آدمی کا بھی قصہ رقم ہو  
 چکا ہے۔ اس کی لاش بھی اس وقت سمندر تک پہنچ چکی ہوگی۔  
 ”ہمیں باس پرکاش نے اپنی گردن جھکا لی۔ ہم سے  
 بہت بڑی غلطی ہو گئی۔ وہ آدمی کوئی اور تھا۔ بال میں موجود  
 ایک بارانی نے اس آدمی سے کچھ باتیں کی تھیں جس پر ہمارے  
 آدمیوں نے یہ سمجھ لیا کہ وہ بھی ان ہی لوگوں کے ساتھ شامل  
 ہے۔ وہ بے گناہ مارا گیا۔“  
 ”اوہ بے وقوف انسان۔“ پیڈرو نے جھلا کر منہ پر  
 رکھا ہوا پیر ویٹ اٹھا کر پرکاش کی طرف کھینچ مارا۔ پرکاش  
 نے اس دھارے سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پیر ویٹ  
 اس کے سینے سے ٹکرا کر تالین پر گر پڑا۔ پیڈرو کا غصہ بڑھتا  
 ہی جا رہا تھا۔ تم سب کے سب ناکارہ ہوتے جا رہے ہو۔  
 کہاں گئے وہ سب؟“  
 ”معلوم نہیں باس۔“ پرکاش نے دھیمی آواز میں جواب  
 دیا۔ ”وہ دونوں بار تیاں بال سے غائب ہو چکی ہیں۔“  
 ”جاؤ پھر تلاش کرو انہیں۔“ پیڈرو چیخا وہ خوشخبری لے  
 کر میرے پاس کیوں چلے آئے ہو۔ جاؤ۔“  
 پرکاش جلدی سے باہر چلا گیا۔ پیڈرو کا انتظار بڑھتا  
 ہی جا رہا تھا۔ پٹیل نے بھی دایں آ کر کوئی خبر نہیں سنا تھی۔

گوما اسے اپنے ساتھ ایک شاندار ہال میں لے آیا تھا۔ یہ ہال لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ یہ سب کے سب بچہ کھلانے والی مشینوں پر بٹھکے ہوئے تھے۔ بائیں لگ رہی تھیں۔ ہائے والوں کی آہوں اور ہنسنے والوں کے ہنسنے سے پورا ہال گونج رہا تھا۔ اس موقع پر گومانے داو کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ بڑی تیزی کے ساتھ اسے ایک دوسرے کمرے میں لے گئے۔ لایا۔ یہاں سے وہ دونوں ایک تیسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ پھر ایک بڑے کمرے میں نکل آئے جہاں بیڑھیوں کے برابر ایک گیر گرج کھائی دے رہا تھا۔ گوما کارٹے اسی گیر گرج کی طرف ہی تھا۔

گیر گرج میں اس وقت ایک گاڑی کھڑی ہوئی تھی، اس کے باوجود اس میں اتنی جگہ موجود تھی کہ ایک اور گاڑی بھی لاکر کھڑی کر دی جلتے۔ گومانے یہاں آتے ہی گیر گرج کا دروازہ بند کر دیا۔ اس نے احتیاطاً گیر گرج میں اندھیرا ہی رہنے دیا تھا۔ داو کو ابھی تک اس کی طرف سے پوری طرح اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اس لیے اس نے گیر گرج میں اتنے ہی اپنا بیستول نکال لیا تھا۔ وہ گوما کی ذرا سی حرکت پر اسے گولی مارنے کے لیے تیار تھا۔ لیکن گومانے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی جو داو کو اس کی طرف سے چونکا کر نہ ستری۔

”تم مجھے یہاں کیوں لا رہے ہو؟“ داو نے سخت لہجے میں کہا۔ ”تم میرے ساتھ کوئی جان تو نہیں چل رہے ہو؟“ اگر ایسی بات ہے تو کان کھول کر سن لو کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ مجھ میں ہر قسم کے حالات سے بچنے کی صلاحیت ہے۔“

وہ دونوں گیر گرج میں ایک دوسرے سے چپکے کھڑے تھے۔ داو کی بڑھ گئی تھی گوما کو اس قدر دبا تھا اور وہ جوانی انداز میں داو کا ہاتھ تھام کر بولا۔ ”آپ اپنے جوس کو قابو میں رکھیں میرے آقا میں کسی کو لڑا نقصان پہنچانے کا مقصد بھی نہیں کر سکتا۔ میں آپ کا ادنیٰ غلام ہوں کو برا، آپ کے ذہن میں یہ منحوس خیال کیسے آیا میرے آقا؟“ آپ تھوڑی دیر پہلے میرے پیگل میں پھنسے ہوئے تھے۔ میرے رحم و کرم پر۔ اب مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اپنی جان کو بھوکوں میں ڈال کر آپ کو یہاں لے آتا ہوں۔ نیلے ہاتھوں کے دیوتا کی قسم، میں آپ کا وفادار غلام ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کیجیے، اب مجھ سے جو کام چاہیں لے سکتے ہیں۔ اچھا یہ بتائیے، کو برا یا با سے آپ

کی ملاقات کیسے ہوئی؟ اور وہ اب کہاں ہیں؟“ وہ بڑی مسکینوں اور بچکیوں سے رونے لگا۔ داو نے صورت گما نوکت کو محسوس کرتے ہوئے گوما کا ہاتھ تھام لیا۔ بڑی سرگوشیوں میں تسلی دینے لگا۔ گوما کی طرف سے مطمئن اور نہ بیستول جیب میں رکھ لیا تھا۔

”ٹھیک ہے داو۔“ گومانے کچھ دیر بعد ایک گیر گرج میں نے یہ جان لیا ہے کہ تم یہاں اصل کو برا ہو، کے صمیم حاشیہ میں بابا جی کی تلاش میں ہندوستان کے لیکن یہاں اگر پتہ ہو کے ساتھ شامل ہو گیا۔ لیکن بابا کی تلاش بھی جاری رکھی تھی، خیر جو ہوسو ہوا۔

آپ کو بتا دوں کہ صرف میں ہی نہیں، افریقہ میں ہزار آدمی آپ کے اس نشان کو دیکھ کر آپ کی اطاعت کر رہے ہیں۔ آپ کے ایک اشارے پر اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔ آپ کی شخصیت ہمارے لیے بہت مقدس ہے اور محترم ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ منصوبہ کیا ہے؟“ آپ یہاں کیوں آئے تھے؟“ ”سچی بات تو یہ ہے کہ ہم اس جوانے کو لڑنے لیے آئے ہیں۔“ داو نے بتایا۔ ”اس کے علاوہ تیار پتہ دو کو بھی یہاں سے نکال دے جائے۔ ہم چار آدمی آئے ہیں۔ ان میں سے تین کو میں نے ساحل کی طرف سب کے سامنے بھیج دیا تھا۔ جبکہ میں خود پہاڑی چوڑے میں داخل ہوا ہوں۔ میرے تین آدمی تھکے آچکے ہیں اور تم نے اسے بس کر کے رکھ دیا ہے۔ چہلے تو تم ان تینوں آدمیوں کو برا کرنے کی ترکیب یہ تو مجھے کرنا ہی ہو گا۔“ گوما بڑبڑایا۔ ”اس کے آپ کو اس سچوئی تک بھی لے جاسکتا ہوں چاہاں خزانہ چھپا کر رکھتا ہے۔ اس کے بعد پتہ دو کو یہاں کر لے جائے گا طریقہ آپ خود ہی سوچ لیجے گا۔“ ”ٹھیک ہے یہ کام میں خودی کروں گا۔ تم مجھے کا وہ کر دیکھا وحش میں وہ بیٹھا کرتا ہے۔“ ”آئیے میرے ساتھ۔“ گومانے پھر اس کا ہاتھ نہیں سب سے پہلے آپ کے آدمیوں کو اس کمرے میں لے گیا۔

وہ دونوں پھر گیر گرج سے باہر گئے۔ اس طرف اہلہ روشنی کا انتظام عمارت کے چپے چپے پر کیا گیا

یہ تیز رفتاری سے ایک طرف چل پڑے۔ گوما کے آگے چل رہا تھا۔ گیر گرج سے باہر اس عمارت کی ایک راہ کی تھی گوما اور اس راہ کی طرف تھا۔ لیکن وہ دونوں اس راہ کی ہیں ٹھیک کر کر گئے۔ ان کے سامنے مسلح آدمیوں کی ایک قطار ڈی ہوئی تھی۔ یہ وہ لوگ نہیں تھے جنہیں داو اس سے پہلے ان میں دیکھ چکا تھا۔ گوما اور داو کو دیکھ کر وہ سب چونکا ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے گوما کو پہچان لیا تو ان کے ہاتھوں میں دے ہوئے بیستولوں کے رخ نیچے کی طرف ہو گئے۔ ان آدمیوں کو ابھی تک گوما کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا تھا۔ ”تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو؟“ گوما انہیں دیکھ کر حاشیہ لگا جانتے نہیں ہال میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ ”کیسی گڑبڑ؟“ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔

اس طرف تو کوئی نہیں آیا۔ ”میں اس وقت تمہیں گڑبڑ کی تفصیل نہیں سنا سکتا۔“ ”لو! اب بڑے دستور کھڑا ہو اٹھا۔“ بس تم لوگ ہال میں جاؤ اور گولیاں چلائی شروع کر دو۔“

”کیا؟“ اس آدمی نے چونک کر گوما کی طرف دیکھا۔ ”کیا ہے؟“ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ ”ہاں، یہ تو فوج آدمی، کسی انسان پر گولی نہیں چلائی ہے۔“ گومانے کہا۔ ”بس چمت کو نشانہ بناؤ۔“ فانوس کو مار گڑو۔ غور سے نشانہ بناؤ۔ میں چاہتا ہوں کہ ہال میں جھگڑا نہ چلے اور سب لوگ وہاں سے گھر کر باہر نکل آئیں۔“ ”چیف، اگر برا نہ مانیں تو بتا دیں کہ یہ سب کیا ہے؟“ ”اس آدمی نے پوچھا۔

”اس ہال میں ٹائم بم رکھ دیے گئے ہیں۔“ گوما جلدی سے بولا۔ ”یہ بلا اعلان کروا چکا ہوں لیکن کوئی بھی ہال سے باہر نہ کو تیار نہیں ہے۔ ان لوگوں کو باہر لانے کے لیے بس ایک ہی ترکیب ہے۔ جاؤ جلدی کرو، ورنہ بہت برا ہو جائے گا۔“

گوما کی یہ بات اس شخص کی سمجھ میں آگئی تھی اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور سب کے سب ایک طرف دوڑ پڑے۔ اب اس راہداری میں کوئی بھی نہیں تھا۔ داو بڑی دلچسپی کے ساتھ اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو دلیر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت ذہین بھی تھا۔ اس کے خیال کے مطابق اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے گوما جیسے آدمی کا

تعاون۔ حاصل ہو گیا تھا۔ اگر گوما خود ہی اس کا ساتھ دیتے پر آمادہ نہیں ہوتا تو داو کے لیے اس پر قابو پانا بہت مشکل ہو جاتا۔ اسے گوما جیسا بڑے مقابل آج تک نہیں ملا تھا۔ ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد گومانے ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کھڑکی سے ہم اس کمرے میں داخل ہو سکتے ہیں جہاں تمہارے ساتھی بندھے ہوئے ہیں۔ میں نے اسی لیے یہاں پر موجود لوگوں کو ہٹا دیا ہے۔ اس سے ہمیں وہ فائدہ ہوئے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ کہ اس کھڑکی تک پہنچنے کا راستہ صاف ہو گیا اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہال میں جھگڑا نہ چلے جائے گی۔ اور اس جھگڑے سے۔ فائدہ اٹھا کر بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ ہم اس طرح پتہ دو پر بھی ہاتھ ڈال سکتے ہیں۔“

”گوما تم واقعی ذہین آدمی ہو، داو نے اس کی تعریف کی۔ لیکن اپنے آدمیوں کو چھڑانے کے لیے میں خود اوپر جاؤں گا۔“

”نہیں، تم اگر کمرے میں پہنچ بھی گئے تو جسم سسٹم کو ناکارہ نہیں کر سکو گے۔“ گوما نے کہا۔ ”اس کو صرف میں ہی۔“ ناکارہ کر سکتا ہوں۔“

”تم اس کی فکر مت کرو۔ میں نے یہ تعلیم بھی حاصل کر رکھی ہے۔“ داو مسکرایا۔ ”میں نہیں اس لیے کہہ رہا ہوں۔ کہ تم یہاں کھڑے رہو گے تو آنے والوں کو روک لو گے کیونکہ سب تمہیں جانتے ہیں۔ اور میرا معاملہ دوسرا ہے۔ میں اگر یہاں کھڑا رہا تو کچھ بھی نہیں کر سکیں گا۔“

گوما کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ اس نے داو کو جلدی جلدی اس بریف کیس کے بارے میں بتا دیا جس میں ان بولی کے ریوٹ تھے۔ داو نے گوما سے ہاتھ لایا اور اس پائپ کی طرف بڑھ گیا۔ جو اس کھڑکی کے برابر سے ہوتا ہوا اوپر چھت کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ کھڑکی دوسری منزل پر تھی۔ داو نے اپنے توجہ سے انار کو ایک طرف چھینک دیے اور دونوں ہاتھوں سے پائپ پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ اس مقام پر گرج راہداری اور اس پاس کے علاقے میں رچی۔ خامی روشنی ہو رہی تھی، لیکن عمارت کی کھڑکیاں تاریکی میں بہت نمان تھا کہ عقبی حصے کے ان کمرے میں اس وقت کوئی موجود نہ ہو۔

وہ ابھی کچھ ہی اوپر گیا تھا کہ اس نے گولیاں چلنے کی



آواز میں سنیں۔ یہ گولیاں ایک تو اسے جیل رہی تھیں۔ گولیاں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ لوگوں کی چیخ و پکار بھی سنائی دینے لگی۔ جیسے جیسے وہ آوازوں کی آواز میں، بوکھلاہٹ سے بھرے گولیاں کی چیخیں، اس کا سینہ میں قیامت برپا ہو گئی تھی اور یہ قیامت ان لوگوں نے برپا کی تھی جنہیں غومانے ہال کی طرف بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے غوما کے کہنے پر گولیاں برساتی شروع کر دی تھیں۔

اور کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ یہاں کا کھیل ہر لمحہ دلچسپ ہوتا جا رہا تھا۔ دلچسپ اور جیسا ناک، کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہو لیکن داور کے لیے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے مڑا کر آیا تھا۔ اس کی جبلت کو تسکین مل رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد ایسا موقع آیا تھا کہ جب اسے اپنے ذہن اور جسم دونوں کی صلاحیتیں بربیک وقت استعمال کرنا پڑی تھیں۔ اس کی ساری بھارت مہاں کام کر رہی تھی۔

اس نے کچھ اور اوپر مڑ کر نیچے کی طرف دیکھا۔ گوما بڑی۔ بے چینی سے رہا رہی میں پہل ٹھل کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ داور کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے جلدی جلدی دونوں ہاتھوں سے نشانے شروع کر دیے۔ وہ داور کو تھلہری کرنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ داور مسکراتے ہوئے کچھ اور اوپر آگیا۔ اب وہ کھڑی کچھ ہی فاصلے پر رہ گئی تھی۔

پھر اپنا ناک اس کی نگاہ ایک اور کھڑکی پر پڑی۔ اس کھڑکی میں بھی اندھیرا تھا لیکن اس اندھیرے کے باوجود اس کی تیز نگاہیں نے کھڑکی کے پاس کسی کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کھڑکی کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا۔ اور وہ آدمی اپنی دونوں کہنیاں اس کھڑکی پر ٹکائے ہوئے نیچے دیکھ رہا تھا۔ جہاں گوما کھڑا تھا۔ پھر اس نے داور کے دیکھنے دیکھتے اپنی جیب سے ایک ریو اور نکال کر اس کا رخ گوما کی طرف کر دیا۔

داور نے اپنی سانسیں روک لیں۔ یہ بہت پیچیدہ سی صورتحال تھی۔ وہ آدمی اسے کوئی یقینی معلوم ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنی ساری توجہ گوما پر ہی مرکوز کر رکھی تھی۔ وہ داور کی طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ حالانکہ داور اس سے چند گز کے فاصلے پر پائپ سے چٹا ہوا تھا۔ اس آدمی نے اپنا ریو اور والا ہاتھ اٹھا لیا۔ وہ کسی بھی لمحے گوما پر کوئی چلائے والا تھا۔ داور کے پاس وقت بالکل نہیں تھا۔ اس نے جلدی سے اپنی

جیب سے اپنا پستول نکال لیا۔ اس نے ایک ہاتھ سے پستول کھینچا اور دوسرے ہاتھ سے پستول سے سنبھالے ہر ہاتھ سے ایک خطرناک ترین حرکت نکلتی۔ اس کی ذرا سی رائے تعاطی ایسے نیچے کر اس کی سختی لیکن یہ وقت سوچنے کا تھا۔ بلکہ عمل کرنے کا تھا۔ اس نے بھی اپنا پستول والا سیدھا کر لیا لیکن اس وقت وہ آدمی ذرا سا پیچھے ہڑ گیا تھا۔

اب داور کے لیے اس کا نشانہ لینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اپنا پستول والا ہاتھ آگے بڑھا کر گولی نہیں پھیلاتا تھا۔ جبکہ اس کے لیے گوما کا نشانہ لینا بہت آسان تھا۔ اس کی کھڑکی کے نیچے ہی کھڑا تھا۔ داور کو معلوم تھا کہ اگر اس نے گولی چلا بھی دی تو وہ اس آدمی کو نہیں گتے گی بلکہ اس کے پٹ سے جا کر ٹکرا جائے گی۔ یا ممکن ہے کہ دوسری طرف لڑ جائے۔ اب اس آدمی کو لو کہنے کے لیے اس کے پاس لبر ایک ہی ترکیب تھی۔

اس نے ایک زور کی چیخ بلند کی۔ یہ چیخ ایسی تھی کہ کوئی شخص اوپر ہی منزل سے لہرانا ہونے لگا۔ جاکر اس کو سن کر گوما اور وہ آدمی دونوں ہی بوکھلا گئے تھے۔ گوما جہت سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جبکہ داور والا بوکھلا کھڑکی کے پاس آگیا۔ اس نے عین انسانی فطرت مطابق کام کیا تھا۔ اور داور کے لیے اتنا ہی موقع یہ تھا۔ دو گولیاں اس کے پستول سے بیکے بعد دیکرے گا۔ اور سنسنائی ہوئی اس آدمی کے جسم میں پیوست ہو گئی۔ پہلی گولی نے اس کے سر کو نشانہ بنایا تھا۔ جبکہ دوسری اس کی گردن میں جا گھسی تھی۔ وہ ایک جیسا ناک چنے دوسری طرف الٹ گیا۔ اس کے گرتے ہی داور نے ہنپا جیب میں رکھا اور دوارہ پائپ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ جہت زور گوما کو اس صورتحال کے بارے میں بتا سکتا۔

وہ کھڑکی اب اس سے صرف ایک ہاتھ کے فاصلے تھی۔ دوسری کھڑکیوں کے برعکس اس میں روشنی ہو رہی تھی۔ وہ تھوڑا سا اور اوپر آیا اور اس نے ایک کچھ پکڑ لیا۔ اس نے پائپ چھوڑ دیا۔ اور کھڑکی سے جھولنے اس کے لیے ایک لٹچن یہ تھی کہ وہ کھڑکی بند بھی اور اس شیشوں کو توڑے بغیر وہ کر کے اندر نہیں جاسکتا

اس نے پھر اپنا ایک ہاتھ بڑی مضبوطی سے کھڑکی پر جاکر لکھا۔ داور دوسرے ہاتھ سے پستول نکال لیا۔ وہ گولی کے ذریعے۔ شیشے توڑ دینے کا ارادہ رکھنا تھا۔ اس نے پستول سیدھا کیا۔ اور اسی وقت ایک اور خیال اس کے ذہن میں آگیا۔

اس کی پہلی ہی پھٹی گولی اس کے ساتھ جیب کے لیے بھی خطرناک ہو سکتی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ وہ تینوں ہی سانسے دوار پر بیٹھے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ گولی ان میں سے کسی کو بھی لگ سکتی تھی۔ یہ سوچ کر اس نے اپنا پستول دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا اور دونوں ہاتھوں سے چھتے کو پکڑ لیا اور دھیرے دھیرے اٹھنے لگا۔ وہ پہلے ان تینوں کی پوزیشن دیکھنا چاہتا تھا۔ یہ اندازہ کر لینے کے بعد ہی شیشے توڑنے کے لیے گولی چلائی جاسکتی تھی۔

وہ اسی طرح دونوں ہاتھوں کے بل پر کسی ماہر جھناٹ کی طرح اٹھتا چلا گیا۔ اب اس کمرے کا منظر اس کے سامنے تھا۔ پھر اس کا جی ہوا کہ وہ چھتے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں میں اپنا سر پٹینا شروع کر دے۔ وہ کمرہ خالی تھا۔ اس کمرے میں تین کرسیاں تو پڑی ہوئی تھیں لیکن ان پر کوئی بھی نہیں بیٹھا تھا۔

پیرٹرو کو اپنے آؤمیوں پر پھر دوسرے میں رہا تھا۔ پرکاش ہال میں موجود آدمیوں کا مراع نہیں لگا سکا تھا۔ کاسینو کو لوٹنے کے ارادے سے آنے والے اس کے آؤمیوں کی نگاہوں سے غائب ہو کر نہ جانے کس طرف چلے گئے تھے۔ وہ لوگ بھی خطرناک ہی ہوں گے۔ داور جیسے نہ بھی لیکن کاسینو کے لیے تو خطرہ بن ہی سکتے تھے۔ کسی بھی لمحے ان کی طرف سے ہنگامے کا اندیشہ لگنا ہوا تھا۔ وہ سب مسلح لوگ تھے اور دوسری طرف گوما اور داور کا مسئلہ تھا۔ اس نے پیل کر دوزی کا لالچ دے کر بھیج تو دیا تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ داور اس کے لیے ویسے ہی خطرناک تھا۔ اور اب گوما بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

اس نے ان دونوں کو دیکھ کر ہی سے جنگ کرنے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہی بڑی بے تحاشی سے لڑ رہے تھے۔ پیرٹرو کے لیے یہ بہت سنی خیز اور دلچسپ منظر تھا۔ پھر اس نے یہ محسوس کیا کہ ان کی لڑائی میں نصیب بد ہو گیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں بلکہ ظاہر کر رہے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں حالانکہ

وہ جنگ مڑ مڑ جھوٹ تھی۔ ان کا یہ مخصوص انداز پیرٹرو کی تیز نگاہوں سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔ اس نے یہ جان لیا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کسی نقطہ کسی بات پر مفاہمت ہو چکی ہے۔ پھر اسے یاد آیا کہ ان دونوں نے کچھ دیر تک ایک دوسرے سے باتیں بھی کی تھیں۔ اور ان باتوں کے بعد ہی ان کے انداز میں تبدیلی آگئی تھی۔ اور اس کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب داور اور گوما دونوں ہی دوڑتے ہوئے عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ اس جنگ کا نقطہ اختتام تھا۔

اس نے ایک غلطی یہ کی تھی کہ گوما کے لیے اس نے صرف ایک آدمی کا انتخاب کیا تھا۔ اور وہ پیش تھا۔ جس کا نشانہ بے مثال تھا اور جس کے دل میں روزی کی محنت نے آگ لگا رکھی تھی۔ پیرٹرو نے اسی لیے اسے اس کا گوما کو گولی مارنے کے لیے تیار کر لیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں وہ تینوں بھی تھے جنہیں گولہ مارنے ایک کمرے میں بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے انداز سے کے مطابق۔ داور اور گوما سب سے پہلا کام یہی کہنے کہ ان تینوں کو آڑو کر ڈالیتے۔ ان کے آڑو ہونے کے بعد صورتحال خطرناک ہو سکتی تھی۔ کچھ بھی ہو وہ تینوں داور ہی کے ساتھ تھے۔ اور ان پر صرف گوما ہی قابو پا سکتا تھا اور بد قسمتی یہ بھی کہ گوما بھی داور کے ساتھ چل گیا تھا۔

پیرٹرو نے ایک فیصلہ کرنے کے بعد اپنے ایک آدمی کو آشکار کام کے ذریعے آنے کی ہدایت کر دی۔ یہ شخص بھی اس کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ اس کا نام بادل تھا اور وہ ہم بنلے، ڈائنامیٹ اور بموں کو ناکارہ کہنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ پیرٹرو اس قسم کے تکنیکی کام اسی آدمی سے کیا کرتا تھا۔

تم نے گوما کا وہ کمرہ دیکھا ہے جس میں وہ ٹرینوں پر تشدد کیا کرتا ہے؟ بادل کے کہنے کے بعد اس نے دریافت کیا۔ "جی ہاں۔ میں خود بھی اس کمرے میں جا چکا ہوں۔" بادل نے مستوی کے ساتھ جواب دیا۔ "وہ دوسری منزل کا ایک کمرہ ہے جس کی ایک کھڑکی نیچے کی طرف کھلتی ہے۔" "ہاں۔ اس کمرے میں اس وقت تین آدمی کرسیوں سے بندھے ہوئے ہیں،" پیرٹرو نے بتایا۔ "ان تینوں کی کرسیوں سے بھول کے اسٹگ بندھے ہوئے ہیں اور ایک ہم اسٹگ

اس کمرے کے دروازے سے چپکا دیا گیا ہے۔ دروازہ کھولنے والا دروازہ کھولتے ہی ایک دھماکے سے اڑ جانے کا اور اس کے ساتھ ہی وہ تینوں بھی اڑ جائیں گے۔ ان بموں کا تعلق کمرے میں رکھے ہوئے ایک بریف کیس سے ہے جس میں ان بموں کا میگزین رکھا ہے۔ میری بات سمجھ گئے؟

"سمجھ گیا باس۔ لیکن میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"میں چاہتا ہوں کہ تم ان تینوں کو اس کمرے سے باہر لے آؤ۔ پیڑروٹے کہا۔ اس سلسلے میں یہ دھیان رہے کہ تم دروازے کے لئے نہیں جا سکتے ورنہ آ جاؤ گے۔"

"جی ہاں! بادل نے اپنی گردن بالادی میں اندر جانے کے لیے کھڑکی کا راستہ اختیار کر دیا۔ آپ بے فکر رہیں۔"

ایک بات یہ بھی سن لو کہ وہ تینوں بہت خطرناک آدمی ہیں۔ انہیں باہر لاکر مسلح آدمیوں کی نگرانی میں میرے پاس لانا ہے۔ ورنہ اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہوگی۔ ورنہ وہ تینوں فرار ہو جائیں گے۔ اور اگر ان میں سے کوئی بھی بڑھ نکلا تو پھر تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا؟

"جانتا ہوں باس! بادل کا ہر سببہ ہو گیا تھا۔ میں اپنی جان بڑاؤں گا۔ وہ لوگ کمرے سے نکل کر بھی قید ہی میں رہیں گے۔"

بادل کو رخصت کرنے کے بعد پیڑروٹے کے کمرے میں اکیلارہ گیا تھا۔ آج کی کیفیت بہت مختلف تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے ایسا مضبوط حصار بنانے میں کہاں کہاں کی مدد دی دکھائی دی تھی۔ اتنا بڑا رخسہ کہاں سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس مضبوط قلعے میں اس کا سب سے مضبوط آدمی گوما تھا۔ اور اب وہ بھی اس کے ماتھے سے نکل گیا تھا۔ اس نے گوما کو سمجھنے میں غلطی کر دی تھی۔ اور اب اس کے ساتھ داور بھی تھا جو اس کے لیے شاید گوما سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

پرکاش نے ابھی تک نہ کہا تھا کہ بال میں کو تو کاسیو کو کوٹنے کی نیت سے آنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ دوسری طرف پٹیل بھی اچھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا عیاشانہ عمارت کے گوشے گوشے میں اس کے مسلح محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے کمرے تک کسی مخالف کی رسائی نہیں ہو سکتی اس کے باوجود اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ یہ خوف ان گنت لوگوں سے تھا۔ نہ جانے اس رات

اس عمارت میں اس کے اور کتنے دشمن گھسے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ اپنی کمرے سے اٹھا اور کمرے کی دیوار کے ساتھ لگے ہوئے ایک شیف کے پاس آ گیا۔ اس شیف میں موٹی موٹی لٹا میں بھری ہوئی تھیں لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ ایک شیف صرف ایک دھماکا ہے۔ اس کے عقب میں ایک بیڑھی ہے جو ایک چھوٹے سے کمرے میں اترتی ہے اور اسی کمرے میں اس نے اپنا کلا دھن چھپا رکھا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ دروازہ کھولنے سے پہلے کمرے کے باہر لگا ہوا سرور بل جلا دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس وقت صرف وہاں کو تنگ رکھا جا رہا ہے۔

بک شیف کے پاس آ کر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور بک شیف کو دونوں کناروں سے پکڑ کر گھمادیا۔ وہ بڑی آسانی سے گھوم گیا تھا۔ اس کے چکر کاٹتے ہی ایک خلا سا نمودار ہو گیا۔ اس خلا کے اندر وہ کمرہ تھا جس کی ہوا اچھی بہت کم لوگوں کو گھننے دی تھی۔

وہ بیڑھی اتر کر اس کمرے میں آ گیا۔ اس نے بیڑی پر آ کر اس بک شیف کو گھمادیا تھا جس کی وجہ سے وہ دروازہ پھر بند ہو گیا تھا۔ اس کمرے میں روشنی کا بہت اچھا انتظام کیا گیا تھا۔ اور یہاں گھٹن کا بھی احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس کمرے میں دینے والی قین بھی تھا۔ صونے رکھے تھے۔ ایک میز تھی اور ایک دیوار کے سہانے وہ تجوری رکھی تھی جو اگر بہت چھوٹی اور ہلکی تھی لیکن اسے آسانی سے نہیں کھولا جاسکتا تھا۔ اس تجوری میں اس نے اپنی اب تک کی کافی جمع کر رکھی تھی۔ وہ اپنی دولت بینکوں میں رکھے کا تامل نہیں تھا۔ بنایا گیا تھا کہ بینکوں میں رکھی ہوئی دولت نگاہوں میں آ رہے۔ چاہے جتنا بھی چپکا کر رکھا جائے۔ اس لیے اس نظر میں یہ تجوری کسی بینک کے لاکر سے بھی زیادہ اہم تھی۔ وہ جانتا تھا کہ سو روپے کا نوٹ اگر چھپ میں رکھا ہوگا۔ اس طرف کسی کی بھی نگاہ نہیں رہانی اور اگر وہ سو روپے نوٹ بھی سامنے میز پر پڑا ہو تو ہر ایک کی نگاہ پر جم جاتی ہیں۔

وہ تجوری کو بند دیکھ کر بہت مطمئن ہوا تھا۔ معلوم تھا کہ اس کمرے تک کسی کا بھی آنا محال تھا صرف گوما جانتا تھا کہ وہ اپنی دولت کہاں رکھا کرتا ہے اس نے گوما کے پیچھے ایک ماہر نشانے باز کو لگا دیا تھا۔

ناتی تھی۔ اس نشانی کے پاس آ کر کوئی خبر بھی نہیں ہوا۔ ایک آدمی سے آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یہ بہت ہی اہم کی آوازیں تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس عمارت کے ایک وقت ہزاروں آدمیوں نے حکم کر دیا ہو۔ مڑاڑا گولیاں اور لوگوں کے چپنے چلانے کی آوازیں، جھانگتے دوڑنے اور دو چاروں طرف پھیلنے پھیلنے تھے۔ اس کا احساس اس کے دل پہلے پہلے ہونے والی دھمک سے ہو رہا تھا۔ سینکڑوں آدمی جب ایک ساتھ دوڑنے لگیں تو اس قسم کی دھمک پیدا کرتی ہے۔ پیڑروٹے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چانگ یہ ہوا گیا ہے۔

وہ کھلا کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے جلدی سے شیف والے دروازے کو بند کیا اور باہر چلتے ہوئے سرخ بک کو کھجا دیا۔ بک کے بچتے ہی اس کے کسی آدمی بکٹر دڑتے ہوئے کمرے میں گھس آئے تھے شاید وہ بہت دیر سے اس کے پاس آنے کے انتظار میں تھے۔

ایک بات ہو گئی ہاشم خان، پیڑروٹے بڑی بڑی بوچھل والے ایک آدمی سے دریافت کیا۔ یہ کیسی جھگڑا ہوئی تھی؟

"کیا بتاؤں جناب؟" ہاشم خان کھینچتے ہوئے سانسوں کے درمیان بولا۔ گوما کے مخصوص آدمیوں کی ٹیم میں فارنگ شروع کر دی ہے۔ وہ بے تحاشا گولیاں چلا رہے ہیں۔

"گوما کے آدمی؟" پیڑروٹے کا ماتھا ٹھنکا۔ پھر بات اس بچے میں آگئی تھی۔ اس سے ایک اور حقائق ہو گئی تھی۔ اسے گوما کے باسے میں صرف پیش کو بتایا تھا۔ دوسروں پر انہیں کیا تھا۔ اگر وہ دوسروں کو بھی بتا دیتا تو اب گوما کا پکڑا جانا بالکل ہو جانا یقینی تھا۔ اس نے اپنے محافظوں کو گوما کے سپرد کر رکھا تھا۔ وہ ان آدمیوں کا بیعت مارا اور اس نے خود اپنی پسند کے آدمی لے کر ایک چھوٹا سا سرگرمی بنا رکھا تھا۔ یہ لوگ بہترین فائٹر تھے جن کا تپا دگوانے ہی کیا تھا۔ ہاشم خان کا اشارہ شاید اسی دستانے طرف تھا۔ شاید اسی دستانے نے جو اٹلنے میں یہ قیامت برپا ہوئی اور اس کا حکم نہیں گومانے دیا تھا۔ ان لوگوں کو چونک کر بال حقیقت ابھی نہیں کھلی تھی اس لیے وہ اس کا ساتھ دے رہا ہے تھے۔ وہ اس کا حکم ماننے کے لیے مجبور تھے۔

"بتم یہاں کیوں کھڑے ہو؟" پیڑروٹے غصے سے دہلاؤ تھا، سب کے سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور گوما یہاں بھی نظر آئے اسے گولی مار دو۔ جاؤ۔"

ہاشم خان چند لمحوں تک حیرت سے پیڑروٹے کی طرف دیکھتا رہا پھر جلدی سے کمرے سے باہر چلا گیا۔ پیڑروٹے پریشانی اور بڑھ گئی تھی۔ باہر ہونے والا ہنگامہ ابھی تک جاری تھا۔ سب سے ہونے لوگ جھگڑے ہوئے کھڑوں کی طرح ابھی تک۔ دوڑتے چلے جا رہے تھے۔ پوری عمارت میں زلزلہ سا رہا ہو گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کو روکنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرے۔ اگر یہ صورتحال کچھ دیر باقی رہ جاتی تو یہ پوری عمارت تپک پھو کر رہ جاتی۔ اس نے دل ہی دل میں گوما کا گالیاں دینا شروع کر دیں۔

اسی وقت دروازے پر دھمک ہوئی اور ایک آدمی پکڑا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ وہ اس کے محافظوں میں سے ایک تھا۔

"اب تمہیں کیا ہو گیا؟" پیڑروٹے اس کی طرف دیکھ کر دہلاؤ۔

"کیوں جھگڑے چلے آ رہے ہو؟"

"اس! اس نے گھرائی ہوئی آوازیں کہاں کسی نے عمارت کو آگ لگا دی ہے؟"

"کیا؟" پیڑروٹے انہیں تنہا اندھیرا چھایا۔ اس نے جلدی سے اپنے دونوں ماتھے میز پر رکھ لیے۔ یہ ایک غیر متوقع خبر تھی۔ "کیا کہہ رہے ہو تم؟"

"جی ہاں۔ پوری عمارت تباہ ہونے والی ہے۔ ہر طرف جھگڑا مچی ہوئی ہے، گولیاں چل رہی ہیں۔ آگ لگ رہی ہے۔" اوہ گاڈ! پیڑروٹے کی آنکھیں ابل پڑیں۔ وہ بہت بڑی طرح گھبرا گیا تھا۔ پھر اس نے اسی وقت ایک فیصلہ کر لیا۔

"دیکھو اس وقت تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"چھ آدمی ہیں باس! اس نے بتایا۔ بے سبب باہر ہی کھڑے ہیں۔"

"اس عمارت کو جہنم میں ڈالو، ان سب کو جلدی سے اندر بلالو۔ شاباش، میں فوری طور پر یہاں سے نکل لیتا ہوں۔" وہ آدمی جلدی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد پیڑروٹے اپنی مٹھیاں پیچھ کر بڑی بے ثباتی سے کمرے میں بیٹھنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے اپنی میز کی درازیں کھولیں اور بڑی تیزی سے کاغذات سیٹے شروع کر دیے۔ ان کا غزلت کو

اس نے اپنے برف کس میں بھر لیا تھا۔ اتنی دیر میں اس کے محافظ کمرے میں آگئے تھے۔

”ٹھیک ہے، تم لوگ آؤ میرے ساتھ“ پڈرو نے ان کی طرف دیکھا۔ ”میں تم سب کو یہاں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ اس عمارت میں چاروں طرف ہمارے دشمن کھس آئے ہیں۔ کیا اس موقع پر تم لوگ میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو؟“

”ہم لوگ حاضر ہیں باس“ اس آدمی نے کہا۔ آپ حکم تو دیں۔“

”تم لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ اس عمارت کی چھت پر میرا ایک سبلی کا پٹر موجود ہے۔ پڈرو نے کہا۔ ”بس تم لوگوں کو ایک تجویز اٹھا کر چھت پر پہنچنا ہے۔ سبلی کا پٹر میں تم سب کی گناہ کشی تو نہیں ہوگی۔ اس لیے صرف تین آدمی میرے ساتھ چلیں گے۔ ان میںوں کو میں ایک جگہ چھوڑ کر فوراً واپس آجاؤں گا۔ پھر باقی آدمیوں کو اپنے ساتھ لے لوں گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“

”ٹھیک ہے باس، جو آپ کہیں ہم لوگ آپ کے لیے جہاں بھی دینے کو تیار ہیں۔ ہم نے آپ کا شک کھایا ہے۔“ تو پھر وہ جلدی کرو۔“ پڈرو ان سب کو اس کمرے میں لے آجا جہاں وہ تجویز رکھی ہوئی تھی۔ ان آدمیوں کے لیے اس تجویز کو اٹھانا دشوار نہیں ہوا تھا۔ چار آدمی بڑی آسانی کے ساتھ اس تجویز کو اٹھا کر باہر لے آئے۔ پڈرو بہت ہی چونکا ہو کر ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس عمارت میں واقعی آگ لگا دی گئی تھی۔ گرچہ عمارت کا یہ حصہ ابھی تک محفوظ تھا لیکن تیش یہاں تک محسوس کی جا رہی تھی۔ لوگوں کے شور اور جھگڑے کی آوازوں میں اب اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اس کمرے سے باہر ایک گیلری تھی جس پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور دونوں طرف دیواروں پر خوبصورت نقوشیں لگی ہوئی تھیں۔ اس گیلری کے آخر میں ایک زینہ تھا جو بہت کم استعمال ہوا کرتا تھا۔ ان لوگوں کا رخ اسی زینے کی طرف تھا۔ پڈرو بہت مضطرب ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ان لوگوں کو تیز چلنے کی ہدایت کرتا اور وہ لوگ اپنے قدموں کو تیز کر لیتے۔ وہ لوگ بالآخر ٹیڑھوں تک پہنچ ہی گئے۔

یہ زینہ چونکہ استعمال میں بہت کم آتا تھا اس لیے اس پر

گرد جھی ہوئی تھی۔ پڈرو نے وہ زینہ پکڑتے ہوئے کہا کہ دونوں طرف کی دیواریں اچھی خاصی گرم ہو رہی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں تک لگائی گئی تھی وہ جگہ فاصلے پر نہیں تھی۔

چھت تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں راستے میں انہیں کسی نے بھی نہیں روکا تھا۔ کوئی بھی ملاح تھا۔ شاید سب لوگ آگ کے چکر میں آکر اپنی جہانم کے لیے جھگ لے چکے تھے۔ میڑھیوں کے اختتام پر ایک آدمی پڈرو اس دروازے کو کھول کر چھت پر پہنچ گیا۔ اٹھائے ہوئے لوگ اس کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد پڈرو نے ایک گہری سانس باندھوئیں کے رخوے چھت تک پہنچ رہے تھے۔ ابھی انہیں معلوم ہو سکا تھا کہ آگ عمارت کے کس حصے پر بھی لگائی گئی تھی۔ ہر حال اس کے لیے اطمینان کی تھی کہ اس کا سبلی کا پٹر اس کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ پڈرو نے نہ صرف خود فرار ہو سکتا تھا بلکہ اپنی دولت ساتھ لے جاسکتا تھا۔ اسے یہاں سے جانے کا بہتر افسوس تھا۔ اس نے برسوں محنت کے بعد اس جہنم تعمیر کی تھی لیکن اب اس جہنم کو چھوڑنے پر مجبور ہوئی تھی۔

اس نے تجویز اٹھانے والوں کو سبلی کا پٹر تک کی تاکی کی۔ اور اسی وقت، سبلی کا پٹر کے عقب سے ایک چلی اور ان دو آدمیوں میں سے ایک ڈھیر ہو گیا جو پڈرو کے ساتھ چلا آ رہا تھا۔ اور اس سے پہلے کہ پڈرو اور دوسرے محافظ منجھل سکتے، دو گولیاں اور چلیوں اور ڈھیر ہو گئے۔ ان میں سے ایک وہی تھا جس نے سبے باقیوں کی تحویل اور دوسرا آدمی وہ تھا جس نے اٹھا رکھی تھی۔

اس آدمی کے گرتے ہی تجویز ایک دھماکے کے بقیہ تینوں آدمیوں کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر پڑے۔ فوراً اپنی اپنی جیبوں کی طرف ہاتھ بڑھائے لیکن گولیاں چلائے والوں نے زیادہ تیز رفتاری کا ثبوت دیا تھا۔ کم گولیاں چلیں اور بقیہ تینوں بھی لڑھک گئے۔ اب وہ پڈرو تنہا رہ گیا تھا۔

کمرے کو غالی دیکھ کر داور سانپ کی سی تیزی سے پلٹا بکھر کی کپاس آکر اس نے چیخ چیخ کر گوما کو کمرے کے اسی ہونے کے باغ میں بتا دیا۔

اس کی بات سنتے ہی گومانے دوڑ لگائی اور کسی بندر کی طرح ایک کمرے میں پاپ پڑ گیا اور بندر کی سی تیزی سے پاپ پر چڑھتا ہوا اس کمرے میں آگیا۔ وہ خود بھی اس کے کوغالی دیکھ کر بہت تیزان ہوا تھا۔

”میں یہ کہتا ہوں کہ وہ لوگ اس کمرے میں ہی تھے“ بھلائے ہوئے انداز میں وہ بولا۔

”مجھے تم پر یقین ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کب چلے گئے؟“

”یہی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی لیکن انما فرور جانا ہر کہ بکوں کے اس سسٹم کو صرف دو ہی آدمی ناکارہ بنا سکتے تھے یا تو میں یا پھر بادل۔“ وہ اب سمجھا۔ یہ حرکت بادل کی ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ کام یہاں اور کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا ہے۔ میں ایسا تو نہیں کر پڈرو نے کسی خاص مقصد سے ان دونوں کو اپنے پاس بلوایا ہو، لیکن کیوں؟

”اب یہاں کھڑے ہو کر سوچنے سے کیا ہوگا؟“ داور نے کہا۔ ”مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پڈرو کو کسی طرح یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ تم نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ تم اس کے لیے غصے نہیں رہے ہو۔ اسی لیے اس نے آنے والے نکلے سے بچنے کے لیے میرے آدمیوں کو اس کمرے سے گھرایا ہے۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا خیال درست ہو۔“ گومانے اپنی لون ہلائی۔ ”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے گولی کس پر لگائی تھی؟“

”وہ ایک ایسا آدمی تھا جو ہمیں مارنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میری نظر اتفاقاً ہی اس پر پڑ گئی تھی۔“

”وہ تمہارا کام ختم ہو گیا تھا۔“

”اوہ“ گومانے پڑا۔ ”شاید اس کی لاش اسی کمرے میں موجود ہو۔ لاش کو دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ کون ہے۔“

”وہ اس کمرے سے باہر آگئے۔ یہ ایک گیلری تھی جو اب تک چلی گئی تھی۔ اس کے آخر میں میڑھیوں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس گیلری میں اس وقت دو تین آدمی موجود

تھے لیکن انہوں نے گومانے کو داور داور پر کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ شاید غیر متعلق ہی معلوم ہوتے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ جہاں داور نے گولی چلا کر ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ کمرے میں آنے کے بعد گومانے دروازہ بند کیا۔ اور کمرے کی لاش جلدی وہ لاش ابھی تک فرش پر پڑی تھی۔ گومانے لاش کو دیکھ کر بری طرح چونک پڑا۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر داور کی طرف مڑا۔

”تمہارا اندازہ درست نکلا۔ اس آدمی کا نام پیٹل ہے۔ یہ پیٹل پڈرو کے خاص آدمیوں میں سے ہے۔ اگر اس نے مجھے ماننے کی کوشش کی تھی تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس نے پڈرو کے حکم پر ایسا کیا ہوگا۔ اور اب اس عمارت میں میرے لیے خطرہ ہی خطرہ ہے۔ پڈرو نے میری تلاش میں چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا دیے ہوں گے۔“

”پڈرو تک پہنچنے کی ترکیب بتاؤ۔“ داور نے کہا۔ ”وہ اگر قابو میں آجائے تو اسے معاملات ہی ٹھنڈے ہو جائیں گے۔“

گومانے کچھ بتانا چاہا تھا کہ اسی وقت ہنگام شروع ہو گیا۔ یہ ہنگام گولیوں کا تھا۔ لوگوں کے شور کی آوازیں بھانکے دوڑنے کی قیامت، ایسا لگتا تھا جیسے اس عمارت پر دشمنوں کی لوری فوج نے حملہ کر دیا ہو۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی نیرنگا ہوں سے دیکھنے لگے۔ گومانے بھیجے ہوئے آدمیوں نے اپنا کام دکھانا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ قیامت ان ہی کی گولیوں نے برپا کی تھی۔

”یہ بہت اچھا ہوا۔“ گومانے بڑبڑایا۔ ”یہ ہنگام وقت پر شروع ہوا۔ اب پڈرو کا دھیان میری طرف سے ہٹ گیا ہو گا۔ وہ اس ہنگامے کو روکنے کے چکر میں ہوگا۔ یہ ہنگام نہیں رکا تو پوری عمارت تباہ ہو جائے گی۔“

”تم یہ بتاؤ کہ اگر پڈرو کو اس عمارت سے بھاگنا ہوا تو وہ کیا کرے گا؟“ داور نے پوچھا۔

”اوہ“ گومانے کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”یہ تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے۔ اگر پڈرو کو فرار ہونا پڑا تو وہ سب سے پہلے اپنی تجویز اٹھائے گا۔“

”تجویز؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟“

بالکل! گو مانے اپنی گردن پلائی! اس کوئی نے اپنی ساری دولت اس تجوری میں جمع کر رکھی ہے۔ بہت کم لوگ اس تجوری کے راز سے واقف ہیں۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ تجوری اٹھا کر جھاگ نکلے گا اور یہاں سے فرار ہونے کے لیے اس کے پاس ایک پہلی کا پٹر بھی ہے جسے وہ خود ہی چلایا کرتا ہے۔ وہ اپنی کا پٹر اس عمارت کی چھت پر ہمیشہ تیار رکھتا رہتا ہے۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کا جی چاہے بھاگتے ہوئے پیڈرو کو پکڑنے کے لیے چھت پر جا سکتا ہے،“ داور نے کہا۔ ”نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے،“ گو مانے جواب دیا، ”اوپر جانے کے لیے صرف چوتھی منزل تک سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ پیڈرو کا دفتر پانچویں منزل پر ہے اور اس منزل پر اس کے خاص آدمیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جا سکتا۔ وہاں ایک تیز چھت کی طرف جاتا ہے۔“

”تو پیڈرو جھاگنے کے لیے چھت پر ہی جاتا ہے؟“ داور نے کہا، ”اس کو گھیرنے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ ہم چھت پر پہنچ جائیں۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“ ”تو پھر آؤ جلدی کرو۔ ابھی جھگڑا مچا ہوا ہے، ہر کسی طرف کوئی دھیان نہیں دے گا۔“

وہ دونوں اس کمرے سے باہر آ گئے۔ یہاں کی راہداریاں اب بہت سے لوگ تھیں۔ ان میں سے کچھ کا سینگو کے متعلق تھے اور کچھ ایسے تھے جنہیں گو مانے جانتا تھا۔ ان لوگوں نے گو مانے کی طرف دیکھا تو متحاشا لیکن افراتفری میں کسی نے اس پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ لوگوں کے درمیان سے راستہ بناتے ہوئے تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ دوسری منزل سے تیسری منزل پر پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔ لوگ بوکھلائے ہوئے ان کے برابر سے گزرتے رہے۔ ایک قیامت کا عالم تھا۔

”یار میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کہ صرف گولیاں تلنے سے اتنی جھگڑا کیوں بچ گئی ہے؟“ داور نے گو مانے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”گو مانے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خود بھی اچھا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ لوگوں کی اس بوکھلاہٹ کی وجہ کیا ہے؟ لیکن تیسری منزل پر پہنچتے ہی

انہیں اس افراتفری کا سبب دکھائی دے گیا۔ اس منزل پر آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ آگ ایک کونے میں لگی تھی۔ اس کے سرخ سرخ تند اور تیز شعلے بڑی تیزی کے ساتھ زبانیں نکالے آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ اس منزل پر جس اور دو حصوں بھرا ہوا تھا۔ بوکھلائے ہوئے لوگ جانیں بچانے کے لیے کچھ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ ان کو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ کتنے اس بھگتاہٹ سے مر جا چکے ہیں۔ لوگ گر رہے تھے۔ ایک دوسرے کو کچل رہے تھے۔ مدد کے لیے پکار رہے تھے۔ اور بے رحم آگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتی رہا رہی تھی۔

تیسری منزل سے اوپر جانے کا زینہ تقریباً خالی اوپر جانے والا کوئی نہیں تھا۔ سب لوگوں کا رخ یہ طرف تھا جہاں وہ اپنے خیال کے مطابق آگ سے حاصل کمرے میں کا باب ہو سکتے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی کے ساتھ چوتھی منزل پر آ گئے۔

یہ منزل خالی تھی۔ دو رنگ پھیلے راہداریاں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے اس پر موجود سارے لوگ نیچے جھاگ لیے ہوں۔ یہاں پہنچے اوپر جانے والی سیڑھیاں ختم ہو گئی تھیں۔ البتہ ایک لگی ہوئی تھی۔ گو مانے لفٹ کا بٹن دبا دیا لیکن وہ نہ اس وقت بند تھی۔ داور لفٹ کو بند پا کر بہت بری حالت میں جھلا گیا تھا۔

”اب اوپر کیسے جائیں؟“ اس نے پوچھا۔ ”یہاں آ جیلے آئے۔“

”میں نے تم سے کہا تھا نا کہ سیڑھیاں چوتھی منزل آ کر ختم ہو جاتی ہیں۔“ گو مانے کہا۔ ”لیکن یہاں ایک کمرے سے ایک خفیہ زینہ پانچویں منزل تک جاتا ہے۔ اسی پر پیڈرو کا دفتر ہے۔ آؤ۔ وہ کمرہ اس طرف ہے۔“ اس نے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔

اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ کمرہ بالکل آخر پر تھا۔ اور یہاں کا فرش برسی طرح گرم ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ تیسری منزل پر لگنے والی آگ نے اب چو پکڑ لی ہے۔ اور اس وجہ سے چوتھی منزل کا یہ حصہ تپتا تھا۔

وہ دونوں کھلے ہوئے دروازے سے اندر آ گئے۔

”بھگتاہٹ! اور اس کی ایک دیوار کے ساتھ اوپر جانے کے لیے ایک زینہ بنایا گیا تھا اور اس زینے کے تین تین عدد لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔ ان لاشوں کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ٹھٹھک کر گر گئے۔ ان تینوں کو گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ایک آدمی کے پیچھے لگی تھی۔ اور اس کی لاش پہلی سیڑھی پر اس طرح پڑی تھی کہ اس کا آدھا جسم نیچے لٹکا ہوا تھا۔ دوسری کمرے کے وسط میں بھی گولی نے اس کے سینے میں داخل کیا تھا۔ اور تیسرے آدمی کی گردن میں سوراخ تھا۔ اس کے کافرٹ میں تینوں کے خون سے سرخ ہو رہا تھا۔

”یہ کیا چکر ہو گیا؟“ داور بڑبڑایا، ”کون لوگ ہیں یہ؟“

انے گو مانے کی طرف دیکھا۔ ”میں ان تینوں کو پہچانتا ہوں،“ گو مانے ایک گہری سانس ”ان میں سے ایک بادل ہے، یہ وہی شخص ہے جس کے پیچھے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرے علاوہ ہوں کو یہی نا کارہ کر سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں کو کس نے مارا؟ یہ تینوں ہی پیڈرو کے آدمی ہیں۔“

داور کچھ دیر تک ان لاشوں کو دیکھتا رہا۔ پھر گو مانے کی طرف ہو کر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کسی طرف سے ایک گولی آ رہی ہو گا مگر شائع میں پوسٹ ہو گئی۔ گو مانے ہٹا ہوا۔ ایک کیسی تیزی سے پڑا اور کھلے ہوئے دروازے سے تین ڈالہ آ گئے۔ یہ عبدل گولی اور کالو تھے۔ گولی کالو نے لگی تھی۔ وہ تینوں ہی اس وقت مسلح تھے۔

”لے لنگ کا لنگ، تم سارا ایک باجو ہو جاؤ ورنہ دوسرا سال آتا تھا راکھو ٹری کا پار ہوئیں گا،“ عبدل اپستون والا غلہ لٹا ہوا بولا۔ ”باس، تم اب ہر اپن کا پاس آ جاؤ۔ یہ باہر مت چلیں۔ ایک دم جن کا مالک لڑائی کرتا ہے۔ اپن اس سال کالو کا لنگا کا مارا کھاجندگی نہیں بھول سکتا۔“

”میرے تو قیامت کرو عبدل؟“ داور نے اسے ڈانٹ دیا۔ ”انہ بھر سوچے سمجھے گولی کیوں چلا دی؟“

”گوئی میں نے چلائی تھی باس۔“ کالو نے کہا۔ ”آپ مارا دئی کے ساتھ کیوں کھڑے ہیں۔ ہٹ جائیں ایک طرف بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”کالو ٹھیک بولا استاد۔ یہ کالیا بہت کھڑناک ہے۔ کیا

سلے کا ہاتھ تھوڑے کے مالک لگتا ہے۔ اس حرامی نے مار مار کر اپنی کچا لودہ بنا ڈیلا تھا۔“ عبدل نے ایک ہاتھ سے اپنے شانے کو دباتے ہوئے کہا۔ ”اس لنگ کا لنگ کو بھونٹنے کا نہیں ہے استاد۔ سالے کا پلا ستر کالے کا ہے۔“

”یہ اب ہمارے ساتھ ہے عبدل؟“ داور نے کہا۔ ”ہم لوگ تمہیں اس کمرے سے نکالنے کے لیے گئے تھے لیکن تم لوگ پہلے ہی نکل چکے تھے۔“

”تم اپن کا سمجھ میں آج تک نہیں آیا استاد۔“ عبدل نے حیرت سے کہا۔ ”سالاد شمن کو ایک دم دوست کیسے بنا لیا، یہ کیا لفظ ہے استاد؟“

”یہ سب بعد میں پوچھنا۔ اس وقت اس کے زخم پر دھیان دو۔“ داور نے کہا۔

وہ سب ہی گو مانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس نے اپنے ایک ہاتھ سے زخمی شانے کو دبا رکھا تھا جس سے خون کی روانی رکھ گئی تھی لیکن اس کے تپ سے پر زور دی جانے لگی تھی۔ اتنی سی دیر میں اچھا خاصا خون بہہ چکا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک بے ہوش ہو کر گر چکا ہوتا۔ لیکن اس نے صرف اتنا کیا کہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو ٹیپتی سختی سے چھینچے رکھا تھا۔ دونوں جڑوں کی ہڈیاں ابھرنے لگی تھیں۔

”مجھے معاف کر دو بھائی۔“ کالو نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم باس کا ساتھ دے رہے ہو۔“ ”کوئی بات نہیں۔“ اس تکلیف کے باوجود گو مانے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھا۔ ”تم میرے شانے سے گولی نکال کر بیٹا باندھ دو۔“

”گوئی نکالوں۔“ داور کچھ جھجک گیا تھا۔ ”بھائی میں نے کبھی ایسا کام نہیں کیا۔“

”کوئی بات نہیں۔ اگر کسی کے پاس جاتو ہے تو اس کی نوک سے گولی نکالی جا سکتی ہے لیکن پہلے چاقو کی نوک گرم کر لیتا۔ میری فکر مت کرو میں یہ تکلیف برداشت کر لوں گا۔ گولی نکل جانے کے بعد مجھے آرام مل جائے گا۔“

داور نے چند لمحوں تک گو مانے کو دیکھا۔ پھر ایک گہری سانس کے ساتھ گوئی کی طرف دیکھا۔ گوئی نے جیب سے ایک چاقو اور ماچس نکال کر داور کی طرف بڑھا۔ اس دوران عبدل نے اپنی قمیض اتار دی تھی۔ داور نے عبدل کی قمیض میں آگ

لگا دی۔ پھر چلتے ہوئے شعلوں کے اوپر جا تو کی دھار رکھی۔ کچھ دیر بعد جا تو کی نوک گرم ہو کر سرخ ہو گئی تھی اس دوران گوما دیوار کا سہارا لیتے ہوئے فرش پر بیٹھ گیا تھا۔ جبکہ کالو نے اس کے شانے سے ہتھیں بھاڑ دی تھی اس کا زخم اب نمایاں ہو گیا تھا۔ یہ ایک بڑا زخم تھا۔ گولی شانے کے اندر جا کر دھسن گئی تھی۔

داور نے گرم چاقو قبیلے ہوئے گوما کے قریب کیا گولی اور کالو نے گوما کو بڑبڑاتا ہوا سنا اس نے نفی کے انداز میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ کر بڑی تیرت اور دلچسپی سے اس آپریشن کو دیکھنے لگے۔

داور نے چاقو کی نوک گوما کے زخم کے اوپر رکھی۔ گولے اپنی انگوٹھیں بند کر لیں اور دانت مضبوطی سے ایک دوسرے پر جادیتے۔ داور نے اپنے ہاتھ کو قوا میں کیا اور ایک جھٹکے ساتھ چاقو کی نوک گوشت میں گاڑ کر اوپر سے نیچے تک ایک کبیر کھینچ دی۔

خون جھل جھل کرتا ہوا گوما کے شانے سے مہینے لگا زخم کا منہ اب پوری طرح کھل گیا تھا۔ اور اندر بھیجی ہوئی گولی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ گوما کا جسم ایک باتو بڑی طرح دہل گیا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ اس نے خود اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے سے اس طرح یوگت کر دیا تھا کہ اس کے ہاتھوں کی رگیں لگ بھگ اٹھ رہی تھیں۔ دلوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ چاقو کی نوک زخم کے اندر ڈال دی اور بھیجی ہوئی گولی کو بڑبڑاتا ہوا سنا۔ لگا لگا گوما ہیرت انگیز قوت برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ تکلف کی شدت سے بے اختیار ہمو کر تڑپنے لگا۔ پھر اپنے آپ کو قوا میں کر لیتا۔ اس کے منہ سے ابھی تک آواز نہیں نکلی تھی۔ یہ اس کے جیسے کا کمال تھا۔

داور نے گولی باہر نکال لی۔ اس دوران عبدل نے اپنے رومال سے پٹیاں بنائی تھیں۔ اس نے وہ پٹیاں دواور کی طرف بڑھا دیں۔ داور نے بڑی مشاقی کے ساتھ ان پٹیوں کو گوما کے شانے پر باندھ دیا۔ اور ایک پٹی اس کی گردن میں ڈال کر اس کا ہاتھ اس میں لٹکا دیا۔ گوما اب صرف ایک ہاتھ سے کام کرنے کے قابل رہ گیا تھا۔

داور نے گولی باہر نکال لی۔ اس دوران عبدل نے اپنے رومال سے پٹیاں بنائی تھیں۔ اس نے وہ پٹیاں دواور کی طرف بڑھا دیں۔ داور نے بڑی مشاقی کے ساتھ ان پٹیوں کو گوما کے شانے پر باندھ دیا۔ اور ایک پٹی اس کی گردن میں ڈال کر اس کا ہاتھ اس میں لٹکا دیا۔ گوما اب صرف ایک ہاتھ سے کام کرنے کے قابل رہ گیا تھا۔

تپش اور بڑھ گئی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے آگ بھرا رہی ہو۔ اور ابھی تک اس آگ کو بجھانے کا بندوبست نہیں ہو سکا تھا۔ البتہ گولیاں چلنے کی آواز میں بند ہر گتھیں۔

وہ لوگ بڑی ستائشی نگاہوں سے گوما کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جس نے اب اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔ پھر وہ ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”لے جھائی لنگ کانگ اب سالہا تمہارا طبیعت کو ہے؟“ عبدل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں تو خیر ٹھیک ہوں، لیکن تم لوگوں کے ساتھ کتنا تھا، اس کمرے سے کیسے نکلے تھے؟“

اپنے کو سالہا یہ آدمی کمرے سے نکلا تھا۔ ”عذر! فرش پر پڑی ہوئی بال کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ ”کھڑکی کا رستے کمرے میں آیا اور سارے بھون کا دھڑا تختہ کر دیا۔ پھر سالہا یہ اپنی کو اس کمرے میں آیا۔ یہ دونوں حزمی بھیجی اس کے ساتھ تھے۔“ اس نے دوسرے لاشوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”ایہہ اگر اپن اس سے لڑا کر دیا تھا۔ میں شک، خوب حور دار مارا ماری ہوئی اور اپن نے ان تینوں کا روست بنا دیا۔ پھر اپن تم کو ڈھنچا کا واسطہ جار سیلا تھا استاد کو ختم دونوں کو اتار دیکھا اپن کا کھو پڑی اس پیٹیم ایک دم گھوم گیا تھا استاد سالہا سمجھا کہ یہ کالیا۔ یہ جھائی لنگ کانگ تیرے کو کھینچا ہے۔ اسی لیے کالو نے اس پر گولی چلا دی تھی یہ ہے اپن کا اٹھا اسٹوری“

”ٹھیک ہے۔“ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”اب؟“

داور پر چلنا چاہیے۔ ہمارے پاس وقت ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس نے ایک ہاتھ آگے بڑھا کر گوما کو سہارا دیا۔ لیکن گوما نے مسکرتے ہوئے انکار میں گردن ہلا دی۔ ”جی سب زینے کی طرف بڑھ گئے۔ گولی نے زینے پر پڑی لاش کھینچ کر ایک طرف ہٹا دی۔ سب سے پہلے داور سر پھی پر پاؤں رکھا۔ اس کے بعد گوما آگیا اور گوما بعد عبدل نے قدم آگے بڑھا یا ہی تھا کہ یکے بعد دیگرے آدمی دوڑتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ وہی مشین گنیں لیے ہوئے تھے۔ جن کے رخ ان کی طرف تھے۔ اور مشین گنوں کی موچ، گا، مں ر لوگ

”کیا یہ آگ تم لوگوں نے لگائی ہے۔“ پٹر و نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”ہاں! اس آدمی نے خورہ انداز میں اپنا سینیہ پھیلا دیا۔ ”کو، یہ بلا ننگ کیسی رہی، جب آگ لگی ہو تو کوئی بھی۔“

شخص اپنے باس وغیرہ کی پروا نہیں کرتا۔ سب کو اپنی اپنی بڑی رہی ہے۔ آگ لگاتے ہی ہم لوگ اس چھت پر آ کر تمہارا انتظار کرنے لگے۔“

”اگر تم لوگ اتنے ہی عقل مند اور بہادر ہو تو تم نے پھر بروہا راست بخوری کیوں نہیں اٹھائی۔“

اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ بخوری سولے تھکاتے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ تم نے اس کی بناوٹ اور ساخت بہت پیچیدہ رکھی ہے۔ اگر ہم اسے اپنے ساتھ اٹھا کر بھی لے جائیں تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم اسے کھول نہیں سکتے۔ اور یہی اس کی کسی چیز سے توڑا جا سکتا ہے۔ اس میں انتہائی درجہ حرارت کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اس کی چادریں شعاؤں سے بھی گالی نہیں جاسکتیں۔ پھر یہ بخوری تو ہمارے لیے بے کار ہو جاتی۔ اسی لیے ہمیں اس بخوری کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ضرورت ہے۔ تاکہ تم شرافت سے یہ بخوری کھول دو۔“

”اوہ! پٹر و نے ایک گہری سانس لی۔“ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟“ اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

تمہارا یہ انکار زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گا۔ اسی آدمی نے کہا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہیں شاید اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوگا۔ اس کا نام ماتھر ہے۔ لیکن عام طور پر اسے ڈر کیولا کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کا خون پینے میں بہت چچی رکھتا ہے۔ کیوں ماتھر؟“

ماتھر نام کے اس شخص نے اپنے دانت نکال دیئے۔ پٹر و ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس آدمی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ ایک ہونی قاتل تھا۔ یہ بڑی بیری کے ساتھ لوگوں کا خون پی لیا کرتا تھا۔ پولیس کئی بار اسے گرفتار کر چکی تھی۔ لیکن عدم ثبوت کی بنا پر اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ زمین دینا کے لوگ یہ جانتے تھے کہ شہر میں پائی جانے والی عورتوں اور بچوں کی لاشیں کس کی دنگی کا اعلان کر رہی ہیں۔

”کیا یہ آگ تم لوگوں نے لگائی ہے۔“ پٹر و نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”ہاں! اس آدمی نے خورہ انداز میں اپنا سینیہ پھیلا دیا۔ ”کو، یہ بلا ننگ کیسی رہی، جب آگ لگی ہو تو کوئی بھی۔“

شخص اپنے باس وغیرہ کی پروا نہیں کرتا۔ سب کو اپنی اپنی بڑی رہی ہے۔ آگ لگاتے ہی ہم لوگ اس چھت پر آ کر تمہارا انتظار کرنے لگے۔“

”اگر تم لوگ اتنے ہی عقل مند اور بہادر ہو تو تم نے پھر بروہا راست بخوری کیوں نہیں اٹھائی۔“

اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ بخوری سولے تھکاتے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ تم نے اس کی بناوٹ اور ساخت بہت پیچیدہ رکھی ہے۔ اگر ہم اسے اپنے ساتھ اٹھا کر بھی لے جائیں تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم اسے کھول نہیں سکتے۔ اور یہی اس کی کسی چیز سے توڑا جا سکتا ہے۔ اس میں انتہائی درجہ حرارت کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اس کی چادریں شعاؤں سے بھی گالی نہیں جاسکتیں۔ پھر یہ بخوری تو ہمارے لیے بے کار ہو جاتی۔ اسی لیے ہمیں اس بخوری کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ضرورت ہے۔ تاکہ تم شرافت سے یہ بخوری کھول دو۔“

”اوہ! پٹر و نے ایک گہری سانس لی۔“ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟“ اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

تمہارا یہ انکار زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گا۔ اسی آدمی نے کہا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہیں شاید اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوگا۔ اس کا نام ماتھر ہے۔ لیکن عام طور پر اسے ڈر کیولا کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کا خون پینے میں بہت چچی رکھتا ہے۔ کیوں ماتھر؟“

ماتھر نام کے اس شخص نے اپنے دانت نکال دیئے۔ پٹر و ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس آدمی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ ایک ہونی قاتل تھا۔ یہ بڑی بیری کے ساتھ لوگوں کا خون پی لیا کرتا تھا۔ پولیس کئی بار اسے گرفتار کر چکی تھی۔ لیکن عدم ثبوت کی بنا پر اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ زمین دینا کے لوگ یہ جانتے تھے کہ شہر میں پائی جانے والی عورتوں اور بچوں کی لاشیں کس کی دنگی کا اعلان کر رہی ہیں۔

”کیا یہ آگ تم لوگوں نے لگائی ہے۔“ پٹر و نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”ہاں! اس آدمی نے خورہ انداز میں اپنا سینیہ پھیلا دیا۔ ”کو، یہ بلا ننگ کیسی رہی، جب آگ لگی ہو تو کوئی بھی۔“

شخص اپنے باس وغیرہ کی پروا نہیں کرتا۔ سب کو اپنی اپنی بڑی رہی ہے۔ آگ لگاتے ہی ہم لوگ اس چھت پر آ کر تمہارا انتظار کرنے لگے۔“

”اگر تم لوگ اتنے ہی عقل مند اور بہادر ہو تو تم نے پھر بروہا راست بخوری کیوں نہیں اٹھائی۔“

اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ بخوری سولے تھکاتے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ تم نے اس کی بناوٹ اور ساخت بہت پیچیدہ رکھی ہے۔ اگر ہم اسے اپنے ساتھ اٹھا کر بھی لے جائیں تو ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم اسے کھول نہیں سکتے۔ اور یہی اس کی کسی چیز سے توڑا جا سکتا ہے۔ اس میں انتہائی درجہ حرارت کو برداشت کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اس کی چادریں شعاؤں سے بھی گالی نہیں جاسکتیں۔ پھر یہ بخوری تو ہمارے لیے بے کار ہو جاتی۔ اسی لیے ہمیں اس بخوری کے ساتھ ساتھ تمہاری بھی ضرورت ہے۔ تاکہ تم شرافت سے یہ بخوری کھول دو۔“

”اوہ! پٹر و نے ایک گہری سانس لی۔“ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟“ اس نے خود پر قابو پا لیا تھا۔

تمہارا یہ انکار زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہے گا۔ اسی آدمی نے کہا۔ پھر اس نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ ”تمہیں شاید اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہوگا۔ اس کا نام ماتھر ہے۔ لیکن عام طور پر اسے ڈر کیولا کہا جاتا ہے۔ یہ انسان کا خون پینے میں بہت چچی رکھتا ہے۔ کیوں ماتھر؟“

ماتھر نام کے اس شخص نے اپنے دانت نکال دیئے۔ پٹر و ایک لمحے کے لیے کانپ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اس آدمی کا نام سن رکھا تھا۔ یہ ایک ہونی قاتل تھا۔ یہ بڑی بیری کے ساتھ لوگوں کا خون پی لیا کرتا تھا۔ پولیس کئی بار اسے گرفتار کر چکی تھی۔ لیکن عدم ثبوت کی بنا پر اسے رہا کر دیا جاتا تھا۔ لیکن یہ زمین دینا کے لوگ یہ جانتے تھے کہ شہر میں پائی جانے والی عورتوں اور بچوں کی لاشیں کس کی دنگی کا اعلان کر رہی ہیں۔



”نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے“ پیدرو بڑبڑایا۔ تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے۔  
 ”تو پھر اس تجوری کو کھول کر اپنی جان بچالو“ اس آدمی نے کہا۔ اور اپنے ہاتھی کا پٹر کے ذریعے ہمیں یہاں سے نکال لے جاؤ۔

”نہیں، میں تجوری نہیں کھولوں گا۔ پیدرو بچ رہا تھا۔  
 ”میں نے بڑی مشکلوں سے دولت جمع کی ہے۔ میں تم لوگوں کو یہاں سے نکال سکتا ہوں۔ لیکن میں اپنی دولت نہیں دے سکتا۔ چاہے تم مجھے بھی کرلو۔ سمجھے!“

پیدرو کے مضبوط ہاتھ نے اس آدمی کو گڑبڑایا۔ وہ سوچنے لگا تھا لیکن اس کی نگاہیں پیدرو پر جمی ہوئی تھیں۔ کیا سوچنے لگے تم؟ اس بار پیدرو ہی نے اسے مخاطب کیا۔ چلو، مجھ پر تشدد کر کے دیکھو لو۔ تم لوگ یہ بھول گئے ہو کہ میرا نام پیدرو گنزرا ہے۔ میں طاقت سے معجب نہیں ہوا کرتا۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ اس تجوری میں اتنی دولت ہے جو آئندہ آنے والی کئی نسلوں کے لیے کافی ہوگی۔ اور میں تم تینوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ تجوری کھولنے کو تیار ہوں، ابھی اور اسی وقت۔ اور یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے کہ تم تینوں میں سے کون یہ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔  
 ”لوگوں نے نہ کرنا، وہ آدمی زور سے دھاڑا۔ تم اس طرح ہم میں سے کسی کو ہر گز نہیں دے سکتے۔ تم تینوں ایک ہیں، سمجھے۔“

لیکن پیدرو نے اپنی باتوں سے ان کے درمیان اگ بھرا دی تھی۔ اس کا اندازہ ان تینوں کے رویوں سے ہو رہا تھا۔ وہ تینوں ہی اب ایک دوسرے کی طرف کھڑے ہوئے معلوم ہوئے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے ماتھر نے اپنی جگہ سے جت لگائی اور پہلی کا پٹر کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں چلیں اور وہ دونوں جھٹ پر ڈھیر ہو گئے۔ پیدرو نے اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ لیکن ماتھر کی برقی زندگی حیرت انگیز تھی۔ یہ تشدد پسند انسان حالت کو اپنے ہتھیار میں کر لینے کا فن جانتا تھا۔ اس نے اتنی تیزی کا مظاہرہ کیا کہ خود پیدرو دیکھتا نہ گیا تھا۔

پیدرو نے ان تینوں کو اشتعال دلانے کے لیے ہی یہ بات کہی تھی، لیکن وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی بات اتنی

جلدی اپنا اثر دکھا جائے گی۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب وہ ایک دوسرے سے الجھ رہے ہوں گے تو وہ موقع پا کر بھاگ نکلے اور بیڑھیوں والا دروازہ بند کر دے۔ پیدرو ایک بار آدمی تھا جس نے مسلح لوگ اپنے ارد گرد تو رکھے تھے لیکن کبھی مسلح نہیں رہا تھا۔ یہ اس کی عادت تھی، وہ کبھی بھی اس کوئی ہتھیار نہیں رکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جب اس کے محافظوں کے پاس اسلحہ ہوگا تو اسے تو بھرنے کا فیروزہ ہے کہ وہ اپنی جیب میں بیستول یا چاقو لیے کھڑے رہے۔ اس وقت اس کی یہی عادت اس کے لیے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔

ماتھر اپنے ساتھیوں کو ڈھیر کر دینے کے بعد پہلی کا پٹر کے عقب سے باہر نکل آیا۔ اس کے بیستول کا رخ اس کی طرف تھا اور اس کے ہونٹوں پر بڑی شیطانی سی مسکراہٹ تھی۔

”تم یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمہاری باتوں میں اکر! ساتھیوں کو ہلاک کیا ہے یا وہ بڑی طرف دیکھتے ہو بولا۔ بلکہ میں بہت دیر سے انہیں مارنے کے لیے نوڑے تلاش میں تھا۔ میں نے ہوش اکیلے کام کیا ہے۔ بس اتنی ان دونوں کے ساتھ اس لیے شامل ہو گیا کیونکہ ان دونوں پلاننگ کے بغیر تم تک پہنچنا مشکل تھا۔ لیکن یہ میں نے سوچ لیا تھا کہ جیسے ہی تجوری میرے سامنے آئی میں ان کو گولی مار دوں گا۔ میں ذمہ داری کا قائل ہی نہیں ہوں اب بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟۔ یہ تجوری میرے لیے کھل رہی ہے یا نہیں؟“

”نہیں، پیدرو نے انکار کر دیا۔ میں اس تجوری کا کھول کر اپنے پیروں پر کھڑا ہی نہیں مار سکتا۔ مجھے معلوم کہ تجوری کھل جانے کے بعد تم مجھے ماریاں کھجاک جاؤ۔ دیکھو پیدرو، ماتھر کا ہر جھڑپ ہو گیا۔ میرے زیادہ وقت نہیں ہے۔ آگ بہت تیزی کے ساتھ بڑھ جا رہی ہے۔ کسی بھی لمحے تمہارا کامیون جگ سے اڑ جائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ میری بات مان لو۔ شرافت کے تجوری کھول دو۔ ورنہ!“

”نہیں“ پیدرو نے پھر انکار کر دیا۔ میں نے کہہ نا کہ میں یہ تجوری نہیں کھولوں گا چاہے تم کچھ ہی کرلو۔ تمہاری مرضی! ماتھر نے بڑی لاپرواہی سے اپنی

جھٹکی اور چانگ گولی چلا دی۔

وہ گولی سنسنائی ہوئی بیڑرو کی کلائی میں لگی اور گوشت پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ پیدرو ایک کرناک چیز کے ساتھ دوسرے ہاتھ سے اپنی زخمی کلائی کو پکڑ کر بیڑرو کی اسی لمحے ماتھر نے کسی جیب کی طرح چھانگ لگا دی تھی۔ وہ کسی چونک کی طرح بیڑرو سے جھٹ گیا۔ اس نے اپنا بیستول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اور اس نے بیڑرو کا ایک ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے گھٹنے کے نیچے دبایا۔ اور اس کے زخمی ہاتھ کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ پیدرو تڑپ کر رہ گیا اس نے خود کو اس عذاب سے چھڑانے کی کوشش کی لیکن ماتھر کی طاقت کے سامنے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ ماتھر نے اپنے ہونٹ اگے بڑھائے اور اس کی کلائی کے زخم پر رکھ دیے۔ دوسرے ہاتھ سے وہ بیڑرو کی کلائی سے اس کا خون چوسنے لگا تھا۔

پیدرو کو کیا محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا ہو۔ اس نے زور زور سے اپنے ہاتھ کو جھٹکا لیکن ماتھر کے ہونٹ اگے نہیں ہوئے۔ وہ ڈر کر کلائی کی طرح اس کے زخم سے چٹا ہوا اس کا خون چوسے جا رہا تھا۔ پیدرو کے سامنے بدن پر زور طاری ہو گیا۔ اس کا پورا جسم ٹھنڈے پسینے سے جھجک گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس پر زخمی طاری ہوئے جا رہی ہے۔ اس کا تالو اس طرح خشک ہو گیا تھا جیسے اس میں کانٹے بھر دیئے گئے ہوں۔

”بس کرو۔ بس کرو۔“ اس نے فنی ہوئی مکرور آواز میں کہا۔ میں۔ میں تیار ہوں۔“ اس کی بات سن کر ماتھر نے اپنے ہونٹ اس کی کلائی سے ہٹا لیے۔ اس وقت اس کے ہر سے سے وحشت برسر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں خون ہی کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ پیدرو کا خون اس کے منہ میں ہونٹوں پر پھیر گیا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اتنی بھیاں تھی کہ پیدرو نے سمجھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ چلا آٹھو، ماتھر نے اس کے شانے کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

جلدی کر رہا ہے اس وقت نہیں ہے۔ پیدرو نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے جھک گیا۔ وہ جھک کر پھر گڑا۔ ماتھر نے اسے سہارا دینے کے بجائے ڈری طرز لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے وہ بیڑرو کی اس خستہ حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ بالاخر پیدرو خود ہی کھڑا ہوا اور پھر اٹا ہوا تجوری کی طرف قیل پڑا۔ اس کا ہرہ اس

وقت کو اسے لٹھے کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اس کا بدن رہ رہ کر اس طرح جھٹکے لیے گستا جسے کرنا مل رہا ہو۔ تجوری تک کا فاصلہ اس کے لیے قیامت ثابت ہوا تھا۔

وہ گری ہوئی تجوری کے پاس آکر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور ایک گہری سانس لے کر اس نے تجوری کے داخل پر لٹکی رکھ دی۔ ماتھر اس دوران اس کے قریب ہی آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑی گہری لگا ہوں سے پیدرو کو تجوری کھولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

....

تینوں مشین گنوں کے رخ ان ہی تینوں کی طرف تھے۔ گوما اس دوران ریڈنگ کا سہارا لے کر اس طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ جیسے اس کے جسم کی توانائی ختم ہوئی جا رہی ہو۔ ان لوگوں میں صرف دو ہی ایسا تھا جس نے صرف اپنے سواں قابو میں رکھے تھے بلکہ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر بے پناہ نفرت اور غصے کے آثار تھے۔ وہ ڈری کھا جانے والی لگا ہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا جو عین وقت پر بڑھانے کہاں سے اڑ چکے تھے۔ ان تینوں ہی کے پور غلط ناک معلوم ہوتے تھے۔

اپنے اپنے ہتھیار نیچے چھینک دو۔ ان میں سے رازر قامت شخص نے اپنا ہاتھ ہلاتے ہوئے انہیں ہدایت کی۔ داور نے ایک گہری سانس لی اور بیستول ایک طرف۔ چھینک دیا۔ اس کے تینوں ساتھیوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ جبکہ گوما اسی طرح ریڈنگ کا سہارا لے کر کھڑا رہا تھا۔ ان تینوں نے اسے زخمی دیکھ کر اس کی طرف دھکیا ہی نہیں دیا تھا۔ ان میں سے ایک نے ان کے چھینکے ہوئے ہتھیار کریمٹ کر ایک طرف چھینک دیئے تھے۔

”تم نے اپنے ساتھیوں کی موت کا حساب پرکانا ہے؟ اسی دراز قامت نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم نے جرنانی ساحل پر رہائے آدمیوں کو ہلاک کیا۔ اور ایک ساتھی کو کمزورے گٹر میں گولی مار۔“

آدمی تھا۔ ”لوہ! داور نے اپنے ہونٹ سکیر لیے۔ تو وہ تمہارا آدمی تمہارا اگر تم پہلے بتا دیتے تو میں اس کے لیے جاتے مانی کا بندوبست کر دیتا۔ لیکن تمہارا وہ ہوشیار آدمی ہمارے پیچھے آئے اس گٹ میں کیوں آکر کھڑا ہوا؟“

”ہم لوگوں نے دیکھا کہ اپنے ساتھ ملا لیا تھا“ دراز قاتل نے جواب دیا۔ لیکن جب ساحل کی طرف سے کوئی ہراسہ نہ آیا تو ہمارا وہ آدمی دیکھنے کے لیے اس طرف چلا گیا تھا۔ اس نے شاید تجھیں اور دیکھا کہ گھر میں اترتے دیکھ لیا ہو گا۔ اسی لیے اس نے تمہارا تعاقب کیا اور تم نے اسے مار ڈالا۔“

”تو میں اور کیا کرتا؟“ داور مسکراتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں لوگوں کے ہاتھوں پر تو نہیں چٹایا جاتا۔ اگر اسے موقع ملتا تو وہ مجھے مار دیتا۔“

”بہر حال اسے تو موقع نہیں ملا لیکن ہمیں موقع مل گیا ہے۔“

دراز قاتل نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”تمہیں وہ؟“ گوما اچانک بول پڑا اس کی آواز اس کے میں گونج کر رہ گئی۔ ”تم لوگ مجھے تو چلنے دو گے؟“

”بہت اچھی طرح“ دراز قاتل کے ساتھ کھڑے ہوئے دوسرے آدمی نے کہا۔ ”تم کو ماہو، پیڑوں کے سب سے خاص اور سب سے خطرناک آدمی لیکن تم اس وقت بری طرح زخمی ہو کر مرنے ہو چکے ہو۔ اسی لیے ہم نے تم پر دھیان نہیں دیا تھا۔“

”اگر تمہیں میرے بارے میں سب کچھ معلوم ہے تو یہ بھی بتا دو گے کہ پیڑوں نے اپنی دولت جس تجویز میں چھپا رکھی ہے، اسے سونے میرے اور پیڑوں کے اور کوئی نہیں کھول سکتا اور پیڑوں پر چکا ہے۔“

”کیا؟“ دراز قاتل لرز کر رہ گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے سکتے ہو گیا ہو۔ کیا؟“ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”تمہیں تجھ جوت بول رہے ہو، وہ کس طرح مر سکتا ہے؟“

”کیوں؟“ کیا اسے موت نہیں آسکتی، آج اس کا سینو میں موت بہت سستی ہو گئی ہے، ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بچھی ہوئی ہیں۔ آگ لگی ہوئی ہے گولیاں برس رہی ہیں۔ خون کی بارش ہو رہی ہے اور ایسے میں کسی کی موت بھیرا نہیں ہونا چاہیے۔ پیڑوں کی موت بھی آگئی تھی لہذا وہ مر گیا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو لکھی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ پیڑوں کی موت نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ ”چلو کوئی بات نہیں“ دراز قاتل خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔ ”وہ گھر بھی گیا تو کیا ہوا۔ تم تو زندہ ہوا اور تم کو یہ کہہ چکے ہو کہ وہ تجویز سونے پیڑوں اور تمہارے اور کوئی نہیں کھول

سکتا۔ یہ بات ہم بھی جانتے ہیں۔ پلاننگ کرتے وقت یہ بات ہمارے سامنے آئی تھی۔ لیکن ہمارا ارادہ پیڑوں پر قابو پا کر اس کے ذریعے تجویز کھولنے کا تھا۔ وہ نہیں ہوا اسی لیے اب یہ کام تم کرو گے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم ان لوگوں کو جانے دو گے۔ گوما نے داور اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ کیا کہا گوما تم نے؟“ داور اچانک جھٹک اٹھا۔ ”کیا مجھے نامی ہوئی زندگی دے ہے ہو۔ پھر تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں۔“

”تم خاموش رہو۔“ گوما نے داور کی طرف دیکھا۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہوا۔ ”بولو کیا کہتے ہو، انہیں جانے دو گے یا نہیں۔ ویسے تم لوگ یہ بھی جانتے ہو گے کہ تم زبردستی مجھ سے کوئی کام نہیں کروا سکتے ہو۔ مجھ پر تشدد برداشت کرنے کی بے پناہ صلاحیتیں ہیں۔ کتنا تشدد کرو گے؟ اس لیے بہتر یہی ہے کہ سودا کرو، تم ان لوگوں کو جانے دو میں تمہارے لیے تجویز کھول دوں گا اور ویسے بھی تم لوگ تجویز ہی کے لیے آئے ہو۔ ان لوگوں سے تمہارا کیا واسطہ؟“

”ٹھیک ہے گوما؟“ دراز قاتل نے اس کی بات مان لی۔ ”میں ان لوگوں کو جانے کی اجازت دیتا ہوں۔“

داور غصے سے اپنے پاؤں پٹختے لگا۔ مشین گولوں کے سامنے وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر وہ خود کو گولوں کی پوچھا سے بچا بھی لیتا تو دوسرے اس کی پٹیٹ میں آجاتے۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس یہ ہتھیار ہوتا تب بھی وہ کچھ نہ کچھ کر گزرتا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ان تینوں کے ہاتھوں میں مشین گولیں تھیں۔ جو ذرا سے اشارے سے گولوں کی بارش کر دیا کرتی ہے اور انسان کی ساری مہارت آسانی کے خاتمے اور تیز رفتاری اس کے سامنے گرد ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس نے گوما سے کچھ کہنا چاہا۔ وہ گوما کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ گوما نے کیسا کھیل بڑا کھیلا ہے۔ اس نے پیڑوں کی موت کی خبر اتنی آسانی سے سنا دی تھی جیسے اس نے اپنی آنکھوں سے اسے ہلاک ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔ داور جانتا تھا کہ گوما نے یہ سب کچھ اس کو اور اس کے ساتھیوں کو بچانے کے لیے کیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ وہ سب یہاں سے نکل جائے۔ میں کیا بپ ہو

جائیں لیکن یہ بات داور کو گوارا نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے لیے کبھی کسی کا تباہی اڑا احسان نہیں لیا تھا۔ یہ ایک اننا بڑا احسان تھا جو اس کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔

گوما نے ایک بار چہرے سے جلنے کے لیے کہا اور وہ غصے اور بے بسی کی شدت سے اپنے ہونٹ کاٹا ہوا سر یہاں چڑھنے لگا۔ ”عبدل، گولی اور کا لو اس کے ساتھ ہی تھے ابھی ان لوگوں نے چند ہی سیڑھیاں طے کی تھیں کہ گولیاں جلنے کی آواز سنائی دی۔“ داور برق رفتاری سے مڑا۔ گوما نے سامنے کھڑے ہوئے دراز قاتل پر چھلانگ لگا دی تھی وہ لمبے لمبے ہونٹے نیچے گر پڑا تھا۔ دراز قاتل کے ہاتھ سے۔۔۔ مشین گول چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی اور اس کے دونوں ساتھی گوما کو خوفزدہ کرنے کے لیے گولیاں چلانے لگے۔ داور نے یہ دیکھ کر سر یہاں سے اوپر سے جھٹ لگائی اور وہ مشین گول دو بوج کی دوزخ قاتل کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی۔ عبدل، کا لاور گولی رینگنے سے چپک کر کھڑے ہو گئے۔ داور مشین گول ہاتھ میں لیے ہوئے لڑھکتا ہوا ایک دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ وہ دیوار کے پاس پہنچ کر کھنڈلا اور ان دونوں کی طرف گولیاں بوجھا کر دی جو اس افتاد سے بولکھلائے ہوئے تھے۔ گولیوں نے ان دونوں کے جسموں پر اوپر سے نیچے تک بھر کر دیا تھا۔ ان کے جسموں میں اتنے سوراخ ہو گئے تھے کہ ان کی گنتی محال تھی۔ ان کے گرتے ہی داور، گوما اور دراز قاتل کی طرف متوجہ ہوا لیکن وہ دراز قاتل اتنی دیر میں گوما کو ایک طرف اٹھا دیا تھا۔ گوما کا ایک ہاتھ اس کی گردن سے بندھا ہوا تھا جس کی وجہ سے اسے حرکت کرنے میں بھی دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ دراز قاتل بھی بہت ہی تیز رفتاری سے چلا تھا۔ اس نے اپنے ایک دمی کی گری ہوئی مشین گول اٹھائی اور داور کی طرف گولوں کی پوچھا کر کے ہی والا تھا کہ گوما اپنی جگہ سے اچھلا اور تڑپ کر اس کے سامنے آگیا۔ دراز قاتل کی مشین گول نے گولیاں لگائیں اور گوما کے بدن میں سو موت ہوئی گئیں۔ ایک لمحے کا کھیل تھا جس نے اس کے بدن میں سناٹا سا بکھیر دیا۔ گولیوں کی آوازیں تھیں تو سناٹا شور کرنے لگا۔ سب کے سب تیرتے اور سکتے تھے۔ وہ گئے تھے۔ خود دراز قاتل کچھ دھمکے لیے سٹ پٹا گیا تھا۔ اور یہی وہ موقع تھا جب

داور نے اس کو بھی گوما کی طرح ادھیڑ کر رکھا دیا۔ اس کے چھلانے ہوئے سر سے اسے دراز قاتل کو چھید کر رکھ دیا۔ یہ گولیوں کی آخری آوازیں تھیں جو وہاں گونجیں۔ اس کے بعد سناٹا طاری ہو گیا۔ ایسا سناٹا جو سنگاموت سے زیادہ تکلیف دہ ہوا کرتا ہے۔

عبدل، گولی اور کا لو سر یہاں سے نیچے اتر گئے۔ داور آہستہ آہستہ کھڑا ہوا۔ اس کے ہرے پر بے پناہ وحشت تھی۔ ایسی وحشت جیسے اسے اجازت نہ دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں خون انگ رہی تھیں۔ عبدل نے ان آنکھوں کی ایسی کیفیت دیکھی کہ کبھی نہیں دیکھی تھی۔ داور دھیرے دھیرے گوما کی لاش کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس کی ماں دوبارہ مر گئی ہو، اس کے بچائی کو موت آ گئی ہو، اس کا کوئی گھر دوست دنیا میں نہیں رہا ہو۔

”ایدر سال اسب ٹین فٹاک ہو گئی ہے استاد“ عابد نے داور سے کہا۔ ”آگ چھلکا جا رہا ہے اور ایدر سال کوئی فائر مرگید بھی نہیں آئے گا، کیا۔“ کھنڈا دیر بعد ادر سال کا اعلیٰ ہو جائیں گا۔“

”کچھ دیر پہلے عبدل، داور بڑبڑایا۔ کیا تو نے کبھی ایسی موت دیکھی ہے، کیا بھی اس شان سے کسی کو مرتے دیکھا ہے؟“ نہیں دیکھا ہو گا۔ ایک بہادر آدمی تھا عبدل، اس کی زندگی بھی بہادریوں والی تھی اور اس کو موت بھی۔ بہادریوں والی ملی ہے۔ میں اسے سلام کرتا ہوں۔ وہ اپنا ہاتھ پیشانی تک لے گیا۔ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑا رہا۔ پھر ایک جھٹکے سے دراز قاتل کی لاش کی طرف مڑ گیا۔ اس نے لاش کو ٹھوکر مارنے کے لیے اپنا پیر اوپر اٹھا لیا کچھ پیروں کو وہ لاش کے پاس سے ہٹا آیا۔ ستم ٹھیک کہتے ہو عبدل، ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے پیڑوں چھٹ پڑ ہو گا۔“

گولی اور کا لو اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے بہت جلدی خود پر قابو پا لیا تھا۔ اپنے چہرے پر بچائی ہوئی وحشت کم کر لی تھی۔ چہرہ لوگ سر یہاں سے طرف لپک لیے سب سے آگے داور ہی جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے وہ تینوں تھے۔ اب وہ سب ہی مشین گولوں سے مسلح ہو چکے تھے۔ چھٹ پر پہنچنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جب اس دروازے کے ذریعے چھٹ کر پہنچے تو اس وقت تک پیڑ

تجوری کھول پکا تھا اور ماتھر اس کے پاس کھڑا چلائی ہوئی رنگا ہوں سے تجوری کو دیکھ رہا تھا۔ جھٹ پر قدموں کی آہٹ پاکر ماتھر تیزی سے مڑا اور اپنے سامنے جا رہے لوگوں کو دیکھ کر کہنے لگا۔ یہی کیفیت بدلتی ہوئی تھی وہ اپنے زخمی ہاتھ کو سنبھالنے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”اوہ! داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے ہونٹ لپیٹے۔ ہم لوگ ٹھیک ٹام پر پہنچے ہیں۔ ذرا سی دیر ہو جاتی تو کام خراب ہو گیا تھا کیوں؟“

”کون ہو تم لوگ؟“ ماتھر نے سوال کیا۔ وہ اس سوال سے زیادہ پریشان معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ کیا جانتے ہو؟“

”اے لمبو ترے، سب سے پہلے تو اپنا پستول کیے گراؤ“ عبدل نے اسے حکم دیا۔ ”ورنہ مٹھیں گن ایک سیکنڈ میں ایک ہزار گولی چلا دیتی ہے۔ کیا۔“

ماتھر نے بڑی کدین توڑنگا ہوں سے عبدل کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں نفرت چھری ہوئی تھی۔ بے پناہ نفرت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ خطروں کی پروا کے بغیر اپنا پستول عبدل کے سینے پر خالی کر دے گا۔ پھر چلنے کی بات کر اس نے اپنا پستول ایک طرف چھینک دیا جسے کالونے اچھے پڑھ کر اٹھا لیا تھا۔

”تم شاید مجھے اچھی طرح جانتے ہو گے پڑو۔ داور نے بڑی رو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“ تم نے میرے لیے ہر طرف جال بچھا رکھے تھے لیکن تمہیں نہیں معلوم کہ اوپر والا بس کو رکھنا چاہتا ہے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ آج کچ

دن تمہاری بد قسمتی کا دن تھا اور یہ رات تمہاری بد قسمتی کی رات ہے۔ تمہاری جمع کی ہوئی دولت تمہارے کام نہیں آئے گی۔ اب تمہاری یہ دولت ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اور تم بھی ہمارے ساتھ ہو گئے۔ ہم تمہیں بھی لے جانا چاہتے ہیں سمجھے؟“ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا گوئی

کالو، تم دونوں یہ تجوری اٹھا کر ہیلی کاپٹر میں رکھ دو ہم اسی کے ذریعے اس جزیرے سے باہر نکلیں گے۔“

”نہیں، ہم ایسا نہیں کر سکتے یا ماتھر بول پڑا۔ میں بڑی مشکلوں سے نہ جانے کتنی لاشوں سے گزر کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ میں یہ دولت تم لوگوں کو نہیں لے جانے دوں گا۔“

”کیا تم نہیں روک سکو گے؟“ داور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

ماتھر تھکا کر رہ گیا۔ اس کا ہر غصے اور نفرت کی شدت سے اور بھی خوفناک ہو گیا تھا۔ کالو اور کوئی نے تجوری اٹھا کر ہیلی کاپٹر میں رکھ دی۔ ہیلی کاپٹر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ عمارت اب کسی بھی سے خفا کٹر ہونے والی تھی۔ آگ کے شعلے چاروں طرف سے جھٹ تک پہنچ رہے تھے۔ ان کی ہرن زبانیں لپکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

داور نے عبدل کو اشارہ کیا اور وہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گیا پھر کالو اور گوئی اندر آ گئے۔ اس کے بعد داور نے ماتھر کو ہیلی کاپٹر میں چلنے کی ہدایت کی اور وہ بڑی فکر و رنگا ہوں داور پر ڈالنا ہوا ہیلی کاپٹر میں داخل ہو گیا۔ پڑو

ہیلی کاپٹر سنبھالنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس لیے یہ کام داور انجام دے رہا تھا۔ ہیلی کاپٹر اڑانے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ اس ہیلی کاپٹر میں اتنے آدمیوں کی گنجائش نہیں تھی اس کے باوجود وہ سب کسی کسی طرح ایک دوسرے سے چپک کر اس میں بھر ہی گئے تھے۔ کالو اور گوئی نے۔

”مٹھیں گن کی نال ماتھر کی پسلیوں سے لگا رکھی تھی زخمی لیے وہ کسی پتھر کے جیسے کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا تھا۔“

”چلو اب تم مجھے بتاتے جاؤ کہ اس پرندے کو کس طرح اڑایا جاتا ہے؟“ داور نے پڑو سے پوچھا جسے اس کے قریب ہی بٹھا یا گیا تھا۔

پڑو نے اپنے ہونٹوں پر زبان بچھرتے ہوئے داور کو بتانا شروع کر دیا۔ وہ اسے بڑی دل جمعی کے ساتھ ہیلی کاپٹر کے کل پرزوں کے متعلق بتانے لگا۔ اس نے یہ بتایا تھا کہ کس طرح اس کا انجن رواں کیا جاتا ہے کس طرح اسے اوپر اٹھا یا جاتا ہے اور کس طرح اس کی رفتار اور رخ کو کنٹرول کیا جاتا ہے۔ داور نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور وہ ہیلی کاپٹر ایک زوردار آواز کے ساتھ دھیرے دھیرے اوپر اٹھنے لگا۔

وہ جلتی ہوئی عمارت پیچھے رہ گئی۔ کچھ دیر پہنچ گئی۔ اب ہیلی کاپٹر خاصی بلندی پر آ چکا تھا۔ نیچے عمارت جل رہی تھی۔ لوگ اچھی تک بھاگتے پھرتے تھے۔ کس کو معلوم تھا کہ اس خوفناک آگ نے کتنے لوگوں کو چاٹ لیا ہو۔ وہ رت

اس کا بیو کے لیے بہت ہی جھپٹا ناک ثابت ہوئی تھی۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بچھ گئی تھیں۔ اتنی گولیاں چلی تھیں جتنی گولیاں اس جزیرے پر پڑے ایک سال میں نہیں چلی

ہوں گی۔ ان گنت لوگ مر گئے تھے۔ اور انہیں بوجھنے والا کوئی بھی نہیں تھا۔ لاشیں بے گور و کفن پڑی تھیں اور پیڑوں کی برسوں کی کائی ہوئی دولت اس رات غیروں کے حوالے ہو گئی تھی۔ جس دولت کے لیے اس نے یہ سارا اھیل رچا رکھا تھا آج وہ اس کے کام بھی نہیں آ رہی تھی۔

ہیلی کاپٹر نے اس جزیرے کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اب سمندر کے اوپر پرواز کر رہا تھا۔ اس کی پرواز میں تواتر نہیں تھا۔ کبھی کبھی وہ اس بری طرح ڈمگمگاتے لگتا جیسے وہ بس گرنے ہی والا ہو۔ ایسے موقع پر پیڑو پھر کوئی ہدایت کرتا اور داور اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ڈمگمگاتے ہوئے ہیلی کاپٹر کو قیام میں کر لیتا۔ اس ہیلی کاپٹر کا رخ مہاشی کی طرف تھا۔ کیونکہ وہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں سے یہ لوگ بچھ کر لیے رواں ہو سکتے تھے۔ داور کو اندازہ نہیں تھا کہ مہاشی پیچھے کے بعد کیا صورت حال ہوگی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ گالام میں ہیلی کاپٹر کو اٹکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ یہاں ہر طرف دوڑتے بھاگتے لوگ تھے۔ ایک افوازی میچ ہوئی تھی۔ اور وہ اس افوازی سے بے نیاز نہ کر ل کر جانا چاہتا تھا۔ اس کے دونوں مقاصد بے ہو چکے تھے۔ کاسینو کی بوری دولت بھی اس کے ہاتھ آگئی اور پیڑو بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کی یہ ہمراہی تک کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ مہاشی پہنچ کر اس آدمی کو پھوٹے گا جسے وہ اپنے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بٹھا کر لے آئے تھے۔ پھر کسی لاپرواہی سے کہے کہ یہ لوگ گوا

سے نکل لیں گے۔ دولت پاس ہو تو راستے کی بہت سی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔

مہاشی کا جزیرہ زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے اطراف میں چھائی ہوئی بلند سہاوی چٹانیں انھیں سے کے باوجود بہت ناک ہاتھیوں کی طرح دکھائی دینے لگی تھیں۔ یہاں پہنچ کر پیڑو کی آنکھیں کاٹک چکی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ چھیل گئی۔ ایسی مسکراہٹ جیسے داور رعیت کوئی بھی محسوس نہ کر سکا تھا۔

اب اس آگے کو اپنی طرف کھینچ لو۔“ اس نے داور کو ہدایت دی۔ ہم مہاشی پہنچنے ہی والے ہیں۔“

داور نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس کے بتائے ہوئے آگے کو کھینچ لیا۔ اس عمل کے ساتھ ہی وہ

ہیلی کاپٹر اس شدت سے لڑا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے ہیلی کاپٹر میں موجود سب لوگوں کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ سیاہ جیب چٹانیں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔

عبدل نے اچانک بڑی رو کی گردن پھر پٹائی۔ وہ بہت بری طرح اس کی گردن جھکھڑ رہا تھا۔ لیکن پیڑو اس وقت بالکل بے حس تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اپنے زندگی کی کوئی پروا ہی نہ رہی ہو۔ انسان جب مایوسی کی انتہا پر پہنچ جائے تو اس کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو اس وقت پیڑو کی تھی۔ وہ عبدل کے تشدد پر اُپھٹا نہیں کر رہا تھا۔ وہ بہاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ ہیلی کاپٹر کسی بھی لمحے اس سے ٹکرانے والا تھا۔ داور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ یہ تو بہت عجیب سی موت ہوتی ہے۔ ایسی ہی موت۔ اس نے تو ایسی موت کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا اس کے ذہن میں اپنی موت کا تصور بہت مختلف تھا۔ وہ رشتے ہوئے مرنے چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ان لوگوں سے ملے

ہیلی کاپٹر اس شدت سے لڑا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی عمارت جھانک لڑنے کی زد میں آگئی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کی رفتار زیادہ ہو گئی تھی۔ اور وہ پچھلے سے کہیں زیادہ اونچے ہو گیا تھا۔

110

کردہ تھا۔ اور اب وہ داور سے انتقام لینے کے لیے اس  
 مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا جسے پانی سے نکال کر خشکی پر  
 ڈال دیا گیا ہو۔  
 اس نے بڑی خاموشی کے ساتھ داور اور اس کے  
 ساتھیوں کی سڑائی شروع کر دی تھی۔ اس نے یہ معلوم کر لیا  
 تھا کہ داور اور اس کے ساتھی جس لالچ پر یہاں تک آئے  
 تھے اس کا نام کوہا ہے۔ اس نے داور کے مزید قریب ہونے  
 کے لیے خود ایک لالچ حاصل کیا اور کوہا کے کچھ فاصلے پر  
 کھڑی کر دی۔ وہ ان لوگوں کو اور خاص کر داور کو اپنی نظروں  
 سے اچھل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا اس لیے دیکھ لیا تھا  
 کہ روزی اس شخص سے بہت متاثر دکھائی دے رہی تھی وہ  
 اس کا ساتھ دے رہی تھی۔ اسی لیے اس نے روزی سے  
 بھی اس موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ بس اپنی لالچ  
 میں بیٹھا ہوا ان لوگوں کی سڑائی کرتا رہا۔ اسی رات کو اس  
 نے دیکھا کہ داور نے ایک دوسری لالچ کرائے پر حاصل کر لی  
 تھی۔ اس کی کچھ نہیں آ رہی تھا کہ جب ان لوگوں سے  
 پاس بیٹھے سے ایک لالچ موجود ہے تو دوسری لالچ کی کیا  
 ضرورت ہے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ داور اور اس  
 کے ساتھی کو یہ نامانی لالچ سے اور خود داور دوسری لالچ  
 سے کالام کی طرف روانہ ہو گئے ہیں تو کسی حد تک بات  
 اس کی سمجھ میں آئی۔ داور عافیتوں کی نگاہوں سے چھپ  
 کر کالام میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ یہ پیڑرو کے خلاف کوئی  
 سازش بھی ہو سکتی تھی۔ لیکن جوزف کو پیڑرو کی پردہ  
 بھی نہیں تھی۔ وہ تو مجبوراً اس کے لیے کام کرنے کو تیار ہو گیا  
 تھا۔ اور اس وقت تو اسے صرف داور کی پردہ تھی۔ جو اپنی  
 لالچ کو کالام کی طرف بھگانے کے لیے چاہا تھا۔ جوزف نے  
 بھی اپنی لالچ اس کے تعاقب ہی میں دیکھی تھی۔ اس نے  
 اپنی لالچ کی ساری روشنیاں بجھا رکھی تھیں۔ اس لیے داور  
 کو تعاقب کا شک نہیں ہو سکا تھا۔  
 اس نے اپنی آنکھوں سے چٹائی ساحل پر ہونے  
 والے سامنے ہنگامے دیکھے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ جب  
 داور ساحل پر اترے گا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ ہی اتر  
 پڑے گا۔ اور اس بار وہ اس شخص کو لٹکاسے لیٹھ کر لیا  
 کر ہاک کر دے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک لالچ  
 بھی حاصل کر لی تھی۔ لیکن ساحل پر پہرے پر پے ہنگاموں  
 نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول دی اور وہ بہت جلد اس کی طرف  
 کچھ دیکھتا رہا۔ ان ہنگاموں نے اس پر اتنا اثر ڈالا کہ وہ

اپنی لالچ کو وہاں سے ہٹا کر بہت دور لے گیا تھا۔ اس کی  
 آنکھوں کے سامنے گولیاں چل رہی تھیں۔ لالچیں گری رہی  
 تھیں۔ ایک لالچ کا دوسری لالچ پر حملہ ہو رہا تھا۔ یہاں تک  
 پہنچے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دو ملکوں کی چھوٹی چھوٹی  
 جنگ شروع ہوئی ہو۔ وہ اس جنگ میں حصہ لینے کو تیار  
 نہیں تھا۔ اس کا مقصد صرف داور سے تھا جو ایک چٹائی  
 ساحل پر اتر کر اندھیرے میں کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس  
 کے ساحل پر پہنچنے کی یہ ہنگامے شروع ہوئے تھے۔ گولیاں  
 ہنگاموں کا دفتر داروی شخص تھا۔ جوزف کا دل چاہا کہ وہ  
 چار پیڑرو کو اس شخص کی طرف سے خود دار کرے۔ پھر وہ کچھ  
 سوچ کر رہ گیا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اتنے شدید ہنگاموں  
 کا مقصد کیا ہے۔  
 اس نے دیکھا کہ ایک لالچ آئی اس میں سے کچھ لوگ  
 کو در ساحل کی طرف چلے گئے۔ پھر اس نے ایک دوسری لالچ  
 کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس دوسری لالچ نے برابر تک کاغذ پر  
 شروع کر دیا تھا۔ اس نے آتی دوسری لالچ پر گولیاں برسانی  
 شروع کر دیں۔ جوزف اس وقت شکر انداز رہا تھا کہ وہ اپنی لالچ  
 بہت پیچھے ہٹا لیا تھا۔ ورنہ اسے دانی دوسری لالچ نے جوڑی  
 سمندر میں بھیج دی تھی اس کی وجہ سے خود اس کی لالچ بھی نظروں  
 میں آ سکتی تھی۔ اور اس کا بھی وہی مشر ہو جاتا جو وہاں کھڑی  
 ہوئی دوسری لالچ کے آدھوں کا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بہت  
 سے لوگ جائیں پکالے سے یہ سمندر میں کودتے تھے لیکن  
 دوسری لالچ والوں نے تاک تاک کر ان پر گولیاں برسانی  
 شروع کر دیں۔ پھر جب ایک ایک کر کے سب ختم ہوئے تو ان  
 دوسری لالچ والوں نے دوسری لالچ اور داروی لالچ دونوں  
 کو کہوں سے اڑا دیا تھا۔ زور در دھماکے کے ساتھ دونوں ہی  
 لالچیں آگ کا گولہ بن گئیں۔ پھر ان لالچوں کا وجود کچھ ختم  
 ہو گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر دوسری لالچ والے اس  
 طرح واپس چلے گئے جیسے انہیں فرائض ادا کر کے واپس چارے  
 ہوں۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہی مقصد کے لیے یہاں آئے  
 ہوں کہ قتل و غارتگری کا بازار گرم کر کے اپنی منزل کی طرف  
 لوٹ جایا جائے۔  
 اس لالچ سے چلے جانے کے بعد جوزف نے امینان کی  
 سانس لی جو اس کو بھی اپنی جان کے لئے بڑے تھے۔ اس  
 نے اسی خون ریزی آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اس نے محسوس  
 کیا کہ اس کا جسم خوف سے کانپ رہا تھا۔ وہ بزدل آدمی نہیں  
 تھا۔ اس نے بہت سی گولیاں پھینکی ہوئی دیکھی تھیں۔ ہزاروں  
 لالچیں اس کی نظر سے گزری تھیں۔ لیکن آج اتنی تباہ کن

خون ریزی اس کے تجربے سے باہر تھی۔ اگر وہ لالچ والے اس  
 کی طرف پلٹ پڑتے تو وہ ان کا کچھ نہیں لگا سکتا تھا۔ وہ  
 لوگ ہر قسم کے اٹکوں سے لیس تھے۔ اور اس کے پاس  
 سداے ایک سا نقل کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ اچھا ہی ہوا  
 تھا کہ وہ ان کی نگاہوں سے محفوظ رہا تھا۔ ان لوگوں نے اس  
 کی لالچ کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کی وجہ یہی  
 ہو سکتی تھی کہ اس کی لالچ پر ان کی نظری نہ پڑی ہو۔ کیونکہ  
 وہ اپنی لالچ بہت پیچھے لے آیا تھا۔ اور دوسری وجہ یہی  
 ہو سکتی تھی کہ انہوں نے جوزف کی لالچ کو مایہ گردوں کی لالچ  
 کچھ کچھ مڑا ہوا۔ وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ اس کی جان پر کئی  
 مئی اور اس کے لیے آسانی کا فیصلہ تھا۔  
 اس لالچ کے چلے جانے کے بعد جوزف ریلنگ کے  
 پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اب اس کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ کیا  
 کرے۔ یہیں بھڑک رہے یا وہاں ہوا ہے۔ پھر اچانک اس  
 کی نگاہ کسی چیز پر پڑی۔ چاند اس وقت گئے بادلوں کی اوٹ  
 سے لعل آیا تھا۔ اس لیے چاندنی میں اسے وہ چیز دکھائی دے  
 گئی جو سمندر کی سطح پر بہتی ہوئی تھی۔ آری تھی۔ اس نے اپنی  
 نگاہیں اس پر تھامیں۔ پھر اسے احساس ہوا کہ وہ دراصل  
 کوئی انسان تھا۔ جو کہوں کے خلاف جدوجہد میں مصروف  
 تھا۔ یہ شخص بھی شاید ان کی نگاہوں میں سے تھا۔ جنہوں نے  
 سمندر میں کود کر اپنی جائیں پکالے کی کوشش کی تھی۔  
 لیکن لوگوں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس شخص کی زندگی باقی  
 تھی جو بچانے کے لیے اس کی طرف جانے سے اس طرف نکل آیا  
 تھا۔ جوزف نے اس شخص کو بچانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ یہ معلوم  
 کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ ہنگامہ کیوں ہوا تھا۔  
 وہ آدمی تیرتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس نے شاید  
 جوزف کی لالچ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے زندگی بچانے کے لیے  
 جدوجہد کر دی تھی۔ جوزف نے عرش پر چڑھی ہوئی رسی  
 لگا کر اس کی طرف پھینک دی۔ وہ شخص اب بہت قریب  
 آچکا تھا۔ لیکن اسے ہتھکڑیاں بھی ہو رہا تھا۔  
 ”جو کونسی؟“ جوزف نے ہدایت کی۔ ”او مین رسی  
 پکڑلو۔ لائف بچاؤ لائی۔“  
 اس آدمی نے رسی کی طرف ہاتھ ڈھکا اور رسی اپنی  
 گرفت میں لے لی۔ جوزف نے اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہاں  
 کچھ اور بعد وہ آدمی عرش پر لپٹا ہوا گہری گہری سانسوں  
 لے رہا تھا۔ جوزف اسے پانی سے نکالنے میں کامیاب ہو  
 گیا تھا۔  
 جوزف خود بھی اس آدمی کے قریب بیٹھ گیا۔ وہ ایک

لو جو ان آدمی تھا جیسے قتل اور مضبوط بدن والا آدمی۔ اس  
 نے پیٹ اور پیس پہن رکھی تھی۔ وہ تیراکی کا ماہر بھی معلوم  
 ہوتا تھا۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ان کی دیر میں ڈوب  
 چکا ہوتا۔ کچھ دیر بعد جب اس کے اوسان بحال ہوئے تو  
 وہ اٹھ بیٹھا۔ وہ بڑی جرات سے جوزف کی طرف دیکھ رہا  
 تھا۔ جوزف کی ہمت نے اسے کچھ خوفزدہ بھی کر دیا تھا۔  
 ”ہاں اب بتاؤ کون ہو تم؟“ جوزف نے اس کی طرف  
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیس بات کارولنا چاہا ہوا تھا تم ادھر کا  
 آدمی تو نہیں معلوم ہوتا۔“  
 ”نہیں! اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے  
 کہا۔ ”میں یہی سے آیا ہوں۔“  
 ”وہ تو میری صورت سے لگتا ہے۔ لیکن کچھ کہتا ہے۔  
 کلے کہ تمنا آدمی اور میرا کہ تم لوگ کس واسطے ادھر آ رہا تھا۔  
 دیکھو میرے کوصاف صاف بتا دو۔ ہم پولیس کا آدمی نہیں  
 ہے۔ اور ہم پیڑرو کا آدمی بھی نہیں ہے۔ ہم بس پولیس ہی تم  
 سے کوئی کرتا ہے۔ جلد بتاؤ۔ ٹھیک ٹھیک بتانا۔“  
 ”ہم لوگ کایز کو لوٹنے آئے تھے۔ اس آدمی نے کچھ دیر  
 سوچنے کے بعد کہا۔ ”پیڑرو کی ساری دولت ایک بخوری میں  
 بند ہے۔ ہم نے اسی بخوری کو لے لیا۔“  
 لیکن مخالف لوگوں نے اگر ہمارے ایک ایک آدمی کو مار دیا  
 سب سے سب مارے گئے۔ میں تیرتا ہوا اس طرف نکلا  
 ہوں۔“  
 ”ہاں۔ یہ سارا ارادہ ہم نے بھی دیکھا ہے۔ باقی گاڑ  
 بہت ہی خطرناک لوگ تھے۔ ایسا ارادہ کیا جیسے فلوچالو  
 ہو گیا ہو۔ ہم نے بھی اسی بخوری کے بارے میں بہت سنا ہے  
 لیکن کچھ کچھ نہیں۔ اب تم لوگ اس کو لے کر بھاگنے والا  
 تھا۔ یہ تو بہت زبردست بات ہے۔ خیر اب تم کیا کرے گا۔ پھر  
 آدمی لوگ تو بڑے ہو گیا۔“  
 ”وہ بخوری آج ہر حال میں اس کاسینو سے غائب ہو جائے  
 گی۔ وہ آدمی مسرے ہوئے بولا۔ ہمارے کچھ آدمی کاسینو  
 میں پہنچ گئے ہیں۔ ان کے علاوہ دواں پاریاں بھی بخوری  
 کے لیے جدوجہد کر رہی ہیں۔ وہ دونوں ہی کاسینو میں موجود  
 ہوں گی۔ لیکن اب میں ساحل پر نہیں جاسکتا۔ اب تم بتاؤ  
 ہمارا کیا فیصلہ ہے؟“  
 ”اوہ۔ یہ تو بہت بڑا کچھ ہے۔“ جوزف نے اپنے ہونٹ  
 سیکڑے۔ ”وہ سالہ بخوری اگر میرے کو مل جائے تو معاملہ  
 جانے۔ اپنی لائف مدھل جائے۔ اچھا۔ بتاؤ تم لوگ اگر اپنی  
 اسیم میں کامیاب ہو گیا تو پھر بخوری لے کر کدھرے لگیں گا۔“



جزیرے پر تو چاروں سائینڈ پیڈر روکے آدمی پھیلے ہیں۔  
 ”اس کے لیے ہم لوگوں نے پیڈر روکا دیلی کا پٹر استعمال  
 کرنے کا ارادہ کیا تھا۔“ اس آدمی نے بتایا یہیں یہ معلوم  
 ہوا ہے کہ پیڈر روکا ایک سیلی کا پٹر ہر وقت چیت پر تیار رہتا  
 ہے۔ ہم نے بھی سوچا تھا کہ ہم اس سیلی کا پٹر کے ذریعے فرار ہو  
 جائیں گے۔“  
 ”یہ تم ٹھیک بولا تم لوگوں کے پاس سالاباگل پرنیکٹ  
 انفارمیشن ہے۔ پیڈر روکا سیلی کا پٹر کا سینو کی چیت بر رہتا ہے۔  
 لیکن اس سے میرے کو کیا۔ ہم سالاباگل تو ادھر سمندر میں خوار  
 ہونا رہے گا۔ اور دوسرا لوگ بخوری کے کرکل جائیں گا۔  
 لیکن ہم تو ادھر کی اور کام سے آیا تھا۔ سالاباگل وہی نہیں ہوا۔  
 ”ہمناہار کیا کام تھا؟“ اس آدمی نے دریافت کیا کیا  
 کسی کا انتظار کر رہے ہو؟“  
 ”نہیں میرے کو ایک آدمی سے بدل لینے کو تھا۔ لیکن  
 وہ سالاباگل پر جا کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد تم لوگوں  
 کا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ ہم بس ویسٹا ہی رہ گیا۔ خیر وہ آدمی  
 مہاسن کو آئے گا۔ ہم ای ٹائم اس کو دیا یوں گا۔ وہ بھی کیا یاد  
 کریں گا؟“  
 وہ آدمی ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہوا اور عرصے پر  
 ادھر ادھر پھرتے رہا۔ وہ بہت پریشان اور بے قرار دکھائی  
 دے رہا تھا۔ اس کا سارا منصوبہ چوٹ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس  
 کے دل جانے کہتے ساتھ ہی ہلاک کر دیئے گئے تھے۔ اس کے  
 باوجود اس کے کچھ ساتھی کا سینو میں موجود تھے۔ اور اپنے  
 منصوبے کی تکمیل کے لیے اس کا ان ساتھیوں تک پہنچنا بہت  
 ضروری تھا۔ لیکن ساحل تک پہنچنے کا اس کے پاس کوئی بھی  
 ذریعہ نہیں تھا۔ سوائے اس ایک لائی کے جو ایک عجیب  
 سے آدمی کی تھی۔ اور جو اپنی جسامت اور بدن کی ساخت  
 سے بہت مضبوط دکھائی دے رہا تھا۔ سب سے بڑی بات  
 یہ تھی کہ وہ مسیحی تھا۔ اور اس کے پاس کوئی تھپاڑا نہیں  
 تھا۔ وہ مار پیٹ کے ذریعے اس آدمی پر کسی بھی حال میں  
 قابو نہیں پاسکتا تھا۔  
 جوزف اس کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنی دونوں ٹانگیں  
 آگے کی طرف پھیلا کر کہیں کا ہمارا لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے  
 اپنی نگاہیں اس آدمی پر جمائیں تھیں۔ جو جوزف کے خیال  
 کے مطابق بہت اچھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔  
 جوزف نے ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ اسے اس آدمی  
 کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ کیا اسے مار کر سمندر میں پھینک  
 دے۔ یا اسے ساحل تک چھوڑ آئے۔ یا اسے اپنے ساتھ

مہاسن لے چلے۔ دیئے خود اس نے اپنے بارے میں بھی  
 کچھ نہیں سوچا تھا۔ اس کا شکار تو اس کے ہاتھ سے نکل گیا  
 تھا۔ ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے۔ اس کی دلی  
 کا انتظار کرے یا مہاسن کو واپس ہو جائے۔  
 وہ آدمی عرصے پر بیٹھ بیٹھ جاتا تھا جوزف کی طرف  
 مڑتا۔ کیا تمہارے پاس پینے کے لیے کچھ ہوگا؟ اس نے  
 پوچھا۔  
 ”نہیں اس ٹائم کچھ بھی نہیں ہے۔“ جوزف نے جواب  
 دیا۔ ”بابا ہم پیکنگ کے لیے ادھر سے نہیں چلا تھا۔“  
 وہ آدمی اب اس کے اور قریب آیا تھا۔ اس کی نظریں  
 اس رائل پٹریس جو جوزف کے پہلو میں رکھی ہوئی تھی۔  
 ”مجھے تو بہت زوروں کی بیاس لگ رہی ہے۔“ اس  
 نے کہا۔  
 ”تو ہم کیا کرے؟“ جوزف کو غصہ آنے لگا تھا۔ پانی پینا  
 ہو تو سمندر میں۔“  
 اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اس آدمی نے اچانک  
 اس کی رائل کو ٹھوکر سید کر دی۔ وہ رائل پھینکتی ہوئی  
 ایک طرف گئی اور اس کے ساتھ ہی اس آدمی نے رائل پر  
 چھلانگ لگا دی۔ دوسرے ہی لمحے وہ رائل اس کے ہاتھ میں  
 آچی گئی جس کا رخ اس نے جوزف کی طرف کر دیا تھا۔ اور  
 اب جوزف اپنے آپ کو اور اس آدمی کو گالیاں دینے لگا  
 تھا۔ اس کے خیال کے مطابق وہ اب انسا کو روک رہا تھا کہ  
 ہر شخص اس پر برہ آسانی قابو پایا تھا۔  
 ”میں نہیں مارنا نہیں چاہتا۔“ اس آدمی نے کہا۔  
 ”تم نے میری جان بچائی ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے ساحل  
 تک پہنچا دو۔ بس اس کے بعد میں تم سے کچھ نہیں ہوں گا۔  
 تم واپس چلے جانا میں قسم کھاتا ہوں۔“  
 ”تو مجھے کون سا حق پیدا ہوا ہے مجھے اپنے ساتھ لینے  
 گا۔“ جوزف جھل کر بولا۔ ”تو مجھے ہی بول دیا تو میں تیرے  
 کو ساحل پر چھوڑ آتا۔“  
 ”بس تم میرا کام کرو۔ درمیان میں اور تم سے کچھ نہیں چاہتا  
 ہوں۔ میرے ساتھی کا سینو میں میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔  
 ”ٹھیک ہے مجھے کیا۔“ جوزف نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے  
 لائی کاٹا۔  
 وہ لائی ادھر سے میس پانی کی سطح کو چرتی ہوئی ساحل  
 کی طرف بڑھنے لگی جوزف نے پیچھے سنبھال لیے تھے۔ وہ لائی  
 ابھی تک ریلنگ کے پاس ہی کھڑا تھا۔ میرا چانک جوزف نے  
 بوری قوت کے ساتھ پیچھے کو ایک طرف گھمایا۔ وہ لائی کسی

لٹکی طرح تاج گئی۔ اس کے ساتھ ہی جوزف مکتہ حملے سے  
 بچنے کے لیے اڑوں پیچھے لگا تھا۔ لیکن وہ آدمی خود کو سنبھال  
 نہیں سکا تھا۔ لائی کے پھونکنے لینے ہی وہ بڑی طرح اڑتا  
 ہوا پیچھے کے پاس آکر رائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر  
 ایک طرف جا گئی تھی۔  
 جوزف نے لائی کو سنبھالنے سے پہلے اس آدمی سے  
 جڑے پر ایک ٹھوکر سید کر دی۔ اس کی ایک ہی ٹھوکر اس  
 سے حق میں خطرناک ثبات ہوئی تھی۔ اس کے دل جانے کہتے  
 دانت جڑے تھے۔ اور کرناک چنے کے ساتھ وہ بے ہوش  
 ہو گیا۔ اس کے بے ہوش ہوجانے کے بعد جوزف نے بڑی  
 تیزی کے ساتھ دوٹی ہوئی لائی کو واپس کر لیا۔ اس نے  
 لائی کاٹا۔ اور دوبارہ بند کر دیا تھا۔ پھر وہ ٹھنڈوں کے بل جھٹ  
 کر اس آدمی کو دیکھنے لگا جس کے منہ سے بھل بھل خون نکل  
 رہا تھا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھکی ہوئی تھی۔ جوزف  
 نے جھٹ کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔  
 صرف بے ہوش ہوا تھا۔  
 جوزف نے جھٹ کر دونوں ہاتھوں سے اس آدمی کو  
 اوپر اٹھا لیا۔ اس کا وزن اس کے لیے ایسا ہی تھا جیسے  
 اس نے کوئی معمولی چیز اٹھائی ہو۔ وہ اسے اسی طرح اٹھائے  
 ہوئے عرصے کے ریلنگ تک آیا پھر اس نے اسے بے ہوش  
 جسم کو کمرے پر ڈال دیا۔ وہ اسے سمندر میں پھینکے گا اور وہ  
 ترک کر چکا تھا۔  
 ٹھیک اسی وقت جزیرے کی طرف سے ایسا شور مچنے  
 لگا جیسے ہزاروں ہمدردیں پیچھے لگی ہوں۔ جوزف اندھیرے  
 میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جڑے کی طرف دیکھنے لگا۔ اس  
 کی آنکھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک یہ کیا شور شروع ہو گیا  
 ہے۔ اس نے ٹو لہاں پھینکیں آوازیں سنی ہیں۔ یہ گولیاں اتنے  
 فوارے کے ساتھ چل رہی تھیں جیسے کسی دشمن فوجوں نے اس  
 جزیرے پر حملہ کر دیا ہو۔ بات صرف یہیں تک نہیں رہی  
 تھی بلکہ ان ہنگاموں کے بعد جڑے کے درمیان سے  
 آگ کے شعلے بلند ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔ ریشٹلے  
 اتے بلند تھے جیسے بہت زبردست آگ لگ گئی ہو۔ اس  
 آگ نے پورے جزیرے میں آجالا سا کر دیا تھا۔  
 ”اوہ گاڈ! جوزف جڑو لیا۔“ وہیں یہ آگ کا سینو نہیں  
 تو نہیں لگتی ہے۔“  
 لیکن اس کے سوال کا جواب دینے والا کوئی بھی نہیں  
 تھا۔ ساحل ویران تھا اور ساحل سے بڑے جزیرے کے

میں وسط میں ہنگامہ برپا تھا۔ یہ ایسا ہنگامہ تھا جس نے  
 ساحل سے انکر سمندر تک کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔  
 اسی موقع پر جوزف نے غصوں کہا کہ عرصے پر جڑا ہوا آدمی  
 کا بلانے لگا تھا۔ اسے ہوش آنے لگا تھا۔ جوزف ساحل کی  
 طرف سے دھیان ہٹا کر اس آدمی کو دیکھنے لگا۔ پھر کچھ سوج  
 کر اس نے اپنی رائل اٹھائی۔ اور لائی کے سین میں آگیا پھر  
 واپس میں اس کے ہاتھ میں پانی کی ایک بوتل تھی۔ اس نے  
 پانی کی وہ بوتل اس آدمی کے منہ سے لگا دی۔ اور کچھ پانی  
 اس کے چہرے پر جھڑک دیا۔  
 وہ آدمی کراہ کراہ پھٹا۔ اس کے منہ میں ابھی تک خون  
 بھرا ہوا تھا۔ جوزف نے وہ بوتل اس کی طرف بڑھادی اور  
 اس آدمی نے بوتل اپنے منہ سے لگائی۔ اور وہیں عرصے پر  
 قلی کرنے لگا۔ اس طرح اس کی حالت کچھ بہتر ہو گئی تھی اور  
 اس نے کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ کسی رسمی  
 طرح کھڑا ہوا اور ریلنگ کے پاس آگیا۔ یہاں آکر اس نے  
 دو چار گہری گہری سانسیں لیں۔ پھر اچانک چنک کر جوزف  
 کو دیکھنے لگا۔  
 ”یہ شور کیا ہے؟“ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”لگتا ہے  
 بہت بڑی کڑ پڑ ہوئی ہے۔“  
 ”میں بھی بہت حیران ہوں۔“ جوزف اس کے قریب  
 پہنچ کر بولا۔ ”لیکن تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا تھا؟“  
 ”بس کیا بتاؤں؟“ اس نے زور سے اپنے سر کو جھٹکا  
 دیا۔ ”بس ساحل پر جانے کا جنوں سوار ہو گیا تھا مجھے۔ پر مجھے  
 نہیں معلوم تھا کہ تم اس طرح مجھ پر قابو پاؤ گے۔“  
 ”خیر فارگٹ اٹ۔“ جوزف نے اس کے شانے پر ہتھی  
 دی۔ ”ہم تیرے کو ایک بات بتانا ہے۔ ہم نے اپنی ہولی لائف  
 میں کبھی کسی پر رحم نہیں کھیا۔ کسی پر ترس نہیں کھیا۔  
 جب تم بے ہوش پڑا تھا تو ہم تیرے کو اوپر اٹھا کر سمندر میں  
 پھینکنے والا تھا۔ پھر کچھ دھیان آگیا۔ ہم سوچا کہ جس کو ہم سمندر  
 سے نکالا تھا اسے سمندر میں ڈالنا ٹھیک نہیں ہے۔ بس یہ  
 سوچ کر رک گیا۔ خیر اب یہ سوچو کہ تیرے کو کیا کرنا ہے ساحل  
 پر جانا ہے تو چھوڑ آئے۔“  
 ”نہیں میں اب وہاں جا کر کیا کروں گا۔“ اس نے  
 کہا۔ ”وہاں تو کوئی زبردست کڑ پڑ معلوم ہوئی ہے۔“  
 ”تو پھر میرے ساتھ مہاسن چلو۔ معمول جاؤ اس بخوری  
 کو۔ یہ سارا کڑ پڑ اسی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے۔“  
 اس آدمی نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ کسی سیلی کا پٹر کی آواز

کنے لگی۔ ان دونوں نے چونکہ کمر اور ننگاں میں جماریں تھیں۔ ایک پہلی کا پٹر ڈنگنا ڈوتا ہوا جس کی طرف جا رہا تھا۔  
 ”اوہ گاڈ! جو خوف بڑا بڑا یہ تیرے پٹر کا کہلی کا پٹر معلوم ہوتا ہے۔ لگتا ہے سالہا بجوری کے کرب جاک رہا ہے۔“  
 ”ہاں! اس آدمی نے بھی گردن ہلا دی۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو ہم اس کے پیچھے چلتا ہے۔ دیکھتا ہے یہ کس طرف جانے گا۔ ادھر تو ایسا لگتا ہے جیسے پہلی کا پٹر کو گولی لگ گیا ہے یا اس کو اڑانے والا دارو پی کر اڑا رہا ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سالہا سمندر ہی میں گر پڑے۔“  
 وہ آدمی کچھ نہیں بولا۔ وہ اڑتے ہوئے پہلی کا پٹر کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ جوزف نے اچانک لائی کا انجن بھی اشارت کر دیا۔ لائی نے شے کے لیے ایک طویل جھڑکا اور پوری زحمت سے پہلی کا پٹر کے پیچھے دوڑ پڑی، پہلی کا پٹر بہت آگے جا چکا تھا۔ لیکن جوزف جانتا تھا کہ اس کا کارن جہاں تک پہنچ کر طرف ہے۔ اور وہاں پہنچ کر وہ پہلی کا پٹر اس کی ننگا ہوں سے بچا رہیں اور سنے گا۔ اس کے دل سے اس وقت پریڈر کا خوف بھی ختم ہو چکا تھا۔

”رک جاؤ! یہ پریڈر چلا گیا۔“  
 ماتھر نے ٹھیک کہا۔ ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا۔ گولی نے مشین گن کا رخ دوڑتے ہوئے ماتھر کی طرف کر دیا۔ لیکن داور نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”رہتے دو، اگر پریڈر روک نہ پڑے تو تمہیں گولیاں مٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔“  
 ”لیکن وہ بجوری۔“ گولی نے پہلی کا پٹر کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”کیا ہم بجوری کو چھوڑ کر چلے جائیں؟“  
 ”یہ اپنی اپنی قسمت ہے گولی۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ جو پیڑر ہاتھ آکر نکل جائے، اس کے لیے پریشان نہیں ہو کر رہے۔“

ماتھر اس دوران پہلی کا پٹر تک پہنچ چکا تھا۔ وہ سب اسے بڑی حیرت اور دل چسپی سے دیکھ رہے تھے۔ پہلی کا پٹر کے پاس پہنچ کر وہ رکا اور ان لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔  
 ”پریڈر وہ جھٹکے رہا ہے۔ اس پہلی کا پٹر میں ایسا کوئی۔“  
 سسٹم نہیں ہے۔ یہ دولت اب میری ہے، اسے مجھ سے کوئی۔“  
 لیکن اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔ ٹھیک اسی وقت

ہم چھٹ پڑا تھا۔ اس پہلی کا پٹر کو دفعتاً نشانوں نے گھیر لیا تھا۔ ایک ایسا نور دار جھلکا ہوا جس نے اس پورے علاقے کو لرزاکر رکھ دیا۔ وہ سب کے سب پتھر میں زمین پر گر پڑے تھے۔ جیسے پہلی کا پٹر کے ٹکڑے اڑتے ہوئے بہت دور دور تک گئے تھے۔ وہ اتنا طاقتور تھا جس نے زرا سی دی میں اس پہلی کا پٹر کو مجھ سے کے فحیر کی مانند بکیر کر رکھ دیا۔

گوچ ختم ہوئی۔ وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ ماتھر کا نام دشان تک سٹ چکا تھا۔ کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ جیسی پہلی کا پٹر اس کے اندر رکھی ہوئی دولت اور دولت کی ہوس میں بسا ہوا ایک ایسا انسان جس نے خون، شام کا روپ اختیار کر رکھا تھا۔ موت ایک ہی جھٹکے میں اسے اپنی گرفت میں لے کر لڑائی گئی تھی۔ اب وہاں سناٹا تھا۔ ہر طرف پھیلی ہوئی ہارٹیاں تھیں۔ اور ان ہارٹیاں کے درمیان کچھ ایسے لوگ تھے، جن کی بساط الٹ چکی تھی۔ جو حیرت کر بھی مانگتے تھے۔  
 داور اور اس کے ساتھی سسلے کے عالم میں کھڑے تھے۔ پیٹنگ پریڈر رسنے ہانے کے بعد بھی جیت لی تھی۔ وہ خود تو تباہ ہو گیا تھا لیکن اس نے کسی اور کو بھی کچھ حاصل نہیں کرنے دیا تھا۔ وہ اس وقت دشمنوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہونے کے باوجود بہت مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔

”گیم کھلاس ہو گیا ہے استاد! عملے نے ایک مرد آہ بھر کر کہا۔“  
 ”تقدیر کا پھانسا! اپنا سالہا جاکر اس کو سناں گا۔ سالہا اڑن کھول لاؤں شکا ہو گیا، کیا سالہا اپنی کا نصیب میں کچھ اور خوار کی کھٹلا رہا ہے۔“  
 سالہا تم ٹھیک بولتا ہے۔ داور نے بھی جھانسا میں، افسوس کے انداز میں سر ہلا کر کہا۔ اپنی کا نصیب ہی کھول رہا ہے۔ اپنی دولت کے پیچھے جھگ رہے ہیں اور سالی دولت راکٹ کے مالک لگے نکل جاتی ہے۔ یار یہ سالی دولت اور زندگی۔ دونوں کا کوئی بھر دس نہیں ہوتا ہے، کیا؟

”اب بتاؤ، میرے ہاتھ میں کیا سوچا ہے تم نے؟ پریڈر نے دریافت کیا۔“  
 ”کیا کرنا چاہتے ہو تم؟“  
 ”تمہارا معاملہ یہ ہے کہ میں نے ایک شخص سے وعدہ کیا ہے۔“ داور نے بتایا۔ ”اس نے کہا تھا کہ پریڈر کی ساری دولت تمہارے لینا اور پریڈر کو میرے پاس لے آنا۔ اب دولت تو میرے پاس ہے چلی گئی۔ یہ میرا نقصان ہے لیکن میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ کیونکہ یہ میرا وعدہ ہے، مجھ گئے؟“  
 ”ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی لیکن وہ آدمی کون ہے؟“

داور نے اسے بتانا چاہا کہ کس طرف سے ایک گولی چلی۔ ہر سنائی ہوئی اس کے کان کے پاس سے گزر گئی۔ بس وہ بال بال بک بکاتا تھا۔ اس احساس کے ساتھ ہی اس نے خود کو زمین پر گرا دیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھی جی بڑی چرتی سے اس کی تقلید کی تھی۔ پریڈر بھی زمین پر گر پڑا تھا۔ اس ایک گولی کے بعد دوسری گولی آئی اور داور کے سامنے زمین میں ہر دھنسن گئی۔ یہ گولیاں ایک بڑے سے پتھر کے عقب سے چلائی جا رہی تھیں۔ اور اس نے یہ سمجھ کر لیا کہ اصل ہدف وہی تھا۔ کیونکہ گولیاں اسی کے اسے پاس گری تھیں اس کے ساتھ اور لوگ بھی زمین پر پڑے ہوئے تھے لیکن گولیوں کا رخ ان کی طرف نہیں تھا۔ گویا کوئی بھی تھا وہ اسی کو لٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اچانک کوئی پتھر اس کے قریب آکر گری۔ وہ اٹھیں گے تھے جو کالونے اس کی طرف اچھال دی تھی۔ اٹھیں گے اچھا لینے کے بعد داور نے اس پتھر کی طرف گولیوں کی بوجھا کر دی۔ اس نے دیکھا کہ عبدال ربیک نے بوجھا کر اس کی طرف چلا جا رہا تھا۔ وہ کسی گولہ کی طرح چٹائی زمین پر ریگ رہا تھا۔

سامنے کی طرف سے کچھ گولیاں اور چلیں اور پریڈر اچھال پڑا۔ وہ بہت دور ننگا زمین پر چلا تھا۔ گویا اس کی کہانی بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ شخص جسے بہت پسند جانا چاہیے تھا اسے اب موت آتی تھی۔ پہلی کا پٹر کا ڈھانچہ ابھی تک چل رہا تھا۔ اسی لیے ارد گرد اچھی خاصی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور شاید اسی روشنی کی وجہ سے پریڈر کو نشان نہ بنا سکا ہو سکا تھا۔ داور کو اس بات کی بھی حیرت تھی کہ اس روشنی میں عملے کی جھٹکا ہوا ایک طرف جا رہا تھا لیکن گولیاں اس طرف نہیں جا رہی تھیں اور دوسری حیرت کی بات یہ تھی کہ پریڈر کو گولی لگنے کے بعد۔ گولیوں کا سلسلہ اس طرح ختم ہو گیا تھا جیسے اصل نشانہ داور نہیں بلکہ پریڈر ہو۔

پھر اس بڑے پتھر کے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔ ”اوہ! میں ہم اب گولی نہیں چلائے گا۔ ہم اور ہمارا ساتھی باہر آ رہا ہے۔“  
 ”خدا کے لیے ہم پر گولی مت چلا نا۔“  
 داور اس پتھر کی طرف دیکھنے لگا۔ ہوسکتا تھا کہ یہ سب اسے دھوکے میں رکھنے کے لیے کہا گیا ہو لیکن اگر ایسی بات ہوتی تو خود وہ آدمی پتھر کے عقب سے آنے کی بات نہیں کرتا۔ اس آواز نے دوبارہ یقین دہانی کر لی اور داور نے جرح کرنے کے ساتھ گولیاں چلائے سے روک دیا۔ اس کی آواز سن کر عبدال ربیک بھی رک گیا تھا۔ اب وہ سب اس بڑے سے پتھر کی

طرف دیکھ رہے تھے جس کے عقب سے دو آدمی ہاتھ اوپر اٹھائے باہر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایک دربارہ اٹھل تھی، اس نے اسی اٹھل سے گولیاں برساتی تھیں داور نے اس گولہ پٹری کی آدھی کو پہچان لیا تھا۔ وہ وہی شخص تھا جس سے ہمارے کچھ ایک بازار میں اس کی لڑائی ہوئی تھی۔ اس شخص نے قریب آکر اپنی اٹھل ایک طرف پھینک دی۔ اب وہ خالی ہاتھ ہو چکا تھا۔ داور اور اس کے ساتھی بھی یہ دیکھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”ہم نے سارا ڈرامہ اپنا دکھوں سے دیکھا ہے۔“ اس آدمی نے قریب آکر کہا۔ ”ہم کو اس آدمی کو مارنا تھا۔ اس نے پریڈر کی طرف اشارہ کیا۔ ہم تم پر گولیاں نہیں چلا دیتا تھا۔ باقی گاڈ! ہم کو تم سے بھی دشمنی ہے اور اس آدمی سے بھی۔ لیکن دونوں کا معاملہ الگ ہے۔ یہ ڈر نہیں کسی کو لگا کر نہیں تھا۔ چوڑی سے مانتا تھا۔ اس لیے ہم بھی اس کو چوری سے گولی مار دیا۔ ہوئی کراش، ہم کو معاف نہ کرے، لیکن ایسا آدمی کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔ اور تمہارا معاملہ دوسرا ہے۔ تم ہم کو پیٹھ سے مارا تھا۔ اس لیے ہم تم کو لڑائی کا پیٹھ کرنا ہے، ایک بار پھر تمہارا فائنل ہو میں گا۔“

”تم کچھ بالکل معلوم ہوتے ہو۔ داور نے غصے سے کہا۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے میرا کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے۔ میں اس آدمی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔“  
 ”یہ ہم کو نہیں معلوم۔ ہم کو تو اس دولت سے کچھ نہیں لینا تھا۔ جو اس پہلی کا پٹر کے ساتھ فٹش ہو گیا۔ ہم دوسرے ماٹھ کا آدمی ہے۔ ہم دل میں آگ جلا لیا تو اس کو سمندر بھی بجھانے کو نہیں سکتا۔ ہم پہلی کا پٹر کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ ہم تمہارے ہی لیے لارے کے کہ کلام کی طرف گیا تھا۔ ہم تم سے فائنل کرنا مانگا تھا اور ابھی پھر فائنل کریں گا۔ بولو تم تیار ہے یا نہیں۔ تم اپنے آدمی لوگ سے بتادو کہ وہ الگ ہو جائے۔“

داور چند لمحوں تک اپنے ہونٹوں کو سمجھتے ہوئے اس آدمی کی طرف دیکھتا رہا جس نے اس کا کھیل بگاڑ دیا تھا۔ پہلے خود پریڈر نے پہلی کا پٹر ڈاکر ساری دولت خاک کر ڈالی تھی اور اب اس آدمی نے پریڈر کو ہلاک کر کے اسے خالی لٹ کر دیا تھا۔ یہ ہم سر اس کا کام ہو گئی تھی۔ کچھ بھی اس کے ہاتھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس آدمی کو اسٹا مانے کے اس کے بدن کا ایک ایک جوڑ کھن جائے۔ یہ آدمی خواہ وہ ہی اس کے پیچھے چلا گیا تھا۔ پہلے بھی یہ شخص بازار میں اس کی جان کو اٹھایا تھا اور اب لڑائی کے لیے اسے پہنچ کر رہا تھا۔ گویا

لے سب ایک ایسی جنگ لڑتی تھی۔ جو بے سود تھی۔ اگر وہ اس میں جیت بھی جاتا تو کیا ہوتا؟

”ہن کو بھی تھوڑا اور ورزش کرنے واسطو و عبدل اچھ کر ان دونوں کے پاس آگیا۔ مارا ماری تو سالا اپن بھی کر سکے۔“

”نو۔“ جوزف نے اپنی انگلی ہلائی۔ میرے کو تم سے نہیں اس آدمی سے لڑنے کا ہے۔ تم لوگ اشر فرشتہ کرو۔“

”ٹھیک ہے عبدل۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔

”تم لوگ بس تماشا دیکھتے رہو، یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔“

”عبدل اپنے شلے اپکا تاہو ایک طرف ہٹ گیا جبکہ گوی اور کالو ان دونوں سے کچھ فاصلے پر ایک طرف بیٹھ گئے تھے۔ ویسے ان لوگوں نے مشین گنیں ابھی تک اٹھا رکھی تھیں لیکن اب وہ بہت بے زار دکھائی دے رہے تھے۔ ان کے لیے اب کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ جس لالچ میں داور کے ساتھ سپاہانہ تک آئے تھے۔ وہ بھی پوری نہیں ہو سکی تھی۔ دولت بھی چلی گئی تھی اور سامنے پیڑوں کی لائن بھی پڑی ہوئی تھی۔ اور اب سب کچھ بے معنی سا ہو گیا تھا۔ جوزف کے ساتھ آنے والا آدمی بھی ان لوگوں سے کچھ فاصلے پر بیٹھ چکا تھا۔ ادا میں بیٹھ گیا۔ اس کے لیے بھی اب کسی چیز میں کوئی کشش نہیں رہی تھی۔

”اچھا! یار شر۔“ جوزف نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا لیے۔

”ایک صاف ستھری فائٹ ہوگی۔ ٹھیک ہے نا۔“

داور نے اس پر اپنی نگاہیں جادیں۔ جوزف دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی طرف آیا۔ اور اس نے قریب آتے ہی ہاتھیں ہاتھ سے ایک دوسرے داور کے پیڑ پر سید کر دیا۔ داور نے فوراً ہی اپنا پیڑ دوسری طرف کر لیا تھا۔ اس کے باوجود جوزف کا گھونٹہ اس کے پیڑ کے چپے سے پر لگی ہوئی تھی۔ لڑاکو اور دو قدم پیچھے ہٹ آیا۔ یہ جوزف بھی لڑائی پھرانی کے فن میں بہت رکھتا تھا اور اس کے بازوؤں میں طاقت بھی تھی۔ داور کے پیچھے ہٹتے ہی اس نے دوسرا گھونٹہ اس کے پیڑ کے چپے سے پر سید کرنا چاہا لیکن اس بار داور اس کی طرف سے ہوشیار تھا۔ اس نے یک حرکت اپنی سانسیں روک لیں۔ یہ ایک خاص ڈاؤ تھا۔ اس نے جوزف کے وار سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی صرف پیڑ کے اعصاب پھر جیسے کر لیے تھے۔ جوزف کو یوں مسوس ہوا جیسے اس نے کسی دیوار پر اپنا گھونٹہ مارا ہو۔ اس نے برا سامنے بنا کر اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا اور داور نے اپنی ایک لات گھاڑ دی۔ اس کی یہ جھوکر جوزف کے دائیں گھٹے پر لگی اور اس کا گھونٹہ

ہلک گیا۔ اس کا جسم غیر متوازن ہوا اور داور نے اس کے پیڑ پر گھونٹہ سید کر دیا۔ جوزف ڈھیر ہو چکا تھا۔ اس کے گھٹے ہی داور نے جست لگائی اور اس کے سینے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن اسی وقت جوزف نے گروٹ بدل کر وہ اٹھ کھڑا ہوا کچھ دور چلا گیا تھا۔ داور اپنے ہی زور میں زمین سے ٹکرا گیا۔ داور نے اٹھنے میں کچھ دیر لگائی تھی۔ اتنی دیر میں جوزف منجبل کر اس پر حملہ آور ہو چکا تھا۔ اس نے داور کے شلے پر ایک زوردار جھوکر سید کر دی تھی۔ اس جھوکر نے داور کے شلے کو سن کر دیا تھا۔ جوزف نے دوسری جھوکر لگائی چاہی لیکن داور نے کسی نہ کسی طرح گروٹ لے لی تھی۔ جوزف کا وار خالی گیا۔ اس کی ٹانگ ہوا میں لہر لہر کر رہی اور داور نے جوزف کی ناف کے نیچے ایک جھوکر لگا دی۔ اس کا پیر جیسے اس کے پیڑ پر لگا تھا۔ یہ آخری ڈاؤ تھا۔ اس کے بعد جوزف میں کھڑے رہنے کی صلاحیت نہیں رہی تھی۔ وہ چر کر لہر لہر ہوا ڈھیر ہو گیا۔ یہ اس جنگ کا آخری مرحلہ ثابت ہوا تھا۔

داور کھڑا ہوا اور اس نے انتہائی غصے کے عالم میں اس شخص کو دھک کر رکھ دیا۔ چند لمحوں تک جوزف کی آوازیں گونج رہی تھیں، پھر آہستہ آہستہ وہ آوازیں دم توڑتی چلی گئیں۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

مینا گھر پر آئی تھی۔ دھرم داس نہیں گیا ہوا تھا اس نے کبھی اپنے شوہر کے معاملات میں دخل نہیں دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شوہر بہت معروف آدمی ہے۔ اس کے کاروبار بہت پیچھے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف رستم کی خوف کی تواریجی اس کے سر پر لگتی رہتی ہے۔ وہ رستم کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ رستم کسی بالائی طرح دھرم داس کے اعصاب سے جٹ گیا ہے۔ رستم نے دھرم داس کو اپنے قبضے سے آزاد کرنے کے لیے ایک شرط رکھی ہے کہ داور پیڑوں کے جواخانے کو لوٹ کر پیڑوں کو اپنے ساتھ لیتا آئے۔ یہ کام رستم نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے دھرم داس کے ذریعے مینا پر زور ڈال دیا تھا۔ اور مینا نے داور کو اس شکل میں لے کر رضا منہ کر لیا تھا۔

داور کو گئے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ مینا کو امید تھی کہ وہ کامیاب لوٹے گا۔ اسے داور کی صلاحیتوں پر بھروسہ تھا۔ وہ جانتی تھی کہ داور نا کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے اعصاب فولاد کے ہیں۔ اس کا حوصلہ پہاڑوں جیسا ہے اور وہ جس کا کارادہ کر لیتا ہے۔ اسے تکلیف تک پہنچانے بغیر دم نہیں لیتا۔

مینا داور ہی کے قصہ میں بیٹھی تھی کہ دھرم داس اپنی توڑ سنچا لٹا ہوا گھر میں داخل ہوا اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دھرم داس اپنے گھر میں مینا کو بنا کر دیکھ کر آئے۔ مینا پہلا تھا۔ وہ دونوں شکل و صورت سے کاروباری بھی معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کی وضع قطع ایسی تھی جو مینا کے لیے نئی نہیں تھی۔ وہ اس قسم کے آدمیوں کو خوب پہچانتی تھی۔ یہ دونوں صورت سے غڈنے و ڈھانڈے معلوم ہوتے تھے۔

سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ خود دھرم داس کے پیڑ بدلے ہوئے تھے۔ وہ اس سے پہلے مسکرا لٹا ہوا اس کے پاس آتا تھا لیکن آج اس کے چہرے سے خشونت ٹپک رہی تھی۔ اس کی آنکھیں شلے پر ساری تھیں۔ اس نے ہونٹوں کو پیچھ رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا بصر تو پتھر اور بھی بدتر ہو گیا تھا۔

مینا سے دیکھ کر حسب معمول جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ لیکن آج نہ جھلنے کیوں اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

”کیا یہی وہ لڑکی ہے سیڈو؟“ ان دونوں میں سے ایک نے مینا کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی بڑی آنکھوں والا آدمی تھا۔

”ہاں یہ وہی ہے۔“ دھرم داس نے نفرت بھرے انداز میں ہونٹ اور سیڈو کے لیے آج کل پیری دھرم پتی ہے۔

”کیا بات ہو گئی؟“ مینا نے پوچھا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، کوئی نہیں یہ لوگ؟ کیا چاہتے ہیں یہ مجھ سے؟“

”تم مجھ کی جھمکتی ہو؟“ دھرم داس نے مینا کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

”پچھ پچھانا۔“

”اس میں چھپلے والی کون سی بات ہے۔ آپ میرے پتی ہیں۔ آپ نے ہی مجھے یہ عزت دی ہے، یہ گھر دیا ہے۔“

”کیوں تمہارے عاشق نے مجھے کیا دیا ہے؟“ دھرم داس غصے سے دباؤ لٹا۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کھیا ہے اور تمہیں اس دھوکے کا بدلہ لینا ہوگا۔“

”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟“ مینا کا چہرہ فق ہو گیا تھا۔

”کون عاشق؟“ اس کی بات کر رہے ہیں؟“

”دیکھ مینا۔“ دھرم داس نے اسے مخاطب کیا میں نے تمہیں کپڑے سے اٹھا کر اپنے گھر کی زینت بنایا ہے۔ میں نے تمہیں عزت دی، دولت دی حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ تم کسی کے لیے بے قرار رہتی ہو۔ داور کے ساتھ تمہارا کیسا ناظمہ لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی۔ اور تم نے بھی میرا بہت ساتھ دیا۔ پھر مجھ پر ایک مصیبت آگئی۔ رستم

میرے پیچھے بڑ گیا۔ اس نے کہا کہ داور اس کے ایک دشمن کو پکڑ کر لے آئے تو وہ میرا بیچھا چھوڑ دے گا، کیوں ہی بات ہے نا؟

”بالکل یہی بات ہے۔“ مینا دھرم سے بولی لیکن میں بھی تمہارے ساتھ بہت کچھ کیا؟ اس نے اپنا بوج بدل لیا تھا۔

”اور مجھ جیسی عورت کو جیسے آدمی کے ساتھ کیاں نبا کر سکتی ہے۔ میں نے تمہارے کہنے پر داور کو اس بات کے لیے راضی کر لیا کہ وہ پیڑوں کو چھوڑ کر لے آئے۔ یہ سب میں نے کس لیے کیا۔ تمہارے لیے، کیونکہ تم میرے پتی ہو۔“

”لیکن تمہارے داور نے مجھے دھوکا دیا ہے۔“ دھرم داس نے غصے سے کہا۔

”دھوکہ؟ کیا دھوکہ؟“ وہ تو ابھی واپس بھی نہیں آیا۔

”کیوں نہیں آیا، اسے بھی میں آئے ہوئے چار دن ہو چکے ہیں اور وہ عبدل کے فلیٹ میں چھپا بیٹھا ہے۔ جانتی ہو اس نے کیا کیا، اس نے پیڑوں کو مار ڈالا اور اس کی ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔ وہ دولت اس وقت اسی کے پاس ہے۔“

”داور ایسا نہیں کر سکتا۔“ مینا تڑخ کر بولی۔ وہ بزدل نہیں ہے کہ اس طرح منہ چھپا کر بیٹھ جائے۔“

”یہ میں نہیں جانتا لیکن میرے دوستوں کی ترغیبوں پر نہیں ہو سکتی۔ اس نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ اور اب اگر تم مجھے اپنا پتی سمجھتی ہو تو تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔“

”تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“ مینا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تمہیں داور کو اپنے ساتھ ایک جگہ لانا ہوگا۔“ دھرم داس نے کہا۔ ”جہاں میرے یہ دونوں آدمی موجود ہوں گے، اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ دونوں داور کو گولی مار کر ہلاک کر دیں گے۔ رستم اب اسی طرح میری جان چھوڑ سکتا ہے۔ ورنہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ مینا کو کھلا گئی تھی میں داور کو دھوکے سے کیسے لاسکتی ہوں۔ میں اپنے ہاتھوں سے اسے کیسے مروا دوں۔ تم خود سوچو۔“

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی بات کی ہے۔“ دھرم داس بہت روکھا ہو گیا تھا۔ اگر تم نے یہ کام نہیں کیا تو میں یہ سمجھوں گا کہ تم عورت نہیں بلکہ صرف دھوکہ ہو۔ تم نے میری دولت سے فائدہ اٹھانے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے اب تم خود ہی سوچو کہ تمہیں اپنا پتی پیار ہے یا وہ داور۔ اور تم کیسی عورت ہو۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میرے اور اس کے

دور میں دھرم کی کھائی بھی موجود ہے۔ تم تو میرے دھرم کی ہوا اور وہ مسئلہ ہے۔ کیا تم ایک مسئلے کے لیے اپنے بچہ کی بات نہیں مانو گی؟

دینا کا پتہ نہ ہو گا۔ اس کا رنگ اور بھی تر ہو گیا تھا۔ اس دھرم داس نے اسے مجھے میں ڈال دیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایک کس ہے۔ یہ درست ہے کہ اس نے داور سے بے پناہ محبت کی تھی۔ کئی رحلوں میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ساتھ رہ کر زندگی اور موت کی بازی کھیل چکی تھی۔ اس کی پریشانی اس نے اپنے دل پر محسوس کی تھی لیکن ددرا کی طرف دھرم داس نے اس سے شادی کر لی تھی۔ اسے اپنے گھر میں جگہ دی تھی۔ دھرم داس کا یہی احسان بہت تھا کہ اس نے اس جیسی ایک عورت سے شادی کی تھی اس کے علاوہ داور کا مستقبل کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں جیل یا پھر کسی طرف سے آئی ہوئی ایک کوئی جو کسی بھی لمحے اسے زندگی کے بندن سے آزاد کر دے اس کی تھی۔ جبکہ دھرم داس نے اسے اندیشہ فرا سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اس نے دینا کو ایک نام نہ نہ دیا تھا۔ اپنا نام وہ اب دھرم داس کہلاتی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ دھرم داس سے اقرار کرے۔ داور کو بھانے سے بلا کر ان دونوں کے توالے کر دے۔ وہ جانتی تھی کہ داور اس کے ایک اشلے پر دھڑلا کر آئے گا کیونکہ وہ اس پر بہت بھروسہ کرتا تھا۔ بھروسہ نہ کیا وہ اس شخص کو بلا کر دھرم داس کی طرف سے پرانا بھروسہ کرتا جو اس پر بھروسہ کرنے کی طرف دھرم داس کے کہنے پر تو کیا تھا۔ حالانکہ وہ ایسا آدمی تھا جس نے ہمیشہ اپنی مرضی سے کام کیا تھا۔ کبھی دھرم داس کے لیے ہاتھ پاؤں نہیں چلائے تھے۔ لیکن دینا کے کہنے پر وہ بے خطر اس آگ میں کود پڑا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس ہم سے اس کی وابستگی بھی ہوگی یا نہیں۔ اور اب اس کا بچہ دھرم داس سے اسی داور کو دھوکہ دینے کے لیے بھیج رہا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کے دماغ کی رگیں بھی جھٹکن لگیں۔ وہ دو راستوں کے درمیان کھڑی کر دی گئی تھی۔ کاش دھرم داس نے ایسی شرط نہ رکھی ہوئی۔

”اب تم کیا سوچنے لگ گئیں؟“ دھرم داس نے اسے مخاطب کیا۔ ”گناہ نہیں اپنی بچی سے زیادہ اس آدمی کا خیال ہے۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔“ دینا نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم اپنے ان آدمیوں کو ویسے ہی اس کی طرف کیوں نہیں بھیجتے۔ میری کیا ضرورت ہے؟“

”یہ بہت مشکل ہے۔“ دھرم داس نے اپنی موٹی گردن

ہلاتی۔ ”تم کو تو معلوم ہی ہے کہ وہ سالانہ خطرناک آدمی ہے وہ تو ان دونوں کی پٹری بنا کر رکھ دے گا۔“

”آپ نہیں حکم تو دیں سیٹھ صاحب۔“ مونجھ والا۔

بے اختیار بول پڑا شاید اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہو سکی تھی۔

”تم چپ ہو۔“ دھرم داس نے اسے جھڑک دیا۔ ”تم لوگ دوسرے شہر سے آئے ہو اس لیے داور کو نہیں جانتے۔ میں نے جو منصوبہ بنایا ہے، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ آنا کہہ کر اس نے مینا کی طرف دیکھا۔ ”ہاں تو پھر تم کیا کہتی ہو؟“

”ٹھیک ہے۔“ مینا نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں تمہاری مان لیتی ہوں۔ میں داور کو لے آؤں گی۔“

”یہ بات ہوئی نا۔“ دھرم داس نے بے اختیار مسکرا دیا۔ اب تم ایسا کرو ان دونوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ یہ لوگ شیدائی پارک پر اتر جائیں گے۔ تم جانتی ہی ہو کہ وہ پارک کشادہ اور رہتا ہے۔ اس کے وسط میں پہلے کا ایک بہت بڑا سا پٹر ہے۔ تمہیں شاید اس پٹر کے بلے میں معلوم ہو۔“

”وہی پٹر تو نہیں جیسے عاشقوں کا پٹر کہا جاتا ہے۔“ دینا نے پوچھا۔ وہ جانتی تھی کہ شیدائی پارک کے وسط میں پہلے کا ایک بڑا سا پٹر ہے جس کے تین پران گنت رٹکے اور لوگوں نے اپنے اپنے محبوب کے نام خود رکھے تھے، اسی لیے اس پٹر کو عاشقوں کا پٹر کہا جاتا تھا۔

”ہاں وہی۔“ دھرم داس نے کہا۔ ”یہ دونوں آدمی اس پٹر کے پاس جیسے ہوتے ہوں گے۔ اور تم داور کو کسی پہلے اس پٹر تک بلا کر آؤ گی۔ اب یہ نہیں جانتا کہ تم نے کس طرح لاؤ گی، کیا ہانہ کوئی؟ یہ سب سوچنا تمہارا کام ہے۔ اگر تم اس کو وہاں تک لے آئیں تو پھر میرے گھر کے دروازے کے قریب سے لیے کھلے ہوتے ہیں۔ جاؤ، میں نے تمہیں زندگی کے پہلے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ تم کامیاب ہوتی ہو یا نا کام۔ ویسے تم جاؤ تو داور کے ساتھ ہی رہ سکتی ہو۔ چاہو تو داور ہی نہ آؤ۔ یہ سب کچھ تم پر منحصر ہے۔ دیکھنا ہی ہے کہ تم کیا کرتی ہو؟“

”میں ہزاروں کی گی۔“ دینا نے پر غم لہجے میں کہا۔ ”اور داور کو اپنے ساتھ بھی لاؤں گی۔ وہ میری بات مان نہیں سکتا۔ وہ ہر حال میں آئے گا۔“

دھرم داس ان دونوں کی طرف دیکھ کر معنی تیز انداز میں مسکرایا۔ پھر دھرم داس کے کہنے پر مینا اس کی گارڈی بن بیٹھ گئی۔ شاید داور کو پہلے ہی ہدایت کر دی گئی تھی۔ کہ اسے کہاں لے جانا ہے جبکہ وہ دونوں بھی ایک جیب میں بیٹھ کر

لس طرف روانہ ہو گئے تھے۔ مینا جانتی تھی کہ یہ لوگ سوانی پارک کی طرف گئے ہوں گے۔ دھرم داس اس کام کو نہیں لگتا چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے مینا کو اسی وقت روانہ کر دیا تھا۔ کچھ دیر پہلے مناجس کشمکش میں مبتلا تھے وہ اب ختم ہو چکی تھی شاید اس نے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اور ڈائریکٹ گاڑی کو بڑی تیز رفتار سے عبداللہ کی طرف دوڑنے جا رہا تھا۔

دونوں نے عبداللہ کو پٹی پر نہیں تھا۔ رہی آئے کے بعد کوئی اور کالو اس سے الگ ہو گئے تھے۔ وہ دونوں بہت ہنر مند اور دل شکستہ تھے۔ اس مہم میں کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔ وہ لوگ خالی جیب گئے تھے اور اسی طرح واپس آ گئے تھے۔ جبکہ عبداللہ کی طرح اپنی ترنگ میں تھا۔ اسے پروا ہی نہیں تھی کہ وہ لوگ کامیاب ہوئے ہیں یا نا کام، اس کے لیے یہی بہت تھا کہ اس کا بار داور اس کے ساتھ تھا۔

فلت میں آئے کے بعد داور مینا کا ہوکروہ لگایا تھا۔ عبداللہ اس کے لیے داور کا بندوبست کر دیا تھا اور وہ دن بھر اس مہم کے بلے میں سوتلا رہتا۔ اسے سب سے زیادہ شرمندگی دینا سے تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس طرح مینا کے سامنے جاتے۔ اس نے زندگی میں پہلی بار اس سے کسی کام کے لیے کہا تھا اور وہ اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ اپنی پوری کوشش اور جان لڑا دینے کے باوجود وہ پٹرو کو اپنے ساتھ نہیں لاسکا تھا۔ اس کی دولت بھی اس کے ہاتھ نہیں لگ سکی تھی۔ انا اس نے دھرم داس کی بھی خاصی رقم خرچ کر دی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ستم کو فون کر کے اسے صورت حال سے آگاہ کر دے۔

اپنی ناگاہی کا اعتراف کر کے لیکن نہ جملے کیوں اس کی بہت نہیں پڑی تھی۔ اس کا یہ حال دیکھ کر عبداللہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

دور سے کبھی اتنی مایوسی نہیں دکھائی تھی۔

”تم تو اگلا دلپ کار کا ناگ دودھ داس بن گئے۔“ استاد نے داور کا ایک گھونٹ لے کر کہا۔ ”بہت دور اور حکم تھا استاد۔ دلپ کار بالکل تمہارا ناگ۔“

”مینگ لکھنا تھا۔“ خالی ڈیلی پریشان ہونے کا کوئی چھانڈ نہیں ہے استاد، جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آجی تو اگلا چند کی پڑ گیا ہے۔ کھلاس ہو گیا ہے کیا؟“

”نہیں یاد۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”ابن سالانہ مارا میری ہی ہوا۔ آنا لوگ بھی بڑھ گیا۔ پھر بھی ہاتھ کچھ

نہیں کیا؟

”تو اس میں ابن لوگوں کا کیا دوش؟“ وہ سالانہ پٹرو ایک کھڑکی پر بیٹھا تھا۔ اس نے مرنے مرنے بھی اڑن کھٹولا مین ٹاک کر دیا۔

”اس لیے تو اور بھی پریشان ہوں۔ سوچتا ہوں مینا سے کیا بولے گا جاکر، وہ سالانہ بہت بوم کرے گی۔ بڑا غرا ہو جائیں گا یا۔“

”تو اس طرح فلیٹ میں بند ہے سے کام چلے گا کیا؟“ ابن لوگوں کے پاس تو ٹوٹ بھی کھلاں ہو گئے۔ باہر نکلو، کچھ دھندہ سوچو۔ ابن نے تو ایک دھندہ سوچ لیا ہے۔ بڑا جو۔ دار دھندہ ہے۔ مجا آجے گا۔ ایک دم سے چالو دھندہ ہے۔ اچھا کام شروع ادھر نوٹ۔“

”میں کون سا دھندہ ہے؟“ داور نے اس کی طرف دیکھا۔

”ابن سالانہ لوگیاں سہلائی کر سں گا۔“ عبداللہ نے کہا۔ ”نہیں، ابن کو گلط سمجھنا۔ وہ دلی لڑکیاں نہیں بلکہ حکیم کھپنی والوں کو، کیا بولتے ہو۔ ایک سلاسلہ ابن کا ایک جائے والیہ نام تو پتہ نہیں کیا ہے لیکن سب لوگ اسے چھوٹ داس بولتے ہیں۔ سالانہ چھوٹ کے مال پر ہنر ہے۔ تو اس چھوٹ داس نے ایک جوڑا آپچس بنایا ہے، زمینانہ روڈ پر۔ اس کا دھندہ بالکل سیٹھ ہے۔ کوئی نظر انہیں۔ وہ دو چار مینوں کے لیے یا تار پر جا کر بیٹھا ہے۔ تو وہ سالانہ آپچس میرے کوٹے کو جا رہا ہے۔ بولنا تھا کہ جتنی اکھ ہو وہ سب میری دھ سالانہ پانی بھی نہیں لے گا۔ وہ اپنی رکھیل بھی میرے توالے کے جا رہا ہے۔ اس کی رکھیل بھی سالی چھوٹ کا مال معلوم ہوتی ہے، جینس کی طرح موٹی۔ نلنی نام ہے اس کا۔ آپچس کا باجوہی میں ایک کھربنا کر اس نے نلنی کو رکھا ہو ہے۔ سالانہ ترازوی آدمی ہے۔ آفس کا آفس اور گھر کا گھر تو باس ابن تو یہ دھندہ سنبھالنے جا رہا ہے۔ تم بہت تک اس فلیٹ میں آرام کرو۔ اور جب کوئی کام کرے تو چلے جاؤ تو ابن کو فون کر دینا۔ اس سالے کے دفتر میں فون بھی ہے میں اس کا نمبر دے دیتا ہوں۔“

”کیا مطلب، کیا تم سالانہ دھروا نہیں آئیں گے؟“ داور نے تیرت سے پوچھا۔

”کیا کر لے، جب آفس اور گھر دونوں ساتھ ساتھ ہوں تو ادھر آنے کا کیا ضرورت، اور دیکھ بھی کسی عورت سے سیو کر لے بہت ٹیم ہو گیا ہے۔ چلے وہ سالی کتنی

ہی مولیٰ ہو، آخر ہے ناعورت۔ کھانا تو کیا کرے گی کپڑے تو دھو پاکرے گی کیوں ٹھیک ہے نا؟ اچھا اپن اب چلت ہے۔ تم پر غم نہ کرو۔

تو اس طرح عبدل پھوٹ داس کے دفتر کا فون نمبر سے کھلا گیا۔ اوروں سے داور فلیٹ میں اکیلا تھا۔ ایسا بوجھل پن اس نے بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے دولت چاہیے تھی، اس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ معاشرہ لوہے کی طرح تھا۔ اور اس لوہے کو دولت کے لوہے ہی سے کاٹا جاسکتا ہے۔

لیکن یہ دولت کہاں سے آتی ہے۔ اس کے پاس سولے ان پائس ہزار روپوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ہر ایک میں رکھے ہوئے تھے۔ اور یہ پچاس ہزار روپے بھی کب تک اس کا ساتھ دے سکتے تھے۔ مہینے جیسے شہر میں تو نوٹ پر لگا کر لڑ جاتے ہیں۔ اس نے دروازے پر دستک سنی اور بری طرح چونک اٹھا۔ وہ اس وقت اپنے لیے گندے باورچی خانے میں گھسا ہوا چلنے بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ عبدل اسے اس پورے فلیٹ کو کاٹنا نہ بنا کر کھ دیا تھا۔ برتن کہاں اودھ چلے کی پچی خیر و خس طرح، پیالیاں کہیں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بند آواز میں عبدل کو بل بھلا کر پکارا۔ چلے گئے سامان کو کیا کرنے میں مصروف تھا کہ اسی وقت دروازے پر دستک پڑنے لگی۔ اس نے چلنے کی کوشش کر کے سے اتاری اور جلدی سے جا کر دروازہ کھول ڈیا۔ مینا اپنی حشر سائیاں اور سبھی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے مینا کو دیکھ کر اپنے ہونٹ سیکڑ لیے۔ اسے مینا کے آنے کی توقع نہیں تھی۔

”کیا تم مجھے اندازے کے لیے نہیں کہو گے؟“ مینا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور تم اس طرح کیا دیکھ جاتے ہو؟

”اپن سالانہ تم سے بہت۔“ اور داور نے اسے کچھ کہنا چاہا لیکن مینا نے جلدی سے اسے ٹوک دیا۔

”مجھ سے یہ موالید جیسی زبان مت بولا کرو۔ اس نے کہا۔“ سیدھے انداز میں بات کیا کرو۔“

اور تم مجھے گالیاں مت دیا کرو۔ داور نے مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں نے گالیاں دینی چھوڑ دی ہیں۔“ مینا اب کرے میں آگئی تھی۔ داور نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

”کیا تم نہیں معلوم تھا کہ میں واپس آچکا ہوں؟“ داور نے سوال کیا۔

”ہاں۔“ مجھے میرے شوہر نے یہ بتایا تھا۔“ مینا نے کہا۔

اور اسی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔“

”مینا میں تم سے اور تمہارے اس موٹے دھرم داس سے بہت شرمندہ ہوں۔ یہ ایک ایسی ہم تھی جس میں مجھے کمال بھی ہوئی اور ناکامی بھی۔ میں نے بیڈروم بھی قابو پا لیا تھا۔ اور اس کی دولت بھی میرے ہاتھ لگ گئی تھی۔ پھر دونوں چیزیں میرے ہاتھوں سے نکل گئیں اور میں ناکام واپس آگیا۔“ لیکن دھرم داس کا یہ خیال ہے کہ بیڈروم کو مار کر تم نے وہ دولت حاصل کر لی ہے۔ اور اسی لیے تم اس کے پاس نہیں آئے ہو۔“

”کیا تم بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہو مینا؟“ داور نے اس کی طرف دیکھا۔

”اگر میں نہیں ایسا سمجھتی تو میں کبھی تمہارے پاس نہ آتی۔“ دھرم داس کے گھر سے لکھتے ہی کسی اور طرف چلی جاتی یا پھر نہیں وہ سب کچھ نہیں بتاتی جواب بتانے والی ہوں۔“

”کیا مطلب؟“ داور اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔

”کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آئی ہوں۔“ مینا نے کہا۔ یہ کام تو میں اس لیے کروں گی کہ اس کا حکم مجھے میرے شوہر نے دیا ہے۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہاں جاؤ کیونکہ میں نے تم سے محبت کی تھی۔ میرا اور تمہارا ساتھ بہت پرانا ہے۔“

داور نے میز پر رکھی ہوئی ایک بوتل اٹھائی اور اسے منہ لگا لیا۔ اس بوتل میں تھوڑی سی شراب بھی تھی۔ اس نے وہ بوتل ایک ہی سانس میں خالی کر کے بوتل ایک طرف چھینکی اور آستین سے اپنے ہونٹ صاف کرتا ہوا مینا کے قریب آگیا۔

”دیکھو مینا۔“ میں بہت جاہل آدمی ہوں۔ تم سبھی مرد بٹاؤ کہ کیا چکر ہے۔ اس طرح گھبرا کر بات مت کرو۔“

دھرم داس نے نہیں ہلاک کرنے کیلئے دو آدمی وہاں چھپائے ہوئے ہیں جہاں میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر جانے والی ہوں۔“

”اچھا۔“ داور نے پٹا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں جھینچ لیں۔ اور اسی طرح ہستے ہستے صوفے پر بیٹھ گیا۔

”اب تم ہنس کیوں نہ ہو۔“ مینا نے کالی ریز چاہی پھر اپنے ہونٹ چھینچ لیے۔ البتہ وہ بہت غصے سے داکو دیکھ رہی تھی۔

”اے کالی مت دینا۔“ داور نے اپنی ہنسی روک لی تھی۔

تم عزت بھی ایک ٹکٹ میں دوکٹے دکھا دیتی ہو۔ واہ ہیک طرف تمہیں اپنے بچی کا خیال ہے اور دوسری طرف میرا بھی خیال ہے۔ تم اپنے بچی کے کہنے پر مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتی ہو اور اپنی محبت کی خاطر تم نے مجھے منظر سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔ یا مینا یہ تو بہت زبردست بات ہوگئی، بالکل نامی کہانی کی طرح۔ اگر ایسی کوئی فلم بن جائے تو مارا آجائے۔“

”کیوں؟“

”اچھا اب اپنی بکواس بند کرو۔“ مینا جھڑک اٹھی۔ میرا مذاق مت اڑاؤ۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے، اب تم جاؤ واہ بہار کام۔“

”اوہو۔ اب منہ پھلا کر مت بیٹھو، میں تمہیں دھرم داس کے سامنے شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔ میں چلوں گا تمہارے ساتھ، تم جہاں بولو گی وہاں چلوں گا۔“

”یہ جاننے کے بعد بھی کہو؟“ مینا نے حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں یہ جاننے کے بعد بھی۔“ داور سنجیدہ ہو گیا۔ ”میں اپنے وعدے پر پورا نہیں اترتا ہوں اس لیے تھوڑی بہت تو نرا پی چاہیے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دو مینا مجھے اس مسئلے سے ملنے میں گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔ تمہارا وہ موٹا دھرم داس وہ نہیں ہے جو دکھائی دیتا ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ اس کا اصل روپ کچھ اور ہے لیکن ابھی تک اس کا کوئی ثبوت میرے پاس نہیں ہے۔ میں نے بے نقاب کرنے کی کوشش کر لی۔ گار اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے کامیوں کو قابو میں کر لیا جائے۔ یہ ایک اچھا موقع تھا آگیا ہے۔ مجھے اس وقت سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، کیوں ٹھیک ہے نا؟“

”اب تم مرنے کی چاہتے ہو تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ مینا نے براسمانہ بتایا۔ ”میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔“

”اچھا یہ بتاؤ، میں جانا کہاں ہے؟ اور کس طرح جانا ہے؟“

”میں شیواجی پارک تک جاتا ہوں۔“ مینا نے بتایا۔ اس وقت وہ اس سالنا مارک میں تمہیں اپنے ساتھ اس پارک کے ایک درخت کے پاس لے چلوں گی، بس اس کے بعد میرا کام تم ہو جائے گا۔“

”اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کبھی رستم سے تمہاری ملاقات ہوئی؟“ داور نے پوچھا۔

”کبھی نہیں، میں اس کے گھر میں شامل تو ہو گئی ہوں۔“

لیکن ابھی تک اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کے علاوہ اس نے مجھ سے کوئی بڑا کام بھی نہیں لیا ہے۔“

”تو مجھ آؤ چلتے ہیں۔“ داور صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”ان بے چاروں کو زیادہ دیر تک انتظار میں رکھنا اچھا نہیں ہے۔“ دھرم داس کی گاڑی نیچے کی گاڑی میں رہتی تھی۔ پر گروم کے مطابق مینا کو خود گاڑی چلانی تھی۔ اسی لیے وہ ڈرائیور مینا کو یہاں پہنچا کر چلا گیا تھا۔ مینا نے ڈرائیورنگ سیٹ سے نکل لی۔ جبکہ داور اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس وقت کچھ سوچ رہا تھا۔ مینا نے حشر سائیاں اور اسے بڑی مڑک پر لے آئی۔ مینا سے شیواجی پارک تک سیدھا راستہ تھا۔

”وہ دونوں سرج ہیں داور، مینا نے کچھ دیر کے بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“ تمہیں بہت احتیاط سے کاہلینا ہو گا۔“

”میں ہمیشہ محتاط رہتا ہوں جہاں۔“ داور مسکرا دیا۔ ”لیکن تم کسی دھرم پتی ہو کہ بچی کے علاوہ کسی اور کی فکر کر رہی ہو۔“

مینا کچھ نہیں بولی، وہ خاموشی سے گاڑی چلاتی رہی تھی۔ شیواجی پارک اب قریب آ گیا تھا۔ اس وقت رات ہو چکی تھی۔ پارک کے باہر تو کچھ بجی کے کھسے لگے ہوئے تھے لیکن پارک کے اندر گہرا اندھیرا تھا۔ شیواجی پارک کا بڑا گیٹ ڈھکا ہوا تھا اور اس کے درمیان سے ایک مڑک گزر رہی تھی۔ یہ مڑک اسی درخت کے پاس سے ہوتی ہوئی آگے نکل جاتی تھی۔ پارک کے گیٹ پر دو چار آدمی دکھائی دیے لیکن وہ اپنے گھروں کو واپس جا رہے تھے۔ رات کو اس طرف بہت کم لوگ آتے تھے۔

”بس اب تم مجھے یہیں اتار دو۔“ داور نے مینا سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ مینا کا ہیرے اختیار بریک پر پڑا اور گاڑی ایک جھٹکے سے رگ گئی۔ ”کیا تم نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے؟“

”ایسی کوئی بات نہیں، کیا تم نے ان لوگوں کو متوہر کرنے کے لیے کوئی اشارہ مقرر کیا ہے؟“

”ہاں مینا نے اپنی گردن ہلاتی۔“ مجھے کہا گیا تھا کہ جب میں اس درخت کے پاس پہنچ جاؤں تو گاڑی کی روشنی ایک بار بجھاؤں پھر چلا دوں۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک اشارہ ہو گا اور وہ تمہارے استقبال کے لیے تیار ہو جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ تم اپنی گاڑی کی رفتار سست رکھنا۔“ داور





ساتھ رہنا تھا۔ تم بھی تو اپنا نام پاس کر رہی تھیں۔  
 مینا اس بات کو سمجھ نہیں سکی۔ ان کی گاڑی اب شیواجی پارک کے عقبی حصے سے نکل کر ایک طویل ٹھکر کاٹ کر ریلوی سٹریٹ پر آگئی تھی۔ داور نے پیچھے سرگرمی سے آدمی کی طرف دیکھا اس نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ ایسا لگتا جیسے وہ بھی بے ہوش ہو گیا ہو۔  
 ”اس کو فلیٹ تک کیسے لے جائیں گے؟“ مینا نے پوچھا۔  
 ”سب کے سب متوجہ ہو جائیں گے۔“

کبھی اس آدمی کے ساتھ چلنے لگتی۔ اشوک نے ابھی تک اپنے ہونٹ بڑی مضبوطی سے بچھین رکھے تھے۔  
 داور نے عدیل کے فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ اور وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ داور نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا تھا۔ اس فلیٹ میں شراب کی بوتلی ہوئی تھی۔ داور نے خانے کے کمر سے بھی ایسی بدبو آ رہی تھی جیسے کوئی چیز سرگرمی ہو کر اس کی حالت ایسی تھی جیسے کوئی فوج بہاں گھس آئی ہو۔ داور نے اپنے ہونٹ تھپے۔ اور حشر پر شراب اور بوتلیں اڑھکتی چھ رہی تھیں۔  
 ”تم لوگوں نے اس فلیٹ کا کیا حال بنا رکھا ہے؟“ داور نے جاوٹ طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ایسا گھنا ہے جیسے کوئی کی دوکان پر چلی آئی ہوں۔“

”او میم صاحب! داور غرایا۔ تم تو دو دن دھرم داس کے گھر رہ کر اپنی اصلیت بھول گئیں۔ چلو خاموش ہو کر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ لیکن اس سے پہلے ذرا اس سے چائے کی مرہم پتلی تو کرو۔“ اس گھر میں مرہم پتلی کا پورا سامان موجود ہے۔ ہم لوگوں کو اکثر اس کی مرہمت پیش آتی ہے۔“  
 ”میں جانتی ہوں۔“ مینا نے اپنی گردن ہلاتی ”جھاڑ۔ جلدی سے لے کر آ جاؤ۔“

مرہم پتلی ہونے کے دوران وہ سب خاموش رہے تھے۔ گوئی اس آدمی کی ران کے گوشت کو چھڑاتی ہوئی دوسری ہڈی نکل گئی تھی۔ مرہم پتلی کے بعد اسے ایک طرف مٹا دیا گیا۔ مینا چلتے بناتے کیلئے داور کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کے چلنے کے بعد داور اس سے مخاطب ہوا۔  
 ”تم اس منہر کے آدمی تو نہیں معلوم ہوتے؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں؟“ اشوک نے جواب دیا۔ ”ہم دونوں کو پونائے لایا گیا ہے۔“  
 ”پونا؟“ داور کی آنکھیں جھک اٹھیں۔ ”تو تمہارا تعلق پونائے ہے؟“ اسے پونا کا نام سن کر کچھ یاد آ گیا تھا۔  
 ”ہاں، کیوں؟ کیا تم نے پونا دیکھا ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”تمہارے شہر پر میرا ایک قرض ہے۔“ داور نے کہا۔ ”مجھے وہ قرض وصول کرنے کے لیے پونا جانا ہے۔ تم نے پونا کیا یاد دلایا۔“ داور نے میں تو بھول ہی گیا تھا۔ تم نے بتاؤ کہ آج کل تمہارے شہر پر مرس کی حکومت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ

زیر زمین دنیا کا بادشاہ کون ہے؟

”میں نام نہیں،“ اشوک نے بتایا۔ ”لیکن سب سے بڑا نام کرم چند ہے، کیا تم اسے جانتے ہو؟“  
 ”بہت اچھی طرح۔“ داور کی آنکھوں میں ہلکا سا دھندلکائی گئی تھی۔ لیکن تم پونا سے کس طرح یہاں آ گئے؟“  
 ”ہم لوگ بھی کرم چند کے آدمی ہیں۔“ اشوک نے کہا۔ ”شاید اس شہر کا کوئی آدمی تم پر ہاتھ نہیں ڈال رہا تھا۔ اسی لیے رستم سیٹھ نے کرم چند سے بات کی اور کرم چند نے ہم دونوں کو رستم سیٹھ کے پاس بھیج دیا۔ ہمارا منصوبہ بہت اچھا تھا لیکن تم نے ہم پر قابو پا لیا۔“  
 ”رستم سیٹھ؟“ داور نے بے چینی سے پوچھا۔ ”لاڈا کیا رستم سیٹھ سے تمہاری ملاقات ہو چکی ہے؟“

”کیوں نہیں، اسی نے تو ہم دونوں کو اس وقت اپنی بیوی کے ساتھ نہیں مارنے بھیجا تھا۔“  
 ”مینا اس دوران چلنے بنا کر لے آئی تھی۔ وہ بھی ان لوگوں کے قریب ہی بیٹھ گئی تھی۔  
 ”کیا کہہ رہے ہو؟“ داور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”نہیں تو دھرم داس نے بھیجا ہے۔“  
 ”یہ دھرم داس ہی تو رستم ہے؟“ اشوک نے مسکرتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا؟“ داور چپل کو کھڑا ہو گیا۔ ”مینا کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت حیران ہو رہی تھی۔  
 ”تم کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔“ داور نے کہا۔ ”دھرم داس تو خود رستم کی وجہ سے پریشان ہے، وہ کہاں سے رستم ہو گیا۔“

”وہی رستم ہے۔ یہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔ میں پہلے بھی اس کے لیے دو جاگہ کام کر چکا ہوں لیکن اس وقت یہ نہیں معلوم تھا اور اب میں یہ جانتا ہوں کہ اس نے ہمیں والدین کو اپنی ہوائیں لگنے دی ہے۔ وہ ہمیں کے لوگوں سے فون پر باتیں کرتا ہے۔ اپنے آپ کو چھپاتا ہے، وہ اس میں ابھی تک کامیاب ہے۔“

داور نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر کمرے میں بیٹھنے لگا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی چھپر پوٹیر پڑنے پڑے میں شہل رہا ہو۔ وہ اس وقت بہت بے قرار معلوم ہو رہا تھا۔

”میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔“ وہ مینا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”مجھے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا ہے تھا میں نے بھی تو اپنے کان بند کر رکھے تھے۔ میں نے جب تمہارے شوہر سے فون پر بات کی تھی تو اس نے خود کو رستم کا لڑکا تھا۔ مجھ سے اس کی آواز پہچان لینی تھی لیکن نہ جانے کیوں، میں نے اس کی آواز ہی نہیں پہچانی۔ ایسی غلطی مجھ سے کبھی نہیں ہوئی اور اب میری سمجھ میں سب کچھ آ گیا ہے۔ میں سب جان گیا ہوں۔ یہ دھرم داس مونا ہے وقوف آدمی نہیں ہے۔ اس نے بہت دور کی بلا لنگ کی تھی۔ اس کی پیڑروئے دسٹی تھی۔ وہ پیڑروئے اپنا کوئی پرانا دلہ لیا تھا جانتا تھا کہ پیڑروئے کو تباہ کرنے کا کام میرے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ تمہارا میرا کیا تعلق ہے۔ ہم دونوں میں ایسی دوستی ہے۔ اس نے تو بہت بڑی چال چلی ہے مینا، اس نے تم سے جو شادی کی تھی اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم مجھ پر دباؤ ڈالو کہ میں دھرم داس کے لیے کام کرنے کو تیار ہو جاؤں۔ لیکن وہ اس طرح تمہارے ذیلے مجھ سے چھانسا چاہتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ میں اس کے لیے پیڑروئے کے خواہنے کو تیار کر دوں۔ تم سے شادی کے لیے اس نے تمہارے اغوا کا ڈرامہ رچایا۔ یہ تم کو مینا کہ تم کو اغوا کرنے اور تمہارے ساتھ نہ رہو دوستی کرنے والا بھولا لانا تھا۔

”میں بھی اس کا آدمی ہوگا، سمجھیں؟“  
 ”ہے بھگوان! مینا نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو اس نے اتنا لمبا پوٹا چکر چلایا تھا۔“

”ہاں، وہ موٹا بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس نے مجھے بھی بے وقوف بنا کر رکھ دیا۔ اس نے مجھ سے پنا کام نکلوانا۔ اسے معلوم ہے کہ میں پیڑروئے کو اپنے ساتھ نہیں لاسکا ہوں اور وہ یہ بھی جانتا ہوگا کہ اس کی دولت بھی میرے ہاتھ میں لگ سکی ہے۔ اس کے باوجود اس نے تم کو میری بتایا کہ میں اسے دھوکے رہا ہوں۔ یہ سب کچھ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔“

”اگر وہ ایسا ہی آدمی ہے تو اس نے مجھے تمہارے پاس کیوں بھیج دیا۔ کیا اسے یہ ڈر نہیں تھا کہ میں تم سے مل جاؤں گی۔ اور یہ بتا دوں کہ دھرم داس نے تمہیں ہلاک کرنے کے لیے دو آدمیوں کی خدمات حاصل کی ہیں۔“

”ہوں؟“ داور نے ہلکا سا ہنسی۔ ”یہ بات تو ہے۔ وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ تمہیں کسی خاص مقصد کے بغیر میرے

پاس بھیج دے۔ اس کے ذہن میں یقیناً کوئی امداد بات ہوگی جو اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔" وہ اس زخمی اشوک کے قریب ہی جا کر بیٹھ گیا۔

اشوک کی لکھنؤ اب کم ہو گئی تھی یا اس میں قوت و ثبات تھی کہ وہ کسی کرب کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ خبرے لہاک سے داوری کا تہن سن رہا تھا۔

"میں تو اس۔۔۔ کو بہت اچھا آدمی سمجھتی تھی۔" دینا نے دھرم داس کو ایک موٹی سی گالی دیتے ہوئے کہا۔

"جو لوگ اپنے مقصد کے لیے عورتوں کو استعمال کریں وہ کبھی اچھے نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ بھی تو دیکھو کہ دھرم داس کتنا خطرناک آدمی ہے۔ وہ ایک طرف تو سدھیا سادو یا پاری بنا ہوا ہے اور دوسری طرف اس نے خطرناک لوگوں کی ایک تنظیم بنا رکھی ہے۔ اس نے اپنے ہی لوگوں سے اپنے دلیر جلد بھی۔۔۔ کروایا تھا تاکہ میں پوری طرح اس کا قہر کر لوں۔ اس کے پکڑ میں آجھاؤں۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہا جبکہ میں بے وقوف بن گیا۔"

"میرے لیے کیا سوچا ہے تم لوگوں نے؟" اشوک نے داوری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میں کیا کروں۔ میرا آدمی تو مجھے تک وہاں پڑا ہوا ہو گا۔"

"تم تبس اپنی فکر کرو۔" داور نے کہا "تم بھی تو مجھے ملنے کے لیے آئے تھے۔ اگر تمہارا داؤ چیل جاتا تو اس وقت میری لاش وہاں پڑی ہوتی ہوتی۔"

اشوک نے اس کی بات سن کر اپنا سر جھکا لیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، کیا تمہیں پہلے سے معلوم تھا کہ دھرم داس ہی رستم ہے؟" داور نے پوچھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ مجھے پہلے نہیں معلوم تھا۔" اشوک نے جواب دیا۔ "یہ بات اتفاقاً ہی معلوم ہوئی ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی میں اسے جانتا تھا۔"

"نہیں ایسا تو نہیں کر ان دونوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے دھرم داس نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہو؟" دینا نے غمازاً مطلب سے داور سے وضاحت طلب لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو نہ سیدھی سی بات ہے،" دینا سمجھاتی ہوئی بولی یہ دونوں پونا کے کرم چند کے آدمی ہیں، دھرم داس ان لوگوں سے کام لیتا رہتا ہے۔ کرم چند کو یہ نہیں معلوم کہ دھرم داس اور

اگر نہیں چھوڑتا ہے تو پھر کیا کرے۔

بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے دھرم داس کو قابو میں کرنے کی ایک ترکیب سوچ لی تھی۔ یہ کام مینا ہی کے ذریعے ہو سکتا تھا۔ دھرم داس کو اسی کے ذریعے داؤ کو قابو میں کرنا تھا۔ اور اب داور نے اسی کے ذریعے خود دھرم داس کو قابو میں کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس نے یہ سوچ کر لیا تھا کہ وہ اس زخمی اشوک کو عبدل کے حوالے کرنے کا اور جب۔۔۔ دھرم داس کا معاملہ فٹ ہو جائے گا تو وہ اشوک کو آزار کرنے کا۔ عبدل اسے فون نمبر دے گیا تھا۔ وہ فون کے ذریعے عبدل سے رابطہ قائم کر سکتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اسے فون کرنے کے لیے عبدل کے فلیٹ سے باہر جانا ہوتا۔ اس عمارت کے نیچے ایک کال آفس تھا جہاں فون کی سہولت موجود تھی۔

"مینا، میں کچھ دیر کے لیے باہر جا رہا ہوں،" اس نے مینا کو ایک طرف بلا کر کہا۔ اس نے اپنی آواز آہستہ رکھی تھی تاکہ اشوک ان کی باتیں نہ سن سکے۔ "مجھے ایک ضروری فون کرنا ہے۔ کیا تم میرے لیے اس شخص کو منجھال سکتی ہو؟"

"کیوں نہیں؟" مینا مسکرائی۔ "یہ سالانہ پیز ہے اور یہ تو میرے بھی زخمی ہے۔ تم جاؤ، میں اس کو کچھتی رہوں گی۔"

داور نے ایک نگاہ اس زخمی شخص پر ڈالی اور مینا کو احتیاط کا مشورہ دیتے ہوئے فلیٹ سے باہر آ گیا۔ رات اچھی تھی ہولکھی تھی۔ اس کے باوجود کال آفس میں دو چار آدمی موجود تھے جو اپنی اپنی باری کے انتظار میں کھڑے تھے۔ یہ کال آفس فلیٹ والی عمارت کے ٹھیک سامنے تھا۔ یہاں سے بڑی۔۔۔ آسانی کے ساتھ اس عمارت کے بیرونی دروازے پر نگاہ رکھی جاسکتی تھی۔ دو آدمیوں کے بعد داوری کی باری آئی تھی۔ اس نے عبدل کا دیا ہوا نمبر گھما دیا۔ لیکن دوسری طرف سے کوئی ریسپونڈ نہیں آتا تھا حالانکہ فون کی مسلسل بج رہی تھی۔ داور نے ریسپونڈ اور عبدل دونوں کو دو چار گالیاں دیں اور جھنجھلیا ہوا کال آفس سے باہر آ گیا۔

وہ اس طرح زیر لب بڑبڑاتا ہوا فلیٹ میں داخل ہوا اور فلیٹ میں آئے ہی جیسے اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ مینا وہ زخمی دونوں غائب تھے۔ حالانکہ اس نے کال آفس سے عمارت کے بیرونی دروازے کو مسلسل نگاہ میں رکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ دونوں غائب ہو چکے تھے۔

اسے بابا، اب بن لوگ کیا لڑکیوں پر ٹیکس دینگے؟"

عبدل نے یہ بات اس شخص سے کہی جس نے بریف کیس اس کی میز پر رکھ دیا تھا۔

وہ ایک انکم ٹیکس انسپکٹر تھا اور نہ جانے کہاں سے جھٹکتا ہوا عبدل کے اس دفتر کی طرف آنکلا تھا جو چھوٹ داس اس کے حوالے کر گیا تھا۔

"تمہارا دفتر فم کچنی کو ایکسٹرا لڑکیاں سیلائی گیا کرتا ہے؟" انسپکٹر نے عبدل کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تم یہ دھندہ گزشتہ پانچ برسوں سے کر رہے ہو اس دوران تم نے نہ نئی لڑکیاں سیلائی کر دی ہوں گی۔ ہر ڈکی پر تین کیشن بھی ملتا ہو گا۔ اس لحاظ سے تمہیں انکم ٹیکس ادا کرنا ہو گا۔"

"اے بابا، یہ سارا لفظ چھوٹ داس کا ہے۔ اپنا کال کوئی تعلق نہیں، اپن تو بس اس کے نوکر کی حیثیت سے ادھر بیٹھ گھسلا ہے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا۔ تم اب تک کے سامنے حساب کتاب دکھاؤ،" انسپکٹر نے حکم دیا۔

"اپن بھی اس کچھ میں جکڑ میں چھس گیا۔ اپن سمجھا تھا کہ سالانہ سیدھا سادا دھندہ ہو میں کا راستہ بابا، باسم، جب سے اس سالانہ دھندہ دھرم داس کو کچھتا ہے۔ ایک لڑکی لوگ بھی ادھر نہیں جھٹکتا۔ وہ چھوٹ داس تو اپن کو چھتا کر چلا گیا۔ اب سالانہ دھندہ بھی کھاؤ اور اس کی جھینس کو بھی کھاؤ۔ رستم سالانہ ابھی اس کی مامشوق کو نہیں دیکھا۔ ایک بار دیکھ لو تو ان ٹیکس لینا بھول جاؤ گے۔ سالانہ عورت ہے کہ بہار، اپنی جگہ سے ہلتا ہی نہیں ہے۔ ہم سالانہ خود ادھر جھگڑنے والا تھا کہ تم اپنا فرائض کر اپنے پاس لگیا۔"

"مجھے اپنا فرائض ادا کرنا ہے،" انسپکٹر نے رکھائی سے کہا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ چھوٹ داس کون ہے۔ میں تو تمہیں جانتا ہوں، کیونکہ اس دفتر میں تم بیٹھے ہو۔"

"ٹھیک ہے بابا،" عبدل نے ایک گہری سانس لی۔ "اپن ابھی اس موٹا بھینس کو تمہارے پاس بھیجتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حساب اسی کے پاس ہو۔"

عبدل دفتر سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں گیا جہاں چھوٹ داس کی کھینٹ لٹی ایک بڑی سی مسہری پر کسی دست ہتھی کی طرح لیٹی ہوئی تھی۔ عبدل اس کے قریب سے بھی گھڑا تھا۔ عبدل نے اپنی پوری زندگی میں اس سے ملوئی۔ عورت کوئی نہیں دیکھی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ بلا پٹلا چھوٹ داس اس موٹی عورت سے عشق کس طرح

کرتا ہوگا۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا، یہ دعوت اس کے اوصاف پر سوار ہو گئی تھی۔ وہ اس طرف گہری نگاہوں سے دیکھتی اور عبدل کو کھلا کر دیکھتا۔

عبدل نے یہ دو مہینے دن بڑی مشکل سے گزارے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ چھوٹ داس کے دفتر کو سنبھالنے ہی بدولت کی ریل پر چلے ہو جائے گی۔ لیکن ان تین دنوں میں اسے اپنی جیب سے رقم خرچ کرنی پڑ گئی تھی۔ اسے اپنے علاوہ اس کوئی کا بھی خیال نہ تھا۔ پھر ایک وقت میں اس کا کھانا جاتی تھی کہ جتنا عبدل ایک پختے میں کھایا کرتا ہوگا۔ اس نے آج یہ سمجھ لیا تھا کہ اس قسم کے دھندے اس کے بس کا درجہ نہیں ہیں۔ اس کے لیے تو بس مارا مارا ہی تھیک تھی۔ اس لیے وہ آج سب کچھ چھوڑ چکا کہ جس کھانے کی فکر کر رہا تھا کہ یہ اسپیکٹر آگیا تھا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ اس کا دھنسی تھکنی کو اس اسپیکٹر سے جڑ کر بھاگ لے گا۔

”اے عبدل، دھنسی نے اسے دیکھ کر کھٹکی ٹھنکی سامنے لینا شروع کر دیں۔ یہ تم کچھ دیر میرے پاس بھی تو بیٹھا کرو۔“ کہیں نہیں۔ عبدل نے جلدی سے اپنی گردن ہلاتی۔

اپن تو نہیں چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ مگر اسے دل کرتا ہے کہ کھانا جندگانی تیرے پاس رہ جاؤں، پھر وہ سالا فرض مانگے والا پوچھا نہیں چھوڑتا۔ وہ بولتا ہے کہ ابھی میرے ساتھ چلو۔

”کون ہے وہ؟“ دھنسی طیش میں آ کر کھڑے بیٹھی۔ ”کون تم کو ایسا بولتا ہے؟“

”دیکھ لو جا کر۔“ عبدل نے کہا۔ ”وہ سالا باہر ہی بیٹھا ہے۔ اپنے آپ کو انکم ٹیکس کا اسپیکٹر بولتا ہے۔ بوم مارنا ہے سالا، بولتا ہے با تو پیسہ دو یا پھر حساب کتاب دکھاؤ۔ اگر ایسا نہیں کرتے تو ساتھ چلو۔ اب اپنا اس کے ساتھ چلا گیا تو سالا واپس نہیں آئے دن کا گا۔“

”اس کی تو اسے تیشی، دھنسی نے اپنے دانت پیسے میں۔“

ابھی اس کو جا کر دیکھتی ہوں، وہ سالا کھر جلتے گا۔ دھیان سے با دھیان سے عبدل جلدی سے بولا۔ ”جیاستی گرجی مت کرنا۔ اپن جب تک اس کمرے میں ہے۔ تم جاؤ۔“

دھنسی کسی تھکنی کی طرح جموتی ہوئی اس کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد عبدل نے لبیک کر دیا وہ بند کر لیا۔ اس نے اس کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی کے راستے۔ بھاگ لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ سامان نام کی کوئی بھی چیز

اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ غالی یا تھک یہاں آیا تھا اور اس کی ہڈی دابیں جابجا تھکا۔ وہ ابھی ٹھنکی کے پاس پہنچا ہی تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ چھوٹ داس کا دھندہ کیسا بھی ہو، لیکن اس نے اپنے دفتر میں دو فون لگا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک فون دفتر میں تھا اور دوسرا اس کے لیے۔ پہلے تو اس کا یہی جی چاہا کہ وہ فون سے بغیر کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دے پھر کچھ سوچ کر اس نے ریسپونڈ کیا۔ یہ ہو سکتا تھا کہ یہ داور کار فون ہو۔ اس سے داور کو فون نہ دیا ہو تھا۔ اور دوسری طرف داور ہی تھا تو اسے برا بھلا کہے جا رہا تھا۔

”اپن کو کیا معلوم داس کہ تمہارے ساتھ کیا غلط ہو گیا ہے۔“ عبدل نے کہا۔ ”اپن تو دھر سے ویسے ہی بھاگ رہا ہے۔ اس موٹی کو اپن نے انکم ٹیکس اسپیکٹر کے پاس بھیج دیا ہے اور خود کھڑکی سے جب لگائے والا تھا کہ تمہارا فون آگیا۔ پر بات کیا ہے؟“

”تم ضرور فلیٹ پہنچ جاؤ۔“ داور نے کہا۔ ”تمہاری ضرورت ہے۔“

”کوئی مال وال کا چکر ہے کیا داس؟“

”مال تو ہم لوگ اب پونا جا کر حاصل کریں گے۔“ داور نے کہا۔

”پونا۔“ پونا میں کیا کھینچا ہے۔ ”اور ابھی سالا بالکل ٹھنک چکا ہے۔“

”وہ رقم بھول گئے ہو جو ہم لوگوں نے سوامی جی کے ہنڈ میں چھپائی تھی۔“ داور نے لبیک پر اڑنا حوالہ دیا۔

”ارے وہ۔“ ماسٹر اسٹارڈ، اپن کے منجے سے نکل گیا تھا۔ اپن ابھی آتا ہے۔ سالا پونا میں بجا آجائیں گا۔ ابھی آتے ہیں اسٹارڈ۔

عبدل نے اتنا کہہ کر ریسپونڈ کر رکھ دیا۔ اسی وقت داور پر دستک ہونے لگی۔ دستک کے ساتھ ساتھ ایسی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی فوجی چکر رہا ہو۔ عبدل کو کاناڑہ ہو گیا تھا کہ وہ اسپیکٹر اور وہ موٹی دونوں ہی دروازے پر تو اور ہو گئے ہیں۔ اب اس کے پاس وقت ختم ہو گیا ہے۔ اس نے دستک کی پڑا کیے بغیر کھلی ہوئی کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ کچھ دیر کے بعد وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔

داور فلیٹ ہی میں موجود تھا۔ عبدل نے اپنے اوپر گڑا ہوئی کہانی سنائی جاتی مگر داور نے اسے ٹوک دیا۔

”تمہاری باتیں بعد میں سنوں گا پہلے یہ سن لو کہ داور کیا ڈرامہ ہو چکا ہے؟“ اتنا کہہ کر اس نے دہان کی ملاقات سے

لے کر اب تک کی ساری کہانی سنائی۔

”باب ہے۔“ عبدل نے اپنی آنکھیں پٹی۔ ”تو یہ سالا دھرم داس تو بہت چالو آدمی نکلا۔ سالا خود ہی دھرم داس خود ہی رستم۔“

”مجھے اس وقت دھرم داس کی فکر نہیں ہے۔ مینا اور اس زخمی کی فکر ہے، وہ دونوں نہ جلنے کہاں غائب ہو گئے ہیں۔ کل رات بھی تمہیں فون کیا تھا لیکن کسی نے ریسپونڈ نہیں کیا تھا۔“

”اپن سالا اس وقت چھوڑ کر لوگ کافر ٹو دیکھ رہا تھا تھا عبدل نے بتایا۔ اسی لیے ریسپونڈ نہیں کیا تھا۔ یہ اصلی بات تو یہ ہے کہ تمہارا بچہ لوگ کھراڑا گیا۔ وہ لوگ تو سالا زخمی تھا پھر کھر چلا گیا۔ اور اس مینا کو کیا ہوا۔ پھر سالا لوگ بلا ٹنگ سے باہر لے گئے۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ داور نے کون سے مٹی بڑی ہوئی ایک بوتل اٹھائی لیکن بوتل کو خالی دیکھ کر اس نے صفحہ پھیل دیا۔ ”بوتل کی کچھال بھر گئی تھیں۔“ جی چاہتا ہے کہ اس بوتل کی طرح اس دھرم داس کی بھی۔

”تمہیں پین کی ایک بات مان لو داس۔“ عبدل نے اس کی طرف دیکھا۔

”بولو کیا کہنا ہے؟“ داور اب موصوفہ پر بیٹھ گیا تھا۔

”وہ اس وقت بہت جھنجھیلیا ہوا لگ رہا تھا۔“

”دیکھو داس، اپن جانتا ہے کہ تم اس وقت غصہ میں بھوت ہو رہا ہے۔ لیکن جب جیب میں پیسہ ہونا تو آدمی کو غصہ بھی نہیں آتا۔ اس وقت تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے داس، اپن سالا ابھی ایک دم کوٹل ہے۔ اس لیے میری مانو تو مینا اور اس آدمی کو کوئی مارا اور دونوں پونا چلتے ہیں، اس سائلے کرم چند کے پاس اور اس مندر سے اپنا دولت لینے کے لیے۔“ اپن کو بہت اچھی طرح یاد ہے۔ داور اپن کا پورا پورا بچ لاکھ دیا ہوا ہے۔ یہ بچ لاکھ بہت ہوتا ہے اسٹارڈ، پورا ایک سال تک ہم عیش کر رہے گئے۔“

”تمہارا خیال ہے کہ مینا اور دھرم داس کا معاملہ یوں ہی چھوڑ کر پونا چل دوں؟“ داور نے پوچھا۔

”اور کیا۔“ یہ سالا بھٹی کا لفظ آؤ کھٹا جندگی چلتا ہے گا، ابھی ایک ختم تو دوسرا سر پر، دوسرا ختم تو تیسرا سر پر، اس لیے کوئی مارو سب کو اور چلو پونا، سالا قسمت مینا کو گم کر دینا بھی مل جائیں گے۔ اور دھرم داس کا بھی دھرم

تختہ ہوا لیکن گا۔ اور جی بات تو یہ ہے کہ جب تم نے اس رقم کا بادلا دیا ہے، اپن سے صبر نہیں ہوتا۔ جی چاہتا ہے کہ سالا پر لگا کر اٹھائے اور پونا پہنچ جائے۔ سالا بچ لاکھ سینے پر سب پھر گھٹلا ہے۔ اپن تو سالا بھول گیا تھا۔“

”نہیں عبدل، داور نے انکار میں اپنی گردن ہلاتی۔ مینا نے میرے لیے دھرم داس کی مخالفت بول لی ہے اور وہ اب خطرناک آدمی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ مینا کو کسی معصیت میں جھنسا چھوڑ کر خود بخوبی سے باہر چلا جاؤں۔ پہلے ہم دونوں کو دھرم داس کا حساب کتب کرنا ہے۔ مینا کا پتہ لگانا ہے، اس کے بعد پونا جانا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟“

”چلو جب تم بولتا ہے تو ٹھیک ہے، یوں نہیں گا۔ لیکن یہ تم مموالیوں والا بھاشا کیوں چھوڑ دیا؟“

”چھوڑا نہیں ہے میرا۔“ داور مسکرایا۔ ”یہ زبان تو میرے مزاج میں رچی ہوئی ہے۔ بس ترنگ کی بات ہے، کبھی ترنگ آتی ہے تو صاف زبان بولنے لگتا ہوں اور جب دوسری ترنگ آتی ہے تو مموالیوں والی زبان شروع کر دیتا ہوں۔“

”خیر، اب یہیں یہ سوچنا ہے کہ مینا کہاں چلی گئی؟“

”اپن کے منجے میں تو بس ایک ہی بات پائی ہے اسٹارڈ۔“

عبدل نے کہا۔ ”اور وہ بات یہ ہے کہ اس بلا ٹنگ میں دھرم داس کا کوئی آدمی رہتا ہے۔ دھرم داس نے اسے تمہارے پیچھے لگا دیا ہوگا۔ اس نے جب تمہیں باہر جاتے ہوئے، دیکھا تو فلیٹ میں لکس آیا اور ان لوگوں کو اٹھا کر اپنے فلیٹ میں لے گیا۔ اسی لیے وہ سالا سب بلا ٹنگ سے باہر نکلتا ہوا نظر نہیں پڑا۔“

داور نے پونگ کو عبدل کی طرف دیکھا۔ عبدل نے بہت سے کی بات کہہ دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ یہ خیال اس کے ذہن میں کیوں نہیں آیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس بلا ٹنگ کے ہر فلیٹ کی تلاش کسی طرح کی جائے۔ اسے شہر فلیٹس تھے، اور ہر فلیٹ میں ہمیشہ کے دوسرے فلیٹس کی طرح ان گنت خاندان ٹھہرے ہوئے تھے۔

”تمہاری بات دل کو لگی ہے عبدل، داور نے کچھ دیر بعد کہا۔ لیکن یہ کیسے معلوم ہو کہ ان دونوں کو کس فلیٹ میں لے جایا گیا ہے۔“

”اس کا یہ تو اپن چلا سکتا ہے۔ وہ آدمی اپن کا چوکھٹا نہیں دیکھا۔ تم ادھر ہی بیٹھو۔“ اپن ابھی اس فلیٹ کا پتہ چلا کر آتا ہے۔“

داور کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عبدل اس ایک خاص فلیٹ کا پتہ چلائے کے لیے یوں ہی ترکیب استعمال کرے گا لیکن وہ عبدل کی صلاحیتوں سے واقف تھا اس نے کئی موقعوں پر داور کی انجینئری دیکھی تھی۔ اسی لیے اس نے عبدل کو متعین نہیں کیا تھا۔ عبدل فوراً ہی اس فلیٹ سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد داور صوفے پر لیٹ گیا۔ اس وقت اس کے ذہن میں مینا کی بازیابی کے علاوہ اور کوئی بات نہ تھی۔ مینا کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد وہ دھرم داس کی طرف دھیان دیتا۔ یہ دھرم داس اس کے دشمنوں کی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ داور تو اسے جانتا ہی تھا لیکن اس شخص نے خود کو داور کا دشمن ثابت کر دیا تھا۔ اس نے داور کو ہلاک کر دینے کی سازش کی تھی اور داور اپنے کسی ایسے دشمن کو چھوڑ دینے کے حق میں نہیں تھا جو اس کی جان لینے کی کوشش کرے۔

عبدل کو گئے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ داور صوفے سے ان کو باورچی خانے میں آگیا۔ اس فلیٹ میں اب شراب کی بوتلیں بھی نہیں بچی تھیں۔ عبدل کے جانے کے بعد داور نے فلیٹ میں بندرہ کر دو دنوں تک سوئے شراب پینے کے اور کوئی کام نہیں کیا تھا۔ گلاب کی ہم کی ناکامی نے اسے بہت بد دل کر دیا تھا اور اسے یہ جان کر داور بھی بد دل ہو گئی تھی کہ دھرم داس نے اسے دھوکے سے گلاب بھیجا تھا۔ داورچی خانے میں آکر اس نے اپنے لیے چائے تیار کی اور پیالی لے کر باورچی خانے سے ڈرائنگ روم میں آگیا اسی وقت عبدل بھی واپس آگیا تھا۔ وہ بہت پر ہوش دکھائی دے رہا تھا۔

”اس سلسلے کا پتہ چل گیا ہے باس“ اس نے بتایا۔ ”سالانہ کی منزل پر باپیں باجو کے فلیٹ میں ہے“ ”اچھا“ داور نے جبران ہو کر اس کی طرف دیکھا تو نہیں کیسے معلوم ہوا ہے۔

”باس“ اپن نے سالانہ آدمی سے دوستی کر رکھی ہے۔ ایک دو دھ والا بھی اپن کا دوست ہے۔ اتفاق سے وہ سالانہ اپن کو خبر آگیا۔ اپن نے جب دو دھ کو دھ لینے کا بات کیا تو سالانہ فر پوری بلڈنگ کا حال بتانے لگا۔ اس نے بتایا کہ اس فلیٹ میں کچھ دنوں سے ایک آدمی رہتا تھا، ایک سال اس میں ایک دوسرا آدمی اور ایک عورت بھی آگیا۔ وہ سالانہ آدمی دونوں ہوئے گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جب ان لوگوں کو موقع

مل رہا ہے تو چلتے کیوں نہیں، اسی بلڈنگ میں کیوں بیٹھے ہیں؟“ یہ بات تو سالانہ اپن کی کھوپڑی میں نہیں سہاگ ہے۔ عبدل نے کہا۔ لیکن اپن کو اس سے کیا، سلسلے جلتے بار ہے، اپن کو تو آگ کھانے سے مطلب۔“ یہ بھی تم ٹھیک کہتے ہو، تو پھر؟“ ”پھر کیا، چلو دونوں چل کر سلسلے کے فلیٹ میں گھس جاتے ہیں لیکن نہیں، تم سالانہ نہیں جانا۔ پہلے اپن اندر چائے گا، کیونکہ تم کو وہ لوگ جانتے ہیں۔“ وہ دونوں سیڑھیوں پر اتر کر چل پڑے۔ جہاں کے ایک فلیٹ میں ان لوگوں نے سیر کر رکھا تھا۔ داور دروازے سے دوہڑ کر دیوار کے ساتھ چپک کر کھڑا ہو گیا جبکہ عبدل نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دے دی۔ دروازے کھینے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دروازہ کھولنے والا ایک ایسا آدمی تھا جو داور کے لیے اجنبی تھا۔

”کیا بات ہے بھائی؟“ اس آدمی نے عبدل کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ”کیسے سے ملتا ہے؟“ ”اپن کو نہیں باس کو ملتا ہے،“ عبدل نے داور کی طرف اشارہ کیا۔ اس آدمی نے اپنی گردن گھما کر داور کی طرف دیکھا اور اسی وقت عبدل نے اس پر چڑھ کر دیا۔ اس کی ایک ہی فریاد اس آدمی کے لیے کافی ثابت ہوئی۔ وہ ہلکا ہوا دروازے کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔ داور بھی اس دوران لپک کر عبدل کے پاس آگیا تھا۔ اس وقت اس منزل پر داور کوئی بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ ورنہ ان دونوں کے لیے پریشانیاں پیدا ہو سکتی تھیں۔

اب تم اندر جاؤ باس“ عبدل نے داور سے کہا۔ اپن جب تک اس کو سمجھتا تھا کہ ”عبدل نے یہ سب کچھ اپنی افراتفری میں کیا تھا کہ خود داور کو بھی سوچتے سمجھتے کامورق نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے ایک نظر عبدل اور اس پر ہوش شخص کی طرف دیکھا اور جلدی سے اس فلیٹ میں داخل ہو گیا۔ ڈرائنگ روم میں دو آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک نرمی تھا جس کے سر پر بیٹی بندھی ہوئی تھی اور اس کے پاس ہی ایک دوسرا آدمی بھی تھا جو اس نرمی کو کوئی کتاب پڑھ کر سنا رہا تھا، ان دونوں سے کچھ فاصلے پر ایک عورت کھڑی تھی اور وہ لوگ کوئی اور تھے۔ وہ عورت مینا نہیں تھی یہ آدمی انشوک نہیں تھا، داور کو اس طرح کرے میں گھستے ہوئے دیکھ کر وہ

بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ داور نے اپنا پستول بھی اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس کی وجہ سے ان لوگوں پر اور بھی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ داور کے لیے یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے عبدل کے کہنے میں آکر اس طرح کی حماقت کی تھی۔ ابھی وہ ان لوگوں سے کچھ کہنے کے لیے سوچ رہا تھا کہ عبدل اس پر ہوش دیکھ کر فلیٹ میں موجود لوگ اور بھی لے گیا۔ اسے بے ہوش دیکھ کر فلیٹ میں موجود لوگ اور بھی پریشان ہو گئے تھے۔ وہ سب داور کے پستول کی پرواہیے بغیر اس کوئی کی طرف چھپ پڑے عورت تو باقاعدہ رونے لگی تھی۔

”اپن کا مچ پھر ٹپکا ہے باس“ عبدل نے معصوم سی صورت بناتے ہوئے کہا۔ ”ادھر یہ کیا لفظ شروع ہو گیا ہے؟“ ”تم بے وقوف ہو کر گرے ہو،“ داور غصے سے بھٹکا۔ ”اٹھا تھا۔ یہ کوئی اور لوگ ہیں۔“ ”اپن کو کیا معلوم باس، اپن کو وہ دودھ والا!۔“ ”خاموش رہو،“ داور چیخ پڑا۔ ”تم نے اپنی بے وقوفی سے مجھے بھی پریشان کر دیا ہے،“ لغت اڑتے ہوئے یہ ”دیکھا تیاؤں باس، سالانہ آدمی عورت نے اپن کا دستک پکڑ کر دیا ہے، یہ سب اسی کا دوش ہے۔“ ”اچھا اب چلو یہاں سے،“ داور نے اسے روانے کی طرف دھکاتے دیا مچھان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ہیں معاف کر دینا بھائی، ہم کسی اور کے دھوکے میں ادھر آ گئے تھے۔ یہ آدمی تھوڑی دیر کے لیے بے ہوش ہو رہا ہے ابھی ہوش میں آجائے گا۔“ وہ دونوں ان لوگوں کو کپڑوں کی جلدی سے باہر آگئے۔ داور غصے سے تپا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ عبدل کو وہاں پر مارنا شروع کر دے۔ عبدل نے ایسی حماقت کبھی نہیں کی تھی اور عبدل ہی کی وجہ سے وہ خود بھی دلیل ہو کر رہ گیا تھا۔

”اسی لیے تو بولتا ہے باس کہ لغت بچھو صوب پر،“ عبدل نے فلیٹ میں آنے کے بعد کہا۔ ”ابن نواب اپنا چوٹھا دکھانے کے قابل ہی نہیں رہا۔ یہ سب فلیٹ والا اپن کو بھیجتا ہے۔ وہ بھی سالانہ سوچتا ہوگا کہ اپن سالانہ کو اپن کیسے سب ادھر سے کچھ دنوں کے لیے کول ہونے کا ہے،“ ”کیا؟“ ”ٹھیک ہے،“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”اب یہی کرنا ہوگا،“ چلو پونا چلنے کی تیاری کر دے۔“

وہ دونوں بس کے درپے بولنا آئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بے بے سفیدی بیگ تھے۔ اور اپنے لباس سے دونوں ہی ایسے لابی مباح کی طرح ہو رہے جو فحش لفظ تریخ کے غرض سے بولنا آئے ہوں۔ بس میں ان دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ یہ بھی ان کے منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ ان کا ہر دو گم یہ تھا کہ بس اسٹاپ سے اتر کر وہ دونوں پیدل ہی کرشنا ہو، مل کی طرف چل دیں گے۔ یہ ہوش ان دونوں کا جانا پہچانا تھا اور اس اسٹاپ سے زیادہ دور بھی نہیں تھا۔

وہ دونوں اس وقت ایک دوسرے کے آگے پیچھے کرشنا ہو، مل کی طرف جا رہے تھے۔ یہ ہر ایک سال کے عرصے میں دہلیا تھا۔ کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ ان کی طرف بھی کسی نے دھیان نہیں دیا تھا۔ ہر شخص کو اپنی اپنی بڑی، بولی تھی۔ بولنا بھی کسی کی طرح ایک کاڑی شہر تھا۔ یہاں ہندو مسلم عیسائی سب ہی سا کرتے تھے اور ہندوستان کے ہر شہر کی طرح اس شہر میں بھی مختلف قوموں کے علاقے بنے ہوئے تھے۔ لیکن عمومی طور پر وہ سب ایک دوسرے سے کھل مل کر رہا کرتے تھے۔

ہوش کی طرف آتے ہوئے انہوں نے دلواریں کھلیں اور درختوں پر چپاں بہت سے بوڑھے دیکھے۔ ان سے یہ پتہ چلی رہا تھا کہ اس شہر میں میٹر کے انکشافات ہوتے والے تھے اور دو آدمیوں کے پلڑے واضح دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں ایک گلاب تھا اور دوسرا لڑکی داس برائی داس کے پلڑے پر لپکے ہوئے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ اس شخص کے پاس اپنے خائف سے کہیں زیادہ رقم تھی۔ اور وہ دل کھول کر خرچ کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ گھر کے مقتدر لوگوں کی حماقت بھی اسے حاصل تھی۔ دلواریں کے ایک مقتدر شخص سے بھی طرح واضح تھا۔ اور وہ کھلم کھلا بولنا کی زمرہ زمین دینا کا بادشاہ۔ اس نے چاروں طرف اپنے ہاتھ پاؤں پھیلا رکھے تھے۔ اس کے پاس کے بیٹے و سائل اوبے بنناہ دولت تھی۔ اس کی تنظیم بہت خطرناک تھی۔ شہر بھر کے تو خوار لوگ اس کی تنظیم میں شامل تھے۔ داور سے براہ راست اس کی منہ پڑ تو نہیں ہوئی تھی لیکن پچھلی ہم میں کرم چند کے آدمیوں سے اس کی منہ پڑ ضرور ہوئی تھی۔

داور اور عبدل نے بولنا میں پانچ لاکھ روپے حاصل کئے تھے۔ یہ رقم میروٹس کے ایک اسمگلر سے حاصل کی گئی تھی۔



مکتی۔ لیکن اس رقم کے ساتھ آتے ہی جیسے پورا شہر ان دونوں کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ انہوں نے اس رقم کو پونہ سے نکال لے جانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن اس میں کامیابی نہیں ہو سکے۔ کرم چند نے آدمیوں کے علاوہ مقامی پولیس بھی ان کے پیچھے بڑھی تھی۔ مجبوراً داد کو وہ رقم ایک موٹی کاغذ میں لپیٹ کر اور ایک چھوٹے سے بریف کیس میں بند کر کے سمواتی جی کے مندر میں چھپائی پڑی تھی۔

یہ مندر عبادت گاہ بھی تھی اور فزع گاہ بھی۔ اس کے چاروں طرف بہت وسیع دھڑیل پانک تھا۔ جس میں پشمارا قسم کے بھولوں کے پودے لگے ہوئے تھے۔ اور درمیان میں ایک تالاب بھی تھا۔ جس کا پانی گندہ ہو چکا تھا۔ داور نے اس بریف کیس کو اس تالاب کے پانی کے نیچے چھپا دیا تھا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جہاں کسی کی نظر نہیں جا سکتی تھی۔ اس بریف کیس کو یہاں تک چھپانے کے مرحلے کی بہت دشواری ثابت ہوئے تھے۔ گولیاں بھی تھیں۔ ایک آدمی مارا گیا تھا۔ تب جا کر یہ دونوں اس رقم کو یہاں تک لانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ پھر اس بریف کیس کو یہاں چھپا کر وہ دونوں بھی واپس آ گئے تھے۔ راستے میں ان کی تلاشی بھی کی گئی تھی۔ لیکن ان کے پاس سے کچھ برآمد نہیں ہو سکا تھا۔

اور اب وہ دونوں ایک عرصے کے بعد پونا واپس آئے تھے۔ جہتی کے ہنگاموں میں داور کے ذہن سے اس رقم کا خیال ہی اتر گیا تھا۔ وہ بھول گیا تھا کہ اس نے باج لا کھریے سمواتی جی کے مندر میں چھپا کر رکھ دیئے ہیں۔ لیکن جہاں تک نے اسے بتا کر اس کا لائق ٹونا سے ہے تو بولنا کے ذکر کو داور کو اس رقم کا خیال آ گیا تھا۔

داور راستے بھر ان کا شکار رہا تھا۔ وہ مدینا کی طرف سے ہریٹن تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ وہ کسی کام کو اس طرح اچھوڑ کر گھر میں اور جا رہا تھا۔ اور پہلے بھی مدینا کا تھا۔ جس نے ایک زمانے میں اس کا بہت ساتھ دیا تھا۔ بس کے سفر میں راستے بھر وہ اسی خلس میں مبتلا رہا تھا۔ لیکن پونا پہنچنے کے بعد اس نے اپنے ذہن سے سب کچھ جھگ دیا تھا۔ اب اس کے سامنے ایک نئی منزل تھی۔ ایک نئی جہم تھی۔ اور وہ اپنی طرح جانتا تھا کہ اگر آدمی کے ذہن پر ملو جھو تو وہ ایک مکتی کو بھی اپنے جسم سے نہیں اڑا سکتا۔ اسے سب کچھ بھول کر پونا میں اپنی کاروائی کر رہی تھی۔ اور اسے کرنا ہی کیا تھا۔ دن بھر ہوش میں قیام

اور رات کے وقت عدیل کے ساتھ جا کر اس تالاب سے رقم نکال کر لے آنا۔ اس کے بعد رات ہی کا کسے بس رہی تھی۔

کو روایتی۔

ان دونوں کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے آگے پیچھے چلتے ہوئے کرشنا ہوتل تک پہنچیں گے جہاں سے عدیل آگے چلا جائے گا جبکہ دوا کو ہوش میں نہ تھا رات کے وقت عدیل کو داور کے پاس آنا تھا۔ پھر دونوں سمواتی کے مندر کی طرف روانہ ہو جائے۔ مندر پہنچ کر عدیل پھر ایک دوسرے سے الگ ہو جائے۔ داور نے عدیل کو تالاب کے پاس ایک ڈنرے کا پتہ دے دیا تھا۔ عدیل کو اسی ڈنرے کے پاس پہنچنا تھا۔ یہ احتیاط اس لئے کیا جا رہی تھی کہ اس شہر میں بھی داور کے دشمنوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ نہ جانے کتنے لوگ اسے پہنچاتے ہوں گے۔ ممکن تھا کہ کرم چند کے آدمی اس کی تاک میں ہوں۔ پولیس ابھی تک اسے تلاش کر رہی ہو۔ ان کے علاوہ اس اسمگلر کے ساتھی بھی اس رقم کے ججز میں ہوں گے۔ جس سے داور نے یہ رقم بھیجی تھی۔ داور کسی قسم کی بداحتیاطی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا یقین تھا کہ جماعت طاقت اور مہارت کے ساتھ ساتھ آدمی اگر اپنے ذہن کو بھی استعمال کرے تو کامیابی کے امکانات زیادہ روشن ہو جاتے ہیں۔

کرشنا ہوتل آگیا تھا۔ عدیل اس کی طرف دیکھنے لگا۔ آگے بڑھتا چلا گیا۔ جبکہ داور اس ہوش میں داخل ہو گیا۔ یہ سرخ انٹوں سے بنائی ہوئی ایک دمزنر مہلت تھی۔ جس کے کمرے سے اور کھٹے ہوئے تھے۔ داور کا ڈنرے کے پاس آیا۔ اس نے اپنا نام بدلم لکھوا دیا تھا۔ کاؤنٹر والے نے اوپر ہی منزل کے ایک کمرے کی جانی اس کے حوالے کر دی۔ وہ اپنا بیگ اٹھا۔ اس کمرے میں آگیا جو اس کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دیکھو دوسری منزل پر تھا۔

رات کا کھانا ناداور نے اپنے کمرے ہی میں منگو کر کھایا تھا۔ اس نے چونکہ خود کو ہندو ڈھار کر لیا تھا۔ اسی لئے کھانے میں اسے سبزیاں اور ایل فراہم کی گئی تھی۔ کھانے سے فائدہ ہو کر وہ کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اسے عدیل کا انتظار تھا۔ وہ کسی بھی لئے آسکتا تھا۔ کھڑکی سے نیچے سرنگ اور لٹ روٹن تھی۔ گاڑیاں آ جا رہی تھیں۔ لوگ اپنے اپنے کھڑکی کی طرف جا رہے تھے۔ اپنے گاؤں میں مصروف تھے۔ ان لوگوں کو کیا معلوم کرشنا ہوتل کے ایک کمرے کی کھڑکی میں ایک ایسا آدمی کھڑا ہوا ہے جو اس شہر میں ایک ہنگامہ مکر نے آیا ہے۔

اسی وقت داور فانسے پر دستک ہوئی اگلے کھلے ہوئے دروازے سے عدیل ہونٹوں پر سرکھٹ سائے اندر آیا۔

”ابن کا نام تلمی واس ہے استاد۔ لو کو کیسا نام ہے۔ بہت اچھا۔ داور کیا؟ اور میں بلرام ہوں۔ چلو اب مندر کی طرف چلتے ہیں۔“

ایک دو تین۔ عدیل نے آواز لگائی اور ایک بعد دیگرے تین گولیاں چلا دیں۔ تینوں گولیاں نشانے پر لگی تھیں اس کے قریب کھڑے ہوئے لگ اس کے نشانے کو دیکھ کر حیران ہوئے جا رہے تھے۔ عدیل کی چلائی ہوئی تینوں گولیاں سامنے کھڑے ہوئے موٹی فیکٹوں کی عین پیشانی پر پڑی تھیں۔

عدیل نے سکرلے ہوئے اسٹال والے کو اس کا پستول واپس کیا اور جیتی ہوئی رقم جیب میں ڈال کر اس اسٹال سے باہر آ گیا۔

وہ اور داور سمواتی جی کے مندر پہنچ کر بہت حیران ہوئے تھے انہیں معلوم نہیں تھا کہ رام لیلکا کی خوشی میں اس مندر میں ایک شاندار میلہ لگا رہا ہے۔ یہاں بہت بہت رونمائی ہو رہی تھی۔ پاک کا ٹیٹ رنگ برنگی سفینوں سے جگمگا رہا تھا۔ اندر بہت سے اسٹال بنے ہوئے تھے۔ یہ دونوں کچھ دیر تک ٹیٹ کے باہر خاموشی سے کھڑے رہے تھے۔ اس میلے نے ان کے کام کو مشکل بنا دیا تھا۔ میلے میں ہزاروں افراد مشرک تھے۔ اور ان کی موجودگی میں کسی کا تالاب میں اتر کر بریف کیس لگانا بہت دشوار تھا۔

”اب کیا کرنا ہے باس۔“ عدیل نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”یہاں تو سال میلہ لگا ہوا ہے۔“

”دیکھ کر بتاؤ۔ جو ہم لوگوں نے مستح رکھا ہے۔ داور نے کہا۔ ”ابھی کھڑی ملاو۔ اس وقت فوجی ہیں۔ ٹھیک کس کیے تم اس فوڈ کے پاس پہنچ جانا جس کے ہاتھ میں تمہیں میں نے بتایا ہے۔ اور یہ بیگ میں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔“

اس طرح وہ دونوں پاک میں داخل ہو کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔ عدیل نے وقت گزارنے کے لیے مختلف اسٹالوں پر تھکیل کود میں حصہ لیتا ہوا دیر سے دھیرے فوڈ کے طرف بڑھتا رہا۔ جبکہ داور نے عدیل کی فی الحافہ لہذا سفر شروع کیا تھا۔ اسے عدیل کی طرح کسی اسٹال میں اپنے نشانے بڑی دیکھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا کیونکہ وہ ابھی کچھ دیر چلا تھا۔ ایک لمبا پوٹا آدمی دونوں ہاتھ بھیل کر اس کے سامنے آ گیا۔

داور اس آدمی کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ ایک سکھ تھا جس کی گھٹی درجی اس کے چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی اس

کے ہونٹوں پر سرکھٹ چھپی ہوئی تھی۔

”اے بادشاہو! وہ داور کو دیکھتے ہوئے بولا۔ تھی کہ ہر سے آگے ہو۔“

”معاف کرنا۔ داور بھائی۔ میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔ داور نے جلدی سے کہا۔ ”تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ ”اے اسی کی مت کرو۔ غلط فہمی تو بڑے لوگوں کو ہوتی ہے۔ ہم تہمت چھوئے لگ رہے ہیں۔ اومیر سے مراد یہ اس نے ہاتھ بڑھا کر دوا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی گرفت غیر دوستانہ تو نہیں تھی۔ پھر بھی داور کے لئے انہیں پریشانگی تھی۔ نہ جانے یہ آدمی کون تھا۔ اس نے اپنی یادداشت پر زور ڈالنے کی کوشش کی لیکن اس آدمی کا چہرہ اس کے ذہن کی اسکرین پر گھوڑا نہیں ہو سکا۔

”اے تھی اڈمیر سے ساتھ۔“ داور اسے ایک اسٹال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ یہ اسٹال چائے کی تھی۔ تھوڑی سی کپ شیب کر رہی ہے۔

داور ایک گہری سانس لے کر چاک نازل ہوئے۔ وہاں اس ہلاکے ساتھ ہولیا۔ ویسے بھی اسے فوڈ سے کبھی نہیں میں ایک ٹھنڈا تھا۔ یہ ایک ٹھنڈا گرا می سرداری کے ساتھ گدھا جاتا تو کیا برا تھا۔ سردار جی نے اب اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ داور نے اسے قدم بڑھا ہوا اسٹال کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اسٹال کے پاس پہنچ کر اس نے خود ہی دو عدد کمریاں کھا کر ایک طرف رکھ دیں۔ داور چلے گا۔ داور دیتا ہوا دوا کو بڑھتا ایک کمری پر بیٹھا دیا۔ اس نے خود دوسری کمری سمجھائی لی تھی۔

”پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے کلکتہ کا کیا حال ہے۔ ہمارا درجی نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے تو وہاں سے آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔“

”میں پھر کب رہا ہوں سرداری۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“ داور نے کہا۔ ”بیر لائق کلکتہ سے نہیں ہے۔“

”چھوڑو۔ پارے سرخوارے اس کی ران پر ہاتھ ماردیا۔ میرے کو بے وقوف مت بناؤ۔ تمہیں پہلے بھی ایک ہار تھی حرکت کی تھی۔“

داور نے جھٹ کر اپنے ہونٹوں کو بھینچ لیا۔ وہ سردار کی طرح اس کی بات سننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی ہی بولے جا رہا تھا۔ تنگ آ کر داور بھی خاموش ہو گیا۔ سردار جی کی منگوائی ہوئی چائے آئی تھی۔ چائے پینے کے دوران جی وہ بہت کچھ بولتا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے نفرت لپیٹی جی کہنے کا بہتہ کر رکھا تھا۔ پھر جب چائے کی پیلی آگئی

”اوسے“ اس نے غصے سے جھری لگا ہمیں سے داور کو دیکھا  
”تم میرا چہرہ تو نہیں ہو“  
”لو میں نے کب کہا تھا کہ میں جہاں چاہوں وہاں  
نے سرکرتے ہوئے کہا: میں تو کوئی اور ہوں؟  
”تو میرا حق دیر سے بتایا کچھ نہیں۔ اور چلے بھی جانی  
لی تم نے؟“  
داور چلنے کی پہلی خیمہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ وہ مرداری  
نہ چلنے کیا کیا اوسے جا رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا  
ورنہ شاید وہ داور کو مارنا شروع کر دیتا۔ داور ہنستا ہوا اس  
کے پاس سے ہٹ گیا۔ اتنی دیر میں عبداللہ سے ملنے کا  
وقت ہو گیا تھا۔ مرداری کی وجہ سے اس کا وقت اچھا  
گزر رہا تھا۔

بارک کے اس حقے میں جہاں وہ تالاب تھا بالکل  
سناٹا تھا۔ حالانکہ اس بارے میں بارک میں مہلک ہوا تھا۔  
لیکن یہ حصہ، خبر ہو رہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ تالاب کے  
آس پاس کی زمین بھٹی ہوئی تھی۔ جبکہ جنگ سنی اور فتنے کے  
ڈھیرے لگے ہوئے تھے۔ اسی لئے بارک کی اور سیلے کی مدد  
اس حقے کی طرف نہیں آئی تھی۔ سرداری روشتیاں، سلاسل  
میلہ تالاب سے کچھ فاصلے پر رہ گیا تھا۔ تالاب سے کچھ فاصلے  
پر وہ فارہ بنا ہوا تھا جہاں داور نے عبداللہ کو ملنے کے لئے  
کہا تھا۔

اس فارے کے ارد گرد ایک تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ قدرہ  
سمیت بارے تالاب کو غدار تاروں کی باڑہ سے چھوڑ دیا  
تھا۔ درمیان میں کبھی ایک ٹیٹ بنا ہوا تھا۔ ایسا ٹیٹ  
ہو رہا تھا جیسے تالاب اور ارد گرد کا علاقہ خود بھی کیمپ میں  
تبدیل ہو گیا ہو۔ داور جس وقت وہاں پہنچا اس وقت وہیں  
بچنے میں کچھ دیر تھی۔ اور عبداللہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچ  
سکا تھا۔ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کے لئے کسی  
قسم کی نگرانی کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اسی لئے یہاں پر  
اندھیرے کے ساتھ ساتھ سنائی دینا بھی پھیل رہا تھا۔ داور نے  
خاص طور پر سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس لباس  
نے اسے تاریکی کا ایک حصہ بنا دیا تھا۔

وہ چاروں طرف دیکھتا ہوا تاروں کی باڑہ کے پاس  
آ کر کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ اس کا بیگ اس نے زمین پر رکھا اور اس  
بیگ سے تار لگانے کا اوزار نکال لیا۔ وہ ہر قسم کا سامان  
اپنے ساتھ ہی لیتا آیا تھا۔ تار لگانے میں زیادہ دیر نہیں  
لگی تھی۔ تار لگا کر وہ ذرا، ہوا تھا کہ عبداللہ بھی اس کے پاس

پہنچ گیا۔ دس بج چکے تھے۔

”تم نے بہت اچھا کیا اس جتنا کاٹنے میں زیادہ دیر  
نہیں لگی تھی۔ عبداللہ چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
”بس اب جلدی کرو۔ داور برگ اٹھا کر باڑہ کی طرف  
پہنچ گئی۔ عبداللہ بھی اس کے ساتھ ہی آ گیا تھا۔

دو دلوں تیز رفتاری سے چلتے ہوئے تالاب کے  
پاس پہنچ گئے تالاب کے درمیان میں ایک بڑا سا ستون ٹھہر  
تھا۔ اس ستون پر کچھ کچھ جھنڈا لہرا رہا تھا۔ داور نے وہ  
سوٹ کیس پانی کے اندر اسی ستون سے باندھ دیا تھا۔ یہ  
ایک مکمل طور پر محفوظ جگہ تھی۔

تالاب کے کنارے پہنچ کر داور نے بیگ سے زنجیر کاٹنے  
کی تیز دھڑا کر لی نکال لی۔ وہ سوٹ کیس زنجیر سے باندھ دیا  
گیا تھا۔ پھر عبداللہ کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے ہوئے اس  
لئے تالاب میں پھلانگ لگا دی۔ جس کا پانی ابھی تک گدا رہ  
بد بو دار تھا۔ ایسا سختی تھا تالاب کی صفائی ستھرائی ہر کوئی  
توجہ نہیں دی جاتی ہو۔ مستحق کے پاس آ کر داور نے اپنی  
سائیں روئیں اور غوطہ کھا دیا۔

اس کا ہاتھ ستون کی اوپری سطح سے پھسلنا ہوا نیچے  
تک آ گیا۔ لیکن وہ سوٹ کیس غائب ہو چکا تھا۔

اس نے بولکھا کہ اگر داور دھڑا پھانگ پھیلانے سے بچہ وہ  
زنجیر اس کے ہاتھ میں آگئی جس کی مدد سے اس نے سوٹ  
کیس کو بلند کر رکھا تھا۔ کوئی شخص زنجیر کاٹ کر وہ سوٹ  
کیس اپنے ساتھ لے جا چکا تھا۔ اب وہاں سوائے اس  
زنجیر کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ تیز سے ہونے لگا تالاب کے کنارے تک آ گیا۔ عبداللہ نے  
ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر کھینچ لیا تھا۔

”کیا افرا ہو گیا پاس؟“ عبداللہ نے اسے خالی ہاتھ دیکھ کر  
پوچھا۔ ”وہ سلاوٹ کیس کدھر ہے؟“

”کوئی ہماری دقت پر ہاتھ صاف کر رہا عبداللہ؟“ داور  
نے بیگ سے خشک کپڑے نکالتے ہوئے بتایا۔ اس نے اپنا بیگ  
ہوا لباس بدل لیا تھا۔

”باپ سے؟“ عبداللہ نے اپنے بال فوج لیے۔ ”ایسا کون کرنا  
ہے پاس؟“

”تم کو بارے عبداللہ کچھلی بار جب ہم لوگ اس بارک میں  
آئے تھے۔ اور ہم نے یہاں سوٹ کیس چھپا کر رکھا تھا۔ اس  
وقت اس بارک میں کچھ مقامی غصے بھی موجود تھے۔ اور ہمارے  
ان سے بھرپور بھی ہوئی تھی۔“

”سب کچھ یاد ہے پاس۔ اب ان کا منہ کبھی بہت کام  
رہا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ بہت حرکت ان ہی غصوں کی ہے؟“ داور  
نے کہا۔ ”میں ان غصوں کو تو نہیں پہچانتا لیکن ان کے پاس  
کے نام سے واقف ہوں۔ اور وہ ہر کم چند؟“

وہ مکان بہت خوبصورت تھا۔ دو منزلہ۔ جس کے ایک  
ایک کمرے میں رکھے ہوئے قیمتی فرنیچر اس بات کی گواہی دے  
رہے تھے کہ اس مکان کے مالک کے پاس بے تحاشہ دولت ہے۔  
مکان سے باہر جہاں برآمدے کی سیڑھیاں ختم ہوتی تھیں وہاں  
سے لان شروع ہو جاتا تھا۔ اطلاق کے درمیان میں ایک جدید  
قسم کا سوٹنگ ہول بنا گیا تھا۔ جس کے کنارے اس وقت  
کئی گرماں رکھی ہوئی تھیں جن پر عورتیں اور مرد بیٹھے  
ہیں۔ کرم چند کا تھا اور یہ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگ کرم چند کے یہاں  
تھے۔

یہ جہاں اس کے مانت تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے  
کرم چند کے زنجیر لائی چلنے والا ایک کاروبار نبھال رکھا تھا۔ ان  
میں سے ایک منور لال تھا۔ ٹوٹا اور بھٹا سا۔ جس کے برابر اس کی  
خوبصورت بیوی شیلہ تھی۔ منور لال شہر کے ایک مشہور ہوٹل  
اور کلب کا مالک تھا۔ بظاہر تو وہی اس کلب کا مالک تھا لیکن  
وہ کلب دراصل کرم چند کا تھا۔ منور لال کے برابر والی کرسی پر  
آئندہ بیٹھا تھا ایک اور مشہور آدمی تھا۔ یہ بظاہر ایک بڑی  
کسیروں کا مشہور فرم کا مالک تھا کرم چند اس فرم کے ڈیرے آگنگنگ  
نوا پارک رکھا تھا۔ آئندہ بیوی بیوی مانتی کے ساتھ آیا تھا۔ ان  
دووں کے برابر میں پرکاش مہرہ بیٹھا تھا۔ یہ ایک ذہین آدمی  
تھا۔ شہر کی ایک بہت بڑی فرم کا ڈائریکٹر۔ لیکن یہ کرم چند  
کے صحابا ت بھی رکھا کر رکھا تھا اور اس کے مالی معاملات کا مشیر  
تھا۔ وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہوا تھا۔ اس کی بیوی ایک  
خوبصورت عورت تھی۔ جس کا نام ڈولی تھا۔ وہ شہر کی سماجی  
تقریبات کی جان سمجھی جاتی تھی۔

کرم چند ان لوگوں کو چہنبے میں ایک بار اپنے یہاں مدعو  
ایکرا۔ اور انھیں اپنے ہاتھ کی پکائی ہوئی چیزیں کھلا کر کنا۔  
لوگ اس کی پکائی ہوئی چیزیں کھاتے اور دل کھول کر لطف  
لیا کرتے تھے۔ ڈیرے کی صورت میں کرم چند کے بھڑک جاتے  
کا انداز تھا۔

کھانے پینے کے معاملہ میں کرم چند کا اپنا ایک فلسفہ تھا۔ اس کے  
معاذی اللہ انسان کے لیے دلی تازیانی حیثیت رکھتا تھا۔ اور جب  
کرم چند جیسے آدمی نے خود اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز پکائی ہو تو

اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی تھی۔ اس لیے وہ چہنبے میں ایک  
بار اپنے خاص خاص لوگوں کو ضرور مدعو کرنا تھا کہ وہ لوگ  
کرم چند کے دلونا کا قریب حاصل کر سکیں۔

اس وقت ان لوگوں کے سامنے ایک بڑی سی میز پر ٹرین  
ڈشیں رکھی ہوئی تھیں۔ ہر سب کرم چند کی کاوشوں کا نتیجہ تھیں۔  
اس وقت گرجہ رات ہو چکی تھی لیکن کوئی کا جمعہ یعنی فتنوں  
سے جنگم رہا تھا۔ کرم چند کے مسلح محافظ ان لوگوں سے کچھ فاصلے  
پر اور صرے اور گھونٹے پھر رہے تھے۔

”تم بگ ہے دو سا کھا کر دیکھو کرم چند نے میز پر رکھی ہوئی ایک  
ڈش کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں معلوم ہو چلا کہ اگر سو ادکس کو کتنے  
ہیں؟“

”جی ہاں۔ ہم تو آپ کے ٹیسٹ کے قابل ہو گئے ہیں؟“ منور  
لال جلدی سے بول پڑا۔ ”جیسے زیادہ یہ شیلہ آپ کے کھا لوں گی  
تو لطف نہ کرتی رہے؟“

کرم چند کے جھڑے ہوئے توں پر ایک جلدی سی مسکراہٹ  
پھیل گئی۔ ”کچھ شیلہ اس طرح کرم چند کو دیکھا تھا جیسے اس  
پر قربان ہو چلنے کا ارادہ رکھتی ہو۔“

منور لال کی تقلید میں داور نے کچھ کہا جاپا تھا۔ کاسی  
وقت سینڈویچز قدم آگیا ہوا ان کے پاس آ گیا۔ وہ کرم چند کا  
خاص محافظ تھا۔ اس کا نام تو دجلے کا تھا لیکن سب اسے  
سینڈ کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ انتہائی شاندار اور خوش چیم کا  
مالک جس کی فیصص کی اسٹینیں ہر وقت چمچی رہتیں اور جس  
کے دولوں پہلوؤں سے بڑا اور تھے ہوئے ہوتے۔ یہ ایک بڑا بڑا  
آدمی تھا اور کرم چند کے سارے مانت اس سے خوف زدہ سے  
رہتے تھے۔

”پاس۔“ سینڈ نے کرم چند کے پاس آ کر ٹیسے اوپر سے  
محاسبہ کیا۔ ”آپ کا فون آیا ہے۔ نام نہیں بتانا۔ کہتا ہے آپ  
ہی سے بات کرتی ہے؟“

”تم نے معلوم نہیں کیا؟“ کرم چند نے چونک کر پوچھا۔  
”معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کچھ نہیں بتاتا۔ وہ  
کہتا ہے کہ آپ ہی سے بات کرتی ہے۔“

”میں اس سے بات کروں پاس؟“ آئندہ کھٹے ہوئے  
ہوئے پوچھا۔

”نہیں رہے دو؟“ کرم چند نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ ”میں بھی تو  
دیکھوں وہ کون ہے؟“

کرم چند بڑا مدے میں بکے ہوئے فون کے پاس آیا۔ ”ہیلو“  
اس نے رلیو ہوا تھا کہ پوچھا۔ ”کون ہو تم؟“  
”تم مجھے ابھی طرح جانتے ہو کرم چند۔“ دوسری طرف سے

آواز آئی۔ "تھیں یاد ہوگا کہ پچھلے سال سماں ہی کے مندر میں پولیس کی وردی میں ملبوس ایک آدمی تھیں دھوکہ دے کر تھارے کوڑا کے جال سے لٹک گیا تھا کیوں یاد آیا تھیں؟"

کرم چند نے غصے کی شدت سے اپنی مچلیاں جھینگیں لیں اسے مس کچھ یاد تھا۔ وہ اس رات کے واقعات بھلا نہیں سکتا تھا۔ اس رات پولیس کی وردی میں ملبوس اس ذلیل انسان نے اس کا ایک قسمتی آدمی ہلاک کر دیا تھا۔ اودھ کرم چند کے بے شمار آدمیوں کے دائرے سے صاف نکل گیا تھا۔

"تھیک ہے میں تھیں پہچان گیا ہوں۔ کرم چند نے جھکا کر کہا "لی؟" اودھ نے تم سے پوچھنا چاہتا ہوں؟

"اگر تم نے میری رقم واپس نہیں کی تو بہت جلد ملاقات بھی ہو جائے گی۔"

"تمھاری کوئی رقم ذلیل انسان کے کرم چند غصے سے دباڑا۔

"میں نے تمھاری گالی سن لی کرم چند۔ اور ہار کھنا کہ میں اس کا حساب لے سکتا ہوں لیکن اس وقت صرف بڑی رقم لینے کے لیے تھیں فن کیا ہے؟"

"تمھاری کوئی رقم میرے پاس نہیں ہے۔"

"وہی رقم جو تم نے سماں کے مندر میں چھپائی تھی۔ تم وہ رقم دے واپس کرتے ہو یا میں تمھارا جینا حرام کر دوں؟"

"میرے پاس کوئی رقم نہیں ہے۔ اور اگر میں نے تھیں کچھ دیا بھی تو وہ تمھاری موت ہوگی۔ کرم چند بھڑک اٹھا۔

"تھیں کی ضرورت نہیں ہے کرم چند۔ تم فیصلہ کرنے سے پہلے ایک بار منشی لال سے بات کرو اس سے پوچھو کہ داد کی رقم واپس کی جائے یا نہیں؟"

"منشی لال نے زبردستی دینا ایک مستند و معتبر آدمی تھا۔ کسی زمانے میں اس کی دست دہانہ اور دادیوں میں بھیجی ہوتی تھی۔

لیکن گذشتہ چند برسوں سے وہ غائب ہو گیا تھا۔ وہ داد کو بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ داد کس بلا کا نام ہے۔ اس کا قیام آج کل پونامی میں تھا۔ اور اسے لیس یوں ہی اس کا حال دے دیا تھا۔

"کون منشی لال؟" کرم چند نے غصے سے پوچھا۔ "میں کسی منشی لال کو نہیں جانتا۔"

"وہی منشی لال ہے تم لوگ بڑھا ہوا شکر ہے ہو۔" داد نے کہا۔ "اس سے صرف یہ معلوم کرو کہ داد کے پانچ لاکھ روپے واپس کیے جائیں یا نہیں۔ میں تھیں پھر فون کروں گا۔ میرا خیال ہے کہ اس وقت تک تم کوئی فیصلہ کر چکے ہو گے؟"

کرم چند نے بھلا کر یہ پوچھ دیا۔ اس کے پورے بدن پر آگ بھڑکی تھی۔ اس شہر میں پہلا موقع تھا کہ کوئی اس انداز سے اس سے مخاطب رہتا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس شخص کو جھپٹے کے رکھ دے جس نے اپنا نام داد پر تباہ کیا تھا۔ لیکن بہت پرہیزی کو فون کے ذریعے کوئی کاروائی نہیں کی جاسکتی۔ اس نے چاہا کہ وہ منشی لال کو فون کرے اس سے داد کے بارے میں معلوم کر لے۔ وہ خود بھی اس شخص کا جیالابن دیکھ چکا تھا لیکن ہو سکتا تھا کہ منشی لال اسے کچھ اور بتائے۔

کرم چند کے لیے سب سے بڑی الجھن یہ تھی کہ اس نے داد کی رقم نہیں لی تھی یا وہ بات تھی کہ اس کے دادی وہ رقم تلاش کرنے سے پہلے تھیں وہ رقم ان کے ہاتھ نہیں لگ سکی تھی اور اب یہ شخص اس رقم کو واپس لینے کے لیے اسے دھمکیاں دے رہا تھا اور وہ بھی اس کے اپنے شہر میں۔ جہاں ہر طرف اس کی بہت چھائی ہوئی تھی۔

کچھ سوچ کر اس نے دلیپو پھر اٹھایا۔ اس بار وہ اپنے ایک خاص آدمی کو فون کر رہا تھا۔ اس آدمی کا نام گروھاری تھا۔ وہ بھائی تھے گروھاری اور تھاری۔ یہ دونوں ہی کرم چند کے خاص آدمیوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ پچھلے سال سماں ہی کے مندر میں داد نے تھاری کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس وقت سے گروھاری داد سے انتقام لینے کے لیے جہنم بھر رہا تھا۔ اس نے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اپنے بھائی کے قاتل کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ "ہو گروھاری یہ کرم چند نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد کہا۔ "میں کرم چند بلوں رہا ہوں؟"

"ہیں یاں؟" دوسری طرف سے گروھاری مودب ہو گیا تھا۔ "کس حکم ہے؟"

"کیا تھیں اپنے بھائی کے قاتل سے کوئی دلیپو ہے؟"

"کیوں نہیں یاں؟" وہ اس وقت بھی مل جانے تو اس کے ٹکڑے کر دوں؟

"تو پھر سن لو کہ وہ آج کل پونامی میں ہے۔ کرم چند نے بتایا۔ "تم اسے تلاش کر سکتے ہو تو کر لو۔"

"میں اسی وقت پورے شہر میں اپنے آدمیوں کو بھولا دیتا ہوں۔ گروھاری نے بڑے جوش بے میں کہا۔ "وہ جرح کریں جاسکتا؟"

گروھاری سے گفتگو ختم کرنے کے بعد کرم چند کوڑے تک فون سے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔ وہ ایک ایسی تنظیم کا حکران تھا جس نے پونامی پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ یہاں کے لوگ اس کے تہذیبی طرف دیکھتے رہتے تھے۔ اور اس کی

حکمرانی کو اس شخص نے چیلنج کر دیا تھا۔ اس نے جس لمحے میں کرم چند سے بات کی تھی وہ بھوکم چند کے لیے بالکل اجنبی تھا۔

دوسری صبح داد نے عبدال کی اداکارہ صلاحیتوں سے ناگہان اٹھانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

فلم والوں کے ساتھ رہ رہ کر عبدال میں خود بھی اداکاری کی صلاحیت پیدا ہوئی تھیں۔ اس نے عبدال کو شہر کی ایک لائبریری کی طرف بھیج دیا تھا تاکہ وہ وہاں جا کر پڑھانے

اجابات کے ذریعے کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے متعلق معلومات حاصل کر سکے۔ اس کا اندازہ تھا کہ مقامی

اجابات میں کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں خبریں ضرور شائع ہوتی رہتی ہوں گی۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس شہر میں پوری طرح اپنے ہاتھ پاؤں پھیل کر رکھنے

تھے۔

لاہری کی جانے کے لیے عبدال نے اپنے جینے میں بھی تبدیلی کر لی تھی۔ وہ نہ جانے کس بازار سے اپنے لیے

ایک عمدہ برائی شیر وانی اور ایک پاجامہ لے آیا تھا۔ اس لباس کو پہن کر وہ ایک خطا خواص آدمی دکھائی دے رہا

تھا جس نے اپنی زندگی کی کتابوں کے لیے وقف کر رکھی ہو۔ داد اس کے جینے کو دیکھ کر سسکرائے لیکن نہیں رہ سکا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ان لباس میں کوئی بیرونی سر معلوم ہوتا ہوں؟" عبدال نے سیلس اٹروڈ بولے کی کوشش

کی۔

"خدا کے واسطے تم اپنی زبان بند کر رکھنا۔ داد نے کہا۔ "یہ آدمی کھنڈی اور آدمی بھی نہیں چلے گی۔"

"مجھے کیا باس؟" عبدال نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ اپنی گردن ہلا دی۔ "اپنی اپنی زبان بند کر رکھے گا۔"

عبدال اسی وقت کسی لائبریری کی تلاش میں چلا گیا تھا جب کہ داد اپنے کمرے میں رہ گیا۔ وہ خود بھی کسی لائبریری کی طرف نکل گیا تھا۔ لیکن اسے معلوم تھا کہ اس کے

فون کے کرم چند اور اس کے ساتھیوں میں مکالمی چوادی ہو گیا۔ وہ لوگ ہاتھوں کی طرح پورے شہر میں اس کی تلاش

کرتے پھرتے رہے ہوں گے۔ وہ بھی جانتا تھا کہ ان لوگوں کا شہر سے ہٹوں کی طرف بھی ہوگا۔

وہ ہاتھوں میں آکر یہ معلوم کر کے کہ حال میں آنے والے مسافر کون کون سے ہیں۔ ان کے نام کیا ہیں۔ ان کے چہرے کیا ہیں۔ لیکن داد کو کوئی الحال اس کی پرواہ نہیں

تھی۔ اس نے اسی شہر میں ایک ایسا مکان دیکھ لیا تھا۔ جہاں وہ اور عبدال بڑی آسانی سے ساتھ کچھ دنوں کے لیے چھپے رہ سکتے تھے۔

یہ مکان آسپ زرد مٹھر تھا۔ یہ سورت روڈ پر تھا۔ کرم چند کے لوگ اس طرف سے گزرتے ہوئے بھی خوف محسوس کرنا کرتے تھے۔ اس مکان کے بارے میں

یہ روایت تھی کہ کسی زمانے میں یہاں دو آدمیوں کا خون ہو گیا تھا اور ان کی روتیں ابھی تک اسی مکان میں ہی چھرائی پھری تھیں۔ لیکن داد کو اس قسم کی باتوں کی کوئی

پرواہ نہیں تھی۔ وہ اپنی جگہ تو ایک بھت تھا۔

اس نے دو پہر کا کھانا اپنے کمرے ہی میں منگو کر کھا لیا۔ عبدال سے آئے ہیں دیر بھی ہو سکتی تھی۔ اسے کرم چند

کے قریبی ساتھیوں کے ناموں اور بہنوں کی ضرورت تھی۔ وہ اپنی کاروائی کا آغاز ان ہی لوگوں سے کرنا چاہتا تھا۔ اسے یہ

بات معلوم تھی کہ اس سے ساتھی بھی آجیے لوگ نہیں رہ سکتے تھے۔ اور ایسے لوگوں کے ساتھ اگر مکتوری کی سختی ہو جائے

تو کیا نقصان تھا۔

عبدال سیر کے وقت واپس آیا تھا۔ اس کی حالت بہت اتر ہو رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے دن بھر

پھاڑا ڈھلا تار ہا ہو رہا ہے۔ اسے ی صوفے پر ڈھیر ہو گیا تھا۔

"اس کو منشی گن چلانے کو دے۔ دو روپے حوالے کر دو۔ منشی یہ غلام سالہا اپنی سے کس کار وگ نہیں ہے۔

ماکس دن چھبیس بجے ہو گیا۔ تھیں دنوں کے بعد کچھ منشی کاٹری

کیا ہے۔ سالہا اخبار تو ان الٹ کر ہی نہیں دیکھتا لیکن حرف

تھمارے لیے سالہا اخبار کا پورا ایڈل بنے کر کے پڑھنا چاہتا ہے۔

"چلو ای بھائے کچھ کچھ پڑھ لو یا تم نے لیکن کیا ہوا کچھ پڑھا؟"

"کچھ نہیں یاں۔ بہت کچھ پڑھا۔ وہ سالہا کرم چند کو بہت

شہواری ہے۔ اٹھا اخبار والا اس کو جانتا ہے۔ اس کا چوٹا چھاپا ہے۔ اس کا بہت بڑا کاروبار ہے یاں۔ نہ جانے کیا کیا ہے۔ بڑا بڑا لوگ اس کو دعوت دیتا ہے۔ اس کا ساتھی لوگ

بھی اس کے ساتھ بہت شہر ہے؟

"کیا تم نے اس کے ساتھیوں کے نام پتے لے لیے؟" داد نے پوچھا۔

"مجھے تو نہیں یاد کرے؟" عبدال نے بتایا۔ "ابن کا کھڑے

اشاک مارکیٹ کا مالک ہے۔ دینا بھارت یاد رہتا ہے۔ اس کے ایک خاص ساتھی کا نام منور لال ہے۔ وہ سالہا

کلب اور بول کا مالک ہے۔ دوسرا آندہ لال ہے۔ یہ سالا ایک سپورٹ کرتا ہے۔ اور تیسرا پرکاشی مہرہ ہے۔ یہ ایک اکاؤنٹ ہے۔  
 ”ہوں“ دار نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے پرخیاں انداز میں اپنی گردن بلا دی۔ ”ٹھیک ہے۔ ہم منوہر لال سے کام شروع کریں گے۔ ہمارا پہلا نشانہ ہی ہوگا۔“  
 منوہر لال کے ساتھ جڑی بوٹی بڑھتی۔

اس نے ایک رات پہلے کرم چندے یہاں جھکائے کھائے تھے وہ اب بھی کسم پھر نہیں ہوئے تھے۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے غلطی سے اس نے شیشے جابا بول اور دی شیشے اس کی آنتوں کو کاٹ رہے تھے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ کھائے کرم چندے اپنے ہاتھوں سے تیار کئے تھے۔ اسی لیے ان کی صرف تعریف لازمی تھی بلکہ انہیں کھانا بھی ضروری تھا۔

اس وقت رات ہو چکی تھی۔ دوسری رات نئی اور اس کا بیٹ ابھی تک صبح نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنی کلب میں موجود تھا۔ کلب کے معاملات سے بے وہ کسی پوچھی بھروسہ نہیں کرتا تھا۔ حالانکہ اس کا بچہ بھی موجود تھا۔ لیکن رات گیارہ بجے کے بعد وہ چلا جایا کرتا تھا۔ اور منوہر اس وقت تک کلب میں بیٹھا رہتا جب تک کلب میں کام کرنے والے ایک ایک کمرے اپنے گھروں کو رخصت نہیں ہو جاتے۔ سالا حساب کتاب میٹ لینے کے بعد وہ جڑی سے ہمارا بھری بائیں کرتا پھر خود بھی کلب بند کر کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو جاتا۔

جوتی اس کے کلب کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ وہ ایک وقت اس کلب کی رقا صبحی تھی اور اکاؤنٹ تھی۔ دن بھر کا سارا حساب اسی کے ذمے ہوا کرتا اور رات کے وقت وہ بانی بانی کا حساب دے کر اور اپنا حصہ لے کر خود بھی اپنے گھر کی طرف چل دیتی۔ اپنے معاوضے کے لیے اسے کلب میں نقص کرنا اور منوہر لال جیسے بے دھنک شخص کے ساتھ پیار بھری باتیں کرنی ہوتی تھیں اور جوتی کے خیال میں یہ سودا جھنگا نہیں تھا۔

اس وقت کلب میں تقریباً ستا ہوا چکا تھا۔ اکاڈ کا لاک کھٹے بھی نوڈہ واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے جوتی لیڈر روم کی طرف لپٹی ہوئی تھی اور منوہر اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا لوٹ گئے میں مصروف تھا۔ پیٹ کے درد سے

باوجود یہ کام کرنے ہوئے اُسے خوشی محسوس ہو رہی تھی اور نوٹوں کی جھلک اس کے لیے ہمیشہ سے خوشگوار ثابت ہوئی آتی تھی۔

اس نے اپنے متحرک ناکوں کے لیے نقد کے علاوہ بیڈر دینے کی سہولت بھی رکھی ہوئی تھی جن کا کھوں کے پاس نوٹ نہیں ہوتے وہ بیڈر دے دیا کرتے۔ وہ اس وقت بیڈر اور نوٹوں کو الگ ایک کمرے رکھ رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور جوتی کو کھلائی ہوئی کمرے میں داخل ہو گئی۔  
 ”یہ یہ لوگ“ اس نے کچھ تپانے کی کوشش کی تھی لیکن اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

منوہر لال نے گردن اٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا دوڑی بیٹل آدمی کمرے میں داخل ہو رہے تھے۔ ان دوران سے اندازہ سے جڑی بے نیازی ظاہر ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک بہت لانا چوڑا اور دو لمبوتر آدمی تھا جب کہ دوسرا صحت مند ہونے سے باوجود ایسے سوجھنے کی طرح معلوم ہوا تھا جو اس سے انگریز منوہر لال کے پاس آگیا ہوا۔ ان دونوں نے کمرے رنگ سے لباس پہن رکھے تھے۔ اور دونوں کے ہاتھ جیبوں میں تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر منوہر لال کے بدن میں خوف کا ایک نامعلوم سا احساس بیدار ہو گیا۔ ان میں سے مسخرے نما شخص نے اندازے ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ جب کہ دوسرا جڑی لہروای سے قدم بڑھتا ہوا اس کی جڑ سے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

جوتی جلدی سے دیوار سے ٹیک لگا کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک بار پھر منوہر لال کو بنانے کی کوشش کی تھی۔ ”یہ۔ یہ دونوں میرا مطلب ہے کہ“  
 ”ہاں۔ ہاں میں سمجھ رہا ہوں“ منوہر لال نے کہا۔  
 دینے والے انداز میں اپنا ہاتھ لایا۔ ”یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔“  
 ”تم نے ٹھیک کہا۔“ آگے بڑھنے والے نے اپنا ایک پیر کرسی پر رکھ دیا۔ ”تم جانے ہو کہ ہم لوگ کس ارادے کے ہیں۔“

اس کی گفتگو سے دوران وہ مسخرہ نظر آنے لگا۔ جوتی کے قریب جا کر مسخرے تسلی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ”تم لوگوں نے یہاں آکر غلطی کی ہے“ منوہر لال اُسے ٹھوڑا۔ ”تم شاید یہاں سے حالات نہیں جانتے۔“  
 ”اگر تم نے اپنے دونوں ہاتھ میرے نہیں رکھے تو یہاں غلطی ہوگی۔“ وہ آدمی غریبا۔

منوہر لال نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ میرے رکھ دیئے۔ ”تم نہیں جانتے کہ تم لوگ کس کی رقم پر لگاؤ ڈالنے آئے ہو۔“

”ہم سب جانتے ہیں“ اس آدمی نے منبر پر رکھے ہوئے نوٹ اور ہاتھ نیچے شروع کر دیئے۔ ”اور ہم جان کر ہی اس طرف آئے ہیں۔“  
 ”نہیں۔ تم نہیں جانتے۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ دولت کس کی ہے تو تمہارا رے ہوش ٹھکانے آجائیں گی۔ یہی وقت ہے باز جاؤ۔“

اس آدمی نے منوہر کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ جڑی مستندی لیکن بے نیازی کے ساتھ اپنا کام کیے چلا ہوا تھا۔ اس نے نوٹوں اور بانڈز کے بہت سے بیڈل اپنی جیبوں میں ٹھونس لیے۔ پھر اس نے نوٹوں کی ایک نئی گڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا جو سوسے نوٹوں پر مشتمل تھی۔ یہ گڈی منوہر لال نے ایک فائل کے نیچے رکھ دی تھی۔ لیکن اس شخص کی تیز نگاہوں نے اس گڈی کی موجودگی کو محسوس کر لیا تھا۔ اسی لیے اس نے اس گڈی کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

منوہر لال نے مضطرب ہو کر اس گڈی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اسی وقت اس آدمی نے ایک زوردار ٹھونس اس کے جڑے پر رسید کر دیا۔ منوہر لال کا سر ایک جھٹکے سے کرسی کی پشت سے ٹکرایا۔ اس کی بیتی ہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے گوشوں سے خون بہنے لگا تھا۔

”اے دو فنی منٹ کرو۔“ وہ آدمی غریبا۔ ”وہ میں اس سے براحتی جڑی کر سکتا ہوں۔“

اس نے میرے پیچھے ہوئے سارے نوٹ اور بیڈر اپنی مہوں میں ٹھونس لیے۔ اس دوران اس کا دوسرا سامنی دروازے کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ نوٹوں کو جیبوں میں بھر لینے کے بعد اس آدمی نے اپنی جیب سے سپتول نکالا اور اس اور منوہر لال کی طرف کر دیا۔ منوہر لال کی سائیں زک نہیں تھیں۔ وہ اپنے خنک ہونٹوں پر جلدی جلدی زبان بھرنے لگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر وہ آدمی مسکرایا۔ پھر اس نے سپتول کا رخ تبدیل کیا اور دیکھے بعد دیکھے تین گولیاں چلا دیں۔

پہلی گولی نے کمرے میں رکھے ہوئے ایک خوب صورت چمک بلب کے گھڑے آڑا دیئے تھے۔ دوسری گولی نے ایک خوب صورت شیلک کا کباڑہ کر دیا اور تیسری گولی نے میرے

قیمتی شیشے کو کچی کچی کر دیا۔ اس کمرے میں گولیوں کی آواز اس طرح گونجی تھی جیسے کپوں کے دھماکے ہوتے ہوں اور اعصاب تک جھٹکنے لگے تھے۔ ان آوازوں کی گونج ختم ہوئی تو سناٹا چھا گیا۔ ایک ایسا سناٹا جو مدت زدہ کرنے والا تھا۔ لیکن یہ مدت منوہر لال اور جوتی سے لپٹی تھی۔ جب کہ وہ دونوں بہت لاپرواہ دکھائی دے رہے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ یہاں کوئی تماشہ دکھانے کے لیے آئے ہوں۔ ان کے منہ شیشے کے ذریعہ کاناں کر دیا تھا۔ جوتی کھانا کے بڑے اچھے تھے۔ جوتی نے میرا ہاتھ پوچھی تھی۔ شیف نوٹ چکا تھا۔ ”تم اپنے اس جوے کرم چندے کہہ دینا کہ میں آج صرف سو دیے جا رہا ہوں۔“ گولی چلانے والے نے کہا۔ اور اسے یہ بھی بتا دینا کہ داد میرے گیارے کہ اصلی رقم ابھی باقی ہے۔ میری بات سمجھئے۔ تاکہ مجھے ہو تو اسی طرح دہراؤ جس طرح میں نے دہرایا ہے۔“

منوہر لال نے کسی طوطے کی طرح اس شخص کی بات کو دہرایا جس نے اپنا نام داد اور بتایا تھا۔  
 ”شباباش“ داد سے ہونٹوں پر مسکرت بیٹل گئی اور اب ہم تمہاری اس گڑباز کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ ٹھوڑی دیر کے بعد اس کو واپس کر دیا جائے گا۔  
 جوتی نے لکھ کر منوہر لال کی طرف دیکھا لیکن اس وقت وہ خود بے بس تھا۔ اس لیے اس نے اپنی نگاہیں جوتی کی دوسری طرف کر لی تھیں۔

”آؤ چلو“ داد جوتی سے مخاطب ہوا۔  
 جوتی اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی منوہر لال کی میری طرف بھی پھر دروازے کی طرف چل دی وہ دونوں جڑے اطہان کے ساتھ اُسے اپنے ساتھ لے کر باہر نکل گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد منوہر بہت دیر تک صبح کے عالم میں بیٹھا رہا تھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کرم چندی کے شہر میں کوئی شخص اس کے خلاف اتنی جرات کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ یہ جوتی نوٹ اپنی جائیں چھٹی برلے پھر رہے تھے۔

فون اس کی میز پر بڑھ رہا تھا۔ لیکن اس کی بہت ہی نہیں ہو رہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کہیں قریب ہی موجود ہوں۔ منوہر لال کے لیے یہی بہتر تھا کہ وہ انہیں کچھ دور چلے جانے کا موقع دے۔ وہ لوگ جوتی کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ نہ جانے اس بے چاری کے ساتھ کیا سناٹو ہونے والا تھا۔

لیکن جوتی اس کی توقع کے خلاف بہت جلدی

وایس آئی، ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہمیں سے دور تھی تو آہی آہی اس کی سانس بہت بڑی طرح پھول رہی تھی۔ "ان لوگوں نے مجھے صرگ سے موڑ کر دیکھا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے کہا، "ان سے پاس ایک گاڑی بھی تھی۔"

برلیٹ ٹیٹ "وہ گاڑی لیٹنا چوری کی ہوئی، گمنام لال نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی گردن ہلاتی۔"

جونی نکھال سی ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گئی، منور لال نے اس بار فون کا ریسیور اٹھالیا۔ وہ کرم چند سے گھر کا نمبر لہا رہا تھا۔

"ہیلو، اس نے سینڈویک آؤٹ رینج کے بعد کہا ہاں سے بات کرنی ہے میں منور لال بول رہا ہوں۔ ہاں میں جانتا ہوں کہ وہ اس وقت سو رہے ہوں گے لیکن یہ بہت ضروری ہے۔ بہت ضروری۔ انہیں ابھی اٹھا دو۔ ہاں ہاں پاس ناراض نہیں ہوں گے۔"

اسی رات دو بجے اس شہر میں ایک اور واقعہ ہوا۔ یہ واقعہ ایک بہت بڑے گودام اور اس سے ملحقہ دفاتر میں پیش آیا تھا۔ یہ گودام اور دفاتر آئن سٹائن کے فٹے جو کرم چند کے لیے پیپروں اور پورٹ کے قانونی نام سے غیر قانونی کام

کے لیے تیار گودام میں وہ مال بھرا رہتا جس کی قانونی حیثیت تھی اور گودام سے پیچھے ایک خفیہ گودام میں ناجائز چیزوں سے ڈھیر پھرتے ہوئے۔ وہ گودام اسمگلنگ کے سامان سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سب سے اہم غیر ملکی شراب کی بوتلیں تھیں۔ اس گودام میں ایسی ہزار ہا بوتلیں رکھی رہتی تھیں۔ یہ شرابیں وقفے وقفے سے بھاری قیمت کے عوض پورے شہر میں پھیلادی جاتی تھیں۔

ان گوداموں اور دفاتر کی حفاظت کے لیے آئن سٹائن نے کوئی خاص انتظامات نہیں کیے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شرک کے جرائم پیشہ افراد کو معلوم تھا کہ یہ سب کچھ آئن سٹائن کا نہیں بلکہ کرم چند کا تھا۔ اور کرم چند کے مال کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت میں ہی ہوسکتی تھی۔ اسی لیے رات کے وقت صرف ایک ہی چوکیدار سے کام چلا یا رہا تھا جس کا نام تھی تھلا۔ وہ ایک سابق فوجی تھا۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ان گوداموں میں کس قسم کا مال بھرا ہوا ہے یا کوئی ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے یا نہیں۔ اُسے بس اپنی ذمہ داری سے مطلب تھا۔ اسی لیے وہ رات بھر اپنا فرض ادا کرنے کے لیے پوری مستعدی سے ملحقہ گوداموں اور ملحقہ دفاتر کے چکر لگاتا رہتا۔ اس وقت اس

سے ہاتھ میں ایک ٹارگٹ ہوتی اور اس کی کمر سے اس کا ہری رنگا اور لگا رہتا۔ ویسے اس ریو اور کو استعمال کرنے کی کوئی فہم نہ تھی۔ اس کی ٹارگٹ بھی وہ بہت کم استعمال کرتا تھا۔ کیونکہ اس کے قدم ان راستوں سے اونچی طرح آشنا تھے۔ وہ جانتا تھا کہ کہاں پر کیا چیز رکھی ہوئی ہے۔ کس طرف ٹھوکر کھائے کا اندیشہ ہے اور کس طرف راستہ صاف ہے۔

اس وقت بھی وہ معمول کے مطابق اپنی گشت پر تھا ہر طرف سناٹا تھا۔ اسے اس سناٹے سے کبھی خوف محسوس نہیں ہوا تھا۔ سناٹے اور اندام نہر سے اس کے ساتھی بن گئے تھے۔ رات بھر کے ساتھی، وہ اس وقت بھی اندھروں اور سناٹوں سے بائیں کرتا ہوا اس عمارت کی بیڑ جیباں چڑھنے لگا جس عمارت میں دفاتر تھے ہوئے تھے۔

پھر پہلی دفعہ اسے احساس ہوا جیسے وہاں کوئی اور بھی موجود ہو۔ ان دفاتروں میں سے کسی ایک میں کوئی چڑھا۔ یہ احساس بلاوجہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے کان بہت حساس تھے اور ان حساس کانوں نے ایک آواز سن لی تھی۔ وہ آواز گرج پھرتی تھی۔ لیکن وہ فہم کھا کر کہہ سکتا کہ وہ کسی کے چلنے کی آواز تھی۔

اس کا دل ڈوبے لگا۔ کبھی ہوتی ٹارگٹ اس کے باؤ میں لرز رہی تھی۔ اس نے اپنے پہلو کو تھوٹا لپکھا۔ جان کر کہ ہو گیا کہ پہلی بار وہ اپنا ریو اور بھی اپنی کونھری میں بٹھول کر لے آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن لاپرواہی نے کبھی نہیں کی تھی لیکن آج اس سے شوک ہوئی تھی۔ وہ اب ریو اور لینے سے لیے اپنی کونھری کی طرف بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ جس جگہ نظر اٹھا وہیں پیچھے سے کبے کی طرح ٹکا رہ گیا۔

پھر اچانک کسی طاقت ور تار کی روشنی اس کے پر پڑی۔ اور وہ بھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنے آپ کو بے خیال نہیں سکا تھا۔ اس کے پیچھے تھے اور وہ سیر جیوں سے پیچھے ٹھٹھکتے ہی لگا تھا کہ تارچ والا ڈنکا اس کے پاس آیا اور اُسے پر پڑا۔ اُس نے تسلی کو کرتے ہوئے کہا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو باا۔ تسلی کو اس آدمی کی آواز سنا دی۔ اس کا بوجہ بہت ہی نرم تھا۔ ہاتھیں جوت تھیں۔ اس شخص نے اب اپنی تارچ بچھا دی تھی اس لیے اس کو اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ کی مضبوط گرفت نے اُسے یہ بتا دیا تھا کہ وہ ایک جوان

مضبوط آدمی ہے۔ اور وہ کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا ناچاہتا۔ ورنہ اب تک پچھڑ چکا ہوتا۔"

ہوئے پچھڑا کون ہوئے؟ "اس نے جواب دیا۔ اور میرا ساتھی بھی چور ہے۔ وہ اس وقت تھا کہ مال کی تجوری قندیل کے نشان پر گر رہا ہے۔

"لیکن مالک اپنی تجوری میں کچھ نہیں رکھتا۔ تسلی نے جلدی سے کہا۔

"تعمین نہیں معلوم بابا۔ اس شخص نے ایک گہری سانس لی۔ تم تو اپنے کام سے کام رکھتے ہو۔ ہم نے یہ معلوم کر لیا ہے کہ تمہارا مالک دن بھر میں حاصل ہونے والی غیر ملکی خزانوں کی ناجائز آمدنی تجوری میں ہی رکھتا ہے۔ اس تجوری کی رقم دوسرے دن نہیں اور یہ بچا دی جاتی ہے۔ یہ روز کا معمول ہے۔ لیکن تمہیں کیا معلوم کہ تمہارا مالک کون کون سے دھندے کرتا ہے۔ خیر۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم اس منزل پر آنے کے لیے کیا کرتے ہو۔"

"میں بے بسی جواب دینے سے پہلے بھلا یا بھول رہا ہوں۔ میں گشت کرتا ہوں۔ اس سرے سے کلاس سرے تک اس نے اس منزل کی ایک دیوار سے دوسری دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں اپنی کونھری میں واپس ہو جاتا ہوں۔ وہاں چلنے پر بھڑکنا ہوں۔ اس طرح رات بھر گشت کرتا رہتا ہوں۔"

"بہت خوب۔" وہ آدمی مسکرا دیا۔ چوروں کی سلطنت میں تم جیسا ایمان دار اور فرض شناس آدمی بھی موجود ہے۔ اُس نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اس لیے تمہیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ پس اب آؤ میرے ساتھ۔"

"تمہارے ساتھ؟" تسلی نے جہان ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ "تم کہاں لے جاؤ گے؟"

"میں تمہاری تسلی سے ساتھ گشت کروں گا۔ اُس چور نے جواب دیا۔ جب تک میرا دوسرا ساتھی اپنا کام ختم نہ کرے گا میں اس وقت اس کے پاس جانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ ایک انڈی کو پیر کا آدمی ہے۔ اُسے جھوٹے ہوئے دریا میں بھی خیر تم آؤ۔"

اُس آدمی نے ایک طرف قدم بڑھا دے۔ تسلی بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم مل کر چلنے لگا تھا۔ اس کی سچ میں انہیں آہ

تھا کہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ آدمی اس مزاج کا ہے۔ اس نے ایسا چور اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ جو اتنے اطمینان کے ساتھ اپنی کاروائی کرتا ہو۔

وہ دونوں قدم بہ قدم چلتے رہے۔ تسلی کو یہ سب کچھ ایک خواب کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ پھر مذاق دکھائی دے رہا تھا۔ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے؟ دیوار سے واپس آتے ہوئے اس نے پھر ایک آواز سن لی۔ آواز دنگے کے اس کمرے سے باہر آئی تھی جس میں تجوری رکھی رہتی تھی۔ تسلی اس تجوری کے بارے میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ وہ اس کمرے میں ہے۔ اس کے علاوہ اُسے اور کچھ نہیں معلوم تھا۔ اُسے جو کچھ دیکھ کر ساتھ چلنے والا چور مسکرا دیا۔ وہ لوگ جہاں چل رہے تھے وہاں روشنی اور آواز تھی۔ اور اس روشنی میں تسلی کو اس چور کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ ایک خوبصورت آدمی تھا۔ بہت ہی مضبوط جیسے لوہے کو پھلکا کر بنایا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں چنے جیسی چمک تھی۔ اس کے باوجود تسلی کو اس سے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں اس تجوری میں کتنی رقم ہوگی؟" تسلی نے چنے چوتے ہوئے پوچھا۔

"پھر زیادہ نہیں؟" اس نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔ "بہی کوئی سات آٹھ ہزار۔"

"کیا صرف سات آٹھ ہزار کے لیے تم لوگ اتنا بڑا خطرہ مول لے رہے ہو؟"

"بات رنڈی نہیں کچھ اور ہے۔" اُس نے کہا۔ پھر تسلی کی طرف دیکھا۔ چلو نہیں اپنے ساتھی کا بھی دیدار کر لو۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن خاموش رہا۔ اس شخص نے آگے بڑھ کر اس کے کادروازہ کھول دیا جس کے اندر وہ تجوری رکھی ہوئی تھی۔ اور آواز آ رہی تھیں۔ ایک آدمی اس کمرے میں بھی موجود تھا۔ وہ اس دوران تجوری کھول چکا تھا۔ اور تجوری میں رکھی ہوئی رقم سینے میں مصروف تھا۔ وہ بھی اس سے پیسے کی شخص کی طرح بے پرواہ ثابت ہوا تھا۔ اس نے ٹھکر پڑی انہیں دیکھا کہ اس کمرے کا دروازہ کھولنے والے کون تھے۔

"کیا کام ختم ہو گیا عمیل؟" تسلی کے ساتھ دالے نے تجوری کھولنے والے سے دریافت کیا۔



گارڈ دکھتا ہے۔  
 ”ہاں۔ یہ چونکہ رہا ہے، دوسرے نے بتایا۔ پھر تپسی  
 کی طرف دیکھا۔ بابا اب ہم لوگوں کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اور  
 ہمیں یہاں سے جانا ہے۔ لیکن جانے سے پہلے تم کو ایک  
 پیغام دینا ہے۔ یہ پیغام تم اپنے مالک آئندہ لال تک پہنچاؤ  
 گے۔“

”کون سا پیغام؟“ تپسی نے اپنے ہونٹوں پر زبان کو  
 پھیرا۔ ”تم لوگ جو بھی کر رہے ہو اس کا اتمام میرے سر پہنچاؤ۔“  
 ”ہمیں جب تک تم اپنے مالک کو ہمارا نام بتاؤ گے  
 تو وہ سمجھ جائے گا کہ تم ہمیں روک نہیں سکتے تھے۔ تم اپنے  
 مالک سے کہہ دینا کہ وہ اپنے مالک کرم چند سے یہ کہہ دے  
 کہ داور نے کچھ اور منافع حاصل کر لیا ہے لیکن اصل رقم  
 ابھی بھی باقی رہ گئی ہے۔“

”کون کرم چند؟“ تپسی حیران رہ گیا تھا۔ ”میں تو کسی  
 کرم چند کو نہیں جانتا۔“

”ہنسنے جانے کی بات ہی نہیں ہے؟“ داور نے کہا۔  
 ”تم صرف یہ پیغام اپنے مالک کو پہنچاؤ۔ دینا۔ چلو اب پیغام  
 دہراؤ۔“

تپسی نے مسکے اسٹیک داور کا پیغام لفظ بہ لفظ دہرایا۔  
 اس دوران بکوری کھولنے والا عبد اللہ بھی ان دونوں کے  
 پاس آ گیا تھا۔ اس کی پھولی ہوئی آنکھیں یہ بتا رہی تھیں کہ  
 اس نے بکوری میں رکھے ہوئے نوٹ جیبوں میں بھر لیے  
 ہیں۔

”ٹھیک ہے؟“ داور نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”اب تم اس  
 کمرے میں بند ہو جاؤ اور اس وقت تک باہر نہ نکلا۔ جب  
 تک کہ تم یہاں سے چلے نہ جاؤ۔ سمجھے؟“  
 تپسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ داور نے عبد اللہ کو  
 چلنے کا اشارہ کیا اور اس کی ایک گولی سنسنائی ہوئی  
 اس کے سر سے اوپر سے گزرتی۔

**داور نے بڑی مشکوں سے خود کو بچا لیا تھا۔**  
 اس نے تپسی کو دھک دے کر ایک طرف گرایا اور ساتھ ہی  
 خود بھی ایک جانب چلا۔ انگ لگادی عبد اللہ نے خود کو زمین  
 پر گرا کر چھٹا۔ اس ایک گولی کے بعد وہاں سناٹا ہو گیا تھا۔ شاید  
 گولی چلانے والا ان کے ہاتھ لگنے یا ان کی جانب سے کسی دھمکی  
 کا انتہا کر رہا تھا۔ یہ گولی باہر سے چلائی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ  
 تھا کہ جس نے بھی یہ گولی چلائی تھی وہ اس وقت گودام کے

پاس کھڑا تھا۔ اور اس نے کمرے میں روشنی دیکھ کر اور ان تیرہ  
 نہیں سے کسی ایک کو متحرک دیکھ کر گولی چلا دی تھی۔  
 کچھ دیر اس خاموشی میں گزر گئے۔ دوسری گولی نہیں  
 چلائی گئی۔

”ابن کا تو بیٹے بیٹے تیرہ ہو گیا ہے۔“ عبد اللہ نے داور  
 لگائی۔ ”سال ایک گولی چلا کر پھول ہی گیا ہے۔“  
 لیکن گولی چلانے والا میٹھا نہیں تھا۔ عبد اللہ کی بات  
 ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ دوسری گولی کھڑکی کے دانے اندر آئی  
 اور دیوار سے لگ کر اچھٹی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔ پھر داور کو  
 سمجھ میں ایک بات آئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا گودام کے پاس پہنچا  
 تھا بلکہ گودام کی چھت پر تھا۔ کیونکہ دوسری منزل سے کسی کمرے  
 میں بلندی سے نشانہ لیا جاسکتا تھا۔ اور اس کمرے کی روشنی  
 بھی اس کے لیے آسانیاں پیدا کر رہی تھی۔

داور نے اپنا ہاتھ نکل لیا تھا۔ پھر اس نے ایک کمرے  
 بدلی اور کمرے کے بلب کو الٹا دیا۔ بلب کی کڑیاں بکھر گئیں  
 اور کمرے میں اندھیرا ہو گیا۔ اندھیرا ہونے کی داور پریشانی  
 رہ گیا تھا۔ اس کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے اپنے عقب میں  
 تپسی اور عبد اللہ کی آواز میں کئی مٹتی مٹتی خوف سے ڈرا  
 رہا تھا۔ جب کہ عبد اللہ اسے اندھیرے میں ہی تسلیاں دینے جا  
 تھا۔ داور کو پتہ نہیں چلنا تھا کہ وہ اکی منزل پر کسی اور کمرے  
 تلاش میں تھا۔

کمرے سے باہر آ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس نے گوریلہ  
 دوڑ لگا دی۔ پہلا کمرہ بند داور دوسرا بھی بند تھا۔ جب کہ تپسی  
 کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ پھرتی سے اس کمرے میں  
 ہو گیا۔ اس کمرے کی ایک کھڑکی بھی گودام کی طرف کھلی  
 اس کھڑکی کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی  
 چلانے والا شخص بے وقوف معلوم ہوتا تھا۔ یا شاید اسے  
 توقع نہیں ہوئی کہ اس بڑکی اور طرف سے بھی نشانہ لیا  
 ہے۔

داور دھیرے دھیرے کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔  
 اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں صرف ایک ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ  
 چھپا رکھا تھا۔ وہ صرف ایک ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ  
 اتنے دھکے کے بعد اور صرف ایک ہی سمت سے نہیں  
 جاتیں۔ داور نے اپنا ہاتھ واپس لیا اور اٹھا۔ بابا اسے  
 گولی چلنے کا اشارہ تھا۔ صرف ایک گولی۔ اور اس بار اس  
 کی نشان دہی ہو جاتی، داور کو اس کی بوزیشن کا اندازہ  
 پھر وہ گولی بھی چلی یہ تپسی کی تھی جس کمرے

سے چلائی گئی تھی جس میں کچھ دیر پہلے داور موجود تھا۔ گودام کی  
 چھت پر ایک شعلہ سا چمکا اور داور نے شعلہ کی سمت ٹھہر دیا  
 داور گودام کی چھت سے کسی کی بیٹھ سنائی دی اور اندھیرے میں  
 لپٹا ہوا ایک سایہ چھت سے ٹھہرھٹا ہوا پتے پر گر گیا۔ کھیل ختم  
 ہو گیا تھا۔

کمرے سے باہر دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔  
 پھر عبد اللہ نے اسے پکارنا شروع کر دیا۔  
 ”باس۔ کہیں تم کو کھلاں نہیں ہوئے۔ سالاحد صراحتاً  
 اصرار کیا ہی جاتی ہیں۔ ان جیسے شریف آدمیوں کے لیے علی  
 جندی کھراب ہو گئی ہے۔“

داور کمرے سے نکل کر باہر آ گیا۔ عبد اللہ اور تپسی ایک ساتھ  
 کھڑے تھے۔ تپسی کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ وہ ٹوکنے پٹے  
 کی طرح کانپ رہا تھا۔ شاید اس کی ملازمت کے دوران ایسے  
 واقعات اس کے ساتھ کبھی پیش نہیں آئے ہوں گے۔ ویسے  
 اس کے پاس دوسری صبح لوگوں کو سنانے کے لیے ایک زوردار  
 کہانی موجود تھی۔ کسی طرح وہ عجیب و غریب چور فیکٹری میں  
 ٹپس آئے کسی طرح انہوں نے چوری کی کس طرح انہوں  
 نے کرم چند اور اس کے مالک کو دھمکیاں دیں۔ پھر کس طرح  
 ان پر گولیاں چلائی گئیں اور انہیں سے ایک چور نے کس قدر  
 ہوشیاری کے ساتھ گولی چلانے والے کا صفایا کر دیا۔ اس قسم  
 کی بہت سی باتیں اس کے ذہن میں جمع ہو چکی تھیں۔  
 ”ابن اس کو بھی کی اولاد کو بچل کر دیکھ تو لیں۔“ عبد اللہ  
 نے کہا۔ ”سالاحد جگانی سے محروم ہو گیا اب بھی ملک ایٹھ لٹیلا  
 ہے۔“

”ہاں جولو؟“ داور نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”دیکھ لیتے ہیں کہ  
 کون ہے؟“

تپسی بھی ان لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھ آ گیا تھا۔ اس کوئی  
 چلانے والے کی لاش گودام کے نیچے بھڑائیوں کے درمیان  
 پھنسی ہوئی تھی۔ وہ اوپر سے ٹھٹھک کر جھاڑیوں میں پھنس  
 گیا تھا۔ داور کی چلائی ہوئی گولی نے اس کے سینے میں ایک  
 سوراخ بنا دیا تھا جس سے ابھی تک تازہ تازہ خون نکل رہا  
 تھا۔

”کیا تم پہچانتے ہو اس کو؟“ داور نے تپسی کی طرف دیکھتے  
 ہوئے پوچھا۔ ”جاؤ قریب سے جا کر دیکھ لو؟“  
 تپسی جھکتا ہوا لاش کے پاس آیا پھر تھک کر لاش کی  
 صحت دیکھی پھر چل دی۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔  
 ”ہاں میں جانتا ہوں۔“ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر

ہوئے۔ ”لو۔“ یہ بھی ہے۔ پہلے ہی فیکٹری میں کام کرتا تھا اور  
 چوری کرتا تھا۔ جس نے ایک رات اسے پکڑ لیا تھا اور میری  
 شکایت پر مالک نے اسے نوکری سے نکال دیا تھا۔ شاید شہید  
 یہ بھی کو مارنے آیا تھا۔“

”گفتا تو ایسا ہی ہے؟“ داور نے ہرجبال انداز میں کہا۔  
 ”بہر حال تم ادھر والے کمرے میں جا کر بند ہو جاؤ اور کہنے  
 جو پیغام دیا ہے۔ وہ نہیں یاد ہے۔ نا وہ بات لفظ بہ لفظ اپنے  
 مالک سے کہی ہے۔ اگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ تو ہم دوسری رات  
 پھر آجائیں گے۔ سمجھ گئے؟“

تپسی کسی چابی بھرے کھولنے کی طرح جلدی جلدی اپنی  
 گردن ہلاتے لگا۔

انہوں نے کرم چند اور اس کے ساتھیوں کے درمیان  
 پہلی چاؤ کی تھی۔ ان دونوں کو اندازہ تھا کہ جب ان واقعات  
 کی اطلاع کرم چند کو ہوئی تو اس کا یہ حال ہو گا۔ وہ غصے میں  
 اپنی بوٹیاں نوچنے لگا۔ اس کے اپنے ہی شہر میں اس کے  
 گالوں پر ہر قطرے مارے گئے تھے۔ اس کے آدمیوں کو لوٹ لیا گیا  
 تھا۔ اور وہ بھی کھلی ہوئی دھمکی کے ساتھ۔ اس کے لیے یہ بہت  
 تو سہین کی بات تھی۔ وہ ایسی تو سہین کا عادی نہیں تھا۔ اس لیے  
 وہ اپنے آدمیوں کو پورے شہر میں پھیلادے گا۔

داور جانتا تھا کہ اس کے لیے پورے شہر میں حال بگھا  
 دیئے گئے ہوں گے۔ جگہ جگہ تلاشی لی جا رہی ہوگی۔ بہت ممکن  
 تھا کہ مقامی پولیس بھی اس کی مدد کر رہی ہو۔ ایسی صورت  
 میں داور اور عبد اللہ کے لیے ہونٹوں میں پھیرے رہنا مناسب  
 نہیں تھا۔ انہیں سب سے پہلے اپنی رہائش تبدیل کرنی تھی۔

ایک بے در دوں اس رات سورت روڈ کے اس مکان  
 میں ٹپس آئے جو آسپ زہدہ شہر تھا۔ یہاں آنے سے  
 پہلے انہوں نے ایک دکان کھلو کر بہت سی موم بتیاں وغیرہ  
 بی لے لی تھیں۔ تاکہ روشنی کا مناسب انتظام کیا جاسکے۔ پھر  
 عبد اللہ نے کھانے پینے کی بھی بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔  
 چرائی ہوئی گاڑی انہوں نے نہیں چھوڑ دی تھی۔ وہ انہیں  
 جانتے تھے کہ اس آسپ زہدہ مکان کے آس پاس کسی قسم  
 کی کوئی گاڑی دیکھی جاسکے۔ اس طرح لوگوں کو شک ہو سکتا  
 تھا۔

”ابن سالاحد پوری وینا میں دو ہی چیزوں سے ڈر رہا ہے۔  
 ”باس؟“ عبد اللہ نے اس آسپ زہدہ مکان کے پاس آ کر کہا۔  
 اس نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے ٹپسے اٹھا رکھے تھے۔  
 جب کہ داور کے پاس سفری بیگ تھے۔ وہ اپنا سارا سامان

اسی آسب زدہ مکان میں اٹھالائے تھے۔  
 ”کن وچروں سے در رہے ہو تم؟“ دادر نے عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ایک اس سالہ بھوکٹ داس کی موٹی عورت سے اور دوسرا جن بھوکٹ سے۔ سالانہ جن بھوکٹ کا لفظ اپن کے بس کا روگ نہیں ہے؟“  
 ”خاموش رہو؟ دادر نے اسے جھپک دیا۔ انسان سے زیادہ ڈرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جن بھوکٹ سے کسی زندگی ختم نہیں کرتے سمجھئے؟“  
 ”کچھ بھی ہو پاس۔ اگر کوئی جن سامنے آگیا ہے تو ترے ہی کو سنبھالنے کا ہے کیا۔ اپن سالانہ تو کسی کوئے میں جا کر چپ جائے گا؟“  
 ”اچھا اس چپ ہو جاؤ؟ دادر نے کہا؟ وہ مکان آگیا ہے؟“

یہ مکان قدیم طرز کا ایک ایسا مکان تھا جس کی تعمیر سرخ انیشیا استعمال کی گئی تھیں۔ اس کا احاطہ بھی بہت بڑا تھا۔ لیکن دیوار جگہ جگہ سے ٹوٹی تھی۔ اس عمارت کے کئی کمروں کی چھتیں بھی ٹوٹی تھیں۔ برآمدے کے ستون چٹول رہے تھے۔ اگر وہ عمارت آسب زدہ کے طور پر مشہور نہ ہوتی تو تب بھی اس کی مخدوش حالت کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر جانا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اس دیران مکان کے آس پاس بھی کوئی مکان نہیں بنا ہوا تھا اسی لیے اس کی دیرانی اور بڑھتی تھی۔

وہ دونوں اچلے لی ٹوٹی ہوئی دیوار سے ہوتے ہوئے اندر آئے۔ ہر طرف انیشن اور پتھروں کے ڈھیر بڑے ہوئے تھے جن کے درمیان سے چلتے ہوئے انہیں ٹھوکر لگ رہی تھی۔ اس وقت رات کے تین بج رہے تھے اور داروازہ دیکھنے کے لیے باجس جلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ برآمدے سے گزر کر وہ دونوں کمرے کے دروازے پر آکر کھڑے ہوئے۔ اس دروازے کی حالت بھی خستہ تھی۔ اس کا ایک پت چٹول کر ٹھک رہا تھا جب کہ دوسرا پت ابھی جگہ پر بڑی مضبوطی سے جتا ہوا تھا۔ سب سے پہلے دادر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے بعد عبدل نے بھی قدم رکھ دیا۔

کمرے میں آتے ہی گرد و غبار درہن زوہ بد ہونے ان کا استقبال کیا تھا۔ تاریکی اتنی شدید تھی کہ انہیں پھال پھال کر کچھ کے باوجود کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کمرے میں ہر بندے بھی تھے جو قدوں کی آہٹ سے کچھ پھیلنے لگے تھے۔

”اپن ہمارے پیچھے ہے پاس؟ عبدل نے سرگوشی کی گویا بھوکٹ دوت سامنے آجائے تو خود ہی ٹٹ لینا۔ سالانہ اپن کو تم تکلیف مت دینا۔“  
 دادر نے بڑی سختی کے ساتھ اپنے ہونٹ بھینچ لیے اس کے حساس کانوں نے ایک آواز سن لی تھی۔ یہ آواز اس مکان کے کسی دور افتادہ کمرے سے آئی تھی۔ یہ کسی جانور بلکہ بندے کی آواز نہیں تھی بلکہ کسی آدمی کی آواز تھی جسے کوئی ٹھک رہا ہو یا دھچکا دھچک رہا ہو۔ بہت لمبی آواز تھی۔ لیکن دادر نے محسوس کر لی تھی۔

”یاد تو بن کا ان سالانہ بہت اید و اس ہو گیا ہے۔ یا اپن نے کوئی آواز سنی ہے؟“ عبدل نے بھی بتایا۔  
 ”تم جیک کہتے ہو؟“ دادر نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے مکان میں ہمارے علاوہ بھی کوئی موجود ہے؟“

”سالانہ اس بھوکٹ کے سوا کون موجود ہو سکتا ہے۔ یہی لوگ ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ اپن تو بولتا ہے پاس کون اس بھوکٹ داس کی موٹی عورت کے ساتھ رہے گا لیکن اس بھوکٹ کے ساتھ ایک مکان میں نہیں رہ سکتا۔ سالانہ لوگوں کے موڈ کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔“

”خاموش رہو؟ دادر نے اپنے ہاتھ کے سفری پتھیلوں کو فرش پر رکھتے ہوئے کہا؟ ایک موم جی چلاؤ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس مکان میں کون ہے؟“

عبدل نے دڑتے دڑتے چھتے میں سے ایک موم جی نکالا۔ وہ موم جی روشن کر دی گئی۔ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بالکل خالی تھا۔ فرش پر دھول جی ہوئی تھی۔ اس کمرے کی ایک دیوار کے ساتھ ایک طاق بھی جی ہوئی تھی۔ ایک چمکا ڈر اس طاق میں بیٹھی ہوئی تھی جو روشنی دیکھ کر کچھ پھرتی ہوئی آکر کمرے میں چکر لگانے لگی۔ دادر نے اپنا بیسٹول ہاتھ میں لیا تھا۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئے۔ یہ کمرہ بھی خالی تھا۔ لہذا یہاں ایک دیوار کے پاس ایک ٹوٹی ہوئی کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ دونوں اس دروازے سے گزر کر ایک بڑے سے میں آئے۔

اس ہال میں کچھ فرنیچر موجود تھا۔ پرانے طرز کا جس پر دھول جی ہوئی تھی۔ اس ہال کی دیواروں پر دروغی تصویر بھی لگی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں بھی ہر بندے موجود تھے۔ آدھوں کو مداخلت کرتے ہوئے دیکھ کر غصے سے بولنے اور اڑنے لگے تھے۔ لیکن ان ہر بندوں کے علاوہ اس ہال میں

کوئی جاندار نہیں تھا۔  
 ان دونوں نے وہ پورا مکان دیکھ لیا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ سارے کمرے خالی تھے۔  
 ”اپن کو تو یہ سب بھوکٹ کا چکر معلوم پڑتا ہے پاس؟“ عبدل نے اس کمرے میں آئے کے بعد کہا جہاں سے انہوں نے اس مکان میں سفر شروع کیا تھا۔  
 ”نہیں؟“ دادر نے پُر خیال انداز میں اپنی گردن ہلائی۔  
 ”ہیر خیال ہے کہ اس مکان میں کوئی تہہ خانہ موجود ہے۔ یہ آواز دیوئیں سے آرہی ہے؟“

عبدل نے دادر کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن دادر تہہ خانہ تلاش کرنے کے لیے نکل نکلا۔ ہوا۔ یہ لوگ اس بار کو کمرے میں کود پڑے تھے۔ لیکن کسی کمرے میں کسی تہہ خانے کی موجودگی کا احساس ہی نہیں ہو سکتا۔ بالآخر ٹھک ہا کر یہ لوگ پھر پہلے دالے کمرے میں واپس آئے۔

وہ آواز پھر سنائی دی۔ اور اس بار یہ آواز پہلے سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ اور بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس بار یہ آواز کسی کمرے سے کہیں کوئی بھی کوئی ان کے بہت ہی قریب تھا۔

اس کمرے میں ایک الماری جی ہوئی تھی۔ ٹکڑی کی الماری جس کا پت بھڑا ہوا تھا۔ انہوں نے اسی تک اس الماری کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن یہ آواز اسی الماری کی طرف آئی تھی۔ دادر ایک کمرے میں سے باجس پھینکا اور اس نے الماری کے پت کھول دیے۔ الماری خالی تھی۔ لیکن اس کے اندر سیر میاں جی ہوئی تھیں۔ یہ سیر میاں یہ بنادی تھیں کہ اس مکان کے تہہ خانے کا یہی راستہ ہے۔ دادر نے عبدل کے ہاتھ سے موم جی اپنے ہاتھ میں لے لی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے سیر میاں طے کرتے ہوئے تہہ خانے میں آگئے۔ عبدل نے بیسٹول نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ موم جی کی زبردستی میں وہ تہہ خانہ بہت بڑا سا دکھائی دے رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سین زوہ کمرے۔ فرش پر کوڑا کرکٹ کا ڈھیر۔ اعصاب کو منتشر کرنے والی بو اور ایک دیوار کے ہمارے ڈھکا ہوا ایک بوڑھا آدمی۔

موم جی کی روشنی بڑے ہی وہ آدمی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے سر کے بال اور وار جی بڑے نرمی کے ساتھ بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم کا لباس خستہ ہو کر چٹول رہا تھا لیکن اس کی محنت بہت شاندار تھی۔ گزرنے والے معاہدے کے باوجود اس کے کوئی بہت مضبوط دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی

آنکھیں بھی بہت بڑی اور سرخ ہو رہی تھیں۔ ان لوگوں نے اس مکان میں گونجنے والی آواز شہادہ کی سی تھی عبدل نے اسے دیکھتے ہی اپنا بیسٹول اس کی طرف اٹھالیا تھا۔  
 ”اپن کو یہ بھوکٹ تو نہیں معلوم پڑتا ہے پاس؟“ عبدل نے کہا۔ ”بھوکٹ کو تو اس کا چوکنا آنا خراب نہیں ہوتا؟“  
 عبدل کی بات سن کر موم جی اس آدمی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ دیوار کے ہمارے لگا ہوا ان دونوں کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔  
 ”کون ہو یا تم؟“ دادر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بابا؟“ اس کی آواز تہہ خانے میں گونج گئی۔ ”تم مجھے بابا کہہ رہے ہو یا میں؟“ انہیں بابا دکھائی دیتا ہوں؟“  
 ”تو اور کیا ترے کو اپن سالانہ دیوار کے پکارے کیا؟“ عبدل نے لہجہ دیا۔ ڈراکھنے میں اپنا منہ کھڑا تو دیکھو۔

”ہو سکتا ہے؟“ اس نے اپنی گردن جھٹک کر گردی۔ پھر ایک گہری سانس کے گرد ہوا دیوار کے ہمارے پتھڑا۔ ”پتھڑا نہیں۔ مجھے کتنے دن ہوئے ہیں۔ لیکن تم لوگ انہوں کو کیا ایسا بدعاش کے سامنے ہو جاؤ اس سے بول دو کہ رخصت ہو۔“

”ابھی تک ہا نہیں مانی ہے۔“  
 ”تم کس کی بات کر رہے ہو بھائی؟“ دادر اس کے قریب آگیا۔ ”تم لوگ کسی سے سامنے نہیں ہیں؟“  
 ”تم جھوٹ بولتے ہو؟“ وہ ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی بھی بہت وحشیانہ تھی۔ ”تم لوگوں کو آئی نے بھیجا ہوگا۔ آدھیں نہیں تمہارے پہلے سامنے کا شہر دکھاؤ؟“

دادر اور عبدل ایک دوسرے کو متحیر نظر آ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے وہ آدمی پھر کھڑا ہو گیا تھا۔ ”آدھیرے ساتھ؟“ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

اتنا کہ وہ ایک طرف چل پڑا۔ عبدل اور دادر بھی اس کے پیچھے ہوئے۔ انہیں تو قی نہیں تھی کہ یہ تہہ خانہ اتنا وسیع بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک بڑا سا ہال بھی بنا ہوا تھا۔ ہال کے لمبی کمرے تھے جن میں خالی ڈوم، بڑا نا فرخہ اور درجے کی کیا کیا بچہ ہوا تھا۔ عبدل نے موم جی اپنے ہاتھ میں سے کٹی تھی وہ دونوں اس آدمی کے پیچھے چل رہے تھے۔ لیکن موم جی کی روشنی کے باوجود انہیں چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی لیکن وہ شخص اتنے اطمینان کے ساتھ چلا جا رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی ہوں۔  
 وہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ ایک چھوٹے سے کمرے میں

لے آیا۔ اس کمرے کے فرش پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔  
”یہ دیکھو“ اس نے لاش کی طرف اشارہ کیا۔ بیجان لو  
اس کو۔ یہ تمہارا ساتھی ہے۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے اس  
کی گردن توڑ دی تھی۔ سمجھے۔“

داور نے موم جتنی عبدل کے ہاتھ سے لے لی وہ لاش  
اس کے لیے جتنی تھی۔ اس آدمی نے ٹکی لیا تھا۔ اس کی  
گردن توڑ دی تھی۔ اور وہ بھی اس بے رحمی کے ساتھ کہ  
گردن کا رٹھ دوسری طرف ہولیا تھا۔ اس کے چہرے پر  
آخری لمحوں میں جو کرب نمودار ہوا تھا وہ ابھی تک لاش  
کے چہرے پر جمنا ہوا تھا۔ زبان دانتوں سے کڑکھائی تھی۔  
اور دو ٹونٹھوں سے خون بہہ رہا تھا۔ ہڈیوں پر پھینک دینی کی  
طرح نجد ہو گیا تھا۔ اس لاش سے بدبو اڑ رہی تھی۔ شاید یہی  
بدبو تھو خالے میں محسوس ہو رہی تھی۔

”دیکھ لیا تم نے؟“ اس آدمی نے پھینکاری لی جس نے بنا  
نام کو گھونٹا تھیا تھا۔ ”میں اپنے دشمنوں کے ساتھ کبھی کرتا  
ہوں۔ اس جوڑے جا کر کہہ دو کہ میں ابھی تک دیسا ہی ہوں۔  
میرے بازوؤں میں ابھی تک قوت ہے میں ایک دن اسی  
طرح اس کی گردن بھی توڑ دوں گا۔ سمجھے۔“

”تم نہیں غلط سمجھ رہے ہو؟“ داور نے اطمینان سے کہا۔  
”مجھے نہیں معلوم کون کس کی بات کر رہے ہو۔ وہ کون آدمی ہے  
جو تمہارا دشمن ہے؟“

”کیا تم لوگ کرم چند کے زرخید اور پاتو غلام نہیں ہو؟“  
اس آدمی نے حیرت سے پوچھا۔

کرم چند کا نام سن کر داور اور عبدل دونوں ہی جبران ہو  
گئے تھے۔  
”ابن سالار اچھ تو تمھک جائے گا پاس“ عبدل نے کہہ  
”ادھر تو ایسا بدلو اٹھیلے جیسے پکڑو گھر میں آگیا ہو“  
عبدل کی بات سن کر داور نے گھونٹا کھس پڑا۔  
”تم لوگ شاید اس بدعاش کے آدمی نہیں معلوم ہوئے“

اس نے اپنی ہنسی روک کر پوچھا۔  
”ہیں۔ اگر تم اس کرم چند کی بات کر رہے ہو جو اس شہر  
کالے تاج بادشاہ کہلاتا ہے تو کرم لوگ اس کے آدمی نہیں ہیں۔“

داور نے کہہ  
”ہاں میں اسی کی بات کر رہا ہوں“ داور نے گھونٹا کھانے کہا۔ اگر  
تم اس کے آدمی نہیں ہو تو پھر تم کون ہو؟“  
”اپنی الگ شہزادی ہے“ عبدل پھر بول پڑا۔ ”ہاں  
سلور جونی فلم والی۔ لیکن ماسک پہنے ایدھر سے چلو“

وہ سب پھرا کر اس کمرے میں آگئے جہاں دھونٹا کھانے داور  
اور عبدل کی ملاقات ہوئی تھی۔  
”ہاں۔ اب بتاؤ تم لوگ کون ہو؟“ دھونٹا کھانے داور سے  
پوچھا۔

”ہماری کہانی صرف اتنی ہے کہ کرم چند کے دشمن ہیں۔“  
داور نے جواب دیا۔ ”اس نے ہمارے پاس لاکھ روپے گولی کر  
دیئے ہیں۔ اور ہم اس روپے کو وصول کرنے کے لیے نکلے ہیں۔  
یہاں آئے ہیں۔ اور ہر جہت پر وہ رقم واپس لے کر جا رہے ہیں۔“  
”یہ بہت مشکل ہے“ دھونٹا کھانے نے اپنی گردن ہلائی۔ ”وہ  
بہت کینڈا انسان ہے۔ وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا۔ اس کا  
لوگوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔“

”یہ ہم بھی جانتے ہیں۔ لیکن ہم نے بہت سوچ کچھ کر کے  
چینچ دیا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”لیکن تم اپنے بارے میں بتاؤ تم  
کون ہو۔ اس تہ خالے میں کہاں سے آگئے؟“  
”مجھے قاتل کوگ“ دھونٹا کھانے نے پورے کمرے میں گھومنے  
بولے۔ ”میں تم لوگوں کو اپنے بارے میں بتا دیتا ہوں۔“

داور اور عبدل اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ عبدل  
نے اب پسٹول اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔

”میں نے بھی اپنے ہاتھ پاؤں بہت پھیلا رکھے تھے۔“  
دھونٹا کھانے ایک گھری سانس کے ساتھ بولا۔ ”بات اب سے  
کئی برس پہلے کی ہے۔ اس وقت کرم چند کچھ بھی نہیں تھا بلکہ  
وہ میری آدمی تھا۔ میرے ہی تحت کام کیا کرتا۔ لیکن اس کے  
پاس مکاری نما ذہانت تھی۔ اس نے اسی مکاری کے بل پر  
مجھ پر قابو پایا۔ مجھے بے حیثیت کر دیا۔ اور اس نے مجھے غائب  
کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے مجھے کہاں رکھا ہوگا۔ کبھی  
یہاں بھی وہاں۔ اور آج کل میں یہاں ہوں۔“

”یہ تو بہت ہی مختصر بات بتائی تم نے؟“ داور نے کہا۔  
”یہ کہنا ہے کہ تم کسی کسی زمانے میں کرم چند کی طرح تھے۔“  
”ہاں میں بھی ویسا ہی تھا۔ لیکن اس نے زیادہ قاتلوں  
اور باخوصلہ۔ وہ تو کراہ اور بڑا آدمی ہے۔ ایسے آدمی سنانے  
اگر واد نہیں کیا کرتے۔ چھپ کر دار کرتے ہیں کرم چند نے بھی  
میری ایشیت میں چھپ کر فوج امارا ہے میں نے اس بد اعتماد  
کو لیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک رات جب کرم میں اپنے کمرے  
میں سو رہا تھا۔ اس نے میرے ہی محافظوں کے ذریعے مجھے  
غوا کر لیا۔ آدمی کو بدلتے دہر نہیں تھی۔ اور جب مجھے جیٹ  
کا معاملہ تو ساری خلائی فدری دھڑکی دھڑکی رہ جاتی ہیں۔  
جب کرم چند بدل سکتا ہے تو میرے محافظوں کو نہیں بک

سکتے تھے۔“  
”چلو۔ تو مان لیا۔ لیکن اس نے تمہیں اب تک زندہ  
کیوں رکھا ہے؟“ داور نے پوچھا۔ ”تم کو کہا ہے غوا کرنے کے  
پیشے میں بھی لگنا سنا تھا۔“

”ہاں۔ وہ بھی کر سکتا تھا۔ لیکن بنیادی طور پر وہ ایک  
بڑا آدمی اور لڑائی آدمی ہے۔ اس نے میرے سارے کاروبار پر  
غیر توکر لیا تھا۔ لیکن میری چھپائی ہوئی رقم نہیں مل سکی  
نمی۔ تقریباً ایک کروڑ روپے میں نے کہیں رکھوا دیئے ہیں۔  
ان کی ہوا بھی کرم چند کو نہیں لگ سکتی ہے۔“

”ارے باپ رے“ عبدل بڑبڑایا۔ ”ایک کروڑ ماسک  
سے لوٹ کر گئے تھے۔ سمجھو۔ ہوا جائے۔ اب سالانہ تنگ اتنے  
وٹ نہیں دیکھ لیا تھا۔ کسی طرح دکھانے کا بندوبست کر دو  
تو اب سالانہ چند گانی احسان ماننا رہے گا۔“  
”جو اس مدت کروڑ“ داور نے گھری دی۔ ”تم ہر جگہ فالتو  
باتیں کرنے لگتے ہو۔“

عبدل منہ جلاتا ہوا دیوار کی طرف دیکھنے لگا۔  
”تو اسی ایک کروڑ روپوں کے لیے اس نے مجھے آج تک  
زندہ رکھا ہے؟“ دھونٹا کھانے نے پھر کہنا شروع کیا۔ ”تم اندازہ نہیں  
کر سکتے کہ میں نے کیسے کیسے تشدد برداشت کیے۔ تم میرے جسم  
پر تشدد کے نشانات دیکھ سکتے ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ  
جس دن میں نے اسے ان روپوں کا نشان دیا وہی میری  
زندگی کا آخری دن ہوگا۔“

”کیا اس تہ خالے میں تم بہت دنوں سے قید ہو؟“  
داور نے پوچھا۔

”مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون سی جگہ ہے۔ دھونٹا کھانے نے جواب  
دیا۔ ”کرم چند اس معاملے میں بہت ذہین اور ہوشیار آدمی  
ہے۔ وہ مجھے زیادہ دنوں تک ایک جگہ نہیں رکھنا۔ اور نہ ہی  
وہ اپنے کسی محافظ کو زیادہ دنوں تک میری غوا کی کے لیے قید  
کرنا ہے۔ اسے کسی دیر پھر ویرہ نہیں ہے۔ اسی لیے وہ آئے دن  
جگہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔ یہاں مجھے بھی پہنچا لیا تھا۔ اور وہ  
محافظ میرے ساتھ تھا جس کی تم نے لاش دیکھی ہے۔ اس  
نے مجھے بڑا بھلا کہا تھا۔ بس نہ جانے کیوں مجھ سے برداشت  
نہیں ہوا۔ اور میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔“  
”تم اسے مارنے کے بعد یہاں سے نکل سکتے تھے۔ پھر تم  
نے ایسا کیا۔ کیوں نہیں کیا؟“  
”کیسے نکلتا؟“ دھونٹا کھانے نے سراسیمہ نہ پایا۔ ”مجھے یہ بتایا  
گیسا ہے کہ اگر تم قریب آؤ۔ اسے پہچان دو جو وہ ہیں۔“

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ داور مسکرایا۔ ”ایسا صرف  
جبیں دھوکہ دینے کے لیے کہا گیا ہے۔ ورنہ اس ویران مکان  
میں ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ دھونٹا کھانے نے پھر پوچھا۔ ”میں تو یہ  
رہا تھا کہ یہاں بہت سے آدمی ہوں گے۔ اسی نے ان کو مارنے  
کے بعد میں نے صرف اس کی لاش چھپا دی تھی۔ خود باہر نہیں  
نکلا۔ اور اب تم یہ کہہ رہے ہو۔ ویسے یہ جگہ کوئی ہے کیا نہیں  
معلوم ہے؟“

”ہاں۔ یہ آسپب زدہ مکان کہلاتا ہے۔ سورت روڈ والا۔“  
داور نے بتایا۔

”اوہ۔“ دھونٹا کھانے ایک گھری سانس لے کر بیٹھ گیا۔ ”وہ  
موزی شخص یہاں بھی رہتا رہی کر گیا۔ لیکن اب۔ اب میں اس  
کی ایشیت سے ایشیت بجا دوں گا۔ اس عظیم میں ابھی میرے  
وقار اور جود ہوں گے۔ میں ان کی مدد سے کرم چند کو ہر قسم  
رسید کر دوں گا۔ تم لوگوں کا بہت شکر یہ کہ تم لوگ یہاں  
آئے اور مجھے آزادی کی خبر سنائی۔“

داور یہاں آکر کچھ کیا تھا۔ اس کی کچھ میں نہیں آ رہا  
تھا کہ وہ اس دھونٹا کھانے کے ساتھ گیا کرے۔ دھونٹا کھانے کے اس  
مکان میں پائے جانے کا مطلب یہ تھا کہ یہ مکان کچھ کرم چند  
اور اس کے ساتھیوں کی نگاہ میں تھا۔ اور وہ لوگ دھونٹا کھانے  
کو دیکھنے کے لیے کسی وقت بھی آسکتے تھے۔ دھونٹا کھانے ان کے  
لیے بہت اہم آدمی تھا۔ اس کے پاس ایک کروڑ روپے تھے  
اور ان روپوں کے لیے کرم چند دوسری دنیا میں بھی اس  
کا بیچنا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

”ابن کو یہاں سے فوراً ہٹا دینا ہوگا پاس“ عبدل  
ایک جمائی لیتا ہوا بولا۔ ”سالار ایدھر بھوت تو نہیں آگیا۔ پھر تو  
کرم چند کا مارا لوگ آجائے گا۔“  
”پہلے میں بھی یہی سمجھا رہا تھا۔“ داور نے کہا۔ ”لیکن  
اب میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے  
ایک ہی رات میں اس کرم چند کو ہلا دیا ہے۔ اس کے آدمی  
یا کل کتوں کی طرح شہر میں نہیں ڈونڈھ رہے ہیں۔ اسی لیے  
کسی کا دھیان اس مکان کی طرف نہیں آسکتا۔“  
”کیا کیا ہے تم لوگوں نے کرم چند کے ساتھ؟“ دھونٹا کھانے  
نے اشتیاقی بھرے لہجے میں پوچھا۔  
داور نے مختصر تفصیلات میں اسے اب تک کی کہانی  
سنائی۔  
”یہ بات ہوئی نا؟“ دھونٹا کھانے نے جوش میں اپنی مٹھان

لہری شروع کروں؟ اس حرام مزادے کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا تم لوگ وفا کی بہت جیلے ہو اس پونا میں اس کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ لیکن تم دونوں نے اس کے جیسے چھڑا دیئے ہیں۔ میں تم دونوں سے استا خوش ہوں کہ اس ایک گرمی میں سے تمہیں بھی دینے کو تیار ہو۔  
 ”تمہارا شکر ہے دوست، داور نے بڑا سنا بنایا۔ شکر اپنا شکر خود ہی تلاش کر لے گا۔ میں تمہاری رقم نہیں چاہیے۔“  
 ”تو بیچ تم دونوں ہماری تنظیم میں شامل ہو جاؤ۔ تمہارا فائدہ ہے۔“

”واہ بیٹی! وہ“ عبدل ہنس پڑا۔ ”تم سارا بھی کی شے جلتی ہے تم نہیں معلوم ہوتا۔ اسی تو تم خود بھی ادھر چھنیلا ہے اور اہل لوگوں کو تنظیم میں شامل کر رہا ہے۔“  
 ”خاموش رہو عبدل! داور نے اس کی طرف دیکھا۔ بصر دھوننا تھا۔ سے مخاطب ہوا۔ ”مجھے انداز ہے کہ تم نے یہ بات سن بنیاد پر کی ہے۔ تم یقیناً اپنی تنظیم میں اپنی حیثیت دوبارہ حاصل کر لو گے۔ سو سنا ہے کہ تمہارا بے وفادار تھا۔ اس ساتھ دے جاؤ۔ لیکن میں تمہیں ابھی اس مکان سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

”وہ کیوں؟“ دھوننا تھا۔ ”چونکہ تمہیں پوچھا۔ تم مجھے کیوں روکو گے؟“

”تمہارے ہی فائدے کے لیے۔“ داور نے جواب دیا۔ ”اس وقت گرم چندر مئی کی کچھ کی طرح پھر ہوا ہے۔ میں نے اس بار کا ہریں لگائی ہیں۔ سو سنا ہے کہ تم خوش میں اگر کسی ایسے آدمی کو اپنے ساتھ ملاؤ جو تم سے تمہاری دولت حاصل کرنے کے لیے تمہارے ساتھ ہو جائے۔ اس دنیا میں دولت رکھنے تک بدل دیا کرتی ہے۔ اسی لیے تمہیں جو کچھ کرنا ہوگا۔ بہت سوچ سوچ کر کرنا ہوگا۔ گرم چندر کا تختہ اٹھانے کیلئے نہیں بہت سوچ سوچ کر سمجھ کر سمجھ کر کرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ گرم چندر سے اس وقت یہی جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ اور میں اس جنگ میں کسی اور کو شامل نہیں کرنا چاہتا۔ یہ جنگ میں نے شروع کی ہے اور میں ہی اسے ختم کروں گا۔“

داور کی بات سن کر دھوننا تھا۔ سوچ سوچ میں بڑا گیا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر کمرے میں بیٹھ گیا۔ اس کی حالت ایسے شرم کی ہوئی تھی جس کے لیے تجربے کا داروانہ تو معمول دیا گیا ہو لیکن اس کے ساتھ ہی ہر دل میں زنجیر کی بھی ڈال دی گئی ہوں۔  
 ”ٹھیک ہے میں نے تمہاری بات مان لی۔“ بالآخر اس نے اپنا فیصلہ سنایا۔ ”تم لوگوں پر مجھے اعتماد ہو گیا ہے۔ تم جس

وقت کہو گے میں اسی وقت اپنی کاروائی شروع کر دوں گا۔“  
 دھوننا تھا۔ رات گزرنے کے لیے دوبارہ منہ خلع میں چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور اور عبدل نے کوئی ہوئی رقم کی کتنی شروع کر دی۔ دونوں چلوں سے انہوں نے سولہ سو روپے حاصل کر لیے تھے۔ ایک رات کی جدوجہد میں اتنی رقم کم نہیں تھی۔

لوگوں کی غشی کے بعد داور نے ان لوگوں کو سفری قبیلے میں غشوں لیلہ وہ اپنی کاروائی سے بہت غشی معلوم ہونا تھا۔ ”ہیک ٹوبہ وقف ہے باس“ عبدل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سالا! روتا ہے کہ کوٹ ماریں کچھ نہیں رکھا۔ یہ کوئی این کے دل سے پوچھ کر اس میں اس کی رکھا ہے۔ سالا! این ایک سال تک بھی اس بھوکے داس کے دفتر میں رہتا تو اتنی رقم نہیں لے سکتا تھا۔“

”تمہاری آج رات کی جہنم نہیں ہوئی عبدل! میں آج رات ایک جگہ اور کاروائی کرتی رہی۔“  
 ”این کو خواب میں آ رہا ہے باس۔ این ایک ہی رات میں تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ کچھ کسے بھی رہنے دو۔ تمہارے وقف ہو میں یہ سب کچھ رقم حاصل کرنے کے نہیں کر رہا۔ بلکہ اس کا مقصد گرم چندر کو دہشت زدہ کرنا ہے۔“

”کچھ لیا اس کچھ لیا“ عبدل نے اپنی گردن ہلائی۔ ”این سالا تمہاری بات نہیں سمجھ گاؤس کی کچھ کا بڑا تو باس اس سارے دھوننا تھا۔ کایا ہے گا۔ اس کا کیا کرنا ہے؟“  
 ”کرنا کیا ہے۔ اس سے نئی کام لے جاسکتے ہیں۔ وہ ایک با اثر آدمی ہے۔ وہ گرم چندر کی دیوار میں خیر ڈال سکتا ہے۔ لیکن ہم لوگ اسے ابھی نہیں بلکہ مناسب وقت پر استدعا کریں گے۔ ابھی تو ہم لوگوں کے پاس جو صلہ موجود ہے ہم اس کی مدد کے لیے بھی گرم چندر کو پریشان کر سکتے ہیں۔“  
 ”سالا! ایک تو تمہارا ایک این سے مستحکم میں نہیں آتا۔ عبدل نے کہا۔ ”اب میرا صا دھیا ہو لو کہ کرنا کیا ہے؟“

”گرم چندر کا ایک خاص آدمی باقی رہ گیا ہے۔ یہی پراش فہرہ جو اس کا اکاؤنٹنٹ بھی ہے۔ لیکن اس نے فہرہ سے دور ایک جوانا بھی محمول رکھا ہے۔ اس کے جراتانے میں رات بارہ بجے سے رونق شروع ہوئی ہے اور جب تک جاری رہتی ہے۔ ہمارا تیسرا چھاپا ہی جو اٹھانے پر ہو گا۔ وہاں تک جانے کے لیے ہم کوئی گاڑی چوری کر لیں گے۔“

”ابن نے کچھ چند گانی سوائے چوری کے اور کام ہی کون سا کیا ہے۔ عبدل نے بڑا سنا سنایا۔ ”کبھی تو اپنی کوہ بناد وگاڑی چربی ہے جب۔ ہونو گے چوری کی بات بولو گے جیسے ان سالانہ بیدی اسی کام کے لیے ہوا ہو۔“  
 ”چچا خاموش رہو۔ داور نے اس کے شلے پر ایک ہاتھ رسید کر دیا۔ ”تم ہر وقت بے غشی باتیں بولتے رہتے ہو۔ چلو اب موم غشی نکھاؤ اور یہاں سے چل دو۔ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ صبح ہونے والی ہے۔ یا صبح ہونے سے پہلے تیسرا کام بھی ختم کر لینا چاہتا ہوں۔“

عبدل نے چورنگ مار کر موم غشی نکھا دی۔ اس کمرے میں اندھڑا چھا گیا۔ وہ لوگ ایک اندھیرے میں اس مکان سے باہر آ گئے۔ انہوں نے اپنے سفری بیگ اسی کمرے میں چھوڑ دیئے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں دھوننا تھا کی طرف سے بھی اطمینان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وہاں جانے کی کوشش نہیں کرے گا۔

اس وقت چائے کہہ تھے پونا کی ہوا میں غشی رہی ہوئی تھی۔ عبدل نے اپنے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ٹھونس رکھے تھے۔ جب کہ داور نے سر ٹیک سلگائی تھی۔ وہ کبھی کبھی سی سرٹیک یا مرن تھا۔ اس مکان سے نکل کر وہ ایک طرف چل دیئے تھے۔ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ بد نصیب گاڑی اس وقت کہاں پر کھڑی ہوئی تھی۔ انہیں چوری کرنی تھی۔ اس روڈ پر اس وقت کو کا عالم تھا۔ البتہ کبھی کبھی کوئی کتا بھونکنا اور عزتاً ہوا ان کے سامنے سے گزرتا تھا۔

انہوں نے سب سے پہلے اس روڈ پر بے ہوشے مکانوں کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس علاقے میں کچھ بڑے بڑے مکانات تھے۔ اور ہر مکان احاطہ میں رکھنا تھا۔ لیکن احاطے کے اندر چھاننے سے یہ پتہ چل گیا تھا کہ کسی مکان میں بھی کوئی گاڑی موجود نہیں تھی۔ ایک مکان کے احاطے میں ایک برائی نیک دکھائی بھی دی تو اس مکان کے ہر وئی لیٹ پر بہت مونا سناںالہ بڑا اٹھا۔ داور نے اس تالے کو کھولنے کے ارادے سے ہاتھ لگا کر دیکھا۔ کچھ سوچ کر اس مکان سے آگے بڑھ گیا۔

پھر اس روڈ پر سامنے سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دے گی۔ اس کی پریڈر انٹس نے اس سڑک پر اٹھا کر دیا تھا۔ وہ دونوں ٹھٹھک کر پھرتے ہوئے تھے۔ اس گاڑی کی رفتار خامی تیز تھی۔ وہ ان کے قریب سے گزرتی تھی۔ پھر کچھ آگے جا کر اس کے پیچھے چر چرے اور وہ رک گئی۔ داور نے اپنے دانت

مضبوطی سے بیچ لیے۔ اس نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے پستول برائی گرفت مضبوط کر لی تھی۔ گاڑی روکنے والوں نے ان دونوں کو دیکھ کر یہی گاڑی روکی ہوئی۔  
 پھر وہ گاڑی ریلوے میں چلی ہوئی ان کے قریب آئی۔ اور اس وقت داور نے پتہ کیا۔ یہ وہ پولیس والوں کی ہی گاڑی تھی جس کے اندر دو پولیس والے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک گاڑی چلا رہا تھا۔ جب کہ دوسرا اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا تھا۔

”اے کون ہو تم لوگ؟“ گاڑی چلانے والے نے غشی سے سر نکاتے ہوئے پوچھا۔ ”کہاں سے آ رہے ہو اس وقت؟“ داور نے ایک نظر پھر اس پولیس والے کی طرف دیکھا جس نے یہ سوالات کیئے تھے۔ وہ کوئی سب انسپکٹر معلوم ہونا تھا۔ جب کہ اس کے برابر والا اپنے عہدے کے لحاظ سے حاملدار تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر داور کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے جلدی سے برائیان حال بیٹھے جسے جواب دیا۔ ”بھورم لوگ بھٹانے کی طرف جا رہے ہیں۔ بڑا اہل ہے۔“

عبدل نے حیرت سے داور کی طرف دیکھا۔ پھر بے ہوشے بیچ لیے۔ وہ کچھ کھا کر داور کے کوئی ڈرامہ شروع کر دیا۔ ”کون سی پستال پڑی ہے تم لوگوں پر؟“ داور نے دوسرے پولیس والے سے پتہ چلنے پوچھا۔ ”کہاں رہتے ہو تم لوگ؟“  
 ”ہم لوگ نزدیک ہی رہتے ہیں جناب۔“ داور نے جواب دیا۔ ”وہ آدمی ہمارے گھر میں ٹھہرے ہیں۔ ہم پڑی مشکلوں سے جان بچا کر باہر نکلے ہیں۔“

ان دونوں نے غشی خیر نکا ہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر گاڑی چلانے والا داور سے مخاطب ہوا۔ ”کون دو آدمی۔ کہاں سے آئے ہیں وہ لوگ۔ کیا چاہتے ہیں؟“

”ہم کو کچھ معلوم سرکار۔ ہم پولیس گھر سے بھاگے۔ اور ہمارے گھر کی زنانیاں باہر آئی ہوئی ہیں۔ اسی لیے کوئی زیادہ کھٹکا تو نہیں ہے۔ پھر بھی ڈر لگ رہا ہے۔“

”لیکن یہ وہی دونوں نہوں۔“ برائی نشست پر بیٹھے ہوئے حوالدار نے کہا۔ ”ہم ہو سکتا ہے۔ سب انسپکٹر نے اپنی گردن ہلا دی۔ پھر داور کی طرف دیکھا۔ ”چلو بیٹھو تم لوگ۔ اپنا کمر بناؤ۔“  
 داور اور عبدل جلدی سے کچھ نشست پر بیٹھ گئے۔ داور سے ہر حرکت میں پولیس یوں ہی سرزد ہوئی تھی۔ وہ اس قسم

کے کہنے تلخ سے کا عادی نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کی یہ حرکت اس کے کام آئی تھی۔ پولیس والوں نے کسی دواؤں کا حوالہ دیا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ کرم چند نے ان کی تلاش میں پولیس والوں کو بھی مفرور کیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی تھی کہ کرم چند کا عمل دخل پولیس کے محکمے میں بھی تھا۔ پولیس انپکڑنے گاڑی آئے بڑھا دی تھی۔ وہ دونوں ہی بہت بڑبڑا کر دے رہے تھے۔

”ہاں۔ اب بتاؤ کہاں ہے ہتھالا دکان؟“ حوالہ دار نے اپنی گردن ہٹھکاتے ہوئے پوچھا۔  
 ”اس کی روڈ پر چلے جیں سکاڑہ دار نے جواب دیا۔  
 ”آگے چل کر ایک گلی آئے گی۔ اور اس کے بعد ہی“  
 اتنا کہہ کر اس نے اپنی جیب سے پستول نکال کر گاڑی چلانے والے کی کچھ بڑبڑا کر دیا۔ یہ حرکت عبدال نے بھی داور سے ساتھ کی تھی۔

”بس۔ اب خاموشی سے چلائے رہو“ داور غائب ورنہ مجھے سرس سودا بخاناں بنائے ہوئے خدا بھی در نہیں لگتی۔“  
 ”یہ کیا ہے؟“ سب انپکڑ پڑی طرح بڑبڑا کر ”کیا کر رہے ہو تم میں پولیس آفیسر بول اس کے گڑبڑانے کی وجہ سے گاڑی ایکنے لگی تھی۔“  
 ”گاڑی کو کھٹا لو؟ داور نے ہوشیار کیا۔ اور سیدھے سیدھے چلتے رہو کچھ۔“

”بہت دیری کے بعد مارا مارا کا ٹانم آبلے اسٹاپ“ عبدال نے کہا۔ ”اپن کو بولو تو مختصر سا ہاتھ پیروں میں کوئی آثار دے۔“  
 ”نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ داور مسکرا دیا۔ ”یہ دونوں شریف معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں تو تم لوگ کس کو تلاش کرنے لگے ہو؟“

”کسی کو نہیں“ سب انپکڑنے جواب دیا۔ اس نے اب خود پر قابو پایا تھا۔ اس لیے اس کا بوجھ بھی نہیں تھا۔ اور اس کے ہاتھ بھی بڑبڑا کر رہے تھے۔  
 ”جھوٹ مت بولو“ داور نے پستول کی نال اس کی پٹٹی میں گڑو دی۔ ”تم دونوں کو کرم چند نے دواؤں کی تلاش پر بھیجا ہے نا؟“  
 سب انپکڑ کر گئی سانس لے کر رہ گیا جب کہ حوالہ دار اپنی نشست پر بٹھو بدلے لگا۔  
 ”بناؤ؟“ داور نے پھر پوچھا۔ ”نہیں ای نے بھیجا ہے نا؟“  
 ”ہاں۔ سب انپکڑنے جواب دیا۔ ہمیں ای نے بھیجا ہے۔“

اور شاید تم دونوں وہی ہو“  
 ”سوال نے دی ہوں“ عبدال چمک اٹھا۔ ”اپن جیسے انپکڑ اٹھا۔ سب بندوستان میں کوئی اور نہیں ملے گا۔ تم سارا کیا بولے ہو؟“  
 ”جارج نے کڑی ڈونڈھوئے تو نا کام رہو گے۔ اپن سالا کی لیے بیٹی کا پیرو ہوتے رہتے رہ گیا لیکن وہ کیلے کہ چند کا رہنے آدنی سب کچھ کر سکتا ہے۔ اپن کی ابھی چند کافی بڑبڑا ہے۔“  
 ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ کرم چند ہماری تلاش کے لیے تم جیسے بے وقوف لوگوں کا انتخاب کریگا۔“ داور نے کہا۔ ”تم نے پولیس والے سے ہمیں احساس بھی نہیں ہوا کہ میں نہیں دھوکہ دینے کی کوشش کر رہا ہوں خیر مجھے یہ بتاؤ کہ مقامی پولیس میں تمہاری طرح اس سے اور کتنے آدمی ہیں؟“  
 ”نقد یہاں آئے“ سب انپکڑنے جواب دیا۔ لیکن تم اس خیال میں مت رہنا کہ تم ہماری طرح سب پر قابو پاؤ گے، ہمیں دھوکہ ہوا جس کی سزا ہمیں پھانسی ہوگی۔“  
 ”جے دنگر ہو نہیں کوئی خاص سزا نہیں دی جائے گی البتہ تم سے صرف یہ کام لیا جائے گا کہ کرم چند کو ہمارا ایک پیغام پہنچا دینا۔“

”کون سا پیغام؟“ سب انپکڑنے جلدی سے پوچھا۔  
 ”صرف یہ کہ جب تک ہماری رقم واپس نہیں ملے گی ہم اس طرح اس کی زندگی حرام کرتے رہیں گے کچھ گئے۔ نہیں یہ پیغام حرف بہ حرف کرم چند تک پہنچنا ہے۔“

”ٹھیک ہے پہنچا دوں گا؟“ اس بار حوالہ دار بول پڑا تھا۔  
 ”بس اب گاڑی روک دو“ داور نے ہدایت کی۔  
 سب انپکڑنے جلدی سے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔ تیز رفتار گاڑی ایک شور سے ساتھ رکتی گاڑی کے رستے ہی داور نے پستول کا رستہ سب انپکڑ کے سر پر سید کر دیا۔ اس کے حلق سے ناقابل فہم آوازیں نکلیں اور اس کی گردن ڈھلک گئی یہی شش حوالہ دار کا ہوا تھا۔  
 ”چلو ان دونوں کو کچھ کریک کنارے پر ڈال دو“ داور نے عبدال سے کہا۔

عبدال مذہبی مزاج نہیں بڑبڑاتا ہوا گاڑی سے اترا اور ان دونوں کو کنارے پر بڑبڑا کر گھسیا اور گاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے داور کی طرف دیکھا۔  
 ”اپن کو خدا بھی سوا د نہیں آیا باس۔ اپن کچھ انفا کہ سالا جو در مارا مارا ہی ہو گیا لیکن ابھر تو ویسے ہی دونوں ہو گئے۔“  
 ”جے دوقنی کی باتیں مت کرو ان کے ساتھ بس یہی کرنا

تھا جان سے نہیں مارنا انفا۔ چلو اب آگے پیچھا جاؤ۔“  
 عبدال ڈرائیور کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا جب کہ داور نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی رات ختم ہونے میں اب زیادہ دیر نہیں رہ گئی تھی لیکن سڑکیں ابھی تک سنان بڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں پولیس والوں کو بھی انہوں نے ایک ویران مقام پر ڈالا تھا۔

”باس نہیں معلوم کہ سالا پر کاش مہرہ کا جو خاٹہ کدھر ہے؟“ عبدال نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔  
 ”معلوم تو نہیں ہے لیکن اسے خاٹہ ور جانتا ہوں کہ یہ سڑک سیدھی آگے کے جو خانے کی طرف جاتی ہے؟“ داور نے جواب دیا۔

عبدال نے اپنا سر نشست سے ٹکا کر انھیں بند کر لیں۔ داور جڑی تیز رفتاری کے ساتھ گاڑی چلاتا رہا تھا وہ اس جو خانے کو لوٹتا نہیں جاتا تھا۔ اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔ اور یہ منصوبہ اسی وقت مکمل ہو سکتا تھا جب اس جو خانے کی عمارت ویسی ہی ہوتی تھی۔ داور نے صبح دیکھی تھی۔ اور اس جو خانے کی عمارت ویسی ہی تھی۔

وہ ایک دو منزلہ عمارت تھی جس کے پچھلے حصے میں لائیں کھڑی گئے کی جگہ، ایک ہوٹل اور ملازمین کے کمرے بنائے گئے تھے جبکہ دوسری منزل پر جو خانہ قائم تھا۔ جو خانے کے باہر بہت سی گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں جو اب بات کی دلیل تھیں کہ پرکاش مہرہ کا کاروبار بہت زور و شور سے چل رہا ہے۔

داور نے گاڑی کچھ فاصلے پر روکی تھی۔ اس جگہ اور کوئی عمارت نہیں تھی۔ ای لے اسے اندازہ لگانے میں دخلوری نہیں ہوتی تھی کہ عمارت جو خانے کی ہے۔ پولیس کی اس گاڑی کو جو خانے کے قریب لے جانے میں خطرہ تھا۔ اس نے گاڑی کے پس میں اتار کر روکی تھی اور اب وہ دونوں ہاتھ ایڑنگ پر رکھے ہوئے جو خانے کی طرف دیکھ رہا تھا اس وقت اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جو خاص خاص موقعوں پر ہوا کرتی تھی۔

”عبدال“ کچھ دیر بعد اس نے عبدال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کچھ لگتا ہے ایک گاڑی جا رہی ہے۔“  
 ”کیا کہتا ہے؟“ عبدال اس کا ہالہ سن کر کھٹک پڑا۔  
 ”لگتا ہے پاس یہ سالا پولیس والا گاڑی ہے نا؟“  
 ”نہیں نہیں ہمیں واپس کے لئے دوسری گاڑی کا

بند و بست کرنا ہے۔“ وہ سامنے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
 یہ گاڑی کچھ دیر بعد تباہ ہونے والی ہے۔“  
 عبدال کی سمجھ میں داور کی بات نہیں آئی تھی پھر بھی اس نے اپنی گردن ہلا دی۔  
 ”اب تم جاؤ اور کوئی گاڑی اگر میاں لے آؤ؟ داور نے پھر کہا۔ اور ہاں مارا مارا کی ضرورت نہیں ہے عقل سے کام لینا ہو گا۔ ہم یہاں خوفناک ہونے نہیں آئے۔“  
 ”تو پھر کیا پائن دیدار کرنے آئے ہیں کیا؟“

”ایسا ہی سمجھ لو؟“ داور مسکرایا۔ ”تم جاؤ اور گاڑی حاصل کرنے سے پہلے جو خانے کے کسی آدمی کو کچھ لاف۔ اس آدمی کو لانے کے بعد پھر کوئی گاڑی پوری کر لینا لیکن یہ دونوں کام بہت ہوشیاری سے کرنے ہوں گے۔“

”اپن کی ہوشیاری صرف مارا مارا میں ہوتی ہے نا؟ پھر بھی تم بولتے ہو تو تمہاری بڑے کا کیا۔“ ایسی بات سالا جانے عبدال گاڑی سے اتر کر جھوٹا ہوا جو خانے کی طرف بڑھ گیا۔ داور کو اس قسم کے کاموں کے لئے عبدال پر بھروسہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عبدال ہڈ گاڑیوں کو بھی کھولنے کا تجربہ رکھتا ہے۔ اس کے لئے کسی گاڑی یا دروازے کا لاکہ ہونا کوئی مسئلہ نہیں رکھتا تھا۔

عبدال کی واپسی بہت جلد ہوئی تھی لیکن وہ ان کیل نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک آدمی بھی تھا۔ یہ آدمی معمولی لباس میں ملبوس تھا۔ اور اپنے چلنے سے بھی کوئی غریب ہی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک پتیلی اٹھا رکھا تھا جس میں کچھ بھرا ہوا تھا۔ عبدال اس آدمی کو گاڑی کے پاس ہی لے آیا۔

”اپن کو تو یہی ملا ہے باس۔“ عبدال نے داور کو بتایا۔  
 ”ابن ای کو کچھ اس کر لیں صرے آئے۔“  
 داور نے محسوس کیا کہ گاڑی کے پاس اگر داور کو دیکھ کر وہ آدمی کچھ بے چین سا ہو گیا تھا۔  
 ”کون ہو تم؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

اس نے اپنا اچھ بہت نرم رکھا تھا۔  
 ”مہرہ گرب آدمی ہے ماں باپ؟“ اس نے داور کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ مہرہ ادھر صاحب لوگوں کو دعا مان دیتا ہے۔ اور صاحب لوگ جب جتنے میں خیریت جاتا ہے تو ہم کو کچھ بخشش دے دیتا ہے۔ اس طرح دو وقت کی روٹی پانی کا کھانا ہوتا ہے ماں باپ۔“  
 داور نے ایک گہری سانس لے کر غصے سے عبدال کی



طرف دیکھا۔ وہ خواہنے کے کسی ملازم کی بجائے ایک بھکاری کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔

”اب بہن کی کیا ترس باس؟“ عبداللہ کو بلا کر جلدی میں لے کر ساتھ لے گیا تھا۔ باہر بیٹھنا تھا۔ لین کی کوٹھی گئے ایک ”ٹھیک ہے اس سے بھی کاہل جانے گا۔ اور کچھ سوچتے ہوئے“ لولا پھر اس آدمی کی طرف دیکھا۔ ”تم اس خواہنے کے مالک سے واقف ہو“

”ہم گریب آدمی ہیں مانی باپ جلدی کی کسی ترس ان سے واقف ہیں۔ البتہ آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ ہم ان کو پہچانتے ہیں۔“ ”ٹھیک ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھ جاؤ اور داور سے کہنا تم تم سے ایک کام لیں گے اور اس کام کا تمہیں معقول معاوضہ دیا جائے گا“

وہ آدمی جھک کر لیک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ داور کی بات اس کے لیے نہیں پڑی تھی۔ وہ بہت گھبرا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ”بیٹھ جاؤ“ عبداللہ نے اسے گاڑی کی طرف دھک دیا۔ ”باس بیٹھے کو بلا ہے تو بیٹھ جاؤ۔ اگر اس کا کچھ پھر کیا لپچر لکھا چند کی کھرا ہو گئے“

عبداللہ کی بات سن کر اس آدمی کا خوف اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے چاروں طرف اس انداز سے دیکھا جیسے اپنے فرار کی راہ تلاش کر رہا ہو۔ پھر داور کے برہمروانی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا تھپلا اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔ اور بری طرح کانپے جا رہا تھا۔

”عبداللہ! داور نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ اب جا کر کوئی گاڑی لے آؤ۔ لیکن جلدی، صبح ہوئے والی ہے“

عبداللہ بس باس کہتا ہوا داور کو خواہنے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد اس آدمی نے داور سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن شاید اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ داور نے اس کی طرف سے دھیرن نہ کیا تھا۔ اس کی نگاہیں دوبارہ خواہنے کی طرف لگ گئی تھیں۔

عبداللہ کی دلیلی اس بار بھی بہت جلدی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ ایک گاڑی بھی لیتا آیا تھا۔ یہ ہندوستان کی میں جی ہونی گاڑی تھی۔ لیکن نئی معلوم ہوئی تھی۔ عبداللہ نے وہ گاڑی پولیس گاڑی کے قریب کھڑی کی اور خود گاڑی سے اتر کر داور کے پاس گیا۔

”اب بہن کے لئے کیا حکم ہے باس۔ ابھی بولو تو سالا اس خواہنے کو بھی لے آئے“

”اب تم اس گاڑی میں سے کچھ بیرون نکال کر کسی ڈپڑ میں بھر دو اور خواہنے کی دیوار پر چھڑک دو“ داور نے حکم دیا۔ ”ماں کہہ اپن سالا کچھ نہیں سمجھتا۔ اس کا ایسا لگتا ہے جیسے تم کو آج کی فلم کی اسٹوری سمجھنے کا ہے۔ باس۔ تم صاف صاف بتاتے کیوں نہیں“

”خیر رہا ہوں وہی کرو“ داور غرایا۔ ہمارے پاس بہن کم وقت رہ گیا ہے۔ صبح ہوئے والی ہے“

عبداللہ نے بیرون لگانے کے لئے پائپ اور ڈپڑے کی ڈپڑ شروع کر دی۔ وہ اس کام کے دوران بڑبڑاتا جی جارا کھلا بلا کر اس نے دونوں چیزیں تلاش کر لی ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اسی گاڑی سے ملی تھیں جیسے وہ چلا کر لایا تھا۔ اس نے پائپ کا ایک سر پولیس گاڑی کی کٹنگی میں ڈالا اور پھونک مار کر دوسرا رافے میں ڈال دیا۔ کٹنگی سے بیرون لکل لکل کر ڈپڑ میں جمع ہوئے لگا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ڈپڑ بیرون سے پھر گیا۔

”اب بہن کو کیا کرنے کا ہے باس؟“ عبداللہ نے ڈپڑ اٹھانے ہوئے پوچھا۔ ”اب اپن سالا کیا یہ بیرون لے لے“ ”نہیں۔ سامنے والی دیوار پر چھڑک کر جاؤ“ داور نے کہا۔

عبداللہ نے یہ کام بھی بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ اس نے بیرون لکل لکل کر ڈپڑ کے بعد وہ پائپ اور وہ ڈپڑ لکل لکل کر پاس ہی پھینک دیا تھا۔

”اب تم اس کھڑے کر دوسری گاڑی میں بیٹھ جاؤ“ داور نے کہا۔ پھر اس آدمی کی طرف دیکھا۔ ”جاؤ جا کر اس گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔“

”ہم کو جانے دس سرکار“ وہ آدمی ٹھٹھکانے لگا۔ ہم لوگ گریب آدمی ہیں ہماری کسی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔“ عبداللہ نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اس دوسری گاڑی میں بیٹھا دیا۔ اور خود بھی اس کے برہمروانی بیٹھ گیا۔ وہ آدمی اتنا خوف زدہ اور لکھلا ہوا معلوم ہو رہا تھا کہ اس سے کسی قسم کی جرأت کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ وہ داور کے کھنکے کے قناد کام نہیں کر سکتا تھا۔

اب جو کام کرنا تھا وہ داور کو کرنا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ کوئی کھانسی کا نہیں تھا بلکہ وہ اس خواہنے کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ چاروں کازیاں نہ ہونے امید تھی کہ عبداللہ جس آدمی کو پکڑ کر لایا تھا وہ ہر کاش چاہتا تھا کہ وہ اپنا بیخیم ضرر پہنچا دے گا۔

داور نے بس گاڑی سے اتر کر اس آدمی کے پاس گیا۔ وہ جلد کے برابر بیٹھا ہوا کھٹکھٹانے لگا تھا۔ ”تم لانا کیا ہے؟“ داور نے کھڑکی پر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔ ”مقام دیال سرکار“ اس نے جلدی سے جواب دیا۔ یہ بہت ٹھیک آدمی ہوں“

”مقام دیال۔ تو تم یہ رکھو“ داور نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ وہ آدمی نوٹ لینے میں ہچکچانے لگا تھا۔ ”گھر آؤ نہیں۔ یوہ نہ کہو“ داور نے کہا۔ یہ میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں“

”مقام دیال نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے داور کے دینے ہوئے نوٹ رکھ لئے۔“

”ادرب تمہیں اس رقم کے عوض بعد ایک پیغام اس خواہنے کے مالک تک پہنچانا ہے۔ سمجھ گئے“

”جی ہئی۔ تمہی گئے۔“ ”مقام دیال نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ آپ جو گاہیں گے وہ دھو لو گا“

”اس سے کہنا کہ وہ اپنے آقا کرم چند سے کہہ دے کہ ان کے بعد ہی رقم نہیں دی تو میں اسی طرح آہستہ آہستہ سے تباہ کر دیتا گا۔“ ”اس نے عبداللہ کی طرف دیکھا۔ ”تم رقم دیال کو یہ پیغام یاد دلاتے رہو۔ میں اپنا کام ختم کر کے آتا ہوں“

داور اس گاڑی کے پاس سے بہت کربولیں گاڑی کے پاس آیا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھ کر بگن سٹارٹ کر دیا۔ اس کی نگاہیں خواہنے کی اس دیوار کی طرف لگی ہوئی تھیں جس پر جلدی نے کچھ دیر پہلے بیرون لکل لکل کر لایا تھا۔ اس نے بریک پر سے اچانک ہٹا کر دیا۔ اس کا قافلہ طرہ بہ طرہ ہو رہا تھا۔ عبداللہ نے اپنی بیکر دوسری گاڑی سے باہر گیا۔ اس کی کٹنگی میں نہیں آ رہا تھا کہ داور کیا کر رہا ہے۔ اس کے برابر بیٹھا ہوا رام دیال بھی اٹھ بیٹھا ہے۔ وہ اس کی اس حرکت کو دیکھ رہا تھا۔

داور کے قریب پہنچ کر داور نے اپنی طرف کا دوازہ کھلا اور اچانک باہر نکلا۔ لگا دی۔ وہ دیکھ کر اس میں کچھ دیر تک ٹھٹھکا رہا تھا۔ گاڑی راکٹ کی سی رفتار سے دیوار کے پاس آئی اور لوگ دھماکے کے ساتھ دھماکے سے پھرتی۔ داور کو دیکھتے دیکھ کر عبداللہ نے اس کی طرف دوڑ لگا دی لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی داور کو کھڑا ہوا تھا۔ گاڑی کے دیوار سے ٹکراتے ہی داور ایک طرف پھٹ گیا اور اس کے ساتھ ہی دیوار پر چھڑک کر ہوئے بیرون لکل لکل کر آگ پکڑی۔

داور کا کام ختم ہو گیا تھا۔ اس نے عبداللہ کو پکڑ کر دوسری گاڑی کی طرف دوڑ لگا دی۔ دوسری گاڑی کے پاس آ کر وہ دونوں بھی ٹھٹھکا کر گئے۔ رام دیال موق پکڑ کر اس گاڑی سے بھاگ نکلا تھا۔

”یہ سالا اور ان پھونکھلا باس؟“ عبداللہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جانے دواس کو ہم نے اپنا کام ختم کر لیا ہے۔“ پھر وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھے اس کا تہہ پتہ لیا اور وہ گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ شہر کی طرف دوڑ پڑی۔ ان کے عقب میں جلتا ہوا دواخانہ گرہا تھا۔ جواخانے میں گھرے ہوئے لوگوں کی چیخیں تھیں اور بہت دیر تک سنا دیتی رہی تھیں۔

وہ عملت گرچہ خستہ حال تھی۔ لیکن اس کے اندر بنا ہوا دفتر بہت شاعرانہ اور وسیع تھا۔

اس شہر میں اس قسم کے دفاتر تھے جنہیں وہ مختلف مواقع پر استعمال کرتا تھا۔ یہ دفتر نہنگی نوعیت کی میٹنگ میں کام آ کر کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہاں ایک نہنگی نوعیت کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ اور اس میں کرم چند کے علاوہ اس کے قابل اعتماد ساتھی موجود تھے۔ ہر کاش ہر آئندہ لال منور لال سب ہی موجود تھے۔ دوازے پر سینڈو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ جبکہ ایک طرف وہ دو پولیس والے بھی بیٹھے تھے جن سے غرضتہ رات صرف ان کی گاڑی چھین لی گئی تھی بلکہ انہیں بے ہوش کر کے گاڑی سے نیچے بھی پھینک دیا گیا تھا۔ ان تمام لوگوں میں سب سے خستہ حالت ان کی ہی ہو رہی تھی۔ وہ دونوں بہت مری طرح خوف زدہ تھے۔ ان کے چہرے اتارے ہوئے تھے اور ان کی درد یال نہی کی طرح شکستہ ہو رہی تھی۔

کرم چند اس کمرے میں بے تابی سے تھل رہا تھا جیسے وہ اس طرح اپنے اعصاب کو ٹوٹنے سے بچانا چاہ رہا ہو۔ اس کے چہرے پر غصے کی کٹنگ تھی اور وہ کچھ خوفزدہ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ جبکہ اس کے تمام ساتھی اس کی طرف دزدانہ نگاہوں سے دیکھتے پھر لپڑاؤں جھکا لیتے۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمی ہے یا بلا ہے؟“ کرم چند کر کے درمیان رک کر ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے لولا۔ ”اب اس کی طرف سے زیادہ برہمروانی نہ ہوں باس۔“ منور لال جلدی سے بولا۔ تم نے چاروں طرف اپنے آدمی پھیلا دیئے ہیں“

”کیا بکواس کر رہے ہو؟ کرم چند بڑھک اٹھا۔ اس نے ایک ہی رات میں تہاڑی بچا دی ہے۔ میرے دواؤں کے ٹوٹنے۔ جو خانے میں لگ لگا دی۔ مجھے کھلم کھلا دھکیلیں دینا شروع کر رہے ہو، مگر میں پریشان نہ ہوں۔ وہ اتنا آگاہ نہیں ہے کہ دھاری؟ اس نے کوئی بیٹھ ہوئے ایک آدمی کی طرف دیکھا جس کی ٹھنی نوچھیں اس کے چہرے پر بہت بھی لگ رہی تھیں۔ تم نے کیا معلومات لیں؟

”ہم نے یہ پتہ چلا یا ہے ہاں کہ اس آدمی نے کسی حق بننے کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی اور بھی ہے۔ اور وہ بھی بیٹی سے اس کیساتھ آیا ہوگا کیونکہ وہ بھی مقامی نہیں ہے۔ بس یہی دونوں مل کر ہنگامہ مچا گئے ہوتے ہیں۔ ہم نے آدمیوں نے ہونٹوں کی بھی پھان بین کی۔ کل شام تک وہ دونوں ایک پول میں کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن شام کے بعد گھبراہٹ ہو گئی تھی۔ ہم نے آدمیوں نے سمجھ لیں کہ ان کی تلاش میں ہلکا ہوا ہوا ہوا ہوا۔ لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ دونوں کہاں ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اس شہر میں کوئی مکان حاصل کر لیا ہے۔

”سب سے زیادہ پریشانی تو ہماری قیام گاہ سے ہوئی ہے۔ پولیس سب اسپیکر بول رہا ہے۔ ہماری تو گاڑی بھی تھوڑی سی ہے۔ تم دوڑوں کے ساتھ ہی ہونا چاہیے تھا؟ کرم چند اس پر ٹوٹ پڑا۔ تم کیسے پولیس والے ہو۔ ہمیں ذرا بھی عقل نہیں وہ دونوں تمہارے سامنے تھے۔ تمہاری گاڑی میں بیٹھ گئے انہوں نے تمہیں ایک کہانی سنا دی اور تمہیں اس پر یقین آیا پھر کیا ہوا۔ وہ دونوں تمہیں بے ہوش کر کے تمہاری گاڑی لے آئے۔ اور وہ گاڑی بھی تمہاری نہیں بلکہ پولیس کی تھی۔ مجھ میں نہیں آتا کہ تم اپنے گھر کو کیا جواب دہ گے۔

”ہم ہی آئے تو پریشان ہیں۔ پولیس سب اسپیکر دھیرے سے بولتا ہے۔ ہمیں تو صبح ہی ہوش آیا تھا۔ ہوش آئے ہی ہمیں یہیں چلے آئے۔ اپنے گھر والوں کے پاس جانے کی بہت ہی نہیں ہو رہی ہے۔ جواب دہی بھی مشکل ہوئی ہے۔

”اور اس کی بہت تو دیکھو کہ اس نے ہر ایک کے ضریعے مجھے پیغام بھیج دیا ہے کہ کرم چند نے کہا۔

”کیا کسی طرح اس شخص کا پتہ لگا دیا کہ وہ نہیں مل سکتا ہاں۔ ہر کاش ہر ملے پوچھا۔

”ہر کاش لگا دیا کہ کرم چند سوچ میں پڑ گیا۔ شاید اس شخص نے مجھے بنی لال کا حال دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر

میں اس کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہوں تو بنی لال سے معلوم کر سکتا ہوں۔ منور ذرا بنی لال کا گھر لگا دیا۔ ”کون بنی لال۔ وہی بڑا کھنڈر ہاں؟“ منور نے لال سے کہا۔ ”ہاں وہی۔ کرم چند نے بنی لال کو بلایا۔ وہ شاید اس داور کو جانتا ہو۔ داور نے اسی لئے اس کا حال دیا تھا۔ منور لال اس کرسی سے اٹھ کر میز کے پاس آیا۔ اس نے میز پر رکھے ہوئے فون پر بنی لال کا نمبر لکھا اور کرم چند کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو، کرم چند نے دوسری طرف سے آواز سن لینے بعد کہا۔ مجھے بنی لال سے بات کرنی ہے۔

”ہاں رہا ہوں۔ دوسری طرف سے لورے بنی لال کی عزائی ہوئی آواز سنا دی۔ اس کی آواز ابھی تک حجاز تھی۔ تم کون ہو۔

”میں کرم چند ہوں، کرم چند نے بتایا۔ تمہاری ہی دنیا کا باقی؟

”وہ کرم چند۔ دوسری طرف سے ایک گہری سانس بنی لال نے دھکیک ہے۔ میں سمجھ گیا کہ تم کون ہو۔ کیا بات ہے آج میں کیسے یاد آ گیا۔

”بنی لال۔ میں تم سے بچی کے داور نانی ایک آڈو کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

”داور۔ بنی لال نے حیرت سے دہرایا۔ یہ وہ تمہارے کہاں سے مل گیا۔

”وہ آج مل پونا آیا ہوا ہے۔ کرم چند نے بتایا۔ پورے کا یہ کہنا ہے کہ میں نے اس کے دو لاکھ روپے لئے ہیں۔

”کیا تم نے اس کے روپے لئے ہیں۔ بنی لال نے پوچھا۔

”نہیں۔ ہم نے نہیں لئے۔

”اگر تم نے نہیں بھی لئے ہیں۔ اور اس کا یہ کہنا ہے کہ وہ رقم تمہیں ادا کرنی ہے تو تمہاری ہی ہے کہ وہ رقم اسے ادا کر دے۔ کیا کہہ رہے ہو بنی لال؟ کرم چند حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ کیا تم مجھے اس سے خوفزدہ کرنا چاہتے ہو؟

”نہیں تمہیں مشورہ دے رہا ہوں۔ اگر وہ ہوتا ہے کہ رقم دے دو دو دے دو۔ وہ تمہاری جان بچوٹی شکل ہو گا۔ میں اسے ایک پانی بھی نہیں دوں گا۔ کرم چند نے غصے سے کہا۔ یہ تمہارے ہی میں نے کہاں بڑی شکل سے اپنی حکومت قائم کی ہے۔ میں اس داور کے رعب اس کی دھکی میں نہیں آؤں گا۔ اس شخص نے ایک دت

میں میرا اچھا خاصا نقصان کر دیا ہے لیکن اس کا بدلہ اس سے لینا چاہئے گا۔ میں اسے اس کے بل سے نکال کر ماروں گا۔ یہ خوسن لینا۔ میں اسے جھوڑوں کا نہیں۔

”تمہاری مرضی؟ دوسری طرف سے بنی لال نے پوچھا۔

”مجھے ہونے دیا۔ میں نے تمہیں نیک مشورہ دے دیا ہے۔ کرم چند نے بھی لیسور رکھ دیا۔ اس نے بنی لال کی بات ماننے سے انکار تو کر دیا تھا لیکن بنی لال کی بات نے اسے اچھا بھی دیا تھا۔ بنی لال جیسا دلیر آدمی بھی داور سے خوفزدہ معلوم ہوتا تھا۔ دھانے اس میں کون کی کہانی بڑھ رہی تھی لیکن جو کچھ تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بنی لال کو کبھی داور کا ہر ہوجا ہے۔

کرم چند نے لئے ایک انجمن کی بات ہے تھی کہ رقم اس نے نہیں لی تھی۔ اس رقم پر کسی اور نے باقیہ صاف کر دیا تھا اور اب داور اس بنیاد پر اس کے پیچھے بڑھ گیا تھا۔ اس نے ایک رات میں کرم چند کا بیٹھا خاصا نقصان کر دیا تھا۔ کرم چند نے بڑی مشکلوں سے اس شہر میں اپنے پاؤں جھانے تھے اور وہ اس قسم کے اختلافات مول لینے کے حق میں نہیں تھا۔ لیکن دوسری طرف داور کے خلاف بھی بھرا ہوا تھا۔

اس کمرے میں بیٹھ ہوئے سب ٹوک لگے ہوئے تھے۔ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کرم چند نے ابھی بھی بنی لال سے اپنی گفتگو ختم کی لیکن ان میں سے کسی کی بہت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ کرم چند سے سوال کر کے کہ بنی لال سے اس کی کیا گفتگو ہوئی ہے۔

بھرا چانگ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ کمرے کی فائوٹکی میں گھنٹی کی آواز ان کے اعصاب پر برس پڑی تھی۔ سب ہی ٹوک بڑھ گئے۔ ہر کاش تہہ نے لیسور ہانک کر کچھ بنا پھر جلدی سے لیسور کرم چند کی طرف بڑھا دیا۔ اس کا ہاتھ لڑ رہا تھا۔

کرم چند نے لیسور اپنے کان سے لگایا۔ پھر اس طرح اچھل پڑا جیسے اسے کبھی کا ہینا لگ گیا ہو۔ دوسری طرف داور تھا۔

”تم کرم چند نے حیرت اور خوف بھرے لہجے میں پوچھا۔

”تمہیں کہاں کا فون تمہارے کیسے معلوم ہوا۔

”تمہارے گھر سے؟ داور نے جواب دیا۔ اب ہماری بات کر دیکھو سوچا ہے تم۔ میری رقم واپس کر رہے ہو۔

”منور سوچو۔ کرم چند جلدی سے بولتا۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔

”میری رقم واپس کر رہے ہو یا نہیں۔

”میں اس کی سسٹم میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ تم بس مجھ سے ملو۔ یہ ملاقات بہت ضروری ہے۔ میری بات کو جان لو۔ ٹھیک ہے۔ میں آؤ گئے۔ بعد سوچ کر تمہیں بتا دوں گا۔ داور نے کہا۔ اور تم اپنی فون نمبر پر ملنا۔

کرم چند کے دفتری عمارت سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا۔

اس وقت اس ہوٹل کے سامنے دو پولیس والے کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک شام تھا اور دوسرا راجندر۔ شام بات بات پر ہر طرف اٹھنے والا آدمی تھا جبکہ راجندر فٹنٹے مزاج کا آدمی تھا۔ ان دونوں کو گزشتہ رات ہونے والی وارداتوں کا سراغ لگانے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ ان کے پاس کوئی لائسنس نہیں تھا۔ یہ بس ان دونوں آدمیوں کی تلاش میں پورے شہر میں گھومتے پھر رہے تھے۔ جنہوں نے گزشتہ سال اس کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی۔

وہ اس رات سواری کی کے مندر میں ان دونوں کو پکڑنے کے لئے کھس گیا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ دونوں اس آسانی سے اس جگہ کو پولیس گئے۔ ان میں سے ایک نے اسے بس کر لیا تھا اور دوسرے نے اس کی دردی ادا کر لی تھی۔ پھر ان میں سے ایک اس کی وردی پہن کر کھانگ لنگے میں کلاب ہو گیا تھا۔ جبکہ دوسرے نے فرار کے لئے کوئی اور طریقہ استعمال کیا تھا۔ اور اب وہ دونوں پھر اس کے شہر میں آکر دو گھر چارے تھے۔ اور انہوں نے کرم چند کی زندگی عذاب میں کر رکھی تھی۔

گاڑی میں بیٹھ بیٹھ شام کو بہت میں درسا محسوس ہونے لگا۔ وہ پہلو بول رہا تھا۔ راجندر چائے پینے کے لیے ہوٹل میں گیا ہوا تھا۔ شام کو چائے کی خواہش نہیں تھی اتنی نے وہ گاڑی میں بیٹھا رہ گیا تھا۔ اور اب اسے بے چینی سی ہونے لگی تھی۔

اس نے چینی کی دھج تھی کہ وہ بہت دیر سے ٹوائٹ کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس نے بے تاب ہو کر ادھر ادھر ٹھکانے دوڑائے پھر مٹی کے ایک ڈھیر کے عقب میں فاسٹ ہوئے گاڑی کر لیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر ڈھیر کے پاس آیا۔ اور اسی وقت کسی نے اسے آواز دی۔

”شام“

شام نے بے ساختہ آواز دینے والے کی طرف مڑ کر دیکھا

اور اسی وقت ایک ٹولی نے اس کی پیشانی کے درمیان ایک مورخ برتا دیا جس سے خون ابل ابل کر باہر آ رہا تھا۔  
 شیم کے قتل کے خشک آدمہ گھنڈ بوند گھونٹا اس  
 آسیب زدہ مکان کے تہہ خانے سے باہر آ گیا۔ وہ ان دونوں  
 کے سہمے آنکھیں بند کر کے بیٹھ جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں  
 ہی اپنی بات کے کھرے معلوم ہوتے تھے۔ دھوکے نے اپنی زندگی  
 آدمیوں کی فطرت کا مطالعہ کر کے ہرے گدا گدا کی تھی۔ وہ جانتا  
 تھا کہ اس کا ہر جھوٹ بے اور کوں نہ کھلنے کی ہمت رکھتا ہے  
 اس نے ان دونوں کو دھوکے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ دونوں  
 رتی بات کے دھکی معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اسے طور پر بھی  
 کچھ کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اسے ایک بہت بڑا دھماکا کر رکھا گیا تھا۔ یہی تازہ دینے  
 کی کوشش کی تھی جیسے اس کے کمرے سے باہر سڑھی فٹول  
 کی بلوری فوج موجود ہے۔ لیکن اب ان دونوں نے اسے یہ بتا  
 دیا تھا کہ سب مظلوم تھا۔ اس کے لئے کسی کو کچھ سے ہمت نہیں  
 رکھی گئی تھی۔ یہ سب جھوٹ تھا۔

صبح سے وہ دونوں ہی دکھائی نہیں دے رہے تھے  
 اس لئے اس تہہ خانے سے باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی  
 ہو سکتی تھی۔ وہ تہہ خانے کی میڑھیاں چڑھتا ہوا کھلے ہوئے  
 دروازے سے باہر آ گیا۔ ان آدمیوں کی بات درست ثابت  
 ہو رہی تھی۔ اس کی نگرانی کے لئے کسی کو بھی مقرر نہیں کیا گیا  
 تھا۔ اگر کوئی ہوتا تو اب تک اسے سامنے آ جانا چاہیے تھا۔  
 لیکن مکان سے باہر آنے کے بعد بھی کسی نے اس کا راستہ  
 روکنے کی کوشش نہیں کی۔

اس مکان سے باہر آنے کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ اسے  
 کہاں رکھا گیا تھا۔ یہ مکان اس کا جائزہ چاہتا تھا۔ یہ اس کے  
 غم کا ایک مکان تھا تو آسیب زدہ شہر ہوتا تھا۔ کرم چند نے  
 اس مکان کا انتخاب کر کے بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا کہ  
 کادھیان، اس کی طرف نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی نہیں کہہ  
 سکتا تھا کہ اس آسیب زدہ مکان کے تہہ خانے میں کسی کو  
 قید رکھا گیا ہے۔ اور کرم چند سے زیادہ وہ دونوں ہی جانا  
 ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے ہی اس مکان کا انتخاب کر کے  
 عقل مندی دکھائی تھی۔

اس وقت دوپہر ہو رہی تھی، مکان سے باہر والی  
 سڑک پر جیل پھیل گئی۔ گاڑیاں آ جادی تھیں۔ لوگ چلتے  
 پھرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ دھوکھا تو کچھ سب  
 کچھ تھک عجیب اور اجنبی سا محسوس ہو رہا تھا بہت دیر

کے بعد اس نے آزادی محسوس کی تھی۔ نیلا آسمان دیکھتا  
 کھلی ہوئی فضا اس کے سامنے آئی تھی تیزی سے دوڑتی  
 ہوئی گاڑیاں اور اپنی اپنی منزلوں کی طرف جلتے ہوئے  
 اسے دکھائی دے رہے تھے اسے یقین ہی نہیں کہ اب تک  
 وہ آئی آسانی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ یہ آزادی اس کے  
 لئے خواب بن کر رہ گئی تھی۔ کرم چند نے اسے قید میں رکھ  
 کر اس کی زندگی کم کر دی تھی۔ نہ جانے کتنے دن کرم چند  
 کھاتے میں چلے گئے تھے۔ قید میں رکھنے کے علاوہ کھانا  
 پر تشدد بھی کر لیا تھا۔ اس تشدد کے نشانات اس کے جسم  
 پر موجود تھے۔

اس نے غصے میں اپنی مٹھیاں میچھیں۔ وہ لب لہجہ  
 ہو چکا تھا۔ اور کرم چند سے اپنا حساب لے سکتا تھا کہچرا  
 جو اس کا آدمی تھا اور جس نے اس پر دھوکے سے قابو پا  
 لیا تھا جس نے اسے بے بس کر کے قید میں ڈال دیا تھا کہ  
 دھوکا دینا تو کوئی بڑا کام ہے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔ بڑے  
 لوگ جس کی صورت ہی دیکھ کر خوف سے ہنسا ہو جاتے  
 اور اسی دھوکا دینے کا حال تھا کہ اس کے جسم پر چڑھتے  
 چھیل رہے تھے۔ اس کی داڑھی بڑھ گئی تھی۔ اس کے جسم  
 میل پھیل کی کوئی سی تہہ نہ تھی اور اس کے اعصاب  
 شکستہ ہوئے تھے۔ اس کا حال کرم چند کے کیا تھا۔ اور  
 کسی بھی حال میں کرم چند کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔  
 اسے یاد آیا کہ ان دونوں میں سے ایک نے جس نے  
 اپنا نام داوڑ بنایا تھا اس سے یہ کہا تھا کہ کرم چند سے اس  
 کو جنگ کرنی ہے۔ اس نے دھوکا دینے کے خلاف کچھ کرنے  
 منع کر دیا تھا۔ لیکن کرم چند تو دھوکا دینے کا دھن تھا اس کا  
 سے پہلے کرم چند پر دھوکا دینا کا حق تھا۔ داوڑ سے پہلے تو  
 دھوکا دینا تو اس سے بدلہ لینا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ جب وہ مکان سے باہر نکلے گا تو  
 لوگ اس کے چلنے کو دیکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو جائیں گے  
 وہ اسے پاگل سمجھ لیں گے۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں  
 ہوئی کہ اس کا کچھ بھی اس کی طرف کسی نے دھیان نہیں  
 دیا تھا اور نہ ہی کرم چند کے کسی آدمی نے اسے روکا تھا  
 اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے لئے راستہ صاف تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ وہ کہاں جائے۔ کس کے پاس  
 جائے۔ جس وقت وہ اپنی تنظیم کا سربراہ تھا اس وقت اس  
 کے پاس سب کچھ تھا۔ دولت بھی تھی اور وسائل بھی تھے۔  
 جب سے کرم چند نے اس پر قابو پایا تھا اس وقت سے

وسائل ختم ہو گئے تھے۔ وہ اب ایک بے دست و پا انسان کی  
 رچ رہ گیا تھا۔ اس کے جو آدمی تھے انہوں نے اپنی تمام  
 بددلیاں کرم چند سے منسوب کر لی تھیں۔ جرائم کی دنیا  
 و سیاست کی دنیا ایک ہی طرح کی ہو گئی تھی۔ کوئی تہہ  
 نہ رہا تھا۔ ہر تہہ اس کی پوچھ جاتی ہے۔ ایک  
 اس کے آگے پیچھے گھومتے رہتے ہیں اور جہاں وہ مڑو پڑو  
 جاتا ہے وہاں لوگ اس سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں سب  
 ذمہ داری کر دیتے ہیں۔ اس کا ساتھ دینے والا بھی کوئی نہیں  
 ہوتا۔ ہر ایک کو اپنی زندگی اور اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے لوگ  
 اسے واڈر لگانا نہیں چاہتے۔ اس دنیا میں چڑھتے ہوئے  
 کی پوچھ جاتی ہے۔ اور دھوکا دینا اس وقت دھوکے دینے  
 سورج کی طرح تھا۔ ایسے سورج کی طرح جس کی طرف سے کھانا کھا کر  
 کوئی نہیں دیکھتا۔

پھر اسے وہ دونوں ایک طرف سے آتے ہوئے دکھائی  
 دے گئے۔ دھوکا دینے کے لئے بہت مشکل مرحلہ تھا۔ وہ ان  
 کے سامنے جانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ دونوں اگر اسے دیکھ لیتے  
 تو دوبارہ اسی مکان میں لے جاتے۔ کیونکہ ان دونوں نے  
 اپنے طور پر کرم چند سے فیصلہ کارادہ کر لیا تھا۔

دھوکا دینا اس مکان کے سامنے لگے ہوئے ایک درخت  
 کی آڑ میں چھپ گیا۔ اور دھوکا دہرتے جاتے لوگوں نے ابھی  
 انکی اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ دھوکا دینے کو ان  
 دونوں کی دلیری و ہمت تھی۔ ان کو یہ معلوم تھا  
 کہ انہوں نے کرم چند جیسے کینہ پرور شخص کو اپنا دشمن بنا  
 لیا ہے اس کے باوجود وہ بڑی بے فکری کے ساتھ شہر کی  
 سیر کرتے پھر رہے تھے۔ دھوکا دینے کی آڑ میں چھپا ہوا  
 ان کی طرف دیکھتا رہا۔ ان میں سے ایک نے جس نے اپنا نام  
 عبدال بتا تھا۔ اپنے ہاتھ میں ایک تھیلی اٹھا رکھا تھا  
 دھوکا دینے کے اندک کے مطابق اس میں کھانے پینے کی چیزیں  
 بھری ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کا ساتھی داوڑ خانی ہاتھ تھا۔ اور  
 دھوکا دینے کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ دونوں اس مکان میں  
 نہیں داخل ہوئے بلکہ اس کے سامنے سے گزرتے چلے گئے  
 پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا کہ وہ دونوں کہاں جا  
 رہے ہیں لیکن جب وہ دونوں دوسری گلی میں مڑ گئے تو  
 دھوکا دینے کی سمجھ میں آ گیا۔

اس مکان کی پشت پر ایک میدان تھا۔ جس میں  
 بھڑیلوں کی بوٹی تھیں۔ دھوکا دینے کے خیال کے مطابق وہ  
 دونوں اس مکان میں عقیقی طرف سے دھوکا دینے کے داخل

ہوئے والے تھے۔ یہ بھی ان کی احتیاط پسندی کی دلیل تھی  
 وہ اگر سامنے سے جاتے تو یقیناً لوگوں کی نگاہوں میں آ جاتے  
 کیونکہ اس آسیب زدہ مکان میں کوئی بھی جایا نہیں کرتا  
 پھر جب وہ دونوں اس کی نگاہوں سے اوچھل ہو گئے تو  
 وہ درخت کی آڑ سے باہر آ گیا۔

دھوکا دینے نے یہ سوچ لیا تھا کہ اسے مدد حاصل کرنے  
 کے لئے کسی کے پاس جانا ہے۔ بغیر کسی کی مدد کے وہ کرم چند  
 پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تھا۔ اور اس کاہم کرنے پر کاش ہر وہ  
 سے منسوب آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ دھوکا دینا جانتا  
 تھا کہ ہر کاش ہر کرم چند کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اس کا  
 آدمی نہیں تھا۔ اس کی تمام ذمہ داریاں اور مدد دیاں گھونٹ  
 کے ساتھ تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دھوکا دینے کی بیٹی اوشا  
 اس سے محبت کرتی تھی۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے  
 شادی کرنے والے تھے۔

ہر کاش ہر کاش خیال آتے ہی دھوکا دینے کے بدن میں  
 توانائی کی لہر دوڑ گئی۔ اس کی آنکھیں جھپکے لگیں۔ اس  
 موقع پر صرف ہر کاش ہر ہی اس کے کام آ سکتا تھا کہ اس  
 نے اسی وقت کے فیصلہ کر لیا کہ اس نے اگر ہر کاش ہر کی  
 مدد سے دوبارہ اپنی طاقت حاصل کر لی تو وہ اوشا اور  
 ہر کاش ہر کی شادی میں رکاوٹ نہیں بنے گا۔

ہر کاش ہر کاش ضرورت رد کرنے سے زیادہ فاصلے پر  
 نہیں تھا۔ دھوکا دینے کو وہ مکان معلوم تھا۔ اس نے ہر کاش  
 ہر کے مکان کی طرف چلنا شروع کر دیا۔

ہر کاش ہر کے مکان کے بیرونی گیٹ پر کوئی نہیں  
 تھا۔ اسی لئے اندر آنے میں اسے کوئی دشواری نہیں ہوئی  
 لیکن مکان کے برآمدے میں اسے روک لیا گیا۔ وہ دو  
 آدمی تھے جنہوں نے اس کا راستہ روک لیا تھا۔ دھوکا دینے  
 ان دونوں کو نہیں پہچانے تھا۔ وہ دھوکا دینے کو وہ دونوں اس  
 کے بعد تنظیم میں شامل ہوئے ہوں۔

”اسے چلو ہر کاش ہر ان میں سے ایک دھوکا دینے کو لے گا۔“

تمیاض اٹھنے اندر چلے آ رہے ہوئے  
 دھوکا دینے اس کو گھور کر رہ گیا۔ وہ ایک نیم شیعہ آدمی تھا  
 جس کے چہرے پر ایسی ہی داڑھی تھی اور دائیں طرف پیشانی  
 پر کسی نرنگ کا نشان بنا ہوا تھا۔ اس کا ساتھی بھی اسی کی عمر ایک  
 مضبوط آدمی تھا۔ وہ دونوں دھوکا دینے کو دیکھ کر غصہ میں  
 آ گئے تھے۔  
 ”مجھے ہر کاش ہر سے ملنا ہے۔“ دھوکا دینے نے انکی

طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "اوپر وہ دونوں ہی اس طرح ہنس رہے جیسے  
 رگھوناتھ کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ چلو باہر ان میں سے  
 ایک نے رگھوناتھ کو دھکا دے دیا۔  
 رگھوناتھ کے بدن میں سرسرنے والا ہونگھول اٹھانے  
 اس کی توہین تھی۔ اس کے اقتدار کے دور میں ان جیسے  
 لوگوں کو اس کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی  
 تھی۔ اور اس وقت اس جیسے لوگ اسے دھکا دے رہے  
 تھے اس کا بلورا بدن غصے کی شدت سے لرزنے لگا۔  
 "اے دیکھنا کیا ہے؟" دلاڑھی والا ہتھلا کر اس کی طرف  
 بڑھا۔ "جاتے یا نہیں؟"

بات اب برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ رگھوناتھ دلاڑھی  
 والے سے پٹ گیا۔ اس کے اندر سویا تو باہر انا رگھوناتھ جاگ  
 اٹھا تھا۔ اس نے دلاڑھی والے کے گرد اپنے دونوں بازو اٹھال  
 کئے اور اسی جھکے میں اسے اپنے ساتھ لے کر اس طرح  
 غوم گیا کہ اس کی پشت دو بار سے جا بک کر وہ دلاڑھی والا اس  
 کے سامنے تھا۔ اس نے اپنا ایک بازو دلاڑھی والے کی گردن  
 کے گرد اس طرح ڈال دیا کہ وہ بے بس ہو کر رہ گیا۔ رگھوناتھ  
 نے اس کی گردن ایک دم باؤ ڈالنا شروع کر دیا۔  
 دلاڑھی والے کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ اپنے ہاتھ  
 پاؤں پیٹنے لگا جبکہ دوسرا ہٹ پرانہ کر گیا تھا۔  
 "جاؤ۔ ہرکاش ہرہ کو ہلا کر لے آؤ۔ رگھوناتھ عزائم درہ  
 میں تھمرے اس سانچے کو جان سے مار دوں گا۔  
 "چھوڑو اس کو۔ دوسرے والے نے اپنی جیب سے  
 پستول نکال لیا تھا۔ "ورنہ گوئی مار دوں گا۔  
 "چلاؤ گوئی۔ رگھوناتھ منہ بڑا۔ اس کی ہنسی بھی بہت  
 دھیمانہ تھی۔ یہ تھماری چلائی ہوئی ہرگوئی تھمارے سانچے کے  
 سینے میں لٹکی ہے۔"

پستول بردار نے لمبی سے اپنے ہونٹ چبلنے لگا تھا  
 اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس بوٹے اور وال جبول  
 ٹھٹھ کو چھلی کر کے رکھ دیتا لیکن بوٹے نے اس کے سانچے  
 کو اس طرح بے بس کیا، ہوا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔  
 دلاڑھی والے کی خراب حالت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اوقات  
 سخت اذیت میں مبتلا ہے۔

"میں نے کہا کہ اپنے اس کو بلاؤ۔ رگھوناتھ نے پھر کہا  
 "ورنہ میں اس کی گردن ایک جھکے سے توڑنے والا ہوں۔"  
 اس نے دلاڑھی والے کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دیا ڈاور

بڑھا دیا۔ دلاڑھی والا بے پناہ کرب کے عالم میں اپنے  
 ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ دوسرا شخص کچھ دیر تک غصے اور نفرت  
 بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر نکارنا مارا اور  
 چلا گیا۔ رگھوناتھ نے اس دلاڑھی والے پر اپنی گرفت رازدارانہ  
 کچھ ہی دیر میں ہرکاش ہرہ کی باہر لگایا۔ وہ کئی اہنے  
 ہاتھ میں ایک ایک پتول لیتا تھا۔ اس کے ساتھ وہ دوسرا لٹا  
 ہی تھا۔

"کون ہو تم۔ ہرکاش ہرہ نے غصے سے پوچھا۔ وہ  
 پہلی نظر میں رگھوناتھ کو پہچان نہیں پایا تھا۔ پھر اس کے ہونٹ  
 کھلے اور کھلے ہوئے "آپ۔"  
 "خبردار رگھوناتھ دلاڑھی والا۔ خاموش رہو۔ اس کے ساتھ  
 ہی اس نے دلاڑھی والے کی گردن چھوڑ دی۔

"ہٹ جاؤ تم لوگ۔ ہرکاش ہرہ نے ان دونوں سے کہا  
 "مٹ چکے ہو۔ یہ میرے اپنے آدمی ہیں۔"  
 "دلاڑھی والا اپنی گردن مسلتا ہوا اس منہ پر لے ایک  
 طرف چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا آدمی بھی رگھوناتھ کو  
 عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا ہوا چلا گیا تھا۔  
 "باس آپ ہرکاش ہرہ ایک رگھوناتھ کے پاس آیا  
 اس نے پتول جیب میں رکھ لیا تھا۔  
 "ہاں میں؟" رگھوناتھ نے گہری سانس لی بہت مشکو  
 سے نکال کر لیا۔

"میں اندازاً جانتی ہرکاش نے کس کی طرف اشارہ  
 کیا۔ وہ رگھوناتھ کو دیکھ کر تھن ہوا جا رہا تھا۔  
 "میرا خیال ہے کہ تم مجھے دیکھ کر پریشان ہو گئے ہو گوئی  
 رگھوناتھ نے بول چھا۔

"نہیں باس۔ اسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہرکاش ہرہ  
 جلدی سے بولتا۔ میں جرات مہر ہاؤں۔ میں سوچتی ہوں  
 مسکتا تھا کہ آپ اس طرح۔ یہ مطلب ہے کہ اس طرح سامنے  
 آجائیں گے؟"

ہرکاش ہرہ رگھوناتھ کو ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ رگھوناتھ  
 کی نگاہیں چاروں طرف غوم رہی تھیں۔ وہ اس کمرے کی  
 آرائش کا پورا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر وہ بڑے اطمینان کے ساتھ  
 ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے دونوں پیروں سامنے والی  
 میز پر رکھنے سے پرانا رگھوناتھ تو زندہ ہو گیا تھا۔  
 "تم کیوں کھڑے ہو؟" رگھوناتھ نے ہرکاش ہرہ کی طرف  
 دیکھا۔ "تم بھی بیٹھ جاؤ۔"  
 ہرکاش ہرہ اس طرح اس کے سامنے والے صوفے

پر بیٹھ گیا جیسے اسے دھکا دے کر بیٹھا گیا ہو۔ رگھوناتھ کی  
 اچانک آمد نے اسے حواس ہانت کر دیا تھا۔  
 "مجھے تم سے ایسی کمزوری کی امید نہیں تھی۔ رگھوناتھ  
 نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں یہ سمجھتا تھا کہ اس تنظیم میں  
 میرے کچھ وفادار موجود ہیں جو مجھ کو کوئی آئی نہیں لانے  
 دیں گے۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ تم جیسے لوگ  
 بھی اتنا ہرہ ہاتھ دھ کر بیٹھ گئے۔ کیا تم لوگوں میں کرم چند کے  
 خلاف کچھ کرنے کی قوت نہیں رہی؟"

"مہرے بہت کوشش کی باس۔ ہرکاش ہرہ نے  
 جلدی سے کہا۔ "لیکن کرم چند نے ہوا کی نہیں لگتے دی  
 ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ شاید۔"  
 "لیکن تمہارے خیال میں مجھے مار دیا گیا تھا، کیوں؟"

رگھوناتھ غرایا۔  
 "کچھ ایسا ہی تاثر دیا تھا باس اُس نے، وہ بہت گہرا  
 آدمی ہے باس۔ اس نے آپ کے معاملے میں ہم میں سے کسی  
 کو اپنے اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ شاید اسے دیکھنا کہ میں سے  
 کوئی اس کے خلاف کچھ کر نہ بیٹھ۔ اس نے بالکل نئے لوگوں  
 کو لے کر آپ کے مکان پر چھوڑا تھا۔ دوسری صبح میں ہرہ  
 چلا تھا کہ آپ کے ساتھ یہ سب ہو چکا ہے۔"

"ہاں مجھے سب کچھ یاد ہے۔ رگھوناتھ نے اپنے دونوں  
 ہاتھوں کی مٹھیاں جھینج لیں۔ پرانی یادوں نے اس کے بدن  
 پر لرزہ طاری کر دیا تھا۔ وہ رات مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اس  
 رات میں اکیلا تھا۔ اوشا شام ہی کو میری واپس چلی گئی تھی۔  
 اس کے جانے کے بعد مجھے تنہائی سنانے لگی تھی۔ بیوی کے  
 رنے کے بعد میری راسا ہا ہے۔ وہ جب میرے ساتھ ہوتی تھی  
 تو مجھے دنیا کا کوئی کم پریشان نہیں کرتا تھا لیکن اس کے جانے  
 کے بعد میں اجازت ہو جاتا تھا۔ اس رات بھی مجھے بے قراری  
 تھی اس لیے میں بہت دیر تک جاگتا رہا۔ میں اپنے کمرے میں  
 رات کے ٹیگ ٹھناتا رہا۔ میں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے  
 غراب بھی لی۔ لیکن نہ جانے کیوں گھبراہٹ بھرتی ہو جا رہی تھی  
 ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ یہ نشان  
 بھی بہت عجیب ہوتا ہے مہرہ، اسے آنے والے حادثے  
 کا اور انک تو ہو جاتا ہے لیکن وہ پھر غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے  
 میرے ساتھ بھی یہی ہوا، میں نے محسوس تو کر لیا تھا لیکن اپنے  
 بھلاؤ کے لیے میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ بس اوشا کی یادوں میں  
 گھوڑا رہا۔ ہاں، یہ اوشا کیسی ہے۔ کہاں ہے؟"  
 "اوشا۔" ہرکاش ہرہ چونک پڑا۔ وہ کبھی یہی

ہے باس۔ اس کو اس حادثے کی خبر ملی تھی۔ وہ بونا آنا  
 چاہتی تھی، لیکن میں نے اسے یہاں آنے سے روک دیا۔ اس  
 کے لیے میں نے کہیں اور رہائش گاہ بندوبست کر دی ہے۔ وہ  
 بہت آرام سے ہے۔ میں کبھی کبھار اس سے جا کر مل لیتا  
 ہوں۔ لیکن یہ بات کرم چند کو نہیں معلوم۔"  
 "ہوں؟" رگھوناتھ مسکرا دیا۔ "بس کچھ دنوں کے بعد  
 تمہیں چوری چھپے اس سے ملنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔  
 میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے۔"

"ہرکاش ہرہ نے جیٹنی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔  
 "پھر اس رات میرے کمر پر حملہ ہو گیا۔ رگھوناتھ نے  
 خوابانہ لہجے میں بونا شروع کر دیا۔ "نہ جانے کتنے لوگ میرے  
 کمر میں گھس آئے۔ انہوں نے میرے محافظوں کو ہلاک کر دیا  
 میرے گھر میں آگ لگادی گئی اور مجھے بے بس کر کے گرفتار کر لیا  
 گیا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اس طرح  
 گھیر لیا تھا کہ میں اپنے کمرے سے باہر بھی نہیں نکل سکا۔ مجھ پر  
 ان گنت بندوبست بھی ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کی آنکھوں  
 سے بے رحمی عیاں تھی۔ وہ مجھے بے بس دیکھ کر بہت خوش ہو  
 رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ اس وقت میں نے اگر ذرا سی  
 بھی مزاحمت کی تو مجھے چھید کر رکھ دیا جائے گا۔ میں ان میں  
 سے کسی کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ سب اجنبی تھے۔  
 مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایسا کیوں کیا گیا ہے۔ یہ لوگ گاہیں  
 جنہوں نے اتنی دیر سے مجھے گھبرا کر رکھ دیا ہے۔ یہ مجھ  
 سے کیا چاہتے ہیں؟"

"وہ سب نئے لوگ تھے باس۔ ہرکاش ہرہ نے بتایا۔  
 "کرم چند نے ان لوگوں کو دوسرے شہروں سے بلوایا تھا کسی  
 مقامی آدمی کو اتنی ہمت نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ آپ پر ہاتھ لانے  
 کا خیال بھی دل میں لائے۔ اس نے اس سلسلے میں بڑی راز  
 داری اور ہوشیار سے کام کیا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے اس وقت تک کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ میں ان  
 لوگوں سے پوچھتا رہا۔ ہاں لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔  
 مجھے مار پیٹ کر زبردستی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ پھر بھجایا  
 مکان میں لے جایا گیا اور وہاں سے مجھ پر تشدد کا سلسلہ  
 شروع کیا گیا۔ اوروہاں مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ کرم چند کا  
 کیا دھڑا ہے۔ اس نے مجھے ہٹا تو دیا تھا لیکن وہ مجھے مار  
 نہیں سکا بلکہ وہ مجھے اس وقت تک مارنا نہیں چاہتا تھا  
 جب تک کہ ایک کروڑ روپوں کا سر لٹا لینے میں سے مجھے  
 ہونے تھا۔ بس یہ سمجھ لو کہ وہ رپے ہی میری زندگی کی قوت

ہیں گئے۔ وہ مجھ پر رشہ دو کر تا کہیں اس نے مجھے ہلاک نہیں کروایا۔ وہ جانتا تھا کہ میں وہ روپے اس کے حوالے کر دوں لیکن میں یہ جانتا تھا کہ جس دن بھی میں نے ایسا کیا وہ دن میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔

”یہ آپ نے بہت اچھا کیا تھا باس“ پرکاش مہرونے ایک گہری سانس لی۔ ”آپ کو شاید ایسے زندہ دکھا گیا ہے۔“ ہاں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کرم چند کون ہے۔ روپوں کے واسے میں کچھ علم ہوا۔ اسے کس نے بتایا کہ میرے پاس اتنی رقم موجود ہے۔“

”اس تنظیم میں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں باس“ پرکاش مہرونے کہا۔ ”کون سوچ سکتا ہے کہ وہ جس سے بات رہا ہے وہ اس کا دوست ہے یا دشمن۔ کوئی نہیں جانتا۔ آپ خود ہی بتائیں۔ کیا کبھی آپ کے تصور میں تھا کہ کرم چند آپ سے دھوکہ کر جائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ اس طرح کا کوئی اور بھی آدمی ایسا ہو جس نے آپ کے روپوں کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا ہو۔“

”ظاہر ہے۔“ لگوںاتھ نے ہر خیال انداز میں اپنی گون ہلائی۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچا جاسکتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ میرے بعد یہاں کیا گزر رہا؟

”بہت خوب۔“ لگوںاتھ ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی پورے کمرے میں گونج کر رہ گئی تھی۔ پرکاش مہرونے اس ہنسی کو سن کر کانپ اٹھا تھا۔

”میں آپ کے لیے نہلے دھونے اور دوسرے لباس کا بندوبست کر دیتا ہوں باس“ پرکاش مہرونے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ابھی نہیں۔“ لگوںاتھ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا۔ ”میرے جسم کا یہ میل کرم چند کے خون سے دھوے گا میں اس وقت تک اپنا لباس تبدیل نہیں کروں گا جب تک اس کے جسم کی دھجیاں نہ بکھر دوں۔ اور اس سلسلے میں تم میرا ساتھ دو گے پرکاش مہرونے۔ میں اسی لیے تمہارے پاس آیا ہوں۔“

”میں!۔“ پرکاش مہرونے چونک پڑا۔ ”کے کیوں نہیں۔ میں فزور ساتھ دوں گا۔ میں ساتھ نہیں دوں گا تو پھر کون دے گا۔“

وہ اب کسی ہوگی ہوگی۔ پانچ برس ہو گئے ہیں اسے دیکھئے۔ یہ پانچ برس کہ نہیں ہوئے پرکاش۔ اس میں موسم بدل چکا ہے۔ جغرافیائی تبدیلیاں ہو جاتی ہیں زندگی بہت آگے گزر جاتی ہے۔

”مجھے احساس ہے باس“ پرکاش مہرونے اپنی گون ہلائی۔ ”آپ اوشاکے لیے پریشان نہ ہوں۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔“

”میں جب اس کے سامنے پہنچوں گا تو وہ مجھے دیکھ کر جہان رہ جائے گی۔“ لگوںاتھ جیسے اپنے آپ سے بول رہا تھا۔ بہت شکایت کرے گی کچھ سے۔ وہ مجھ سے کہے گی کہ وہ پچی آپ تو میرے بغیر تنہا نہیں رہ سکتے تھے۔ آپ نے میرے بغیر پانچ برس گزار دیے۔“

لگوںاتھ نے خاموش ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنا سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔ شاید اس کے تصور میں اوشا چلی آتی تھی۔

”آپ نے یہ تو بتایا ہے کہ آپ کرم چند کی قید سے کس طرح آزاد ہوئے؟“ پرکاش مہرونے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہاں۔ میں نے یہ تو بتایا ہی نہیں۔“ لگوںاتھ نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ ”مجھے گذشتہ کچھ دنوں سے ایک ایسے مکان میں رکھا گیا تھا جو اسباب زدہ مشہور ہے۔ یہ مکان سورت روڈ پر واقع ہے۔ اس مکان کی طرف کوئی نہیں جاتا کرتا۔ لوگوں میں اس مکان کے متعلق بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔“

”میں سمجھ گیا باس۔“ پرکاش مہرونے بولا۔ ”اس مکان سے واقف ہیں۔ لیکن میں سوچ رہا تھا کہ یہاں اس مکان سے کرم چند نے آپ کو وہاں رکھا ہوگا۔“

”میں پہلے کہیں اور تھا۔“ لگوںاتھ نے بتایا۔ ”مجھے دو دن پہلے اس مکان میں منتقل کیا گیا تھا۔ میں نے وہاں ایک محافظ کو ہلاک کر دیا تھا لیکن نہر خانے سے باہر آنے کی ہمت نہیں کر سکا۔ کیونکہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اوپر پہرہ دار ہو جوں ہیں۔ پھر دو آدمی نہ جانے کس طرح اس تہ خانے میں چلے آئے۔“

”کون سے دو آدمی باس“ پرکاش نے چونک کر پوچھا۔ ”کیا وہ کرم چند کے آدمی تھے؟“

”میں آپ کو اس گاڑی میں لے چلوں۔“ پرکاش اور بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ”میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟“

”تم کر سکتے ہو۔“ اچھا یہ بتاؤ، کرم چند کی گاڑی پر چلے گا۔“

”میری گاڑی پر۔“ پرکاش نے جواب دیا۔ ”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔“ لگوںاتھ مسکرایا۔ ”تم مجھے اپنی گاڑی کی وکی میں چھپا کر لے چلو گے۔ اور جب داور سے کرم چند کی ملاقات ختم ہو چکی ہوگی۔ اس وقت میں وکی سے نکل کر کرم چند سے اپنا معاملہ طے کروں گا۔ سمجھے۔“

پرکاش مہرونے کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”ٹھیک ہے باس۔“ اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ”ایسا ہی ہوگا۔ وہ گاڑی میرے پاس ہی موجود ہے۔ کرم چند کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ وکی میں کون چھپا ہوا ہے۔“

”بہت خوب۔ اور ہاں مجھے ایک حد پستول کی ضرورت ہوگی۔“ لگوںاتھ نے کہا۔

پرکاش مہرونے اپنی گاڑی شہر سے باہر جانے والی روٹ پر دوڑا دی۔

اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا کرم چند بہت سارے تاب دکھاتی ہے رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدلتا، کچھ کھینے کے لیے اپنے ہونٹ کھولتا پھر خاموش ہو جاتا۔ وہ آج اپنی سبکی بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی سے دہک کر بات کر لی۔ پیشکش کی تھی اور وہ بھی اس لیے کہ مزید بتایا ہی نہیں چاہتا تھا ایک ہی رات میں اس کے کئی مفادات کو نقصان پہنچا تھا۔ اس داور نے اسے بھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے تمام آدمیوں پر بھاری پڑ گیا تھا۔ دوسری طرف ہنس لال نے بھی اسے بھلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر داور رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو تر ہے کہ اسے رقم ادا کر دی جائے۔ ہنس لال جیسے آدمی نے اگر ایسی بات کہی تھی تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کہی ہوگی۔

داور نے کرم چند کی بات مان لی تھی۔ وہ اس سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن شرط یہی تھی کہ دونوں فریق اپنے ایک ایک آدمی کو ساتھ لائیں گے۔ کرم چند نے پرکاش مہرونے کا نام بوزیر کیا تھا جس پر داور نے کہا تھا کہ اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اس کے بعد بڑے پایا کہ کرم چند اپنے ساتھی کو لے کر گاڑی میں شہر سے

”کیسے ہوسکتا ہے باس“ پرکاش مہرونے جلدی سے بولا۔ ان کی ملاقات ایک ویرانے میں ہوگی۔ آپ وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟“

”میں آپ کو اس گاڑی میں لے چلوں۔“ پرکاش اور بھی پریشان ہو گیا تھا۔ ”میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟“

”تم کر سکتے ہو۔“ اچھا یہ بتاؤ، کرم چند کی گاڑی پر چلے گا۔“

”میری گاڑی پر۔“ پرکاش نے جواب دیا۔ ”یہ تو اور بھی اچھا ہے۔“ لگوںاتھ مسکرایا۔ ”تم مجھے اپنی گاڑی کی وکی میں چھپا کر لے چلو گے۔ اور جب داور سے کرم چند کی ملاقات ختم ہو چکی ہوگی۔ اس وقت میں وکی سے نکل کر کرم چند سے اپنا معاملہ طے کروں گا۔ سمجھے۔“

پرکاش مہرونے کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ”ٹھیک ہے باس۔“ اس نے رضامندی ظاہر کر دی۔ ”ایسا ہی ہوگا۔ وہ گاڑی میرے پاس ہی موجود ہے۔ کرم چند کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ وکی میں کون چھپا ہوا ہے۔“

”بہت خوب۔ اور ہاں مجھے ایک حد پستول کی ضرورت ہوگی۔“ لگوںاتھ نے کہا۔

پرکاش مہرونے اپنی گاڑی شہر سے باہر جانے والی روٹ پر دوڑا دی۔

اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا کرم چند بہت سارے تاب دکھاتی ہے رہا تھا۔ وہ بار بار پہلو بدلتا، کچھ کھینے کے لیے اپنے ہونٹ کھولتا پھر خاموش ہو جاتا۔ وہ آج اپنی سبکی بھی محسوس کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع تھا کہ اس نے کسی سے دہک کر بات کر لی۔ پیشکش کی تھی اور وہ بھی اس لیے کہ مزید بتایا ہی نہیں چاہتا تھا ایک ہی رات میں اس کے کئی مفادات کو نقصان پہنچا تھا۔ اس داور نے اسے بھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس کے تمام آدمیوں پر بھاری پڑ گیا تھا۔ دوسری طرف ہنس لال نے بھی اسے بھلا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر داور رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو تر ہے کہ اسے رقم ادا کر دی جائے۔ ہنس لال جیسے آدمی نے اگر ایسی بات کہی تھی تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر کہی ہوگی۔

داور نے کرم چند کی بات مان لی تھی۔ وہ اس سے ملاقات کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ لیکن شرط یہی تھی کہ دونوں فریق اپنے ایک ایک آدمی کو ساتھ لائیں گے۔ کرم چند نے پرکاش مہرونے کا نام بوزیر کیا تھا جس پر داور نے کہا تھا کہ اس کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ اس کے بعد بڑے پایا کہ کرم چند اپنے ساتھی کو لے کر گاڑی میں شہر سے

”کیسے ہوسکتا ہے باس“ پرکاش مہرونے جلدی سے بولا۔ ان کی ملاقات ایک ویرانے میں ہوگی۔ آپ وہاں کیسے پہنچ سکتے ہیں؟“



باہر جانے والی سڑک پر پہلے گا۔ راستے میں کلرپ پوٹکا ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔ اس مقام پر سوائے اس بورڈ کے اور کچھ نہیں مہیا ہے۔ کرم چندی گاڑی اس بورڈ کے پاس ٹھہر کر ہانسی مٹی پھیرا دو اپنی گاڑی پر اس کرم چندی گاڑی کے برابر سے گزرے گا اور کرم چندی گاڑی اس کا تعاقب کرے گی۔ پھر دونوں گاڑیاں اس بورڈ سے بھی دو میل اگے چلیں گی۔ پھر جاشی گی۔ وہاں ان دونوں کی ملاقات ہوگی۔

کھڑپ پر کھڑا ہونے قریب آ گیا تھا۔ پر کاش مہر نے اس  
 بورڈ کے قریب گاڑی لاکر روک دی۔ ان دونوں کے درمیان  
 ابھی تک خاموشی طاری تھی۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی سیڑیوں  
 میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گاڑی رکنے کے بعد بھی ان دونوں  
 میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بولا تھا۔

انہوں نے اپنی لگا ہوں پیچھے جمادیں جہاں سے داور کی گاڑی آنے والی تھی۔ اس سرک پر بہت کم گاڑیوں کی آمدورفت بہت کم ہوا کہ کبھی۔ اس لیے کم چند کسٹین تھیں کہ وہ داور سے آتی ہوئی داور کی گاڑی کو پہچان کے گاڑی بالادور وہ دوسری گاڑی دکھائی دے ہی گئی۔ وہ اپنے طرز کی ایک گاڑی تھی۔ جس کا رنگ تک اڑا ہوا تھا۔ صاف محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ گاڑی پہنکی کسی سرک سے ٹھٹھائی گئی ہے۔ کرم چند کو یہ دیکھ کر تیرت ہوئی تھی کہ اس گاڑی میں صرف ایک ہی آدمی تھا جو گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ گاڑی اسی ان کی گاڑی کے قریب آکر تھمت ہوئی۔ چھ گاڑی چلائے والے نے ہاتھ ہانک رکھا کہ انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

”کیا یہی داؤد ہے باس۔“ پر کاش مہر نے کرم چند کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اتنی دیر میں یہ پہلی بات کی تھی۔

”نہیں، میرا خیال ہے کہ یہ اس کا ساتھ ہی ہے۔“ اگرچہ چند  
نے آگے جانے والی گاڑی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ  
وومرانہ چلنے کہاں ہے؟“

”شاید وہ نیلے ہی سے وہاں پہنچا ہوا ہو، بیگ کاش مہرہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ”وہ بہت چالاک آدمی معلوم ہو رہا ہے۔“

دیر کی خاموشی کے بعد آگے والی گاڑی کی پچھلی نشست  
کے درمیان سے کسی کارساز نے ہڑتا ہوا دکھائی دیا۔ پھر ایک  
شخص گاڑی سے اتر کر نیچے آگیا۔ گاڑی چلتے نہالا لڑکے  
کے ساتھ ہی باہر آیا تھا۔ کرم چندرا شخص کو دیکھ کر  
گرمی سانس لے کر رہ گیا تھا۔ یہاں بھی ان دونوں نے  
ذہانت سے کام لیا تھا۔ وہ دوسری گاڑی ہی میں چھپا کر  
برکاش اور کرم چندر بھی اپنی گاڑی سے نیچے آئے  
وہ ان دونوں کو آتے ہوئے دیکھتے رہے۔

”میں داور ہوں۔“ داور نے قریب آ کر اپنا تعارف  
 کروایا۔ چہرہ اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔ اور میرا  
 عمل ہے۔“

عہد ہونے لگا تھا۔ سال ایک دم فست کلاس اس کے  
اس کے مچ میں آئے۔ سال انگلش فلم بہت دیکھی  
لیکن اس میں برائی صرف یہ ہے کہ سال اس کو کیا سنا ہو

”بس بس۔“ اور نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا۔

”بس چل پڑی تمہاری گاڑی۔“  
 ”ابن سالار کیا گاڑی چلائے گا؟“ عبدل جلدی کہنے لگا۔  
 ”ابن تو کچھ بونے کو تیرس گیا ہے۔ وہ سالار کا نام ہے۔“

ہونٹوں ٹھوسے پاٹم کہ سالارات ادھور کا رو گیا یہ  
رات ادھور کا کیسے رہتا ہے۔ یہ اپن کی سمجھ میں آنا  
نہیں آتا۔

وادر نے دھکے دے کر عبدل کو آگے بڑھا دیا۔  
 بڑی حیرت سے عبدل کو دیکھے جا رہا تھا۔ اسے یقین نہ  
 رہا تھا کہ اس قسم کی تک بک کرنے والا اتنا لالہ ملی آدمی

خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ عبدالصالح کھا کر جھوٹا  
پیر کا شہرہ کے پاس آگیا۔  
”تم سالہا کبھی سو فانی کے جگر میں مت آنا“ اس نے کہا۔

مہر کا بازو پھڑپھڑایا۔ آؤ، وہ اپنی دونوں گامٹی میں بیٹھ کر کہا  
دوسرے کا حال چال معلوم کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کو کہتا  
ہے: "میں نے دو۔ آؤ۔"

ایس جگہ سنا تھا اور نہائی تھی۔ دودھ دوز تک پہنچائی۔  
دودھ دوز تک کوئی مکان بھی نہ لکھائی نہیں دے سکتا تھا۔  
تجربہ نہیں تھے۔ لڑکھجی ویران تھی۔ ایسا غلوس  
ہوتا تھا جیسے کسی منصوبہ سے کوئی تصویر بنائی ہو یا خوشی  
پہنائی کی تصویر۔ داور سے ملاقات کے لیے بہت اچھی جگہ  
آداب کیا تھا۔  
تم مجھ سے بات کرنا چاہتے تھے۔ داور سے گفتگو کا  
یوگ۔

ہیں۔ "کرم چند نے اپنی گردن ہلاتی "میرے ساتھ پہلے بابے شمار الجھنیں تھیں۔ میں اب مزید الجھنوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اسی لئے میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔"

داؤد نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جمادیں، اسے حیرت  
 پہنچی تھی کہ یہ لہجہ اور رویہ اس کے لیے ناقابلِ فہم

”چلو بتاؤ کیا بات ہے؟“ - داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم جیسا آدمی کیسی الجھن میں پھنس سکتا ہے“ - میں نے ہنس لال سے دریافت کیا تھا، ”مگر چند دن سے“

لا: اس کا کہنا ہے کہ اگر میں نے تمہاری رقم لی ہے تو بہتر ہے کہ اسے واپس کر دوں لیکن میری الجھن یہ ہے کہ میں نے تمہاری رقم نہیں لی ہے۔

یہ بات کہ تم کچھ وقت لینا چاہتے ہو۔  
 نہیں نہیں۔ یہ بات وقت کی نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ یہ

ہے کہ میں نے رقم لی ہی نہیں۔ وہ رقم میرے پاس آئی ہے۔  
 نہیں۔ ”  
 ”اگر تم نے نہیں تو تمہارے کسی آدمی نے لی ہوگی۔ جانے

بہی ہے۔  
 "میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا" کرم چند جلدی سے  
 دلا۔ میں اپنے کسی آدمی کی پوری طرح ضمانت تو نہیں

مگر لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرا کوئی آدمی ایسی حماقت نہ کرے کہ وہ میری عزت کو برباد کر دے۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال، میں نہیں جانتا کہ تمہاری یہاں سے۔“

دو کیجو کرم چند، "داود غریبا" باہر کا کوئی آدمی اس  
کے باسے میں نہیں جان سکتا تھا۔ یہ بات تو ہم دونوں کے  
معلوم تھی، مگر باہر تھیں، مانتا ہے آدمیوں کو۔ مگر اخیال

میرے جانے کے بعد اس نے رقم نکالی ہی تھی۔ اس رقم کی کمانی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوسکتی، سمجھ گئے یا نہ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ مگر مجھے نہ تھا میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس قسم کے امرکانات نہیں ہیں، بلکہ میرے کہہ رہا ہوں کہ رقم میں نے نہیں لی ہے۔ دیکھو داد، میں یہاں کھڑے ہو کر تم سے تجربات کر رہا ہوں۔ وہ اس لیے نہیں کہ میں دب گیا ہوں یا تم سے خوفزدہ ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ یہ سلسلہ کبہ اور ہے۔ اگر یہی صورت حال اسے دو ماہ پہلے ہوتی تو اب تک کی کمانی بہت مختلف ہوتی۔ میں تم لوگوں کی تلاش میں پورے ہفتہ میں ہنگامہ کر دیتا لیکن اس وقت میں انھوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس لیے میں یہی مناسب سمجھا کہ تم سے بات کر کے نہیں یقین دلادیا جائے (انہاں مگر چند خاموش ہو گیا۔ ڈور گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ سپاٹ بچھا۔

”تو میں اس وقت جنگ کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔“  
 ”مگر مجھ نے پھر کہنا شروع کیا۔ یہ وقت میرے لیے بہت  
 نامناسب ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ پونا کی گلیوں میں ہنگامے

ہوں یہاں کی سڑکوں پر خون ہے۔ میں اس وقت اس بھر  
کو مکمل سکون میں دیکھنا چاہتا ہوں لیکن تم نے یہاں آنے  
کے بعد بہت ہنگامے برپا کر دیئے ہیں۔"

”آخر کیوں؟“ داور نے مسکرا کر پوچھا۔ ”کیا تم نے فل  
وغات گری سے توبہ کر لیا ہے؟“  
”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ کرم چند نے خشک لہجے

میں جواب دیا۔ میں نے پارسائی اختیار نہیں کی ہے میں ابھی  
 بھی وہی ہوں۔ لیکن اس وقت اس شہر میں میٹرک کے امتحانات  
 ہونے والے ہیں۔ تمہیں یہ معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں کا کام ان

رگونا تھنے کرم چند کی آواز پہنچی لی تھی۔ اس آواز کو سنتے ہی اس کے بدن میں لہو دوڑنے لگا۔ اس کی کہانیاں کی رگسں بھجھ کر تھیں۔ ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی شریانوں میں بہتا ہوا لہو اس کی جلد کو چیرتا ہوا باہر نکل آئے گا۔ انتہائی غصے اور نفرت کے جذبوں نے اس پر غلبہ کر دی تھی اس کی مشیاں کھٹنے اور بند ہونے لگیں۔ وہ اس شخص کا گلا گھونٹ دینا چاہتا تھا۔ اس قابل نفرت شخص نے لمبے جو اذیتیں پہنچی تھیں، ایسی اذیتیں اس کے تصور میں بھی منہیں تھیں۔ لیکن اس کے لیے خود پر ہونے والا تشدد کوئی

گاڑی کے رکے ہی رگوناختہ نے ڈکی اٹھائی اور پھل کر باہر آگیا۔ گاڑی ویران مقام پر پکڑی ہوئی تھی۔ دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنا پتو پینے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ گرم تہی کی توجہ کی طرف نہیں تھی۔ وہ پرکاش شہر سے کچھ کہہ رہا تھا۔

”تمہارا کیا خیال تھا کہ میں زندگی بھر تمہاری قیدی رہتا رہا؟“  
”تم ذلیل انسان سا کہ مجھے پہلے سے معلوم ہو

”کوئی خاص بات نہیں ہے بس“ پر کاش کے پاس سے  
 طرز تھا کہ تم نے یہ سمجھا تھا کہ میں اپنے معذوہ باس سے  
 غلامی کروں گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بس اب تم مجھے گھر  
 کہیں نے ایسا کون کیا ہے۔ میں نے جو پتوں کہیں دیا اس  
 میں گولیاں نہیں ہیں۔ تم بڑے ہو گئے ہو گونا گوتھے، تم  
 عقل نہیں رہی۔ گو تم اپنے حواس میں ہوتے تو تمہیں ایسا  
 چیک کر کے دیکھ لینا چاہیے تھا۔ لیکن تم نے انکھیں بند کر  
 جھجھجھ کر کیا اس کی کہا جاتا ہے کہ کسی پر اس طرح  
 کا بھروسہ مت کرو“

متم دھوکے باز ہو گئے۔ "رگوناختہ غصے سے بولا۔ پرکاش  
 مجھے تمہارا سہارا ہے میں بھی تمہارا ہوں تو یہ سمجھا تھا کہ  
 اوشا کی محبت تمہارے دل میں زندہ ہوگی اور۔۔۔"  
 "کس اوشا کی بات کر رہے ہو رگوناختہ؟" پرکاش پرس  
 بڑا۔ وہ بچاری تو بہت پہلے مر چکی ہے۔"  
 رگوناختہ کے ہونٹوں کے گوشے چمچھڑنے لگے۔ اس نے  
 ہلے بسی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس نے سنا کہ کرم چند  
 پرکاش کی تعریف کر رہا تھا۔ رگوناختہ کو اچانک محسوس ہوا۔  
 جیسے اس کی دلچسپی غیب ہو گئی ہو۔ اب اسے کسی چیز سے  
 کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اوشا کی موت کی خبر سننے سے  
 بڑھال کر دیا تھا۔ اس نے اپنی جان پر ساری مصیبتیں بھاری  
 کے لیے برداشت کی تھیں۔ اور جب وہی نہیں رہی تو پھر  
 وہ ایک کروڑوں پے کس کام کے۔ اس کی اپنی زندگی کس کام  
 کی؟۔۔۔"  
 "ذرا تمہیں تو کھو لو رگوناختہ! کرم چند کی زہری  
 آواز سنائی دی۔ اس طرح مانوس ہونے سے کیا فائدہ ہوگا؟  
 رگوناختہ نے اپنی آنکھیں کھول لیں۔ اس کے سامنے  
 دو نذرانوں کے چہرے تھے۔ ان دونوں نے اس کے ساتھ۔  
 دھوکا کیا تھا۔ اس نے دونوں پر ہنسنے لگا تھا۔ اور دونوں  
 ہی اس کے دشمن ثابت ہوئے تھے۔ اس کی سمجھ میں  
 نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہے۔  
 "میں سچ کہہ رہا ہوں رگوناختہ۔ پرکاش مہرونے کہا۔  
 اوشا واقعی مر چکی ہے۔ وہ ایک حادثے میں ہلاک ہوئی ہے۔  
 یہ درست ہے کہ میں نے اس کو حاصل کرنے کی تمنا کی تھی۔  
 اور اس رشتے سے میں تمہارا احترام بھی کرتا تھا لیکن اس کی  
 موت کے بعد میرا تعلق تم سے ختم ہو گیا ہے۔ اب تم میرے  
 کسی کام کے نہیں رہے۔ خاص طور پر جب تم نے مجھے یہ بھی  
 بتا دیا کہ تمہارے ایک کروڑ روپے کہاں رکھے ہوئے  
 ہیں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد تمہاری زندگی کی اب کوئی اہمیت  
 نہیں رہی ہے۔"  
 "خاموش رہنا سکتے۔۔۔ رگوناختہ دھارڑا اٹھا۔ اگر تو  
 نے اس رقم کے بارے میں کچھ بتایا تو میں تیری زبان کھینچ لوں  
 گا۔"  
 "تم کیا کر سکتے ہو؟۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔ پرکاش مہرونے کہا  
 بے انتہا طنز اور مذاق اڑاتے والا ہو گیا۔ "تم تو خود بے بس ہو"  
 کیا اس نے رقم کے بارے میں بتایا ہے۔ "کرم چند  
 نے خوشی سے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"ہاں باس۔ پرکاش نے اپنی گردن ہلاتی۔ اس نے  
 مجھ پر ہنسنے کو کہے وہ جگہ بتا دی ہے جہاں وہ رقم پوشیدہ  
 رکھی گئی ہے۔"  
 یہ بات ہوئی نا؟ کرم چند خوشی سے جھک اٹھا۔ میرا  
 نے رگوناختہ کی طرف دیکھا۔ دیکھ لیا رگوناختہ۔ تو نے یہجا  
 تھا کہ تو میرے آدمی کو غلامی پر اس کے سامنے میں کامیاب ہو  
 جائے گا۔ لیکن تیرے یہ خواہش بھی پوری نہیں ہو سکتی  
 اور اب میں واقعی تیری زندگی کی ضرورت نہیں ہے۔ تو نے  
 پرکاش مہرونے کو بتا کر اپنے بیرون پر کھلا دی مار ہے۔ اپنی زندگی  
 خود ہی قتل کر دی تو نے۔ اور اس غلطی پر پچھتانے کا موقع  
 ہی نہیں ملے گا۔"  
 "تو مجھ پر کیا حکم ہے باس؟" پرکاش مہرونے کرم چند کی  
 طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا بیٹا کو شتم کر دوں۔"  
 "ہاں! کرم چند نے رگوناختہ کی موت کا حکم صادر کر  
 دیا۔  
 پرکاش مہرونے پسٹول والا ہاتھ اٹھا یا اور اسی وقت  
 کہیں سے ایک گولی چلی اور پرکاش مہرونے کی کلاں میں سوراخ  
 بنائی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔ پرکاش مہرونے ایک بھیانک  
 چرخ کے ساتھ دوسرے ہاتھ سے اپنے بزم کو پھڑپھڑاتے ہوئے  
 زمین پر بیٹھ گیا۔ پسٹول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف  
 جا کر اٹھا۔ رگوناختہ اور کرم چند دونوں ہی جھوٹے ہو کر  
 چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن ابھی تک کوئی دکھائی نہیں  
 دیتا تھا۔  
 کرم چند کا پسٹول گاڑی کے باس ہی گرا ہوا تھا۔ اس  
 نے بڑے غیر محسوس طور پر اس پسٹول کی طرف قدم بڑھایا  
 اور اسی وقت دوسری گولی چلی اور اس کے قریب ہی زمین  
 میں دھنسن گئی۔ اس گولی نے اچھی خاصی مٹی اڑا دی تھی۔  
 اس کے ساتھ ہی درخت کے کنارے سے ہونے ایک درخت  
 کے اوپر سے کسی کی لٹکار سنائی دی اور کوئی شخص درخت  
 سے کود کر نیچے آ گیا۔ ان سبھوں نے اسے پہچان لیا وہ عبدال  
 تھا۔ جس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں پسٹول لے رکھا تھا۔  
 "ابن سالار زندگی کی اولاد تو نہیں ہے پھر بھی سالار ابن  
 طارزن کی بہت سی فلمیں دیکھ رکھتا ہے۔ اس نے ان لوگوں  
 کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "ابن کو جب بھی میں فٹاک کا پتلا  
 ملتا ہے۔ ابن اس سے فائدہ اٹھا لیتا ہے، ابھی دیکھو۔ ادھر  
 تم لوگوں نے مارا ماری جا لو گیا ادھر ابن آسمان سے ٹپک پڑا  
 متم! رگوناختہ نے ہریت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم۔ تم تو شاید چلے گئے تھے۔"  
 "تم مجھے سالار ابن پوہی آدمی ہے۔" عبدال نے مزہ بنا  
 کر کہا۔ ابن سالار بولا کہ تم اس مکان میں رہنا لیکن تم ادھر  
 سے گول ہو گئے۔ ابن سالار نہیں ڈھونڈتے ڈھونڈتے کھانا  
 ہو گیا۔ تم کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"  
 "تجربہ ہمارے درمیان مداخلت کا کوئی حق نہیں ہے۔"  
 کرم چند غصے سے بولا۔ تمہارے باس سے ہماری بات ہو  
 چکی ہے۔"  
 "ابن سالار بھی بالکل گاڑی ہے۔" عبدال نے کہا۔ ابن  
 نے یہ سمجھا تھا کہ متم مارا ماری سے بھاگ رہا ہے۔ متم  
 نہیں چاہتا کہ اس شہر میں بنگلے ہوں۔ ابن دونوں نے  
 تمہاری بات پر یقین کر لیا۔ یقین جب متم سالار خود ہی شروع ہو  
 گیا تو ابن کیا کرے۔ ابن کو بھی ہاتھ پاؤں چلائے گا ہے کیا؟  
 کیا؟  
 کرم چند غصے سے اپنے ہونٹ چبا کر دہ گیا۔ پرکاش مہرونے  
 اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے ابھی تک ایک ہاتھ سے اپنی بچی نکالی  
 کیڑی تھی۔ وہ بڑی نفرت بھری نگاہوں سے عبدال کو  
 دیکھ رہا تھا۔ عبدال کی اس ہریت پر کرم چند نے ان لوگوں  
 کو بے حد حیران کر دیا تھا۔  
 "لیکن ابن سالار صوبہ نہیں ہے۔" عبدال نے پھر کہا شروع  
 کیا۔ ابن جب تمہارے ساتھ گاڑی میں آکر بیٹھا تو ابن کو  
 ایسا لگا جیسے گاڑی میں کھٹ پٹ ہو رہی ہے۔ ابن سالار اسی  
 وقت سمجھ گیا کہ کوئی ہندہ گاڑی کے اندر پھنسا ہے۔ اس ٹائم  
 پر جب رہا۔ کیا ہوتا ہے؟ ہونٹوں کو سی لیا۔ لیکن جب ابن  
 اپنے باس کو لے کر چوری کی گاڑی میں چلا تو ابن باس کو سب  
 کچھ بتا دیا۔ باس نے ابن کا مذاق بھی اڑایا لیکن جب ابن  
 پسر گیا تو ابن نے گاڑی دھڑکی اور یاؤں یاؤں  
 جلتا ہوا بہانہ نکال دیا۔ ادھر تک وہ کچھ نہ کہتا پڑا تھا۔  
 متم لوگ آج بامو بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی لیے ابن اور درخت  
 پر پڑ گیا۔ اور ٹھیک وقت پر ابن نازن کے ہاتھ جب  
 لگا دیا۔ تو یہ ہے اپنی کی اشتوری۔ اس اشتوری میں سالار فلم  
 بھی بن سکتا ہے۔"  
 متم بالکل ٹھیک وقت پر آئے۔ رگوناختہ نے لہک کر  
 کہا۔ "لیکن تمہارا دوست کہاں ہے؟"  
 "ابن کا باس بھی اوپر پھنسا ہے۔" عبدال نے مسکراتے  
 ہوئے کہا۔ پھر اس نے درخت کی طرف دیکھتے ہوئے آواز  
 لگائی۔ "تم بھی نیچے آ جا باس۔"

اس کے ساتھ ہی اور بھی درخت سے جھلانگ لگا  
 کر نیچے آ گیا لیکن وہ ان لوگوں کے قریب نہیں آیا تھا۔ وہ درخت  
 کے تنے سے ٹپک لگا کر کھڑا ہو گیا۔  
 رگوناختہ کی خوشی طو بھو بھتی جارہی تھی۔ اس نے  
 آگے بڑھ کر کرم چند کا گرا ہوا پسٹول اٹھا لیا۔  
 "میں اب تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے  
 اپنا پسٹول والا ہاتھ بلایا۔ اب متم لوگوں کا کھیل ختم ہو گیا  
 ہے۔"  
 "نہیں متم ایسا نہیں کر دے گا۔" داؤد نے آواز لگائی۔ میں  
 نے تم سے کہہ دیا تھا کہ یہ جنگ میری ہے۔ متم اس میں حصے  
 نہیں لو گے گا۔  
 "کون مجھے روک سکتا ہے؟" رگوناختہ جھڑک اٹھا۔  
 "میں روکوں گا۔" داؤد نے کہا۔ ہمارے درمیان کلی  
 شام تک کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اس دوران میں یا تم ان  
 میں سے کسی پر ہاتھ نہیں ڈالیں۔  
 رگوناختہ نے غصے سے داؤد کی طرف دیکھا۔ پھر ایک  
 گہری سانس لی۔ بڑا اور اسی وقت سانپ کی سی تیزی سے  
 سے پلٹ کر اس نے پرکاش مہرونے کی طرف پسٹول کا رخ کر  
 دیا۔ پھر اس سے پہلے کہ داؤد یا عبدال سے روک سکتے۔ اس  
 کی انگلیاں ٹپک ٹپک چلیں اور سیکے بعد بڑے کسی گولیاں۔  
 پرکاش مہرونے جسم میں پوسٹ ہو گئیں۔ رگوناختہ نے پہلی  
 گولی اس کے سینے میں ماری تھی اور جب وہ گرا تو دوسری گولی  
 اس کے سر میں اتر دی۔ پرکاش مہرونے تڑپ کر کمرے کی چھانگ  
 کی طرف کھل گیا تھا۔  
 پرکاش مہرونے ٹپ ٹپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے رنے  
 کے بعد وہاں خاموشی طاری ہو گئی۔ اس ویرانے میں گولیاں  
 کی آواز سن گئیں تھیں اور اب سناٹا ہو گیا تھا۔  
 "تیرے کیا کیا رگوناختہ؟" داؤد درخت کے پاس سے  
 چلتا ہوا ان لوگوں کے قریب آ گیا۔  
 "تمہارا معاہدہ کرم چند سے تھا۔ اس لیے میں نے اسے کچھ  
 بھی نہیں کہا ہے۔" رگوناختہ نے بہت لہجے میں جواب دیا۔  
 "یہ کرم چند سے زیادہ غدار اور کچھ ثابت ہوا اس لیے میں  
 اسے انجام دینا چاہتا ہوں۔ اب وہ صرف تمہاری خاطر میں نے  
 کرم چند کو چھوڑ دیا ہے۔"  
 کرم چند ان لوگوں کے درمیان سوکھنے کی طرف لڑ  
 رہا تھا۔ اس کے اندر رگوناختہ سے آنکھیں ملانے کی بہت  
 بھی نہیں تھی۔

عبدال " واد نے عبدل کی طرف دیکھا " تم ذرا معلوم کر کے آؤ کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں "۔

اس طرح تو ہمارے لیے بہت مصیبت ہو جائے گی۔  
 مصیبت میں تو چھوٹا سا ہے استاد و اب الود کیا ہونے  
 والے ہے۔  
 تم بھی جھٹک کہتے ہو۔ داور نے گردن ہلائی پھر اس  
 نے گونا گویا کی طرف دیکھا۔ ”تم تو ہمارے دیکھنے پر ہی احوال  
 اس مکان سے مت نکلتا۔ یہ تمہارے ہی جملے کے لیے کہہ رہا  
 ہوں۔ اس شہر میں ہر طرف تمہارے دشمن پھیلے ہوئے ہیں۔  
 ”نیکن بائیں“ عبدل جلدی سے بولا۔ ”مگر چند کھنڈ  
 پتہ پر گیا ہے کہ گھوٹا خاں اس مکان سے باہر آ گیا ہے پھر تم  
 اس کو اس مکان میں بھیج رہے ہو۔ اس طرح تو یہ بچاؤ۔“

لیکن جب اس نے فون پر کمر چنسنے بات کی تو وہ فوری طور پر بٹنے کے لیے تیار تو ہو گیا لیکن اس نے اس ملاقات کے لیے ایک ہوٹل کا نام جوڑ کیا تھا۔ داور نے بھی وہ ہوٹل دیکھا ہوا تھا۔ اس ہوٹل کا نام ایسرا تھا اور وہ پڑا کے اچھے ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا کمر چننے کا کہنا تھا کہ اس ہوٹل کے کمرے ہرے ہرے ڈائننگ ہال میں کسی بھی کسی کی طرف منظرہ نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ملاقات کے لیے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ داور نے اس کی بات مان لی۔ اس ہوٹل کا ڈائننگ ہال بہت شاندار تھا۔ پورا عیسے چھوٹے شہر میں اتنا خوبصورت ہوٹل دیکھ کر داور کو حیرت ہوئی

اور نے پہلو بدل کر اپنی جیب میں رکھے ہوئے پتوں  
تھمتھایا۔ اسے عبدال کو جیب پٹنے ساتھ یہاں لانا چاہیے  
خارجہ لیکن وہ اکیلا چلا آیا تھا۔ اور اب اسے حساس ہو  
پاتا تھا کہ شاید اس نے کوئی غلطی کر دی ہے۔ گرم چند کا رویہ

اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اسے اگر داور سے ملاقات کرنی تھی تو براہ راست اسی کو آنا چاہیے تھا۔ اس نے ایک دوسر آدمی کو اس کی طرف کبول بھیجا تھا۔ یہ حال اب جو ہوتا تھا، اسے ٹالنا نہیں جاسکتا تھا اور داور اس کے لیے تیار تھا۔ وہ خیمہ خیمہ آدمی داور کی میز کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہنٹوں پر بڑی ظریف سی مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں داور کے لیے تحیر کا عکس تھا۔

”تم میرے ساتھ چلو۔“ اس نے کھڑے ہونے لہجے میں داور کو مخاطب کیا۔ ”باس نے نہیں بلایا ہے۔“  
”اچھا!“ داور نے شکرا کر لی۔ ”پہلے تم اپنا ہتھوڑا کرو۔ کیا تمہارے پاس نے نہیں یہ نہیں بتایا کہ میں کون ہوں؟ داور کی بات سن کر وہ آدمی سنبھل گیا۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ داور پر ٹوٹ پڑے گا۔ پھر اس نے خود پر قابو پالیا۔

”باس نے بلایا ہے تمہیں۔“ اس نے دوبارہ کہا۔ اس بار اس کا لہجہ عین کی نسبت نرم تھا۔ داور ایک جھٹکے سے کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر کرم چند نے اس وقت اس سے ہٹو کر کرنے کی کوشش کی تو وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ وہ آدمی اسے اس ہونٹ کی تیری منزل پر ایک کمرے میں لے آیا۔ یہ کمرہ بھی کرم چند کے استعمال میں رہتا تھا۔ اور اس نے اس کمرے کو ایک طرح کا اپنا دفتر بنا کر رکھا تھا۔ اس کمرے میں ایک میز بھی تھی اور عین کے اوپر ایک عدد فون بھی رکھا ہوا تھا۔

داور کے کمرے میں آتے ہی وہ سب حیرت اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ داور کے انداز میں ہلائی لاپرواہی تھی۔

”یہ تو واقعی بہت جیلا ہے باس!“ کمرے میں موجود ایک آدمی نے کرم چند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ تو ایسا ہی آریا ہے۔“  
داور نے ہلٹ کر اس آدمی کی طرف دیکھا پھر کرم چند سے مخاطب ہوا۔ ”مجھے ایک مفروضی فون کرنا ہے۔“  
”کس کو فون کرنا چاہتے ہو؟“ کرم چند نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اپنے ساتھی کو۔“ داور نے جواب دیا۔ ”میں یہاں گلا تو آیا ہوں لیکن اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ بغیر کسی انتظام کے چلا آیا ہوں گا۔ تم مجھے فون کرنے دو۔ ورنہ میری فون میں گیا تو میرا ساتھی تمہارے اس مکان کو آڑا دے گا۔“

”کیا؟“ کرم چند بولا کہ کھڑا ہو گیا۔ کیا کہہ رہے ہو تم؟“

”پچ کمرہ رہا ہوں۔“ داور میز کے پاس آ گیا۔ میرے ساتھی نے تمہارے مکان کو ڈائنامیٹ کر رکھا ہے۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ میں پر ہندہ منٹ کے بعد اسے فون کرتا رہوں گا۔ وہ اس وقت ایک ایسی جگہ پر بیٹھا ہے جو تمہارے مکان سے زیادہ دور نہیں ہے اور اگر اسے میرا فون نہیں ملا تو وہ بغیر کسی توقف کے تمہارے مکان کو ڈا دے گا۔ تم نے تو اس کی فطرت دیکھ لی ہو گی۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ کسی قسم کا تحفظ نہیں کرتا۔ اس میں امر ہے ہی نہیں۔“

”یہ سب جھوٹ بھی ہو سکتا ہے باس!“ ایک اور آدمی نے کہا۔ ”آپ اس کی باتوں میں نہ آئیں۔“

”کرم چند۔“ داور غصا کر کہہ اٹھا۔ ”تم اس بیوقوف کو بتا دو کہ میں کون ہوں۔ اور میں کس حد تک پرجوش ہوں۔“  
”خاموش رہو چھٹا کر۔“ کرم چند اس آدمی پر برس پڑا جس نے داور کے لیے وہ بات کی تھی۔ یہ آدمی سرجھک رہا تھا۔

اس نے واقعی میرے مکان کو ڈائنامیٹ کر دیا ہو گا۔ داور نے میز پر رکھے ہوئے فون کا ریسور ہٹا لیا۔ اس نے اس پھر سے فون پر ڈال کر دیکھا کہ کون کون کے لیے اس کی آنکھوں پر نگاہ جانا مشکل ہو گیا تھا۔ پھر اس نے ریسور اپنے کان سے لگایا اور کھٹکھٹو خرخر کر دی۔ عبدال نے اس قسم کی اداکاری سکھا دی تھی۔  
”ہیلو عبدال۔“ اس نے کہا۔ ”ہاں۔ فی الحال سب ٹھیک ہے۔ میں ہندہ منٹ بعد پھر فون کروں گا۔“ آئینہ تھے ہی اس نے ریسور رکھ دیا۔

وہ سب کے سب اسے حیرت اور غصے بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مضطرب۔ کرم چند ہی تھا۔

”تم نے میرے مکان کو ڈائنامیٹ کیوں کر دیا ہے؟“ کرم چند نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ اس گھر میں میری بیوی اور بچے ہیں؟“

”اچھی طرح جانتا ہوں۔“ داور نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”اسی لیے میں نے یہ حرکت کی ہے۔“ دیکھو کرم چند۔ میں لاکھ دلیروں کی بجائے ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اچھا کرتا ہوں۔ میں تم سے ملنے کے لیے یہاں آ گیا ہوں۔ لیکن میں نے انتظام نہیں ہی کر لیا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر میں نہیں

یہ نہیں بتاتا کہ میں نے اپنے ساتھی کو تمہارے مکان کے پاس لگا رکھا ہے تو اس وقت تمہارے آدمی میرے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“

کرم چند کچھ نہیں بولا۔ وہ اپنے ہونٹ چبانے لگا تھا۔ اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ پوری طرح داور کی طرف متوجہ تھے۔ جو اتنے اطمینان کے ساتھ بیٹھ رہا تھا جیسے اپنے پرانے دوستوں کے درمیان ہو۔ اس کے کسی بھی انداز سے گھبراہٹ کا خوف کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

”خیر۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے مجھ سے کیوں ملنا چاہا تھا؟“ کرم چند نے کچھ دیر بعد پوچھا۔  
”مجھے اس پولیس والے سیٹام کی موت کھٹک رہی ہے۔“

داور نے بتایا۔ ”ایسا گستاخے جیسے وہ اس رزم کے راز سے واقف تھا اس لیے اسے ہلاک کر دیا گیا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ کرم چند نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”یہ بھی قیا ہو کہ تم مجھ سے آکر ملے۔“ مجھے خود تم سے کچھ کہنا تھا۔ دیکھو داور۔ میں نے اور میرے ساتھیوں نے یہ یہ بتلایا ہے کہ اس شہر میں میرے خلاف کچھ لوگ پیدا ہو گئے ہیں۔

یا پھر باہر سے آئے ہیں۔ اور ان ہی میں سے کسی نے اس پولیس والے کو ہلاک کیا ہے اور وہی لوگ تمہاری فٹم نے اڑے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ نہ صرف میرے بلکہ تمہارے بھی دشمن ہیں۔“

اس دوران کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور ایک بیراڑے میں شراب کی بوتلیں اور گلاس لیے داخل ہوا۔ اس نے وہ طے میز پر رکھی اور مرچھاٹے ہوئے غلوٹی سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کرم چند کے ایک آدمی نے کمرے میں موجود لوگوں میں شراب تقسیم کرنی شروع کر دی۔ اس نے ایک گلاس داور کی طرف بھی بڑھا دیا۔ داور نے گلاس خالی کیا اور حقیقت کی آستین سے اپنا منہ صاف کیا اور کسی سے اچھ کرکڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔

”کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اس پولیس والے سیٹام ہی نے وہ رقم حاصل کر لی ہو؟“ داور نے ان لوگوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ”اور کسی دوسرے آدمی نے رقم کے لالچ میں اسے قتل کر دیا ہو۔ اس طرح تمہارا یہ مفروضہ غلط ہو جائے گا کہ اس شہر میں کچھ لوگ تمہارے دشمن بنے ہوئے ہیں۔“

”نہیں، ایسا نہیں ہے۔“ ایک بھاری بھر کمائی بول پڑا۔ ”سیٹام کو وہ رقم نہیں ملی تھی۔ اگر ملی بھی ہوگی تو اس کے

حسے میں دو چار ہزار سے زیادہ نہیں آئیں گے۔“  
”یہ نہیں کیسے معلوم ہو گا؟“ داور نے اس کی طرف دیکھا۔  
”نہیں جادیں۔“ نہیں کیسے معلوم ہے کہ اس کے پاس رقم تھی یا نہیں؟“

”سیٹام میرا ہی ماتحت تھا۔“ بھاری بھر کم آدمی نے جواب دیا۔ ”میرا تعلق بھی پولیس سے ہے۔ سیٹام کی معاشی حالت کو مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے؟“

”اوہ۔“ داور نے اپنے ہونٹ سلیپ سے پھر اس آدمی کی طرف دیکھا۔ ”دیکھو دوست، تم پولیس افسر ہو اور سیٹام تمہارا ماتحت تھا۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ جب سیٹام کو وہ روپے ملے ہوں تو اس نے ہمیں آکر رپورٹ دی ہو کیونکہ عام طور پر اصول یہی ہے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ اس بھاری بھر کم آدمی نے بے چینی سے پیدل بدلا۔ ”کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ رقم میرے پاس ہے۔“  
”نہیں میں نے تو بس ایک بات پوچھی تھی۔ داور نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ سیٹام نے اپنا وہ دولت ابھی خرچ نہ کی ہو۔“ ایک آدمی نے کہا۔ وہ صورت شکنی سے معقول اور بڑھالکھا شخص معلوم ہوتا تھا۔ اس کی بات سن کر سب ہی اس کی طرف اس طرح متوجہ ہو گئے تھے جیسے اس کی بات کو غور سے سننا چاہتے ہوں۔ ”جہاں تک میں سمجھتا ہوں سیٹام ایک محتاط آدمی تھا۔ ممکن ہے کہ اس نے وہ دولت کسی اور وقت کے لیے محفوظ رکھی ہو۔ وہ جلدی کا کام نہیں کرنا چاہتا ہو۔ دوسری طرف یہ بھی امکان موجود ہے کہ سیٹام کا ساتھ دینے والا نظریہ ہی کا کوئی آدمی ہو۔ ان دونوں نے اس رقم سے اپنا حصہ اٹک کر لیا ہو۔ یہ سارے امکانات موجود ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ میں یہ بھی محسوس کر رہا ہوں کہ۔“

”الیکشن ہو جائے ہو۔ تمہارا آدمی جیتے یا ہارے، ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں رقم چاہیے۔ بس چاہیے وہ رقم پولیس کے کسی آدمی نے ہی یا نظام کے آدمی نے میرے لیے اس سے کوئی فرق پڑتا۔ لیکن اس انتظار میں ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں اس سے جلا جاؤں گا۔ یہ مسائل تمہارے لیے ہیں، تم لوگ ان سے



نہشتہ رہتا۔  
 داور کی بات سن کر اس کے منہ میں سننا اچھل گیا۔ وہ  
 پر کھڑے آدمیوں نے اپنی اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔  
 اور داور اسی وقت کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔ اس نے  
 یہ دیکھ لیا تھا کہ کرم چند کے دیوں کے ہاتھ ان کی پستولوں  
 تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ لوگ جھلا کر کچھ بھی کہہ سکتے تھے۔ داور  
 ان کی آنکھوں میں چلا آیا تھا۔ وہ اتنی برداشت کا آدمی نہیں تھا  
 اس نے گنگو گھرنے میں اپنا بہت سا وقت ضائع کر دیا تھا۔  
 یہ اس کے مزاج اور اصول کے خلاف تھا۔ وہ اس فحش کی طرف  
 جنگ لڑنے کا عادی نہیں تھا۔ اسے اب تک مار دھاڑ کر کے  
 نکل لینا چاہیے تھا۔ لیکن انہیں یہ بھی کہ اس مادی ہمارے بھی  
 کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کا اصل مقصد اپنی رقم نکالنا تھا  
 لڑائی جھڑائی کی صورت میں اس کی رقم کے ڈوب جانے کا  
 اندیشہ تھا۔ اس لیے اس نے اتنے صبر کا مظاہرہ کیا تھا۔  
 سب اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اس نے شبلی فن پر  
 پھر کوئی غور نہ کیا اور ان لوگوں پر بڑا ہر کرنے کے بعد  
 کہ جھلا پوری طرح تیار بیٹھا ہے، ریسپور واپس لکھ دیا۔  
 اس نے محسوس کیا کہ اس کی اس حرکت نے کرم چند کو اور بھی  
 جھلا ہٹ میں مبتلا کر دیا ہے۔ لیکن وہ بے بس بھی تھا۔  
 داور بھیے ایک بات تم سے اور بھی کہنی ہے۔ اگر کرم چند  
 نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم اس آدمی کو میرے حوالے کر دو۔“ کرم چند نے  
 کہا۔ ”تم نے سمجھ لیا ہو گا کہ میرا اشارہ کس طرف ہے۔“  
 ”بہت اچھی طرح۔“ داور مسکرا دیا۔ لیکن اس نے اس  
 کے تحفظ کا وعدہ کر رکھا ہے۔ کرم چند اس وقت تک جب  
 تک میں اس شہر میں ہوں۔ میرے یہاں سے جانے کے  
 بعد تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ میں نہیں  
 یہ بھی بنا دوں کہ ایک بڑا خطرہ ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔  
 ہو سکتا ہے کہ کوئی اور ہماری گھات میں بیٹھا ہو اور ہمارے  
 ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جائے جو تم نے اس کے ساتھ  
 کیا تھا۔ کہہ دو کہ انسان جو کرتا ہے وہ اس کے سامنے آجاتا  
 ہے۔“

کرم چند کے ہونٹ پکپکا نے لگے۔ نہ جانے داور کی  
 اس بات میں کیا تھا کہ وہ پریشان ہو گیا تھا۔  
 پرکاش مہرہ والی بات تو کرم چند کے لیے کرمے میں ہوئی  
 ایک آدمی اچانک بول پڑا۔ اس کی آواز نے کرم چند کو چونکا  
 دیا تھا۔

”اس کی کوئی بات نہیں ہے۔“ کرم چند نے جلدی سے  
 کہا۔ اس قسم کے کاموں میں زندگی اور موت کی کوئی اہمیت  
 نہیں ہو سکتی۔ موت بڑی آسانی سے آکر جھپٹ لیتی ہے۔  
 پرکاش مہرہ کو مزہ تھا وہ مر گیا۔ اس کی موت کا کوئی بھی  
 ذمہ دار نہیں ہے۔  
 لیکن صورتحال یہ ہے کہ جب تک ہم اس شہر میں آؤ  
 ہیں یہاں ہونے والی ہر اوراد واپس ہمارے کھاتے میں  
 ڈالتی رہے۔ داور نے اس بھاری جھگڑے کو پولیس کی  
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کوئی بات نہیں، اس پرکاش مہرہ  
 کی موت کو بھی ہمارے حساب میں لکھ لینا۔  
 پولیس آفیسر نے جھلا کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ چہرے  
 سے غرا کر رہ گیا۔ کرمے میں موجود لوگ داور کی طرف ان کی  
 دیکھنے لگے تھے۔ جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ کوئی نہایت  
 دشمنوں کے درمیان آکر بھی اتنے اطمینان ادا کر پڑے والی ہے  
 کرم چند نے۔

”دیکھو داور، پولیس آفیسر بالآخر بول ہی پڑا۔ وہ خود پر  
 قابو نہیں پاسکا تھا۔ میں بہت دیر سے تمہاری باتیں سن رہا  
 ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔ اور تم  
 نے میرے ساتھ کرم چند کے مکان کو لائے کی دھمکی دی ہے۔  
 تم اس شہر میں خون خرابہ کرتے پھر رہے ہو۔ اگر میں چاہوں  
 تو ابھی تمہیں گرفتار کر سکتا ہوں۔“  
 ”تم یہ نہیں کہہ سکتے پولیس آفیسر، داور نے مسکراتے  
 ہوئے کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارا خود پناہ امن ضمانت  
 نہیں ہے۔ تم تو خود کرم چند جیسے آدمی کے ساتھ ملے ہوئے  
 ہو۔ تم تو خود میری طرح ایک مجرم ہو اس لیے تم کچھ بھی  
 نہیں کر سکتے۔ سمجھو۔ پولیس آفیسر نے نگاہیں ہٹا کر  
 اس نے کرم چند کی طرف دیکھا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں  
 کرم چند کی جاننے سے پہلے اتنا پھر یاد دلا دوں کہ اپنے  
 مسائل خود ہی منو۔ مجھے تو رقم چاہیے اور وہ میں لے کر ہوں  
 گا۔“

اس ملاقات کے چند منٹوں بعد سیاہ رنگ کی ایک گاڑی  
 سوامی جی کے مندر کے سامنے آکر رک گئی۔ اس گاڑی میں  
 تین آدمی سوار تھے۔ گاڑی کے اندر تاریکی تھی جس کی وجہ سے  
 ان کے چہرے دیکھے نہیں جاسکے۔ گاڑی کے کچھ لوگ  
 چلنے والا دروازہ کھول کر باہر گیا اور بے مقصد بڑھ پڑا  
 پہلے لگا۔ جبکہ کچھ نشست پر بیٹھے دو آدمی وہاں ہی بیٹھے  
 رہے تھے۔

اس وقت مرگ بالکل ویساں تھی۔ اس پاس مکانات  
 بھی نہیں تھے۔ سوامی جی کے مندر کے کھاتے میں بھی کچھ  
 خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گاڑی چلانے والے نے  
 فٹ پاتھ پر پڑے ہوئے ایک پتھر کو کھوکھو کر دیا۔ وہ پتھر  
 ٹھٹھا ہوا اور چلا۔ وہ شخص بھی اس پتھر کے قاتل میں  
 گاڑی سے دور ہٹ گیا تھا۔ اس کے گاڑی سے دور ہٹنے کی  
 گاڑی میں بیٹھے ہوئے دو آدمیوں نے گفتگو شروع کر دی۔  
 ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرم چند نے کچھ بھانپ لیا ہے۔“  
 ان میں سے ایک نے سرگرمی سے بولتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں۔ دوسرے نے اس کی تائید کی۔“ ایسے لگتا ہے کہ  
 جیسے وہ کھٹکا ہوا ہے۔ اسے خطرے کا احساس ہو گیا ہے۔  
 لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ خطرہ کس طرف سے اس کے پاس  
 آ رہا ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں آدمیوں نے بھی بری طرح  
 اسے تنگ کر رکھا ہے۔  
 ”ان دونوں کے مشن کچھ بتاؤ۔“

”ان میں سے ایک کا نام عبدل ہے اور دوسرے کا داؤ۔“  
 دوسرے شخص نے بتانا شروع کیا۔ آج کی مینگ میں داور  
 آیا تھا۔ اس نے عبدل کو کرم چند کے مکان کی طرف بھیج  
 دیا تھا تاکہ وہ کسی خطرے کی صورت میں کرم چند کے مکان  
 کو تباہ کر دے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ یہ داور  
 بہت ہی خطرناک انسان ہے۔ اس کے علاوہ وہ حد درجہ  
 ذہین بھی ہے۔

”ہوں“ پہلے والے نے ایک ہنگامہ کی پھر سرگرمی کا ایک  
 کٹ لیتا ہوا بولا۔ ”مکان ہے کہ آگے چل کر یہ دونوں ہی  
 ہمارے لیے خطرہ بن جائیں۔ اس لیے انہیں راستے سے  
 ہٹانا ضروری ہو گیا ہے۔“

”جس طرح ہم نے ستیام کو مٹا دیا ہے۔“  
 ”ستیام اپنی حماقت سے مر رہا۔“ پہلے والا غرا ہوا۔ اس  
 کے علاوہ میر نے اسے ہلاک کرنے کی ہدایت نہیں دی تھی۔  
 اس کی نیت نے ستیام کو مارنے کے بعد بھی بتایا کہ وہ ستیام  
 کو مارا ہے۔ میں نے اس پر برا بھلا بھی کہا تھا لیکن اب کیا  
 ہو سکتا تھا۔

”ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ دوسرے نے افسوس کا  
 اظہار کیا۔ ”دیکھو نا، ابھی تک ہم خون خرابے سے دور رہے  
 تھے۔ بارہا تو موت نہیں آئی تھی۔ ہم ذہن سے تنگ  
 کر رہے تھے۔ اور اس میں ہمیں کامیابی بھی ہوئی تھی۔ لیکن  
 تم نے صورتحال تبدیل کر دی ہے۔ ایسا نہیں ہونا

چاہیے تھا اور اب تم دو آدمیوں کو ہلاک کرنے کی بات کر  
 رہے ہو۔ یہ قتل و غارت گری اپنی لاشیں نہیں ہے۔ میں اس  
 قسم کی چیزوں سے بہت دور رہنا چاہتا ہوں۔“  
 ”جھک ہے۔“ جھک ہے۔“ پہلے والے نے دوسرے  
 کے شانے پر پتھری دی۔ ”ہم اس موضوع پر بعد میں بات کریں۔“

مارلو کو بھی سے بلایا گیا تھا۔  
 وہ ایک پشہرہ قاتل تھا۔ اس کے حساب میں اتنے قتل  
 لکھے ہوئے تھے۔ جن کی گنتی بھی اسے یاد نہیں تھی۔ اس  
 کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ اتنے ٹھنڈے دل و دماغ سے  
 قتل کرتا ہے جیسے قتل کر رہا ہو چاہے پی پی رہا ہو۔ سرگرمی  
 رہا ہو۔ کوئی پتہ نہیں، کوئی غصہ نہیں۔ قتل کرنا اس کا فرائض تھا  
 اس سے کام لینے والے جانتے تھے کہ اسے۔ ایک مقتول رقم  
 دے دی جائے اور اس آدمی کا نام بتا دیا جائے جس کو قتل کرنا  
 منصوبہ ہو تو اس کے بعد کسی قسم کی کوئی فکر نہیں رہتی۔ مارلو  
 باقی حالات خود ہی سمجھال لیا کرتا ہے۔ وہ اپنے شکار کو بال  
 سے بھی ڈھونڈ نکالنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس کے اندر  
 ایک غریب بھی تھی کہ وہ سوالات نہیں کرتا تھا۔ اسے اس بات سے  
 کوئی غرض نہیں ہوتی تھی کہ قتل کروانے والا کس کو کیوں  
 قتل کروانا چاہتا ہے۔ وہ اپنا کام کرنے کے بعد اپنا نام  
 پتہ بھی بھول جا کر رہتا تھا۔

ایک دن پہلے اس کے نام پوچھنے کسی نے بیس ہزار  
 کی رقم بھیجی تھی۔ اور داور کا نام لکھ دیا تھا۔ اور  
 صرف اتنا بتایا تھا کہ داور آج کل پونا آیا ہوا ہے۔ بس اس  
 سے زیادہ مارلو کو اور کچھ نہیں چاہیے تھا۔ اسے رقم مل گئی تھی  
 شکار کے نام معلوم ہو گئے تھے۔ شکار کا نام معلوم ہو گیا تھا۔  
 داور تو ویسے بھی اس کے لیے شکار کا شکار ثابت ہوتا۔ وہ  
 ویسے بھی بہت دولت مند ہے اور اسے اپنا حساب چلانے کی فکر  
 میں تھا۔ بہت دنوں پہلے داور نے ایک موقع پر بہت بڑا  
 طرح سے زخمی کر دیا تھا۔ مارلو کے لیے اتنی بات بہت تھی۔  
 اگر اسے بیس ہزار ملے تب بھی وہ داور کو ہلاک کرنے کی۔  
 قسم کھا چکا تھا۔ لیکن اب اسے بیس ہزار بھی مل چکے تھے۔  
 رقم بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں بتایا تھا۔ مارلو کو اس  
 کا نام جاننے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اسے اشلہ مل گیا تھا  
 اس نے اپنا آؤدھ پستول اپنی جیب میں رکھا۔ ایک بار بغیر اس  
 اٹھا اور رقم لینے کے ایک ہی گھنٹے بعد پونا لینے روانہ ہو گیا۔  
 پونا آئے کے بعد اس نے بہت برقی رفتاری سے کام  
 کیا تھا۔ اسے یہ بتا دیا گیا تھا کہ کرم چند اور کرم کے ملاقات

ایک دیرلے میں ہونے والی ہے۔ وہ شہر سے باہر جانے والی اس طرح پر موجود رہا تھا۔ جس طرح پرانے دونوں لڑائی ہونے والی تھی۔ اس نے دار کے سامنے کو گاڑی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن وہ خود وہی لفظ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ لوگ لوٹ کر اسی طرف آئیں گے اور وہ لوگ واپس کے لیے اس کے سامنے سے گزر رہے تھے تو اسی وقت ان کا اتفاق شروع کر دے گا۔

اس نے یہی کیا تھا اس نے دیکھا کہ وہ گاڑی واپس آ رہی ہے جس پر عبدال اور اور گئے تھے تو اس نے اپنی گاڑی کا اجنبی اشارت کر دیا۔ یہ گاڑی اس نے ایک طرف سے اٹھائی تھی۔ پھر جیسے ہی ان کی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر سے گزری تو اس نے تعارف شروع کر دیا۔ اسے دیکھ کر چہرہ بھی ہوتی تھی۔ کہ جاتے ہوئے اس گاڑی میں صرف دو آدمی تھے لیکن واپسی پر ایک دھڑکی والا شخص بھی ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن مارلو کو اس کی پروا نہیں تھی اصل بات تو یہ تھی کہ اس کا شکار اس کے سامنے تھا اور اس کی تلاش میں اسے زیادہ جھگڑا تو نہیں کرنی پڑی تھی۔

اس نے دیکھا کہ عبدال نے گاڑی ایک طرف سے کنارے لکڑی کو رہی تھی۔ پھر وہ تینوں اس گاڑی سے باہر آئے۔ مارلو نے بھی یہی کیا۔ اس نے بڑی ہوشیارانہ کی سامنے ان تینوں کا تعارف شروع کر دیا۔ اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی تھی اس کا خیال تھا کہ وہ راستے ہی میں دار کو ہلاک کر کے اپنا کام ختم کرے گا۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا واپس ہو جائے گا۔ یہ ہمہ اس کے لیے بہت آسان ثابت ہونے والی تھی۔

لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ راستے پھر اس کی بد قسمتی اس کے ساتھ تھی۔ یہی اسے دار پر ہونے کی چلانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ کوئی نہ کوئی گاڑی اس کے گھر سے اچانک باؤڈے میں چلتے چلتے اس طرح پوزیشنیں بدل لیتے کہ مارلو کے لیے کوئی چلانا مشکل ہو جاتا۔ وہ اس وقت دار کے سامنے اور اس کو اڑھائی والے شخص کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ان دونوں کے لیے اسے کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا تھا۔ معاوضہ صرف دار کو ہلاک کرنے کا ملا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اڑھائی والا اور اس کا ساتھی دار سے الگ ہو کر ایک طرف چلے گئے۔ جبکہ دار اسی جگہ کھڑا رہا۔ مارلو کے لیے یہ بہت اچھا تھا۔ وہ دار کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے پستول

نکال لیا۔ لیکن اسی وقت سامنے سے ایک گاڑی آئی ہوتی دکھائی دی اور وہ فوراً اس درخت کی آڑ میں ہو گیا جہاں چھپ چھپا ہوا تھا۔ وہ گاڑی سست رفتاری سے چلتی ہوئی اس کے سامنے سے گزری۔ پھر آگے چل کر رک گئی۔ مارلو اس گاڑی والوں پر جھلاٹ محسوس ہونے لگی تھی۔ ان کم جنوں کو بھی اسی وقت دیکھا تھا۔ نہ جانے کیوں انہوں نے گاڑی روکی تھی۔ مارلو کو اس بات کا خدشہ تھا کہ کہیں انہی دیر میں دار نہ نکل جائے۔

وہ گاڑی پھر آگے بڑھ گئی۔ اس کے آگے بڑھتے ہی مارلو درخت کی آڑ سے نکل آیا لیکن یہ دیکھ کر اس کی جھلاٹ عروج پر پہنچ گئی کہ انہی دیر میں دار غائب ہو چکا تھا۔ اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں لیکن دار کہیں دکھائی نہ دیا۔ مارلو سے ایک بہت بڑی حائق مرزد ہو چکی تھی۔ اسے یقین کا انتظار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ موقع تو اسے مل ہی گیا تھا لیکن اس نے وہ موقع گنوا دیا تھا۔ اسے گاڑی والوں کی پروا کیے بغیر اپنا کام کر لیتا چاہیے تھا۔

بہر حال اسے اس جھگڑے کا علم ہو گیا تھا جہاں دار نے اپنے ساتھی کے ساتھ پناہ لے رکھی تھی۔ وہ کہہ دیتے چاہے کہیں بھی گیا ہو۔ لیکن رات کے وقت اسے اسی طرف لوٹ کر آنا تھا۔

وہ اس ویران مکان کے سامنے کھڑے ہو کر انتظار کرتا رہا۔ اس کے بیٹھے میں صبر کی بہت اہمیت تھی۔ تو برواشت بہت کام آتی تھی۔ جس میں جتنی زیادہ قوت برواشت ہوتی وہ اسی قدر کامیاب ہوتا۔ اس کی خاطر اسے مارلو سے بڑا قوت برواشت تھی۔ وہ ساری رات اس آدمی کے انتظار میں کھڑا رہ سکتا تھا۔

پھر بہت رات گئے اس نے ایک سائے کو جھوٹے جھلٹے ہوئے اس مکان کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ ہوشیار ہو گیا۔ اس نے اپنے پستول پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ لیکن اسے یہ دیکھنا پڑی ہوئی تھی کہ وہ دار نہیں تھا بلکہ اس کا ساتھی عبدال تھا جو بڑی ترنگ میں سیٹیاں بجاتا ہوا اس ویران مکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مارلو اسے دیکھ کر ادھر بھی غلٹے میں بھر گیا تھا۔ اسے دار کا انتظار تھا۔ اسے دار کو ہلاک کرنا تھا۔ اور اسے دار کو اس کا ساتھی تھا۔

اس نے دیکھا کہ عبدال اسی طرح جھومتا ہوا اس کا میں چلا گیا۔ مارلو اس کے چلنے کے بعد بہت دیر تک

دار کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن دار نہیں لوٹا۔ پھر ایک خیال نے مارلو کو مضطرب کر دیا۔ کہیں ایسا تو نہیں دار کو کہیں چلا گیا ہو اور وہ ساری رات اس کے انتظار میں اسی طرح کھڑا رہے۔ اگر وہ کہیں چلا گیا ہو گا تو اس کی تصدیق اس کے ساتھی عبدال سے ہو سکتی ہے۔ دار کو اپنے چلانے کے لیے اسے عبدال کو قابو میں کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

یہ سوچ کر وہ خود بھی اس ویران اور پرانے مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان کے احاطے میں داخل ہونے کے بعد اس نے ایک کمرے میں موم بتی کی روشنی دیکھی۔ اس کی نگاہ میں آ گیا کہ دار کا ساتھی اسی کمرے میں موجود ہو گا۔ مارلو نے وارچی والے کو بھی اس مکان میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ لیکن اس کی نگاہ میں اس وارچی والے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اسے بات و دار کی مرزوت تھی یا دار کا پتہ چلانے کے لیے اس کے ساتھی عبدال کی۔

اس نے مکان کے کمرے میں پہنچ کر اپنا پستول اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ روشنی والے کمرے سے عبدال کے ٹنگٹانے کی آواز آ رہی تھی۔ مارلو اس کمرے کے دروازے سے چپکا کھڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے سنا کہ عبدال کے ٹنگٹانے کی آواز ختم ہو چکی تھی۔ مارلو نے آہستہ سے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کی توقع کے عین مطابق اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس عبدال نے دروازہ بند کرنے کی زحمت۔

گوارا نہیں کی تھی۔ مارلو نے اپنا پستول اپنے بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے پستول چلانے کی مشق کر رکھی تھی۔ اور یہ یقین اس کے بہت کام آیا کہ مارلو تمام طور پر لوگوں کو یہی توقع ہوتی کہ پستول چلانے والا دائیں ہاتھ سے کام لے گا اس لیے بائیں ہاتھ کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتا تھا اور مارلو اس بے خبری سے فائدہ اٹھاتا یا کرتا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہوئے وہ پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس کی تمام صلاحیتیں بیدار تھیں۔ وہ اس وقت کسی جیسے کی طرح چونکا ہوا نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ یعنی پھر کی اوتیر و تھانسی سے اپنا کام مرافقہ دینا ہے اس لیے اس نے دروازہ کھولتے ہی جست لگا دی لیکن وہ عبدال اس کمرے میں موجود نہیں تھا۔

اس کمرے کے برابر میں ایک ددر کرہ بھی تھا۔ وہ شاید اس کمرے میں موجود تھا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کمرے کے دروازے کی طرف بڑھا اور یہاں اس نے ایک

غلطی ہو گئی۔

عبدال دوسرے کمرے میں نہیں بلکہ اسی کمرے میں تھا اور شاید اس نے مارلو کی آہٹ محسوس کرتی تھی اس لیے وہ دوبارے کے ساتھ جب کہ کھڑا ہو گیا تھا اور مارلو جیسے ہی دوسرے کمرے کی طرف بڑھا۔ عبدال نے اس پر جھلاٹ لگا دی۔ مارلو کو پستول چلانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ عبدال نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ اور اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے رہا تھا تاکہ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ اس موقع پر مارلو کو احساس ہو گیا کہ عبدال بھی انارڈی نہیں ہے۔ وہ اس قسم کے کھیل سے اچھی طرح واقف تھا۔ اسی لیے اس کی توڑ مارلو کے ہاتھ میں بوجے ہوئے پستول کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ مارلو کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ یہ اس کے تجربہ کار ہونے کی نشانی تھی۔ لیکن مارلو بھی بے وقوف نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ

جب جنگ رو بہ رو ہونے لگے تو ہتھیار اتنا زیادہ کارآمد ثابت نہیں ہوا کرتا۔ ہتھیار اسی وقت کام آتا ہے جب آدمی کچھ فاصلے پر ہو اور اس موقع پر اسے پستول سے زیادہ اپنی قوت بازو سے کام لینا تھا۔ وہ کمرے جانتا تھا۔ اس کے بیٹھے میں یہ ہدایت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس نے خود ہی پستول پر سے سنا دھیان ہٹا دیا اور دوسرے ہاتھ سے عبدال کی گردن پکڑ لی۔ اور پھر اسے دھکیلتے ہوئے دیوار سے لے کر ٹکرا دیا۔

اس کشمکش کے دوران اس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ پستول کے گرتے ہی ان دونوں کے درمیان کشمکش شدید ہو گئی۔ وہ دونوں ایک دوسرے پر پل پڑے۔ عبدال نے اس کے پیٹ میں تھوٹ مارا۔ مارلو تو تھڑا سا پیچھے ہٹا لیکن اس نے ایک ٹھونکے کا جواب اسی طرح دیا کہ عبدال کے چہرے پر ایک مگر رسد کر دیا۔ پھر ایک لاسٹاس کے سینے پر چڑھ دی۔ عبدال لڑکھڑا ہوا دیوار سے جا لگا مارلو پھر اپنے پستول کی طرف لپکا۔ سب کچھ ہونے کے باوجود اس کے اندر ایک خرابی ہی تھی کہ وہ زیادہ دیر تک ہاتھ پائی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کشمکش لینیرا استعمال کیا کرتا تھا۔ اور لڑائی کے موقع پر یہ لینیرا اس کے لیے دشواری پیدا کر دیا کرتے تھے۔

عبدال نے جب اسے پستول کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی اس پر چھلانگ لگا دی لیکن اتنی دیر مارلو جھمکائی دے کہ دوسری طرف نکل گیا۔ اس نے ایک

جیتنے سے پستول بھی اٹھا لیا تھا لیکن ٹھیک اس وقت اس کے سر پر قیامت سی ٹوٹ پڑی۔ اس ہنگامے میں اس کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ کوئی اور بھی اس کمرے میں آسکتا ہے اور آنے والا اور تھا جس نے کمرے میں ہونے والی جنگ کی آوازیں باہر سے ہی سنی تھیں اور بہت جتنا ہونے لگا کہ کمرے میں جلا آ رہا تھا۔

جنگ کا پانسہ مارلو کے حق میں پٹنے والا تھا کیونکہ مارلو پستول اٹھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن اسی وقت داور نے اس پر حملہ کر دیا تھا۔ اس نے مارلو کے لیے پستول استعمال نہیں کیا تھا بلکہ جیلڈ تو اس کے سر پر ایک زوردار گھونسہ رسید کیا اور جب وہ جلا کر لگا تو وہ دھڑکنے لگا کہ کمرے پر رسید کر دیا۔ اس قریب نے مارلو کی آنکھوں میں پڑے ہوئے ایک کنکریٹ لٹینس کو ٹوڑ دیا تھا۔ اس کی کرجیاں اس کی آنکھوں میں اتر گئیں اور وہ بری طرح چیخنے لگا۔ اس کی آنکھ سے خون بہنے لگا۔ چیخنے چیخنے وہ تڑپا اور فرش پر گر پڑا پھر اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

داور نے بے ہوشی پڑے ہوئے مارلو کے جسم پر ایک چھوکر مار دی۔ اس کی آنکھ سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ "سالہ بہت جی دار آدمی معلوم پڑتا ہے۔" عبداللہ نے بازوؤں کو دبایا ہوا بولا "جھینس کی طرح مڑا تھا اپن سے۔ پر استاد، یہ ہے کون، اپن کو تو سسرال والا دکھائی دیتا ہے سالہ سسرال کا لوگ بھی اسی طرح چھکاٹی کرتا ہے۔ اگر تم نہیں آئیلا تھا پاس تو یہ سالہ اپن کی جھینس کر دیتا۔" کمرے کا دروازہ کھل اور گھونٹا ناخہ اندر داخل ہوا وہ اس ہنگامے کو سن کر اپنے تہ خانے سے یہاں آیا تھا۔ "سالہ تم کو بھی چپن نہیں ہے کیا،" عبداللہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اب تم کا ہے تو اٹیل ہے تم کو کس نے بلایا ہے؟

"کون ہے یہ؟" گھونٹا ناخہ نے بے ہوش پڑے مارلو کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کہاں سے آیا؟"

"یہ مارلو ہے۔" داور نے جواب دیا۔ "مجھے میں رہتا ہے۔"

"بس تم اس کو جانتا ہے پاس؟" عبداللہ نے پزلن بن اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں ایک بار پہلے میرا اس سے ٹکراؤ ہو چکا ہے۔" داور نے جواب دیا۔ "یہ ایک پیشہ ور قاتل ہے۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔" گھونٹا ناخہ نے ایک چڑخی سانس لی۔ "مگر چند کی تنظیم کبھی کبھی اس سے کام لیا کرتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ تم دونوں کو ہلاک کروانے کے لیے کرم پینڈ نے اس کو مقرر کیا ہو۔"

"اگر ایسی بات ہے تو آج کی رات کرم چند کی آخری رات ہوگی۔" داور غزبیا۔ "میں اب اس کھیل کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔"

"پاس۔ اس کی آنکھ اور کان سے نکلے کاٹنگ خون نکل رہا ہے۔" عبداللہ مارلو کو دیکھتے ہوئے بولا۔ سالہ اپرا فرش زخمیں ہو جانے لگا۔

"تمہارے پاس ٹیپ ہے؟" داور نے دریافت کیا۔

"ہاں سالہ ٹیپ کا کیا کرے گا۔ ویسے رو مال ہے۔" چٹکی ہے۔ ویسے رو مال اس کی آنکھوں کے گرد باندھ دو اور تھوڑا سا ٹیپ اس کے کان میں ٹھوس دو اس طرح خون بند ہو جائے گا۔"

"تم واقعی بہت مخفیستے بنے کہ آدمی ہو۔" گھونٹا ناخہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہارے مزاج کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔"

"یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے گھونٹا ناخہ۔" داور نے کہا۔

خیر تم تہ خانے میں جاؤ۔ ہم لوگ اس کو لے کر اسی وقت کرم چند کے پاس جا رہے ہیں۔ اور تم بہت ہی مختار رہنا۔ گوشش کرنا کہ تہ خانے سے باہر آنے کی ضرورت نہ محسوس کرو۔ سمجھ گئے؟"

اس دوران عبداللہ نے مارلو کی آنکھ پر رو مال باندھ دیا تھا۔ لیکن خون آنکھ سے برس برس کر رہا تھا اور کورن کر کے لگا۔ عبداللہ نے پڑے کی دھجیاں بھی مارلو کے ہتے ہوئے کان میں ٹھوس دیں۔ نہ جانے داور کے چلنے سے مارلو کیسی قریب لگی تھی کہ کمرے پر مارلو کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بس کچھ ہی دیر کا زمانہ ہو "عبداللہ، تم جا کر کسی گاڑی کا بندوبست کرو داور۔"

نہ کہا۔

"تم تو ایسا آڈر دیتا ہے پاس جیسے باہر سالہ لگاؤ کی لائن لگا ہو۔ یہ کیوں نہیں بولتے کہ کوئی گاڑی چکر لڑے۔ اپن سالہ اکھا پونا میں گاڑی چور مشہور ہو جائے گا۔ سالہ جو دیکھے گا پتھر مارے گا۔"

"اچھا جاؤ۔" داور مسکرا دیا۔ اس شہر کی ہر گاڑی اپنی ہی ہے۔ کوئی کشادہ مت اٹھا لانا۔"

"سالہ ہندوستان میں کشتارہ کی گاڑی بڑا کماد رکھتا

لے گا۔" عبداللہ سخت جھلایا ہوا تھا۔

عبداللہ بک بک کرنا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد داور اور گھونٹا ناخہ کی طرف دیکھنے لگے۔ داور کو اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ اسے مارلو کے سر پر وار نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس وار سے مارلو کے سر کے اندرونی نظام کو بے ترتیب کر دیا تھا۔ کانوں اور ناک سے بہتا ہوا خون بھی ظاہر کر رہا تھا۔ اسے مارلو سے کچھ باتیں معلوم کرنی تھیں۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اسے کس نے اس کے تعاقب میں بھیجا تھا۔ کس نے اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ لیکن اب مارلو اس کے کسی سوال کا جواب دینے کے قابل ہی نہیں تھا۔ لمحہ بولم بگڑتی ہوئی حالت یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بس کچھ ہی دیر کا زمانہ ہے۔

"تم اس وقت کرم چند کی طرف کیوں جانا چاہتے ہو؟" گھونٹا ناخہ نے پوچھا۔

"یہ آدمی اس کے سامنے لے جا کر ڈال دوں گا۔" داور نے جواب دیا۔ "کرم چند ہی کے ساتھیوں میں کوئی ایسا ہے جو اس کے خلاف جا رہا ہے۔"

"تم کرم چند سے انتہی ہمدرد کیوں ہو گئی ہے؟" گھونٹا ناخہ نے بڑا سزا سنایا۔ "تم مجھے یہ وقت ختم کیوں نہیں کرتے دیتے؟"

"ابھی نہیں، رقم مل جانے کے بعد۔" رقم مل جائے تو پھر تمہارا اور اس کی جنگ ہوگی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے سامنے آجانا۔ میں تمہیں اس بات کا پورا موقع دوں گا۔ میں خود کرم چند کا مخالف ہوں۔ لیکن میں اپنی رقم کے علاوہ تمہارے لیے کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" گھونٹا ناخہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بھی اسی بات سے کہ کرم چند کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن دوسری طرف یہ علاقہ میرا نہیں ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کرم چند کی جگہ تم آ جاؤ کیونکہ یہ تمہارا حق بھی ہے اور تمہارے دوست بن چکے ہو۔ لیکن مشد یہ ہے کہ وہ آدمی تنظیم کی جگہ دوڑ سنبھالنے کے چکر میں ہیں پہلا تو کرم چند جو اس وقت سب کچھ ہے اور دوسرا وہ آدمی جو کرم چند کو راستے سے ہٹانا چاہتا ہے۔ میں اس دوسرے آدمی کو بھی بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ بعد میں تمہارے لیے پھر کوئی پریشانی پیدا نہ ہو جائے۔"

"اوہ۔" گھونٹا ناخہ نے ایک گہری سانس لی وہ اس نے اسی انداز سے تو سوا جا ہی نہیں تھا۔ تم دیر ہونے کے

ساتھ ساتھ بہت دیر ہو چکی ہے۔

"اس لیے میں کہتا ہوں کہ میرے مشوروں پر عمل کرو۔" داور نے کہا۔ "ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہو اور فی الحال تمہارا تعاون یہی ہونا چاہیے کہ تم اسی مکان میں چھپے رہو۔ جب تک حالات تمہارے حق میں نہ ہو جائیں۔ تم باہر مت آؤ۔"

اسی وقت مکان سے باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی۔ شاہ عبداللہ کوئی گاڑی چرلا یا تھا۔ داور کھڑکی کے پاس آ گیا۔ اور فوراً ہی سانپ کی سی تیزی سے پٹا اوڑھ پھونک مار کر موم پٹی بچھا دی۔ اس کے اندر کسی چیتے کی سی پھرتی پیدا ہو گئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی؟" گھونٹا ناخہ نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کون ہے؟"

"پولیس۔" داور نے جواب دیا۔ "پولیس نے گھر ڈال لیا ہے۔ تم جلدی سے ہم دونوں کے سفری بیگ اٹھا لو۔ میں اس آدمی کو اٹھا لیتا ہوں۔ ہم دونوں کو پچھلی طرف سے نکل لیتا ہے۔ جلدی کرو۔"

گھونٹا ناخہ پھرتی سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ برآمدے میں قدموں کی آہٹیں گونجنے لگیں۔ داور نے بے ہوش مارلو کو اٹھا کر اپنے کاڈھے پر ڈال لیا۔ اور دوسرے ہاتھ میں پستول لے لیا۔ اس دوران گھونٹا ناخہ بھی دونوں سفری جھیلے لے کر داور کے پاس آ گیا تھا۔ انہیں اس بات کا اطمینان تھا کہ اندھیرے کی وجہ سے انہیں دیکھا نہیں جاسکے گا لیکن وہ لوگ اگر باہر سے کسی قسم کی روشنی لڑے ڈالتے تو وہ بڑی آسانی سے لٹکا ہوں ہی آسکتے تھے۔

وہ دونوں برابر والے کمرے کے دروازے سے اندر آ گئے۔ اسی وقت باہر کھڑے پولیس والوں میں سے کسی نے زور زور سے لٹکا زانٹا ڈنگ کر دیا۔

"لے۔ کون ہے اندر۔ باہر آؤ۔ باہر آ جاؤ۔"

داور نے گہری سانس لی۔ اس پولیس والے کے لٹکانے کا مقصد یہ تھا کہ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس مکان کے اندر داور اور عبداللہ چھپے ہوئے ہیں۔ شاہ عبداللہ پولیس والے موم پٹی کی روشنی دیکھ کر اس طرف چلے گئے تھے۔ کیونکہ یہ مکان ویران رہتا تھا اور یہاں روشنی کا دکھائی دینا واقعی حیرت کی بات تھی۔

وہ دونوں مختلف کمروں سے ہوتے ہوئے مکان کے عقبی حصے کی طرف نکل آئے۔ یہاں ایک پائین باغ تھا۔ جوڑ جانے تک سے اجازت پڑا تھا۔ سوکھی ہوئی گھاس اور

مرحلتہ ہونے پر مندرجہ درخت یہاں ایک عقربی دیوار بھی موجود تھی اور یہ دیوار ایک دو جگہ سے اس طرح ٹوٹی ہوئی تھی کہ باہر چلنے کا راستہ بن گیا تھا۔ وہ لوگ اس دیوار کے پاس پہنچے اور اسی وقت مکان کے سامنے کی طرف سے ایک کوئی چلنے کی آواز گونج اٹھی۔ اس آواز کو سن کر لکھونا تھک گیا تھا۔

"چلتے رہو" داور غرایا۔ وہ لوگ اندر سے گولیاں چلا رہے ہیں۔ ہم لوگ محفوظ ہیں کیونکہ اس طرف کوئی دکھا کر نہیں دے رہا۔

لکھونا تھک ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکل آیا۔ اس کے ساتھ سی دیوار بھی باہر آگیا۔ اس نے اپنے شانے پر مار لو کا بوجھ اٹھا رکھا تھا۔ اس کے باوجود اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے کوئی وزن بھی اٹھا رکھا ہے۔

اس طرف کوئی رشک نہیں تھی۔ البتہ ایک چھڑا سا میدان تھا۔ اس میدان میں بھی جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اندھیرے کی وجہ سے انہیں جھاڑیوں کے درمیان سے گھٹنے میں بہت دشواری پیش آ رہی تھی۔ وہ قدم قدم پر کسی دکھائی دینے والے ایک جاتی پھر خود کو پھرنے لگے۔ داور کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ دونوں اس طرح سے طرف ہمارے ہیں۔ پھر علاقہ اس کے لیے اجنبی تھا جبکہ لکھونا تھک اس علاقے سے واقف تھا۔ اس کے باوجود وہ بھی کچھ بوکھلایا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے رکھو؟" داور نے اس کے قریب پہنچے ہوئے پوچھا۔ تم ٹک کیوں گئے؟

"یہ راستہ ہونا کے جوہر باریک طرف جاتا ہے۔ لکھونا تھک نے جواب دیا۔ اور اس بازاریں لٹ جھیر لگا رہتا ہے۔

ہم لوگ اس طرح وہاں پہنچے تو فوراً دنگا ہوں میں آجائیں گے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی ہے جو کسی بھی وقت ترس والا ہے۔"

یہ بات تو ہے۔ داور نے اپنی گردن ہلائی: اس کے علاوہ مجھے عبدل کی بھی فکر ہے۔ وہ کوئی نہ کوئی گاڑی لے کر پیچھے ہی والا ہوگا۔ لیکن وہ بھی ہوشیار آدمی ہے وہ خطرہ بھانپ کر گاڑی اس مکان سے آگے نہ نکالے جائے گا۔

مکان سے پھر گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ کسی پولیس والے کی لٹکار بھی سنائی دی۔ وہ لوگ ابھی تک

نہیں معلوم کر سکے تھے کہ جن کے لیے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔ وہ اس مکان سے نکل چکے ہیں۔ لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی کہ وہ لوگ کس وقت ٹوٹی ہوئی دیوار سے باہر نکل پڑیں۔ ایسی صورت میں داور اور لکھونا تھک کے لیے پریشانی ہو سکتی تھی۔ داور کے ساتھ اگر مارو نہیں ہوتا تو اب تک بہت دور نکل چکا ہوتا۔ لیکن اسے ان دونوں کی وجہ سے بہت احتیاط رہنی تھی۔ ابھی وہ یہ سب سوچ رہا تھا کہ کسی گاڑی کی آواز سنائی دی۔ کوئی گاڑی پھیلا ٹھن بجائے ہوئے جھاڑیوں کو چمکتی ہوئی اندھی لوگوں کی طرف آ رہی تھی۔ اس گاڑی کا ساہہ خاک اندھیرے میں اچھٹا کودتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی داور نے اپنے شانے پر لہے ہوئے مارو کو ایک طرف چھینکے۔ بائیں لٹ بجھاؤ رکھونا تھک۔ وہ کسی سانپ کی طرح چمکنا۔ اس کے ساتھ ہی وہ جھاڑیوں کے درمیان لٹ گیا تھا۔

لکھونا تھک نے بھی سفر کی تھکے ایک طرف چھینک کر اس کی تقلید کی۔ داور نے اپنے لیسٹر والے ہاتھ کو اوپر اٹھایا اور اسی وقت گاڑی رک گئی۔ گاڑی کے رکنے ہی سناٹا چھا گیا تھا مگر یہ سناٹا بھی تھوڑی دیر ہی برقرار رہا تھا پھر آسب زدہ مکان سے پولیس والوں کی آوازیں آنے لگیں۔ جوا بھی تک اسی مکان میں چکر لے رہے تھے۔ لیکن اس بار یہ آوازیں زیادہ فاصلے سے نہیں آ رہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ ٹوٹی ہوئی دیوار سے پاس پہنچ چکے تھے۔ اس کے ساتھ ہی داور نے دھڑلے کی لکیریں بھی لہرائی ہوئی دیکھیں۔ پولیس والوں نے اب ان لوگوں کو دھونڈنے کے لیے مارچ روشن کر لیے تھے۔

داور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ اس کے عقب میں پولیس والے تھے اور سامنے ایک اجنبی گاڑی تھی جس میں نہ جانے کتنے لوگ سوار تھے۔ پھر اس نے سب سے پہلے گاڑی والوں سے شکے کا ارادہ کر لیا۔ یہ گاڑی اس کے قریب تھی۔ اگر وہ اس گاڑی پر قبضہ کرنے پر کامیاب ہو جاتا تو پھر اس کی بہت سی دشواریاں ختم ہو سکتی تھیں۔ اس نے سرگوشی میں لکھونا تھک کو کہنے پر ہنسنے کا اشارہ کیا۔ اور خود دھیرے دھیرے گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن وہ ابھی اس گاڑی سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے گاڑی کا دروازہ کھلے ہوئے دیکھا۔ پھر اس نے دروازے سے کوئی باہر کیا۔ داور نے لیسٹر والا ہاتھ

اور اٹھایا۔ اس گاڑی سے اترنے والے کا نشانہ دیا۔ پھر اس کی نگاہیں ٹھیک پر جمی رہ گئی۔ گاڑی سے اترنے والی کوئی عورت تھی۔ اس اندھیرے میں بھی اس سامنے کے نشیب و فراز نے اس کے عورت ہونے کی نشاندہی کر دی تھی۔

اس عورت نے پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر کسی کو باہر کھینچنا شروع کر دیا۔ داور سے اب برداشت نہیں ہوا۔ وہ جلدی سے کھڑا ہوا اور دوڑتا ہوا اس عورت کے پاس پہنچ گیا۔ عورت کا دھیان ابھی تک اسی کی طرف تھا۔ وہ باہر کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ داور نے جب کھینچنے جانے والے کی طرف دیکھا تو ایک کڑی سانس لے کر رو گیا۔ وہ کوئی لاش تھی، کسی روکی لاش۔ وہ عورت اس لاش کو اس ویرانے میں پھینکنے آئی تھی۔ "اے کون ہو تم؟" داور نے آگے بڑھ کر اس عورت کا بازو پکڑ لیا۔ "کیا کر رہی ہو؟"

داور کی اس اچانک مداخلت نے اس عورت کو پکھلایا۔ اس نے کچھ گڑبگڑ ماری لیکن اس کی جھجک اس کے حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔ داور نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے منہ پر جما دیا کہ وہ چیخ کر نہ نکلتی۔ اس نے اسے ہاتھ پاؤں چلائے۔

"اب آواز نہیں لکھو۔ داور سفاکانہ لہجے میں غرایا۔ ورنہ تمہیں بھی مگر کڑی لاش کے برابر ڈال دوں گا۔"

داور کی غزائے نے اس عورت کو لرزہ کر لکھ دیا۔ اس نے انکار کے انداز میں اپنی گردن ہلائی غصہ کر دی۔ داور نے اس کی گردن پھوڑ دی۔ وہ عورت اپنی گردن کھینچنے سے روک نہ سکی۔ اس کے لیے اس کے لیے جہم بھرنے والی تھا۔

اس دوران اس آسپ زدہ مکان کی جانب سے پولیس والوں کی آوازیں خاموش ہوئی تھیں۔ اس کا ایک مقصد تو یہ ہو سکتا تھا کہ ان کو وہ لوگ ناکام ہو کر واپس ہو گئے تھے پھر وہ خاموشی سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ داور کا ذہن اس وقت بڑی تیزی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے بہت جلدی ہی کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ اس کے پیش نظر مارو کی بگڑتی ہوئی حالت بھی کئی مارو بہت بری طرح زخمی ہوا تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کچھ تیرنے سے پہلے ہی دم توڑ جائے۔ پھر عبدل کی بھی فکر تھی۔ وہ بھی ابھی تک دکھائی نہیں دیا تھا پھر

اس کے ذہن میں ایک بات آگئی اور اس نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"کہاں رہتی ہو تم؟" اس نے اس خوفزدہ عورت سے دریافت کیا۔

"مشیو انگریز میں" عورت نے جلدی سے جواب دیا۔

"تمہارے گھر میں اور کون رہتا ہے؟"

"مک کوئی نہیں۔ میرا شوہر تھا۔ وہ" عورت نے درودیدہ لگا ہوں سے لاش کی طرف دیکھا جو بین پر پڑی ہوئی تھی۔ "اوه۔ تو یہ تمہارا شوہر تھا؟" داور نے ایک گہری سانس لی۔ "خیر تمہیں اس سے کوئی مطلب نہیں۔ تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے چلوں گے۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن تمہیں ذرا بھی گڑبگڑ کی کوشش کی تو میں اسے اسی طرح جان سے مار دوں گا جس طرح تم نے اپنے شوہر کو مار کیا ہے۔"

عورت نے بس ہر کہہ کر اس طرف دیکھا کچھ کہنے کی کوشش کی پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہی۔ اکی دولت لکھونا تھک بھی ریٹارنگ ان دونوں کے پاس آگیا تھا۔ لکھونا تھک کو دیکھ کر وہ عورت اندھیرے میں لپٹانے لگی تھی۔ لکھونا تھک جہاں دیدہ آئی تھا اس نے داور یا اس عورت سے اس وقت کوئی سوال نہیں کیا۔

"چلو گاڑی میں بیٹھو" داور نے اس عورت کو گاڑی کی طرف دھک دیا۔ پھر لکھونا تھک کی طرف دیکھا۔ تم بھی اس کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اس نے کہا۔ ذرا اس پر دھیان رکھنا اگر وہ کوئی ٹھوکر کرنے کی کوشش کرے تو بلا لکھونا تھک اس کا لٹکھوٹ دینا۔

لکھونا تھک اپنی بھاری بھر کم گردن ہلاتا ہوا اس عورت کے پاس بیٹھ گیا۔ ان دونوں کو گاڑی میں چھوڑ کر داور اس طرف چل پڑا جہاں مارو لوٹا ہوا تھا۔ وہ ریٹنگ ہوا مارو کے پاس پہنچ گیا لیکن اسے یہاں تک پہنچنے میں دھڑکی لگی۔ مارو بڑھا تھا۔ اس کی پٹنی ہوئی آنکھیں لڑکی ہوئی سانسیں بہتا رہی تھیں۔ اسے مرے ہوئے کچھ دیر ہو چکی ہے۔ داور کے لیے یہ ایک کام کا آدمی تھا۔ اس سے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس نے بھیجا ہے۔ لیکن وہ کچھ تیرنے سے پہلے ہی مر چکا تھا۔

داور اپنے شانے سے جھٹک کر دوبارہ گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اسی قسم کا آدمی تھا۔ وہ پیشانیوں یا بالوں کو زیادہ دیر تک اپنے ذہن پر مسلط کرنے رہنے کا عادی نہیں تھا۔ اس کے لیے فی الحال صرف ایک، ایک فکر کی بات تھی کہ عبدل ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ اس نے عبدل کو کوئی گاڑی چڑ





184

”اب آگے کیا باتوں؟“ وہ سسکتی ہوئی بولنے لگی۔  
 سب کچھ برداشت نہیں ہو سکا تھا۔ اسی لئے میں نے ماردوق  
 کو تو کاٹوں روزانہ کیا اور خود بلراج کی جان لے لی۔ اُسے مارنے  
 سے پہلے میں اس سے پست کر دیتی تھی، اسی کی وجہ سے چروں  
 کو ہاتھ لگاتی رہی۔ اس سے معافیاں مانگتی رہی۔ وہ خود  
 بھی جیران ہو رہا تھا کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ میں ایسی کیوں  
 ہوتی ہوں، پھر میں نے اسے جلانے پلائی۔ یہ آخری جلانے  
 تھی جو میں نے اس کے لئے تیار کی تھی۔ میں نے اس کا پیٹ  
 بینڈی دواملا دی۔ میں اس پر جاگتے میں حملہ نہیں کر سکتی  
 تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنا خوف تھا، بلکہ اس کی  
 وجہ یہ تھی کہ میں اسے کہیں سے کم تکلیف میں نہ بچھنا چاہتی تھی۔  
 میں چاہتی تھی کہ وہ بے ہوشی کی حالت میں ہو، مگر میں بینڈی  
 آغوش میں جلا جائے، ایسی نیند جس کے بعد کوئی بیدار نہیں  
 ہو سکتا۔ پھر جب وہ سو گیا تو میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔  
 اس وقت بے پناہ اذیت ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں  
 اپنے آپ پر وار کر رہی ہوں۔ لیکن میرے پاس اس کے علاوہ  
 کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں اپنی جنت کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔  
 میں نہیں چاہتی تھی کہ بلراج کسی اور سے قہر کرے۔ اور اب  
 میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں کہ وہ میرا تھا اور میرا ہی رہا۔ یہ ٹھیک ہے  
 وقتی طور پر وہ ہرک گیا تھا۔ کسی اور طرف جانے لگا تھا لیکن  
 مجھے کم از کم کوئی اطلاع یہان سے کہ کوئی زندگی کے آخری لمحوں تک  
 وہ میری طرف رہا ہے۔ بس مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتانا ہے  
 میں نے اپنے باپے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔“  
 داوڑ نے بے چینی سے پہلو ہلکے۔ وہ اس کی داستان سن  
 کر مضطرب ہو گیا تھا۔ وہ بنیادی طور پر مراح کا آدمی تھا۔  
 انتہائی بے رحم اور انتہائی رحم دل۔ وہ اس عورت کے لئے کچھ  
 کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ اس کے یہاں آنے کا مقصد یہ تھا  
 کہ چند دنوں کے لئے بڑا ہوا حاصل کر لی جائے۔ اس کے علاوہ  
 اسے اور کوئی مطلب نہیں تھا۔ اس کے اور اس عورت کے لئے  
 بہت مختلف تھے۔ اس عورت کو کوئی زندگی اسی شہر میں گزارنی  
 تھی۔ جبکہ داوڑ اس کے ساتھیوں کو کوئی ہم کے خاتمے کے  
 بعد یہاں سے کوئی کرنا تھا۔  
 ”اب تم لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کر دو گے؟“ اس عورت  
 نے داوڑی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یہ تم مجھے پولیس کے چلنے  
 کر دو گے؟  
 ”ہم لوگ اس چکر میں نہیں پڑنے“ داوڑ نے جواب دیا۔

”یہی تمہاری عقل تھی؟“ وہ بولی، ”مگر تم نے کہا پھر اس  
 نے داوڑی طرف دیکھا۔ ”اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“  
 ”مار لو مگر چاہے“ داوڑ کچھ ہنستے ہوئے بولا۔ ”اگر وہ زندہ  
 ہو تو یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس سے نے سب کچھ کیا تھا۔ میرا  
 ارادہ اس وقت کرم چند کے پاس جلنے کا ہے۔ میں اس سے  
 یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس کی تنظیم کا کون آدمی مارا ہے  
 کام لیا کرتا تھا۔ اس طرح ہمیں شاید اس آدمی تک پہنچنے میں  
 آسانی ہو جائے۔“  
 ”بھئی کبھی تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے تم پوری طرح  
 کرم چند کے ہمدرد بن کر رہ گئے ہو۔“  
 ”نہیں، کرم چند کے ہمدرد بن کر رہی کے لئے کام کر رہے ہو۔“  
 ”نہیں، کرم چند کے ہمدرد بن کر رہی کے لئے کام کر رہے ہو۔“  
 ”نہیں، کرم چند کے ہمدرد بن کر رہی کے لئے کام کر رہے ہو۔“

”یہ دو فی کی باتیں مت کرو۔“ داوڑ جھل گیا۔ ”مگر یہاں  
 یہ نہیں معلوم کہ یہ سب کچھ میں تمہارے لئے کر رہا ہوں۔ اگر تم  
 کرم چند کی جگہ اپنی تنظیم کے سربراہ بن جیتے تو اس سے کیا  
 ہوگا؟ اس پیچھے ہونے آدمی کے خطے کی تلوں تمہارے سر پر  
 رہے گی۔ اس لئے یہ زیادہ بہتر ہے کہ کسی طرح اس آدمی کا  
 پتہ چل جائے۔“  
 ”یہ تم ٹھیک کہتے ہو،“ گھونٹا دھو پارہ صوفے سے کھڑا ہو گیا  
 ”میں بھی لوڑھا ہوں۔“ وہ بولی، ”مگر یہی اسی سید کی باتیں کرنے لگتا  
 ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ تم میری بھلائی کے لئے کر رہے  
 ہو۔ اس کے باوجود شک کرنے لگتا ہوں۔ لیکن اب نہ جانے کیا  
 میرا دل چاہتا ہے کہ سب کچھ چھوڑ دوں۔ بس بہت ہوگی۔ میں

نے زندگی سے بہت کچھ حاصل کر لیا۔ اور زندگی نے کچھ مجھ  
 سے واپس بھی لے لیا۔ یہی کی موت کے بعد میں اتنے ہاتھ پاؤں  
 پھیلا کر گیا کروں گا کہ اس کے لئے کروں گا۔ ان سب کا کیا فائدہ  
 ہوگا۔ فرض کرو کہ میں اپنی تنظیم کا داربراہ سربراہ بن جاتا تو  
 اس سے کیا ہوگا۔ خود میری زندگی کتنے دنوں کی رہ گئی ہے۔ یہی  
 لئے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ سب نہ کروں۔ اس شہر کو چھوڑ کر  
 کسی اور طرف نکل جاؤں۔ یہاں کی میری جاننے والا نہ ہو۔ کوئی  
 مجھ پر لگے گا۔ دلالت ہوگی۔ نام نہ نہ زندگی گزار دوں۔  
 ”یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے۔“ گھونٹا دھو پارہ صوفے سے کھڑا ہو گیا  
 ”میرا ہوا ہے۔ تو مجھے کرم چند اور اس کے آدمیوں سے اپنی رقم  
 وصول کر لی ہے۔ بس اس کے علاوہ میرا اس سے اور کوئی تعلق  
 نہیں ہے۔ اگر تم اس سے اتفاق نہیں کرنا چاہتے ہو تو نہ  
 لیکن ہماری جنگ تو ابھی جاری ہے۔“

”اگر تم لوگ مجھے اجانت دو تمہیں تم لوگوں کے لئے کچھ  
 کھانے پینے کا بندوبست کروں؟“ داوڑ نے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ تم کم از کم جانے کا بندوبست کر دی دو۔“  
 نے جواب دیا۔ لیکن یہ ہمارا سامی عبد اللہ بھی تمہارے ساتھ جائیگا۔  
 ”اب اپنی کی قیمت میں سلا بہن، رہی رہ گیا تھا۔“ عبد اللہ  
 اپنے آپ کو کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ”تو اب یہ بھی کرنا ہی پڑے گا۔  
 لیکن اب بول رہا ہے کہ اس کے کرم چند کے پاس  
 نہیں جاؤ گے۔ اس کی تمہارے ساتھ چلے گا۔ سلا آدمی کا کیا  
 بھروسہ۔ وہ سلا میرا گھبراہٹ ہے۔ دو بیٹے ہوں گے۔  
 ”مجھے کچھ بھی نہیں ہوگا۔“ داوڑ کمر دیا۔ ”تم بے فکر رہو۔  
 اگر میں نے ضرورت محسوس کی تو تمہیں بھی لے جاؤں گا۔“

سینڈ کو اپنے مالک کرم چند پر بے حد خفا تھا۔  
 لیکن مصیبت یہ تھی کہ وہ اس کے سامنے اپنے غصے کا اظہار بھی  
 نہیں کر سکتا تھا۔  
 وہ کرم چند کا ایک وفادار آدمی تھا۔ پہلے وہ ایک پہلوں  
 تھا۔ لیکن وہ ایسا پہلوں تھا جس نے دینی ورثوں کیساتھ  
 ساتھ بددینی ورثوں بھی کر رکھی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ لڑائی  
 بھڑائی کے چند جدید طریقوں سے بھی واقف تھا۔ شاید ہی لے  
 وہ کیلا دس آدمیوں پر بھاری بڑھائی کرتا تھا۔ کرم چند نے بہت  
 سوچ سمجھ کر اس کا انتخاب کیا تھا۔ اور اسے اپنے گھر کا محافظ بنا  
 لیا تھا۔ اس بات کو ایک عرصہ ہو گیا تھا۔ اور سینڈ اس کے بعد  
 بس کرم چند کی بات کو بکرہ کر گیا تھا۔ وہ اس کے اشاروں کا

ہی رہتا۔ وہ کرم چند کی خاطر شہر کے کچھ جڑے میں ہاتھ ڈالنے  
 کو تیار ہو جاتا تھا۔ اس سے کرم چند کے مشاغل اور اس کے قانونی  
 اور غیر قانونی دھندوں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اپنے  
 کام سے کام رکھنے والا آدمی تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ کوئی  
 اس کے پاس کی طرف غیر مجاز نگاہ سے نہ دیکھ جائے۔ کوئی اس  
 کے پاس پر حاوی نہ ہو سکے۔ کوشش نہ کرے۔ اور اسے اس  
 بات کی خوشی بھی تھی کہ کرم چند بھی اس کے مزاج کا آدمی تھا  
 وہ کسی کو اپنی خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس کے سامنے انسانوں  
 کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ وہ اپنے اندر گھر کے لوگوں کو بے  
 خوف و ہراس رکھتا تھا۔ اور سینڈ کو کہنے سے سب بہت ایمان خیز  
 اور عروج تھا۔ لیکن کچھ دنوں سے سینڈ اپنے پاس  
 کے نرم رویہ کی وجہ سے الجھا ہوا تھا۔

یہ نرم رویہ اس نے اس شہر میں آنے والے دو آدمیوں  
 کے لئے اپنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام داوڑ تھا اور  
 دوسرے عبد اللہ۔ سینڈ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ اس کا پاس قابل  
 طور پر داوڑ سے کچھ رہا ہے۔ یہ بات سینڈ کو کہنے  
 ناقابل فہم تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ اسے اس کا پاس دوروں  
 کی طرح اس داوڑ کو بھی ماریٹ کر کھینچ کر دے۔ لیکن نہ جانے  
 کیوں کرم چند اس طرح دینے جارہا تھا۔ سینڈ نے یہ سب  
 باتیں خاص طور پر معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بس  
 اسے اتفاقاً معلوم ہو گیا تھا۔ اسے اتفاقاً یہ جان لیا تھا کہ داوڑ  
 کے اس آدمی نے ایک ہی رات میں اس کے پاس کو بچھا فاصلہ  
 نقصان پہنچا ڈالا ہے۔ اور شاید اسی بات سے خوفزدہ ہو کر اس  
 کا پاس داوڑ کے آگے جھکنے لگا ہے۔

بھگاؤ کی حکمت عملی تو اس کے پاس کی تھی۔ لیکن سینڈ  
 نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص کو حاضر و  
 حاض رکھے گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ چاہے اس کے نتیجے میں  
 اس کا پاس اس بہرکت ہی ناراض کیوں نہ ہو۔ وہ داوڑ کو متفق  
 ضرور دے گا۔ بس کسی طرح داوڑ اس کے ہاتھ لگ جائے۔  
 اس نے داوڑ کو بھی تک نہیں دیکھا تھا۔ بس اس کا نام  
 ہی سنتا رہا تھا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کس صورت  
 شکل کا آدمی ہے۔ وہ بہت کہاں ہے۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ  
 وہ اس کے کسی ساتھی سے داوڑ کا حلیہ معلوم کرے گا۔ اس سے  
 کسی ہمارے کچھ دیکھ دیکھ لے گا۔ اور اس داوڑ کو بچھا کر واپس  
 آجائے گا۔  
 کرم چند نے اسے اپنی کوئی کئی کے احاطے میں ایک خوب

سافر خیر سے آراستہ کوڑے بٹو کر دے رکھا تھا۔ سینڈ و دیسے بھی ایک تھانسان تھا اور اس تنہائی نے اسے شب داری کا عادی بنا دیا تھا۔ اس کی ذمہ داری میں یہ شامل نہیں تھا کہ وہ رات کو کرم چند کے مکان کی چوکی داری بھی کرتا رہے۔ لیکن وہ باہمی عادت سے مجبور تھا۔ اسی نے وہ رات کو اٹھ کر اس مکان کے احاطے کے کئی چکر لگا کر پھرے کوڑے میں مار لیٹ جانا۔ حسب معمول وہ اس رات بھی احاطے کا چکر لگا رہا تھا کہ اس نے گیٹ کے باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔ کوئی شخص گیٹ سے باہر کھڑا تھا۔ یہ اتفاق تھا کہ اس رات جو کیلڈ بھی پر گیا ہوا تھا۔ اور کرم چند کو کتے بالنے کا حقوق نہیں تھا۔ ورنہ وہ اب تک بھوکا بھوکا کراہتا سرسراٹھا لیتا۔ سینڈ و دیا بھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنی رات گئے اس طرح گیٹ پر آنے والا کون ہو سکتا ہے کہ اس نے اسے زور دے سے گیٹ کو کھپکھپاتا شروع کر دیا۔ سینڈ و نے یہ سن کر سنا سنا ہٹا لیا۔ آنے والا کوئی ملاقاتی معلوم ہوتا تھا کیونکہ ڈاکو یا کوئی مشتبہ شخص اس طرح دنگے نہیں دیا کرتا۔ "تو ہے؟" اس نے گیٹ کے پاس پہنچ کر پوچھا: کیا جاننے نہیں؟

"گیٹ کھولو، باہر سے آواز آئی۔ مجھے اس وقت تمہارے کرم چند سے ملنا ہے۔"

"ہاں اس وقت سوہا ہے؟" سینڈ و نے کہا: یہ ملنے کا وقت نہیں ہے۔ تم بھاگ جاؤ یہاں سے۔"

"میں یہ نہیں جانتا، دوسری طرف سے کہا گیا: اگر تمہارا پاس سوہا ہے تو اسے جا کر دگو۔ اگر جاگ رہا ہے تو اسے اٹھا کرے آؤ۔ اور یاد رکھو اگر تم نے دیر لگا لی تو تباہی کی آفتخاں کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

سینڈ و اس کی بات سن کر الجھن میں پڑ گیا۔ یقیناً وہ اتنی لامحنت رکھنے والا ہو گا جتنا اسے دھڑلے سے کرم چند کے سے جگہ کی بات کر رہا تھا۔ اور جس نے اسے دھکی دی تھی کام بھی ضروری معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ وہ شخص کرم چند کے مکان پر اتنی رات گئے آنے کی حماقت نہیں کرتا۔

"ٹھیک ہے۔ میں گیٹ کھول رہا ہوں۔" سینڈ و نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اس کے سامنے ہی اس نے گیٹ کھول دیا تھا۔ آنے والا ایک علیل قدامت صحت مند آدمی تھا۔ اس کی آنکھیں بہت چمک رہی تھیں۔ سینڈ و نے اسی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں جو براہ راست دل میں اترتی ہوئی محسوس ہوں۔

"اپنا نام بتاؤ؟" سینڈ و نے اس آدمی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ہاس کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

کوشش نہیں جنہیں اسے اٹھا کر لانا ہے، وہ آدمی ٹھہرے ہوئے لیے میں بولا: "میرے پاس وقت نہیں ہے۔"

"تم اپنا نام بتاؤ؟" سینڈ و نے پھر پوچھا۔ "اس سے جا کر لو کہ کرم چند اس وقت اس سے ملنا چاہتا ہے۔"

"داور؟" سینڈ و جو کچھ بڑا ہون کون داور۔ تم وہی تو نہیں ہو تو نہیں ہو جو کوئی سے یہاں آیا ہے۔"

"ہاں۔ میں وہی ہوں گیوں،" داور نے اس کی طرف دیکھا: کیا کام ہے مجھ سے؟

لیکن سینڈ و نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اس نے کسی تندہ جھینے کی طرح داور کو کمر ماری تھی۔ داور اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسی نے وہ لاکھڑا ہوا کچھ بٹا اور ہٹا لیا۔ اس سے لکھڑا ایک طرف گر گیا۔ اس کے گرنے ہی سینڈ و نے اس پر جھلاٹنگ لگا دی۔ اسے اپنے پاس کے کچھ سے اس شخص کے خوف کو دور کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اور وہ اس موقع کو ہاتھ سے کھو نہا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پہلے حملے میں داور پر چھڑا کر گیا تھا۔ اس نے اپنے مضبوط سینے اور دم کی مدد سے داور کو زور زور سے دھکا دیا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ داور کے گلے کی طرف بڑھے اور اسی وقت داور نے اپنے دونوں بازو کو اٹھا کر اس کی گردن میں چھپی ڈال دی۔

سینڈ و نے آگے کی طرف زور لگا یا اور داور نے اسے پیچے کی طرف جھٹکا دیا۔ اس جھٹکے کی وجہ سے سینڈ و اس کے سینے پر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ بھی کئی سی آواز نکال کر خود بھی ایک طرف لڑھک گیا۔ داور ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے سینڈ و کے سینے پر ایک ٹھوکر سید کر دی۔ پھر دوسری ٹھوکر ماری چابی تھی کہ سینڈ و نے عین وقت پر کرٹ بدل لی۔ داور کا دھڑا وار خالی گیا۔ دوسری طرف سینڈ و نے ایک کراس کا ہارن ہوا ہیرا کی گرفت میں لے لیا۔ داور لکھڑا کراس کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔ سینڈ و کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے جسم پر کوئی چٹان گر پڑی ہو۔ اس نے داور کو اٹھا کر چھیننے کی کوشش کی لیکن داور اس بلانس سے چھٹی اٹ گیا تھا۔

اس نے ایک زوردار ٹھوکر سینڈ و کے جھڑے پر سید کر دیا۔ پھر ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا اور اس کی پٹلی میں اس کی ٹھوکر ماری۔ اسی برق رفتاری کے ساتھ اس کی دوسری ٹھوکر سینڈ و

کے سر پر لگی تھی۔ پھر تیسری ٹھوکر اس کے پیٹ پر لگی اور اس نے زور دے سے چھٹا شروع کر دیا۔ اس کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔

اسی لمحے مکان کے برآمدے لوگوں کے بولنے کی آواز آنے لگی۔ "سینڈ و کی چپٹیں سن کر اندر سے لوگ نکل آئے ان لوگوں کے ہاتھوں میں انٹلیں دینی ہوئی تھیں۔ اور ان کی لوگوں کے درمیان کرم چند بھی تھا جس نے خود بھی ایک ہڈی اٹھا کر کئی تھی۔ داور جانتا تھا کہ یہ لوگ حالات کا جائزہ لے کر گویاں نہیں چلائیں گے اسی لئے وہ سینڈ و کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ چوہانے آگے دھڑکا اٹھا پھر کراس مار کر لیٹ جاتا۔ وہ غلطی تکلیف میں معلوم ہوتا تھا۔

مکان کے اندر سے آنے والے سب انٹلیں ہلاتے ہوئے داور اور سینڈ و کے گرد جمع ہو گئے۔ داور اب سینڈ و کو چھو کر ایک طرف ہٹ گیا تھا۔

"داور تم کرم چند سے اسے پہچان لیا تھا؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"مجھے کیا معلوم؟" داور نے لاہرواری سے جواب دیا: میں تم سے ملنے کے لئے آیا تھا۔ اس شخص نے میرے لئے تمہارا لیٹ بھی کھول دیا تھا۔ پھر جب میں نے اسے اپنا نام بتایا تو مجھ سے پٹ گیا۔ اب تم ہی سے پوچھ لو کہ اس نے مجھ پر حملہ کیوں کیا کرم چند کون تک داور کی طرف نکھٹتا ہے پھر سینڈ و کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جواب کرتے ہوئے اٹھ بیٹھا تھا اور بدلدہ اپنی گردن جھٹک رہا تھا۔

"کیا بات تھی سینڈ و؟ کرم چند نے اسے مخاطب کیا: تم نے اس شخص پر حملہ کیوں کیا تھا؟"

"یہ آپ کا دشمن ہے ہاس؟" سینڈ و نے کہا: "میں نے یہ سنا ہے کہ تم اس سے ڈرتے لگے ہو۔ اسی لئے میں نے اس پر حملہ کیا تھا۔ لیکن مجھے اخوس ہے ہاس کہ میں باقی کام کا نہیں رہا۔ اس نے مجھ پر قاتل پالیا۔ اب میں تمہارے یہاں نہیں رہ سکتا ہاس۔ جب میں تمہارے دشمن کو نہیں مار سکتا تو میرا ہند نہ رہنا ہوتا ہے؟"

"یہ آدمی تمہارا وفا دار معلوم ہوتا ہے کرم چند؟" داور نے نعرہ دیا: "اس کی قدر کرنا۔"

"تم بھی بے وقوف ہو سینڈ و؟ کرم چند نے ہراساں سنہنیا جب یہ آدمی مجھ سے ملنے کے لئے آیا تھا تو اسے آنے دیتے۔ اس پر حملہ کرنے کے لئے کس نے کہا تھا نقصان پہنچا تھا؟

اس طرح اعلان کر کے تو نہیں آیا کرتے۔ اب ہاڈا اٹھواپنے کوڑے میں جا کر اپنا حلیہ درست کر لو؟"

سینڈ و غیظ و خالت سے منہ ہی منہ میں کچھ بولتے ہوئے کھڑا ہوا۔ پھر اس نے ایک زوردار نگاہ داور پر ڈالی اور اس نے اپنے کوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ کرم چند کے ساتھ آئے ہوئے لوگ ابھی تک وہیں پر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ تو دوا میں چاہتے تھے اور اپنے جیلے سے وہ چاہوں ہی خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ ان کے تیور یہ بتا رہے کہ وہ صرف کرم چند کے شاہیہ کے منتظر تھے۔ اور سینڈ و کی طرح ان کے دلوں میں بھی داور کے خلاف نفرت اور نفرت کی آگ بھڑک رہی ہوگی۔

داور نے کرم چند کی طرف دیکھا۔ پھر وہ دھکا کر ٹوک پڑا کہ کرم چند کی آنکھوں کی کیفیت بدلتی جا رہی تھی۔ داور اس کے مکان میں اکیرا چلا گیا تھا۔ اور اس کے آدمی اسے باہر طرف سے گھیرے میں لے ہوئے تھے۔ شاید کرم چند کے لئے ڈھک کوراستے سے ہٹانے کا اس سے اچھا موقع تھا۔ نہیں اس کے ہاتھ۔ آنکھوں کی جگہ کے ساتھ ساتھ اس کے چہرے کی بھی رنگت بدلتی جا رہی تھی۔ اس نے کچھ سوچنے والے انداز میں اپنے ہونٹ بھی بیکار لے لئے تھے۔ اس کی کیفیت کی یہ تبدیلی داور کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

"کچھ کرم چند؟ اس نے اپنا ایک ہاتھ جھٹکے ہوئے کہا: میں یہ اندازہ کر سکتا ہوں کہ تم اس وقت کیا سوچ رہے ہو گے لیکن تم نے کوئی حماقت کی تو یہ تمہاری غلطی ہوگی۔"

کرم چند تھلا کر رہ گیا۔ وہ داور کی زبان سے بھی قانون تھا۔ اس نے ایسے لوگ بہت کم دیکھے تھے جو ذہن اور جسم دونوں کی قوت سے کام لیتا جانتے ہوں۔

"میں تو کچھ نہیں سوچ رہا؟" وہ اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولا: "میں تو اس کے حیران ہو رہا ہوں کہ تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"نہیں۔ میں تمہیں ایک بابا کا گاہ کر رہتا ہوں؟" داور غراہا: "بات یاد رکھو کہ جب میں تمہیں اکیرا دکھائی دوں تو مجھے کیا ملتا۔ میرا آدمی میرے آس پاس رہتا ہے اور وہ کچھ بھی کہنے کے لئے بوری طرح تیار رہتا ہے۔ تم اپنی منڈگ میں اس کا تجربہ کرنا چکے ہو گے۔ میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنے کسی تحفظ کے تھلے مکان میں کس آدمی کے لئے آدمی بخوار اس قسم کا خیال ہے؟ ذہن سے نکال دو مجھے ذہن سے پہلے تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھانے ہوئے اخوس ہو گا؟"

کرم چند کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے اپنے غصے کے اظہار کے لئے اپنی رائے پر چنگیں لیکن کرم چند ان کی طرف بٹ بٹ کر ٹھیک سے ہواؤں تک بھاڑا اس سے بڑا نہیں ہے۔ داور زربل مسکرایا۔ اس کے باقی اس کے کام کی نفی۔ ورنہ اس نے غصے سے کہہ دیا کہ کرم چند کے تیر بدل چکے ہیں وہ اسے ایک ایسا ٹکڑا کھنکھ لگا تھا جو خود ہی اس کے جال میں آ چھتا ہوا کرم چند کے آدمی بھی سہنہ وہی کی طرح خود بخود لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے ایک طرف چلے گئے۔ ان کے ہاتھ جلنے کے بعد کرم چند داور سے مخاطب ہوا۔

”ہاں اب بتاؤ کیا بات ہے۔ تم اتنی رات کے میرے پاس کیوں آئے ہو؟“

”پہلے تجھے یہ بتاؤ کہ کیا کرانے کے قاتل مارو سے تمہاری برادر راست بات ہوئی تھی میرا مطلب ہے کرم نے تمہاری اس کی خدمات حاصل کی ہیں؟“

”مارو سے کرم چند چونک پڑا۔ تم مارو کو کیسے جانتے ہو۔ اس وقت مارو کا ذکر کرم سے آگیا۔“

”وہ تجھے ہلک کر لے آیا تھا۔ داور نے بتایا۔ لیکن مجھے بہت افسوس ہے کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔ لیکن ہے کہ اس کی موت ہی اسے گھیر کر میرے پاس لے آئی تھی۔“

”انتہا کر اس نے کرم چند پر لگا ہوا ہے۔ لیکن کرم چند کے چہرے پر بولنے جہاں ان کے اور کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بھی بے خبر سن کر بہریشان ہو گیا ہو۔“

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں نے مارو کو تمہارے پاس بھیجا ہو گا۔ کچھ دیر بعد اس نے سوال کیا۔“

”نہیں۔ میرا یہ خیال نہیں ہے۔ داور نے جواب دیا۔ یہی لئے تو میں تم سے ہو چکا ہوتا کہ تمہاری تنظیم کا ورکون آدمی مارو سے کام لیتا تھا۔“

”وہ تینوں کی کام لیتے تھے۔ کرم چند بڑبڑایا۔“

”تین بار مارو سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی اور میں نے ان تینوں کی معرفت اس سے رابطہ قائم کیا تھا۔“

”کون تینوں۔“

”دراکھل کرنا۔ داور نے وقت لہجہ میں بول چھا۔ میں یہ تمہاری ہی بھلائی کے لئے ہو چھ رہا ہوں۔“

”تمہاری تنظیم میں تین آدمی اور بھی ہیں؟ کرم چند نے ایک گہری سانس لی۔“

”میرے سامنے وہ تین آدمی جن کے بارے میں تم جانتے ہو ان کی حیثیت شخص کارندوں کی ہے جب تک کہ میرے بعد دراصل تین آدمی ہیں۔ ان میں ایک پڑا آدمی ہے جو حیثیت

کنٹرول کرتا ہے، دوسرا آدمی نے جو عریاں فلوں اور سائل کو سنبھالتا ہے اور تیسرا آدمی ہے جو جا خاؤں کا نگران ہے۔“

”تمہاری تنظیم کے منور ہر آدمی اتنا دل اور عکاس ہر آدمی کی حیثیت ہے۔ پڑا داور نے بول چھا۔“

”یہ تینوں بظاہر ان کا رو بارے ملک میں لیکن حقیقت وہ ان ہی تینوں کے تحت ہیں۔ اور ان تینوں سے بلند میری حیثیت ہے۔“

”تم نے بھی اچھا خاصہ گورکھ دھندہ قائم کر رکھا ہے۔ داور مسکرایا۔ اور شاید یہ نہیں معلوم کہ جو تنظیم جتنی مادہ ہوگی اس کے کنٹرول کرنا اتنا ہی آسان ہو گا۔ ہر عمل اب تم ہی اچھی طرح جان لو کہ ان تینوں ہی میں سے کوئی ایک ایسا بھی ہے جو ہمیں راستے سے ہٹا کر اس تنظیم پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔“

”انہی تینوں کے لئے اس کا بہت چلا نا ہو گا۔“

”کرم چند کے ہونٹ کھلے پھر اس نے بڑی سختی سے اپنے ہونٹوں کو پھینچ لیا۔ اس کے انداز سے یہ ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے داور کی باتوں پر یقین آ گیا ہو۔“

”تو پھر تو پھر میں کہا کروں۔“ اس نے سرگوشی کی۔ ”اگر میری بات صحیح ہے تو وہ لوگ میرے لئے تم سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں کیونکہ تم کھلے ہوئے دشمن ہو۔ اور یہ لوگ چھپے ہوئے۔“

”اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ تم ان کا بہت چلاؤ داور نے کہا۔“

”کیونکہ ان کی شناخت جہاں تمہارے لئے ضروری ہے وہاں میرے لئے بھی ضروری ہے۔“

”کیوں تمہارے لئے۔ کیوں ضروری ہے۔ کرم چند نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔“

”اس لئے کہ شاید ہی آدمی نے مجھے تمہارا دشمن بنانے کے لئے میرے دولاکھ روپے ہضم کرنے دیں۔ تاکہ میں تم سے بڑا جاؤں۔ اور تم دونوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوجائے۔“

”شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ کرم چند بڑبڑایا۔ یہ حرکت اسی کی معلوم ہوئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا بہت کیسے چلے۔“

”تم ان تینوں کے تھے۔ مجھے بتاؤ۔ میں خود ہی انہیں دیکھ لیتا ہوں اس کے علاوہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس شہر میں کوئی ایسی بااثر شخصیت ہے جو تمہارے کھیل کو بگاڑ سکتی ہے۔“

”ایسی تو کوئی شخصیت نہیں ہے۔ کرم چند نے جواب دیا۔ البتہ موجودہ میرے بارے کاموں میں رخنہ ڈال سکتا ہے۔ کیونکہ ہم نے اس کے مقابلے کے لئے اپنا ایک آدمی کھڑا کر دیا ہے۔ ہاں ایک بات اور یاد آئی۔ وہ چونک کر بولا۔ پٹواری کے تعلق

موجودہ میرے بہت اچھے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ دونوں۔“

”یقیناً وہی پٹواری تمہارے راستے کی دیوار بننے والا ہے۔ داور نے کہا۔ اوروہ یہ سب کچھ موجودہ میرے تونوں سے کر رہا ہے۔ اب یہ معاملہ میرا ہے۔ میں تمہارے اس پٹواری اور موجودہ میر کو دیکھ لیتا ہوں۔“

”کرم چند نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن داور وہابی کے ارادے سے گہٹ کی طرف بڑھ چکا تھا۔“

•

برام کی آنکھ ٹھیک وقت پر کھلی تھی۔ وہ ویسے بھی جلدی بیدار ہونے کا عادی تھا۔ اور اسے اپنے کچھ دوستوں کیساتھ ٹھیک کے لئے جانا تھا۔ اس نے اپنی ساری تیار رہی کو کرکھی تھی۔ پھر وگرم نے تھا کہ برام کے دوست ٹھیک کیونکہ کلاسی لے کر اس کے پاس آچکے تھے۔ اور وہ اپنے حصے کا سامان سمیٹ کر ان کے ساتھ ہونے لگا۔

بولیس کی نوکری چھوڑ دینے کے بعد برام کے لئے عیش می عیش تھے۔ وہ بیوی بچوں کی گاؤں کا پہلا آدمی تھا جو پولیس میں بھرتی ہوا تھا۔ اور وہ بھی پونا جا کر اس کے والدین اور گاؤں کے لوگوں کے لئے بہت عزت کی بات تھی۔ ان کے خیال کے مطابق پولیس کا ہر آدمی راجا سے کم نہیں ہوتا تھا۔ جس کوئی چاہا مارا بیٹ کر مر گیا۔ جس کوئی چاہا چھوڑ دیا اور جدھر سے گزرا لوگوں پر بدبخت بھینٹی چلی گئی۔ برام بھی اپنی اس بولیس فانی حیثیت سے بہت مطمئن تھا۔ پونا گزرتے ہوئے شہر تھا۔ لیکن یہ اتنا ہی تھا کہ وہاں اسے زیادہ ڈیواریوں کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔ جھوٹے جھوٹے چور اور صوبہ سب سے ہوتے تھے اور وہ ان پر قابو پا کر انہیں قتل کرنے کے لئے دیار کرتا۔ اس نے پونا میں کرم چند اور اس کی خطرناک تنظیم کے بارے میں بھی سن رکھا تھا لیکن اس کا فامطرح کرم چند یا اس کے آدمیوں سے نہیں پڑا تھا۔ اسی لئے اس نے اس گروہ کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے کام سے کام لے رہا تھا۔ آدمی تھا۔ اسے جو ڈیواری دی جاتی تھی وہ اس پر پورا اترنے کی کوشش کرتا تھا۔

پونا میں اس کا ساتھی شام تھا۔ جو اس کی طرح خود بھی ایک بولیس والا تھا۔ اور وہ دونوں ایک ساتھی رہتے تھے۔ برام کی طرح شام کی زندگی بھی بڑے آرام سے گزر رہی تھی۔ ابھی تک ان دونوں کو کسی بڑی ولادت سے واسطہ نہیں ہوا تھا لیکن ایک رات سماں کی جی کے مندر کے احاطے میں ایک بڑی ولادت

ان کے سامنے ہوئی تھی۔

اس رات وہ بھی سے آئے ہوئے دو آدمیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے مندر کے احاطے میں داخل ہوا تھا۔ شام کی اس کے ساتھ تھا۔ ان کے ساتھ آجھن بھی تھی کہ اندھیرے کی وجہ سے کچھ بہت نہیں جلد رہا تھا۔ البتہ گولیاں جلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ان دونوں آدمیوں کے تاقب میں کرم چند کے آدمی بھی لگے ہوئے تھے۔ اور شاید وہ دونوں کرم چند کے آدمیوں سے بھڑکے تھے۔ اسی لئے ہنگامہ ہو گیا تھا۔ گولیاں جل رہی تھیں اور ہرگ دیر بھی ہوئی تھی پھر ہی افزائش میں شام اس سے الگ ہو گیا۔ وہ اندھیرے میں کسی طرف چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے کسی کے چنے کی آواز سنائی پھر سنا پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک پولیس والے کو دیکھا۔ اسے فاصلے پر دوڑ کر ایک طرف جاتے دیکھا۔ اس وقت برام کی سمجھ میں نہیں آسکا تھا کہ اس کے اور شام کے علاوہ اور کون بولیس والا اس احاطے میں موجود ہے لیکن بولیس جب شام بے ہوش اور بغیر اس کے پڑا ہوا ہوا تھا۔ یہ بہت جلد ان دونوں میں سے کسی نے اسے بے ہوش کر کے اس کی وردی پہن لی تھی اور بھاگ لگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

یہ بات کہ زیادہ شرمندگی اور آجھن کی نہیں تھی لیکن نہ جانے کیوں بولیس کی ملازمت سے برام کا بانی اجاب ہو گیا فاص طور پر اس سے شام کی حالت نہیں دیکھی جاتی تھی وہ نفسیاتی اور ذہنی طور پر بالکل مغلوب ہو کر رہ گیا تھا۔ برام نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن اس کی ذہنی کیفیت ہی بدل گئی تھی۔ بالآخر برام کی اکتاہٹ ابھی بھی اس نے بولیس کی ملازمت سے متعلق دے دیا۔ اس کا استعمال بڑی مشکلوں سے منظور ہوا تھا۔ لیکن یہی بہت تھا کہ اس کی جان چھوٹ گئی تھی۔

وہ استعمال دینے کے بعد سیدھا گاؤں واپس تھا۔ جہاں ابھی بھی اس کے لئے بہت کام پڑا تھا۔ وہ اپنے باپ داداؤں کی طرح کھیتی باڑی کو کوری سکتا تھا۔ گاؤں کے لوگوں نے اسے بولیس کی نوکری چھوڑ دینے پر بہت برا بھلا بھی کہا تھا لیکن بعد میں سب خاموش ہوتے چلے گئے۔ اور زندگی اپنے معمول پر آئی۔

برام نے گاؤں ہی میں اپنے ساتھی شام کی موت کی خبر سن لی۔ اسے کوئی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ آخر میں تو شام کی تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ اخبار والوں نے سوائی جی

کے مندر میں ہونے والی واردات کا حال بھی دیا تھا۔ اخبار کے مطابق شام کو یقیناً کوئی ایسی بات معلوم تھی جس کی وجہ سے اسے ہلاک کر دیا گیا تاکہ وہ کسی اور کو کچھ نہ بتا سکے۔ دوسری طرف اس قتل کا شبہ بھی سے آنے والے دونوں آدمیوں پر ظاہر کیا گیا تھا۔ یہ وہی آدمی تھے جو سماوی جی کے مندر سے ٹہکا کی وردی اتار کر فرار ہو چکے تھے۔ بات چاہے کچھ بھی ہو بلرم کا دوست بلونا میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اور اس وقت بلرم نے اس بات پر شکریہ ادا کیا تھا کہ وہ پولیس کی فوکری چھوڑ چکا تھا۔ ورنہ اس کا بھی شاید وہی ختم ہوتا۔

دروازے پر ہونے والی دنگ نے اس کے خیالات کا سلسلہ متغیر کر دیا۔ اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس کے دوستوں کی وہ گاڑی نظر آ رہی تھی جو ان لوگوں کو پکٹ پرسلے جانے والی تھی ویسے بھی ان لوگوں کے آنے میں دیر تھی۔ پھر یہ کون ہو سکتا تھا۔ آج کل اس کے کھڑولے ایک شادی میں شرکت کے لئے دوسرے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ اس دنگ کے چلب میں دروازہ اسی کو کھولنا تھا۔ وہ منھڑی منھڑی میں بیڑا تیار کر دروازے کے پاس آیا اور ایک جھٹے

سے دروازہ کھول دیا۔ دروازے پر ایک ایسا آدمی کھڑا تھا جو اس کے لئے جہنی تھا۔ اس کا حلیہ شہر والوں جیسا تھا یعنی اس نے شہری لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں ایک گھنٹیل تھا۔ کیا بات ہے بھائی۔ بلرم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس سے ملنا ہے۔ ”تم سے ملنے آیا ہوں۔“ اس آدمی نے حجاب و بابتہ نہ کر پولیس کے ساقی شام نے اپنی موت سے کچھ دنوں پہلے تھے کچھ چیزیں دی تھیں اور یہ کہا تھا کہ اگر اسے بچھاؤ جانے تو یہ چیزیں تمہارے حوالے کر دوں۔ بڑی مشکلوں سے تمہارا چرکا کر مہیاں تک پہنچا ہوں۔

”اچھا۔ بلرم نے اپنی گردن ہلائی۔ وہ یہ سب سن کر کچھ الجھا گیا تھا۔“ ٹھیک ہے اندھا جاؤ۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر اجنبی کے لئے راستہ دے دیا۔ اجنبی نے انداز آتی ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ بلرم اسے حیرت سے دیکھتا رہا تھا۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور دروازہ بند کر لینے کے بعد اجنبی بلرم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ”ہاں اب بتاؤ بلرم لمے پوچھا۔ شام نے مجھے کیا یاد ہے

اجنبی نے اپنے تھیلے میں ہاتھ ڈالا۔ پھر اس کا ہاتھ تھپ باہر آیا تو اس میں ایک پستول دبا ہوا تھا۔ ”یہ۔ یہ کہا ہے۔ بلرم جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ کیا شام نے مجھے یہ پستول دیا تھا۔“ ”نہیں۔“ اس اجنبی نے اپنی گردن ہلائی۔ ”یہ پستول تو اس لئے ہے کہ اگر شام نے تمہیں کوئی بات بتا دی ہے تو وہ بات تمہارے سینے سے باہر نہ جاسکے۔“ بلرم نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔ اس اجنبی نے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔ یکے بعد دیگرے دو گولیاں اس کے پستول سے نکلیں اور بلرم کے سینے میں بیویسٹ ہو گئیں۔ اس کے سینے سے اہو کا فوارہ بلند ہوا اور وہ خود اپنے ہی ہڈیوں میں نہایا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔

بھائی ایک موقع پر سرت آدمی تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی جوڑ توڑ میں گزار دی تھی۔ اور وہ کسی بات سے ڈانڈا اٹھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ وہ اپنی بات کا رے والا تھا اور اسی شہر میں رہ کر اس نے دولت حاصل کی تھی۔ اختلاف حاصل کیا تھا اور اب شہر کا میئر تھا۔ یہ ایک ایسا عہدہ تھا جو اس کی گردن کو اوڑھ کر رکھنے کے لئے بہت تھا۔ اس کی گردن اپنے سے کم تر لوگوں کے سامنے اٹھاتی رہی تھی۔ جبکہ خود سے اگلی اور برتر لوگوں کے سامنے اس طرح جھک جاتی جیسے اس میں اس میرنگ لگی ہوئی ہو۔

شہر میں میرے کے انتخابات کا پھر زور تھا۔ اس کے مقابلے میں دو امیدوار کھڑے ہوئے تھے لیکن وہ دونوں ہی نا تجربہ کار اور جوان تھے۔ جبکہ بھائی نے زمانے بھر کے تجربات اپنے ذہن میں سمیٹ رکھے تھے۔ وہ بڑی آسانی سے ان دونوں کو اپنے جوڑ توڑ کے ذریعے شکست دے سکتا تھا۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ ان میں سے ایک امیدوار کو درپردہ کریم چند کی حمایت حاصل تھی۔ اور بھائی کریم چند کے متعلق جانتا تھا کہ وہ اس قسم کا آدمی ہے اور اس کے وسائل کیسے ہیں۔ وہ ایک زمانے میں خود بھی کریم چند کا آدمی تھا۔ اس لئے کریم چند کے وسائل سے فائدہ اٹھاتا تھا۔ اپنی من مانی کی تھی۔ پھر اس کے اور کریم چند کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ کیونکہ بعض اوقات اسے لیا محسوس ہوتا جیسے کریم چند اس کے اختیارات میں دخل دینے لگا ہے۔ وہ کریم چند کے سامنے تو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن وہ دلی دل میں اس سے بگڑتا ہوتا چلا گیا۔ اور ان کے درمیان

ایک ہمراہی خلیج حاصل ہو گئی۔

یہ صورت حال پہل کریم چند کے لئے نقصان دہ ہو سکتی تھی۔ وہیں بھائی کے لئے بھی پرلن سن تھی۔ کیونکہ کریم چند کی عدم موجودگی نے اس کے مالی وسائل کم کر دیئے تھے۔ اور اسے انتخابات کے لئے ایک کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس کا یہ تجربہ تھا جو کہ امیدوار بہت پیسے خرچ کر کے دای کامیاب بھی ہوا کرتا ہے۔

پھر اس کے شاطرن ذہن میں ایک ترکیب آنی اور اس نے ایک خاص آدمی سے ساز باز کر لی۔ اس آدمی سے... کر کے بعد اندر دی نور براس کی یونیٹ میں مضبوطی تھی۔ اسے ایک تو خرچ کرنے کے لئے رقم مل رہی تھی اور دوسری طرف اسے تحفظ بھی مل رہا تھا۔ اس آدمی کے اپنے کا ایک تھے جن کا علم کریم چند کو تھا۔ اور بھائی جانتا تھا کہ وہ شخص کرچند کو ہمارے خودی تنظیم کا سربراہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اور ان مقصد کے حصول کے لئے اس نے کوشش شروع کر دی ہے لیکن بھائی کو اس آدمی کے ارادوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی میرنگ بننے کے باوجود اس قسم کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ اس کے اندر بھی اس تنظیم کی سربراہی کی خواہش تھی۔ وہ بھی طرح جانتا تھا کہ اس تنظیم کی سربراہی ان کے میرے کے عہدے سے بڑی چیز ہے۔

ان دنوں ایک ذریعہ کی وجہ سے بھائی بہت مصروف تھا۔ اس ذریعہ کا نام کرشنا تھا اور وہ بلونا میں ایک بڑی دکان کا افتتاح کرنے کے لئے آلا تھا۔ اس دکان کے افتتاح کے ساتھ ساتھ اس نے اس قسم کے مواقع بہت اہمیت رکھتے تھے۔ کیونکہ ایک میٹروپولیٹن کے وجہ سے وہ دندروں کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ اور دیکھنے والوں پر اس کی شخصیت کا عجب بڑا تاثر لوگوں کو یقین ہوئے تھے کہ بھائی کو دندروں کی حمایت بھی حاصل ہے۔ اسی لئے آئندہ بھی اس کے میئر بننے کے امکانات ہیں۔ دندروں کے آنے کی توقع کرچند کے لیے بہت سادہ سی تھی لیکن بھائی کے لئے اتنی ہی بہت تھا کہ اس تقریب میں بہت سے اخباری نمائندے اور فوٹو گرافر بھی آئے ہوتے تھے جو ہر زاویے سے تصویریں لے رہے تھے۔ میرنگ ہونے کی وجہ سے بھائی ہی کو استقبال کرنا تھا۔ اسی لئے جب اس نے فوٹو گرافروں کو دیکھا تو اس کے ہونٹوں کا ہانپا پھیل گئے۔ اور اس نے ایک کرکٹ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور زور زور سے جھلانے لگا۔ وہ اس

طرح سے تافر و پین کی کوشش کر رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیان بہت گرم جوشی پائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس نے یہ حیرت کر لیا تھا کہ وہ اس وقت تک کرشنا کے ہاتھ کو نہیں چھوئے گا جب تک ان دونوں کی کسی تصویریں نہ زائر کی جائیں۔

”آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے جناب۔“ اس نے کرشنا کے ہاتھ کو جھلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ میرنگ بھی حال ہے۔ کرشنا نے جواب دیا۔ اس کا ہوا بالکل سہل تھا۔ یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اس نے بھائی کی اس حرکت سے کوئی بے زاری محسوس کی ہو۔ ان دونوں کے غلب میں محاذ بھی کھڑے ہوئے تھے۔

بظاہر ان کے ہاتھوں میں کوئی اختیار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ لیکن بھائی جانتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس کوئی نہ کوئی ہتھیار ضرور ہو گا۔ یہ حافظہ دندروں کی حفاظت کے لئے تہنات کئے جاتے تھے۔ اور یہ لوگ اپنے کام میں بہت مہارت رکھتے تھے۔

رسی کار والوں کے لیے وہ لوگ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ سپاہ رنگ کی وہ شاندار گاڑی دندروں کی استعمال کے لئے لائی جاتی تھی۔ اس گاڑی کے آگے دو دروازے محفوظ طور پر بند کر دیئے ہوئے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھولے ایک طرف کھڑا تھا۔ دندروں کے سامنے اس کا میکینک بھی تھا۔ جو اس کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چل رہا تھا۔ گاڑی کے پاس آکر میرنگ بڑی اگلی نشست کی طرف بڑھ گیا۔ کیونکہ یہی دستور تھا۔ جبکہ بھائی اور کرشنا پہلی نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے پیچھے ہی گاڑی کا دروازہ بند کر دیا گیا اور گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ ان کے ساتھ ساتھ مسیح حافظ بھی چل رہے تھے۔

”ہاں۔ اب بتاؤ مجھے کیا کیا کرنا ہے۔ کرشنا نے ٹھکے ہوئے انداز میں اپنے سیکریٹری سے دریافت کیا۔

سیکریٹری نے اس کی بات سنتے ہی جلدی سے اپنی ڈائری کھولی۔ اور ڈائری پر دیکھے ہوئے پروگرام کو پڑھ کر منلے لگا۔

”میں سے پہلے تو آپ کو اوشا اسٹور کا افتتاح کرنا ہے۔“ سیکریٹری نے بتایا۔ ”اس کے بعد ایک سماجی ادا سے کی طرف سے شام کی چائے ہے۔ پھر رات کے وقت جہاز سہیل میں ڈاکٹروں کی تقریب ہے۔ جس میں آپ کو تقریر کرنی ہے۔



آج رات کا یہی پروگرام ہے۔  
 "منہج ہے یا کرشن کے تھکے تھکے انداز میں سیٹ سے  
 اپنا سر اڑا دیا۔ آج کے لئے اتنی ہی بہت ہے۔  
 میسر نے اس موقع پر کرشن سے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا  
 وہ کڑی سے باہر دیکھنے لگا۔ اپنی پیش بھون قریب آتا جاتا تھا  
 جس کی چوٹی منزل پر شرم کی سب سے بڑی اور خوبصورت  
 دکان کھولی تھی مٹی۔ ایک قسم کا پٹر اسلور تھا جس کا مالک  
 گینیش نامی ایک موٹا لکڑہ اور بارہن آدی تھا۔ اسی نے اس  
 نے اپنی دکان کے افتتاح کے لئے ایک وزر کو مدعو کیا تھا اور  
 وزر کو مصروفیت کے باوجود اس قریب میں شریک ہونا چاہتا تھا  
 اپنی بھون کے پاس اگر گاڑی رکھ دیتی، بھائی نے یہاں  
 پہنچ کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی گاڑی کے رستے ہی پہنچی  
 چونکہ وہ منظر ان کے آگے بڑھ کر ان لوگوں کو اپنے حصار میں  
 لے لیا عمارت کے دروازے پر بھی بہت سے مسلح محافظ تھے  
 تھے ان کے درمیان موٹا لکڑہ گینیش باہر سے کھڑا تھا۔  
 ڈیڑھ گز دور سے دروازہ کھولا اور وہ بیٹوں گاڑی سے نیچے  
 آگئے گینیش نے آگے بڑھ کر بھولوں کا ہار کرشن کے گلے میں ڈال  
 دیا گینیش کے میسر نے دوسرا ہاتھ بھائی کے ہاتھ پر رکھا جس کی  
 گفتگو کے بعد یہ لوگ لٹ کی طرف بڑھ گئے۔ لٹ کے اندر  
 بھی دو عورتی محافظ کھڑے تھے لٹ میں صرف ایک آدی تھا  
 کی گنجائش تھی۔ اسی نے بھائی کرشن کے علاوہ گینیش بھی ان کے  
 ساتھ لٹ میں داخل ہوا اور وہ لٹ اوپر کی طرف چل پڑی  
 باہر کھڑے ہوئے کچھ لوگ بیڑیوں کی طرف بڑھ گئے اور کچھ  
 لٹ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔  
 انہیں لٹ کے ذریعہ چوٹی منزل تک جانا تھا جہاں  
 گینیش کا پٹر اسلور تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ لٹ تیرہویں  
 منزل پر ایک جھٹکے کے ساتھ اس طرح رک گئی جیسے اس کے  
 نظام میں کوئی خلل ہو گیا ہو۔ وہ سب کے سب چونک تو  
 پڑے تھے لیکن اس اتفاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتی تھی۔  
 لٹ کے رستے ہی لٹ کے دروازے پر دستک ہوئے  
 لی اس دنگ کو سن کر لٹ میں موجود دونوں محافظ بھاگ  
 ہو گئے تھے۔ انہوں نے ابھی ہوئی لگا ہوں سے بھائی  
 اور کرشن کی طرف دیکھا۔  
 "نہ جانے کیا حکم ہے یہ گینیش بڑبڑایا کون لوگ ہوئے  
 ہیں؟"  
 "دروازہ کھول دو کرشن نے ایک محافظ کو ہدایت کی۔

محافظ نے دروازہ کھولنے کے لئے مٹن پر انگلی رکھ دی  
 دروازہ ایک طرف ہٹ گیا۔ پھر پولیس کے دو آدمیوں کو دیکھ  
 کر ان لوگوں نے اطمینان کا سانس لیا۔  
 "مکالمات ہے۔ بھائی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا  
 تم لوگ یہاں کیوں دکھائی دے رہے ہو؟"  
 "ایک گڑبڑ ہوئی ہے جناب، لاہنے قبولے نے جلدی  
 سے کہا مینٹری جی کے لئے تھوڑا سا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ  
 لوگ لٹ کو دوبارہ چمکے جائیں اور بھائی صاحب پلیز  
 آپ ہماری ساتھ آجائیں۔ جلدی کریں؟"  
 "آخر کیوں؟ کرشن نے تہہ بہ تہہ پوچھا کیا خطرہ ہے۔  
 لٹ چمکے کیوں جانے گی۔ اور تم لوگ بھائی جی کو اپنے ساتھ  
 کیوں لے جانا چاہتے ہو؟"  
 "سر۔ اس وقت ہماری پاس بالکل وقت نہیں ہے  
 دنیا سے دوسرے معاملہ خراب ہو سکتا ہے۔ ہم آپ کی سیٹھی  
 کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ آپ بھائی صاحب کو ہماری ساتھ  
 آنے دیں اور خود گاڑی کے ساتھ چمکے جائیں۔ اسی میں  
 بہتری ہے۔"  
 "یہ نہیں ہو سکتا۔ بھائی بول پڑا۔" میں مینٹری جی کے  
 ساتھ ہی رہوں گا؟"  
 ان دونوں پولیس والوں نے ایک دوسرے کو مٹی نیز  
 لگا ہوں سے دیکھا۔ پھر اس سے پہلے کہ لٹ میں موجود  
 محافظ کچھ کہہ سکتے۔ ان دونوں نے اپنی جلیوں سے پستول  
 نکال لئے پھر اس پھرتی کے ساتھ ان میں سے ایک نے  
 پستول کا رخ کرشن کی طرف کر دیا جبکہ دوسرے نے بھائی  
 کی گینیش پر پستول رکھ دیا تھا۔  
 "ہم بھائی کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں۔ لاہنا والا  
 اگر کسی نے ہوشیاری دکھائی تو میں بہرہ لاک کر دوں گا تو  
 تم باہر آ جاؤ۔"  
 دونوں محافظ تھلا کر رہ گئے لیکن صورت حال ابھی  
 کر وہ بھائی کو پانے کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس  
 شخص کے لہجے سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جو کہہ رہا ہے اس  
 پر عمل بھی کر سکتا ہے۔ سب سے زیادہ وحشت حالت بھائی  
 کی ہو رہی تھی اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ کرشن کے عقب  
 میں جا چلتا۔  
 "جلدی کرو۔ اب کے دوسرے آدمی نے کہا۔ ان کے  
 پاس نام نہاد گھاس ہو گیا ہے اور وہ سالانہ کی کھجری میں لٹ کے دروازے

اس کے ساتھ ہی لاہنے والے نے ہاتھ بڑھا کر بھائی  
 کو ایک جھٹکے سے اپنی طرف کھینچ لیا۔ بھائی کے باہر گئے ہی  
 دونوں محافظوں میں سے ایک نے پک کر لٹ کا دروازہ بند  
 کر لیا۔ اس وقت ان کے نزدیک کرشن کی حفاظت زیادہ ضروری  
 تھی۔ وہ اسی کے لئے انہوں نے گئے تھے۔ لٹ کا دروازہ  
 بند ہونے ہی ان دونوں نے بھائی کے ایک جانب ہٹنا دیا وہ  
 لوگ واقعی بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے۔ اس کی ایک وجہ  
 شاید یہ بھی تھی کہ انکی ایک اس تیسری منزل پر لٹ کی طرف  
 کوئی نہیں آیا تھا۔ اور کسی بھی نے کسی کی آمد ان کا کام خراب  
 کر سکتی تھی۔ بھائی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان دونوں نے  
 آخر کس طرح سے سب کچھ کیا ہو گا۔ لیکن اسے زیادہ دیر سوچنے  
 کا موقع نہیں ملا وہ دونوں اسے دھکیلتے ہوئے اس منزل  
 کے ایک ایسے کمرے میں لے آئے جہاں کوئی نہیں تھا۔ بیٹا  
 کوئی دفتر تھا۔ کچھ دکان میں رکھا اور فرنیچر ظاہر کر رہا تھا  
 آئی، اسی دوسرے آدمی نے جلدی سے دفتر کا دروازہ بند کر دیا  
 جبکہ لاہنا والا بھائی کی طرف متوجہ ہو گیا۔  
 پھر اس سے پہلے کہ بھائی کچھ سمجھ سکتا لاہنے والے نے  
 ایک زوردار گھونر بھائی کے پیٹ پر رسید کر دیا لٹ کی  
 شدت سے بھائی دہرا ہو گیا تھا۔ اس کے دہرا ہونے ہی  
 اس نے ایک لٹ اس کی کرور تھا دی۔ اس سے گھونر بھائی  
 کو اچھال دیا۔ وہ کی گینیش کی طرح اڑتا ہوا سامنے والی دیوار  
 سے جا کر گر گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے سر سے رقص کرنے  
 لگے تھے۔  
 "ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ لاہنے والے اس  
 کے قریب آتے ہوئے کہا۔ تم بھائی بھائی اس لئے کی ہے تم  
 تم کو با احساس ہو جانے کے ہم تم سے مذاق نہیں کر رہے تھے۔  
 "تم تم جانتے کیا ہو؟" بھائی نے لڑتی ہوئی آواز میں  
 بول چھا اس کا پورا جسم جھوٹے کی طرح دھڑک رہا تھا۔ کون ہو گا وہ  
 "مگر چند کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ ہے۔ لاہنے والے  
 نے بول چھا۔  
 بھائی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہہ گیا۔ وہ محتاجی  
 نہیں سمجھتا تھا کہ ان دونوں کی آمد کا یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے  
 اس کے خیال میں یہ دونوں کرم چند کی آدی ہو سکتے تھے۔  
 "مٹاؤ لاہنا والا آگے بڑھا اور اس نے بھائی کے کار کو  
 پکڑ کر جوڑو شروع کر دیا۔ وہ دھڑکھونٹ کر ماروں گا  
 بھائی کے ذہن میں اس وقت بہت سے خیالات آ رہے

تھے۔ وہ کرم چند کے اس خاص آدمی کے بارے میں جھوٹ  
 بھی بول سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کی اور کا نام تاسے آخر  
 اس شخص کو یہ کیسے معلوم ہو گا کہ اس نے غلط بیانی سے کام  
 لیا ہے لیکن اس سے پہلے کہ وہ کہتا تھا وہ آدی پھر بول پڑا۔  
 "اور ہاں۔ یاد رکھو۔ اگر تم نے جھوٹ بتایا تو میں اس  
 اگر تمہیں جان سے ماردوں گا۔ تم چاہے کہیں بھی رہو۔ کتنے  
 بی محافظ تمہارے پاس کیوں نہ ہوں۔ میں تمہیں ان کے میٹن  
 سے کھینچ لے جاؤں گا۔"  
 یہ آدمی اسی قسم کا معلوم ہوتا تھا۔ اتنی خطرناک اور  
 ایسی بات پوری کر کے والا۔ ان لوگوں نے جس دیر کی کہانی  
 یہ حرکت کی تھی اتنی دیر کی کسی اور کے بس کا روک نہیں تھی۔  
 اس نے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔  
 "اس آدمی کا نام تیواری ہے؟" بھائی نے اپنے ہونٹوں  
 پر زبان پھیرتے ہوئے بتایا۔  
 یہ نام سنتے ہی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ  
 تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے ایک چمکنا ہاتھ بھائی  
 کی گردن پر رسید کر دیا۔ اس ضرب نے بھائی کو بے ہوش کر دیا  
 تھا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھل گئی اور وہ فرش پر لٹ  
 گیا۔ اس کے بے ہوش ہونے ہی لاہنے والے نے دوسرے کی  
 طرف دیکھا۔  
 "چلو اب جلدی سے کمرے تبدیل کرو بھائی پاس  
 وقت نہیں رہا ہے۔"  
 "تھوڑی دیر تو سرکاری ڈیس میں رہنے دو پاس؟"  
 دوسرے نے کہا۔ سالانہ کو ایسا لگ رہا ہے جیسے ابھی  
 ابھی ڈی ایس بی ہو جاؤ گا۔ پاس یہ وردی بھی سالانہ ہوتا ہے۔  
 "جس چل بیڑی اب تمہاری گاڑی پہلے والے نے اپنا  
 ہاتھ اوپر اٹھا لیا۔ وہ دھڑکھونٹا۔ "میں کہتا ہوں کہ وقت نہیں  
 ہے۔ ہماری تلاش شروع ہو گئی ہوگی۔"  
 عدل کچھ کہہ کر بغیر اس کمرے کے باہر دالے کمرے میں  
 داخل ہو گیا کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں  
 اس کے اور دار کے لباس تھے۔ ان دونوں نے جلدی جلدی  
 ہر دیاں اتار دیں اور لباس پہن لیا۔ اس کام سے فائدہ ہو کر  
 انہوں نے بیوش بھائی کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں ڈال  
 دیا۔ پولیس والوں کی دردیاں بھی دوسرے کمرے میں رکھ  
 دی گئی تھیں۔  
 یہ منصوبہ انہوں نے بہت سوج بوجھ کر بنایا تھا کہ کرم چند

تین آدمیوں کے نام دینے تھے۔ پھر ہر کے مینجھلے پر ہر  
ظاہر کیا گیا تھا۔ دوسرے خیال میں اصل آدمی کا پتہ بھائی  
ہی بتا سکتا تھا۔ پہلے تو ان لوگوں نے بھی سوچا تھا کہ کیا  
باری تینوں کو دیکھ دیا جائے۔ لیکن اس کام میں بہت دیر  
لگ سکتی تھی بہت وقت ضائع ہو جاتا۔ اسی لئے انہوں  
نے بھائی پر بھارت ڈالنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن بھائی کے  
ساتھ مصیبت یہ تھی کہ وہ تباہ کاری نہیں دیتا تھا یا تو وہ  
کسی میننگ میں الجھا رہتا یا پھر کسی قریب مدعو ہوتا۔ اوقت  
بھی اس کے ارد گرد اس کے ذاتی محافظ ہوا کرتے۔ ایسی  
صورت میں اس پر ہر ہمت ڈالنا بہت مشکل ہوتا تھا یا تھا تو  
اور عبدال نے بھائی کے گھر میں داخل ہونے کی کوشش  
کی لیکن کامیابی نہیں ہو سکی تھی کیونکہ ان دنوں بھائی کے  
یہاں کسی قریب میں شرکت کے لئے بہت سے ہمارا  
آئے ہوئے تھے۔ اور ان ہماروں کی موجودگی میں بھائی پر  
ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا تھا۔

دو دن اس کی سڑک میں گزرتے۔ وہ لوگ ابھی تک باہر  
کے گھر میں رہ رہے تھے۔ وہ خیرات ان کے ساتھ ہر قسم کا  
تعاون کر رہی تھی۔ اس نے ابھی تک ان کے خلاف کوئی ایسی  
حرکت نہیں کی تھی جو ان لوگوں کے لئے پریشانی پیدا کر سکتی  
کے باوجود اور اسے اس پر ہاتھ لگا رہی ہوئی تھی۔ اس نے عبدال  
کو اس کے ساتھ لگا دیا تھا۔ وہ باہر کی خانے میں بھی اس کے  
ساتھ جایا کرتا تھا۔ دوسری طرف گھونٹا کا یہ حال تھا کہ ...  
... کہ اس نے بے زاری اور لائق اختیار کر رکھی تھی۔ نہ جانے اس  
کے ذہن میں کون بات آئی تھی کہ اس نے کم چند اور دیکھ  
معاملات میں دھڑکی یعنی ہی ترک کر دی تھی۔ وہ دن پھر کچھ  
کچھ سوچتا رہتا تھا۔ اس کی ذاتی تبدیلی پر کوئی دھیان کیا  
دیا تھا اس کے لئے پھر ایسی مسائل کم نہیں تھے لیکن آج  
کے روز کے لئے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ابھی جنگ  
خود ہی لڑنی تھی۔

دو دن کے بعد انہی ایک خبر کے ذریعے انہیں معلوم  
ہوا تھا کہ ایک صوبائی وزیر ملوث آئے والے۔ اخباریں اس  
وزیر کا پورا پر ورام دیتے تھے۔ اور ابھی لکھا تھا کہ شہر کا مینر  
بھائی وزیر کو اپنے ساتھ اپنے پیش جھونک لے جانے کا چاہا  
وزیر کو ایک پھر دستور کا افتتاح کرنا تھا۔ اس خبر نے دوسرے  
لئے عمل کی ایک راہ منتخب کر دی تھی۔ اس نے اسی وقت سے  
فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حالانکہ یہ ایک خطرناک ادا تھا

”ہاں۔ بروہر دیکھ رہا ہے لیکن وہ سالا پولیس والا  
کیا کہے گا؟“

”تم کسی طرح میرے پاس لاسکتے ہو؟“ اور نے بلوچھا۔  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ عبدال نے حیران ہو کر اس  
کی طرف دیکھا۔ ”غیر میں تو معلوم ہے کہ پولیس والا بہت دیر  
سے خطرہ ہو گا کہ بتا رہے ہیں۔ جیسے ہی پولیس کو سونپ دیتی ہے جیسے  
کو گورنٹ کو؟“

”اچھا۔ بس۔ بس۔“ اور نے اسے لوگ دیا سم تو بدستی  
کرنے میں بہت ماہر ہو کر تم ان سے یہ ہو کہ تم لوگوں کا  
اخبار سے ہے اور تم لوگ ان سے کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں؟  
”سالا یہ پتہ والابا نہیں چلے گا۔ اس۔ وہ سالا ان کو  
بھڑکی لگا دے گا اور تم سے تو شاد دیکھ رہا ہے۔ پولیس والا  
لیکن داور کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ عبدال خود  
ہی بڑے شامان پولیس والا کی طرف چلا گیا تھا۔ داور کو  
اس کامیابی کی امید نہیں تھی۔ اس نے بس بڑی بڑی کوشش  
کے طور پر عبدال کو روکنا دیکھا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ عبدال  
کسی طور ان دو دنوں پولیس والا کو لے جانے میں ناکام رہا تو وہ  
لوگ عمارت کے اندر داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ ہاں  
اس مسئلے میں انہیں کچھ بھی کرنا پڑے۔ لیکن اس کی نوبت ہی  
نہیں آئی تھی کیونکہ عبدال ان پولیس والاوں کو اس کی طرف  
لے چلا رہا تھا۔ اس نے نہ جانے اس طرح ان دو دنوں کو ضائع  
کر ہی لیا تھا۔

”تم ان سے پوچھ لو؟“ عبدال نے قریب آکر داور کی طرف  
اشارہ کیا۔ ”یہ اخبار والا صاحب بھی آئی آدمی کو لے جاتے دیکھائے  
اس موقع پر داور کچھ الجھتا تھا۔ عبدال نے ان دو دنوں کو نہ  
جانے کیا کرنا تھا۔ عبدال کے کہنے پر ان میں سے ایک پولیس  
والے نے داور کو قتل طلب کیا۔  
”آپ کون ہیں جی۔ کیا آپ نے بھی اس خشک آدمی کو لے  
جاتے ہوئے دیکھا ہے؟“

کسی حد تک داور کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ عبدال نے ان  
پولیس والاوں کو کیا کہا ہوگا۔ اسی لئے وہ جلدی جلدی ہونے لگا۔  
”ہاں جی۔ میں نے خود دہلی آ نکھوں سے اس آدمی کو لے  
جاتے ہوئے دیکھا ہے وہ صورت ہی سے مشکوٹ معلوم ہوتا تھا  
اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اسلحہ بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ  
اس کے کوٹ کی ایک جیب پھولی ہوئی تھی۔ اسی لئے میں نے  
اس شریف آدمی کو آپ کے پاس بھیج دیا کہ آپ کو صورتحال

سے آگاہ کر دے۔ قانون کی مدد کرنا ہم لوگوں کا فرض ہے  
کیونکہ یہ ملوث اخبار سے ہے۔ میں پولیس رپورٹر ہوں۔ اسی  
لئے ہم لوگوں پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب میں نے  
آپ کو صورتحال بتا دی ہے۔ اب آپ کی مرضی کیا ہے کیا کرتے ہیں؟  
”آپ نے بہت الجھا کیا جی۔ پولیس والے نے گردن ہلائی  
ہمرا اور اخبار والوں کا کوئی نام نہ تھا ہے۔ آپ نے بتا دیا اب ہم  
اپنے آفیسروں کو اطلاع دیتے ہیں؟“

وہ دو دنوں واپس جانے لگے تو داور نے آواز دے کر  
انہیں روک لیا۔  
”دیکھیں بھائی صاحب؟“ اس نے ان دو دنوں کی طرف  
دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم اخبار والے ہمیشہ معاشرے میں ہونے  
والی نا انصافیوں کے خلاف آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔  
ہمیں یہ معلوم ہے کہ بڑے بڑے کارنامے آپ لوگ انجام  
دیتے ہیں اور سارا گریٹ آفیسروں کو چلا جاتا ہے کیوں  
ٹھیک ہے؟“

”یہ تو ٹھیک ہے جناب؟“ دو دنوں نے بیک وقت چلا دیا  
”اسی لئے آپ میری بات مانیں تو پہلے اند جا کر اس آدمی  
کو قتل کریں اور جب وہ قابو میں آجائے تو تیری ہی کے سامنے  
پیش کر دیں۔ اس طرح آپ کی ڈیوٹی بھی پوری ہو جائے گی  
اور آپ کا کچھ بھلا بھی ہو جائے گا۔ ورنہ اس طرح آپ کچھ بھی  
کرتے نہیں گے آپ کو کوئی نہیں بلوچھے گا۔ ہاں اس کے علاوہ  
ایک بات اور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہو وہ  
آدمی ایسا نہ ہو۔ کوئی اندازہ لگا دیتی ہو۔ ایسی صورت میں اگر آپ  
لوگوں نے اپنے آفیسروں کو بتا دیا اور وہ آدمی بے گناہ ثابت  
ہو تو پھر کیا ہوگا۔ پھر تو آپ لوگ بری طرح جھٹس جائیں گے  
اسی لئے بہتر ہے کہ پہلے اپنے طور پر جھان بین کر لی جائے۔  
”یہ تو بالکل ٹھیک بات ہے جناب؟“ پہلے والے نے  
اپنی گردن ہلائی۔ پھر دوسرے کی طرف دیکھا۔ ”میں تو رام جیال؟“  
”بالکل ٹھیک ہے۔ اگر وہ آدمی کچھ اور نکلا تو یہ آفیسر  
لوگ تو ہماری پیشانی اتروا دیں گے؟“

”لیکن سوال یہ ہے کہ ہم اس آدمی کو پھانسی گے کیسے؟“ پہلے  
والا الجھتے ہوئے بڑبڑایا۔ پھر کچھ سوچ کر داور سے قلاب ہوا۔ ”ایسا  
ایسا نہیں ہو سکتا جناب کہ آپ بھی معاملے ساتھ چلیں۔ آپ  
بمیں صرف اشارے سے بتائیں گے۔ باقی ہم خود دیکھیں گے۔  
داور زہر برب مکر دیا۔ ان لوگوں نے ان کی شکل خود ہی  
آسان کر دی تھی۔



کو کبھی بھی اپنے مکان میں مدد نہیں کرتا تھا۔ ناؤ نوش اور جوئے وغیرہ کی عقلیں بھی دھوا کر تھیں۔ اس نے اپنے لوگوں کو اپنے گھر بھی پھینکے نہیں دیا تھا۔ اس کے گھر والے نہیں گئے ہوئے تھے۔ اور وہ بات گئے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا تو میں ہونے والے ایک واقعے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ آج دو آدمیوں نے ایک وزبلا دروغی فطوں کی موجودگی میں بھلائیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اور اسے اٹھا کر کے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے تھے۔ پھر وہ دونوں بڑی دبی ہوئی فیاری کے ساتھ دھویں کے ہم ٹھنکتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اس واقعے نے پورے شہر میں غلابی فساد مچا دی تھی۔ ہر جگہ ان دو دلیر آدمیوں پر پتھر برسے گئے جارہے تھے۔ لوگوں کو ان کی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ان دونوں نے بھلائیہ پر حملوں کے ساتھ کیا تھا۔ یا وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے۔ بھلائیہ کا یہ کہنا تھا کہ ان دونوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ بس وہ اس عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے اور وہاں اس پر حملہ کر دیا۔ اور اسے بے ہوش کر کے بھاگ لے گئے تھے۔ دوسروں کے لئے تو یہ داستان شاید قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ لیکن تیولاڑی کے لئے قابل قبول نہیں تھی اسے یقین تھا کہ بھلائیہ نہ چھوٹ۔ لول رہا ہے۔ ان دونوں کا مدنا خراب نہیں تھا تو اسے لوں ہی اٹھا کر لے گئے تھے۔ کوئی نہ کوئی بات اس سے ضرور ملتی تھی۔ اس کے لئے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو گا۔ لیکن یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی تھی جب تک بھلائیہ سے ملاقات نہ ہو جائے۔ اور فی الحال ایک دو فوٹوں تک اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی نے تیولاڑی نے اپنے ذہن کو تھکا کا نامناسب نہیں سمجھا اور اپنے دوستوں سے مل ملا کر رات گئے گھر لوٹ آیا۔ اس کا گھر ایک الگ علاقے میں تھا جس کا ماحاطہ بہت وسیع تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی فیاطن اعلیٰ بیدار گاڑی اعلیٰ میں رکھ دی کہ ہر طرف کیس اٹھاتا اور اسے بھلاتا اور دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے گھر والوں کے جانے کے بعد اپنے ملازمین کو کبھی کبھار دونوں کی چھٹی دیدی تھی مگر اس نے اپنی جیب سے چابی لٹکا لی دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کیا تھا کہ اس کے بعد اس نے کمرے کا کلب جلا دیا۔ اور کمرے میں روشنی ہوئی۔ ہر طرف کیس اس کے ہاتھ سے گرنے لگے۔ وہ گہرا

کوکھی بھی اپنے مکان میں مدد نہیں کرتا تھا۔ ناؤ نوش اور جوئے وغیرہ کی عقلیں بھی دھوا کر تھیں۔ اس نے اپنے لوگوں کو اپنے گھر بھی پھینکے نہیں دیا تھا۔ اس کے گھر والے نہیں گئے ہوئے تھے۔ اور وہ بات گئے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا تو میں ہونے والے ایک واقعے نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ آج دو آدمیوں نے ایک وزبلا دروغی فطوں کی موجودگی میں بھلائیہ پر حملہ کر دیا تھا۔ اور اسے اٹھا کر کے اسی عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے تھے۔ پھر وہ دونوں بڑی دبی ہوئی فیاری کے ساتھ دھویں کے ہم ٹھنکتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ اس واقعے نے پورے شہر میں غلابی فساد مچا دی تھی۔ ہر جگہ ان دو دلیر آدمیوں پر پتھر برسے گئے جارہے تھے۔ لوگوں کو ان کی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ان دونوں نے بھلائیہ پر حملوں کے ساتھ کیا تھا۔ یا وہ اسے اپنے ساتھ کیوں لے گئے تھے۔ بھلائیہ کا یہ کہنا تھا کہ ان دونوں نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ بس وہ اس عمارت کے ایک کمرے میں لے گئے اور وہاں اس پر حملہ کر دیا۔ اور اسے بے ہوش کر کے بھاگ لے گئے تھے۔ دوسروں کے لئے تو یہ داستان شاید قابل قبول ہو یا نہ ہو۔ لیکن تیولاڑی کے لئے قابل قبول نہیں تھی اسے یقین تھا کہ بھلائیہ نہ چھوٹ۔ لول رہا ہے۔ ان دونوں کا مدنا خراب نہیں تھا تو اسے لوں ہی اٹھا کر لے گئے تھے۔ کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہو گا۔ لیکن یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی تھی جب تک بھلائیہ سے ملاقات نہ ہو جائے۔ اور فی الحال ایک دو فوٹوں تک اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی نے تیولاڑی نے اپنے ذہن کو تھکا کا نامناسب نہیں سمجھا اور اپنے دوستوں سے مل ملا کر رات گئے گھر لوٹ آیا۔ اس کا گھر ایک الگ علاقے میں تھا جس کا ماحاطہ بہت وسیع تھا۔ اس نے اپنی چھوٹی فیاطن اعلیٰ بیدار گاڑی اعلیٰ میں رکھ دی کہ ہر طرف کیس اٹھاتا اور اسے بھلاتا اور دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے گھر والوں کے جانے کے بعد اپنے ملازمین کو کبھی کبھار دونوں کی چھٹی دیدی تھی مگر اس نے اپنی جیب سے چابی لٹکا لی دروازہ کھولا اور اندر گیا۔ سب سے پہلے اس نے دروازہ بند کیا تھا کہ اس کے بعد اس نے کمرے کا کلب جلا دیا۔ اور کمرے میں روشنی ہوئی۔ ہر طرف کیس اس کے ہاتھ سے گرنے لگے۔ وہ گہرا

اس کمرے کے ایک صوفے پر کمرہ چڑھ گیا تھا۔ وہاں اس کے پاس

تیولاڑی کے گھر میں داخل نہیں ہوتا۔ وہ اسے اپنے پاس بلا لیتا تھا۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کے خلاف شک و شبہ کا اظہار کیا تھا۔ تیولاڑی کے لئے یہ بات بھی خطرناک ہو سکتی تھی کہ اس نے اسے کمرہ چڑھ کر اس کے بارے میں شبہ ہو گیا تھا۔ اسی صورت میں کیا کیا جا سکتا تھا۔ پھر ایک دوسرے خیال سے تیولاڑی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ یہ خیال اچانک ہی اس کے ذہن میں آیا تھا کہ کمرہ اس کے مکان میں خاموشی سے آیا تھا۔ اسے کسی نے بھی آنے نہیں دیکھا ہو گا۔ وہ ایسا ہی کی بھی نہیں تھا جو اپنے ساتھ ہنگامے لگا کر آتا ہو۔ اور وہ اس پر شبہ کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ کمرہ چنکے اس کے پاس آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی طرف سے کھٹکا ہوا تھا۔ کیا یہی صورت میں ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کمرہ چنکے کا قصصی ختم کر دے کسی کو کیا معلوم کہ کمرہ چنکے ہے اور اس کا کیا حشر ہوا ہے۔ لاش کو کھٹکا لگا بھی گئی ہو نہیں تھا۔ تیولاڑی ایسے ہی لوگوں کو جانتا تھا جو یہ کام آتی آسانی سے کر سکتے تھے۔ جیسے روزرو کے کام کا کچھ انجام دے رہے ہوں۔

پھر اس نے دیکھا کہ کمرہ چنکے کے ہونٹ بھیغ گئے تھے اور اس نے ایک جھٹکے سے اس طرح اپنی جیب سے پرتول نکال لیا جسے اس نے تیولاڑی کے ذہن کو پڑھ لیا ہو۔ کمرہ چنکے ہستوں کا رخ اس کے سینے کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ تیولاڑی نے اپنی انگلی زبان سے گھٹیں کھپا لے لیکن تمہارے چہرے کے تاثرات یہ بتا رہے ہیں کہ تم دل ہی دل میں مجھے ہلاک کرنے کا منصوبہ بناتے ہو۔

"نہیں نہیں ہاس" تیولاڑی سہلانا گیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

"جوٹ مت بولو تیولاڑی! کمرہ چنکے میں دیا ہے نہیں ایک خوبی یہ ہے کہ میں آدمیوں کے چہرے بڑی آسانی سے پڑھ لیتا ہوں۔ اور شاید ہی خوبی نے مجھے ایک زندہ رکھا ہے۔ ورنہ تم جیسے لوگ مجھے کب کے ہلاک کر چکے ہوتے لیکن یوں ہو کہ میں آسانی سے مرے والا نہیں ہوں۔"

"تم غلطی میں مبتلا ہو گئے ہو ہاس" تیولاڑی نے ایک گہری سانس لی۔ میں حق کہہ رہا ہوں کہ کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہارے خلاف ایسی کوئی بات سوچ بھی نہیں سکتا۔

"ہو سکتا ہے کہ تم قح بول رہے ہو۔ کمرہ چنکے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن اب بھی بتا دو کہ تھیلے کا کوسا آدی میرے خلاف سازشیں کر رہا ہے۔"

"تمہارے خلاف تیولاڑی نے اپنے ہونٹوں پر ہلکی سی پھیری کی۔ یہ کیا کہہ رہے ہو ہاس۔ تمہارے خلاف کون سازش کر سکتا ہے۔"

"میں یہ نہیں ہوں تیولاڑی! کمرہ چنکے کا ہا۔ میں سب جانتا ہوں اور تمہیں اس آدی کا نام بتانا ہی ہو گا۔ تم مجھے بہت اچھی طرح جانتے ہو۔ میں جو معلوم کرنا چاہوں وہ ہر حال میں معلوم کر لیتا ہوں۔ اگر یہ سازش تمہاری طرف سے ہے تو تمہاروں کی طرح بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارا نام کمرہ میں نہیں چھوڑا بھی دوں۔ اور اگر تم نے نہیں بتایا تو میں تمہیں تڑپاڑا پا کر ماروں گا۔ سب سے پہلے میں تمہارے دو فوٹوں ہیروں میں گولیاں ماروں گا۔ ان کے بعد دونوں ہاتھوں میں سورخ کروں گا۔ پھر تمہارے سینے میں گولی اندر دوں گا۔ تو ای میں تمہاری ہتھی ہے کہ اس آدی کا نام بتا دو۔ میں جانتا ہوں کہ تم اس آدی کے نام سے اچھی طرح واقف ہو۔ اسی لئے میں میدھا تمہارے پاس آیا ہوں۔ چلو بتاؤ۔"

تیولاڑی جلدی جلدی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔ وہ کمرہ چنکے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کمرہ چنکے ہا ہے اس پر عمل

کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے سوچا کہ وہ فی الحال کسی اور کا نام بتا کر اپنی جان بچا لے۔ پھر ایک اور خیال نے اسے کسی اور کا نام بتانے سے روک دیا۔ اگر اس نے کسی اور کا نام بتایا تو یہ بات بھی جھٹی نہیں رہ سکتی تھی کہ کمرہ چنکے لوٹ کر زیادہ خطرناک انداز میں اس پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لیے اس مصیبت سے بچنے کے لیے اسے کوئی حکمت عملی اختیار کرنی تھی۔

"مجھے یہ بات پہلے نہیں معلوم تھی ہاس" وہ ایک گہری سانس کے ساتھ بولا۔ لیکن آج اتفاقاً معلوم ہو گیا ہے۔ کون سی بات یہ کمرہ چنکے نے بڑبڑا کر بولچھا دیکھا جاتے ہو۔ صاف صاف کہو۔"

"تمہارا دشمن کوئی اور ہے ہاس" تیولاڑی نے کہا۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جس پر کمرہ چنکے بھی نہیں کر سکتے۔ تمہارے تصور میں بھی نہیں ہو گا کہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش بھی کر سکتا ہے۔ لیکن شاید کہیں میری بات پر یقین نہیں آئے اسی لیے میں تمہیں ایک خط دکھانا چاہتا ہوں جو آج میرے ہاتھ لگا ہے۔"

"کیسا خط؟" کمرہ چنکے نے پہلے یقین ہو کر پوچھا۔

”اس کا خط ہے“  
”مخبر دیکھنا ہوں، اتنا کہتے ہوئے تواری  
نے اپنا برلیٹ کیس کھول لیا۔ اس خط کو پڑھ لینے کے  
بعد کوئی سوال کرنا۔“

کرم چندا اشتہائی کے عالم میں مختصر آگے جبکہ آہا۔  
اس وقت اس کا وہ جان اس برلیٹ کیس پر لگا ہوا تھا۔  
اور ہی اس کی ایسی غلطی تھی جس پر اُسے پھٹانے کا موقع  
بھی نہیں مل سکا۔ تیواڑی نے برلیٹ کیس میں رکھے ہوئے  
پستول کو برلیٹ کیس کی دہانے سے لگا کر گولی چلا دی۔ گولی  
برلیٹ کیس کی دہانے کو بھڑاتی ہوئی نکلی اور کرم چندے  
سینے میں بیوست ہو گئی۔ اس کا ہاتھ فضا میں لڑ لیا۔  
نے مرتے مرتے اپنے پستول والے ہاتھ کو سیدھا کرنا چاہا۔  
لیکن اس دوران تیواڑی نے دوسری گولی بھی چلا دی تھی۔  
یو کی کرم چند کی گردن میں لگی اور وہ ایک طرف لڑھک  
گیا۔ تیواڑی پستول ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا ہو گیا اور دم  
توڑتے ہوئے کرم چند کو دیکھنے لگا۔ کرم چند کی کھالی ہاتھ  
ہو چکی تھی۔

تیواڑی ابھی بوئی لگا ہوں سے کرم چند کی لاش کی  
طرف دیکھتا رہا۔ اس نے ایک کندہ رخ کر لیا تھا۔ اپنی راہ کے  
سب سے بڑے کانٹے کو ہٹا دیا تھا۔ سب سے بڑی دیوار  
گرادی تھی۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ گزے دیکھنے والا  
کوئی نہ تھا۔ کسی کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ کرم چند کہاں  
غائب ہو گیا ہے۔ اور اب اسے کرم چند کی لاش کو غائب کرنے  
کے ساتھ ساتھ دوسرے انتظامات بھی کرنے تھے۔ ان  
انتظامات میں سب سے پہلا انتظام تنظیم کی سربراہی کا تھا  
کرم چند کے بعد اچانک ایک خلا پیدا ہونے والا تھا اور  
اس خلا کو صرف سخت عمل ہی کے ذریعے پُر کیا جاسکتا تھا  
سب سے پہلے تو اسے لاش کی طرف توجہ دینی تھی۔

اس نے اپنا پستول اچھا کر مرنے پر بھیج دیا اور چوری  
سے اس مہر کی طرف اگیا۔ جب برٹون رکھا ہوا تھا۔ اسے فون  
کے ذریعے روشن کو بلوانا تھا۔ روشن بھی تنظیم ہی کا آدمی  
تھا۔ لیکن وہ کرم چند کے بجائے تیواڑی کا دوا دار تھا۔ تیواڑی  
نے اسے سبز بارے دکھا کر اپنے ساتھ شامل کر رکھا تھا۔ بدین  
تنظیم میں کدھ کے نام سے مشہور تھا۔ کدھ جس طرح سے  
لاشوں کی لوثیاں بوجھ کر اس کا وجود غائب کر دیا کرتا  
ہے۔ اسی طرح روشن بھی لاشوں کو چھکانے لگائے میں اپنا  
جواب نہیں رکھتا تھا۔ کسی بھی لاش کو چھکا کر اس پر بھڑکائی

نہیں مسلط ہوتی تھی۔ بلکہ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ لاش  
کو اٹھا کر لے جاتا اور پھر اس کی لاش کا کوئی سراغ نہیں  
ملتا تھا۔

تیواڑی نے فون کرنے کے لیے ریسپوڈ کی طرف اپنا  
ہاتھ بڑھایا اور اسی وقت کسی نے اس کے ہاتھ پر اپنا  
ہاتھ رکھ دیا۔ تیواڑی کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس  
کی روح پکڑ لی ہو۔ اس کا ہاتھ ریسپوڈ پر ہی رہ گیا تھا  
ہاتھ رکھنے والے نے دوسرے ہاتھ سے اس کا کارڈ پکڑ کر  
اس کی گردن اپنی طرف گھمادی۔ پھر جیسے ہی تیواڑی نے  
اس شخص کو دیکھا اس نے ایک دردناک اور شہرتیواڑی کے  
جیسے ہر رینڈ کو دیا۔ تیواڑی لڑکھاتا ہوا کسی قدم پیچے  
بہت گیا۔ وہ آٹ کر جبر ہونے ہی والا تھا کسی اور نے  
آگے بڑھ کر اس کی گردن پکڑ لی۔ اس طرح وہ فرش پر ڈھیر  
ہونے سے بچ گیا تھا۔

”اتنا دوسرے کیوں مارتا ہے پاس، کر پکڑنے  
والے نے کھولنے مارنے والے سے کہا۔ یہ سالہ تو گولی

کے بغیر ہی میں نساگ ہو جائے گا۔“  
کھولنے مارنے والا مسکرا دیا۔ بڑی تھنڈی اور بڑی  
کوسرو کر دینے والی مسکراہٹ تھی۔ پھر اس نے پہلے کو پکڑی  
خود کو چھڑانے کی جلدو جلد کر سکتا۔ باوجود کچھ کھٹکنا پکڑنے  
والے نے اسے ہلاری قوت کے ساتھ آگے کی طرف دھکے  
دے دیا۔ اب اس راہ کے قدم آگے بڑھے اس نے سنبھلنے کی  
کوشش کی لیکن وہ کسی گیند کی طرح دیوار سے جا کر ٹکرایا۔  
اور دھوپ سے فرش پر گر پڑا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے  
ستارے سے ناپرک رہے تھے۔ اس کے سر میں بہت درد کی  
چوٹ آئی تھی۔ دھکے دینے والے میں بے پناہ قوت تھی۔  
”میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔“ لایا  
والا آہستہ آہستہ چلتا ہوا تیواڑی کے پاس آگیا۔ اس کے  
ہونٹوں پر مسکراہٹ بھیلی ہوئی تھی۔

تیواڑی نے اپنی گردن اٹھائی۔ اس کے لیے بدن  
میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن  
صرف گہری گہری سانس لیتا رہ گیا۔

”میرا نام داور ہے۔“ داور نے میرا ساتھی عبدل  
طرف اشارہ کیا۔ ”اور یہ ہے میرا ساتھی عبدل۔“  
تیواڑی کا خوف اور بڑھ گیا۔ پکڑنے والوں میں وہ  
ان دونوں کے ناموں سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا۔ ان  
لوگوں نے کرم چند کو بے پناہ نقصان پہنچایا تھا۔ پورے

پنہنگا سر پہاگرد یا تھا۔ اور آج شام گیارہ بجے بھی اپنے  
ہاتھ سے جلنے والے بھی لوگ تھے۔ اور اب وہ دونوں اس  
مذہب میں موجود تھے۔ ان دونوں نے اسے کرم چند کو  
لاک کرنے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

”ہمارا تم سے کوئی تھکا۔“ انہیں ہے۔“ داور نے اس کی  
لف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لیے ہم بھول جائیں گے کہ تم  
نے ہمارے سامنے کرم چند کو قتل کر دیا ہے۔ ویلے تھنے  
تی پھرتے سے اپنا کام کیا کہ ہم اس کو بچا ہی نہیں سکے۔ خبر  
م چند کی کھالی ہاتھ ہوئی۔ ہمارا معاملہ صرف یہ ہے کہ کرم چند  
پاس کے کسی ساتھی نے ہمارے دولاک روپے لیے ہیں  
اور پچھے میں مل جائیں تو ہم یہ شہر چھوڑ جائیں۔ ابھی مل  
جائیں تو ہم بھی جانے کو تیار ہیں۔ مختاری تنظیم کسی ہے اس  
میں کیا کر رہے۔ کرم چند جس طرح مرے۔ کس نے مارا ہے  
یہ ہم مارا دوسرے نہیں ہے۔ اب یا تو تم میں دولاک روپے  
دے دیا پھر اس کا پتا بتا دو جس نے سواری جی کے مندر سے  
باری پر رفر چوری کر لی ہے۔ پس ہم اس کے علاوہ اور کچھ  
نہیں چاہتے۔“

تیواڑی کی آنکھیں پھٹک اٹھیں۔ اگر داور بیکہ رہا  
تھا تو یہ سوا اس کے لیے منہنگا نہیں تھا۔ وہ دولاک روپے  
ران لوگوں سے اپنی جان چھڑا سکتا تھا۔  
”کیا تم سنبھلنے کے بعد تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ گے۔“  
تیواڑی نے اچھے اچھے چھا۔

”اور کہا۔“ عبدل بھی اس کے قریب آگیا۔ ”اور اب اس کا  
سسرال نہیں ہے جو ابھی ساری جندگانی نہیں رہے۔  
ان سالہ تو اس شہر میں آکر گھر رکھ دھندے میں پیش کیا ہے۔“  
”میں نہیں رقم دے سکتا ہوں۔“ تیواڑی اب کھڑا  
ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی مانگیں اب نیک لرز رہی نہیں۔  
”لیکن۔“ اس نے کرم چند کی لاش کی طرف دیکھا۔

”تم اس کی نعومت کرو۔“ داور مسکرایا۔ ”جب ہم نے  
اسے یہ کہہ دیا کہ ہمارا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے  
تو تمہیں بری نشان نہیں ہونا چاہیے۔ تم ہمیں رقم دوام  
پکڑ جائے۔ پھر ہمیری طرف سے تم جتن میں جاؤ۔ تم لاشر  
نہیں جاتے اور کرم چند تو جتن میں چلا آگیا ہے۔“

”تھک ہے۔“ تیواڑی نے اپنی گردن ہلانے کی کوشش کی  
”ہمیں نے نہیں لی ہے۔ لیکن اس شہر سے تم لوگوں کو دور کرنے  
کے لیے ہم اپنی جیب سے دولاک روپے دے رہے۔ ہا ہوں۔“  
”انکار کرو اس صوفے کی طرف بڑھنے لگا جس پر اس کا  
برلیٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ لیکن اسی وقت عبدل نے آواز دے

کر کے روک لیا۔  
”اے۔ اے بھائی۔ تم سالہ اوکھڑے کو جاتا ہے۔ اور  
آؤ نا کچھ۔“

”کیوں؟“ تیواڑی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔  
”میں برلیٹ کیس لینے جا رہا ہوں۔ پیسے تو میں بیکہ رہی  
”اس باجوہ پستول بھی رکھ لیا ہے۔“ عبدل نے کہا۔  
”تم سالہ اوکھڑا ہو۔ ان سالہ برلیٹ کیس لے کر جانا ہے۔“  
تیواڑی اپنے ہاتھوں کو جھٹک کر کھڑا ہوا۔ کرم چند  
کی لاش پھلٹا تھا، ہوا صوفے کے پاس پہنچا۔ اور اس نے صوفے  
پر رکھا ہوا برلیٹ کیس اٹھا لیا۔ برلیٹ کیس بھرا ہوا تھا البتہ  
اس کی ایک دیوار میں کرم چند پر چلائی ہوئی گولی نے سوراخ  
بنا دیا تھا۔ عبدل وہ برلیٹ کیس اٹھا کر تیواڑی کے پاس لے آیا  
اس نے برلیٹ کیس کو اس کے قریب رکھ دیا تھا۔

”چلو۔“ داور نے برلیٹ کیس کی طرف اشارہ کیا۔ ”اب  
تم لینے ہاتھوں سے دولاک کر تمہارے حوالے کر دو۔ میں  
اس سے فراہم کی ضرورت نہیں ہے۔“

تیواڑی نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے فون کی لوثیاں  
نکلانی شروع کر دیں۔ پھر اس نے فون کا ایک ڈیجیٹل لک  
ایک طرف رکھ دیا۔ پورے اس نے داور کی طرف دیکھا۔ پورے  
دولاک ہیں۔ اگرچہ ہوا تو انہیں گن سکتے ہو۔“

”کوئی ضرورت نہیں۔“ داور نے فون کی لوثیاں اپنی  
جیبوں میں مخوف نشی شروع کر دیں۔ عبدل بھی جلدی جلدی  
اپنی جیبیں بھرنے لگا تھا۔ کچھ پر لید فون کی لکڑیاں ان  
دونوں کی جیبوں میں منتقل ہوئیں۔ اس دوران تیواڑی  
بڑی بے بسی سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس کی  
بکھم نہیں آ رہا تھا کہ یہ کس مزاج کے لوگ ہیں جو جاننے  
کے باوجود کہ اس نے ایک قتل کر دیا ہے صرف اپنی رقم کے لالچ  
آسے چھوڑ کر چلے جا رہے ہیں۔ تیواڑی کے خیال میں اس نے  
دولاک روپے دے کر بہت سستا سودا کر لیا تھا۔ اور اب  
وہ ان کے جانے کا انتظار کر رہا تھا کہ روشن کو فون کر کے  
کرم چند کی لاش چھکانے لگا کر جائے۔

”اچھا۔“ اب ہم چلتے ہیں۔“ داور نے جیبیں بھر لینے  
کے بعد کہا۔ ”اب تم جاؤ اور تمہارا شہر چلے۔ ہم لوگ جس کام  
سے یہاں آئے تھے وہ پورا ہو چکا ہے۔ آؤ عبدل۔“  
تیواڑی ان دونوں کو دروازے کی طرف جاتے ہوئے  
دیکھتا رہا۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اور اچانک اس کا ہاتھ پکڑ  
”اور ہاں۔“ ہمارے اطمینان کے لیے یہ تو بناؤ کہ کرم چند کی  
موت کا الزام تم پر نہیں آئے گا۔ میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسا



کچھ لوگوں نے یہاں آتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ یہی اس لیے بلچہ رہا ہوں کہ ہمیں ہم لوگ اس کے قتل کے جرم نہ جھجے جائیں۔  
 ”ہمیں۔“ ابھی کوئی بات نہیں ہوئی، تیواڑی مسکرایا۔  
 ”وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرایا تھا، تم لوگ بے فکر ہو۔ کچھ کم کو یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا۔ اس کے علاوہ میرے پاس ایک ایسا آدمی موجود ہے جو کسی کی کجی لاش کو بڑی سلائی سے منڈانے لگا سکتا ہے۔ میں ابھی اسی کو فون کرنے والا تھا کہ تم لوگ آئے۔“

”جیک ہے۔ اب اسے فون کر کے بتا دو کہ وہ لاشوں کو کھانے لگانے کا بندوبست کرے۔“ داور نے کہا۔  
 ”کہا۔“ تیواڑی نے جبران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ کہا کہہ رہے ہو۔ کوئی سی ڈول ہلا رہا ہے۔“

”ایک گرم چمک اور ایک تھنری لاش ہے داور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ کیونکہ ہمیں بھی یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا ہے۔“  
 تیواڑی اچانک ہنسنے لگا۔ اس نے ہاتھوں کی طرح اس صوفے کی طرف دوڑ لگا دی جس پر اس کا پستول رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی حسرت ہی اس کے دل میں رہ گئی تھی۔ داور نے اپنی جیب سے لپٹولی نکال کر لپک گولی اس کی کمر پر مار دی۔ گولی کھا کر وہ آچلا اور کم چند کی لاش پر گر پڑا۔ داور کی ماری ہوئی دوسری گولی نے اس کی گردن میں ایک سوراخ بنا دیا تھا۔ قاتل اور مقتول دونوں ہی ایک جڑ پڑے ہوئے تھے۔ جیک داور کی آنکھیں ابھی تک دھپک رہی تھیں اور ان آنکھوں میں نفرت اور نفی کے آلاؤ روشن تھے۔

رگھوناتھ نے یہ کہانی سنی اور خاموشی سے اپنا سر جھکا لیا اس کے مزاج کی یہ تبدیلی نہایت جبرست کی تھی۔ وہ بائیں پر سونہا ہو گیا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے بے جاڑی کی چادر اوڑھ رکھی ہو۔ داور کا خیال تھا کہ کم چند کی موت کی خبر شاید اسے متحک کر دے گی۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ داور نے تیواڑی کو بلا کر بھی اس کے لیے کیا تھا۔ اب رگھوناتھ لڑنے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دوبارہ اپنی تنظیم کا سربراہ بن سکتا تھا۔ لیکن اس کی دوشی ہی ختم ہو گئی تھی۔ اسے اب براہ راست ہتھیاروں کی تنظیم کا کیا حشر ہوتا ہے۔ چند وقتوں میں اب وہ دوسرا آدمی بن گیا تھا۔

”کواب تمہارے گھر؟“ داور نے جبران ہو کر پوچھا۔ تم کہاں رہو گے کس کے پاس جاؤ گے؟“

”اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رگھوناتھ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میں اپنی بیٹی کے ساتھ رہوں گا۔ اس کی دلچسپ مجال کرتا رہوں گا۔“

”کون بیٹی؟“ داور نے جبران ہو کر پوچھا۔  
 ”بارونی۔“ رگھوناتھ نے جواب دیا۔ ”اداشی کی موت کے بعد اب وہی میری بیٹی ہے۔“

”ہاں۔“ بارونی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔  
 ”ابھی اپنا بیٹا سامان مان لیا ہے۔ اب یہ میرے ساتھ ہی رہیں گے۔“  
 ”چلو چلی، ہوئی باس۔“ عدل نے ایک گہری سانس لی۔  
 ”بس اپن سالانہ بغیر فیصلے کے رہ گیا ہے۔ اسے اپنی کو قواب کوئی اپنا باپ بھی نہیں بنانا۔ لکھا جند گاڑی زل زل کے چوڑا ہے۔“

عدل کی بات سن کر وہ سب ہنس پڑے۔ داف کا اب اس شہر میں کا ختم ہو گیا تھا۔ انھوں نے اپنی راج حاصل کی تھی۔ اور اس کے لیے بہت ہنگامہ کرنا پڑا تھا۔ داور لگاتے ہنگاموں کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی رقم کی ہوئی ہوگی اور وہ اگر حاصل کرے گا۔ لیکن یہاں نہ چلے گیا تھا۔ ہو گیا تھا۔ ہر حال رقم اس کی جیب میں تھی۔ اور اس کی مدد کچھ دن آرام سے گزارے جاسکتے تھے۔ اس نے عدل کے انکار کے باوجود اس کے حصے کے ایک لاکھ روپے اس کے حوالے کر دیے تھے۔ وہ حساب کتاب کے معاملے میں کسی قسم کی مروت یا نکتہ وغیرہ کا قائل نہیں تھا۔

بارونی نے ان لوگوں کو داور ہارون روکنے کی کوشش کی۔ وہ اس دونوں کو اس سے بہت محفل مل گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان لوگوں نے اس کے ساتھ کوئی بڑا غلام ملکہ نہیں کیا تھا۔ وہ اس طرح اس کے گھر پر رہے تھے جیسے یہاں رہتے ہوں۔ رگھوناتھ نے تو اسے بدنی بیٹی ہی بنا لیا تھا۔ اور بارونی کو اس وقت محسوس ہوا کہ جب مجبوریاں ایک بیٹیا ہوں تو انسان ایک دوسرے کے قریب آ جاتے ہیں۔ یہ حال ان لوگوں نے بارونی اور رگھوناتھ سے معذرت طلب کی اور ان سے چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کے لیے سب سے مشکل مرحلہ شہر سے نکلے گا تھا۔ ان لوگوں نے اس شہر میں جتنی حرکتیں کی تھیں اتنی ہی وجہ سے پورے شہر کی پولیس انھیں تلاش کر رہی تھی۔ ان پر مختلف الزامات بھی لگا دیے گئے تھے اور شہر کا ہر پولیس والا ان کا دھن ہو رہا تھا۔ ریل سے چلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہو رہا تھا۔ جہاڑی نے ان دونوں کے چہرے پر لیے تھے۔ وہ اس شہر کا شیر تھا۔ اس نے لیٹیا پولیس والوں

ہوئے۔ اس پیش پر تعینات کر دیا ہوگا۔ دوسری طرف بس اسٹینڈ پر بیٹھ رہا تھا۔ اگرچہ ان خطروں سے نشانہ دار کے لیے مشکل نہیں تھا۔ لیکن وہ بیکسری مزید تشدد اور مار دھات کے اس شہر سے نکل لینا چاہتا تھا۔ اس کا کام ہو گیا تھا۔ اسے اب اس شہر سے کچھ نہیں لینا تھا۔ ان کی پیشگی یاد دہانی نے بدنی گاڑی سے سامان کر دی تھی۔ وہ بھی ایسے مزاج کی عورت تھی کہ داور اور بدل آئے پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ ایک طرف قاتل نے اپنے شوہر کو ہلاک کر دیا تھا اور دوسری جانب وہ اتنی نرم لختی کر اس کے لیے گھنٹوں رو رہی تھی۔ داور کو یہ بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ انسان کو سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

گاڑی منٹے کے بعد ان دونوں کا کام آسان ہو گیا تھا۔ پولیس اس اور شہر کے مسافروں میں ان دونوں کو تلاش کرتی رہتی اور یہ لوگ گاڑی کے ذریعے کسی اور رستے سے نکل جاتے۔ یہ دونوں ای کی بارونی کی گاڑی سے گزرتی تھے۔ کچھ دنوں کے بعد ان کے مطابق قریب نوٹنگ داور نے نہال۔ جبکہ عدل اس کے برابر بیٹھا تھا۔ اس وقت ان دونوں کے پاس اچھی خاصی تعداد میں اسلحہ بھی موجود تھا اور بارونی نے چلنے وقت کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی گاڑی میں ڈھیر کر دیا تھا۔

داور نے راستے میں ایک دکان جھون ڈالی بڑی سی بیٹ خریدی۔ عدل نے دھوپ کا ایک پتھر لے لیا تھا۔ اسے مولی کی تہہ پر سے وہ دونوں اپنے آپ کو چھپاؤ نہیں سکتے۔ لیکن کسی حد تک بات بن گئی تھی۔ راستے میں ایک بیڑیول پپ سے انھوں نے ابھی گاڑی میں بیڑیول بھر دیا اور داور نے گاڑی کو اس سڑک پر دوڑانا شروع کر دیا جہاں پلونا سے باہر ہے جاسکتی تھی۔ اس نے گاڑی کی رفتار بہت تیز کر دی تھی۔ عدل اس کے برابر بیٹھا ہوا تھانے میں گانے گا رہا تھا۔ اور ان کو دیر ہی کہبت وڑن کے بعد اس کی جیب میں ایک لاکھ روپے آئے تھے۔

”ابن کی کچھ میں ایک بات نہیں آ رہا ہے۔“ عدل نے انا بند کر کے داور کی طرف دیکھا۔ ”تم سالاسا تیواڑی کو کوہل من نکال کر دیا۔ ابن کا اس سے کوئی لغوا نہیں تھا۔“  
 ”میں نہ چلنے نہیں ان آدمیوں سے بہت نفرت کرتا ہوں۔“  
 ”ابنوں جو کسی کو دھوکا دیتے ہیں۔ داور نے کہا۔“ یہ تیواڑی بھی غدار تھا۔ اس نے اپنے پاس کرم چند کو دھوکا دیا۔ پھر دھوکا دے کر اسے گولی مار دی۔ تم جیک کہتے ہو کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن اس کا دھوکا دینا مجھے پسند نہیں آتا۔“  
 ”ہاں۔“ ابن دونوں کو جیسے کوڑھ لگا ہوا ہے۔ عدل نے

اپنا منہ چلایا۔ کسی کا چوٹا اچھا نہیں ہوا تو اس کو گولی مار دیا۔ کسی کا دھوکا اچھا نہیں لگا تو اس کو چھتا کر دیا۔ کیوں۔ داور نے اس کی بات سن کر کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف مسکراتا رہا تھا۔ اب ان کی گاڑی سڑک کے اس حصے میں پہنچ گئی تھی جہاں آبادی بہت بچھدی ہو گئی تھی۔ اکاؤ کا مکانات دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان مکانوں کے درمیان دو رنگ لہلہاتی ہوئی تفصیلی عینیں جہاں دو چار کسان روائتی بون کے ذریعے زمین کو ہموار کرنے میں مصروف تھے۔ ابھی تک کسی نے ان کا راستہ نہیں روکا تھا۔ ان کے لیے سب کچھ ٹھیک تھا۔ رقم کی تیسویں میں بھی اور وہ اپنے شہر کی طرف واپس جا رہے تھے۔ دھوکا انوں کے بعد ہی یہ ہم بالاؤ کا سبب ہو رہی تھی۔ اس سڑک پر گزرا بہت کم چل رہی تھیں۔ اکاؤ کا بیل گاڑیوں دکھائی دے جاتیں۔ با پھر کوئی لاری اپنا جیزمان بھالے ہوئے سامنے سے نمودار ہوئی اور ایک زوار دارا دار کے ساتھ ان کی گاڑی کے برابر سے گزرتی تھی۔ اس کے بعد سڑک پر پھر سہارا ہو جاتا۔ لیکن یہ درمیان زیادہ دیر تک چال نہیں رہ سکی۔ سڑک پر ایک تریچڑ اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ اس نے پوری سڑک کو گھیر رکھا تھا۔ اگلا گاڑی کو ٹکرا لے جانے لگی کوئی راستہ نہیں تھا۔ زریب پر حملے ہوئے داور نے اس تریچڑ کے قریب گاڑی روک دی۔ اس میں دوا دی بیٹھے۔ ایک ڈرا، ڈرا اور دو مسراں کا سامنی، ان دونوں نے ایک نگاہ داور کی گاڑی کی طرف دیکھا۔ پھر آپس میں کچھ باتیں کرنے لگے۔  
 ”اے۔ یہ کیا بیہودگی ہے۔“ داور نے آواز لگائی۔ ”ہاؤ ٹریچڑ۔“

داور کی آواز سن کر ڈرا، ڈرا کا سامنی ٹریچڑ سے نیچے آگیا اور داور کی کار کی کھڑکی کے پاس آکر کولا۔ ”کیا کرس صاحب۔ ٹریچڑ چل ہی نہیں رہا ہے۔ پھنس کر رہ گیا ہے۔“  
 ”تو اس سالانہ ٹریچڑ کو ٹھاکا ایک سالہ ڈال دو۔“ عدل نے کہا۔ ”ابن سالانہ بہت جلدی میں ہے۔ تاہم نہیں ہے ابن کے پاس۔“  
 ”میرا سامنی کو کھنٹ کر رہا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”اس آدمی نے تیرا۔“  
 ”ابھی جیک ہو جائے گا۔ اب گتہ ہی ممبر کریں۔“  
 داور اب تریچڑ پر دوڑوں ہاتھ رکھ کر تریچڑ کی طرف دیکھنے لگا۔ جب کہ ڈرا، ڈرا کا سامنی تھکا ہوا ایک طرف چل گیا تھا۔ پھر داور نے دیکھا کہ تریچڑ نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور کچھ نیچے ہونے لگا۔ ڈرا، ڈرا اس تریچڑ کو ایک طرف کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسی وقت وہ ہو گیا جو داور کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ ڈرا، ڈرا نے تریچڑ کو ریورس میں کر کے اچانک ہی اس



ان میں سے ہر ایک کے تصور یہ بتا رہے تھے کہ اگر اس نے ذرا بھی کوئی حرکت کی تو اسے کوئی مار دیے ہیں چھک کر کھڑے ہو گئے۔ وہ شخص جس نے اپنے آپ کو ماہر جریمات کہا تھا اب اہم اہم جلا رہا تھا۔ ایک طرف پھینک کر دھڑ دھڑھٹے لگا تھا پھر سینڈ و نے ایک آواز کی آواز دے ہوئے دیکھا۔ وہ تیز رفتروں چلتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا جہاں یہ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس کی آہٹ پا کر وہ باس اس کی طرف توجہ ہو گیا تھا۔

”کام ختم ہو گیا ہے جب اس نے قریب اگر اس آدی کو قی طبع کیا“ دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔  
 سینڈ و نے سر جھٹکے پڑا۔ وہ دو لاشیں کسی کی ہو سکتی تھیں کیوں اس کا باس تو انہیں مارا گیا۔ وہ بے بسی سے اپنے ہونٹ چبلے لگا۔ وہ لاشوں کو دیکھنے کے لئے جاگتی نہیں سکتا تھا۔  
 ”بہت خوب“ اس آدی کی بات سن کر اس باس نے گردن ہلائی۔ ”کس نے کس کا کام تمام کیا؟“  
 ”پہلے نے دوسرے کو مارا پھر دوسرے کو تیسرے نے مار دیا۔ اس آدی نے جواب دیا۔

”اوہ“ باس چونک پڑا۔ اور وہ تیسرا کہاں ہے؟  
 ”وہ اور اس کا ایک ساتھی کو پچھلی طرف سے نکل لئے ہیں باس“ آنے والے نے بتایا۔  
 ”اے وقوف باس! دھڑلے لگا۔ انہیں چلنے کیوں دیا۔ اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ وہ لوگ کہاں سے آئے تھے۔ کون تھے اور کہاں چلے گئے؟“

”سب معلوم ہو جائے گا یا کہ آنے والے نے جواب دیا تمہیں نے اپنا ایک آدی ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا ہے؟“ یہ بات ہوئی نا ماہر جریمات نے اپنے وائٹ نکال لئے۔ وہ یہ سن کر بہت خوش معلوم ہو رہا تھا۔ ”تم کو کون کوئی طرح کام کرنا چاہیے؟“  
 ”بھگوان کے لئے مجھے بھی تو کچھ کرنا ہی سینڈ و سے رشقت نہیں ہوا۔ وہ جیج پڑا۔ میرا باس کیسا ہے کس نے کس کو مار دیا ہے؟“

اس آدی نے لہجی ہوئی لگا ہوں سے سینڈ و کی طرف دیکھا۔ پھر اس آدی سے قی طبع ہو جس نے یہ خبر سنا لی تھی۔ ایک وفادار آدی کو بتا دو کہ اس کا باس کیسا ہے یہ بے چارہ بہت دیر سے پریشان ہو رہا ہے۔ میں نے ایسے وفادار لوگ بہت کم دیکھے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ یہ شخص میرے ذخیرے میں ایک نایاب اضافہ ثابت ہوگا۔

سینڈ و کو اس کی کواں کی برادہ نہیں تھی۔ وہ اس آدی کی یاد توجہ تھا جس نے خبر سنا لی تھی۔ ہاں بتاؤ کہ ہاں میرے پاس کے ساتھ اس نے بلے چھا۔  
 ”مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں میں سے کونسا تمہارا باں تھا؟ اس آدی نے کہا۔ ہر حال اس مکان میں دو آدی تھے ایک وہ جو پہلے سے موجود تھا اور دوسرا تو اس آقا تھا وہ دونوں ہی مار دیئے گئے پہلے والے کو انہوں نے مار دیا۔ اور دوسرے انہوں نے مار دیا۔ لے ہلاک کر دیا۔ چارپنے ساتھی کیساتھ پہلے سے اس مکان میں چھپا ہوا تھا۔

سینڈ و کی سمجھ میں ساری کہانی آگئی۔ اس کا باس تیار آدی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اور تیار کی کو دوا دے مار دیا تھا۔ اور خود جھگ گیا تھا۔ کرم چند کے مرنے کی خبر سے سینڈ و کو نہ تھا کہ دیا۔ اس کا کرم چند کے سوا کوئی بھی نہیں تھا اس لئے کرم چند کو بہت کچھ دکھا تھا۔ اس کی وفاداری اور اس کے طعنے کے سارے جذبات کرم چند کے ارد گرد گھومتے تھے۔ اور اب کرم چند ہی نہیں رہا تھا۔  
 ”غیث پ“ اس آدی نے آواز لگائی۔ ”اب ہمیں واپس چلنا ہے۔“ پھر اس نے سینڈ و کی طرف دیکھا۔ اور تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔

”نہیں“ میں نہیں جاؤں گا تمہارے ساتھ۔ سینڈ و نے کہا۔ تم مجھے چھوڑ دو۔ تم مجھے اپنے ساتھ کیوں لے جا رہے ہو؟ میں جس کو اپنے ساتھ لے چلنے کی خواہش رکھتا ہوں۔ اسے ہر حال میں چلنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے وہ لاکھ لاکھ کر کے میری یہ خواہش ہے کہ تم میرے ساتھ چلو گے۔ اور ویسے بھی اپنے باس کے مرنے کے بعد تم یتیم ہو گئے ہو۔ کوئی تمہارا ساتھ دینے والا نہیں ہے۔ اسی لئے میں تمہارے سرور و محبت بھرا ہوا تھا کہنا چاہتا ہوں۔  
 ”نہیں تم زبردستی مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔“  
 ”سینڈ و اس کی بے چارگی باتیں سن سن کر کھٹکھٹا ہوا تھا۔ چاہے تم کچھ بھی کرو۔“

”تمہاری مرضی؟ اس آدی نے ایک گہری سانس لی۔  
 ”سینڈ و کے پاس کھڑے ہوئے ایک آدی کی طرف دیکھ کر کہہ بلا دیا۔

اس کے ہاتھ کا اشارہ پانچویں اس نے سینڈ و پر گولی چلا دی۔ سینڈ و نے بھی کھٹکھٹا کہ اس پر گولی چلائی تھی۔ یہ کیونکہ اس آدی نے ریلوے کارخانہ اس کی طرف کرتے ہوئے تیز چل رہا تھا۔ لیکن کوئی نہیں مٹی تھی۔ بلکہ ریلوے کی ناں سے ایک سوئی لگی اور سینڈ و کی کمر میں پوسٹ ہوئی۔ وہ لوگ کھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ

لیا۔ وہ سوئی اس کے لباس کو چیرتی ہوئی اس کی کھال میں پوسٹ ہو کر پوسٹ میں آگئی تھی۔ سوئی چھینے کی تکلیف زیادہ تو انہیں تھی۔ لیکن ہچاک اس کی نگاہوں کے سامنے دھندلی چھانے لگی۔ یہ دھندلا چھڑا ہوا ہوتی تھی۔ یہ بہت ہی عجیب دھندلی تھی جو اس کے منہ اور آنکھوں کے لئے اس کے حلق میں اس آواز نے لگی تھی۔ اس نے ٹھہر کر دیکھا۔ گہری سانسیں لیں۔ لیکن اس دھندلے اس کے ذہن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ پھر اس کی سانس اکھڑتی اور وہ زمین پر جھیر ہو گیا۔

اسے ایک ایسے کمرے میں ہوش آیا تھا جس میں فرخچر نام کی کوئی چیز بھی تھی صرف ٹھنڈی اور سپاٹ دیواریں تھیں۔ اور ان دیواروں کے درمیان سلاخوں والا ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ اور اس دروازے سے باہر ایک برآمدہ دکھائی دے رہا تھا اس وقت اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہوش میں آنے ہی سینڈ و اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کا سر لگی تک بھاری ہو رہا تھا۔  
 ”بٹشکل تمام وہ کھڑا ہوا اور دروازہ کھلا لیتے ہوئے سلاخوں والے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں سے اس نے کسی کو نہ تو جہ کرنے کے لیے آوازیں دینی شروع کر دیں۔ اس کی پیچھے دیکھا کہ آدی فوجی ظاہر ہوا تھا۔ ہر آدمے میں تلواروں کی آہٹ بھری اور ایک آدی دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ چھوٹے قد کا ایک بچی تھا جس نے دھار دھار لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے سر ہر ایک ہال بھی نہیں تھا۔ اس نے گول فریم کی عینک پہن رکھی تھی جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت ٹھنڈی معلوم ہو رہا تھا۔  
 ”کیا بات ہے؟“ اس آدی نے سینڈ و کی طرف دیکھتے ہوئے بوجھا۔ ”کیوں شوگر کر رہے ہو۔ اتنی کیوں ضائع کرتے ہو؟“  
 ”انہی کے بچے تھے۔ یہاں کیوں بند کیا گیا ہے؟“ سینڈ و غصے سے دہرایا۔

اس کی دہراؤ سن کر وہ آدی جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہوئے۔ ”باپ! بے باپ! وہ بڑا بڑا۔“ یہ کیوں تو بہت سیریلر معلوم ہوتا ہے۔ اسی تک اس شخص کے مزاج سے عقیدہ نہیں ہوتا ہے۔ ایسے لوگ تو معاشرے کے لیے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔“  
 ”معاشرے کی اولاد؟“ سینڈ و نے سلاخوں کو زور زور سے بلانا شروع کر دیا۔ ”میں پوچھتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں بند کیا گیا ہے۔ بتاؤ کیوں بند کیا ہے؟“  
 لیکن اس آدی نے کچھ بتانے کے بجائے ایک طرف دوڑ لگا دی تھی۔ سینڈ و نے بے بسی سے اپنا سر سلاخوں سے گھرانا شروع کر لیا۔

داوڑے محسوس کیا جیسے اس کے سر پر برف کی سیل لگی ہوئی ہے جو رفتہ رفتہ پھیل رہی ہے۔ برف پانی کی صورت میں قطرہ قطرہ کر کے گرنے لگی ہے۔ اور اس کا پورا جسم اس پانی سے بھیک گیا ہے۔ برف کا پانی لے اپنا سر دھوا۔ اس نے سردی کے احساس سے بچنے کے لیے اپنے ہاتھ پاؤں پکھڑے چاہے لیکن اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ پاؤں کو باندھ دیا گیا ہے۔ اس نے سنجھیں کھولنے کی کوشش کی۔ لیکن شاید اس برف کی سیل نے اس کی ہڈیوں کو بھی ڈھانپ رکھا تھا۔ اسی لیے کوشش کے باوجود اس کی آنکھیں نہیں کھلیں۔ اس نے پھر عبدال کو آواز دی۔ یہ بھی شہو تھا۔ اس کی آواز بے اختیار نہیں تھی۔ وہ بول سکتا تھا۔ وہ سوج بھی سکتا تھا۔ وہ عبدال کو آواز دینا رہا۔ لیکن عبدال کا جواب سنائی نہیں دیا۔ نہ چلنے کے وہاں چلا گیا تھا۔ اگر وہ یہاں موجود تھا تو اسے داوڑا جواب دینا چاہیے تھا۔ لیکن اس کی طرف سے خاموشی رہی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اسے ابھی تک ہوش ہی نہ آیا ہو۔ وہ جاننا ہی تو بہت شدید تھا۔  
 داد کو اس حادثے کے بارے میں سب کچھ یاد تھا۔ کس طرح وہ ایک ٹریکٹر کو سڑک پر دیکھ کر ایک کھٹکھٹا سر طرح پھر اس ٹریکٹر نے بارونی کی دی ہوئی گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ اور وہ دونوں اس گاڑی میں جھس کر گرے تھے۔ پھر ایک عجیب قسم کے دھوونے انہیں اپنے ہتھار میں لے لیا تھا۔ اور شاید اسی دھوونے کا اثر تھا کہ داوڑے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن اس کی دھوونیں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیوں وہاں کس نے کیا تھا۔ بہر حال پولیس کی تو نہیں ہو سکتی تھی۔ کیوں کہ پولیس والوں کو ایسی شہرچی سازش کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو بول ہی ان دونوں کو پکھڑے تھے۔ پھر یہ حرکت کسی کی ہو سکتی تھی۔ اور کیوں۔

اس نے سوچنا شروع کر دیا۔ تو کچھ بولنے والا تھا۔ ہر حال میں سامنے آئی جانا۔ اسی لیے سوچ کر اپنے ذہن کو غفلت کے کانٹوں کا فائدہ نہیں تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے سر پر برف کی سیل لگی ہوئی ہے۔ قطرہ قطرہ کر کے پھیل چکی تھی۔ اور اس کی ہڈیوں پر بھی کوئی بوجھ محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ پاؤں ابھی تک بندش میں تھے۔ اس نے پلکیں کھولنے کی کوشش کی اور اس کی پلکیں کھلیں۔

اس کے صرف ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ جب کہ اس کی گردن کے گرد کچھ سیل نہیں تھا۔ وہ بڑی آسانی سے اپنی گردن کھٹکھٹا۔ اس نے اپنے سر پر برف کی سیل محسوس کی تھی تو ایسی کوئی چیز نہیں تھی۔ یہ صرف اس کا احساس تھا۔ اس کا جسم بھی بھیک ہوا نہیں تھا۔ وہ اپنی گردن کھٹکھٹا کر کچھ دیکھ سکتا تھا۔ ایک

اجنبی منظر غلط وہ ایک کمرے میں بند تھا۔ اس کمرے میں صرف ایک ہی بستر تھا جس پر اسے لٹا کر باندھ دیا گیا تھا۔ اس بستر کے علاوہ اس کمرے میں اور کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ سامنے سلاخوں والا ایک دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔

اس جی کچھ نہیں آگیا کہ وہ اس وقت کسی کی ذاتی قیدیں غلط پولیس والوں کے یہاں اس قسم کا کوٹھن ہو کر بنا دیا گیا۔ غلطی بھی ایسی قسم کے کسی کمرے میں بند ہوگا۔ لیکن اس طرح سے قید کرنے والا کوئی ہو سکتا تھا اس کو قید کرنے کا کیا موقع تھا کہیں رات کے لیے تو اسے قید نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ بات بھی اس کے حق سے انہیں آتے تھی۔ اگر نہ کہ اسے یہ سب کچھ کیا گیا تھا۔ تو پھر اسے قید کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ ان لوگوں نے اسے جسوں کے ذریعہ نہ بے ہوش کر دیا تھا۔ اس بے ہوشی کی حالت میں اس کی اور عمل کی چیزوں سے رقم نکال کر وہ ان دونوں کو دینے چھوڑ سکتے تھے۔ یہاں تک اٹھا کر لائے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

اس نے اپنے ہاتھوں کو آزاد کرانے کے لیے جدوجہد شروع کر دی۔ لیکن وہ بندش اتنی سخت تھی کہ اس کے ہاتھ آزاد نہیں ہو سکے۔ وہ تھکا کر رہ گیا۔ اس نے کسی بے بسی بھی نہیں محسوس کی تھی۔ اس کے کسی حقیقہ جو کہ اس طرح گھیر کر پھرنے میں بند کر دیا گیا تھا۔ اور وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے زور زور سے آواز پر دینا شروع کر دیا۔ پھر ملازمین ہاتھوں کو منہ پر نہ کر کے کاپی ایک طرف تھا۔ اس کی آواز کے جواب میں کچھ دھڑکنے لگا۔ اس نے جیسرا ناخون دلے دروازے سے باہر کسی کے قدموں کی آواز دھرنے لگی۔ کوئی بہت دھیرے دھیرے سے لہر اڑی سے چلتا ہوا اس کے پاس کی طرف آ رہا تھا۔ اور اسے اپنی طرف دیکھا کہ وہ دروازے کی طرف دیکھا کہ اسے والے دو تھے جن میں سے ایک نے بہترین تلاش کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہونٹوں میں ایک سگار دھرا ہوا تھا جبکہ دوسرے آدمی کے ہاتھ میں ایک رجسٹر تھا۔ سوٹ والے نے خوش والے سے کہا کہ وہ ایک طرف چلا گیا جب کہ سوٹ والا آدمی دروازے پر جا کر اٹھا۔ کچھ درجہ اوپر والے سلاخوں والے دروازے کو خود سے کھلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی کچھ نہیں آگیا کہ ایک خود کار دروازہ تھا۔ اور وہ دوسرا آدمی اسے کھولنے کے لیے گیا تھا۔ اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوئی کہ وہ دروازہ کھلتے ہی وہ دوسرا آدمی بھی سوٹ والے شخص کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہ دونوں اپنے اپنے قدم اٹھاتے ہوئے کمرے کے اندر آ گئے۔ اور درجہ سے انہیں کو دیکھتا رہا تھا۔

”یہ سب کیا پتھر ہے؟“ اور اسے غصے سے پوچھا۔ ”گوں ہو تم لوگ؟“ اور اس نے اس طرح کیوں قید کر رکھا ہے۔ میرا سامنی کہاں

ہے؟“ ”جڑی بات؟“ سوٹ والے نے جسے لینا ان کے گرد بھائی ”فدائی کا بہتر تانا بانہ نہیں ہوئے تھامے اسے زبردستی میں بھی تنگ کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ بہت خراب علامت ہے۔“ ”بہلدی علامت کسی ایسی ہی تھی۔“ اور وہ ہاتھ میں کہتے ہیں کھول دو کچھ۔ شاید کچھ نہیں جانتے۔ ایسی ہی تم نے میرے ساتھ ایسی حرکت کی ہے؟“

”میں آئیں بہت ترقی طرح جانتا ہوں۔ ایسی ہی نہیں بلکہ گھر رکھا گیا ہے۔ سوٹ والے نے جواب دیا۔ ”وہ یہاں کی کیا باندھ کر نہیں رکھا جاتا۔ میں انشا ہے کہ نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اور میں جانتا ہوں کہ تم کتنے خطرناک آدمی ہو۔ میں نے اپنی زندگی میں جتنے بھی خطرناک لوگوں کو دیکھا ہے۔ وہ تمہارے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ ایسی ہی تمہاری طرف سے ہمیں بہت خطرہ پہنچے کی وجہ سے ہے۔“

”بنا دوں گا۔ سب کچھ بنا دوں گا۔ جب تم یہاں آبی گئے ہو تو تم سے کوئی بات نہیں تھی۔ اسے یہ؟“

”میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کی کہاں ہے۔ تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟“

”تم صرف اپنی فکر کرو۔ اس نے کہا کہ تمہارا سامنی کسی ایسی فکر کر رہی ہے۔ وہ کوئی پتھر نہیں ہے؟“

”اور اپنے ہونٹ چہلنے لگا۔ اس شخص نے کوئی بات معلوم کر لینا بہت دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ اور اسے اپنی پوری زندگی میں اس جیسا آدمی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے بول تو بے شمار کیے تھے۔ لیکن ان کا طریقہ کار مختلف ہو کر آ رہا تھا۔ وہ مار دھا کر کے انہ کو لیاں چلانے والے لوگ تھے۔ لیکن یہ شخص ان بھجوں سے بہت مختلف معلوم ہو رہا تھا۔

”ہاں۔ دروازہ کھولے پھر کر سناؤ۔ اس آدمی نے رجسٹر سے کہا کہ کیا لکھا ہے اس میں؟“

”جی جناب۔“ رجسٹر والے نے مستند ہو کر جلدی سے رجسٹر کھول لیا اور بلند آواز میں پڑھنا شروع کیا۔ ”نام داد۔ باقی بچی۔ پلوتا میں اپنے دو لاکھ مہول کے لیے کیا تھا اس کا ایک ساتھی عبداللہ میاں کے ساتھ تھا۔ ان دونوں نے پلوتا میں آکر بیٹھ کر پکا پکا کر چمچہ کی تنظیم کو لاکھ دیا۔ نہ جانے کتنے بڑے کام کر دیے۔ اور عام طور پر بہت دیر ہو چکی وہ بے باک انسان ہے۔ اس نے مار دھا کر کے کسی تربیت حاصل کر کے ہے۔ جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہو کر رہی ہے۔ یہ کیا لکھا تھا۔ سو آدمیوں پر ہمارا ہے۔ یہ سنی بارہیل جا چکا ہے۔ اس کے نام اعمال میں کتنی ہی

لکھے ہوئے ہیں۔ اسے کور کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ اپنے دو لاکھ وصول کرنے اور اور دو لاکھ نامی ایک آدمی کو لاکھ کرنے سے بعد گاڑی کے ذریعے پلوتا سے باہر جا رہا تھا کہ ہمارے فرشتوں نے اسے گھر بلایا۔ جیسے خطرناک آدمی کو روکنے کے لیے ہمارے پاس کی ترکیب تھی کہ ہم پوچھنا کہ کام میں۔ ورنہ جب یہ شخص تشدد بردار کرتے تو بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اور مار دھا کر لیند نہیں کرتے۔ ایسی ہی ہمارے فرشتوں نے راستے میں ایک فریجٹر کھڑا کر کے کھلے تو اس گاڑی کا راستہ روک دیا۔ پھر ایسی ہی فریجٹر ذریعے اس کی گاڑی کو کھڑا کر کے پلے پلے بڑھا اس کی کیا پھر بے ہوش کرنے والی کپڑے کے ذریعے اسے بے ہوش کر کے ماہیت کو پکڑا دیا گیا۔ پھر بے ہوش ہونے کے بعد اس کے قبضے سے ایک لاکھ روپے کے جہتے ہونے لوث، دوسروں کی سرنگاری، ایک کچی اور دو عدد لہر اور دریا بھرت ہونے لوث نہیں خزانے میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ رپوٹ پڑھ لینے کے بعد اس آدمی نے رجسٹر بند کیا اور وہ قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا۔ اس دوران وہ شخص بڑے دھیان سے رجسٹر پر رپوٹ سن رہا تھا۔ بلکہ داد کا یہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا سر پکڑنا شروع کر دے۔ اس رپورٹ کی ہر بات درست تھی۔ لیکن سوال یہی تھا کہ آخر یہ سب کیا تھا۔ یہ کون لوگ تھے۔ یہ اتنا عجیب ڈرامہ کیوں دریا ہے۔ غصے سے اس کے لیے بریشانی کی بات تھی کہ اس رپوٹ میں عبداللہ کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ نہ جانے اس کے ساتھ کیا لڑکی تھی۔ بہت ممکن تھا کہ اس وقت وہ بھی اس کی قسم کے کسی مرحلے سے گزر رہا ہو۔

”کیا تم ہماری اس رپورٹ سے اتفاق کرتے ہو؟“ اس آدمی نے داد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔ اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن ہماری ان حرکتوں کا کیا مقصد ہے۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟“

”ہمارے کسی مقاصد میں اس آدمی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر سگار کے گھر سے گھر کے لیے نکلے۔ اس دوران وہ سگار کچھ چمکا تھا۔ اس نے کچھ ہونے سگار کو اس آدمی کی طرف پھرنے لگا۔ رجسٹر پر کھڑا تھا۔ وہ آدمی وہ سگار کے ٹوکڑی کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے چلنے کے بعد وہ پھر دروازے کی طرف ہوا۔ بال۔ نو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے کسی مقاصد میں جن میں پہلا مقصد یہ ہے کہ میں خطرناک قسم کے مجرموں کو سزا دینا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ تم نے اپنی زندگی میں بہت کچھ کیا ہے۔ لیکن کیا قانون میں کوئی خاص سزا نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ تم نے کوئی سرعام نہیں چھوڑا ہوگا۔ تو پھر کوئی تو ایسا ہو جو تمہیں ہمارے جرم سے مطابق سزا دے سکے۔ اور وہ آدمی میں ہوں۔ اور میں نہیں یہاں آئی ہے لایا ہوں کچھ۔“

”میری بات سنو۔ داد واد غلام اگر تم نے مجھے جلدی رہا نہیں کیا تو نہیں کہیں اس قدر ہی نہیں چھوڑوں گا کہ تم کسی کو سزا دیا جو اسے سزا“

”وہ تشدد؟“ اس آدمی نے اپنے ہونٹ سیکڑے۔ ”یعنی ایسی تنگ ہمارے مزاج میں تشدد لہا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑی علامت ہے۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ تم مجھے جیلے لوگ ایسی چھوٹی باتیں کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے۔ یہ سب بہت بڑی باتیں ہیں۔ بہت بڑی باتیں ہیں۔ اپنا مزاج بدلنا ہوگا۔ یہ یہاں آنے والے ہر آدمی کا مزاج بدل دیتے ہیں۔ تمہارا بھی مزاج بدل جائے گا۔“

”کیا یہ سزا ہے؟ یہ؟“ اور وہ ہاتھ لایا۔ ”میں کہتا ہوں کھول دو کچھ۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔ میں؟“

اس آدمی پر داد کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ بڑی ہمدرد لگا ہوں سے داد کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے ہاگ کھڑا ہوا۔ اور اس نے غصے میں آکر اپنے ہاتھوں کو پھر چمکا دیا۔ لیکن ہاتھوں میں بند ہوئی بند نہیں اس کے گشت میں اتنی ترقی نہیں۔ وہ بے بسی ہو کر اپنے ہونٹ چہلنے لگا۔

”کوئی فائدہ نہیں میرے دوست؟“ اس آدمی نے کہا۔ ”تم اس طرح اپنی انہی ضلع کر رہے ہو۔ اور وہ بہت بڑی بات ہے۔ دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کیا یہی حاصل کرنے کا آسان طریقہ ہے کہ اس انسان اپنے اعصاب اپنے قابو میں رکھے۔ تو جی کرنا ہے بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے کرے۔ میں تمہیں کامیابی کا گارنٹی ہوں۔ اگر تم نے اس پر عمل کیا تو کوئی ناکام نہیں ہوئے۔ میں ایسی چیز کے کوئی طریقہ ہوں۔ میں جرم کرنے سے متناہی کرنا۔ اور غصے سے بھی انکار نہیں ہے۔ یہ انسان کی جبلت ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس حال میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھا جائے۔ آدمی وہی ہے جو ہر حال میں وقت وداشت کا دھارہ کرے۔ میں جن لوگوں کو بھی لایا ہوں ان کو یہی تلقین کیا کرتا ہوں۔ یہ میرا سب سے بڑا مشغلہ ہے۔ اب میری اہمیت یہ ہے کہ تم خود قابو پالنے کی کوشش کرو۔ اور میں اس وقت تمہارے پاس آؤں گا جب تم خود کو بحال کیے ہو گے۔ جب تم ٹھنڈے دل و دماغ سے باتیں کر سکو گے۔“

”اتنا کہہ کر وہ دروازے کی طرف پڑھ گیا۔ اور اس نے زور زور سے اسے پڑھنا لہنا شروع کر دیا۔ لیکن اس شخص نے مڑ کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اس کے ہاتھ کی سلاخوں والا وہ خود کار دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ اس کے جانے کے بعد دروازے کی چابی بند کر دی۔ اس کی کچھ سے باہر تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے غصے کے بعد اس کی حیرت اور اٹھیں مزید بڑھتی تھی۔ لہذا وہ بہت شیک تھا کہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس

کی باتیں اس کے فاقہ العقل ہونے کا اظہار کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کے انتظامات لیے جو عوام آدمیوں کے بس کا لوگ نہیں تھا یہ جو کچھ بھی کر رہا تھا وہ بہت منعم انداز سے کر رہا تھا۔ بہر حال اس شخص نے بہت اچھا مشورہ دیا کہ دور کو اپنے جذبات بردار کر لو گھنا چاہیے۔ جو کچھ کرنا چاہیے گھٹسے دل و دماغ کے ساتھ کرنا چاہیے وہ بھی ہنگ صرف غصے کا اظہار کرنا رہا تھا۔ اور اب اسے غصہ نہیں کرنا تھا۔ اس آدمی نے اسے سرد مزاج ہو کر شکست دی تھی اور اب وہ بھی اسی آدمی کا کومارے کا ارادہ کر چکا تھا۔ شام کا یہی ایک ننگ و کشش کے باوجود وہ اپنے ہافٹوں کی بندشیں نہیں کھول سکا تھا کہ اس نے یہ کوشش پیش میں امر کی تھی۔ اور اب اسے سکون کے ساتھ کرنا تھا۔ بہت تھکا مزاج کے ساتھ ایک بار پھر کوشش کرتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنی آنکھیں بند کیں، اپنی سانسوں کو سنبھالے میں فیکر کیا اور اپنا دلورہ دھبان اپنے دونوں ہافٹوں پر مگر کھڑا کیا۔

”چلو آئے بڑھوشاں“ سوٹ والے شخص نے اس کو کہہ کر ہال کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے ہافٹوں ایک چمکتا ہوا خوبصورت اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہ لاش کہا جیسی کسی نوشت کا مغلوبہ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی قہقاریا نے گوشت اور ہڈیوں کے تمام کو تیر کر دیا ہو۔ اس لاش کے جسم میں اب خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔ اور اس لاش سے جو دلورہ اٹھ رہی تھی اس نے اسے اپنے بالوں کو سوس کر دیا تھا۔ وہ اتنی ناخوشگوار لاش تھی کہ اس میں سانسیں ایسا تک مشکل تھا۔ لیکن آدمی جسے اطمینان سے کھڑا ہوا تھا۔ اور وہ لڑکی تھی اس کے خوف سے وہاں سے ہٹنے پر مجبور تھی۔

وہ ایک خوبصورت اور جوان لڑکی تھی۔ لیکن خوف اور دھوکے کے اثرات نے اس کے صہیں چہرے کو دھندلا دیا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں کے گرد حلقے بن گئے تھے۔ اس کا ہلکا ہونے ہوئے لہذا رہا تھا جیسے سردیوں میں کسی ہرکچہ کی ہوجاتی ہو۔ وہ فرش پر پڑی ہوئی لاش کی طرف دیکھتی پھر اس طرح اپنی نگاہیں سٹائی جیسے عجیبی کا کچھ کالگ گیا ہو۔

”چلو بڑھوشاں“ اس آدمی نے پھر کہا۔ ”آج نہیں کہا ہو گیا ہے۔ تم اتنی کروڑوں کی نہیں تھیں۔“

”میں۔ میں اب مرنے والی ہوں۔“ لڑکی نے ساختہ رو چڑی۔ ”مجھ سے اب یہ سب نہیں ہونا۔ میں اس لاش پر خیر مارا کر چھک چکی ہوں۔ بھگوان کے لیے مجھے جھوڑو دعا عاف کر دیجئے۔ میں باقی ہونے لگی ہوں۔ یہ سب میں نہیں دیکھ سکتی۔ نہیں ہونا چاہیے۔“

انہا کمر کرانے اپنے ہافٹ میں پیرا ہوا خنجر ایک طرف پھینک دیا۔

اور دونوں ہافٹوں سے اپنا چہرہ چھپا کر کسے تھی۔

”بڑی بات۔ بہت بڑی بات۔“ وہ آدمی اس کی طرف ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”ایسا کتبے کے کچھ ہندسے سے گزرو۔ ہونے لگی ہو۔ یہ بہت بڑی علامت ہے۔ اس طرح تم اپنی زندگی میں کچھ بھی نہیں کر سکو گی۔ تم خود ہی سوچو کہ اپنا راز یہ حال راقوم کسی طرح اپنے دھوکوں سے نجات حاصل کر سکو گی۔ میں نے تم سے کہا تھا۔ تاکہ آج کے دو دن سب سے کامیاب وہی ہے جو اپنے جذبات کو کچلے میں کامیاب ہو جائے۔ عفت، لغت، ہمدردی، کمزوری، ہڈی، یہ سب دھوکہ ہے۔ غریب ہے یہ سارے جذبے آدمی کا اندر سے کھو کھلا کر دیتے ہیں۔“

”میں نہیں جانتی یہ سب نہیں جانتی۔“ وہ لڑکی کسکی ہوئی بولی۔ ”میں اب کبلاش کی لاش پر مگر بدلتی رہتی ہوں۔ بھگوان کے لیے مجھے عاف کر دو۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ اس نے اپنی گردن ہلاتی ”میرا خیال ہے کہ آج تمہاری طبیعت خراب ہے۔ اسی لیے تم اتنی کمزوری کا اظہار کر رہی ہو۔ خیر کچھ کام کر دو۔ میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔ ایک ہینڈلے لوگوں کو سکون مل جائے گا۔ جاؤ۔“

لڑکی نے ایک نفی کاٹھوں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ اور دھیرے دھیرے سے ہال کے کچلے ہوئے دروازے کی طرف چھٹی ہاس کے جانے کے بعد اس آدمی کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ رنگ آئی جیسے اس صورت حال نے اسے معفو کیا ہو۔ یہ مسکراہٹ جھوٹ کر سکتی نہیں ہوتی۔ وہ کچھ دیر تک زور زور سے ہنسا، باہر خود ہی اس ہال سے باہر اٹلا۔

ہال سے آنے کے بعد وہ دائیں طرف ہو گیا۔ یہ ایک طویل راہداری تھی جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ اس راہداری میں دو دھبیاں روشنی چمکی ہوئی تھیں۔ چوتھ پر گئے ہوئے ہبلوں کی وجہ سے پیدا ہو رہی تھی۔ اس راہداری میں بائیں سٹانا تھا۔ دور دورہ، تنگ کمرے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ آدمی چلتے چلتے ایک کمرے کے دروازے کو کھول کر اندر گیا۔ یہ اس کا ایک مخصوص کمرہ تھا جو دفتر کے حزر پر بنایا گیا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی میز تھی جس پر دونوں اور ایک عدد درخت رکھا تھا۔ میز کے پیچھے ایک گھونٹے والی کرسی تھی۔ اور دس طرف دیوار میں کڑی ایک خوبصورت سا گینڈے بنا ہوا تھا۔ اس میں جازم اور قانون کے متعلق موٹی موٹی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ میز کے سامنے خوبصورت شین والے صوفے بھی رکھے تھے۔ میز پر ایک خوبصورت سا گینڈے پیڑ پر تھا۔ کمرے میں اور کچھ چیزیں بھی تھیں۔ کھوں کھوں پرچی ہوئی تھی۔ غری طوعہ پر ایک ایسا کمرہ تھا جہاں آنے کے بعد سکون سا محسوس ہوتا۔

کرسی پر چڑھ کر اس نے نیچی دروازہ کھول کر ایک سگڑے پیرا ہوا خوبصورت سا بیکس نکالا۔ اور اس میں سے ایک سگڑا منتخب کر کے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔ سگڑا جلانے کے بعد وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا۔ پھر اس نے گینڈے پیڑ کی طرف کھسکا کہ اس کا بٹن دربار یا گینڈے پیڑ پر چنے لگا تھا۔ اس نے سگڑا کا ایک گھر لپٹا لیا اور سگڑا کو کرسی کے پاس چڑھے ہوئے ایک ڈیسے میں ڈال کر انھیں بند کیں اور دھیرے دھیرے یونے لگا۔ وہ اپنی آواز شپ کر کر ہانپا ”میں پرکاش کھڑے ہوں۔ رہا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“ لیکن گاہک میں محسوس کر رہا ہوں کہ میرا تجربہ بڑی حد تک مکمل ہو چکا ہے۔ اسی لیے اپنے ہاتھ میں سب کچھ تیار ہا ہوں میں ایک اہتمامی دولت مند باب کا ایسا بیٹا ہوں جس نے اپنی تیز فطرت حاصل کی ہے۔ میرا موضوع کچھ فرس ہے۔ لیکن مجھے نئی ایجادات اور خیرات کا شوق بھی رہا ہے۔ خاص طور سے مجھے انسانوں کو کچھنے سے بہت دلچسپی رہی ہے۔ میں ہر قسم کے انسانوں کو کھنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں نے بھانت بھانت کے انسانوں کو اپنے ارد گرد جمع کر رکھا ہے کہ میں ان کی ذہنی قوتوں اور ان کی فطرت کا مطالعہ کرنا ہوں۔ میری دلچسپی جرائم پیشہ لوگوں میں سب سے زیادہ رہی ہے۔ یہی بد دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کون سے عوامل ہیں جن کے تحت ایک عام انسان مجرم بن جاتا ہے۔ اس کے دماغی خبیثے کس انداز سے نشوونما پاتے گئے ہیں۔ میں پہلے پہلے تیار کیا ہوں کہ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ اور اس دولت مند مجھے ایک تجربہ بہ دیا ہے کہ اس پر شخص کو خیر یا جلا سکتا ہے یا اور بات ہے کہ ہر ایک کی فطرت مختلف ہو۔ کسی کی کم بازیاں ہیں۔ لیکن دولت سے ہر انسان خیر یا جلا جاتا ہے۔ میں نے اپنی فطرت ہافٹوں کو کھیا اور دھتے کے عوض خیر یا جلا کران سے جوتوں پر پائش کر دیتی ہے۔ وہ رقم کے لالچ میں میرے جوتوں پر پائش کرتے رہے ہیں۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ ان علیحدہ فائزہ لوگوں کو اس حال میں دیکھ کر میرے بدن میں کتنی کتنی درد کی تھی میں نے انھیں آزمانے کے لیے کہا۔ یہاں تک کہ وہ خود غرور کریں۔ لیکن وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہے تھے۔ یہ ایک ایسا تجربہ تھا جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ گار میں نے اپنی دولت کے بل پر اپنے ارد گرد اپنے لوگوں کو متعلق کر لیا ہے جو بہت خطرناک کچلے گئے تھے۔ لیکن میرے اشاروں پر لوگوں کی طرح اپنی دیکھیں ہلانے لگے ہیں۔ ان کے سارے کس بل جبری دولت کے آگے نکل گئے ہیں۔ میں نے ان کی عزت نفس خراب کر دی ہے۔ اور اس کام میں بھاری معاونہ بھی آدا کرنا ہوں میں ڈرے سے ڈرے غریبوں کو کھٹو کھٹو ماری خوروا کر دیتا ہوں اور

وہ سر جھکائے میری غور کر رہا تھا۔ رات ہے۔ اس میں اتنی حرارت نہیں ہوتی کہ وہ بڑی طرف دیکھتی تھی۔ یہ سب آخر کیلئے یہ دولت اتنی اہمیت کیوں اختیار کر گئی ہے۔ لوگ اسے اپنا بھگوان کیوں کھینے لگے ہیں۔ کہ کوئی ایسا معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ جہاں دولت کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ اس وقت میرے انسانی عجائب گھر میں دو ایسے آدمی لائے گئے ہیں جو اپنی جگہ پر بے ایک لشکر پر بھاری ہیں۔ ان میں سے ایک دارا و دور و دور ماحملہ لیکن دارا زیادہ خطرناک ہے۔ وہ مجھے بے گھرے ہوئے شہر کی طرح ہے۔ اور مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے پر بہت جان دیتے ہیں ایک دوسرے کے گھر سے دوست میں۔ دونوں ایک ساتھ مل کر وراثتیں کیا کرتے ہیں۔ اور اب میں ان دونوں کے لیے ایک نیا تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سہارے تجربوں کا ایک نیا رخ ہوگا۔ پہلے تو میں انھیں دولت کا لالچ دوں گا۔ اس پر بھی وہ راضی نہیں ہونے تو ان پر تشدد کیا جائے گا۔ یہ پناہ تشدد مجھے بھی دیکھنا ہے کہ ایک انسان کس حد تک تشدد برداشت کر سکتا ہے۔ میں ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کرنے والا ہوں میں چاہتا ہوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو ہلاک کر دے۔ یہ کام چاہے دولت کے ذریعے ہو یا تشدد کے ذریعے۔ اسے ہر حال میں ہونا ہے۔ میں یہ کر کے رہوں گا۔ میرے لیے یہ ایک نیا تجربہ ہوگا۔“

اس نے اپنی بات ختم کی۔ شپ دیکھا کہ کچھ بند کیا اور سگڑا کس سے دوسرا سگڑا نکال کر چلا لیا۔ اس کے ہونٹوں پر غریبی عجیب سی مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی جیسے وہ دل میں اپنے اس اچھوتے خیال پر مسرور ہا ہو۔

”اُس لڑکی کا نام ماتی تھا۔ وہ ایک حسین اور صبر دار لڑکی تھی۔ وہ پونما کی رہنے والی تھی۔ اس شہر میں اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت ہوئی تھی۔ اور اسی شہر میں اس نے کبلاش سے محبت کی تھی۔ اس وقت ماتی ایک فرم میں کام کرنے لگی تھی۔ اور وہیں اس کی ملاقات کبلاش سے ہوئی۔ جو خود بھی اسی دفتر میں ملازم تھا۔ ان دونوں کی روز ملاقاتیں ہونے لگیں۔ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کا وعدہ کر لیا۔ لیکن کبلاش کے ساتھ ایک گھڑی تھی کہ اس کے خواہوں کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اس دائرے میں ایک ڈسارکان تھا۔ چھائی تھی، چھینی، فرخ تھا، بینک بلیس تھا۔ اور وہ جوان بیٹا کے جہیز تھے۔ حسب تک ان دونوں کے جہیز مکمل نہیں ہوئے اس وقت ان کی شادیاں نہیں ہو سکتی تھیں۔ اور خود کبلاش بھی اس وقت تک شادی نہیں کر سکتا تھا۔ چاہے اس کی محبوبہ ماتی ہی



جیسی کوئی مری کیوں نہ ہو۔

وہ ان دنوں بہت پریشان رہا کرتا تھا۔ اس نے مانتی سے وعدہ تو کر لیا تھا، لیکن اس وعدے کی تکمیل کوئی کد اُس کے پاس نہیں تھا۔ اس کی ملاوٹی روز بروز ممتی جا رہی تھی۔ اس کی کچھ نہیں آئیں اُتھا تھا کہ وہ اتنی دولت کہاں سے حاصل کرے کہ اس کے سارے خواب تکمیل پا جائیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس ملک میں ڈھیر سی دولت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ انسان ناچار زور سے آدمی تلاش کرے لیکن ایسی کسی آدمی کی تلاش بھی اس کے بس سے باہر تھی۔ اس کے حلقہ احباب میں سب ہی ای جیسے تھے۔ سیدھے سادھے دفینوں میں کام کرنے والے باروگ جو دفتر سے نکل کر سیدھے گھر جا کر اترے اور گھر سے اٹھ کر دفتر چلا جاتے۔

کیلاش کو یہ معلوم تھا کہ اس قسم کے لوگ ہوتوں میں بیٹھا کرتے ہیں۔ اسی لیے اس نے شام کے بعد بھٹوں میں بیٹھا مٹھ کر دیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اسے کوئی ایسا آدمی مل جائے جو ناچار ذرا بے کار راستہ تسلیم کرے دولت حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ چاہے وہ چوری ہو یا دھوکا ہو۔ اسے ملٹک ہوا منشیان کی پشلائی سے بہ کام لوار اٹھا۔ شریو کی ممتی کہ کسی طرح دولت مل جائے۔

ایک دن وہ ایسے ہی ایک بھٹوں میں بیٹھا ہوا نا وقت گورہا تھا کہ ایک آدمی اس کی میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ کیلاش نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے بہت مہذب آدمی معلوم ہوا تھا۔ اس نے بہترین گراؤں کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور اس کے ہاتھوں میں ایک سگلا دبا تھا۔ کیلاش اسے دیکھ کر کچھ مایوس سا ہو گیا۔ یہ آدمی اس کے مزاج اور معیار کا نہیں معلوم ہوتا تھا۔

کیا میں تمہارے پاس بیٹھ سکتا ہوں؟ اس آدمی نے کیلاش سے کہا۔

کیلاش کے جواب دینے سے پہلے ہی وہ اس کے سامنے والی کرسی کیلئے کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس دوران وہ سگار کے گہرنے گہرنے کش لے کر کیلاش کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ کیلاش نے اس کے انداز سے بے چینی محسوس کی۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ وہ صرف اپنا پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔ کچھ دیر بعد اسی آدمی نے خود کیلاش کو مخاطب کیا۔

”میرے کیلاش، میرا نام بہر کاش کھتہ ہے۔ اس نے اپنا تعارف کر دیا۔

”تم حیران ہو رہے ہو گے۔ لیکن مجھے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔“ اس نے پھر کہا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ کیسے لڑکی سے تمہاری دوستی ہوئی اور تمہارے کیا مسائل ہیں۔ تم ان مسائل سے نمٹنے کے لیے کس قسم کی جدوجہد کر رہے ہو۔ مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔“

”تم کون ہو؟“ کیلاش نے حیران ہو کر پوچھا۔ میں تو تمہیں نہیں جانتا۔ میرے بارے میں تمہیں کتنی باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟“

”یہ بات چھوڑو۔ کھتہ لاپرواہی سے بولا۔ اصل مسئلہ ہے آج کل کا، بیڑ گھٹنے سے تمہارا رعلق نہیں ہو چکا ہے۔ میں تمہیں ان گھٹنوں سے نکال سکتا ہوں۔“

”تم؟“ کیلاش کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو؟“

”بہت کچھ۔“ کھتہ نے سگار کا ایک کھرا کش لگایا۔ اس وقت تم ایک دوکاندار ہو اور میں ایک خریدار۔ میں تمہیں اتنی دولت دے سکتا ہوں جو تمہارے تمام مسائل کا حل ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ دولت میں تمہیں یوں ہی نہیں دوں گا۔ اس کے لیے تمہیں میرا ایک کام کرنا ہوگا۔ اگر تم نے وہ کام کر دیا تو پھر منہ مانتی قیمت دی جائے گی۔ اور میں جانتا ہوں کہ آج کل تم اس قسم کے موقع کی تلاش میں ہو۔“

کیلاش کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ وہ اتنے دنوں سے اسی موقع کی تلاش میں تھا۔ اور اب وہ موقع اس کے سامنے آ گیا تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ اسے زیادہ پریشان نہیں ہونا پڑا تھا۔

”جناؤ۔“ کھتہ نے اسے پھر مخاطب کیا۔ کیا تم ایک معمولی کام کے عوض ایک بڑی رقم حاصل کرنا چاہتے ہو یا نہیں؟“

”ٹھیک ہے۔“ کیلاش نے اپنی گردن ہلا دی۔ میں تیار ہوں۔ لیکن مجھے کرنا کیا ہوگا؟“

اور تہی لباس میں ملبوس تھا۔ کھتہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گاڑی کی پچھلی نشست پر بٹھایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ان دونوں کے بیچھے ہی گاڑی چل پڑی تھی۔ اس ڈرائیور کو شاید یہ معلوم تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ اسی لیے اس نے کوئی ہدایت بھی نہیں لی تھی۔

راستے بھر ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی۔ کیلاش اس شخص کے رکھ رکھاؤ اور اس کی قیمتی گاڑی سے اتنا متعجب ہو چکا تھا کہ اس کے منہ سے اب آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ نہیں اس کی سوجن کا دائرہ اب وسیع ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب اس کی زندگی کا ایک نیا رخ اس کے سامنے آنے والا ہے۔ اس کی شہرت بدلنے جا رہی تھی۔ یہ آدمی رحمت کا فرشتہ بن کر خود ہی اسے ڈھونڈتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے بڑھکھا تھا کہ خوش قسمتی ایک یار دشمن دیتی ہے۔ اگر اس دشمن پر دروازہ کھل گیا تو وہ اندر آ جاتی ہے۔ دروازوں پر کڑوا جاتی ہے۔ کیلاش نے اسے یلوس ہو کر روکے نہیں دیا تھا۔ اس نے سبیل ہی دھک پر دروازہ کھول دیا تھا۔

وہ گاڑی ایک شاندار سی کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہو گئی۔ کیلاش نے اس قسم کی کوٹھیاں صرف باہر سے بھی نہیں اندازے کے اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس کوٹھی کا لالان بہت خوبصورت تھا۔ اس کی بناوٹ بہت خوبصورت تھی۔ وہ گاڑی بہت خوبصورت تھی جس میں وہ بیٹھ کر وہ یہاں آیا تھا اور اس کی قیمت بہت خوبصورت تھی جو اس پر ہوا ان ہونے والی تھی۔

کھتہ اسے اپنے ساتھ کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔ کیلاش کو تو ایسا معلوم ہوا جیسے وہ کسی بحری جہاز میں چلا آیا ہو۔ اتنا لمبا چوڑا ڈرائنگ روم بھی اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کھتہ نے ایک صوفی کی طرف اشارہ کیا۔ ”گہرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تم سے وہ کام نہیں لوں گا جو تمہارے بس میں نہ ہو۔“

کیلاش اس کا شکریہ ادا کر کے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ صوفہ ایسا تھا کہ وہ اندر تک دھنسا چلا گیا تھا۔ کھتہ اس کی طرف بڑی ٹوٹے والی آنکھوں سے دیکھتا رہا تھا۔ ایک بار پھر سوچ لے کھتہ نے اسے مخاطب کیا۔ یہ ہو سکتا

ہے وہ کام تمہارے غیر کے خلاف ہو۔ اگر تم غیر مانتی کسی حماقت میں مبتلا ہو۔“

”میں صاحب بالکل نہیں دیکھا۔ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ کہاں کا غیر؟ کیسا غیر؟ میں اب سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ میں اب اس قسم کی امتحان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا چاہتا۔ میں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ اس دنیا میں صرف اور صرف پیسوں کی اہمیت ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ بس اپنا کام بتائیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ کھتہ نے ایک گہری سانس لی۔ کام بہت معمولی ہے۔ اور وہ کام یہ ہے کہ تمہیں ایک رات کے لیے اپنی محبوبہ میرے گھر لے کر جانی ہوگی۔“

”کیا؟“ کیلاش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اس قسم کی کوئی بات سنی ہوگی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کا دہم ہو۔ یا شاید بیٹھا ہوا شخص اس سے مذاق کر رہا ہو۔ لیکن اس شخص کے چہرے پر سنجیدگی بہت گہری تھی۔ اس نے کیلاش سے مذاق نہیں کیا تھا بلکہ اسے ایک کام بتا رہا تھا۔ ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“ وہ تلخ ہو کر بولا۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ اس نے سرگوشی میں تمہیں اس کے لیے بچاس ہزار روپے نقد ادا کر دوں گا۔“ کیلاش کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ بچاس ہزار روپے۔ اس کی محبوبہ کے عوض۔ یہ آدمی کتنے اطمینان سے یہ سب کچھ کہہ جا رہا تھا۔ آخر اس نے کیلاش کو کیا سمجھ لیا تھا۔

”آپ کا شاید دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اس نے بہت کرتے ہوئے کہا۔ کیا میری محبوبہ کوئی ایسی چیز ہے جسے خریدنا اور فروخت کیا جا سکے۔ سمجھے یہاں سے جانے دیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ۔“

”ایک لاکھ روپے۔“ کھتہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”صرف ایک رات کے ایک لاکھ روپے۔ تم اتنی رقم ایک سال میں بھی نہیں کما سکتے۔“

”ہرگز نہیں۔“ اس نے جابجا ہوا ہوا بیباں سے کیلاش سے غصے سے لرز رہا تھا۔ ”تم میں اتنی بہت کہاں سے ہوئی کہ تم خود مجھ سے میری محبوبہ کا سودا کر سکو۔“

”سوچو۔ میں اب دو لاکھ روپے کی آفر کر رہا ہوں۔ تم خود سو سو روپے پر تمہارے کتنے کام کر سکتے ہیں۔“

کیلاش کے ذہن میں طبل سی چلنے لگی۔ دو لاکھ روپے

بہت تھے۔ ان کے ذریعے بہت کچھ کیا جاسکتا تھا لیکن یہاں سوال اس کا اپنا نہیں مانتی کا تھا۔ وہ اپنی محبت کا سودا نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے کہا تاہم یہاں سے جا رہا ہوں۔ کیلاش نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر اور تمہاری دولت پر۔

”پانچ لاکھ روپے“ کھتر نیلا ہی بولنے والے انداز میں چلایا۔ یاد رکھو ایک ساتھ آدمی رقم زندگی بھر نہیں حاصل کر سکتے۔ یہ تمہارا مقدر بدل دے گی۔ تمہارا گھر بن جائے گا۔ تمہارے پاس ایک گاڑی بھی آجائے گی اور تمہاری دو لون بہنوں کی شادیاں بھی ہو جائیں گی۔

اب کیلاش کے ذہن پر بھروسے رہنے لگے۔ پانچ لاکھ روپے بہت ہوتے تھے۔ ان سے شاید مستقبل کی امید کی سکتی تھی۔ یہ دولت تو اس کے باؤں کی بجزیرتی جادو کا تھی، جاتے ہوئے قدم اس طرح رک گئے جیسے زمین سے پکڑ لیا ہو۔ وہ کسی عسے کی طرح کھٹا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنی دو لون مٹھیاں جیسے ہی نکلیں اور اس کا پول بدل پھینکے سے جھپکا ہوا تھا۔

ادھر آ کیلاش“ کھتر کی مسو کرنے والی آواز بھری اس آواز میں دولت کی کشش تھی۔ بے وقوف مت بنو پانچ لاکھ روپے کم نہیں ہوتے۔ تم اپنے آپ کو ایک نیا انسان بنا سکتے ہو۔ ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہو۔ یاد رکھو۔ خوش قسمتی بار بار دوشک نہیں دیتی۔ اس کی شیک صرف ایک بار ہو کرتی ہے۔ اگر دروازہ کھل گیا تو ٹھیک ہے ورنہ کبھی لوٹ کر نہیں آتی۔

کیلاش نے اپنی گردن جھکا لی۔ کھتر نے بھی وہی بات کی تھی جو اس کے دل میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے اعصاب کشیدہ ہوئے جا رہے تھے۔

کھتر ایک فاتحانہ انداز میں چلنا ہوا اس کے پاس آ گیا۔ اس نے کیلاش کو خبر دینے میں آدمی کا مبیانی حاصل کر لی تھی۔ کیلاش کے قریب آ کر اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا۔ تم بہت سیدھے سادے لڑکچان ہو۔ تم خود ہی سوچو کہ یہ محبت نہیں کیا دے سکتی ہے۔ تم کبھی دولت کے بغیر اس لڑکی کو حاصل نہیں کر سکو گے اور وہ تمہارے ہاتھوں سے اس طرح نکل جائے گی جس طرح وقت نکل جاتا ہے۔ پھر اس کھیل میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں ہوگا۔

بتاؤ تمہارے پاس اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ اگر یہ پانچ لاکھ روپے اس لڑکی کے سامنے رکھ دیے جائیں تو وہ اس وقت بھی تمہاری محبت کا دم بھرتی رہے۔ نہیں کیلاش! ایسا ناممکن ہے۔ اس دنیا میں پیسہ بہت بڑی طاقت ہے اور تم اس طاقت کو جتنی جلد حاصل کر لو اتنا بہتر ہے۔

”میں۔“ کیلاش نے اپنے ہونٹوں پر زبانی بھیری۔ اس کی قوت ارادی دم توڑ گئی تھی۔ میں کیا گردن اودھنے؟ ”وہ نہیں کچھ نہیں کہے گی۔“ کھتر نے کہا۔ کیونکہ اسے یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ اس کے ساتھ یہ حرکت تم نے کی ہے۔ نہیں میں پانچ لاکھ روپے دینے کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت نفس بھی برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لیے ایک ایسا نام رکھا جائے گا جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ تم خود ہی پس لے ہو گئے تھے۔ اس قسم کے نام کم سے کم بہت فلموں میں دیکھے ہوں گے۔ تمہارا کام صرف یہ ہوگا کہ تم اس لڑکی کو اپنے ساتھ ایک خاص مقام پر لے آؤ گے وہاں میرے آدمی پہنچ جائیں گے اور دیوار اور کھٹا کر اسے اغوا کر لیں گے اور ہمیں ایک طرف دھکا دے دیا جائے گا۔ پس اسے پتہ ہی نہیں چلے گا کہ اس سانس میں تم شریک تھے۔ وہ تم پر شک کر ہی نہیں سکتی۔ پھر صبح ہوتے وہ لڑکی اپنے گھر پہنچا دی جائے گی اور ہمیں پانچ لاکھ روپے مل جائیں گے۔

کیلاش نے اس وقت اپنی عجوبے کے واسے میں سوچنا ترک کر دیا۔ وہ پانچ لاکھ روپے کا حساب لگانا تھا اور انہیں خرچ کرنے کے طریقے سوچ رہا تھا۔

اگر تم یہ سوچ رہے کہ تمہیں دھوکا دے دوں گا تو یہ تمہاری بھولی ہوگی۔ کھتر نے یہ کہنا شروع کیا۔ اس کی دو دھوبات ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ میرے وسائل بے پناہ ہیں میں تمہاری مولیت کے بغیر بھی اس لڑکی کو اغوا کر سکتا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایک کاروباری آدمی ہوں۔ اور یہ میرا کاروبار ہے۔ اور اپنے کاروبار میں میں جھوٹ نہیں لپٹا یا دھوکا نہیں دیتا کرتا۔ جب میں نے یہ کہہ دیا کہ وہ لڑکی صبح ہوتے ہی واپس کر دی جائے گی تو وہ ہر حال میں واپس ہو جائے گی جب یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں گا تو یہ رقم تمہیں مل جائے گی۔ میں اس کے علاوہ میں اور کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ میں نے ساری باتیں تمہیں سمجھا دی ہیں۔ اب تمہاری مرضی تمہاں چاہتا ہے ہونے

جاسکتے ہو۔ کیلاش کے پیروں میں اب زنجیریں پڑ گئی تھیں۔ وہ اب کہیں بھی نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے کھتر کی خواہش کے آگے اپنی گردن جھکا دی۔ کھتر نے ایڈوائس کے طور پر پاس ہزار روپے ادا کر دیے تھے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ اس رقم کو لے کر فرار نہیں ہو سکتا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ وہاں ہی قہرمت ننگ کر لے گا۔

لیکن کیلاش کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہ پاس ہزار روپے اس کے پس لے کر اس کے جسم کا حصہ بن گئے تھے۔ اور وہ انہیں خود سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ دولت بھی کیا چیز ہوتی ہے۔ اس دولت نے اس کا مزاج ہی بدل دیا تھا۔ وہ اب وہی کرنے والا تھا جس کی کھتر نے ہدایت کی تھی۔

دوسرے دن اس نے مانتی سے بات کر لی۔ اس نے مانتی کو گھر فرج کی دعوت دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ دن بھر کے لیے پکنگ منانا چاہتا ہے۔ مانتی فوراً تیار ہو گئی تھی۔ اس کے لیے یہی زندگی میں اس قسم کی خوشیاں بہت کم آتی تھیں۔ ایسا موقع کبھی نہیں ملا جب وہ اپنا وقت مانتی کے مطابق گزار سکتی۔ اس کا تعلق بھی جس طبقے سے تھا اس طبقے میں ایسی عیاشیاں بہت کم ہی ہو کر تھیں۔ اس نے کیلاش کے ساتھ چلنے کی حالی بھر لی۔ پکنگ کے مقام کا تعین خود کھتر نے کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ بس مانتی کو کسی طرح وہاں پہنچا دے۔ باقی کام وہ خود کرے گا۔

ہر روز کم کے مطابق کیلاش نے شہر سے کرائے کی ایک میکیسی لی اور مانتی کو اپنے ساتھ لے کر اس دوران مقام پر پہنچ گیا۔ کھتر کی ہدایت کے مطابق اس نے جیسے واپس کر دی تھی۔ پھر وہ لوگ اپنے ساتھ لا آئی۔ مانتی چادریں بچھا کر بیٹھ گئے۔ مانتی اپنے ساتھ کھانے پینے کا بہت سا سامان بھی لیتی آئی تھی۔ اور ابھی ان لوگوں نے امینان کی سانس ہی تھی کہ وہ لوگ آدھکے۔

وہ لوگ بہت ہی تربیت یافتہ معلوم ہو رہے تھے انہوں نے ذرا سی برہنہ مانتی پر قابو پا لیا اور کیلاش کی ٹھکانا کر دی۔ لیکن اس ماہرین میں کھتر کو کوئی گزند نہیں پہنچا تھا۔ البتہ اسے رلا اور کہ بل بر مانتی کے قریب بٹھا دیا گیا تھا اور وہ لوگ سختی اور تڑپتی ہوئی مانتی کو اٹھ کر اس

کی گاڑی میں لے گئے جسے وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس وقت ایک لمحے کے لیے کیلاش کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر کھود لی ہو اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا صرف دولت کے لیے اس نے اس لڑکی کو فروخت کر دیا تھا جو اس کی محبت تھی جس سے وہ شادی کرنے والا تھا۔ اس نے یہ بہت بڑا جرم کیا تھا۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ لیکن پھر پانچ لاکھ روپوں کے تصور نے اس کے ذہن کو دھندلا دیا۔ اس کی سوچیں کسی اور سمت مرکبیں۔ وہ نہ صرف ان روپوں سے اپنے مستقبل کی تعمیر کر سکتا تھا بلکہ گھارے کے طور پر مانتی سے شادی بھی کر لیتا۔ اس خیال نے اسے بڑی تقویت پہنچائی تھی۔ ٹھیک ہے وہ مانتی سے شادی کرے گا اور وہ لوگ اس شہر کو چھوڑ کر کبھی چلے جائیں گے جہاں ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکیں گے۔

ایک گاڑی مانتی کو لے کر چلی گئی تھی جبکہ دوسری گاڑی ابھی تک وہیں موجود تھی۔ ان دونوں نے پہلی گاڑی کے چلے جانے کے بعد کیلاش کو دوسری گاڑی میں بیٹھا لیا۔ اس کے اور کھتر کے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ مانتی کے اغوا ہوتے ہی اسے کھتر کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔ اور کھتر اسی وقت بقایا ساڑھے چار لاکھ روپے اس کے حوالے کر دے گا۔

مانتی کو ایک بہت ہی خوبصورت سے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا۔ وہ تقریباً سیکھنے کے عالم میں تھی۔ اس کے ساتھ ایسی افتاد کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس طرح اسے اغوا کر لیا جائے گا۔ نہ جانے یہ کون لوگ تھے جنہوں نے اسے اس طرح اغوا کر لیا تھا۔ پھر اسے کیلاش کا خیال بھی آ رہا تھا۔ اس نے خود دیکھا تھا کہ اس کے اغوا کرنے والوں نے کیلاش کو مارا بھی تھا۔ اسے اٹھا کر لانے والے ڈرائنگ روم میں پہنچا کر باہر چلے گئے تھے اور وہ کسی سہمی ہوئی فائنٹ کی طرح اس دینے وغیرہ فیض ڈرائنگ روم میں کھڑی رہ گئی تھی۔

کچھ دیر بعد سامنے والے دروازے سے ایک آدمی داخل ہوا۔ وہ کوئی فہرباد آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جسم پر قیمتی سوٹ تھا اور وہ سرگرمی رہا تھا۔ مانتی اسے دیکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ گھبراہٹ میں ”وہ مانتی کے سامنے پہنچ کر بولا۔“ پریشان ہونے سے کوئی ناخدا نہیں ہوگا۔ بیٹھ جاؤ۔

اطمینان سے باتیں ہوں گی۔  
 • جنہیں، "مالتی نے اپنی گردن ہلادی۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟ میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"  
 • میں نے کہا نا کہ تمہیں گھرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میرا وعدہ ہے کہ تم جس طرح یہاں لائی گئی ہو اسی طرح تمہیں واپس بھیج دیا جائے گا۔  
 • آخر کیوں! مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟  
 • صوفیہ دکھانے کے لیے اس دنیا میں محبت اور غیر نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اصل محبت اور اصل فیصد دولت ہے۔ پس یہی قدر زندہ ہے۔ یہی سچ ہے باقی سب جھوٹ ہے۔  
 • میں نہیں جانتی کہ تم کیا کہہ رہے ہو مجھے بس یہاں سے جانے دو۔ میرے گھر والے پریشان ہو رہے ہوں گے میں تمہارے آگے ہاتھ پھڑکی توں۔  
 • اس کی ضرورت نہیں۔ میں نے تم سے کہا نا کہ تم کو باحفاظت بھیج دیا جائے گا۔ تم پر کوئی آج بھی نہیں آئے گی۔ میں تمہیں صرف یہ بتانے کے لیے لایا ہوں کہ میں نے تمہاری ایک رات کے عوض پانچ لاکھ روپے ادا کیے ہیں جنہیں ایک رات کے لیے میرے پاس بھیج دیا گیا ہے۔  
 • کیا کو اس سے زیادہ مالتی بھوک اٹھی؟ تمہیں شرم آنی چاہیئے۔ ایک مجبور روٹی پر ایسا ظلم کرتے ہوئے تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوگا۔ میں تمہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دوں گی۔  
 • میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں بے نی کہتے مسکراتے ہوئے بولا۔ تمہارے محبوب کی تلاش نے میرے ہاتھوں تمہارا سودا کر دیا ہے۔  
 • نہیں۔ میں یہ نہیں مان سکتی۔ مالتی نے سرگوشی کی۔  
 • اس کے ہونٹ لرزنے لگے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔  
 • تم جھوٹ کر رہے ہو۔  
 • فرض کرو اگر یہ بات ثابت ہوگئی تو۔؟  
 • "میں نے کہا نا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" مالتی دھیرے سے بولی۔ تم مجھے برا نہیں سکتے میں نہیں جانتی کہ کون کون ہو۔  
 • اور مجھے کیوں اس کے خلاف کرنا چاہیئے ہو؟  
 • "میں نے کہا نا کہ اگر میں خدایت کر دوں تو پھر کیا کروگی؟"  
 • "اگر ایسا ہوا تو میں میں اسے جان سے مار دوں گی۔"

"آئی بہت ہے تم میں۔"  
 • "ہاں میں اپنی عزت سے زیادہ عزیز کسی کو بھی نہیں سمجھتی۔  
 • لیکن ایسا ہوی نہیں سکتا۔ سب جھوٹ ہے۔ غلط ہے میں نہیں مان سکتی۔"  
 • "تو پھر آؤ۔ میرے ساتھ میں تمہیں ایک چیز دکھاتا ہوں لیکن شرط ہے کہ تم بالکل خاموش رہو گی کہ اگر کم اس وقت تک خاموش رہو گی جب تک میں یہ کہوں۔"  
 • کھڑکی ہاتھوں نے مالتی کو تذبذب میں مبتلا کر دیا۔ اس کی بچھیں نہیں آ رہا تھا کہ شخص کون ہے کیا چاہتا ہے۔ اور اس نے اتنی بڑی بات کیوں کہی تھی۔ وہ اسے کیا دکھانا چاہتا تھا۔  
 • جسے جس وقت اغوا کیا گیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد خوفزدہ تھی لیکن اب آہستہ آہستہ اس کا خوف دور ہو رہا تھا۔ چاہے چاہے چاہے جو بھی ہو۔ لیکن جذبات معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بھی ہلکے کی ایسی حرکت نہیں کی تھی جو مالتی کے لیے ناگوار ہوتی۔ وہ ابھی تک اس سے صرف باتیں ہی کرنا رہا تھا۔ ایسے ہی اس نے بیٹھ کر لیا کہ وہ اس شخص سے کہنے کے مطابق اس کے ساتھ ضرور چلے گی۔ تاکہ وہ چیز دیکھ سکے جو اسے دکھانی جانے والی تھی۔ اور وہ یوں ہی تو یہاں انوار کے لائی تھی۔ اس کی یہاں حیثیت ہی کیا تھی۔ یہ شخص تو اس کے ساتھ زندگی ہی کر سکتا تھا۔  
 • کھتے اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم سے ملتی ایک چھوٹے سے کمرے میں لے آیا۔ اس کمرے میں ایک ایسی درختی ٹیبل کے ذریعے ڈرائنگ روم میں دیکھا جاسکتا تھا۔ کھتے نے مالتی کو اکی دروازے دیکھ کر رہنے کی ہدایت کی اور خود واپس ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ مالتی نے نقیضہ نہ کرنے کے بعد دوبارہ انھیں اس دروازے لگا دیں۔  
 • اس کو سب سے پہلے کھلاش کی اور دیکھ کر ہی ہوا تھا وہ اس طرح اس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تھا جیسے کھتے کا ہوتا ہو۔ مالتی نے دیکھا کہ کھتے نے بڑی نرم جوشی کے ساتھ اس سے ہاتھ بھی ملایا تھا۔ مالتی کو ذہنی آنکھوں پر نقیضہ نہیں آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ انسان اس حد تک نرمی سکتا ہے اس کے پورے بدن میں جیسے بھی ہے جیسے جیسے دیکھتے دیکھتے پھر اس نے کھلاش کی اور ذہنی سن لی۔ وہ اسی کھتے سے کہا ہوا تھا۔  
 • "جناب۔ مری آپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اب آپ باقی رقم بھی عنایت کر دیں۔"  
 • "کیوں نہیں کیوں نہیں؟ کھتے نے مسکراتے ہوئے ہائی گردن پلائی۔ وہ رقم ہاتھ میں لے کر نکلتی ہوئی۔ تمہیں انتظار کرو۔ میں ابھی رقم لے کر آتا ہوں۔"

کھتے ڈرائنگ روم سے نکل کر مالتی کے پاس آگیا۔ جس کی آنکھیں پھرنی ہوئی تھیں غصے اور نفرت نے اس کے چہرے بدن میں آگ لگا دی تھی۔  
 • "دیکھ لیا تم نے؟ کھتے نے اس کے پاس آکر کہا۔ اب تو تمہیں معلوم ہو گیا نا کہ تمہارا محبوب کس فنش کا انسان ہے؟  
 • "ہاں۔ دیکھ لیا میں نے۔ مالتی نے سرگوشی کی آنکھوں کی طرح اس کی آواز بھی پھرنی ہوئی تھی۔ "میں اس شخص کو بھی ماف نہیں کروں گی۔"  
 • "صرف کہنے سے نہیں ہوگا۔ تم بہتوں نے جاؤ۔ کھتے نے بی بیج سے ایک بہتوں نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ جاؤ۔ اس بہتوں کی ساری گولیاں اس سے وفا کے کیسے میں ادا کرو۔"  
 • "ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔" مالتی نے اس کے ہاتھ سے ہٹل لے لیا۔  
 • کھتے نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ مالتی بہتوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی اس کی طرف کھلاش کی نگاہ سے بڑی توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ حیرت اور خوف نے اسے کہتے میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ہلکا کر دوڑ دھمکے ہووا اور اپنے بہتوں رزبان پھیرنے لگا۔ اس کے بدن کا سارا خون اس وقت جیسے ٹپک ہو گیا تھا۔  
 • "مالتی۔ تم میں؟ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔  
 • "جہاں ذلیل کیئے؟ مالتی نے کسی ناگ کی طرح پھرتے دے بہتوں والا ہاتھ اٹھا لیا اور بڑبڑاتی ہوئی بولی گئی تو مالتی تھی۔ دوسری تو بی کھلاش کے بیٹے میں اتر گئی۔ وہ چہرہ فزق پر گر کر مالتی نے تیسری گولی بھی چلا دی۔ وہ گولی اس کے سینے میں اتر گئی پھر مالتی نے پورا بہتوں اس پر خالی کر دیا۔  
 • کھلاش کی موت کے بعد کھتے نے اس کی لاش ٹھکانے میں لگائے دی تھی۔ بلکہ اس نے مالتی کو اس کا ساتھ دیا کہ وہ اس کی قبر پر بھی گھر سے دوا کرتی رہے۔ اس دن کے بعد سے بہتوں کا غنا اور سب سے عجیب بات یہ ہوئی تھی کہ کھتے نے مالتی کو اس میں بھی نہیں جانے دیا تھا۔ مالتی اس کے لیے ایک حجرے دیقت رکھتی تھی۔ وہ جب کھلاش کے مردہ اور ملتے جلتے ہونے پر غور کرتی تو اس کے چہرے کے تاثرات کھتے کے لئے تاملین کا سبب بن جاتے۔ وہ مالتی کو یہ حرکت کرتے دیکھتا مسکون محسوس کیا تھا جیسے دنیا بھر کا خزانہ اس کے ہاتھ میں ہو۔ مالتی اس کے کونوں کے ذمے میں ایک لمبی کی بیٹھ رکھتی تھی۔  
 • لیکن ادھر دو چار دفنوں سے مالتی کے لیے عمل بہت

روح رسوا ہو گیا تھا۔ اس نے کھلاش کی بہت سزا دے لی تھی اور اب وہ جب بھی اس کے جسم پر وار کرتی تو اسے ایسا ٹپکتا ہوتا جیسے خود اس کی روح کو کچھ لگ رہے ہوں۔ لیکن کھلاش کے لئے اتنی سزا بہت تھی۔ وہ مر چکا تھا۔ اس کا جسم بھی اب بدبودار ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا اور اب مالتی یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ پتھیل اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ اس کے موصاف منتشر ہوتے جا رہے تھے اس کا ذہن اب سننے کی کیفیت میں نہ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے اگر کچھ اور دن اس طرح گزارے تو شاید وہ پاگل ہو جائے گی۔ اس نے یہاں سے جانے کیلئے کھتے کی خوشامدیں کیں۔ اس کے آگے ہاتھ پھڑکے۔ لیکن اس نے مالتی کو جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ مالتی اس عظیم الشان مکان میں ایک ایسی قیدی کی طرح تھی جسے روزانہ ایک ہی قسم کا قاتلنا دکھانے کے لئے مجبور کر دیا جاتا تھا۔  
 • عبدل کی صورت حال داور سے مختلف تھی۔ اسے داور کی طرح بارہا تو نہیں رکھا گیا تھا لیکن وہ بھی سلاخوں والے ایک کمرے میں قید تھا۔ اس باندی کے علاوہ اسے اور کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اس کی پریشانی صرف اتنی تھی کہ اسے داور کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ داور کس محل میں ہے۔ اسے کہاں رکھا گیا ہے۔ اور ان لوگوں نے اسے کیوں قید کر رکھا ہے۔ اس قید کا مقصد بھی ابھی تک واضح نہیں ہوا تھا۔ کھتے اسے کوئی خطرناک پاگل معلوم ہوتا تھا۔ جو روزانہ سلاخوں والے دروازے کے پاس آیا کرتا۔ اسے دیکھتا رہتا۔ پھر کچھ کہے بغیر ایک طرف چلا جاتا۔ عبدل نے اس سے کچھ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے ابھی تک کچھ نہیں بتا تھا۔ وہ عبدل کی باتیں سن کر اس طرح مسکراتا رہتا جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی باتیں سن کر خوش ہو رہا ہو۔ اس موقع پر عبدل جھلاہٹ سے لبرنا سر پٹیاں ہوا ایک طرف جا کر بیٹھ جاتا۔  
 • اسے یہاں کھانے پینے کی کچھ کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اسے قید کرنے والے اس معاملے میں بہت با اصول معلوم ہوتے تھے۔ اسے وقت پر کھانا ناشتہ وغیرہ پہنچا دیا جاتا تھا لیکن مصیبت یہ تھی کہ اسے قید رکھا گیا تھا۔ اور یہ قید اس کی برداشت سے باہر تھا۔  
 • اسے اس پر اس قید میں چار دن گزر گئے تھے اور ابھی تک اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کتنا خرچا ہوتا ہے اس کے لئے کھانا لانے والوں کو بھی بہت کریدنے کی بہت کوشش کی



کو کھول دے۔ درندہ  
 ”اودھ بھگت نے ایک گہری سانس لی تو تم کہاں سے بھاگنا چاہتے ہو؟“  
 ”تو کیا اٹھ جند گانی اسی کھڑی میں پڑا رہے۔ اپن بوتلا ہے جلدی کرو۔ سالا بھگت میں بھلی ہو گیا ہے۔“  
 ”نہیں میں نہیں اس کو کھڑی سے ہار نہیں گئے دوں گا۔“  
 ”میں تیرے کو گولی مار دوں گا۔“ عبداللہ نے کہا۔ ”جلدی کرو۔“  
 ”اس کے پاس ٹائم کھلا ہے ہونے والا ہے۔“  
 ”میں نے کہا تھا کہ میں نہیں آئے دوں گا۔“  
 ”اور اپن بھی بولتا ہے کہ اپن سوچے گا نہیں گولی ماروے گا۔“  
 ”مار دو گولی لیکن میں ہار نہیں نکالوں گا۔“  
 ”عبداللہ کے قتل بدن میں آگ لگی جارہی تھی۔“ دیکھ کر اپن اب لاسٹ ٹائم بولتا ہے۔ دروازہ کھولا دو۔“  
 ”نہیں یہ دروازہ نہیں کھلے گا۔“  
 ”تو جھپک ہے یہ۔ یوئے عبداللہ نے سانپ کی طرح بھٹکانے ہوئے اپنا پسینوں والا ہاتھ اٹھایا اور اس کی انگلیاں روبرو دھکی جلی گئیں۔

**مکملہ** نے گورمیاں چلا دیں لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ گورمیاں بھگت سے عکس کر رہے تھے۔ لاسٹ تھا جیسے اس کے سامنے کوئی ایسا جادوگر اٹھ کھڑا ہو گیا ہو جیسے گورمیاں بھی نقصان نہیں پہنچا سکتیں بالآخر عبداللہ نے جھٹک کر وہ پستول بھی اس پر بھینچ مارا۔ جو سلاخوں سے عکس کر کھڑی جی میں گر پڑا تھا جسکے اس دوران بھگت سکرما رہا تھا۔  
 ”ساکم تم آدی ہو یا بھوت۔ سالا اٹھا پستول خالی ہو گیا۔ پرتو تمہیں کچھ بھی نہیں ہوا۔ اپن کوئی ڈرم تو نہیں دیکھ سکتا۔“  
 ”ہے۔“  
 ”بہت معمولی سی بات ہے عبداللہ بھگت مکتے ہوئے بولا۔ تمہارے پستول میں ناکارہ کار توں بھرے ہوئے تھے۔“  
 ”اودھ عبداللہ نے ایک گہری سانس لی۔ تو وہ سالا بھوت اپن کے ساتھ بلف کر گیا کیوں؟“  
 ”ہاں۔ تم چاہو تو اسے بلف کر سکتے ہو لیکن اسے اس کی بھی مجبوری تھی۔ اس کو وہی کرنا تھا جو میں نے کہا تھا۔ یہ سب کچھ اس نے میرے کہنے پر کیا تھا۔“  
 ”تم سالا کیسا آدی ہے۔ اپن کی مجھ میں تمہارا ڈراموں آیا۔ تم اپن کو کس لئے پھر چھاس رکھا ہے۔ اور ایسا اشتہوری بتانے کی کیا ضرورت تھی۔“  
 ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم جیسے آدی جب فرار

ہونے کا منصوبہ بنائے تو کس طرح عمل کرتا ہے۔ میں نے اپن تجربہ کیا تھا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ تم نے اپنی اس حرکت سے میرے تجربے میں اضافہ کر دیا۔“  
 ”عبداللہ بھگت کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ اس کا ساتھ اس سے پہلے بہت سے لوگوں سے پرچکا تھا۔ وہ سب کالے دی دھندلوں کے لوگ تھے۔ ان میں ہر ایک کی انصاف مختلف تھی۔ وہ بے رحم لوگ تھے۔ بڑے اطمینان سے کسی کو مار کر مکتے اور اسی اطمینان کے ساتھ کوئی دوسرا کام کرنے لگے لیکن اس جیسے آدی اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ عبداللہ سے اس شخص کا کوئی مغالطہ بھی وابستہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود اس نے عبداللہ کو اپنی قید میں رکھا تھا۔ اور یہی وجہ تھی لوگ اس کی غلطی کرنے کے لئے مجبور تھے۔ اور حواہی تھا کہ انساؤں کی نصیحت لاپلاٹا کرنا چاہتا تھا۔ عبداللہ کی مجھ میں اتنی موٹی باتیں نہیں آتی تھیں۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ کس را دھان کر کے کہیں سے رقم حاصل کرو۔ کچھ دن عیش سے گزارا اور جب وہ رقم ختم ہو جائے تو دوبارہ مار دھا اور شروع کر دو۔ دیکھو عبداللہ بھگت نے اسے سختی سے کہا۔ تم اگر سادی زندگی بھی کو شش کرتے رہو تو کہاں سے نہیں لکل سکتے لیکن یہاں سے لکھنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔“  
 ”تو بابا اپن کو وہ طریقہ بتا دو۔ ساکم اس کو کھڑی میں رہے۔ بڑے تو اپن کا سٹک بھر گئے۔“  
 ”تمہیں اپنے سانپ سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ بھگت نے کہا اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“  
 ”مگر اب بولتا ہے بھائی عبداللہ جلدی سے سلاخوں کے اگلے۔ تم کہہ لو اب میرا سانپ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اپن کا سلاخاں اٹھی تمہارے پاس ہے لیکن اس کو کیدھر رکھا ہے اپن سالا اس کو روڈ ٹرم میں دیکھتا ہے۔ وہ بھٹک تو ہے۔ نامہ کہ سالا بہت یاد آتا ہے۔ وہ ہے کیدھر۔“  
 ”وہ بھی اسی غلط میں نہیں قید ہے۔ بھگت نے بتایا۔ لیکن میں نے ابھی اسے تمہارے بارے میں نہیں بتایا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس سے مقابلہ کرنے کو تیار ہو یا نہیں؟“  
 ”تم کیسا بات بولتے ہو؟“ عبداللہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ سالا اور اس سے مقابلہ کرے گا۔ جگت ہے تمہارا سٹک ڈھکیا ہو گیا ہے۔ شریاء تم نہیں جانتے کہ سالا اپن کا سٹا دیکھنے اور اپن کا اس سے کیا تعلق ہے۔ سالا وہ اپن کا مانی آپا ہے۔ سالا اپن اس سے مقابلہ کیسے کرے گا۔ آئندہ سے ایسا نہیں بولنا۔“  
 ”تو تم اس سے مقابلہ نہیں کرو گے۔ بھگت نے دھت

یہ میں کہہ لیکن اس کے چہرے کے کھنٹ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ابہر ذمت ہونے کے باوجود اس کا چہرہ چونک رہا تھا۔  
 ”بولنا یا نہ کہ اپن اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چاہے سالا اپن کی اٹھا جند گانی ہی کو کھڑی میں بہت جائے۔ تم سالا بھی اونٹنی کھڑی کا معلوم ہوتا ہے؟“  
 ”اگر میں تمہیں پانچ لاکھ روپے دوں تو؟“  
 ”بابا تم اپن کو چاہے بچاؤ لاکھ دے دو اپن اس سے مقابلہ نہیں کرے گا۔ تم اس کو کچھ روک اپن کو چاہے پوری فوج سے بھڑا دو اپن لڑ جائے گا لیکن اس سے نہیں لڑ سکتا۔ اسے تم کھس آدی ہے۔ اپن کو بولتے ہیں کہ اپنے مانی باپ سے مقابلہ کرو۔ سالا اپن کوئی حرم کی اولاد نہیں ہے سمجھے۔“  
 ”تم ہر حال میں اس سے مقابلہ کرو گے عبداللہ بھگت نے کہا۔ تمہیں تمہاری ضدی خاطر اپنے تجربے کو اودھو لانا نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں ہر حال میں اس سے مقابلہ کرنا ہوگا۔“  
 ”تم بھرے ہاتھ ہا نہیں۔“ عبداللہ جھپٹ کر سلاخوں کے پاس آگیا۔ اس نے سلاخوں کے درمیان سے اپنا ایک ہاتھ نکال کر بھگت کو پکڑنا چاہتا تھا لیکن وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ عبداللہ نے جھٹک کر زور سے اسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ گھونٹے دکھانے لگا۔ لیکن بھگت سکرما کر لپٹا ہوا وہاں سے بہت گیا تھا۔  
 •  
 ”دور نے اپنی سانسیں سینے میں روک لیں۔ آگئیں بند کیں۔ اور اپنے جسم کی پوری قوت اپنے بازوؤں پر مرکوز کر دی۔ بھگت نے اسے بہت اچھا مشورہ دیا تھا کہ وہ اگر کلیپ ہونا چاہتا ہے تو اپنے اعصاب کو بھرنے نہ دے۔ اپنے ذہن کو اپنے قابو میں رکھے۔ اور بڑے بھٹکے دل و دماغ کے ساتھ کوئی عمل شروع نہ کرے۔“  
 ”دو ارب ابھی کہہ رہا تھا۔ اس وقت رات ہوئی تھی اور اس کی جودہرہ کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جب سے یہاں لایا گیا تھا اس طرح بندھا ہوا تھا۔ صرف اس وقت اسے کھولا جانا تھا اسے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے جانا ہوتا اس وقت چہرہ آدی اس کے چاروں طرف ہتھیار لگے کھڑے ہوئے تھے اور وہ چار جانتا تھا کہ وہ خالی ہاتھ لسنے تو لوں سے بیک وقت مقابلہ نہیں کر سکتا۔ کوئی چاہے جتنی طاقت اور زور تیریت یا فتنہ کیوں نہ ہو اس کے عمل کی ایک حواہی کرتی ہے۔ اور وہ ان مسلح آدمیوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی ذرا کی بے احتیاطی اس کے بدن میں کئی مورخ نمودار ہوتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر اسے اس طرح کیوں

بھاس لیا گیا ہے۔ یہ بھگت چاہتا تھا کہ اس شخص سے تو کبھی اس کی دشمنی بھی نہیں رہی تھی۔ اس نے ان لوگوں سے عمل کے بارے میں کئی بار دریافت کیا لیکن وہ سولنے غافل رہنے لگا۔ اور کسی رکول کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان سے زبانیں چھین لی گئی ہوں۔ دلوئے تنگ آکر ان لوگوں سے مولاات کرنے ہی ترک کر دیئے تھے۔ اور اب وہ اس قیاسے آتا دھونے کی حد دھند کر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اگر کی طرح بندھا ہوا لیٹا رہا تو پھر اپنے دفاع میں کچھ بھی نہیں کر سکتے گا۔ کوئی حد دھند کی اس وقت کر سکتا ہے جب اس کے ساتھ ہوں۔  
 •  
 اس کے جسم کا سالا خون عمت کر اس کے چہرے پر آگیا۔ اس خون کی تپش اتنی شدید تھی کہ اسے خود حدت کی محسوس ہونے لگی۔ اس نے اپنی پوری قوت اپنے بازوؤں پر صرف کر دی تھی سانسیں روک لیں تھیں۔ اس طرح اس کا پورا جسم اس انداز سے ہلکے ہلکے جھٹکے لینے لگا جیسے اس کے بدن میں کرٹ کرٹ کچا ہو۔ اس نے اپنی مٹھیاں سمجھ لیں اور دونوں کانوں کو ہلکے ہلکے بل دینے لگا۔ اس نے اپنی کلاں اپنے پیچے کی طرف لٹکی پھولنے ذہن کی ساری توجہ مرکوز کر کے زوردار جھٹکا پھلی بل کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس نے پھر دوسرا جھٹکا دیا۔ اور اس ہاروں کی بندھن ٹوٹ گئیں۔  
 •  
 بندھنیں ٹوٹنے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ اس طرح اچھل کر اس کے سینے سے عکسے جیسے ان میں اسپرنگ لگے ہوئے ہوں۔ اس نے اپنی سانسیں ڈھکی چھوڑ دیں جیسے پر جما ہوا خون ہوسے بدن میں پھیل گیا۔ اس نے ایک بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ لیکن یہ پہلی کامیابی تھی۔ ابھی اس کے راستے میں اس کے سلاخوں والا مظلوم دروازہ حائل تھا۔  
 •  
 وہ متر سے پیچھے آگیا۔ وہ اس وقت کسی پھیرے ہوئے چپے کی طرح ہو رہا تھا۔ اس کے اندر کا خونخوار داغ جاگ اٹھا تھا۔ وہ دواہیے دار ہو گیا تھا۔ ہوتو تو فالتوں کو بھی غلط میں نہیں لاتا تھا۔ دروازے کے باہر سنا تھا تھا۔ البتہ وہ دواہیایلی کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ دواہیے اپنے آپ کو آزاد کر والیا ہے۔ وہ سلاخوں والے دروازے کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اب اصل مرحلہ اس سلاخوں کا تھا اس نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ یہ دروازہ خود کا ہے۔ کسی مقام پر کوئی ایسا بن لگا ہوا تھا جس کو دبا لے سے یہ دروازہ ایک طرف سرک جاتا تھا۔ ایسے دروازے کو کھولنا بہت مشکل ہو سکتا تھا لیکن اس نے خود کو آزاد ملے کا یہ صلہ کر لیا اور دروازے کے قریب گھنٹوں کے بل بیٹھ کر اس نے دوسرا خیں پکڑ لیں۔



پھر ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں لرزہ طاری ہو گیا ہو۔ وہ ایک لمبی کی چیخ کے ساتھ نیچے کی طرف لڑھک کر اس کی لپا لپا بدن پر گھر گھرا کر لگا تھا۔ ان مسلاخوں میں بجلی کی رو دوڑ رہی تھی۔ اسے قید کرنے والے اتنے ہیوقوف نہیں معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے اس کے لئے ہر قسم احتیاط روادار بھی کی۔

یہ دوا کی قوت برداشت تھی کہ بجلی کا جھکا کھانے کے بعد وہ زور سے نہیں چیخا تھا لیکن تکلیف سے اس کا چہرہ اتر گیا تھا وہ ریگتا ہوا ہاتھ کے پاس آیا اور بستر کے ایک پاس کے دونوں ہاتھوں سے ہتھکاپ۔ اور بجلی کے جھکے کی صورت میں ہلکڑی اس کے لئے مسکانت ہوتی تھی۔

وہ بہت دیر تک اس پلے کو پکڑے بیٹھا رہا۔ رفتہ رفتہ اس کے بدن کی لرزش کم ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اس کے بدن نے کانپنا بند کر دیا۔ لیکن اس کی آنکھیں ابھی تک سرخ ہو رہی تھیں اور اس کا چہرہ ابھی حدت سے سلگ رہا تھا۔ اس نے زور زور سے اپنے منہ کو جھٹکے دیئے۔ اب اس کے اعصاب کسی حد تک سنبھل گئے تھے۔ وہ پائے کا سہارا لیتا ہوا بستر پر لیٹ گیا اس نے مسلاخوں کی طرف دیکھا۔ مسلاخوں سے اوپر نظر دوڑا۔ وہ دو لڑائییں چھپی ہوئی اور رنگ تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ پلے ہو گیا تھا کہ وہ ان مسلاخوں کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا ہے۔ بجلی کی رولنے اس کے سامنے منصوبے کو غارت کر دیا تھا۔ اسے ناکامی تو ہوئی تھی لیکن اس نے بہت نہیں ہاری تھی۔ اسے پھر کوشش کرنی تھی۔

اس نے ہمدردی سے دھڑک دھڑک دیکھا۔ اسے کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جو بجلی کی رو کو روک سکے۔ پھر اسے سبز کے پائے کا خیال آیا۔ لکڑی کے یہ پائے بجلی کو روک سکتے تھے۔ یہ خیال آئے ہی وہ تیزی سے ٹھنڈوں کے بل فرش پر بیٹھا اور اس نے ایک پائے کو الگ کرنے کے لئے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اس نے پائے کو ایک جھٹکا دیا اور ٹھیک اسی وقت تھمیاں بچنے لگیں۔ داور زور کی خبر کی طرح غانا پونگڑا ہو گیا۔ دروازے کے پار

کھڑکھڑا تھا۔ اس جسم پر اس وقت بھی سوٹ تھا۔ لیکن وہ اس وقت سگڑا نہیں رہا تھا۔ وہ اس طرح تالیاں بجا رہا تھا جیسے کوئی بے ہنیدہ ہو کر گرام دیکھ رہا ہو۔ اس کے یوں ہر بڑی غصہ دلائے والی سرکھٹ تھی۔ اور اس کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

”بہت خوب بہت خوب“ اس نے تالیاں بجا کر بڑی خوشی سے تمیچے جیسے لوگ بہت نہیں جو ہر حال میں کوشش کرتے رہتے ہیں۔ تم واقعی ایک دیوانہ کی ہو۔

”کھڑکھڑ۔ تم نے مجھے اس طرح قید کر کے اپنی موت کو خود کا وار دی ہے۔“ داور غراتے ہوئے بولا۔ تم اس وقت میرا قاتل بن چکے ہو۔ ایک وہ وقت بھی آئے گا کہ پھر تمہارا قاتل بن جائے گا۔ مجھے دھمکیاں دینے کی کوشش مت کرو۔ کھڑکھڑ ہر اس چیز پر کھڑکھڑا۔ اس کے ہاتھ میں گرچہ لاہر دوا کی تھی لیکن داور نے محسوس کر لیا تھا کہ اس کی دھمکی نے کھڑکے کے روشن چہرے کی جگہ مدغم کر دی تھی۔ میں جو بھی قدم اٹھاتا ہوں بہت سوچ سمجھ کر اٹھاتا ہوں میں نے اپنی دولت اور اتنی طاقت کو اپنی ہی ہاں حاصل کر لی۔

”تمہارے پاس تو تمہارے آدمیوں کی خریدی ہوئی طاقت ہے کھڑکھڑ۔ تم ذرا مجھے اس کمرے سے باہر نکال کر دیکھو۔ پھر دیکھنا ہوں تم میں کتنی طاقت ہے۔“

”تم تو بچوں جیسی باتیں کر رہے گے۔“ ہر شخص کی طاقت نہیں ہو سکتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ صرف جسمانی طاقت ہی کوئی چیز ہے نہیں ایسا نہیں ہے۔ دولت کی طاقت بھی بہت بڑی چیز ہوتی ہے تم جیسے دو آدمیوں کو یہ ایک وقت خرید سکتی ہے۔ ذہن کی طاقت اس سے بڑی ہوتی ہے جس کے بل پر ایک کمزور ماں اپنی بچی کو بڑے ملک پر حکومت کر سکتا ہے۔ یہ بھری خوش قسمتی ہے کہ میرے پاس ذہن کی طاقت بھی ہے اور دولت بھی موجود ہے۔ میں ان کے بل پر بہت کچھ کر سکتا ہوں۔“

”مجھے تمہارا لیکچر نہیں سنانا۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تم نے اس طرح کیوں قید کر رکھا ہے۔ تم کیا جانتے ہو مجھے۔“ ”میں نے شاید تمہیں بتا دیا تھا کہ میں انسانوں کی طاقت کا مطالعہ کرنے کا عادی ہوں۔ یہ مشغلہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور خاص طور پر تم جیسے تجربوں کی نقابت۔ جواہر نے اسے کو غلام میں نہیں لائے۔ لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کیا کہ دنیا ہزاروں طاقتور اور ذہین لوگوں سے بھری ہوئی ہے۔ شاید تمہیں یہ نہ معلوم ہو کہ اس وقت تم جو کچھ بھی کر رہے تھے وہ میری نگاہ میں تھا۔“

”مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔“ داور نے برا سامنے بٹایا۔ کیونکہ تم ہی جیسے لوگ ایسے جرائم کے ہیں جن میں دھوکہ شامل ہوتا ہے۔ جبکہ تم جیسے لوگوں کا معاملہ بالکل سیدھا سا دکھانا ہے۔ ہم سامنے سے آتے ہیں اور لا کر اپنا کام کرتے ہیں۔ ہم چھپ کر دوا کرنے کی عادت نہیں رکھتے۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں اور تم میں ایک فرق بھی ہے کہ تم نے اس قسم کے کاموں کو اپنا مشغلہ بنا رکھا ہے۔ یہ تمہاری تفریح ہے جبکہ ہمارے ساتھ ایسا نہیں ہے۔ تم لوگ تو اپنی

دوستی میں بھی جھوٹے ہوتے ہو اور اپنی دشمنی میں بھی۔“ ”باتیں بہت اچھی کہنے ہو کھڑکے نے سکرلے ہوئے کہا۔ ہر حال میں تمہیں آزاد کرنے کے لئے تمہارے ہاں اس کی ایک شرط ہوگی۔“

”اگر تم نے میرے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں کسی کی شرط ماننے والوں میں سے نہیں ہوں میں جو کچھ کرتا ہوں اپنی مرضی سے کرتا ہوں۔“ ”ہاں اس شرط نہ سمجھو ایک سو دا کھو کھڑکے جلدی سے بولا۔“ ”میں تمہیں اس کے عوض پانچ لاکھ روپے بھی دوں گا۔“ ”اس ہمرسانی کی وجہ بھی تو بندہ دوا پر دو بارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں اب لاہر دوا کی آگئی تھی۔“

”شاید تمہیں میرے مزاج کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔“ کھڑکے نے کہا۔ ”میں انسانوں کو مختلف حالات میں ڈال کر ان کا شہادہ کرتا ہوں۔ یہی میری تفریح ہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے کبھی ڈیڑھ میل کا نام سنا ہے۔“

”یہ کیا چیز ہوتی ہے۔“ داور نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم اسے ایک کمرہ کہہ سکتے ہو جس میں دو آدمیوں کو لٹانے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ جنگ زندگی اور موت کی ہوتی ہے۔ باوجود دونوں ہی مرحلے ہیں یا دونوں میں سے ایک نہیں بھی آتی قسم کے میں ایک آدمی کے ساتھ بند کر دیا جائیگا اگر تم جیت گئے تو تمہیں سے آزاد بھی ہو جاؤ گے اور پانچ لاکھ روپے بھی مل جائیں گے۔ اب بتاؤ کیا خیال ہے۔“ ”اس تجربے کو سن کر دوا کی کی آنکھیں چمک گئیں۔ اگر یہاں سے نجات حاصل کرنے کا یہ راستہ تھا تو یہ راستہ اس کیلئے دشوار نہیں تھا۔ مقابلے کے خیال نے اس کے بدن میں کتنی پیدا کر دی تھی۔“

”بتاؤ کیا تمہیں یہ تجویز منظور ہے۔“ کھڑکے نے پوچھا۔ ”میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح مجھے خوشی فراہم کر دو۔ تمہیں رہا کر کے میں تمہیں خوشی فراہم کر دوں گا۔“

”شک ہے میں تباہیوں کا دوا ہے۔“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ”لیکن یاد رکھنا۔ اگر اس کے بعد بھی تم نے مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تو تمہارے انجام ہر سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔“

سینڈو کو ایک ٹاس کے پاس کمر چند کی موت نے بے حال کر رکھا۔ دوسری طرف یہ دیکھ میں آئے والی قید بھی اس کے لئے پریشانی کا سبب بن گئی تھی۔ وہ ابھی تک یہ اندازہ ہی نہیں لگا پایا تھا کہ آخر اسے ایک کو کھڑکی میں کسی جاواری طرح بند کر رکھا گیا ہے۔ اس نے کھڑکے سے دایک بار دیکھا تھا

تھا۔ لیکن اس کی باتیں سینڈو کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ بہت سوئی ہوئی باتیں کی کرتا تھا۔ جبکہ سینڈو کے نزدیک انسانی کلام سمجھ میں نہیں آتا۔ اسے صرف ایک ہی تربیت دی تھی کہ اس طرح ملہ بیٹھ کے ذیلے سے حالات سے نکل جانا ہے۔

لیکن اسے مدد چاہ کر کے کام تو ہی نہیں مل سکتا تھا۔ دوپہر کے کھانے میں اسے کوئی چیز کھلا دی گئی۔ کھانے کی اس کی طبیعت اچھل ہوئی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر پر کوئی بہت بڑی چٹان رکھ دی گئی ہو۔ اس کی زبان سوئی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹ تو خشکے لگے۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔

بوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو برعکاس پایا تھا۔ یہ کمرہ بھی وہ نہیں تھا جہاں اسے اس سے پہلے رکھا گیا تھا۔ بلکہ یہ ایک بال تھا۔ جس کی جھٹ سے بے شمار ریل لٹکے ہوئے تھے اور ان کی روشنیوں نے اس ہاں کو جگمگ کر رکھا تھا۔ اسے ایک تختے پر اس طرح باندھا گیا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ پھیلا کر باندھے گئے تھے۔ یہی حال اس کے دونوں پیروں کا تھا۔ وہ تختہ فرش پر سرسیدھا رکھا گیا تھا۔ اس کے اوپر بھی بڑی ہوتی حالت میں کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنی گردن کھڑکے اور دھڑکے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی آنکھیں سامنے کی طرف ہی ہوسکتی تھیں۔ اور وہ اس بال کا دروازہ دیکھ سکتا تھا جو اس سے کچھ فاصلے پر تھا۔ اس دروازے اور تختے کے درمیان بہت سی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ ادیشہ سامنے کے آلات تھے جو سینڈو کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ لیکن انہیں دیکھ کر اس کے ذہن پر افعال اس طاری ہو گیا تھا۔

اب اس شخص کا یہ سلوک بھی اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ وہ ٹاس شخص کو جانتا بھی نہیں تھا۔ پھر بھی وہ نہ جانے کیوں اس کے پیچھے پر لگا تھا۔ اور وہ بھی اس انداز سے کہ جان چھوٹنے کی کوئی صدمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اسے تو وہ صرف ایک کو کھڑکی میں بند تھا۔ اور اب اسے اسی طرح بے بس کر کے باندھ بھی دیا گیا تھا۔

پھر اس نے سامنے والے دروازے سے کھڑکے کو آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ دونوں بہت ہی لمبے چوڑے طاقتور معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن کھڑکے کے ساتھ چلتے ہوئے ان کی حالت ایسی ہو رہی تھی۔ اور وہ آقا بڑی شان کے ساتھ ایک سنگار منہ میں دبائے سینڈو کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔

وہ تینوں سینڈو کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ کھڑکی

دل چاہی سے سینڈہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سگاہی ہوئے ہوں پر ہلکی سی سکرپٹ بھی رہی ہوئی تھی۔

”ٹھیک چاہ تم دونوں جاؤ، کھڑے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، مجھے اس آدمی سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ ہماری ضرورت تو ہمیں پڑے گی جناب۔ ان میں سے ایک نے جہت کر کے بول چلا۔

”نہیں، کھڑے اپنی گردن ہلا دی۔ یہ میرا چہناب ہے اس سے جو کچھ بول چہناب بھی ہو گیا چہناب ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں اگر عقل ہوئی تو یہ سب کچھ حق بات ہوگی۔ سینڈہ جہت سے کھڑی طرف دیکھنے لگا جبکہ وہ دونوں اس ہال سے باہر چلے گئے تھے۔ ان کے جانے کے بعد کھڑے

لے جلدی سے ہال کا دروازہ بند کر دیا۔ ”میں تمہارا اس طرح ہوجا،“ سینڈہ نے کھڑے کہا ”میں نے تمہارا آخر کیا لگا دیا ہے؟ ہوں سراجم کیا ہے میں نے؟“ ”تم وہی آدمی ہو جس نے اب سے دو سال پہلے میری عجوبہ ریز نوک گاڑی سے کچل کر ہلاک کر دیا تھا۔ کل رات میں تمہیں کس بیان بیان تھا، لیکن آج اتفاقاً میں نے تمہیں بیان کیا۔“ ”کیا جواں اس سے ہے؟“ سینڈہ دوبارہ میں نے آج تک کوئی ایجنڈہ نہیں کہا ہوگا۔ یہ تم مجھ پر کیا الزام لگا رہے ہو؟“ ”اصل بات تو یہ ہے کہ تم نے اسے زبردستی اغوا بھی کر لیا۔“ میں نے اس ہال کی تعمیر میں بہت رقم صرف کی ہے۔

کھڑے نے بتانا شروع کیا۔ یہ مکمل طور پر ساؤنڈ پروف ہے۔ میرا مطلب ہے کہ اس کمرے سے کوئی آواز باہر نہیں جاسکتی۔ اس انتظام کے علاوہ اس ہال میں خود کار کیمرے بھی لگے ہوئے ہیں جن کے ذریعے یہاں کا ہر واقعہ محفوظ ہوا جاتا ہے۔ مثلاً ابھی جو کچھ تم پر گزری اس کی بھی فلم بن جائے گی۔“

”اتنا کہہ کر کھڑے ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی اتنی سرور داس کا بوجھ اتارنے پر رحم تھا کہ سینڈہ دکھانا خون تک نہ دھوتا ہوا عروس ہونے لگا۔ اس کا بدن سپینے سے جھینگے لگا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو بیل دینا شروع کر دیا لیکن اس کی تڑپ اتنی کمزور نہیں تھیں کہ اس کے زور لگانے سے ٹوٹ جائیں، کچھ ہی دیر بعد اس نے ٹھٹھک کر اپنی کوشش ترک کر دی۔ اس دردن کھڑے بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ البتہ محسوس ہوا تھا جیسے کوئی پتہ اپنا پسندیدہ کھلونا دیکھ رہا ہو اس کے چہرے پر خوشی کا اہمائی تاثر تھا۔

”بہت اچھے۔“ اس نے جتنی سے لپٹے ہوئے کہا ”مرا اکبر میں بھی تو چاہتا ہوں کہ اس قسم کی جد جہد کرو۔ تاہم میں اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔“

”تم ذلیل کیونے دیکھے۔ حرج سینڈہ نے بے بس ہوجا ہوا دینی شروع کر دی۔

کھڑے ہنسنا ہوا ہال کی ایک دیوار کی طرف چلا گیا۔ اس دیوار پر بہت سے پٹن لگے ہوئے تھے۔ سینڈہ کی نگاہیں اس کا نقاب کرتی رہی تھیں۔ اس نے ٹھٹھک کر بازنگہ کر دیا تھا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کھڑے کیسے والا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کسی خود کار کیمرے کو ان کے لئے لگایا ہوگا لیکن جب کھڑے نے ایک پٹن دیا دیا اس وقت سینڈہ کو احساس ہوا کہ کھڑے کیا چاہتا تھا۔

کھڑے کی اس حرکت کے ساتھ ہی اس جتنے میں کرن دوڑنے لگا تھا۔

سینڈہ کا دلوراجم اکر گیا۔ اس نے ایک ایسی بھلائی چھی ماری جیسے اسے ذبح کر دیا گیا ہو اس کا پورا جسم لٹخے کے عالم میں جھٹکے لیے لگا تھا۔ اس نے اپنے دانت اپنے کچلے ہوئے میں اسی سختی کے ساتھ کڑو دینے کے وہ دانت اس کے ہونٹ میں اترتے چلے گئے۔ پھر اس نے ایک دوسری چیخ ماری اور کھڑے پٹن پر بادی بکلی کی رونق منتقل ہو گئی۔

سینڈہ کا بل کھاتا ہوا جسم سیدھا ہونے لگا۔ اس کے ہتھ کھڑے نے کہا، تم نے اس کی عزت لوٹ لی تھی۔ اولیٰ باہر جم چھپانے کے لئے تم نے اسے ہلاک بھی کر دیا۔“

”جھگڑوں کے لئے فائنل رزمیں نہیں مانتا تم کہا کہ ہے۔ ہو۔“ ہمیں اس قسم کا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے بھی ایسی حرکت نہیں کی۔“

”یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم نے اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی ہے۔“ کھڑے مسکراتے ہوئے بولا۔

”کیا مطلب،“ سینڈہ داور جھانک رہا تھا۔ ”پھر تم نے سب کیا کہہ رہے ہو۔“

”ہات ہے کہ میں گرجہ لاکھ طاقت دوسری یہاں چھنے لوگ ہیں وہ سب مجھے اپنا حاکم خیال کرتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مجھے آگے سر تانی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود مجھے عمل کا کوئی زور تو پیش کرنا ہی پڑتا ہے۔ نا، تاکہ ان کو بھی اطمینان ہو جائے کہ ان کا پاس کی ہر زیادتی نہیں کرتا اور میرا بھی کلام بن جائے۔“

”آخر یہ سلسلہ کیا ہے۔ کیا جانتے ہو تم مجھ سے؟“ ”ہو نہیں سکتے۔“ سینڈہ نے لگا تھا۔ ”ادرا اس کا پورا جسم سپینے سے جھٹک گیا تھا۔ اس کا چہرہ اس طرح ہو گیا تھا جیسے کسی رگوں سے سارا خون نکال لیا گیا ہو۔ یہ اس کی زندگی کا اب سے اذیت ناک تجربہ تھا جو اس نے حاصل کیا تھا۔ کھڑے بن

دیکھ کر اسے اب اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ ”کیونکہ انہیں“ کھڑے نے بڑے اشتیاق سے بول چہا۔ ”یہ انہیں اسے کہ یہ تجربہ تمہارے لئے بھی نیا ہوگا۔“

”آخر تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔“ بولے کسی سے سینڈہ کی کھوں میں افسوس آگئے تھے۔ ”میں نے تمہارا کیا کیا لگا ہے مجھے کیفیت دینے کا کیا فائدہ؟“

”میں نے کہا نا کہ میں تجربہ کر رہا ہوں،“ کھڑے نے جواب دیا ”تہیں اذیت میں دیکھ کر میرے تجربات میں اضافہ ہوا ہے۔“ ”مجھے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ جب انسان کو کبھی کا جھٹکا دیا جائے تو اس کی کیفیت ہوتی ہے۔“

”تم ذلیل کیونے“ سینڈہ نے اسے پھر گالیاں دینی شروع کر دیں۔ ”میں کہتا ہوں چھوڑ دو مجھے۔“ ذلیل انسان چھوڑ دو کھڑے کوئی جواب دینے کے بغیر دوبارہ دلواس کے پاس گیا۔ اس نے دیوار کی طرف جلتے دیکھ کر سینڈہ کی چیخ دلواس لگاؤ اضافہ ہو گیا تھا۔ کھڑے پٹن پر ہاتھ رکھ کر سینڈہ کی طرف دیکھا پھر پٹن دیا دیا۔ ایک زوردار چیخ ایک زوردار جھٹکا پھر پٹن بند کر دیا گیا۔ سینڈہ کا بدن اعتدال پر آیا تھا کھڑے نے پھر پٹن دیا دیا۔ ایک اور پٹن چیخ ایک اور دھڑکا۔

”یک نفرد تجربہ تھا۔“ بدبیاڑ جھٹکے دینے سے سینڈہ کی وجوہات ہو رہی تھی۔ وہ کھڑے کے لئے بڑے سکون کا سبب بن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کی چمک چمک رہی تھی۔ وہ اس طرح لذت آمیز لذت مانے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا جیسے کوئی لذت چڑھ رہا ہو۔ دوسری طرف سینڈہ کا بدن بار بار جھٹکے کھاتا۔ انہیں پھر پٹن دیا ہوا جانا چھینے چھینے اس کے حلق کے عضلات پیچھے لگے تھے۔ تنگی کی کیفیت طاری تھی اس پر اب ہونٹوں کے ساتھ ساتھ اس کی زبان کا اگلہ سرا بھی دانتوں کے دب کر کڑ چکا تھا جس سے خون رسنے لگا تھا۔ ہر جھٹکے کے بعد وہ زور زور سے کھڑے کو گالیاں دینے لگا اور کھڑے کا قہقہہ ہال میں ابھرے لگتا۔

بالآخر کھڑے دیوار کے پاس سے ہٹ کر دوبارہ سینڈہ کے پاس آ گیا۔ اس کی لذت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے ایک نیا تجربہ کیا تھا۔ اور یہ تجربہ اسے سکون پہنچا رہا تھا۔

”کیا حال ہیں تمہارے۔“ اس نے سینڈہ کی طرف دیکھتے ہوئے بول چہا۔ اس کا بوجھ ایسا تھا جیسے اسے سینڈہ سے ہمدردی محسوس ہو رہی ہو۔

”جھگڑوں کے لیے مجھے جانے دو۔“ سینڈہ نے تنقید کرتے ہوئے کہا۔ اس کے کھٹک میں خون کی آمیزش تھی۔ ”تم میرا لم کھوں کر رہے ہو،“ بول چہا۔

”میں تمہیں رہائی حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ بتا سکتا ہوں،“ کھڑے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی کہ کا بوجھت برسر رہا ہو گیا تھا۔ ”کیا طریقہ ہے؟“ سینڈہ نے ڈھل انداز میں بول چہا۔ ”میں اتنا مشکل طریقہ نہیں ہے،“ کھڑے سینڈہ کے کچھ اور قریب آ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے کوئی بہت اہم انکشاف کرنے والا ہو۔ ”ادروہ طریقہ یہ ہے کہ تم خود کٹی کر لو۔“

”کیا؟“ سینڈہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم۔“ ”کیا تم باطل ہو گئے ہو۔“ ”سچ بتاؤں میں نے آج تک کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ کھڑے کا بوجھت خوابانہ ہو گیا تھا۔ ”میں نے معلوم کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے دیکھنے کی لذت کیسی ہوتی ہے۔ میں اس تجربے سے اب تک محروم رہا ہوں۔ تم جاؤ تو میرا کام کر سکتے ہو۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ خود کٹی کرنے والے کے چہرے پر کسے تاثرات ہوتے ہیں۔“ ”ذلیل کیونے“ سینڈہ اسے پھر گالیاں دینے لگا۔ ”میں تیری جان لے لوں گا۔“ کھڑے زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“ کھڑے نے اذیت مانس پڑا۔ ”میں خود کو آنا دو کر لو۔“ بھر چھ مائے کی کوشش کرنا میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تم اس قید سے کبھی رہائی نہیں حاصل کر سکو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی لئے بہتر ہے کہ میں نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کر دو گی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم نے البتہ نہیں کیا تو تمہارے مقدمہ میں ایک اذیت ناک موت لکھی ہے۔“ ”لعنت ہو تجھے پھر،“ سینڈہ نے اچانک اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”میں تمہیں رہائی حاصل کرنے کا ایک آسان طریقہ بتا سکتا ہوں،“ کھڑے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی کہ کا بوجھت برسر رہا ہو گیا تھا۔

”کیا طریقہ ہے؟“ سینڈہ نے ڈھل انداز میں بول چہا۔ ”میں اتنا مشکل طریقہ نہیں ہے،“ کھڑے سینڈہ کے کچھ اور قریب آ گیا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ایسا تاثر تھا جیسے کوئی بہت اہم انکشاف کرنے والا ہو۔ ”ادروہ طریقہ یہ ہے کہ تم خود کٹی کر لو۔“

”کیا؟“ سینڈہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم۔“ ”کیا تم باطل ہو گئے ہو۔“ ”سچ بتاؤں میں نے آج تک کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ کھڑے کا بوجھت خوابانہ ہو گیا تھا۔ ”میں نے معلوم کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے دیکھنے کی لذت کیسی ہوتی ہے۔ میں اس تجربے سے اب تک محروم رہا ہوں۔ تم جاؤ تو میرا کام کر سکتے ہو۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ خود کٹی کرنے والے کے چہرے پر کسے تاثرات ہوتے ہیں۔“

”ذلیل کیونے“ سینڈہ اسے پھر گالیاں دینے لگا۔ ”میں تیری جان لے لوں گا۔“ کھڑے زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“

کھڑے نے اذیت مانس پڑا۔ ”میں خود کو آنا دو کر لو۔“ بھر چھ مائے کی کوشش کرنا میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تم اس قید سے کبھی رہائی نہیں حاصل کر سکو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی لئے بہتر ہے کہ میں نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کر دو گی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم نے البتہ نہیں کیا تو تمہارے مقدمہ میں ایک اذیت ناک موت لکھی ہے۔“ ”لعنت ہو تجھے پھر،“ سینڈہ نے اچانک اس کے منہ پر تھوک دیا۔

”میں نے تمہاری اس حرکت کا برا نہیں مانا،“ کھڑے نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنے چہرے سے تھوک صاف کیا پھر اس رومال کو ایک طرف جھینک دیا۔ ”تمہارا یہ رد عمل بالکل فطری ہے۔ میرا حال میں پھر تم سے بہتر نہیں کہ تمہیں میری بات مانتی ہوگی۔ ورنہ ای طرح تشدد برداشت کسے تو۔“

سینڈہ نے اسے پھر ایک موٹی سی گالی دی اور کھڑے ملتے ہوئے دیوار کی طرف بڑھ گیا۔

وہ بہت عجیب سا آدمی تھا بہت اکھڑا بہت نرم مزاج بہت ہمدرد اور بہت دلیر اس کے ساتھ ہی وہ نرم مزاج

بہت اہم انکشاف کرنے والا ہو۔ ”ادروہ طریقہ یہ ہے کہ تم خود کٹی کر لو۔“

”کیا؟“ سینڈہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم۔“ ”کیا تم باطل ہو گئے ہو۔“ ”سچ بتاؤں میں نے آج تک کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔“ کھڑے کا بوجھت خوابانہ ہو گیا تھا۔ ”میں نے معلوم کسی کو خود کٹی کرتے ہوئے دیکھنے کی لذت کیسی ہوتی ہے۔ میں اس تجربے سے اب تک محروم رہا ہوں۔ تم جاؤ تو میرا کام کر سکتے ہو۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ خود کٹی کرنے والے کے چہرے پر کسے تاثرات ہوتے ہیں۔“

”ذلیل کیونے“ سینڈہ اسے پھر گالیاں دینے لگا۔ ”میں تیری جان لے لوں گا۔“ کھڑے زندہ نہیں چھوڑ دوں گا۔“ کھڑے نے اذیت مانس پڑا۔ ”میں خود کو آنا دو کر لو۔“ بھر چھ مائے کی کوشش کرنا میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تم اس قید سے کبھی رہائی نہیں حاصل کر سکو گے۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ اسی لئے بہتر ہے کہ میں نے جو مشورہ دیا ہے اس پر عمل کر دو گی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔ اور اگر تم نے البتہ نہیں کیا تو تمہارے مقدمہ میں ایک اذیت ناک موت لکھی ہے۔“ ”لعنت ہو تجھے پھر،“ سینڈہ نے اچانک اس کے منہ پر تھوک دیا۔

تھی تھتا۔

کھنے اس بہت اعتقاد رکھتا تھا کہ کو اس کا نام تو نہیں معلوم تھا لیکن اس نے کھنے کو اپنا نام راجا بتلایا تھا کھنے نے اس کے حالات جاننے کی کوشش کی تھی۔ اس کے لئے یہی بہت تھا کہ راجا بہت کام کا آدمی تھا۔ اور وہ کھنے کے بہت سے معاملات پر ہی خوبی سے سمجھا رہا تھا کھنے کو تجربات کرنے کا شوق تھا اور تجربات کی خاطر انسانوں کو فراہم کرنے کا کام راجا کا تھا۔ راجا کے لئے کھنے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا کھنے اور راجا کی ملاقات بھی بہت عجیب انداز میں ہوئی تھی اس وقت کھنے نے اپنے ہاتھ پاؤں بھی نہیں پھیلانے تھے بے پناہ دولت رکھنے کے باوجود اس نے ابھی تک کسی انسان کو فخریہ مشق بنانے کی جرأت نہیں کی تھی۔ اس کام کے لئے اسے کسی قابل اعتماد و سچی تلاش تھی۔ اور اس کی ملاقات راجا سے ہوئی۔

اس نے راجا کو ایک ہوٹل میں دیکھا تھا۔ وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا جس کی مالک ایک بیوہ مسز کلپان تھی۔ اس کی عمر (بھی خاصی) ہو چکی تھی اور اس نے اپنی گزراوقات کے لئے "مہلانی" نام کا بچہ پھرتا سا ریسٹورنٹ کھول رکھا تھا۔ وہ کھانے بھی اپنے ہاتھوں سے پکائی کرتی، جن میں گھر کے کھانوں جیسی لذت بخا کرتی تھیں کھانوں کے شوقین کے لئے یہی ریسٹورنٹ بہت قیمت تھا۔ اس کے باوجود اس ریسٹورنٹ میں زیادہ گاہک نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس ریسٹورنٹ کی آمدنی بہت معمولی تھی۔ اور مخصوص کھانوں کے شوقین یوں بھی بہت کم ہو کر گئے ہیں۔ ان ہی گئے چنے کا بکوں میں کھتھی بھی کھانا وہ یہاں اکثر آیا کرتا اور اپنے پسندیدہ کھانے کھا کر واپس چلا جایا کرتا جو کدو اس ریسٹورنٹ میں آئے جانے والوں کی تعداد محدود تھی۔ اسی لئے سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہی تھے۔

ایک دوپہر کو کھنے نے یہاں راجا کو دیکھا۔ کھنے کو یہ نوجوان بہت پسند آیا۔ اس کے انداز میں عجیب سی بے نیازی اور پروا تھی۔ وہ چائے پی رہا تھا کھنے اس کے سامنے والی میز پر جا بیٹھا گیا۔ اس کے بیٹھے ہی مسز کلپان آڈر لینے کے لئے اس کے پاس آئی۔ وہ اسے ریسٹورنٹ کی دیگر بھی خود ہی تھی۔ "مسز کلپان" کھنے نے راجا کی طرف نگاہیں جماتے ہوئے سرگوشی کی "یہ نوجوان کون ہے؟"

"معلوم نہیں" مسز کلپان نے جواب دیا میں نے اس سے پہلے یہاں اسے بھی نہیں دیکھا۔ شاید نیا معلوم ہوتا ہے؟ کھنے نے پھر کھانوں کا ڈر دیا اور مسز کلپان جن کی طرف پہلی گئی۔ پھر ایک وقت وہ واقعہ ہوا جس نے راجا اور کھنے کو ایک دوسرے

کے قریب کر دیا تھا اس ریسٹورنٹ میں اچانک دو نوجوان دوڑتے ہوئے گھس آئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ریو اور مٹھی جبکہ دوسرا خالی ہاتھ تھا۔ ان دونوں نے اندر گرتے ہی دروازہ بند کر دیا اور دروازے پر پتھر پھینکا، پتھر پھینکا ہی تھی دوسری طرف گھادی جس پر گرنے کی کڑوا دھککا دیا تھا کھنے نے پریشان ہو کر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ اس نے ایسا منظر اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ایسے واقعات سنے اور دیکھے تھے۔ لیکن اس چھوٹے سے شہر میں ایسی باتیں نہیں ہو کر تھیں لیکن وہ دونوں نوجوان کوئی کوئی یاد افتادہ نہیں تھے۔ وہ حقیقت بن کر اس چھوٹے سے ریسٹورنٹ کو نوٹنے کے لئے طے آئے تھے۔

یہ اتفاق تھا اس وقت اس ریسٹورنٹ میں حوالے کھنے اور اس نوجوان کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ کھنے نے دیکھا کہ اس نوجوان نے ایک لنگہ ان دونوں پر ڈالی پھر لپٹی چائے کی طرف متوجہ ہو گیا جیسے اسے کوئی پرواہ نہ ہو اس کی بے نیازی دیکھ کر کھنے اور بھی حیران ہو گیا تھا۔ پھر اس نے اس سے نگاہیں ہٹا کر ان دونوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"تم دونوں اپنی جگہ سے مت ہلنا" پستول مردار پستول بچا ہونے کے بعد ہاتھ "گڑ بگڑ کے نو نقصان اٹھاؤ گے" اس دوران دوسرے نے زور دیتے مسز کلپان کو آواز دی دینی شروع کر دیں "اے بڑھیا ہار کرا رہی ہے"

مسز کلپان اس وقت کھنے کا ڈرے کر رہے ہاتھ میں نے کچن سے باہر آئی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ ٹرے اس کے ہاتھوں سے گرتے گرتے رہی تھی۔

تم دونوں پھر اتر کر آگیا "مسز کلپان نے غصے سے کہا ہمیں اور جا بھڑکیوں نہیں ہونا تم لوگ املا بچھپکیوں پڑ گیا ہے"

"آج تو ہم تجھے تہا کر کے آئے ہیں بڑھیا پستول بھڑ بھنتے ہوئے بولنا سب سے پہلے ہم تیری دولت پر قبضہ کر گئے۔ تو نے بہت مال جمع کر لیا ہے۔ پھر تیرے اس ریسٹورنٹ کی ایسی سی چیز کے چلے جائیں گے۔ اور یہ دیکھ لے ناچ میرے پاس پستول بھی ہے۔ اگر تو نے آواز نکالی تو تیری کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔ کھنے کی"

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک ایک کرسی اڑتی ہوئی اس نوجوان کے ہاتھ سے گرائی اور اس کے ہاتھ سے پستول چھو کر ایک طرف گر پڑا۔ پھر دوسری کرسی اڑی اور اس نوجوان کے چپ پر پڑی اور وہ کرسی میں اٹھتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ سب کچھ اتنی سی سی سے ہوا تھا کہ کھنے دیکھتا ہی رہ گیا تھا کرسیاں

یوں اڑ رہی تھیں جیسے گولیاں چل رہی ہوں کھنے نے اس بات اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کرسیاں وہ نوجوان اڑا رہا تھا۔ بڑی خاموشی سے بیٹھا ہوا چلتے ہی رہا تھا۔

تیسری کرسی لے دوسرے نوجوان کو ڈھیر کر دیا تھا۔ ان دونوں کے ڈھیر ہو جانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ مطمئن انداز میں چلتا ہوا ان کے پاس آیا۔ اس نے فرش پر گرے ہوئے پستول اٹھا کر اس چہرے پر کھول کر گولیاں نکال کر اپنی جیب میں رکھیں پھر ان دونوں کو کاروں سے پکڑ کر اٹھالیا۔ وہ دونوں کرسیوں سے زخمی ہو گئے تھے۔ ایک کا سر پھٹ گیا تھا اور دوسرے کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ وہ نوجوان بڑے اطمینان کے ساتھ ان دونوں کو پھینکا ہوا دروازے تک لایا اور دروازہ کھول کر ان دونوں کو باہر کی طرف اٹھال دیا اس کے بعد وہ اسی اطمینان سے لوٹی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو کھنے نے زندہ رہا تھا جبکہ مسز کلپان کی حالت بھی کھنے سے مختلف نہیں تھی۔

اس نوجوان کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں تھی کہ وہ دونوں بلیٹ کر بھی آ سکتے تھے۔ ایسی بے نیازی کھنے نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی مسز کلپان اپنے آپ کو سمجھاتی ہوئی اس نوجوان کی ہیز کے پاس آئی۔

"جوان تم نے تو کمال کر دیا" اس نے کہا "تمہارا بہت بہت شکریہ۔ لیکن تم اصرار سے جاؤ۔ وہ آدمی لوگ بہت خراب ہے۔ وہ تمہارا نقصان کر سکتا ہے"

"کوئی بات نہیں" وہ مسکرایا "وہ جیسے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لوگ بہادر نہیں ہو کر گئے۔ تم جا کر دیکھو۔ وہ دونوں اٹھ کر بھاگ گئے ہوں گے"

مسز کلپان چند لمحوں تک اس نوجوان کی طرف دیکھتی رہی پھر دروازے کی طرف چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھول کر باہر چھاننا اور مطمئن ہو کر واپس آئی۔

"تم ٹھیک بولا تھا۔ وہ دونوں بھاگ گیا ہے لیکن میرے کو پھر تنگ کرے گا۔ ابھی تو بھاگ گیا ہے لیکن پھر آئے گا" "اطمینان رکھو وہ اب نہیں آئیں گے" نوجوان نے کہا اور اپنی بات چاہنے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کھنے اٹھ کر اس کی ہیز کے پاس آ گیا۔ آہ اس شخص کی دلیری اور اس کی بے نیازی بہت پسند آئی تھی۔ وہ ایسے ہی کسی جیالے کی تلاش میں تھا۔

"کہا میں تمہارے پاس بیٹھ سکتا ہوں۔ پکھنے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ" اس نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا "یہ بول کر میرا نہیں ہے تم جہاں چاہو بیٹھ سکتے ہو"

"تمہارا نام کیا ہے بھائی؟ کھنے نے بیٹھنے کے بعد پوچھا "میرے نام سے تمہیں کب لگتا ہے؟" "بس لونی بوجھ رہا ہوں۔ تمہاری دلیری مجھے بہت لگتی ہے۔ جلد میں اپنا نام بتا دیتا ہوں۔ مجھے کھنے کو لالچ نہیں تھا اب تم بتاؤ"

"ہندو ہو یا مسلمان"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آوارہ گرد آدمی ہوں۔ کچھ جیسے آدمیوں کا کوئی مذہب نہیں ہو کر تا۔ کوئی نام نہیں ہوتا کوئی زمین نہیں ہوتی"

"بہت خوب" کھنے مسکرایا "مجھے تم ہی جیسے آدمی کی تلاش تھی۔ اب تم قتل گئے ہو تو میں تمہاری مدد سے اپنے خولوں کی تکمیل کر سکتا ہوں"

"تم کیا چاہتے ہو مجھ سے اور کیا ضروری ہے کہ میں تمہارے کام آ جاؤں۔ میں نے بے نیازی نہیں سمجھی ہے" "تم میرے کام آؤ گے۔ کیونکہ میں اپنی دولت کے ذریعے تمہاری آوارہ گردی کے کرب کو ختم کر دوں گا"

"اچھا" راجا کی آنکھیں جھپکنے لگیں۔ اتنا دعویٰ ہے تمہیں۔ بتاؤ کتنی دولت ہے تمہارے پاس؟" "میں نے تمہارے آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں اپنا ساتھی بنا کر خوشی محسوس کروں گا"

راجا اسی لہجہ آدمی کے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑا کھنے اسے اپنے ساتھ اپنی عالی شان کو کھلی میں لے آیا۔ راجا اس کے کھٹاں ہاٹ کو دیکھ کر بھی مرعوب نہیں ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے کسی چیز کی پرواہ نہ ہو۔ کھنے نے اس کی خاطر ملاقات کے بعد اپنا منصوبہ اس کے سامنے رکھ دیا وہ اپنی بے پناہ دولت کے بل پر انسانوں پر تجربات کرنا چاہتا تھا۔ وہ انسانوں کی مختلف کیفیات کو پرکھنے اور ان کا شاہدہ کرنے کا شوق تھا۔ لوگوں کی دلچسپیاں مختلف ہو کر آتی ہیں کوئی لوگ کے ٹکٹ جمع کرتا ہے۔ کسی کو کچھ کھیلنے کا شوق ہوتا ہے۔ اسی طرح کھنے کا شوق انسانیت کا جائزہ لینا تھا وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ انسان جو کس طرح کرتا ہے۔ فطرت کی انتہا کیا ہوتی ہے۔ قربانی کا جذبہ کیا ہوتا ہے۔ تشدد کس حد تک برداشت کر سکتا ہے۔ اس کے ایمان کو خریدنے میں کیا لطف آتا ہے۔ خود کشی کے وقت اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ غرضیکہ وہ انسان کو ہر انداز سے دیکھنا اور پرکھنا چاہتا تھا اس کے لئے وہ قتل و غارت گری پر بھی آمادہ تھا لیکن اسے اب تک کوئی ایسا قابل اعتماد آدمی نہیں مل سکا تھا جو اس

کے اس اٹھنے میں کو آگے بڑھا سکے۔ اور اب اسے راجا مل گیا تھا۔ راجا نے بڑی حیرت سے اس کی باتیں سنی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کسی شخص کا شوق اس قدر اٹھ گیا ہو۔ لیکن اسے کھنڈے کے شوق سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اصل دلچسپی اس کا مدافعت سے بھی چوکنے نے ہیرا ہ اسے دینے کا وعدہ کیا تھا۔ راجا کے ساتھ دینے کی صورت میں اسے بیس ہزار روپے مالانہ ملنے والے تھے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ اور وہ اس رقم کو حاصل کرنے کے لئے کھنڈ کی ہیرات ماننے کے لئے تیار تھا۔ وہ اس کے لئے سب کچھ کر سکتا تھا۔

اسی دن اسی لمحے سے راجا اور کھنڈ ایک ہو گئے۔ راجا نے اس کے لئے بہت کام کیا۔ اس نے سب سے پہلے شہر کے چھٹے ہوئے فنڈوں کو خرید کر ارد گرد بکھیر دیا۔ پھر ان کی مدد سے وہ انسانوں کا شکار کرنے لگا۔ لیکن اس نے اب تک باغی احتیاط رکھی تھی کہ اپنے ہاتھوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا۔ وہ مختلف مزاج اور کردار کے لوگوں کو بکھیر کھنڈ کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ پھر ان کے میں واپس چلا جاتا اس لئے بھلائے کی کوشش نہیں کی تھی کہ کھنڈ کس طرح ان لوگوں کے جنایت اور ان کی کیفیت کا جائزہ لیا کرتا ہے۔ یہ کام اس کا نہیں تھا۔ اس رات بھی کچھ لوگ کھنڈ کے عقوبت خانے میں بکھیر لئے گئے تھے۔ راجا اس جہم پر نہیں گیا تھا۔ لیکن اب وہیں اسے معلوم ہوا تھا کہ ان میں سے ایک کا نام عدیل اور دھڑ کا داور تھا۔ اور یہ دونوں اتنے جہلے تھے کہ کھنڈ انہیں جلد جہ فارغ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ انہیں زیادہ دنوں تک قید میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اور ان دونوں کو فارغ کرنے کے لئے کھنڈ نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے بڑوانے کی ترکیب سوچ لی تھی۔ یہ بات کھنڈ نے خود راجا کو بتائی تھی۔ اس کا ہونا تھا کہ وہ دونوں چونکہ ایک دوسرے کے گھمبیر دوستوں کے

کا نام داور بتایا گیا تھا۔ راجا کو ابھی تک اس آدمی کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ وہ جہ جاتا تھا کہ اس سے جگہ قید رکھا گیا ہے۔ اپنے کرے میں بھی ہوئی ان کی بھری پر اس نے چائے تیار کیا۔ چائے پینے کے دوران اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ یہ کہہ کھنڈ نے ہی اسے دیا تھا۔ اس کمرے میں آ کر اس کا در ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ لباس تبدیل کرنے کے بعد راجا نے چائے پی کر تیار کیا اور کھنڈ کھنڈ پہننے لگا۔ اسے کوئی جلدی نہیں تھی۔ بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ داور کے پاس اس وقت چلے جائے جب سنا ہو۔ پہرے دینے والے تھک کر دلہاروں کے سہارے آرام سے بیٹھ چکے ہوں۔ اسے داور سے کچھ بلو جانا بھی تھا۔ اور وہ ایسی باتیں نہیں چوکتے یا ان کے آدمیوں کے سامنے بلو بھی نہیں جاسکتی تھیں۔

چلنے پینے کے بعد اس نے سگریٹ سلاکائی اور بولے ہوئے کس لینا ہوا کھڑکی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کھڑکی سے باہر کوٹلی کا وسیع و عریض لان دکھائی دیتا تھا۔ اس لان میں اس وقت ستانا تھا لہذا کھڑکیوں سے لگی ہوئی دوھیا بندوں کی روشنیاں عجیب سا تا فریبش کر رہی تھیں۔ پھر اس نے دن میں ایک آدمی کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔

یہ تہ خود سرکش انسان تھا۔ لیکن کھنڈ نے اسے اپنی رخی کے مطابق ڈھال لیا تھا۔ اور اسے اپنے آدمیوں کا نگران قرار دیا تھا۔ قیدیوں کی دیکھ بھال بھی اسی کے ذمہ تھی۔ اس مکان میں ..... اپنی مرضی کے مطابق چلنے پھرنے کی آزادی حاصل تھی۔ اسی لئے اس کا اپنا بڑی چھپے رات کے وقت کسی طرف جانا بھی نہیں رہا تھا۔

راجا نے اپنا پستول دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پو کوئی اجنبی نہیں تھا۔ جسے لگا کہ بغیر گولی مار دی جاتی اجالے اس نے بات کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اسے پہلے اس معاملے کو نمٹانا تھا کہ اس کے بعد داور سے ملنے کے لئے جانا تھا۔ وہ اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر آ کر وہ سانس کی طرف نہیں گیا تھا بلکہ اس نے ایک عظیمی راستہ استعمال کیا تھا۔ راستہ اسے لان کی دوسری طرف سے اس مقام تک پہنچا جتا جہاں باجو دکھائی دیتا تھا۔ وہ ایک طویل چکر کاٹ کر اس مقام تک پہنچ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ باجوا کی دیر میں گئے بڑے جگہ جگا ہوگا۔ لیکن اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ جی جگہ کھڑا تھا۔ ایسا ممکن تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔

باجو اسے دیکھ کر مری طرح جھٹک پڑا۔ اس کے چہرے مارنگ اور گیا تھا۔ راجا دھیرے دھیرے اس کے پاس آ کر ٹھوکر بھینسا۔ اس نے اپنی نگاہیں باجو پر مرکوز کر دیں تھیں۔ ”کیا بات ہے۔“ راجا نے ایک دوسری سگریٹ سلاکائی۔ ”میں نہیں تو؟“ باجو نے اپنے ہاتھوں پر زبان پھیرے ہوئے جواب دیا۔ ”میں تو بس یوں ہی آکر کھڑا ہو گیا ہوں۔ ات سے یہ کہہ کر کھنڈ نہیں آ رہی تھی۔ اسی لئے میں نے سوچا کہ کچھ دیر چل قیدی کروں۔ لیکن تم جیسے دکھائی دے رہے ہو۔“

”بہند تو مجھے بھی نہیں آ رہی ہے باجو؟“ راجا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”ای لئے میں نے سوچا کہ میں یہاں آ کر کھڑا ہو جاؤں۔ اگر نہیں کوئی اعتراض؟“

”تم داپس لی چلے جاؤ تو بہتر ہے؟“ باجو نے اچانک پستول بھٹکیا۔ ”میں اپنے ہاتھوں سے تمہارا خون نہیں کرنا چاہتا۔“

اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ باجو نے کہا اسی لئے بہتر ہے کہ تم میرے راستے میں رکاوٹ نہ بنو۔“

”کچھ مجھے بھی تو بہت چلے وہ خوش نصیب کون ہے جس کو باجو میاں سے نکال کر لے جا رہا ہے؟“

”نہیں یہ میں نہیں بتا سکتا۔ باجو پستول ہاتھ میں لئے ہوئے ہونے کے باوجود دھت نروس دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہو کہ وہ اس پستول کا کیا استعمال کرے۔ راجا کی بے وقت آمد نے اسے بری طرح گمز بڑا دیا تھا۔ پستول ہاتھ میں ہونے کے باوجود وہ راجا سے خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔ ”تمہاری مرضی؟“ راجا بال برداری سے بولا اور چلنے کے لئے مڑ گیا۔

باجو نے اسے واپس جانے کا ارادہ کرتے دیکھ کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی اور اسی وقت راجا نے اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے بہت سلیقہ اور پھرتی سے ہر حملہ تھا ان کا ایک ہاتھ باجو کے پستول والے ہاتھ پر پڑا اور دوسرا ہاتھ پوری قوت سے باجو کے چہرے پر مڑ گیا۔ پہلے ہی جھٹکے میں باجو کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر گر گیا تھا۔ جب سے لگنے والی ضرب سے وہ جھٹک کھا کر کچھے ہٹا پھر اسی وقت راجا نے اس کے پیٹ کے عین درمیان ایک ٹھوکر بھینسا۔ ایک الٹی کی گرب ناک آواز کے ساتھ باجو دونوں ہاتھوں سے اپنا پیٹ پکڑ کر آگے کی طرف جھکا اور راجا نے جھپٹ کر اس کا کار پکڑ لیا۔ اور یہیں پر راجا نے غلطی سرزد ہوئی۔ باجو شخص دکھا دے لئے اپنے پیٹ کو پکڑ کر دھڑکے لگا۔ راجا کا ہاتھ جو بھی اس کے کار پر آیا اس نے پوری قوت کے ساتھ راجا کے پیٹ میں اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں ٹکھا دیں۔ یہ ایک ایسی ضرب تھی جس نے راجا کو بے حال کر دیا۔ وہ لٹک کر ایک قدم پیچھے ہٹ آیا۔ اسی وقت باجو نے اس کی پٹنڈی پر ٹھوکر رسید کر دی۔ باجو بنیادی طور پر ایک لڑائی لڑا تھا اور وہ اس وقت اپنی پوری جہارت سے کام لے رہا تھا۔ اس کی ٹھوکر لگنے لگی تھی راجا زمین پر گر پڑا۔ اس کے گرتے ہی باجو نے اس پر پھلانگ لگادی تھی۔ لیکن راجا نے عین وقت پر اپنے دونوں گھٹنے موڑ لئے۔ باجو پر راستہ اس کے گھٹنوں سے ٹکرایا اور تڑپ کر ایک طرف لٹھک گیا۔ اس کے سینے اور پیٹ پر بہت کاری ضرب لگی تھی۔ راجا نے اسے اس بار سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ وہ پھرتی سے کھڑا ہوا اور باجو کو ٹھوکر دیں ماری شروع کر دیں۔ کچھ ہی دیر بعد باجو نے گردن ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا کہ

کی ناک سے خون نکل رہا تھا۔ اس کے ہونٹ چھٹ گئے تھے اور اس کا چہرہ بھی ہلکا ہوا تھا۔ راجا ایک گہری سانس لے کر ایک طرف ہٹ گیا پھر اس نے اپنے اعصاب کو سنبھال کر کھڑے کئے ایک گہرے سانس لیا۔ بالو کی حرکت اس کی نگاہ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے جس انداز سے اس پر پرتول نکالا تھا، اس سے یہ بات ظاہر ہو رہی تھی کہ اسے کسی خاص شخص کے آنے کا انتظار تھا۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے راجا دیکھے۔ راجا نے اب خود اس جگہ کھڑے ہو کر اس شخص کے انتقال کا فیصلہ کر لیا۔ یہ ارادہ کرتے ہی وہ بے ہوش بالو کو دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچا تو ایک طرف لے گیا اور دوسرے کی بالو کے عقب میں ڈال دیا۔ اس نے بالو کا پرتول بھی اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ خود اندھیرے میں چھپ کر آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ قدموں کی آہٹ مانی دیے گئی کوئی بہت دھیرے دھیرے دھڑکتا ہوا انداز میں چلتا ہوا اسی طرف آیا تھا۔ آنے والا بھی تک اندھیرے میں تھا اسی نے راجا سے دیکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ پھر اس نے کسی عورت کی آواز سنی وہ ہلکی آواز میں بالو کو پکڑ رہی تھی۔ عورت کی آواز سن کر راجا نے اپنے ہونٹ بیگنہ نہ بھونکے کے غماز میں اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی جیسے بالیاں کی راہ دیکھ رہا تھا۔ اس کی کھڑک اس کردہ عورت اندھیرے سے نکل کر سڑک کی روشنی میں آئی۔ اس نے خود کو ایک چادر میں چھپا رکھا تھا۔ اس کا چہرہ بھی ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے ادھر اُدھر لڑکیوں کو دیکھا تھا۔ پھر دھیرے سے آواز دی۔

”بالو۔ کہاں ہو تم؟“  
راجا اس بار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے اس عورت کو پہچان لیا تھا۔ وہ اچانک اندھیرے سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ اسے سامنے دیکھ کر اس عورت نے ہلکی سی چیخ ماری اور بدحواس ہو کر دوڑ لگائی والی تھی کہ راجا نے ہاتھ پڑھا کر اس کا بازو پکڑ لیا۔ اس ٹکٹک میں اس عورت کی چادر اس کے اوپر سے پھسل گئی ہوئی بیچے جاگ رہی تھی۔ وہ مانتی تھی۔  
”پھوڑو دو جھے یہ مانتی کسے لے گی؟“ بھگوان کے لٹے جھے جلتے دو۔“  
”تمہارا عشق بے ہوش پڑا ہے مانتی یہ راجا غریب۔ وہ اس وقت تمہاری مدد کے لئے نہیں آئے گا۔“  
”ایسا منت کہو؟“ مانتی سسکتی ہوئی تھی وہ بالو کی مدد سے یہاں سے نکلنا چاہتی تھی۔ بس میرا اس کا کوئی تعلق نہیں

ہے۔ اب تم جھے جالے دو میں تمہارے آگے ہاتھ پڑتی ہوں۔ مانتی نے راجا کے آگے ہاتھ پڑا دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھری ہوئے تھے۔

”ہاتھ نیچے کرو۔ راجا غریب نے جھے خوں کا یہ خرہ پڑا نہیں ہے۔ اور نہ ہی جھے یہ غدا لے رہا ہے۔ تمہارا لیکھڑا کاملا ہے۔ اسے وہ قد بان کر رہا تھا لیکن وہ تم جھی عورت کے چکر میں آ گیا۔ میں اس کی کھال اتار دوں گا۔“

”اسے میں نے ہی بھجور دیا تھا۔ مانتی نے اپنی گردن کا لالہ قیس لے کر کہا تھا کہ وہ آگے جھے یہاں سے باہر نکل دے تو میں اپنا سب کچھ اس کے حوالے کر دوں گی۔ وہ وہ اس پر تیار ہو گیا تھا۔ دنیا کے سارے مرد ایک ہی جیسے ہوتے ہیں۔ کوئی کسی عورت کی بھجوری نہیں کرتا۔ برو کوئی فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ بالو بھی ایسا ہے۔ تم جھی ایسی ہی ہو۔ تم جھی جھے جھوٹے بھگوان کے لئے جھے ہر دم کر دو۔ میں اب یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ میں تنگ آ چکی ہوں۔ ہر کاش کے مرد جو ہم پر خیر چلاتے چلاتے میری روح تک زخمی ہو گئی ہے۔ میں کب اس پر پرتول کر لیا۔ اتنا کہہ کر مانتی نے باقاعدہ روٹا شروع کر دیا۔ آٹکوس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے رخساروں کو بھگوان گئے تھے۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ تم بالو کی مدد کے یہاں سے نکل مانتی یہ نہیں یہ نہیں معلوم کہ رات کے وقت سوائے میرے اور کسی کو یہاں سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے؟“  
”ہاں۔ بالو کو یہ بات معلوم تھی۔“ مانتی سسکتی ہوئی بولی وہ جاتا تھا کہ وہ کیا لہو پیرا دونوں کا مقابلہ کر کے یہاں سے نہیں نکل سکے گا۔ اگر اسے تنہا جانا تو پھر تو کوئی بات نہیں تھی۔ اکیلے یہاں پر قید ایک آدمی کو ہر دے کے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا تھا۔

”میں وہ آدمی کی کر لیتا۔“ راجا نے چونک کر پوچھا۔  
”جاہلے بتایا تھا کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ بس ایک بار کوٹھڑی سے باہر جانے کو پھر اسے روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔“  
”وہ راجا نے لیک گہری سانس لی۔ تو کون ہے وہ آدمی؟“  
”راجا کا نام ہے اس کا۔“  
”داور مانتی نے بتایا۔ جاہلے اس کا بھی نام بتایا تھا۔“  
راجا کی ہنسی ہر شکلیں پڑ گئیں۔ اس داور کا نام ایک بار پھر کی اور جانے سے اس کے سامنے آ گیا تھا۔  
”اب تم جھے جانے دو گے نا۔ مانتی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
”نہیں تمہارے پاؤں بڑی ہوں۔ جھے ہر دم جھے یہاں سے جانے دو۔“  
”نہیں۔ راجا نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پھیرا۔ میں

کھڑکے ساتھ غدا کی نہیں کر سکتا۔ میری فطرت کچھ اور ہے۔ اب تم میرے ساتھ چلو۔ میں اس داور کو بھی دیکھ لیتا ہوں۔“  
”نہیں۔ ایسا مت کرو۔ میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ۔“  
”تمہارا تو یہ بھی جانے گا۔ جاہلے جانے والے ہوئے اس کے ہاتھوں کو لپٹی تھی۔ میں نے کہہ چکے تھے کہ خیرا کر دینے مانتی نے بے ساختہ اپنے ہاتھوں کو انہوں سے دھار لیا۔ اس وقت نے اس کی آنکھوں میں آنسو بھری ہوئے تھے۔ اس نے زخمی لہو سے راجا کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ ساتھ کھینچنے لگی۔

راجا کے لئے کوئی پابندی نہیں تھی۔ وہ اس مکان کے حصہ میں بروقت جا سکتا تھا۔ اسی لئے راجا راجا میں کھڑے ہوئے سطح نما نظروں سے اس کے ساتھ کوئی تعرض نہیں کیا بلکہ وہ اسے دیکھ کر موڈ پر ہوئے تھے۔ راجا مانتی کو لئے ہوئے ان کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ اس نے مانتی کے بال چھوڑ دیئے تھے۔ اور اب مانتی ہلکے ہلکے مسکرائی ہوئی کسی پالتو کتیا کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلتی آ رہی تھی۔  
”وہ دونوں داور کی کوٹھڑی کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ داور سے اس طرح لپٹا تھا کہ اس کے دونوں ہاتھ دونوں پہلوؤں کی طرف جھول رہے تھے۔ راجا اسے دیکھنے ہی تنگ کرکھا۔ اور گیا۔ اس نے اس سے پہلے داور کو نہیں دیکھا تھا۔ صرف اس کا نام ہی سنتا رہا تھا۔ اور اب داور اس کے سامنے تھا تو اس کے ہر دل کو جیسے فرش نے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ وہ کتنے عالم میں داور کی طرف دیکھ جا رہا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے مانتی کا بازو پکڑا اور اسے ایک طرف کھینچ لیا۔  
”میں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہے مانتی۔“ اس نے سرگوشی کی۔ میں اب تمہاری مدد کروں گا۔

”کہا یہ مانتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ راجا کیا کہہ رہا ہے۔“  
”ہاں۔ میں جھوٹ نہیں بولتا ہوں۔“ راجا نے اطمینان سے بول دیا۔  
”میں بولا۔ میں نہیں اس عذاب سے باہر نکل دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے جھے ایک دو کام اور جھی کرنے ہیں۔ تم اطمینان رکھو۔ کھڑا تمہارا لیکھڑا نہیں لگاؤ۔“  
”لیکن۔ کیوں جھے پرانے ہیریاں ہو گئے؟“  
”ہیریاں تمہاری اپنی ذات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس شخص کی وجہ سے ہے جس کا نام داور ہے۔ جھے اس کا ایک قرض واپس کرنا ہے۔ اب آؤ میرے ساتھ۔“

وہ نقاب ایسی تھی کہ داور کا بازو چہرہ گردن تک اس

نقاب میں چھپ گیا تھا۔ کوہے کے نقاب اسے کھنڈی نے ہلکیا کی تھی۔ یہ نقاب تلوار بازی کے مقابلے کے دوران استعمال کی جاتی تھی۔ اس نقاب میں ناک کی جگہ دو سوراخ تھے جن سے سانس لیا جاتا تھا۔ جبکہ اس نقاب کی آنکھیں بند تھیں۔ نقاب پہننے کے بعد کچھ دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ کھنڈی نے نقاب کی کڑی لٹو لٹو تھی۔ داور نے اس نقاب کو استعمال کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اس شام اسے کئی عدد مسلح فاقوں کی بھڑائی میں اس ہال میں پہنچا دیا گیا جہاں سے مقابلہ ہونے والا تھا۔ ..... وہ ایک بڑا سا ہال تھا اور دو دروازے کے ساتھ کئی کمرے بھی لگی ہوئی تھیں۔ ان کمرےوں پر کھڑا اس کے خاص آدمی بیٹھ کر دیکھ رہے تھے۔ دیکھنے والے تھے۔ اس کی زندگی میں ایک نیا بھان بھلا ہونے والا تھا۔ اس کے تجربات میں ایک سنسنی خیز اضافہ ہونے والا تھا۔ اس نے دو جگہ دو جگہوں کو ایک دوسرے سے جھڑپنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اندر ان دونوں کے ہاتھوں میں زہر سے بھجی ہوئی تلواں دے دی گئی تھیں۔ ان تلواروں کی ذرا سی خراش ان دونوں کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہوتی۔

ہال میں لانے سے پہلے داور کو صرف پینٹ پہنانی پڑی تھی۔ جبکہ اس کا بازو جھٹکا ہوا تھا۔ اور سر پر وہ خود تھا۔ جس کے ذریعے کچھ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ ہال میں لانے سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں ایک ٹیکہ لڑی تلوار دے دی گئی تھی۔ اور اسے بتایا گیا تھا کہ اس کا دو سر اہل قوت ہے۔ ہال میں موجود ہے۔ اسے کھڑکی لگتی کا انتظار کرنا ہے۔ کھنڈی جیسے ہی تین تک گئے گا یہ مقابلہ شروع ہو جائے گا۔

فمبیزی داور کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن نئی بات یہ تھی کہ اسے بالکل اندھے ہو کر تنگ لڑنی پڑی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جہاں آنکھیں کام نہ آسکتی ہوں۔ وہاں سننے کی قوت سے کام لیا جاسکتا تھا۔ اسے قدموں کی آہٹ اور سانسوں کی آوازوں پر اپنے رجحان کا اظہار کرنا تھا۔ اس کی صلاحیتوں کا بہت عجیب امتحان تھا۔ اسے یہ یقین معلوم تھا کہ اس کا مد مقابل کون ہے اور تلوار بازی کے فن میں وہ کتنی جہارت رکھتا ہے۔ بہر حال اسے ہر قیمت پر مقابلہ جیت لینا تھا۔ کیونکہ اسی میں اس کی رہائی کا امکان تھا۔ اس نے کبھی کسی قید میں آئی ہے کسی محسوس نہیں کی تھی۔ لیکن یہاں وہ کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کھنڈی اس سے کام لینے کے غماز میں تھا۔ اور بہت سے خطرناک لوگ اس کی قوت بے ہوش تھے اور جہاں سے دونوں چہرے کی ہوں وہاں کسی اور کے لئے فتح





”تمہیں کیسے معلوم ہو میرا نام راجا ہے؟“

”کھڑے راہی، اب کہہ کر مجھے پکارا تھا نا؟“

”اور یہ تو میں بھولی ہی گیا تھا، برا جا سکا دیا، میرے تو بہت سے نام بدل چکے ہیں جیسا۔ یہ نام تو اس وقت کا نام ہے جب ماں زندہ تھی، تم میرے ساتھ تھے، خیر۔ یہ باتیں تو جد میں ہوں گی، پہلے ذرا کھڑے کو دیکھ لیں۔ ویسے وہاں مکان سے باہر نہیں نکل سکتا، تمام کھڑے ہوں گے اس کے خلاف لغات کر دی ہے۔ اسے کوئی بھی جانے نہیں دے گا۔“

راجا نے اپنی بات ختم کی تھی کہ باہر سے کسی کی چھٹی سنائی دی۔  
”یہ آواز کھڑے ہی کی معلوم ہوتی ہے، راہ جانے کہا، لگتا ہے بے چارے کو زباں دہ دو نہیں جانے دیا گیا۔ اب آؤ میرا کچھ وہ دونوں ہاں سے باہر آگئے۔ جہاں بہت سے لوگ جمع تھے، لیکن راجا کی تحریک نے ان کے اندر جھپکے ہوئے انسان کو بے درگزر دیا تھا۔ وہ سب کے سب کھڑے کی دولت کی چیزیں توڑ چکے تھے۔ اوردھڑان لوگوں کے درمیان فرش پڑ پڑا ہوا گہری گہری سانس لے رہا تھا۔ وہ دونوں بھی اس مجمع میں جا کر شامل ہو گئے۔ داور بڑے غور سے کھڑے کو دیکھ رہا تھا، اس کی پٹھانی بڑی ٹھنڈی ہے، بتا رہی تھیں کہ وہ انسان کو سبک وقت طاقت ور اور کڑھ کر سخت میں پڑ گیا ہے، کھڑے کھڑے طاقت ور تھا لیکن اس وقت اپنے ہی زرخیز دلوں کے دیوان کسی بے بس جوہر کی طرح بڑا ہوا تھا۔ اس کی اذیت پھرتی کا سارا جوش کھڑے ہو گیا تھا۔

”اسے اٹھا کر تہہ خانے میں لے چلو، راجا نے وہاں کھڑے ہوئے لوگوں کو حکم دیا۔“  
”اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے، ایک آدمی جمع سے لکل کر سامنے آگیا، آسے تہہ خانے میں لے جاؤں گا۔ اور اسی جگہ باندھوں گا جہاں اس نے مجھے باندھ رکھا تھا۔“

داور نے اس آدمی کو چھان لیا تھا، اس کوئی سے کرم چند کے مکان میں اس کی مدد نہ ہو سکتی تھی، لیکن یہاں حیرت کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، اس جگہ ایسے بہت سے چہرے تھے جو اس کے لئے اجنبی نہیں تھے، یہ جہاز کی دنیا کے لوگ تھے انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اودھم مچا رکھا تھا لیکن کھڑے نے اپنی دولت سے ان بھول کر نہ کر لیا تھا، اس کا یہ تجربہ بڑی حد تک کامیاب ہو گیا تھا کہ دولت سے دنیا کے ہر انسان کو خیر پہنچا سکتا ہے، لیکن راجا کے معاملے میں اس کا تجربہ بڑی طرح ناکام تھا، اسے شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ قوت دولت سے زیادہ طاقت کفنی ہے۔ اور خون کا رشتہ سونے کی زنجیر

بھی توڑ دیتا ہے۔

سینڈھنے آگے بڑھ کر کھڑے کو اپنے بازوؤں میں اٹھا لیا، اس نے بھی داور کو دیکھ لیا تھا، لیکن اس وقت اس کا سارا دھیان کھڑے کی طرف تھا۔ اس نے اپنی توانائی اسی ہر طرف کر دی تھی، ان لوگوں کے لئے گویا ایک جتن کا سامنا تھا وہ سب ہی شور مچاتے، اچھے لگاتے، ہونے تہہ خانے میں مل رہے۔ سینڈھنے کھڑے کو بازوؤں میں اٹھائے سب سے آگے چل رہا تھا جبکہ داور اور راجا سب سے پیچھے تھے۔

”میرا ایک ساتھی بھی یہاں تھا، اسیم؟“ وہ اپنے چلتے کہا، ”عبدل نام ہے اس کا۔“  
”میں اس سے مل چکا ہوں،“ اسیم مسکرا دیا، ”وہ تو بہت ہی مزے کا انسان ہے۔ اس وقت وہ ایک ایسے کمرے میں ہے جہاں ہر طرف شراب کی بوتلیں رنگی ہوئی ہیں، میں نے اسے وہاں پہنچایا تھا۔ شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کھڑے کا منہ بڑا ہے کھانے کو دو توں کو اندھا قاپ پینا کر ایک دوسرے سے بھڑا دیا جائے۔ اور دونوں کے ہاتھوں میں زہریلی تلواریں تھ دی جائیں، تاکہ تم دونوں ہی ایک دوسرے سے مقابلہ کر کے ہلاک ہو جاؤ۔“

”یہ تو بہت کینگی، ولی حرکت تھی اس کی،“ داور نے ہنسنے کو چھینچتے ہوئے لولا۔

”اس نے اور بھی بہت کچھ کہا جیسا،“ اسیم نے کہا، ”اور مجھے افسوس ہے کہ میں اس کا ساتھ دیتا رہا۔ میں تو ابھی تک اس کے ساتھ ہی رہتا، لیکن اتفاقاً تم ہر نظر پڑی، اور یہ سارا کھیل ختم ہو گیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ کھڑے تمہیں تمہارے ساتھی سے ملوانے کا ارادہ کر رہا ہے تو میں نے تمہارے ساتھی سے ملاقات کی اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس کے بعد میں خود تمہارے ساتھی کی جگہ تمہارے مقابلے کے لئے آگیا، خیر یہ مقابلہ تو پس بوی ہی تھا، ذرا کھڑے کا دل خوش کرنا تھا۔ ورنہ تم نے تو پہلے ہی سارا انتقام کر رکھا تھا، مجھے تو اس بات پر حیرت تھی کہ میں جس سے بھی بات کرتا وہ فوراً ہی میرا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتا، بے چارے کھڑے کے برعکس دن آگئے تھے، اسی لئے اس کے وفادار تک اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔“

”آخر یہ کھڑے جاہتا کیا تھا؟“ داور نے پوچھا، ”یہ ایسا ورنہ کیوں نہ گیا تھا؟“  
”اس کی کہانی بھی بہت عجیب ہے، بھائی،“ اسیم نے کہا، ”میں کسی دن آرام سے جتانوں لگا، اچانک اس کا کھانا آنا دیکھتے ہیں، ہم انہیں روک نہیں سکتے، ان لوگوں نے اس کے ہاتھوں بہت تکلیف برداشت کی ہے۔ اگر تم مائی کی کہانی ان

تو تم کھڑے کو اسی وقت کھڑے کر دو۔“

اسیم بہت کچھ لولتا رہا۔ داور اس دوران صرف یہاں باں کرتا رہا تھا، اس کے لئے آج کا دن بہت مبارک ثابت ہوا تھا، اسے اپنا کھوپڑا باندھنا پڑا، وہ تو انسان کا چہرہ بڑھاتا ہے، اسیم نے بہت اچھی جان لگائی تھی۔ وہ بھی داور ہی کی طرح لاپرواہ ہو گیا تھا، اور اس کے تصور یہ بناتے تھے کہ لڑائی بھڑائی میں وہ بھی کسی سے کم نہیں ہو گا، کئی دنوں کے بعد داور کو عبدل کی خیریت بھی مل گئی تھی، وہ بھی جھپک رہا تھا، گویا اب ان کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی، البتہ اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ تقدیر بعض اوقات کسی سے ملوانے کے لئے ایسے حال بچھا دیتی ہے کہ اس میں چھپس کر دی پہلے تقدیر کو گالیاں دینے لگتے ہیں، پھر جب اسے اس کے بچہ دے ہوئے لوگ مل جاتے ہیں تو وہ تقدیر کی گہری باتوں کا قائل ہو جاتا ہے۔ داور کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، وہ عبدل کے ساتھ اچھا خاصا بھائی کی طرف جا رہا تھا، کھڑے میں یہ کھڑے حائل ہو گیا، جس نے اسے قیدی مانا یا اس وقت اسے نہیں معلوم تھا کہ تقدیر نے یہ اہتمام اس کے بھائی کو ملوانے کے لئے کیا ہے۔

اس دوران وہ سب تہہ خانے کے بال میں داخل ہو چکے تھے، یہودی جگہ جہاں سینڈھنے کو باندھ رکھا گیا تھا، اوپر اسی جگہ سینڈھنے نے کھڑے کو باندھ دیا تھا، کھڑے اس وقت ہری طرح روٹا تھا، شراب سا تھا، اچانک اس کی گردن پر ہاتھ لگا کر اس کی طرف دھکیلا دینے کے لئے تیار نہیں تھا، وہ سب اس کی حالت کو دیکھ کر مرس رہے تھے، اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔  
”تم مجھے خود کشی کرنا دے رہے تھے، اب تم خود کشی کرو گے؟“ سینڈھنے کھڑے سے کہہ رہا تھا۔

”نہیں، نہیں میں ایسا نہیں کروں گا،“ کھڑے جھلپٹے لگتا، ”مجھ پر کرم، چھوڑ دو مجھ کو۔“  
ان لوگوں نے آگے بڑھ کر کھڑے کو مارنا شروع کر دیا۔ محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ لوگ کچھ دیر پہلے تک اس کے وفادار تھے، اس کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے، اس کے ہر حکم کی تعمیل کیا کرتے، وہ لوگ دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح بدے تھے کہ اس کی جان کے دیپے ہو رہے تھے، داور نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ لوگ اس طرح اسے جان سے مارنا نہیں گے، اس کے لئے یہاں اب کوئی چیز دیکھنے کو نہیں رہی تھی، وہ عبدل اور اسیم کو اسے یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا، اس کی منزل کوئی، جوئی تھی، اور مزید یہ نہیں لگائی تھی، اس نے ایک ہم تو سر کر لی تھی، اب اسے بھی جا کر مینا اور سینڈھنے رستم کا مسئلہ بھی حل کرنا تھا، وہ معاملہ بھی درمیان میں رہ گیا تھا۔

اس نے جب اسیم سے بات کی تو وہ فوراً ہار گیا، اس کے لئے بھی اب یہاں کچھ نہیں رہا تھا، وہ دونوں چہرے ہوئے لوگوں کو کھڑے کی باتیں کرتا ہوا چھوڑ کر تہہ خانے سے باہر آگئے، اسیم نے اسے اس کمرے میں پہنچا دیا جہاں عبدل بیٹھا تھا، اس کے سامنے شراب کی بوتلیں تھیں، وہ بھی بیٹھا تھا، اور وہ اس وقت کسی خبیلتی دھوکے کے سامنے نظر نہ کر رہا تھا۔

”ابن کو کھلاں کر دو،“ وہاں کوئی معلوم کہ ابھر سالا یہ لفظ غلے بڑ جائے گا۔ ابن تو سالا استاد کا کھانا بھی بھولی رہا ہے۔ تم سالا اس کو نہیں چھوڑ کر کھلا دے۔ اسے اس کو جا کر لو کہ عبدل سالا داور کی ہاں لے لے، اس کی راہ دیکھ کر سالا بے تو سالا خود ہی دوڑا دوڑا آئے گا، لیکن تم سالا بھی نہیں جانے گا، ابن کو معلوم ہے۔ تم چھوٹے میں باہر کو بلکان کر رکھا ہے۔ ہم اس دن بھی تم کو لولا کھانے سالا ابن کا استاد اس ہمہت سے خود دھڑا چہرے۔ ابن سالا اس کو جھلا نہیں سکتا۔“

اسیم داور ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیے، داور نے آگے بڑھ کر عبدل کو چھوڑ دیا، ”اے عبدل، توں میں آؤ میں لگتا ہوں،“ چلا کھٹو۔

”کون سالا آؤ،“ ابن سالا نے کہا، ”ابن کو عبدل نے اپنی پلکیں چھپا کر لیں،“ سالا آؤ، اب تو بالکل استاد جیسا ہے، لیکن استاد تو کبھی دھڑا چھینچا ہے۔“  
داور نے ایک زبردست چھڑا اس کے چہرے پر ہیرا مہر کر دیا۔ کھڑے کھڑے ہی عبدل صوفے سے پیٹے اڑھک گیا، اسے چوٹ لونی تھی لیکن داور کا یہ چھڑا اسے ہوش میں بھی لے آیا تھا، وہ اپنے کال کو ہملا تا ہوا جلدی سے کھڑا ہو گیا اور حیرت سے داور کی طرف دیکھنے لگا۔

”ماسم استاد۔“ ابن اچھی ڈریم میں نہ کو دیکھ کر رکھا تھا، تم اودھ کر کھڑے آگیا، ابن نے تو یہ سمجھا تھا کہ تم سالا کھلاں ہی ہو گئے۔“

”نہو اس ہند کر،“ چلنے کی تیاری کرو۔“  
”تیار کیا کرتی ہے استاد۔“ ابن کے پاس کون سا سامان دھریل ہے۔ بڑو، یہ تمہارے ساتھ کون ہے۔ ابن کو تو تمہارا بھائی دکھتا ہے۔“

”میرا بھوٹا بھائی ہے،“ داور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، ”میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میرا ایک بھوٹا بھائی ہے، اسیم۔ جو کہ ناراض ہو کر کہیں چلا گیا تھا، یہودی ہے۔“  
”بابا،“ یہ عبدل نے اپنی آنکھیں پٹی میں نہ کر کے کہا، ”بھائی بھی سالا تمہاری طرح خطرناک ہے۔“

وہ تینوں رات گزارنے کے لئے ایک دہران مکان میں کھائے گئے تھے۔ یہ مکان بولان سے بھی جانتے ہوئے اسے میں دکھائی دیا تھا۔ یہ لوگ کھڑے مکان سے اسی وقت نکل آئے تھے لیکن اس سے پہلے دواور نے جب تیار کیا کھڑے اس کے در عبدل کے ایک ایک لاکھ روپے لے لئے ہیں تو سبھ نے کھڑے کے کمرے سے ان دونوں کی رقم تلاش کر کے لادی تھی۔ یہ رقم دواور عبدل کے نام لکھ کر ایک الماری کے ایک خانے میں رکھ دی تھی سلیم کے کھنے کے مطابق یہ بھی کھڑی عادت تھی۔ وہ اپنے قبیلوں کے پاس سے دست یاب ہونے والی چیزیں بڑی حفاظت سے رکھا کرتا تھا کھڑی ایسی بے شمار عادتیں تھیں جو خود سلیم کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں کھڑی نے ایک دن سلیم کو وہ الماری دکھائی تھی جس کے اندر قبیلوں کی امائیں بھی آتی تھیں۔ اسی لئے جب دواور نے رقم تیار کر کے لیا تو سلیم کو بھی اس الماری سے رقم سمیٹ کر لیا تھا۔ وہ رقم کے علاوہ بھی سمیٹ کر کچھ لیتا آیا تھا کھڑی قید سے آزاد ہونے والے اور اس کے ساتھ کمرے والے سب اس وقت بھی تہ خانے میں موجود تھے جہاں کھڑے کو مراد کی جاتی تھی ان کے شوکر کے کی آواز اس تہ خانے سے باہر آتی تھیں۔ اور ان لوگوں کو اس مکان سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ سلیم نے کھڑے کے گھر سے ایک گاڑی لکائی تھی اور تینوں اس میں بٹھ کر کوئی کی طرف چل دیئے تھے۔ گاڑی کو سلیم ہی چلا رہا تھا جب عبدل بھی شست بردار ہو گیا تھا دواور کے چھوڑنے اس کے لئے صرف وقتی طور پر رہا تھا۔ گاڑی میں بیٹھے ہی جب مختصری کھڑی ہوئی کہ وہ مرد خوش ہو کر کھجلی نشست پر لڑھک گیا۔ داور سلیم کے ساتھ ہی اگلی نشست پر بیٹھا تھا۔

”یہ تو ناک تو لے دوں تک کہاں رہا تھا؟ داور نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔“

”ایسا مت کہو کھجیا۔ سلیم نے جواب دیا۔“ میرے لئے اس دنیا میں تمہارے وعدہ نہ کون ہے۔ جس میرے بد میں ایسی زنجیروں بڑھتی تھیں کہ میں خواہش کے باوجود تمہارے پاس نہیں آ سکا۔ دوسری طرف مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا میں نہیں جانتا تھا کہ کہاں ہو۔ کہہ رہے ہو۔ دو تین بار میں اس بات کی کھڑی کی طرف بھی گیا لیکن ان لوگوں نے مجھے تمہارا پتہ نہیں بتایا۔ بلکہ اگلے عرصے کے مجھے بھگا دیا۔ میں بھی نہ کر رہے۔ تو معلوم ہوتا رہتا تھا کہ میں داور نام کا ایک خطرناک آدمی رہتا ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں معلوم

تھا کہ وہ داور میرا بھائی ہے۔“

دواور سلیم دونوں ایک ساتھ مسکرا دیئے۔ سلیم کے لیے میں داور کے لئے خواہش دوسرے جذبات تھے۔ داور نے اس کے احساسات سمجھے تھے۔ وہ سلیم سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ اپنے باپ سے ملنا جانا چاہتا تھا لیکن اس وقت اس پر ٹھکن سوار تھی کئی دنوں سے اس نے آرام نہیں کیا تھا تادی چاہے فلاوری کی طرح کیوں نہ ہو۔ لیکن فطری خواہش اور ضرورتیں اسے موم کر دیا کرتی ہیں اس وقت اس کی پلکیں بند سے بوجھل ہوئی جاری تھیں۔ سلیم نے بھی اس کی کیفیت محسوس کر لی تھی۔

مگر اور مت بھائی! وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بولا۔ ابھی کچھ فاصلے پر ایک دھلا مکان ملے گا۔ ہم اسی مکان میں رات گزاریں گے۔ جھٹک ہے۔“

داور نے انہیں اس بات پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ اسے سلیم کو دیکھ کر جہت بھی ہوتی تھی اور خوش بھی تھی۔ وہ اپنی ماٹروا کو کھانا دے دارن کر اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ سلیم کی طرف سے پاؤں پر کیا تھا۔ اس کی ماس کی نشانی اس سے پچھنی تھی۔ اس کا ہاں اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے ہار یا ہو گیا تھا۔ ایک بھائی تھا تو وہ ایک عرصے سے غائب تھا۔ اور ملا بھی تو کس نادر سے ملا تھا۔ وہ بھی اسی کی طرح دلیرا ہوئے ہاں لکھا تھا۔ داور کو اس پر بے تحاشہ پیارا آئے لگا تھا۔ وہ وہ تو لہا آتی تھا کہ اس نے اپنے دل کے دوائے بند کر دیئے تھے۔ اس کے لئے سب سے بڑا رشتہ دولت کا تھا۔ دولت ہی کے واقعات میں اس نے اپنی زندگی گزار لی تھی۔ نرم اور لطیف جذبات کو اس نے کچل کر رکھ دیا تھا۔ لیکن آج اتنے عرصے کے بعد سلیم سے مل کر اس کی دھڑکنیں بے دریا ہوئی تھیں۔ اس کی گول میں دوڑنا ہوا ہو سلیم کو دیکھ کر بے قرار ہونے کی طرح اچھلے لگا تھا اسے اپنے ماضی کی تلخ و غریب باتیں یاد آئے تھی تھیں مائل یاد آئے تھی جیسے ان دونوں میں انہوں نے مردہ جانور کی طرح کھینچتے ہوئے کچرا گھر سے جا کر ڈال دیا تھا۔ پھر باپ باڈو لے لگا تھا جس نے۔ باپ کی یاد آتی ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی پٹیاں پھینک دیں۔ اس نے اپنی زندگی میں بے شمار دشمن بنائے تھے۔ لیکن یہ دشمن اتفاقاً ہی اس کی مدد میں آچکے تھے۔ اس نے کسی کو دشمن بنانے کا منصوبہ نہ کیا تھا۔ اس نے کسی کے خلاف اپنے دل میں نفرتوں کی برودش نہیں کی تھی۔ اور مضمحل ہی تھی کہ خود اس کا باپ اس کا دشمن بن گیا کی نفرت کی آگ داور کے دل میں ایک عرصے تک رہی تھی سلیم سے ملنے کے بعد اس آگ کی تباہ کاریاں اور شدید ہوتی

تھیں۔ اس آگ نے اندر سے اس کے دل و دماغ کو بھسم کرنا شروع کر دیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر سلیم کا تھا۔ ایک عرصے کے بعد اس کی پاؤں کے دیپے کھلے تھے اور گرم پھٹکتی ہوئی ہوا نکلنے لگی تھی۔

”یہ بھائی! سلیم نے ایک دھلا مکان کے باہر کھڑی رکھتے ہوئے کہا۔ قریب تک چاہو یہاں آرام کر سکتے ہو اس طرف کوئی نہیں آتا۔“

داور نے عبدل کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک مردہ خوش بڑا ہوا تھا۔ داور نے سلیم کی مدد سے عبدل کو اس مکان کے اندر پہنچا یا یہاں ایک کمرے میں دو مہریاں بھی کچی ہوئی تھیں اور ضروریات کی دوسری چیزیں بھی موجود تھیں۔ داور کو اس دھلا مکان میں فرخندہ و خیرہ دیکھ کر جہت ہوئی تھی۔ عبدل کو ایک مہریاں پر ڈال دینے کے بعد وہ دونوں باہر گرہ کرے میں آکر بیٹھ گئے۔ اس ڈولے پھولے اور دھلا مکان کی یہ رات بہت عجیب محسوس ہو رہی تھی۔ یہاں آکر داور کی غموں کی دور ہو چکی تھی۔ اس نے سامانوں کی ایک خاص مشق کے دیئے اپنے ذہن پر چھائی ہوئی دھند دور کر لی تھی۔ اور اب وہ پوری طرح جان و جہت تھا۔

”بھائی! میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتا ہوں۔“ سلیم نے کہا۔ اس مکان میں تمہیں ہر چیز مل جائے گی۔“

”یہ قطعہ کہا ہے۔ یہ کس کا مکان ہے۔ ہاتھیں کیسے معلوم کر یہاں ہر چیز مل سکتی ہے۔“

”بات یہ ہے بھائی کہ اس مکان کو میں استعمال کرتا ہوں۔ سلیم مرنے کا ہوا ہوا۔ بہت دنوں پہلے کا چچہ بھائی میں نہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

”اچھا چاچا نے بنا کر لے آؤ۔ داور مسکرا دیا۔“

سلیم کے جانے کے بعد اس نے سنگت سلگائی اور ہولے ہولے کش لینے لگا۔ اس نے بونا کے جھوٹ سے نجات حاصل کر لی تھی۔ اور اب اس کے سامنے میدان ہوا۔ اس نے باپ کی منزل دیکھی تھی۔ ان لوگوں سے غصے کے بعد اس کے زہرہ رہنے کا عقیدہ مل ہوا جاتا۔ وہ اب تک زندگی گھائے ہی میں جا رہی تھی۔

سلیم تھوڑی دیر بعد جانے بنا کر لے آیا۔ چائے پینے کے دوران سلیم نے دھیرے دھیرے بولنا شروع کیا۔ ”میں تو فرخندہ سے آکر رہتا تھا۔ میں نے کبھی تمہاری بات نہیں مانی تھی۔ چائے پانے کے تم کس طرح اماں اور میرے لئے نفرت پکارتے تھے اور میں تم کو کون کون کا کام کہتے دیکھتا رہتا تھا۔ مجھے سب کچھ یاد ہے بھائی۔ جیسے کوئی تصویر بن جائے جیسے

تھوڑے کچھ دیکھنے دی جائے۔ میں نے کبھی نہیں جھٹکا ہے۔ میں ابھی تک اسی فٹ ہاتھ کے خواب دیکھتا ہوں جہاں ہم رہا کرتے تھے۔ جہاں زندگی بہت تاریک لیکن امیدیں بہت روشن تھیں۔ مجھے ذرا فاسی باتیں یاد ہیں بھائی۔ مجھے بھی یاد ہے کہ تم بڑھائی نکھائی میں کتنی دلچسپی لیتے تھے۔ اس پاری نے ہم لوگوں کو کتنی سہارا دیا تھا۔ میں اگر چاہتا تو تمہاری طرح بڑھ چکا جاتا لیکن میرا تو مزاج بڑی بڑی کھٹکا مہریاں ملا تیں بدل ہی تھیں۔ مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا تھا۔ آزادی کی زندگی چاہتا تھا میں۔ اسی لئے میں نے تم کو چھوڑ دیا۔ نہیں چھوڑ کر کھٹک لیا۔ میں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ میرے بعد تم پر کب کا کس سے۔ میں تو بہت خود غرض ہو گیا تھا۔ تم مجھے معاف کرنا بھائی۔ معاف کر دینا۔ اس نے آئے بڑھ کر داور کے کھٹوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے وہ دیرا تھا۔“

”اسے پاگل۔“ داور نے اس کے ہاتھوں کو اپنے کھٹوں سے اٹھا کر جھٹکا۔ ”کوئی باپ اپنے بیٹے سے نادم نہیں رہ سکتا۔ تم تو میرے بیٹے کی طرح تھے اور ہو میرے سینے میں دی جنت تھی جو اب باپ کے سینے میں ہو سکتی ہے۔ اور مجھے اسی بات کا تو ٹکڑ ہے کہ ابک بینا اس طرح اپنے باپ کو بھول گیا۔“

”میں بھولا نہیں تھا بھائی! میں نہیں یاد کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں خود تھا میری آنکھیں ہنسی کا اندھہ دی گئی تھیں۔“

”کیسی عجیبی تھی تمہیں۔“

”میں بابا کے پاس چلا گیا تھا۔“ سلیم نے بتایا۔

”کہا۔“ داور اب جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ ”تم کہا کے پاس چلے گئے تھے۔ کیوں؟“ مجھے معلوم ہے بھائی کہ تمہیں یہ سن کر کتنی غصہ آ رہا ہوگا۔ سلیم نے کہا۔ بابا نے ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کیا تھا۔ وہ باپ ہوتے ہوئے ہمارے دشمن رہے۔ انہوں نے پیہر آتے ہی اپنی لگاؤ میں پھیر لیں۔ ہم لوگوں کو کچھ کی طرح اپنی زندگی سے نکال پھینکا۔ اور میں بھی اسی لئے ان کے پاس گیا تھا کہ میں اپنی اور تمہاری قوموں کا احباب لوں۔ آگ تو میرے سینے میں بھی دھک رہی تھی بھائی۔ ان کا برا سلوک صرف تمہارے لئے نہیں تھا۔ میں بھی اس سلوک کی بھیڑ چڑھا تھا۔ یہ درست ہے کہ وہ ہمارے بابا ہیں۔ ہمیں ان کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن رشتے تو ذمہ داریاں تھا کے ہوتے ہیں۔ یہ تو اس لئے ہوئے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنی پناہ میں لے کر زندگی گزار دی جائے اور جب کوئی گرفت پناہ دینے سے انکار کر دے۔ خود غرض بن جائے آنکھیں

بھرنے کے۔ اس وقت وہ رشتہ تو نہیں ہونا بھائی خود عرض ہوتا ہے مجھے کاڈھیر ہوتا ہے۔ تو میں ان سے اپنا ڈیڑھلا حساب کرنے کے لئے ان کے پاس چلا گیا تھا۔ اور وہ بھی خود سے نہیں گیا بلکہ لے جایا گیا۔ ہمیں شاید یہ نہیں معلوم کہ ہالا اپنی نئی بیوی کے کہنے پر ہم دونوں کو اپنے یہاں رکھنا چاہتے تھے۔

”وہ کیوں؟“ دوسرے چمک کر پوچھا۔ سلیم اس کے لئے انگشتاں گنے جا رہا تھا۔ آج ایک مدت کے بعد اس کا لباس اس کے سامنے آ رہا تھا۔

”یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا“ سلیم نے جواب دیا۔ پہلے یہ سن لو کہ بابا نے ہم دونوں کے پیچھے اپنے آدمی مقرر کیے ہیں۔ ہمیں نقصان پہنچنے کے لئے نہیں بلکہ ہماری نگرانی کرنے کے لئے۔ وہ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں کہاں رہتے ہیں، ہماری زندگی کس طرح گزر رہی ہے۔ وہ آدمی بابا کو ہالے ہالے میں رپورٹ دیتے رہتے تھے۔ ان ہی لوگوں نے بابا کو بتایا تھا کہ میں تم سے الگ ہو گیا ہوں اور کسی اور کے ساتھ رہنے لگا ہوں، بس وہیں بابا مجھے لینے کے لئے پہنچ گیا۔

دوسرے ذہن میں آندھیاں ہی چلنے لگیں۔ رشتوں کا بہ تذکرہ اسے کچھ عجیب سا محسوس ہونے لگا۔ وہ ان جذبوں کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اس کے لئے بابا کی لامیت صرف اتنی تھی کہ کسی وقت اپنے ناکرہ گناہوں کا حساب لینا تھا اس نے سوچ رکھا تھا کہ وہ بمبئی پہنچ کر اپنے باپ کی تعظیم سے نگرانے کی کوشش کرے گا۔ بابا کو اس انداز سے تباہ کرے گا

کہ وہ مجبور ہو کر فٹ پاتھ پر آجائے۔ تاکہ اسے بھی یہ احساس ہو کہ فٹ پاتھ کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ یہاں راتیں کتنی بے رحم اور دن کتنے الماناک ہوتے ہیں۔ یہاں آدمی کو ڈرے کاڈھیر سمجھا جاتا ہے اور رشتے یہاں دو وقت کی روٹی کے عوض فروخت کر دیئے جاتے ہیں۔ اور اب سلیم اسے بلبا کی کہانی سن رہا تھا۔ اس کے باپ کی یہ داستان اس کے سر پہ بھونے منصوبے سے بہت پہلے اس کی زندگی میں داخل ہو چکی تھی اس ذکر نے اسے بے چین کر دیا تھا۔

”میرا خیال ہے بھائی کہ تم جا کر رام کرو“ سلیم اس کی طرف غور سے دیکھنے ہوئے بولا۔ ”میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہاری آنکھیں چلنے لگی ہیں۔ تم بہت تھکے ہوئے بھی ہو۔ اب ہم دونوں کا ساتھ تو ہو ہی گیا ہے۔ باقی باتیں بھی تمہیں معلوم ہو جائیں گی۔ پھر ہم دونوں مل کر سوچیں گے کہ ہمیں آگے چل کر کیا کرنا ہے۔ ٹھیک ہے نا؟“

دوسرے انکار کرنا چاہا لیکن سلیم کے لہجے میں بہت پیار تھا۔ ایک چھوٹا بھائی اپنے بڑے بھائی کی طرف سے پریشان تھا۔ بڑے بھائی کو اس کی بات مان لینا چاہئے تھی۔ کہانی تو بعد میں بھی سنی جا سکتی تھی۔

”ٹھیک ہے“ وہ کھڑا ہو گیا۔ اور تم اٹم کیا کر دو گے؟“ ”میں بھی سو رہا ہوں گا“ سلیم نے کہا۔ یہاں دوکرے ہیں ایک کرے میں تمہارا سختی سو رہا ہے۔ وہاں ایک مہری خلی ہوئی ہے۔ تم ہی ہر جا کر سو رہا ہو۔ میں۔ دوسرے کرے میں چلا جاتا ہوں۔“

باقی دوسرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیے



عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

# کوہِ کرا

دوسرا حصہ





اسی لئے اس بات کا امکان نہیں پیدا ہوتا تھا کہ اگر ٹرک والے اس مکان میں رات بسر کرنے کے لئے رک بھی گئے تو ان میں سے کوئی داور کو دیکھ سکے گا۔

داور کھڑکی کی آؤ میں اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ وہ باہر کی طرف نہ دیکھ رہا تھا۔ اس کھڑکی سے اس مکان کا دروازہ بھی دکھائی دیتا تھا۔ سلیم کے کمرے میں بھی خاموشی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سو رہا ہو گا ورنہ اس ٹرک کی آواز سن کر وہ بھی اس کے پاس آجاتا۔ داور نے محسوس کر لیا تھا کہ سلیم نے بھی بہت سی عادتیں اسی جیسی پائی ہیں۔ قدم قدم پر عطا دار بننے کی عادت سلیم میں بھی پائی جاتی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد داور کے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ سامنے والی سڑک سے ایک ٹرک کی بتیاں دکھائی دےں جو ٹرک کو آگے بڑھنے کا راستہ دکھائی دےں۔ مکان کے قریب آکر وہ بتیاں بھادی غنیں۔ اب اندھیرے میں ٹرک کا پہلا روہ گیا تھا جو کسی پستی کی طرح اپنی رفتار کم کر کے آہستہ آہستہ اس مکان کی طرف چلا آ رہا تھا۔ پھر وہ ٹرک دروازے کے سامنے آکر رک گیا۔

داور نے پستول کی نال کھڑکی کے کنارے رکھ دی۔ وہ آنے والے ہماروں کا استہفال کرنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ ٹرک سے تین آدمی، ہر اکدموٹے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے ان تینوں کے صرف ہانکے ہی دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک یقینی طور پر ڈرائیور تھا۔ دوسرا اس کیساتھ بیٹھا ہوا تھا جبکہ تیسرا شخص ٹرک کے پچھلے حصے سے کود کر باہر آیا تھا۔ ان میں سے دو بہت شہ زور اور لاٹھے چوڑے دکھائی دے رہے تھے جبکہ تیسرا شخص جسمانی طور پر ان دونوں سے کم تر دکھائی دیتا تھا۔ داور اسے دیکھ کر ہلکا سا گہما گہما۔ اس تیسرے کا پہلا یہ پکار پکار کر اعلان کر رہا تھا کہ وہ کوئی عورت تھی۔ نازک اندام عورت۔ عورتیں اپنا آپ اندھیرے میں بھی نہیں چھپا سکتیں۔ ان کے ٹھنڈے و فرار پکار پکار کر اپنی آمد کا اعلان کرتے ہیں۔

وہ تینوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے گیٹ سے ہو کر اس کھڑکی کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے جس کے عقب میں داور نے اٹھ لے رکھی تھی۔

”مادام بیہاں اتنی خاموشی کیوں ہے؟“ ان دونوں میں سے ایک شہ زور نے اس عورت سے سوال کیا۔ ”خاموشی نہیں۔ کوئی اور بات ہے۔“ اس عورت نے کہا۔ اس کے سر پر اس کی طرح اس کی آواز بھی دل کش تھی۔ جھ

دستور پر لینے کے بعد بھی داور کو یقین نہیں آ رہی تھی۔ وہ خود کو پہلا سمجھتا تھا۔ ایسا پہلا جس کے سپنے میں دل نہیں ہوتا۔ جذبے جس کے جسم سے عکاس کر لہی شناخت کھودینے میں۔ اپنا چہرہ ہونہار کر لیتے ہیں۔ لیکن آج یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے چہرے میں ایک دراڑ پڑ چکی ہو۔ اور جذبوں نے اس دراز سے بٹی راہ پائی ہوا دراب وہ جذبے اس کے دل کے ارد گرد قفس کر رہے تھے۔ اسے پریشان کر رہے تھے۔ یادوں کا ایک ہجوم تھا جو سلیم کی آمد کے ساتھ ساتھ اس کے چاروں طرف جمع ہو گیا تھا۔ محبت کے مٹنے سے اگر دل کو سکون ملتا ہے تو دوسری طرف بے قدری میں بھی اھلا ہو جاتا ہے۔ سلیم نے اگر اس کے دل کے زخموں پر ہر دم رکھا تھا لیکن دوسری طرف اس نے داور کے ذہن کی پتیلی بھی کھرج کر رکھ دی تھیں اور اب ان سے ماضی باہر لانے لگا تھا۔ اس نے کڑوٹ بدل کر عہد کی طرف دیکھا وہ اپنے بستر پر مدہوش بڑا تھا اور اندینے کے عالم میں کبھی بڑبڑاتی دیتا تھا عہد بھی ایک ایسا آدمی تھا جس نے داور کے سامنے اپنے دل اور ماضی کے دروازے بند کر رکھے تھے۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور ان دروازوں سے اس کے اندر جھانک لے۔ داور اسے ایک خوش باش اور ساتھ دینے والا انسان سمجھتا تھا۔ وہ ایک دلیر اور بے ہاک انسان تھا۔ جس کی دوستی بڑی قابل قدر تھی۔ بس اس سے زیادہ وہ عہد کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے زخم داور کے زخموں سے زیادہ گہرے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا دکھ کہیں زیادہ وسیع ہو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بھی رشتوں نے اس کے ساتھ بہتری نہ کی ہو۔ بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ سب کچھ ممکن تھا۔

پھر داور کے حساس کانوں نے ایک آواز سنی۔ بہت خفیف سی آواز۔ یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔ وہ گاڑی بہت دور تھی لیکن اس نے بہت پہلے ہی آمد کا اعلان کر دیا تھا۔ اس کے حساس کانوں نے ٹرک کی وہ آواز بہت پہلے سے سن لی تھی۔ وہ مکان اس سڑک کے کنارے واقع تھا۔ اسی لئے کسی ٹرک کی آواز سنائی دینا کوئی خطرے کی علامت نہیں تھی۔ لیکن داور کچھ چینی سی محسوس کرنے لگا۔ وہ آواز قریب آتی جاتی تھی۔ جیسے اس کا رخ اسی مکان کی طرف ہو۔ اس نے ایک نظر عہد کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک بے خبر رہا تھا۔ اس نے ٹپکے کے نیچے سے پستول نکال کر اپنی جیب میں لکھا اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کا مہر و تار یک تھا۔

مخسوس ہو رہا ہے کہ یہاں اس وقت کوئی نہ کوئی موجود ہے۔  
 "ابن ہانی آدی ہوگا، دوسرے نے لاہروانی سے کہا۔  
 اس کے علاوہ اس مکان میں اور کون آسکتا ہے؟  
 داور کا ماتھا تھنک گیا، ان لوگوں کا اشارہ سلیم کی  
 طرف ہو سکتا تھا۔ وہی ان لوگوں کا آدی ہو سکتا تھا۔ اور  
 یہ لوگ اس سے ملنے کے لئے آئے تھے لیکن کیوں۔ اور  
 ان کی باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ لوگ باقاعدہ مکر  
 کے تحت یہاں آئے تھے سلیم کو معلوم تھا کہ اس کے ساتھی  
 یہاں آنے والے ہیں، اس کی کھن بڑھتی جلدی تھی۔ وہ  
 تینوں ابھی تک سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن اب وہ  
 خاموش تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں کسی اور کا انتظار  
 ہو۔ بالکل سوج ہے۔  
 داور خاموشی سے کھڑکی کے پاس سے ہٹ گیا۔ اس کا  
 رخ سلیم کے کسی طرف تھا۔ وہ سلیم سے صورت حال معلوم  
 کرنا چاہتا تھا۔ سلیم نے اس کے الگ کرے مخصوص کہا تھا۔  
 لیکن داور عدل کے ساتھ والے کرے میں جا کر لیٹ گیا تھا  
 لے سلیم دوسرے کرے میں چلا گیا تھا۔ داور سلیم کے کرے کا  
 دروازہ کھول کر اندر گیا۔ سلیم اپنے بستر پر بے خبر سو رہا تھا۔  
 داور نے لگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑ دیا۔ اس نے بڑھ کر  
 اپنا ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھا دیا تھا کہ وہ بولے نہ پڑے  
 سلیم بڑھ کر اٹھ گیا تھا۔  
 "خاموش رہنا، داور نے سرگوشی کی۔ میں ہوں داور آواز  
 مت نہ لگانا، اتنا کہہ کر اس نے سلیم کے منہ سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔  
 "کیا بات ہے بھائی؟ سلیم نے حیرت سے پوچھا۔ کوئی غور  
 ہوئی ہے کیا۔  
 "ہاں، باہر کچھ لوگ کھڑے ہیں۔ وہ یہاں کسی سے ملنے  
 آئے ہیں کسی نے نہیں وقت دے رکھا تھا؟  
 "وقت دے رکھا تھا، سلیم بڑھ کر آیا تو کہہ سکتے ہیں۔  
 وہ کہیں یہ سلطان کی حرکت تو نہیں ہے؟  
 "کون ہے یہ سلطان؟ داور نے پوچھا۔  
 "میرا ساتھی ہے بھائی۔ سلیم نے کہا۔ ہاں اب میں سمجھ  
 گیا ہوں۔ یہ مکان سلطان کے استعمال میں بھی رہتا ہے  
 اس کی سرزمین میں اسی قسم کی محفیں لیکن میں نے کبھی اس کی  
 حرکتوں کی طرف دھیان نہیں دیا وہ اس کا پناہ نامہ تھا۔  
 سلطان آج یہاں آئے والا تھا، لیکن وہ زخمی ہو کر پونے کے  
 ایک اسپتال میں پڑا ہوا ہے۔  
 "اب سمجھا تین آدی ایک ٹرک بڑے ہیں۔ ان میں  
 سے ایک لڑکی ہے، داور نے بتایا۔

"تم بتاؤ بھائی کیا کیا جائے، سلیم نے پوچھا۔  
 "تم آؤ میرے ساتھ، تم آؤ بھائی، تم ایک نظر ان کو دیکھو  
 لو۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان میں سے کسی کو پہچان لو۔ اگر جان پہچان  
 نکل آئی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ہاتھ پاؤں ہالے ہوں گے۔  
 سلیم مکر لے ہوئے بستر سے اٹھ گیا۔ وہ دونوں کی  
 کھڑکی کے پاس آکر کھڑے ہوئے یہاں سے داور نے انہیں  
 کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔  
 "کیا کچھ ہے مادام، ایک نے اپنی ساتھی عورت کی طرف  
 دیکھتے ہوئے کہا۔ سلطان کو اب باہر آ جانا چاہیے تھا وہ  
 اندر کیا کر رہا ہے؟  
 "ہو سکتا ہے کہ وہ سو گیا ہو، دوسرے نے جواب دیا۔  
 "میں اسے پہچانتا ہوں، سلیم نے داور کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 "یہ ناگہ سے سلطان کا کمر اساتھی۔ وہ دونوں مل کر دھنکے  
 کرتے ہیں۔ اور یہاں میں کہیں ایک بات بتا دوں کہ بیگار  
 رہ پڑ کر کا آدی ہے؟  
 "کہنا، رہ پڑ کر کا نام نہ کر داور کچھ بڑا رہ پڑ کر  
 اس تنظیم کا نام تھا جو داور کے باپ نے بنائی تھی۔ اس نام کو  
 سن کر داور کے بدن میں ہلچل ہو گئی تھی۔  
 "یہ ناگہ سے اچھی طرح جانتا ہے، سلیم نے پھر کہا۔ لیکن  
 اسے نہیں معلوم کہ اس تنظیم کا پاس میرا باپ ہے؟  
 "ہو سکتا ہے کہ سلطان اس آدی کو لائے نہیں کا پاس  
 نہ ہو سکا ہو، یہ آواز اس عورت کی تھی جسے وہ دونوں مادام کہہ  
 کر مخاطب کر رہے تھے۔  
 "اسے تو ہر حال میں آنا چاہئے، پہلے والے نے کہا۔ وہ  
 بڑی مادام کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئے، والا ہے بہت  
 ہی اہم آدی ہے اے لی اتنے احتیاط کے ساتھ اسے سمجھا  
 جا رہا ہے؟  
 "سلیم نے داور نے سرگوشی کی۔ "میرا دل چاہ رہا ہے کہ  
 "میں جانتا ہوں بھائی، سلیم جلدی سے لوٹ پڑا۔  
 کہیں تم اس آدی کی جگہ دو دن نہیں جانے کی صحت رہے ہو؟  
 "ہاں۔ میں بہت دنوں سے اسی جگہ میں تھا میں  
 اپنے باپ کی تنظیم کو جگہ سے اکھاڑنا چاہتا ہوں۔ لیکن آج تک  
 موقع نہیں ملا تھا۔ آج موقع ملا ہے۔  
 "اسے موقع نہ ہو بھائی، یہ جانتی ہو سکتا ہے بہت ہی  
 خطرناک اور اندھا ہوا، ہو سکتا ہے کہ تم ان میں شامل ہو کر  
 پھنس جاؤ یا یہ لوگ اس آدی کو پہچانتے ہوں جس کا ذکر  
 کر رہے ہیں؟  
 "نہیں نہیں نہیں جانتے ہوں گے، داور نے کہا۔ ان کی گھنٹو

کا نالہ بہتہ رہا ہے کہ وہ اس آدی سے واقف نہیں ہیں۔ اس  
 آدی کو سلطان نے کر کے والا ہے۔ اور تم نے بتایا ہے کہ سلطان  
 اسپتال میں رہا ہے۔ اسی لئے وہ آدی یہاں نہیں آسکا ہوگا۔  
 "وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ  
 آدی کون ہے کس مقصد سے اسے رہ پڑ کر میں بلایا جا رہا  
 ہے۔ وہ کیا کام کر سکتا ہے؟  
 "کچھ بھی ہو، میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس آدی کی جگہ  
 اپنے باپ کی تنظیم میں بھیج جاؤں گا۔ اب دو دن باپ بیٹے  
 زیادہ دیر تک ایک دوسرے سے الگ نہیں رہ سکتے میرے  
 بعد تم یہاں سے عدل کے ساتھ بھی چلے جانا اور میرے  
 راپٹے تک عدل کے ساتھ رہنا۔ وہ بہت بھاری آدی ہے تمہارا  
 خیال رکھو گا۔ اب تم ان لوگوں تک بھیجے گا طریقہ سوچو  
 "طریقہ میرے ذہن میں ہے، سلیم نے کہا۔ آؤ بھائی  
 میرے ساتھ۔ پس اپنا پتہ بتاؤ پھر کیا کر رکھو۔  
 داور نے اس کے کہنے پر پتہ بتا دیا۔ جب میں رکھ لیا سلیم  
 اور وہ دونوں کرے کے دروازے تک آئے۔ پھر سلیم نے عدل کی  
 سے دروازہ کھول دیا اور داور کو لئے ہوئے باہر گیا۔ ان دونوں  
 کو باہر لگتے دیکھ کر وہ سب کو کچھ بڑے۔ باہر کھڑے ہوئے  
 دونوں آدمیوں نے اپنے پتوں لگا لئے۔  
 "کون ہو تم لوگ۔ پھر میں سے ایک نے ان دونوں کو  
 مخاطب کیا۔  
 "ہم سلطان کے آدی ہیں، سلیم نے جواب دیا۔ پھر سے  
 ایک آدی کو یہاں پہنچانے کے لئے کہا گیا تھا۔ میں اسے اپنے  
 ساتھ لے آیا ہوں، اس نے داور کی طرف اشارہ کیا۔  
 "سلطان کہاں ہے۔ اس شخص نے سوال کیا اور تم  
 سلطان کو کیسے جانتے ہو؟  
 "ہم دونوں ایک ساتھ ہی رہتے ہیں، سلیم نے کہا۔ پھر  
 اس نے دوسرے آدی کی طرف دیکھا۔ اور تم شاید ناگہ کوئی  
 اس دوران وہ تینوں ان کے قریب آگئے تھے۔ ان  
 کی نگاہیں سلیم اور داور پر پڑی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ جہاں  
 کھڑے تھے اس سے کچھ فاصلے پر مکان کی بیرونی دیوار  
 کے ساتھ دروازے کے پاس ایک بلب جل رہا تھا جس کی  
 روشنی میں انہیں ایک دوسرے کو دیکھنے اور کچھ کھنے کا موقع  
 مل گیا تھا۔ داور نے محسوس کیا کہ وہ عورت جسے یہ لوگ ملوا  
 کہہ کر مخاطب کر رہے تھے بھان اور خوب صورت لڑکی تھی۔  
 اس نے بہت ہی چست لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس لباس  
 نے اس کی جلد خیموں کو اجاگر کر دیا تھا۔ جبکہ اس کے دونوں

ساتھی بہت ہی ہر وقت اور شہر زد معلوم ہو رہے تھے۔  
 "ہاں۔ میں نے نہیں پہچان لیا ہے۔ ناگہ سلیم کی طرف  
 دیکھتے ہوئے بولا۔ تم جا رہا ہو؟  
 "سلطان کہاں رہ گیا؟ اس لڑکی نے یہ سوال سلیم سے  
 کیا تھا۔ اس نے اپنا دھیان داور سے ہٹا لیا تھا۔  
 "وہ یہاں آئے والا تھا لیکن عین وقت پر اسے گاؤں  
 جانا پڑ گیا۔ اس کے گھر میں شاید کوئی حادثہ ہو گیا ہے جاتے  
 ہوئے اس نے اس آدی کو میرے حوالے کر دیا تھا۔ اس نے  
 کہا تھا کہ اسے اپنے ساتھ اس مکان میں لے آؤں یہاں  
 ناگہ اس آدی کو اپنے ساتھ لے جائے گا۔ اب تم آگئے ہو تو اپنی  
 امرات سلیم کو۔ میں سوئے جا رہا ہوں۔  
 سلیم کے لمحے میں اتنا اعتقاد تھا کہ وہ سب ایک دوسرے  
 کی طرف دیکھتے گئے۔ داور نے دل ہی دل سلیم کو دلدی تھی  
 وہ بڑی خوبی کے ساتھ باتیں بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا  
 "اگر تم وی آدی ہو تو پھر تمہارا نام کیا ہے؟ اس لڑکی نے  
 داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 "نام؟ داور چوکنا ہو گیا۔ یہ لڑکی اس کی توقع سے کہیں  
 زیادہ ہوشیار ثابت ہوئی تھی۔  
 "ہاں نام؟ لڑکی نے اپنی بات دہرائی؟ اگر تم نے اپنا  
 نام نہیں بتا تو پھر کچھ بھی بتانے کے قابل نہیں رہو گے؟  
 اس آدی کا عجب ایسا تھا کہ وہ بہتروں کے زمانے کا  
 کوئی آدی دکھائی دیتا تھا۔  
 اس کی دلچسپی نے حیرت بڑھائی ہوئی تھی۔ پورے جسم پر  
 میلی کی تمیں تھی ہوئی تھیں ہر کرے ہل خود دھواؤں کی  
 طرح بڑھے ہوئے تھے۔ اور اس کے چہرے اور جسم پر نشہ  
 کے نشانات تھے۔ وہ ایک ایسے تہ خانے میں بند تھا جہاں  
 ہر طرف لوہے کے ڈرم پڑے ہوئے تھے۔ تہ خانے میں  
 بے پناہ سین تھی لیکن دم گھٹنے کا احساس نہیں ہوتا تھا بلکہ  
 کی آمدورفت کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔  
 وہ شخص اس تہ خانے میں جکڑتا پھر رہا تھا۔ وہ کبھی  
 کبھی رک جھٹ کی طرف دیکھ کر اپنی دونوں مٹھیاں جھینگر  
 زور زور سے گایاں دیتے لگتا۔ پھر جب اس کی آواز دھنسنے  
 لگتی تو خاموش ہو جاتا کچھ دیر تک تہ خانے میں ٹھہرتا رہتا  
 اس کے بعد پھر کچھالنے لگتا۔ اس کی آواز تہ خانے میں  
 گونج کر رہ جاتی۔ وہ ہی بازگشت کو سن کر خود ہی ہم گئی جات۔  
 اس تہ خانے کی وسطی دیوار کے ساتھ تھیں کئی کئی  
 تھیں۔ جو اوپر چلی گئی تھیں۔ ان سہیلوں کے آخر میں ایک

دروازہ تھا جو اس وقت بند دکھائی دیتا تھا۔

وہ بوڑھا صاحب گالیاں دیتے دیتے اور پکارتے پکارتے خشک گیا تو ٹوٹھا سا ہوا ایک دوا کے سہارے بیٹھ گیا۔ خاموش ہو جانے کے بعد اس کے چہرے پر بڑی لمبی اور معصومیت خاری ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بس رونے ہی والا ہو۔ وہ اب ہونے کر اپنے بچے لگا تھا۔

پھر اسی وقت تہہ خانے میں کھلنے والے دروازے میں ایک ہزار نمودار ہوئی اور وہ دروازہ آہستہ آہستہ وا ہونے لگا۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ ساتھ باہر سے روشنی کی ایک چادر بھی تہہ خانے کی میز پر پڑی تھی۔ اس کھلے ہوئے دروازے سے دو آدمی نمودار ہوئے ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک بڑے بھٹی جیکر دوسرا آدنی خالی ہاتھ تھا۔ بوڑھا ان دونوں کی طرف بڑی لافظی سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں بیڑھیاں انکر بوڑھے کے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔

”لو کھانا کھا لو بڑے دلے نے بڑے بوڑھے کے سامنے رکھ دی۔

”حرام دارو۔ میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بوڑھا ہڈا ہڈا تم لوگوں نے میرے کھانے میں زہر ملا دیا ہوگا۔“

”قاتل بائیں مت کرو۔ دوسرے آدنی نے کہا جو خالی ہاتھ تھا۔ اگر تمہیں ملنا ہوگا تو اسی اور طرح مارا جائے گا تمہیں تمہارے کھانے میں زہر ملائے کی ضرورت نہیں ہوگی۔“

”جگہ بھی ہو۔ میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ بے جا دوسے یہاں سے۔ ورنہ میں تم دونوں کا گلا گھونٹ دوں گا۔“

”جہادی مرضی، دوسرا آدنی لا پرواہی سے بولا۔ لیکن اب دسے کہ آج بیٹنگ ہے۔ اور اس میں تمہیں نئی پالیسی کا اعلان کرنا ہے۔“

”میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا تم لوگ میرے ہاتھ کاٹ دینا چاہتے ہو، مجھے مجبور کر دینا چاہتے ہو مجھے مجبور کر دینا چاہتے ہو۔ یہ چاہتے ہو کہ میں اپنے لگے میں خود بھی ہتھ دال لوں۔ یہ نہیں ہو سکتا کچھ۔“

”تو پھر تم اپنی نادانی اور اذیت سننے کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

بوڑھا انکھیں پھٹا دے ہوئے اس آدنی کی طرف دیکھتا رہا۔ غصے کی شدت سے اس نے اپنی میٹھاں بھیجنے کی کوشش کی۔ اس کا لہجہ جھم جھم ہونے لگا۔ وہ آدنی بوڑھے کے پاس سے ہٹ کر ایک دیوار کے پاس آ گیا۔ جہاں کوئی ٹوک لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک سوئچ کے آن ہونے ہی اس کمرے

میں کسی عورت کی آواز بھرنے لگی۔ اس آواز میں بے انتہا کرب تھا۔ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس عورت پر تشدد کیا جا رہا تھا۔ اس کی آواز تہہ خانے میں موجود کسی اسپیکر سے ابھرنی لگی۔

”بندر کرو۔ خدا کے لئے بند کرو۔“ بوڑھے نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھوس ٹھوس کر لیں۔ ”وہ کو۔ چھوڑ دو۔ اسے چھوڑ دو۔“

”لو کہہ خیال ہے تم میٹنگ میں نئی پالیسی کا اعلان کر رہے ہو یا نہیں۔“ اس آدنی نے پوچھا۔

”ہاں۔ ہاں کروں گا۔ تم فارغ ہو چھوڑ دو۔“ اس آدنی نے دوسرے کو اشارہ کیا جو بڑے کر گیا تھا۔

اس کا اشارہ پاتے ہی وہ آدنی تہہ خانے سے دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک اس عورت کی صدائیں بلند ہوئی رہیں۔ وہ ابھی تک کسی مصیبت میں گرفتار معلوم ہوتی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے اس کا جرم ہوتا چلا گیا۔ بالآخر ٹانگ پر صرف سسکیاں رہ گئیں۔ آہستہ آہستہ یہ سسکیاں بھی بند ہو گئیں۔ اب اس تہہ خانے میں خاموشی تھی۔ اس خاموشی میں کبھی کبھی اس بوڑھے کی آواز گونجنے لگتی تھی۔ وہ اپنے مخدر کو گالیاں دے رہا تھا۔ خود کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

سوچ بند کر دیا گیا بڑے لانے والا آدنی اب تک دلکس نہیں آیا تھا۔ دوسرا آدنی بوڑھے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

”ہاں اب بناؤ۔ تمہیں پالیسی بتانی ہے یا نہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”ہاں بھئی گا۔“ بوڑھے نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

”لیکن تم لوگ اس پر غلط مت کرو۔“

”اگر تم ہمارا ساتھ دیتے رہے تو ہم اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ وہ بڑے آرام سے رہے گی۔ اسے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن تم نے بات نہیں مانی تو اسے سزا سننا پڑے گی۔“

جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں عقل آگئی ہوگی۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔“ بوڑھے نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”میں اب کچھ نہیں کہوں گا۔ بالکل خاموش رہوں گا۔“

”بس اب غرارت سے کھانا کھا لو کھانے کے بعد نہیں اپنی تفریح کر سکتی ہے۔“

بوڑھا سر ہلاتا ہوا اسے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ آدنی کچھ دیر تک بوڑھے کی طرف دیکھتا رہا پھر تہہ خانے سے باہر

آ گیا۔ باہر آنے کے بعد وہ تہہ خانے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ وہ ایک راہداری میں نکل گیا تھا جہاں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ یہ دونوں لٹے ہوئے تھے اور تندر تو لگتے تھے۔ ان کے چہروں پر ہراس کے مزاج کی عکاسی ہوئی تھی۔ ان کی کھچلی ہوئی چشمیں یہ بتا رہی تھیں کہ ان میں ہتھول رکھے ہوئے ہیں تہہ خانے سے باہر آنے والے کو دیکھتے ہی یہ دونوں ارٹ ہو گئے۔ وہ شخص ان دونوں کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔

کچھ دور جانے کے بعد وہ ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ بیٹنگ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس کمرے کا ایک اور دروازہ بھی دوسرے کمرے کی طرف کھلتا تھا۔ اس شخص نے اس کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دنگ دی اور جواب کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

”آؤ۔ اللہ جاؤ۔ اللہ سے کسی عورت کی مترز آواز آئی۔“

یہ آدنی دروازہ کھول کر کمرے میں آ گیا۔ یہ خوبصورتی سے سما ہوا ایک ایسا کمرہ تھا جس میں ہلکی سی میٹنگ اور کچھ بھیجی ہوئی تھی۔ اور خوشبو اور ٹھنڈک کی اس خوشبو کی فضا میں ایک عورت مسہری ہراس طرح بھی ہوئی تھی۔ جیسے پھولوں کی چادر بچھا دی جائے۔ وہ خود بھی کسی پھول کی طرح تھی۔ اس نے سفید پتلون اور سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی۔

جس پر سرخ رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے اور یہ بہت نہیں چلتا تھا۔ اس نے اس کا انقبول کیا۔ یہ کسی کی رنگت زیادہ دل آویز نہ تھی۔ پھولوں کی یا اس عورت کے چہرے کی۔

آنے والے نے اس عورت کے بدن میں اپنی آنکھیں اس طرح اتار دی تھیں جیسے صدان کے ڈھیر میں خیرہ اندر دیا جائے۔ اس کی نگاہوں کی گرمی اس عورت کے کسوں کرئی تھی۔ اسی لئے وہ کمرہ چھوٹی سے اٹھ گئی۔ اس کا چہرہ اب اور بھی سرخ ہو گیا تھا۔

”ہوش میں رہا کرو کتنے۔“ وہ غزنی۔ ”وہ دروازوں انکھیں نکال کر کھینچ کر دیا۔“

”میرے معاف کر دوں مادام۔“ وہ آدنی کی پالیسی لگا۔ اس کمرے کی خوشبو اور ٹھنڈک کے باوجود اسے پسینہ آ گیا تھا۔ یہ پسینہ جذبات کا نہیں وحشت کا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ اب بتا دو کچھ ہو۔“

”وہ تیار ہو گیا ہے مادام۔“ اس آدنی نے جواب دیا۔ ”یہ آواز سننے ہی اس کی حالت خیر ہو گئی۔“

”میں تمہاری کھال اتار دوں گی۔“ عورت بھر دھاڑنے لگی۔ ”تم مجھے بڑھتے جا رہے ہو۔“

”میں سمجھ نہیں سکا مادام۔ مجھے یہ کیا غلطی ہوئی ہے۔“

”میں نے تمہیں سو بار کہا ہے کہ میرے سامنے اس کا نام احرام سے لیا کرو۔ تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ وہ تیار ہو گئے ہیں۔ سمجھو۔ آئندہ سے میں اس قسم کی زبان نہیں سونگتی۔“

”ٹھیک ہے مادام۔ میں سمجھ گیا۔ اب کوئی غلطی نہیں ہوگی۔“

”چلو آگے بتاؤ۔ وہ دوبارہ کتنے کے مہارے نیم دراز ہو گئی تھی۔“

”پہلے تو وہ کھانا بھی نہیں کھا رہے تھے مادام۔ اس نے بتانا شروع کیا۔ لیکن جب آپ کی آواز سنوائی تو وہ برواغت نہیں کر سکے۔ وہ کھانا بھی کھانے لگے اور اب تفریح کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے ہیں۔ میں نے میٹنگ کا انتظام کر دیا ہے۔ سب لوگ ہال میں جمع ہونے والے ہیں۔ قلب ان کی آواز سنوائی جائے گی۔“

”ٹھیک ہے تم چلو۔ میں بھی ہال میں آئی ہوں۔“

”وہ آدنی گردن ہٹا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس عورت نے اسے آواز دے کر روک لیا۔“

”وہ اسی طرح گردن ہٹاتے ہوئے دوبارہ اس عورت کے پاس آ گیا۔“

”ماتھر۔ تم میرے سب سے قابل اعتماد آدمی ہو۔ اس عورت نے کہا۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس ہے۔“

”بس مادام۔ میں اپنی اس خوش قسمتی پر فخر کرتا ہوں۔ میں نے یہ بات کبھی نہیں بھلائی ہے۔“

”خوب۔ اسی لئے میں اگر تمہیں کچھ کہوں تو اس کا احساں مت کیا کرو۔ بس چپ چاپ میری بات مانا لیا کرو۔“

”بس مادام۔“

”بس۔ اب جاؤ۔ سب لوگوں کو بتادو میں ہال میں آ رہی ہوں۔“

ماتھر کے جانے کے بعد وہ عورت ابتر سے کھڑی ہوئی۔ ایک لمبی لمبی سے نیچے رنگ کا ایک گون لٹال کر اسے پہن لیا۔ وہ اس لباس میں اور دلکش دکھائی دے گئی تھی۔ توں پہننے کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر آئی اور ایک شان سے نیازی سے چلتی ہوئی ایک ایسے ہال میں پہنچی جہاں کئی آدمی

میں ایک بڑی سی میز تھی اور جس کے چاروں طرف کرسیاں

ہر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔

مادام کو بال میں آتے دیکھ کر سب کے سب احتراماً کھڑے ہو گئے۔ مادام سر کے اشارے سے ان کے سلاموں کے جواب دیتی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ساتھ ہی اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ان کے پیچھے کے بعد بال میں کھڑے ہوئے اسپیکر سے اس کو ٹھٹھ کی ہنسی بھری آواز ابھرنے لگی تھی۔

ان لوگوں سے اپنے باہر میں دے ہوئے پتو لوں کے منہ دواویک طرف کر رہے تھے جبکہ وہ لڑکی بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

یہ صورت حال ایسی تھی کہ سلیم اور دواور دونوں ہی سہا گئے تھے۔ انہوں نے یہ دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ یہ لوگ نام بھی دو یافت کر سکتے ہیں۔

”بتاتے کیوں نہیں؟ اس لڑکی نے کہا نہ کیا تمہارا کوئی نام نہیں ہے کیا؟“

”نام تو ہے لیکن یہ نام میں تمہیں نہیں بتا سکتا، دواور لہروا کی سے بولا، اہا لنگتا ہے کہ جیسے تم لوگ مجھ پر لڑا جا رہے ہو، شک کر رہے ہو، اگر یہی بات ہے تو پھر خود ہی غصہ لینا میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جانا ہوں۔ تم لوگوں نے کیا مجھے کوئی فائدہ تو ادائیج کر رکھا ہے کہ اتنی دوسرے تمہارے لئے آوں اور تم لوگ مجھ پر شک بھی کر دو؟“

”ہم بدعاشی نہیں چلے گی، لڑکی نے اپنے ہونٹ میچھے جہیز ہی ہے کہ حق حق بتا دو کہ تم لوگ کون ہو۔ اگر تم بے ہوش تو اپنا نام کیوں نہیں بتاتے۔ اپنا نام بتا دو۔ اگر یہ وہی نا ہوا جو ہمیں معلوم ہے تو پھر تم ہم پر مجرورہ کر لیں گے ورنہ ہمارے پاس تم سے سچ انکھولنے کا دوسرا طریقہ بھی ہے۔ دواور کے لئے یہ صورت حال ہریشان کن نہیں تھی وہ جب چاہتا ان لوگوں کے حساب سے نکل سکتا تھا لیکن فی الحال وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ انہیں اعتماد میں لے کر چہرہ دروازے سے اپنے آپ کی تنظیم میں داخل ہوا چاہتا تھا۔ اور یہاں یہ لوگ سے ناکام بنائے جاتے ہوئے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی کسی وقت گولی چلا سکتا تھا وہ تینوں ہی کی طرف تیار تھے۔

”مجھے نہیں معلوم کہ میرا نام کیا ہے۔ دواور نے اپنا ہاتھ بلایا۔ اب جاؤ۔ تم لوگوں کی جو مرضی آئے وہ کر لو۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر اب ہم دوسرا طریقہ استعمال کرتے ہیں یہ لڑکی سڑانی۔“

اور اس کے ساتھ ہی گولی چلی۔ لیکن یہ گولی ان کی طرف سے نہیں چلائی گئی تھی اور نہ ہی ان دونوں میں سے کوئی زخمی ہوا تھا۔ بلکہ یہ گولی کسی اور طرف سے چلائی گئی تھی۔ اور اس گولی کے ساتھ ہی لڑکی کے ملا کر کھڑا ہوا ایک آدمی اپنا شانہ بکڑ کر چھینا ہوا زمین پر گر پڑا۔ وہ لوگ اس کے ہاتھ سے ہتھول نکل گیا تھا۔ وہ گولی کھڑکی کی طرف سے چلائی گئی تھی۔

دوسرے آدمی سے کہیں زیادہ وہ لڑکی تیز ثابت ہوئی اس نے فوراً ہی جست لگائی اور ایک جھلاڑی کے عقب میں چلی گئی۔ دواور نے سمجھ لیا تھا کہ وہ گولی اس طرف سے چلائی گئی ہوگی۔ اسی لئے اس نے بھی اس لڑکی کے پیچھے جھلانگ لگا دی۔ دوسری طرف لڑکی کے دوسرے سامنے کوئی سیلم نے سنبھال لیا تھا۔

اس لڑکی کے بارے میں دواور کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اپنی طرف جھپٹے ہوئے پاکر وہ لڑکی کھلا جائے گی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے رہ جائیں گے لیکن اس کے برعکس وہ کسی زخمی فیئر کی طرح دواور کی طرف پلٹ پڑی۔ سب سے پہلا دواور اس نے دواور کے چہرے پر کیا تھا۔ اس کی دس انگلیوں کے دس تیز دھار نگوں نے دواور کے چہرے پر گہری خراشیں ڈال دیں۔ وہ لکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس دوران لڑکی نے بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنی ہتھول کی جیب سے ایک نفا سا پستول نکال لیا۔

اس لڑکی کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس نے پستول دواور کی طرف اٹھا لیا ہے۔ وہ پستول ابھی پوری طرح اس کے ہاتھ کی گرفت میں آیا ہی تھا کہ دواور نے غصے سے بھری آنکھوں سے اس نے گہری صدک کی طرح اسے چابی ریمل کا اظہار کیا تھا ایک تھوڑے تھوڑے اس لڑکی کے ہاتھ پر لگی اور پستول اس کے ہاتھ سے اڑتا ہوا دوسری طرف جا کر۔ لڑکی ہانے کہہ کر پناہ پناہ بکڑ کر زمین پر پڑ گئی تھی۔

دوسری طرف سے بھی جدوجہد ختم ہو گئی تھی۔ سلیم نے اس دوسرے آدمی پر تالو حاصل کر لیا تھا۔ دواور نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا دوسری طرف سے اپنے دواور کی اس کے ساتھ چلتی ہوئی گرا رہی تھی۔ دواور سے خود کو چھڑا رہا تھا۔ لیکن دواور کی آہی گرفت ایسی نہیں تھی کہ وہ خود کو چھڑنے میں کامیاب

بھی ہو سکتی۔

دواور کی توقع کے عین مطابق میدان صاف ہو چکا تھا یعنی سلیم نے اس شخص کو مار گرایا تھا اور وہ اس کے پاس کھڑا ہوا جمائیاں لے رہا تھا۔

”ابن کو تو یقیناً میں بھی آرام نہیں ملنے کا ہے ہاں یہ وہ دواور کو دیکھتے ہی بولا، ابن سالاسور بگلا تھا کہ ایسا لگا کہ باہر کچھ مارا مارا چلا ہوئے والہ ہے۔ اسی لئے ابن سالاسور کے گالگ کھڑکی پر آگیا۔ بالکل ٹھیک ٹامہ پر آیا تھا۔ ورنہ مٹھاں مٹھوں ہونے والا تھا۔“

”چلو تم ہوش میں آئے؟ ابھی ہوا، دواور شک بنے میں بولا۔ آئندہ سے اگر اتنی داری تو تعلق میں کی مٹھوں دونوں کا۔“

”ماں تم تمہارا بھی سی افلائی ہو تا ہے۔“ عبدل نے غصے سے اپنا ایک گال بکڑ لیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں ابھی تک پستول دیا ہوا تھا۔

اس لڑکی نے ایک بار پھر خود کو چھڑنے کی کوشش کی لیکن دواور کی گرفت میں کھسکا کر رہ گئی۔

”باس۔ یہ کون بھڑی ہے؟ عبدل لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا، ”اسی کی طرح پکڑ کر بھجھا۔ یہی تھی۔“ ابن نے کھڑکی سے دیکھ لیا تھا۔

”یہ تو بھی معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے۔“ دواور نے کہہ کر سلیم سے مخاطب ہوا، ”سلیم، تم اور عبدل ان دونوں نے زنجیوں کو اٹھا کر اندر پھانسا دو۔“

”توئی فرمان بن جائے استاد،“ لہذا نہ کہہ کر ان دونوں کو چلتا کر لیں۔ کدھر لو کھانے اٹھانے پھرتے گئے۔“

”نہیں؟ دواور نے منع کر دیا۔“ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں فاتو زنجیوں پہنا کر بند نہیں کرتا ہوں۔“

عبدل نے ایک گہری سانس لے کر ایک زخمی کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور اسے کھینچتا ہوا مکان کے اندر لے جانے لگا۔ وہ وی زخمی تھا جس کو عبدل نے گولی مدلی تھی۔ وہ عبدل کے اس رویے سے بے لکھا کر چھٹنے لگا لیکن عبدل نے اس کی جھجوں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کے خیال میں اس شخص کے ساتھ ایسا ہی سلوک ہونا چاہیے تھا کیونکہ اس نے عبدل کی غصہ سے مار کر دی تھی۔ دواور عبدل کی تھلا ہٹ دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔ سلیم بھی ہنس پڑا۔

”تم لوگ بہت ہی بے رحم معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی بول پڑی۔ ”ابنا لنگتا ہے جیسے تمہیں توں نے جبر مان زندگی گزار دی ہے۔“

”اور تم کون کی ہمارا اور نیک بی بی ہو؟ سلیم نے ہلکے لہجے میں ایک ٹھٹھ کے اندھیرے میں ایک ٹھٹھ کے ساتھ دو دو جھپٹول بردار غنڈوں کو لانے والی کوئی گھڑیلو لڑکی کو نہیں ہو سکتی یا یہ بھی کوئی گھڑیلو کا اصول ہے۔ یا بہت نیک کام کرنی پھر رہی ہو تم؟“

لڑکی جھلا کر رہ گئی۔ اس کے چہرے سے اس کی گاڑی کا اظہار ہو رہا تھا۔ عبدل اتنی دیر میں پہلے آدمی کو کسی کرے میں ڈال آیا تھا اور اب وہ دوسرے کی طرف جا رہا تھا۔ ”تمہارے میں بھی تمہاری مدد کرتا ہوں۔“ سلیم اس کے پاس پہنچ گیا۔ چلو اٹھاؤ۔“

دونوں نے مل کر اب اس شخص کو اٹھا کر ہو سلیم کے ہاتھوں لے ہوئے ہوئے تھا۔ سلیم کے گھونٹوں نے اس کی ناک اور منہ سے خون جاری کر دیا تھا۔

”اب چلو میرے ساتھ۔“ دواور نے اس لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر مکان کی طرف دھک دیا۔

لڑکی نے سختے سے تھلا کر دواور کی طرف دیکھا پھر فاتو سے آگے بڑھ گئی۔ دواور اسے لے کر اس کے پیچھے لگا گیا۔ چہل چل عبدل اور سلیم ایک بڑے بیڑے کے ساتھ ان کے پیچھے آئے۔ ان کا اظہار کر رہے تھے۔ ان دونوں نے زنجیوں کو کسی اور کرے میں لے جا کر ڈال دیا تھا۔ دواور نے اس لڑکی کو دوسری مہری پر ڈھکیل دیا۔ سلیم اور عبدل بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے جس کے تیور ابھی تک جارہا تھا۔ اور وہ ان کے درمیان کسی ناگن کی طرح مل ٹوٹا رہی تھی۔ لیکن خوفزدہ نہیں معلوم ہوتی تھی۔

”ہاں اب بناؤ کیا چکر ہے؟“ دواور نے سوال کیا۔ ”تم لوگ کون ہو؟ تمہیں کس کا اظہار تھا؟ تمہارا تعلق کس سے ہے؟“

”مگر میں جواب نہ دوں تو لڑکی نے بڑی بے خوفی سے پوچھا تو پھر تم لوگ کیا کر لو گے؟“

”تم ابھی یہ کہہ رہی ہو کہ تم بہت بے رحم معلوم ہوتے ہیں۔“ ای نے بڑی بے رحمی کے ساتھ تمہیں مار کر لڑکی کے مکان میں ڈال کر دے گئے۔“

”ابن تمہارے کو بولا ہے۔“ ناماں عبدل مدلی سے بول پڑا۔ اگر کسی چھوڑی کا معاملہ ہو تو لین کو بول دیا کہ وہ تم چھوڑی لوگ سے بات نہیں معلوم کر سکتا ہے کیا؟“

”تو پھر ٹھیک ہے۔“ دواور مسکرا دیا۔ ”تم ہی معلوم کر دو۔ پھر وہ لڑکی سے مخاطب ہوا، ”میرا لے سامنے کیوں کے معاملے میں اتنا بے رحم

ہے کہ تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔

انتہا کہ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اسے باہر جانے دیکھ کر لڑکی بے اختیار پکارا اٹھی۔

”مٹھر جاؤ میں بتا رہی ہوں۔“

”اداس لڑکی کے پاس واپس آگیا عبدال کے دانت نکل آئے تھے۔ لڑکی اس سے خوفزدہ ہوئی تھی۔“

”ہم لوگوں کو اس مکان سے کسی آدمی کو کمرے کا ہاتھنا اس نے بتایا۔“

”یہ تو ہمیں بھی معلوم ہو گیا ہے۔ لیکن کہیں وہ آدمی کو لے گیا ہے۔ اور اسے کہاں لے جانا تھا۔“

لڑکی جواب دینے سے پہلے کچھ سوچنے لگی۔ اب اس کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہوئے۔ ہاتھ تھپتھپانے لگے۔

ایک دوسرے کا تواق کرتے ہیں۔ بے غوثی کی جگہ بدلتی ہوئی اور انھیں غامض ہونے لگی تھی۔ وہ کبھی بڑی بے بسی سے ان لوگوں کو دیکھنے لگتی پھر پھر ہنسی کر دیکھ لیتی۔ لیکن اس کے دلوں

انداز بہت دلش تھے۔ اس کی بے غوثی بھی خوبصورت تھی اور اب اس کی بدلتی ہوئی بھی اچھی معلوم ہو رہی تھی۔

”مجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ وہ بڑی بڑی ناگہم جہیں بتاتی ہوں تو تم لوگ کچھ نہیں چھوڑتے۔ بتا دیتی ہوں تو وہ لوگ زندگی غلاب کیسے گئے۔“

”مذکورہ بالا بی بی اور صاحبہ کے میں بولا نہ تمہاری زندگی غلاب تو ہو رہی ہے۔ جب کوئی لڑکی مجھ سے نکل کر اس شہر کے دھندلوں میں گھس جائے تو اس کی زندگی اپنی نہیں ان کی ہوجاتی ہے۔ جن کے اشاروں پر وہ اس شہر کے کام کرتی ہے۔ اسی لئے اب سوچے بغیر یہ بتاؤ کہ یہ کیا ہوگا۔“

”میرا نام تانیا ہے۔ لڑکی نے ایک گہری سانس لی۔ تم لوگوں کو شاید یہ معلوم ہو کہ اس ملک میں جڑیوں کی ایک بہت بڑی تنظیم ہے جس کا نام ہے ریڈمرکل۔ ہم لوگوں کا

تعلق اسی ریڈمرکل سے ہے۔ اب یہ بتاؤ۔ بوجھنا کہیں اس تنظیم میں کیسے شامل ہوئی۔ آج ہمیں یہ حکم ملا تھا کہ اس مکان میں بائیس یہاں سلطان ملے گا۔ سلطان بھی ہمارا

آدمی ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی ہو گا۔ اس آدمی کو کوئی کے ہیڈ فز پہننا ہے۔ اسی لئے ہم لوگ اسی طرف آئے تھے۔“

”اس رنگ میں کیا پھر رہا ہے۔ سلیم نے بوجھنا۔“

اس میں آج کی بوری میں ہیں۔ تانیا نے جواب دیا۔ یہ بوریوں دکھاوے کی ہیں۔ بوریوں کے درمیان میں سفید

پاؤڈر لگی چھپا ہوا ہے۔ جو ہم پونا سے بھیجی ہے جا رہے ہیں۔“

”حیرت کی بات ہے۔“ وادہ بڑی بڑی۔ ”سفید پاؤڈر لگتی ہے۔ پورے ملک میں پہلانی ہوتا ہے۔ اور تم لوگ پونا سے بھیجی لے جا رہے ہو۔“

”یہ بھی ٹی کا مال ہے۔“ تانیا نے بتا دیا۔ یہ برسوں ایک کھپ پ یہاں پہنچانی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ ہم جس آدمی کے پاس اسے لے کر آئے تھے۔ وہ آدمی کسی چکر میں پھنس کے ہاتھ آگیا۔ وہ اس وقت پونا جیل میں ہے۔ اسی لئے ہم مال کی

ڈیوری نہیں دے سکے۔ ہم نے بھیجی کے آدمی کو فون پر صورت حال بتا دی۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ ہم یہ مال اپنے ساتھ واپس لے آئیں اور واپسی میں اس آدمی کو بھی ساتھ لے لیں۔ جیسے سلطان اپنے ساتھ لائے والا تھا۔ اب ہم اس

آدمی کو لینے کے لئے یہاں آئے تھے کہ تم لوگوں سے رابطہ کیا۔“

”تمہاری تنظیم کے لئے اس آدمی کی کیا اہمیت ہے۔“ وادہ نے پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتی۔ البتہ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بہت خطرناک اور بے باک آدمی ہے۔“

”کیا نام ہے اس کا۔“

”اس کا نام۔ اس کا نام ہے وادہ۔ لڑکی نے جواب دیا۔

وہ سب اس ہال کی بڑی میز کے گرد بالکل خاموش بیٹھے تھے۔ اداس بڑھ کر کھڑی ہو کر اس شہر کے ذریعے ہال میں گونج رہی تھی۔

”آپ لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہم نے ہندوستان میں اپنی جڑیں مضبوط کر لی ہیں۔ ہماری شاخیں پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں۔ ہمارا کاروبار بے حد وسیع ہو چکا ہے۔ ہمارے وسائل بے شمار ہیں۔ ہمارے اور گرد بہت سے لوگ ہیں۔

ہمارے ساتھ کام کرنے والوں کی تعداد بہت ہے۔ لیکن ہم اپنی بھی خود کو مطمئن محسوس نہیں کرتے۔ ہم آپ لوگوں کی خدمات اور آپ کے وسائل کو بروئے کار لائے ہوئے اپنی اس تنظیم کو بین الاقوامی معیار کا بنانے کا ارادہ کر چکے ہیں۔ لیکن اس کے لئے سب سے پہلے ہمیں اپنی پالیسی بتانی ہوگی۔ جو چال

یہ ہے کہ اس وقت جاپان کی ایک تنظیم کوئی دانتا ہے۔ ہم سے رابطہ قائم کر لیا ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کی تجارت کے لئے بہت مشہور ہے۔ وہاں کے موٹی لڑکی دنیا میں اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ کوئی دانتا ایک ایسی تنظیم ہے

جو ہندوستان میں سبھیوں میں ہمارا جوں نواہین اور اسی قسم کے دیگر ترقیوں کو لوگوں کے لئے موتوں کی اسمگلنگ کرنا چاہتی ہے۔ لیکن بات آپ کے علم میں ہی ہوگی کہ دنیا کی کوئی بھی تنظیم ہو وہ کبھی بھی ملک میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتی جب تک وہ کسی مقامی تنظیم سے اپنا رشتہ منسلک نہ کرے۔ ہمارے لئے یہ فخر کی بات ہے کہ کوئی دانتا نے ہمیں اپنی ریڈمرکل کو اس دوستی کے لئے منتخب کیا ہے۔ اور ان طرح ہم بھی دانتے سے نکل کر بین الاقوامی حصہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کوئی دانتا نے ہمارے مذاکرات مکمل ہو چکے ہیں انہوں نے ہم سے ایک آدمی طلب کر لیا ہے۔ جو اپنی ذات میں طوفان ہو۔ اتنا جری اور بے باک ہو کہ کسی قسم کی دشواریوں کو خاطر میں نہ لائے۔ ہمیں ایسے ایک آدمی کو جاپان بھیجیں ہو گا تاکہ وہ کوئی دانتا کے ماہرین سے اپنی تربیت حاصل کرے۔ اس تربیت میں اس شخص کو اسمگلنگ کے جابیط طریقہ سکھانے جائیں گے۔ اسے ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنایا جائے گا۔ پھر وہ شخص مال لے کر جاپان اور

ہندوستان کے درمیان سفر کرے گا۔ اس امر ذمہ داری کے لئے ہم نے ایک ایسے آدمی کو منتخب کیا ہے جس کا تعلق ریڈمرکل سے نہیں ہے۔ لیکن وہ ہمارے اور کوئی دانتا کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ ہم نے اس شخص کی کمریائی روائی سے اسے انتہائی جری ہے۔ باک اور ایک صورت انگریز قوت روائت کا انسان پایا ہے۔ اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم اسی شخص کو جاپان روانہ کریں گے۔ تاکہ وہاں جا کر اپنی ٹریننگ مکمل کر سکے۔ اب اگر آپ میں سے کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہے تو وہ پوچھ سکتا ہے۔“

”میں ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس کا ایک آدمی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ وہ بھاری جھڑپ اور سرخاں ہوا آدمی تھا۔

”ہاں۔ رجن کو کہہ کیا بات ہے۔“ پوچھ کر آدمی کوئی۔

”اس کی بھاری تنظیم میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے۔“

جیسے اس کام کے لئے تربیت دی جائے۔ ہمیں باہر سے ہی کوہلانے کی کیا ضرورت ہے۔“

”تمہاری سوال اچھا ہے۔ رجن۔ پوچھنے کے سوال سننے کے بعد جواب دیا۔ لیکن ہم نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ہمارا کوئی آدمی کوئی دانتا سے ٹریننگ حاصل کرنے کے لئے ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔ اس کا یہ

معاذ کرنا یا اس کا رجن نے پھر آواز لگا کر ہم اس شخص کے نام سے واقف ہیں۔ اور ایک مقامی بیوی اس کی بوجھنا ہال میں بھی جا چکا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک دلہن آدمی ہے۔ لیکن صرف دلہن تو کام نہیں آسکتی۔ ہم اختلاف کرنے کی فوج تربت نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ انتخاب نامناسب معلوم ہوتا ہے۔“

”میں نے تمہاری بات کا برا نہیں مانا۔ رجن۔ پوچھ کر آدمی بھاری بھاری آواز کوئی۔ لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اور دنیا کی طور پر ایک ایسا آدمی ہے جو ایک طرف تو بہت اچھا اور تربت خوش ہے اور دوسری طرف نرم مزاج بھی ہے۔ اس نے اسی تعلیم بھی حاصل کر رکھی ہے۔ ہم نے اس کے برگ گرافٹ کا پتہ چلانے کی بھی کوشش کی۔ اس کی مصروفیات بہت نظر آتی ہیں۔ لیکن ہمیں اس کے پس منظر کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہو گا۔

معاذ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بھیجی کے ہزاروں بچوں کی طرح فٹ ہاتھ پر پروان چڑھا ہے۔ پھر پورے پورے اس کے لئے جہاز کی راہ اختیار کر لی۔ اور اب وہ ایک دانتا بنا جاتا ہے۔ ہم ایک طرف تو اسے اپنے ساتھ لے کر اپنا کام نکال سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم اس کے خطے کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے۔ اگر

اس کے دل میں کبھی ہمارے سامنے آنے کا ارادہ بھی ہو تو نہیں آسکے گا۔ لہذا ہمیں بھیجی کے ہم اس کے پیکر کر کے اپنے بچے میں بند کر دیں گے۔ وہ ہمارے علم پر چلتا رہے گا۔ ہمارا

مطلب نہیں کہ مجھے تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔ نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اعتماد کے لوگوں کو ہندو لوگوں میں رہنا چاہیے۔ جیسا کہ کام کے لئے ہم باہر سے بھی کسی کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کام کے لئے حماقت کی حد تک دہری کی ضرورت ہے۔ اور ہماری نظریں صرف ایک آدمی سے جو اس معیار پر پورا اتر سکتے ہیں۔“

”کیا ہم اس آدمی کا نام معلوم کر سکتے ہیں۔“ وادہ نے سوال کیا۔

”کیوں نہیں۔ اس کا نام ہے وادہ۔ پوچھنے کے جواب دیا۔ اس نام کو اس ہال میں بیٹھے ہمارے ایک دوسرے کی طرف اٹھی۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف اٹھی۔ لیکن اس نے بڑی غوثی کے ساتھ چپک چپک اپنی سرکریٹ چھپانی تھی۔ ہال میں خاموشی تھی۔ جیسے کوئی طوفان آکر گزر جائے یا آنے والا ہو۔“

”میں نے تمہاری بات کا برا نہیں مانا۔ رجن۔ پوچھ کر آدمی بھاری بھاری آواز کوئی۔ لیکن ہم نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اور دنیا کی طور پر ایک ایسا آدمی ہے جو ایک طرف تو بہت اچھا اور تربت خوش ہے اور دوسری طرف نرم مزاج بھی ہے۔ اس نے اسی تعلیم بھی حاصل کر رکھی ہے۔ ہم نے اس کے برگ گرافٹ کا پتہ چلانے کی بھی کوشش کی۔ اس کی مصروفیات بہت نظر آتی ہیں۔ لیکن ہمیں اس کے پس منظر کے بارے میں زیادہ نہیں معلوم ہو گا۔

معاذ صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ بھیجی کے ہزاروں بچوں کی طرح فٹ ہاتھ پر پروان چڑھا ہے۔ پھر پورے پورے اس کے لئے جہاز کی راہ اختیار کر لی۔ اور اب وہ ایک دانتا بنا جاتا ہے۔ ہم ایک طرف تو اسے اپنے ساتھ لے کر اپنا کام نکال سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم اس کے خطے کو ہمیشہ کے لئے دور کر دیں گے۔ اگر

اس کے دل میں کبھی ہمارے سامنے آنے کا ارادہ بھی ہو تو نہیں آسکے گا۔ لہذا ہمیں بھیجی کے ہم اس کے پیکر کر کے اپنے بچے میں بند کر دیں گے۔ وہ ہمارے علم پر چلتا رہے گا۔ ہمارا

مطلب نہیں کہ مجھے تم لوگوں پر اعتماد نہیں ہے۔ نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے اعتماد کے لوگوں کو ہندو لوگوں میں رہنا چاہیے۔ جیسا کہ کام کے لئے ہم باہر سے بھی کسی کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کام کے لئے حماقت کی حد تک دہری کی ضرورت ہے۔ اور ہماری نظریں صرف ایک آدمی سے جو اس معیار پر پورا اتر سکتے ہیں۔“

”کیا ہم اس آدمی کا نام معلوم کر سکتے ہیں۔“ وادہ نے سوال کیا۔

”کیوں نہیں۔ اس کا نام ہے وادہ۔ پوچھنے کے جواب دیا۔ اس نام کو اس ہال میں بیٹھے ہمارے ایک دوسرے کی طرف اٹھی۔ وہ سب ایک دوسرے کی طرف اٹھی۔ لیکن اس نے بڑی غوثی کے ساتھ چپک چپک اپنی سرکریٹ چھپانی تھی۔ ہال میں خاموشی تھی۔ جیسے کوئی طوفان آکر گزر جائے یا آنے والا ہو۔“



آدی ہو جائے گا؟

”اس سے رابطہ کی کیا صورت حال ہوگی؟“ یہ بات دوسرے شخص نے پوچھ لی تھی۔

”اس سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔“ ابو بکر نے جواب دیا۔  
 ”میں یہ معلوم ہوا تھا کہ دارا اپنے ایک ساتھی کے ساتھ راج گل لونا نہیں ہے۔ وہاں اس نے کچھ عرصہ کی مضبوط تنظیم کو بنا رکھا دیا ہے۔ اور وہ تنظیم اپنے تمام وسائل کے ساتھ دو دو گہ نہیں کر سکتی ہے۔ اسی دوران بے شمار خون خرابوں کے بعد وہ بیکر شخص کرم چند اور اس کے ساتھیوں سے اپنی کچھ رقم وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ہم نے لونا میں اپنے دو آدمی اس کے پیچھے لگا دیئے ہیں۔ سلطان اور نگر وہ دونوں دارا کو اپنے ساتھ جہاں لانے والے ہیں۔ اسے لینے کے لئے ہم نے تاج کو رواد کر دیا ہے۔ وہ خود بھی ایک دلیر شخص ہے اور ہر قسم کے حالات پر قابو پا سکتا ہے۔ بس ہم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں بتا سکتے۔ رہا مت کی جاتی ہے؟“

”ابو بکر کی آواز خاموش ہوئی۔ اس ہال میں پھر سنا گیا وہ لوگ ایک دوسرے کو اپنی اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر سب سے پیادہ نکلی ہوئی اس کی نظیر میں دوسرے بھی کھڑے ہو گئے اور ایک ایک کمرے ہال سے باہر گئے۔ مادام کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ مادام اس کے ساتھ ہی لگا ہوا تھا۔ مادام نے کمرے میں آئے گے بعد ازاں گاؤں اتار کر ایک طرف ڈال دیا۔ اور ماتحتی کی طرف دیکھی ہوئی بولی تاب نہ فرما دی۔ لونا کی طرف روانہ ہو جاؤ؟“

”وہ کچھ بول مادام؟“ ماتحت نے چونک کر پوچھا۔  
 ”مجھے ان لوگوں پر زیادہ بھروسہ نہیں ہے۔“ مادام نے کہا۔ یہیں نے نگر سلطان اور تاج کو دارا کے ساتھ لگاؤ دیا ہے۔ لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ یہ لوگ اسے قابو کر سکیں۔ کامیاب ہو جائیں گے۔ اور میں ہر حال میں اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں۔ یہ ناکامی میں برداشت نہیں کر سکتی گی۔ اسی لئے تم بھی لونا جاؤ اور اسے جھک کر لائے کی کوشش کر لو گے۔“

•  
 سلیم اور عبدال بھی دارا اور تاج کے پاس آئے تھے۔ تاج نے دارا کو نام پھر دہرایا تھا۔ دارا بے نام نہ کر سکتا تھا۔ تاج نے اس موقع پر کہا کہ لونا جہاں سلیم نے اس کا بیٹا دیکھا ہے اسے خاموش کر دیا تھا۔  
 ”کیا تم لوگوں نے دارا کو دیکھا ہے؟“ دارا نے سوال کیا۔

”نہیں۔“ تاج نے جواب دیا۔ ”صرف نام سنا ہے۔ جہاں تنظیم میں اس کا نام لیا جا رہا ہے۔ اس کے کارنامے سے ہیں اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ بہت دلیر آدمی ہے۔ اسے لانے کے لئے تنظیم نے سلطان کو مقرر کیا تھا۔ سلطان نے عدلی آدی ہیے لیکن نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا۔“

”سلطان اس آدمی کو کس طرح تمہارے پاس لانا دارا نے پوچھا۔ اگر تمہارے کچھ نہ معافی وہ اتنا ہی دلیر کوئی ہے تو کیا سلطان اسے لانے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟“  
 ”یہ میں نہیں جانتی لیکن انہیں انہیں معلوم ہے کہ سلطان کیوں لاکھ روپے دے گئے تھے کہ وہ دارا کے لئے کمرے اور اس سے کچھ تنظیم والوں نے اس کے لئے مزید بیس لاکھ روپے رکھے ہیں۔ تنظیم کا خیال ہے کہ اگر روپوں کے لالچ میں دارا گرفتار ہو جائے گا تو اس کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ روپوں کے لئے دنیا کا ہر کام کر سکتا ہے۔ یعنی اسے ہر قسم کی شہت لایا جا رہا تھا۔ بلکہ خیر باد جا رہا تھا۔“

”میں نہیں سے ہر شخص اپنے منہ پر اپنی تعریف سننے کا عادی ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ذرا بھی آئینہ دکھا دیا جائے تو اس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ دارا کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ اس کے سامنے اسکی برائی ظاہر کر دی تھی۔ وہ جھجکا کر کھڑا ہو گیا۔ خستہ کی شدت اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔“

”یہ تو بالکل بروہر بات ہو رہا ہے۔“ اس نے عبدال اچانک مہس بڑا کر ماسک تھما دیا۔ کمرہ کی جگہ لائی کوئی ایسا نہیں بولا ہو سکتا گا۔“

اب جبران ہونے کی باری تانبہ کی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دارا کی طرف دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب؟“ اس نے چونک کر پوچھا۔ ”میں نے تمہیں تو بتا دیا کہ میں تو دارا کی بات کر رہی ہوں؟“  
 ”میں ہی دارا ہوں۔“ دارا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”یہ کی کانگ اتر گیا اس کے ہونٹ کپکپاتے لگے تھے۔ اس نے دارا کے مزاح کی کہانی سن رہی تھی۔ اور اسی کے سامنے وہ اس کی برائی کرتی رہی تھی۔“

”تو تم لوگوں نے مجھے خیر بدینے کے لئے سلطان کو دس لاکھ روپے دیئے ہیں؟“ دارا نے پوچھا۔  
 ”ہاں۔“ تاج نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے بھی بتایا گیا ہے۔“  
 ”سلیم۔“ یہ سلطان کی آواز تھی۔

”ہاں۔“ اس آدمی نے بھائی سلیم سے جواب دیا۔ وہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے۔ لیکن آدمی بہت گہرا ہے۔ اس نے آج تک یہ خیال نہیں کیا کہ ریڈٹر کل سے اس کے اتنے گہرے تعلقات ہیں۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ وہ مولوی قسم کی وارداتیں کرے گا۔ اپنا گڑا کر لیتا ہے۔“

”آج اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟“ دارا نے پوچھا۔  
 ”ہو چکا ہے۔“ میرے سامنے بیٹھ کر وہ بتا رہا تھا۔ ”میں نے اس سے کہا تھا۔ اور زخمی ہو کر ناقص پانی اسپتال میں بڑا ہوا ہے۔“  
 ”میں بواؤ اور سکرانچا۔“ میرے خیال ہے کہ وہ اب اسپتال میں نہیں ملے گا۔“

”کیا مطلب؟“ تاج نے اور سلیم دونوں ہی چونک پڑے تھے۔  
 ”میرا خیال ہے اس نے ریڈٹر کل واپس لوگنی چھو کر دیا ہے۔“  
 ”وہ لاکھ روپے کہ نہیں ہوتے۔ وہ اب لونا میں نہیں ہوگا۔“  
 ”اوہ۔“ تاج نے ایک گہری سانس لے کر کہہ دی۔ لیکن میں کہہ کر دس۔ میرا واس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ اگر وہ روپے لے کر بھاگ گیا ہے تو مجھ پر تو کوئی الزام نہیں آ سکتا۔“  
 ”نہیں تم پر کوئی الزام نہیں آ گا۔ اور اب میں تمہارے ساتھ ریڈٹر کل میں چلوں گا۔“ دارا نے کہا۔

”ابن بھی تمہارے ساتھ چلے گا۔“ اس نے عبدال جلدی سے بولا۔ بڑا اہم ہے۔ سہارا لونا نہیں مانگتا۔“  
 ”نہیں۔“ تم سلیم کو اپنے ساتھ بھی لے جاؤ گے۔ سلیم تمہارے ساتھ ہے گا۔ میں تم سے خود مل لوں گا۔“  
 ”لیکن یہ سب ہو گا کس طرح؟“ تاج نے بھٹکتے ہوئے کہا۔

”مجھے یہ معلوم کہ تم وہی دارا ہو پھر میرے دو آدمی بھی زخمی پڑے ہوئے ہیں۔ میں ان کے بارے میں کیا جواب دوں گی؟“

تمہارے ریڈٹر کل کے بہت سے لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ مجھے جب تم مجھ کے سامنے لے جاؤ گی تو انہیں ختم ہو جائے گا۔ میں کون ہوں۔ زخمیوں کے بارے میں میں کہا جا سکتا ہے۔ یہ دھوکے میں زخمی ہوئے ہیں۔ اور بات بھی یہی ہے۔ تم لوگ مجھے لینے کیلئے آئے تھے۔ اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ اب سلطان تمہارے درمیان سے گزر گیا ہے۔ اور تم کو لوٹیں اس سے جتنے بڑا ہیلا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ خدا میں بھی تو دیکھوں کہ تمہارے ریڈٹر کل والے مجھ سے کہا کہ لینا جاتے ہیں۔ سلیم نے کچھ کہا چاہا لیکن غلط رہا۔ عبدال نے بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ اس نے فحش کر لیا تھا کہ دارا نے ریڈٹر کل تک پہنچنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اور اس فیصلے سے اسے بائیں رکھا جا رہا ہے۔

”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو اپنے سفیر چل دینا چاہیے۔“  
 دارا نے کہا۔ ”جو کام جتنی جلدی ہو جائے۔ اتنا ہی بہتر ہوتا ہے۔“  
 عبدال اور سلیم تم دونوں ان زخمیوں کو اٹھا کر ترک میں ڈالو۔ وہاں کا قاتل بھی بی بی کے کمرے کو گیا ہے۔“  
 ”ابو بکر! یہی ان کو اٹھا کر لاندے گیا تھا۔“ اب دوبارہ ترک میں ڈالنا ہو گا۔ کیا نصیحت ہے۔ سارا لوگ زخمی بھی ہوتا ہے اور بے ہوش بھی ہو جاتا ہے۔ اسے دو دو گاہی کھانے کے بعد بھی چلنا پھرنا چاہیے۔ لیکن یہ سارا لوگ تو بس لیت گیا۔ سارا ان لوگوں کو ریڈٹر کل میں بھرتی کس نے کیا تھا؟“

عبدال کی باتیں سن کر دارا اور سلیم ہنس پڑے۔ تاج بھی مسکرا دی تھی۔ اس کے ذہن سے خوف کھل گیا تھا۔ دارا اور اس کے ساتھی ایسے خود غوازی میں معلوم نہیں ہوتے تھے۔ جیسا اسے تاثر دیا گیا تھا۔

•  
 دارا کے سامنے وہ اپنی خسروا مانیوں کیساتھ موجود تھی۔ وہ مادام تھی۔ اور ریڈٹر کل کے لوگ اس کے نام سے ہی کانپتے تھے۔ کسی کی امت نہیں ہوتی تھی کہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکیں۔ ریڈٹر کل کے پاس نے سارے اظہار اسی مادام کے حوالے کر دئے تھے۔ اور وہ عمارتوں سے صرف مالک اسپیکر کے ذریعے مخاطب ہو کر نہ تھا۔ اور وہ بھی خاص اخص موقع پر۔ دروازہ مادام کے دروازے سے کھلا ہوا تھا۔ مادام ہی جہاں کھڑی تھی۔ اور کسی میں کافی خیال نہیں تھا کہ اس کے حکم سے مرزائی کی جرات کر سکے۔

اس کا خیال تھا کہ دارا اس کے سامنے آکر بے حال ہو جائے گا۔ اس نے دارا کو خوب اور مزید کرنے کے لئے اس ہتھیار سے کام لیا تھا۔ جو ایک عورت کے پاس ہوا کرتا ہے۔ اس کا نشان بہت خوبصورت تھا۔ ایک ایک بہت شاندار تھا۔ بالوں کو بہت خوبصورت انداز سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اور اس سے اٹھنے والے خوشبو بہت دل فریب تھی۔ لیکن دارا ہر حال کا کوئی آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ بہت ہی مردانہ تھا۔ اس کی طرف دیکھنا نہ تھا۔

”کام کی بات کرو مادام۔“ وہ اگھرے ہوئے بے میں بولا۔  
 ”میں بلایا ہے مجھے۔“  
 ”تم جیسے آدمیوں کو کیوں بلایا جاتا ہے۔“ مادام نے تلخ ہو کر کہا۔ ”ہم تمہیں تمہاری قیمت بتانے کا موقع فراہم کر رہے ہیں۔“  
 ”میری قیمت تمہیں تو نہیں ہیں۔“ اس نے سنا سنا کر کہا۔

تمہیں اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں رکھنا ہوں۔

”مجھے معلوم ہے کہ تمہاری کیا حیثیت ہے، مادام نے کہا: تم ذرا دیر سی رخصتی لائی میں نکول کی طرح ابھرے اور چھڑ لیکن اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ مہندہ داور نے چاکا ایک پتھر اس کے چہرے پر سد کر دیا تھا پتھر ٹکراتے ہی اس کی گردن پھٹی کی طرف ہوئی اور وہ مری سمیت دوسری طرف اڑ پڑی۔ اس کے مری میں موجود مہندہ اور اس کے ساتھیوں نے ریلو اور نکال لئے۔

داور نے ایک نظر ان لوگوں کی طرف دیکھا پھر جلدی سے خود بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ مہندہ اور اس کے آدمیوں نے پلاٹ والے ہاتھ سیدھے کئے اور اسی وقت مادام بیچ بڑی۔

”نہیں۔ نہیں۔ اسے کچھ مدت کہنا۔“

وہ اس دوران اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ داور نے جس گال پر پتھر مارا تھا اس گال سے سرخی نکلنے لگی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے شفاقت جلد کے اندر سے اُبھرتا ہو پھر کمر باہر نکلنے والا ہو اس کے گال کی طرح اس کی آنکھیں بھی ابھرنی لگی تھیں۔ ان میں ایسی نفرت کلبلا رہی تھی جیسے وہ داور کو جہنم میں پہنچانے کا نتیجہ دیکھ رہی ہو۔ اس کی ایسی بے عزتی کسی نے نہیں کی تو اس کی وہ یہاں ایک ملکہ کی شان سے وقتی تھی۔ سب اس کے غصے سے خوف کھاتے تھے۔ اور آج اسی ملکہ کے گال پر ایک شخص نے پتھر سید کر دیا تھا۔

داور غافل نہیں تھا۔ مادام نے اپنے آدمیوں کو روک تو دیا تھا۔ لیکن وہ غصے میں آکر اس کے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے۔ مادام نے اسے گال دی تھی اور وہ کسی صورت گالی برداشت نہیں کر پاتا تھا۔

”میں تمہاری بوٹیاں کر کے جیل اور کوڑوں کو کھلا دوں گی۔“

مادام داور سے مخاطب ہو کر پھینکا گاری۔

”آپ اجانت دس مادام، مہندہ نے کہا: ہم خود اس کے عجیبے کر دیتے ہیں۔“

نہیں۔ یہ بھلا ذاتی دشمن ہے۔ اس نے میرے گال پر پتھر مارا ہے۔ اسی لئے اس کا صاحب کتاب میں اپنے پاس رکھوں گی۔ تم لوگ اسے دس نمبر کر کے تک لے جاؤ۔

مے چلو اس کو مادام دھاڑی۔ غصے کی نیا دیتی نے اس کے حسین نفوس جھیک کر دیئے تھے۔

داور نے ایک لمحے تک صبر نہ کر سکا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا: ”تھک ہے میں چلنے کے لئے تیار ہوں لیکن یہ زیادتی ہے۔ تم لوگوں نے خودی مجھے بلایا ہے اور اب ایسا سلوک کر رہے ہو۔ چلو کہاں لے جانا ہے مجھے لیکن یاد رکھو کہ تم لوگ مجھے زیادہ درنگ کہیں قید نہیں کر سکتے۔ وہ بڑ بڑاتا رہا اور وہ لوگ ریلو اس کے بل پر اسے اس کمرے میں لے آئے جس کا حوالہ مادام نے دیا تھا۔

ان لوگوں کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ داور اپنی مرضی سے ان کے ساتھ یہاں تک چلا آیا ہے۔

داور نے عبدل اور سلیم کی مدد سے دونوں زنجیروں کو ٹوک میں ڈالا تھا۔ پھر تانبہ کو ٹوک میں پھینکا تو کسی کی طرف چل بڑا تھا۔ اس نے عبدل اور سلیم کو ابست کر دی تھی کہ وہ دونوں بھی بیچ جائیں۔ تانبہ اس کے ساتھ سوکرے ہوئے بہت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ داور نے بھی اسے چھیننا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اپنی مرضی سے اس تنظیم میں شامل نہیں ہوئی ہوگی۔

راستہ بھر وہ لڑکی بھی اپنے خیال میں الجھی رہی تھی۔ وہ جیانی آئے کے بعد داور کو راستہ بتاتی رہی تھی اور وہ فک زبانی روڈ پر آگیا تھا۔ یہاں ایک چڑھے سے گودام کے اعلیٰ میں اس لڑکی کے کھنچنے کے مطابق داور اس ٹوک کو لے آیا تھا۔ ٹوک کے رکتے ہی بہت لوگوں نے چاروں طرف سے اس ٹوک کو گھیر لیا تھا۔ وہ لوگ ٹوک میں پڑے ہوئے زنجیروں کو دیکھ کر بہت غصے میں آ گئے تھے لیکن تانبہ نے کسی طرح انہیں اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ داور کے پیچھے کی اطلاع مادام تک پہنچاؤں۔

مادام نے اسی گودام میں ابعاد فز قائم کر رکھا تھا۔ داور کو اسی لمحے اندر پہنچا دیا گیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ اس کے اندر آئے کے بعد تانبہ اور ان زنجیروں پر کچھ گزرتی تھی وہ اندر آئے ہی مادام سے اٹھ گیا تھا۔ مادام بھوری طرح صبح و چرخ کلاس کے سامنے آئی تھی۔

یہاں آتے ہی داور کے ذہن میں کھلبلی سی چلنے لگی تھی۔ زندگی میں پہلی بار وہ ان لوگوں کے درمیان آیا جن کی حکمرانی اس کے باپ کے ہاتھ میں تھی۔ اس باپ کے ہاتھ میں جس کا تصور ہی اس کے وجود میں نفرت کی آگ جھوکا

دیتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے براہ راست اس کے باپ کے سامنے پہنچا دیا جائے گا۔ ایک بیٹا اب جی بن کر باپ کے سامنے آئے والا تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ایک عرصہ گزر چکا تھا۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کا باپ اسے پہچان بھی سکے گا یا نہیں۔ ہو سکتا تھا کہ خون جوش مار جائے باپ کی آنکھوں کے سامنے جی ہوئی دھند صاف ہو جائے اسے یاد آجائے کہ کسی زمانے میں اس کے دو بیٹے بھی ہوا کرتے تھے۔ جو اس کا بہادر لڑکھو تھے لیکن اس نے ان دونوں کو دھکے دے کر فٹ پاتھ پر بھیج دیا تھا۔

رشتہ تو اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب دولت نے باپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔ اور اسے اپنے بیٹے اور اپنی بیٹی کے لیے کی طرح فاتور دکھانی دینے لگے تھے۔ اور اوٹ میں آئے کے بعد داور نے سب سے پہلی قسمی کھائی تھی کہ وہ اپنے باپ سے انتقام لے گا۔ یہ رشتہ ختم ہو گیا تھا۔ صرف نفرت باقی رہ گئی تھی۔ اسی لئے وہ ریلو اس کے ہاؤس پر کسی معمول کی طرح فوراً ہی چلا آیا تھا۔ لیکن اس کے سامنے اس کا باپ نہیں آیا تھا۔ بلکہ یہ کوئی حسین اور بھرپور عورت تھی جسے سب لوگ مادام کہہ کر خطاب کر رہے تھے۔ یہ وہ عورت تھی نہیں ہو سکتی تھی جس سے اس کے باپ نے شادی کر لی تھی۔ یہ کوئی اور عورت تھی۔ کوئی اور عورت تھی جیسے حل کئے تھے۔ داور یہاں سے نہیں جاسکتا تھا۔

جس وقت وہ عورت داور سے ناراض ہوئی تھی اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ داور کو کمرہ نمبر دس میں لے جائیں اس وقت وہ لوگ داور کے اختیار میں تھے۔ وہ داور سے اتنے قریب تھے کہ وہ ان کے ہتھکڑوں کے باوجود بڑی آسانی سے ان پر قابو حاصل کر سکتا لیکن اس نے مصلحتاً غاشوش اختیار کر لی۔ ابھی ریلو اس کے بھیٹ نہیں کھلے تھے۔ اسے اپنے باپ کا سر لڑکا لگا تھا۔ اس عورت کو دیکھنا تھا جس سے اس کے باپ نے شادی کی تھی۔ اور یہ سب اسی وقت معلوم ہو سکتا تھا جب وہ اپنے دل و دماغ کو خنڈا تھا اسے ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جہاں کسی قسم کا کوئی فز نہیں تھا۔ اس کا دروازہ دیہے کا تھا۔ اور دروازہ بند ہو چکا بعد وہ کوئی بھری طرح بند ہو جاتا تھا۔ اس میں کوئی گھڑی کی نہیں تھی۔ البتہ چھت میں چھوٹے چھوٹے سوراخ بنے ہوئے تھے۔ راستے میں بھی داور کوئی بارہ موقع ملا تھا کہ وہ ان میں سے کسی کے ہاتھ سے پستول چھین سکتا

تھا لیکن اس نے جان کو بچھڑا کر نہیں کیا۔ وہ بڑی ہی فرمانبرواری کے ساتھ ان لوگوں کے اشارے پر حرکت کرتا رہا۔ پھر یہ لوگ اسے اس کمرے میں بند کر کے چلے گئے تھے۔ وہ بے کار دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

داور کی کچھ عین نہیں آتا تھا کہ اس نے یہاں تک اگر کوئی عقلمندی کی تھی یا اس سے حماقت ہوئی تھی۔ وہ عورت بہت ہی کلمتہ بہرہ ور اور خطرناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ جس انداز سے یہاں مردوں پر حکمرانی کر رہی تھی اس سے بظاہر ہوتا تھا کہ وہ یہاں بہت ہی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ داور کو اس کے عجیبے رنگ پیچھے کے لئے اس کی باتیں بڑھت کر لیتی تھیں۔ اس عورت کو اپنے اعتماد میں لینا تھا لیکن وہ مزاح کا کیا کرتا۔ جو کسی کا بی برداشت نہیں کر سکتا تھا اس عورت نے اسے گالی دی تھی اور داور کے لئے بہت بڑی بات تھی۔ اگر اس عورت کی جگہ کوئی ہوتا تو داور اس کی گردن توڑ کر رکھ دیتا۔ لیکن وہ ایک عورت تھی اسی لئے وہ اسے صرف پتھر ہی مار سکا تھا۔ اپنے باقی ماندہ غصے کو اس نے اپنے سینے میں اندر لیا تھا۔

اس کے ذہن میں کئی سوالات کھڑا رہے تھے۔ بہ عورت کون تھی۔ اس کے باپ سے اس کا کیا تعلق تھا۔ اس کا باپ کہاں تھا۔ ریلو اس کے ہاؤس نے داور کو بھول بلایا تھا۔ ہلکا باتیں اٹھی تک لازمی تھیں۔ اور یہ بلا وقت گزرنے کے بعد ہی سامنے آ سکتا تھا۔ اور اسے وقت گزرنے کا انتظار کرنا تھا۔ پھر چاکا اسے احساس ہوا کہ اس کمرے میں وقت گزرا قیامت ہو جائے گا۔ اس عورت نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے اسے اسے کمرے میں بھیج دیا تھا۔ جو رفتہ رفتہ جہنم بناتا جا رہا تھا۔ ایسا جہنم جہاں بجائے گری کے سردی ہو ساس کرے کا درجہ ٹھنڈے لگا تھا۔ بہت ہی ان محسوس طریقے سے۔ ٹھنڈک کی ہر چھت پرہنے ہوئے سوراخوں کے ذریعے اس کمرے میں پھیلتی جا رہی تھی بہت آہستہ آہستہ جیسے کبیر کے مریض کو موت اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آہستہ آہستہ اپنے پیچھے بڑھانے لگے۔ اپنی گرفت مضبوط کر لیتی چلی جانے۔

اس کمرے میں موت داخل ہو رہی تھی۔ یہ موت بہت عجیب تھی۔ اس کی اذیت ہے انتہائی تھی۔ داور نے کبھی اپنی اذیت محسوس نہیں کی تھی۔ یہ ہے سردی اس کی نگاہ میں مر لہت کر رہی جا رہی تھی۔ اس کو سڑیل تک پہنچا دیتی تھی۔ فوسوں ہو رہی تھیں اس نے سردی کے احساس سے بچنے

کے لئے اپنے دونوں گھٹنے سیکڑے اور دلوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ لیکن سردی کا احساس بڑھتا ہی چلا گیا۔ اس عورت نے اس کے لئے بہت سی جھپک مڑاؤ بڑی تھی یہ ایسی مڑاؤ جو اسے مفلوج کر کے رکھ سکتی تھی۔ اور اس ٹھنڈی سزا نے اسے مفلوج کرنا شروع کر دیا۔ اس نے محسوس کیا کہ گھٹنے سیکڑے بیٹھنے سے اس کی ہڈیاں بچھڑا ہونے لگی ہیں۔ وہ بچھڑا اور اگر اس طرح بچھڑا تو شاید کبھی کھڑا ہونے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

اس نے ہڈیوں کو مفلوج ہونے سے بچانے کے لئے اپنے دونوں پیراگے کی طرف پھیلا دیئے لیکن چھت کے سوراخوں کے ذریعے آہستہ آہستہ رہی ہوئی سرد موت اسے چن نہیں لینے دے رہی تھی۔ صورتحال اس کیلئے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ وہ اپنی دو دونوں ہتھیلیاں ٹیک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا پورا جسم جیسے برف کا قندہ بنتا جا رہا تھا۔ اس نے اس چھوٹے سے کمرے میں دوڑنا شروع کر دیا۔ یہ کمرہ اس کی وسعت کے لئے بہت کم تھا۔ لیکن اسے اپنی بقا کے لئے بے غی جھاک دوڑ کر رہنا تھا۔ اس وقت تک جب تک اس کے اندر کا درجہ حرارت اس قابل نہ ہو جائے کہ وہ اس سردی کا مقابلہ کر سکے لیکن اس کے اندر بھی برف جمی رہی جیسے وہ خود برفانی میدان میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اب اس کی سانسیں بھی اس کی ناک سے نکل کر اس کے سامنے کان کی پٹلی کی شکل پر طرح طرح اور ترشے لگی تھیں۔

اس کمرے میں دھند سی چھا گئی تھی۔ یہ دھند گہری ہی ہوتی جا رہی تھی۔ دلوں میں غائب ہو گئیں۔ صرف دھند تھی جس کی دوسری طرف کچھ دیکھا نہیں جاسکتا تھا۔ اس نے زور زور سے اپنے ہاتھ پاؤں بالائے شروع کر دیئے وہ قوت یہ جانتی تھی کہ داور زور کرنا اس کی طلب کرتے تھے۔ اس سے رحم کی جھپک مائلنے لگی۔ وہ اسے بے بس کر کے بہت خوش ہو رہی ہوگی۔ لیکن داور کے لئے اپنی زندگی کی معافی مانگنا بھی موت کے برابر تھا۔ یہ اس کی توہین تھی۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اس کا جسم کرکری کے تختے کی طرح اکڑ جائے لیکن وہ اپنی مدد کے لئے آواز بلند نہیں کرے گا۔

زندگی میں پہلی بار اس کی قوت الادی کا ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس کی قوت لازمی بھی بچھڑا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ سوچنا چاہتا تھا لیکن اس سوچ کے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ ان راستوں پر برف جم چکی تھی۔ وہ اپنے بدن کو

حرارت پہنچانے کے لئے متحرک رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی تحریک دم ٹوٹنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ وہ اپنی مدد کے لئے کسی کو آواز دے۔ دشمن اگر چالاک ہو تو جنگ میں فتویٰ سی مصلحت بھی اختیار کر سکتی ہے۔ یہاں سے لپکنے کے بعد وہ ان لوگوں کے خلاف کچھ کر سکتا تھا۔ اس نے چپینے کی کوشش کی لیکن اس کی آواز تک بھڑکنی تھی۔ بے ربط اور قوت سے ہوئے الفاظ اس کے دانتوں کے پیچھے آکر اٹھنے لگے تھے وہ چپ بھی نہیں سکتا تھا۔ سرد موت اسے اپنے ساتھ کھینچتی ہوئی بہت دور تک لے آئی تھی۔

اس نے اپنا قدم بڑی مشکل سے آگے بڑھایا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی روٹھ چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔ پیروں کے انگوٹھوں سے لے کر ہڈی کی ہڈی تک انگوٹھی تھی۔ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ایک قدم آگے بڑھالینے کے بعد اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے۔ وہ اسی طرح دوڑنے تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے چپ کر سکتی تو منہ نہ نہیں کر سکتا۔ قوت دلانے کی بس بھی ایک صورت ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے جسم کا تقاضا سے دوڑنا پہنچنا شروع کر دے۔ اس نے اس کمرے میں آکر اپنی زندگی کی یہ سب سے بڑی غلطی کی تھی اور اب اس غلطی کا تمیزانہ بھگت رہا تھا۔

دو قدم تین قدم چھوڑے دروازہ تک پہنچ گیا۔ یہ فاصلہ اس کے لئے صدیوں اور صدیوں کا ہو گیا تھا۔ چلائی ہوئی دھند سے جب اس کا بدن ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہ کان پانی کی صورت اختیار کرتی پھر فوراً ہی جم جاتی۔ ہائی لٹنے اور بھابھ ہونے کا یہ قماش مسلسل ہو رہا تھا۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ ان لوگوں نے اس کمرے کے درجہ حرارت کو کتنا کم کر دیا ہے۔ لیکن اسے یقین ہو گیا تھا کہ سائبریا اور دوسرے برفانی علاقوں میں اس قسم کی سردی ہوتی ہوگی۔ اسی لئے وہیں انسان نہیں پائے جاتے کیونکہ انسان اپنی تمام تھیں اور جین کے باوجود ایک خاص حد تک موسمی تنظیمیں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اور اگر اسے زمردی ایسے حالات میں تھکیل دیا جائے تو اس کا بدن کٹنے کی طرح زوئی کر پڑے ہوئے لگتا ہے جس طرح اس وقت داور کا ہو رہا تھا۔

دور سے نگہ پہنچنے کے بعد اس نے اپنے جسم کا سارا وزن بند دروازے پر ڈال دیا۔ گہری گہری سانسیں لینے کی کوشش کی پھر دروازہ پھینکے کے لئے اپنا ہاتھ اوجھڑا پھر اس نے اپنا

اٹھا ہوا ہاتھ ایک جھٹکے سے گرا لیا۔ اس نے اپنے ہونٹوں کو لپکے دانتوں تلے اتنے زور سے دبا دیا تھا کہ ان سے خون رسنے لگا۔ لیکن وہ خود بھی سردی کی شدت سے اسی وقت چم گیا تھا۔ یہ اس کی موت تھی۔ مدد کے لئے کسی کو آواز دینے کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنی شکست قبول کر لی ہے۔ وہ قوت بھی شایہ سہی جاتی تھی۔ وہ اسے مارنا نہیں چاہتی تھی بلکہ وہ داور کو شکست خوردہ دیکھنے کی خواہش مند تھی۔ اور اس طرح دروازے پر دستک دینے کا مطلب یہ تھا کہ داور نے اس کی خواہش پوری کر دی ہے۔

لیکن وہ کیا کرے۔ برداشت کی حد ختم ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اب ٹوٹنے لگا تھا۔ یہ اذیت ان ہزار عذابوں سے بڑھ کر تھی۔ جاس نے ابھی تک اپنی زندگی میں برداشت کے کتنے ان عذابوں سے گزرے تھے۔ دوران اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ہر قدر رہتی تھیں۔ وہ ان سے رہائی کی کوئی ٹھوس ترکیب سوچ لیتا تھا لیکن اس عذاب نے اس کے ذہن تک کو مفلوج کر دیا تھا۔

پھر چالاک ایک چہرہ اس کے دھیان میں چمک اٹھا۔ جیسے بادلوں کے درمیان سے اچانک سورج نمودار ہو جائے وہ چہرہ اس کے ذہن پر چھائی ہوئی موت آؤد دھند کی طرح کو چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ وہ چہرہ بابا کا تھا۔ اس بابا کا جس نے جیل میں داور کو برداشت کرنے کا فن سکھا یا تھا جسے کوہرا بنایا تھا جس نے یہ بتایا تھا کہ اپنے جسم کو فو لائوس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ اور حالات کی سختیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ذہن کی کس صلاحیت کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

بابا کے خیال نے داور کے بدن میں زندگی کی نئی بوڑھا دی۔ وہ اس سے پناہ سردی میں زندہ تو نہیں رہ سکتا تھا لیکن اس سے مقابلہ ضرور کر سکتا تھا۔

اس کمرے میں شاتر سرکٹ کے ٹی وی لگے ہوئے تھے۔ اور ہر ٹی وی کے اسکرین پر داور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کمرے میں پانچ آؤٹی تھے۔ مادام، ماتھر، مادام کے دوست، مڈا اور ایک بوڑھا۔ وہ بوڑھا مشرقی لہجہ کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے جسم پر ایک ڈھیلّا ڈھالے ڈھنگ سا چھوڑا تھا۔ اس کا چہرہ پھر پھر سے بھرا ہوا اور زور دہر رہا تھا۔ اس کے سر کے بال بالکل سفید تھے۔ یہی حال اس کی ہڈیوں اور ہونٹوں کا تھا۔ اور ہڈیوں کے درمیان اس کی انگلیاں

ایسی تھیں جو اپنی جانب متوجہ کر لیتی تھیں۔ بہت سی روشیں اور ہزار ہا تھیں تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ان انگلیوں میں ٹوکہ رکھ بدلتے بدلتے کی صلاحیت بھی ہو۔ اس بوڑھے نے ٹی وی کے ایک اسکرین پر اپنی لڑکیں جمائیں تھیں۔ وہ بہت خور سے اسکرین پر دکھائی دینے والے داور کو دیکھ رہا تھا۔ جواب کرے کے وسط میں اس کی پانی مند کر دیوے کے انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسکرین پر دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اپنی سانسیں روک رکھیں ہیں اور اپنے اندر کی قوت برداشت کو بے دار کرنے میں مصروف ہو۔

”یہ بہت ہی سخت جان معلوم ہوتا ہے مادام۔“ اچانک ماتھر کی آواز نے اس کمرے کی خاموشی ختم کر دی۔ ”یاں“ مادام نے ایک گہری سانس لی۔ یہ پہلا آؤٹی ہے جو اتنی دیر سے اس ٹھنڈے کا مقابلہ کر رہا ہے۔ اس وقت وہاں کا درجہ حرارت کیا ہو گا؟

”منفی پندرہ ہے مادام۔“ ماتھر نے جواب دیا۔ ”میں نے ابھی ابھی معلوم کیا تھا۔“

”اسے اور کھٹا دو۔“ مادام نے حکم دیا۔ ”منفی تک لے جاؤ۔ پھر دیکھتی ہوں کہ اس میں کتنی قوت برداشت ہے۔“

”اگے“ مادام نے ماتھر کی طرف سے کھڑا ہوا اور دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ لگا تھا کہ اس بوڑھے نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

”مٹھراؤ۔“ اس کی آواز گونج اٹھی۔ اس کی آواز اس کی جسامت کے لحاظ سے بہت نرانا تھی۔

”کیا بات ہو گی لانی۔“ مادام نے چونک کر اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔

”تم اس شخص کو اذیتیں دے کر لو تو سکتی ہو لیکن جھکا نہیں سکتیں۔ اس کی قوت برداشت تمہارے ذہن میں کتنی نہیں آگے کی۔ میں اس کے چہرے پر کچھ ایسی علامتیں دیکھ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کے ساتھ مانگ رکھا تو تمہارے لئے فائدہ مند ہو گا۔ ورنہ تم نقصان بھی اٹھا سکتی ہو۔“

”اس نے مجھے ضد دلانی ہے لانی۔“ مادام نے کہا۔ ”اس نے میرے گال پر کھینچا ہے۔ میں اپنی زندگی کے عوض بھی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتی۔“

”تو پھر مجھے تمہاری زندگی بہت مختصر دکھائی دے رہی ہے۔“ بوڑھا لانی خشک لہجے میں بولا۔ ”میں نے تمہیں سمجھا دیا ہے اب اگر تم اپنے آپ کو تباہ ہی کرنا چاہتی ہو تو میں اس کام میں

تہمارا ساتھ نہیں دے سکوں گا یہ

”تو پھر تیار کیا خیال ہے لانی۔ مادام نے پوچھا کیا میں اسے چھوڑ دوں۔ اس نے اٹھے جھک جاول“

”میں بھی نہیں چاہتا۔ میں خود تمہیں اس درجہ گراوا دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔ میرے عقلمند لوگوں نے یہ کہا ہے کہ دشمن کو اگر ملک کرنا ہے تو دشمن تم سے زیادہ طاقت ور ہے تو سامنے آنے کے بجائے اس کے پیچھے جا کر.....“

اس کا خاکہ کرو۔ بد نظموں بیکاری بہت بڑی چیز ہو گئی ہے۔ تم اگر اس سے کام لینا چاہتی ہو تو دھڑکی رہو۔ میں اس کے لیے کوہ کھد کر دے دوں گا۔ یہ کہہ کر ملتا ہوا کہ یہ شخص تمہارے بہت کام آسکتا ہے۔ تم اس سے کام لینے کا بہتر سبب کو خود سے علیحدہ کر رکھا جاتا ہے اور اس کی ذوری بھی ہاتھ میں رکھی جاتی ہے سمجھیں“

مادام نے بہت برا سا منہ بنایا لیکن وہ اس بوڑھے لانی کی مخالفت نہیں کر سکتی تھی۔

”شیک ہے اس نے تمہاری سانس لے کر ہاتھ کی طرف دیکھا۔ جاؤ۔ اس کمرے کو داخل کر دو۔ میں ابھی آئی ہوں۔ ہاتھ کر کے سے جانے کے بعد لانی بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا یہ نشنہ برخواست ہوئی تھی۔ کمرے میں موجود لوگ دروازے کی طرف جانے لگے۔ اسی وقت لانی نے پلٹ کر مادام کی طرف دیکھا اور دھیرے سے بولا۔

”میں تمہیں ایک بات اور بھی بتا دوں۔ تمہاری زندگی بھی اسی شخص کی وجہ سے برقرار رہے گی اگر تمہاری موت بھی اسی کے ہاتھوں ہوگی“

”اوہ۔ مادام جلتے جلتے رک گئی“ لانی اگر بات ہے تو میں اس سانپ کو اپنی اسٹین میں نہیں بالوں گی۔ لانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ یہ ایسی مسکراہٹ تھی جو اس وقت کسی بڑے کے ہونٹوں پر نمودار ہوتی ہے جب کوئی بڑا اپنی عمر سے بڑھ کر بات کر رہا ہو۔

”جاؤ۔ پوشش کر کے دیکھ لو اس نے سرگوشی کی۔ میں اپنے کمرے میں تمہاری کامیابی کی خبر سننے کا انتظار کروں گا۔ مادام کا چہرہ غصے سے مٹنا اٹھا وہ پاؤں بٹختی ہوئی اس کمرے سے باہر نکل گئی۔ لانی کے علاوہ اس کمرے میں موجود ہر شخص اس کے ساتھ ہولنا تھا۔ ان لوگوں نے لانی کی گفتگو سن لی تھی۔ وہ اس کی بات پر عمل بھی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن دوسری طرف وہ مادام کے مزاج سے بھی واقف تھے۔ یہی لئے

وہ مادام کے ساتھ ہونے لگے۔

ان لوگوں کی لڑکا ہوں سے اچھل جوا جانے کے بعد لانی تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس کا یہ کواں شہادت کی دوسری منزل پر تھا۔ اس راہداری کا آخری کمرہ تھا۔ اور اس طرف کسی کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ خصوصی آمانیں مادام کے حجرے سے جڑی گئی تھیں۔

لانی کا کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا بہت مختصر سا مردان مختصر سا انڈر پیر پہنی لگا ہوا میں وہ کسی بہت وغیرہ کا کوہکنی دیتا تھا۔ البتہ اس کمرے میں رکھا ہوا فون یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کمرے کا مہکین موجودہ عہد میں سامنے لے رہا ہے۔ لانی نے کمرے میں آتے ہی فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے ایک نمبر ڈائل کرنا دیکھ سنے کے بعد بولا۔ ”نگورا۔ میرے پاس آ جاؤ۔ اسی وقت“

ریسیور کرپڑ میں رکھنے کے بعد وہ بے چینی سے کمرے میں ٹھٹھکے لگا کھڑی دیوار دروازے پر دستک ہوئی اور ایک سیاہ فام کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک فز آؤر آؤٹی تھا اس کا چہرہ مسخ ہو چکا تھا۔ اکاؤنٹ ڈول ہاتھی جیسا تھا وہ جموئی طور پر ایک ایسا آدمی تھا جس کو دیکھ کر بہت تھاری ہوسکتی تھی۔

”غلام حاضر ہے آقا۔“ زنگور سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”تمہاری مادام کمرہ نمبر دس کے قبضے کو بلا کر لے کر گئے ہیں۔“ لانی نے کہا اور میں چاہتا ہوں کہ اسے بہریت پر رہا لیا جائے“

”الہامی ہو گا آقا۔“ زنگور مسکرا دیا۔ اس کے سفید سفید دانت اس کے سیاہ چہرے کے درمیان یوں فوس ہو رہے تھے جیسے بجلی چمک اٹھی ہو۔ میں مادام کی گردن نوٹ کر اس کے جسم سے الگ کر دوں گا۔ آپ دیکھتے رہیں۔ کچھ ہی دیر بعد آپ یہ خبر سن لیں گے“



اس کمرے کی بے پناہ برصتی ہوئی ٹھنڈک میں اچانک کی آگئی۔

داور کو احساس نہیں ہو سکا تھا کہ واقعی درجہ حرارت بڑھنے لگا ہے یا اس کا احساس اسے ایسا عسوس کرنے کی تلقین کر رہا ہے۔ اس نے اپنی سانسیں روک رکھی تھیں اور تو یہ اس آگ پر کمزور کر دئی تھی جو اس کے تصور میں

روشن تھی۔ وہ یہ احساس کر رہا تھا کہ جیسے اس آگ سے اٹھنے والی آگ برف رفتہ رفتہ اس کے پورے بدن میں سرایت کرتی جا رہی ہو۔ اس سردی سے مقابلہ کرنے کا بھی طریقہ تھا اس کے پاس۔ پھر سردی واقعی کہہ مرنے لگی تھی۔ جیسے اس کمرے میں کسی نے دو چار پیر جلادینے ہوں۔ اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس کمرے میں چھائی ہوئی دھندلے کچر بہت کم ہوئی تھی لیکن ابھی تک دروازہ اس دھندلے گرفت میں تھے۔ اور وہ سانس لیتی، پھیلتی سسکتی ہوئی دھندلے کمرے میں کسی زندہ وجود کی طرح سرسرا رہی تھی۔

یہ نماشا بھی زیادہ دراز نہ ہو رہی تھی۔ اس کمرے کے ساتھ ساتھ دھندلے سلاخوں کے درپے اس کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ دروازوں سے چمک کر دم ٹوٹنے لگی۔ اچانک سردی ختم ہو جانے کے بعد داور کے عضلات جیسے لینے لگے تھے۔ یہ صورتحال بھی اس کے لیے خطرناک ہوسکتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اپنی سانسیں اپنے سینے میں نید کر لیں۔ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ذہن کو کمرے میں بھجوانے دلی سردی اور اچانک گرمی کے احساس سے برگڑ کر لپٹا کھڑی دروازے کے کمرے کے فضا کے ساتھ ساتھ اس کا ہاں بند بھی اس کے قابو میں آ گیا تھا۔ اس نے اس نئے موسم سے خود کو ممانعت کر لیا تھا۔ کمرے کی سردی ختم ہو چکی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ دھندلے اب غائب تھی۔ اس کمرے کی دیواریں اور سلاخوں والا دروازہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

وہ ایک انٹرائے کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو کسی فلاح کے ہونٹوں پر اس وقت آ کر پڑتی ہے جب وہ اپنے بہت بڑے دشمن پر فزافو پالے۔ اس کمرے کے اچانک بدل جانے والے موسم اس کے لیے بہت بڑے دشمن بن گئے تھے۔ اور اس نے اپنی براہ راست کے بل ہران دشمنوں پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ کھڑے ہو کر اس نے ایک زوردار انٹرائے لی۔ اپنے بدن کو جھٹکا اور اوجھڑا دھڑکنے لگا۔ وہ اب بڑے سونے کے اسے کچھ باتوں کی گڑبگڑ تھی۔ یہی بات تو یہی تھی کہ یہ تنظیم اس کے باپ نے بنائی تھی۔ اور اب وہ خود کہاں تھا۔ داور کے یہاں آنے کے بعد وہ دکھائی کیوں نہیں دیا۔ پھر عورت کون تھی۔ جسے مادام کہا جا رہا تھا۔ یہ عورت اس کے باپ کی بیوی تو نہیں ہوسکتی تھی۔ کیونکہ اسے بھی اب تک بوڑھی ہو جانا چاہیے تھا۔ یہ کوئی اور عورت تھی۔ اور اگر یہ کوئی اور تھی تو اس

کے باپ کی دوسری بیوی۔ بنیم کہاں چلی گئی۔ اور تیسرا سوال یہ تھا کہ یہ لوگ اس سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ اسے یہاں کرنا لایا گیا ہے۔

کمرے کے دروازے، بکری کی آٹھ سناٹی دی۔ اس نے دروازے کے طرف دیکھا۔ وہاں مادام اپنے دو آنکھوں کے ساتھ اپنی کمرہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹ کھینچ رکھے تھے۔ وہ اس کی آنکھیں داور پر مڑی ہوئی تھیں۔ وہ اس وقت کسی شیرینی کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ ایسی شیرینی جسے چھیر دیا گیا ہو۔ وہ واقعی ایک خوبصورت عورت تھی۔ قدرت کے ہاتھوں نے بڑے سلیقے کے ساتھ اس کے ہیکر کو تراشا تھا۔ اسے اس ملک، برافغم اور اس دنیا کی بہت سی عورتوں سے زیادہ دلکش اور خطرناک عطا کر دی تھی۔ اس کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی اپنے ذہن میں لوہے کی دیواروں کی طرح تھے۔ ان کے ہونٹوں سے پسینوں تک رہے تھے، مگر ان کے پاس پسینوں کی بجائے ہوتے تو وہ اتنے آسان لوگ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

داور چند لمحوں تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مسکرا کر دوسری طرف مڑ گیا۔

”اسے“ مادام کی آواز سناٹی دی۔ ”تم کچھ اوتے کیوں نہیں؟“ ”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تم سے رحم کی جھیک مانگتی شرمندہ گردوں کی داور لے اس کی طرف دیکھا۔ اگر تم نے اپنی کسی غرض کے لیے یہاں لانی کو زوریر یا ہسٹری شپٹ بھی نہیں معلوم ہوئی۔ نہیں یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں نے کسی بھی حالت کی پرواہ نہیں کی۔ موسموں کی منتیاں مجھ سے متحرک خود ہی پیچھے ہٹ جاتی ہیں“

”تم واقعی بہت سخت جان آدمی ہو،“ مادام نے کہا۔ ”ہم اسی لیے کہیں یہاں لائے تھے۔ تم ہمارے لیے بہت کام کے آدمی ثابت ہو سکتے تھے۔ ہم تم سے ایک کام لینا چاہتے تھے۔ لیکن اب تمہاری موت کی خاطر ہم نے اس کام کے نقصان کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تم ایک بد نظیر آدمی ہو۔ اور ایسے آدمی بعد میں مصیبت من جاتے ہیں“

”تو پھر اب کیا ارادہ ہے تمہارا؟“ داور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میں تمہیں کتوں کی موت مارنا چاہتی ہوں۔“ ”اور میں تمہیں کسی کتاب کی طرح بھونکے ہوئے کر دوں گا۔“ داور نے کہا۔

داور کی بات سن کر وہ غصے کی شدت سے اس طرح لڑنے لگی جیسے اس کے بدن کو بجلی کے جھٹکے لگ رہے ہوں۔ اس کے چہرے کا رنگ اب اور بھی سرخ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں آنکھوں پر سالے لگی تھیں۔ وہ اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے دہانے لگی۔

”اس شخص کو کمرے سے باہر نکالو“

اس عورت کا حکم سنتے ہی ایک آدمی تیزی سے ایک طرف چلا گیا۔ وہ شاید کھٹکے والے دروازے کو ایک طرف کرنے کے لیے گیا تھا۔ جب کہ دوسرے نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر اس کا رخ داور کی طرف کر دیا تھا۔ اسی دوران وہ دروازہ ایک طرف کھینک گیا۔ ماور دوازے کے کھٹکنے کے عمل کے ساتھ ہی وہ دوسرا آدمی بھی وہاں آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں بھی ایک پستول تھا۔ داور کی طرف دو عدد پستول آئے ہوئے تھے۔ وہ ہونٹ بھیج کر مصدقہ حال کا پتہ پڑنے لگا۔ ان دو لاشی پتھیروں کی موجودگی میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اتنی جلدی اس ڈرامے کا ڈراپ میں بھی نہیں چاہتا تھا۔ ابھی کوئی بات سمجھنے کے لیے اس نے اپنی آنکھیں اور صورتحال اسی ہو گئی تھی کہ وہ باوجود کو ان کے حوالے کر کے بالکل یس ہو جاتا یا ان کے خلاف کچھ کر کے کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے سے قاصر ہو جاتا۔

”آؤ باہر آؤ کلاما لے آؤ آدمی میرے یہ دونوں آدمی تمھاری قسمت کا فیصلہ کر دیں گے“

”بہت بہتر“ داور نے ایک گہری سانس لی اور دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ دونوں پوری طرح ہوشیار دکھائی دے رہے تھے۔ اسے آگے بڑھتے دیکھ کر وہ دونوں ایک ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ مادام بھی ان کے ساتھ ہی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ ایسا ٹکس ہو رہا تھا جیسے کسی شیر کو بچرے سے باہر آتے دیکھ کر لوگ دہشت زدہ ہو گئے ہوں۔ پستولوں کی موجودگی کے باوجود وہ دونوں بہت سکے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ داور کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔ اس نے اپنی لگائیں ان دونوں پر دھرا رکھی تھیں۔

”اس آدمی کو لان میں لے جا کر گولی مار دو“ مادام اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوئی۔ ”میں اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتی“

ان میں سے ایک نے اپنا پستول والا ہاتھ لہر کر داور کو آگے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ داور گہری نگاہوں سے اس عورت

کو دیکھتے ہوئے ان دونوں کے آگے چل پڑا۔ اسے انہی تک اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ بہت سوچ بچار کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی ذرا سی حرکت کو بھی ناکام بنا سکتے تھے۔

اسے ایک طویل کوریڈور سے چلا جا رہا تھا۔ داور کی ہچکچاہٹ نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے ایک کورام میں کتنے انتظامات کر رہے ہیں۔ اس نے ایک نظربندیہ دکھا۔ مادام بڑی ادا کے ساتھ اپنے پاؤں جھاتی ہوئی آہستہ آہستہ پیٹی آدھی تھی۔ اس کے دونوں محافظ داور کے عقب میں تھے۔ پھر ایک ایسی جگہ آئی جہاں داور صوف سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ کوریڈور دائیں طرف کو گھوم گیا تھا۔ اور یہاں راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ دونوں سڑائی کرنے والے اب ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بلکہ آگے پیچھے ہو گئے تھے۔

ایک قدم۔ دو قدم۔ تیسرے قدم۔ ہر داور کی کسی تیزی سے مڑا اور اسی وقت کوئی غرائی ہوئی چیز اس کے اوپر سے ہوتی ہوئی پیچھے آئے والے پرجا پڑی۔ اس شخص نے ایک پیچہ بند کی اور اسی وقت داور نے اس کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس کا پستول داور کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ جنت لگانے والی چیز ایک سیاہ بیٹلی جو جانے کس گوشے سے نکل کر ان پر حملہ ہو رہی تھی۔ اس بیٹلی نے ایک محافظ کو دہشت زدہ کرنے کے بعد دوسرے پر چھلانگ لگا دی تھی۔

دوسرے نے پستول والا ہاتھ اٹھایا۔ وہ بیٹلی کو مارنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ بیٹلی کسی چھلاوے کی طرح اچھلتی ہوئی ایک طرف جا کر غائب ہو گئی تھی۔ داور نے پستول چھیننے کے بعد پیچھے کی طرف دیکھا۔ محافظوں کے ساتھ ساتھ کھٹکنے والی مادام نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ وہاں صرف دونوں محافظ رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس کے ہاتھ سے داور نے پستول چھین لیا تھا۔ جب کہ دوسرا وہ تھا جو پستول اپنے ہاتھ میں بیے تدبیر کے عالم میں کھڑا تھا۔ داور نے پیچھے والے کی طرف دھیان نہیں دیا۔ اس نے دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس پستول بردار سے کوئی خطرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن داور کے بتور دیکھتے ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا دیا۔

”جلدی مت کرنا“ وہ گڑبڑ کر بولا۔ ”میں مادام کا آدمی نہیں ہوں“

داور اپنے ہونٹ پیچھے ہوئے اس آدمی کی طرف دیکھتا

رہا۔ جس نے اب اپنا پستول بھی اس کے سامنے پھینک دیا تھا۔ ”مجھ پر دھوسر کر دو“ اس نے پھر کہا۔ ”میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ میں لانی کا آدمی ہوں۔“

”مجھے نہیں معلوم یہ لانی کون ہے؟“ اسی وقت پیچھے والے شخص کی کراہ سنا دی۔ داور دوسرے آدمی سے بات کرنے کے چتر میں پہلے والے کو بھول ہی گیا تھا۔ اس نے پہلے کی طرف نظر کی۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کی حالت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ دم توڑنے والا ہو اس کا پورا چہرہ ہلا ہو گیا تھا اور اس کے ہوتوں سے جھاگ نکل نکل کر اس کی ٹھوڑی اور گردن پر گر رہے تھے۔ یہ ایک عجیب نمائشا تھا۔ داور کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کو اچانک کیا ہو گیا ہے۔

”کیا ہو گیا ہے اس کو؟“ داور نے اس آدمی سے پوچھا۔ ”پیس کچھ دیکھ کر مہمان ہے؟“ اس آدمی نے جواب دیا۔

”اس پر حملہ کرنے والی بیٹلی تھی؟“ ”نہرلی؟“ داور نے حیرت ظاہر کی۔

”ہاں آپ میرے ساتھ چلیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ آپ کو سب کچھ بتا دیا جائے گا“

داور کچھ دیر تک اسے ٹھونے والی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ وہ اس وقت کشمکش میں مبتلا ہو گیا تھا۔ بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر لی لیا۔

”ٹھیک ہے“ اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”جو کہیں لے جانا ہے“

پہلے والے نے اب دھیرے دھیرے پھر کنا شروع کر دیا۔ لیکن ہرگز رتے ہوئے گئے کے ساتھ اس کی حرکت مدھم ہوئی جا رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دم توڑ دیا۔ کچھ لمحوں پہلے کا انسان کچھ لمحوں کے فاصلے کے بعد موت و حیات کی کشمکش سے آزاد ہو چکا تھا۔ وہ مادام کے حکم کے داور کوئی مارنے کے لیے نکلا تھا۔ لیکن راستے میں موت اس کے آگے آ گئی تھی۔ انسان کی یہی سادہ ہو کر مٹی ہے۔ وہ سوچنا کچھ اور ہے اور قدرت اسے کچھ اور کر دیکھا دیتی ہے۔ کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ اگلا کس کس کے ساتھ کیا فعل کھلانے والا ہے۔

”بس اپنی دیں؟“ دوسرے نے کہا۔ ”دوسرے لوگ آئے ہی والے ہوں گے“

داور نے فرش پر گرا ہوا پستول اٹھایا۔ اب اس کے پاس دو پستول ہو گئے تھے۔ اس نے دونوں پستولوں کو اپنی جیبوں

میں ٹھونس لیا۔

وہ آدمی داور کو اپنے ساتھ لے کر ایک طرف دوڑ پڑا۔

داور اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ دوڑ پڑا آگے چل کر ایک کمرے کے دروازے پر اکثر تھم ہوجاتا تھا۔ اس کمرے کے بعد ایک اور کوریڈور تھا۔ جس کے دونوں جانب کی کمرے بنے ہوئے تھے۔

وہ آدمی داور کو اپنے ساتھ ان ہی میں سے ایک کمرے میں لے آیا تھا۔ جہاں ایک بہت لمبا آدمی بیٹے سے موجود تھا۔

داور نے اس بوڑھے کی طرف دیکھا۔ اس بوڑھے کی آنکھیں غیر معمولی طور پر بڑے حد تک رکتھیں۔

”بچہ جاؤ اور کوریڈور سے بوڑھے نے داور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تم کو میں نے ہی موت کی چنگل سے بچا ہے۔“

وہ اگر تم میرا ساتھ نہ بھی دیتے تب بھی میں ان لوگوں سے بچ نکلتا۔“

”مجھے معلوم ہے کہ تم اسی قسم کے آدمی ہو، بوڑھا مسکرایا۔“

پھر اس نے اس آدمی کی طرف دیکھا جو داور کو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اب تم جاؤ۔“

اس آدمی نے جھٹک کر بوڑھے کو تعلیم دی اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ داور کی آنکھیں ابھی تک نہیں آ رہا تھا کہ یہ بوڑھا کون ہے۔ اس تعلیم میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اس نے مادام کی چنگل سے اسے کیوں نجات دلوا دی تھی۔ چند سوالات کے بعد یہ نئے سوالات اس کے ذہن میں پیدا ہو گئے تھے۔

یہاں آئے کے بعد معاملہ اچھلتا ہی چلا گیا تھا۔ پھر وہ اپنے ذہن کو جھمکن ہوا بوڑھے کے متناہل فرش پر پڑا کچھ کچھ ہونے والا تھا وہ ہر گہری رہتا۔ اس کے لیے زیادہ ہریشیاں ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس کمرے میں سوئے فرش اور ایک میز کے اور کوئی سامان نہیں تھا۔ میز پر ایک فن رکھا ہوا تھا اور کچھ کتابیں تھیں۔

”میرا نام لانی ہے“ بوڑھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے

**یہ محمود خاور کے خاص نمبر**  
**سرکٹا شیطان میں پڑ جائے**  
اپنے قریبی بچے اے خرید لیں  
۳۰۰ روپے بازار دھروا  
دفعہ شنبہ ۲۶/۳/۲۰۲۱



بولہ "میں نے ہی اپنے آدمی کو تمہاری طرف بھیجا تھا کہ وہ تمہیں مادام کے آدھوں سے بچا کر لے آئے۔"  
 "میں نہیں سمجھا سکا کہ اس مہربانی کا کیا مقصد ہے؟" داور نے خفک بے میں کہا "یہ مجھے اسی عورت ہی کی کوئی چال معلوم ہوتی ہے۔"  
 "ایسا نہیں ہے۔" لانی نے جواب دیا "میں اس سے بے پناہ محبت کرنے کے باوجود بے پناہ نفرت بھی کرتا ہوں۔"  
 "تمہاری محبت اور تمہاری نفرت دونوں میری کچھ سے باہر ہیں۔"  
 "نفرت تو میں اس لیے کرتا ہوں کہ وہ میرے ہاتھوں سے لنگی جا رہی ہے اور جو محبت اس لیے کہ وہ میری بیٹی ہے۔"

وہ دونوں گودام کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔  
 اس گودام کی بیرونی دیوار پر موندے موندے حروف میں "ایگل انٹرپرائسٹ" لکھا ہوا تھا۔ گودام کے بیرونی گیٹ پر دو عدد چوکیدار بھی کھڑے تھے جن کی صورتیں یہ تبدیلی نہیں کہہ چوکیدار کم اور عزم زیادہ ہیں۔ ان کے خود خال سے ان کی فطرت کی بے رحمی کا اندازہ ہو رہا تھا۔  
 گودام کے سامنے آکر کھڑے ہونے والے دونوں آدمی جوان المرحۃ تھے۔ لیکن انھوں نے بہت ڈھیلے ڈھالے لباس پہن رکھے تھے۔ ان لباسوں نے ان کی شخصیتوں کو بھی خیر نہ دیا تھا۔ ان دونوں نے گولی شیٹوں کی عینکس نگار بھی نہیں ساد۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں چڑے کے بریف کیس تھے۔  
 "بھیا نمبر ایک" ان میں سے ایک نے دوسرے کو قیاب کہا۔ "کیا تمہیں امید ہے کہ ہم لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے؟"

"کیوں نہیں؟" اس شخص نے اپنی کڑن ہلائی جسے بھیا نمبر ایک کہا گیا تھا۔ "میں یہ یاد رکھنا چاہتا ہوں کہ انٹرپرائسٹ خیر نہ اتنی سی باتیں گئے کارندے ہیں۔ ہمارے لیے دنیا کا کوئی کام مشکل نہیں ہے۔ ہم اپنی مکاری اور ذہانت سے کام لے کر ان کی سوجھ بوجھ سے بچ سکتے ہیں۔"  
 "تو پھر تو کام شروع کیا جائے؟" دوسرے والے نے کہا۔  
 وہ دونوں بریف کیس جھلاتے ہوئے گیٹ کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں دونوں چوکیدار بڑی مشکوک نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگے تھے۔  
 "اس گودام کا منیجر کون ہے؟" بھیا نمبر ایک نے چوکیدار

سے سوال کیا۔  
 "کیوں؟" کہا بات ہے؟ چوکیدار نے پوچھا۔ "کیا کام ہے تمہیں؟"  
 "اپنے منجر سے ملو کہ یہاں ڈپارٹمنٹ کی طرف سے کچھ لوگ آئے ہیں۔" دوسرے نے کہا۔ "لیکن فوراً ہمارے پاس ٹام نہیں ہے۔ ہمیں دوسری ٹیکسٹوں اور گوداموں کی طرف بھی جانا ہے۔"  
 "کس لیے آئے ہو؟" دوسرے چوکیدار بھی ان دونوں کے قریب آگیا تھا۔ "منیجر صاحب کو اس وقت فرصت نہیں ہے۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہلے والا سخت بے میں بولا۔ ہم سرکاری لوگ ہیں۔ اگر تم لوگوں نے ہماری بات نہیں مانی تو تمہارے گودام میں تالا لگا دیا جائے گا۔"

دونوں چوکیداروں نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک اس سکین کی طرف چلا گیا جو چوکیداروں کے لیے مخصوص تھا۔ شاید وہ کسی کو فون کرنے گیا تھا۔ اس دوران وہ دونوں گیٹ کی دہری کھڑے رہے تھے۔ کچھ دیر بعد سکین کی طرف جانے والا چوکیدار واپس آگیا۔ اس نے کچھ کہے بغیر گیٹ کھول دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان دونوں کو اندر جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔  
 منیجر کا دفتر سامنے سے آگے کے آگے میں تھا۔ ان دونوں میں سے ایک چوکیدار ان دونوں کو منیجر کے کمرے تک لے آیا تھا۔ چوکیدار انھیں دروازے پر پہنچا کر واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد یہ دونوں دروازے پر دستک دے کر اندر آ گئے۔  
 ایگل انٹرپرائسٹ کا منیجر بڑی گہری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ خود بھی ایک درشت مزاج اور اٹھڑ آدمی معلوم ہوتا تھا۔

"ہاں بھئی۔ کیا بات ہے؟" اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں تلے ہو؟" وہاں سے ہوا؟  
 "آپ کے چوکیدار ہمیں اندر آنے نہیں دے رہے تھے۔" بھیا نمبر ایک نے کہا۔ "اے کی ہے ان لوگوں کو بچانے کے لیے یہی باتیں کہنی پڑتی ہیں؟"  
 "ہاں۔ بتاؤ کیا بات ہے؟"  
 "ہم لوگ سیٹھ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے کاروبار کے لیے آئے ہیں۔" بھیا نمبر دو نے بتایا۔ "ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم ہر گودام اور فیکٹری میں موجود ہر شخص کو دیکھیں۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی تعاون نہ کرے تو اس کی شکایت کی جائے گی۔"

تو ایسی صورت میں اس فیکٹری کو سیل بھی کیا جا سکتا ہے۔  
 "یہ دراصل لوگوں کے اپنے فائدے اور بھلائی کے لیے ہے۔" بھیا نمبر ایک نے کہا۔ "وہ نہ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم میلوں پر چلنے چلتے رہیں؟"  
 "اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم لوگ سیٹھ ڈپارٹمنٹ کی طرف سے آئے ہو؟" منیجر نے پوچھا۔  
 "کیا مصدقیت ہے؟" بھیا نمبر ایک جھلا گیا۔ "معنی آپ کے سامنے فون رکھا ہے۔ آپ فون کر کے تصدیق کر لیں۔"  
 منیجر نے جھپٹی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے آگے رکھا ہوا فون اپنی طرف کھسکا لیا۔ اس دوران وہ دونوں بڑی لاہر واپسی سے کریسوں پر بیٹھ چکے تھے۔  
 "اگر فون نمبر یاد نہ ہو تو میں بتا دوں۔"  
 "نہیں ڈارٹر بھئی۔ میرے پاس "منیجر نے ڈارٹر بھئی اٹھالی۔ پھر اس کی ورکی گردانی کر کے بعد اس نے سیٹھ ڈپارٹمنٹ کا نمبر تلاش کیا۔ نمبر لے کر بعد وہ ان دونوں کے باہر میں پوچھنے لگا تھا۔ آپ کے دو آدمی سچی نام نہیں معلوم پھر بیٹے اچھی پوچھتا ہوں۔" اس نے ریسپورڈ ایک طرف ہٹا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"میرا نام مومن ہے؟" بھیا نمبر ایک نے بتایا۔ "اور میرے ساتھی کا نام سون ہے؟"  
 منیجر نے ریسپورڈ دوبارہ اپنے کان سے لگایا۔ جی۔ وہ اپنے نام مومن اور سون بتا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ اوسے۔ بس یہی پوچھنا تھا۔"  
 اس نے ریسپورڈ کرڈل پر رکھ کر فون ایک طرف کھسکا دیا۔  
 "دیکھو صاحب کتنی اچھی آپ کی مومن نے کہا۔" اب آپ جلدی سے باری باری گودام کے ہر آدمی کو یہاں بلا لیں۔  
 دیکھ اس گودام میں کتنے آدمی ہیں؟"  
 "سترہ منیجر نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے پہلے مجھے اپنی مالک سے اجازت لینی ہوگی۔"  
 "اس طرح تو ہر گودام کا کام ہو جائے گا۔" مومن نے مراسمہ بنایا۔ اس طرح تو آپ کے گودام میں ہی سارا وقت گزر جائے گا۔"  
 "نہیں نہیں آپ لوگ بیٹھے رہیں۔ میں ابھی اجازت لے کر آتا ہوں۔" منیجر کھڑا ہو گیا۔ "مجھے زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"  
 منیجر نہیں جھوڑ کر کے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ان دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔ ان کی انھیں کامیابی کی امید میں سینکے لی تھیں۔ پھر مومن نے انار لیف

کیس کھول کر لے کر میز پر رکھ دیا۔ اس بریف کیس میں انجمن کے سرخ، ڈیٹیل روٹی اور چھوٹی چھوٹی شیشیوں میں سیلی بیلی دوا میں بھری ہوئی تھیں۔  
 منیجر نے واپسی میں درمیان لگائی تھی۔ وہ اپنے ساتھ دوکانیوں کو بھی لیتا آیا تھا۔  
 "ٹھیک ہے صاحب۔" اس نے کمرے میں آئے کے بعد کہا۔ "آپ لوگ کام شروع کریں۔ لیکن جلدی کیجئے گا۔" "ہم لوگوں نے زندگی بھر کام جلدی ہی کیا ہے؟" سون نے سرخ میں دوا بھری شروع کر دی۔  
 ان لوگوں نے سب سے پہلے منیجر کی انجمن لگایا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کی باری آئی تھی۔ منیجر کی ہدایت پر دوسرے لوگ بھی اندر آئے۔ لگے بگٹھے دیر بعد بارہ آدمیوں کو انجمن لگائے جا چکے تھے۔ یہ دونوں بڑی تن دی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا کام نٹا کر کھلا رہے ہیں۔ یہاں سے نکل جانے کو تیار ہوں۔  
 "جلیں باہر آئی تو ہو گئے۔" ہا۔ ہوسر آدمی کے رخصت ہونے کے بعد سون نے منیجر سے پوچھا۔ "دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"  
 "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ باقی لوگوں کو بعد میں بھیجے لگائے جائیں؟"

منیجر نے سون سے کہا۔ "اس طرح تو اگر ہمارا کچھ آدمی نہ لگے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سون نے جواب دیا۔ "اگر انھوں نے نفیہ لوگوں کے لیے بھی اجازت دے دی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ آپ لوگوں کو کسی اور وقت رحمت کرنی ہوگی۔"

منیجر نے واپسی میں درمیان لگائی تھی۔ وہ اپنے ساتھ دوکانیوں کو بھی لیتا آیا تھا۔  
 "ٹھیک ہے صاحب۔" اس نے کمرے میں آئے کے بعد کہا۔ "آپ لوگ کام شروع کریں۔ لیکن جلدی کیجئے گا۔" "ہم لوگوں نے زندگی بھر کام جلدی ہی کیا ہے؟" سون نے سرخ میں دوا بھری شروع کر دی۔  
 ان لوگوں نے سب سے پہلے منیجر کی انجمن لگایا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کی باری آئی تھی۔ منیجر کی ہدایت پر دوسرے لوگ بھی اندر آئے۔ لگے بگٹھے دیر بعد بارہ آدمیوں کو انجمن لگائے جا چکے تھے۔ یہ دونوں بڑی تن دی سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنا کام نٹا کر کھلا رہے ہیں۔ یہاں سے نکل جانے کو تیار ہوں۔  
 "جلیں باہر آئی تو ہو گئے۔" ہا۔ ہوسر آدمی کے رخصت ہونے کے بعد سون نے منیجر سے پوچھا۔ "دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"  
 "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ باقی لوگوں کو بعد میں بھیجے لگائے جائیں؟"

منیجر نے سون سے کہا۔ "اس طرح تو اگر ہمارا کچھ آدمی نہ لگے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" سون نے جواب دیا۔ "اگر انھوں نے نفیہ لوگوں کے لیے بھی اجازت دے دی تو ٹھیک ہے۔ ورنہ آپ لوگوں کو کسی اور وقت رحمت کرنی ہوگی۔"

اس بوڑھے میں داد کی دلچسپی اچانک بڑھ گئی۔

اب اس بوڑھے کے ذریعے بہت سی باتوں کا انکشاف ہونے والا تھا۔ یہ اس کے لیے بہت اچھی بات ہوتی تھی کہ حالات اسے اس آدمی کے پاس لے آئے تھے جو اس پر اسرار عودت کا باپ تھا۔ اور جو خود بھی بہت پر اسرار دکھائی دے رہا تھا۔ یہ ایک عجیب صورت حال تھی۔ ایک طرف بیٹی تھی جو داد کی موت جانتی تھی اور دوسری طرف باپ تھا جو اسے زندہ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تمہیں سن کر بہت حیرت ہو رہی ہوگی، بوڑھے لانی نے داد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کہوں؟“

”ظاہر ہے،“ داد نے ایک گہری سانس لی۔ ”باپ اور بیٹی دونوں ایک دوسرے کے خلاف کام کر رہے ہیں۔ وہ مجھے مارنا چاہتی ہے۔ تم مجھے بچانا چاہتے ہو؟“

”یہ شروع سے اسی مڑتی ہے۔“ بوڑھا بڑبڑایا۔ اس نے کبھی میری بات نہیں مانی۔ ہمیشہ اپنی سن مانی کرتی رہی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں کے درمیان کبھی اس رشتے کا احترام ہی نہیں رہا۔ ہمیں لے اس کی پرورش بھی اس انداز سے کی گئی کہ یہ خود کو بہتر نہ دیکھنے لگے۔ میں دیکھتا ہوں عید کا ماہر ہوں۔ میں انسان کو صرف دیکھ کر ہی اسے کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ لیتا ہوں۔ اس کے آنے والے دنوں کا اندازہ کر لیتا ہوں۔ لیکن مجھے غلطی ہے۔ ہوتی کہ میں نے سو مانی کو نہیں بکھا۔ سو مانی میری اسی بیٹی کا نام ہے۔ ادب جب کہ وہ اس راستے پر بہت آگے جا چکی ہے۔ اسے واپس لانا میرے اختیار میں نہیں رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ آنے والے دنوں کا اندازہ کرتا ہوں اور خوفزدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔“

داد نے اسے ٹوٹنا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بڑے دھیان سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”خبر تمہیں ان باتوں سے کیا؟“ بوڑھے لانی نے ایک گہری سانس لی۔ ”اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ مجھے تم سے کام لینا ہے اس لیے تمہیں اپنی بیٹی کے جنگل سے بچا لیا ہے۔ میرا ایک جانثار ہے زخروا جس وقت سو مانی نے تمہارے تئیں قابضہ صادر کیا۔ میں نے اسی وقت زخروا کو تمہیں بھانپنے کے لیے روانہ کر دیا تھا۔ اس نے غش مندی کی کہ وہ تمہارے سامنے نہیں آیا بلکہ اس نے باغی کے ذریعے ایک آدمی کو زخمی کر دیا جب کہ تمہیں لے جانے والا دوسرا آدمی میرا آدمی تھا۔“

”یہ باغی شاہد اس بی کا نام ہے جس نے اس آدمی پر جست لگائی تھی؟“ داد نے کہا۔

”ہاں۔ وہ ایک زہریلی بی ہے؟“ بوڑھے نے بتایا۔ ”اس کے بچوں کو نہ ہمیں ڈوکر رکھا جاتا ہے۔ وہ زخروا کی بی ہے۔ زخروا نے اسے اپنے نشانے پر حملہ کرنے کی خاص تربیت دی ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ وہ اسی پر حرکت کرتی ہے۔ اسی لیے اس نے اس آدمی پر حملہ کیا تھا جس کی طرف زخروا نے اشارہ کیا تھا۔“

”آخر تم مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟“ داد نے پوچھا۔

”میں یہ جانتا ہوں کہ تم سو مانی کو کسی طرح واپس نیپال پہنچا دو۔ بوڑھے نے کہا کہ ہم لوگ نیپال ہیں۔ وہیں سے آئے ہیں۔ یہاں آنے کے بعد سو مانی کے تہو پہل گئے۔ وہ تو نیپال شہر زور تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد اس نے اپنی شہر زور کی مجھے دکھانی شروع کر دی ہے۔ نیپال واپس جانے کے بعد وہ اقتدار سے عموماً کا شکار ہوئی تو اس کا مدعا درست ہو گیا۔ وہ پہلی دلی سو مانی ہو جائے گی جو میرے حکم پر اپنا سر جکا دیا کرے گی۔“

”لیکن میں یہ کام کس طرح کر سکتا ہوں۔ تمہاری بیٹی تو میری جان کی دشمن ہے؟“

”میں تمہارا انتخاب اسی لیے کر رہا ہوں کہ اس پر قابو بانا کسی اور کے بس کا روگ نہیں ہے۔ تم جیسا شہر زور یہ کام کر سکتا ہے؟“

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا یہ تنظیم شروع سے تم لوگوں کے ہاتھ میں ہے؟“ داد نے اسے کھینچنے کی کوشش کی۔

”نہیں۔ ریڈ سرگل نام کی یہ تنظیم دلاور باغی ایک بنائی تھی۔ بوڑھے نے بتایا۔

اپنے باپ کا نام سن کر داد سنبھل کر بیٹھ گیا۔ اب اس کے سوالوں کے جوابات ملنے والے تھے۔

”تو کیلا دلاور اب اس دنیا میں نہیں رہا؟“ داد نے پوچھا۔

”مجھ میں نہیں آتا کہ میں کچھ بتاؤں یا نہ بتاؤں،“ بوڑھے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک ایسا راز ہے جس سے اس تنظیم کے کبھی بچاؤ کی لوگ واقف ہیں۔“

”اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتا سکتے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں تمہاری تنظیم سے نفرت نہیں رکھتا ہوں۔ ایک باہر کا آدمی ہوں۔ اس کے علاوہ تم مجھ سے کام لینے کا ارادہ رکھتے ہو۔ اسی لیے

بہتر ہے کہ سب کچھ بتا دو تمہیں اپنے اعتماد میں لے کر مجھے کوئی کام کرانے دو؟“

”ہیر تم ٹھیک کہتے ہو۔“ بوڑھے نے ایک گہری سانس لی۔ ”تمہارے چہرے کے نقش پر جانتے ہیں کہ تم اپنی ضد کے پتے ہو۔ تمہیں سب کچھ بتانا ہی ہوگا۔“

بوڑھا خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے داد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ بات ان دنوں کی ہے جب دلاور اور اس کی بیوی انیس اس تنظیم کو بڑی کامیابی کے ساتھ چلا رہے تھے۔ یہ تم ایک دوہین عورت تھی۔ اس نے صرف اس تنظیم پر بلکہ دلاور پر بھی اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا اور بوڑھے نے اسی آسانی بتایا کہ دلاور سے بد دوستک ہونے لگی۔ بوڑھا ہلکتے ہلکتے ٹوٹ گیا۔

”کون ہے؟“ بوڑھے نے آواز لگائی۔

”کمرے کا دروازہ اور ایک سیاہ فام شخص کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ کسی کینڈے کی طرح طاقتور اور کسی باغی کی طرح جیم تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ غیر معمولی طور پر مضبوط تھے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ اپنے کسی بھی مخالف کی گردن کو ان ہتھیلیوں کی گرفت میں لے کر اسے لے چھریں زندگی کی قید سے آزاد کر سکتا ہے۔“

”میں نے پرتافض ادا کر دیا ہے آقا؟“ اُنے والے سیاہ فام نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے معلوم ہے،“ بوڑھے نے اپنی گردن لائی۔ پھر داد سے مخاطب ہوا۔ ”یہ دلی زخروا ہے جس کے بارے میں تمہیں بتنا چکا ہوں۔“

داد بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ زخروا نے بھی اپنی نگاہیں اس پر جمادی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ دونوں اس انداز سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے جیسے ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ کر رہے ہوں۔ پھر اچانک زخروا نے اپنے ہونٹ جھپٹے۔ پھر ادری جیب سے ایک پستول نکال کر اس کا رخ داد کے سینے کی طرف کر دیا۔

موہن اور سوہن کو بھر اپنے ساتھ مادام کے کمرے میں لے آیا تھا۔

مادام اس وقت بہت الجھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان دنوں کو جلد از جلد اٹاننا چاہتی ہو۔ اکیسے اس نے فوراً ہی اپنا ایک بازو اٹھ کر بڑھا دیا۔ مکان نے

جلدی سے کار کا انجن روشن کر دیا تھا۔ اس طرح اب تیرہ آدمیوں کو انجنشن لگ چکے تھے۔

”اور لوگ کہاں ہیں؟“ سوہن نے مادام کے کمرے سے باہر آنے کے بعد پوچھا۔

”ایک ذہنی مریض تھی۔ میرے یہاں؟“ منجھر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”میں ہم لوگ تہہ خانے میں رہتے ہیں۔“

موہن اور سوہن ایک دوسرے کو معنی خیز اشاروں سے دیکھنے لگے تھے۔

”کبھی کبھی ذہنی مریضوں کو بھی کار لا کر جانا ہے۔ منجھ صاحب!“

موہن مسکراتے ہوئے بولا۔ ”اکیسے اس کو بھی انجنشن لگا دیا جائے۔“

”ہاں ہاں۔ کیوں نہیں؟“ منجھر نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میں نے مادام سے اجازت لے لی ہے۔ آپ دو دنوں میرے ساتھ چلے آئیں۔“

منجھر ان دنوں کو پرتافض راستوں سے گزرتے ہوئے ایک تہہ خانے میں لے گیا جہاں ایک بوڑھا شخص بیٹھتے ہوئے تھیں۔ اس طرح چل رہا تھا۔ اس بوڑھے کو دیکھ کر ان دونوں کی آنکھیں جھپکنے لگی تھیں۔ لیکن انھوں نے اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا۔

”کیا بات ہے؟“ بوڑھا ان کوٹوں کو دیکھتے ہوئے دباؤ ڈالا۔

”کیوں آئے ہو تم لوگ؟“ کیا مجھ سے کوئی اور کام لینا ہے؟“

”یہ سیٹھ ڈیپارٹمنٹ کے لوگ ہیں۔“ منجھر نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ لوگ کار کے ٹیکے لگانے آئے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ۔“

منجھر فرجالتے کیا کہنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا تھا۔ اچانک اس کی زبان رکھڑکی۔ پھر اس کے بائیں لڑنے لگے۔ اس کے بعد وہ لہراتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ بوڑھا بڑی حیرت سے منجھر کو دیکھ رہا تھا جب کہ وہ دونوں بہت ہی مطمئن اور خوش دکھائی دے رہے تھے۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ بوڑھے نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ صرف بے ہوش ہو گیا ہے۔ دلاور صاحب!“ سوہن نے جلدی سے جواب دیا۔

”کیا؟“ بوڑھا داد کی حیران ہورہا تھا۔ ”کیا تم لوگ مجھے جانتے ہو؟“

”بہت اچھی طرح۔“ ادب، اسی کو ہاروانے کے لیے ہم نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ ہم نے سیٹھ ڈیپارٹمنٹ کی آڑے کر یہاں موجود شخص کو کار کے انجنشن لگا دیئے ہیں۔ یہ انجنشن

دراصل بے ہوشی کے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ اس کا اندرون میں گھنٹوں کے بعد ہوگا لیکن ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ بہر حال آپ جلدی سے ہمارے ساتھ نکل لیں۔

”آخر تم لوگ ہو کون؟“ لوٹے دلاور نے دلچسپی سے پوچھا۔ ”مگر مجھے کیوں رہا کرنا چاہتے ہو؟“  
”ہمارا تعلق انٹرنیشنل چیئر ز ایسوسی ایشن سے ہے۔ ہمیں نے بتایا۔ اس بات پر آپ کو بعد میں معلوم ہو جائیگی کہ وقت نکل لیں۔“

لوٹے نے ایک لمحے تک کچھ سوچا۔ پھر کہا: ”میری سانبی لے کر اپنی رضامندی کا ہر کردی“ (چیک ہے۔ چلو)۔  
وہ تینوں تہ خانے سے باہر آ گئے۔ تہ خانے کے باہر دو محافظ موجود تھے لیکن ان کی حالت بھی منہ بھر سے کم نہیں تھی۔ وہ بڑی بے ہوش ہو چکے تھے۔

عمات کے گیت تک بے ہوش آدمیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ ایسا محسوس ہونا تھا جیسے کوئی لاس گودام کے آدمیوں پر حملہ آور ہوئی ہو۔ گیت بڑھ کر پڑے ہوئے چوکیدار کا بھی یہی حال تھا۔ یہ گودام جو شہر ایک غیر آباد سے علاقے میں تھا، ایسے باہر بے ہوش پڑے ہوئے چوکیداروں پر کسی کی نظر نہیں پڑتی تھی۔ وہ لوگ جڑی آسانی سے بغیر کسی مداخلت کے گیت سے باہر آتے۔

میں کامیاب ہو چکے تھے۔ باہر آنے سے بعد انھوں نے اپنی نگاہ تیز کر دی۔ وہ گودام کے مغربی سمت کی طرف جارہے تھے۔ پوچھا دلاور بھی حیران ہوتا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ گودام کے مغربی سمت ایک میدان تھا اور اس میدان کے شروع میں ایک اسٹیشن دین گھری ہوئی تھی۔

مومن نے آگے بڑھ کر دین گھری کا دروازہ کھول دیا اور دلاور کو اشارہ کیا۔ دلاور اسٹیشن دین گھری کی پچھلی نشست پر بیٹھ گیا جب کہ مومن نے ڈرائیونگ سیٹ پر تھی۔ پھر وہ دین گھری کو تیزی کے ساتھ ایک طرف چل پڑی۔

”یاں۔ اب تیار ہو سب کیا چکے؟“ دلاور نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس وقت تو آپ یہ دیکھیں کہ ہم آپ کو کتنی آسانی کے ساتھ دشمنوں کے چہل سے نکال لائے ہیں۔“ مومن نے کہا۔  
”یہ نوافذی تم لوگوں نے کمال کیا ہے۔ لیکن ہمیں اتنا کہ تم صرف دو آدمی ہو لیکن تم اتنے خطرناک لوگوں کے درمیان سے مجھے باور دلانے میں کامیاب ہو گئے ہو اور وہ بھی بغیر کسی تشدد کے۔“

”یہی تو ہمارا نظریہ ہے جناب کہ ہاتھ پاؤں بلائے یا تشدد کے بغیر بھی جیسے جیسے کارنامے انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ اصل قیمت کو فہم کی ہوتی ہے۔ ہماری ایسی ہی ایشن کا ہر شخص اس قسم کے کارنامے انجام دینے کا ماہر ہے۔ ہمیں یہ معلوم تھا کہ آپ کو ایک گودام کے تہ خانے میں رکھا گیا ہے۔ اور آپ کے گرد ایسے بہتر فہم گروپ تھے کہ آپ باہر نہیں نکل سکتے۔ پھر ہر دونوں نے آپ کو نکال لینے کا منصوبہ بنایا۔ منصوبہ بالکل سیدھا سادھا تھا۔ یعنی گودام میں موجود ہر شخص کو کال کر کے دیکھ لیا۔ جو دراصل بے ہوش کرنے والے انجکشن ہوں۔

اس کام کے لیے ہم نے اپنے ایک ساتھی کو سیٹھ ڈیپارٹمنٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ جہاں وہ اپنے ایک دوست کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ گودام کے منجے نے ہماری تصدیق کے لیے جب فون کیا تو ہمارے ہی آدمی نے فون اٹھا کر اسے ملن کر دیا تھا۔ اس کے بعد منجے سمیت گودام سے ہر شخص نے وہ انجکشن نکوا لیے اور سب کے سب انجکشن ہو گئے۔“ مومن اٹھا کر کہہ کر بٹنس بٹھا۔

لوٹے دلاور کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ چھٹی ہوئی تھی۔ یہ لوگ بہت اچھے معلوم ہوئے تھے۔ جو بظاہر سیدھے سادھے دکھائی دے رہے تھے لیکن اندر سے بہت خطرناک تھے۔  
”چلو یہاں تک تو تمھاری بات کچھ نہیں کہتی۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوگا کہ تمھارے تم لوگوں کو کیا دلچسپی ہو گئی ہے؟“ لوٹے دلاور نے پوچھا۔

”ہر آپ کو فون کے سامنے جانے کا معلوم ہوگا۔“ مومن نے کہا۔

”کون ہے یہ لونا؟“ لوٹے دلاور کی دلچسپی اور حیرت جاری تھی۔

”بہتر ہے کہ آپ خود ہی مل کر معلوم کر لیجیے گا۔ اب ہم اپنی منزل تک پہنچ چکے ہیں۔“

دلاور نے گھڑی سے باہر دیکھا۔ ان کی گھنٹوں کے دوران اسے راستے پر درمیان دینے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس وقت وہ اسٹیشن دین گھری کی گھڑی کے اشارے میں داخل ہو رہی تھی۔ پھر وہیں کے پاس گاڑی روک دی گئی اور وہ لوگ گاڑی سے نپٹے آ گئے۔

وہ ایک بہت جڑی اور شاندار گاڑی تھی۔ مٹی میں ایسی کوئیاں بہت کم ہوا کرتی ہیں۔ یہاں عام طور پر لوگوں کی فنگی یا ٹوکھویوں میں گزرتی ہے۔ باپھر فٹ پاتھوں پر ساری کوئیاں کے گردنی گیت پر دوڑ کر کبھی کبھار سے۔ شاندار انی لوگوں

نے گاڑی کے لیے گیت کھولا تھا۔

”آپ انجکشن میرے ساتھ؟“ مومن نے ایک طرف اشارہ کیا۔

دلاور گرجے اس وقت ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ لیکن اس نے اپنی انجکشن کا اہتمام نہیں کیا۔ وہ بڑی لاہر والی سے مومن اور مومن کے ساتھ چل پڑا۔ اس کے لیے سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اسے قید سے رہائی مل چکی تھی۔ اس کے اپنے ہی آدمیوں نے اسے قید کر رکھا تھا۔ اور اس پر بردبار ڈالنے کے لیے وہ اس لڑکی پر ظلم کیا کرتے تھے جو اس کے لیے بہت اہمیت کی حامل تھی۔

مومن اور مومن اسے اس کوئیاں کے اندرون میں جتنے میں لے آئے۔ اندر سے بھی کوئیاں بہت ہی شاندار انداز سے سجائی گئی تھیں۔ اس کا ڈراما رنگ روم دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ پڑھا دلاور اس ڈراما رنگ روم میں کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے کمرے کی آرائش پر ایک گہری نگاہ ڈالی اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی انجکشن بچا اور بڑھتی تھی۔

”آپ تشریف رکھیں؟“ مومن نے کہا۔ مومن ابھی فوناکو بلا کر لانا ہوں۔“

دلاور نے کچھ نہ سمجھے۔ وہ انداز میں لڑی گردن دلا دی۔ مومن اور مومن دوسرے دروازے سے باہر نکلے۔ ان کی دہائی میں زیادہ دیر نہیں گئی تھی۔ اور اس بار ان دونوں کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جس نے سر سے پاؤں تک خود کو سیاہ لباس میں جپا کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی ایک سیاہ نقاب تھی۔ البتہ انکھوں کی جگہ دو سوراخ بنے ہوئے تھے۔ جن سے اس کی جیتی ہوئی آنکھیں

لوٹے دلاور پر لگی ہوئی تھیں۔ دلاور کے لیے اس کے چہرے سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کی چال تھی۔ وہ اس طرح چلک چلک کر ادھر ادھر ہوتا ہوا چل رہا تھا جیسے کوئی لکڑی ڈھیر چل رہی ہو۔ وہ دلاور کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر تک وہ دلاور کی طرف دیکھتا رہا پھر مومن اور مومن سے مخاطب ہوا۔

”اے۔ اب تم دونوں کھڑے ہوئے کیوں ہو۔ جلتے کیوں نہیں؟“ اس کے ساتھ ہی اس نے تالی بھی بجائی تھی۔

اس کی آواز سن کر دلاور کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ فونائیسری جنس کی مخلوق ثابت ہوا تھا۔

اس کی آواز سن کر دلاور کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ فونائیسری جنس کی مخلوق ثابت ہوا تھا۔

اس کی آواز سن کر دلاور کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ فونائیسری جنس کی مخلوق ثابت ہوا تھا۔

اس کی آواز سن کر دلاور کی حیرت اور بڑھ گئی۔ وہ اپنی آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔ یہ فونائیسری جنس کی مخلوق ثابت ہوا تھا۔

اس کمرے میں ایسی خاموشی تھی جیسے سب کو سانپ سونگھ رہا ہو۔

زنگور نے اپنا بہنوں داور کی طرف اٹھا دیکھا تھا اور داور غصے سے اپنی ہاتھیاں پیچھنے لگا تھا۔ سب سے بڑی حالت لانی کی تھی۔ وہ بڑی طرح کوکھلا ہوا معلوم ہوا تھا۔ اس کی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ زنگور کو اچانک ہو گیا تھا۔ ”زنگور! لانی نے غصے سے کہا۔ یہ کیا حرکت ہے؟“

”ناراض نہ ہوں آقا! زنگور داور بڑبڑا رہا تھا۔ ”بولہ! میں نے اس شخص کو پہچان لیا ہے۔ یہ میرا دشمن ہے۔“

”کیا بھلا اس نے؟“ لانی اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

”اپنا بہنوں جیب میں رکھ لو۔“

”آپ قریب نہیں آئیں آقا! زنگور نے ابھی تک اپنی نگاہیں داور پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ”دور ہو سکتا ہے کہ میں آپ سے بھی گستاخی کر بیٹھوں۔“

لانی کے بڑھتے ہوئے قدم رکتے گئے۔ وہ کھٹکشی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس نے زنگور کے سوا کسی اور اندازہ کر لیا تھا کہ وہ اس کی بات نہیں مانے گا۔ لانی نے اسے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ البتہ اس کی گہری سانسیں اس کے شدید غصے اور بے بسی کو ظاہر کر رہی تھیں۔

”یہ کمرہ میرے لیے بہت مقدس ہے۔ زنگور نے داور سے کہا۔ میں ایسے ہی نہیں اس کمرے میں ہلاک نہیں کروں گا۔ اس کے لیے تمھیں باہر چلنا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ تمھارے اس آدمی کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہوئی ہے۔“ داور لانی سے بولا۔ اسے کچھالو نہ پہنچے۔

”زنگور! لانی نے پھر زنگور کو مخاطب کیا۔ ”کچھ معلوم ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟“

”جانتا ہوں آقا! زنگور اسے سیاہ موشے ہونٹ پھیل گئے۔

”لیکن آپ شلیدہ نہیں جانتے کہ میں کب سے اس آدمی کو تلاش کر رہا ہوں۔ میں نے اپنے آباؤ اجداد کی رگوں کی قسم کھائی تھی کہ جب بھی مجھے ملا میں اسے جان سے مار دوں گا۔ اب یہ مل گیا ہے۔ مجھے اپنی قسم پوری کرنے دیں آقا۔“

”اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“ داور کھڑا کر کھڑا ہو گیا۔ کہاں مرنا چاہتے ہو۔ اس کی عمر میں یا کہیں اور؟

”یہ تو باہر چل کر معلوم ہوگا۔“ زنگور ہنس بڑاس کی ہنسی بھی اس کے مزاح کی طرح بے رحم معلوم ہوئی تھی۔ ”چلو باہر

بھی اس کے مزاح کی طرح بے رحم معلوم ہوئی تھی۔ ”چلو باہر

بھی اس کے مزاح کی طرح بے رحم معلوم ہوئی تھی۔ ”چلو باہر

میں اس مقدس کرے کو مختارے خون سے ناپاک نہیں کرنا چاہتا۔ ہمارے درمیان باہر چل کر فیصلہ ہو گا۔

”زخوڑا“ لانی جدی سے بولا۔ ”اگر تجھے داد کو مارنا ہی تھا تو اپنی بی بی کی مدد سے مار سکتا تھا۔“

”نہیں آقا۔ اس وقت اس شخص کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے کسی جرم کی سزا دی جا رہی ہے۔ یہ تو خاموشی سے مر جا رہا لیکن میں جانتا ہوں کہ اسے سب کچھ بتا کر ہلاک کر دینا اس کے دل میں کوئی حسرت نہ رہے۔ اتنا کہہ کر اس نے داد کی طرف دیکھا۔ کیوں میرے ساتھ چلنے سے گھر رہا ہے؟“

داد عرضے سے اُسے دیکھتا ہوا دادو دانے کی طرف ہلکا ہلکا زخوڑا نے پستول کا رخ اس کے سر کی طرف کر رکھا تھا۔ لانی نے ایک بار پھر زخوڑا کو کھانے کی کوشش کی لیکن زخوڑا نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ دادو کو پستول سے کوکرنا بولا۔

اُسے کرے سے باہر آئے۔

”اب میں تجھیں اپنے کرے میں لے چلوں گا۔ زخوڑا نے کہا۔“

”دیکھ تم اطمینان نہ کرو۔ میں تمھارا دشمن نہیں ہوں۔“

”کیسی بات ہوئی؟“ دادو ہلکا کرکٹ پلڑا تم لوگ کیسی حرکتیں کر رہے ہو۔ کیا تجھے یہ وقف کچھ رکھا ہے؟“

”تم چاہو تو یہ پستول اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔ زخوڑا نے اپنا پستول دادو کی طرف بڑھا دیا۔ اسے اپنے پاس رکھ دو اور نہ پستول اطمینان ہو جائے گا۔“

دادو نے پستول اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ اس وقت بڑی طرح الجھ گیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد صورتحال بڑی تیزی سے تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔

”اب تو میں اطمینان ہو گیا تھا۔ زخوڑا نے دوسرا انداز میں دادو کا ہاتھ پکڑ لیا۔“

”اب تم آؤ میرے ساتھ جلدی کرو۔“ دادو کو اب اس شخص کی طرف سے فی الحال کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس نے اپنا پستول دادو کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہ کتنا جانتا تھا کہ آؤ مجھ پر اعتماد کرو لیکن تمھیں کوئی نقصان پہنچانا نہیں چاہتا۔ میں تمھارا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

وردہ اپنا اسلحہ کون کسی کے حوالے کر رہا۔ اس کا زخوڑا دادو کو اپنے ساتھ ایک چھوٹے سے کرے میں لے آیا۔ یہ کہہ کر زخوڑا لانی کے کرے کے رخس اس کرے میں باقاعدہ خوشبو چھی مچوڑا تھا۔ جب کہ لانی کے کرے میں کچھ بھی نہیں تھا۔

”پچھ جاؤ دوست۔“ زخوڑا نے ایک صوفے کی طرف

اشارہ کیا۔ ”اب تو تمھیں مجھ پر مجھو کر مارنا چاہیے۔“

”میں اتنی جلدی کسی پر مجھو کر مارنے کا قائل نہیں ہوں۔“ دادو نے کہا۔ ”تم مجھے یہاں کیوں لاتے ہو۔ کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟“

”نہیں یہ چاہتا ہوں کہ تمھیں ان لوگوں کی چنگل سے نکال کرے جاؤں۔ زخوڑا نے بتایا۔ یہ دونوں باپ اور بیٹی ایک ہی مزاج کے ہیں۔ یہ تجھیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔“

”اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ دادو نے بڑا سامنا بنایا۔ لیکن اس سلسلے میں تمھارا کیا کردار ہے۔ تم کون ہو؟“

”میں زخوڑا ہوں۔ زخوڑا نے جواب دیا۔“

”میں اس کا خاص آدمی تھا جانتا ہوں۔ وہ مجھ بہت اہم کر رہا ہے۔ میں بھی اس کا احترام کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے بہت سی چیزیں اس سے حاصل کی ہیں۔ اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔ لیکن تمھارے مقابلے میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”خیر کیوں؟“ دادو نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

”کون سی خاص بات ہوئی؟“

”بہت خاص بات ہے آقا۔ زخوڑا نے کہا۔“

”سن کر تعجب ہو رہا ہوگا کہ میں تمھیں آقا کہہ رہا ہوں۔ لیکن تم یقین کرو کہ تم میرے آقا ہو۔ اور مجھے معلوم تھا کہ یہاں آؤ گے۔ دو دو لوں پہلے ہی کسی اور جگہ رفاہ ہو جاتا تھا۔ لیکن مجھے تھا۔ اڑا انتظار کرنا تھا۔ میں جانتا تھا کہ تم یہاں آئے۔ وہ لم ”وہ کچھ بھائی۔“ دادو نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ میں اپنے کا پر زیادہ دودھ دینے کا عادی نہیں ہوں۔ جو کچھ کھانا ہے صاف کھو رہا ہوں۔ اچھی ہوتی باتیں سن کر میرا دم ٹھٹھٹا ہے۔“

”مجھے گومالی نے بتایا تھا کہ تم یہاں آئے۔ وہ بے ہوشیہ تم سے ملاقات ہونے والی ہے۔“

”یہ گومالی کون ہے؟“ دادو نے پوچھا۔

”یہ میرے قبیلے کی وجہ جاو گئی ہے۔ زخوڑا نے بتایا۔“

”ہو سکتا ہے آقا تمھیں یہ سن کر ہنسی آ رہی ہو۔ دل ہی دل میں مجھ پر ہنس رہے ہو گے۔ لیکن یہ دوست ہے۔ میں سے بڑا کہتا ہوں۔ تم نے افریقہ کی وجہ جاو گئے۔ بنوں کے بارے میں بہت کچھ سنا ہی ہوگا۔ وہ اسی قسم کی حیرت انگیز کیا کرتی ہے۔“

”پھر وہی بے بی بات۔“ دادو ہلکا ہلکا چلو مان لیا۔

جاو گئی کے کہنے پر مجھے تلاش کرنے کے لیے یہاں آئے ہو۔ تین کیوں۔ مجھے تلاش کرنے کی ایسی کن سی ضرورت پیدا ہو گئی؟ یہ میرا ہے یا تمھاری جاو گئی ہے؟ کیا تعجب ہے؟“

”بہت بڑا تعجب ہے آقا۔ زخوڑا نے کہا۔“

”کیونکہ میرے قبیلے کے سردار ہوں۔“

”کیونکہ میں تمھارے قبیلے کا سردار کس طرح ہو گیا؟“

”وہ اس طرح کہ تم کو مارا ہوا تھا۔ زخوڑا نے سر کو جھکاتے ہوئے بولا۔“

”اور ہر گز ہمارے قبیلے کا سردار ہوتا ہے۔ یہ ریت صدیوں سے چلی آ رہی ہے۔“

دادو کو لوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کے سینے میں بجلی چمکی ہو۔ اس کی آنکھیں زخوڑا پر پڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا ذہن بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ اس سے پہلے ہی گومالی نے ہی کہا تھا۔ اسے جب یہ معلوم ہو گیا تھا کہ دادو کے بازو پر کوہر کا نشان کھنسا ہوا ہے تو اس نے گومالی سے اپنی جان کی باندی لگا دی تھی۔ لیکن ایسا اس وقت ہوا تھا جب لڑائی کے دوران دادو کی آستین پھٹ گئی تھی اور کوہر کا نشان ظاہر ہو گیا تھا۔ لیکن اس زخوڑا کو کس طرح معلوم ہوا کہ وہ گومالی ہے۔

”کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ مجھے تمھارے بارے میں کبھی معلوم ہوا؟“ زخوڑا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ دادو نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”میں ہی سوچ رہا ہوں۔“

”بہتر ہے کہ میں تمھیں سب کچھ بتا دوں۔ زخوڑا نے کہا۔“

”ہمارا سردار ایک بوڑھا لیکن بہت عظیم انسان تھا۔ اس کے پاس ایسے ایسے ہنر تھے جو اس دنیا میں بہت کم آدمیوں کو ملے ہوں گے۔ وہ لڑائی کا ایسا ایسا فن جانتا تھا جو دیکھنے والا کبھی نہیں جانتا تھا۔ وہ پھر ہوا لوں کہ ہمارا سردار اپنے ایک دشمن کے تعاقب میں افریقہ پہنچا۔ وہ یہاں ہندوستان چلا آیا۔ اس نے یہاں آنے کے بعد اپنے دشمن کو نیت دباؤ دیا۔ لیکن اس کے بدلے اسے سزا دے دی گئی۔ وہ اگرچہ جانتا تھا کہ وہ اسانی سے یہاں کے قانون کی گرفت سے نکل سکتا تھا۔ تم خودی سر جو اپنے آدمی کو کون چہار دیواری میں قید رکھ سکتا ہے جو اپنے ساتھ زلزلے کے گرجنا ہو لگتا ہے کہ اس نے خود جان بوجھ کر اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا ہو۔ آدمی زندگی کا سزا کرنے کے تھک ہی تو جاتا ہے۔ خیر جب وہ یہاں رہا تو ہم لوگوں کو بڑی تشویش ہوئی۔ تم خود سر جو ایک قیدلے اپنے

سردار کے بغیر کس طرح رہ سکتا ہے۔ کوئی قوم دھبہ اور بھاری کرنے والا ہو۔ یہاں ہم لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ کوئی بھی کوہر اس وقت تک نہیں مڑتا جب تک وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کوہر کو مقرر نہ کرے۔ افریقہ سے بابائی تلاش کے لیے ہم دھبہ کوہر ہندوستان روانہ کیا گیا۔ ان میں سے ایک کا نام گومالی تھا۔ میرا خیال ہے کہ گومالی تمھاری ملاقات پر جی بھری ہوگی۔“

”وہ میں کچھ گہرا۔“ دادو نے ایک گہری سانس لی۔ ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں گومالی سے مل چکا ہوں۔ وہ ایک بہادر اور دوست آدمی تھا۔ لیکن وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔“

”مجھے یہ بات معلوم ہے۔ زخوڑا نے کہا۔“

”اور میں بھی جانتا ہوں کہ اس نے تم پر اپنی جان قربان کر دی ہے۔ مجھے اس کا انوس نہیں ہے۔ کیونکہ یہ اس کا فرض تھا۔ اس نے دی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو میں بھی دی کرتا۔ خیر تو میں تجھیں شہر سے سب کچھ بتا رہا ہوں۔ اس طرح بات تمھاری کچھ میں آتی جائے گی۔ ہم دونوں یہاں آنے کے بعد دو مختلف تنظیموں سے وابستہ ہو گئے۔ کیونکہ ہمیں اتنا معلوم تھا کہ ہمارے سردار کا دشمن بھی کوئی بہت بڑا جرم ہے۔ یہیں اس کا نام اور پڑکا۔ تو میں معلوم تھا لیکن میں امید نہیں کہ ہمارا سردار جب اس کی تلاش میں پہنچے گا تو ہم سے ملاقات ہو جائے گی۔ اب تم یہ پوچھو گے کہ ہم نے یہ تنظیموں کی طرف کیوں دھیان نہیں دیا۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا سردار بہت بڑا آدمی تھا۔ اس لیے اس کی دشمنی بھی کسی چھوٹے موٹے آدمی سے نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے دشمن کو بھی اس کی طرح ڈرنا پڑا۔ چاہے تھا۔ یہی سبب ہے کہ ہم نے بڑی تنظیموں سے رابطہ پیدا کر لیا۔ گومالی کی طرف گیا جب کہ میں نہیں جانتا تھا۔ اب یہ مت پوچھنا کہ ہم نے ان تنظیموں میں شمولیت کس طرح اختیار کر لی۔ یہ ایک الگ کہانی ہے جس کا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کچھ رہا ہوں۔ تم آگے کہو۔“

”گومالی کا حال تو نہیں معلوم لیکن یہ تنظیم بہت عجیب ثابت ہوئی۔ یہ مجرموں کی بڑی زبردست تنظیم ہے۔ اس کے آدمی پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ میں جس وقت یہاں آیا اس وقت اس کا سردار وہاں لاوارنامی ایک بوڑھا آدمی تھا۔ جو کسی شیر کی طرح بہادر اور کسی جیتے کی طرح چالاک تھا۔“

اپنے باپ کے ذکر نے دادو کو بے چین کر دیا۔ یہ کہانی

اب کہنے والی تھی۔ وہ بوری تو تیرے زنگور کی باتیں سن رہا تھا۔

”اس سردار کی ایک بیوی تھی آقا“ زنگور نے پھر کہنا شروع کیا۔ اس کا نام بیڑو تھا۔ گرجہ وہ بوڑھی بچی تھی۔ لیکن ذہانت اور نگاری میں انکی مثال آپ تھی۔ یہ دونوں سیاہ بیوی مل کر اس تنظیم کو بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ یہ دونوں باپ بیٹی جی لائی اور سو مالی یہاں آئے۔ تم نے سو مالی کو دیکھ ہی لیا ہوگا۔ وہ ایسی بے بسی کو نکلیوں کو باز رہ کر کسی عورت کا روپ دے دیا جائے۔ وہ اتنی دور سے پہنچ گئی ہوتی محسوس ہوتی ہے کہ وہ دھڑکے ہوئے لوگوں کے بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ تم نے ایسا چمکتا اور چمکتا ہوا حسن نہیں دیکھا ہوگا۔ خیر تو اس کے آتے ہی عیلم کے دن بدل گئے۔ وہ بیڑو بچی تھی۔ اور بوڑھی چاہے لاکھ ذہین ہو، وہ فادار ہو، جوانی اور حسن کے مقابلے میں بیڑو نہیں ٹھہر سکتی۔ دلاور اس طرحی بد عیش ہو گیا۔ اور عاشق بھی ایسا کہ اس کے آگے اس نے اپنی گردن جھکا دی۔ اپنا سب کچھ اس کے قدموں میں اس طرح سے ڈال دیا جس طرح ہم لوگ دہلی کے قدموں میں اپنی جان نکال کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ عورت بھی بوڑھے سردار کے لیے دینی بن کر رہ گئی۔ اس کی شخصیت کی مضبوطی اور اس کی سیلاب کے آگے دین کی طرح برتری۔ یہ بڑھاپے اور جوانی کا مطلب بہت بری چیز ہو کر رہا ہے آقا۔ بڑھاپے میں آدمی زیادہ سے زیادہ سمیٹ لینا چاہتا ہے۔ سردار نے بھی دفوں یا پتھوں سے سمیٹ لینا چاہا۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ کچھ ہاں انھوں کی گرفت میں نہیں آتیں بلکہ وہ تو لگا ہوں سے ہی پھسل جایا کرتی ہیں۔ دلاور نے اس پر اعتماد کیا اور اس نے دلاور کو دھوکہ دے دیا۔ آگے دو کوڑی کا بڑا رکھ دیا۔

زنگور اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ دلاور نے اب بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ اسے اپنے باپ کا شہر معلوم ہو گیا تھا۔ لیکن اب بھی بہت سی باتیں اچھوٹی تھیں۔ یہ کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ ابنا تھی۔ اس کہانی نے دلاور کو یہ بتا دیا تھا کہ اس کی راہ میں کچھ اور لوگ بھی آگے ہیں۔ ان میں بوڑھا لائی اور اس کی بیٹی بھی شامل ہیں۔

”تو میں بتانا تھا آقا“ زنگور نے پھر دلاور کی طرف دیکھا اور اسی وقت دلاور نے ہر دھنگ ہونے کی۔ وہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا تھا۔

”زنگور! باہر سے لائی کی آواز آئی۔ دروازہ کھولا۔

”ابھی چلے جاؤ آقا۔ ابھی مجھے اپنے دس دن سے حساب کتاب کرنا ہے۔ میں اسے اس کا حاجی با دلاور رہا ہوں۔“

چلے دوق آدنی۔ یہ سب بعد میں کرتے رہنا۔ ذہابہ نقل کر دیکھو۔ سب کے سب بے ہوش بڑے ہوتے ہیں۔

دلاور اور زنگور دونوں کی چونک بڑے ہتھے۔ پھر زنگور نے کچھ سوچنے کے بعد دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کھلتے ہی لائی ہو گیا۔ داخل ہو گیا اس کی لوکھاٹ اس نے عورت پر ہنسی کہ اس نے بے بھی دھیان نہیں دیا تھا کہ زنگور جس شخص کو ہلاک کرنے کے لیے اپنے ساتھ لایا تھا وہ بڑے ہی اہمیان کے ساتھ صوفے پر بیٹھا ہوا ہے۔

لائی کی اس بات نے دلاور کو بھی چونکا دیا۔ زنگور کچھ اُلجھے ہوئے انداز میں لائی کے ساتھ اس کے لیے چلا گیا تھا۔ دلاور کو ان دونوں کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے زنگور کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ زنگور نے ابھی تک جو کچھ سنایا تھا وہ بہت حیرت انگیز تھا۔ لیکن اسے اپنے باپ سے کوئی تئید بھی نہیں تھی۔ آدمی ایک بار جب کسی ہوش کو اپنے سینے میں بسائے تو ہوش برعکس ہی چلی جاتی ہے۔ وہ پھر سب کچھ میٹ لینا چاہتا ہے۔ دلاور بھی خراب بھی طاقات بھی ادا تھا۔ اسے بھی۔ اس کے باپ کے ساتھ بھی بچی ہوا تھا۔ اس نے دلاور کی ہوش کی پھر مسلسل دروازہ ہوتا چلا گیا۔

زنگور کچھ دیر میں وہاں آیا۔ لائی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ پیسے سے بھی زیادہ اُلجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ”کیا بات ہوگئی؟“ دلاور نے اس کی طرف دیکھے ہوئے پوچھا۔ ”کچھ مجھ میں نہیں آتا۔ زنگور اپنے سر کو تھمتے ہوئے بڑبڑایا۔ ”یہاں جتنے آدمی ہیں سب کے سب بے ہوش بڑے ہیں۔“

”اور وہ بوڑھا کہاں ہے؟“

”اسے میں نے بے ہوش کر دیا ہے۔ زنگور اسکا راجہ تھا۔ اسے بارے میں میری طرف سے شکوک ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ جب میں نہیں ہلاک کرنے کے لیے اس کے سر سے باہر لایا تھا تو پھر میں نے ابھی تک نہیں ہلاک کیوں نہیں کیا۔ وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ جیسا آدمی ابھی تک خاموش کیوں بیٹھا ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ابھی تک نہیں تھکے ہوئے کر دینا چاہیے تھا۔ غرضیکہ وہ اسی قسم کی باتیں سوچنے لگا تھا۔ اسی لیے میں نے بے ہوش کر کے ایک طرف ڈال دیا ہے۔ میں دوسروں کی بے ہوشی کچھ نہیں سمجھتا۔ آدنی ہے۔ سب کے سب بے ہوش بڑے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہتر خانے

سے بوڑھا دلاور دوسری غائب ہے۔

”کیا؟“ دلاور ایک جھنجکے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تھکرا مطلب ہے کہ اس تنظیم کا سربراہ؟“

”ہاں وہی زنگور ہے۔ اپنی گردن لائی۔ میں نے تو ابھی نہیں سمجھیں بتا رہا تھا کہ اسے کس طرح سے پس کر کے قیدی بنایا گیا تھا۔ کہاں تو خاموشی بہت ہوتی ہے۔“

”یہ تو بہت بڑا ہوا۔ دلاور بڑبڑایا۔ ابھی تک یہاں پیش آنے والے واقعات کا سر پر ہی کچھ نہیں آ رہا ہے۔ مجھے یہاں نہ جانے کس مقصد کے تحت لایا گیا ہے۔ پھر یہاں کی مادام میری دشمن ہوگئی۔ اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ پھر اس کو بوسے لائی نے مجھے اس کی پینٹل سے رہائی دلا دی۔ وہ مجھے اپنے کمرے میں لے گیا۔ پھر وہاں تم چلے آئے۔ اس کے بعد پھر چلا کہ سب کے سب بے ہوش ہوتے بڑے ہیں۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیے؟“

”جو لوگ بے ہوش ہوئے ہیں وہ تو ہوش میں آئی جاتیں گے۔ زنگور نے کہا۔ لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنے فلیٹ لے جانا چاہتا ہوں۔ وہاں جلی کر میں تمہیں یہاں کے سارے حالات بتا دوں گا۔ پھر میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم میرے ساتھ میرے قبیلے چلو۔“

”تمہارے قبیلے؟“ دلاور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”وہ کیوں؟“

”ابھی تو چلو یہاں سے۔ زنگور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”وہ لوگ ہوش میں آگئے تو کھانا مشکل ہو جائے گا۔ نہ جانے کس نے انھیں بے ہوش کر دیا ہے؟“

”بوڑھا دلاور بڑی حیرت سے اس شخص کی طرف دیکھ رہا تھا جو وہاں اسے وہاں جیسے خطرناک لوگوں کا سربراہ تھا۔ لیکن اس کے انداز نہ تھا۔ اس کے چلنے اور بات کرنے کے انداز ایسے تھے جیسے وہ تیسری جنس سے تعلق رکھتا ہو۔ بوڑھے دلاور کے لیے وہ تو ناہمت ہی دہشی کی چیز ثابت ہو رہا تھا۔

”ہاتے ہاتے تم اتنے خاموش کیوں بیٹھے ہو؟“ لائی نے تالی بجاتے ہوئے پوچھا۔ ”کچھ تو بولو۔“

”میں کیا بولوں؟“ دلاور نے جواب دیا۔ ”میں تو نہیں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔ اب تم مجھے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بتا دو۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے؟ تم لوگ مجھ سے کس طرح واقف ہو؟ کیا چاہتے ہو مجھ سے؟“

”ہاتے ہاتے ایک وقت میں اتنے سوالات“ لائی نے کہتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔ اب تمہارا بڑا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم خود ہی فہم کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ دراصل ہم لوگوں نے ایک تنظیم بنائی ہے جس کا نام ہے ”میرٹل پیٹرز“۔ اس ایسوسی ایشن میں اس ملک کا ہر بوری دنیا کا ہر آدمی شریک ہے جو دھوکے اور بے ایمانی میں اپنی مثال آپ ہو جیسے تم بڑا مت ماننا۔ تم بھی کسی سے نہیں ہوتا۔ اسے تمہارے میں برس ہوئے تھوڑی کیا بوز ہنسی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے میں تو اپنی طرح جانتی ہوں کہ تم ایک معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ پھر تم نے دھوکے اور بے ایمانی شروع کر دی۔ اور مجھے ہی دیکھ کر رڑوں روئے اٹھ کرے۔ ظاہر ہے کہ تم نے اپنے اہلکار سے تو حاصل نہیں کی ہوگی۔ خیر۔ اسے دنیا میں تو اہلکاری سے دو وقت کی روٹی بھی نہیں ملتی۔ خیر تو ہم نے سوچا کہ اتنے کام کے آدمی کو اپنے ساتھیوں نہ شامل کر لیا جائے، میں تو جیسے لوگوں کی ضرورت بھی رہتی ہے۔ پھر پھر چلا کہ تم بھی بڑی ایک دھوکے باز عورت نے تم پر قابو پا کر تمہیں کاٹھ کڑی طرح تہہ خانے میں پھنسا دیا ہے۔ وہ تم سے اپنے مطلب کا کام لیتی رہتی ہے۔ ہاتے ہاتے یہ جان کر ہلاک تو ہو جیتا۔ کیا بھلا تم جیسا آدمی اور اس طرح مجبور ہو جائے۔ یہ سب سوچ کر تم نے یہ فیصلہ کیا کہ میں وہاں سے نکال آیا جائے۔ ناکام تمہارے کام اسکو۔ پس یہ ہے ساری کہانی۔ اب تمہیں کرنا ہے کہ وہاں کو تمہاری مرضی۔“

دلاور بڑی گہری نگاہوں سے لائی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں بہت سی باتیں تھیں۔ بہت سے سوالات تھے۔ لائی نے اسے یہاں تک لائے کہ وہ حیرت منانے لگی۔ وہ دلاور کے لیے ناقابل اعتبار تھی۔ اس کے حق سے یہ بات بہم نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اس اور ہی چیز میں معلوم ہو رہا تھا۔

”اسے کس سے سوچ میں بڑھ گئے؟“ لائی نے تالی بجاتے ہوئے سوال کیا۔ ”تم ہمارے ساتھ شامل ہو رہے ہو یا نہیں؟“

”دیکھو لائی۔ میں ابھی تمہارا نام ہے۔ دلاور اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر دلا۔ ”تم نے جو کچھ کہا میں نے اس پر یقین کر لیا ہے۔ سونے ایک ہاتھ کے۔ اور وہ بات یہ ہے کہ تم نے مجھے کسی اور مقصد سے رہائی دلائی ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ تم صاف صاف وہ مقصد بتا دینا۔“

”یہ بات ہوئی نا۔“ لائی نے تالی بجاتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں تو بھولی گئی کہ تم بھی بچے خراب ہو۔ میری باتوں میں نہیں آو گے۔ خیر تو میں بتا دیتی ہوں کہ تمہارے دلاور کے لیے تمہیں رہائی دلائی ہے۔ اسے۔ اب چاہے تم اپنے منہ سے کچھ نہ کہو۔ لیکن میں معلوم ہے کہ تمہارے پاس کم از کم دو کوڑے روپے ہیں۔ اسے



اس ملک میں اتنے روپے بہت، ہوتے ہیں۔ یہ ہمارے ہاتھ آجائیں تو ہماری تنہم کہاں سے کہاں بیچ جانے لگتے تھے جسے جالاک ہو کر مرنے اس چوکری اور اس کے باپ کو کسی تک ہوا بھی نہیں لگے دی۔ اگر انہیں معلوم ہوتا تو ہم ان میں کسی کہیں بلو لیتے لیکن ان کو بلوانے کا کیا فائدہ جب کہ رقم کاردار لٹھکے سے میں ہے۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اتنی آسانی سے تمہیں یہ سب کچھ بتا دوں گا۔ لوڑھا دلاؤ مسکریا۔

”اے تو یہ تو یہ تم کہاں اتنی آسانی سے بتاؤ گے؟ فوٹا اپنے گالوں کو پٹینے لگاؤ۔ یہ تو ہم بھی جانتے ہیں لیکن تمہیں ان کو کھوکھم کر کر کوئی سختی نہیں کریں گے۔ یہ سب ہمارے اس سے باہر ہے۔ ہم ماہر بیٹ سے بہت دودھ پھانتے ہیں۔ ہم تو صرف ذہن کی قوت سے کام لیتے ہیں۔ اور تم دیکھ لیا کہ ہمارے ذہن کی قوت کے سامنے تم کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ تمہیں اپنا لڑائی تانا ہی ہو گا۔“

”میں بھی دیکھتا ہوں کہ تم لوگ کس طرح مجھ سے یہ راز اگلواتے ہو۔“

”چلو۔ یہ تو وقت بٹلے گا۔ دینے تمہارا سے جانا چاہو تو جیسے ہو ہم تمہیں نہیں روکیں گے۔“

”کہا۔ وہ لاؤ کو اس بات پر یقین نہیں آتا تھا۔ تم مجھے جانے کے لیے کہہ رہے ہو کہ تم نے تو اسے جس سے مجھے لکھوایا تھا۔ پھر جانے کی اجازت کیوں تو دے رہے ہو۔“

”ہائے ہائے۔ تم کو تو کوئی بات یاد ہی نہیں رہتی۔ میں نے کہا تھا کہ ہمارا دوسرا طریقہ ہے۔ ہم صرف وہاں سے مل کر برہم ہو کر مرنے لگے۔ تمہیں یہاں روکنے کا فائدہ کیا ہو گا۔ تم سے نہ کہتی تو کہہ نہیں سکتے۔ اس لیے بہتر ہے کہ چلے ہی جاؤ۔ اور ہاں کہہ دو کہ یہ تو بتا دو کہ تم کو خدا کی مدد سے۔ یہ مطلب ہے کہ اس چوکری اور اس کے باپ سے اس طرح منگو گے۔“

”تم صرف اس کے باپ کی بات کرو۔ دلاؤ لے لیا ہو۔ میں مجھے جیت کر رہی ہے۔ وہ میری وفادار ہے۔“

”واہ۔ تو ناہنس پڑا۔ یہ کیا کہہ رہے ہو۔ مجھے تو یہ سن کر بہت افسوس ہوا کہ تم جیسا زمین آدمی ایک چوکری کے چکر میں آگیا۔ اے وہ چوکری تم سے کہیں زیادہ مکار اور خطرناک ہے تمہیں کیا معلوم کہ اس نے تمہیں کس طرح دھوکے دے کر تمہارے خاندان میں فتنہ کر دیا۔ اور باغیا۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے۔ وہ اور لائی دونوں ملے ہوئے ہیں۔ دوسری طرف تمہیں یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اس چوکری پر ظلم ہو رہا ہے۔ جہر خانے میں تمہیں اس کی جیت سنوائی جاتی ہے۔ جب کہ کسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دلاؤ صوفے اٹھ کر افسحاری حالت میں ادھر ادھر بٹھکے۔ میں اتنا بڑا دھوکہ کیسے کھاسکتا ہوں۔“

”تم دھوکے کھا رہے ہو۔ لوڑھے شیر و ناہنس پڑا۔ اس لیے کہتے ہیں کہ جب آدمی لوڑھا ہو جائے تو اسے اپنی آنکھوں پر کسی جوان چوکری کا پلو تھیں رکھ لینا چاہیے۔ اس طرح اس کے سامنے صرف وہ پتورہ جاتا ہے اور باقی دنیا اوجھل ہو جاتی ہے۔ اس وقت بھی تمہارے سامنے ہے پوری دنیا اوجھل ہو جاتی ہے۔ تم بڑھ رہے ہو کہ تمہاری طرح وہ بے چاری بھی بڑی مظلوم اور مصیبت کی ماری ہوتی ہے۔ جب کہ وہ دھوکہ دے رہی ہے۔ تمہیں آج تو میری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ لیکن ایک دن تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔“

”اگر ایسا ہوتا تو میں اس کے گمے کر دوں گا۔ دلاؤ نے غصہ کی شدت سے اپنی مچلیاں بجھنی تھیں۔

”میں کہہ رہی ہوں نا کہ ایسا ہی ہے۔ خیر۔ اب تم اپنی تنہم کی خیر مناؤ۔ وہ تمہارے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔“

”ایسا نہیں ہے۔ اگر سوما نے مجھے مکاری کی ہے تو میں اس کی مکاری کے باوجود مجبور نہیں ہوا ہوں۔ میں جب چاہوں اپنے آدمیوں کی مدد سے اپنی تنظیم پر دوبارہ قبضہ کر سکتا ہوں۔“

”دیکھو کہ وہ سارے لوگ تو اس چوکری کے مقابلے میں۔“

”انہی بات نہیں ہے۔ میرے بہت سے آدمی اس تنظیم سے باہر بھی ہیں۔ لیکن خبر میں تمہیں یہ سب کیوں بتاؤں؟“

”حمت بناؤ۔ میں اس پہاڑ سے روانہ ہو جاؤ۔ اور یہ دیکھ لو کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے جانے دے رہا ہوں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ میں اپنے ذہن پر اتنا مجبور ہوں کہ کہہ جانتے ہیں کہ تم ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔ تم جہاں بھی رہو گے ہمیں اپنا راز بتاؤ گے۔ پس اب جاؤ۔ مجھے اپنی دندش بھی کرنی ہے۔ ایک تو یہ تم سخت ماری ورزش بھی بہت ضروری چیز ہے۔ دل تو ہمیں لگتا لیکن لگے ہو۔ ایک دن کروں تو ہاتھ پیروں کی جان نکل جاتی ہے۔ اچھا تم کو جاؤ۔ کہو تو مومن اور سوسائٹی کہیں چھوڑ آئیں۔“

”میں میں خود چلا جاؤں گا۔ لوڑھے۔ دلاؤ نے ایک نظر اس عجیب و غریب سیاہ پوش فوٹا پر ڈالی پھر اس کے سر سے ماہر آگیا۔

”اے یقین نہیں تھا کہ اے اتنی آسانی کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی جانے گی۔ یہ لوگ تو بہت ہی جیت ایچ

ثبات ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ اے تہ خانے سے رہائی دلائی اس کی چھائی ہوئی رقم کا تذکرہ کیا پھر اسے چھوڑ دیا۔ یہ بہت ہی ناخبر لوگ معلوم ہوتے تھے۔ انہیں سارے حالات کا مکمل خبطہ ہی جانتے تھے کہ دلاؤ کے پاس کتنی رقم ہے۔ اور وہ کس طرح سوما کے چکر میں پھنس کر اپنی آزادی کو بچا تھا۔ فوٹا نے سوما کے بارے میں جو کچھ کہا تھا وہ دلاؤ کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔ وہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ اسے اس انداز سے دھوکہ دیا جا رہا ہو گا۔

اس کا خیال تھا کہ اسے روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ کوئی نہ کوئی اس کے سامنے میں آئے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ فوٹا اور اس کے ساتھیوں کے نزدیک دلاؤ کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ یہ انداز ایسا عجیبے کوئی چادر گرہ کی کاپیاں مہولہ بنا کر آزاد کر دے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا سونامی اس سے بڑھ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ دلاؤ کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا گیا تھا۔ کسی نے اس کا تعاقب نہیں کیا تھا۔ کوئی بھی اس کے سامنے میں نہیں آیا تھا۔ اور دلاؤ کی جیت بڑھتی چلی جاتی تھی۔

ماہر آگروہ پیدل ایک طرف چل بڑھ کر اس کے ذہن میں آنے لگا۔ اس کی آنکھیں تھیں۔ اس کی آنکھیں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس پر اسرار لڑائی کا توں کا اعتبار کرے یا نہ کرے۔ وہ بے سہارا آدمی نہیں تھا۔ وہ اس شہر کی ایک بہت بڑی تنظیم کا سربراہ تھا۔ لیکن اسے مفلوج کر کے رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے سامنے دلاؤ اسے تھے۔ با تو وہ واپس جا کر سوما اور لائی سے ملاقات کر کے ان لوگوں کو مجبور کر دے جنہوں نے اسے قید کیا تھا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا نام مانتھر کا تھا۔ مانتھر نے ملنے میں دلاؤ کا خاص آدمی تھا۔ دلاؤ نے اس پر بہت بھروسہ کیا تھا۔ اس نے مانتھر کو اپنے نائب کی حیثیت دے رکھی تھی۔ پھر اس کا مانتھر نے اسے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ ایک رات دلاؤ کی بساط اٹھ دی تھی۔ مانتھر نے اپنے آدمیوں کی مدد سے اس پر قابو پا لیا۔ اور اسے ایک قیدی بنایا گیا۔ اس سلسلے میں مانتھر اور اس کے ساتھیوں نے سوما کو کھال کے طور پر استعمال کیا تھا۔ وہ سوما پر لٹھکے دے اور اس کی چھین دلاؤ کو جہر خانے میں سنوائی جاتیں۔ دلاؤ سوما پر لٹھکے، برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجبور ہو کر مانتھر کی ہر بات مان لیا کرتا مانتھر نے دلاؤ کے دوسرے آدمیوں کو یہ ہانڈ کر دیا تھا کہ دلاؤ نے احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں۔ وہ اب صرف اپنی آواز کے ذریعے اپنے آدمیوں سے مخاطب ہو کر رہے گا۔ اس لیے جب تنظیم کے بڑوں کی میٹنگ ہو کر مانتھر تو اس میٹنگ میں دلاؤ کی آواز سنائی جاتی۔ ان لوگوں نے تہر خانے میں مانگ لٹا رکھے تھے۔ ان

لوگوں کو دلاؤ کی زبان سے جو کچھ کہلوانا ہوتا وہ دلاؤ کو کھنکر دے دیا جاتا۔ اگر دلاؤ وہ سب کچھ کہنے سے انکار کر دیتا تو سوما کی کرناک چھین اسے بے بس کر دیا کرتیں۔ اس کے اعصاب تنگ نہ ہوتے۔ سوما پر لٹھکے دے اس کے لیے ایک عذاب کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ مجبور ہو کر پھر وہی سب کچھ کہنے لگتا جس کے لیے اسے ہدایت دی جاتی۔

لیکن اب فوٹا کی باتوں نے اس کے ذہن میں خفتنا شروع کر دیا۔ اگر فوٹا کی بات درست تھی تو وہ سوما کی لائی کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ اس کے پاس جاتے ہی اسے دغاؤں گھیر لیا جاتا۔ اور وہ ایک بار آزادی حاصل کر لینے کے بعد دوبارہ ان کی چنگ میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

دلاؤ کے ذہن پر مایوسیوں نے غلبہ کر رہی تھی۔ اس کی آنکھیں نہیں آتا تھا کہ وہ اب کیا کرے۔ لیکن اب اس نے حکومت قائم کر رکھی تھی۔ اس کی گردن انگریزوں کی تھی۔ وہ اپنے جوہر میں مفلوج کر کے کر جیتا تھا۔ اور آج وہ دلاؤ پر ہوا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی جو اس کے ہم آہنگ تھی۔ لیکن وہی طور پر مسند پرناہ حاصل کرنے کا تھا۔

پھر اچانک اس کے ذہن میں دلراج کا خیال آگیا۔ دلراج ایک قابل اعتبار آدمی تھا۔ اب سے بہت پہلے وہ دلاؤ کی تنظیم میں شامل تھا۔ وہ ایک بڑگ ڈیڑھ تھا۔ اور اس کے ذہن میں سب سے مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل کر کے ایک دن دلراج کی نیت بدل گئی۔ اس نے ایک دوسری باسٹی سے تنظیم کے مال کا سودا کر لیا۔ لیکن اس وقت بد اس کی یہ بات تنظیم کے بڑوں کو پہنچ گئی۔ ان کے نزدیک ایسی حماقت کی منزل موت تھی۔ لیکن دلاؤ نے نہ ملے جیل اسے عاف کر دیا تھا۔ البتہ دلراج کو تنظیم سے الگ کر دیا گیا۔ اس دن سے دلراج دلاؤ کا جاں نثار نہ رہا تھا۔ دلاؤ کو یقین تھا کہ وہ اس کے لیے اپنی جان تک کی بازی لگا دے گا۔ اس نے دلراج پر ایک بہت بڑا احسان کیا تھا۔ اور اب دلراج کے لیے اس احسان کا بدلہ اٹانے کا وقت آگیا تھا۔

دلراج کو لایے میں رہنا تھا۔ دلاؤ کو اس کی رہائش کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم تھا۔ لیکن اسے یقین تھا کہ وہ کو لایے پہنچ کر اس کا پتہ چلا سکتا ہے۔ اس مسئلہ کو لایے تک پہنچنے کا تھا جو اس مکان سے بہت فاصلے پر تھا۔ جہاں سے دلاؤ کو جانے کی اجازت دے دی تھی۔

وہ اس مکان سے نکل کر سیدھا چلتا چلا گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ فوٹا اور اس کے ساتھیوں نے اس کا تعاقب نہیں کیا ہے۔



کوتھیں میرے قیدی تک بلکہ اپنے قیدی تک آنا ہوگا۔ ہماری  
 دین کا اثر کی پیش گوئی بھی میری ہی کام نہیں ہوئی جب اس  
 قیدی کی ہدایتیں نہیں ملازمت کی تو تم سارے صدمہ کو  
 وہاں پہنچ جاؤ گے۔ میں بھی نہیں اس وقت لے جانے کے  
 لیے امر نہیں کروں گا۔ بس میں نے صورت حال نہیں بتادی  
 ہے۔ اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔  
 ”مجھے میری مرضی کے خلاف کوئی نہیں بلا سکتا دوست  
 داور نے اس کے شانے پر بڑھ چکی دی۔ شاید تم میرے ریلکارڈ  
 سے واقف نہیں ہو۔“

”یہ نہیں جانتا ہوں یہ زنجور لے کر کہا۔ لیکن ہمارے یہاں  
 ایک کہاوت ہے کہ بادل کے بارش کی بجائے سنا ہے جس کے  
 قدر ہمارے جتنے ہوں۔ میرا قدامتازہ نہیں ہے لیکن ہمارا  
 جیسے لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ ہمیں ہر حال میں اس قیدی تک  
 آنا ہوگا۔ یک ہوگا۔ یہ میں نہیں جانتا۔ غیر۔ اب تم یہ بتاؤ  
 کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ میں تمہارے کسی کام آ سکتا ہوں۔“  
 ”سب سے پہلے تو مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ پورے حالات اور  
 کہاں ہے؟ وہ کون لوگ تھے جو اسے ایسی خطرناک تنظیم  
 کے درمیان سے نکال کر لے گئے ہیں۔ اور دوسری بات  
 یہ ہے کہ وہ لڑکی اور اس کا باپ بھڑے کی کام لینا چاہتے تھے۔  
 اس کے بعد ہی پورے حالات اور لڑکی کی کوئی تلاش کرنا ہے۔  
 یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ زندہ ہے یا نہیں اگر وہ مر گئی ہے تو  
 پھر کچھ نہیں کیا جاسکتا اور اگر وہ زندہ ہے تو میں ہر حال  
 میں اسے تلاش کر لینا چاہتا ہوں۔“

”ایسا اچھا ہے۔ جیسے اس پورے حالات اور داور نے تمہارا کوئی  
 خاص تعلق ہو؟“ زنجور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یہ میرا اپنا معاملہ ہے۔ داور نے جواب دیا۔ ”میں  
 ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“  
 ”تمہاری مرضی، زنجور نے ایک گہری سانس لی تھی  
 پھر ایک بار عام طاق کی طرح تمہارے سواؤں کے جواب  
 حاصل کرنے کے لیے تنہا کی طرف جانا ہوگا لیکن انھیں وہ  
 ہے کہ لائی کہ وہ ہوش کر کے آیا ہوں۔ میرے وہاں بیچنے کی  
 ہنگامہ کھڑا ہو جانے کا غیر تمہارے لیے کوئی ناکافی راستہ تو  
 نکالنا ہی ہوگا۔ اب تم اس فیث میں آرام کرو۔ میں ایک دو  
 آدمیوں سے ملنے جا رہا ہوں۔“

”نہیں۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں اپنے دوست  
 عبدل کے فیث کی طرف جانا چاہتا ہوں۔ اس وقت وہ پھر  
 کے دو بج رہے ہیں۔ میں شام کے بعد تمہارے پاس آؤں گا۔“  
 ”میکہ ہے۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے میں تمہیں  
 عبدل کے فیث کے بارے میں کچھ دیکھنا پڑے گا۔ وہاں سے  
 کسی گڑبگڑ کا احساس ہو گیا تھا۔  
 اس کے فیث کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ کوئی  
 خاص بات نہیں تھی لیکن یہ بات عبدل کے مزاج کے خلاف  
 تھی۔ داور کو باور نہیں تھا کہ عبدل نے بھی اس طرح اپنے  
 فیث کا دروازہ کھلا رکھا ہو۔ وہ بہت ہی محتاط آدمی تھا۔  
 اور ہر معاملے میں احتیاط دیکھ کر کرتا تھا۔ اس کے علاوہ اس  
 فیث کے اندر خاموشی بھی چھائی ہوئی تھی کسی قسم کی آواز  
 نہیں آ رہی تھی جبکہ عبدل جیسا بولنے والا آدمی ایک لمحے  
 کے لیے بھی خاموش نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر عبدل اندر کسی  
 کام سے باہر بھی گئے ہوں گے تو انھیں دروازہ بند کر کے  
 جانا چاہیے تھا۔  
 داور کو خطرے کا احساس ہو رہا تھا لیکن اس کی فیث  
 معلوم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک دروازے کے پاس  
 کھڑا رہا۔ اس وقت وہ کوریڈر میں سنا ہوا ہوا تھا عبدل  
 کا فیث جس عمارت میں تھا اس عمارت کی ہر منزل پر وہ  
 فیث بند ہوئے تھے۔ اور ان دونوں کے درمیان ایک  
 کوریڈر تھا۔ اس وقت اس کوریڈر میں سنا تھا۔ دوسرے  
 فیث والے اپنے فیث میں تھے۔ داور نے دروازے پر  
 دستک دی۔ لیکن قوت کے مطابق اندر سے کسی کی آواز سنائی  
 نہیں دی۔ دوسری بار اس نے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔  
 دروازہ اس کے ہاتھ کے دبائے اندر کی طرف کھلتا چلا  
 گیا تھا۔

داور کچھ دیر تک دروازے پر کھڑا اندر کی آہٹ لینے  
 کی کوشش کرتا رہا اور جب کچھ بھی سنائی نہیں دیا تو وہ پورے  
 قضا طانداز میں عبدل کے فیث میں آ گیا۔  
 سامنے کا کمرہ اس طرح بے ترتیب تھا جس طرح بے ترتیب

نفسیاتی حربہ تھا۔ اور اس کا مقابل دھوکے میں آ گیا۔ اس  
 کی توجہ داور سے ہٹ گئی۔ وہ اپنے اختیار پرستی کو اٹھانے کے  
 لیے نیچے جھکا اور داور نے اس کی گردن پر ایک لات دے کر  
 وہ آچھل کر ایک طرف جا کر ادا کرنے اس پر پھلنگ لگا دی  
 پھر اسی وقت اسے اپنے عقب سے ایک آہٹ سنائی دی۔  
 اس نے مڑ کر دیکھا اور اس شخص نے اس کے پیروں  
 میں قبضہ کر لیا۔ داور کے عقب میں کوئی نہیں  
 تھا۔ اسے کسی کی آہٹ کا دھوکہ ہو گیا تھا۔ نیچے گرتے ہی وہ  
 شخص داور پر حاوی ہو گیا۔ داور نے جھلک کر ایک بار پھر اپنا  
 سر اس کے چہرے پر دے مارا۔ اس بار وہ شخص انہی تیزی  
 سے اپنی گردن تپا نہیں سکا تھا۔ اس لیے داور کا سر اس کے  
 چہرے سے ٹکرایا اور وہ بھٹا مارا اور داور کے اوپر سے ایک  
 طرف لڑھک گیا۔

داور اب اسے مومن نہیں دیکھتا تھا۔ وہ جلدی سے  
 کھڑا ہوا اور اس نے نیچے بعد دیکھتے ہی کھنسنے اس شخص کے  
 چہرے پر رمید کر دیے۔ اس کے ہاتھوں اور ناک سے خون  
 بہنے لگا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر کچھ لمبے لگا لیکن اس کی ہلی  
 داور کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ وہ ٹوٹ لگا تھا۔  
 کچھ دیر بعد اس کو گھٹنے اپنی گردن ڈال دی وہ  
 بے ہوش ہو چکا تھا۔ اس جدوجہد نے داور کو بھی ڈھال کر دیا  
 تھا۔ وہ ٹوٹ لگا بہت ہی سخت جان ثابت ہوا تھا۔ داور نے  
 گرتے کے پاس سے ہٹ کر سب سے پہلے فیث کا دروازہ بند  
 کیا۔ اٹھا کر اہواستول آٹھایا اور ایک بار پھر غسل خانے کے  
 دروازے پر آگیا۔

اس نے اس بار چانک دروازے پر ایک لات رید  
 کر دی۔ دروازے کے دونوں پٹ غسل خانے کی دواہوں سے  
 جا کر کھڑے غسل خانے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ داور نے  
 کے اندر گیا لیکن غسل خانہ خالی تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں تھا  
 تھا کہ سب کیا ہے۔ اس نے غسل خانے کے اندر سے آہٹ  
 سنائی تھی۔ اور آہٹ بھی دوبار سنائی دی تھی۔ وہ دھکیلا اور  
 کوروا عصاب کا آدمی نہیں تھا۔ اس کا دھم نہیں ہو سکتا  
 تھا۔ گونجنے سے لڑتے ہوئے بھی کسی کے چلنے کی آہٹ سنائی  
 دی تھی۔ پھر آہٹ پیدا کرنے والے کہاں غائب ہو گئے تھے  
 وہ گونجنے کے پاس واپس آ گیا۔ وہ ایک ہی بے ہوش  
 پڑا ہوا تھا۔ داور اس پر برا سرا آہٹ کے خیال کو اپنے ذہن  
 سے جھٹک کر گونجنے کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ بڑی دھمپری سے اس  
 کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گونگا ایک قوی سیکل آدمی تھا۔ ایسا  
 محسوس ہوتا تھا جیسے اس نے لڑائی بھڑائی کی خاص تربیت

رہا تھا۔ شراب کی خالی بوتلیں اور دھوڑا ہوا چمکے ہوئے  
 تھیں۔ ایک کرسی آگئی ہوئی تھی۔ موجود اپنی جگہ سے ہٹ  
 کر کچن کے دروازے کے پاس چلا گیا تھا۔ مزید بھڑے برقی  
 اور گیس رکھے ہوئے تھے۔ وہی مائوس مائل تھا جو داور  
 اس سے پہلے دیکھتا رہا تھا۔ عبدل اپنے فیث کو ای بے ترتیب  
 سے رکھا کرتا۔ اس کا تو فیث کاسیٹو اور ہر زندگی تو خود لوگوں  
 کے حشر میں آئی ہے۔ مردوں کا ان چیزوں سے کیا واسطہ  
 اس لیے اس وقت فیث کی آجڑی ہوئی حالت کسی خاص  
 بات کی طرف اشارہ نہیں کر رہی تھی۔ داور عبدل کو آواز دینا  
 ہوا اس کی خواب گاہ میں غصے کیا۔ لیکن وہاں بھی سوائے  
 بے ترتیبی کے اور کچھ نہیں تھا۔ عبدل اور سیم کا کوئی پتہ نہیں  
 تھا۔

پھر چانک اسے ایک آہٹ سنائی دی۔ یہ آہٹ  
 غسل خانے کی طرف سے آئی تھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی  
 غسل خانے میں چھپا ہوا ہو۔ داور نے زنجور کو روک دیا  
 ہستول اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دھڑے دھڑے پہلے پاؤں  
 غسل خانے کی طرف بڑھنے لگا۔ غسل خانے کا دروازہ اندر سے  
 بند نہیں تھا۔ وہ دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔  
 ”کون ہے اندر؟“ اس نے آواز لگائی۔ ”ہاں آ جاؤ۔“  
 ”کوئی جواب نہیں غسل خانے سے کوئی باہر نہیں آیا۔  
 لیکن وہ آہٹ بھر سنائی دی۔ اس بار یہ آہٹ بالکل واضح  
 تھی۔ داور نے غسل خانے کے دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔  
 اسی وقت کسی نے اس پر جھلنگ لگا دی۔ یہ جھلنگ غسل خانے  
 کی جانب سے نہیں لگائی تھی بلکہ کسی نے اس کے عقب  
 سے اس پر حمل کیا تھا۔

وہ غرا کر پڑا اور جھلنگ لگنے والے نے اس کے  
 ہستول والے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ داور نے اپنے  
 ہاتھ کو جھٹکا دے کر اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی  
 لیکن اسے احساس ہو گیا تھا کہ مزید مقابل جسمانی طور پر کسی  
 طور پر بھی کر نہیں ہے۔ وہ کسی چونک کی طرح اس کے ہاتھ  
 سے چپٹ گیا تھا۔ داور نے اچانک اپنا کھٹنا اٹھا کر اس کے  
 پیٹ میں مار دیا۔ وہ شخص بدلتا گیا۔ لیکن اس نے داور کا ہاتھ  
 نہیں چھوڑا تھا۔ داور نے اپنا سر اس کے چہرے پر مارا۔ اس  
 شخص نے تین وقت پہلا ہی گردن پیچھے تالی تھی۔

داور کو اس کی طرف سے بھی خطرہ لاحق تھا جس کی آہٹ  
 غسل خانے سے سنائی دی تھی وہ شخص بھی باہر نکل کر اس پر  
 حمل آور ہو سکتا تھا اس لیے اس نے اپنی جنگ تیز کر دی  
 اس نے اچانک اپنے ہاتھ سے ہستول فرش پر گرا دیا۔ یہ ایک

ماصل کی ہو۔ اس کے ہاتھ پاؤں بہت مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ وہ بالکل جتنا تھا اور اس کی صورت بہت خطرناک تھی اس کے جسم پر ایک پینٹ اور ٹیٹس تھی۔ داور نے اس کی جیبوں کو اوپر سے خوب تھپا دیا۔ اُسے یہ جان کر حیرت ہوئی کہ گونگا خالی ہاتھ تھا۔ اس کے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں تھا۔ شاید وہ اسی قسم کا آدمی تھا کہ اسے ہتھیاروں کی ضرورت نہیں ہوتی ہوگی۔

داور نے بتل دیا تھا میں نے اپنے ہونٹے کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی جھنجھکیاں نہیں آ رہی تھیں گونگا آخر کون ہے؟ سبم اور عدل اس فلیٹ سے کہاں چلے گئے؟ کیا انہیں یہاں سے ہٹانے میں اس گونگے کا ہاتھ ہو سکتا تھا؟ اور یہ سب کچھ اسی وقت معلوم ہو سکتا تھا جب ہونگا ہوش میں آ جاتا لیکن اُنھیں یہ بھی کہ ہوش میں آنے کے بعد بھی اس گونگے سے کیا بات معلوم ہو سکتی تھی؟

کچھ سوچ کر داور کی سیسے اُٹھا اور باورچی خانے سے ایک گلاس میں پانی لے آیا۔ اس نے پانی کے چھینے گونگے کے چہرے پر مارا۔ گونگا کسمسا کر ہوش میں آ گیا۔ اس نے زنی آنکھیں کھولیں اور داور کی طرف خوفزدہ دنگا ہوں سے بچنے لگا۔ داور نے اسے کمرے سے ہٹا کر اشارہ کیا کہ گونگا اُن کو کرتا ہوا دھیرے دھیرے کھڑا ہو گیا۔ داور نے اسے پھر اشارہ کیا کہ وہ داور کے سامنے والے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آستین سے اپنا چہرہ بھی صاف کر لیا تھا۔

”کون ہو تم؟“ داور نے سوال کیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اشارہ بھی کیا تھا۔ گونگے نے ادل آں کرتے ہوئے اپنی گردن ہلائی اور اپنی جیبوں کو تھونے لگا تھا۔ داور اس کی طرف سے چونکا ہوا گیا تھا۔ اُس گونگے نے اپنی جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے تیسے والی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر اس کے ہاتھ سے وہ کاغذ لے لیا۔ جس پر کچھ لکھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے اسے غور سے پر نظر ڈالی پھر حیرت سے اس کے ہونٹے سے کہنے لگا۔ وہ خبردار اسی کے نام تھی۔ اس کاغذ پر لکھا تھا۔ ”اگر تم داور ہو تو اس گونگے کے ساتھ ساتھ بڑی کسی جھجک کے چلے آؤ۔ مجھے تمہارا انتقام دے گا۔“

اس خبر نے داور کو اُنھیں میں مبتلا کر دیا۔ وہ روپالی نام کی کسی لڑکی سے واقف نہیں تھا۔ پھر اس لڑکی نے جس انداز سے گونگے کو بچنے کڑے آنے کی دعوت دی تھی۔ یہ انداز کبھی بہت حیرت انگیز تھا۔ اس خبر نے اُسے کشش میں

مبتلا کر دیا تھا اس کی جھنجھکیاں نہیں آ رہی تھیں کہ وہ کیا کرے۔ اس گونگے کے ساتھ چلنے سے انکار کر دے یا یہ دیکھ لے کہ گونگا کس روپالی کے پاس آئے گا ہے۔ ایک گھنٹہ میں یہی معنی کہ وہ اس گونگے سے کوئی بات معلوم نہیں کر سکتا تھا حالات کو سمجھنے کے لیے اسے اس گونگے کے ساتھ جانا تھا۔ پھر اس نے اُس کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

”جھجک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ وہ کاغذ کے پر سے کو ایک طرف اُچھلے ہوئے ہوا“ کہاں تک جانا ہو گا؟“

گونگے نے ادل آں کر کے اُسے کچھ بھلنے کی کوشش کی لیکن داور کی سمجھ میں اس کے اشارے نہیں آ سکے تھے۔ ”اچھا اچھا چلو آگے“ وہ بیزار ہو کر بولا۔ ”میں بھی تو دیکھوں کہ تم کہاں لے جاتے ہو اور یہ عدلی کون ہے؟“ وہ گونگے کے ساتھ عدل کے فلیٹ سے باہر نکلا۔ اس نے باہر سے دروازے کو کھنڈی لگا دی تھی۔ عمارت سے باہر آ کر گونگا ایک گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ یہ گاڑی پہلے بھی کھڑی ہوئی تھی لیکن داور نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ ایک نئے ماڈل کی چکی ہوئی گاڑی تھی۔

”گاڑی تو بڑی زوردار ہے۔“ داور نے گونگے کا شاندار خوب تھپاتے ہوئے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ”کس کی ہے؟“ گونگے نے داور کو اس کی طرف دیکھا پھر اپنے دانت نکال دیے۔ داور بھی مسکرا دیا۔ گونگے نے گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ میں گھسالی جبکہ داور اس کے باہر والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ اب یہ مسکرو گونگے کی منزل پر ہی جا کر حل ہونے والا تھا۔ وہ گونگے اور روپالی کے بارے میں کچھ سوچا نہیں چاہتا تھا۔ گاڑی کا رخ شہر کے اس علاقے کی طرف تھا جہاں ایسے لوگوں کی رہائش تھی جو سماج کے بلند طبقے سے تعلق رکھنے والے تھے۔ انہی کی تنگ و تنگ ٹرانک اور کھویوں کے برعکس اس علاقے میں بڑی بڑی کھیتیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ روپالی کوئی دو قند عورت تھی۔ اور اس کی دولت کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ اس کے پاس ایسے گونگے جیسے ملازم تھے جو اس کے حکم پر اپنی جان دینے کے لیے تیار رہتے۔ اس کے علاوہ یہ شاندار گاڑی اس عورت کی امارت کا ثبوت تھا۔

گونگے نے بالآخر ایک جبری سی عمارت کے گیٹ کے پاس گاڑی روک دی۔ اس گیٹ کے دروازے پر دو نیپالی گولے کھڑے ہوئے تھے۔ جنہوں نے گاڑی کو دیکھا، وہ اٹھ کھڑے دیا کہ گونگا اس گاڑی کو احاطہ کے اندر لے گیا تھا۔ وہ کوئی

بھی بہت خوبصورت تھی۔ فرانسسیسی طرز کی بنی ہوئی ایک دلکش عمارت تھی جس کی بالکونیاں اور کھڑکیاں یہ ثابت کر رہی تھیں کہ ان کی تعمیریں باوقوف ہاتھوں نے حتمہ کیا ہے۔ سامنے کی طرف ایک برآمدہ تھا۔ یہاں تک پہنچنے کے لیے تنگ ممر کی بیڑیا بنی ہوئی تھیں۔ گونگے نے ان ہی بیڑیوں کے پاس گاڑی روک لی تھی۔

اس نے گاڑی سے تر کر داور کو اشارہ کیا۔ داور گاڑی سے باہر آیا۔ گونگا اُسے اپنے ساتھ برآمدے تک لے گیا تھا۔ گونگے نے ایک طرف چلنے کے لیے کہا۔ اور تھپک اسی وقت داور کو اپنے عقب میں کسی کی آہٹ سنائی دی۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے مڑا لیکن کوئی بھی نہیں تھا۔

داور ایک گری سانس لے کر رہ گیا۔ ایسی آستین عدل کے فلیٹ میں بھی سنائی دی تھیں اور اب یہاں بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے گونگے کی طرف دیکھا وہ ہنس رہا تھا۔ ”کیسا چڑھے؟“ داور نے اپنا سر جھانکے ہوئے پوچھا۔ ”تم کہیں جادو تو نہیں جانتے؟“

گونگے نے اس کی بات سمجھ لی تھی اس لیے اُس نے انکار میں اپنی گردن ہلائی اور داور کو ایک طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ داور اس کے ساتھ ایک ایسے چھوٹے کمرے میں آ گیا جو بہت خوبصورتی سے سجا ہوا تھا۔ یہ کمرہ اس مرکزی عمارت کے عقب میں واقع تھا۔ گونگے نے داور کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بیڑی پر رکھا ہوا قلم اور کاغذ اُٹھا کر اس پر کچھ لکھ شروع کر دیا۔ داور بڑی دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا گونگے نے اس کاغذ پر کچھ لکھنے کے بعد وہ داور کی طرف بڑھا دیا۔ داور نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے لیا گونگے نے اس پر لکھا تھا۔

”میرا نام شیوا ہے۔ میں بیدار نشی گونگا نہیں ہوں بلکہ روپالی دہلی کے نرس کے طور پر میری زبان کنوا دی تھی وہ ہماری دہلی میں ہیں۔ ہمارے ساتھ جو بھی چلے سکتی ہیں۔ ان کے لیے ہماری جائیں بھی حاضر ہیں۔ میں ایک بڑھانچا انسان ہوں۔ میں نے ابتدائی تعلیم نیپال میں حاصل کی، جبکہ اعلیٰ تعلیم میں نے بنارس یونیورسٹی میں پائی تھی۔ یہاں میں نے ایک ہندو دہلی کی بہت خدمت کی۔ اس نے مجھے بہت سے نون میں ماہر کر دیا تھا۔ اس میں سے ایک فن آستین پیدا کرنے کا ہے۔ سامنے والے کوئی محسوس ہو گا ہے جیسے کوئی اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہوگا ہے یا سامنے موجود ہے۔ اس کی نظر چوک جاتی ہے اور وہ قابو میں آ جاتا ہے۔ لڑائی بھڑائی کے موقع پر یہ فن ہمارے بہت

کام آتا ہے۔ لیکن تم نے جس انداز سے مجھے بس کر دیا تھا وہ تمہارا ہی فن ہے۔ میں اس بنا پر تمہارا احترام کرتے لگا ہوں۔ تم واقعی ایک طاقتور آدمی ہو۔ تمہارے لڑنے کا انداز بے مثال ہے۔ میں انہیں ہمیشہ باور کھوں گا میں اپنی سن سکتا ہوں لیکن جواب نہیں دے سکتا۔“

داور کو اس با محلا جیت گونگے پر مافوس ہونے لگا تھا اس کی زبان کاٹ کر اس روپالی نے اس کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔ اس کے باوجود یہ نفس شاک نہیں تھا۔ ”کیا تم مجھے اپنا ہی ہنس سکاؤ گے؟“ داور نے پوچھا۔ گونگے نے خوش ہو کر اپنے دانت نکال دیے اور عدلی جلدی اپنی گردن ہلانے لگا۔

”کیا انہیں معلوم ہے کہ اس فلیٹ میں جہاں سے تم مجھے اپنے ساتھ لائے ہو میرا ایک بھائی اور ایک دوست بھی تھا۔ وہ دونوں کہاں چلے گئے؟ کیا تم ان کے بارے میں جانتے ہو؟“

شیوانے داور کی بات سن کر پھر قلم کاغذ سنبھالا اور کچھ لکھ کر داور کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لکھا تھا۔ ”ہماری روپالی دہلی کو نہ جانتے کیوں تمہاری ضرورت پڑی۔ دہلی کی باتیں دہلی ہی جانتے۔ اسے کسی طرح تمہارا پتہ معلوم ہو گیا تھا۔ اس نے مجھے اس پتے پر بلایا۔ دیا۔ جہاں ایک آدمی پہلے سے موجود تھا۔ اس نے مجھے فلیٹ میں لے کر آ کر کچھ برآمدہ کر دیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہارا بھائی تھا یا دوست تھا۔ مہر حال اس سے میری جنگ ہوئی۔ لیکن وہ زیادہ دیر میرے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکا اور اچانک بھاگ گیا اس کے بھاگ جانے کے بعد تم فلیٹ میں داخل ہوئے۔ میں کچھ کر دی۔ آدمی یا اس کا کوئی ساتھی واپس آ گیا ہے اس لیے میں نے تم پر حملہ کر لیا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں معلوم۔“

”حکم کرنے والے آدمی کا تھیکہ کیا تھا؟“ داور نے پوچھا۔ ”وہ چھوٹے قد والے تھے۔ ہونے بدن کا آدمی تھا۔“ شیوا نے لکھ کر جواب دیا۔

”تو پھر کوئی اور ہو گا؟“ داور نے کہا۔ ”میرا بھائی اور دوست دونوں طویل قامت ہیں۔ مہر حال تم مجھے یہاں تک تو لے ہی گئے ہو۔ کیا کیا کرنا ہے؟“

”اب میں انہیں اپنی روپالی دہلی کے سامنے طبلوں گا۔“ شیوانے اسی طرح تحریروں میں جواب دیا۔ لیکن میری ایک درخواست ہے کہ دہلی کے سامنے فلاؤب سے رہنا۔ وہ گستاخ نگاہوں اور گستاخ لوگوں کو پسند نہیں کیا کرتی۔ میں نے اس کے سامنے ایک بار زبان کھولی تھی اور زندگی بھر کے

یہ بولنے سے مجھ کو گھبراہٹ ہوئی۔  
 دوا ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس پر اس وقت  
 سے ملنے کی نچڑبٹن شدید ہو گئی تھی۔  
 دلراج نے پہلی نظر میں دلاور کو پہچان لیا تھا۔  
 وہ اسے دیکھ کر اتنا حیران تھا کہ بہت دیر تک اس سے  
 کچھ کہا ہی نہیں کیا۔ وہ بس غمازی غمازی نگاہوں سے دلاور کی  
 طرف دیکھتا رہا جو یہاں تک آئے بہت نڈھال ہو گیا  
 تھا۔ "ہمارا دلراج آپ، بالآخر بہت دیر بعد دلراج نے سرگوشی  
 کی کہ میں میں کوئی پشناؤ نہیں دیکھ رہا ہوں۔"  
 "نہیں یہ پشنا نہیں حقیقت ہے دلراج، دلاور نے  
 مسکراتے کی کوشش کی۔ "میں تمہارے پاس پناہ لینے  
 کے لیے آیا ہوں۔"  
 "میرے پاس؟" دلراج بہت حیران ہو کر کہا تھا کیا  
 کہہ رہے ہیں خیر آئیے آئیے۔  
 دلراج ایک طرف ہٹ گیا۔ دلاور اس چہرے سے  
 کہہ رہے ہیں داخل ہو گیا۔ جہاں مٹھی نے اپنے قبضے سے ڈال  
 رکھے تھے۔ ایک طرف دلاور کے پاس ایک پلنگ بچا ہوا تھا  
 جس پر کوئی سرے پاؤں تک چادر ڈالے ہوئے سودا تھا  
 اس کمرے میں ایک چارباٹی اور بھی تھی۔ دلراج نے دوسری  
 چارباٹی پر دلاور کو بٹھایا تھا۔  
 "اے بیٹا اٹھ۔" اس نے سونے والے کو آواز دی دیکھ  
 کون آیا ہے؟  
 "بس نہیں اٹھتی۔" چادر کے اندر سے ایک مترنمی  
 آواز ابھری۔ "سونے دے ہے۔ بروقت تنگ مت کیا کر؟"  
 "یہ عورتیں بڑی بد معاش ہوتی ہیں ہمارا دلراج، دلراج  
 نے کھیلنے انداز میں دلاور کی طرف دیکھا۔ یہ میری گھر  
 والی چھتے میں قاسم جیٹھ میں پڑنا نہیں چاہتا تھا لیکن  
 گاؤں کے بڑے بڑوں نے اسے میرے بچے باندھ دیا۔ ابھی  
 یہ بہت کم عمر ہے۔ گاؤں میں تو بہی سب بڑا ہے ہمارا۔  
 اگر اس سے کوئی اور بچہ بیچ ہو جائے تو کم عمریہ کر ماف کر دینے  
 گا۔"  
 اس کی بات کے دوران وہ چادر ایک طرف بھینک  
 کر اٹھ بیٹھی تھی۔ دلاور کا احساس ہو گیا کہ اگر دلراج اس کی  
 عمر کے بارے میں کچھ نہ کہتا تب بھی اس عورت کو کم عمری  
 کہا جاسکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ خطرناک حد تک خوبصورت  
 بھی تھی۔ اس کے منہ جیم کا ہر عضو ہر زاویہ پر یکساں نکلا

کر رہا تھا کہ وہ اس کھوٹی میں رہنے کے لیے بھلا نہیں ہوئی۔  
 اس کے لیے بھولوں کی سیج اور ایک ایسا خشک سا کمرہ  
 تھا جیسے جس کے فرش پر بھیجی ہوئی کاہنیں ہیں پاؤں دھس  
 جاتے ہوں۔ جس کمرے کی کھڑکیاں فراموشی کی طرح کی ہوں۔  
 اور جن پر پرے ہوئے خوبصورت رنگینی اور شہیہ پردے  
 جب اہرے ہوں تو قوں محسوس ہو جیسے کوئی کھٹک رنگ  
 وغیرہ انکڑا یاں لے رہی ہے۔ پورے دلاور کی فوری بین  
 تجربے کا رنگا ہوں نے ذرا سی دیر میں بہت کچھ سمجھ لیا تھا  
 "پائے لگاؤں کے" دلراج نے ایسی ہی بولی سے کہا جس  
 کی مراد تھی آنکھوں میں برن ہی جیسا خوف اور مصیبت  
 چھپی ہوئی تھی۔  
 بیٹلنے اس کی بات سن کر اپنے نازک دودھیا ہاتھ آگے  
 بڑھانے اور دلاور نے جلدی سے اپنے ہاتھ پر پکڑ لیے۔ بیٹلنے  
 ہاتھ کسی کے ہاتھوں کو چھونے کے لیے نہیں تھے بلکہ ان  
 ہاتھوں کو صرف حکم دینا تھا، اشارے کرنا تھا اور دنیا بھر کی  
 آسائشیں اس کے قدموں میں ڈھیر ہو جاتیں۔  
 "نہیں نہیں ٹھیک ہے" دلاور نے جلدی سے کہا کہ  
 نزدیک رہتے ہو برابر کسی کو کسی کے پیروں کو ہاتھ  
 لگنے کا حق نہیں ہے۔  
 "آپ تو خیر دلوں سناں میں ہمارا دلراج، دلراج سارے  
 والی چارباٹی پر بیٹھ گیا جبکہ بیٹل گہری نگاہوں سے دیکھتی  
 ہوئی صحن کی طرف تکی ہوئی تھی۔ "مجھے وہ دن بھی یاد ہے جب  
 آپ نے میری جان بچائی تھی۔ میں اس احسان کو کبھی بھول  
 نہیں سکتا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ میں تو یہ تھا  
 ہوں کہ یہ زندگی آپ ہی کی دی ہوئی ہے۔"  
 "پیشانی پاؤں کا ذکر مت کرو دلراج، دلاور نے کہا۔  
 "کوئی باتیں کہہ سکتا کہ آدمی کے لیے آئے دلاور وقت کیلئے تھلے  
 لے کر رہا ہے۔ میں نے اس وقت یہ سوجھ کر تمہارے ساتھ  
 بھلائی نہیں کی تھی کہ تم سے کسی کام لوں گا یا تم میرے کسی کام  
 آؤ گے۔ بس ایک تجربہ تھی جو دل میں آئی۔ اب محسوس ہوا  
 کہ اس وقت کی ذرا سی نیچائی کس طرح میرے کام آ سکتی ہے۔"  
 "آپ کے لیے تو یہی جان بھی حاضر ہے ہمارا دلراج، دلراج  
 انکساری سے بولا۔ آپ محم تو کس جوتنا منہ اور بڑی بات  
 ہے لیکن آپ مجھے بتا دیں کہ آپ کے ساتھ کیا گوری؟"  
 "میں تو بتانا ہی ہوگا۔ دلاور نے ایک گہری سانس  
 لی۔ "ورنہ تم کس طرح میرے کام آؤ گے؟"  
 اس نے فطرتاً ہی اپنے اوپر گوری ہوئی ساری کہانی  
 سنا دی۔ دلراج بڑی جرات سے اس کی داستان سناتا رہا

تھا۔ "تو بہت عجیب ہوا ہمارا دلراج، اس نے دلاور کے غامض  
 ہوجانے کے بعد کہا۔ "خیر آپ بڑے لوگ ہیں، ہم آپ تک  
 تو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ تو ہمیں حکم کریں۔"  
 اس دوران بیٹل ایک کمرے میں بڑے سیلفے سے ہلے۔  
 کے کہا اور بیٹل کے آئی تھی۔ اس کے آگے پیچے چلتے ہوئے  
 تدم دلاور کے سینے میں اصل پھیل جاتے گئے۔ اس نے ٹھاکر  
 اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے اندر کا شہر مرا نہیں بکھڑا  
 تھا۔ اور ایسے نازک قدموں کی نازک سی اہٹ بھی اُسے  
 بے دادرسی تھی۔ اور وہ اُسے میدان کرنا نہیں چاہتا تھا۔  
 بیٹل چلے کے تھے ان دونوں کے درمیان رکھ کر  
 پھر واپس چلی گئی۔ دلاور کی نگاہوں نے اس کا کھٹا قب کیا  
 تھا چہرہ لگا میں دلراج بدلتا آئی۔  
 "میں نے نہیں سب کچھ بتا دیا۔ دلاور نے کہا۔ لیکن  
 یہ کچھ میں نہیں آتا کہ میری تنظیم میں میرا دشمن کون ہے اور  
 دوست کون ہے ابھرے کھٹے کی پہچان ختم ہو گئی ہے۔  
 اب اگر میں مادام اور لانی سے رابطہ قائم کرتا ہوں تو اس  
 میں بھی خطرہ لگا ہوا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ دونوں واقعی  
 میرے دشمن ہوں۔ مجھے دھوکا دے رہے ہوں۔ میں ابھی  
 صورت میں بڑی طرح پھنس جاؤں گا۔"  
 "میں ایک بات بتاؤں ہمارا دلراج، دلراج سرگوشی میں  
 بولا۔ یہ میری گھر والی جو ہے نا اس کا دماغ بہت ترش ہے،  
 آپ اسے گاؤں کی بیداری ساری لڑکی نہ سمجھیں۔ یہ ایسے ایسے  
 مشورے دے سکتی ہے جو دوسروں کی سوجھ سے بہت باہر ہوتے  
 ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس سے بات کریں۔"  
 "نہیں دلراج تم میری بات نہیں سمجھ رہے۔ دلاور  
 نے کہا۔ یہ دوسری عورتوں کی جنگ نہیں ہے۔ یہ معاملہ  
 کچھ اور ہے۔ یہ بہت خطرناک بات ہے۔ ان معاملات میں  
 تمھاری بیوی کیا کر سکتی ہے کچھ بھی نہیں۔ اس لیے اُسے مار  
 میں شامل ہی نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔"  
 "آپ کی مرضی ہمارا دلراج، دلراج کا چہرہ کچھ حیران تھا اس  
 نے قویانہ طرف سے بھلائی سوجھی تھی۔  
 دلاور انھیں میں پر گیا۔ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا  
 جو دلراج سمجھ رہا تھا۔ یہ ایک خطرناک تنظیم کی سربراہی کا معاملہ  
 تھا۔ اس میں جان جانے کا اندیشہ بھی لگا ہوا تھا۔ اس کے  
 سامنے ایسے لوگ تھے جنہیں اس نے خود اپنے ہاتھوں سے  
 بنایا تھا اور وہ اس شہر کے خطرناک ترین لوگ تھے لیکن ان  
 کے بارے میں دلاور کا اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کے دشمن ہیں

یادداشت۔ وہ اندھی چالی چلنے کا فن نہیں تھا۔ بہت سوجھ  
 سمجھ کوئی قدم اٹھانا چاہتا تھا اور اب یہ دلراج اس سے  
 کہہ رہا تھا کہ وہ اس کی بیوی سے مشورہ لے۔ یہ ٹھیک ہے  
 کہ دلراج کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ لیکن صرف خوبصورتی  
 تو ہر مرض کا علاج نہیں ہو سکتی۔ دوسری طرف وہ دلراج کو  
 مایوس بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے لیے پورے ترشہ کی  
 ایک پناہ کاغذ بھی کیونکہ اس کی تنظیم کے لوگ اگر واقعی اس  
 کے دشمن تھے تو پھر دلاور کی تلاش نہ دوسرے شروع کر دی  
 گئی ہوگی۔ بہت کچھ سوجھ کر اس نے بیٹل سے مشورہ لینے کا ارادہ  
 کر لیا۔ اس وقت وہ خود کو اچھی تصویر کرنے لگا تھا۔  
 "ٹھیک ہے" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "ملاو  
 اپنی بیوی کو، میں تمھارا دل توڑنا نہیں چاہتا۔"  
 دلاور کی بات سن کر دلراج کا چہرہ یکدم تھا۔ اس نے  
 دوسرے بیٹل کے ہاتھ پر کیا رہا شروع کر دیا بیٹل اس کی  
 آواز سن کر فوراً ہی کمرے میں آئی تھی۔  
 "بیٹھ یہاں" دلراج نے اشارہ کیا۔ اپنے ہمارا دلراج  
 کو تجھ سے ایک ضروری مشورہ کرنا ہے۔ تیری توقع بہت  
 کام کر رہی ہے نا ذرا مشورہ دے ہمارا دلراج کو۔  
 بیٹل نے ایک گہری نگاہ دلاور سے ڈالی پھر دلراج کے  
 برابر بیٹھی گئی۔ "کیا بات ہے ہمارا دلراج؟ اس نے اپنی ہانگ  
 آواز میں پوچھا۔ میں تمھارے کس کام آ سکتی ہوں؟  
 "یہ مجھے نہیں معلوم۔ دلاور مسکرا دیا۔ لیکن تمھارے  
 بیوی کا کہنا ہے کہ بہت عقل مند عورت ہو۔"  
 بیٹل کے خوبصورت ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی  
 دلاور کے لیے اتنا ہی بہت تھا۔ اس کے اندر کا شہر اب دوسرے  
 دھیرے رہا۔ دلاور نے لگا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس کے معاملات میں  
 یہ عورت کسی کام نہیں آ سکتی تھی۔ لیکن کم از کم اس ہانے  
 اس کا قرب تو حاصل ہو ہی سکتا تھا۔  
 "ہاں بتاؤ ہمارا دلراج کیا بات ہے؟" بیٹل نے پوچھا تیری  
 عقل اتنی تیز تو نہیں ہے۔ پھر بھی کوشش کروں گی تمھاری  
 بات سمجھ سکوں۔  
 دلاور نے اُسے بھی اپنی کہانی سنا دی۔ بیٹل نے بڑے  
 دھیان سے اس کی باتیں سنی تھیں۔  
 "یہ تو کوئی خاص مسئلہ نہیں ہوا ہمارا دلراج، بیٹل نے دلاور  
 کے خاموش ہوجانے کے بعد کہا۔ "تم یہی چاہتے ہو کہ تمھاری  
 تنظیم میں جو لوگ ہیں ان کے بارے میں بہتر پتہ چلے کہ  
 وہ تمھارے دوست ہیں یا دشمن۔"  
 "ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ دلاور نے جواب دیا۔



لیکن تم تو اس طرح کہہ رہی ہو جیسے اس بات کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔

”مجھو ہمارا راج۔ اصل بات یہ ہے کہ تمھارا ذہن ابھی اُلجھا ہوا ہے۔ اس لیے تمہیں کوئی درستہ سچائی نہیں دے رہا ہے۔ حالانکہ تم خود بھی اپنے لیے بہتر راہ نکال سکتے ہو۔ تم نے بہت دنوں تک حکمرانی کی ہے ہمارا راج۔ تم نے ایک ڈنیا دیکھ رکھی ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایسے حالات کو اس طرح قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ تم دو چار روزہ یہاں آرام کرو۔ اور سکون سے رہو۔ پھر تمہیں راستے بھی دکھائی دینے لگیں گے۔ آئی کا ذہن اُلجھا ہوا ہو تو سامنے کی چیز بھی دکھائی نہیں دیتی۔ میں نے ایک بات بنا دی ہے ہمارا راج۔ اب یہ تمھاری مرضی ہے کہ تم میری بات پر عمل کرتے ہو یا نہیں۔“

دلاور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ شبلا نے بہت ہی معقول مشورہ دیا تھا۔ اُسے یہ توقع نہیں تھی کہ کوئی برہمن سا وحی گھوڑ عورت اس قسم کی باتیں بھی کر سکتی ہے۔

”تمھارا مشورہ بہت مناسب ہے۔“ دلاور نے کہا۔ ”تم واقعی ایک ذہین عورت ہو۔ میں دو چار دن یہاں رہ سکتا ہوں اگر تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔“

”کیسی تکلیف ہمارا راج۔“ دلاور جلدی سے بولا۔ ”یہ تو ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہوگی۔ اور آپ بالکل بے فکر رہیں۔ یہاں کسی کو بھی آپ کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکے گا۔“

”میں آپ کو ان کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔“ شبلا کھڑی ہو گئی۔

دلاور اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کی چال میں بھی بڑی نزاکت اور فلسفاتی تھی۔ اُسے دیکھ کر محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ دلاور جیسے کسی شخص کی بیوی ہو سکتی ہے۔

دلاور نے دلاور سے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت صحن کی طرف سے شبلا کی سیخ سنا دی۔ وہ بڑبڑا لہجے میں کہی کہ لاؤ ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

گورنگا داور کو ایک دروازے پر لے آیا۔ اس نے دلاور کو اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود ایک طرف ہٹ گیا۔ دلاور کو اندازہ ہو گیا تھا کہ گورنگا خود اس کمرے میں جانے کا ارادہ نہیں رکھتا یا پھر اسے جانے کی اجازت نہیں ہے۔ شبلا کے ایک طرف ہٹ جانے کے بعد دلاور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

دلاور کو ایک کمرہ میں بلکہ ایک ہال تھا۔ اور اس ہال کے دروازے پر ایک دروازہ اور ایک دروازہ تھا۔ ایسا رنگ بگڑی ہوئی باتوں کا رنگ تھا۔ اس رنگ کے درمیان ایک قوی شکل آدمی اپنے سینے پر دو دن ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے ایک ٹیڑھی ہنر رکھا تھا اس کا پہاڑ جیسا جسم اور فرخ سبز بنسی سمندر کی طرح اس کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ اس رنگ سے بچنے دو آدمی کھڑے تھے وہ دو دن بھی پہلوان ہی معلوم ہو رہے تھے۔

دلاور ہال میں داخل ہوئے اس کے بعد خاموش کھڑا ہوا۔ ان لوگوں کی طرف دیکھتا رہا۔ شبلا اُسے روپائی سے ملانے کے لیے لایا تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ مختلف معلوم ہو رہا تھا۔ رنگ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک دلاور کو دیکھ کر تیزی سے اس کے پاس آگیا۔

”اگر تم دلاور ہو تو روپائی دیو سے ملنے سے پہلے تجھیں زبسکو سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔“ اس نے رنگ کے آدھے کھڑے ہوئے قوی شکل آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں۔ میں دلاور ہوں۔“ دلاور نے اپنے ہونٹ پیچھے لیے۔ ”لیکن میں کسی بھی شخص سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ اگر تمھاری روپائی دیو اپنی ہی بڑا سراسر ہے تو اس سے کہو کہ وہ اپنے آپ کو چھپا کر کونے میں یہاں سے جا رہا ہوں۔“

”یہ تو نہیں ہو سکتا دوست۔“ وہ آدمی زہریلے میں بولا۔ ”جب تم یہاں تک آئی گے تو تمہیں روپائی دیو سے ملنا ہی پڑے گا۔ اور ان سے ملنے سے پہلے تمہیں اس پہاڑ سے بھڑانا ہی ہوگا۔“

”یہ ابھی نہ ہوئی ہے۔“ دلاور جھپٹا کہا۔ ”تم لوگ مجھے لڑائی پھڑائی پر آمبولہ نہیں کر سکتے۔ میں اپنے آپ کو خواہ مخواہ تھکانے کا عادی نہیں ہوں۔“

”یہ خواہ مخواہ نہیں بلکہ تمھارے فائدے کے لیے ہے۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”روپائی دیو سے ملاقات کے بعد تمہیں جتنا فائدہ حاصل ہوگا اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے ہو۔“

اس نے سب کیا ہے؟ وہ روپائی۔ ۹۹ دلاور دھڑکتے ہوئے دباؤ تھا۔ اس نے کیا کھیل چکا ہے۔ اگر وہ دس تک کی گنتی میں باہر نہیں آتی تو اس ہال کے ہر شخص کو گولی مار دوں گا۔

لیکن دلاور دس تک گنتی کی زنت نہیں آ سکی اس سے پہلے ہی ہال کا ایک دروازہ کھلا اور ایک شاہکار اندھ آگیا۔ وہ ایک عورت تھی۔ اور وہ بھی اسی کو اُسے دیکھ کر لپکیں جھپکیں بھول جانے۔ سانسیں اٹھل پھیل رہی تھیں۔ اس کا تندرناہ نہیں تھا لیکن نگاہوں میں ہنسی نہ رہ جاتا تھا۔ اس کے انداز، اس کی چال، اس کا جسم گراہی مصورت نے اس تصویر کو نہانے میں اپنی پوری صلاحیت صرف کر دی ہو۔

اس نے ہلے گولی رنگ کی ایک عباہن کھینچی تھی۔ جس پر یہ نیرنگیاں شام ہو گئی تھیں۔ یہ لوگ اُسے دیو کی کہا کرتے تھے تو اس میں کوئی شک نہیں تھا۔ وہ کسی دیو ہی کی طرح باوقار اور حسین تھی۔

دلاور نے غریب ہونا نہیں سمجھا تھا۔ اس پر کسی کی طاقت یا کسی کے حسن کا جادو نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ بھی بہت ہو گیا تھا۔ اس کے پسپوں والا ہاتھ اس کے پہلو میں جھک گیا۔

”تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے نا؟“ اس عورت نے اپنی زبان کھولی اور اس کمرے میں اس کی دلکش آواز گھنٹیاں بجانے لگی۔ ”میں آگئی ہوں۔ رو دیکھو۔“

”یہ سب کیا ہے؟“ دلاور غریب ختم کرتا ہوا بولا۔ ”تم یہ سب کیا کر رہی ہو؟“ اسی کیوں اپنے آدمیوں کو میرے ہاتھوں ہلاک کرنا چاہتی ہو؟

”مجھے افسوس نہیں ہوا۔“ روپائی نے کہا۔ ”ان کی حالت دیکھ کر اوردہ ہی تمھارا انتخاب کر کے؟“ آتنا کہ وہ رنگ میں کھڑے ہوئے آدمی کی طرف توجہ ہوئی۔ ”نیکو جاؤ ان دونوں کو یہاں سے اٹھالے جاؤ۔ ان کی مر مر مچنی کر دونا۔“

زبسکو اس کے حکم کی تعمیل میں رنگ سے بچنے آگیا۔ جبکہ دلاور پھر اس عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ تم نہ صرف بہت اچھی طرح لڑنا جانتے ہو بلکہ تم ذرا آگاہی کوئی فیصلہ کر کے اس پر عمل کرنے میں بھی قادر ہو۔ تم نے جس انداز سے پہلے والے آدمی کو بیہوش کر کے دوسرے کو گولی مار کر تھمے کو گولی مار دی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ تم ایک شاطر انسان ہو اور آٹا کے مطابق عمل کیا کرتے ہو۔“

”خارہرے میں تھا اسے پاس اپنا وقت ضائع کرنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔“ داور نے خشک لبے میں کہا ”پاس اور بھی چھپڑے ہیں؟“

”یہ میں جانتی ہوں اس لیے پورے شہر سے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ شیوہا نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ ہم نے کس طرح تمہاری تلاش کی تھی۔“

”ہاں۔ اس نے بتا دیا تھا لیکن میری تلاش کا مقصد اب تک میری جھپٹ نہیں آسکا ہے۔ اس کے علاوہ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ میں اپنے غلبت میں واپس آنے والا ہوں ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں اور نکل جاتا۔ پھر تم کس طرح مجھے تلاش کروا سکتی تھیں؟“

”ہماری معلومات کے ذریعے اسے ناقص نہیں ہونے کہ ہم یوں ہی ہواؤں میں بڑھ جاتے ہیں۔ یہیں معلوم تھا کہ تم اپنے دوست کے غلبت میں چھپنے والے ہو اس لیے شیوہا کو تمہاری طرف سے لپکا تھا۔ ہر حال ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اصل اہمیت تو اس بات کی ہے کہ تمہیں منتخب کیا گیا ہے۔ اس ہال میں ان لوگوں کو رکھا ہی اس لیے کیا تھا کہ تم ان کے درمیان سے گزرتے ہو کہ تمہیں لپکا کر اسے کھول سکو۔ اور خوشی کی بات ہے کہ تم نے راستہ نکال لیا۔ تم نے اپنی ذہانت سے ثابت کر دیا ہے کہ تم میرے کام آسکتے ہو۔ اس کی آواز میں بے پناہ تمہارا اور وفار تھا۔ ایسا لگا تھا جیسے وہ بہت سوجھ بوجھ کر بولنے کی عادی ہو اور جو کچھ بول رہی ہو اس پر وہ پورا بوجھ دے رہی ہو۔ اسے یقین ہو کہ اس کی باتیں روایتیں کی جائیں گی۔ اسے اپنے آپ پر بہت اعتماد معلوم ہوتا تھا۔ داور نے لہجہ عورت اس سے کہنے لگی تھی۔ اس دوران رنگ میں کھڑا ہوا وہ شخص جسے زمین کو کر خاک کیا تھا۔ زمین پر جڑے ہوئے دوڑوں آدمیوں کو اس ہال سے اٹھا کر لے گیا تھا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم مجھے چاہتی کیا ہو؟“ داور نے پوچھا۔

”مجھ جیسے آدمی سے تمہیں کیا کام پڑے گا؟“

”تمہیں ایک فلم کی شوٹنگ میں حصہ لینا ہے۔“ روہالی نے کہا۔

”کیا مطلب ہے؟“ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”تم کیا کہنا چاہتی ہو اب اس فلم کی شوٹنگ میں تین لوگ ہیں۔“

”ہاں۔ روہالی مسکرا دی۔ یہ ایک خاص قسم کی فلم ہوگی۔ اس میں تمہارا کردار مرکزی ہوگا۔“

”لیکن میں اس قسم کی جھنجھوٹ میں نہیں پڑنا چاہتا۔“ داور نے کہا۔ ”میرے پاس اس قسم کے فالٹو کاموں کے لیے

وقت نہیں ہے۔“

”ایسا نہ کہو۔ تمہیں تمہارے وقت کا پورا معاوضہ دیا جائے گا۔ دس لاکھ دوڑوں کے پاس میں تمہارا کیا خیال ہے؟“

”میری جھپٹ میں انہیں آتا کہ خریدیں میں یہ کیسوں نظر آ رہا ہوں۔ تمہیں ایک سے ایک ایسا اداکار مل سکتا ہے۔ اس شہر میں فلم کی شوٹنگ کے لیے دس لاکھ لینے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔“

”میں یہ بھی جانتی ہوں لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں مل سکتا۔ میں نے تمہارا انتخاب یوں ہی نہیں کیا ہے۔“

”آخر وہ کس قسم کی فلم ہوگی؟“ داور نے پوچھا۔

”وہ ایک پھرور کی فلم ہوگی۔“ روہالی نے کہا۔ ”تمہیں ایک مندر میں داخل ہونا ہوگا جہاں کالی دیوی کی ایک پت رکھا ہوا ہے۔ اس کی دوڑوں آنکھوں میں برسرے جڑے ہوئے ہیں۔ تمہیں اس مندر میں داخل ہو کر وہ برسرے حاصل کرنا ہوں گے۔ پس یہ ہے تمہارا کام؟“

ماوام اور لانی دوڑوں ایک کمرے میں تھے۔ لانی بڑی بے تانی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا جبکہ ماما ایک مہوئے پر کسی سوچ میں ڈوبی بیٹھی تھی۔ ان دوڑوں کے درمیان کوئی خاص بات نہیں ہو رہی تھی۔ پس وہ دوڑوں کبھی کبھی ایک دوسرے کو دزدہ لگا ہوں سے دیکھتے پھر اپنا سر جھکا لیتے۔ پھر دیر بعد دواڑے پر ہلکی سی دنگ ہوئی۔ اس دنگ نے ان دوڑوں کو چونکا کر دیا۔

”آؤ۔ اندھا جاؤ۔“ لانی نے جھلنے جھلنے لڑک کر آواز دی تھی۔

دواڑہ کھلا اور ماما پھر اندر گیا۔

”کیا ہوا؟“ ماما نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ پتہ نہیں چل سکا ماما۔“ ماما نے جواب دیا۔

”اور نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں کا بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا جو اس دن ہمیں شیک لگائے آئے تھے۔“

”تم سب کے سب احمق ہو۔ لانی پھر اٹھا۔“ جلدیوگ وہ دو آدمی کتنی آسانی سے تم سمجھوں کہ بے وقوف بنا کر چلے۔ وہ لوگ دواڑہ کو نکالنے کے لیے آئے تھے اور اپنا کام کر کے واپس چلے گئے۔ اور تمہیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ دوڑوں نے کون؟“

”ہم نے تو بہت کوشش کی جواب۔ لیکن ان کا کوئی؟“

سورج نہیں مل سکا۔ نہ جانے وہ کون تھے؟“

”وہ کوئی بھی ہوں۔ یہ بات ہے کہ تم ان کی فہم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ سومالی نے کہا۔ ”دوسری طرف تو خرا بھی نہیں دھوکہ دے کر دواڑہ کو یہاں سے نکال دے گا۔“

”یہ تو خرا کی تبدیلی ابھی مجھ میں نہیں آئی۔“ لانی بڑبڑا۔

”وہ تو میرا بہت احترام کرتا تھا۔“

”شاید اس احترام کی وجہ سے اس نے تمہیں ہلاک نہیں کیا۔“ سومالی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ”وہ دوسرے تو صرف بے ہوش ہونے سے جبکہ تم مر چکے تھے۔“

”نہیں ایسا تو نہیں کہ داور ہی نے اسے مجبور کر دیا ہو؟“

”وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے زنجیر مار کر تلوے حاصل کر لیا ہو۔ زنجیر مارا اس کے ہاتھ بے بس ہو گیا ہو۔“

”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔“ لانی جلدی سے بولا۔ ”میں دواڑہ کو زنجیر کے کمرے میں دیکھ چکا ہوں وہ دوڑوں دوڑوں کی طرح ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔“

”مجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔“ سومالی جھٹکا کھڑی ہو گئی۔ ”اگر یہی حال رہا تو یہ تنظیم کس کا کیل بن کر رہ جائے گی۔ کمال ہو گیا۔ اتنی بڑی تنظیم کے اسنے ویلاڈ خطرناک آدمیوں کو صرف وہ آدمی بے ہوش کر کے چلے گئے۔ اس تنظیم سے اور تم لوگوں سے اب کیا توقع ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے ماما۔“ ماما نے کہا۔ ”آپ اس سے پہلے بھی ہم لوگوں کو زما چکی ہیں۔ ہم نے مریدان میں فتح حاصل کی ہے۔ ہم آگ اور خون کے سیلاب سے گزرے ہیں۔ ہم نے مریدان میں خود کو ثابت قدم ثابت کیا ہے۔ لیکن صرف یہاں چوک ہو گئی۔“

”یہ ذہانت کا میدان تھا ماما پھر۔“ لانی نے کہا اور اس میدان میں فتح حاصل کرنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے۔ میں ان دوڑوں آدمیوں کی ذہانت اور دیر کی کا قائل ہو گیا ہوں۔“

”خیر اے ملو یہ ہے کہ ہم کہیں؟“ سومالی تلخ ہو کر بولی۔

”کیا اب ہم ماما پھر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ان ذہین آدمیوں کی مدد سے ہمارے خلاف کیا کارروائی کرنا ہے۔ ہم دیکھنے کا انتظار کرتے رہیں۔ یا میں کچھ اور بھی کرنا ہے۔ اس کے علاوہ احمق منجر کہاں ہے جس کی وجہ سے تم سب بیہوش کر دئے گئے۔“

”اسے منقطع کر دیا گیا ہے ماما۔“ ماما نے بتایا۔ ”لیکن اس میں اس کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے تو پہلے اطمینان کے لیے ہتھیار ڈپارٹمنٹ بھی فون کیا تھا۔ اور وہاں سے تصدیق ہو جانے کے بعد ہی اس نے ان دوڑوں کو شیک لگانے کی اجازت دی تھی۔“

”تم لوگوں نے ہتھیار ڈپارٹمنٹ جا کر پتہ نہیں لگایا؟“

لانی نے پوچھا۔

”ہم نے یہ بھی کر کے دیکھ لیا ہے۔ وہ فون مندر میں بہت جلدی سے ایک آفیسر کا ہے۔ لیکن اس دن وہ آفیسر کو بھی ہتھیار ڈپارٹمنٹ کے بیان کے مطابق آئی آفیسر کا کمرہ کھلا تھا۔ اور اس وقت کوئی بھی فون کے پاس آ کر بیٹھ سکتا تھا۔ ہم نے ہر طرح سے تصدیق کر لی ہے۔“

”بہت مشکل ہے۔ سومالی بڑبڑاتی۔ وہ لوگ بہت ہی چالاک ہیں۔ انھوں نے اپنے منصوبے میں کوئی کمزوری نہیں رہنے دی ہوگی۔ میں تو یہ بھی ہوں کہ تنظیم کے تروں کی ایک ٹینگ بلالی جلتے اور اس میں یہ صورت حال رکھ دی جائے۔“

”تمہارا کیا ومانع خواب ہو گیا ہے؟“ لانی نے کہا۔ ”کہا تم ان میں یہ بتاؤ گی کہ پورے دواڑہ کم لوگوں نے تمہارے میں مندر رکھا تھا۔ اور کچھ لوگ اسے نکال کر گئے۔ جبکہ یہ بات ہم میں سے کچھ لوگوں کو معلوم ہے جبکہ دوسروں کے خیال میں وہ اپنی مرضی سے گھر لے گئے ہو گئے۔ صرف ماما ایک کے ذریعے ہم لوگوں سے مخاطب ہو رہا ہے۔“

”اوہ۔ یہ تو نہیں بولی گئی تھی۔“ سومالی نے ایک گہری سانس لی۔ ”کیا کروں۔ ذہن آ کر رہ گیا ہے۔“

”میری اپنی رائے ہے کہ بڑوں کی ٹینگ بھلائی جائے۔ لانی نے تجویز پیش کی۔ ”لیکن ان کے سامنے یہ نہ کہا جائے کہ کچھ لوگ پورے دواڑہ کو ہماری قیادت سے نکال گئے ہیں۔ بلکہ یہ تاثر دیا جائے کہ دواڑہ کو خرا کر دیا گیا ہے۔ اس طرح دواڑہ کی غیر حاضری کا بھرم رہ جائے گا۔ دوسری طرف ماما اپنے ساتھیوں کو لے کر دواڑہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ دواڑہ کے ملنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ان دوڑوں ذہین آدمیوں کا بھی پتہ چل جائے گا۔“

”لیکن اس سے فائدہ کیا ہوگا؟“ سومالی نے پوچھا۔

”فرض کر لو کہ دواڑہ مل بھی جاتا ہے تو وہ تنظیم کے تروں کو بتا سکتا ہے کہ ہم لوگوں نے کس طرح اسے قید کر رکھا تھا۔“

”نہیں۔ وہ نہیں بتائے گا۔“ لانی مسکرا دیا۔ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس کا پتہ چلتے ہی اسے گولی مار دی جائے

گی۔ اس طرح ہم ہمیشہ کے لیے اس سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اوس اس کے قتل کا الزام جبری آسانی کے ساتھ ان لوگوں پر لگایا جاسکتا ہے جو اسے اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔“

”ہوں یہ سو مانی نے بچہ چھوٹے ہوئے اپنی گردن ہلائی  
 ”یہ مضمحوظ بہت بہت اچھا ہے“ بشیر طیکر اس کیلئے تیل جانے اور  
 دوسری طرف دار کا بھی دھڑکا لگا ہوا ہے۔ وہ ہماری منتظر کے  
 لیے شاید دلاؤ سے بھی زیادہ خطرناک ثمرات ہو سکتا ہے۔ بخیر  
 ہمارے بہت سے رائیوں سے واقف ہے۔ وہ اور داد مل  
 کر ہمارے خلاف طوفان کھڑا کر سکتے ہیں۔“

لائی پھر کرے میں بھٹلے لگا۔ جبکہ ماتھرا بھی ایک ایک  
طرف کھڑا ہو تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے  
بھٹنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ پھر اس کمرے میں رکھے ہوئے فن  
کی تختی (جائے سجی) اس آواز سے اس کمرے میں بھا جانے والی  
لڑبھکی خاموشی کو بھی زبردست کر دیا تھا۔ لائی نے جلدی سے  
اُسے پڑھ کر لیہوڑا تھا۔ وہ کچھ دیر تک فن پر دوسری طرف  
سے ہونے والی باتیں سنتا رہا پھر اس نے زلیہوڑا پس رکھ  
دیا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ رنگ آئی تھی  
”سومالی“ اس نے سومالی کی طرف دیکھا تھا لائی ایک  
خندہ تھوڑا دیر تک زلیہوڑا اور اس کے ساتھ مل کر مارے خلاف  
کچھ کر سکتا ہے۔

”کیا مطلب ہے؟“ سو مالی چونک پڑی۔ ”میں نہیں سمجھتی۔“  
 ”نہ خود راویس آگیا ہے۔ لانی نے بتایا۔ اور وہ اس وقت  
 اسی کمرے کی طرف آ رہا ہے۔“

دو ہالی وادور کو اس ہال سے دوسرے کمرے میں لے آئی تھی  
یہ کہہ بھی بہت خوبصورتی سے بجا ہوا تھا۔ یہاں ایسا  
محسوس ہوتا تھا جیسے اس کو کبھی سے مکینوں کے بپے دولت  
کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ ان لوگوں نے دنیا بھر کی آسائشات شاید  
اسی کو کبھی میں اکٹھی کر لی تھیں۔ وادور کو اپنی وہ زندگی یاد آنے  
لگی جب وہ اس کی ماں اور اس کا بھائی فٹ پاتھ پر زندگی  
گزارا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے پاس سرودوں کی شہت سے  
بچنے کے لیے لباس بھی نہیں تھے۔ ایک کبل جوان تینوں کے  
لیے لانا تھا۔ اس میں صرف ایک ہی آدمی اپنے آپ کو  
چھپا سکتا تھا۔ ماں ان دونوں کو سرودی سے بچانے کے لیے  
اپنے جتنے کا بل بھی ان کے گرد پلٹ دیتی تھی۔ اور جب کبھی  
رات کو سرودی کی شہت سے وادور کی آنکھ کھل جاتی اور مال  
ٹھٹھرتے ہوتے دیکھتا تو اپنا کبل اُسے اڑھا دیا کرتا۔ زندگی  
اسی کے ترسیمی اور لحن میں گزر رہی تھی۔

اور یہاں اس کے سامنے دولت کی ایسی فراوانی تھی کہ جیسے دریا بہہ رہا ہے۔ وہ بانی کے جسم پر جو عبا تھی وہانی پہنچ کر معلوم ہو رہی تھی کہ اس کی قیمت کے عوض نہ جانے کتنے غنیمت مندوں کا لباس بن سکتا تھا۔ اس کے زیورات نہ جانے کتنے لوگوں کو سر پہھانے کے لیے جو فراہم کر سکتے تھے داور لوگ اس وقت اس لڑکی کی بھائی یا اس کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ صرف دس لاکھ کے لیے اس کے اصرار پر اس کی بات سننے کے لیے آمادہ ہو گیا تھا۔ دس لاکھ بہت بڑی رقم تھی۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔

”ہاں۔ اب بتاؤ۔ مجھے اس فلم میں کیا کرنا ہو گا؟“ داور نے ایک مومنہ پر ہنسنے پر توجہ دے کر پوچھا۔ اس کی نگاہیں وہ بانی پر جمی ہوئی تھیں جو تری پے چینی سے ہنسل رہی تھی۔

”یہ کوئی فہم نہیں ہوگی۔ یہ روپائی نے کچھ سوچ کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ ”بلکہ یہ ایک طرح کا رہنمائی ہوگی۔“  
”مختار باؤاؤں نے مجھے اُجھادیا ہے۔“ داور نے کہا۔  
”میں نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا چاہتی ہو؟“

”تھہر جاؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دیتی ہوں۔“ روپالی اس کے سامنے دانے ایک موٹے برہنہ بیوی جس کے ہتھے پر ایک گھٹنی لیج ہوئی تھی۔ اس نے اس گھٹنی پر ننگی روکھی کر کے لا دروازہ کھولا اور ایک آدمی کو کہے میں داخل ہو گیا۔ وہ خاموشی سے روپالی کے سامنے اکھڑا اور پتا گیا۔

”کچھ دیر پناہ پسند کر دیجے؟“ روپالی نے داوری طرف دیکھا۔

”کیوں نہیں؟“ واور مسکرا دیا۔ ”بہت دیر سے طلب محسوس ہو رہی ہے۔“

نور پالی نے اس آدمی سے کچھ کہا اور وہ بڑے محبوب  
اندراز میں اُسے پاؤں چلےا ہوا اس کمرے سے باہر چلا گیا۔  
”میں نیپال کی رہنے والی ہوں۔“ نور پالی نے اس  
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وادی چونک چڑا، وہ سو مالی بھی نیپالی کی تھی۔ ان دو لوگوں کا آپس میں کوئی تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے بھی مئے جلتے تھے۔ اس نے سوچا کہ وہ دیالی سے سو مالی کا تذکرہ کر دے پھر خاموش ہو بیگا۔ اگر ان دو لوگوں کے درمیان کوئی تعلق بھی تھا تو وہ سامنے آجاتا۔ وادی اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

”ہینپال کے لوگ عام طور پر ریت قامت، ہموں پر  
روہالی نے اپنی طرف سے گفتگو اٹھے برہما کی۔ لیکن ہم لوگ  
زننا قسے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قبیلے کے لوگ طویل نازا

اور خود بصورت ہمارا کرتے ہیں۔ ہمارا قید بھگت مندے سے ملو گریز  
کے فاصلے پر ایک وادی میں واقع ہے۔ اس وادی کے  
چاروں طرف اونگے اونچے پہاڑ ہیں۔ تم نے وہاں نقشے  
میں اتنی خوبصورت جگہ بہت کم دیکھی ہوگی۔ میں اس قبیلے  
کے سردار کی بیٹی ہوں۔ ہمارے یہاں سردار کی پہلی بیٹی کو  
ولوی کی حیثیت دی جاتی ہے۔ مجھے بھی اس کا نام دے دیا  
گیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں لیتی کے وسط میں ایک مندر ہے  
جس میں کالی ولوی کا ایک بہت جرات رکھا ہوا ہے۔  
یہ کالی ولوی ہندوستان کی کالی ولوی سے بہت مختلف  
ہے۔ ہندوستان کی کالی ولوی کا لٹھور ہے کہ اس کے سچ  
ہاتھ اور چار پاؤں ہیں اور وہ اپنی گردن میں گھوڑوں کی  
مالا پہننے لگتی ہے۔ لیکن ہماری کالی ولوی کے بت میں  
ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ ایک سیدھا سادھا بلند  
قائم بت ہے جس کی آنکھوں میں دو دلوں میرے لئے  
ہوئے ہیں۔ یہ میرے بہت قیمتی ہیں۔ اتنے قیمتی کہ تم  
ان کی قیمت کا لٹھور نہیں کر سکتے۔ روایت یہ ہے کہ میرے  
جس سردار کے عہد میں ولوی کی آنکھوں سے غائب ہوجائیں  
گئے کہ سردار بات نہ تیار ہو جائے گا۔ قبیلے کے لوگ اسے خود  
تیار کر دیں گے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں کہ تم وہ میرے  
چکر کرے آؤ گا۔

”کیا مطلب ہے؟“ دادو چونک پڑا۔ ”تم ان بیروں کو  
پڑانے کے لیے کہہ رہی ہو جو تمہارے فیصلے کے لیے بہت  
اہم ہیں۔“

۱۰ قبیلے کے لیے نہیں بلکہ سردار کے لیے یاد دہانی کے  
اس کی تیغ کی۔ موجودہ سردار غاصب ہے۔ وہ میرے باپ  
کو ہلاک کر کے خود سردار بن گیا ہے۔ جب تک میرا باپ قبیلے  
کا سردار رہتا اس وقت تک ہم جدید تہذیب اور تمدن سے  
آشنا ہونے کے باوجود اپنی قدیم روایات کے ساتھ ایک  
تھکے تھکے زندگی گزار رہے تھے۔ یہ بات نہیں تھی کہ اس زمانے  
میں ہمارے باپ جدید تعلیم کا رواج نہیں تھا۔ ہم میں سے  
اکثر نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ہم  
قدیم روایات کی پاسداری بھی کیا کرتے۔ لیکن اس سردار نے  
برسرِ اقتدار آنے کے بعد ہماری روایات کی وہ عجیبانہ تعبیر  
دی ہیں اس نے غیر ملیکوں کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔ یہ  
غیر ملکی لوہری یا شاد سے ہیں۔ لالچی خود غرض اور بے رحم۔  
موجودہ سردار نے اپنی زمین کی عزت ان کے ہاتھوں میں  
فروخت کر دی ہے۔ انہنا یہ ہونی کہ اس نے دلوئی کے مندر  
کی بجائی بھی ان غیر ملیکوں کے سپرد کر دی ہے اور دلوئی

لوگ آجکل اس مندر کے عقیدہ کاربے ہوئے ہیں۔ انھوں نے مندر کی نگرانی اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ ”میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ان غیر ملکیوں کو مندر سے سرواڑے یا مندر سے سرواڑا کون انھوں سے کیا ہیڈ حاصل ہوتا ہے؟“ وادرنے پوچھا۔

” بات یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں لوہہ پیا جاتا ہے۔  
 بدیالی نے بتایا کہ لاکھوں کے نام سے ایک خود مختار علاقہ  
 بھی ہے۔ وہاں پانی چلنے والی معدنیات کا کھجور  
 سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ دو یورپی یورٹم کی لاپرچ میں  
 وہاں آئے اور انھوں نے ایک غائب عنصر کو مدد سے کہ  
 زینکار کی کا حکمران بنا دیا۔ اس غائب نے اس کے بدلے  
 انھیں بہت سی مراعات دے رکھی ہیں جن میں مندرجہ  
 گنجائشی کے علاوہ یورٹم کی کھدائی بھی شامل ہے۔ جگہ ان لوگوں  
 نے سردار کو دودت دی ہے۔ لڑائی دی ابیں، سردار کی یہ  
 دولت غیر ملکی بینکوں میں محفوظ ہے۔ یوں سمجھ لو کہ اس  
 نے دولت کی خاطر اپنی زمین کا سودا کر دیا ہے۔“

"ہوں۔" وادرنے ایک گہری سانس لی۔ "منتھاری داستان بہت دلچسپ ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔"

”ہاں۔ میرا منصوبہ یہ ہے کہ کسی طرح ان ایہودوں کو  
چڑھایا جائے۔ روایت کے مطابق مردود ہر اہل اہل  
کی۔ اگر کوئی اہل نبی بھی قبیلے والے اے  
ابھیں چھوڑیں گے۔ اس طرح مردود ہمارے راستے سے ہٹ  
جائے گا۔“

”تمہارا منصوبہ بہت اچھا ہے،“ داؤد نے کہا، ”لیکن اس منصوبے سے فلم کی شوٹنگ کا کیا تعلق ہوگا؟ کیا تم مجھے کسی فلم کہنی کے ہمراہ وہاں بھیجنا چاہتی ہو؟“

دروہا نے جواب دینا چاہا لیکن اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ایک دروہی پوش ایک مڑے لیے کمرے میں آگیا۔ اس مڑے میں اعلیٰ شراب بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ دروہا نے اشارے پر اس نے وہ مڑے واد کے سامنے رکھ دی اور خود نئے قدروں واپس چلا گیا۔ واد نے اپنے لیے ایک گلاس میں مٹھوڑی سی شراب اُتار لی۔

”ہنہیں۔ مجھے کسی فلم کیسے کے ساتھ وہاں ہنہیں  
 پہنچنا ہے۔ وہاں مسکراتے ہوئے لولی، ”بلکہ تمہاری خاطر  
 تمنا کری کہ یہاں آٹھا کرے انا ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھا۔“ واد نے جہاں ہر کو کوا، ”کہ کہنا

جانتی ہو؟“  
 ”دیکھو میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میرا باپ ایک نوخریا خود مختار ریاست کا حکمران تھا۔ اس کے علاوہ اپنے قبیلے میں خود میری جہت سے بھی ایک دہائی جیسی ہے۔ میرے باپ نے ہندوستان کے کئی قبیلوں میں میرے لیے کثیر رقم جمع کر رکھی ہے۔ اس کے علاوہ میرے بہت سے جاں نثار بھائی موجود ہیں۔ تم نے میرے ارد گرد جی لوگوں کو دیکھا ہے ان کا تعلق میرے ہی قبیلے سے ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو میرے ایک اشارے پر اپنی جانیں قربان کر سکتے ہیں۔ اگر تم چاہو تو میں اس کا عملی مظاہرہ کروا سکتی ہوں۔“  
 ”وہ کیسا مظاہرہ ہوگا؟“ اور نے پوچھا۔  
 ”تم کسی کے ہاتھ میں خنجر یا پستول سے دو دھوپال لے کر آؤ۔ اور جب میں اس سے کہوں گی کہ دروئی کے حکم پر برادو تو وہ کسی وقت خودکشی کرے گا۔“  
 ”اوہ! اور نے اپنے زور سے کہنے لگے۔ ”یہ تو جان شادی کا بہت اعلیٰ مظاہرہ ہوگا۔ لیکن مجھے اس سے کوئی دخل نہیں ہے۔ بس مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے پاس دولت ہی بہت ہے اور تمہارے وسائل بھی بہت ہیں۔ اب آگے بڑھو۔“  
 ”میں نے اپنے وسائل اور دولت سے کام لے کر کبھی کسی کو کچھ حاصل پر ایک چھوٹی سی رتناگری آباد کر دی ہے۔ دوپال لے کر آؤ۔“  
 ”نیک! وہ اور دیکھ کر میچ کر گیا۔ دوپال کی باتیں اسے ہر لمحے حیران کیے جا رہی تھیں۔“  
 ”ہاں۔ وہ ایک مصنوعی لٹی ہے، دوپال نے بتایا۔“  
 ”اور اس لٹی کے درمیان میں لے لی رتناگری کا ایک مندر تعمیر کروایا ہے جیسا مندر اصل رتناگری میں موجود ہے۔ اور اس مندر کے اندر لٹی دہائی کا بالکل ورثہ ہی بت رکھا گیا ہے جیسا کہ اصل مندر میں ہے اور اس لٹی کی انگوٹھی میں میرے رکھ دیئے گئے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ میرے زیادہ قیمتی نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اس مندر کے مختلف اقدامات بالکل ویسے ہی ہیں جیسے اصل مندر میں ہیں۔ دیکھو اور۔ میں کسی قسم کا خطہ ہول لینا نہیں چاہتی۔ اس لیے میں نے سارا کارخانہ تعمیر کیا ہے۔ یہ جانتی ہوں کہ ہم کو سر کرنے کے لیے جاؤ تو ناکام واپس نہ آؤ۔ تم سے پہلے میں دو آدمیوں کو اس لٹی رتناگری کے مندر کی طرف بھیج چکی ہوں۔ لیکن وہ ناکام ہو گئے۔ اب تمہیں بھی میں اس مصنوعی لٹی کے مندر میں جا کر دہائی کے رستے سے وہ لٹی میرے چرانے ہیں۔ تم اسے ایک طرح کی ہرمل سمجھ سکتے ہو۔

اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو پھر تمہیں اصل لٹی کی طرف بھیج دیا جائے گا۔“  
 ”بہت ہی شاندار! وہ دلاؤ نے اس کی تعریف کی۔“  
 ”تم نے واقعی ایک لاجواب منصوبہ بنایا ہے۔ میں تمہارے ذہن کی داد دیتا ہوں۔“  
 ”یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دوپال نے کہا۔“  
 ”تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے اور تمہاری ناکامی میری ناکامی۔ میں اس لیے کسی قسم کا خطہ ہول لینا نہیں چاہتی اور ہاں۔ میں نے شوشک کی بات بھی غلط نہیں کی تھی۔ اس مصنوعی لٹی میں جگہ جگہ خفیہ کمرے لگے ہوئے ہیں جو کھانیاں ہر حرکت کی تصویر کشی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ فہم میرے پاس پہنچا دی جائے گی۔ میں اسے دیکھ کر ہر اندازہ لگاؤں گی کہ تم میں کتنی ذہانت اور کتنی بہادری چھپی ہوئی ہے۔“  
 ”دیکھو میں دوپال نے اور شوشک کہے ہیں۔ دوپال میرے کام کرنے کا طریقہ دیکھ کر اور ہے۔ اگر تم اپنے قبیلے کی دروئی ہو تو میری اہمیت بھی کسی سے کم نہیں ہے۔ میں اپنے میدان کا بادشاہ ہوں۔ میں نے آج تک کسی کے لیے ہر کچھ نہیں کیا جو کچھ مجھ کی اہمیت پر مبنی ہے۔ لیکن تمہاری یہ کہانی اتنی دلچسپ ہے کہ اس نے میرے قبیلے کو کھینچا کر لیا ہے۔ میں اپنے شوق کی خاطر اس ہم میں ضرور حصہ لوں گا۔ اس کے علاوہ تم نے دس لاکھ روپوں کی بات کی ہے۔ جو میری ضرورت ہے۔ میں دیئے ہوئے ایک کاروباری قسم کا آدمی ہوں، جہاں رقم ملتی ہے اس طرف جاتا ہوں۔ لیکن تمہاری اہمیت پر جانے سے پہلے میں اس شہر میں اپنے کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہاری طرف دھیان دوں گا۔“  
 ”کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہیں یہاں کون سے کام نمٹانے ہیں؟“ دوپال نے کہا۔  
 ”اور اسے سب کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کے سامنے اس وقت کئی مسائل تھے۔ اس کے باپ کو کچھ لوگ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آئے ان لوگوں سے کوئی فیصلہ نہیں ہوئی۔ وہ اپنے حساب کتاب کے لیے اپنے باپ سے ملنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے ریشم کی کام ماما اور لائی کے حبیہ کا بھی پتہ چلا تھا۔ وہ لوگ اس سے کہا کہ لینا چاہتے تھے۔ دوسری طرف ریشم بھی اس کے رستے میں آ گیا تھا۔ اس نے اپنے قبیلے کی خبر سنائی تھی جس کا سردار کو ہوا کرتا تھا۔ اور اس کے مطابق موجود کو برادری تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ عدل اور سلیم غائب ہو گئے تھے۔ وہ انہیں تلاش کیے دیکھ رہی تھیں جاسکنا تھا۔ یہی آئے کے بعد اسے انہوں نے پھر لیا تھا۔

کودہ مینا اور سپر دھرم داس کی طرف بھی دھیان نہیں دے سکا تھا۔ آئے نہیں معلوم تھا کہ مینا کہاں ہے، اس کے ساتھ کبھی آئی ہے۔ ورم داس نے اس کے ساتھ کہا سلوک کیا ہے۔ یہ سب اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ اور اب اس روپا کی نقد کٹھا ہو گیا تھا۔ اس کی پیش کش نے ورم داس کو سچے بڑبڑ کر دیا تھا۔ دس لاکھ تھری رقم تھی۔ وہ اسے حاصل کرنے کے لیے تیار تھا۔ لیکن وہاں جانے سے پہلے کہ ان کے لیے عبدل اور سلیم کی تلاش کر لینی چاہیے تھی۔  
 ”کیا بات ہے تم خاموش کیوں ہو گئے؟“ دوپال نے پوچھا۔  
 ”میرا بھائی اور دوست اس فلیٹ سے زلزلہ کہاں غائب ہو گئے ہیں جس فلیٹ میں تم نے شیوا کو بھیجا تھا۔“  
 ”اور نے کہا۔ میں انہیں تلاش کرنا چاہتا ہوں داس کے بعد میں تمہارے کام پر روانہ ہوں گا۔ وہاں ایک بات یاد رکھو کہ تمہارا یہ کام میری مرضی پر منحصر ہوگا۔ تم مجھے برقی مجبور نہیں کر سکتیں۔“  
 ”یہ مجھے معلوم ہے۔ اسی لیے ابھی تک تم سے درخواست کر رہی ہوں۔ دوپال نے کہا۔ اور جہاں تک تمہارے بھائی اور دوست کا تعلق ہے تو یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ میں اپنے تمام وسائل ان کی تلاش میں لگا دوں گی۔ لیکن تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ ان کا پتہ چلتے ہی تم میرا کام کرو گے۔“  
 ”میکم ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔“ اور صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اور اب میں اپنے اسی فلیٹ کی طرف جا رہا ہوں۔“  
 ”میں تمہارے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج رہی ہوں۔ دوپال نے کہا۔ تم انہیں اپنے دوست اور بھائی کے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔ وہاں وہ اپنے لوگ ہیں جو ہاتھ پاؤں کے لیے کسی کو تلاش کر کے لائے تھے۔ زیادہ سے زیادہ وہ دونوں کے بعد تمہارے بھائی اور دوست کا پتہ چل جائے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“  
 ”شیلا کی فتح نے ان دونوں کو حیران کر دیا تھا۔ سب سے پہلے دلاؤ نے کسی شہر کی طرح دھانچا، اور اس کی طرف بھاگا۔ دلاؤ بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ شیلا صحن کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ہنسی مچا رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ایک بیل آئی جس کی کھنٹی ہوئی تھی۔ اس کے ہونٹوں کو ڈھانچہ لگا تھا۔ سبز رنگ کے کھڑا تھا۔ دلاؤ کو

دیکھ کر وہ آدمی جنہوں کی طرح بیٹھ لگا۔ پھر شیلا سے مخاطب ہو کر اس نے دلاؤ کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”دیکھو! اب جھوٹا کھل گیا نا۔ اپنے پاس کے ہار میں کتنی ہے کہ وہ جھوٹے ہار کھاتا ہو۔ اور اسے ہنسی میں چھپا رکھا ہے۔“  
 ”زبان سنبھال کر بات کر گوند۔“ دلاؤ غصے سے بولا۔  
 ”ورنہ زبان چھین لوں گا۔“  
 ”اسے جا کر قتل کی طرح گھر میں بیٹھنے والا زبان کھینچ کر لے گا۔ گوند نے ہاتھ نیچا دیا۔ میں تو آج ملامت حساب کتاب کر کے گئے تھے کیا ہوں۔“  
 ”یہ سب کیا ہے دلاؤ! دلاؤ نے حیرت سے پوچھا۔ اور ہے یہ آدمی۔“  
 ”آپ کمرے میں جائیں جہاں دلاؤ دلاؤ جلدی سے بولا۔ یہ معاملہ کچھ اچھے شیلا، جہاں تک کمرے میں لے جاؤ۔“  
 ”آئیے جہاں شیلا نے آگے بڑھ کر دلاؤ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جوان ہاتھ کی حرارت نے دلاؤ کی رگوں میں جھپٹنے لگی۔  
 ”خون کو دھیرے دھیرے پگھلا کر شوشک کر دیا۔ یہ خون ہاتھ کی رگوں سے ہوتا ہوا اس کے دل تک پہنچا اور وہ اپنے اختیار دھڑکن تیز ہو گئیں۔ وہ آدمی بڑی دلچسپ اور خطرناک لگا ہوں سے دلاؤ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو دلاؤ اس سے بہتر چکا ہوتا لیکن اس وقت شیلا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور یہ موقع بہت دلوں کے لیے اس کے ہاتھ کا تھا۔ بہت دلوں کے لیے اسے ہاتھ کا تھا۔ جو ان جسم میں کتنی حرارت اور تازگی ہوا کرتی ہے۔ شیلا اسے اپنے ساتھ کر کے میں لے آئی۔“  
 ”آپ چھوڑ دیں جہاں دلاؤ نے دلاؤ کو بہتر پگھلا دیا۔“  
 ”آپ کہاں ان جھڑوں میں بڑھیں گے غلطی میری تھی مجھے اس طرح چین نہیں چاہیے تھا۔ لیکن میں کیا کرتی۔ وہ جہاں اپنی دیوار پگھلا کر چلا آیا تو میں خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔ میں بڑی طرح ڈر کر اور میری وجہ سے آپ بھی پریشان ہو گئے۔“  
 ”نہیں نہیں۔ اسی کوئی بات نہیں ہے۔“ دلاؤ نے کہا۔  
 ”اگر تم مناسب سمجھو تو مجھے بتا دو یہ کیا چکر ہے۔ یہ کون ہے کس چاہتا ہے۔“  
 ”یہ سب حالات کے پھر میں جہاں دلاؤ دھیرے سے لیٹا۔ وہ اس وقت بے دھیان میں دلاؤ کے پاس ہی بیٹھ کر تھی اور دلاؤ کی رگوں کا خون اب اس کے دل کے دروازوں پر بہہ نکلیں دینے لگا تھا۔ شیلا کے جسم سے ایسی خوشبو پھرتی تھی جو نہ دھیرے کی خوشبوؤں سے بھی دلکش تھی۔ جیسے صبح سویرے کسی ایسے باغ

کا دروازہ کھل جانے جو پھولوں سے بھرا ہوا ہو۔ ایسا دلکش احساس دلاور کو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اسے وہ گرد و لاج کی قسمت پر شکر آئے لگا جوا بھی تک اس آدمی سے اٹھا ہوا تھا۔ صحن کی طرف سے دونوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

”تم نے بتایا نہیں یہ کیا سلسلہ ہے۔ بچہ دلاور نے ایک گہری سانس لیتے بلوچھا۔

”یہ سب قرض کے معاملات ہیں۔ شہلا نے جواب دیا۔ دلراج نے ایسے بہت سے لوگوں سے قرض لے رکھے ہیں جو آئے دن اسے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اس آدمی کا بھی قرض ہے یہ سب بھی آتا تھا۔ دلراج میرے ذہنیے یہاں نہ کرنا دیتا تھا کہلو دیتا تھا کہ وہ گھر پر نہیں ہے۔ لیکن آج یہ آدمی اس طرح چلا آیا اب کوئی کہاں تک برداشت کر سکتا ہے۔“

”ادھ یہ بات ہے۔ دلاور نے اپنے ہونٹ میٹھ لئے۔ کتنا قرض ہو گا اس کا۔“

”سب ملکر دلراج پر ہر عہدہ ہیں ہزار کا قرض ہے ہمارا۔“ شہلا نے کہا۔ ”میری تو زندگی حرام ہوئی ہیں۔ جب دیکھو کوئی نہ کوئی چلا آتا ہے۔“

دلاور سوچ میں مبتلا ہو گیا۔ چند ہر ہزار روپے کی کوئی قیمت نہیں تھی بہت معمولی رقم تھی۔ یہ اس کے ایک دن کا خرچ ہو کر رہتا تھا لیکن اس وقت وہ ان لوگوں کی منتیں کر سکتا تھا جو اس کی جیب خالی ہو رہی تھی۔ اس کے پاس بہت دولت تھی۔ لیکن اس نے وہ دولت ادھر ادھر چھپا رکھی تھی۔ اور وہ فی الحال اسے ظاہر کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ لیکن دوسری طرف دلراج جیسے آدمی کی پریشانی بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس آدمی نے اس کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس گھر میں شہلا بھی تھوڑے دنوں کے لئے رہ کر۔۔۔ اپنی دلچسپی کے ذریعے اس کے سونے ہوئے بلوچھے چند دنوں کو یہاں رہنے پر تھی۔ ہونے لگی جیسے دیکھ کر دلاور کو احساس ہوا تھا کہ دلچسپی کسے کہتے ہیں۔

”شک ہے۔“ دلاور ایک فیصلہ کر لینے کے بعد بولا۔ ”دلراج سے کہہ دو کہ دو چار دنوں میں اس کا قرض اتر جائے گا۔“ یہ کیا بات کی ہمارا ہے۔ شہلا چونک بڑی۔ ”آپ کا کیا خیال ہے کہ تم تنگ آپ سے نہیں گے۔۔۔ یہ تم سے کبھی نہیں ہو سکے گا آپ ہمارے یہاں جہاں میں اور ہم۔“

”بس بس۔“ دلاور نے جلدی سے اسے خاموش کر دیا۔ ”یہ پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ یہ چندہ نہیں ہزار لاکھ نہیں

جیسے سمندر میں سے دو چار قطرے نکال لئے جائیں۔ کوئی کی نہیں آئے گی۔ اور تمہارا کام بھی ہو جائے گا۔ لیکن اس کے لئے دو چار دنوں کی جہالت چاہیے۔ میرے پیسے میرے پاس نہیں ہیں۔ میں نے مختلف مقامات پر انہیں بکھر رکھا ہے۔ اور اب انہیں میٹھا جاتا ہوں صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے بھی۔ مجھے ابھی اس کا حوالہ حاصل کرنے کے لئے ان رویوں کی ضرورت ہوگی۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“ شہلا بکھ ہوئے انداز میں بولی۔ پھر دلراج کوتاہی کے لئے صحن کی طرف چلی گئی جہاں دلراج ابھی اس آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔

دلراج اور شہلا کچھ دیر بعد واپس آئے۔ جبکہ وہ آدمی اسی کمرے سے ہوتا ہوا باہر چلا گیا تھا۔ اس نے باہر جاتے ہوئے دلاور پر لڑکی لگا کر ڈانٹائی جس نے دلاور کو ٹھوکر کھ دیا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس آدمی سے مجبور جائے۔ وقت نے اسے بلوٹھا کر دیا تھا لیکن اس کی جہالت اور اس کا تجربہ اس کے پاس ہی رہتے دیا تھا۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد وہ دونوں مہال ہوئی دلاور کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں اس کے بہت ہی شکر گزار دکھائی دے رہے تھے۔

”آپ نے میرا دلجو بھلا کر دیا ہے۔ ہمارا دلراج۔“ دلراج نے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ ”تمہارے لئے ہونے کہا۔ آپ ہمارے لئے دولت سمان بن کر آئے ہیں۔“

”ایسی باتیں مت کرو۔“ دلاور سر کر دیا۔ ”اگر تم میرے کا آئے ہو۔ تو میرا فرض ہے کہ تمہاری پریشانیوں کو دور کر دوں۔ انا کہ کر اس نے شہلا کی طرف دیکھا۔ ”شہلا میں تمہاری ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں۔ تم نے مجھے دو چار دنوں تک پر سکون رہنے کا بہت اچھا مشورہ دیا ہے۔ مجھے ملے جلد بکھ کر رہا ہے۔ اپنی کوئی کوئی سادھیال کرنی ہے۔ اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا کام پھر شروع کر دوں۔ اور جو کچھ کر سکتا ہوں کر کروں۔ تمہارا کچھ خیال ہے۔“

”خیال تمہیک ہی ہے ہمارا۔“ شہلا نے کہا۔ ”لیکن سب سے پہلے آپ یہ سوچیں کہ آپ کس کام کو شروع کرنا چاہتے ہیں۔“ ”جی تو مجھ میں نہیں آتا۔“ دلاور نے اسے متروک چھوڑ کر میں سب سے پہلے لائی اور صومالی کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر دہرے دہرے دوست میں یادیں آکر صومالی میں تو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ اگر دشمن ہیں تو کچھ بوجھنا پڑے گا ان کے علاوہ میری اپنی تنظیم میں میرے اور کتنے دشمن ہیں اس کا بھی پتہ چلا نہ ہے۔“

”اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے ہمارا کہ آپ ان دونوں کو اغوا کر لیں۔“ شہلا نے مشورہ دیا۔

”یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“ دلاور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”اگر ان لوگوں نے مجھے دھوکا دے کر میری تنظیم پر قبضہ کر لیا ہے تو پھر اغوا کرنا یا پھونکنا نہیں ہو گا۔ نہ جانے کتنے لوگ ان کے لئے ڈھال بن جائیں گے اس کے علاوہ انہیں اغوا نہ کر کے گا میں تمہارا دلراج تو اس کام کے لئے جانے سے پہلے ہمارا نہیں بٹھا کر لے گا۔“

”میرے پاس ان تمام سوالوں کا جواب ہے ہمارا۔“ شہلا سرکائی ہوئی۔ ”لوں۔“ میرے لئے ادا کرنے کے مطابق اس لوٹھے اپنی اور صومالی نے اب تک آپ کو دھوکے میں رکھا ہے۔ وہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔ انہوں نے آپ کی تنظیم پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ آپ کے ساتھی ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اسی لئے آپ کو بھی اغوا کر دیا کرے گا۔ لوگوں کو جمع کر کے ایک نئی تنظیم بنائی ہوئی ہے جس میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو لوگ دولت کی خاطر ملک میں بھی آکر رہتے ہیں۔ ایسے خطرناک اور فحش صنعت لوگ۔ ہر دورے گھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بس انہیں مناسب معاوضہ دیکر لے کر لے جاتے ہیں۔ جب یہ لوگ آپ کے ساتھ ہوں گے تو آپ ان کی مدد سے۔ لوٹھے لائی اور صومالی کو اغوا کر لیں اگر وہ دونوں دوست ہونے تو پھر کوئی بات نہیں۔ اگر دشمن ہونے تو آپ کے ہاتھ میں آ جائیں گے اور ان کے ذہنیے آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس تنظیم میں آپ کے لئے اور کتنے اسٹیشن کے ساتھ ہو جائیں۔ فرض کریں اگر یہ سب نہیں بھی ہوتا ہے تب بھی آپ کے لئے یہ پریشانی کا کوئی پتہ نہیں ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ کی ایک انگلیزم بن گئی ہوگی۔ آپ کو ایک بار پھر طاقت اور دولت حاصل ہو جائے گی۔“

”مشائش۔“ دلاور نے بے اختیار دیکر شہلا کا ہاتھ تھام لیا۔ ”آپ نہیں جانتے کہ یہاں ذہانت کا تم نے ایک ایسا مشورہ دیا ہے جو کسی طرح نام ہو ہی نہیں سکتا۔ دلراج میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی بیوی کی قدر کرتے رہنا۔ یہی ذہانت اس ملک میں بہت کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔“

”ہی تو کس طرح سن کر شہلا کی گردن اس طرح جھک گئی جیسے نولوں کی شاخ پھولوں کے بلوچھے سے جھک گئی ہو۔ دلراج بھی مت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

”میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ دلاور نے کہا۔ ”لیکن اس سے پہلے مجھے کچھ ضروری انتظامات کرنے ہوں گے۔ دلراج کہہ تم میرے لئے کسی کا بندہ مل سکتے ہو۔“

”میں نہیں جانتا۔“ دلراج جلدی سے بولا۔ ”آج صبح ہی اس کا

چلنا ہوا۔ آپ حکم کریں تو کسی بھی لمحے آؤں۔“ ”ابھی نہیں۔“ شام کے بعد کچھ عرصے کی ضرورت پڑے گی وہاں شہلا۔ تم کبھی میرے ساتھ چلو گی۔ میں تمہارے مشوروں سے قدم بہ قدم فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔“

دونوں میاں دہوی یہ سن کر سر کرا دئے۔ شہلا کی سرکراہٹ نے لوٹھے شہر کے جذبات کو بکھیرا دیا۔ وہ اس نے اپنے پیرو دو سری طرف کر لیا۔ وہ زیادہ دیر تک شہلا کا ادھر اور اتر پر رہت نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے اپنی خواہشوں کے لئے گئے۔ بڑا بدھنا تھا۔ سیکھا تھا۔ سیلاب جی فطرت پائی تھی اور سیلابی کی طرح سب کچھ بہا لے جاتا چاہتا تھا۔

”دنگورانی دہلی کی خبر ایسی تھی جس کے میں موجود لوگوں کے سامنے مسئلہ پیش کر دیا تھا۔

”کیا خیال ہے مادام۔“ ماہتر نے صومالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس شخص کے ساتھ کیا سکوک کیا جائے۔“

”اسے آئے تو وہ صومالی لے کہا۔“ دیکھنا ہے کہ وہ اپنے ساتھ کون سی جہاں لے کر آتا ہے۔“

ای وقت دروازے پر دستک ہوئی اور لائی کے آواز دینے پر دنگورانی میں آ گیا۔ وہ بہت تھکا ہوا اور نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے کمرے میں آئے۔ ہی اپنی جیب سے ایک پستول نکال لیا۔ ”صومالی اور ماہتر پستول دیکھ کر کھٹکے تھے۔ دنگورانی نے وہ پستول اپنی پھٹی پھر رکھا اور وہ قدم آگے بڑھ کر اس کے وہ پستول لائی کے قدموں میں رکھ دیا۔

”تم مجھے کوئی مار دو آؤ۔“ وہ بھولتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں اسی قابل ہوں میں نے تم پر ہاتھ اٹھا یا تھا۔ اس کی سہی سزا ہونی چاہیے۔“

”تم ہمارے سامنے کارائی نہیں کر سکتے۔ دنگورانی صومالی صومالی۔“ تم پستول دے کر بکھر رہے ہو کہ تم لوگوں کو بے وقوف بنا لو گے۔“

”دیکھو۔“ دنگورانی کھٹک لے میں بولا۔ ”تم یہ اپنی طرح جاتی ہو کہ میں نے اس تنظیم میں کسی کی ہر وہ نہیں کہ میں آقا لائی کے حکم کا پابند ہوں۔ تمہاری لوری تنظیم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہارے مقابلے میں آسکے۔ مکاری اور دھوکے کی ضرورت بزدلوں کو ہوا کرتی ہے۔ اور تم ابھی طرح جاتی ہو کہ میں بزدل نہیں ہوں۔“

”تو پھر یہ سب کیا تھا۔ دنگورانی لائی نے بلوچھا۔ ”تم نے مجھ پر حملہ کیا کہوں کیا تھا۔ تم مجھے بے ہوش کر کے داور کو بھل گئے۔“



کس کا ہمیری بات پہ پتھر ٹھوکرے آقا، پتھر ٹھوکرے کہا جیتیں  
 کس معلوم کرے مسافت کیا گزری ہے، میں نے تمہارے لئے  
 کوئی برائی نہیں کی حالانکہ ظاہری ہو تا ہے کہ  
 "بے جھوٹ بول رہا ہے" سومالی نے اچانک آگے بڑھ کر  
 زنگور کا پتول اٹھا کر اس کا رخ اس کی طرف کر دیا، "مترہ مجھے پتہ  
 گئے کہ داور کہاں ہے؟"  
 "دیکھو نے بی، میں اس حملو سے دے ڈالے گا عادی نہیں  
 ہوں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ اس پتول کو کہاں سے اٹھا لیا ہے  
 وہیں رکھ دو، اس میں تو لیاں بھری ہوئی ہیں؟"  
 "میں ایک ایک کر کے ساری گولیاں تمہارے سینے میں  
 اتار دوں گی، سومالی نے کہا، "میں جانتی ہوں کہ داور کو تم نے  
 چھپا لیا ہے؟"  
 "اگر تم جانتی ہو تو اسے تلاش کرو، زنگور لاہر دانی  
 سے بولا، پھر اس نے لانی کی طرف دیکھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ  
 آقا میں تمہارے پاس آؤں گا تو میرے ساتھ یہ سلوک کیا جائے  
 گا میں تو اپنی صفائی نہیں کرنے اور حالات بتانے کے لئے آیا  
 ہوں، لیکن یہاں مجھے پتولوں اٹھا لیا گیا ہے، اب تم خود ہی  
 سوچو کہ میں ایسے حالات میں کیا کر سکتا ہوں؟"  
 "سومالی، بے وفائی بہت بد کردار ہے، لانی بولی  
 سے مخاطب ہوا، اگر اس نے کچھ کیا ہے تو میرے ساتھ کیا ہے  
 یہ میرا میرے پاس لے میں چاہتا ہوں کہ اس کی بات سن لی جائے  
 "میں کچھ نہیں سنا جانتی، سومالی نے کہا، "میں اتنی اڑی  
 نہیں ہوئی ہوں کہ اپنے پرانے کی قمیز نہ کر سکوں، تمہاری آنکھیں  
 چندھائی ہیں، تمہیں اندازہ نہیں ہوتا کہ حالات کیا رخ اختیار  
 کر گئے ہیں، تم اپنی کو بھڑی میں آنکھیں بند کرے بڑے رہو۔  
 داور کا میرے ہاتھ سے لٹنے کا مقصد یہ ہے کہ میں ہار مان  
 لوں لیکن ایسا نہیں ہوگا، میں ہار ماننے کے لئے پیدا نہیں  
 ہوئی ہوں؟"  
 "پائل مت بول، لانی دہڑا، رکھ دو پتول، تمہارا  
 دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے، تم ہر وقت اپنی ہی من مانی کرتی ہو،  
 "اب بھی میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا، سومالی  
 نے کہا، "تم میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکو گے، پھر لاندے  
 مانتے گواشاہ کیا، اس کا اشارہ پلٹے ہی مانتے کرے سے باہر  
 نکل گیا، جبکہ سومالی نے اب زنگور کے ساتھ ساتھ لانی کو بھی  
 گور کر لیا تھا، اس کی آنکھوں اس وقت شلے پر ساری آنکھیں اور  
 اس کے ہونٹ بھنے ہوئے تھے۔  
 "تم حکم کرو آقا، زنگور لانی سے مخاطب ہوا، میں ابھی

تمہاری اس گستاخ لڑکی کو ملا چکا دیتا ہوں؟"  
 "تم سے تو میں نمٹ لوں گی، سومالی نے لانی کو دیکھا  
 میرے ہاتھ صرف داور کی وجہ سے ہونے میں آئے ہیں، مجھے برا  
 میں اس کی ضرورت ہے، اور تم مجھے اس کا بہتہ بناؤ گے؟"  
 "زنگور انداز کی اڑانے والے انداز میں مسکراتے لگا، آکا  
 مسکراہٹ سومالی کے لئے ایک پریشانی کی طرح ثابت ہو  
 تھی وہ بری طرح بل کھانے کی لٹی جھک لانی نے اپنی گردن  
 لی تھی، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سومالی کے سلوک کے لئے  
 مجروح کر دیا ہو، اسی وقت مانتے کو آؤٹیوں کو لئے ہوسا  
 کرے میں آگیا، یہ لوگ زنگور اور لانی کو جانتے تھے لیکن آ  
 وقت وہ سومالی کے تعلق نہیں تھے، ان کی وفاداریاں ما  
 ہی کی طرح صرف سومالی کے لئے وقف ہو کر رہ گئی تھیں۔  
 "ان دونوں کو تمہارے خاندان میں لے جا کر مرنے دو، سو  
 نے آنے والوں کو حکم دیدیا  
 آنے والوں نے پتول نکال لئے، زنگور کے ہونٹوں  
 ابھی تک مسکراہٹ رہی ہوئی تھی، لانی نے اس پر ہنسی لگا  
 سے زنگور کی طرف دیکھا، پھر سر جھکا کر رہ گیا، زنگور کے ز  
 ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، وہ گاہا تو ہتھیار  
 کی موجودگی میں مزاحمت کر سکتا تھا، لیکن نہ جانے کون  
 بالکل خاموش تھا، صرف اس آنکھیں جھک رہی تھیں۔  
 زنگور اور لانی کو اسی ہنر خانے میں بند کر دیا گیا، لا  
 ہر زنگور کی طرف اس طرح دیکھتا جیسے اسے زنگور کی فا  
 پر حیرت اور رنج ہو لیکن زنگور کبھی نہیں گریہا تھا، لاہ  
 ہوتا تھا جیسے وہ تمہاری ہونے کے لئے یہاں تک جلا  
 ان دونوں کو تمہارے خاندان تک لانے کے لئے چھ آدمی ان  
 ساتھ آئے تھے، یہ لوگ بھی زنگور سے اچھی طرح واقف  
 اسی لئے زنگور کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بہت فطاطھے  
 زنگور کو خاموش دیکھ کر کہہ رہے تھے، انہیں ان کی سانس  
 ان لوگوں کے ساتھ ساتھ تھم رہا تھا، جبکہ سومالی اپنے  
 ہی میں رہی تھی۔

ان دونوں کو تمہارے خاندان تک لانے کے لئے چھ آدمی ان  
 ساتھ آئے تھے، یہ لوگ بھی زنگور سے اچھی طرح واقف  
 اسی لئے زنگور کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بہت فطاطھے  
 زنگور کو خاموش دیکھ کر کہہ رہے تھے، انہیں ان کی سانس  
 ان لوگوں کے ساتھ ساتھ تھم رہا تھا، جبکہ سومالی اپنے  
 ہی میں رہی تھی۔  
 ان دونوں کو تمہارے خاندان میں دھکیل کر دروازہ  
 گیا تھا، تھر خانے میں آئے ہی لانی کی قوت برداشت  
 دے گئی، وہ بے حال ہو کر تھر خانے کے فرش پر گر پڑا۔  
 "آئی پریشانی کی کیا بات ہے آقا، زنگور نے آگے  
 کر پڑی آ، سنی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا،  
 تو ہر نا ہی تھا؟"  
 "میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سومالی میرے

سوک کہے گی، لانی بھرائی ہوئی آواز میں بولا، وہ گستاخ  
 تو ہوئی تھی لیکن وہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے، یہیں  
 لے سو جا بھی نہیں تھا؟"  
 "آؤ کی وجہ دولت اور اقتدار کا تھر چڑھ جائے تو اپنے  
 علاوہ اسے پوری دنیا دھندلی معلوم ہونے لگتی ہے، زنگور  
 نے کہا، یہ سب روزمرہ کے تعلق ہیں، تم خود سوچو، تم نے  
 یہاں آنے کے بعد کتنی چالائی کے ذریعے دلاؤ کو ہر نظر پر  
 قہر کر لیا، اس کے آؤٹیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا، اسے پس  
 کر کے اسے تھر خانے میں قید کر دیا، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم  
 تھا کہ ایک اور طاقت بھی ہے جو انہیں اڈوں کا بدلہ دے دینا  
 میں دے دیا کرتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ تم نے، بوشہ طاہر  
 سے نا انصافی کی تھی لیکن وہ خود بھی کوئی فرشتہ نہیں تھا لیکن  
 میں یہ کہتا ہوں آقا کہ تم بھی اپنے علم اور عرفان کی راہ سے بہت  
 کر دولت اور اقتدار حاصل کرنے میں لگ گئے تھے، اور اس  
 قہر کے کھیل کا بھی انجام ہو کر رہا ہے، تمہاری سومالی تم سے  
 زیادہ چالاک ثابت ہوئی، تم نے دیکھ لیا کہ تم جن آدمیوں کو اپنا  
 سمجھتے تھے، وہ سب اکی کے آؤٹی نظر آئے، تم کو اس کے لئے بہت  
 پیلے رکھتے تھے آقا، یہاں تو سب کچھ اسی طرح چلتا ہے، جو  
 متعلق تم دونوں نے مل کر دلاؤ کے ساتھ کیا تھا، وہی لوگ  
 سومالی نے مانتے کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ کیا ہے، یہ ممکن  
 ہے کہ یہی سلوک ان مانتے کے ساتھ ہو، خود سومالی کے ساتھ  
 کون کر سکتا ہے، آنے والے دن میں کس نے دیکھا ہے؟"  
 "تم ٹھیک سمجھتے ہو، لانی دھیرے سے بولا، "دولت اور  
 طاقت نے سومالی کو اندھا کر دیا ہے، اسے اپنے علاوہ اب  
 کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا، اس نے مجھے بھی اپنی زندگی سے  
 الگ کر دیا ہے؟"

"خیر اب تم حوصلہ کھو آقا، زنگور نے کہا، "سومالی کچھ  
 جیسی بھی ہو، لیکن میں تمہارا احترام کرتا ہوں؟"  
 "میری کچھ میں نہیں آتا کہ اب کیا ہوگا، لانی بڑبڑایا،  
 سب دل تو میں یہاں بند کر کے بھول جائے گی؟"  
 "میں بھولنے کی جگہ نہیں باور رکھنے گا، زنگور اس کے قہر  
 ہی سے بڑبڑایا، اس کا اظہار کہ تمہیں ہلاک کرنے کا ہوگا، وہ انہیں  
 رکھ کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہے گی۔  
 "کہا ایسا ممکن ہے، لانی نے سرگوشی کی، "میں نہیں مان  
 سکتا، سومالی بھی میری ذاتی دشمن نہیں ہو سکتی؟"  
 "اس کی آنکھیں اس وقت کچھ نہیں دیکھ رہی ہیں، زنگور  
 کہہ، "صرف حکمرانی چاہتی ہے اور مناف کرنا آقا، تم میں ایسی

کوئی کشش نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تم دوسروں کو اپنی  
 طرف کھینچ سکو، جبکہ سومالی ابھی شادیاب ہے، اور اس کے ارد  
 گرد منڈلانے والے گھوڑے ہیں، جب تک اس کے جسم کی  
 شادابی برقرار رہے گی وہ اس کا ساتھ دیتے رہیں گے، اور جہاں  
 شادابی ختم ہوئی وہ اسے چھوڑ جائیں گے، یہ سومالی کا عقیدہ  
 ہے، اور جب تک یہ صورت حال ہے، تم اس کا کچھ نہیں کر  
 سکتے، بلکہ اپنی جان کی خیر مانتا؟"  
 "شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو، لانی نے ایک گہری سانس  
 لی، "میں نے ہی اپنی آنکھوں پر دھٹی باندھ لی تھی، میں دولت  
 اور اقتدار کی قوت سے واقف نہیں تھا، لیکن تم نے کسی  
 حماقت کی تم تو یہاں سے نکل گئے تھے، پھر نہیں آنے کی  
 کہا ضرورت تھی، میرا مسئلہ تو کچھ بھی ہو، لیکن تم تو آنکھوں سے  
 "ایسی بات نہیں ہے آقا، زنگور اس کا دل لھے تو اس  
 بات کی خوشی ہے کہ میں جو کچھ سوچ کر لیا تھا وہی ہو رہا ہے، اکی  
 نے تم مجھے اتنا مطمئن دیکھ رہے ہو، میں اس تنظیم میں  
 شامل ہی نہیں دیکھ کر ہوا تھا، میں نے تم سے بہت کچھ  
 سیکھا ہے، اسی لئے یہاں سے جانے کے بعد میں نے یہ جان  
 لیا تھا کہ یہ سومالی نہیں بھی دلاؤ کی طرح اپنے راستے سے  
 ہٹا دے گی، بس اسی لئے میں واپس آگیا؟"  
 "مجھ میں نہیں آتا کہ اس پر کچھ کر دیا جائے اور کس پر  
 بھروسہ نہیں کیا جائے، سب کچھ گڑبگڑ ہو کر رہ گیا ہے، تم مجھ  
 پر حملہ کر کے مجھے بے ہوش کر کے یہاں سے چلے گئے تھے میں  
 نے، یہ مجھ لیا تھا کہ تم نہ جانے کیوں تمہارے خلاف ہو گئے ہو  
 خاص طور پر اس داور کے ساتھ تمہارا رقبہ حیرت انگیز تھا  
 تم اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ، زنگور نے مجھے پتہ چلے  
 کرے میں وہ تمہارے دوست کی طرح بیٹھا ہوا تھا، آکا  
 کے بعد تمہارا مجھے بے ہوش کر دینا، داور کا غائب ہونا  
 تمہارا چانک واپس آ جانا، یہ سب میری سمجھ سے باہر ہے، نہ  
 جانے تم کیا چاہتے ہو اور یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"  
 "آقا، میں نہیں جانتا، دیتا ہوں، زنگور نے کہا، "کیونکہ  
 میرے پاس سوائے قوت بتانے کے اور کوئی راستہ نہیں ہے، میں  
 داور کو تمہارے کمرے سے نکال لے گیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ  
 پٹنے ہندوستان آنے کے کچھ دنوں بعد میں ایک بہت بڑی  
 مصیبت میں پھنس گیا تھا، بس یوں کچھ دیر میری زندگی ختم  
 ہوئے والی تھی، لیکن اس داور نے میری جان بچائی تھی میں  
 نے اسے پہچان لیا تھا، آقا، میں نہیں چاہتا تھا کہ جس نے میری  
 جان بچائی ہے وہ اس سومالی کے ہاتھوں مارا جائے، دھری

طرف تم نے بھی ہے کہ بدھا تھا کہ اسے پانچ گنے آؤ اس وقت میں یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ وہی میری جان بچانے والا آدمی ہے میں تو تمہارے حکم کی تعمیل میں چلا گیا تھا۔ اور میں نے اسے سولہ کے آدمیوں سے نکال کر تمہارے کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ پھر میں نے اسے سہاگن لیا۔ پھر میرے لیے سا کر تم کسی کام سے فیصلہ نہ کر رہے ہو میں جانتا تھا کہ یہاں میں ضرور کوئی ایسا خطرناک کام ہو گا جس میں اس کی جان کو خطرہ بھی ہو سکتا ہو گا۔ یہ ایرافض یہ تھا کہ میں اسے تم سے اور سولہ سے دونوں سے ہی کر نکال لے جاؤں۔ اس وقت وہ کمرے میں تھا۔ مجھے وقت بہت ہی سچی نہیں اسے بہتوں دکھا کر لے کر اسے کمرے میں لے جاؤں اس کے بعد اسے وہاں سے کر فرار کر دوادوں۔ اس وقت تک اس نے مجھے نہیں پہچانی تھا۔ لیکن اپنے کمرے میں لانے کے بعد جب میں نے اسے یاد دلایا تو اسے یاد آیا۔ اکی نے تمہارے اسے کمرے میں دو کھن کی طرح بیٹھنے ہوئے دیکھا ہو گا۔ میرا حال بھی میں اس سے باتیں کر رہا تھا کہ تم کمرے میں چلے آئے۔ تم کو دام والوں کے بے دخل ہو جانے کی خبر سے کر گئے تھے۔ میں اس وقت تو خود بھی پریشان ہو کر تمہارے ساتھ باہر آ گیا۔ پھر میرے ذہن میں آیا کہ تمہارے داور کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے دیکھا کہ ہو گا۔ اسی نے میں نے تمہیں بھی سے پوچھ کر دیا۔ اس وقت میری بھیچہ میں بھی آ گیا تھا۔ آخر گونا گویوں نا آقا غلطی تو کر رہی تھی اور غلطی کر کے پھر وہاں اس غلطی کی تلافی کے لئے دوبارہ یہاں چلا آیا تھا کہ تم سے سناڑ مانگ سکیں۔

زنگور کے خاصوش ہوا جانے کے بعد لانی کچھ دیر تک گہری لنگا ہوں اسے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر دھبے دھبے اس کے ہونٹوں پر سرکراہٹ پھیلنے لگی۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر زنگور کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تم واقعی ایک بہادر انسان ہو زنگور! اس نے کہا۔ ورنہ اتنی ہی بات کے لئے کون واپس آتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ تم کیسے ہو گئے۔“

”جیسے تو سمجھ رہے ہو۔ بدھا کہ تمہارے نزدیک سولہ کی کیا حاجت ہے۔ اگر تم اس کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتے تو پھر مجھ پر ہی ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ رہنا پڑا تھا۔ دھبے دھبے بیٹھا ہوں گا۔ اور اگر تم سے کوئی کڑی سزا دی جائے تو پھر لیکن زنگور زنگور کا راستہ کوئی بھی نہیں روک سکا ہے۔ یہ ہنر خدا کا ہے جس سے یہ سب ممکن ہیں۔ اسے بھی نکال کر لے جائیں گے۔“

”میں اسے سزا دینی چاہتا ہوں۔“ لانی گہرے لہجے میں بولا۔ اس نے ہماری روایات کی تو مین کی ہے۔ اس نے لانی کو قید

کر دیا ہے۔ اس طرح وہ میری نہیں بلکہ پورے قبیلے کی دھم دھم ہوئی ہے۔

”میں نہیں سمجھا آقا۔ تم کیا کہہ رہے ہو۔ زنگور نے حیرت سے پوچھا۔ ”تم اس قبیلے کی بات کر رہے ہو۔“

”اپنے قبیلے کی لانی فرش سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر گہری خمیدگی رہ گئی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہنر کی دھاروں سے محال ہو۔ انہیں اپنی کہانی سننا پڑا۔

”یہ سولہ میری بیٹی نہیں ہے زنگور! وہ تمہارے غصے میں بولا۔ بلکہ میں نے کچن سے اس کی پرورش کی ہے۔ ایک باپ بن کر اسے پالایا۔ لائق کو لوریاں سناتی ہیں۔ اس کے کمرے میں مجھلا رہا ہوں۔ اس کے ہاتھ جسے دفوں کو لینے سینے سے لگا کر رکھا ہے۔ ہمارا قبیلہ یہاں کی ایک ایسی تہذیبی تہذیب واقع ہے ہمارے قبیلے کو رتنا کہا جاتا ہے۔ سولہ کی باپ اس قبیلے کا بڑا ہوتا ہے۔ دو بیٹے نکلتے۔ روپا لانی اور سولہ۔ روپا کے مطابق سرور کی بڑی اولاد دہلی یاد دلونا بھی جاتی تھی۔ یعنی وہی سرور ہوا کرتی۔ چاہے وہ بڑی ہو یا لاکھ۔ جبکہ دوسری اولاد کو سٹی کی سرور مندر کی دای پیکاری بنا دیا جاتا ہے۔ سرور کی پہلی اولاد بچا ہوا تھی اور دوسری اولاد سولہ۔ روپا کے مطابق روپا کو کور یا یاد دلوی کا درجہ دے دیا گیا۔ جبکہ سولہ کو میرے پاس قلم و تہذیب کے لئے بھیج دیا گیا۔ میں اس مند کا سب سے بڑا ہرودت وہاں پرورش پانے والے میری ہی نگرانی میں پرورش پایا۔ مجھے سولہ کی ایک باپ کی طرح جنت ہوئی۔ اور میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ اس کی تعلیم و تربیت میں اپنی صلاحیت صرف کر دی۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر تک نہیں سکا۔ یعنی ہی کے ایک لڑکے نے خیر میکیوں سے سناڑ باز کر کے لیتی۔ سرور کو ملک کر دیا۔ اور دوسرا دن بیٹھا۔ ہرودت زبردست جنگ ہوئی تھی۔ بہت سے بے گناہ لوگ مارے گئے۔ اس کے میں بہت ہی نہیں چل سکا۔ روپا لانی کہاں چلی گئی۔ لیکن لوگوں کے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ بیٹی کے بہت سے وفاداروں کے نکل جانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ جبکہ میں بھی سولہ کو دبا سے نکال لیا تھا۔ پھر میں سولہ کو لے کر بھی آ گیا۔ سولہ آ وقت جھانک رہی تھی۔ اور میری توقع کے برعکس وہ ایک ضدی بہت دھرم اور بے باک لڑکی ثابت ہوئی تھی۔ دجانے میری میں ایسی کوئی خانی رہ گئی کہ سولہ ایسی لڑکی ثابت ہوئی یہاں آئے کے بعد اس نے جس انداز سے دلاوری کی تھی پتہ چلا کہ کیا ہے وہ تمہارے سر نہ ہے۔ اس نے میری پرہیزگار کوئی دیکھا ہے۔ بلکہ اب تو میری دھن بھی ہوئی ہے۔ اس میں میری

غلطی ہے۔ میں دولت اور اقتدار کے لالچ میں آکر اس کا ساتھ دینے لگا تھا۔ لیکن اب انجام سامنے آ گیا ہے۔“

”تم جلدی کہانی بہت دلچسپ اور عبرت دلانے والی ہے آقا۔ زنگور نے کہا۔ لیکن یہ ڈورس کھلنے میں آتا ہے۔ وہ تمہارے کس کام آ سکتا تھا۔“

”میں نے اس سے غلط کہا تھا کہ میں اسے سولہ کے ساتھ قید بھیجنا چاہتا ہوں۔ بلکہ داور کا قاتل اس نے کیا گیا تھا کہ وہ ایک دلیر اور بہادری شخص ہے۔ وہ رتاری پہنچ دینے کی آنکھوں سے میرے نکال کر لاکھتا ہے۔“

”میں سمجھا نہیں کس قسم کے میرے اور وہیے بھی اس تنظیم میں تم دونوں کو دولت حاصل کرنے کے بہزوں کو باقی بچا رہے۔ پھر میری دل کی ضرورت پڑی۔“

”اس میں شک نہیں کہ وہ میرے بہت قیمتی ہیں۔ لیکن ان کے لانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ان کے ذمے کوئی فائدہ اٹھایا جائے۔ بلکہ ہمارے یہاں یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ روپا کا نکال لیتی کہ سرور اور جاگرتا ہے۔ اگر کسی سرور کے ہمد میں میرے غائب ہو جاتے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ سرور اپنے ہمد کے لائی نہیں ہے۔ باقی والے اس شخص کو سرور کی سے الگ کر دیا کرتے ہیں۔ اور پھر اس شخص کو سرور بنا دیا جاتا ہے۔ جو دہلی کے میرے واپس لے آئے۔ ہمارا منصوبہ یہ تھا کہ داور ان ہمدوں کو چملائے۔ پھر سولہ ان ہمدوں کو لے کر تہذیب پہنچائے۔ ظاہر ہے کہ ولایت کے مطابق اسے لیتی کی سرور بنا دیا جاتا۔ ویسے بھی وہ پہلے سرور کی اولاد ہے۔ اسی لئے لیتی والوں کے نزدیک وہ قابل قبول ہوتے۔ وہ ہنسی خوشی اسے قبول کر لیتے۔“

”اس شہر کی اتنی بڑی تنظیم کو چھوڑ کر اس لیتی کی سرور کی سے تم لوگوں کو کیا حاصل ہو جاتا۔ زنگور نے پوچھا۔

”میرے پناہ دولت۔“ لانی نے سرور کی کی۔ اتنی دولت کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے ہو۔ اس لیتی کی زمینوں میں پورے شہر چھپا ہوا ہے۔ اور اس کے ذریعے جتنی دولت یہاں ایک ہمد میں حاصل کی جا سکتی ہے۔ اتنی دولت وہاں ایک ہمد میں مل سکتی ہے۔“

”اب سمجھی۔ زنگور نے ایک گہری سانس لی۔ ”فرض کرنا کہ وہ بھی لیتی پہنچ جاتی تو۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ لانی نے کہا۔ کیونکہ میرے تو سولہ کے پاس ہوتے اور روپا کے مطابق روپا اکی کے حصے میں آتی۔ اور اگر روپا کی طرف سے کوئی خطرہ

ہوتا تو لانی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔ جیسے وہ آگے بڑھ نہیں چاہتا ہو۔“

”بتاؤ نا آقا۔ زنگور نے کہہ کر لہجہ تم لہجے۔ بولتے خاموش ہو گئے۔“

”کیا بتاؤں۔“ لانی دھیرے سے بولا۔ دہلی مجھ پر دم کرے۔ مجھ پر بھی لالچ غالب آئی تھی۔ میں نے اور سولہ نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ روپا کو قاتل کر کے قتل کر دیا جائے۔ واپس وہ ہمیں بھی ہو سکتی تھی۔ موجود کی ہمارے ہمیشہ خطرہ کوئی رہتی۔ اسی لئے اسے رستے سے ہٹا دینا ہی بہتر تھا۔

•

نونا بہت دیر سے آئے کے سامنے کھڑا ہوا خود کو دیکھ کر جا رہا تھا۔

اس وقت اس نے ملائی رنگ کی ایک عبا پہن کر تھی جو اس کے سر سے ہر رنگ آ رہی تھی۔ آئے میں اپنے آپ کو دیکھنے کے بعد اس نے سمجھا کہ یہ ہر رنگی ہوئی اب اس کا اٹھائی اور واپس ہوسے اپنے ہونٹوں پر پھر میرے لنگا اس کے ہونٹ بھی اس کی عبا کی طرح لگا بی ہوئے تھے۔ اب اس کا واپس رکھ کر اس نے ہر ذوق کی کشش اٹھائی اور اپنے بدن پر پھر لنگا کر اس کے بعد اس نے نشی بھی واپس رکھ دی۔ اب وہ پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔ اس نے ایک ہار پھر تنہائی لنگا ہوں اسے آئے میں اپنا جائزہ لیا اور کچھ تھوڑا سا اس کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ کھلتے ہی ایک عورت تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ وہ ایک خوبصورت عورت تھی۔ اس کے نقش و نگار بہت تکیے تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں کے گرد ہرے ہوتے حلقے کے ظاہر کر رہے تھے کہ وہ بہت پریشان رہا کرتی ہے۔ نونا کو دیکھ کر اس نے اپنے تیلے ہونٹوں کو پھینچ لیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غور اور بے زاری سمٹ آئی تھی۔

”اب تم کچھتے ہوئے کہاں چل دیئے۔“ اس نے تلخ ہنر پوچھا۔ ”کیا کہیں اس حلقے میں خرم نہیں آئی۔؟“

”اے واہ۔ اس میں خرم کی کیا بات ہے۔؟“ نونا نے تال پاتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں کون سا کسی کے حق پر ڈاک ڈال رہی ہوں میں تو اپنی مرضی کی زندگی گزار رہی ہوں۔ تم کو ہونی ہو مجھے روکنے والی۔ جب دیکھو مجھے کوئی رہتی ہو۔ یہ مت کرو۔ وہ مت کرو۔ اے واہ میں کیا کسی کی تیز ہوں۔“

”میں تمہاری بیوی ہوں۔“ عورت نے کہا۔ اور مجھے پورا حق ہے کہ میں تمہیں روکتی رہوں۔ تمہیں احساس دلاؤں۔“

”کیسی بیوی۔“ نونا نے اپنے ہاتھ پائے۔ ”میں بھی عورت

تم بھی عورت۔ یہ دوی اور خورج میں کہاں سے آئے؟  
 "جہنم میں جاؤ" عورت نے جھلا کر اپنے پاؤں تلے اوڑھ لیا۔

نونا کچھ دیر تک الجھی ہوئی لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر ایک گہری سانس لے کر ڈانٹ لگ، روم کی طرف بڑھ گیا جہاں سوہن اور سوہن اس کے انتظار میں بیٹھے تھے وہ دونوں نونا کو دیکھتے ہی جلدی سے کھڑے ہوئے۔ نونا نے کہے کے وسط میں بڑبڑا کر اپنے بدن کو جھٹکا دیا اور کسی حد تک صریح طرح اپنا بالورالہ "باہیں بولیں کر لینا۔ پیسے بے توافقی میں کسی لنگی ہوئی بہت اچھا" سوہن نے جواب دیا۔ "وہاں کی کوئی بھی نہ دیکھو" روکی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ کے حق کی بات یہ تھی کہ وہ دیکھ کر جھٹکا کر دیا کہ میرا "نونا خوش ہوتا ہوا بولا" یہ یہی سب سننے کے لئے تو اتنے جتن کرتی ہوں۔ چلو بیٹھ جاؤ تم دونوں؟

اس کا حکم سنتے ہی سوہن اور سوہن جلدی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ جبکہ نونا ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا تھا۔

"ہاں۔ اب سناؤ کیا خبر لائے ہو؟" اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے سوہن مجھے پریشان کرنے والی خبر تو مرانا میرا دل آج ویسے ہی کھرا ہے؟"

"خبر تو ویسی ہے مالک" سوہن نے جواب دیا۔ "پورے والدہ کا کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے؟"

"اے۔ لعنت ہو تم دونوں پر" نونا غصے سے بولا۔ "میں پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ اس کو جلدی نہ دو۔ لیکن تم دونوں نے ایک نہیں سنی۔ اور اس کو باہت سے لنگل دیا۔ آخر اس پر تہہ بہرہ تم دونوں نے اتنا بڑا دھوکا کیا تھا۔ تم تو مجھے کہتے تھے کہ وہ ہمیں جا ہی نہیں سکتا۔ تمہاری ذہانت اسے کھینچ کر لے آئے گی۔ اب کہاں کی ذہانت۔ ارے میں نے بھی تمہارے کھینچے ہو اس سے کہہ دیا کہ وہ چلے جہاں بھی چلا جائے۔ ہمارے واپس لے آئیں گے اب کہاں سے واپس آئے گا وہ؟ کیا فائدہ ہوا اتنی محنت کرنے کا آخر لوگ اسے اتنی مشکل سے نکال کر لے گئے ہیں اور وہ چلا بھی گیا؟"

"بھری لوگ اسے واپس بھی لائیں گے مالک" سوہن نے کہا۔ "آپ بالکل بے فکر ہیں۔ ہم نے اس کی تلاش میں بہت سے آدمی بھیج دیئے ہیں۔ ہر اس جگہ اسے تلاش کیا جا رہا ہے جہاں ملے موجودگی کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ ہماری اطلاع کے مطابق وہ اپنی تنظیم میں بھی واپس نہیں گیا ہے وہ۔ وہاں جا بھی نہیں سکتا کیونکہ لانی اور مورالہ اسے جان

سے مروا دیں گے؟"

"ارے باپ رے؟" نونا نے صوفے پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ "یہ ماریٹ والی بات بہت غلط ہو گئی ہے۔ چلے کوئی بھی کرے۔ تم لوگ اس سے بہت دور رہتے ہیں؟"

"آپ کچھ کہتی ہیں مالک؟ ہم لوگ جو فوری معاملات میں ملوث نہیں ہوتے؟ سوہن بولا۔

دیکھو جیسا کہ ایک اور جیسا کہ ضرور۔ بات یہ ہے کہ اس ایسوی ایشن کو چلانے کے لئے ہمیں دوپوں کی ضرورت ہے تم تو جانتے ہی ہو کہ ہم نے آپ تک کتنی رقم خرچ کر دی ہے ملک بھر سے چالاک اور ذہین لوگوں کو لا کر بھیج رہے ہیں۔ انہوں کا بھی خرچ ہمیں ہی برداشت کرنی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ اس ایسوی ایشن کو کچھ ہو جائے۔ میری اس میں غمت بھی لگی ہے تم تو جلتے ہی ہو کہ میں نے تم لوگوں کے لئے کتنے زبردست امکانات کر رکھے ہیں۔ انہیں ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں گاڑیاں ہیں تمہارے پاس۔ رہنے کے لئے فلیٹ ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے خطرناک لوگ بھی ایسوی ایشن میں شامل ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم لوگ ماریٹ نہیں کیا کرتے لیکن اگر کوئی ہم پر حملہ کرے تو اس وقت دہلی لوگ ہمارے کام آسکتے ہیں۔ ہم نے ان لوگوں کو ہر قسم کے اسلحے دے رکھے ہیں۔ ہمارے پاس ہر وہ چیز ہے جو جدید قسم کی کسی تنظیم کو چلانے کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے اس ملک کے علاوہ باہر بھی اپنے چالاک بھی رکھے ہیں۔ تو ہمارے ہاتھ میں سب یوں ہی تو نہیں ہوتا نا۔ اس کے لئے تو سرمایہ چاہیے۔ اور سرمایہ کہاں سے آئے گا۔ آپ تم ہی بتاؤ۔ میں تو سمجھتی ہوں۔ میں تو بس تم لوگوں کے آمرے پر ہوں۔ مجھ کوئی ماری۔ یہ بھی کیا زندگی ہے؟"

"آپ بالکل بے فکر ہیں مالک؟ سوہن جلدی سے بولا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ کتنی مشکل سے اس تنظیم کو چلا رہی ہیں۔ لیکن یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے لئے ہمارے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن ہم جلدیوں کی انہیں بیٹھے ہیں، ہم بھی اپنا کام کر رہے ہیں۔ ہم نے دلاؤ کو چھوڑ کر دھوکے کی کئی ایجنسیاں بے وقوفی باقی نہیں رہے گی۔ ہم نے اپنی تنظیم کے ذہین ترین لوگوں کو اس کے پیچھے لگا دیا ہے۔ وہ ہماری لگاؤں سے اور جلدیوں سے کام لے سکتا ہے۔ ہر حال میں واپس لے آئیں گے۔ اور اس کا سرمایہ ہماری تنظیم کے کام آئے گا۔"

"اے۔ یہ بات ہوئی نا؟" نونا نے ہلک کر کہا۔ "میں تو جانتی تھی کہ میرے بھتیجا بہت کام کے ہیں۔ مجھے یہ یقین نہیں کہ میں گئے۔ خیر اب تم دونوں جاؤ۔ میں ذرا اپنے آدمی

سے ملوں گی؟"

سوہن اور سوہن نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر کھڑے ہو کر نونا سے اجازت طلب کی اور کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد نونا بھی اس کمرے سے باہر آگیا۔ اس کا رخ ایک کونڈو کی طرف تھا جس کے آخر میں ایک دروازہ دکھائی دے۔ ساتھ اس کونڈو میں وردی پوش ملازمین بھی تھے۔ جو نونا کو دیکھتے ہی خوب ہو گئے۔ نونا ان کی طرف دھیان دے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا۔ اس نے آخری دروازے کے پاس پہنچ کر اپنے ملازمین کی طرف دیکھا پھر ان دروازے کو کھول کر اندر گیا۔

اب وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں کھڑا تھا۔ اس کمرے کے وسط میں میز تھیں۔ کئی دوتی چھتیاں سجی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھوں میں بہت جدید انداز سے بنایا گیا تھا۔ اس کی جھت بہرہ دودھیا بلب لگے ہوئے تھے۔ جو ہر طرف ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی پھیلا رہے تھے۔ فائلے میں امرنگولہ پنکٹر کی ٹھنڈی گونج رہی تھی۔ اور خشکی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی ایک دلواریہ پاس شیشے کا ایک براس تابلو رکھا ہوا تھا۔ اور اسی تابلو کے اندر ایک نونا بند تھا۔ جس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے جسم پر نونا کی طرح گلابی رنگ کی ایک عبا تھی۔

وہ نونا ہی تھا۔ بیٹھے کے تابلو میں بند جس کی آنکھیں بند تھیں اور جس کے جسم پر ایک گلابی عبا تھی۔ نونا کچھ دیر تک تابلو کے سامنے کھڑا اپنے آپ کو دیکھتا رہا۔ دیکھنے کی آہٹ کو دیکھ رہا ہو پھر دوسرے دوسرے آگے بڑھا اور تابلو کے سامنے آگیا۔ اس کی نگاہیں تابلو میں بند نونا پر جمی ہوئی تھیں۔ پھر اس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا اور تابلو کے شیشے پر ہاتھ رکھنے لگا۔ دوسرے دوسرے دوسرے شیشے تک۔ جیسے تابلو کے اندر نونا کے پس کا لٹفت آ رہا ہو۔ کچھ دیر تک اس طرح کرنے کے بعد وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور تابلو کی طرف دیکھتے ہوئے بولنے لگا۔

"میں تو تمہارے سامنے آ کر شرمائے تھی، ہوں تم میرے مرد ہو۔ ارے میں ہی کہا۔ وہاں کی ہر عورت اپنے مرد کے سامنے اسی طرح شرمایا کرتی ہے۔ نہ تو انہیں لوگ اس بات کو کہیں انہیں سمجھتے خیر۔ میری بھاری بات تو مالک ہی ہے۔ دیکھو نا۔

میں کتنا مطمئن رہتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میرا دل مجھے دغا نہیں دے سکتا۔ وہ مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائے گا۔ کیونکہ میں نے اپنے مرد کو بند کر رکھا ہے۔ یہ تو میرا کمال ہونا نا۔ اب اس نے اپنے مرد کے پیچھے پیچھے اور صراحتاً ہر جا گیا ہے۔ اسی لیے مجھے یہ دیکھ کر ہنسنا ہے۔ بیٹھے کے لیے۔ ارے تمہارے بھی ہوس۔ بائیں یوں ہی ہیں۔ اسی لیے جا رہی ہوں۔ ادہاں۔ میں تو بے چارہ کی گئی کہ تم میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ تمہیں پسنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ لیکن اس سے کیا فائدہ ہے؟ ایس جیو کوئی ہوں۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو خاموش اور دوسرے کو پسنے والا ہونا چاہیے۔ سنئے ہیں اس طرح جوری بہت خوش و خرم رہتی ہے۔ اب بھاری کو دیکھو۔ یہ کتنی خوش ہوں۔ ہوں نا۔"

تہہ خلسے کی برہنجوں پر اس کو قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چونک کر مڑا۔ وہی خدمت آ رہی تھی جو اسے کمرے سے باہر لے گئی۔ اس عورت نے اس وقت بھی غصے سے اپنے ہاتھوں کو پیچھا کر رکھا تھا۔

"ادہاں بھول دتی؟" نونا سے دیکھ کر غصے سے بولا۔ "تم پھر یہاں آئیں۔ میں نے کتنی بار تمہیں سزا کی ہے کہ تمہارے خلسے میں مت آ کر دو۔"

"تمہارا پھر باگن کا دودھ پڑھا؟" بھول دتی نے اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"تم اسے باگن ہی مت کہو۔ بس باگن نہیں ہوں میری بات یہ ہے کہ تم میرے مرد سے جلتی ہو۔ تم نے انہیں دیکھ سکتیں کہ میں اس سے باتیں کرتی ہوں۔ تم نے دیکھ کر جلتے ہو گی۔ کیونکہ تم یہاں آئیں کیوں آگئے؟ انہیں! اسے یہ کیا مارے ملازمین سورہے ہیں کہ تم وہاں گئے۔ میں ایک ایک کی خبر لوں گی؟"

"میں بھاری بیوی ہوں اور مجھے یہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" بھول دتی نے کہا۔ "اور میں اس کی نہیں آئی ہوں۔ میرے ساتھ کچھ لوگ بھی آئے ہیں۔"

"خیر ہمارے یہاں کوئی لگا ہوا نا؟" نونا چپک کر لڑائیوں ایک ایک سے نبٹ لوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میرے خلاف کیا سچ رہتی ہو۔ ارے تم میری دھن ہو۔ جو؟"

بھول دتی چند لمحوں تک اداس لگا ہوں سے تو ناکی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے تہہ خلسے کی برہنجوں کی طرف مڑ کر آواز دی۔ "آجائیں آپ لوگ؟"

اس کی بات سننے ہی نونا چھل کر ایک طرف چلے بگا۔

میں پھول دتی نے اسے بڑھ کر اسے بچھڑایا۔ اس نے ٹوٹا لگی کر کے گرد اپنے دونوں ہاتھوں کا حلقہ بنالیا تھا۔ ٹوٹے شکر کرنا شروع کر رہا تھا۔ لیکن اسی دوران میں جیسوں سے اتر کر کچھ لوگ توہ خالے میں داخل ہو گئے اور انھوں نے ٹوٹا کو اپنے قابو میں کر لیا۔

اس وقت دلاور کا غلیہ ایسا ہور ہا تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی پہچان نہیں سکتا تھا۔

اس نے سیندر رنگ کی کڑوا دانی بوتلی وصولی پہن لی تھی جس کے اوپر کھٹ لگا ہوا ایک سفید کرتا تھا۔ اس کے ملنے پر تنگ لگا ہوا تھا اور گٹے میں مینہ بڑی تھی۔ ایسا محسوس ہور ہا تھا جیسے گٹے سے کوئی رنگاری برتن بھی کی بیر کے لیے آ رہا ہے۔ وہ اس وقت ایک ٹیسی میں بیٹھا تھا۔ یہ ٹیسی دلاور کی تھی اور وہی اسے چلا رہا تھا۔ جبکہ اس کی بیوی شیدا دلاور کے ساتھ یہی کھلی شست پہنچتی تھی۔ ان کا رخ ایک مضائقہ لہتی کی طرف تھا۔ اس بستی میں دلاور کو مارگ سے ملنا تھا۔ جس نے اس بستی میں شراب خانہ کھول رکھا تھا اور یہاں جو ابھی کھلوا یا جاتا۔ مارگ ان آدمیوں میں سے تھا جو بیویوں کے لیے اپنی ماڈل تک کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ دلاور جانتا تھا کہ مارگ اس کے لیے آدمیوں کی پڑی کھپ ہیا کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ انھیں معروضہ معقول دیا جائے۔

دلاور کو اس شہر میں اپنی نئی ساکھ جانے کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ اس نے اپنی باایسی مرتب کر لی تھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مارگ کے آدمیوں جیسے آدمیوں پر قبضہ کر کے ایک نئی تنظیم کی بنیاد ڈالے گا۔ اس کے لیے اس نے چھوٹے بیانیے پر کام کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس سے اس کی فہمی میں بھی اضافہ ہو جاتا اور اس کی دھاک بھی مٹی چلی جاتی۔ یہ سبچر وہ خود اپنی تنظیم پر ڈھیر سڑک کے معیانی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو جاتا اور ڈھیر سڑک سے بھر جاتا۔ اس کی باایسی اس کے اب تک کے اصولوں سے بالکل مختلف تھی۔ اس باایسی میں گھسیا دیے کی بد معاشی شامل ہو گئی تھی۔ دلاور کو اپنے وہ دن یاد رہتے تھے جب اس نے اس انداز سے اپنی نئی زندگی کی ابتدا کی تھی۔ اس وقت اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ سولے ایک ذہن کے۔ اور وہ دن اس کی بیوی شیدا کا تھا۔ جو زمانے میں کہا جاتا تھی۔ شیدا سے پہلے والی بیوی اسے بہت کم یاد آتی تھی۔ البتہ دونوں بیویوں کی باتوں سے کبھی کبھی بے چین کرتی تھیں۔ اس کے دونوں بیوی اب

بڑے ہو گئے ہوں گے۔ دلاور اور سلیم سلیم تو اس سے ملا بھی تھا۔ لیکن وہ زیادہ دنوں تک اس کے ساتھ نہیں رہا ہے۔ چھوڑ کر چلا گیا۔ جس طرح وہ اپنے دونوں بیویوں کو چھوڑ آیا تھا۔ وقت و دیر کے گال پر مارتے ہوئے ملے تھے اس دنیا میں واپس کر دیا تھا۔ وہ زیادہ اختلاف رکھتا تھا اور انسان جو فصل لوتا ہے وہ اس کو کاٹنا ہی بڑتی ہے۔ چاہے وہ فصل کٹنے سے لاکھ لاکھ کرنا رہے۔ کہیں بھی جھاگ جائے۔

دلاور نے جو کچھ کیا تھا اس کی سزا اسے اس طرح مل رہی تھی کہ پڑا یا وہ کبھی بھی اسے بے چین کر دیا کرتا تھا۔ ان دنوں کے آسب رات کی تمنائی میں اس کے چادوں طرف جمع ہو جاتے اور اسے پریشان کرتے تھے۔ وہ ان سے جاگ جانا چاہتا تھا لیکن یہ اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس نے ایک بار بہت تجبور ہو کر دونوں بیویوں کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہا تھا۔ وہ فٹ پا تھا۔ جیہی ویران ہو چکی تھی جہاں اس کی بیوی دلاور دونوں بچے بہا کرتے تھے۔ یہ بات بہت پرانی تھی۔ اور اسے دنوں کی بات کوں یاد کرتا ہے۔ شیدا کو دیکھ کر اسے سلیم یاد آتی تھی۔ وہ بھی اسی کی طرح ذہن اور غلط کرتی تھی۔ غور اگر چین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن بھی ہو تو وہ خود بخود ہی خطرناک ہو جاتا کرتی ہے۔ شیدا ابھی تو کچھ بھی نہیں تھی۔ جسے نہ تو پہچان کا ذمہ لے کا موقع ملتا تھا اور نہ ہی اس کی ذہانت سے فائدہ اٹھا لیا گیا تھا۔ لیکن دلاور جانتا تھا کہ اگر اسے موقع مل گیا تو یہ سب سے کم ثابت نہیں ہوگی۔

ایسی مارہ حاز والی تنظیم بنانے کا مشورہ بھی شیدا ہی نے دیا تھا۔ حالانکہ اس قسم کی حرکتیں دلاور کے مزاج کے خلاف تھیں لیکن وہ شیدا کے سلسلے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ مشورہ دینی ہوئی بہت بہت پر جوش معلوم ہو رہی تھی۔ اور اس کے اندر جوش نے اس کے دونوں گالوں کو انگاروں کی طرح دھکا دیا تھا۔ اور دلے دیتے ہوئے انگاروں سے نگاہیں ہٹا دینا تو بڑے دلاور کے بس کا روگ نہیں تھا۔ اس کی فہمی ہڈیوں میں شیدا کو دیکھ کر اس طرح حرارت سرسرتنے لگتی تھی جیسے کوئی آتش ہا دھیرے دھیرے لگھاتا ہوا اپنے غار سے باہر ہا ہو۔

کام کی ابتدا اس کے لیے دلاور نے ایک لاکھ روپے حاصل کر لیے تھے۔ یہ روپے اس نے اس طرح حاصل کیے تھے کہ خود شیدا اور دلاور کو بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔ وہ ان دونوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ وہ اسی طرح ہندو مدھن کا لباس پہن کر دلاور کے گھر سے باہر نکلا اور ایک گھنٹے کے بعد جب واپس آیا تو اس کے پاس ایک لاکھ کی رقم موجود تھی اس

نے ان دونوں کو بتایا ہی نہیں تھا کہ اس نے کتنی رقم کہاں سے حاصل کی ہے۔ اس کے خیال کے مطابق ان دونوں کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ انھیں آم کھانے سے مطلب تھا۔ پڑ گن کر کیا کرتے۔ اس نے ان دونوں میں سے نہیں ہزار روپے دلاور کو دے دیے تھے تاکہ وہ اپنے حق ادا کر دے۔ دس ہزار اس نے شیدا کو دے دیے تھے تاکہ وہ اپنے بے ضروری چیزیں خریدے اور باقی رقم اس نے اپنے پاس رکھ لی تھی۔

وہ دونوں مہیاں بیوی اس کے بہت احسان مند ہو رہے تھے۔ وہ بار بار شکر یہ ادا کرتے اور دلاور انھیں خاموش کر دیتا۔ لیکن اس کا دل چاہتا تھا کہ شیدا اسی طرح اس کا شکر یہ ادا کرتی رہے اور وہ اسے خاموش کرنا رہے۔ وہ اپنے احسان کا بدلہ چاہتا ہے۔ اور دلاور کے خیال میں اس احسان کا بدلہ یہ تھا کہ وہ شیدا کے شاداب جسم کی شادابی کو اپنے اور گوندلانا ہو محسوس کرنا ہے۔ اس کے لیے یہی بہت تھا۔ شادابی شادابی اس کے حتمے میں اس سے کبھی نہیں آتی تھی۔ گاڑی کے رکتے، اس ہی کے خیالات کی رونق ملنے ہو گئی۔ وہ لوگ ہنس باڑی پہنچ چکے تھے۔ یہ وہی بستی تھی جہاں مارگ نے اپنا آؤہ قائم کیا ہوا تھا۔

”متر یہ ہمارے دلاور نے کہا۔“ ہنس باڑی اچھی ہے۔“

”میرا خیال ہے شیدا کو تم واپس مل جائے۔“ دلاور شیدا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم لوگ کسی اچھی جگہ نہیں جا رہے۔ یہاں غلط قسم کے لوگ ہی ہوں گے۔“

”جیسی آپ کی مرضی۔“ شیدا کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ”میں تو آپ کا ساتھ دینے کے لیے آئی تھی۔ اور مجھے یہ اطمینان ہے کہ جب تک آپ میں گئے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن جب آپ ہی کہہ رہے ہیں تو میں واپس ہو جاتی ہوں۔ گھر وہ آپ لوگوں کا انتظار کرتی رہوں گی۔“

دلاور کا سینہ دھڑکنے لگا۔ بڑھ گیا شیدا نے اس پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ اس نے یہ بتا دیا تھا کہ وہ دلاور پر بھروسہ کر کے لگے ہے۔ اسے اپنا محافظ بن گئی ہے۔ اور ایک مرے کے لیے اس سے بڑی بات اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ کوئی عورت اسے اس طرح اپنا محافظ بنال کرے اور وہ اس کی محافظت سے انکار کرے۔

ایسا کر مارگ کی توہین ہے۔ اور دلاور شیدا کے سلسلے اپنی توہین نہیں چاہتا تھا۔

شیدائے اس کی طرف دیکھ کر اپنی خوبصورت گردن ہلا دی۔ وہ تینوں گاڑی سے اتر آئے۔ یہ ایک بس ماندہ بستی تھی اور یہاں کے لوگ بھی مٹسی کی وجہ سے بس ماندہ ہو چکے تھے۔ ان لوگوں نے اس بستی میں جنم لیا تھا اور وہیں کی بدبودار فضاؤں میں پرورش پائی تھی۔ مٹسی یا تو انسان کو بھگا دیتی ہے یا پھر سرکش بنا دیتی ہے۔ اس بستی کے لوگ بھی تنگ آ کر سرکش ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے یہاں کے ہر دوسرے گھر میں ناجائز شراب کشید کی جاتی تھی۔ یا گھنگناک مال کھانا جاتا تھا۔ یا غنیمت جو جو ہوتی تھیں یا پھر چھنے خالے قائم تھے اور ان مٹیوں کی سرداری مارگ کے ہاتھوں میں تھی۔ وہ گویا اس بستی کا بے تاج بادشاہ تھا۔

ان لوگوں کو بستی میں دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں اٹھ گئیں۔ کچھ لوگ ان آئینوں کو جھرت سے دیکھنے لگے جبکہ کچھ لوگوں نے بہت دھڑکی سے دیکھا تھا اور کچھ لوگوں میں نفرت اور ہزاری لگتی۔ دلاور کو احساس ہو گیا تھا کہ نفرت اور بزاری اس کے اور دلاور کے لیے تھی جبکہ دوسری شیدا کے لیے۔ لیکن موقع ان لوگوں پر دھیان دینے کا نہیں تھا۔ اس کے پاس اسی ہزار روپے تھے اور وہ ان دونوں سے بہت بڑا ڈاؤ پیٹلے آیا تھا۔ اس کے اندر کا سازش اور خطرناک انسان اب پوری طرح بھرا ہو چکا تھا۔ اس نے مارگ کو اس بستی سے ہٹا دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔

اُسے ایک لوحان دکھائی دے گیا۔ وہ لوحان کسرتی بنا کا تھا۔ اس نے بیجان اور بستی پہن سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بہت شاندار تھیں۔ وہ اس وقت ایک چھوٹے سے پرچھا ہوا ایک نانی سے اپنا شیڈو بنوا رہا تھا۔ نانی اسے سے بڑن کو سستے سے حمان میں لے کر اس کے گھر سے بڑھ رہا تھا اور ایک اترے سے اس کا شیڈو کوٹنے لگا۔ ان دونوں کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی اس لیے نانی کے ہاتھ ترک ترک کہل رہے تھے۔ وہ دونوں کسی بات پر ہنس بھی پڑے تھے۔

”دیکھو۔“ اس آدمی کی طرف جا رہا ہوں۔“ دلاور نے اس لوحان کی طرف اشارہ کر کے دلاور اور شیدا کو بتایا کہ لوگ میری ہاں میں ہاں ملاتے جاتا۔ اس وقت زیادہ باتیں بھانے کا موقع نہیں ہے۔ سمجھ گئے۔“

”آپ بے خبر میں ہمارا ج۔“ میں وہی کروں گا جو آپ کہیں گے۔ دلاور جلدی سے بولا۔ اس کام میں تو بے خبری مرانا لگتا ہے۔“

دلاور مسکراتے ہوئے اس چھوٹے سے طرف بڑھنے لگا۔

جیکہ شیدا اور دلراج اس کے پیچھے تھے۔ ان لوگوں کو کتنے ہرے  
 وچکے کرناٹے لپٹا ہاتھ روک لیا۔ فوج ان بھی ان لوگوں کی  
 طرف دیکھنے لگا تھا۔ شیدا کو دیکھ کر دوسروں کی طرح اس کی آنکھیں  
 بھی دھپکی سے پھٹنے لگی تھیں۔ دلاور چوڑے کے پاس پہنچ گیا۔  
 "فسکار" اس نے ہندوؤں کے انداز میں نائی اولہ چون  
 کی طرف رخ کر کے اپنے ہاتھ جوڑے۔ "ہم لوگ اس بستی میں  
 اجنبی ہیں۔ آپ سے سہانا چاہتے ہیں۔"  
 "ہاں۔ ہاں ضرور، فوج ان ہنگامہ کر لولا۔ دیکھا کہ آپ؟" اس  
 کی نگاہیں شیدا پر پڑی ہوئی تھیں۔  
 "دیکھا اس بستی میں مارگ نام کا کوئی آدمی رہتا ہے؟" دلاور  
 نے پوچھا۔ "میں ایسی بستی کا پتہ بتا رہا تھا۔"  
 "مارگ؟" وہ فوج ان اور نائی دونوں ہی چوک بڑے  
 اعموں نے ایک دو مرتبہ کو معنی خیز لگا ہوں سے بھی دیکھا تھا۔  
 "کہا کہ مارگ مارگ سے ہمارے؟" فوج ان نے پوچھا۔  
 "اس کے چتر میں تو بہت سے لوگ یہاں آتے رہتے ہیں؟"  
 "ہر سب بچے تو نہیں معلوم، لیکن بزرگ معاملہ کچھ اور ہے؟"  
 دلاور نے کہا۔ "تم یہ بتا دو کہ وہ اس بستی میں رہتا ہے یا نہیں؟"  
 "ہاں رہتا تو ایسی بستی میں ہے؟" فوج ان نے جواب دیا۔  
 "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم لوگ کسی اور مارگ کو تلاش کرتے ہو۔"  
 "اس کا تجھ کو کیا ہے؟"  
 دلاور کو مارگ کا تجلیہ دیا تھا۔ اس نے جلدی سے اس  
 کا تجلیہ تبادلا۔ "کالا اور بہت طاقتور آدمی ہے۔ اس نے مارگ  
 "ہاں۔ یہ تو وہی مارگ ہے آئندہ، نائی نے فوج ان سے  
 کہا۔ اس فوج ان کا نام آئندہ تھا۔  
 "تھک ہے میں نہیں اس کا پتہ بتا دیتا ہوں؟" فوج ان  
 آئندہ ایک گہری سانس لے کر لولا۔ لیکن دلاور نے کچھ کرنا  
 خاص کر اس ناری کو وہاں مت لے جاؤ۔ اس نے شیدا کی طرف  
 اشارہ کیا۔ "وہ حادی اس لڑکی کو اس طرح غائب کر دے گا کہ  
 بھر دھونڈتے ہی رہ جاؤ گے۔"  
 دلاور دل ہی دل میں ہنگامہ کر لیا۔ اس کا کام یہ تھا کہ  
 فوج ان کے لیے اس کی بات سے اعانہ ہو گیا تھا کہ مارگ  
 کے خلاف ہے۔ اور دلاور کو ایسے ہی کسی آدمی کی ضرورت تھی۔  
 یہ فوج ان اس کے کام آسکتا تھا۔ آئندہ کی بات سن کر اس نے  
 ایسا ظاہر کیا جیسے اسے مارگ کے بارے میں یہ سب سن کر  
 بہت حیرت ہوئی ہے۔  
 "فوج ان۔" اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد فوج ان کی  
 طرف دیکھا۔ "تم ذرا ایک طرف تو آنا۔ تم سے ضروری باتیں  
 کرنی ہیں۔"

اس ہندو نائی پر فوج ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ اٹھی۔  
 جبکہ نائی کچھ مایوس ہو گیا تھا۔  
 "ہلے بھونڈو؟" آئندہ نے نائی سے کہا۔ "جلدی سے اپنا  
 کام پورا کر۔ سالہا ادا کام کے چوڑے رہتا ہے؟"  
 نائی نے جری بے دلی سے آئندہ کا بتو بانیو مکمل کر دیا۔  
 آئندہ نے اس کے ہاتھ پر ایک روپیہ کا ٹوٹا رکھا اور اپنے  
 گالوں کو مسلاتا ہوا دھڑکے پاس آگیا۔ اس دوران وہ لوگ  
 چوڑے سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑے ہو گئے۔  
 "ہاں اب بتاؤ ہمارے؟" آئندہ نے قریب پہنچ کر پوچھا۔  
 "کیا مسئلہ ہے؟ تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"  
 "بات یہ ہے بھائی کہ تم لوگ بنارس سے آئے ہیں لہذا  
 نے کہا۔ ہم کو تو یہاں آگیا۔ یہ سب بنانے کی ضرورت نہیں  
 ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ مارگ نے اس لڑکی کی خونت خراب کرنے  
 کی کوشش کی تھی۔ لیکن بھگوان کی کرپا سے یہ نہ گئی۔ میں ایک  
 معزز آدمی ہوں۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ ایک بستی میں رہنے والے  
 ایک آدمی مارگ نے اس ناری کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا تو  
 میں نے سوچا کہ بات بڑھانے کی بجائے کیوں نہ ان دونوں کا  
 بہاد کر دیا جائے۔ اس طرح بات بھی سمجھی رہے گی اور ہمارا بھی  
 بھی ہلکا ہو جائے گا۔ بس یہی وجہ اسے کہ ہم یہاں تک آئے  
 ہیں۔"  
 "اچھا؟" آئندہ نے اس بار بڑی گہری نگاہوں سے شیدا کی  
 طرف دیکھا۔ جبکہ شیدا اس کی نگاہوں کی آہٹ محسوس کر کے ہنگامہ  
 لگتی تھی۔ دلراج سب سن کر بھی خاموش رہا تھا۔  
 "میری مائیں تو آپ لوگ مارگ کے چتر میں نہیں ہیں؟"  
 آئندہ نے کہا۔ وہ ایک درجہ کا بدعاش آدمی ہے۔ مجھے معلوم  
 ہے کہ اس نے کماری جی کو شادی کرنے کا لالچ دیا ہو گا؟"  
 "ہاں۔ ہاں۔ ایسا ہی ہوا تھا؟" دلاور نے جلدی سے  
 گردن ہلا دی۔ "کیوں شیدا؟ یہی بات تھی نا۔"  
 "جی نہیں بات تھی؟" شیدا نے دھیرے سے جواب دیا۔  
 بھی اس کے بہکانے میں آگئی تھی۔ لیکن مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ  
 ایسا آدمی ثابت ہو گا۔  
 "وہ ایسا ہی آدمی ہے کماری جی۔ اول درجہ کا بدعاش  
 یہ تو مجھے معلوم ہے کہ اس نے نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اس طرح  
 بیوقوف بنایا ہے۔ وہ تو ہر گھوڑے کی خونت ابھی تک تم کو اس  
 کے ہاتھوں سے پہنچ نہیں دیتا۔ وہ تم جیسی خوبصورت لڑکیوں  
 کو شادی کا لالچ دے کر لہروں کے ہاتھ بیچ دیا کرتا ہے۔  
 وہ شراب پیتا ہے۔ جوا کھاتا ہے۔ اب میں تم لوگوں کو کیا  
 بتاؤں کہ وہ کتنا بدنام آدمی ہے۔ نہ جانے کتنی بار حوالا جا

چکا ہے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ تم جیسی اچھی اور بھد دار لڑکی اس  
 سے چنگل میں کس طرح پھنس گئی تھی؟"  
 "بس جی اس کی قسمت خراب تھی، اور کیا ہوا جاسکتا ہے؟"  
 دلاور نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ بچہ بھی اچھا ہوا کہ تم سے  
 اس کا کچھ چٹا پتہ نہ لگا۔ اب میں اس کو بھی اس کے پاس جانے  
 نہیں دلاؤں گا۔"  
 "یہ تو آپ بہت اچھا کر رہے ہمارے؟" آئندہ نے کہا۔  
 "میں کہنے آدمی کے پاس نہ جانے میں آپ سب کو خطرہ ہے؟"  
 "لیکن میں اب اس طرح واپس بھی نہیں جاؤں گا۔ دلاور  
 غرتے ہوئے لولا۔ دیکھو فوج ان۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو  
 اور کس مزاج کے آدمی ہو لیکن نہ جانے کیوں تنہا رہا میں  
 من کر رہا ہوں کہ تم کو جی چاہتا ہے۔ اب اسے میں نہیں  
 بتاؤں گا۔ کوئی بھیجک محسوس نہیں کرتا کہ میں نے یہ سوچنا  
 آجائے تھی کہ اگر مارگ نے اس لڑکی کو دھوکہ دینے کی کوشش  
 کی تو اسے مزادینے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ تاکہ آئندہ سے  
 وہ کسی کی عزت سے ٹھیکے سے پانا جائے۔ اور یہ اچھا ہوا کہ  
 تم سے اس کے پاس میں بہت سی باتیں معلوم ہو گئیں۔ اس  
 کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے دھوکہ ہی دیا ہے۔"  
 "آپ اسے کیا سزا دیں گے ہمارے؟" آئندہ سکا دیا۔  
 "وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ اس کے ساتھ بدعاشوں کی  
 پوری ایک فوج موجود ہے۔"  
 "میں سمجھ گیا ہوں۔ لیکن مجھے تم یہی ہے کہ فوج ان مل جاتے  
 تو اس کی بدعاشی ختم کر سکتا ہوں۔ میں ایسے آدمیوں کو  
 چھوڑ دینے کا قائل نہیں ہوں۔"  
 "بہت مشکل ہے ہمارے۔ میں خود بہت دلوں سے اس  
 کے پیچھے پڑا ہوا ہوں۔ لیکن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔ اصل  
 طاقت تو یہیوں میں ہوتی ہے۔ اگر میرے پاس پیسے ہوتے  
 تو میں خود ہی بدعاشوں کی ٹیم بنا کر اس کی ایسی کی ایسی دیتا  
 لیکن کیا کروں؟" بھونڈو ہوں۔ ہاتھ مل کر رہ جاتا ہوں؟"  
 "اچھا؟" دلاور نے پوچھا۔ "اگر تمہارا گھر کہاں ہے؟" دلاور نے پوچھا۔  
 "وہ سلسلے؟" آئندہ نے ایک گہری طرف اشارہ کیا۔ اس  
 کا وہ گھر مرگ کے کنارے ہی تھا۔ یہ ایک مندر لالائیں میں  
 بنا ہوا ایک مکان تھا۔  
 "تم اپنے نام سے اس مکان میں جوئے کا وہ قائم کرو؟"  
 دلاور نے کہا۔ "وہ تو ہوا ہی کاٹ سکتا ہے۔ میں تو یہی جانتا  
 ہوں کہ بڑی کا مقابلہ تمہاری سے یہی کیا جاسکتا ہے۔"  
 "یہ بہت مشکل ہے۔ اقدہ قائم کرنے کے لیے آدمیوں کی  
 ضرورت ہوگی۔ اور میں آدمی کہاں سے لاؤں گا؟"

"میں نہیں اس کا کام کے لیے نہیں ہزار روپے دے رہا  
 ہوں۔" دلاور نے کہا۔  
 "میں ہزار روپے آئندہ کے ہونٹ کا پیسے لے۔ روٹیوں کا پیسہ  
 کر اس کے انداز میں بدل دے گا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ہزار روپے  
 اس کے انداز میں احترام پیدا ہو گیا تھا۔  
 "میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ آپ کو یہی کرنی ہے جو ان چتر  
 لوہا میں کرنے پر حاصل کر لو۔ اب تم اس بستی پر راج کر گئے  
 اس مارگ کا زمانہ نہ رہا۔ کچھ۔"  
 "اسے تم لوگ کچھ کر کے بے کیوں چلاؤ تھے؟"  
 یہ بات ایک ہونٹ کے مالک نے فوج ان کی ایک گیم کو مخاطب  
 کرتے ہوئے کہی تھی۔  
 اس گیم میں ہاتھ بیتی تھے۔ دو لڑکیاں اوڑھتی لڑکی۔ ان  
 کے بال بے تماشا ہرے ہوتے تھے۔ ہر ایک کے چہرے ادا تھا  
 ہاڈن ہر میں کی تھیں جی ہوتی تھیں۔ ان کے بدن سے دلدلو  
 آٹھ لڑکی تھیں، لباس جنوں رہا تھا۔ ایک فوج ان نے ایک گیم  
 بھی اٹھا رکھا تھا۔ جبکہ دوسروں کے پاس سفری پٹیلے تھے جو ان  
 کی پشت سے چپکے ہوئے تھے۔ ان میں آدمیوں میں ایک اور  
 بھی تھا۔ اس کا تجلیہ بھی دوسروں سے مختلف نہیں تھا۔ اسے  
 دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کون ہے؟"  
 اس وقت وہ ہتھوں کی ایک ٹیم کے ساتھ اس ہونٹ  
 میں موجود تھا جس کا مالک ایک ایسا شخص تھا جو اسے  
 فوج ان سے الگ رکھا دیکھا تو دے رہا تھا۔  
 "اسے تم کہا بات لوتنا ہے؟" ان سے ایک نے ہونٹ  
 کے مالک سے کہا۔ "تمہارا کوئی دماغ تو اب نہیں خراب ہے۔ ہم  
 لوگ تمہارے ہونٹ میں کھانے پینے کے لیے آ رہے اور تم ایسی بات  
 کرتا ہے۔"  
 "بھلے روکنا دکھاؤ۔" مونا لولا۔ اس سے پہلے تم لوگوں  
 کو پیچھے بھی نہیں دے گا۔ جاگوئے لوے گا تو اچھی تم لوگوں  
 کو باری باری اٹھا کر یہاں سے باہر ٹھیک دے گا۔"  
 "ہم لوگ تمہارے کسی جاگوئے نہیں ڈرتا۔" دوسرے ہونٹ  
 نے کہا۔ "چلو اس کو بھی ہلا کر دیکھ لو۔"  
 "اسے جاگوئے؟" ہونٹ کے مالک نے باورچی خانے کی  
 طرف دیکھتے ہوئے آواز لگائی۔ "ذرا باہر اگر ان مایوں کو کچھ  
 تو ہے۔"  
 کچن کے دروازے سے ایک مونا تازہ آدمی برآمد ہوا  
 اپنے جئے اور صورت، ہی سے خطرناک معلوم ہو رہا تھا۔ اسے  
 دیکھ کر وہ لڑکیاں سمٹ کر ایک طرف کھڑی ہو گئیں۔ جبکہ



داد کو بھی ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے پہلے ان دونوں کے لیے چھوڑ دیا تھا۔

”جو تم لوگ بیٹھا ہے“ جاگو ان دونوں بیٹوں کے سامنے اگر کھڑا ہو گیا تو وہ ابھی چکر چرے کی طرح ٹھکڑا ہو گا۔ ان دونوں کو شاید لڑکیوں کے سامنے اپنی بیٹی کا رہا نہیں تھی۔ اس لیے ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ تھام دیا لیکن اس گھونے کا اس قوی پرکشی شخص پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کسی چٹان پر کسی پتھر کے ٹکے ہاتھ نے گھونسہ رید کر رکھا ہو۔ البتہ اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب سی مسکراہٹ ابھرائی اور اس نے اچانک اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا کر گھونسہ مارنے والے شخص کا گریبان پکڑ کر اسے آگے کی طرف جھٹکا دیا۔ اس نے جھٹکا دیتے ہی گریبان چھوڑ دیا تھا۔ اس جھٹکے سے وہ ہڑ ہڑا کر آگے کی طرف جھٹکا اس کے ساتھ ہی جا گھونے اس کی پشت پر وہ تتر بید کر دیا۔ اس کا یہ دور تر اس کے لیے قیامت ثابت ہوا تھا۔ وہ اوہ کی آواز کے ساتھ ڈکڑاتا ہوا فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اور ابھی وہ دلوری طرح گرے ہی نہیں پایا تھا کہ جاگو نے اس کے برابر کھڑے ہوئے وہ سر سے پٹی کے جڑے پر ایک گھونسہ رید کر دیا۔ گھونسہ کھانے ہی ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی فٹ بال زبردست ٹھوکر کے ساتھ اڑتا ہوا میزوں سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ شخص میزوں سے ٹکراتا ہوا میزوں کو ساتھ بلے ہوئے دوسری طرف اڑا گیا تھا۔

اسی طرح لڑکیاں بڑی طرح چیخنے لگیں۔ ہوتا مانگ نہ دے زور سے نہیں رہا تھا اور جس شخص کو جاگو نے گھونسہ رید کر رکھا تھا وہ میزوں سے ٹکرا کر گرنے کے بعد شام بدیم ہوش ہو چکا تھا جبکہ دوسرا ابھی تک ہوش میں تھا لیکن اس سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا اس کے منہ سے یہ رہ کر کہہ نکلتی اور وہ تڑپتے لگتا۔ ان دونوں سے مطمئن ہو کر جاگو اچانک داد کی طرف چھپتے پڑا۔

داد کو اس معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اس شخص سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن اس دوران جاگو اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ داد اس کی طاقت اور برق رفتاری دیکھ چکا تھا۔ اس لیے وہ آگے سے خود پر حملہ کرنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ جاگو نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور داد نے جھٹکا کر کے اس کے پیٹ پر ایک گھونسہ رید کر دیا۔ اس گھونسہ نے جاگو کا چہرہ مسکرا دیا۔ وہ دیکھ کر شہت سے اس کی آنکھیں باز کر لیں۔ وہ لڑکھاکر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن اس نے خود کو سنبھالنے میں وہ نہیں لگا رہی تھی سنبھلتے ہی وہ ڈکڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے داد کے سینے

پر ایک ٹک رید کر دی۔ یہ ٹک اس نے اپنی تیز رفتاری رید کر کئی کراہو کھینچنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ٹک نے اسے کئی قدم پیچھے دھکیل دیا۔

جاگو کو اس وار سے شہل مل گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر ڈکڑاتا ہوا آگے بڑھا اور ایک وقت اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس نے داد کے دونوں شانوں پر کھڑے داردار کے بارے میں دو طرفہ وار بہت خطرناک ہو سکتا تھا۔ لیکن داد اس کے بارے میں خود کو تیار کر چکا تھا۔ جاگو نے داردار اور داد کے پیچھے ہٹ کر برقی رفتاری کے ساتھ اس کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اسی برقی رفتاری کے ساتھ آگے کی طرف جھٹکا دے دیا۔ یہ بالکل وہی داؤ تھا جو جاگو نے پہلے اپنی کے ساتھ کیا تھا۔

جاگو جھٹکا کھا کر آگے کی طرف بڑھا اور داد نے اس کی پشت پر ایک زوردار ٹھوکر رید کر دی۔ یہ ٹھوکر جاگو کے لیے حقیقی ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس جھونک میں دوڑتا ہوا سامنے والی دیوار سے جا کر ٹکرا گیا۔ دیوار کے ساتھ اس کے ٹھونسنے کا منظر بھی بہت خوفناک تھا۔ وہ آہنی زور سے ٹکرایا تھا اس کا سر پھٹ گیا تھا۔ اور پیچھے ہوئے سر سے جھل جھل خون بہنے لگا تھا۔ اس کے فرش پر ڈھیر ہوئے ہی سوئے مالک نے زور زور سے چلاتا شروع کر دیا۔ اس کی بیٹیچہ دیکھ کر ایک ممال بانہہ دے رہا تھا۔ اس کے شور نے دونوں لڑکیوں کو بھی حرکت دی اور وہ بھی شور کرنے لگیں۔

داد کے لیے اب اس ہوش میں ٹھہرنا بیکار تھا۔ اس نے ایک جست لگائی اور داد نے اسے باز کر لیا۔ ہارے کچھ لوگ اس شور کو سن کر ہوش کی طرف آئے لیکن انہوں نے داد کو بڑی جرات سے دیکھا اور ایک طرف ہٹ گئے۔

داد اس کے درمیان سے نکلتا ہوا چلا گیا۔ اس نے ہوش کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

یہی تیز رفتاری تھی۔ لیکن یہ بھونکی زنگاری تھی جبکہ بالکل اسی قسم کی کوئی اور بھونکی یہاں سے بہت دور نیپال کی کسی وادی میں ہو جوتھی۔

یہاں داد کا اناٹا منصوبہ کا ایک حصہ تھا جو وہ ہالی نے اس کے لیے تیار کیا تھا۔

داد دھالی سے شخصت ہو کر عدل کے فیث میں آگیا تھا۔ یہاں ابھی تک عدل اور سلیم کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ اس نے زنگار کی طرف بھی جا کر دیکھ لیا لیکن وہ بھی ابھی تک سو مالی اولانی کے بارے میں کچھ معلوم کر کے واپس نہیں آگیا تھا۔ ولاد بھی غائب ہو چکا تھا اور اب داد کے لیے یہی رہ گیا تھا کہ وہ روپالی کی طرف سے کسی خبر کا انتظار

رہتا رہے۔ روپالی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ دو چار دنوں میں ہی عدل اور سلیم کے متعلق کچھ معلوم کر کے بتا دے گی۔ چار دنوں کے بعد روپالی نے شیوہ کے درپے آئے پھر اپنے پاس طلب کر لیا تھا۔

”تمہارے دونوں آدمیوں کا پتہ چل گیا ہے۔ داد کا وہ اس نے کہا۔ اور اتفاق سے وہ دونوں اس وقت نیپال میں ہیں۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔“ داد کا لہجہ کڑوا تھا۔ انہیں نیپال جانے کی کیا ضرورت پڑتی ہے؟“

”وہ خود سے نہیں گئے بلکہ لے جانے گئے ہیں۔“ روپالی نے بتایا۔ ”ایک گروہ ان دونوں کو اغوا کر کے نیپال لے گیا ہے۔“

”یہ کہو کہ تمہیں نیپال کے لیے ایسی داستان سنار ہی ہو۔“ داد نے تلخ ہنر کر کہا۔

”میں جانتی تھی کہ تمہارے ذہن میں یہی بات آئے گی۔“ روپالی نے ایک گہری سانس لی۔ لیکن بھروسہ میں نہیں کچھ ثبوت دکھائی ہوں۔“ انہیں خود یقین آجائے گا۔“

اس نے پہلے کی طرح اپنے صبر کے لیے بھرتی ہوئی گھنٹی پرانے لنگی کر دی۔ کچھ دیر بعد ایک آدمی صوبہ انداز میں کمرے میں داخل ہو گیا۔

”ہمارے یہ کہو کہ وہ داد کے آدمیوں کی فائل پہنچا ہے۔“ روپالی نے ہدایت دی۔

وہ آدمی سر جھٹکا کر کے باہر چلا گیا۔ اس کے چلنے اور سلام کے آنے تک ممکن خاموشی رہی تھی۔ ہلام ایک بیڑ عمر کا آدمی ثابت ہوا تھا۔ وہ ایک گھٹے ہونے بدن کا آدمی تھا اور اس کے سر پر ایک بال بھی نہیں تھا۔ اس کی جگہ کی طرح ہلکے رنگ کی تھی۔ اس کے پیچھے کے ساتھ ایک خاص بات یہ تھی کہ اس کی دونوں ہاتھوں میں اس کی آنکھیں جڑا کر اور ان جڑی ہوئی ہاتھوں کے نیچے اس کی آنکھیں جڑا کر کی طرح روشن تھیں۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک فائل لے رکھی تھی۔ اس نے وہ فائل بڑے ادب کے ساتھ روپالی کے آگے پیش کر دی۔

روپالی نے وہ فائل داد کی طرف بڑھادی۔ ”تم خود دیکھ سکتے ہو۔ اس میں ان دونوں کے بارے میں ثبوت ہے۔“

داد نے بڑی بے تابی سے اس کے ہاتھ سے فائل لے لی۔ فائل کے پہلے ہی صفحے پر وہ تصویر مل گئی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں سلیم اور عدل کی تھیں۔ وہ دونوں ایک ایسے

ہوش میں بیٹھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے جس کی دیواری لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔ ان کے ارد گرد کچھ ایسے لوگ تھے جو صورت سے نیپالی دکھائی دے رہے تھے۔ سلیم اور عدل ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ تصویر اس زائے سے اتاری گئی تھی کہ وہ لڑکیں بنی ہوئی تھیں اور کھڑکی سے باہر کا منظر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ کھڑکی سے باہر ایک پہاڑی کا کچھ حصہ نظر آ رہا تھا۔

اس تصویر کو دیکھ کر بڑی آسانی کے ساتھ یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ تصویر ہندوستان کے کسی علاقے کی نہیں ہے۔ اس تصویر پر کارپس منظر نیپال کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ داد کی دیر تک اس تصویر کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے وہ فائل نیپال کو واپس کر دی۔ اس فائل میں اس تصویر کے علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔

اس تصویر کو دیکھنے کے بعد بھی کچھ یقین نہیں آ رہا ہے۔“ داد نے کہا۔ ”یہ دونوں جو ہے نہیں کہ انہیں اس طرح سے ہندوستان سے اٹھا کر نیپال لے جایا گیا ہے۔ اور انہیں ایک ہوش میں کھانے پینے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور وہ دونوں ہوش میں آنا دہرنے کے باوجود ہاتھ پر ہاتھ دھر بیٹھے ہیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”بہت آسان بات ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ دونوں اپنے ہوش میں ہیں۔“ روپالی مسکراتی ہوئی بولی۔

”کیا مطلب ہے؟“ داد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یکہا کہہ رہی ہو؟ کیا یہ دونوں اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔“

”نہیں۔ انہیں ایک خاص قسم کی دوا استعمال کرانی گئی ہے جس کی وجہ سے ان کے دماغ وقتی طور پر مفلوج ہو گئے ہیں۔ اس کے علاوہ انہیں ہیروئن کا عادی بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ دھیرے دھیرے یہ مفلوج ہو کر رہ جائیں اور ان لوگوں کے اشارے پر چلتے رہیں جنہوں نے انہیں اغوا کیا ہے۔ تم یقین کر دو۔ ابھی سے ان لوگوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ یہ حکم کے بندے بن کر رہ گئے ہیں۔“

”انہیں یہ سب کیسے معلوم ہو گیا؟“ داد نے بے چین ہو کر پوچھا۔ ان لوگوں نے سلیم اور عدل کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ وہ کیا چاہتے ہیں؟ پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ تم ہی لوگوں نے کیا ہو۔“

”میں نے تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانا۔“ روپالی نے کہا۔ ”کیونکہ تمہارا شک درست ہے۔ تم شاید یہی سمجھتے ہو کہ کہیں انہیں نیپال پہنچانے کے لیے ایسی حرکت کر رہی ہوں۔“

لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے تمھارے کہنے پر دودھ تو دلوں کے چیلنے معلوم کر کے آدھی دن دلوں کی تلاش میں بیچھ دئے۔ نہ چلنے کیوں میرا خیال تھا کہ وہ دلوں میں بیٹھال میں نہ ہوں؟

”یہ خیال تمھارے ذہن میں کس طرح آیا؟“ داور نے پوچھا۔

”آدمی اگر سوچے کچھ کی صلاحیت سے کام لے اور داور دوچار کی طرح حقائق کو سمجھ کر سہرا سے منہ منہ سے مل پھلتے ہیں۔“ روپالی نے کہا۔ ”موت حال یہ ہے کہ یہاں میرے بہت سے آدمیوں کو معلوم ہے کہ میں تمھان کے ہیروں کے سلسلے میں کوئی کام لینے والی ہوں۔ دوسری طرف موجودہ سردار یہ نہیں چاہے گا کہ کوئی شخص اس قسم کی حرکت کرے۔ اس لیے اس کے نزدیک بہتر یہی ہوگا کہ وہ خطے کو کتنی تک پہنچنے ہی نہ دے بلکہ رستے میں روک لے۔ ممکن ہے کہ ہمارے آدمیوں میں کوئی سردار کا آدمی بھی شامل ہو۔ اس نے یہ بات سردار تک پہنچا دی ہو۔ اور سردار نے بھی فیصلہ کیا ہو کہ تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے تمھارے بھائی اور دوست کو اغوا کر لیا جائے کیونکہ ممکن ہے کہ اس نے تمھاری شہرت سن لی ہو۔ اور تم سے خوفزدہ بھی ہو۔“

”یہ بات سمجھ میں آتی ہے،“ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن کیا میں اس طرح اپنے ارادے سے باز آ جاؤں گا؟“ ”یہ تو تم پر منحصر ہے،“ روپالی نے کہا۔ ”اغوا کر کے دلوں سے دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم ان دلوں کے لیے کس حد تک بے رحم ہو سکتے ہو۔“

”وہ آدمی تمھارے خیال میں کون ہو سکتا ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”یہی تو میں نہیں جانتی،“ روپالی نے جواب دیا۔ ”اگر جانتی تو وہ آدمی ایک تک قبضے میں آچکا ہوتا۔ دوسری طرف تم پر بھی دیکھ لینا کہ وہ آدمی مجھے سردار نے اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے کہ تم پر دباؤ ڈالنے کے لیے تمھارے سامنے آئے گا۔ وہ کوشش کرے گا کہ تم میری بات ماننے سے انکار کر دو۔ خیال چلنے کا ارادہ ترک کر دو۔ ایسی صورت میں تم سے کہا جاسکتا ہے کہ تم بھائی اور دوست کو واپس کر دیا جائے۔“

”یہ سب کچھ تم تنہا دلوں کے ساتھ کہہ رہی ہو کہ جیسے سب کچھ تمھاری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہو،“ داور نے کہا۔ ”انہماؤں کی بھی تو کوئی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ تم دیکھ

لینا کہ ایسی ہی بات ہوگی۔ اور اگر نہ بھی ہو تو تمھارا دوست اور بھائی تو خیال میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم انھیں لوں ہی نہ چھوڑو گے۔“

”ظاہر ہے کہ میں واپس لانے کے لیے میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ اگر تمھاری بات درست ہے تو ان کو اغوا کرنے والے انھیں نقصان پہنچ رہی ہوں گے۔ اگر وہ مجھ سے کام لینا چاہتے ہیں تو میں اس بات کی کئی پروا نہ نہیں کروں گا کہ تمھاری بیٹی کہاں ہے اور تمھارا سردار کتنی قوت رکھتا ہے۔“

”تم واقعی اس حوصلے کے انسان ہو۔ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اب میں تمھاری مدد سے اپنا گھر لوٹا ہوا مقام حاصل کر لوں گی۔“ روپالی نے گفتگو کے بعد داور عبدال کے فلیٹ واپس آگیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اور سب واپس آجائیں گے۔ بالمشابہ داور کو تصور دکھائی دیتی تھی وہ غلط نہ ہو۔ وہ تصویر کی قسم کی ایسی کیمرہ پرکھ رہا ہے جو جیسے وہ سمجھ نہ پایا ہو۔ یا بہت ممکن ہے کہ یہ سب روپالی ہی کی چال ہو۔ وہ بہت گہری عورت معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ذہن اور مسائل بے شمار تھے۔ وہ داور کو اپنی مرضی پر چلانے کے لیے یہ سب کچھ کر سکتی تھی۔ اور اگر اس میں روپالی کا ہاتھ نہیں بھی تھا تو کم از کم ان لوگوں کو داور سے ضرور رابطہ قائم کرنا چاہیے تھا۔

داور سب سوچ کر عبدال کے فلیٹ واپس آگیا۔ لیکن وہ دلوں تک کچھ نہیں ہوا۔ ان دلوں میں سے کسی نے بھی اس سے رابطہ پیدا نہیں کیا۔ اب اس کے خیال کے مطابق فلیٹ میں رہ کر عبدال اور سب کا انتظار کرنا بے سود تھا۔ اس لیے اسے روپالی کے لیے ہاں کر دینی تھی۔ روپالی کے منصوبے پر کام کرنے کے لیے اسے رتناگری جانا پڑا تھا۔ نقل رتناگری۔

بیسرے دن داور خود ہی روپالی کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے جب روپالی سے اپنی آمادگی ظاہر کی تو وہ خوشی سے بے تاب ہو گئی۔

”یہ تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے،“ روپالی نے کہا۔ ”سب سے پہلے انھیں دولاکھ روپے پیش دئے جائیں گے۔ بقایا کا معن ہونے کے بعد ملیں گے۔“

”جھجک ہے۔“ دن کے داور نے کہا۔ ”میں تیار ہوں۔ لیکن میں ایک بات بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں آزادانہ طور پر کام کرنے کا عادی ہوں۔ میں نہ کسی کی مداخلت پسند کروں گا اور نہ ہی کسی کا مشورہ مانوں گا۔ میں جو کچھ میری کڑی

رہی مرضی سے کروں گا۔“

”میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمھارے راستے میں کوئی نہ آئے۔ روپالی اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی، ”تم اپنی مرضی سے جو چاہو کرو۔ ہمارا کام صرف یہی ہوگا کہ انھیں اس مقام تک پہنچا دیا جائے جہاں مصنوعی رتناگری بسائی گئی ہے۔ میں نے اس کو بولنے میں بہت محنت اور سرمایہ صرف کیا ہے۔ ماحول بالکل ویسا ہی ہے جیسا رتناگری کا ہے۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے میں نے حکومت سے ایک وسیع و عریض زمین خرید لی تھی۔ پھر میرے ذہن میں رتناگری بنانے کا خیال آگیا۔ اور میں نے وہ بستی بسائی۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں تھا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ وہ بستی اسی کے مطابق بنائی گئی ہے۔“

”ہوں؟“ داور نے ایک ہنساگری کی ”میرے لیے یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم اس بستی میں باشندے کہاں سے لائی ہو؟“

”اور دیکھو کہ وہ ہاتھوں کے لوگ ہیں،“ روپالی نے بتایا۔ ”ان کے علاوہ بہت سے لوگ خیال سے بھی لائے گئے ہیں۔“

حقیقت کارنگ بھرنے کے لیے میں نے اس بستی میں خریدیوں کو بہت سی ہونٹیں دے رکھی ہیں۔ انھیں جس طرح خیال میں اپنی جگہ سے ہونے مل جائیں گے۔ بالکل اسی طرح بے شمار بستی میں مصنوعی رتناگری میں ملیں گے۔ وہ ایک قسم کا ماڈل ٹاؤن ہے۔ تم وہاں جا کر خوش ہو جاؤ گے۔“

”جھجک ہے۔“ تم نے کہا۔ ”وہاں پہنچنے کے بعد دوست کر دو۔“ داور نے اسی حالات میں خود ہی سنبھال لوں گا۔

روپالی نے اسی وقت داور کو دولاکھ کی رقم ادا کر دی تھی۔ داور نے اس میں سے کچھ رقم الگ رکھی اور بقیہ رقم اس نے بستی ہی میں اپنے اعتماد کے ایک آدمی کے پاس جمع کروادی۔

روپالی نے اسے شام کے وقت داور کو اپنے پاس بلایا تھا۔ رقم اپنے دوست کے پاس رکھ دے کے بعد داور بازار کی طرف چلا گیا۔ اس نے اپنے لیے ایک بڑے سے سوئی چیلے کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں خریدی تھیں۔ ان تمام چیزوں کو سڑی بیگ میں خٹوس کر دے روپالی کی شاندار کوٹھی کی طرف چل پڑا۔

اسے لوگ کے جڑے کے بعد ایک دوسری ہم پروردہ ہونا تھا۔ لیکن اس بار عبدال اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اور نہ ہی اس کے کسی اور آدمی کا سہارا لیا تھا۔ اس بار کچھ بھی کرنا تھا دیکھ لے کہ رتناگری میں اس کے خیال کے مطابق کسی کی پہچان ہاتھ سے بہت مختلف، دلچسپ اور خطرناک تھی۔

داور کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ روپالی کی بات مان کر صاف کر رہا ہے یا واقعی وہ سب کچھ درست ہے جو اسے بتایا گیا ہے۔ اس دور میں اس قسم کی جملہ جملہ بے یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ لیکن روپالی کے دئے ہوئے نوٹ مصنوعی نہیں تھے اصلی تھے۔ گڑبڑ کرنے کے نوٹ جو داور کی بہت سی پریشانی دور کر سکتے تھے۔ اس نے سولے نوٹ کے لیے جھلنے کے اور کیا کیا تھا۔ اس نے تو اپنی زندگی کا کچھ ہی بچا ہوا تھا۔ رقم حاصل کرنا، دل بھر کر عیش کرنا، اس کے بعد ہاتھ بچا کر دوبارہ کسی نئی جہم پر مل رہا۔

یقین نہ کرنے کے باوجود داور نے اس لیے آمادگی ظاہر کی تھی کہ اس طرح ایک طرف تو اس کی دلدراؤں میں جو فطرت کی لکیریں ہو رہی تھیں اور دوسری طرف اسے اپنی رقم مل رہی تھی جو جلد ہی میں بد معاشری کرنے کے بعد ایک سال میں ہی ختم نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس کے لیے یہ بہت اچھا موقع تھا۔ اور اب عبدال اور سب کا سامنا بھی نکلی رہا تھا۔ اگر رقم درمیان میں نہ بھی ہوتی تب بھی اسے ان دلوں کو تلاش کرنا ہی تھا۔ روپالی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے اوپر داس کے محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ اور انھیں دیکھ کر داور کے یقین کرنا پڑا تھا کہ روپالی کو اپنے قبیلے میں کسی دلی کی حقیقت حاصل ہوگی۔ یہ لوگ روپالی کا اتنا احترام کرتے تھے کہ اس نے آج تک کسی کو احترام کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اور داور کے یقین تھا کہ روپالی کے دعوے کے مطابق وہ لوگ اس کے اگلا ہے۔ پرانی جلیں قرآن کر پڑھتے ہوں گے۔ لیکن جرت کی بات تھی کہ ان لوگوں کے درمیان ایک ایسا آدمی بھی موجود تھا جو روپالی کے لیے خطرناک ہو سکتا تھا۔ اس آدمی کو تلاش کرنا مشکل تھا۔ مشکل ہوئی گروٹوں کے درمیان کسی پہاڑ جیڑ کی نشان دہی آسان نہیں تھی۔ اگر روپالی کی باتیں درست ہیں تو اسے بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے تھا۔ اندھیرے سے چلا یا ہوا شرم طور پر بہت تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

روپالی اس وقت سفید لباس میں ملبوس تھی جیسے خیال کی برف بونٹ پہاڑوں پر سے کوئی اجلا صاف و دودھ صاف کاٹھوا انسانی صوت اعتبار کر گیا ہو۔ اور اس برف کی انسانی صوت پر سورج کی ٹپکی دھوپ پڑ رہی ہو۔ وہ اتنی ہی ایک دکھائی دے رہی تھی جیسے کچھ بڑا دلائی طرح بڑے میں کھڑی رہی تو قطر قطر کے چھل جلنے کی۔ داور نے پہلی بار اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ اس نے سفید ہوا میٹوں کی ایک مالا پہن

رکھی تھی جو اس کے سینے پر چل رہی تھی۔ وادو کو احساس ہوا کہ روپائی کے حسن میں دافنی شہزادوں جیسی شان اور ولولوں جیسی دلچسپی پائی جاتی ہے۔

مدہالی کے پاس دوسروں کے علاوہ گونڈا اور شیو بھی کھڑا تھا۔ جو دادو کو دیکھ کر ہنسے جلنے پہلے انداز میں سکرا دیا اس کے بعد اس نے دو بار گرونڈ جھکا لی تھی۔ برآمدے کے پنجلیک جیب بھی کھڑی ہوئی تھی۔ اس جیب پر دادو کو سفر کرنا تھا۔ جیب کی ڈرلوں تک بیٹ پر ایک قوی ریل آدی بیچا تھا جو وادو کے لیے ڈراہن پر مقرر کیا گیا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ ڈرلوں کی تیاریوں کے ساتھ کئے ہوئے۔“

مدہالی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”خا ہرے۔ میں اپنے طریقہ میں اعتبار کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں ایک بار پھر گا کہ روپا ہوں کہ اس لبتی میں پہنچنے کے بعد کسی کو میرے ساتھ نہیں لونا چاہیے۔“

”یہ بات شائد پہلے ہی ہے۔ روپائی ہنسٹک پہلے میں لولی۔ ہمارا ڈراہن تو رات میں دہاں تک پہنچا کر واپس آجائے گا۔ تم سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اور یہی تم اس کے کچھ معلوم کر سکو کہ کچھ یہ بھی شیوا کی طرف گونگا ہے۔“

”اوہ۔“ وادو نے ایک گہری سانس لی۔ ”شائد کسی بھی شیوا کی طرح شہزادی بھی ہے۔“

”ہمیں یہ پوچھنا چاہیے کہ مدہالی نے کہا کہ وہاں جیسے یہ بتاؤں کہ یہ معاملات ہمارے ذاتی ہیں انہیں جس کام کے لیے منتخب کیا گیا ہے تم وادی کے۔ انہیں دوسرے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہیے۔ یہ تھا اور دوسرے نہیں ہے کہ ہمارے یہاں کس کو شہزادی بھی ہے اور کس کو شہزاد نہیں دی گئی ہے۔“

وادو کا دل چاہا کہ وہ روپائی کا کام کرنے سے انکار کر دے اس کا ابو اسے ناگوار گزار تھا۔ لیکن اپنے مزاج کے برعکس وہ خاموش ہو گیا۔ اسے ابھی اس لبتی میں پہنچ کر مدہالی کی توقع پر بدامیز تھا تاکہ صرف مزید رقم مل سکے بلکہ اسے اصل جہم کے لیے پناہ بھی دانا کر دیا جائے۔ وہاں بعد اور سلیم کے ملنے کے امکانات ہوسکتے تھے۔

وادو نے ڈرلوں کی ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اسے روپائی کی اعتبار پسندی پر حیرت ہوئی تھی۔ اس نے دادو کے لیے ڈرلوں پر سی ایسا منتخب کیا تھا جس سے وہ کچھ بھی معلوم نہیں کر سکے۔

وہ سفر بہت ہی طویل ثابت ہوا تھا۔ وادو کا خیال تھا کہ وہ لبتی بٹنی کے اس پاس ہی نہیں بسائی گئی ہوگی لیکن وہ اس کی توقع کے خلاف بہت دور ثابت ہوئی تھی۔ وہ لوگ بمبئی سے باہر ملنے والی ٹرک پر آجی رات تک سفر کرتے رہے تھے۔ اس دوران سفر بہت ہی خاموشی سے طے ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ وادو ایک گونڈے شخص سے کہا بات کرتا اس لیے اس نے اپنی انہیں بندیں اور کچھ دیر کے لیے سو گیا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ حالات کیسے پیش آئے دالے ہیں۔ آئندہ کہا ہونے والا ہے! اس لیے اس نے مناسب سمجھا تھا کچھ دیر آرام کر لیا جائے۔

جب وہ بیدار ہوا تو جیب کی طرح اپنا سفر طے کیا۔ رات تھی۔ وادو کو اس گونڈے شخص کی توبہ برداشت پر حیرت ہونے لگی تھی۔ وہ آرام کیے بغیر مسلسل ڈراہن تک کیے جا رہا تھا۔ وادو نے اسے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ بھی ڈراہن تک جانا ہے۔ اگر اس کی تھا ہنسٹک ہو تو وہ ڈراہن کرے۔ وادو نے اس کی بات اور اس کا اشارہ سمجھ لیا تھا اس لیے اس نے مسکراتے ہوئے انکار میں اپنی گردن ہلا دی۔ وادو نے پھر زلہ اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اس نے ڈراہن کرنا اس کے حالی پر چھوڑ دیا تھا۔

آدھی رات کے بعد اس جیب کو ایک فلی ٹرک پر لٹا دیا گیا۔ اس ٹرک کے دولوں طرف سایہ دار درخت ملے ہوئے تھے۔ اور ان درختوں کو دیکھ کر احساس ہوا کہ یہاں درختوں کی بے ترتیب نہیں ملے ہیں۔ بلکہ انہیں باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ اگر یہ ٹرک بھی روپائی نے لوائی تھی تو اس ٹرک پر رہے ہوئے درختوں کی ترتیب حیرت انگیز تھی۔ درخت اتنی جلدی بردان نہیں جڑھ سکتا تھا لیکن اس بار سے میں اس کو کتنے معلوم کرنا چاہیے کہ کسے بن، بکالے کے ترفٹ تھا۔ اس لیے وادو صرف سوچنا رہا۔

پھر صبح ہوتے ہوئے ایک ٹرک کے انٹار نمودار ہونے لگے۔ یہ ٹرک اس ٹرک کے اختتام پر تھا۔ اس کی عا ہنسٹک دور ہی سے شرح ایٹوں کی اور ایک منزلہ دکھائی دے رہی تھی۔ رتا گری لگتی تھی۔

”بس یہیں رک جائو۔ وادو نے ڈراہن کے شلنے پر لہنا ہاتھ دکھ دیا۔ میں یہاں سے خود چلا جاؤں گا۔“

وادو نے اس کی بات سمجھ لی تھی۔ اس لیے اس نے جیب کے بریک پر ہاؤں رکھ دیا۔ جیب ایک جھٹکے کے

ساتھ ٹرک گئی۔ جیب کے رکنے کے ساتھ ہی وادو نے اپنا وہ سفری بیگ اٹھایا اور جیب سے باہر آگیا۔ گونڈے ڈراہن پر اس کی طرف دیکھ کر ہاتھ لڑا۔ وادو نے مسکرا کر اس کے اشارے کا جواب دیا۔ وہ اس وقت تک اس جگہ کھڑا رہا تھا جب تک جیب دکھائی دیتی رہی۔ جیب کے اوچل ہو جانے کے بعد اس نے ایک طرف مٹا شروع کر دیا۔ وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں تھا جہاں چھپ کر لبتی میں داخل ہونے سے پہلے اپنا تھیلہ تبدیل کر سکے۔

وادو کے لیے یہ ایک نیا کام تھا۔ اس نے بھی اپنا ٹرک تبدیل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی لیکن مدہالی کی اس بات نے اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا کر دیا تھا کہ اس لبتی میں پہنچنے کی بھی ایک خاص تعداد ہو تو ہے۔ وادو نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ بھی اس کے ٹوپ میں لبتی میں داخل ہوگا۔ اس نے بھی کے بناروں میں سے اسی لیے بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔

ایک ٹرک سے درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے اپنا ہاس تبدیل کر لیا۔ اب اس کے جسم پر پانی نہیں اور ایک میسلی جینز تھی۔ وہ اپنے ساتھ کالوں کی مصنوعی دگ بھی لیتا تھا اس لیے ٹرک سے ملنے کے ساتھ وہ گ اپنے سر پر چالی اس کے پاس آئینہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ خود کو دیکھتے دیکھتے کہہ سکتا تھا کہ اس کا تھیلہ بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے۔ اب اسے آسانی سے شناخت نہیں کیا جاسکتا۔

اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ لبتی اپنے طبعی طور پر دکھائی دیتی تھی۔ اس لبتی میں لوگوں کی چہل پہل بھی تھی۔ وادو روپائی کے وسائل پر حیرت ہونے لگی تھی۔ وہ کیسی عورت تھی جس نے پوری ایک لبتی آباد کر رکھی تھی اور وہ بھی بس لوہا ہی۔ جس کا کوئی خاص مقصد بھی نہیں تھا۔

وادو نے اپنا آٹار ادا ہوا بس سفری بیگ میں ٹھونسنا اور بیگ کے نشانے لٹکا یا اور دھیرے دھیرے ٹرک کی طرف چل پڑا۔ وہ اب اس شہر میں داخل ہونے والا تھا جہاں ہر طرف اس کے لیے خفیہ کمروں کے علاوہ زمین اور خطرناک لوگوں کے جال بکھے ہوئے تھے اور اسے ان کے درمیان سے اپنا راستہ جانتے ہوئے اس مندر تک پہنچنا تھا۔ جس میں کالی رولی کا وہ جٹ تھا جس کی آنکھوں میں میرے لئے ہوئے تھے اور وہ اور وہ کہہ میرے اس طرح پہلنے کے لئے وہ بین وقت تک کسی کی گرفت میں نہ آسکے۔ اس کے بعد ہی اس کی اصل ہم کا آغاز ہوتا۔

لبتی سے کچھ فاصلے پر غل غبارے کی آواز سنائی دی۔ وہ ٹھٹک کر ٹوک گیا۔ ٹرک سے کچھ ہٹ کر کچھ لوگ دائرہ بنائے ہوئے قفس کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ایک ٹرک سے کچھ دور ایک آدھی بیچا ہوا ٹرک سے بے ڈھنگے انداز میں ٹکر رہا تھا۔ اور اس کے ساتھ قفس کرنے والے بھی اسی بے ڈھنگے انداز میں قفس کر رہے تھے۔ ان میں دو لڑکیاں اور ایک آدھی تھا۔ وادو کے قدموں کی آہٹ سن کر لڑکیاں بچلنے والے نے اپنا ہاتھ روک دیا۔ قفس کرنے والے بیٹیوں نے بھی قفس کرنا بند کر دیا تھا۔ وادو نے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔

”او بھئی آؤ۔“ ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ ہلا دیا۔ ”تم بھی اپنے ہی قبیلے کے معلوم ہوتے ہو۔“

”ہاں۔ میں بھی تمھارے ہی قبیلے کا ہوں۔“ وادو ان کے قریب آگیا۔

”پھر شامل ہو جاؤ ہمارے ساتھ، گنڈا بچانے والے نے کہا۔ ”انہیں یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارا فلسفہ کیا ہے۔ ہم کسی سے یہ نہیں پوچھتے کہ وہ کون ہے۔ اور کون سے آ رہا ہے۔ اور کہاں چلے گا۔ ہمارے قبیلے کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اپنا ک شامل ہوتے ہیں اور اپنا ک رخصت ہو جاتے ہیں کسی کے آنے پر تو خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ لیکن کسی کے چلنے پر انہیں نہیں پہلے جاتے کیونکہ اس کی جگہ کوئی اور اٹھا جائے اور ہم انہوں کا قافلہ چھڑا رہا ہے۔“

”یہ تم نے ٹھیک کہا۔“ وادو بھی ان کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ”ہم لوگ اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ ہمیں نہ ایک دوسرے سے برتری آتی ہے اور نہ ہی ایک دوسرے کے لیے بوجھ ہوا کرتے ہیں۔“

گنڈا بچانے والے نے ایک بار پھر جھوم جھوم کر گنا رہیانا شروع کر دیا۔ قفس کرنے والوں میں وادو بھی شامل تھا۔ پھر بعد جب قفس کرتے کرتے ان کے ہاؤں شل ہو گئے تو انھوں نے لبتی میں داخل ہوئے کالہ کر دیا۔ انھوں نے اپنا اپنا سفری بیگ اٹھا لیا اور لبتی کی طرف چل پڑے۔

لبتی میں داخل ہونے کے بعد وادو کو حیرت ہونے لگی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ کوئی مصنوعی لبتی ہو سکتی ہے اچھے مکانات تھے۔ دکا میں نہیں، ہونٹ تھا، سرکس نہیں، گھیاں نہیں جگہوں میں اور اصرار دینی جاتی ہوئی عروسی جیسے اور سڑکوں پر چھوٹے ہوئے لوگ تھے۔ دکاؤں کے آگے بھیڑی ہوئی تھی جن میں گالک موجود تھے۔ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ

یہ سب کچھ معنوی ہے یعنی میں بڑی ملکی ہی دکھائی دے رہے تھے۔ وہاں نے شک کی کہ کیا تھا اس سستی کا ماحول یہاں کیا تھا۔ طرز پر بنایا گیا ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہ علاقہ ہندوستان کا نہیں بلکہ شہر کا ہو۔

اس سٹی میں جو کچھ بینوں کی توئی حکومتی پھر رہی تھی۔ ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی تھیں۔ لوگ اسی طرح پھرتے اور دھڑکتے ہوئے تھے۔ ہاں میں داخل ہوئے جہاں جاگوسے ان کی لڑائی ہوئی تھی۔ اور دوا دھڑکے کو زخمی کر کے فرار ہو گیا تھا۔

ہول کے اندر سے جینے دیکھا کہ آواز سن رہی تھیں اور دوا دھڑکے چلا جا رہا تھا۔ وہ اس معاملے میں خود کو لگھانا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے اس نے ایک طرف دوڑ لگا دی تھی۔ وہی سٹی اس کے لیے، یعنی سٹی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے۔ بس اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ لڑکا دوسرے دوڑتے دوڑتے وہ ایک ایسی گلی میں لپک آیا جس کے دونوں طرف مکان بنے ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر مکانوں کے دروازے بند تھے۔ وہ اسی طرح دوڑتا رہا اور بند دروازوں کے سامنے سے گزرا اور اسی وقت سٹی نے اسے آواز دی۔

"اسے رگ جاؤ۔ جاؤ۔ وہ آواز کسی لڑکی کی تھی۔ دوا دھڑکے نے رگ کراس لڑکی کی طرف دیکھا۔ وہ ایک جوان لڑکی تھی جو اسے اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھی۔

"آؤ اندر آ جاؤ۔" اس لڑکی نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا۔ "جلدی کرو۔ ورنہ دوسرے لوگ آ جائیں گے" دوا دھڑکے نے ایک لمحے کے لیے اس لڑکی کی پیشکش پر غور کیا پھر اس دروازے میں داخل ہو گیا جس کی طرف اس لڑکی نے اشارہ کیا تھا۔ وہ لڑکی بھی اس کے ساتھ ہی اندر آ گئی تھی۔

لڑکا ایک کمرے میں اس طرح ٹاپا گیا تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں اس کے کمرے سے بندھے ہوئے تھے۔ وہ چپے چپے کر کے میں موجود لوگوں کو غور توں کی طرح لگایا اور کون سے دے رہا تھا۔ اس بستر کے اوپر دو چھل وٹی کے علاوہ چار دروازے تھے۔ یہ سب بڑی دلچسپی اور حیرت سے لڑکا دیکھ رہے تھے۔ دوا دھڑکے کے ہاتھوں میں چارٹ بھی تھے جن پر وہ کچھ تحریر کر کے جا رہے تھے جیسے جیسے لڑکا کھانا پھا جا رہا تھا۔ بالآخر اس کی آواز کمرہ پر گئی اور پھر وہ بالکل خاموش ہو گیا۔

"کیا آپ مجھے یہ بتا سکتے ہیں کہ ان کی یہ حالت کب اور کس طرح ہوئی؟" ایک آدمی نے پھول وٹی سے دریافت کیا۔ وہ کوئی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔

"ان میں یہ تبدیلی اب سے دو چار برس پہلے آئی تھی۔" پھول وٹی نے جواب دیا۔ اس کے علاوہ یہ ہر طرح نارمل ہیں۔ ان کی ذہانت بھی باقی ہے۔ یہ جس انداز سے دوسرے پہلے اپنے معاملات کو منظم کرتے تھے آج بھی اسی انداز سے منظم ہیں۔ مانتھنوں پر اسی طرح رعب قائم ہے۔ کاروباری اور گاہکی انداز سے دیکھ بھال کیا کرتے ہیں جس طرح پہلے کیا کرتے تھے۔ بس ان کو ایسی جنس کے بدلنے کا احساس ہو گیا ہے۔ اور خود کو خیر سمجھ کر ساری حرکتیں کرتے ہیں۔ ان کا چلنا یا بیٹن کرنا سب کا سب خورد توں کی طرح ہو گیا ہے۔ مجھے انھوں نے اپنی بیوی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

"ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک گہری سانس لی۔ "کیا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے شوہر کتنے کیا ہیں؟"

"بہت کچھ۔" پھول وٹی نے دھیرے سے جواب دیا۔ "بزرگ مطلب ہے کہ ان کے معاملات اس قدر پیچیدہ ہوتے ہیں کہ میں آپ کو ہر اسی طرح بتا نہیں سکتی۔ اور نہ ہی انھوں نے مجھے بھی اس بارے میں کچھ بتایا ہے۔ یہ اپنے معاملات اپنے ہی ایک محدود کھٹے کھا دی ہیں۔"

"یہ عجیب کیس ہے سرفرا۔ اس ڈاکٹر نے کہا۔" اور یہ زیادہ عجیب اس لیے ہو گیا ہے کہ آپ کے شوہر میں کسی قسم کی کوئی جسمانی خرابی نہیں ہے۔ فزیکل یہ پوری طرح فٹ ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے لاشعور میں یہ بات کس طرح بیٹھ گئی کہ عورت ہیں۔ اس کے لیے میں ان کے لاشعور کو پڑنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"بھگوان کے لیے کچھ کرس ڈاکٹر۔" پھول وٹی سسکتی ہوئی بولی۔ "میں اپنا کرب بیان نہیں کر سکتی۔ یہ جس وقت غور توں کی طرح مجھے سے باتیں کرتے ہیں اس وقت میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود کو کس کر لوں۔ ہاں گھر کو چھوڑ کر کہیں چلی جاؤں یا کچھ بھی کر لوں ان کی ایسی باتیں سنوں۔"

"ہم نے ہر خانے میں جو تجربہ دیکھا ہے وہ انھوں نے کب بنوا تھا؟" ایک دوسرے ڈاکٹر نے دریافت کیا۔

"یہ تجربہ نہیں بلکہ بزرگ کی بیوی وٹی ہے۔" پھول وٹی نے جواب دیا۔ "یہ ایک دن خود ہی اپنے ساتھ اس آدمی کے لئے تھے جس نے ان کی وہ دنیا تیار کی ہے۔ وہ بہت ہی باکمال

ہوئی تھا۔ آپ خود ہی دیکھ لیں کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ سائوت کے اندر ہی کھڑے ہوئے ہوں۔ ذرا سامنے ہی (قریب نہیں ہے؟)

"کیا اس وقت بھی ان کی یہی حالت تھی؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"اس وقت،" پھر سرفرا نے بتایا۔ "ہاں یا دیا۔ ہاں ڈاکٹر اب اس وقت ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اس آدمی کے ہفتے کے بعد ان کی یہ حالت ہوئی ہے۔ اور بھگوان پہلے سے کیوں بنا نہیں آیا۔ اس آدمی کے ہفتے کے ایک ہفتے بعد سے ان کی ایسی حالت ہونا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اس آدمی کو اپنا شوہر سمجھنے لگے تھے۔ اور اس سے اس طرح مخاطب ہونے لگے جیسے وہ ان کا شوہر ہو۔"

"اور یہ تو واقعی سوچنے والی بات ہے؟" ڈاکٹر نے اپنے اپنے زور پر پوچھا۔ "کیا آپ اس آراستہ سے واقف ہیں؟"

"نہیں۔" میں اسے نہیں جانتی۔ وہ ایک خستہ حال لڑکا تھا۔ پھول وٹی نے جواب دیا۔ "لیکن اس کی انگلیاں جاواں معلوم ہوتی ہیں۔"

"ہاں۔" یہ انداز اس آدمی کو دیکھ کر ہو جاتا ہے؟ دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔ "اس شخص نے وٹی بنانے میں واقعی کمال کر دیا ہے۔ کاش اس شخص کا پتہ چل سکتا ہو ہم اس کے ڈربے نو نا صاحب کی اس حالت تک پہنچنے کی کوشش کرتے، لیکن اس وقت تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔"

"سائیکو لوگس کونگ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"یہ بات اس شخص نے دریافت کی جو چار برس پہلے لوٹس لے رہا تھا۔"

"بس یہی ایک طریقہ رہ جاتا ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"لیکن اس کے لیے ہمیں بہت محنت کرنی ہوگی کیونکہ اس شخص کی قوت املاوی بہت مضبوط ہے۔ اس نے اپنے ارادے کی پوری قوت کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ایک عورت ہے۔ اور اسے کسی عورت کی طرح چاہتا ہے۔"

"تجربہ بات اور بھی باور رہی ہے؟" پھول وٹی نے بیان میں لال پڑی۔ "یہ جس وقت اس آدمی کو اپنی وٹی بنانے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس وقت ان کا ایک نائب بھی ان کے ہمراہ تھا۔ مجھے اب یاد رہا ہے اس کا نام بروچہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اس کا پتہ بھی دے سکتی ہوں۔"

"مغزوہ ضرور ہے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔ "اس شخص کے ذریعے ہیں اس آراستہ کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکتا ہے جیسے میں بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس آراستہ سے مل کر کیا ہوگا۔"

ہو سکتا ہے کہ سر سے کوئی کامیابی ہی نہ ہو۔ اس آدمی کے بنوانے میں اور مڑ کر نوٹس کے روئے میں کوئی تعلق ہی نہ ہو لیکن کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟"

اسی وقت لڑکے نے پھول وٹی کو بڑا بھلا شہر دے کر دیا۔ وہ زور سے انھیں گالیاں دے رہا تھا۔ لیکن اس کی گالیوں کا انداز ایسا مستحاطہ جیسے کوئی عورت گالیاں دے رہی ہو۔

"کیا انھیں اس طرح باندھ کر رکھنا مناسب ہے؟" ڈاکٹر نے ایک ڈاکٹر نے دریافت کیا۔ "میرا خیال ہے کہ اس طرح انہیں پیش شک بھی لگ سکتا ہے۔ ہم تو ان کا طریقہ کار تو بہت مختلف ہو کر رہا ہے۔ ہم تو ریفیوئنز کے ہمدردوں کے لئے ان کے لاشعور کی باتیں لگوا دیا کرتے ہیں۔ لیکن یہاں انھیں باندھ کر رکھا ہے؟"

"میں تو خود بھی انھیں باندھ کر رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "لیکن پھول وٹی صاحبہ کا یہ کہنا ہے کہ اس وقت لاشعور پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس وقت ان کے علاج وغیرہ کی باتیں ہوتی ہیں۔ اور اس وقت بہت ہی خطرات ثابت ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ بڑی احتیاطی تدبیر اختیار کی گئی ہے۔"

"اسیے میں تو ان کا سائیکو اینالیسس بہت مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے ڈاکٹر نے کہا۔ "کیونکہ مرلین جب تک تعاون نہ کرے ہم اس کا نفسیاتی تجربہ نہیں کر سکتے۔"

"اس کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔"

ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹر توں کی طرف دیکھ کر دولا۔ اور وہ ترکیب یہ ہے کہ ہم ایک انجکشن کے ذریعے ان کے ذہن سے ان کی قوت مدافعت کو کم کر دے۔ اس وقت ان کو بڑی آسانی سے شراں میں بھی لایا جاسکتا ہے۔ اور ان سے ان کے ماضی کی باتیں پوچھی جاسکتی ہیں۔"

"دیکھ میں ڈاکٹر ہنر ہے؟" اس کے ڈاکٹر نے کہا۔ "میں لیا نہ ہو کہ ان کی ذہنی حالت اور خراب ہو جائے۔"

"مسٹر بھائی۔ آپ خواہ مخواہ اتنے دلم میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ ہنر ہنر بنا کر دولا۔" میں نے اس طریقہ کار کے تحت اب تک بہت سے ریفیوئنز کا علاج کیا ہے۔"

"سوئی مسٹر ہنر ہے؟" ڈاکٹر بھائی نے جلدی سے کہا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"مسٹر لڑکا۔ آپ تو اس شخص کا ایڈریس لے آئیے جس کا

نام کیا بتایا تھا برجو۔

"ابھی لاتی ہوں، بھول دیتی ہے ایک نگاہ لونا پر ڈالی پھوس کے کمرے سے باہر نکلتی تھی۔"

اس کے چلنے کے بعد خاموشی ہو گئی تھی۔ وہ سب ہی کسی نہ کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ چارٹر بڑھنے والے دونوں ڈاکٹروں نے چارٹر ایک طرف رکھ دیئے تھے۔ جبکہ لونا انھیں برا بھلا کہتے کہتے ایک بار پھر خاموش ہو گیا تھا۔ اور بھول دیتی ہے واپسی میں دیر نہیں لگتی تھی۔ اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پرزہ دبا ہوا تھا۔ اس نے وہ کاغذ ڈاکٹر مہترہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ بیس اس کا پتہ ہے۔ اتفاق ہے کہ ابھی پچھلے ہی دونوں مجھے اس شخص کا پتہ معلوم ہو سکا ہے۔ کیونکہ میرے شوہر مرکی اس حالت کے بعد شخص بھی نہ چلے نہ جاں نصاب ہو گیا تھا۔ آپ جانے میں بہتر ہی ایک شرفی عورت۔ میرے ذہن میں نفسیاتی بیماری کا کوئی چیز نہیں تھا۔ میں نے یہ سمجھا کہ شاید اس کم بخت آرٹسٹ نے ان پر جاو کر دیا ہے اور ان کی یہ حالت جاو کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس لیے خود مجھے بھی اس آرٹسٹ کی تلاش تھی۔ لیکن اس کا ٹھکانہ نہ ہی نہیں معلوم تھا۔ پیر میرے ذہن میں یہ تھا کہ برجو شاید اس آرٹسٹ کو جانتا ہو۔ میں نے برجو کو تلاش کرنا چاہا۔ لیکن یہ بھی نہ چلے نہ کہاں نصاب ہو گیا تھا۔ پیر میرے ہاتھ میں تھے۔ ایک سڑک پر دکھائی دے گیا اور میں نے اسے پکڑ لیا۔ میں نے اس آرٹسٹ کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اس کا کہنا ہے کہ وہ آرٹسٹ کو نہیں جانتا۔ لیکن میرے خیال میں وہ کچھ چھپا رہا تھا۔ پھر حال میں اس کا بیچا بہنیں چھوڑا۔ کیونکہ میرے قول کوئی ہوئی ہے۔ میں نے اپنی گاڑی وہیں ایک طرف کھڑی کی اور اس کا تعاقب کرنے لگی۔ اور بالآخر اس کا ٹھکانہ دیکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ پیرا خیال تھا کہ میں اپنے طور پر اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کروں گی۔ اب آپ لوگ آگے ہیں تو آپ ہی لوگ اس سے جا کر مل لیں۔"

"یہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ ڈاکٹر مہترہ اس کا غڈ پر لکھے ہوئے پتہ کو پڑھنے کے بعد کہا۔" میں کوشش کروں گا کہ آج ہی اس شخص سے مل لوں۔ کیونکہ اس معاملے میں دیکر ہی مناسب نہیں ہے۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا ڈاکٹر مہترہ، بھائی نے پیش کش کی۔" اس طرح آپ کے ساتھ میرے تجربے میں

اضافہ ہو چلے گا۔

"خود یہ ڈاکٹر مہترہ مسکرا دیا۔ میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ آپ میں سے کسی کو پہنے ساتھ لے لوں۔"

"مسٹر لونا کیا ہو گا جناب؟ ڈاکٹر بھائی نے پوچھا۔ کیا ہم انھیں اسی طرح پڑے رہنے دیں؟"

"ہائیں انھیں رات کو لیٹن دے دیا چلے گا۔ ڈاکٹر مہترہ نے بتایا۔ یہ اس طرح پڑ سکتا ہو گا۔"

دوسرے ڈاکٹروں کو ہدایت دے کر ڈاکٹر مہترہ بھائی کو لے کر اس کو بھی سے باہر گیا۔ جہاں اس کی گاڑی تھی، وہی تھی اس نے بھائی کے لیے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ اور خود ڈاکٹر ٹونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر بھائی کے ہتھ پر ہتھ پڑا۔

گاڑی چلا دی تھی۔ گاڑی کا رخ بھائی کی طرف تھا۔

"آپ کے یہاں میں کس قسم کا بیس ہے ڈاکٹر مہترہ؟ بھائی نے پوچھا۔

"بیس تو خواہشات کا، مہترہ نے جواب دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کی پرورش ہی اس انعام میں ہوئی ہو۔ خود کو عورت سمجھتا ہو۔ ہمارے یہاں بہت سے ایسے والدین ہیں جو اپنے لڑکے کو لڑکی اور لڑکی کو لڑکا کر رکھ دیتے ہیں۔"

اس وقت لونا انھیں احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب اس فرد کی شخصیت پر اس پر سادگی بکری چھاپ لگ چلے تو پھر روئے پھرے ہیں۔"

"لیکن یہاں تو مسئلہ کچھ اور ہے۔ کیونکہ یہ شخص شروع میں بالکل نامول تھا۔ کہیں ایسے آثار نہیں تھے کہ یہ اپنے آپ کو عورت خیال کرتا ہو۔ اگر بھول دیتی کا بیان درست ہے تو سب کچھ ڈی نمائے کے بعد ہوا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس آرٹسٹ نے ان کے ساتھ کچھ کر دیا ہو۔"

"ہو نہ ہو، بے وقوفی کی باتیں ہیں، مہترہ نے ہراساں نہ بنایا۔ وہ بے چارہ کیا کرے گا؟ ہم لوگ بھی اس لیے جا رہے ہیں کہ مسٹر لونا کی تسلی ہو سکے۔ ورنہ اس پر جو کچھ ہاس بھی ملے گی ضرورت نہیں تھی۔ آخر وہ کیا کرے گا۔ لیکن تیر جب اس کا پتہ مل ہی گیا ہے تو اسے دھکے لینے میں کیا حرج ہے؟"

بھائی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتی رہی۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ بھائی کی گاڑی کے کچھ اوجھڑا۔ ایسے علاقے میں پہنچے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کی مخلوط آبادی تھی۔ برجو کا پتہ اسی محلے کا تھا۔ اس کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی تھی۔ وہ مکان

ایا ایک چھوٹی سی کھولی تھی۔ جس کے دروازے برٹاٹ کا پرزہ لٹک رہا تھا۔ وہ پرزہ بھی ادا تھا۔ کھٹا ہوا تھا۔ ڈاکٹر مہترہ نے اس کھولی سے کچھ فاصلے پر گاڑی روکی تھی۔ گاڑی سے اتر کر وہ دونوں بیل ہی اس کھولی کی طرف آئے تھے۔

ڈاکٹر بھائی نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی جس کے جواب میں ایک اوجھڑا ہوئی باہر گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کی خوشنودی اور غلطی کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔ وہ باہر سے آگے بڑھ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اس آدمی کے

پتے کچھ سیسے دوسرے آدمی کا چہرہ بار بار اوجھڑا ہو رہا تھا۔ شاید کوئی دوسرا آدمی بھی جھانک جھانک کر ان دونوں آدمیوں کو دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ہائیں برجو سے ملنا ہے۔ ڈاکٹر مہترہ نے کہا۔ دیکھا وہی مکان میں رہتے ہیں۔"

"ہاں جی۔ اس آدمی نے اپنی گردن ہلا دی۔ آپ لوگ یہاں کھڑے رہیں۔ ہم ابھی ملے دیتے ہیں۔ وہ سرسلنے والے ہو گئے۔

"میں بھی چلتا ہوں تمھارے ساتھ۔ ڈاکٹر بھائی جلدی سے بولا۔

"ہائیں۔ تم اسی محلے جاؤ۔ مہترہ جلدی سے بولا۔" میں نہیں کھڑا ہوں۔"

اس آدمی نے ایک نگاہ ڈاکٹر مہترہ کی پھر کچھ بڑھڑتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ مہترہ وہیں کھڑا رہا تھا۔ پھر جب وہ دونوں نگاہوں سے اوجھڑے تو ڈاکٹر مہترہ اچانک ٹاٹ

کا پرزہ ہٹا کر کھولی کے اندر گیا۔ کھولی کے اندر ایک کوئی ہوئی چارپائی پر بیٹھا ہوا دوسرا آدمی آئے دیکھ کر ہڑٹا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"برجو۔ ڈاکٹر مہترہ غرایا۔ مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تم اسی کھولی میں چھپے ہوئے ہو۔ اور تم نے اس آدمی کو بہانہ کر کے باہر بیٹھا تھا۔"

"مجھے معاف کروں سرکار۔ اس آدمی نے اچانک اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ میں بہت تنگ گیا ہوں۔ مجھے فی ٹی ہو گئی ہے ہر وقت خون خورتا رہتا ہوں۔"

"میں سب کچھ نہیں جانتا۔ جب تم سے یہ کہہ دیا تھا کہ تم اس شہر میں دکھائی نہیں دے گے پھر یہاں کیوں ہو رہے تھے؟"

"میں اس کی غلطی کی ہے جس کی سزا مل گئی ہے۔"

"میں آپ کے پاؤں پر تڑپا ہوں سرکار۔ میرے حال بد رم

کھا میں۔ برجو روئے لگا تھا۔ اس کے نچھٹا ہر سے پرہیز ہوئے انسو بہت بھیانک لگ رہے تھے۔

"دیکھو میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ تم پر جوڑ کر چلے جاؤ۔ اگر تم نے ایسا دیا تو تم خود ہی مجھ سے ہو کر تمھارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے۔ برجو نے دھنلائی انھوں نے ڈاکٹر مہترہ کی طرف دیکھا۔ پھر دوزخ سے سسکاتے ہوئے لگے۔ اسی دوران باہر آنے والے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

وہ لڑکی جس مکان میں وہ رو کر بلا کرے تھی۔ وہ ایک چھوٹا سا مکان تھا اور اس میں فریج خزانہ کی کوئی چیز نہیں تھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ مکان غریب سے خالی پڑا ہو۔

"کیا بات ہے تمہارا کیوں لاتی ہو؟ وہ دلاور نے لڑکی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"محبت کرنے کے لیے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ وہ اس وقت بڑے دلکش انداز میں مسکراتے ہوئے تھی۔" کیا تمہیں محبت کرنی نہیں آتی؟"

"مجھے بہت کچھ کرنا آتا ہے۔ دلاور خشک لبے میں بولا۔ میں منہ سے خون بھی نکال سکتا ہوں۔ اور دہی پسلی بھی توڑ کر کھینک سکتا ہوں۔ اس لیے مہترہ کے کھانے صاف تیار دے گا۔"

"اس سے زیادہ صاف بات اور کیا ہوگی؟ لڑکی نے کہا۔ اب تم خود ہی سوچو کہ لڑکی تمہیں اس طرح آواز دے کر کسی خالی مکان میں ملے تو اس کو اور کیا کہا جاسکتا ہے؟"

"ہوں۔ دلاور نے ایک ہلکی سانس لی۔ یہ لڑکی اُسے اُنھن میں ڈال رہی تھی۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ کچھ لوگ میرے پیچھے بڑے ہوئے ہیں۔"

"تمھارے انداز سے۔ لڑکی نے جواب دیا۔ تمھارا اس طرح دوزخ سے اُڑا کر رہا تھا کہ کسی سے بڑھ کر کچھ لگ رہے ہو۔

اسی لیے میں نے آواز سے کہیں لایا۔ آخر تم باتوں میں وقت کیوں ضائع کر رہے ہو۔ کیا میں نہیں اچھی نہیں لگی کیا میں خوبصورت نہیں ہوں۔ کیا میں تمھارے کسی کام نہیں آتی؟"

"تم خوبصورت تو ہو لیکن مجھے تمہیں طوائفوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دلاور نے کہا۔

لڑکی کے خوبصورت چہرے پر گر دیا تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے دواور کی اس بات نے اس کے اندر پھیل چادری ہو۔ پھر



اس نے خود کو سنبھالی لیا تھا۔

"تم تو غصے کے بہت تیز معلوم ہوتے ہو" اس نے داد کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن وارڈ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا لیا اور وارڈ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

"مرگ جاؤ جھگوان کے لیے" لڑکی نے آواز لگائی "وڈاؤ" "کیا ہوگا آج" وارڈ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اب بہت پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے خوبصورت ہونٹ کا پتہ نہ رہے۔

"آج ہم دو دنوں جھگوان کے رہ جائیں گے" لڑکی نے جیسے سے کہا "میں خود تو جھگوان رہ سکتی ہوں لیکن اسے جھگوان نہیں دیکھ سکتی"۔

"اوہ" کیا تم اپنے بچے کی بات کر رہی ہو؟" وارڈ نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"ہائیں" میں اپنے شوہر کی بات کر رہی ہوں" لڑکی نے کہا۔

"کیا تم اپنے شوہر کے لیے بے سب کچھ کرتی ہو؟" وارڈ حیران رہ گیا تھا۔ "کیسا بے خیرت ہے تمھارا شوہر جو اپنی بیوی کو ایسے کاموں کے لیے بھیج رہا ہے؟"

"شوہر تم میرے شوہر کو کچھ مٹ کہتا۔ درمیان تمھارا منہ تو بھری لوں گی" بھینس کہا جاتی ہے پتھنچا ہے کہ اس کے پاس بے میں ایسی باتیں کر رہی۔

"یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم اس کی بیوی ہو اور کوئی بھی شوہر کم از کم اپنی بیوی کو واہ پر نہیں لگاتا ہے پتھنچا شوہر کیسا ہے؟"

"یہ شوہر میرے نہیں جانتا کہ وہ کیا کر رہا ہے" لڑکی نے کہا "بد معاشوں نے اس کے دماغ کو تیروؤں کے دھوکے میں پھنسا دیا ہے۔ وہ اب ایسا ہو گیا ہے کہ اپنی بیوی سے کچھ بھی نہیں سکتا۔ اسے ہر وقت تیروؤں چاہیے۔ اور اس کی حالت

مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اس لیے میں نے خود کو واہ پر لگا دیا ہے میں کیا کروں؟ صرف بیعتوں سے تو بیعت نہیں بھرتا۔ میں نے اس دوران بہت سے تقریریں کرنے والے ہلے دیکھے ہیں لیکن جب ان کے سامنے اپنا دانا پیلاؤ تو ہاتھ جھٹک کر گئے

بڑھ جاتے ہیں۔ اب میں ایسی باتوں کی ضرورت نہیں ہے؟ "تم ٹھیک کہتی ہو" وارڈ نے کہا "ایسی باتوں سے بہت نہیں بھرتا۔ میں تمھارے شوہر کی علت و ختم نہیں کر سکتا۔

لیکن تمھاری مدد کر سکتا ہوں لیکن اس کے لیے تمھیں بھی میری مدد کرنی ہوگی"۔ "کیوں نہیں" میں نے اسی لیے تو تمھیں بلایا ہے" لڑکی نے اس کے ہاتھ پکڑے۔

"ہائیں" مجھے اس قسم کی مدد نہیں چاہیے۔ یہ میں تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے تم مجھے اپنے شوہر کے پاس لے جاؤ۔ میں اس کی حالت دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور تم اپنے وقت کی خدمت کرو۔ میں تمھیں پولیو اور معدہ دونوں کا ملکہ اتنا دوں گا جتنا اب تک کسی نے تمھیں دیا ہوگا۔ آؤ چلو۔ بتاؤ کہاں جاتی ہو؟

لڑکی حیران حیران ہی وارڈ کی طرف دیکھتی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ جو دسترخوان سے ٹوکا آٹھ چلے۔ جو پھل دینے والی چیزوں کی طرف آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھے جسے اپنی ہوس بھلائے سے

دباؤہ کسی اور چیز سے دلچسپی ہو۔ جو اس کے ساتھ ہیں کراس کے شوہر کی حالت دیکھنا چاہتا ہو۔ آج تک کسی نے بھی اسے اس کے شوہر کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہ نہ جانے کیسا آدمی تھا جسے بیوی سے زیادہ شوہر سے دلچسپی تھی۔

"اب کیا سوچ رہی ہو؟" وارڈ نے اسے مخاطب کیا "چلو بتاؤ تمھارا گھر کہاں ہے؟ کہاں رہتی ہو؟"

"کیا تم مجھے کھانے کے لیے کچھ دلاؤ گے؟" لڑکی نے چپکے سے ہونٹ پوچھا۔ وہ اب تک گھٹش میں مبتلا تھی۔

"کیوں نہیں؟" وارڈ نے اپنی جیب سے کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ "کوئی تم کو روکے۔ میں تمھیں ادھر ہی دوں گا۔ ہاں۔ تم مجھے اپنا نام تو بتاؤ۔"

"بھلا" لڑکی نے اس کے ہاتھوں سے نوٹ لیتے ہوئے کہا۔ "معاف کرنا" وہی۔ اگرچہ بیسوں کی اتنی شدید ضرورت نہیں ہوتی تو میں تم سے کچھ نہیں لیتی۔ لیکن کیا کروں؟"

"کوئی بات نہیں؟" وارڈ نے پوچھا "تم میرے ہر شخص ضرورت مند ہے۔ آؤ اب چلتے ہیں۔"

وہ دونوں دروازے کی طرف بڑھ گئے اس وقت دروازے پر دستک ہونے لگی تھی، وارڈ نے سوائے لگا ہونے سے نیلہ کی طرف دیکھا۔ وہ تو وہی اس دستک سے پریشان معلوم ہونے لگی تھی۔

"دروازہ کھول جاؤ من۔" باہر سے کسی کی آواز آئی۔ "کیا کسی ادھو کھلے بیچتی ہو۔ کہ تم اپنا کھانا کھاؤ۔"

"کون ہے یہ؟" وارڈ نے نیلہ کی طرف دیکھا۔

"میری بیوی۔" نیلہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔ "میں ایک دن اس کے ساتھ رہ چکی ہوں۔ میں اس بچہ کو لوں سے مل کر کرتی ہوں۔ اس لیے سیدھا انہیں پلا آجیسا ہے۔ بہت ہی خطرناک آدمی ہے۔ نارائن نام ہے اس کا۔ میرے ساتھ

زبا دیاں بھی کرتا ہے اور۔" نیلہ نے وارڈ سے کہا "تم مجھے بتاؤ کیا تم اس کے ساتھ وقت گزارنا چاہتی ہو اگر ایسا ہے تو مجھے میں تمھیں روک نہیں سکتا۔ تمھارا اپنا معاملہ ہے۔

"ہائیں۔" نہیں ہرگز نہیں۔ نیلہ نے جواب دیا "تم مجھے اس کے پاس جانے کے لیے مجبور مت کرو۔ میں تمھارے پیسے واپس کر دوں گی لیکن۔"

"پھر تمھیں کوئی بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔" وارڈ مسکرتے ہوئے بولا "تم اب بالکل بے فکر ہو جاؤ۔"

"اب کیا ہو گیا جان سن۔" باہر سے اس شخص نے بھر آواز لگائی "خاموشی کیوں ہو کیا میرا نام ادا کا ہے؟ اگر تم کو کوئی در لجا جاؤں؟"

لیکن اس دوران وارڈ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ نارائن ایک نیم نیم پہلوان نما آدمی تھا۔ اس نے اپنے ایک کان میں چاندی کا ایک بالہ لہرائے رکھا تھا۔ اس کے دونوں کانوں کی لڑیں پیشہ در پہلوؤں کی لوڈ کی طرح اندر کی طرف مڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے گھٹنے میں سیاہ رنگ کا ایک ٹیوڈ بھی پہن رکھا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی نیلہ وارڈ کی آؤ میں چلی گئی تھی۔

اس شخص نے وارڈ کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ بگواس کی نگاہیں نیلہ پر مڑی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ کے گوشے اس طرح پھڑپھڑا رہے تھے جیسے سانس کوئی نعمت تھی ہوئی ہو۔

"تم آؤ میں کیوں چلی نہیں جاتی سن۔" اس نے ایک طرف ہوتے ہوئے کہا "ذرا سامنے آؤ۔ عاشقوں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا کرتے؟"

"تم مجھے بات کرو" وارڈ نے اس کے شالے پر ہاتھ رکھ دیا۔ نیلہ تمھارے ساتھ نہیں جاسکتی؟"

"کیا تم اس کے ٹھیکیدار ہو؟" نارائن نے بڑے طنز پر انداز میں پوچھا۔

دلاد کے پاس اس کے اس سوال کا ایک ہی جواب تھا اس نے ایک جھٹکے سے نارائن کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ نارائن جڑوا ہوا کرے میں آگیا۔ اس کے اتنے ہی وارڈ نے جھپٹ کر دھڑلے کی گندی بند کر دی۔ اس دوران نارائن سنبھل گیا تھا۔ اس نے اپنے

دونوں ہاتھ آگے کی طرف پھیلا لیے تھے۔ "ایسا بھگتا ہے جیسے تمھاری بوت آئی ہے؟" وہ پتھنچا ہونے لگا۔ میں نے تم سے نہ چلے نکلتوں کو دوسری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔"

"مجھے اس وقت دوسری دنیا میں جانے سے کوئی بھی نہیں ہے؟" وارڈ نے مسکرتے ہوئے کہا "ہاں۔ میں اس بات کی ضرورت لگا سکتا ہوں کہ تم میری مرضی کے بغیر اس گھر سے باہر نہیں جاسکتے۔ اگر تم یہاں سے باہر چلے جاؤ تو میں بے لڑکی تمھارے حوالے کر دوں گا۔ اور اگر تم کاما رہے تو تمھیں اس کے پیروں کا چھوڑ کر اسے اپنی ہون کہنا ہوگا۔"

"کیا تم کو اس کے ساتھ؟" نارائن نے تیزی زبان بچھنے کے باہر پھینک دوں گا کچھ؟"

"جی ہاں۔ تم اس کے منہ میں لگو؟ نیلہ نے آگے بڑھ کر وارڈ کا بازو پکڑ لیا۔ تم مجھے اس کے ساتھ وقت گزارنے دو۔ تم پھر آجانا۔"

"میں نے تم سے کہا تھا نا کہ تم خاموش رہنا۔" وارڈ نے اس کا ہاتھ جھٹک کر اسے ایک طرف دھکیل دیا۔ یہ میرا دارا سن پہلوان کا معاملہ ہے۔"

"تیری تو؟" نارائن نے وارڈ کو ایک موٹی سی گالی دی اور اس کے ساتھ ہی وہ اس پر جھپٹ پڑا۔

اس کے سامنے کھڑا رہتا رہتا وارڈ وہ دھکی دھکی کشتی میں جہازت رکھتا ہے۔ وارڈ کے لیے اس قسم کے پہلوؤں کو زیر کرنا کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایک بار اس کی گرفت میں آگیا تو اسے خود کو چھڑانے میں دشواری ہو جائے گی۔ اس لیے بہتر یہی تھا کہ اس شخص سے ایک ہاتھ کے خاصے پر رہ کر مقابلہ کر لیا جائے اسے قریب آنے کا موقع نہ دیا جائے۔

نارائن نے اس پر جھپٹا مارا اور وارڈ اس کے پہلو سے نکلتا چلا گیا پھر اس نے بیک کک نارائن کی پشت پر سیر کر دی۔ اس ٹھوکر کی توقع نارائن کو نہیں تھی۔ اس لیے وہ لڑکھڑا ہوا آگے چلا گیا پھر اس سے پہلے کہ سنبھل کر دھکیلا وارڈ نے پلٹ کر ایک فلائنگ کک رسید کر دی۔ بیک کک اس کے سینے پر لگی تھی۔ وہ ڈر لگتا ہوا ایک طرف آٹ گیا۔

اس کا گرجانا خود اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوا تھا۔ اس میں پہلے پناہ طاقت اور جہازت تھی لیکن اس کے بدن میں پھرتی نہیں تھی اور وارڈ اس کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا رہا

تھا۔ اس نے نارائن کے گرتے ہی اسے ٹھوکروں پر کھدکھدایا۔ ایک ٹھوکروں پر ٹھوکروں پر یہ ساری ٹھوکروں پہلی کی سی تیزی کے ساتھ نارائن کے جسم کے مختلف حصوں پر اس طرح لگ رہی تھیں جیسے کوئی مبینہ بل بڑی ہو۔ اسے خود کو بچانا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ داور کا پریشانی سے لیے اپنا ہاتھ اٹھ کر جھٹکا تھا۔ اس دوران داور اس کے کچھ فاصلے پر چلا جاتا۔ نارائن اس کی طرف دیکھ کر کھٹکے کی کوٹھنیش کرتا اور اس کی ٹھوکروں نارائن کے جسم کے کسی دوسرے حصے پر برسرِ جاتی۔ اس کے بعد وہ پھر ایک طرف کود جاتا۔ نارائن کچھ دیر تک خود کو جھکڑتا رہا۔ پھر اس نے زور زور سے ڈکارنا شروع کر دیا۔ اس وقت اس کی کمر بند دم توڑنے لگی تھی۔ بالآخر اس کا ڈکار ناچمی ختم ہو گیا۔ وہ صرف جھری جھری سانس لیں رہا تھا اور اس کے ہونٹوں اور ناک سے خون بہنے لگا تھا۔

”اب چھوڑتی دو اجنبی، نیلما سہمی ہوئی اور نیش بولی یہ کہیں مرزہ جلے۔ تجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔“

”تم بے فکر رہو۔ یہ نہیں مرسے گا۔“ داور نے کہا۔ ”کم سے کم اس وقت تک نہیں مرسے گا جب تک یہ تمھارے پیروں کو پکڑ کر نہیں اپنی بہن نہ تسلیم کرے۔“

”یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ نارائن قوی ہوئی اور آواز میں بولا۔ ”میں۔۔۔ میں۔۔۔ اس کے ساتھ۔“

”پڑنا ہی باتیں بھول جاؤ۔ اس دنیا میں تم جیسے ہزاروں بے غیرت ہیں جو اپنی ماں بہنوں کے ساتھ نہ کال کر لیتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ رشتے ہی ختم ہو جاتے ہیں اس طرح تم نے جو کچھ بھی کہا ہو گا اسے بھول جاؤ۔ اب آگے بڑھ کر اپنی بہن کے پاؤں پڑو کہ اس سے دعائی مانگو۔“

”اگر میں ایسا نہ کروں تو؟“ نارائن نے کہا۔

”تو پھر میں اس طرح ٹھوکروں مار مار کر تجھیں جان سے مار دوں گا۔“ داور اسے گھورتے ہوئے بولا۔ اور ٹھوکری کر دیر سے پاس وقت نہیں ہے۔“

نارائن کٹکٹکٹ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ آدمی عورت کا بی بی ماں بہن نہیں بنا سکتا۔ اس کی نگاہ کی سی اور انداز میں عورتوں کی طرف نہ تھی ہیں اور اگر کسی وقت کسی عورت کو بی بی ماں یا بہن بنانا پڑ جائے تو وہ اس طرح شمشک میں مبتلا ہو جاتا ہے جس طرح اس وقت نارائن مبتلا تھا۔

بالآخر اس نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ داور نے نیلما کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

نارائن نے ہچکچاتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ نیلما کے پیروں پر رکھ دیے۔ اس وقت نارائن اور نیلما دونوں ہی عجیب کیفیت میں تھے جبکہ داور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی پھر نارائن نے داور کے کہنے کے مطابق وہ الفاظ دہرائے جو داور نے اسے بتائے تھے پھر اس طرح اپنے ہاتھ پیچھے پھینکے جیسے بہت بڑی غلطی کر بیٹھا ہو۔ داور کی مسکراہٹ اور گہری ہونٹ تھی۔

”اب آؤ۔“ داور نے نیلما کی طرف دیکھا۔ ”ہمیں دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔ یہ شخص خود ہی یہاں سے چلا جائے گا۔“

نیلما جھپٹتے ہوئے داور کے ساتھ ہوئی۔ وہ اس وقت داور سے بہت مغرب اور کسی حد تک خوفزدہ بھی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ گئی ابھی تک سسناں تھی جیسے اس گلی کے مکین ہمیں اور چلے گئے ہوں۔ رشناں اس گلی کے مکان کی بجائے ہڈی طرح آباد نہیں ہو سکتے تھے۔

”تم نے اس شخص کو چھوڑ کر بہت بُرا کیا ہے۔“ نیلما نے داور کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ ”یہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ یہ اپنی تو بھین کا بدلہ تجھے اور میرے شوہر سے لے گا۔“

”کیا یہ تمھارے شوہر کا بھائی ہے؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“ نیلما نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ میری شخصیت ہے جس نے ہماری زندگی میں ہم کو بھول دیا ہے۔ اس کے میرے شوہر کو پیروں کا عادی بنایا تھا۔“

”یہ بستی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آ سکی ہے۔ اسے کس طرح آباد کیا گیا۔ اتنے عجم صفت لوگ یہاں کس طرح آئے۔ تم لوگ یہاں کیسے آئے۔؟“ سارا معاملہ میری سمجھ سے باہر ہے۔“

”یہ بستی دو سال پہلے بنائی گئی ہے۔“ نیلما نے جواب دیا۔

”پہلے یہاں کچھ بھی نہیں تھا پھر اخبار میں اشتہارات شائع ہونے لگے جن میں یہ کہا گیا تھا کہ اگر یہ بستیوں زندگی گزارے تو زنتا مری میں آ جائیں۔ یہاں آپ کو ڈکری اور کاروبار کے مواقع ملیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں آنے والوں کو مکانات مفت دیے جائیں گے۔ یہ ایسے اعلانات تھے جس نے ہندوستان کے ہزاروں لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔ غوث اور خدیوین کے ساتھ ہونے والے یہاں آئے تھے۔ ہم سب بھوک کی تلاش میں آئے تھے۔ ہمیں یہ امید تھی کہ ہم ایک نئی جنت پسائے گے۔ لیکن آج یہاں نہ جالے کتنے خاندان اپنے اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ کر یہاں آ کر آباد ہوئے۔ اور ہم نے ایک نئی زندگی شروع کر دی۔“ داور کے مطابق

ہمیں مکانات واقعی مفت دے دیے گئے۔ ہم سب یہاں بہت خوش تھے شروع شروع میں یہاں واقعی سکون تھا اس بستی میں کوئی بڑائی نہیں تھی۔ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جی کر زندگی گزارتے۔ بہت سے لوگوں نے یہاں اپنے کاروبار چلا دیے۔ بہت سے لوگوں نے نوکریاں شروع کر دیں اور وقت گزارنے لگے۔

”یہ نوکریاں کون دیا کرتا تھا؟“ داور نے پوچھا یہاں سرکاری ادارے تو ہوں گے نہیں۔“

”ہاں۔ سرکاری ادارے تو نہیں تھے لیکن اس شہر کے انتظام کو چلانے کے لیے جیسی طور پر ایک بہت بڑا ادارہ قائم کیا گیا تھا۔“ نیلما نے بتایا۔ ”اصل یہ شہر کسی مادام رویا کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ اس نے یہ زمین خرید لی تھی۔ اور اپنے سر ملے سے یہاں مکانات بنوائے۔ گلیاں اور شریک بنوائیں۔ تم اس کی بجائے امیت کچھ سکتے ہو۔“

”کمال ہے۔ اس دور میں بھی کوئی شخص اپنی ذاتی حکومت قائم کر سکتا ہے۔“ داور نے کہا۔

”یہاں رشوت چلتی ہو رہی ہے سب کچھ ممکن ہے۔“ نیلما دوسرے سے بولی۔ ”اس کے علاوہ اس حکومت کا کوئی نقصان اس لیے نہیں تھا کہ پیچھے بھاٹے کے شمار لوگوں کے روزگار اور بائیں کا مسئلہ ہو رہا تھا۔ اس لیے حکومت نے بڑی فراخ دلی سے اجازت دے دی۔ پھر اس سے بیات بھی ظاہر ہوئی ہے کہ اس عورت کے پاس دسائی کس قدر ہیں۔ اس کے پاس سرمایہ کتنا ہے۔“

”کیا اس بستی کی نگرانی کرنے کے لیے اس عورت نے پولیس وغیرہ نہیں رکھی ہے؟“ داور نے پوچھا۔

”کیوں نہیں۔ یہاں چنے چپے پر پولیس کے لوگ موجود تھے۔ تم اسے اس عورت کی ذاتی پولیس کہہ سکتے ہو لیکن تم نہیں اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ وہ سب سادہ لباس میں رہتے ہیں۔“

”اب کجما۔“ داور نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو پھر تمھاری اس پرکھوان بستی میں یہ سب ہنگامے کیسے شروع ہو گئے؟ کیا اس عورت کو ان باتوں کی خبر نہیں ہے۔“

”یہ ایک بی بی کہانی ہے اجنبی۔“ نیلما نے کہا۔ ”اس وقت تو ہمارا گھر اکیلے۔ وہ سانسے جس پر لال رنگ کیا ہوا ہے۔“

”وہ دونوں لال رنگ کے اس مکان کے پاس آ کر ٹک گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ بستی کے زیادہ تر مکانات اسی سائز کے تھے۔ اس مکان کا دواڑہ بچھڑا ہوا تھا۔ نیلما نے اس

دروازے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ دواڑہ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا۔ اندر سے کسی کے پکارنے کی آواز آئی۔

”واپس آؤ! نیلما سامان لے کر آئیں۔“

نیلما نے داور کی طرف دیکھا پھر اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں یکے بعد دیگرے اس مکان میں داخل ہو گئے۔ وہ معمولی سا دوسرا مال والا ایک کمرہ تھا۔ اس کی حالت بیٹا ہر گز سخی اور میکوں کی حالت کے درمیان نہ تھی۔ دواڑے کے پاس ایک بستر تھا جس پر ایک آدمی بیٹھے تھے۔ وہ دواڑہ کھولا اور آدمی تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے شے میں ڈال کر پھینک دیا گیا ہو۔ اس کی بیوی بھرتی ہوئی تھی۔ بال بال اٹھتے ہوئے تھے۔ گال اندر کی طرف دھنسنے لگے تھے۔ اور اس کی آنکھیں غنودگی سے پھیل ہو رہی تھیں۔ اس نے داور کو بھی کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن اس نے اپنی تو پریشانی کی طرف دیکھی تھی۔

”نیلما! نیلما! اس نے اپنا ایک ہاتھ خیرات مانگنے والے انداز میں نیلما کی طرف بڑھا دیا۔ لاؤ دے دو جیسے میرا بلورا بدن ٹوٹ رہا ہے۔ میں قریب ہوں۔“

”نہیں! سہمی نہیں لاتی۔“ نیلما نے جواب دیا۔ پھر اس نے داور کی طرف دیکھا۔ ”تم نہیں سمجھو۔ میں اس کے لیے ایک خوراک لے کر آتی ہوں۔“

داور نے اس بات میں اپنی اردن ہلا دی۔ نیلما بڑی تیزی کے ساتھ اس مکان سے باہر نکلی۔ اس دوران بستر پر بیٹھے ہوئے شخص نے بی گمانا شروع کر دیا اس کا گردن ٹوٹ رہا تھا اس کی پڑیاں کڑھلا رہی تھیں۔ وہ اسی طرح چٹکے لگتا جیسے اس کے جسم سے بجلی کے تار بانہہ دیئے گئے ہوں۔ داور کو اس شخص بدھنسی ہوئے لگا تھا اس نے ایک ایسے نقشے کو اپنے سینے سے لگا لیا تھا جو دیکھ کر اس طرح انسان کے اعصاب کو جھٹکا جاتا ہے۔ اس کی پڑیوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے۔ داور نے بھی اس موذی نقشے کو کھانہ نہیں لگا تھا۔ وہ اس کی بناء کاروں سے ابھی طرح واقف تھا۔ اس نے شرب پی تھی۔ ایک آدھ بار چرس کے دم بھی لگائے تھے۔ لیکن کسی نقشے نے اس کی قوت ارادی کو کمزور نہیں کیا تھا۔ اس نے بیروں کو اس لیے ہاتھ نہیں لگا یا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص اس وقت تک نازل نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خوراک اسے فراہم نہ کر دی جائے۔

نیلما کچھ ہی دیر میں دمرف اپنے شوہر کے لیے بیروں بلکہ کھانے پینے کا سامان بھی لے کر آئی تھی۔ داور کی دی ہوئی رقم کا اس نے بالکل صحیح استعمال کیا تھا۔ داور ایک طرف کھڑا کہ

نیلما اور اس کے شوہر کی طرف دیکھتا رہا۔ نیلما نے ایک گٹھ  
 بیس، بیرونی بھر کے اپنے شوہر کے حوالے کر دی۔ اس کے  
 شوہر نے لڑتے ہوئے ہونٹوں سے حرکت ملگائی اور دیر سے  
 دیر سے کش لینے لگا۔ دادو کی نگاہوں میں نیلما کی اجیت  
 بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک ایسی صورت تھی جس نے اپنے لڑتے زوہ  
 شوہر کے لیے خود کو ڈھنکائی کر دیا تھا۔ وہ اس کی تشہین کے  
 لیے اپنے آپ کو فروخت کرنے لگی تھی۔ داور نے ایسی عود میں  
 بہت کم دیکھی تھیں۔

وہ جاکش لینے کے بعد اس کے شوہر کو سکون آتا تھا لگا  
 اس نے اپنی کیفیت میں ڈوبی ہوئی آنکھیں کھولیں اور دادو کو  
 دیکھ کر اس طرح چونک پڑا جیسے پہلی بار اس کی موجودگی میں  
 کی ہے۔

”یہ کیوں ہے نیلما؟“ اس نے اپنی بیوی سے داور کے  
 بارے میں پوچھا۔

”یہ میرے گاہک ہیں۔ نیلما نے جواب دیا۔  
 ”تم اپنے گاہک کو یہاں کیوں لا رہی ہو؟“ اس کا ہونٹ  
 ہو گیا تھا۔ ”یہ معاملات باہر ہی طے کر لیا کرو۔“

”یہ ویلے گاہک نہیں ہیں۔ نیلما نے کہا۔ یہ دوسری  
 قسم کے انسان ہیں۔ انھوں نے میری مدد کی ہے۔“

”جو اس سبب جو اس نے اسے بڑا سامنا بنایا۔ ہر گاہک  
 ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔“

”اگر تھیں اتنا ہی احساس ہے تو اپنی بیوی کو دوڑوں  
 کے پاس کیوں بھیجتے ہو۔ اس وقت تمھارا یہ فلسفہ کہاں چلا جاتا  
 ہے۔“

وہ دادو کو گھورتا رہ گیا۔ داور نے نیلما کی طرف دیکھا ”نیلما  
 اب میں تم سے وہ کام لینا چاہتا ہوں جس کے لیے میں نے تم  
 سے کہا تھا۔“

”میری بیوی کا وقت بہت قیمتی ہے۔“ نیلما کے شوہر نے  
 کہا۔ ”یہ تمھارے فائدہ کاموں میں اپنا وقت ضائع نہیں کر سکتی۔“

”تمھارے لیے اس سے کیا فائدہ پڑتا ہے۔ تم تو اپنے بولنے  
 سے مطلب رکھو اس سے بڑا اور کیا کام ہوگا جو تم لڑی بیوی سے  
 کروا لے ہو۔ میں تمھاری بیوی کو دن بھر اپنے ساتھ رکھوں گا  
 اور دن بھر کا معاوضہ اس سے دو گنا ادا کروں گا جتنا یہ حاصل  
 کرتی ہے۔ سمجھ گئے۔“

وہ گئے مٹانے کا کئی گھنٹہ کا جہرہ ہر ایک تھا۔ جبکہ  
 نیلما بہت لڑتی ہوئی اور نرم خود دیکھائی دے رہی تھی۔

”بتاؤ کہ کیا کام ہے۔“ نیلما نے کچھ دیر بعد دریافت  
 کیا۔ ”کیا مجھے اپنے سے بڑے کسی ادا کے حوالے کر دو گئے۔“  
 ”ایسی بات نہیں ہے۔“ دادو کا چہرہ سرخ ہو گیا۔  
 شخص تمھارے شوہر کی طرح بے غیرت نہیں ہوتا۔ تم میرے  
 ساتھ چلو اور میں نے تمھیں جو رقم دی تھی۔ اس میں سے اگر  
 بچے ہوں تو اپنے شوہر کے لئے بڑا دھیر کر دوں گا۔ یہ ان کو نور  
 کو چھوڑ کر کتنی حاصل کرنا رہے۔ اور اسے تعین آجائے  
 کہ تم جہاں بھی ہو اس کے لیے روپیہ پیدا کرنے کی مشین بن  
 ہوئی ہو۔“

دادو کا خیال تھا کہ اس نئے بات پر اس کا شوہر ہر گز  
 اسے گا۔ لیکن بھرتے کی بجائے وہ اپنی بیوی کی طرف دیکھ  
 لگا تھا۔ نیلما نے بتایا کہ اس کے لئے بڑا بڑا رکھ دی خریدار  
 کے ہاں جو اس کے پاس آچے خاصے روپیہ بک گئے تھے۔ وہاں  
 کو دیکھ کر اس شخص کی خوشیوں کا کوئی شک نہ رہا تھا۔  
 نے ان دونوں کی طرف سے وحیان بنایا اور دونوں کو دو ٹوا  
 باغیوں سے سینے لگا۔

دادو اور نیلما اسے اس حال میں چھوڑ کر باہر آئے  
 نیلما اس وقت بے حلاfas ہونے لگی تھی۔ لیکن داور نے  
 کسی دہریہ میں اپنی باتوں سے اس کی فوج اپنے شوہر سے جدا  
 تھی۔ وہ اسے اپنے اور بعد کے قہقہے مٹانے لگا تھا۔ جبکہ  
 من کر رہا تھا کہ خوبصورت ہونٹوں پر مسکراتے دھڑکنے لگا  
 تھی۔

”ہلے رام۔“ اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم نے  
 بہت زبردست زندگی گزار دی ہے۔ پھر تم یہاں کیوں  
 آئے؟ یہاں سے تمھیں کیا ملے گا؟“

”میں یہاں کسی دوسرے کام سے آیا ہوں۔ دادو  
 بتایا۔ ”میرا یہاں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں اپنا کام  
 کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ اور میرا سب سے پہلا کام یہ ہے۔  
 میں تمھاری کافی دیوی کا مندر دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں  
 اس مندر کی بہت تعریف کرتی ہوں۔“

”ہاں۔ وہ بہت زبردست مندر ہے۔ نیلما نے  
 ہنس کر پوچھا تو اس مادام کی پوری قوت اپنی سے سمجھنے  
 مندر تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اندر جانے کے لیے بہت  
 کرنے پڑتے ہیں۔ عام لوگوں کو پہنچنے میں صرف ایک بار  
 جانے کی اجازت ہے جبکہ اس مادام کے خاص آدمی  
 آنا جانا گارہتا ہے۔“

”کیا تم اس کے کسی خاص آدمی سے واقف ہو گے؟“  
 نے پوچھا۔

”ہاں۔ ایک آدمی میرا گاہک ہے۔“ نیلما نے بتایا۔  
 گاہک ہمیشہ ہے۔ سننے میں کہ وہ بہت خاص آدمی ہے۔“

”کیا تم میری اس سے ملاقات کر سکتی ہو؟“  
 ”کیوں نہیں؟ نیلما نے کہا۔ لیکن اس کے لیے تمھیں اس  
 مندر تک چلنا ہوگا۔ کیونکہ مندر سے متعلق لوگ مندر ہی کے  
 حاطے میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے بہت سے کارٹر بنے ہوئے  
 ہیں۔ ان میں سے ایک بھی نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ  
 مندر کے لیے غیر ملکی کیوں رکھے گئے ہیں۔ مہر حال یہ میں  
 نہیں بتا سکتی۔ البتہ میں تمھیں ہمیشہ سے ملوا سکتی ہوں۔

یہ بھی مندر کے احاطے میں ہی رہتا ہے۔ ہاں ایک بات اور  
 تھیں اس لہجے میں کوئی سواری نہیں ملے گی۔ یہاں بیدل  
 ایک ایک جیسے دوسری جگہ آنا جانا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے  
 تم نے اب تک کوئی گاڑی بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ ایک گاڑی  
 ہی تو ان لوگوں کی ہیں جن کا تعلق مندر سے ہے۔ دوسری

یہاں گاڑیاں رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ویلے بھی ہیں  
 کی کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوتی کہ لہجے زیادہ بڑی  
 میں ہے۔ وہ گھنٹوں میں ہر گز لہجے کا چکر لگاتے ہوئے۔  
 ”کوئی بات نہیں۔ میں بیدل چلنے کا عادی ہوں۔ بتاؤ  
 ہاں سے کس طرف چلنا ہوگا؟“

”شمال کی طرف۔“ نیلما نے بتایا۔ لیکن وہاں جانے سے  
 پہلے میں تمھیں ہوند کے ہوش کی چالنے بتانا چاہتی ہوں۔ تم  
 پورے ہندوستان میں اس سے اچھی چالنے نہیں جانتی ہوگی۔  
 دیکھو۔ وہ سامنے جو چھوٹا سا ہونٹ نظر آ رہا ہے نا وہی ہوند  
 ہونٹ ہے۔ اچھی اور سستی چالنے کا اعلیٰ مرکز۔“

دادو مسکرایا۔ نیلما کے ذہن سے وقتی طور پر یہی اپنے ذہن  
 خیال آ گیا تھا۔ وہ مسکرایا تھی، ہنس رہی تھی۔ دیر میں  
 رت کے اندر کو چھوڑ کر چلنے لگے اُسے دوبارہ زندگی کی طرف  
 اہمیت و شعور ہو جاتا ہے۔ دادو کا اس بات کی خوشی تھی کہ اس  
 پہلے یہ کام زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔

وہ دونوں اس دوران باہر گئے۔ ہوند کے  
 لہجے پہنچنے گئے۔ ہونٹ کے اندر سے لوگوں کی باتیں کرنے  
 ہونے کی آواز سن آ رہی تھیں۔ نیلما نے اپنے ساتھ ہونٹ کے  
 رہے آئی۔ اس ہونٹ کا وہ کہ بہت چھوٹا تھا۔ جہاں گاہکوں  
 بے میزبان اور کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ ایک طرف ایک گاہک

تھا۔ کا ذہن کے برابر میں ایک کھڑکی تھی اور اس کھڑکی کے  
 دونوں ہٹ گئے۔ ہونٹے تھے اور اس کھڑکی ہونٹے کھڑکی سے باہر کا  
 منظر دکھائی دے رہا تھا۔

”وہ دیکھو جی۔“ نیلما نے دادو کو متوجہ کرتے ہوئے کھڑکی  
 کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پہاڑی دیکھ رہا تھا۔ وہ نا۔ وہ ایک کھڑکی  
 پہاڑی ہے۔ بالکل اعلیٰ معلوم ہوتی ہے نا۔“

نیلما نے اس پہاڑی کے بارے میں شاید کچھ اور بھی کہا  
 لیکن دادو کا وحیان اس کی طرف نہیں تھا۔ وہ پوری بیٹی نظروں  
 سے اس پہاڑی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اس ہونٹ کا جائزہ  
 لیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ ماحول اس کے لیے اجنبی  
 ہے۔ وہ یہ سب اس سے پہلے دیکھ چکا ہے۔ پھر اسے یاد آیا

کہ وہاں نے قبلہ اولیٰ کے ہونٹوں کو تو تو تو دکھائی تھی۔ وہ تصویر ایسی  
 ہونٹ کی تھی۔ وہ دونوں اسی ہونٹ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے غلطی  
 نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں اسی ہونٹ میں تھے۔

دادو کی وی ہونٹ رقم نے دادو کا اثر دکھایا تھا۔ آئندہ کے  
 انداز، ہی بدل گئے تھے۔ وہ ان لوگوں کے گئے پیچھے ہاتھ مارنے  
 گھومتا پھر رہا تھا۔ دادو نے اس وقت اسے مزوری اختلافات  
 کے لیے نہیں سمجھا دیا تھا۔ دلچسپ اور دلچسپ کا رونا تھا دیکھ  
 دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ آئندہ کے چلنے کے بعد دلانے  
 اس سے پوچھ ہی لیا۔

”سب کام ہو رہا ہے ہمارا راج۔ آپ یہاں کیا کرتے کا  
 ارادہ رکھتے ہیں؟“

”تم بس دیکھتے جاؤ۔ میں آئندہ کے ذریعے مارگ کو قتل لوں  
 کروں گا۔ اور مارگ کے ذریعے مجھے لوگ مل جائیں گے  
 جو آگے چل کر میرے کام آسکیں گے۔“

”اس کے لیے اختیار پریشانی کیا ضرورت ہے؟ آئندہ ہی  
 آپ کو ایسے آدمی لا کر دے گا۔“ نیلما نے کہا۔

”میں نیلما بات کچھ اور ہے۔ اس میدان میں میرا تجربہ  
 تم سے زیادہ ہے۔ اور میرا ذہن تم سے زیادہ کام کرتا ہے۔  
 آئندہ کے لئے ہونٹ آدمی ذہنی طور پر مار پریشاں اور ہنگامے  
 کام تو آسکتے ہیں۔ لیکن ان سے کسی بڑے کام کی توقع نہیں کی جا  
 سکتی۔ وہ وہاں سے عاری لوگ ہوتے ہیں۔ تمھیں کسے پر  
 حاصل کیا گیا ہوگا۔ اس لیے ان پر ضرور مہم نہیں کیا جاسکتا۔  
 جبکہ مارگ کے آدمی شکست ہوں گے۔ وہ تربیت یافتہ لوگ  
 ہوں گے۔“

”یہ تو واقعی بہت دور کی بات ہوئی جہاں سے شیلے مسکراتے ہوئے کہا ”یہ تو اس حد تک کہ میں سوجھتی تھی“  
 دلاور مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ دلاج اس وقت ان کے سامنے تھا۔ وہ دیکھتا تھا کہ وہ شیلے کی سوجھتی زندگی اس کی دوسری جگہ ہے۔ وہ تو اپنی زندگی تک سے مایوس تھا پھر شیلے نے اس کی کردہ روٹی میں زندگی کی ہر دھڑکی دے دی۔ وہ اس قسم کی بہت سی باتیں کہنا چاہتا تھا۔ یہ باتیں اس کے دل میں تھیں۔

آئندہ اسے اپنے گھر ہی میں لے آیا تھا۔ وہ دلاور کے حکم کی تعمیل اس انداز سے کر رہا تھا جیسے وہ اس کا زبردست غلام ہو۔ اس وقت وہ کچھ آدمیوں کا بندوبست کرنے گیا تھا اور وہ وہیں اس کے گھر ہی میں تھے۔ آئندہ کچھ عرصے میں تہا رہتا تھا۔ اسی لیے ابھی تک اس کے علاوہ اس گھر میں کسی اور کی صورت دکھائی نہیں دی تھی۔

آئندہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آیا۔ وہ اپنے ساتھ بارہ آدمیوں کو بھی لے آیا تھا۔ وہ پانچوں صورتوں ہی سے خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔

”یہ پانچوں اپنے اپنے فن کے استاد ہیں جہاں سے آئے ہوں دلاور کو بتایا۔ یہ رہ گئے۔ جا تو رہا ہے۔ میں اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ دلاور نے رکھو تو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ وہ بولے تو ایک نیم نیم آدمی تھا لیکن اس کی آنکھیں اس بات کو ظاہر کر رہی تھیں کہ ان آنکھوں نے جانتا تو وہ کو اپنی گرفت میں لے کر نہ جانے کتنے انسانوں کو زخمی کیا ہوگا۔ کچھ چاقوؤں کے نشانات اس کے چہرے پر تھے جی جیسے کسی دوسرے کے ہاتھوں سے آئے تھے۔

گھونے مسکراتے ہوئے اپنی جیب سے چاقو نکالا اور دلاج سے کہا کہ وہ ایک ماہی کی کٹی چھال دے۔ دلاج نے اس کی بات بیکار ایک ماہی کی کٹی چھال دے دی۔ وہی لٹے رکھو کی آنکھیں ایک دائرہ بناتی ہوئی حرکت میں آئیں۔ یوں کی آواز پیدا ہوئی اور وہ چاقو سامنے والے دوازے میں جا کر پیوست ہو گیا۔ ماہی کی کٹی دیر میں اسے دو ٹکڑے ہو گئی تھی۔

”برسوں گھنٹوں کے استاد یا مخلصان کی جوتیاں سیدھی کی ہیں تب جا کر یہ ہاتھ ملا ہے۔“  
 ”یہ ہندو ہے ہمارا ج۔ دلاج نے ایک دوسرے کو آگے بڑھا دیا۔ وہ بھی گھومے کہ خطرناک معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اس ہندو نے آپ اسوں کا بادشاہ کہنے نہیں ہمارا ج۔ آئندہ نے کہا۔ یہ صرف قسم کا اسلوا استعمال کر سکتا ہے بلکہ ہر قسم کا کلام بھی کر سکتا ہے۔ پس آپ اسے چھو لیں۔ یہ آپ کے لیے پستول سے لے کر توپ تک لاکر رکھ دے گا۔“

”بہت اچھا۔ دلاور مسکرا دیا۔ پھر تو بہت کام کا آدمی ہوا۔ آپ کا چاکر ہوں ہمارا ج۔ ہندو نے دھڑلے انداز میں اپنے ہاتھ جوڑ دیے۔ آپ حکم کریں۔ پھر دیکھ کر ہوتا ہے۔“  
 ”اور یہ مسلمان ہے۔“ آئندہ نے ایک عرصے کو آگے بڑھا ہونے اس کا تعارف کر دیا۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ایکلاس آدمیوں پر بھاری ہے۔ مارشل آرٹ میں بڑی مہارت حاصل آپ سے۔ مارشل آرٹ کے علاوہ قدم طرز جنگ میں بھی اس کا کوئی مقابل نہیں مل سکتا۔ آپ جب چاہیں اسے بروسے رخ کے سامنے کھڑا کریں۔ یہ پورے رخ کو کھینچ کر تھامے گا۔“

مسلمان نے اپنی تعریف سن کر دانت نکال دیے۔ دلاور کو آوی بھی پسند آیا تھا۔ آئندہ نے بہت ہی کام کو آدمیوں کا تعارف کیا تھا۔

”اور یہ گنزل ہے۔ آئندہ نے ایک اور آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ یہ تجویر اور تانے کھولنے میں اپنا جواب نہیں دے سکتا۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں کہ شاید کوئی ضرورت ہو۔ یہی ضرورت نہ پڑ جائے۔ دلیے بظاہر تو شاید کوئی ضرورت نہ ہو۔ نہیں ہو رہی ہے لیکن۔“

”ہیں اس کی بھی ضرورت ہے۔ آئندہ نے دلاور سے کہا۔ تم ابھی اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن تمہارا ہر آدمی ہمارے کا ہے۔“

”بہت بہت شکر ہے باس، گنزل نے بڑے انداز سے گردن جھکا کر دلاور کا شکریہ ادا کیا۔“

”اور میں دوٹھ ہوں۔“ پانچوں آدمی نے خود ہی تعارف کر دیا۔ ”میرے اندر کبھی کی بھی پھرتی ہے۔ میں بڑے گاڑیاں چلا سکتا ہوں۔ جوڑ سکتا ہوں۔ سے کہیں کبھی اس کے علاوہ مارے بیٹ میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ میں نہیں کہتا کہ میں مسلمان کی طرح نرم و ست فا ہوں لیکن

”یہ سب آپ کی جوتیوں کا صلہ ہے ہمارا ج۔“ رہ گئے۔

چار آدمیوں کے پس کا لوگ بھی نہیں ہوں۔“

دوٹھ کی باتیں سن کر سب ہی مسکرا دیے۔ دلاور کو کڑوا بھی پسند آیا تھا۔ آئندہ نے سب سے پہلے چھانٹ کر لے آیا تھا۔ وہ خود بھی ایک عرصے سے جرائم کی دنیا سے شغول تھا۔ لیکن یہ لوگ اس سے پہلے کہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر ان کے دعوے درست تھے تو انہیں اب تک سامنے جانا چاہیے تھا۔ دلاور خود بھی ایک بڑی تھیکم کا مرہرہ تھا۔ اور ان کے دعوے درست ہی معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم ان میں سے ایک نے رگھو نے تو اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر ہی رہا تھا۔ دوسرے بھی اس کی طرح دیر اور اپنے اپنے تجربے میں طاق معلوم ہو سکتے۔

اس سے بڑی جرات کی بات رہی کہ آئندہ کی اس طرح ایک گھنٹے کے اندر اندھا نہیں سمیٹ لیا تھا۔ جیسے وہ لوگ اس کے انتظار ہی میں بیٹھے ہوں۔“

”کہا خیال ہے ہمارا ج آپ کا۔“ آئندہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ اس دوران وہ دلاور کا دھڑلے دھڑلے چکے تھے۔ دلاور کی طرح شیلے بھی ان لوگوں کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ ”پہلے یہ بتاؤ کہ وہ کتنے مل کہاں سے آئے؟“ دلاور نے سوال کیا۔ اس کے بعد میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔“

”بات یہ ہے ہمارا ج کہ میں آپ سے کوئی بات چھپاتا نہیں سکوں گا۔ آئندہ نے ایک گہری سانس لی۔ آپ میرے ان داتا ہو گئے ہیں۔ اس لیے کھنکھ کر سب کچھ بتا رہا ہوں۔ میں ہمارا ج۔ آج کی سب سے بڑی قوت دولت ہے جس کے پاس یہ دولت ہے وہ اس دنیا کا بادشاہ ہے۔ وہ جیسے ہزاروں آدمیوں کو بل بھر میں خرید سکتا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ اگر کوئی شخص کسی فرم میں ملازمت کرتا ہے تو اس کی ساری دنیا وہاں اس فرم کے مالک کے لیے ہو جاتی ہیں بالکل اسی طرح آپ نے مجھے ایک طرح سے ملازم رکھ لیا ہے اور میں اپنے ان ساتھیوں کو آپ کے پاس لایا ہوں۔ ہاں ہم سبوں نے آپ کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے ہماری ساری دنیا دارا کریم کم از کم اس وقت تک آپ کے لیے ہیں جب تک آپ ہمیں خود سے الگ نہیں کر دیتے۔ لیکن آپ یقین کریں کہ آپ سے الگ ہونے کے بعد بھی ہم آپ کے خلاف نہیں جائیں گے۔ اب میں اپنے بارے میں آپ کو بتا دوں میں کوئی اچھا آدمی نہیں ہوں۔ یہ سب وعدے مارگ کے دھندوں سے الگ نہیں تھے لیکن میں اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے اپنے ہاتھ پاؤں نہیں پھیلا سکا۔ مارگ نے اس لیے میں آنے کے بعد اپنا اترقا مگر میرا اور لوگوں کے دلوں سے

چراغ دھندلے ہوئے ہیں۔“ دلاور نے اپنے ساتھیوں کی باتیں سن کر سب ہی مسکرا دیے۔ دلاور کو کڑوا بھی پسند آیا تھا۔ وہ خود بھی ایک عرصے سے جرائم کی دنیا سے شغول تھا۔ لیکن یہ لوگ اس سے پہلے کہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اگر ان کے دعوے درست تھے تو انہیں اب تک سامنے جانا چاہیے تھا۔ دلاور خود بھی ایک بڑی تھیکم کا مرہرہ تھا۔ اور ان کے دعوے درست ہی معلوم ہوتے تھے۔ کم از کم ان میں سے ایک نے رگھو نے تو اس کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کر ہی رہا تھا۔ دوسرے بھی اس کی طرح دیر اور اپنے اپنے تجربے میں طاق معلوم ہو سکتے۔

میری دھندلے ہوئی تھی۔ میری جگہ وہ مارگ سے ڈرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں بھی خاموش ہو کر بیٹھ گیا لیکن نہیں میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھا۔ بلکہ میں نے ایسے لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو کسی طرح میرے کام آسکتے۔ اس تلاش میں یہ لوگ بھی مل گئے۔ یہ سب اپنے اپنے فن کے استاد تھے لیکن خاموش ہو کر بیٹھے تھے۔ اس کی وجہ دہی و سائل کی کمی ہے۔ لیکن میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ مجھے جیسے ہی موقع ملا میں انہیں اپنے ساتھ شامل کروں گا۔ آج آپ کی وجہ سے مجھے موقع ملا ہے اور میں ان لوگوں کو لیا کر آپ کے پاس لے آیا ہوں۔“

”عینک ہے آئندہ۔ دلاور نے مطمئن انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔“ تمہاری باتوں نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔“

”ہمارا ج۔“ ہندو نے اسے مخاطب کیا۔ ”مجھے معلوم کرنے کا حق تو نہیں ہے کہ آپ کون ہیں؟ اور یہ سب کیوں کر رہے ہیں کیونکہ اس وقت ہم نے خود کو آپ کی فکری میں دے دیا ہے۔ آپ کو اپنا مالک تسلیم کر لیا ہے۔ میں آپ سے کچھ پوچھنا نہیں چاہتا لیکن انسان کے ذہن میں کونجی تو لگی رہتی ہے نا میں اس لیے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ بڑا نا میں تو کچھ اپنے بارے میں بھی بتا دیں۔ آئندہ نے آپ کے اوردان کماری جی اور مارگ کے بارے میں ایک کہانی تو سنائی ہے۔ لیکن معاف کیجیے۔ بات میں مطمئن نہیں کر سکتی۔ میں یقین نہیں کیا۔“

ہندو کی بات سن کر دلاور مسکرا دیا۔ یہ لوگ خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی تھے۔ اور وہ خود بھی جانتا تھا کہ وہ خود کو ان لوگوں سے چھپا کر نہیں رہ سکتا ہے۔ اسے خود بھی اپنی کہانی مصنوعی معلوم ہوئی تھی لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بارے میں بھی کچھ ظاہر کرے یا نہ کرے اور اس مسئلے میں اس نے بہی مناسب سمجھا کہ شیلے سے شروع کر دے۔ وہ شیلے کو اپنے ساتھ آئندہ کے مکان کے صحن میں لے گیا جبکہ دوسرے لوگ وہیں رہ گئے تھے۔

”میں سمجھتی تھی کہ آپ کا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔“ شیلے نے کہا۔ ”آپ کشش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ ان لوگوں کو کیا بتایا جائے۔“

”ہاں۔ یہی مسئلہ ہے۔ دلاور نے ایک گہری سانس لی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو کس طرح مطمئن کروں۔ یہ بہت گھٹا قسم کے لوگ ہیں۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں انہیں اس بستی میں مارگ کے پاس کسی اور شخص سے لے آیا تھا لیکن آئندہ نے ایسے ایسے لوگوں کو لے لیا ہے کہ ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا

”یہ سب آپ کی جوتیوں کا صلہ ہے ہمارا ج۔“ رہ گئے۔





سکتی ہیں۔ جبکہ ہماری منزل ابھی بہت دور ہے۔ ابھی ہم نے اس ملک میں حاصل کی کہ کیا ہے کچھ بھی نہیں۔ بس لونا جیسے کچھ لوگ ہمارے قاتلوں میں آگئے ہیں۔ اس کے علاوہ کیا ہوئے۔

”یہ بھی ذہانت بڑی بات ہے جناب، ہمارے میں موجود آدمیوں میں سے ایک نے کہا ہے یہ لونا کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس نے انٹر نیشنل چیئر مین ایسوسی ایشن بنا رکھی ہے۔ دھوکہ دہی کی دغا بے دقتی دارواتوں میں ملوث ہے۔ کروٹوں کی دولت حاصل کر لی ہے۔ وہ خود بھی بے انتہا ذہین ہے اور اس کے ارد گرد ذہین آدمیوں کا مجمع لگا ہوتا ہے۔ اس کے نائب بھی بلا کے ذہین ہیں۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی ذہانت سے اسے ثورت بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ معمولی بات نہیں بہت بڑی بات ہے۔“

”ہاں، اور مجھے اپنے اس کارنامے پر فخر ہے“ ناگر نے فرمایا۔ ”مجھے میں لولاہ وہ اور اس کے آدمی اپنی بے پناہ ذہانت سے دولت پیدا کرتے ہیں۔ اور وہ دولت ہماری جیبوں میں آجاتی ہے۔ بے چارے لونا و احساہی نہیں ہوتا کہ انٹر نیشنل چیئر مین ایسوسی ایشن کا پاس ہمارے ہاتھوں چپ ہوا جا رہا ہے یہ ہے ناکامی کی بات۔“

اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ ہنس پڑے۔ ان کی ہنسی بہت دیر تک اس کمرے میں خالی ڈرم کی طرح رخصتی رہتی تھی۔ ”باس“ ہنسی ختم ہو جانے کے بعد ایک آدمی نے ناگر کو مخاطب کیا۔ ”بے کمال ہے کہ لونا مکمل طور پر اپنے آپ کو غوث بننے لگا ہے۔ اس کے باوجود اس کی بنیادی صلاحیت ابھی تک برقرار ہے۔ یعنی وہ اپنی ایسوسی ایشن کو کسی کامیابی سے چلا رہا ہے جس طرح پہلے چلا کرتا تھا۔“

”یہی تو ہماری سیکم کا سب سے اچھا پہلو ہے“ ناگر نے کہا۔ ”اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر وہ ہمارے کس کام کا ہوتا، تم نے اس کی شخصیت تبدیل کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس کی ذہانت ختم نہ ہونے پائے۔ اور وہی ہوا اس کی ذہانت برقرار ہے لیکن ہمارے سامنے اس کی ساری شخصیت اور ساری ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔“

”باس، اپنی تعظیمیں مومن اور مومن نانی دوا جتنی چاہا آدمی ہیں، ایک آدمی نے بتایا کہ ہمیں وہ دونوں اپنی ذہانت سے ہم تک پہنچ جائیں۔“

”ایسا بھی نہیں ہو سکتا، ناگر نے بڑے وقوف سے کہا۔ ”ہم نے ان دونوں کے ارد گرد بھی اپنے جلی پھیلا رکھے ہیں وہ

جب بھی اپنی ذہانت سے ہماری طرف آنے کی کوشش کریں گے، ہم انہیں قابو میں کر لیں گے۔ اس لئے تم ان کی بربادہ مت کرو۔ دیکھو۔ اس ملک میں آنے کے بعد جب میں نے یہ جھیل شروع کیا تو مجھے معلوم تھا کہ یہ مکمل آسان نہیں ہے۔ اس میں بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔ اس کی خطرناک کئی ماہ رکھنا ڈی کی طرح چلتی ہوئی تھا جس نے مجھے دیکھ کر ڈھپلا کے ہارے میں نہیں سوچا میرے ذہن میں شروع کی سہولت کے اگر قابو میں کیا جائے تو کسی ایسے شخص کو جس نے خود کو گواہنے قابو میں کر رکھا ہے۔ مزاد آئی کھیل میں آتا ہے جو کھلاڑیوں کے ساتھ کھلا جائے۔ اسی لئے میری سہولت میں اس قسم کے آدمی تھے۔ یہ طاقت دولت مند یا پھر ایسے لوگ جو بڑا کسی کی قیادت کے ساتھ ہوں۔ اتفاق سے پہلا نام لونا کا نکل آیا تم لوگوں کو میں اب کیا ناموں کے میں نے دقتی مسئلوں سے

اس ملک کے ایسے آدمیوں کی فہرست تیار کر رکھی ہے۔ ان کا ہوا ریکارڈ میرے پاس ہے۔ یہاں کی پولیس کو بھی انہیں منسوب ہو گا کہ لونا کی کیا کرتا ہے۔ بلکہ پولیس کو تو کچھ معلوم ہی نہیں ہو گا۔ بلکہ میرے پاس ان کی حرکتوں کا مکمل ثبوت موجود ہے۔ میں اگر چاہتا تو انہیں عام انداز سے بلیک میل بھی کر سکتا تھا۔ لیکن اس میں دو باتیں میرے سامنے تھیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ عام قسم کے بلیک میلروں کا انجام ہلاکتیں کوئی بھی شخص غصے میں انکار کے خلاف کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ تھی کہ اگر میں بھی عام بلیک میلروں کی طرح انہیں بلیک میل کرنے لگ جاتا تو مجھ میں اور

دوسروں میں فرق کیا رہتا۔ میری ذہانت پھر کس دن کام آتی۔ یہ سوچ کر میں نے بلیک میلنگ کا وہ راستہ اختیار کیا جو دوسروں کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اب تم لوگ خود ہی اس بات کا پتا لگاؤ کہ جب اس ملک کی ساری خطرناک تنظیموں کے سربراہ غوثوں کی طرح باتیں کر رہے ہوں گے تو کتنے مزائے کا لگاؤ۔ وہ سب کے سب ہمارے قابو میں ہوں گے۔“

”بہاوت تو ہے، ایک آدمی نے اس کی تائید کی۔ ”کچھ دنوں کے بعد اس ملک کے سارے خطرناک آدمیوں کے ذہنوں پر ہمارا راج ہو گا۔“

”ناگر نے کچھ کہنا چاہتا کہ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور دھک دینے کے بعد ایک پہلو ان آدمی کر کے تیر داخل ہو گیا۔

”باس“ وہ ناگر کی طرف دیکھتے ہوئے لولاہ وہ بڑھاپا ہنگامہ کر رہا ہے۔ اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔“

”چلو میں ابھی آتا ہوں“ ناگر نے کہا۔ وہ پہلو ان آدمی کر کے سے باہر چلا گیا ناگر نے کمرے میں موجود آدمیوں کو مخاطب کیا۔ ”آؤ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ اور دیکھو کہ میرے کام سے انکار کرنے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔ اس لوٹھے کی شہادت آئی ہے۔ ڈاکٹر تم میرا خیال ہے کہ تمہیں بھی یہ سب دیکھ کر خوشی ہوگی۔ آؤ میرے ساتھ۔“

وہ سب ناگر کے ساتھ ایک کمرے سے کمرے میں پہنچ گئے۔ اس کمرے میں ہر طرف موم اور ہلا سڑاف پیرس کے کنسٹرکٹر کے ہوئے تھے۔ جنھن قسم کے اور ان کی کمرے کے فرش پر پکھے ہوئے تھے۔ اور ان کے درمیان ایک لولاہ اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس لوٹھے کی دلچسپی بے نیشر فری ہوئی تھی۔ اس کے پیرے اس کے جسم پر چھوٹے تھے۔ وہ پہاڑ نما آدمی اس لوٹھے سے کچھ فاصلے پر اپنے سینے پر دو ہلاکتیں ہاندھے کھڑا تھا۔ لوٹھے نے ان کے قدوں کی ہڈیوں کی تھی لیکن اس نے اپنی گردن انہیں اٹھائی۔ وہ اسی طرح ٹھٹھٹھوں میں اپنا سر دیتے ہوئے بیٹھا رہا تھا۔

”فہرڈا“ ناگر نے اس لوٹھے کو قیاد طلب کیا۔ میں یہ کیا سن رہا ہوں۔ تم نے کام کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ یہ تو بہت بری بات ہے جنہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ”ہاں“ میں نے انکار کر دیا ہے۔ ”لوٹھے نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن اٹھائی۔ میں تم پر اور تمہارے اس شیطانی کام پر لعنت بھیجتا ہوں۔“

”یہ تو غلط بات ہے بہرہذا۔“ ناگر نے کہا۔ ”تم اتنے طبع فیکار ہو کہ تمہاری مثال نہیں ملتی۔ تم نے غصے جیسے باطنیاں بنائی ہیں ان کی اگر نمائش کر دی جائے تو پوری دنیا میں ہچکل مچ جائے گی۔ لیکن یہ تو بنو کہ تمہیں اپنے ذہن سے کیا حاصل ہو رہا تھا کچھ بھی نہیں۔ اس ملک میں تمہیں کوئی پوچھنا ہی نہیں ہے۔ کسی کو اس بات کی پرواہ ہی نہیں ہے کہ تم فیکار کیسے ہو پھر میں نے تمہیں تلاش کیا۔ تمہاری فوصلہ افزائی کی اور تم سے ڈبیل بنواؤں۔ یہ اور بات ہے کہ ان فاکتوں کو کچھ اندازو۔ یہ تمہارا درد ستر نہیں ہے۔ یہ ہمارا معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ تم ہماری خرافت تو دیکھو، ہم نے تمہیں آزاد کر رکھا ہے۔ ورنہ ہم تم جیسے کام کے آدمیوں کو اپنے پاس سے جانے نہیں دیتے۔ لیکن تمہیں پوری آزادی حاصل ہے۔ تم اپنا کام کام کے اپنے تجربے وایس جاسکتے ہو پھر تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔“

”میں نے کہا نا کہ میں اب تمہارا کام نہیں کروں گا۔ لولاہ

غصے سے لولاہ میرا شیطانی کاموں میں استعمال ہونے کے لئے نہیں تھا۔ میں نے اپنا خون جگر دے کر اس فن کو پروان چڑھا دیا تھا۔ لیکن تم نے میرے ذہن سے ناچار فائدہ اٹھانے شروع کر دیے۔ میں صراحت بھی نہیں سکتا تھا کہ میری بنائی ہوئی ڈھپوں کا اتنا بھانک استعمال بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال میں آج تمہارے آدمی کے ساتھ اس لئے چلائی تھا کہ تمہیں اپنا یہ فیصلہ سنا دوں کہ میں اب تمہارا کام نہیں کروں گا۔ میں کروں گا۔“

”خدا بھی نہیں ہے بہرہذا۔“ ناگر لولاہ بدستور نرم تھا۔ ”اگر یہ تمہارے ضمیر وغیرہ کی بات ہے تو تم نے اس سے پہلے بھی تو ڈھپیاں بنائی ہیں۔ اس وقت یہ ضمیر کون چلا گیا تھا۔“

”تم نے اس وقت مجھے غیور کر دیا تھا۔ تم نے میرے محسوس بولتے پر تشدد کر کے مجھے غیور کر دیا تھا۔ ورنہ میں بھی تمہارا یہ شیطانی کام نہیں کرتا۔“

”تمہارا لونا تو ابھی بھی تمہارے پاس ہے بہرہذا کہ تمہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اس بے چارے پر ایک بار پھر تشدد کیا جا سکتا ہے۔“

”نہیں۔ اب تم اس پر تشدد نہیں کر سکتے۔ لولاہ بہرہذا عجیب انداز میں مکر دیا۔

”کیوں میں اس پر تشدد نہیں کر سکتا۔ ہونا اگر اس کی بات سن کر چونک پڑا تھا۔

”اس لئے کہ میں نے اب بہت دور پہنچ دیا ہے۔ بہرہذا نے کہا۔ ”آئی دور چماں سے اسے کوئی بھی واپس نہیں لاسکتا میں نے اپنے بولتے کو ہلاک کر دیا ہے شیطانی آدمی۔ اور اب تم مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے کچھ۔ اتنا کہ پیرہلا جنونی انداز میں زور زور سے بلند لگا۔

”کما بات ہے تم تنگ کیوں گئے۔“ فیمل نے داور کی طرف دیکھتے ہوئے بول دیا۔ ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں کچھ پتا آ رہا ہو۔“

”ہاں مجھے بہت کچھ یاد آ رہا ہے۔“ داور نے ہونٹ صحتی ہوئے جواب دیا۔ ”اور جب مجھے کچھ یاد آئے لگتے تھے تو آگ اور خون کی بارش شروع ہو جاتی ہے۔ میں اس پوری سٹی کو کھنڈر بنا کر رکھ دوں گا۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو تم دیکھ لینا کہ یہاں کہا ہوتا ہے۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“ فیمل جلدی سے بولی۔ ”لیکن تمہارے جیسے سے خوف محسوس ہونے لگا ہے۔ نہ جانے تمہارے ذہن میں کیا ہے۔“

”کچھ نہیں“ داور نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔ یہ بات  
 ابھی تہمدی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس ہوش  
 کا مالک کون ہے۔  
 ”وہ جو سامنے کاؤنٹر پر ہے، یہ نیلہ نے اشارہ کیا۔ اسی کا  
 نام جھوندو ہے۔ اس ہوش کا مالک ہے۔“  
 ”ٹھیک۔ دیکھو میں سامنے والی کرسی پر جا کر بیٹھا ہوں۔  
 تم اس جھوندو کو میرے پاس بھیج دو کہ تم اسے مانتی ہو۔  
 ”ہمت ابھی طرح یہ نیلہ نے کہا۔ اور وہ بھی مجھے جانتا  
 ہے۔ تم بیٹھو۔ میں اسے تمہارے پاس بھیج دیتی ہوں لیکن  
 بات کیا ہے۔ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟“  
 ”ابھی نہیں۔ ولے میں نہیں سب کچھ بتا دوں گا کیونکہ  
 یہاں مجھے تہمدی مدد کی ضرورت پڑے گی۔ اب میں چلتا  
 ہوں تم اسے بھیج دو۔“  
 داور کو نے والی ایک میز کے پاس لگی ہوئی کرسی پر بیٹھ  
 گیا۔ ہوش کا یہ کوئی ابھی خالی تھا جبکہ گاہک دوسری طرف  
 بیٹھ تھے۔ اس نے دیکھا کہ نیلہ جھوندو کے پاس بیٹھ کر اس  
 سے باتیں کرنے لگی تھی۔ پھر اس نے داور کی طرف اشارہ کر کے  
 جھوندو سے کچھ کہا۔ اس کے جواب میں جھوندو نے اپنی  
 گردن ہلادی۔ نیلہ کاؤنٹر کے پاس سے ہٹ آئی۔ اور داور  
 کے پاس لگی ہوئی دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔  
 ”وہ ابھی چائے لے کر خود ہی آیا ہے“ نیلہ نے کہا۔ وہ یہ  
 وہ اس بات پر حیران ہے کہ تم اسے یہاں بلا رہے ہو۔  
 ”ابھی اس کی جہاز فیقہ ہو چلی ہے گی۔ داور مگر اتنے ہونے والے  
 اور تم اس دوران خاموش رہنا۔ یا اگر ہوئے تو کچھ دیر کے  
 لئے باہر چلی جاؤ۔“  
 ”نہیں میں تمہارے ساتھ ہی بیٹھوں گی میں یہ دیکھنا  
 چاہتی ہوں کہ تم کیا کرنے والے ہو۔“  
 داور کا ہاتھ اٹھا پھر اس نے خود پر جبر کر کے اپنا ہاتھ  
 نیچے رکھ لیا۔ وہ نیلہ کے منہ پر پتھر مارنے سے روک رہا تھا۔  
 وہ ہر ذرا مت نہیں کر سکتا تھا کہ کوئی حرکت اس کی بات ماننے  
 سے انکار کر دے لیکن اس نے بڑی مصلحتوں سے خود کو قابو  
 میں کر لیا تھا۔ جھوندو اس دوران کاؤنٹر سے اٹھ کر کچن میں چلا  
 گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ کچن سے نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں  
 ہلے کی دو پیالیاں تھیں۔ اس نے وہ دونوں پیالیاں داور  
 اور نیلہ کے سامنے رکھ دیں۔ اور خود ان کے سامنے والی کرسی  
 پر بیٹھنے سے لولا۔  
 ”چلو۔ پیلے تو کم چائے ہو اگر اسے۔ پھر باتیں  
 ہوں گی۔“

”میں تم سے کچھ معلوم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ داور نے  
 اس کی آنکھیں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اور اس کے بدلے میں  
 بلکہ رازدارانہ دیا جائے گا۔“  
 معاوضے کی بات سن کر جھوندو نے دھتکے لہانہ میں  
 مسکرائے لگا۔ اس کے ذہن ہمت پہلے ادا ہے ترتیب تھے۔  
 ”ہاں بھئی۔ کہا لو چھوٹا ہے۔ بتاؤ میرے کوچہ کچھ معلوم ہوگا  
 وہ میں بتا دوں گا۔“  
 ”کیا کچھ دن پہلے تمہارے ہوش میں دوا لے آئی آئے  
 تھے جن کی تصویریں اندری کی تھیں؟“ داور نے پوچھا۔  
 ”تصویریں اتنی ہی تھیں۔“ جھوندو نے جہاز فیقہ سے اس  
 کی طرف دیکھا۔ ”میں تہمدی بات نہیں سمجھ سکا۔“  
 داور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں  
 آیا تھا کہ وہ کس طرح اپنی بات کی وضاحت کرے۔ اگر عدل اور عین  
 کی تصویریں ہی ہوش میں اندری کی تھیں تو پھر چھپ کر اندری کی  
 ہول لگے۔ تاکہ ہوش والوں کو پتہ نہ چل سکے داور کے پاس ان کی  
 تصویریں بھی نہیں تھیں۔ ورنہ وہ تصویریں ہی دکھا کر اس  
 ہوش والے سے کچھ معلوم کر سکتا تھا۔  
 ”سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تم سے کس طرح اپنی بات کہوں  
 داور جھوندو کی طرف دیکھتے ہوئے۔ لولا تم اتنا کچھ تو کہنا ہے  
 کچھ دوا پہلے میرے دواؤں کو بھنی سے اٹھا کر لیا گیا ہے۔  
 دیسے میں یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ وہ دونوں آواز  
 ہیں یا اپنی مرضی سے کہیں چلے گئے ہیں۔ بہر حال مجھے بتایا  
 گیا ہے کہ وہ دونوں آواز اچھے ہیں۔ مجھے ان کی تصویریں  
 بھی دکھانی تھیں وہ تصویریں ہی ہوش کی ہے۔ اس تصویر  
 میں وہ دونوں اس کھڑکی کے سامنے والی کرسیوں پر بیٹھے  
 ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے ارد گرد کچھ نیلہ کی بھی  
 بیٹھے ہیں۔ مجھے یہ بتایا کہ ان دونوں کو کسی خاص دوا کے  
 ذریعے سے بے ہوش کر دیا گیا ہے۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ  
 میں تم سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہوں یا نہیں کچھ معلوم بھی  
 ہے یا نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ تصویریں ہی ہوش کی تھیں  
 ”دیکھو بھائی اس سب میں ہر وقت نئے نئے لوگ آتے  
 رہتے ہیں۔ ان میں تمہارے جیسے جیسے ہوش والے بھی تھے  
 ہوتے ہیں۔ وہ لوگ تصویریں بھی اندر سے رہتے ہیں۔ اب تم  
 خود ہی سوچو کہ مجھے کس طرح معلوم ہو سکتا ہے کہ تمہارے  
 آدی کون تھے۔ میں اس معاملے میں تہمدی کوئی مدد نہیں  
 کر سکتا۔ ہاں کوئی اور کام ہو تو بتا دو۔“  
 داور نے خاموش ہو کر چائے کی پیالی اٹھا لی جھوندو  
 ٹھیک ہی کچن تھا اس طرح واقعی کوئی بات معلوم نہیں ہو سکتی

تھی۔ اس نے چائے کا گھونٹ لے کر پیالی واپس رکھ دی۔ اس  
 کے ذہن میں ایک دوسرا خیال آ گیا تھا۔ اس ہوش کے مالک  
 سے ایک اور کام بھی لیا جا سکتا تھا۔ اور وہ کام یہ تھا کہ وہ عدل  
 کے فیلڈ سے کسی طرح اس کی کوئی تصویر برنگوٹا لے کر شرطیکہ  
 عدل لے بیٹی کوئی تصویر کچن پر لگی ہو اور وہ تصویر برلق سے  
 عدل کے فیلڈ ہی میں موجود ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی  
 راستہ نہیں مل سکتا تھا۔ اس نے تنگ آ کر اس معاملے پر سوچنا  
 ترک کر دیا۔  
 اس نے پھر چائے کی پیالی اٹھا لی اور دو چار گھونٹ لینے  
 کے بعد پیالی واپس رکھ دی۔ چائے کے کپوں اس کے ذہن پر  
 غور کی سی چھانے لگی تھی۔ یہ عجیب طرح کی غور کی تھی۔ جیسے  
 آنکھوں کے سامنے میٹھی میٹھی دھند چھانے لگی ہو اور یہ دھند  
 اس کی پوری نگاہ میں اترنے لگی ہو۔  
 لیکن اسے احساس ہو گیا کہ جھوندو کی چائے کپوں اتنی  
 شہرت کتنی ہے۔ نیلہ نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ ایسی چائے واقعی  
 ہمارے ہندوستان میں نہیں مل سکتی تھی۔  
 ”اچھا بھائی میں تو چلتا ہوں۔ جھوندو دوسری سے کھڑا  
 ہو گیا لیکن داور نے اسی وقت اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔  
 ”نہیں تم ایسے نہیں جاسکتے۔ داور نے کہا۔ تمہاری چائے  
 یہ بتا رہی ہے کہ ہمارے دونوں آدی ہی ہوش میں آئے تھے۔  
 ”نہیں کیا مطلب؟“ جھوندو نے حیرت سے پوچھا۔ نیلہ کی  
 داور کی اس بات پر حیران دکھائی دے رہی تھی۔  
 ”تم ذرا مزید کہہ دو۔ داور نے کہا اس کے ساتھ ہی  
 اس نے اپنی جیب سے پتھر نکال کر اسے میز کے نیچے اس  
 طرح رکھ لیا تھا کہ وہ صرف جھوندو کو دکھائی دے جبکہ ہوش میں  
 بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں کو داور کی اس حرکت کا علم بھی نہیں  
 ہو سکے۔ اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب جا رہا تھا۔  
 پتھروں کو دیکھ کر جھوندو کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ وہ  
 اس طرح دیکھنے لگا جیسے اسے کسی طرف سے مدد کی توقع ہو  
 کسی کا دھیان بھی ان کی طرف نہیں تھا۔ اس ہوش میں اس وقت  
 اول تو گاہک ہی ہمت نہ تھے اور جو گاہک بیٹھے تھے وہ بھی  
 چائے پینے اور خوش گیتوں میں مصروف تھے۔  
 ”نیلہ جھوندو نے نیلہ کی طرف دیکھا۔ تمہارا یہ آدی کیا  
 چاہتا ہے؟“  
 ”اس سے بات مت کرو۔ داور غرا پڑا۔“ ورنہ یہاں مارکر  
 ڈال چلاں گا۔ یہ بھی نہیں دیکھوں گا کہ اس ہوش میں کتنی آدی  
 موجود ہیں۔ تم ابھی اٹھ کر میرے ساتھ اپنے باہر کی خانے کی طرف  
 چلو۔ میں اب تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ اور اس بار میرے

پوچھنے کا انداز خفا تھا۔ ہو گا مجھے۔“  
 جھوندو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ ہمت پریشان  
 دکھائی دے رہا تھا۔ داور نے نیلہ کو وہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔  
 خود جھوندو کے ساتھ اس کے کچن میں آ گیا۔ اس کچن میں کوئی  
 بھی نہیں تھا۔ شاید جھوندو اٹھا ہی اس ہوش کو چلا گیا تھا  
 کچن میں جھوندو پہ چائے کے پے جڑے برتن رکھے ہوئے  
 تھے۔ ان کے علاوہ ایک لکڑی کے ٹوکس پر بہت سی بوتلیں بھی  
 رکھی ہوئی تھیں جن میں کوئی سفوف، کھرا، یا معتدل  
 ”تو یہ تہمدی شہرت کا راز؟“ داور نے بوتلیں کی طرف اشارہ  
 کیا۔ تم چائے میں کچھ ملا کر اپنے گاہکوں کو پلایا کرتے ہو۔ اسی  
 لئے تہمدی چائے پینے سے ذہن مافوق ہونے لگتا ہے۔ تم نے  
 تو مجھے بھی مخلوق کر دیا تھا۔ اگر میری قوت ہر ذرات مضبوط نہ ہوتی تو  
 مجھے تہمدی چائے کا فائدہ ہو چکا ہوتا۔“  
 ”لیکن اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔ یہ میرا کاروباری سہارا  
 ہے۔ تم کیوں اس معاملے میں دخل دے رہے ہو؟“  
 ”میرا تعلق یہ ہے کہ میرے آدی بھی تمہارے ہوش میں  
 لائے گئے تھے۔ اور تم نے کہا تمہارے آدیوں نے انہیں  
 چائے پلایا کہ ذہنی طور پر مضبوط کر دیا ہو گا۔ مجھے تمہارے  
 کاروباری معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے اپنے  
 آدیوں سے دلچسپی ہے۔ بس میں اٹھنے یہاں آیا ہوں۔ اور  
 اب تم مجھے ان کا پتہ بتاؤ گے۔ ورنہ اس نے پتھروں کی نال  
 جھوندو کے ہیٹ پر رکھ دی۔ جھوندو کی سانس اٹھنے لگی تھی  
 ”بھگوان کے لئے یہ سب موت کرو۔“ جھوندو جلدی سے  
 لولا۔ ”میں ایک غریب آدی ہوں۔ یہ ہوش بھی میرا نہیں ہے۔  
 ”تم جھوٹ بولتے ہو۔ یہ ہوش اگر تمہارا نہیں تو پھر کس  
 کا ہے؟“  
 ”کالی موت کا! جھوندو نے بتایا۔ وہی یہ سب کچھ کرتا  
 رہتا ہے۔ ہر وقت تو اس کے ہاتھوں میں کچھ پیلیوں کی طرح ہیں  
 اس کا جو حکم ملتا ہے۔ ہر دہائی کرتے ہیں۔“  
 ”کون ہے؟ کالی موت؟ داور نے پوچھا۔ کہاں رہتا ہے  
 کیا کرتا ہے؟“  
 ”یہ نہیں نہیں۔ بلکہ کوئی بھی نہیں جانتا۔“ جھوندو نے کہا  
 ”جیسے بس اس کا حکم ملتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کر کے لگتے  
 ہیں۔ چائے میں نشہ ملانے کا حکم بھی ای کا ہے۔ میں نے  
 اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا۔ یہ سفوف بھی اس کے آدی لا کر دیا  
 کرتے ہیں۔ میرا کام صرف اتنا ہے کہ میں چائے میں سفوف  
 ملا کر گاہکوں کو پلایا دیا کروں۔“  
 ”اس سفوف کو کیا اثر ہوتا ہے۔ داور نے پوچھا۔

"پہلے تو اس کی عادت پڑی ہے، پھر سزاوارتہ آدمی ہو گیا  
ماؤف ہونے لگتا ہے، اس کی یادداشت جلد ہی مٹتی ہے کچھ دنوں  
کے بعد وہ کالی موت کے رحم و کرم سے مر جاتا ہے۔ اور وہ اس سے  
جو کام چاہے کر سکتا ہے۔"  
"کالی موت کو ایسی پہلے پہلانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟  
داؤرے باوجود چلا۔  
"اس بستی میں ہر طرف بیرونی اور دوسرے نفعوں کے ہوجانے  
موجود ہیں، بھوندو نے بتایا: یہ سب کالی موت کے آدمی ہیں۔  
یہاں آگے والوں کو ان نفعوں کا عادی بنا دیا جاتا ہے کبھی کبھی  
ایسا بھی ہوتا ہے کہ مضبوط قوت ارادی والے لوگ بیرونی و غیر  
کے قریب بھی نہیں جاتے۔ ایسی صورت انہیں گھیر کر اس بوٹ  
میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ یہاں کی پہلے پنی لینے کے بعد بہت  
کم ایسے ہوتے ہوں گے جو اس جادو سے بچ سکیں۔ رفتہ رفتہ  
وہ بھی عادی ہونے لگتے ہیں۔ کچھ کا مطلب یہ ہے کہ  
جو لوگ اس طرح گھیرے میں نہیں آتے۔ انہیں اس انداز سے  
منظرات کا عادی بنا دیا جاتا ہے۔  
"اور تم اس کی خاطر یہ گناہوں کا کام خوشی خوشی کرتے رہتے ہو۔  
کیوں؟"  
"نہیں خوشی خوشی نہیں بلکہ مجبوراً بھوندو نے کہا لیکن  
تمہیں اس سے کیا۔ میں نے انہیں کچھ بتایا تھا تو یقیناً نہیں  
آئے گا۔ اسی لئے میرا فوش برتنا ہی بہتر ہے۔"  
"مجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیسی بستی ہے۔ ہاتھوں کی بے نظرم  
ہو رہا ہے یا جھوٹی ظلم کر رہا ہے۔ اب یہی کہجھیں نہیں آتا کہ  
میں تمہارے ساتھ کیا مسلک کر دوں۔  
"اجنبی میں نہیں جان کر تم لوں ہو۔ اور یہ سب کون کسے  
ہو۔ اگر تمہارے آدمی غائب ہو گئے ہیں اور وہ اس بستی میں دیکھ  
گئے ہیں تو میں ان کے ہاں سے کچھ نہ کچھ معلوم کر کے تمہیں  
بتا دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں تم میرے پاس کل آ جاؤ۔  
"یہ تو بتاؤ کہ میں تم پر کس طرح بھروسہ کر سکتا ہوں؟" داؤر  
نے بولا۔  
"تو پھر مت کرو بھروسہ بھوندو جھلا کر بولا۔ "گوئی مار دو  
مجھے۔ ارے بھائی۔ یہ تو کمر بنائے گا۔ میں کسی مصلحت سے  
تمہیں ایک دن کا وقت دے رہا ہوں۔"  
بھوندو ٹھیک ہی کہتا تھا۔ داؤر کے ہاتھ میں ابھی کچھ  
بجی نہیں تھا۔ اسے معلومات حاصل کرنے کے لئے اس شخص  
پر بھروسہ کرنا تھا۔  
"ٹھیک ہے دوست! اس نے ایک گہری سانس لے  
کر پتوں اپنی جیب میں رکھ لیا۔ "تم میرا بھروسہ تو کرنا ہی پڑے

گا۔ میں کل شام کے وقت تمہارے پاس آؤں گا۔"  
وہ بھوندو کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گیا۔ جہاں نیلا ابھی تک  
کرتی پہنچتی ہوئی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ داؤر نے اسے چلنے  
پہننے سے منع نہیں کیا تھا۔ اسی لئے داؤر نے جب اس کے قریب  
پہنچ کر دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اور وہ اہستہ اہستہ  
آگے پیچھے جھوم رہی تھی۔  
"آؤ میرے ساتھ؟" داؤر نے پہنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ تمہ  
شاید پوری پہلے ہی بی ہے۔  
"ہاں۔ کیوں۔ کہ بات ہو گئی ہے۔ یہ وہ لڑکھائی ہوئی آواز  
میں بولی۔" چائے میں کیا نقصان ہے؟"  
"آؤ میرے ساتھ؟" داؤر نے پہنا ہاتھ آگے بڑھا دینے کے لئے اس کا  
ہاتھ پکڑ لیا اور اسے اپنے ساتھ بھوندو کے ہوٹل سے باہر  
لے آیا چلتے ہوئے بھی نیلا کے قدم کو نظر نہ جاتا رہے۔  
"یہ تمہارے کیا ہو رہا ہے؟ اس نے داؤر کی طرف دیکھا۔ اس  
سے پہلے تو ایسا بھی نہیں ہوا تھا۔  
"تمہارے بھوندو کے ہوٹل کی چائے کتنی بار نہ ہے۔ بڈاؤ  
نے بولا۔  
"آج پہلی بار؟" نیلا نے جواب دیا۔ اس سے پہلے میں  
نے اس چائے کی بہت تعریفیں ہی کیں۔ اور وہی باتیں میں  
نے تمہارے سامنے دہرا دی تھیں۔"  
"بھوندو چلنے میں لڑم لڑم پڑا یا کرتا ہے؟" داؤر نے بتایا  
میں یہی معلوم کرنے کے لئے اسے کچن میں لے گیا تھا جہاں  
اس نے اس بات کا اقرار کر لیا ہے۔  
نیلا چلتے چلتے ایک کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے سر کو  
زور زور سے جھٹکا شروع کر دیا۔ جیسے وہ چائے کے لئے کو خود  
پرستے اتارنا چاہتی ہو۔  
"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" داؤر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
بولا۔  
"میں اس کیلئے کو زندہ نہیں رہنے دوں گی؟" نیلا غصے  
سے دہاڑی پر میرے شوہر کو اسی نے تباہ کیا ہے۔ میرا شوہر  
پہلے اسی کے ہوٹل میں جا کر رہتا تھا۔ وہیں سے اسے نئے شے کی  
عادت پڑی ہوئی۔ میں اسے جان سے مار دوں گی اس کیلئے  
ذیل! اس نے اپنی دونوں مٹھلیں پیچھ لیں۔ غصے کی شدت  
سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔  
"مے وفوی مت کرو! داؤر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میرا  
تمہارے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے تم دونوں کو دیکھ کر  
بہت افسوس ہوا ہے۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے  
کہ میں ان تمام لوگوں سے انتقام لوں گا جنہوں نے تم دونوں

میں بھولی کو اس حال تک پہنچا دیا ہے۔ تم میری یقین کرو۔ یوں  
مجھ کو کہ میرے دشمنوں کی ہمت میں بھوندو کے نام کا صاف  
ہو گیا ہے۔ لیکن بھوندو اصل آدمی نہیں ہے۔ اس کے پیچھے  
کوئی اور چھپا ہوا ہے۔ بھوندو نے اس کا نام کالی موت بتایا ہے  
بے کیم کالی موت سے واقف ہو گیا۔  
"کالی موت؟" نیلا بڑبڑاتی۔ پھر اس کے چہرے کا رنگ فق  
ہو گیا۔ وہ یہ نام نہ کر رہی تھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔  
"تمہارا خوف؟" بتا رہا ہے کہ تم اسے جانتی ہو؟" داؤر نے  
کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس بستی میں ساری شیطانی حرکتوں  
کا وہی ذمہ دار ہے۔ جبکہ دوسرے اس کے آدھار کا کچھ جیشت  
رکھتے ہیں۔  
"ہاں۔ یہی بات ہے۔ نیلا دھیرے سے بولی۔ "کالی موت  
واقعی کالی موت ہے۔ بھونگا اس کے غصے سے محفوظ رکھے۔ وہ  
ایسا آدمی ہے جس سے ناراض ہو جائے اس کی موت آجانی  
ہے۔ شاید میں غلط گھر رہی ہوں۔ وہ آدمی نہیں بلکہ شیطان  
ہے۔ بھوت ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس کی ماں نے بھی اس  
کی صورت نہیں دیکھی ہوگی۔ وہ میرے پاؤں کا لے لے لے لے  
میں رہتا ہے۔ اس کے چہرے پر بھی سیاہ رنگ کی نقاب لگی  
ہے۔ ایک بار میں بھی اس سے مل چکی ہوں۔ اور اس ملاقات  
کا ذمہ ابھی تک میرے سینے پر تازہ ہے۔"  
"میں نہیں سمجھا؟" داؤر نے اس کی طرف دیکھا لیکن حالت  
میں تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟"  
"اس کے آدمی مجھے اس کے حضور پیش کرنے کے لئے تھا  
گئے تھے؟" نیلا نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "دیکھو ابھی میں  
گرچہ ایک طوائف بن چکی ہوں لیکن یہ سوداگری کا بوجھ نہ ہے  
میں اپنے گاہک سے پیسے لیتی ہوں اور وہ مجھ سے سکون  
حاصل کرتا ہے۔ یہ دوطرفہ بات ہوئی ہے لیکن اگر کسی طوائف  
کو زبردستی چھینا جائے تو نہ جانے کیوں اس کے اندر وہ گھرت  
جے ویرسوں سے سلا بی ہوئی ہے۔ پھر بیدار ہو جاتی ہے۔  
اسے اپنی قوانین منسوب ہونے لگتی ہے۔ میرے ساتھ بھی  
یہی ہوا تھا۔ کالی موت کے آدمی مجھے اٹھا کر لے گئے وہاں  
اس کے پاس سے اپنے دل پر گھٹاٹے واپس آئی۔"  
"وہ تمہیں کہاں لے گئے تھے؟" داؤر نے بولا۔  
"کالی موت سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔  
"میں اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ میری آنکھوں  
پر پٹی باندھ کر ایک گاڑی میں بٹھا دیا گیا تھا۔ وہ گاڑی  
بہت دیر تک چلتی رہی تھی۔ گاڑی رکنے کے بعد مجھے ای طرح  
اتار اٹھی کہ تھا۔ پھر اس طرح مجھے مہاراجے کی عہد کے

اندسے جا گیا۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ عمارت کون سی تھی۔ پہل  
کئی سیڑھیاں چلنے کے لئے اور کئی کمرے گزرنے کے بعد مجھے  
اس کمرے میں لے جا کر چھوڑ دیا گیا۔ جہاں کالی موت میرا انتظار  
کر رہا تھا۔ بھونگا، بھونگا، بھونگا۔ وہ لسان نہیں تھا۔ اجنبی درندہ تھا  
میں نے بہت مزاحمت کی۔ اپنے آپ کو پھینکا جانا۔ لیکن اس  
شیطان نے مجھے اور میرے گرد و دبا۔ اس میں کسی باقی جیسی  
قوت تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بلند و بلند سے روند رہا ہو۔  
"اوہ! داؤر اس کی بات سن کر مضطرب ہو گیا تھا۔ تعجب  
ہے کہ تم اس جگہ کو نہیں پہنچتی تھیں۔ جہاں انہیں لے جانا  
گیا تھا۔ کاش تمہیں فرما ساجی کچھ معلوم ہوتا تو میں اس کی  
موت کو اس کی گھٹا سے باہر لے آتا لیکن کچھ بھی نہیں کر سکتا  
کیا تم کسی طرح بھی اس مقام کی نشاندہی نہیں کر سکتیں؟  
"میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ مولے اس  
کے کمرے میں جب تک اس کمرے میں رہی۔ پانی کے گرنے  
کی آواز آتی رہی تھی۔ جیسے قریب ہی کوئی چھوٹی سی آواز  
بہر رہی تھی۔  
"میں اس سے کچھ معلوم نہیں کر سکتے نیلا؟" داؤر نے کہا  
تو یہاں ان لوگوں کو پہنچتی ہو۔ جوت میں اس کے پاس لے گئے تھے  
"ہاں۔ میں نے ان کی صورتیں دیکھ لیں تھیں۔ نیلا نے  
کہا۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کے بعد مجھ ان میں سے  
کوئی بھی اس بستی میں دیکھا نہیں دیا۔  
"وہ بہت ہی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے؟" داؤر نے کہا۔  
"پھر حال اس کی کوئی زندگی تو باقی رہی ہو؟" داؤر نے  
اس دوران وہ نیلا کے گھر تک پہنچ چکے تھے۔ گھر کا دروازہ  
معمول کے مطابق کھلا ہوا تھا۔  
"تم اپنے شوہر سے بولی آؤ تم آج رات ذرا دیر سے آؤ گی  
داؤر نے نیلا سے کہا۔  
نیلا نے غیب زدگاہوں سے داؤر کی طرف دیکھا پھر  
جلدی سے اندر چلی گئی۔ اندر جانے کے ساتھ ہی اس کی چیخ  
سنا دی۔ پھر وہ روٹی اور چینی ہوئی باہر آئی۔  
"کہا بات ہوئی؟" داؤر نے بولا۔  
"میرا شوہر؟"  
"کہا ہوا تمہارے شوہر کو؟"  
"وہ چلا گیا؟" نیلا نے بتایا۔ وہ لوگ اسے لے گئے۔ اس  
نے اب روٹا بھی شروع کر دیا تھا۔  
"کون لے گئے صاف صاف بتاؤ؟"  
نیلا نے اپنی منہ میں دبا ہوا۔ ایک کاغذ داؤر کی طرف  
بڑھا دیا۔ یہ دیکھو۔

دور نے وہ کاغذ اس کے ہاتھ سے لیا۔ اس میں لکھا تھا کہ تمہیں کچھ لینا چاہیے کہ تمہارا شوہر بھی اس بستی کے دوسرے لوگوں کی طرح وہیں پہنچا دیا گیا ہے۔ جہاں اسے اس کی ضرورت کی چیز ملتی رہے گی۔ اور جب اس کا کام ختم ہو جائے گا تو اسے دوسروں کی طرح واپس کر دیا جائے گا۔

مارگ کے آنے کی خبر سن کر وہ سب اس طرح کھڑے ہوئے جیسے ان کے پیروں میں سپرنگ لگ گئے ہوں۔  
 ”آپ بیٹھے رہیں باس“ وہ رخصتے کہا، تم کبھی بہت آئیں۔ اب تو آپ حاشا دیکھتے رہیں۔  
 ”تمہیں تلاو مسکرا دیا۔ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چل رہا ہوں۔ اس نے شبلی کی طرف دیکھا کہ تمہیں باہر آ کر کسی ضرورت نہیں ہے۔ تم بیٹھ رہو۔“

دلاور آندرا اس کے لئے ہونے آدھیں کے ساتھ باہر آ گیا۔ اس نے مارگ کو آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اس کے غریب کے زمانے میں اس قسم کے لوگ اس کا سامن کرنا نہ کرتے تھے۔ دلاور نے خود ایسے آدمیوں سے ملاقات کی تھی بہت گوارا نہیں کی تھی۔ لیکن آج اسے مارگ کے سامنے آنا پڑا تھا۔ اس نے اس شخص کا نام نہ رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ شخص کون سے آدمیوں کا سودا کر رہا ہے۔ اڈے چلا رہا ہے۔ لیکن اس کی مارگ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اسی طرح مارگ نے اسے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے سامنے کون کھڑا ہے۔

آندرا اس کے آدھ پہل کر کھڑے ہوئے۔ وہ سب دقتی دیکھ کر معلوم ہوئے تھے۔ اسی لئے وہ سب مارگ اور اس کے آدمیوں کو سامنے دیکھ کر اس طرح خوش تھے۔ جیسے کوئی نیا پسندیدہ سارنے آئی ہو۔

مارگ اپنے سات آدھ آدمیوں کو لے کر آیا تھا۔ وہ آدھ اس کے پیچھے تھے۔ اندر ان میں سے ہر ایک کے چہرے پر خوشنودی تھی ان میں سے ہر ایک جراثیم پیشہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ ایسے لوگ تھے جنہوں نے مار دھماکا کرتے ہوئے زندگی گزار دی تھی۔ اور سب سے آگے خود مارگ تھا۔ جان سب سے زیادہ خطرناک تھا جس کے تیور ان بھیوں سے زیادہ خطرناک معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے دلاور اور دوسرے لوگوں پر دھیان کی یہی سزا دینا تھا۔ اس کی نگاہیں براہ راست آند پر تھیں۔

”میں نے سنا ہے کہ جس نے اس بستی میں ہرگز نہ ضرورت کر دی ہے۔ اس نے آند سے کہا۔

”آدھ کو زندہ رہنے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

دلاور نے اسے بولا۔ یہ کیا ضروری ہے کہ اس بستی میں زندگی بھر غمی سب کچھ کرتے رہو۔“  
 ”ہوں تو ان لوگوں کی وجہ سے تیری زبان لمبی ہو گئی ہے۔“  
 مارگ دباؤ میں اپنے آدمیوں سے مجبوروں تو ان میں سے کوئی بھی یہاں دکھائی نہیں دے گا۔

”مارگ“ دلاور نے تیار اور بلند آواز میں اسے مخاطب کیا۔ تم شاید مجھے نہیں جانتے۔ اسی لئے یہی باتیں کر رہے ہو۔ اور میں اپنے بلے میں ساتوں تو تم بھی اس بستی کو لیا اس خبر کو چھوڑنا لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔ میرا مقام یہ نہیں کہیں غم غم یہ لوگوں کے مقابلے پر کھڑا ہو جاؤں۔ اسی لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لیکس کی خبر کے اس بستی سے ابھراؤ ختم کر کے نہیں چلاؤ۔ تم باہر ہمارے ساتھ آکر شامل ہو جاؤ۔ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آج اس بستی کے اڈے کا مالک آند ہو گا۔“

”یہ بات اتنی آسان نہیں۔“ دلاور نے کہا۔ ”مارگ نے کہا ہے کہ اس کا ہلکا ادھر رہ گیا۔ سن کی آواز کوئی اور رخصتے ہاتھ سے لکھا ہوا چاقو مارگ کی آستین کو پھنسا ہوا دوسری طرف جا رہا۔ رخصتے قیامت کے نشانے کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ کسی اس نے اپنی جیب سے دوسرا چاقو نکال لیا تھا۔  
 ”ایک لفظ بھی بولا تو چاقو تیرے سینے کے باہر ہو جائے گا۔“  
 رخصتے نے کہا۔ ”تو نے میرا نشانہ تو دیکھ لیا ہے۔“

رخصتے اس مظاہرے سے وہاں سناٹا پیدا کر دیا۔ سب کے سب دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ اندر بھی رخصتے کے مظاہرے کی حیرت ختم بھی نہیں ہوئے۔ پانی بھی کھانڈر نے اپنی جیب سے ایک پسٹول نکال کر پھینکی کی تیزی سے پھلانگ لگائی اور مارگ کے پاس پہنچ گیا۔ دم بخود کر دینے والی رفتار کے ساتھ اس نے مارگ کی گردن میں اپنا نایک ہاتھ ڈال کر دوسرے ہاتھ میں دبا ہوا پسٹول اس کی گتلی سے لگا دیا تھا۔ اس نے بہ حرکت آتی جا چکا تھا اور رخصتے سے اس کی خود دلاور بھی پلکیں جھپکاتا رہ گیا۔ جبکہ مارگ کے ساتھ آئے ہوئے لوگ بوکھلا کر چند قدم پیچھے ہٹ گئے تھے۔

”اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟“ جب دلاور نے کہا۔ ”اگر کو تو تمہیں جھٹکا کر کے رکھ دوں گا۔“

”اسے آند سے آؤ۔“ دلاور نے آواز لگائی۔ ”اور اس کے آدھوں سے کہو کہ یہاں سے چلے جائیں ورنہ مارگ کی لاش بڑی ہوئی دکھائی دے گی۔“

مارگ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے تو یقین بھی نہیں تھا کہ اس کی لاش بستی میں اس کے اپنے اڈے کے قریب اسے اس

طرح قابو کر جائے گا۔ اس کے ساتھ آئے ہوئے آدمی بھی اب اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے ان لوگوں کا غلط انداز لگا دیا تھا۔ اسے ان لوگوں سے ایسی پھرتی کی توقع نہیں تھی۔ پھر اس سے پہلے کہ جندرا اس کے ساتھیوں کو وہاں سے جانے کے لئے کہتا اس نے خود ہی اپنے آدمیوں کو منتشر ہو جانے کی ہدایت کی۔ اس کے کوئی شاید ہی موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی بات سنتے ہی وہ سب کے سب بکھر گئے۔ اب وہاں سولے مارگ اور ان لوگوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ بستی کے لوگ بھی ان سے دو کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اس بستی میں مارگ کو شہر ہوتے ہوئے تو دیکھا تھا۔ لیکن اسے اس طرح چلنے کی طرح بے بس ہوتے ہوئے دیکھنا ان کے لئے حیرت کی بات تھی۔ وہ سب کے سب کچھ بھی بھٹی آکھوں سے یہ قماش دیکھ رہے تھے۔

جندرا مارگ کو دھکے دیتے ہوئے مکان کے اندر لے آیا۔ اس کے ساتھ آندرا اس کے بقایا سامنے بھی اندر آئے تھے۔ اندر آئے کے بعد دلاور بڑی شان کے ساتھ ایک طرف جا کر بیٹھ گیا۔ جندرا نے مارگ کو دھکا دے دیا۔ مارگ منہ کی کوشش نہیں کر سکا تھا۔ ہوا دلاور کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ دلاور کے ہونٹوں پر بڑی فانی خراشی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی دولت و دہر دی کے عالم میں بھی اس کے کام اتنی تھی۔ اس نے اپنے سر پر ایک بار پھر سرا لاری لٹا کر رکھ لیا تھا۔

”اگر آپ حکم دیں باس تو اسے تنہا ہی سی سزا دے دی جائے۔“ سلطان نے دلاور کی طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔  
 ”تمہیں؟“ دلاور نے ان کا نہیں لپی کر دن بلادی۔ ”جھے بلاوجہ کا کشت و خون پسند نہیں ہے۔ اور ایسے بھی اس شخص کو تنہا ہی بہت عقل تو آئی ہو گی۔“ پھر اس نے مارگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم نے دیکھا لیکن میرے ساتھ کسی قسم کے آدمی میں ان میں سے ہر ایک پچاس ہر بھاری ہے۔ میں اس بستی میں سوچ بھی کر رہا ہوں۔“

”آپ۔ آپ جانتے کیا ہیں؟“ مارگ نے لرزتی ہوئی آواز میں بول چھا۔ ”آپ لوگوں کا کیا مقصد ہے۔؟“

”میں تمہاری کمزوری معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“ دلاور نے کہا۔ ”تم مجھے بتاؤ گے کہ تمہاری کیا کمزوری ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ مارگ حیران ہو گیا تھا۔ یہی کمزوری ”تمہارے ساتھ کون کن رہتا ہے۔“ دلاور نے بول چھا۔ ”تو جی بتانا۔“

”کوئی نہیں۔“ مارگ نے جواب دیا۔ ”میرے ساتھ تو کوئی نہیں رہتا۔“  
 ”رخصتے؟“ دلاور نے رخصتے کی طرف دیکھا۔ ”اس کا ایک کان کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دو۔ یہ آدھ اس سے کچھ نہیں بتائے گا۔“

رخصتے نے اپنی جیب سے اپنا چاقو نکال لیا۔ اس کے چاقو نکالنے اور اسے کھولنے کا اندازہ ہی ایسا تھا کہ مارگ کے ہاتھ کی لرزش ختم ہو گئی۔  
 ”بتانا ہوں؟“ وہ جلدی سے بولا۔ ”میرے ساتھ میرا لڑکا رہتا ہے۔ بارہ برس کا ہے۔“

”قودہ تمہاری کمزوری ہو نا۔“ دلاور مسکرا دیا۔ وہ کہاں ہے اس وقت۔ دیکھو بتانا۔ ہم لوگ یہاں کسی کی پرواہ یا رعایت کرنے کے لئے نہیں آئے۔ ہمیں اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ بستی کے لوگ اس وقت ہماری خلاف کیا سوچ رہے ہوں گے۔ یا تمہارے آدمیوں نے تمہارے خلاف کیا سازش منصوبہ بنا لیا ہو گا۔ ہمیں ہمیں کسی بات کی فکر نہیں ہے۔ ہم تمہاری بستی میں ہنگامہ کرنے آئے ہیں۔ اور ہنگامہ کر کے واپس چلے جائیں گے۔ اسی لئے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا۔  
 ”وہ اس وقت تمہاری برہے ہے۔“ مارگ نے بتایا۔ ”لیکن تم اس کے ساتھ کیا کر گئے۔ اس کا تم سے کیا تعلق۔؟“

دلاور نے اس کی طرف سے دھیان بٹا کر سلطان کو اشارہ جندرا کی طرف دیکھا۔ ”تم لوگوں کو یہ جان لینا چاہیے کہ اس وقت مارگ کے آدھ اس کے گھر میں موجود ہوں گے۔ ہم یہاں پہنچ کر ان کی تعداد کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان میں سے کتنوں کے پاس اسلحہ ہے۔ وہ لوگ اس وقت ہماری خلاف بری طرح خفیہ میں ہوں گے۔ ان کا بس نہیں چل رہا۔ ورنہ وہ ہمیں بھون کر رکھ دیں لیکن مارگ کی وجہ سے مجبور ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے تم سبھوں کو دیکھ رکھا ہے۔ کیا ایسی صورت میں تم لوگ مارگ کے گھر جا کر اس کے بچے کو لٹھا کر وہاں لا سکتے ہو۔ دیکھو غلط غلطے مت کرنا۔ اگر یہ کام تم سے ہو تو بتا دو۔“

”یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔“ سلطان نے کہا۔ ”میرے کہیں اپنی طرف سے اطمینان دلاتا ہوں کہ میں نے دشمنوں کی تعداد کی پرواہ بھی نہیں کی۔ آپ دیکھتے ہیں میں کس طرح ان کے درمیان گھس کر اس کے بچے کو لٹھا کر آپ کے پاس لے آؤں گا۔“  
 ”میں بھی سلمان سے کم نہیں رہوں گا باس۔“ جندرا بھی اپنی

بڑا آپ نے میری طرف دیکھا ہے۔ میں نے آپ کا اشارہ سمجھ لیا  
اب آپ بے فکر ہو جائیں۔  
"میری طرف سے بھی اطمینان رکھیں یہ رکھنے کے برابر ایک  
ہر آپ کے اشارے پر جان دینے کا وعدہ کر لیا تو کر لیا۔  
"ٹھیک ہے۔ تم تینوں جاگرا اس کے کوسے آؤ گے کوشش کرنا  
کہ ہاتھ پاؤں چلانے کی نوبت نہ پیش آئے۔ حکمت عملی سے کام  
لے بن جائے۔"

"میں سب کہا ہوا ہے۔ مارگ نے جلدی سے کھڑے ہونے  
کی کوشش کی لیکن نرزا اور روشن نے اسے آگے بڑھ کر گرفت میں  
لے لیا۔ وہ ان کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ قینوں  
دلاور کے اشارے پر ہار چلے گئے۔ جبکہ دلاور اور شیدا دلاور  
کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ دلاور کا یہ قدم ان کی سمجھ  
میں نہیں آیا تھا۔

"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا تو میں یہ غصہ اور خوف کی شرت  
سے مارگ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔

"اگر تم نے میرا ایک معمولی سا کام کر دیا تو تمہارے بیٹے کو کچھ  
بھی نہیں ہوگا۔ دلاور نے کہا۔ پھر اس نے شیدا کی طرف دیکھا  
تمہارا خیال ہے کہ تمہاری بیٹی مجھ میں آگیا ہوگا کہ میں اس شخص سے  
کہا جا رہا ہوں۔"

"نہیں ہمارا راجہ میں نہیں سکی۔ شیدائے جلدی سے جواب  
دیا جو آپ نے سوچا ہے وہ ٹھیک ہی سوچا ہوگا۔"

"مارگ دلاور مارگ سے مخاطب ہوا۔ تم نے کئی ریڈر مارگ  
کا نام منا ہے۔"

"میں کہتا ہوں میرے بیٹے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا۔  
"فاغوش رہو۔ دلاور دہانا۔ تمہیں اتنی کچھ تیز نہیں ہے کہ  
میں تم سے کچھ کہہ رہا ہوں۔ اور تم اپنے بیٹے کی رات لگانے  
ہوئے۔ روشن فرما سے تیز تو سمجھا۔"

"ابھی لیجئے جناب۔ روشن نے بیستے ہی بڑی تیزی کے  
ساتھ مارگ کی گردن میں پھنپی ڈال دی۔ اس نے رجاے کو لٹا  
سوی رنگ دیادی کہ مارگ اس کی گردن میں پھنپھڑنے لگاں  
کی آکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ بڑی تکلیف کے عالم میں  
بڑی گردن ادھر ادھر کرتے لگا تھا۔

"چھوڑو اب۔ دلاور نے حکم دیا۔ میرا خیال ہے کہ اسے  
کچھ عقل آگئی ہوگی۔"

روشن نے اس کے کہنے پر مارگ کی گردن چھوڑ دی۔  
وہ بہت دیر تک اکڑی اکڑی سا نہیں لیتا رہا تھا۔ پھر جب

اس کی حالت اعتدال پر آگئی تو۔ دلاور نے پھر سے قیام کیا  
"ہاں۔ تو میں نے تم سے یہ بوجھ لایا کہ تم ریڈر مارگ سے  
واقف ہو۔ تم نے کچھ اس تقییم کا نام منا ہے۔"

"ہاں سنا ہے۔ مارگ نے جواب دیا۔ وہ اب بالکل سیدھا  
ہو گیا تھا۔ اس کی ساری ہوا نکل گئی تھی۔ یہ ایک خطرناک تقییم ہے۔  
"تو اس ریڈر مارگ کا ایک گودہ ام بھی ہے۔ دلاور نے کہا  
اس گودہ کے پیچھے ان لوگوں نے ایک عملت بنوائی ہے۔ اگر  
تمہیں اس کا بہت نہیں معلوم تو کوئی بات نہیں میں تمہیں بتا  
دون گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اپنے آدھوں کو لے کر اس گودہ  
پر حملہ کرو گے۔ اور ریڈر مارگ کی معاون سوما کی ادھیک بڑھے لٹی  
کو انوار کر کے اپنے اٹے تک لے آؤ گے۔ وہی میں تمہیں اس  
گودہ میں آگ بھی لگا رہی ہے۔ میری بات سمجھ گئے نا۔"

"یہ کام تو بہت مشکل ہے جناب۔ مارگ لکھ لکھ کر لانا۔ یہ  
کیسے ہوگا۔ وہ تو بہت خطرناک لوگ ہیں۔"

"اسی لئے تو تمہارا بیٹا میرا ہے۔ پاس ہے کاتا کہ ہر حال میں  
وہ کام کرے۔ واپس آؤ۔ تم لوگ ادھو بھی یہاں سے چل دوں گے جب  
تم ان لوگوں کو لے آؤ تو اپنے اٹے ہی پر رکنا۔ ہم خود ہی تمہارے  
پاس آکر تمہارا بیٹا تمہیں واپس کر دوں گے اور ان لوگوں کو دوڑو  
کر لیں گے کیوں ٹھیک ہے نا۔"

"یہ تو بہت ہی شائد بہت ہوا ہوگا ہمارا راجہ۔ شیدائے نے غصہ  
اپنا ہاتھ دلاور کے ہاتھ پر رکھ دیا جو ان ہاتھ کے جوان اس نے  
دلاور کے دل میں پھنپی سی جادی لیکن وہ ایک گہری سانس  
لے کر رہ گیا۔ وہ اتنے لوگوں کے اور خاص کر دلاور کے سامنے  
اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

●

وہ پانچ آدمی تھے۔ اور ان پانچوں کے ہاتھوں میں ناکی  
تھے جن کا رخ لائی اور زنگور کی طرف تھے۔

ان پانچوں کے درمیان سوما کی اس شان سے کھڑی تھی کہ  
اس نے جینز اور جیکٹ پہن رکھی تھی اور اس کے دونوں ہاتھ مارگ  
کی گردن پر تھے۔ وہ اس وقت غصے میں بھری ہوئی تھی۔ اس کی  
خوبصورت آنکھیں شعلہ بر ساری تھیں۔ اور اس کے ہاتھ بڑے  
ہیونٹ غرت سے بچھوئے تھے۔

لائی پریشان تو نہیں تھا لیکن اس کے چہرے سے تاخیرات  
ظاہر کر رہے تھے کہ سوما کو اس حال میں اپنے سامنے دیکھ  
کر اسے دکھ نہ پڑا ہے۔ جبکہ زنگور اپنے مطمئن انداز میں اپنا سونہ  
چلا رہا تھا۔ اس کی حرکتیں طیش دلانے والی تھیں۔ اور سوما کی

میں آتی جا رہی تھی۔

"میں تم سے آخری بار پوچھتی ہوں زنگور! اس نے زنگور  
کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم مجھ سے اس داور کا ہاتھ بتا دو۔ اسے  
کہاں رکھا ہے۔"

"تم تو اسے مرنے والی تھیں۔ اب اس کی اتنی فکر کیوں ہوگی  
یہ زنگور نے سڑکاتے ہوئے جواب دیا۔

"وہ میری طاقت تھی۔ میں غصے میں آگئی تھی لیکن اب  
مجھ اس کی ضرورت ہے۔ میں اس سے اپنا کام لکھنا چاہتی  
ہوں۔"

"اگر زنگور کو دلاور کے بدلے میں کچھ معلوم ہو تو پھر بھی میں  
اس سے یہ کہوں گا کہ یہ تم جیسی خیرت کو کھلتا نہ بتائے۔ لا لائی  
بول پڑا۔

"تم خاموش رہو ہاٹھے یہ سوما کی دہاڑی۔ تم نے مجھ سے  
بہت فائدہ حاصل کر لیا ہے۔ اور اب تمہاری موت کے دن  
آگئے ہیں۔"

"تم شاید پاگل ہو گئی ہو سوما۔ لا لائی نے کہا۔ یہ بات تم  
اس کو کہہ رہی ہو جس نے باپ کی تمہاری ہمدردی کی کئی چیزیں  
لے نہیں سمجھنا اپنے سینے سے لگا رکھا۔

"لوگوں سا احسان کر دیا تمہارے سوما کی عزت کر لیں۔ تمہاری  
جنت میں تمہاری خوشحالی بھی ہوئی تھی۔ تم نے مجھ اس لئے  
جنت دی کہ تم دلاور کی نعمت سے محروم نہ رہو۔ میری ہمدردی  
کر کے نہیں سکون مل رہا تھا۔ اس لئے تم نے مجھ پر کوئی احسان  
نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ میرا احسان ہے کہ میں تمہاری خوشی کی خاطر  
تمہاری بیٹی بنی رہی۔"

"آپ اس کے مفہوم دیکھیں خرم۔ زنگور لا لائی سے مخاطب ہوا  
یہ اپنے ہوش میں نہیں ہے۔ ابھی اس نے طاقت کا نیا نمونہ  
چکھا ہے۔ ابھی کچھ لوگ اس کے اشارے پر کتوں کی طرح اپنی  
ڈمیں ہلا رہے ہیں۔ اور جب یہی سنے پلٹ کر اسے گائیں گے  
تو اسے ہتھ چلے گا کہ حکمت اہد وفاداری کا چیز ہوتی ہے۔"

"فاغوش رہو۔ سوما کی دہاڑی نے اگر تم نے زیادہ بکواس  
کی تو میں ان آدمیوں کو قہراً بولیں نہیں رکھ سکوں گی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہارے دلیر آدمی کا میں ہونا ہی غن  
لے کر میرے سامنے آتے ہیں۔ اگر ان میں کوئی مرد ہے تو اس  
سے ہو کر خالی ہاتھ مجھ سے مقابلہ کرے۔ بلکہ چلو میں یہاں تک  
کہتا ہوں کہ سب کے سب خالی ہاتھ مجھ سے مقابلہ کریں۔ سب  
لیک ساتھ آجائیں۔ اگر یہ مجھ پر ہوا تو پالے میں کامیاب ہو گئے تو

میں وعدہ کرتا ہوں کہ نہ صرف داور کا ہاتھ بتاؤں گا بلکہ اسے اپنے  
ساتھ بھی لے آؤں گا۔ بولو کیا کہتے ہو۔ یہ سودا منقول ہے۔ کھک  
لو۔ اس میں ہوسکتا ہے کہ تمہارا فائدہ ہی ہو جائے۔"

سوما نے زنگور کی بات سن کر کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔ پھر وہ  
دھیرے اس کا پھر ہو چکے لگا جیسے سورج کوئلے کے درمیان سے  
باہر آجائے۔ وہ اب بڑی چپکلی سے زنگور کی طرف دیکھ رہی تھی  
وہ اپنے مزاج میں اس قسم کی لڑکی تھی۔ اس نے ای انداز میں باپنی  
زندگی گزار دی تھی۔ ہر طرح کی نپا و دلہا نہا ہوا۔

"کیا خیال ہے تم لوگوں کا۔ اس نے اپنے آدھوں کی طرف  
دیکھ کر اس کا لے آؤں سے مقابلہ کر دے۔"

"کیوں نہیں مادام۔ لیکن آدمی جلدی سے بول پڑا۔ بہت  
مل کر اس کی دھمکیاں بکھر دے گی۔ لیکن میری بیٹی رائے میں اس  
مقابلے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ حکم کریں تو میں اس کے  
دونوں ہاتھ اور چہرے میں گولیاں مار کر اسے ہمیں ڈال دوں۔  
زنگور نے اسے جواب دیا۔ اس شخص کا ہاتھ بتا دے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم نے اپنی تم میں سے آدمی بھری کر لیا ہے  
میں زنگور نے ہنسنے ہوئے کہا۔ اسی لئے ان لوگوں کو میرے ہاتھ  
میں معلوم نہیں۔ اگر اسے میری قوت ارادی کا علم ہوتا تو یہ پچھو  
کبھی ایسی باتیں نہیں کرتا۔ ہنسنے دو۔ تم نے جن آدمیوں پر مجھ کو  
کیا ہے وہ تمہارے صرف گولیاں جلا سکتے ہیں۔ ہاتھ پر  
سے نہیں لٹکتے۔ اگر میں ان کے سامنے تمہارے چہرے پر چھو  
کچھ دوں تو یہ کچھ نہیں کریں گے۔ یقین نہ ہو تو انہیں آزاد کر دیکھ  
سکتی ہو۔"

زنگور جان کو بھر کر ایسی باتیں کر رہا تھا کہ سوما کی اشتعال میں  
آجائے۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ سوما کی طیش  
میں آکر گولیاں چلانے کا حکم بھی دے سکتی تھی لیکن زنگور ابھی اس  
کی طاقت سے واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سوما کی فطری طبیعت  
جوش دلانے پر جلدی کرے گی جو وہ چاہتا تھا۔ اور یہی ہوا سوما  
نے غصے سے اپنے آدھوں کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں حکم دیتی ہوں کہ تم لوگ اپنی اپنی ایک طرف رکھو  
کر اس آدمی سے مقابلہ کر دو۔ مجھے داور کا ہاتھ چاہیے۔"

ان پانچ آدمیوں کے لئے ایک زنگور سے مقابلہ کرنے کا  
خیال شاید آتما مشکل نہیں تھا۔ ای لئے انہوں نے جلدی جلدی چلنے  
کے ہر قدم کے پاس اپنا اپنا ڈی گن رکھ دیا۔

"یہ کیا دھوکہ دیتی ہے کہ میرے ہونے زنگور لا لائی اس کی طرف دیکھتے  
ہوئے بولنا۔ انہوں نے اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالتے ہوئے۔"



”بس آپ ایک حرف ہٹ کر کھڑے ہو جائیں، افاقہ نہ گھورانے  
جہاں ان میں سے کوئی بھی مجھ پر قابو نہیں پاسکے گا۔“  
اس حوالہ سے سوال ہے ایک نئی گن اٹھانا ہے نہ گنونا۔ یہ نانی  
گن میں نے تمہارے لئے نہیں بلکہ اپنے آدمیوں کے لئے اٹھا  
ہے، اس نے جہاں اگر ان میں سے کسی نے بھی مکر مار کر تے وقت  
بڑی دکھائی تو میں اسے گولی مار دوں گی۔ ان لوگوں کو تو یہ قاتلو  
پاکر اور کاہرہ معلوم کر رہے ہیں اس کے علاوہ اور کچھ بھی  
نہیں جانتی۔“

اس کامزادہ اگھٹا اس آدمی کے ہیبت میں اترتا ہوا گلا بھڑکھٹا اس شخص کی پیچھے ہستی، اس کرب ناک مخفی، وہ پیچھے گر کر بری طرح بھڑکنے لگا۔ دوسری طرف بقاء بادوامیوں نے انھیں کر زنگور کو دلوںچ لینے کی کوشش زنگور باب کو کھینچ کر اس طرح اپنے ہاتھ جلائے لگا کھٹا اس جاکے ہاتھ اس شخص کے چہرے پر پڑا جو سب سے اگے تھا وہ انھیں گرفت بال کی طرح سومالی کی طرف لڑکھاتا جلا گیا۔ ایک بار پھر ایک وحشتناہ جنگ شروع ہو گئی زنجی ہو کر وہ ادھر گرنے والوں نے اپنی ہمت بھٹ کر ایک بار پھر زنگور باب کی قوت سے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن لوگ کبھی ایک دم کی ہمت لائے، اسی لئے وہ پیچھے ہونے چلیوں کی طرح فرش پر گرے گئے، زنگور نے انہیں گھونسنوں اور ٹخوروں پر ہل کر کھینچا تھا۔

”چلو اٹھو“ سومالی نے ٹانگیں کاٹ کر اپنے ایک آدمی کی مدد کر دیا۔ حملہ کر دیا اس بار۔

فاقت اور رحمت بحال نہیں ہو سکی۔ وہ سب کے بعد بدو بگے  
 فرش پر ڈھیر ہوتے چلے گئے۔ کچھ دیر دیر بعد زنگ لگا کر پچھلے ہونے  
 ورنے کے درمیان کسی مہیندار کی طرح کھڑا رہ گیا تھا۔ ویسے اس  
 طرائف نے اسے بھی ڈھلکا کر دیا تھا، اس کے کپڑے تار تار ہو چکے  
 تھے۔ اور اس کے ہونٹوں سے بھی خون بہنے لگا تھا۔  
 ”اب کیا خیال ہے۔ ڈر نہ ٹھوڑا۔“ سہمائی کی طرف دیکھا ہوا کہ  
 اور لوگ باہر کھڑے ہوں تو انہیں بھی لے آؤ۔  
 ”میں جانتی تھی کہ ان لوگوں کا لکڑی کا انعام ہو گا یا سہمائی کی پھل  
 لے۔ ان بزدلوں سے پہلے بھی کوئی توقع نہیں تھی۔ لیکن میں  
 ہر حال میں دوا رکھنا ہیہ معلوم کر کے رہوں گی۔ اور یہ ہتہ تم تجھے  
 بتاؤ گے۔“

سومالی نے مجھ کو گھورا اور اہلانی کی طرف نہیں دیکھا۔ وہ تیزی سے میرے صیحوں کی طرف چھٹی اور ادا دے لگئی۔ اس کے جانے کے بعد اساتہ خانہ میں بے ہوش پڑے، ہوش آدینوں اور زنگولہ اور لانی کے ساتھ تو نہیں رہا تھا۔ محلے کی خبر لائے والا بھی بدحواسی کے عالم میں سومالی کے ساتھ تھی اور پھر گلابا تھا زنگولہ لائے اس کے پڑھو کہ ایک مانی گن اٹھا۔

”یہ تم دیکھتے جاؤ یہ ناکرے منکراتے ہوئے کہا پھر اس نے اپنے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں کی طرف دیکھا ہنس کر ڈرم میں پلاسٹک پیرس آدھا بھرا ڈ۔“

ڈاکٹر جت نے چوک کر ناگہم دیکھا لیکن اس نے ہنسنے نہیں کیا۔ وہی حالت۔ لوٹھے مہزادی گئی۔ اسے پرواہ ہی نہیں تھی کہ ناکرے اس کے لئے اپنے آدمیوں کو کیا حکم دیا ہے۔ ناکرے کا حکم سننے ہی اس کے آدی ثمرے سے باہر پلے گئے۔ جبکہ ناکرے قاری کے عالم میں کمرے میں بیٹھنے لگا۔ وہ اس وقت بہت جھنجھلا یا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی جھنجھلاہٹ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ بھی کبھی کرک اس انداز سے مہزادی طرف دیکھنے لگتا جیسے اس پر جھڑک کر بیٹھ گا پھر اس کی طرف سے دھیان نہ کر کے میں بیٹھنے لگتا۔

ناکرے آدی بھی دیکھ ہی نہ سکا ایک بڑا سا ڈرم دھکیلتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ ناکرے ہدایت کے مطابق اس ڈرم میں آدھے سے زیادہ پلاسٹک پیرس بھر دیا گیا تھا ناکرے نے ڈرم کو دیکھ کر رضا مندی ---- کے اظہار کے طور پر اپنی گتھن ہلا دی۔ پھر پلے آدیوں سے محالہ ہو کر انہیں دکر ہدایت دی۔

”اب اس لوٹھے کو اٹھا کر اس ڈرم میں آدھے دھڑک اتار دو۔ جب اس کا پچھلا دھڑکنا ہو جائے گا تو پھر دیکھوں گا کہ اس میں کتنی قوت پروا ہوتی ہے۔“

”نہیں ابہر امت کر دو؟ ہنزا دا پھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر دھشت پھیل گئی تھی۔

اس موقع پر ڈاکٹر جت نے بھی کچھ کہنے کی کوشش کی اس کی زبان نہیں کھل سکی۔ وہ اس کے کمرے سے باہر چلا گیا۔ اسے باہر چلے دیکھ کر ناگہم رہنے پر انداز میں ہنس پڑا پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھتے ہوئے انہیں دوبارہ ہدایت دی۔ اس بار اس کے آدمیوں نے ہنزا کو پچھڑا ہنزا دا گنڈا ہنزا دا گنڈا سے لٹکنے کے لئے بری طرح چیلنے اور نہڑنے لگا لیکن اس کی ہنزا پھٹنے میں اسے توفان ہی نہیں رہی تھی۔ اسے بے بس کر کے دھڑے دھڑے اٹھا لیا ادا اس ڈرم میں اتار دیا گیا۔ ڈرم میں اتارتے ہی وہ ہنسنے لگا تھا۔

اگر تم نے آواز بند نہیں کی تو پلاسٹک پیرس تمہارے چہرے پر چڑھ جا دیا جائے گا۔ ناکرے دھکی دی۔ یہ تو تمہاری پہلی سزا ہے۔ اس کے بعد تمہارے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

ہنزا کے ہونٹ کھلے پھر بند ہو گئے۔ اس کی حالت خراب ہوئی باری تھی۔ دھشت سے اس کی آنکھیں مٹھوں سے

جیسے باہر نکلنے لگی تھیں۔

”اس بڑھے کو اس وقت تک ای طرح پکڑے رہو جب تک کہ ڈرم میں جم نہ جائے۔ ناکرے اپنے آدمیوں کو دوسری ہدایت دی اور پھر لگتا ہوا اس کمرے سے باہر گیا۔ اگر اپنے عقب میں ہنزا کی چیخیں سنی تھیں۔ وہ اب زور زور سے اسے گناہاں بھی دے رہا تھا لیکن ناکرے اس کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔

دوسرے کمرے میں ڈاکٹر جت اس کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ ”کیا اس کی چیخیں باہر نہیں سنائی دیتی گی۔“ اس نے ناکرے سے پوچھا۔

”قواس سے کیا فرق پڑے گا؟ ناکرے کہا ”تمہیں شاید نہیں معلوم کہ ذہانت بھی کوئی چیز تو اگر تھی ہے۔ ہم نے پہلے یہ مقہور کر دیا تھا کہ اس مکان میں ایک بوڑھا آدی جتنا اس کے بیٹے وغیرہ کبھی بھی اسے دیکھنے کے لئے آجاتے ہیں اور وہ بوڑھا کبھی بھی دماغی دھوکے کا شکار ہو جاتا ہے۔ آئے اگر کسی نے یہ چیخیں سن بھی لیں تو ان کی طرف دھیان نہ دے گا۔“

”میں تمہاری ذہانت کا قائل نہ ہوں کہ تمہیں کمرے میں کچھ ہمارے رہ رہ کر کھٹنے لگتی ہیں۔ مثال کے طور پر مکان کے باہر ہونے اس بوڑھے کی ضرورت ہے جس ہمارے کمرے کے قاصر لکھا ہوا ہے۔ وہ بوڑھے دیکھنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا پھر اس وقت کیا ہوگا؟

”ابھی تک قواس بوڑھو کو دیکھ کر کوئی نہیں آیا ہے۔“

”لے کہہ دیے میری خواہش ہے کہ کچھ لوگ اس بوڑھو کو کر میرے پاس آئیں۔“

”وہ کیوں؟ جت نے چوک کر پوچھا۔“ لوگوں کے آنے تمہارا کیا فائدہ ہوگا؟

”مہر نیاں ہے کہ تم نے اپنی ذہانت جس کے کسی طر رکھ دی ہے۔ ناکرے ہنسنے ہوئے کہا ”لوگوں کے آئے مقصد یہ ہو گا کہ کبھی بھی اس مکان میں ہم لوگوں کی جھنجھلا دھائی دیا کرتی ہے۔ اس کا جواز پیدا ہو جائے گا۔ اس کے تمہیں یہ معلوم ہے کہ یہ علاقہ شہر کے رئیس لوگوں کا علاقہ ہے ایسے لوگ عام طور پر نفسیاتی کرلیں ہو کر آتے ہیں۔ ان کی د ان کے لئے وہاں بن جاتی ہے۔ وہ ذہنی ڈیپریشن کا شکار ماہر نفسیات کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اگر ہمارا کوئی آدمی اس آلتکا تو وہ ہمارے کام بھی آئے گا۔ کیوں؟

”اوہ ڈاکٹر جت نے اپنے ہونٹ کھینچ لیے۔ تم بہت نا سوچتے ہو لیکن اس بوڑھے سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ

مردہوں کی علاج گاہ ہے۔“

”یہ بھی جان لو جو کر کیا گیا ہے۔ ناکرے کہا ”ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی کی فوج خاص طور پر اس مکان کی طرف ہو۔ دیکھنا تو ہے فصد لوگ قواس بوڑھو کے پاس برکوتی دھان نہیں دے گئے۔ دس فصد لوگ اس کی طرف متوجہ ہو کر گھر مارے پاس آئے تو ہمارا کام بن جائے گا۔ کسی کی فوج ہو یا نہ ہو تو دونوں صورتوں میں وہ بوڑھے ہمارے لئے فائدہ مند ہے۔“

ڈاکٹر جت نے اس بار کوئی سوال نہیں کیا اس کے پاس سوال کرنے کی جفا نہیں تھی۔ ناکرے ذہنی طور پر ایک انتہائی ماحول صراحت مختص تھا جس نے جو کچھ بھی کیا تھا۔ سوچ بھر کر کیا تھا۔ دوسرے کمرے سے آنے والی ہنزا کی چیخیں قواس مدغم ہو گئی تھیں۔ لیکن کبھی بھی اس کی سسکیاں اور گرائیں سنائی دے جاتی تھیں۔

”مہر نیاں ہے کہ اس بوڑھے کے ہوش اب ٹھکانے آئے ہوں گے۔ ناکرے جت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ”آؤ ذرا لیک لکھ دیکھ لیتے ہیں۔“

”کیا تمہیں یہ پتا تو ہے کہ اس بار ہم کو طلب ہے کہ اس بار کوں تمہارا شکار ہونے والا ہے۔ ڈاکٹر جت نے پوچھا۔

”ہنزا سن ہمارا آف نیٹم کر دو۔ ناکرے منکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا؟“ جت چوک کر کچھ بھٹ گیا۔ ”کیا کہہ رہے ہو مہر نیاں آف نیٹم کر دو۔ یعنی یعنی۔“

”ہاں۔ میرا پ۔ میرے باپ ہونے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ میرا شکار بن سکے۔ اس کے پاس بھی بے پناہ دولت ہے۔“

”لیکن وہ دولت تو تمہاری ہے۔ تم ہی اس کے وارث ہو۔ پھر تمہیں یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“

”صرف اس لئے کہ میں اپنے اصول سے نہیں ہٹا چاہتا جو حرکت میں دوسروں کے ساتھ کرتا ہوں۔ وہی اپنے باپ کے ساتھ بھی کروں گا۔“

جت نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ اسے اس شخص سے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ بے ہوا خوف۔

داو نے کاغذ کے اس ٹکڑے کو اپنی جیب میں پھونس لیا۔ نیلے کے شوہر کا اخوا اسے اپنی توہین محسوس ہو رہا تھا اسے یقین نہیں تھا کہ اس ملک میں ایسے بھی واقعات ہو سکتے ہیں۔ کوئی شخص علی الاطلاق اس طرح کسی کو اٹھا کر لے جاسکتا ہے۔ اواس کے خلاف کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کالی فوٹ نے اس کی طرح اور دے جانے کتنے آدمیوں کو غائب کر دیا ہو گا۔

خط میں اس بات کی طرف بھی اشارہ تھا کہ نیلے کے شوہر سے کوئی کام نہا جائے گا۔ لیکن وہ کس کام ہو سکتا تھا۔

وہ اس وقت نیلے ہی کے گھر میں بیٹھا تھا۔ نیلے بہت دیر تک روتے روتے اب خاموش ہوئی تھی لیکن اس کی آنکھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔

”اس بچی کے کتنے لوگ اس طرح غائب ہو چکے ہیں۔“ داو نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

”میں ان کی جیسے تعداد تو نہیں بتا سکتی۔ لیکن میں ایسے بہت سے لوگوں کو جانتی تھی۔ جو میرے شوہر کی طرح لٹے کے عادی ہوئے۔ پھر چارنگ غائب ہو گئے۔“

”ان میں سے کچھ لوگوں کی والدہ بھی جی ہوئی ہے۔ بڑا داو نے پوچھا۔

”ہاں۔ لیکن ان کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہو چکی ہے۔ ان کے دماغ مادی ہیں۔ وہ لوگ کسی کو پہچاننے کے قابل نہیں رہے۔“

”کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ان لوگوں کو کہاں لے جایا جاتا ہے۔“

”نہیں۔ یہ کوئی بھی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ خاص لوگوں کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو۔ یہ میں نہیں بتا سکتی ویسے وہ کچھ کہتے کہتے کرتے گئی۔

”ہاں ہاں جتا تو کیا بات ہے۔ کیا یاد کر رہے ہو۔ اس وقت جتن کچھ بھی تمہارے ذہن میں ہو سکتا ہے بتا دو۔“

”ہنزا نہیں یہ بات تمہارے کام کی ہو یا نہیں۔ نیلے بھی جانتی ہوئی ہوئی۔ ہنزا اس بچی کے شری کی طرف ایک غامض میلان ہے بہت بڑا مہمان اور۔ ہر چندہ بیس دنوں کے بعد اس مہمان میں گولیاں پلنے کی آواز سن آتی ہیں۔ گولیوں کی آوازوں کے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں کا شور بھی سنائی دیتا ہے۔ پہلے پہل کچھ لوگ معلوم کرنے کے لئے اس طرف گئے لیکن دوسرے دن ان کی لاشیں ملیں۔ اس کے بعد سے لوگوں نے ان آوازوں کی طرف دھیان دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آواز سننا ہی جتنی ہیں۔ خوش ہوتا ہے۔ لیکن کوئی بھی اس طرف نہیں جاتا۔ لوگوں کے غائب ہونے سے گرجہ اس بات کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا لیکن بس یوں ہی یاد آ گیا۔ اسی لئے میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔“

”تم نے بہت اچھا کیا۔ ہو سکتا ہے۔ جو چیز بظاہر کچھ دکھائی دیتی ہے۔ اندر سے کچھ اور ہو۔ میرے ذہن میں فی الحال تو کوئی بات نہیں آ رہی ہے۔ لیکن میں نے اسے

اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا ہے۔ اس کا کچھ لگا کے بعد ہی کچھ معلوم ہو سکے گا۔ اس وقت تو تم مجھے کسی ایسے آدمی کے پاس لے چلو جو غائب ہونے کے بعد دوبارہ واپس آ گیا ہو۔ خاں یلدا سے کچھ معلوم ہو سکے گا۔

”یک تو بہت ہی قریب میں ہے۔ نیلمائے بتایا اور رحمت خان نام ہے اس کا۔ ایک سال پہلے تلک کی شہر کی طرح تھا۔ اور اب کی حالت دیکھ کر اٹھا افسوس ہوتا ہے کہیں بتا نہیں سکتی۔“

”آؤ اس باب اٹھ جاؤ۔ داور کھڑا ہو گیا۔ ہمیں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔“

وہ اور نیلمائے اس مکان سے باہر آ کر ایک طرف چل پڑے اس وقت شام ہوئے والی تھی۔ اور گلیوں اور سڑکوں پر لوگوں کی آمد و رفت بھی تھی۔ بچے بھی کھیلنے دکھائی دے رہے تھے۔ داور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ پولیسی ایسی ہی پولیسی ہی بس دی گئی تھی کسی مستقل سی اور اس سٹی میں فرق ہی کیا تھا۔

چلتے چلتے وہ لوگ ایک نالے کے پاس آ کر رکتے تھے۔ نالہ ایک راستے کے درمیان میں تھا۔ اور اس نالے کو عبور کر کے دوسری طرف جانے کے لئے اس پر پتھر رکھ دیئے گئے تھے۔ اس نالے میں پانی کے گرنے کا پانی بہاؤ بہت تیز تھا۔ وہ پانی آواز کے ساتھ نالے میں بہتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف چلا جاتا تھا۔

داور نے نہ غور کرنے کے لئے پتھر کے ایک پل کی طرف قدم بڑھائے اور نیلمائے آواز دے کر اسے روک لیا۔ ”کیوں کیا بات ہوئی؟ داور نے اس کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔“

”ہمیں نیلمائے جواب دیا۔ پتھر اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ کچھ دیر بیٹھ رہا تھا۔

نیلمائے جس آدمی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ داور نے پہلے اس پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ وہ شخص نالے کی کچھ پکڑاؤں پر ایک حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر پستی مل رکھی تھی اس کے بال لے ہی تھے۔ وہ پتھر سے اٹھ کر پڑوں سے اس کا جسم جھاک رہا تھا۔ جس پر سیریل کی موٹی جہتی تھی۔ نیلمائے نے کہا یہی ہے رحمت خان۔ داور نے نیلمائے سے اس بات کی تصدیق چاہی۔

”ہاں بیٹی ہے۔ نیلمائے کہا۔ تم دیکھ لو۔ اس کی کہا حالت ہے۔ تم اس سے کیا معلوم کر سکو گے؟“

پھر کتنے نکتے جسے بھی کے جھٹکے۔ ٹک رہے ہوں۔ داور جیسے اس کے قریب جاتا گیا۔ اس کے خدو خال واضح ہونے لگے۔ اسے اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ رحمت خان کو لگا سے پہلے بھی نہیں دیکھ چکا ہے۔ آدمی اپنی تمام تر خیرات اور خوشحالی کے باوجود اپنے فحوص اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے چاہے وہ لاکھ سٹے ہوں۔ کیوں نہ ہوں۔ داور نے اس شخص کو یہ جان لیا تھا۔ وہ واقعی کسی زمانے میں شیر پیر طرح تھا۔ داور اس شخص سے بچی میں مل چکا تھا۔ اس کا بچپن میں ایک اقد تھا۔ اور اس کی دھاک کا عالم تھا اس کے آگے کے اور گھر کی کچھلنے کی جڑت نہیں ہوتی تھی۔ اور آج وہ اس حال میں داور کے سامنے پڑا ہوا تھا۔

داور اس کے قریب پہنچ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اسے واقعی افسوس ہو رہا تھا۔ رحمت خان اس نے زنی سے پکارا۔ رحمت خان

رحمت خان نے اس کی طرف دیکھا پھر پتھر لگا کر وہ کسی کو پہچاننے یا باتیں کرنے کے مرحلوں سے گزر چکا تھا۔ پھر اس نے کسی اور کے کمرے کی آواز سنی۔ اس نالے پر غصے سے فاصلے پر ایک اور آدمی اسی انداز میں پڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت بھی بے درستی تھی۔ نیلمائے داور کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ ”میں اس آدمی کو جانتا ہوں نیلمائے۔ وہ دھیرے سے بولتا۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ واقعی شہر کی طرح تھا۔“

”وہ دیکھو دوسرا بھی اسی حال کو پہنچ گیا ہے۔ نیلمائے دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن ایک بات بھی ہمیں نہیں آتی کہ جو بھی واپس آتا ہے۔ وہ اسی نالے کے کنارے آ جاتا ہے۔“

”کیا مطلب؟ اس انکشاف نے داور کو چلکا دیا تھا۔ ”میں اب تک کئی لوگوں کو دیکھ چکی ہوں۔ وہ ہوتے تو کہیں اور رہیں۔ لیکن رینگتے اور کھستے ہوئے اس نالے کے کنارے آ جاتے ہیں۔“

”کہا ان کے علاج کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ پھر کون توجہ دے گا۔ اپنے رشتہ داروں کے لئے تو یہی ہی دن مرچکے ہوتے ہیں جس دن بیرون مہلی بدان کے منہ لگتی ہے۔ بہت کم ایسے ہوں گے جنہوں نے کسی کو اس طرح سمیٹ کر رکھا ہوگا جس طرح میں نے اپنے شوہر کو سمیٹ کر رکھا تھا۔ شوہر کے ذکر سے اس کی آنکھوں کے گوشے پھر گئے تھے۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہاں سے واپس آنے والا اس نالے کے کنارے کیوں آ جاتے ہیں۔ داور نے اس کے دھیان بٹانے کے لئے پوچھا۔ ایسی کوئی شش ہے جو

انہیں یہاں کھینچ لاتی ہے۔ یہاں کیا ہے۔ سولے بیٹے ہوئے غم سے پانی کے۔ بیٹے ہوئے غم سے پانی کے پھر وہ ہو کر رکت گیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے جھپکنے لگی تھیں۔ ”کیوں کیا بات ہوئی؟ نیلمائے اس کی طرف دیکھا۔ کچھ یاد آ گیا ہے کیا؟“

”ہاں بیٹے ہوئے پانی کی آواز۔ تم ذرا اپنی آنکھیں بند کر کے اس پانی کی آواز سنو۔“

”کیوں اس سے کیا ہو جائے گا؟ نیلمائے بہت حیران ہو رہی تھی۔“

”جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔ آنکھیں بند کر اور اپنا دھیان بیٹے ہوئے پانی پر لگا دو۔ پھر دیکھو تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟“

نیلمائے داور کے کہنے کے مطابق اپنی آنکھیں بند کیں اور اپنا دھیان بیٹے ہوئے پانی کی آواز پر لگا دیا۔ وہ بڑے غور سے اس آواز کو سن رہی تھی۔

”ہاں رام؟ اس نے لکھن سے اپنی آنکھیں کھول لی۔ یہ تو وہی آواز ہے۔ بالکل وہی ہے۔“

”کیسی آواز؟ داور نے اسے حوصلہ دیا۔ ”ٹھیک ہے یاد کرو کیسی آواز؟“

”آواز کی آواز۔ اس بیٹے ہوئے پانی کی آواز جو میں نے کالی موت کے کمرے میں سنی تھی۔“

”ہاں۔ اس کالی موت کے لیے نہیں زیادہ دور نہیں لے جایا گیا تھا۔ تم نہیں اس پاس موجود نہیں؟“

نیلمائے اس طرح خاموش ہو گئی جیسے اس چاکر ہونے والے احساس نے اسے کئے میں مبتلا کر دیا ہو۔ نالے کے کنارے پر پہنچے ہوئے رحمت خان اور اس کے دوسرے آدمی کی آواز سن رہی تھی۔ لیکن داور کا ذہن اس وقت بہت تیزی سے سوچ رہا تھا۔ اس نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ کیا کوئی ایسی کسی ایسے مکان میں لے جایا گیا تھا جو اس نالے کے آس پاس واقع تھا اور اسے میں پانی کے بہنے کی آواز کو نیلمائے آواز کی آواز سمجھ لیا تھا۔ لیکن وہ مکان کہاں تھا۔

اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز اس کے ذہن میں پھونکنے لگی۔ منشیات کے عادی لوگوں کو کہاں لے جایا جاتا تھا پھر وہ جب تباہ ہو کر واپس آتے تو اس نالے کے کنارے کیوں آ جاتے تھے۔ انہیں یہاں سے کیا حاصل ہوتا تھا۔ پانی بہنے

کی آواز ان کے لیے کسی قسم کی امید تھی۔ یہی وہ نالے کے پاس تھا۔ ان سوالوں کے جواب نہیں تھے۔ اسی لیے اس نے ان سوالوں پر سوچنا منع کر دیا۔ اس کی توجہ دوبارہ نالے کی طرف ہوئی۔ وہ مکان اس نالے کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ ہو سکتا تھا۔

”نیلمائے کہا سوچ رہی ہو؟“ داور نے نیلمائے کو خاموش دیکھ کر سوال کیا۔

”مجھے نہیں۔ نیلمائے چونک پڑی۔ ”میں سوچ رہی ہوں کہ اگر وہ مکان اس نالے کے آس پاس ہے تو پھر یہی تھی دور کہیں لے جایا گیا تھا۔“

”وہ سارا چکر تمہیں دھوکہ دینے کے لیے چلایا گیا تھا۔ داور نے کہا۔ ”تاہم تم سمجھنا کہ اگر وہ مکان اب بھی اس نالے کے ساتھ ساتھ چلنا ہے تاہم اس مکان کو تلاش کیا جائے؟“

نیلمائے نے اس کی بات مان لی تھی۔ وہ دونوں نالے کے ساتھ ساتھ چلے گئے۔ داور کا خیال تھا کہ اگر وہ دونوں اسی طرح چلتے ہوئے اتفاقاً اس مکان تک جا سکیں تو انہیں یقیناً روکنے کی کوشش کی جائے گی۔ اور کسی کا انہیں روکنا بھی اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ اپنی منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ لیکن اس سفر میں کسی نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نالے کے کنارے کچھ کچی ضرور دکھائی دیے۔ جو اپنی اپنی دنیا میں مٹی ہو رہے تھے۔ داور اس مٹی کا حال دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اس مٹی کو کھینچ کر لیا گیا تھا۔ جہاں کسی پر کوئی باندھی نہیں تھی۔ دے جانے اتنے بھون اور غریبوں کو کون سی کشش تھی کہ اس مٹی میں سے آتی تھی۔

وہ بہت دیر تک چلتے رہے۔ لیکن کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ آدلی تو اس نالے کے آس پاس بہت کم مکانات تھے۔ اور جو تھے بھی وہ اتنے چھوٹے تھے کہ ان میں کسی قسم کی سہارا کے بدلے چڑھنے کا امکان نہیں پایا جاسکتا تھا۔ ٹھیک باہر وہ دونوں واپس آئے۔ ایک موہوم سی امید بھی تھی۔

نیلمائے رات داور کو اپنے کچھ لے آئی۔ دوسرے دن مجھوٹے ہوئے نالے کے داور کو کچھ بتانے کے لیے کہا تھا۔ اور اس سے پہلے اس کے پاس کوئی کام نہیں تھا۔ داور نے نیلمائے کہا کہ کسی ٹھکانہ وہ رات نہیں اور گھر سے گلا بین نیلمائے کے آگے وہ عجیب و غریب تھا۔ وہ اس عورت کا دل نہیں لگتا تھا۔

اس رات نیلمائے داور کے لیے کھانے تیار کیے اور پھر سینگے کے ساتھ اس کے سامنے رکھ دئے۔ داور کے لیے یہ بالکل نیا تجربہ تھا۔ ایک نیا احساس تھا۔ اس نے کبھی ایسی زندگی نہیں گزاری تھی جس میں کوئی عورت سینگے کے ساتھ کھانا سنا رہی تھی۔ ہوا اس نے مینا کے ساتھ کچھ وقت بسر کیا تھا لیکن اس کا سناج مختلف تھا۔ وہ کھانا کھانے کے چرچ میں نہیں بڑا کرتی تھی۔ اور

ہرگز طواف بوجانے کے باوجود اپنے آپ کو عورت کے روپ میں لندہ رکھے ہوئی تھی اس عورت کے روپ میں جس کا نام مردوں کی خدمت کرنا اور ان کی دیکھ بھال ہوتا تھا۔

اس جھوٹے مکان میں کمرہ بھی ایک ہی تھا۔ بہت چھوٹا سا۔ اسی چھوٹے مکان میں ایک چھوٹا سا بستر تھا جس پر بیٹا کا سر بٹا رہتا تھا۔ لیکن اب وہ بستر خالی ہو چکا تھا۔

”میں نے کھانا نام تو لیا تھا اس لیے اس نے کھانے کے برتن کھینچے کے بعد کہا اویس کھانا نام پوچھو گی بھی نہیں؟“

”وہ کیوں؟“ اویس نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔ نام پوچھنے میں کیا حرج ہے؟

”نام شغیت کے ساتھ فحوس ہو کر رہ جاتے ہیں“ بیٹا جیسے سے لولی بڑا انسان سے کوئی نام انگ بھجوانے کو اس کا ہمدردی بھلا نہیں جاسکتا لیکن انجی کے چھوٹے کادھ اس نے بھی نہیں ہوتا کہ وہ بہر حال انجی ہوتا ہے۔ نہ شاید بڑے ہنس کے تہمت نہیں نے خود کو مسکرتے والی بات کی ہے لیکن میں اس کے علاوہ اور کچھ کہہ بھی نہیں سکتی ہوں۔“

”کھانا بڑوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم جی بھی لگی ہو؟“

”نہ کہتا ہے۔ تم نے کون سا روپ بنا رکھا ہے انجی؟“ بیٹا جیسے سے ”میرا سر بھی بڑھا کھا آؤ گی ہے انجی لیکن جب قسمت دھوکہ دینے کی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ وہ کسی بڑے لکھے کو روکا کر رہی ہے یا کسی کا۔ اور اس کے لیے سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ بچے کہانی بیان کرنے کا سلیقہ نہیں ہے بس آنا لکھ کر کم دھول میاں ہوگی اگر آباد میں بڑی خوش گزر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے پاس دولت نہیں مٹی لیکن ہماری مسکرائیں ہتی ہیں۔ بالکل بکری۔ ہم اس سے بھی چھوٹے مکان میں رہتے اور امید مجھے خواب دیکھا کرتے۔ اور جب ان خزانوں کی توہمیں نہیں ملتی تو بچائے آفسردہ ہونے کے ہم نہیں بچتے۔ کچھ کہو کہ جب دو عورت کمرے والے ایک دوسرے کے ساتھ ہوں تو کچھ کا احساس بہت کم ہوتا ہے۔ پھر ایک دن ایسا ہوگا کہ غمور میرا خیال ہے کہ اسی کہانی سناتے سے پہلے میں کھانا سے بے چلنے بنا کر گئے۔ کون نہیں اس کی خواہش محسوس ہو رہی ہوگی؟“

”یہ تم نے عقل مندی کی بات کی۔ اور ہاں میرے لیے اگر کوئی جادو وغیرہ ہو تو یہیں فرس ہو چکا ہو؟“

”یہ کہتے ہو سکتا ہے انجی؟“ بیٹا جلدی سے لولی ”نہیں اوپر سونا ہوگا۔ میں کھانا سے قدوں سے نیچے فرس ہو رہی ہوں گی۔ میں نے کھانا سے قدوں کے نیچے سونے کی بات اس لیے کی ہے کہ تمہارا خیال ہو کہ کھانا سے قدوں میں خاک کی کر رہا جائے۔ تم یہ

چلتے ہو کہ میں کون ہوں کتنی مجبور ہوں اس کے باوجود تم نے نہیں کہا کہ تم خیر؟“

”میں ایک جیسا نہیں ہوتا تھا۔ اداؤں نے کہا۔“

”میں کوئی فرس نہیں ہوں۔ بہت بڑا آدمی ہوں۔ لیکن میں اپنی برائیاں دوسروں کی مجبوروں سے الگ دیکھ رہی ہوں۔“

”میں تو تمہاری عقلت سے انجی؟“ بیٹا عقیدت سے انداز میں لولی ”تم مجبوروں کا سودا نہیں کرتے۔ مجبوروں میں چائے لے کر آتی ہوں۔“

بیٹا کے چلنے کے بعد دادو نے اپنے سر سے مصنوعی بالوں کا بوجھ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔ پھر اس نے اپنے غریبے سے اپنا لباس نکال کر کھینچا اور ایک طرف رکھا اور اپنا لباس پہن لیا۔ وہ اب خود کو بکا پھکا محسوس کرتے لگاؤ پٹی بننے کے بعد وہ خود کو بکا پھکا نہ لگا تھا۔

بیٹا جب چائے کی پیالیاں لینے ہوئے کمرے میں آئی تو دادو کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔

”کھانا نہیں۔ یہ میں ہی ہوں۔“ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”جی آؤ۔“

”یہ تم نے کون سا روپ بنا رکھا ہے انجی؟“ بیٹا جیسے سے برائیاں دیکھتے ہوئے لولی ”تم تو پہلے اس اصل روپ میں بہت شاندار معلوم ہوتے ہو۔“

”میں نے مجبوروں جیسے اختیار کر لیا تھا۔“ دادو نے بتایا۔

”میں اس بارے میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے چائے پلو۔“

”جو بیک نمک تم اپنے ہاں سے میں بتاتی جاؤ۔“

بیٹا نے اپنے لیے فرس بڑھایا اور کھانا کھانے چائے کی پیالی اٹھائی اور بستر پر بیٹھ گیا۔ بیٹا نے چائے پیئے کے بعد اپنی کہانی پھر شروع کی۔

”ہاں تو میں یہ بتا رہی تھی کہ بد قسمتی اس طرح اچانک سا آجاتی ہے جیسے موت آجائے۔ میرے غمور کا نام راجن ہے۔ وہ اگر آبادی ایک فرس میں کام کرتا تھا۔ خواہ کچھ معمولی مٹی لیکن سکا بہت تھا۔ لیکن آج کل ہر شخص ہنرے خواب دیکھنے کا مادی ہے تو راجن بھی ہنرے خواب دیکھ کر پھر ایک دن وہ میرے ہاں پر ایک اخبار لے آیا۔ اس اخبار میں اسی دن ساری کے بارے میں وہ اشتہار چھپا تھا جس سے متعلق میں نہیں بتا سکتی ہوں۔ اگر اشتہار نے ہم لوگوں کی نگاہیں چند جھپکیں۔ ہم نے بھی بہت کچھ سوچنا شروع کر دیا۔ آؤی جا ہے کتنا ہی قناعت پسند ہوں نہ ہو انجی زندگی کا لاپس اسے اس طرح اپنی طرف مینے دیتا ہے جیسے لہجہ کو متناہیں چھینے۔ ہم نے بھی ادا کے باوجود بہتر مانہ لیا اور

راجن نے دفتر سے استعفیٰ دے دیا۔ پھر ہم لوگ یہاں چلے آئے۔ اس وقت میں یہاں اگر کوئی بہت خوشی ہوئی تھی۔ کچھ بڑا اس بستی کو تباہ کرنا نہ میرا تھا۔ ہر طرف اچھے لوگوں کی بہتات تھی۔ سب ایک ہی حجت بنائے کا خواب کے یہاں آتے تھے۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے ساتھ مسکراتے اور ان کو کتنا تھا جرم باطل نہیں ہوتے تھے کوئی کسی طرف بڑی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا۔ زندگی اس طرح آہل اور سانس تھی جیسے کسی پہاڑی کے دامن سے نکلنے والی ندی۔ سچا بہت سست بھٹکتی ہوئی اپنا سفر لے کر تھی۔

یہ کوئی بےیشانی نہیں کوئی آگ نہیں اس وقت یہاں اس مادام کی طرف سے کوئی مقرر تھے جو آئے والوں کا غیر مقدم کرے اور انہیں رہائش کے لیے مفت مکان اور نوکری فراہم کرتے۔ میں نہیں یہ یہ جانتی ہوں کہ یہاں کوئی قسم کی مٹی بنی ہوئی کسی کو چلانے والے ادارے میں بڑے بڑے لوگوں کو ملازمت دے دی تھی۔ راجن کو بھی اسی ادارے میں رکھ لیا گیا۔ ہم جو امید کر رہے تھے وہ امید یہاں پوری ہوئی ہوئی نظر نہ آئی۔ اس لیے ہم بہت خوش تھے۔ میں ہی کہہ رہی تھی کہ خوشی کتنا ہے جس طرح قتلے کی بیڑوں میں کوئی جادو کر اور ماحول بدل دیا کرتا ہے اس طرح اس قسمی ماحول تبدیل ہو گیا۔“

بیٹا اتنا کہہ کر خاموش ہوئی۔ دادو کو اس کی کہانی سے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اس دلچسپی کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس طرح اس بستی کے عین ظاہر ہونے والے تھے۔ اور دوسری وجہ یہ تھی کہ بیٹا کے بولنے کا انداز بہت دلکش تھا۔ اس کی آواز میں بہت خوبصورت تھی۔ وہ لفظوں کے انتخاب کا سلیقہ بھی جانتی تھی۔

”ہاں تو میں یہ بتا رہی تھی کہ اس قسمی ماحول بدل گیا۔ بیٹا نے پھر کتنا شروع کیا۔ اس بستی والوں کے لیے سفید موت مٹی پر ہونے پہنچائی چلتے تھے۔ بہت دھیرے دھیرے عامس طرح سے پھر لوگوں نے ہر طرف کا دھار شروع کر دیا۔ ان کے گھر پوری بستی میں ہر طرف پھیل گئے۔ اس مادام کی طرف سے کٹرول کرنے کی بھی کوٹیشن کی تھی لیکن یہ معاملہ اس کے بس سے باہر ہو گیا۔ پھر وہ جس طرح ایک تہہ بہ تہہ ریت کی دیواریں کو مینٹا ہوا ایک کنا سے لگا دیتا ہے اسی طرح مٹی کے محافظ اور مادام کے کوئی بھی کٹنے پھرنے سے پہلے وہ غائب ہی ہو گئے۔ جب کہ بڑے لوگ ہر طرف پھیل گئے۔ ان لوگوں میں بے شمار نام بے شمار جیسے تھے۔ ایک ایک میں کیا کیا باتوں پھر لیا ہوا کہ وہ سفید موت میرے گھر کی آئی۔ راجن کو کسی نے ہر کوئی کی کت لگا دی۔ اور وہ ہر کوئی پٹنے لگا۔ تم ان میں سے ایک آدمی سے قول ہی پٹے ہو وہ پہلوان جس سے تمہارا چھوٹا ہو گیا تھا۔“

”ہاں مجھے یاد ہے۔ دادو نے اپنا سر ہلاتا۔ اس کا نام شاید نارائن تھا تھا تھا۔“

”ہاں۔ ہمارے دھرم میں اس نام کی بہت اہمیت ہے۔ اسے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ یہ برائوں کے خلاف جنگ کی علامت ہے۔ لیکن اس نام کے ایک شخص نے ہمیں تباہ کر دیے۔ اس نے ہر برائی پھیلانی تھیں۔ وہ پہلے ہر سب کے کھیل میں جیتی تھی۔ جسے لوگ اچھا نہیں کر جاتے ہیں اور وہی اچھے نام تہمت بن جاتے ہیں۔“

”اس شخص کے خلاف میرا عقیدہ بھی تھا۔ تم نہیں ہو رہے؟“

دادو نے کہا۔ ”میں ایک بار میرے سزاوردوں کا۔“

”کس کس کو سزا دو گے انجی؟ نارائن تو ایک معمولی کارندہ ہو گا۔ جانے نارائن کی طرح اور کتنے لوگ اس بستی میں موجود ہیں۔“

”میں تم غم ٹھیک کہتی ہو۔ دادو نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”ہر حال میں اس بستی میں زہر پھیلنے والے کی گردن تک پونچنا پڑتا ہوں۔“

”کچھ میرا یہاں آئے کا مقصد کچھ اور ہے۔ میں وہ مٹی بتاؤں گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ میں جس کام سے یہاں آیا ہوں اس کا سلسلہ ان ہی لوگوں تک چلے جو اس بستی کو تباہ کر رہے ہوں۔“

”ایسا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ایک بڑی دوسری بڑی بستی کے پھر پھیل چکی ہے۔ ہر برائی ایک دوسرے کی دوست ہو کر رہی ہیں۔ ہر برائی میں نہیں یہ بتاؤں تھی کہ راجن نے ہر برائی کو اپنی شروعات کر دی اور رفتہ رفتہ اس کی حالت تباہ ہوئی۔ مٹی مٹی ہر برائی انسان کو اپنی جلدی تباہ کر دیتی ہے کہ تباہ ہونے والا نہیں ہی چھوٹا نہ جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اس کے بعد مجھے ہمنما ہے لیکن سچتے والی نوبت یہی نہیں آتی جب وہ کھڑا ہوئے تو یہ چلتا ہے کہ وہ ٹانڈے سے کھولا ہو چکا ہے۔ یہی حال راجن کا ہوا۔ میں نے اسے اس بستی سے لے جانے کی کوشش کی لیکن اس نے میرا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ پھر وہ ہر کوئی کے نندہ ہر کوئی کے ساتھ اور یہ ہر کوئی آسانی کے ساتھ یہاں مل سکتا ہے۔ اتنی آسانی کے ساتھ ہر کوئی ہندوستان میں نہیں ملے گا۔ راجن کو بھی یہ بات معلوم تھی اس لیے اس نے کوس اور جانے سے انکار کر دیا۔“

”ہاں میں بھی یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ کس جیوتی میں میں ہر کوئی اتنی آسانی سے مل جاتی ہے جیسے یہ علاقہ ہندوستان کا نہیں بلکہ کس اور کا ہو۔“

”اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر کوئی بستی ایک ہر کوئی براہ راست ہے۔ اس کے علاوہ شاید حکومت نے بھی اس قسمی کوششیں کاربند لاشیں کیا قرار دیا ہے۔“

”کیا مطلب ہے؟“ اور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو ہاتھ نے ایک عجیب بات کہہ دی ہے ”نہیلا“

”ہاں“ بھی بھی تو مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ ”نہیلا“ نے کہا۔

”جس طرح ہر شے میں طوائفوں کے لیے ایک علاقہ مخصوص کر دیا جاتا ہے کہ اس کی زندگی کی علامت میں رہے۔ باہر نہ آنے پائے اور جس کو کونہ ہونے کا شوق نہ ہو وہ خود وہاں چلا جائے۔ اس طرح تنہا اس کو بھی منشیات کا یہ لٹا لٹا لیریا بنا دیا گیا ہے۔“

”تمہاری بات بہت عجیب ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سچی بھی معلوم ہو رہی ہے۔ نہیلا اب تو مجھے بھی ایسا محسوس ہونے لگا ہے۔ بہر حال تم کوئی کہانی سننا دو۔“

”تو ہر ایک راجن نے میرے ساتھ کہیں اور جانے سے انکار کر دیا اور اس کی حالت تباہ ہو چکی تھی وہ کسی کام کا ہی نہیں سہا ایک دن ایسا بھی آیا کہ اسے ملازمت سے جواب مل گیا۔ وہ دن ہمارے لیے قیامت کا تھا۔ اجنبی مارکر تمہارے ذہن میں قیامت کے دن کا کوئی تصور ہے تو تم اس دن کو ہمارے لیے قیامت کا سمجھ سکتے ہو۔ تم خود ہی سوچو کہ میری کیا حالت ہوگی۔ کھانے کے لیے گھر میں کچھ نہیں۔ راجن کی حالت ایسی تباہ تھی کہ وہ خود سے پیچھے ہٹ گئی تھیں۔ سنا تھا۔ دوسری طرف بے بسی ایسی کہ وہ علاقے کے لیے کہیں اور چلنے سے بھی انکار دیتے جارہا تھا۔ میری کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں۔ نہیں اتنا تو احساس ہو گیا ہوا کہ میں اپنے شوہر سے محبت کرتی ہوں۔ دوسری طرف میں مشرقی عورت ہونے کی حیثیت سے اپنے فرض سے بھی آگاہ ہوں۔ اور ایسی عورت کا شوہر جب اس کے سامنے کھانے کے لیے تڑپتا رہے۔ بہر حال میری دیواروں سے اپنا سر گھرانے کے قودہ کی کشتی ہے۔ میں نے خود کو اور خود سے زیادہ اسے چلنے کے لیے کوئی بھی تلاش کی لیکن اس اتنی میں کوئی نہیں تھا۔ اس کی طرف ایک ہی تھی کہ میں اپنے آپ کو فروخت کرنے لگوں۔ یہی تھی اسی قسم کی ہے۔ مجبور و منشیات کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اور یہی کہ مجبوریاں اس اتنی کی عورتوں کو جسم کی تجارت پر مجبور کر دیتی ہیں۔ یہی ہمارا دوی کام ہیں۔ اس میں کچھ کہہ کر تم نے اس حالت میں خود کو کسے کیا ہوگا۔ اور نے کہا ”نہیلا کچھ مت بتاؤ۔“

”نہیلا“ اجنبی سب کچھ نے بغیر انہیں حالات کی نوعیت کا اندازہ نہیں ہو سکا اس کے علاوہ مجھے بڑا کہانی سنلے دو کہ جو کچھ بتا رہا تھا کوئی ایسا آدمی ملا ہے جو میرے جسم کے بدلے میری مجبوری میں دیکھی لے رہا ہے۔ میں یہ محسوس کر رہی ہوں کہ شاید اس طرح میرے ذہن کا پوچھنا نہ لگے۔“

”جھجک ہے میں اب تمہیں نہیں روکوں گا تم اپنے سارے داغ دکھاؤ۔ اور دھیرے سے بولنا اس نے چاہے جی کہ یہاں ایک

طرف کھڑی تھی۔

”نہیلا بہت بہت شہرہ بہت تھلنے ایک گہری سانس لی ایک دن ایسا آیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں رہا۔ راجن کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ بیرون کے دوش بیٹھے کے لیے پھل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اور میرا یہ حال تھا کہ کھانے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔ میں اس کے لیے بہر حال کا بندوبست کہاں سے کرتی۔ مجبور ہو کر میں نے اس سے یہ پوچھا کہ میں اس کے لیے بہر حال کہاں سے لاسکتی ہوں۔ اس نے مجھے پیچھے ہٹا کر چند کباب پر بتا دیا۔“

”اوہ تو کیا تمہاری کہانی کا یہ ایک بنا کر دو رہا ہوا۔“

”ہاں تمہارے لیے بنائیں انہماں کھانا اور بے عزت انسان میں نے اس کے لیے تو کہا تھا کہ مجھے اپنے باپ سے میں سب کچھ بتانے دو۔ خبر تو میں راجن کے لیے بیرون کی عزت ماننے اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس کا گھر اتنی کے مغرب میں آخری گھر ہے اور اتنی کے بہت سے گھروں سے ملا ہوا تھا۔ جب میں وہاں پہنچی تو وہاں سب کچھ عورتیں پیسے سے بوجھتی تھیں۔ ان میں سے کوئی اپنے بیٹے کے لیے بیرون لینے تھی کوئی اپنے بھائی کے لیے اور کوئی یہی طرح اپنے محبوب اور شوہر کے لیے۔ ان کا مکان میں پہلی بار اس نالائک کو دیکھا تھا۔ خبر تو ہم لوگوں کو ایک رات کے بعد میں پٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد چند ہمارے سامنے آیا۔ اجنبی نے اسے صورت چہرے تو دیکھ لی تھی۔ بعد معاشی چہرے کچھ بھی نہیں تھے۔ لیکن محکمہ اور کھانا پوچھا چہرہ شاید دیکھا ہو۔ چند انسانی محکمہ اور کھانا پوچھے والے آدمی ہے۔ اسے دیکھ کر اگانی آئے تھی۔ اس کی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے کی طرح مسکوتہ تھی۔ اور اس کے جسم سے ایسی بدبو لڑھکی تھی جیسے گھر سے نکل کر آیا ہو۔ اگر بیرون لینے کی مجبوری نہ ہوتی تو نہیلا کو کوئی نہیں دیکھا۔ اس پر لعنت بھیج کر وہاں آجاتی۔ لیکن کیا کہانی راجن کی حالت میری برداشت سے باہر تھی۔ اسی لیے مجھے اس محکمہ آدمی کے سامنے رہنا ناخوش محسوس ہوتا تھا۔ اور اس کی تجویز بھی انہیں یوں پہنچے لیکن جیسے وہ انہوں سے مل کر رہا ہو۔ اس نے انہیں نگاہوں دکھا ہوں میں یہ کھانا شروع کر دیا۔ جیسے ہماری قیمت لگا رہا ہو۔ ان وقت میں نے پھر چلا کر ان کے پیچھے جاؤں۔ لیکن راجن کے خیال نے میرے بیرون میں نہیلا کوئی بھی تھی۔ اس نے اس کے پاس کچھ نہ کر سکی اور وہاں کے لیے بیرون کی فرمائش کی۔

”بیرون تو بڑی پہنچی تھی ہے۔ اس نے کہا لیکن تم نے یہی لائی ہو۔“

”نہیلا“ میں نے بھی نہیں ہوتی لگا ہوں کے ساتھ خوب دیا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ گھر میں کھانے کے لیے یہی نہیں ہے تو بیرون کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے۔“

”میں کچھ گیا۔ اس نے ہنگامی لائی تو پھر اسی صورت میں

تمہیں لوگوں کے بیرون بڑا نا ہوگا۔“

میرا ہاتھ اٹھا میرا لڑکا جا کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر دیا۔ لیکن میری مجبوری نے میرے اٹھے ہوئے ہاتھ کو غلط کر دیا۔ میرے اعصاب خفاخفا زندہ ہو گئے۔ میں کھانے کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔ میں یوں نہیں کر سکتی تھی کہ کسی کوئی شخص مجھے اس انداز کی غمناقی بتاتی کہ میرا دل گلاس۔ اس وقت میرا دل اس کی ہاتھ جو عزت کا ہونا چاہیے۔ میں اسے برا بھلا کہہ کر وہاں سے نکل گئی۔ اس نے آواز دے کر مجھے روک لیا۔ اور میرے قریب آکر بولا۔

”دیکھو پتھر کچھلو۔ اس کی میں بھی ہوتا ہے تمہیں شاید اس کا تجربہ نہیں ہے۔ یہاں کے مرد جب بیرون کے مادی ہو جاتے ہیں تو ان کی عورتیں بھی کہتی ہیں۔ مرد دیکھتے تو یہ کہ بہت ناواقف ہوتے ہیں۔ میں کھانے میں بیٹھتا ہوں۔ میرا ہاتھ ان کا غرقہ ہوتا ہوتا جاتا ہے۔ بیرون کا شہر نہیں جینے نہیں دیتا۔ اور ان دنیا میں زندگی سے بڑھ کر اور کچھ نہیں بڑا کرتا۔ اس لیے وہ اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ پیچھے رہتی بہت مٹی ہوتی ہے۔ بہر حال میرا ہونا ہے شروع شروع میں وہ اپنی عورتوں پر اس بات کے لیے ہنسنے میں ایک بار غرقہ کرتے ہیں۔ پھر پھر غصے میں ایک بار پھر جاتا ہے۔ اس کے بعد ہاتھ ہنسنے کے لیے تھم جاتا ہے۔ تو تمہاری بھی حال ہونے والا ہے۔ ہاں تمہیں ایک بات اور یاد دلے۔ اس میں میں عورتوں کے رٹ مختلف ہیں۔ اور یہ رٹ تم نے مختلف کیے ہیں۔ اور یہ رٹ ان کے خنوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔“

”میں تمہاری خواہش سنا نہیں چاہتی۔“ میں نے سخت سے کہا۔

”یہ تمہیں سننی ہی ہوگی کہو کہ اب یہی تمہارا مستقبل ہونے والا ہے۔ تم نے ایسے جرم ارتکاب کر کے والے دیکھے ہوں جن کے ساتھ جتنی باور پانے کر کے جاؤ وہ جرم ان کے رقم بٹھالے جاتے ہیں۔ تو اس سستی میں تم بھی یہی طریقہ اپنا رکھو۔ یہی بار بار آؤ رٹ دیکھو۔ ہوں گے خود کر کے دوسری بار دواؤ تو یہی تم ہو جائے گا۔ تیسری بار دواؤ تو یہی آؤ گی کہ ہوگا یعنی تمہاری بارہاں سے نالائک ہو کر جا کر ہوگی اسی حساب سے تمہاری قیمت کم ہوتی جا جائے گی۔ اس لیے بہتر ہے کہ یہ بات مان لو۔“

میں نے اسے پھر گایاں دیں اور اپنے گھر گئی۔ یہاں پہنچی تو راجن مجھ سے زیادہ بیرون کے انظار میں دروازے پر لگا رہا تھا۔ میرا بڑا ہاتھ خالی ہاتھ آئے دیکھ کر وہ بری طرح مایوس ہو گیا۔ میں نے اسے جب ساری بات بتائی تو وہ غصے میں گھر گیا۔ اس نے مجھے تنہا ہی میرے ساتھ پیچھے کر دیا۔ لیکن دوسری طرف اس کی حالت بھی خراب ہوتی تھی۔ اسی طرح ہم نے دونوں اور گزر دیے۔ لیکن اب کوئی اس عہد پر دل نہ کر اسے۔ سامنے تو سارے اندھیروں اور

ملاؤ بیسوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک طرف تو جھوک کی شدت تھی اور دوسری طرف راجن کی حالت۔ وہ اس طرح پھٹکے لیے لٹا۔ جیسے کسی کا دودھ بڑھ گیا ہو۔ مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ اکیسے۔ ہاں۔ اجنبی۔ اسی لیے اور ان کی حالت میں میرے قدم اس گھٹاؤ نے شخص کے مکان کی طرف اٹھ گئے۔ اور میں چونکہ دوسری بار تھی تھی اس لیے میرا رٹ ان کے مہلوں کے تحت کم ہو گیا تھا۔ نہیلا اتنا کہہ کر دھیرے دھیرے سکے تھی۔

دو اور بڑی مہلوں کے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی کہانی نے اسے تجویرا شروع کر دیا تھا۔ وہ خود بھی گھر تھا۔ لیکن اس کی رائیاں کو روکنے کے لیے نہیں تھیں۔

”اب میں تمہیں بتاؤں کہ میں نے پہلی رات کے ساتھ گزری تھی۔“ نہیلا نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ ”اسی چند کے ساتھ تمہیں کرو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میرے پورے بدن پر غلاظت چھڑی گئی۔ سر بدلو اور گنگنی کو میری نگاہوں میں داخل کر دیا گیا ہو۔ بائیں نے اپنی تھیں دیواروں کی اس ہوا میں اگل ایسا احساس ہوا تھا۔ کاش میں غفلتوں میں اپنی حالت نہا سکتی۔ جب کہ دوسری طرف چند رکاب حال تھا کہ وہ اس رہا تھا۔ مجھے لگا رہا تھا۔ خوشی سے کچل رہا تھا۔ طنز کر رہا تھا۔ اور مجھے تباہ کر رہا تھا۔“

”تم واقعی ایک قابل قدر عورت ہو نہیلا۔ اور دھیرے سے بولنا۔“ مجھے تمہارے کرب کا احساس ہو رہا ہے۔“

”ہاں۔“ نہیلا نے ایک گہری سانس لی۔ ”وہ میرا پہلا موقع تھا۔ اس کے بعد میں دھیرے دھیرے مرنے لگی تھی۔ اب میرے گھر میں بیرون میں آئی۔ اسے دیکھنے کے لیے کا سامان لگ گیا۔ راجن زندہ ہوا اور میں اس کو زندہ دیکھنے کے لیے خود کو ماری لگی تھی۔ نہیلا ان کو دیکھ ہی لیا ہے۔ وہی میرے لیے گاہک اور راجن کے لیے بیرون لایا کرتا تھا۔“

”اس چند کا مکان کہاں سے نہیلا؟“ اور نے پوچھا۔

”میں نے بتایا تھا کہ اس لڑکی کے غریبی سمیت میں اس کا مکان ہے۔“ نہیلا نے جواب دیا۔

”تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ اور اس کا مکان دکھا کر وہاں آجانا۔“

”نہیلا تم کھت کرنا اجنبی۔“ نہیلا نے کہا۔ ”تم خود سوچو اس سے فائدہ کیا ہوگا کیا تم کچھ ہو کر چند کے خلاف کچھ کرنے کے اس لڑکی کی رائی ختم ہو جائے گی۔“

”نہیلا رائی تو نہیں ختم ہوگی لیکن اس کو ایک دھچکا ضرور ملے گا۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ میں خود ایک اچھا آدمی نہیں ہوں۔ لیکن میں عورتوں اور بچوں پر ظلم کرنے والوں کو اس دنیا کا سب سے گھٹا انسان سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ ناقابل معافی جرم ہے۔“



اور جہاں جہاں مجھے اس کا پتہ چلتا ہے وہاں میں اس کے قدم در لگا کو تباہ کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں گا۔ اور میرے ساتھ تم مکان دکھا کر دو ایسے آجانا میں اس دکھانے آؤ گی کو لگا نہیں کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے لیکن میں اسے اس خیال میں نہیں رہنے دوں گا کہ وہ آئندہ کسی عورت کو اپنے بستر پر لائے گا۔

دادا کا بوجھ ایسا تھا کہ مجھے ہر گھنٹی غمی دادا کے لیے میں ایسا عیش تھا جو اسے بالوں کی گرج کی طرح گونجنا ہوا عیش نہیں ہوتا۔ "آج تم مجھے ہونے ہو اجنبی ہو بننے لگے اسے روکنے کی کوشش کی۔ یہ کام کبھی تو ہو سکتا ہے۔"

"ہیں۔ آج رات میرے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ اور میں اپنا وقت مراد کے قابل نہیں ہوں۔"

جر ہائی نس ہمارا آف ٹیم گروہ کے دستخط تھے۔

دعوتیں کرنا اور شکار کیلئے دعوتیں دے دے، جسے سرکاری افسروں، صنعت کاروں، مشہور شخصیات کی کیا کہنے شکار وہ ہر لوں، چیتوں کی قسم کے دیگر جانوروں اور غورلوں کا کیا کرتے تھے فرق یہ تھا کہ غورلوں کو شکار کر کے تک لایا جاتا تھا جب کہ غورلوں کو شکار کرنے کے بعد کسی طرف روانہ کر دیا جاتا۔ ان کے گھر والوں کو رقم دے کر ان کا منہ بند کر دیا جاتا۔

ہمارا آف ٹیم گروہ کا نام کرنا تھا ہمارا دوسرے راجاؤں اور مہاراجوں سے زیادہ معتقد نہات، ہونے لگے انھوں نے بہت پیسے اپنی جائیداد پر فروخت کر دی تھیں۔ سارا سامان انہیں بیگوں میں بچ کر لایا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ملک کے دوسرے شہروں میں بیگیاں بھی کھائی تھیں۔ اس لیے وہ تباہ ہونے سے پہلے گئے۔ اور اب ان کے دن عیش سے گزر چکے تھے۔ جر ہائی کا بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا جب کہ ایک لڑا دھجی جیسے اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ بھیج دیا تھا۔ ایک شاندار محل تھا جس میں ملازمین کی بوری فوج کے ساتھ رہا کرتے۔

اس عمر میں بھی ہمارا ایک محنت قابل رشک غمی بھرا بھرا جسم، ادنیٰ قد، سرخ و سفید رخت، بڑی بڑی شلے، رسائی اور بھینچا ہوا کومرغ کئی ہوئی آتھیں۔

ہمارا اس وقت بھی شکار کے لیے جنگل میں خیر زن تھے۔ وہ جب بھی شکار کے لیے جایا کرتے ان کے ساتھ ملازمین کی ایک فوج ہوا کرتی۔ ان میں ان کے باورچی کے کے کران کے سسٹا خانہ نگار ہوا کرتے۔ یہی محافظان کے لیے دوسری قسم کا شکار تلاش کرنے کے کام کیا کرتے تھے۔

اس وقت ان کا نیم ایک بہاری کے دامن میں لگا ہوا تھا۔ یہ بہاری بھی ٹیم گروہ کی جد غمی تھی۔ بہاری کے ساتھ ایک ننھی

غمی جو دودھ لک لکھائی چلی تھی۔ پہاڑی کے اوپر اوجھلے اوجھلے سرو کے درخت تھے ہونے لگے۔ اس کے بچے دودھ لک مہر چھلکا ہوا تھا۔

ہمارا کو بہ علاحدہ بہت پسند تھا وہ اس سے پہلے بھی کئی بار اسی مقام پر پچھم زن اوجھلے تھے۔ اس علاقہ میں ہرن اور بکریاں بڑی آسانی سے مل جاتے تھے۔

ہمارا ایک صبح بھر جا رہی تھی۔ اس صبح بھی وہ اپنے خیمے کے قریب باورچی کے جب سورج بھی طلوع ہونے کے بارے میں سوچ رہا ہوا تھا۔ خیمے سے باہر گر ہمارا نے گہری سانسیں لیں اور دھیرے دھیرے ایک طرف بڑھنے لگے۔ صبح کی سیر بھی ان کے معمولات کا ایک لازمی حصہ تھی۔ وہ اپنی تمام تر معمولات کے باوجود صبح کی سیر کے لیے وقت نکال کر لیا کرتے تھے۔ ان کے ملازمین بھی تنگ سوئے ہونے لگے۔ انھوں نے بڑا کوشش کرنے کے لیے جو آگ جلائی تھی وہ اب رکھ ہو چکی تھی۔ ہمارا نے اس وقت اپنے کسی ملازم کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا اور دھیرے دھیرے چپے رہے۔

ان کے برادر سے وہ تہی بچھا ہوا بنی جو بہاری سے نکل کر شہر کی طرف جایا کرتی۔ ہمارا کو کارا وہ اپنی ننھی کی طرف جانے کا تھا۔ وہ تہی کے کنارے آکر کھڑے ہوئے۔ انھوں نے اپنی نگاہیں نیچے ہونے پائی۔ ہمارا کی صبح کی خوشگوار سانسیں تہی کا پانی بہت ہوئے ہوئے جل رہا تھا جیسے کوئی اچھر و شیرازہ خرام کرتی ہو۔

ہمارا ایک ہمارا کو غمگین ہو کر جیسے پانی کی سطح پر چاند کی کوئی تصویر تھی۔ یہ تصویر کچھ دور جانے کے بعد غور لگا کر پانی کے اندر چلی گئی تھی۔

ہمارا نے اپنی آنکھیں مٹی شروع کر دیں۔ ان کا وہ بھی ہو سکتا تھا۔ پانی کی سطح پر چاند کی ایک جھلکی ہوئی تھیں ان کے دہرے سوا اور کیا ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ بہت مضبوط قوت ارادی اور لمبات کے آدمی تھے۔ انھیں اپنی زندگی میں کسی اس قسم کا وہم نہیں ہوا تھا۔

وہ دیکھ کر دکھائی دی۔ اس کے پاس بیک بہت واضح تھی اور ہمارا کو اب غمگین ہو کر وہ چاند کی ایک طرف ایک دیکھ کر نہیں تھی بلکہ اس کا جسم بھی تھا۔ ایسا جسم جو کسی انسان کا ہو کر نہ رہے۔

دو ہاتھ دو پاؤں ایک سر اور ایک دھڑلا مکمل جسم۔ ہمارا نے ایک باورچی کی آنکھیں ملیں وہ چاند کا جسم اب غمگین نہیں لگا رہا تھا بلکہ سطح پر تیز تر تھا۔ کسی پھل کی طرح جس کی ساری زندگی ہی پانی میں گزری ہو۔ ہمارا کو کچھ نہیں آکر تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہیں یا کوئی حقیقت انھیں دکھانے میں مبتلا کر رہی ہے۔

ایک بار تو ان کی خواہش ہوئی کہ وہ اس چیز پر رخت بھیج کر

نے خیمے کی طرف واپس چلے جائیں۔ نہ جانے یہ کیا چیز ہو کر اوروں کے نام لکھنا کیسے ہو سکتی ہو لیکن ان کے قدم واپس نہیں جاسکے۔ ایک تو ان کی قوت ارادی مضبوط تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس پانی جسم کے خدو خال واضح ہونے لگے تھے۔ وہ کوئی عورت تھی۔

ہمارا کو جب یہ غمگین ہو کر دیکھ کر کوئی عورت ہے تو ان کی دلچسپی اور دھڑکی۔ اس صحت کے چاندی جسم ہمارا کے سیاہ بال چپے ہونے لگے۔ اور وہ اپنی پانی ہوئی ہونے کے ساتھ ساتھ کھائی کے لیے تھی۔ اس کی تیراکی بھی حیرت انگیز تھی۔ اس کے بدن میں بجلیاں بھری تھیں۔ اور ان بجلیوں نے چاندی کا روپ اختیار کر لیا تھا۔ وہ ایک حسین عورت تھی۔ ہمارا نے اپنی زندگی کی گذشتہ کی سیاحت میں بسری کئی۔ وہ اپنی طرح جانے لگے کہ عورت کی خصوصیت کیسے طرح پرکھا جاسکتا ہے۔ اس چاندی جیسی عورت ہر ان کی نگاہیں بھر کر نہیں لائی تھیں لیکن جنما انھوں نے دیکھا تھا تھا وہ یہ ظاہر کرنا تھا کہ انھوں نے شاید ایسا ہی جہاں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے ماحول سے بے خبر ہو کر اس عورت کی طرف بچھپے رہے تھے۔

پھر اس عورت کی نگاہ بھی ان سے ہٹ کر پڑے۔ ہمارا کو بہاری بڑی۔ اور اس نے ہمارا کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ لایا۔ ہمارا کو بہاری غمگین ہو کر اسے ان کا دل بھل کر دیتی تھیں۔ آگیا ہو کر کسی شرمساری انھوں نے بھی غمگین نہیں کی تھی۔ اس کی حسین چاندی جیسی عورت نے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ لایا تھا۔

ہمارا کے لیے یہ چیز بہت اچھا تھا۔ اس نے کبھی اپنی عورت نہیں دیکھی تھی۔ اس عورت نے ایک بار ہمارا کی طرف دیکھ کر اپنا ہاتھ بلایا اور دھیرے دھیرے تہی کی طرف آئے۔ اس کی جس طرح ہمارا کو کھڑے تھے۔ اسے آگے دیکھ کر ہمارا کی سانسیں تھیں تھیں ہونے لگیں۔ ان کے دھڑلے لیکن مضبوط بدن بڑی مٹی کی لڑائی طاری ہو گئی۔ وہ چاندی جیسی عورت اپنا ایک ہائی سے نکل کر کنارے پر لگتی تھی۔ ہمارا کی دھڑکیں بند ہوئے۔ لیکن ان کو کتنے سا بھوکا تھا۔ وہ بے پناہ حسین عورت بالکل چاندی کی طرح تھی۔ اتنی ہی جگہ۔ اس کی جلد سے چاندی بھونچ پڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے خطرناک حزن متناہب جسم پر چاندی کی پاش پاش کر دی گئی ہو۔ لیکن اس کے بالوں کا رنگ ہمارا سے تھوڑا سا زیادہ تھا۔ اس کی آنکھیں گلابی بودی تھیں۔ اور اس کے آگے کھلے ہونٹوں سے جھانکنے ہوئے دانت مٹھوں کی طرح سفید تھے۔

اس عورت کے ساتھ ہمارا کے لیے سب سے خطرناک بات یہ تھی کہ اس نے کوئی لباس نہیں پہن رکھا تھا۔ بلکہ پانی میں لدی تھی۔ یہی چیز تھی لیکن اسے دیکھ کر کسی قسم کی عروانی کا حسرت

انہیں ہوتا تھا۔ ہمارا کی کچھ نہیں آکر تھا کہ یہ چاندی کی کس کے لباس کی ہے یا اس کی جدی لک ہے۔ بہر حال وہ جیسی بھی غمی خدنگ اور بے حد لغز بہ تھی۔

"کون ہو تم؟" ہمارا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

ہمارا کا سالانہ اس کے گرد ہنس ہنس ہنسی کی ہی نہیں تھوڑا خرم شامل تھا۔ ہمارا شہر تو نہیں تھے لیکن اس وقت اس عورت کی سہمی سن کر ان کے ذہن میں بے شمار شائیں آنے لگی تھیں۔

"بتاؤ نا کون ہو تم؟" ہمارا نے پھر پوچھا۔ ان کی ہر شوق نگاہیں اس عورت پر تھیں۔

"ہیں۔ دو سو ایک کول۔" اس عورت نے اپنی خرم آواز میں جواب دیا۔

"دو سو ایک؟" ہمارا نے حیرت سے دہرایا۔ ایک مطلب کون ہو تم کہاں سے آئی ہو؟"

"میں وہاں سے آئی ہوں۔ عورت نے آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

ہمارا کی دلچسپی اس خطاب سے اور بڑھ گئی تھی۔ ان کی آنکھیں نہیں آکر تھا کہ عورت کون ہے۔ اس کا زمرہ جسم اور اس کی رخت حیرت انگیز تھی۔ لیکن اس کا نام بھی عجیب تھا۔ دو سو ایک۔ نہ جانے کیا نام تھا۔ اور یہی عورت غمی۔ ہمارا نے جس طرح ہمارا کا منظر ہو گیا اور آسمان کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا کہ آسمان سے آ رہی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے مزید حیرت کا سبب بنتا جا رہا تھا۔ ان کی بوڑھی نگاہیں اس عورت کے عجیب بدن ہر اس طرح پھسل رہی تھیں جیسے ریت غمی نہیں بھر جائے کہ بعد اہستہ اہستہ پتھر پتھر پتھر۔ اس نے اپنا نام بھی عجیب بتایا تھا۔ دو سو ایک۔ یہ کیا نام ہو گا۔ انہیں ایسا تو نہیں کہ عورت واقعی اس کی اور دنیا سے آئی ہو لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سب تو کہا ہوں اور فلوں کی باتیں ہیں۔ حقیقی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر ہمارا کو آف ٹیم گروہ کا یاد آ گیا کہ وہ اس جگہ کے ہمارا کو بہرے بلکے تھیں لیکن اس کے باقر پڑنا تھا۔ ان کا محل اس علاقے میں تھا۔ ان کے ملازمین اس کی پاس موجود تھے۔ اور اسی حالت میں انھوں نے اپنی حیثیت سے سفال کر لینی تھی۔ اپنے آپ کو اس عورت کے سامنے باوقار نہات کرنا تھا۔

"اے لڑکی میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟" ہمارا نے اس عورت کو مخاطب کر کے کہا۔ تم کہاں سے آئی ہو۔ اور تم نے کیا لباس پہن رکھا ہے۔ مجھے ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں ہمارا کو آف ٹیم گروہ ہوں۔ انھیں میرے سامنے چلنا ہو گا۔"

"میں نہیں جانتی کہ یہ ہمارا کیا ہو نا ہے۔" ہمارا نے جیسی لڑکی مسکرائی ہوئی لک۔ لیکن میں ضرور چلوں گی تمہارے ساتھ۔"

”اس حال میں۔ ہمارا جو کہ ایک خیال آگیا۔ ہم لباس پہن لو“

”لباس تو پہن رکھا ہے، لڑکی نے پہنے ہوئے بتلایا۔ میرا لباس اس قسم کا ہوتا ہے۔“

”کیا جو اس ہے؟ ہمارا جو کچھ اگئے۔ کیا لباس ہے۔ یہ لو میری مثال، انھوں نے اپنے شانے سے مثال اٹا کر اس لڑکی کی طرف بڑھادی۔ ”تم یہ اپنے جسم کے گرد لپیٹ لو میں نہیں اس حال میں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔“

”لڑکی نے پہنے ہوئے ہمارا جسم سے ان کی مثال لے کر کہنے جسم کے گرد لپیٹ لی۔ اس کا چاندی جیسا جسم اب چمکدار نہیں رہا تھا۔ ”اب آؤ ہمارے ساتھ۔ ہمارا جانے ایک طرف اشارہ کیا۔“

”اسی طرف ہمارا گراؤ لگا ہے۔“

”بہتر لڑکی چتر ہے۔“ اس عورت نے ہمارا جسم کے ساتھ چپٹے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے تمھاری زبان پوری طرح نہیں آتی۔“

”تم تو پوری طرح میری سمجھ میں نہیں آتی ہو۔ ہمارا جانے ایک گہری سانس لی۔ ”ایک طرف ہم پہنٹی ہوئی کٹھن ہماری زبان پوری طرح نہیں آتی اور دوسری طرف اتنی اچھی بول ہی نہیں ہو سکتی۔“

”میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے تمھاری زبان نہیں آتی۔ بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ کچھ الفاظ ایسے ہیں جو مجھے نہیں آتے جیسے یہ پڑاؤ یہ کیا ہوتا ہے؟“

”خیر تم بھی جلد کر دیجیے لہذا ہمارا جانے کہہ تمھیں خود چل جانے کا لیکن تم لو اس آٹھن میں ہیں کہ تمھارا نام کیا ہے۔ یہ دوسرا ایک کیا چیز ہوئی۔ یہ تو نہیں ہوا۔“

”تم اسے میرا نام کچھ لیا تم کچھ لوی ہو یہ سب کچھ ہمارے ہاں نام نہیں ہوا کرتے۔ خیر کہنے میں جیسے ہمارے بادشاہ کا نمبر ایک ہے۔“

”تم آخر تو کون۔ کہاں سے آئی ہو۔ یہ تمھارا بادشاہ کون ہے؟“

”ہمارا جانے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اب میں تمھیں کتنی بات سناؤں کہ میں وہاں سے آئی ہوں۔“

”دوسرا ایک نے پھر آسمان کی طرف اشارہ کر دیا۔

”ہمارا جانے اس بار گہری سانس لے کر کہنے۔ انھوں نے اپنے پڑاؤ تک اس لڑکی سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ لڑکی بڑی ہے ہر وہی ہے ان کے ساتھ جتنی آری تھی۔ ہمارا جانے اس کی چال ہی بہت دھن دھن محسوس ہو رہی تھی۔ اس لڑکی کے خوبصورت ہاتھ ہمارا جانے کے دل کو دھرتے ہوئے ٹوڑے ہوئے تھے۔

”پڑاؤ کے پاس آکر ہمارا جانے ٹھٹھک گئے۔ انھیں اپنے ملازمین

کا خیال آگیا تھا۔ نہ جانے وہ لوگ اس چمکدار لباس والی لڑکی کو ہمارے ساتھ دیکھ کر کیا خیال کرتے۔ ہمارا جانے نے چوڑی مثال اس لڑکی کو بددی تھی۔ اس کے باوجود ہمارا جانے بدچمک خاری ہو گئی تھی لیکن پڑاؤ پر موجود ملازمین نے ہمارا جانے کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھ کر کسی تاثر کا اظہار نہیں کیا۔ انھوں نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ یہ اور بات تھی کہ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں تھیں لیکن ہمارا جانے کو اب الہیاتا ہو گیا تھا۔“

”وہ اس لڑکی کو نہ اپنے خیمے میں آگئے۔ یہاں آنے کے بعد اس لڑکی نے ہمارا جانے کی دی ہوئی مثال اٹا کر ایک طرف لٹکادی۔ ایک بار پھر اس کا وہ پہلا جسم ہمارا جانے کی نگاہوں کو خیرہ کرنے لگا تھا۔ اس خیمے میں کتنی اور دیر قائل ہو گئی تھی جس پر خیرہ چاندنی تھی اور خیمے کی دیواروں کے ساتھ ساتھ گاؤں کے خیمے ہوئے تھے۔ ہمارا جانے اپنی روایات کو فراموش کرنے کے قائل نہیں تھے۔“

”چلو۔ چپے جاؤ۔ ہمارا جانے لڑکی سے کہا۔

”لڑکی ایک طرف جا کر چپے ہو گئی۔ ہمارا جانے کی نگاہیں اس بڑی ہوئی خیموں۔ ہمارا جانے کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ وہ کسی جگہ میں مبتلا ہوئے تھے۔ اور وہ بھی کسی لڑکی کے سامنے۔ وہ اس سے پہلے ان کے سامنے آنے والی محبوبہ اور غریب لڑکیاں ان کی شجاعت اور دولت سے معجب، ہر کریمان کے جھاک کی طرح بیٹھ جاتی تھیں۔ لیکن اس لڑکی نے خود انھیں ہر نشان کر دیا تھا۔“

”اچھا۔ اب تم انھیں سے بناؤ تم کون ہو؟“ ہمارا جانے سوال کیا۔ ”کہاں سے آئی ہو؟“

”میرا خیال ہے کہ تم نے میری بات بدیقین نہیں کیا۔ لڑکی نے مسکرتے ہوئے کہا۔ ”خیر میں تمھیں بتا دوں کہ میں کون ہوں میں ایک دوسرے تبار سے آئی ہوں۔“

”کیا جو اس ہے؟“ ہمارا جانے پوچھے۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے تم نے مجھے کیا اتنا بے وقوف سمجھ رکھا ہے کہ میں تمھاری بات بدیقین کروں گا۔“

”اگر تم چاہو تو میں اس کا ثبوت بھی دے سکتی ہوں کہ لڑکی نے کہا۔ لیکن بہتر ہے کہ تم پہلے میرے بارے میں جان لو اس کے بعد تمھیں ثبوت دینا اگر دونوں کی۔“

”جھجک ہے بتاؤ۔“ ہمارا جانے اپنی گردن ہلاتی۔ ”لیکن چپے ہٹ لو نا۔“

”میرا تعلق جس تبار سے ہے اس کا نام ہے زیگ۔ لڑکی نے بتایا۔

”یہ کیسا نام ہے؟“ ہمارا جانے نے پوچھا۔ ”میں نے تم سے

زیگ نام کی کسی تبار سے کا نام نہیں سنا۔“

”اس میں میرا کچھ قصور ہوا۔“ لڑکی بخلائی۔ ”صرف تم ہی کیا۔ تمھاری زمین کے زمین تین سائند لائن کو اس تبار سے ہمارے میں نہیں معلوم ہوگا۔ ہمارا تبار ہمارے نظام میں کسی نہیں آتا۔ وہ یہاں سے بہت دور ہے۔ لیکن ہم لوگ تم لوگوں سے میں زیادہ قریبی ہوتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ اس وقت میں تمھارے سامنے بیٹھی ہوئی ہوں۔ جب کہ تمھاری زمین کے سائند لائن ابھی تک نظام میں کسی کی حد سے نہیں نکل سکے ہیں۔ ہمارا تبار زیگ بالکل ہی تمھارے تبار کے کی طرح ہے۔ میرا مطلب ہے اب میرا ہوا۔ ہم سب کچھ اسی طرح ہے۔ اسی لیے اس تبار سے ہر زندگی کی طرح موجود ہے جس طرح تمھاری زمین پر لیکن ہمارے اور تمھارے نظام میں فرق یہ ہے کہ تمھاری زمین مختلف مخلوق میں بنی ہوئی ہے۔ مختلف مالک ہیں جب کہ ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے۔ پورا تبار ایک ہے۔ اور ایک ہی حجاز ہے۔ ایک ہی زبان ہے۔ ایک ہی جیسا چکر ہے جسے تم کیا کہتے ہو۔ ہر تہذیب۔ ایک ہی تہذیب ہے۔ ہم دونوں میں مشترک بات یہ ہے کہ ہمارا ہر ایک کی سموت شکل کے ہیں۔ ہر ایک اپنا یہ لباس اٹا کر تمھاری زمین کا لباس پہن لوں۔ کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ ہر تعلق کسی دوسرے تبار سے ہے۔ اسی طرح اگر تم ہمارا لباس پہن کر ہمارے تبار سے ہیں چلے جاؤ کوئی نہیں پہچان سکے گا۔ حتیٰ کہ ہمارے یہاں کے جانور اور درخت بھی تمھاری زمین کی طرح ہوتے ہیں۔“

”چتر نہیں۔ تمہیں سب کی کہہ رہی ہو؟“ ہمارا جانے نے بیچینی سے پوچھا۔ ”میرا تبار میری نوعیت پر مبنی جاری ہے۔“

”تم خاموشی سے سننے لڑ ہو۔ لڑکی نے کہا۔ ہمارا زبان تمھاری زبانوں سے مختلف ہے۔ لیکن جنھیں سازگار مقرر کیا جاتا ہے۔ انھیں تمھاری زمین کے ہر خطے کی زبانیں سمجھ جاتی ہیں۔ ہمارے تعلیمی اداروں میں انگریزی، فرانسیسی، چینی، اردو عربی اور فارسی وغیرہ دیکھی کہ زبانوں کی سفارت کاروں کو سکھائی جاتی ہیں۔“

”بیات میری کچھ میں نہیں آتی۔“ ہمارا جانے نے پوچھا۔ ”جیسا کہ تمھارے تعلق دوسرے تبار سے ہے تو پھر تمھیں دنیا کی مختلف زبانوں کے بارے میں کیسے پڑھ گیا۔“

”یہ تم نے بہت غلط فہمی کا سوال کیا ہے۔ لڑکی مسکرائی۔ ”میں سب سے تین سال پہلے تمھاری دنیا کے میں سال پہلے ہمارے یہاں کے سائند لائن نے نفس اپنے جسم سے ادھنی ہوئی کی خاطر اسے کائنات کے دوسرے تباروں کی طرف پروازیں شروع کیں۔ لیکن ہم نے سات زیگ لڑکوں کو اپنے ہاتھ سے اب تم نے زیگ لڑکی نہیں رکھا ہوگا۔“

”تم لوگ جیسے لاکھ کہتے ہو اسے ہم زیگ کہتے ہیں۔ ہم حال ایک زیگ تمھاری زمین کی طرف نکلا۔ اس زیگ پر ہمارا ایک سائند لائن چار سو دس ب سوار تھا۔“

”یہ چار سو دس ب سے کیا مطلب ہوا؟“ ہمارا جانے نے پوچھا۔ انھیں اب اس لڑکی کی باتوں سے دلچسپی معلوم ہونے لگی تھی۔

”چار سو دس قواں کا نام یا پھر ہوا اور اب ب سے مراد یہ ہے کہ وہ سائند لائن چمک ہے۔ ہمارے یہاں حوزہ رہتے ہیں۔ ان کے خیمے کے آگے الف لکھا جاتا ہے اور جو مر جاتے ہیں ان کے آگے ب لکھا جاتا ہے۔ اس طرح انھیں فوراً ہی پتہ چل جاتا ہے کہ کون زندہ ہے اور کون مر چکا ہے۔“

”یہ تو بہت اچھا انداز سنا۔ اس طرح ہوا؟“ ہمارا جانے کہا۔ اس طرح تم لوگوں کو لڑکی کی آبادی کے بارے میں بھی علم ہوتا ہے۔“

”فوراً۔ لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں یہ معلوم کرنے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ ہمارا تعداد کتنی ہے۔ خیر میں تمھیں اس سائند لائن کے بارے میں بتا رہی تھی۔ لڑہ اپنے زیگ کو لے کر اتفاقاً زمین کی طرف نکلا۔ یہاں آکر جب اس نے اشلوں کو اور زمین کو دیکھا تو وہ حیران نہ گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے کسی تبار کے کسی علاقے میں جا رہا ہو۔ اس نے فوراً ہی زیگ کے حکام سے رابطہ قائم کر کے انھیں تعلیمی رپورٹ دوا کر دی وہاں سے اسے رہایت دی گئی کہ وہ فوراً زمین کے کسی شخص کو اپنے ساتھ زیگ لے آئے۔“

”چار سو دس ب نے یہ کہا کہ اس نے تمھاری زمین سے ایک آدمی کو قابو نہیں کیا اور اسے لے کر زیگ پہنچ گیا۔ وہ آدمی روتی رہتا تھا۔ وہاں اسے دوسری سکھانے پر مجبور کیا گیا۔ غرض کہ ہم نے تمھاری زمین کی زبانیں اس طرح بھی ہیں کہ ہم ہر خطے کے لوگوں کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جاتے رہے ہیں۔ لوگوں کے علاوہ ہم نے تمھاری زمین کی ہزاروں کتابیں اور دیگر چیزیں بھی زیگ تک پہنچادی ہیں۔ اس طرح اب زیگ پر ہزاروں ایسے ہیں جو دنیا کی زبانیں اتنی ہی روانی کے ساتھ بول سکتے ہیں جس طرح میں بول رہی ہوں۔ میں نے اردو اور انگریزی سیکھی ہے۔ میرا خیال تھا کہ اب تمھاری کچھ میں زبانوں کا سلسلہ آگیا ہوگا۔“

”میری جوت ابھی تک دور نہیں ہوئی ہے کہ ہمارا جانے کہہ ”تم اپنے بیان کا ثبوت اس طرح پیش کر سکتی ہو۔“

”جڑی آسانی سے۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ وہ زیگ پر ہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے جس کے ذریعے میں آتی ہوں۔ تم مجھ سے ساتھ میں نہیں وہ زیگ رکھا ہوا تھا۔“

”کیا مجھے بھی یہاں سے اٹھا کر اپنے تبار لے جانا چاہی؟“

لیکن ہمارے یہاں ان کا کوئی وجود نہیں ہے، اڑکی نے ناخوشگوار

چلتے تھے وہ پہاڑی بھی اٹھی۔ ہمارا ہر ایک ممکن محسوس کرنے لگے تھے۔ اچھا خاصا بیدل چنا ہوا تھا۔ جب کہ وہ لوگ پہلے کی طرح نازا دم دکھائی دیتی تھی۔ وہ لوگ اس پہاڑی سے محسوس کرناش کے جنگلات میں داخل ہو گئے۔ اس وقت ہمارا جہر کے محققین نے اپنے اپنے پستول نکال کر ہاتھ میں لیے۔ یہ جھگڑا ویسے جھجکی جانوریں

وہ لڑائی جہاد کوئے کر مرزا کے اندر لڑائی اس کے اندر بھی  
چونکہ تھا اس نے نہاد جہاد کے ہوشی لڑا دیے تھے ہر طرف اجنبی  
رضیتوں اور آفات کا جال بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف ایک ایسا نقشہ  
نکسدا تھا جو کسی اور سیارے کا ہوسکتا تھا۔ اس نقشے کے سامنے  
دور رساں بھی، مہینوں سان کر بیٹوں سے بھی بے شمار جہولے بڑے  
نامور منسلک تھے۔

ہاں باہری میں ان لوگوں کی وجہ سے تھک کر نکل گیا۔ باہر آیا ہوا تھا کہ کچھ لوگوں نے مارگ جیسے خطرناک آدمی پر خود اسی کے علاقے میں ہاتھ ڈال دیا تھا۔ اور وہ بھی اس انداز میں کہ اس کے پیٹ کو کھٹا لے گئے تھے۔ مارگ کے آگے کسی آگہی میں سختی جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ آگے چڑھ کر ان لوگوں کو روک سکے۔ اور پھر مہند سکرمان اور دوسرے لوگوں نے آگے میں کھینے ہی کی تو پھر چوڑ چاڑی مچ گئی۔ اس کے بعد یہ لوگ مارگ کے گھر میں داخل ہو گئے جہاں اس کا باپنا اپنے کمرے میں موجود تھا۔ ان لوگوں نے ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اس بچے کو کھٹا دیا اور اسے دلا اور کے پاس لے گئے۔ ”یہ کام تو ہو گیا ہاں“ اس نے کہا ”اب ہم کیا کریں گے؟“ ”ہمیں تو انہماں سے لکل لینا چاہئے“ دلاور نے بتایا۔ ”بھی

کوسی نے کہیں نہیں روکا ہے لیکن کسی بچے کا خواہاں عملی بات نہیں ہے۔ بچہ ہی دیر نہیں بڑھی کسی یہاں تھوڑا سا بچہ ہو جائے گی؟  
 پھر یہ لوگ بڑی افزائش کے عالم میں وہاں سے روانہ ہو گئے۔ انھوں نے دو گاڑیاں لیں جنھیں ایک گاڑی میں دلاور شہلا، آندہ دراج اور مارگ کا بیٹا تھا جب کہ دوسری گاڑی میں دوسرے لوگ تھے۔ رخصتے ان لوگوں کو اپنے گھر پہنچنے کے لئے کہا تھا۔ رخصتہ کا گھر بائیں باڑی سے کچھ فاصلے پر تھا۔  
 ان لوگوں نے رخصتے کے گھر سے بہت فاصلے پر رکڑنے کی گاڑیاں چھوڑ دیں اور عیدل رخصتے کے گھر پہنچ گئے۔ مارگ کا بیٹا بہت ہما ہما ان کے درمیان چل رہا تھا۔ دلاور کو یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس قسم کی وارداتیں گھٹیا لوگ کیا کرتے تھے لیکن اسے اب ان ہی لوگوں کی مدد سے اپنی جی نہیں نہیں دینی تھی۔ اور اس نے ان لوگوں کو پیسے ہی دن سے صروف کار کر دیا تھا۔ اس طرح اس کے دو منافع حاصل ہو جاتے اگر مارگ برائی اور لانی کو لائے میں کا مباب ہو جاتا تو اسے پہلے چل جاتا کہ وہ لوگ اس کے دوست تھے یا نہیں۔ اس کے علاوہ دلاور کو یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ آئندہ کے لئے اسے اسی مشکل وقت میں کس قدر حصے کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ مارگ کے آڈے سے اس کے بچے کو اٹھا لائے تھے۔ اس سے فوجہ بات نام ہوئی تھی کہ آئندہ کے لئے ہوئے لوگ بہت کام تھے۔ اب سو مانی اور لانی کا اشتہار تھا اور اس کے لیے ابھی کچھ وقت دلاور تھا۔  
 آئندہ رخصتہ اور دوسرے لوگ رخصتے کے گھر ہی پر رہ گئے۔ دلان بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا لیکن اس نے خودی دلاور سے درخواست کی تھی کہ وہ شہلا کو اپنے ساتھ لے جائے۔ دلاور رخصتے مکان میں نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ کسی بول میں قیام کرنے کا تھا۔  
 ”اسے شہلا کو اپنے ساتھ لے جائیں باس؟“ دلان نے خود ہی پیشکش کی۔ ”اب آپ کے بہت کام آئے گی“  
 دلاور کی پیشکش میں اچھوڑ کر دلان نے لگا۔ وہ خود بھی چاہتا تھا لیکن دلان سے کہنے میں تھک محسوس ہو رہی تھی اور اب اس نے خودی دلاور کی مشکل آسان کر دی تھی۔ دلاور نے ان لوگوں کو بہت سی ہدایتیں دیں۔ مارگ کے بچے پر نظر رکھنے کے لیے کہا اور خود شہلا کو لے کر رخصتے مکان سے باہر گیا۔ اس وقت ہند نے اس کے ساتھ چھپنے کی پیشکش کی تھی لیکن اس نے خوش اسلوبی سے انکار کر دیا۔ تو اسے دلاور کی جڑ بھڑکا رہا ہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ شہلا بھی اس کے ساتھ جانے کے تصور سے بہت خوش ہو

رہی تھی۔  
 دلاور نے اپنے قیام کے لیے ایک بہت معمولی سے بھول کا انتخاب کیا تھا۔ اس بھول کا ایک ڈول کواٹھیں بہت مناسب لگنے پر مل گیا تھا۔ اب وہ دونوں اسی بھول کے کمرے میں موجود تھے اور دلاور شہلا کو اپنے سامنے دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہوا جا رہا تھا۔ سو مانی کے بعد پہلی رات تھی جو اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہوئی تھی۔ جیسے منہ زور سیلاب دروازے اور کھڑکیاں توڑتا ہوا مکان میں داخل ہو جائے۔ اور اس کے سامنے کوئی چیز نہ مل سکے۔ اپنے پاؤں نہ چلا سکے۔ دلاور کا بھی یہی حال ہوا تھا۔  
 اور اس وقت وہ دونوں ایک معمولی سے بھول کے معمولی سے کمرے میں موجود تھے۔ دلاور کی بڑشوں لگاؤ میں شہلا کے سر پرے میں پیوست ہوئی چار دیویشیں۔ اس کے بدن پر بھی بلی کی بڑش طاری تھی۔ یہ بڑش اس کی وقت بھر لگتی ہے جب جذبات ستار کے تہوں کی طرح دل کے اندر چھینٹنے لگتے ہیں۔ شہلا بھی ایک حضرات کی طرح اس کے سامنے بھی تھی۔ اس کے بدن کا ہر عضو پکار پکار کر بڑھے۔ دلاور کو بھی طرف متوجہ کر رہا تھا۔ دلاور اس وقت یہ فریادیں کر رہا تھا کہ شہلا کو اس کی ذہانت کی خاطر اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ یہ بھول گیا تھا کہ وہ دراج کی بوی ہے۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ وہ اب لوٹنا ہو چلا ہے۔ اور اس کے اعصاب اس کے قابو میں نہیں رہے ہیں۔ وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ اسے صرف ایک بات یاد تھی اور وہ تھی شہلا کی فرمت۔  
 شہلا نے بھی یہ رخصت کی طرح دلاور کی دیکھی ہوئی لگا ہوں کی محسوس کرتی تھی۔ اس معاملے میں عینیت کی حس بہت تیز ہو گئی ہے۔ وہ یہ بھانپ رہی تھی کہ کوئی اسے کس انداز سے دیکھ رہا ہے۔  
 ”کیا بات ہے مہاراج؟“ شہلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلوچا۔ ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟“  
 ”ہاں۔ ہاں۔ طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے۔ بس یوں ہی چھوٹی سی محسوس ہو رہی ہے۔“ دلاور نے کہا۔  
 ”میں جانتی ہوں کہ آپ اس وقت اس عذاب سے گزر رہے ہیں؟“ شہلا دھیرے سے بولی۔ ”جو خودی بہت تیز ہو میرے لیے نہا نہیں ہے۔ اس سے پہلے بھی یہی ہمارا ہو چکا ہے۔“  
 ”کیا مطلب؟“ دلاور نے جو تک کر بولوچا۔ ”کیا کہنا چاہا ہو تم؟“  
 ”وہ اس سے پہلے بھی یہی بادی حرکت کر چکا ہے۔“ شہلا نے کہا۔ ”آپ خود سوچیں کیا ایک مرد بادی بوی کو کسی کے ساتھ

بسر کرنے کے لیے بھیج سکتا ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ لیکن دراج نے آپ کے ساتھ بڑی کسی جھگ کے لیے بھیج دیا۔ کیا اس سے آپ کی بات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ آپ تو خود ایک عقل مند اور ذہین انسان ہیں۔“  
 ”میں ابھی تک تھاڑا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ دراج نہیں؟“  
 ”ہاں۔ وہ اپنے فرض خواہوں سے بچنے کے لیے میرے ساتھ ہی سلوک کرتا ہے۔“ شہلا کی آنکھیں پھر نہیں گر چوہہ آپ کا فرض دار نہیں ہے لیکن آپ سے اسے رخصت کی امید ہے۔ اسی لیے اس نے بھی آپ کے حوالے کر دیے۔ تاکہ وہ میری وجہ سے آپ سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے۔“  
 ”یہ سب کیا کہہ رہی ہو؟“ دلاور نے سے کھڑا ہو گیا۔ دراج ایسا آدمی تو معلوم نہیں ہوتا۔  
 ”کوئی عورت اپنے بارے میں اتنا جڑھٹ نہیں بولی سکتی۔ مہاراج؟“ شہلا نے بچہ نہیں کہا۔ دراج بہت اچھا آدمی ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ لیکن یہ اس کے کردار کا سب سے گھناؤنا اور گروہ پہلو ہے۔ میں اس کے لیے ایک ایسے چیک کی طرح ہوں جسے وہ بار بار پیش کر رہا ہے۔ اس کے اندر کس کروڑا کے رہتا ہے اور میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بس اس سے یہ فرض خواہوں کی تعداد میں کی گئی رات تھی۔ میں نے بھی اسی سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکا۔ جب بھی کوئی مجھے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ میں اپنی زبان بڑھ کر کئی ہلکے عرصہ میری آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ یہ آنکھیں جو جھجھک رہی ہیں۔ یہ دیکھتی ہیں اور میرے ذہن پر نقش کر دیتی ہیں۔ لیکن آپ کے سامنے یہ دل چاہا کہ سب کچھ بتا دوں۔ مگر آپ کی شخصیت بھی ایسی ہے۔“  
 دلاور نے فریاد سے کہنے میں نہیں لگا۔ اسے بھی شہلا کی بات پر معلوم ہو رہی تھی۔ اسے دراج کا رویہ یاد آ رہا تھا۔ دراج نے خورجی سے یہ گوشخیزی کی کہ شہلا دلاور کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور آخر کار اس نے شہلا کو دلاور کے ساتھ چھپنے کی دیا تھا۔ دلاور کو اس لالچ پر دم کرنے لگا جو رخصتے کی طرح دراج جیسے کوئی کے بچے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔  
 ”تم نے دراج جیسے آدمی سے شادی کیوں کر لی؟“ دلاور نے یہ سوال کر دلا۔  
 ”مہاراج۔ یہاں شادی نہیں کی جاتی بلکہ رانی جاتی ہے۔“ شہلا نے جواب دیا۔ ”دراج اور میں دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ دراج تو شہلا کے ساتھ تھا۔ جب کہ میں گاؤں میں رہی۔ ہم دونوں کے مائیں باپ ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے۔ میں نے گاؤں

میں تعلیم بھی حاصل کی۔ اس کے بعد فرضی قبضے کے کام میں داخلے کیا۔ میں بڑھتی رہی جب کہ دراج شہلا کے لڑکھڑکے ہو گیا۔ پھر جب یہ گاؤں پہنچا تو ہم دونوں کو گھر کر شادی کر دی گئی۔ میں نے بھی ہمیشہ خوش قسمت کے اس قبضے کو قبول کر لیا۔ کیونکہ ہمارے یہاں احتجاج نہیں کیا جاتا۔ دراج مجھے لے کر شہلا کے شروع شروع میں ہماری زندگی سکون کیسے گزار رہی تھی۔ پھر نہ جانے کس طرح دراج کو کچھ اور جس کی عادت پڑ گئی۔ جس کو اس نے کچھ ہی دنوں کے بعد خودی چھوڑ دی تھی۔ لیکن جو اچھلنے کی عادت نہیں تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل تباہ ہو گئے۔ اس تباہی میں فرضی کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ دراج نے مجھے کی خاطر نہ جانے کتنے لوگوں سے فرضی لے رکھا ہے۔ پھر جب فرضی مجھے ہی فرض خواہوں کے تھا۔ شہلا نے مجھے تو دراج نے دھیرے دھیرے اپنی جڑھٹ مانی شروع کر دی۔ پہلے تو کچھ اچھا کر پھر تھکے سے پھر دھمکی سے آخر میں مار پریش کر دیا۔ مجھے ایسے لوگوں کے حوالے کر دیا جی سے کچھ رقم مل سکتی۔ میں اس کے لیے روپے کمانے والی نہیں بنی۔ وہ میرے ذیلیے روپے حاصل کرتا اور ان روپوں سے معمولی سا فرضی ادھر لایا جاتا اور وہ وقت کی روٹی کھا جاتی۔ بس یہ ہے ہماری زندگی۔ شروع شروع میں مجھے اپنے آپ سے بھی محسوس ہوئی تھی جو خوشی کرنے کی جاتی تھا۔ پھر رفتہ رفتہ فرضی خود بھی اس بات کی عادی ہوئی جاتی تھی۔ ایک ہی جیسا اور افتدہ مسلسل ہوتا رہے۔ فسانہ اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ میں گرجا گرا اور عادی ہو گئی ہوں لیکن میرے اندر کی عورت ابھی زندہ ہے۔ وہ احتجاج کر رہی ہے۔ اب جب آپ میرے گھر آئے تو مجھے یوں لگا جیسے کوئی دونا چلا گیا ہوگا۔ شہلا نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ دلاور کو اپنے آپ پر غرور محسوس ہونے لگا۔ شہلا کی فرمت اسے حاصل ہونے والی تھی۔  
 ”مجھے بھاری کہانی سن کر بہت محسوس ہوا ہے۔“ دلاور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب یہ جانا کہ تم مجھے کیا چاہتی ہو؟“  
 ”میں اب ساری زندگی آپ کے قدموں میں گرانا چاہتی ہوں۔“ شہلا دھیرے سے بولی۔  
 دلاور سے ہنسنے پر مسکرا ہٹ گئی۔ اتنی خوبصورت پیش کش اسے ایک عرصہ بعد بھی تھی۔ اور جب شہلا خودی اس کی طرف رہی تھی تو اسے دراج کی بھی بڑھ نہیں تھی۔ لیکن اسی طرح بڑھ رہی تھی۔ دراج کو ناراض کیا کہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں میں اس کے خلاف بڑھ پڑ گیا۔ بھی کر سکتا تھا۔  
 ”جنا نے نا۔“ شہلا نے حرارت سے بولوچا۔ ”جنا ہاتھ دلاور کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس ہاتھ کی تمنا اسے اپنے بولے بدن میں محسوس

ہوئے گی تھی۔  
 ”تمہاری خواہش تو عجیب ہے شیدا، دلاؤ نے جلدی سے  
 کہہ دین یہی تو سوچو کہ یہ سب کس طرح ہو سکتا ہے تم اس کی  
 بیوی ہو وہ تمہیں کیسے چھوڑ دے گا؟“  
 ”بڑی آسانی سے،“ شیدا نے جواب دیا، ”اگر دو تین لاکھ روپے  
 ہوں تو اس بے غیرت کے منہ پر مار دوں۔ وہ مجھے چھوڑنے میں  
 ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کرے گا۔“  
 ”یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، دلاؤ نہ کہتے ہوئے بولا۔  
 ”میں خالی ہاتھ نہیں ہوں میرے پاس ابھی بھی اتنی دولت  
 ہے کہ میں تمہارے لیے ایک محل کر سکتا ہوں۔“  
 ”کیا واقعی؟“ شیدا نے انہیں جھگڑنے لگیں۔ ”لیکن آپ تو  
 بڑی ابتر حالت میں ہمارے پاس آئے تھے۔“  
 ”اس سے کیا ہوتا ہے میں نے اپنے ریڈرنگ کے زمانے  
 میں دولت چھوڑ رکھ دی تھی جواب میرے کام کسک۔“  
 ”یقیناً نہیں آتا کہ یہ دولت آپ کے پاس تھی تو سوامی  
 اہلائی باپ کے مخالفین کو اس کا پتہ نہیں چل سکا۔“  
 ”نہیں جتنا کہ تو یہ دولت، سونے کے زوارات، قیمتی  
 ہیروں اور لوگوں کی شکل میں ایک ایسی جگہ پر چھپی ہوئی ہے جس کی  
 طرف کسی کا سامنا بھی نہیں جاسکتا۔“  
 ”لیکن کوئی کی جگہ ہو سکتی ہے جہاں آپ کے مخالفین نہیں  
 پہنچ سکتے۔“  
 ”عجائب گھر“ دلاؤ نے جواب دیا۔ ”عجائب گھر میں ایک  
 بہت بڑے عمارت کے اندر یہ دولت موجود ہے۔“  
 ”میں نہیں سمجھتی،“ شیدا نے حیرت سے کہا۔ ”جیسے کے اندر  
 یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“  
 ”ہاں یہ ایک عجیب کہانی ہے، دلاؤ کچھ مرنے ہوئے بولا۔  
 ”میں نے تو یہ سوچا تھا کہ میں اپنے اس راز سے کبھی کسی کو آگاہ نہیں  
 کروں گا کیونکہ وہی دولت میری زندگی کا سرمایہ ہے لیکن تم نے  
 میرا اعتماد دیا ہے اور تم میرے لیے اتنی مفید ثابت ہوئی ہو کہ  
 میں نہیں اس راز سے کبھی آگاہ کر رہا ہوں کیونکہ تمہارے دل گم  
 ہی کو میرے لیے کام کرنا ہوگا۔ اس لیے اب تمہیں یہ کہنا ہے کہ میں  
 سب کچھ کہتا ہوں۔ اب سے ایک سال پہلے کی بات ہے میرے  
 معاملات بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ چل رہے تھے کسی طرف  
 سے ہی مخالفت کا سامنا نہیں تھا۔ ریڈرنگ ہیرا پر ہیرا ملنے اختیار  
 تھا سب لوگ میرے ہم کے آگے اپنے سر جھکا دیتے تھے۔ دولت کی  
 اصل پہلی تھی ہر طرف میرے ہاتھ پھیلے ہوئے تھے بے شمار دولت سے

بے شمار دولت کہ ابھی تھی میں اپنی تنظیم کا سب کچھ تھا۔ میری  
 حیثیت ایک ڈیپو جیسی تھی۔ میرے پاس ایک کتاب میرے ہاتھ  
 آئی۔ وہ شہر و معتمد لارڈ رائل کی ڈیپو اور ڈیپو شپ کی تھی  
 کتابوں وغیرہ کو فی خاص و فی عام میں دیکھ کر دیکھ کر  
 میں نے وہ کتاب بڑھ لی اور اس کتاب نے میری آنکھیں کھول  
 دیں اس کتاب نے مجھے بتایا کہ ڈیپو کو اپنے سائے تلے سے  
 بھی خوفزدہ رہنا چاہیے۔ اور وہ اپنے لیے یا تو خود کشی کا یا فراک  
 راستہ تلاش کرے۔ کچھ میں خود کشی کا تصور تو نہیں کر سکتا تھا،  
 لیکن میں نے فراک کے راستے سوچ لیے۔ جو خود کشی میں کسی ڈیپو  
 کی طرح تھا اس لیے میں نے اپنے مستقبل کی بلا تگ شروع کر دی۔  
 اور اپنا سرمایہ سیدنا شروع کر دیا۔ ہم جیسوں کے ساتھ ایک ایجنٹ  
 یہ بھی ہے کہ اپنی دولت قانونی طور پر کسی بینک میں نہیں رکھ  
 سکتے۔ اس کے علاوہ میرے پاس اتنی دولت تھی جس سے بے کسی  
 پر اعتماد بھی نہیں کیا جاسکتا تھا میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ  
 اگر مجھے دھوکا دیا گیا اور میرے ہی آؤٹی میرے ذہن میں آئے تو وہ اس  
 دولت کا پتہ چلا نہیں گئے۔ چاہے اسے کبھی بھی جھپکار کھول دی  
 ہے مجھے ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں کسی کا تصور ہی نہیں جاسکے  
 یہ سہجہ کر میں نے جگہ کی تلاش شروع کر دی اور ایک چھوٹی سی بڑ  
 ایک دیو عجائب گھر بنو گیا۔ وہاں اب دھند دھند کے بال ہیں ہی  
 ہمارا تہا بھ کا ایک عظیم الشان عجائب گھر بنا ہوا ہے۔ وہ غیر اندر  
 کھوکھلا ہے اور درجائے آگے برسوں سے ای جگہ رکھا ہوا ہے۔  
 نے اس عجیب کی پشت پر جا کر رکھا۔ اور اتفاق سے مجھے ایک خلا  
 دکھائی دے گیا۔ وہ خلا اتنا بڑا تھا کہ میں اس کے اندر ہاتھ ڈال  
 کر اپنی دولت اس کے اندر رکھ سکتا تھا کسی کو احساس بھی نہیں  
 کر دے۔ مختصر اب کس قدر قیمتی ہو چکا ہے۔ دلاؤ اتنا کہہ کر کوشش  
 شیدا بھی اس کے ساتھ ہی ہنس پڑی تھی۔ ”اب آپ نے راز  
 بہت ذہانت سے کام لیا ہے۔“  
 ”اس کی ضرورت تھی شیدا کیونکہ اس کتاب میں جس  
 وقت کی نشاندہی کی گئی تھی وہ برادقت کچھ دنوں بعد چھپ رہا  
 گیا۔ میرے اپنے ہی لوگوں نے مجھے بے دست و پا کر کے ایک  
 تہ خانے میں قید کر دیا۔ انہوں نے میری دولت کا راز معلوم  
 کی ہر کی بغض کی میرے مکان کو ادھر کر رکھ دیا گیا۔ لیکن یہ  
 دولت اتنی میرے کام تھی کہ انہیں کچھ بھی نہیں چل سکا۔  
 ”ان لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ آپ کے پاس اتنی دولت  
 ہے؟“ شیدا نے پوچھا۔  
 ”وہ لوگ برسوں سے میرے ساتھ کام کرتے رہے تھے

یہ معلوم تھا کہ ریڈرنگ کے پاس کن ذرائع سے دولت کبھی ہے  
 اور اس دولت میں میرا حصہ کتنا ہوا کرتا ہے۔ تو کیا انہیں اس  
 بات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں نہ صرف اندازہ تھا بلکہ انہیں  
 ہوا تو یقین تھا کہ میرے پاس بے پناہ دولت ہو رہی ہے۔  
 ”تو اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟“ شیدا نے پوچھا۔  
 ”ظاہر ہے۔ وہ دولت وٹن چھپی ہوئی تو میں نہ کہتی بولا  
 نے جواب دیا۔ وہ اب میرے اور تمہارے کام ہی آئے گی یوں  
 ٹھیک ہے نا۔“  
 شیدا کی آنکھیں میں چل رہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ  
 کر دلاؤ کے پاس آئی۔ دلاؤ اس کی قوت کو محسوس کر کے اپنی  
 بے ترتیب حرکتوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن  
 اب سب کچھ اس کے اختیار سے باہر ہو چکا تھا وہ ایک نا کام  
 انسان کی طرح دریا کے قریب سے واپس نہیں جاسکتا تھا۔  
 اس نے اپنا زونا ہوا ہاتھ اٹھے بڑھا دیا۔  
 گودام میں واقعی افراتفری مچ رہی تھی۔  
 زنگور نے ایک حافظہ کاٹنی ان اٹھا لیا تھا۔ لائی اس کے  
 ساتھ تھا۔ جبکہ سوامی تلے کی خبر سے ہی بدحالی کے عالم  
 میں ہنہ فغان سے جا بگی تھی۔ اس وقت گودام میں موجود  
 لوگوں کو ایک دوسرے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ سب کے سب  
 عملاؤں کی گویوں سے بچنے کے لئے ادھر ادھر بھاگتے پھرتے  
 رہتے تھے۔ گودام کے ایک حصے میں آگ لگی ہوئی تھی جس  
 کی وجہ سے رات ہوئے کے باوجود ہر طرف روشنی پھیلی تھی  
 تھی ایسا لگتا تھا جیسے کسی منظم گروہ نے ریڈرنگ کے گودام  
 پر حملہ کر دیا ہو۔  
 لائی بہت پریشان اور بدحواس دکھائی دے رہا تھا  
 جبکہ اس ہنگامے میں سوامی کا کوئی بہتہ نہیں تھا۔  
 زنگور نے براہ راست حالات کا جائزہ لیا۔ اس کا ذہن بڑی  
 تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس موقع پر اس کی ساری صلاحیتیں  
 بیدار ہو گئیں۔ اس نے بے اندازہ کر لیا تھا کہ حملہ آوروں  
 نے گودام اور اس سے ملحق عمارتوں کو لے کر حصہ نہیں لے  
 لیا ہے اور وہی اس کو اس حوصلہ سے باہر لٹکتے نہیں دھکیں گے  
 عملاؤں کو اس بات کا بھی اندازہ حاصل تھا کہ انہوں نے  
 باقاعدہ آگے رکھی تھی۔ اور وہ اس آگ سے گولیاں چلا رہے  
 تھے۔  
 زنگور اہلائی اس وقت براہ راست کے ایک ملحق کے

عقب میں چھپے ہوئے تھے۔ جبکہ ریڈرنگ کے دوسرے  
 لوگ اس برآمدے سے کچھ فاصلے پر تھے وہ لوگ بھی گولیاں  
 چلا رہے تھے۔ لیکن حملہ آوروں کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا تھا۔  
 کے خیال میں یہ کھیل خطرناک تھا۔ ریڈرنگ والے کسی وقت  
 بھی مدد سے جاسکتے تھے۔  
 پھر اچانک حملہ آوروں کی گولیاں چلی بنی ہو گئیں۔ ہائل  
 خاموشی چھا گئی تھی۔ اس خاموشی نے زنگور کو ادھر بھی  
 کر دیا۔ ریڈرنگ والے بھی یہ دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ حملہ آوروں  
 کا یہ رویہ ان کی نگاہ میں نہیں آ رہا تھا۔ لیکن جب حملہ آوروں کی  
 طرف سے ہیکر ایک اعلان کیا گیا تو گولیاں بند ہونے کی وجہ  
 سمجھ میں آئی۔ کسی نے بلند آواز میں چیخ کر لائی اور سوامی کو آگے  
 بڑھنے کی ہدایت کی تھی۔  
 ”میں لائی اور سوامی سے کہتا ہوں کہ وہ دونوں اپنے  
 ہاتھ اوپر اٹھا کر ہماری طرف آئیں۔“  
 ”یہ کون لوگ ہیں زنگور لائی نے کتنی بڑی آواز میں  
 بول چھا۔ کیا جانتے ہیں مجھے کیوں بلا رہے ہیں۔“  
 ”یہ میں کیا بتا سکتا ہوں؟“ زنگور نے جواب دیا۔ ”اس وقت  
 رہیں کیا ہو سکتا ہے۔ جبکہ میں دیکھوں آپ خاموش رہیں گے۔“  
 ”میں صرف لائی اور سوامی کی ضرورت ہے۔ اس آواز  
 نے پھر کہا۔ ہماری دوسروں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم  
 ان ذرائع کو آگے آنے کے لئے صرف دس منٹ کی جہالت دیتے  
 ہیں۔ اگر اس دوران وہ لوگ سامنے نہیں آئے تو دوسروں  
 پر گولیوں کی ٹوچھا کر دی جائے گی۔ ہم نے ہر طرف سے اس  
 گودام کو گھیر رکھا ہے۔“  
 ”آؤ زنگور لائی کو مخاطب کیا۔ آپ ہمیں رکن میں  
 آگے جا رہا ہوں۔“  
 ”آؤ گھر زنگور رہا گیا، ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ وہ زمین  
 سے چپکا ہوا کسی سانپ کی طرح رہا تھا۔ اس کا رخ ریڈرنگ  
 کے ان لوگوں کی طرف تھا جو تذبذب کے عالم میں ہو چکے  
 بنائے بیٹھے تھے۔ اس وقت صرف پانچ آدمی دکھائی دے  
 رہے تھے۔ جبکہ دوسرے زنگور کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔  
 زنگور بڑی خاموشی سے رہتا ہوا ان لوگوں کے قریب  
 پہنچ گیا۔ زنگور نے انہیں متوجہ کرنے کے لئے آواز نکالی۔ وہ  
 پانچ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔  
 ”میں زنگور ہوں۔ زنگور جلدی سے بولا۔ گول دست  
 چلانا اس وقت تم لوگوں کے ساتھ میں بھی پھنسا ہوا ہوں۔“



ان لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جبروت سے بڑھا  
 کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔  
 ”اگر تم لوگ مجھ پر جو سر کرو تو میں ان لوگوں سے بات  
 کر کے دیکھتا ہوں“ زنگور نے کہا۔  
 ”تم کہا بات کرو گے؟ ان میں سے ایک خشوک انداز میں  
 بولا: ”تم تو خود۔“  
 ”میں تم لوگوں کا دشمن نہیں ہوں زنگور نے اس کی  
 بات کاٹ دی۔ تم خود سوچو۔ میں تمہارا ساتھی تھا۔ مادام  
 نے غصے میں آکر مجھے قید کر دیا تھا۔ اب اس وقت سب  
 کے سب پیچھے ہوئے ہیں۔ اسی لئے تم لوگ مجھے اپنی ننگی  
 پزلے کی اجازت دو۔ ورنہ ہم واقعی ان کے حصار سے نہیں  
 نکل سکیں گے۔ انہوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہے۔  
 ”مثیک ہے؟“ اس آدمی نے اپنی گردن ہلائی۔ میں  
 بھی دیکھتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو؟  
 ”میں تمہارے لیڈر سے کچھ کہنا چاہتا ہوں زنگور  
 نے حملہ آوروں کی طرف گردن اٹھا کر آواز لگائی۔  
 ”سومالی اور لائی کو حوالے کرنے کے علاوہ اور کوئی بات  
 نہیں ہوگا؟ دوسری طرف سے جواب دیا گیا۔  
 ”ہم صرف لائی کو تمہارے حوالے کر سکتے ہیں“ زنگور  
 نے کہا۔ ”سومالی تمہارے درمیان نہیں ہے۔ اگر نہیں منظور  
 ہے تو بتا دو۔ ورنہ ہم بھی مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔“  
 جواب میں کچھ دیر کے لئے خاموشی طاری ہوئی۔ کچھ دیر  
 بعد ہی آواز نے مخاطب کیا۔ ”مثیک ہے۔ لائی کو آگے بھیج دو۔“  
 ”لیکن اس سے پہلے میں تمہارے لیڈر سے بات کرنا  
 چاہتا ہوں“ زنگور نے پھر اپنا مطالبہ دہرایا۔  
 ”جو اس مدت کرو؟ دوسری طرف سے بھلائی ہوئی  
 آواز آئی۔ ”ہم تم سے بات کرنا نہیں چاہتے۔ تم وقت ضائع  
 کرنے کی کوشش مت کرو۔“  
 ”تمہاری مرضی لیکن میں یہ بھی بتا دوں کہ تم لوگ لائی  
 کو کہاں سے نہیں لے جا سکو گے تمہارا منصوبہ ناکام ہو جائیگا  
 یہ بھی نہیں سکتا۔ ہم نے چاروں طرف سے تمہیں  
 گھیر رکھا ہے۔ اور ہمارے پاس اسلحوں کا ذخیرہ موجود ہے۔“  
 ”اس کے باوجود تم لائی کو نہیں لے جا سکو گے۔ کیونکہ ہم  
 نے اپنی بات منوانے کے لئے لائی کو کور کر رکھا ہے۔ اگر تم  
 نے مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا تو لائی کو گولی ماری  
 جائے گی۔ اور اگر اس کی لاش تمہارے کسی کام آسکتی ہے تو

لاش اٹھا کر لے جانا۔“  
 ”تم۔ تم جھوٹ بولتے ہو؟ دوسری طرف سے بوکھلا کر  
 کہا گیا۔ ”تم ایسا نہیں کر سکتے۔“  
 ”میں یقین دلائے کے لئے قہم نہیں کھا سکتا ہمتیں  
 مجھ سے بات کرنی ہے تو تبادو۔ ورنہ؟  
 ”مٹھو۔ اس آدمی نے جلدی سے آواز دی۔ ”میں ہی  
 لیڈر ہوں۔ اور میں تم سے بات کرنے کے لئے تیار ہوں۔  
 لیکن تمہیں دو فوف ہاتھ اوپر اٹھا کر اٹھانا ہوگا۔“  
 ”مجھے منظور ہے۔ زنگور نے کہا۔ میں اسی طرح  
 آ رہا ہوں۔“  
 ”تم یہ سب کیا کر رہے ہو؟ ان باتوں میں سے ایک  
 بولا۔ ”اس طرح تو تم موت کے منہ میں چلے جاؤ گے۔“  
 ”اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ مجھے ان کے  
 حصار کو توڑنے کے لئے یہی کرنا ہوگا۔ ورنہ سب کے سب  
 مارے جائیں گے۔“  
 اتنا کہہ کر زنگور نے ٹانگیں ایک طرف رکھا اور زمین سے  
 کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے تھے۔ پھر وہ  
 دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ ماحول پر سکوت طاری تھا  
 اور گودام کی آگ ابھی تک ہلکے ہلکے جھپک رہی تھی جس کی وجہ سے وہ  
 تمام حدت روشن ہو رہا تھا۔ زنگور کے سامنے ایک عرک اور  
 دو چھپ چکی تھیں۔ وہیں حملہ آوران بھی گاڈلوں میں یہاں  
 آئے تھے۔ اور اس وقت ان سبھوں نے ان ہی گاڈلوں کی آڑ  
 لے رکھی تھی۔ زنگور کو معلوم نہیں تھا کہ اس کا اگلا قدم موت کی  
 طرف جارہا ہے یا زندگی کی طرف۔ اس نے ایک بہت بڑا خطرو  
 مول لیا تھا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس نے جس آدمی کی بات  
 کرنے کے لئے بلایا ہے۔ وہ کس مزاح کا ہوگا۔ اس وقت اس  
 کے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ اسے حملہ آور ہر قسم کے اسلحوں  
 سے مشعل تھے۔ وہ اگر زنگور کی طرف گولیوں کی بجھوا کر دیتے تو  
 وہ پھر بھی نہیں کر سکتا تھا اس کی زندگی حملہ آوروں کے رحم و  
 کرم پر تھی۔ اس کے باوجود وہ بڑے مضبوط قدموں سے آگے  
 بڑھا جا رہا تھا۔  
 وہ ان گاڈلوں سے کچھ فاصلہ پر آ کر کھڑا ہوا۔ اس کا  
 پہلا جھپکا جسم اس وقت کسی دیوار کی طرح ایسا تھوڑا دکھائی دے  
 رہا تھا۔  
 ”میں آیا ہوں“ اس نے گاڈلوں کی طرف دیکھ کر آواز  
 لگائی۔ اب وعدے کے مطابق تم نے لیڈر کو میرے پاس

بجھ دو۔“  
 چن چن کی خاموشی کے بعد ایک جیب کی اوٹ سے  
 ایک آدمی لکل کر زنگور کے سامنے آ گیا۔ اس شخص نے اپنے  
 ہاتھ میں ایک لمبے نول لے رکھا تھا۔ زنگور بڑی دلچسپی سے  
 اس شخص کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس کے لئے ایک اجنبی آدمی  
 تھا۔ اپنے حلیے سے وہ بھی ایک خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔  
 وہ زنگور کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے قہقہہ اکر کر گیا۔  
 ”ہاں بتاؤ۔ تم مجھ سے کیا کہنا چاہتے ہو؟ اس نے زنگور  
 سے سوال کیا۔  
 ”مب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم سومالی اور لائی کے ساتھ  
 کیا کرنا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ہی میں تمہارے سوال کا  
 دوں گا۔“  
 ”میرے پاس تمہاری باتوں کا جواب دینے کی ہمت نہیں  
 ہے۔ اس نے کہا۔ تمہاری بہتری ہی میں ہے کہ تم وہ لوں  
 کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ ہمارے آدمی۔“  
 ”تم یہ دھمکیاں اس سے پہلے بھی کی ہوں۔ مجھے پتہ چلا  
 نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”مثیک ہے۔ تم اگرچہ  
 تو اپنے آدمیوں کو حملہ کرنے کا حکم دے سکتا ہو لیکن یاد رکھو  
 کہ ایسی صورت میں نہ تو لائی تمہارے ہاتھ لگے گا ورنہ ہی  
 سومالی ملے گی۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ تم کہہ جاؤ۔ میں یہ ناکام  
 جانا ہوگا۔“  
 ”میں ناکام واپس چلنے کے لئے نہیں آیا میں ہر حال  
 میں ان دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔“  
 ”مثیک ہے۔ تو پھر اپنی کوشش کر کے دیکھو تو زنگور  
 نے لاہر واپسی سے جواب دیا۔  
 اس شخص نے زنگور کی بات سننے ہی اپنا پستول والا  
 ہاتھ اٹھا لیا۔ اسی وقت اس گودام میں دوسری قیامت  
 ٹوٹ پڑی۔ یہ گدیوں تختیں جو بائشوں کی طرح اس طرف سے  
 برسنے لگی تھیں جس طرف گودام میں آئی ہوئی آگ کی شعلے  
 نہیں پہنچ رہی تھی۔ ان گولیوں کا رخ ان گاڈلوں کی طرف  
 تھا۔ جو حملہ آورا اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ پھر اس سے  
 پہلے کہ گولیوں کی دوسری ہڈی ماری جانی زنگور نے بجلی  
 کی تیزی سے اس آدمی کے پستول والے ہاتھ پر اپنا ہاتھ  
 مار دیا۔ پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف جا گرا  
 اس کے ساتھ ہی زنگور نے اس شخص کو اپنے ساتھ لے  
 ہوئے ایک طرف چھلانگ لگادی۔ وہ دونوں کی زمین

پھر کچھ دور تک اڑھکتے چلے گئے تھے۔  
 پھر یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ اس گودام کے احاطے  
 میں کتنے لوگ ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ زنگور  
 کو تو یہی خیال ہوا کہ ہاتھ کا جیسے دو فوفیں ایک دوسرے  
 کے مقابل آئی ہوں۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ لائی اور  
 سومالی کے آدمی احاطے میں کس طرف موجود تھے لیکن  
 اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حملہ آوروں پر یہ جولی حملہ ہوئی  
 نے کیا ہوگا۔ وہ بہت پہلے تہہ خانے سے نکل جانے  
 میں کامیاب ہوئی تھی اور آتی دہریں اس کے لئے آدمی  
 اٹھ کر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔  
 زمین پر لڑھک جانے کے باوجود اس نے اس  
 لیڈر کو نہیں چھوڑا تھا۔ وہ غصہ خود بھی گولیوں سے بچنے  
 کے لئے اس کے ساتھ ہی چپکا ہوا تھا۔ اس وقت وہ دونوں  
 ہی گولیوں کی زد سے بچنے کے لئے ایک دوسرے کا سپہارا  
 بنے ایک طرف رہ گئے۔ پھر اس شخص نے رینگنے پگھلنے  
 کروٹ بدلی اور زنگور سے ایک طرف ہٹ جانے کی کوشش  
 کی لیکن زنگور نے ایک کر اس کی گردن پکڑ لی اور جھکے دیتا  
 ہوا لولا۔ ”نہیں۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔ ورنہ میں تمہاری  
 گردن توڑ دوں گا۔“  
 اس شخص نے زنگور کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانے  
 کی کوشش کی لیکن زنگور کی گرفت اتنی آسان نہیں تھی اس  
 شخص کو زنگور کی قوت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ اسی لئے اس نے  
 اپنی جلد جھڑک کر دی۔ اور ویسے بھی وہ برقی ہونی کو کہا  
 سے بچنے کے لئے زنگور کی بات ماننے پر مجبور سا ہو گیا تھا۔  
 ”اسی طرح رینگتے ہوئے میرے ساتھ ساتھ چلتے رہو۔“  
 زنگور نے کہا۔ ”میں تمہیں اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔“  
 اس نے زنگور کی بات پر کچھ نہیں کہا۔ وہ دونوں دھڑ  
 دھڑ آگے بڑھتے رہے۔ زنگور اس احاطے سے واقف  
 تھا۔ وہ اسی طرح اس شخص کو گودام کے اس حصے کی طرف  
 رینگنے کے لئے مجبور کرتا رہا جس طرف نہ صرف اندھیر تھا  
 بلکہ وہ جگہ گولیوں کے کسی حرکت محفوظ بھی تھی۔ یہ دراصل  
 اس گودام کا کچھ گھر تھا۔ یہاں بے شمار غالی بوریان اور  
 ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ درود رنگ کاڑا کرٹ  
 پھیلا ہوا تھا۔ ویسے تو اس گودام کے ہر حصہ کو بہت صاف  
 ستھرا رکھا گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں اس طرف کچھ نہیں  
 دی گئی تھی۔ اسی لئے گودام کے اس حصے میں بدبو کے پچھے

اچھے رہتے تھے اور گودا اس سے متعلق لوگ بھی اس طرف بہت کم آیا کرتے تھے۔ زنگور نے کچھ کے اس ذخیرہ کے بارے میں سناتھا کہ یہ چار دلوں کے زمانے سے بڑا ہوا تھا، لیکن اس نے کبھی اس کچھ کے کاٹھانے کی خوش نہیں کی تھی۔ پھر جب لائی اور موالی نے دھوکے سے دلاؤ کو قید کر دیا اس وقت بھی یہ کچھ لائی طرح موجود تھا۔ یہ ہم لوگ اس طرف آگئے۔ یہ اس شخص نے زنگور کے ساتھ ساتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ بدلو کی وجہ سے بہت پریشان ہوا تھا۔

”اس وقت جان بچانے کی بس یہی ایک جگہ ہے۔ زنگور نے جواب دیا۔ بس چپ چاپ میرے ساتھ بیٹھتے ہوئے چلے آؤ۔ ہماری طرف انکی تانی لے دھیان نہیں دیا ہے۔“

وہ دونوں ایک ڈرم کے عقب میں آکر کھڑے ہوئے گولیاں اچھی جان چل رہی تھیں۔ دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی ہار ماننے کے لئے تیار نہیں تھا، لیکن وہ لوگ اب خطرے سے محفوظ ہو چکے تھے۔

”یہاں سے کون سا راستہ ہے باہر نکلنے کا۔؟ اس آدمی نے جھلک کر پوچھا۔

”کچھ سے کچھ دھیر دھیر اس کے ساتھ خاصی بلندی تک چلا گیا ہے۔“ زنگور نے بتایا۔ تم اس ذخیرہ پر جھڑ کر دوسری طرف چھلانگ لگا سکتے ہیں۔“

وہ آدمی پھر تذبذب کا شکار ہو گیا۔ زنگور نے اس کی کشمکش کو بھانپ کر اس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اسے ایک طرف کھینچا شروع کر دیا۔ اس نے اس وقت بھی خود کو زنگور کی گرفت سے چھلانے کی کوشش کی لیکن زنگور نے کسی آنے زنگور سے کی طرح اسے جکڑ لیا تھا۔ اسی لئے وہ اپنی کوشش کے باوجود ایک قدم بھی آگے نہیں جاسکا۔

”اب چلو آگے“ زنگور نے اسے دھوکے کی طرف دھکا دیا۔ وہ آدمی دو قدم آگے بڑھا پھر ایک کی سانپ کی طرح پٹ پٹا کر اس کے ہاتھ میں جا چوچک رہا تھا۔ اور اب تک چورنگی رہے ہوئے تھے۔ زنگور کی آنکھیں غصے سے جھرمک اٹھیں۔ اس شخص نے چاقو والی ہاتھ آگے بڑھا یا اور دوسرا ہاتھ ایکون پھیلا دیا۔ اس کی نگاہیں زنگور پر جمی ہوئی تھیں۔ اب طرف اندھیرا تھا۔ اس کے باوجود دستاروں کی روشنی اتنی تھی کہ اس روشنی میں اس شخص کے تصور اور اس کے ہاتھ میں چمکتا

ہوا چاقو صاف دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چاقو تلبے کا زنگور نے بتا رہا تھا کہ وہ اس فن انارٹی نہیں ہے۔ زنگور نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں جمادیں وہ اس شخص کے مقابلے میں ہنستا تھا۔ لیکن اسے اس شخص کی طرف سے زیادہ پریشانی نہیں تھی۔ اصل مسئلہ انگوں کا تھا جو دوام میں ایک دوسرے پر گولیاں برس رہے تھے ان میں سے کوئی بھی اس طرف آگیا تھا۔ آئی لے زنگور آج کچھ بھی کرنا تھا وہ جلدی کرنا تھا۔ وہ اس شخص کی ہمتی جنگ کو طول نہیں دے سکتا تھا۔

اس شخص نے چاقو والا ہاتھ کھینچا۔ اس نے بہت جرات کے ساتھ یہ حملہ کیا تھا۔ لیکن زنگور نے اس کے تصور بھانپ لئے تھے۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس شخص کا ہاتھ کس طرف جائے گا۔ اسی لئے وہ اس کی مخالفی سمت میں جھک گیا اور جھٹکتی ہی اس نے ایک نیک کک اس شخص کے گھٹنے پر رسید کر دی۔ اس کا چاقو والا ہاتھ لہرنا ہوا ایک طرف گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ زنگور کی ہتھکڑی کھڑکی پر اس کے گرنے کی زنگور نے اس پر چھلانگ لگا دی تھی وہ اس شخص کے جسم پر اس طرح آکر اس کے ایک ہاتھ نے اس شخص کے چاقو والے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا جبکہ اس کے دونوں گھٹنے اس کے سینے پر پڑے تھے۔

اس شخص نے ایک زوردار جھج ماری اور اس وارے بری طرح تڑپنے لگا۔ چاقو بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر ایک طرف چلا گیا تھا۔ اس میں اب خود کو بچانے کی بھی عمت نہیں رہی تھی زنگور نے جلدی سے کھڑے ہو کر اس کا ایک ہاتھ پکڑا اور اسے دیوار کی طرف کھینچا شروع کر دیا۔ لیکن وہ اس طرح زیادہ دور نہیں جاسکا تھا۔

اچانک اس کا ہر کسی محسوس چیز سے نکل گیا۔ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ سکا تھا۔ وہ کچھ کے ذخیرہ پر گر پڑا اور اس کے گرنے ہی اس ذخیرہ میں ملکی ہلی زلف ہوئے تھی۔ اس نے ابھی اس شخص کا ہاتھ اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ زنگور نے جاری سے کھڑا ہونا چاہا لیکن اس کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی کچھ کا ذخیرہ درمیان سے اس طرح پھٹ گیا جیسے دیوار شکن ہوئی ہو۔ اس نے سینے کی کوشش کی لیکن زمین میں غور ڈالنے والے اس غلے نے اسے نکل لیا تھا۔ وہ نیچے زمین کی گہرائی میں ڈھنکا چلا گیا۔ اس وقت اسے صرف اتنا یاد تھا کہ اس آدمی کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ بھی زمین کی

گہرائی میں اترتا چلا رہا ہے اور اس کی جینیں بری طرح گونج رہی ہیں۔

رات گہری اور خشکی نے ہوئے تھی۔ داور کے ساتھ چلتے ہوئے نیلا کو خوف بھی محسوس ہوا رہا تھا۔ اس نے لپٹے نہیں کی ایک دو بار داور کو اس کے ارادے سے ہلکے کی کوشش کی لیکن داور نے اسے جھک کر خاموش کر دیا تھا۔ اس کی جھڑکی نے نیلا کو ہما دیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چیتا غار میں ہو۔ وہ اس کی طرف دیکھنے کی بھی بہت نہیں کر سکی تھی۔ داور کی فطرت کا یہ دشمنانہ روپ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اسی لئے اس پر گہرے خوف سا طاری ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ پر جھرمکے ہوئے داور کا ساتھ دھیرے چار کی تھی۔ وہ جی اس وقت سنان تھی۔ اس کے سینے میں اپنے اپنے گھروں میں آرام کی نیند سو رہے تھے کبھی کوئی کشا نہیں دیکھ کر بھونکنے لگتا۔ پھر خود ہی غامض، بکرلیک طرف دوڑ جاتا۔ وہ دونوں اس وقت اس چندر کے مکان کی طرف جا رہے تھے جس کے ہمارے میں بھلنے لے جتا تھا کہ اسے طوائف بنانے کی ابتداء کرنے کی تھی۔ نیلا کی کہانی سننے ہی داور کے بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ وہ بارہوئے کے باوجود مڑوٹوں پر جھرمکے والوں کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اور اس کے نزدیک عورت کو جھرمکے کے لئے نہیں بلکہ ہار کر کے لئے بیدار کی تھی۔

وہ لوگ بستی کے مکانوں کو کافوں اور مڑوٹوں کو چھڑ کر ایک ایسے راستے پر گئے جس کے داخل طرف درخت لگے ہوئے تھے۔ یہ ایک کچا راستہ تھا۔ لیکن اس پر گالہ لوں کے گرنے کے نشانات رہے ہوئے تھے۔

”یہی راستہ چندر کے مکان کی طرف جاتا ہے۔“ نیلا نے دھیمی آواز میں داور کو بتایا۔

داور اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ نیلا کو یوں لگا جیسے داور کی مسکراہٹ نے اس کے دل میں بسے ہوئے خوف کو کھوج کر کھینک دیا ہو۔ اس نے ایک لمحے میں شعلہ اور دھڑک میں غصہ پھینکے ہوئے اس سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ داور کی مسکراہٹ نے اسے حوصلہ بھی دیا تھا اور کھٹکا کا احساس بھی ہوا تھا۔

کچھ دور کے بعد چندر کے مکان کے غروہاں واضح ہونے لگے۔ نیلا نے کھینک ہی کہا تھا۔ اس کا مکان اس کی جانب

سے بڑا بڑا تھا۔ اس مکان کے گرد چہار دیواری لگی ہوئی تھی لیکن اس کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔ چہار دیواری کے اندر کچھ بیکس بھی بنے دکھائی دے رہے تھے۔ اور ان بیکسوں سے کچھ بٹ کر چندر کا مکان تھا۔ چندر کو چوکی کی طرف سے خطرے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اسی لئے چہار دیواری کے گیٹ پر کسی بہریدار کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔ ”کیا تم یہاں سے تہا داپس جاسکتی ہو؟“ داور نے نیلا سے پوچھا۔

”نہیں۔ نیلا اچھی ہوئی بولی میں سمجھتی ہوں کہ میرے لئے بہت مشکل ہوگی۔ راستہ بھی۔“

”ٹھیک ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“ داور نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”میں تمہیں کسی جگہ بیٹھا کر خود مکان میں داخل ہو جاؤں گا۔“

داور کے معبوط ہاتھ کے لمس نے نیلا کے بدن میں حرارت سی دلا دی۔ ایسا لگتا تھا کہ داور پر لطیف احساس اس سے پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔ اس کی زندگی میں بے شمار روکنے پھرنے جیڑے ہی لیکن وہ مرنے لگے۔ لیکن ان میں سے کسی کا اس ایسا محسوس ہوا تھا۔ داور کے لمس میں حرارت کے علاوہ مکمل محفوظ کا احساس بھی تھا۔

وہ دونوں احاطے کے گٹ کو کھول کر اندر آئے۔ چندر کے مکان اور بیکس میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ البتہ صرف ایک جگہ ہلی کی روشنی ہو رہی تھی۔ وہ ایک کونہ تھا جو احاطے کے ساتھ ساتھ بیروں کے سلسلے کے پاس ہی بنا ہوا تھا۔ داور نے کچھ تلاش کرنے والے انداز میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں پھر اسے ایک ایسی پناہ گاہ دکھائی دے گی جہاں وہ نیلا کو کچھ دیر کے لئے چھپا سکتا تھا۔ وہ برآمدے کی بیڑھیوں کے درمیان بٹھا ہوا تھا۔ نیلا اس غلامی اس کی داپس تک دیکھ کر بیٹھ سکتی تھی۔

”نیلا۔ تم اس غلامی میں دیک کر بیٹھ جاؤ۔ داور نے بیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور جب تک میں داپس نہ آؤں تم یہاں سے نہیں نکلنا۔“

نیلا اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس غلامی بیڑگ ٹی داؤر کو اب اس کی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا۔ اس نے بیڑھیوں کی طرف قدم بڑھاے۔ کچھ کچھ سوچ کر رک گیا۔ اس مکان کے احاطے میں نے ہوئے بیڑیس اس کی سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ یہ بیکسوں میں بی نہیں بنائی تھی ہوں گی اس کے دل

میں ان بہر کوں کو اندر سے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونے لگی چاند سے اس کے بدن ٹٹا جاسکتا تھا۔

وہ میٹھ پٹل سے اتر کر بہر کوں کی طرف چل پڑا۔ ابھی تک اس مکان کے اعلیٰ میں کوئی دھکا نہیں دیا تھا۔ یہ بات داور کے حق میں جلدی تھی۔ وہ ایک ہیرک کے دروازے پر آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا ایک کان اس دروازے سے لگا دیا۔ شروع شروع میں اندر سے کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دی۔ جیسے وہ ہیرک بالکل خالی پڑا ہو۔ پھر لوں لگا جیسے اس ہیرک کی دہلوریں اور دروازے کو ناخنوں سے کھرا جلد باہر پھٹا رہی آوازیں اسے محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اندر کیا ہو سکتا ہے۔

اس نے کچھ سوچ کر دوسرے دروازے پر دستک دی لیکن دستک کے جواب میں کسی کی آواز نہیں سنائی دی۔ ابھی ناخنوں سے کھرچنے کی آواز میں بدستور اپنی رائی تھیں۔ اس کی حیرت بڑھتی چلی جلدی تھی۔ اس نے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا اور وہ دروازہ اندر کی طرف کھل گیا۔

ہیرک کے اندر اندھیرا تھا۔ شروع شروع اسے کچھ دکھائی نہیں دے سکا۔ لیکن جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں بیٹھنے کے قابل ہو گئیں تو اسے کچھ بڑے دھکا دیئے گئے۔ یہ بڑے دروازے کچھ فاصلے پر ہیرک کی ایک دیوار کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے۔ اور اندھیرا ہونے کے باوجود داور کو اندر نہ ہو گیا تھا کہ ان تجربوں کی تعداد کسی طرح بھی سو ڈیڑھ سو سے کم نہیں تھی۔ یہ بڑے ایک دوسرے کے اوپر اس طرح کے ہونے تھے کہ ایک بلند دیوار سی بن گئی تھی۔

داور کچھ دیر تک دروازے پر کھڑا رہا پھر ہیرک کے اندر گیا۔ وہ ان تجربوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے تجربوں کی دہلور کی طرف قدم بڑھانے اور ان کے دونوں بہروں سے کوئی چیز اٹھائی۔ اس نے جلدی سے اپنے ہیر کو جھٹکا دیا۔ وہ چننا اس کے ہیر سے الگ ہو کر دھپ سے ایک طرف جا گری۔ داور نے اس چیز کو پہچان لیا وہ ایک بچہ ہاتھ جو اندھیرے میں اس کے بہروں سے آکر ٹکرا رہا تھا۔ بچہ کو دیکھ کر داور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی تھی اس نے دو قدم اور آگے بڑھانے اہاس بار بیک وقت کئی بچہ اس کے بہروں سے آکر ٹکڑ ٹکڑ ہوئے لگا۔ اس نے لمبے جسموں کا گہراٹ امیر بس محسوس ہونے لگا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے دونوں بہروں کو جھٹکا دیا لیکن کچھ کی تولا

بڑھتی چلی جاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ باقاعدہ داور پر حملہ آور ہوئے ہوں۔

اس لمحے داور کو احساس ہوا کہ ان تجربوں میں چہرہ بھرے ہوئے تھے۔ اس نے جو آوازیں سنی تھیں وہ ان ہی چیزوں کی تھیں جو اپنے ناخنوں سے تجربوں کی دہلوریں کھرج رہے تھے پھر اس لمحے داور ہیرک اور انکشاف ہو۔ یہ انکشاف بھی بہت حیرت انگیز تھا۔ وہ چہرے ناخنوں سے بچے کھرج رہے تھے اس بہر حملہ کر رہے تھے لیکن بالکل خاموش تھے۔ یہ ایک ایسی حیرت انگیز بات تھی۔ جو اس سے پہلے داور کے مشاہیر نے نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس سے پہلے گئے چہرے بھی نہیں دیکھے تھے اگر ان چیزوں میں ہونے کی مصیبت، ہوتی تو وہ اب تک چوں چلی کہے کہ بولتا ہیرک اپنے سر پر اٹھا لیتے۔

بچہ خود ڈوڑ ڈوڑ کر اس کے بہروں سے پلٹے جا رہے تھے۔ اس دوران کی چہرے اس کے بھدی قدوں تلے کھلے بھی گئے۔ لیکن مرتے وقت بھی انہوں نے کوئی آواز نہیں نکالی تھی۔ داور کو اگر معلوم ہوتا کہ وہ ہیرک کا دروازہ کھلتی اس مصیبت میں پھنس جانے کا تو وہ بھی اس طرف آنے کی حماقت نہیں کرتا۔ اس نے بچہ میں پڑا ہوا کے صندوق کی جہان بڑھتی تھی۔ ہیرک کا یہ دروازہ اس کیلئے پتھر کا صندوق بن گیا تھا۔ وہ چہرے بلڈوں کی طرح بجزوں سے رنگ رنگ کر رہا کر رہے تھے۔ اہاس سے پلٹے جا رہے تھے۔ وہ اب نہ اس ہیرک میں کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ اس نے اپنے بہروں کو جھٹکتے ہوئے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چوں کہ سیلاب اس سے پیچھے رہ گیا۔ لیکن ابھی کچھ چہرے اس کے بہروں میں اپنے ننھے ننھے دانت گڑھنے ہوئے تھے۔ داور نے ہیرک سے باہر آنے کے بعد ان چیزوں کو اپنے بہروں سے کھینچ کھینچ کر لگ کر داور پر اس کی طرف دوڑ لگا دی۔ چوں کہ اس کی فوج اس کے تعاقب میں تھی۔ چہرے اب سیلاب کی طرح امڈ امڈ کر ہیرک کے کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکلے گئے تھے۔ دوڑتے دوڑتے داور نے داور نے ہٹ کر دیکھا۔ باہر سڑکی کی روشنی میں وہ چہرے اب حراف دکھائی دے رہے تھے وہ در کے اندر سے کے مطابق ان کی تعداد ہزاروں کے گنگ تھک تھی۔ اور ان کی جماعت بلی کے بچے جتنی تھی۔ داور نے اپنی زندگی میں ایک ساتھ اتنے چہرے بھی نہیں دیکھے تھے۔ ان کے دھڑنے سے کسی آواز پیدا ہو رہی تھی جیسے کوئی زمین زمین کو ادا جیڑتا ہوا چل رہا ہو۔ اہاں کال یہ تھا کہ سب کے سب گئے تھے داور

اب دوڑتے دوڑتے میٹھ پٹل کے قریب آچکا تھا۔ جس کے خلا میں اس نے نیلا کو پھینچنے کے لئے کہا تھا۔

انکشاف نے شاید دوسرے دروازوں کے درمیان پہنچے۔ دوڑ دیکھتی تھی۔ اسی لئے وہ سیلے کی سے باہر نکل آئی تھی۔ اور دونوں ہاتھ ہلا کر داور کو تیز دوڑنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ دوڑتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گیا۔ نیلا بری طرح خوفزدہ دکھائی دے رہی تھی اس کی آنکھیں دشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ "بھگوان کے لئے۔ یہ سب کیا ہے؟ وہ کاہنتی ہوئی آواز میں بولی۔ یہ تو چوں کا سیلاب معلوم ہوتا ہے؟

"ہاں۔ اب یہاں سے بھاگ۔ وہ یہ چہرے گوشت خور معلوم ہوتے ہیں؟" داور نے کہا۔

"کہاں سے بھاگیں۔ وہ تو ٹکٹ تک بھاگے ہوئے ہیں نیلا خوف سے لرزتی ہوئی بولی۔

داور نے گٹھ کی طرف نگاہ کی۔ ان چیزوں نے گٹھ او۔ ان لوگوں کے درمیان ایک سمندری مچھلی کی ہزاروں چہرے گٹھ کے آس پاس کھلبلا رہے تھے وہ ہیرک سے نکل کر بڑھتے ہی چلے کر رہے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟ نیلا نے بوجھا خوف کی وجہ سے وہ داور کے بالکل قریب آکر کھڑی ہو گئی تھی۔

"چھت؟" داور نے ایک گہری سانس لی۔ ہمیں چھت پر پہنچنا ہوگا۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے، ہم ان چیزوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے؟

ان خون خوار چیزوں کا ہر اہل دستہ اب میٹھ پٹل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ان کے ناخنوں کی سرسریاں ہر طرف گونج رہی تھیں داور نے نیلا کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف دوڑ لگا دی۔ اسے اس بات کی پروا ہی نہیں رہی تھی کہ اس طرح اس مکان کا کوئی شخص انہیں دیکھ بھی سکتا ہے۔ اس وقت اصل مسئلہ ان چیزوں سے بچنے کا تھا۔ جو چہرے ہوئے سامنوں کی طرح ان دونوں کی طرف بڑھ چلے آ رہے تھے۔

داور نیلا کو لئے ہوئے اس مکان کے عقبی حصے میں آ گیا۔ یہاں ایک کھڑکی تھی جس کے کالرس سے چھت کا فاصلہ بہت کم رہ گیا تھا۔ داور کے لئے تو چھت پر جانا مشکل نہیں تھا لیکن اصل مسئلہ نیلا کا تھا۔

"تم میرے کندھے پر کھڑی ہو کر کالرس پر چڑھ جاؤ۔ داور نے کہا۔ وہ دونوں اب اس کھڑکی کے پاس پہنچ چکے تھے۔

"تمہارے کندھے پر نیلا کچھ بھگنے لگی۔

"جلدی کرو۔" داور نے کہا۔ "جو چہرے چلے آ رہے ہیں۔" وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اس نے سہارا دینے کے لئے

میٹھ پٹل سے ہٹا کر اس کے شانے پر کھڑی ہوئی۔ داور اس کا وزن سنبھالے ہوئے دھبے دھبے کھڑا ہو گیا۔ نیلا کا ہاتھ کالرس تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے کالرس کے کنارے کو مضبوطی سے پکڑا اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگی۔ پھر وہ کسی دیکھی طرح کالرس تک پہنچنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کے کالرس پر چلتے ہی داور نے بھی ایک کالرس کو پکڑا لیکن اپنے دھپ کا ہتھوں کے بل پھر اوپر اٹھتا ہوا خود بھی کالرس تک پہنچ گیا۔

اب ان کے لئے انکار حملہ کالرس سے چھت تک پہنچنا تھا لیکن اس کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ ہٹھک اسی وقت مکان کے سامنے والے حصے سے کسی کی آواز سنائی دی۔

"یہ چہرے کیسے کھل گئے؟" پوچھنے لگی پکار کر کہا۔

بڑن کہاں ہو تم لوگ؟

"جواب میں کسی طرف سے دوسرے آدمی کی آواز آئی۔

ہم اپنی کھڑکی میں ہیں باس؟

گندھ کے بچہ پہیلی آواز کے مالک نے انہیں ڈانٹ دیا۔ دیکھتے نہیں چہرے بہر کوں سے نکل آئے ہیں۔ جلدی سے ٹوند لاکر فائر کرو جلدی؟

"یہ آواز چکر کی ہے؟" نیلا نے سرگوشی میں بتایا۔

اس کیلئے کی آواز ابھی طرح پیچتی ہوئی؟

اسی وقت داور کو بلوں ٹھوس ہوا جیسے کسی چیز کی ہلچل آہستہ آہستہ شدت اختیار کرنے لگی تھی۔ داور کو ایسی ہلچل کا

بڑا بھی پہلے نہیں ہوا تھا۔ اس میں گوشت کے جھلنے سے لے کر گڑے سے کھٹنے والی بو تک کا ان ترش شامل تھا۔ وہ دہلور

نا قابل عداوت ہوئی جاری تھی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ چوں کہ دوڑنے کی آواز لگ گئی جیسے اس ناقابل برداشت ہلچل نے انہیں آگے

بڑھنے سے روک دیا چوں کہ انہوں نے آواز زیادہ دیر تک نہیں رکی رہی تھیں۔ وہ آوازیں پھر کرنے لگیں اس بار وہ آوازیں بڑھنے کی بجائے گھٹتی جاری تھیں جیسے

رفتہ رفتہ سارے چہرے اپنی اپنی ہیرک میں واپس چلے گئے ہوں۔ وہ لوگ جہاں کھڑے تھے۔ وہاں سے وہ چہرے دکھائی تو نہیں دے رہے تھے لیکن بڑی آسانی کے ساتھ

یہ اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ چہرے واپس چلے گئے ہیں۔

"نکتن ہے چہ واپس چلے گئے نیلما داور نے کہا۔  
 ان کی طرف سے خطرہ ٹل گیا ہے۔"  
 "لیکن سب کیا تھا اور وہ بدلو کیسی تھی۔ مجھے تو ایسا  
 لگا جیسے میرا دل بھٹنے والا ہو۔"  
 "میرا خیال ہے کہ وہ چوہے ایسا بدلو کی وجہ سے واپس  
 گئے ہیں۔ کچھ نہیں نہیں آتا کہ چندر نے اتنے چوہے کیوں  
 جمع کر رکھے ہیں۔"

"سب چوہے واپس چلے گئے باس۔ اسی وقت کسی  
 آدمی کی آواز سنائی دی۔  
 "تم لوگ کہاں سرگئے تھے؟ چندر کی آواز سنائی دی؟"  
 اگر یہ چوہے باہر نکل جاتے تو مصیبت آ جاتی۔  
 ہم لوگ ذرا باہر گئے، ہونے تھے باس، دوسری آواز  
 نے جواب دیا۔ ہمیں خیال بھی نہیں کہ چوہے اس طرح بڑے  
 نکل آئیں گے۔"  
 "آئندہ سے احتیاط رکھنا اور موزوں اپنے ساتھ رکھا  
 کرو۔ چندر نے کہا۔"

اس گفتگو کے بعد قدموں کی آوازیں سنائی دیں پھر  
 خاموشی ہو گئی۔ چندر کی باتوں نے داور کے لیے ایک نئی الجھن  
 پیدا کر دی تھی۔ چندر نے یہ چوہے کسی خاص مقصد سے  
 جمع کر رکھے تھے۔ اور ان چوہوں کو موزوں نانی کسی چیز کے  
 ذریعے واپس جلنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔  
 "تم یہاں پہلے بھی تو آ جاتی ہو؟" داور نے کچھ سوچ کر  
 نیلما سے کہا۔ کیا تم نے چوہے نہیں دیکھے تھے؟  
 "نہیں، نیلما نے جواب دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی  
 تھی کہ اس مکان میں اتنے چوہے ہوں گے۔ یا ہو سکتے ہیں  
 کہ اس وقت چوہے نہ ہوں۔"

"یہی ممکن ہے۔" داور نے پر خیال انداز میں لہٹی  
 گردن ہلاتی۔  
 "اب کیا کرو گے؟" نیلما نے پوچھا۔ میرا خیال ہے کہ  
 ہمیں واپس چلنا چاہیے۔  
 "نہیں، میں اپنا کام کئے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"  
 داور نے کہا۔ "بلکہ ان چوہوں کی وجہ سے میری دلچسپی بڑھ  
 گئی ہے۔ میں چندر سے یہ سب معلوم کرنا چاہتا ہوں۔"  
 نیلما نے کچھ ہنسنے کی کوشش کی، لیکن اپنے ہونٹوں  
 پر مزاجان پھیر کر رہی۔ وہ داور کو اس کے فیصلے سے باز نہیں  
 رکھ سکتی تھی۔ داور کچھ دیر تک خاموشی سے مکان میں پیدا

ہونے والی آہٹوں کو سنتا رہا۔ پھر جب مکمل سنا لیا چھانپا  
 تو اس نے نیلما کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "اب میں جا رہا ہوں۔ اس وقت تمہارے بڑے بھائی  
 سے محفوظ جگہ پر بیٹھ کر بیٹھ کر بیٹھ کر بیٹھ کر بیٹھ کر  
 کربھٹھو واؤ۔ اندھیرے میں کوئی نہیں دیکھ سکے گا، میں  
 بہت جلد آنے کی کوشش کروں گا۔"

نیلما نے خوفزدہ لگا میں داور پر ڈالیں۔ اپنا ہاتھ  
 آگے بڑھایا پھر جھجک گئی۔ داور نے اس کی طرف دھیان  
 دینے بجائے کارٹس سے چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نے بازو  
 کر لیا تھا کہ اس مکان میں زیادہ آدمی نہیں تھے۔ چندر کی  
 ممتدہ درنہ اس کے ساتھ کوئی اور ہوتا تو چوہوں کا ہنگامہ  
 سن کر وہ بھی باہر آ جاتا لیکن چندر اور اس کے دونوں  
 آدمیوں کے علاوہ کسی اور کی آواز سنائی نہیں دی تھی کارٹس  
 سے نیچے آ کر داور نے اوپر دیکھا۔ نیلما اس کی بات کے  
 مطابق دلوں سے چپک کر بیٹھ گئی تھی۔ اور اندھیرے میں  
 دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

داور چند لمحوں تک کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا سوچتا رہا پھر  
 اس نے کھڑکی پر ہاتھ رکھا۔ کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر  
 مکان کے بائیں پہلو کی طرف لگا۔ یہاں بھی ایک کھڑکی تھی۔ اور  
 اتفاق سے یہ کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ داور اس کھلی ہوئی کھڑکی کے  
 پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اندر خاموشی تھی چوہوں سے نمٹ کر چندر  
 شاید کچھ سوچنے کے لئے جا چکا تھا۔ داور چند لمحوں تک اسی  
 کھڑکی کے پاس کھڑا رہا پھر اس نے آگے کھڑکی کے کنارے  
 بڑے اور ایک جست میں کھلی ہوئی کھڑکی کے ذریعے کمرے  
 میں داخل ہو گیا۔

اس کمرے میں اندھیرا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں بھرا دھرا کر  
 چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے  
 میں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اسے اندازہ ہوا کہ وہ اس مکان  
 کے باورچی خانے میں کھڑا تھا۔ اس باورچی خانے کی ایک دیوار  
 کے ساتھ ایک بڑا سا فریج رکھا ہوا تھا۔ اور اس کے برابر میں  
 برتنوں کی ایک المدی بھی تھی۔ باورچی خانوں سے اٹھنے والی  
 مخصوص بو اس باورچی خانے میں بھی موجود تھی۔

داور نے احتیاط سے قدم بڑھائے اور باورچی خانے کا  
 دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اب وہ اس مکان کے کھڑانگے روم  
 میں کھڑا تھا۔ اس کمرے میں کم قوت کا ایک بلب بھی روشن تھا  
 جس کی وجہ سے وہ کمرہ اور اس میں رکھی چیزیں صاف

دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کی کھڑکیوں پر موٹے پردے  
 پٹے تھے اسی لئے کمرے کی روشنی باہر سے دکھائی نہیں دے  
 رہی تھی۔ اس ڈرائنگ روم میں داور دروازے تھے۔ جن میں  
 سے ایک چندر کی خواب کمرہ کا دروازہ ہو سکتا تھا۔  
 یہاں آنے کے بعد داور کے اس اندازے کی تصدیق ہو گئی  
 کہ اس مکان میں چندر کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ اگرچہ اندھیرا  
 تو بے شک دکھائی دے جاتا۔ داور نے اپنی جیب میں ہاتھ  
 ڈال کر گمان دار چاقو نکال لیا۔ وہ صرف یہی ایک ہتھیار اپنے ساتھ  
 لیا تھا۔ اس نے چندر کو جس قسم کی سزا دینے کا ارادہ کیا تھا  
 سزا دی چاقو کے ذریعے دی جا سکتی تھی۔

وہ جبے پاؤں چلاتا ہوا ایک دروازے کے پاس آ کر کھڑا  
 ہو گیا۔ اس نے اس دروازے سے بھی اپنا کان لگا دیا۔ اندھیرا  
 تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ کر دوسرے دروازے کے پاس  
 آ گیا۔ یہاں میرا خاموشی نہیں تھی بلکہ اندسے خراٹوں کی آوازیں  
 سنائی دے رہی تھیں۔ ان آوازوں کو سن کر داور کے ہونٹوں  
 پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کی آنکھیں اس جیسے کی آنکھوں کی  
 طرح چمکنے لگیں جس نے اپنا منہ دیکھ لیا ہو۔ اس نے دروازہ  
 کھولنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا۔ یہ دروازہ اندسے بند تھا۔  
 دروازے کو ہلکا کر داور دھچک میں مبتلا ہو گیا۔ کچھ جھج  
 کر اس نے زور زور سے دھک دینی شروع کر دی۔ چندر کی طرف  
 اندھیرے چندر کی جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ کون ہے  
 کیا مصیبت آ گئی؟  
 "چوہے پھر باہر آ گئے ہیں باس" داور نے دانتوں کو  
 بھینچتے ہوئے کہا۔

اس کی بے ترکیب کھلیا ہوتی تھی۔ چندر نے آگے بڑھ  
 کر لپک چمکنے سے دروازہ کھول دیا اور دھچک دے دیا تو والہا  
 آگے بڑھایا اور چاقو کی نوک چندر کی گردن پر رکھ دی۔ چندر  
 خوف سے رزنے لگا تھا۔ اس کی بد صورت آنکھیں اپنے حلقوں  
 سے باہر آنے لگی تھیں۔ نیلما نے اس کے بارے میں غصہ ہی  
 کہا تھا۔ داور نے اپنی زبانی میں اس سے زیادہ بد صورتی اور  
 کہیں نہیں دیکھی تھی۔ ایسا ایسا تھا جیسے دنیا جہان کی بد صورتی  
 ایک ہی جگہ سے ہیں سمیٹ دی گئی ہوں۔ بد صورتی کے ساتھ  
 ساتھ اس کی بد صورت سے کراہت بھی محسوس ہوتی تھی۔

"شہرت کرنا یہ اور غرا پاتا ورنہ چاقو کی نوک دوسری  
 طرف نکال دوں گا۔"

اتنا کہ کر اس نے چاقو پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور چندر کی گردن

ہو ان کی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ داور نے کمرے میں آنے کے بعد  
 پھرتی سے دروازہ بند کیا اور دوبارہ چاقو کی نوک اس کی گردن  
 سے لگا دی۔ اس غلیظ شخص کے سامنے اس کراس کا غصہ بڑھتا  
 چلا جا رہا تھا۔

"کون ہو تم؟" چندر نے غصے سے پوچھا۔  
 "تمہارا باپ؟" داور نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ میں  
 نے یہ مسئلہ بہ کرم نے اب تک بہت عیش کئے ہیں۔ نیلما  
 غور کوئی مجبور ہوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ کیوں؟  
 "یہ۔ یہ جھوٹ ہے۔" چندر غصہ سے لگتے ہوئے بولا۔ میں  
 میں ایسا نہیں ہوں۔"

"نیکو اس ہند کو؟" داور نے چاقو کی نوک سے اس کی گردن  
 میں ایک خراش ڈال دی۔ اس خراش سے سرخ خون کی  
 لہر پھیلنے لگی تھی۔ بیچ بیچ میں داور نے میں نہیں جان سے مار دیا  
 گا۔ تم نے اب تک کتنی مجبور خورقوں سے فائدہ حاصل کیا ہے  
 جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرنا۔"

"وہ۔ وہ سب پیسے لینے کے لئے میرے پاس آتی تھیں  
 چندر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ میں ان کو پیسے دیتا تھا۔"  
 "تم نے پھر جھوٹ بولا؟" داور غرا پاتا وہ سب تمہارے  
 پاس پیسے کے لئے نہیں بلکہ میرے وٹن کے لئے آتی تھیں۔ کیا  
 ٹھیک ہے نا؟

"ہاں، ٹھیک ہے۔" چندر نے ایک گہری سانس لی۔ ان  
 سے تمہارا کیا تعلق ہے بھائی؟ تم تو یہاں کے معلوم بھی نہیں  
 ہوتے ہو۔"

"یہ میری وٹن نہیں کہاں سے ملتی ہے؟" داور نے پوچھا۔  
 "کالی موت کے آدمی میری وٹن لاکر دیا کرتے ہیں۔" چندر نے  
 جھٹکے ہوئے لہجے میں بتایا۔ بھنگان کے لئے جھٹنے اور کچھ  
 مت پلوچھو۔ ورنہ دھچک جان سے مار دے گا۔ وہ بہت  
 خطرناک آدمی ہے۔"

"خطرناک تو نہیں تھی ہوں؟" داور غرا پاتا اسی لئے جو کچھ چھتا  
 ہوں بتاتے جاؤ۔ ورنہ دھچک کر دھچک دوں گا۔ کالی موت کون  
 ہے۔ کہاں رہتا ہے؟

"کوئی نہیں جانتی۔ کسی کو بھی نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اور  
 کہاں رہتا ہے۔ اس کے آدمی اگر کچھ سے رابطہ پیدا کر لیں تو  
 منشیات دیا کرتے ہیں۔ ان کا یہی مقصد ہے۔ والوں کو اس کا عادی بنا دیا۔  
 "ہوں؟" داور نے ایک گہری سانس لی۔ اور غور توں غلا  
 کیا چکر ہے۔ کیا یہ بھی کالی موت کے حکم سے ہوتا ہے؟"

”نہیں“ چند جلدی سے لولہ بڑا کالی موت کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ میرا اپنا کام ہے۔  
 ”تو کیا خوں کو تباہ کرنے کی ذمہ داری صرف تم پر ہے؟“  
 ”ہاں۔ دیکھو میں نے تم کو قح و رخ بتا دیا ہے۔ اب تم مجھے چھوڑ دو۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ تم جو مانگو وہ میں دے دوں گا اگر تمہیں بیرون جانے تو اس کے میں بھی کی تمہیلا رکھی ہوئی ہیں۔ وہ میں تمہیں دے سکتا ہوں۔ دولت چاہیے تو وہ بھی میرے پاس موجود ہے۔ اس کے علاوہ تم جو چاہو“  
 ”خیر۔ مجھے جو کچھ چاہیے وہ تو میں دھون کر لی لوں گا۔ لیکن اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے جیسے کیوں پال رکھے ہیں۔ تم ان سے کیا کام لیتے ہو؟“  
 ”یہ میں نہیں جانتا کہ ان سے کیا کام لیا جاتا ہے“ چند نے جواب دیا۔ ”کیونکہ“

”میں“ یہ کام میرے لئے مشکل نہیں تھا۔ میں کلکتہ میں بھی ایک کپا کرنا تھا۔ اسی لئے میں نے اس کو فی بات مان لی اور یہاں چلا آیا۔ اس دن اس کے بعد سے پھنس کر رہ گیا ہوں۔ ایک ماہ میں نے اس کا حکم سامنے سے اٹھا کر دیا تھا۔ اس کے نیچے میں اس نے میرے پیروں کے دونوں انگوٹھے کھنکھادیے اس دن کے بعد سے میں اس سے خوفزدہ رہتا ہوں میری ہمت نہیں بڑی کہ اس کے خلاف کچھ کر سکوں۔“  
 ”لحد تو تم پر۔ اگر تم اتنے ہی بزدل ہو تو تمہیں ان دھندوں میں بڑنے کے لئے کس نے کہا تھا۔؟“  
 ”میں کیا کروں میں نے آج تک سڑاں بھڑائی نہیں کی۔ اپنے اڈے پر بھی اپنے آدمیوں سے کام لیتا ہوں میں نے خود سے کچھ نہیں کیا۔ اسی لئے میں کالی موت یا تم جیسے آدمیوں کے سامنے....“

”مجھے اس وقت تمہاری بزدلی یا تمہاری بہادری سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ مجھے صرف یہ بتاؤ کہ جو ہے کس مرض کی دوا میں؟“  
 ”بھگوان کی سونڈ میں نہیں جانتا چند نے کہا ایک دنوں پہلے اس نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اپنے آدمیوں کو جیسے جمع کرنے پر لگا دوں اور ان چاہوں کو اپنی بہرگوں میں رکھتا جاؤں۔ اس نے مجھے چاہوں کو کھلانے کیلئے خاص قسم کی غذا بھی دی تھی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ان چاہوں کی آواز بند ہوگئی۔ یہ گونگے ہو گئے لیکن ان کی جسامت بڑھ گئی۔ اور یہ خود کو تو تے گئے۔ اس نے مجھے موزنا فی ایک آن بھی دیا تھا۔ اس آئے میں خاص قسم کا ٹیکسٹل موجود ہے۔ اس ٹیکسٹ کی بدولت جو ہے گھبراہٹ اپنے پیروں میں داپس چل جاتی ہے۔“  
 ”یہ کام لہیر ٹیکسٹ کے تو نہیں ہو سکتا۔ کیا ان چاہوں کو موزن کی بو سے گھبرا کر بزدل میں جلنے کی ٹیکنک دی گئی تھی؟“

”ہاں“ چند نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ تم ٹھیک سمجھتے ہو۔ کالی موت کے ایک خاص آدمی نے ان چاہوں کو زندہ کر دیا تھا۔ اس آدمی کا نام ادوہہ بتا سکتے ہو۔؟“  
 چند ہچکچاہٹے لگا۔ دوا کے ایک بار پھر چاقو کی ٹوک اس کی گردن پر لڑکھادی۔ ٹھیک ہے بتاتا ہوں؟ چند نے لکھلا کر لولا۔ اس کا نام سنوٹش ہے۔ وہ کالی موت کا ایک عیار ہی ہے بہت بوڑھا آدمی ہے لیکن بھگوان کے لئے تم اس کے سامنے

میرا نام مت لینا۔ ورنہ کالی موت مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔“  
 ”کون سے کرو؟“ اور مسکرایا۔ کالی موت تمہاری حالت دیکھ کر تمہیں کوئی سزا نہیں دے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“  
 ”کیا مطلب؟“ چند کے جیسے کارنگ تبدیل ہو گیا۔  
 دوا کے اچانک ایک ٹھونس اس کی پٹنی پر سرید کر دیا۔ عین وقت پر چند نے اپنی گردن پیچھ پٹائی تھی۔ اسی لئے دوا کا ٹھونس اس کے شانے پر پڑا۔ دوا کو اس بزدل سے امید نہیں تھی کہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے ایسی جرحید بھی کر سکتا ہے۔ وہ دوا کے چاقو کی ہر دوا کے بغیر اس سے لپٹ پڑا تھا۔  
 دوا نے خود کو چٹک کر چند کو دھڑکنے کی خوش کی لیکن وہ بلا کی طرح اس سے لپٹ گیا تھا۔ دوا نے اپنے ہاتھ میں دیا ہوا چاقو ایک طرف ڈال دیا اور دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کر ایک زوردار دو ہتھ چند کی کمر پر سرید کر دیا۔ اس ضرب سے چند کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ دوا نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنا ایک گھٹا پوری قوت کے ساتھ اس کے پیٹ میں دے مارا۔ چند راہ کاٹی لیتا ہوا دوا کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سامنے ہی دوا نے تازہ توڑی ٹھونس اس کے جیسے پر سرید کر دیئے۔

”چند زیادہ دیر تک اپنے پیروں پر گھڑا نہیں رہ سکا۔ وہ کسی انوکھی طرح محسوس ہوا اثر پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے گردے ہی دوا نے جلدی سے چاقو اٹھا لیا۔  
 چاقو کو دیکھ کر چند کی حالت خیر ہو گئی۔ اس نے چیخنے کی کوشش کی لیکن دوا نے ایک ٹھونس اس کے جیسے پر سرید کر دی۔ اس ٹھونس نے چند کے گردے کی دانت جھرا دیے۔ اس کے منہ سے خون ابل ابل کر باہر گئے۔ لگا۔ دوا نے چاقو کی ٹوک اس کے پیٹ کے اوپر رکھ دی۔ اس وقت اس کی بے رحمی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔

”نہیں نہیں بھگوان کے لئے مجھے مت مارو۔ چند نے اپنے دونوں ہاتھ خود دیئے۔ بولتے ہوئے اس کے منہ سے خون کے چھینٹے اڑنے لگے تھے۔“  
 ”تمہیں کس نے کہا کہ میں تمہیں مارنے والا ہوں؟“ دوا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ البتہ میں تمہیں ایک ایسی سزا دینی چاہتا ہوں کہ آئندہ سے تم کسی عورت کو برباد کرنے کے قابل نہیں رہو گے۔“

اس سے پہلے کہ چند کچھ اور جبر سکتا دوا نے چاقو کی ٹوک سے ایک لکیر کھینچ دی۔ چند کے کپڑے اوپر سے نیچے تک چھینے

ایک لمحے کا تحمل تھا۔ چاقو ابتر دھار سے چند کو پھینٹنے لے گا۔ نہ کر دیا تھا۔ وہ ہی ذقن کے ہونے بکری کے طرح اچھل رہا تھا۔ خون کے چھینٹوں نے دوا کے ہاتھ اور اس کے کپڑوں کو بھی رنگین کر دیا۔ چند پر پشیمانی طاری ہونے لگی تھی وہ چیختا ہوا تھکا تھکا اس کی پیٹنیوں سے اس کے منہ کو اپنے مضبوط ہاتھ سے منکبہ بٹھا تھا۔ اسی لئے اس کی پیٹنیوں اس کے حلق کی میں گھٹ کر رہ گئی تھیں۔ چند لمحوں بعد دوا سے چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے خون میں مٹی کے ہونے چاقو کو چند کی کمر پر کپڑے سے صاف کیا اور چاقو کو جب میں رکھ لیا۔ وہ کچھ تک چند کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے یہ اطمینان تھا کہ چند کو اگر طبعی املا مسل کی تو وہ زندہ رہ جائے گا۔ اور طبعی املا کے لئے اسے چند کے ان دونوں آدمیوں کی ضرورت تھی جو ابھی تو کڑی میں موجود تھے۔

دوا نے اسی حال میں چھوڑ کر کمر سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اس کے لئے اس نے دہائی راہ اختیار کی جس سے اسے مکان میں داخل ہوا تھا۔ نیلا ابھی تک کارلس برڈ پور کے ساتھ چپکی ہوئی بیٹھی تھی۔

”آؤ نیچے آ جاؤ۔“ دوا نے نیلا کو سہلا دینے کے لئے اپنے ہاتھ لگے بڑھا دیئے۔  
 نیلا کسی بھی طرح دوا کے بازوؤں میں آگئی۔ دوا نے بڑی آہستگی سے اسے کارلس سے اتار کر زمین پر گھڑا کر دیا تھا۔  
 ”ہاں بتاؤ کیا ہوا؟“ نیلا نے دوا کی طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔ ”کیا تم نے اسے مار دیا۔؟“

”نہیں۔ بلکہ ایک ایسی سزا دے دی ہے جسے وہ اگر زندہ رہا تو ساری زندگی یاد رکھے گا۔ میں نے اسے غور توں کو فٹ دیکھنے کے قابل نہیں چھوڑا ہے۔“  
 نیلا کانپ کر رہ گئی۔ دوا کی سزاؤں کی سمجھ میں آگئی تھی۔ دوا کا ہر روپ اس کے لئے بہت خطرناک تھا۔

”اب نہیں ایک کام کرنا ہو گا۔“ دوا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”چند ایک عیاش کو بی ہے۔ اسی لئے اس کے پاس غور توں کی آمدورفت راقی ہوگی۔ ہم دونوں دوا کو دیکھ کے باہر نکلیں گے۔ اس کے بعد تم کبھی دوبارہ گھٹ سے اندر آنا ہار اور رقتی ہوئی آنا تا چند کے دونوں آدمی تمہارے پاس آجائیں۔ تم انہیں یہ بتا سکتی ہو کہ چند نے تمہیں اس وقت بلایا ہے۔“

”کیوں؟ اس سے کیا ہوگا؟“ نیلا نے حیران ہو کر پوچھا۔  
 ”میں اس سزا کے بعد اسے زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ دوا



نئے حجاب دینا اسی لئے تمہیں اس کے پاس بھیج رہا ہوں۔ تاکہ تمہارا جو حصہ وہ دونوں اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس کے بعد اسے اٹھا کر کسی ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گی کیا خیال ہے تم یہ کام کر سکتی ہو گی۔

”کیوں نہیں جو تم چاہتے ہو میں وہی کروں گی۔“

داور نیل کا ساتھ بننے سے ہوئے ایک طرف چل پڑا اس نے یہ پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ اس مکان کے احاطے کی دیواریں ابھی تک نہیں اور بڑی آسانی کے ساتھ ان دیواروں سے اترنا جاسکتا تھا۔ دو دولوں مکان کے عقبی حصے کی دیوار کے پائے آگئے۔ داور نے نیل کو چہار دیواری پر چڑھایا اس کے بعد خود بھی چہار دیواری پر اُگیا۔ پھر پہلے نیل ہی دوسری طرف کو دی گئی نیل کے بعد داور بھی دوسری طرف اُگیا۔ اس کے بعد وہ دونوں تفریقوں سے ایک طرف چل دیئے۔ داور ایک طرف رگ گہا گھٹ اُگیا تھا۔

”اب تم جاؤ، اس نے نیلما سے کہا: میں یہیں کھڑا  
ہوں کہ تمہارا انتظار کر رہا ہوں“

نیلما نے سچہ جی لگا رکھا تھا۔ وہ دیکھا کہ تیز ترین بلی کی طرف بڑھ گئی۔ دادو میں خطرہ رہا تھا۔ اس نے نیلما کو کرٹ کے اندر جاتے ہوئے دیکھا۔ کچھ دیر بعد نیلما اور ان آؤٹل کے کونے کی آواز سنیں۔ انہیں ایک صلیب کا صلیب کی طرح سے وہ نہیں سن سکا تھا کہ وہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ بڑی بے قراری کے ساتھ نیلما کی دلچسپی کا انتظار کرتا رہا۔ نیلما نے دلچسپی میں دھمکناس لگانا شروع کیا۔ وہ غریب اور تکی ہوئی کرٹ سے باہر نکلی۔ اسے آتے دیکھ کر دادو غصے کی اس کی طرف بڑھ آیا۔ ”ہو گیا۔“ نیلما پھولی ہوئی سانسوں سے بولی۔ ”ان آؤٹل نے چند کالہ دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے میں بھاگ آئی۔“

”بس پھر ٹھیک ہے۔ آؤ یہاں سے چل دو“ داور نے کہا۔ ہوش میں آتے ہی دو لوگ تمہیں تلاش کرنا شروع کر دیں گے۔“

وہ دونوں واپسی کے لئے تیز تر اس راستے کی طرف چل دیے جس راستے سے چندسے مہینوں پہلے پہنچے تھے۔ واپسی کا سفر بھی مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ کسی قسم کی کوئی رکاوٹ سامنے نہیں آئی تھی۔ اس کے علاوہ۔ بستی میں بھی مسکون تھا۔ اس بستی کے ایک بدنام شخص ہرگز رنے والی قیامت کا کسی کو بھی علم نہیں ہو سکا تھا۔

”کیا تم کالی مندر کے کسی سنوٹس مانی پجاری سے واقف ہو۔ بگداور نے نیلہ سے پوچھا۔

”ہاں“ نیلا نے اس کی طرف دیکھ کر اپنی گردن ہلادی  
 ”میں اسے جانتی ہوں۔ وہ ایک لٹوٹھا آدمی ہے۔ بہت نیک  
 نہیں اس کا نام کیسے معلوم ہوئے؟“  
 ”اے نیلا! چند کے چہرے میں تو کوئی رنگ دی ہے؟ داور  
 نے بتایا۔ پھر اس نے فخریہ لفظوں میں نیلا کو چند سے ہونے  
 والی ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا۔ نیلا بڑی حیرت سے سنتی  
 رہی تھی۔“

”یہ معاملہ تو سمجھ سے ماہر ہے۔“ اس نے کچھ سوچے ہوئے  
 کہا۔ ”سنوٹوش تو بہت شریف آدمی ہے۔ اس کے علاوہ ہرگز  
 کالی موت ہی کا ہاتھ دکھائی دیتا ہے نہ ملے وہ کیا چاہتا  
 ہے۔“

”یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی جڑیں کالی مندر میں معلوم ہوتی ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس مندر کا ان واقعات سے بہت گہرا تعلق ہے۔“

”ہاں، اب تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیا تم آج رات سنتوش کیس اس بجے جانے کا ارادہ کر رہے ہو۔“ غمگینانہ لہجہ

”نہیں! داور مسکرا دیا۔ آج رات نہیں۔ آج میں بہت تھک چکا ہوں، یہ کام کل کر جائے گا۔“

فیلم اسکرودی، اس کی یہ مسکراہٹ بھی بہت خوبصورت تھی، جیسے بلاس کے بعد آسمان ٹھکرا ہو۔ دواہر کی بات سن کر اسے خوشی ہوئی، زندگی میں پہلی بلاس نے اسے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لئے ایسا محسوس کیا تھا۔ اور شوہر کے ساتھ بھی ٹھنڈا کیا ایسا احساس نہیں تھا۔ جیسا اس اجنبی کے ساتھ تھا۔ گھرا گیا تھا۔ دو دنوں گھر میں آئے یہی اسی طرح خوش رہ کر بیٹ گئی جبکہ داور سہری پر دلزاد ہو گیا تھا۔ اس کی کیفیت بھی اسی طرح نیلما سے مختلف نہیں تھی۔ اس لڑکی کے کرہ پر اسے بہت متاثر کیا تھا۔ اس کی قدرت میں دھوپ چھاؤ کی کیفیت تھی، یہ لڑکی اپنا سب کچھ بار بار نسا دینے کے باوجود بڑی دھلی اور گھر کی بونی معلوم ہوتی تھی، جیسے حالات اس پر شاندار آؤٹ لائٹ اس کے برابر سے گزرتے ہوں۔

کچھ دیر گزرتی کہان دونوں ہمیں سے کسی کو یقین نہیں  
 رہا تھی۔ اس کے کادرچہ خلوت اچانک بڑھ کر ہوتا۔ دایرے  
 کیلکلی کی طرف سے گردن بدل لی۔ پھر آواز دے کہ ایک ہتھکے سے اٹھ  
 بیٹھا۔ اس نے ایک آواز سنی تھی۔ یہ آواز کچھ بہت طعنیاتی لیکن  
 اس کے حس کا کالوں نے اسے وہم میں مبتلا نہیں کیا تھا۔  
 وہ گولی تلنے کی آواز تھی یہ آواز ہمیں دوسرے آئی تھی۔

”کیا بات ہوگی اجنبی؟“ نیلا نے اسے منہ دیکھ کر سوال کیا۔

کہیں سے مونی چلنے کی آواز آنی لگی تھی، داؤر نے جماد بلیا  
 نیلے نے کچھ گھبراہٹ میں کہا، لیکن وہ کہاں چلنے کی آواز سن گئے  
 تھے۔ اس بار یہ آواز سنائی دے رہی تھی، واضح تھیں کہ بالکل قریب معلوم  
 ہوئی تھیں۔ ان آوازوں کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے  
 چلنے چلنے کی آوازیں آنے لگیں تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا  
 تھا جیسے دشمنوں کی بھڑی فوج نے اس راستے پر حملہ کر دیا ہو۔  
 نہیں! ابھی دیکھ کر آواز ہوں ہی داؤر سے مہی سے بچے اٹھا۔  
 نہیں! تم مت جانا، نیلے نے اٹھے، ہر طرح کراس کا ہاتھ  
 پکڑ لیا۔ وہ بہت خوفزدہ معلوم ہو رہی تھی، یہ وہی ہے ہاں  
 بالکل وہی ہے۔

”کیا وہی داور نے ایک جھٹلے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا ہے؟  
 کیا چاہتی ہو۔“

”میں نے تم سے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک میدان ہے۔ رات کے وقت اس میدان سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، یہ وہی آوازیں ہیں۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میں ضرور جاؤں گا تم دروازہ نہ  
سے بند کر لینا“ داو نے اتنا کہہ کر دروازے کی طرف قدم بڑھا  
لیلا اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

مارگ والیں نہیں آیا تھا۔ دلاور نے اس کی خبر لینے کے لئے ہذا استقام کر رکھی تھا کہ ہر ایک گھنٹے کے بعد اندازے مارگ کے بارے میں اطلاع دے رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ مارگ کا پتہ پڑھو کہ گھر میں بڑے سکون سے ہے اور اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا گیا ہے۔ ہندو مسلمان اور جھوٹا کانچکھ بھال کر رہے ہیں۔

دلاور کو اب سومانی کی زیادہ فکر نہیں رہی تھی۔ اس نے  
 مارگ کو سومانی کو لائے کے لئے اس لئے کہا تھا کہ اسے ایک  
 جہاز جہم کے قرب کی ضرورت تھی۔ اس کا تجربہ تھا کہ اگر آبی کو  
 وقفے وقفے سے عرصے کے مختلف حصوں میں محسوس غنا فراہم  
 رہے تو اس کی ترقی اور صحت ہمیشہ برقرار رہتی ہے، اور فصلی  
 ایک ایسی لاکھ تھی جس نے ملنے کے بعد سے کراہنگ اسے  
 بڑھا ہے کی ہولناکی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ دلاور  
 نے اسی لئے مارگ سے کہا تھا کہ دلاور کو اس کے پاس  
 لے آئے۔ اس طرح ایک تو اس کو سومانی کی تربیت حاصل تھی  
 پھر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ سومانی لبرل لائی اس حد تک اس کے  
 فطرتاً سے اس طرح ایک پیٹرن دو کاج والی بات ہو جاتی لیکن  
 اب خیال نے بڑی حد تک سومانی کی ایبوری کر دی تھی۔ اس  
 نے یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ دلاور سے اس کی ملاقات

کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے جو ہادل کی طرح دلاور کی ہجر  
میں، برجیل ہو گئی تھی۔ اس نے اتنے مختصر وقت میں دلاور  
پر اتنی فوری فیس کی تحقیر کو دلاور کو لائی باسماں کی ہر داہیں  
زبان تھی۔ اس کی ہلا سے ان لوگوں نے چاہے اسے دھوکہ  
دیا ہو یا اس کے ساتھ وفاداری کی ہو۔ اس نے ریڈیو میں کل  
دلوں کے لئے مارا کہ، بیچھی ہی دیا تھا۔ اور اسے یقین تھا  
کہ مارا کے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کی وہاں قیادت  
برپا کر دی ہوگی، گو دلوں میں کل ایک ہی ہوئی اور وہ دونوں  
مذہب کے ہتھیار جو گئے تو وہ انہیں لے کر ہی آئے ہوں گے۔

اس لئے جنب آئے نہ اسے اور تاکہ مارا نہ گئی تاکہ  
اپنے اوسے پر نہیں بپنی ہتھا تو بھگیا دلاو کو کو فی خاصہ پستی  
نہیں ہوئی۔ اس کے لئے یہی بہت تھا کہ شہلا جیسی عورت اس  
کے ساتھ تھی اس کے علاوہ اس نے آئندہ وارو دلراج کی مراد  
سے کچھ ہمارا وارو دلراج کیل کو اپنا تھا بایا تھا، اور سب  
سے بڑی بات یہ تھی کہ اس کے پاس ابھی تک بے شمار دولت  
موجود تھی۔ آدنی کی دولت اگر اس کے پاس ہے تو اس کے لئے  
پیرا بچسکی پر نہیں بلکہ نرم ہو کر رانی کی طرح ہو جاتی ہیں۔ اسے  
ابر یا بھر ل کی گجا پر واہ نہیں رہی تھی۔ وہ ان سے کوئی اولیٰ  
دولت کے خدیجے ایک فی تسلیم ہر مانگا تھا۔ اس کے لئے اب  
کوئی مشکل نہیں تھی۔ اس کی دولت اس کے کام آسان کر تھی۔  
آئندہ سے ہوش کے کھٹے میں ہی آکر اسے مانگ کے نہ  
لے کی خبر مرنائی تھی۔

”میں نے ایک آدمی کو اس کے اڈے پر بھیجا تھا باس۔  
آنند نے ہتیا۔“ لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے۔ ایسا لگتا  
ہے جیسے کسی نے چکر میں پھنس گیا ہو۔“

کوئی بات نہیں۔ دواؤں سے سڑکرتے ہوئے کہا: تم لوگ اس کے بچے کو سنبھال کر رکھنا۔ سامان کچھ نہ کچھ ہمارے کام بھی چلے گا۔ اس کے علاوہ تیرا لایک کام ہے کہ تیرا بھائی کسی اچھے سے علاقے میں کوئی بہت بڑی کوٹھی دیکھ کر اسے خرید لے۔ کہاں کہو میں اس کو کچھ کہہ کر تیرا نام چاہتا ہوں۔ اس میں ہندو غلامی ہونا چاہیئے۔

”یہ انتہائی عجیبی ہو جائے گا یاں! آئرنے جواب دیا: میں  
کل ہی اپنے آدمیوں کو اس کام پر لگا دوں گا۔  
اس کے علاوہ ہمیں فوری طور پر ایک جیب وار کچھ کاٹو  
کنائنز ہوتے ہوئے، دلا دینے کہاں ہمیں سلیقے سے کام کرنا ہے۔  
”یہ عجیبی ہو جائے گا یاں۔ اور کوئی نکتہ؟  
”ہاں اب جاؤ۔ دیر لے کر یہ نکتہ کل شام کو پورٹ سے کر  
ادھری آجائے۔“

آنند کے جانے کے بعد دلاور نے کسے کا دروازہ بند کر دیا۔ شیلہ بہتر پہنچی ہوئی رات کی طرح بیٹی ہوئی تھی۔ اس کے جسم سے اٹھنے والی خوشبو دوسرے کمرے میں جھپٹ گئی۔ اس کا اندازہ کیا کہ یہ کمرہ ہاتھ کا آگے بڑھے فتح کر دے گا۔ اس کی اس مملکت میں ہوں جہے دولت اور اقتدار سے پامال کیا جا سکتا ہے۔ اور دلاور کے پاس اس وقت دونوں ہی چیزیں تھیں اسے بھی اس بات کا احساس تھا کہ اس کے ہاتھ میں بیرونی ممالک گرچہ کرشمہ زنی تھی مگر اس کے باوجود شیلہ کو اپنے پاس پرکھنے لگی۔

دوسری صبح شیلہ نے دلاور سے اجازت لی اور اس بوشل سے باہر نکل گئی۔ دلاور نے اس کو بہت سے نوٹ دیے تھے۔ باہر نکل کر شیلہ نے ہاتھ کے اشارے سے ایک ٹیکسی روٹی اور ڈرائیور کو ہدایت کر دی۔ تاکہ کچھ شیشے شست ہر طرف نہ لگی۔ اس وقت وہ بہت ہی خوش دکھائی دے رہی تھی۔

کھڑا گاڑیوں سے کچھ فاصلے پر اس نے ٹیکسی کو روٹی کرایہ ادا کیا اور پیدل چلی۔ کوئی کارڈن کے گہٹ کے پاس آکر کھڑی ہوئی۔ یہاں آتے ہوئے اس نے تائب کا دھواں رکھا تھا۔ اسے وہاں آتے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک طرف سے دلاور بھی اس کے پاس آ گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔

”تمہاری مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ تم ناکام نہیں رہیں۔“

دلاور نے اس سے تشریح آکر کر۔

”ظاہر ہے۔ جو ارادہ کر لیا وہ تو ہر حال میں پورا ہونی چاہیے۔ شیلہ سے جواب دیا۔ ”اس لیے وہ فوجی شخص نے مجھے اپنی ساری کمان سونپ دی۔“

”اب اسے دیکھو۔“ دلاور نے اشارے سے ایک طرف اشارہ کیا۔ وہ وہاں تھی۔ وہاں شیلہ کا وہاں تک آئی ہے۔ بڑی شکلوں سے کھڑے ہوئے۔

”تھاؤ کہاں چھپائی ہے۔“

”اب اتنی بے ڈر کی کس ہو سکتی ہے۔“

”میں تمہاری پابند نہیں ہوں۔ میں جس نے اس سے ہر گز سے مغرور کیا ہے۔“

”اب اسے دیکھو۔“ دلاور نے اشارے سے ایک طرف اشارہ کیا۔

”تم بے وقوف ہو گئی ہو۔ شیلہ نے دلاور سے براہ مستحجابہ کی شخص کو بتاتے سے کیا سے گا۔ پسند نہ لگا۔ ان سے کیا اندیشہ گزرتا ہے۔ کی۔“

”تم خود سوچو۔“ دلاور کی دولت اگرچہ اسنے استعمال میں لے لی تھی تو کتنی اچھا ہو کہ وہ نہیں مٹاؤں کی زندگی پسند نہیں ہے۔ کیا تم نہیں چاہتیں کہ تمہارے پاس بے شمار دولت ہو۔

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”نہیں بتایا تو وہ میرا دشمن ہو جائے گا۔ کیا تم اس کی دشمنی بولنے لگو گے۔“

”یہ بات تو ہے۔“ دلاور نے ایک گھبراہٹ سے سن کر بھڑک کر کہا۔

”اب اس شخص کو بتا دوں گے۔“

”اس شخص کو بتا دوں گے۔“

”اس شخص کو بتا دوں گے۔“

”ہاں۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

”یہ سب کچھ تمہیک ہے۔“

گاڑی میں مولو ہوئے تھے جسے وہ لڑکی زیبا کا نام دے رہی تھی۔ پھر زیبا میں آتے ہی دھوئیں کے دھوئیں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا اور وہ بے ہوش ہو گئے لیکن ہوش ہونے سے پہلے انہوں نے اپنے آنسوؤں کی چھینٹ بھی سنی تھیں۔ یہ آدی زیبا کے باہر تھے۔

ہمارا جہان ہوش میں آنے کے بعد خود کو ایک اجنبی زمین پر پایا تھا جہاں کی ہر چیز اجنبی ہی تھی یہاں کے اصول یہاں کی مشینیں یہاں کے مکانات یہاں کے درخت اور ہلووے سب کچھ مختلف تھے۔ ایسا لگتا جیسے انہیں وہی کسی دوسرے سیارے میں پہنچا دیا گیا ہو۔ ان کے لئے جو کچھ مخصوص کیا گیا تھا اس کی دیوار میں سانس لیتی ہوئی ٹیوس ہوتی تھیں جو پھوٹی آواز نکالتی ہوئی دیوار میں۔ اس کمرے میں ان کی دیواروں کی وجہ سے روشنی تھی۔ روشنی کی ہر سہل ان کوں سے لگتا کہ ان دیواروں کو روشن ہو جاتا۔ باہر جانے کے لئے ان کیسے میں دروازہ لگی بنا ہوا تھا لیکن باہر کی دنیا بہت مختلف تھی۔ یہاں انہیں بہت سے محافظ دکھائی دیے جو کئی کئی جیسے ایکسیلا ہاس سینے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں شارح نما کوئی چیز بھی ہوتی تھی۔

ہمارا جہان کے لئے اس مملکت میں سب سے پہلا دن بہت ہی حیرت انگیز ثابت ہوا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد انہوں نے خود کو ایک کمرے میں دیکھا جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا۔ وہ کچھ درنگ حیرت سے انہیں کھولے ہوئے چاروں طرف دیکھتے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں آئے ہیں۔ ان کا ذہن ماؤف ہوئے لگا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ انہیں سب کچھ یاد آ گیا۔ اور وہ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت وہ ایک بستر پر لیٹے تھے۔ اس بستر کا بیئریل بھی بہت حیرت انگیز تھا انتہائی آرام دہ پھر جب ان کی نگاہ پھوٹی اور سڑکتی ہوئی دیواروں پر پڑی تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔ اس وقت ان دیواروں سے زرد رنگ کی روشنی خارج ہو رہی تھی۔ اور اس روشنی میں اس کمرے کی ہر چیز زندہ دکھائی دے رہی تھی۔ پھر جی لے اس کمرے میں کسی کی آواز گونج گئی۔ وہ آواز بھی روشنی کی طرح دیواروں سے خارج ہوئی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”ہم آپ کو مملکت بے نام میں خوش آمدید کہتے ہیں“

”کون تو تم؟ ہمارا جہان نے دیوار کی طرف گھومے ہوئے پوچھا“

”میں اس مملکت بے نام کا ایک بے نام حیدر لادوں میرا کام آپ جیسے ہماروں کی دیکھ بھال کرنا ہے۔ ان کے

آرام کا خیال رکھنا ہے“

”کیا بکواس ہے تم لوگ مجھے انکار لائے۔ وہ لڑکی کہا ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں“

”آپ نہ جانے کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں۔ اور آپ کی پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ آپ کو ان کو انہیں کیا گیا لیکن ہم آپ کو یہاں جہان بنا کر لائے ہیں“

”میں اس لڑکی کی بات کر رہا ہوں جس نے چمکدار لہراں پہن رکھا تھا اور جس نے اپنا نمبر شاید دو سو دس بتایا تھا جو مجھے اپنی دوستی گاڑی میں دھوکے سے سننے کی تھی اور“

”آپ کو اس قدر ناراض نہیں ہونا چاہئے اسی آواز نے کہا یہ آپ جس لڑکی کی بات کر رہے ہیں اسے فخر دیا گیا ہے کیونکہ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا۔

”کیا مطلب؟ ہمارا جہان نے حیرت سے پوچھا۔ کیا وہ لڑکی مرنے کی تم لوگوں نے اسے مار ڈالا۔“

”ہم لوگ اسے موت نہیں دیتے۔ فنا کئے ہیں۔ وہ لڑکا شینوں سے بنائی تھی تھی۔ تم اسے ایک لمبی لڑکی کہہ سکتے ہو۔ بلکہ رولوت کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نہیں مان سکتا۔ اس کا بچہ تھا۔ وہ ایک لڑکی تھی جیتی جاگتی لڑکی“

”تمہیں نہیں معلوم کہ ہماری جینا ناوی تمہاری جینا ناوی سے کتنی زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ ہماری فیکٹریوں میں اس قسم کے بے شمار رولوت تیار کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے انہیں ایک نمبر دیا جاتا ہے۔ جیسے اس لڑکی کا نمبر دو سو دس تھا۔ ان رولوتس کو ہر قسم کی تربیت دی جاتی ہیں۔ ان کی یادداشت میں مختلف زبانیں محفوظ کر دی جاتی ہیں اور ان میں سے ایک کو ایک مخصوص کام پر درکار دیا جاتا ہے۔ دو سو دس کے ذمے تمہیں زیبا کا رنگ لانے کا کام دیا گیا تھا۔ اس نے اپنا کام مکمل کر لیا۔ اس کی ضرورت ختم ہوئی اسی لئے اسے ختم کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک دوسری رولوت لڑکی تخلیق کی جا گی۔ ہمارے یہاں یہ سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے“

ہمارا جہان سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہیں اس موقع پر کس قسم کے رولوت کا اظہار کرنا چاہیئے۔ انہیں حیرت ہوئی یا افسوس ہو یا وہ غصے میں آجائیں۔ یہ سارا لوگوں کو دھندلانا سمجھ سے باہر تھا۔ کیا واقعی وہ کسی دوسرے سیارے میں پہنچا گئے تھے جہاں کی ہر چیز ان کے لئے اجنبی اور ناگہانی تھی لیکن شخص نے تو اس جہان کو مملکت بے نام کہا تھا۔ یہ کیس نام؟

”تم لوگ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟ ہمارا جہان نے پوچھا“

”ہاں۔ بہت دیر بعد تم نے کام کی ایک بات پوچھی ہے اس آواز نے کہا۔“ وہ تمہیں تو اسی لڑکی کے تذکرے کے علاوہ کسی اور چیز سے کچھ نہیں تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ لڑکیں تمہاری کمزوری ہیں۔ شاید اسی نے تمہاری فطرت کا اندازہ کر کے تمہارے لئے ایک لڑکی بھیجی تھی۔“

”کیا بکواس ہے؟ ہمارا جہان نے جہاڑیاری: ”تم اپنی باتوں سے مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے یہ سب کچھ جھوٹ ہے میں پھر پوچھتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔“

”بھلا لظرو! یہ ہے کہ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا کرتا ہے۔ کوئی چیز بلا وجہ تخلیق نہیں کی گئی۔ حتیٰ کہ غمی ہمارے کام آسکتے ہو۔ اب یہ کام کیا ہو گا؟ تمہیں اند میں ملتا جائے گا۔ فی الحال تو تمہیں اس سے باہر نکل کر یہاں کی سیر کر دو۔ لوگوں کو کام کرتے دیکھو۔ وہ دیکھو کہ تم تمہاری دنیا کے لوگوں سے کتنے آگے ہیں۔ اب جانو کہ تمہیں یہاں وقت پر ہر چیز مل جایا کرے گی۔ کسی چیز کی تکلیف نہیں ہوئی کیونکہ تم کسی زمانے میں ہمارا جہان سے کچھ ہو ستم تمہارے لئے تمہارے شایان شان انتظامات کریں گے“

ہمارا جہان نے جھلکا کر کچھ کہنا چاہا لیکن وہ آواز خاموش ہو گئی اس کے ساتھ ہی کسی کے رنگ بدلتی دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ بدلنے لگیں۔ رنگوں کے بدلنے کے اس عمل میں اب آجی بیلا کوئی تھی۔ جیسے رنگ کھینچ لگے ہوں۔ ہمارا جہان نے باہر جانے کے لئے قدم کئے پڑھایا پھر دروازے کے پاس آ کر مگر گئے انہوں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا۔ اس آواز نے انہیں باہر جانے کی ہدایت کی تھی۔ اور وہ اگر اس کی ہدایت پر باہر چلے جاتے تو یہ ان کی توہین تھی اسی لئے ہمارا جہان نے باہر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دروازے کے پاس سے ہٹ کر آئے

”اچھا وہ کمرے کے وسط میں بیٹھ تھے کہ اس کمرے کی دیواروں پر رنگ پھر تبدیل ہونے لگا۔ اس بار رنگ آتے۔ اہاں کی جگہ ایک ٹوکے کے لئے کمرے میں ابھی پھر وہ رنگ دوسرے رنگ میں تبدیل ہو جاتے۔ ہمارا جہان سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں نے رنگوں کا یہ گورکھ دھندہ کیوں پھیلا رکھا ہے۔ ہر رنگ کس کام آتے ہوں گے۔

پھر سرخ رنگ آیا اور دیواروں پر کمرہ کر دیا گیا۔ یہ رنگ تبدیل نہیں ہوا تھا۔ ہمارا جہان نے محسوس کیا کہ پہلے دیواروں

ہاں! کئی کئی جگہ پھر کئی رنگت تیز ہو کر گہرا لکڑی جھیر ہ لکڑی رنگ سوٹیں بدلنے لگا۔ نہایت آہستہ آہستہ لیکن اس کے بدلنے کا احساس ہوتا رہا تھا۔ ہمارا جہان کو کچھ عجیب سی بے چینی محسوس ہونے لگی تھی۔ ان کی آنکھیں اب سرخ رنگ کو دیکھ نہیں پاری تھیں۔ انہوں نے گہرا کر آنکھیں بند کر لیں لیکن سرخ رنگ کا ایک سیلاب سالانہ آنکھوں میں امانڈا کر رہا تھا۔ ان کے لئے آنکھیں بند رکھنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ لوگوں کو انہوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھولنے کی وہ سرخ رنگ ان کے اعصاب پر مسلط ہونے لگے۔ یہ رنگ جیسے اب دیواروں سے لٹل کر کمرے میں جمع ہونے لگے تھے۔ ان کے چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ ہمارا جہان کوں میں چنگاریاں ہی دوڑنے لگیں۔ پھر یہ چنگاریاں ان کے ذہن پر قرض کرنے لگیں۔

ان کے بدن میں آگ سی لگ گئی۔ انہوں نے ایک چرخ مداری اور دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ ان رنگوں نے ان کو جنونی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ دروازے کے پاس آتے ہی وہ دروازہ ایک جھٹے سے ٹکرا گیا اور وہ دوڑنے ہوئے باہر نکلے۔ باہر آنے کے بعد ان کی رگوں میں دوڑنے والی چنگاریاں سرور ہونے لگیں۔ ان کے اعصاب، ہر جہانے ہوئے رنگ دھیرے دھیرے ختم ہو گئے۔ اب انہیں سکون مل گیا تھا۔ انہوں نے اس آواز کے کہنے پر باہر نہ جانے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ان رنگوں نے انہیں مجبور کر دیا تھا۔ یہ رنگ انہیں دھکیل کر اس کمرے سے باہر لے آئے تھے۔ ہمارا جہان کو اب احساس ہوا کہ ان لوگوں نے رنگوں سے کیا کام کیا۔ یہ رنگ کس کام آتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی ٹیکنالوجی کا کمال تھا کہ وہ رنگوں کی مدد سے کسی بھی شخص کو ہجماں میں مبتلا کر سکتے تھے۔

رنگوں کے عذاب سے نجات حاصل کر لینے کے بعد ہمارا جہان نے اطمینان کی سانس لی۔ اب ان کے حواس بال ہونے لگے اور انہیں بے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس آواز نے انہیں باہر نکلنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دنیا واقعی بہت عجیب تھی ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی اور سیارے پر آ گئے ہوں۔ ایسا لگتا تھا وہاں اس قسم کے اور بہت سے کمرے ایک ترتیب میں بنے ہوئے تھے۔ وہاں عمارتوں کے ڈیزائن بھی بہت مختلف تھے۔ یہ اہرام نما خروقی عمارتیں تھیں جو پتھر سے بنائے گئے تھے۔ جی ہوتی تھیں۔ ان عمارتوں کے درمیان بہت سے لوگ دکھائی دے رہے تھے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ وہاں

لیسی پیشین تھیں جو ابھی تک ہمارا جگہ کے غریبہ میں نہیں آئی تھیں لوگوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے بھی تھے جو اس قسم کے عیسائیوں میں تھے جیسا کہ ہمارا جس نے اس دو سو دس تیرہ واٹی لڑکی کے جسم پر دیکھا۔ ہمارا جگہ کی تھیں نہیں آ رہا تھا کہ یہ روٹوں میں یا کوئی غلامی انسان کیسوی اس آواز نے انہیں روٹوں قرار دیا تھا لیکن وہ بالکل انسانوں جیسے معلوم ہوتے تھے "ہمارا جگہ کی ہے" اچانک کسی کی آواز نے ہمارا جگہ کو کھینچا ہمارا جگہ نے آواز دینے والے کی طرف دیکھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا جس کے بدن پر سولے لنگوٹ کے اور کچھ کچھ تھیں تھا اس کے بال بے ترتیب ہوتے تھے اور جسم پر سلی کی کوئی تہری نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کوئی بھکاری ہو۔ جو جیگہ سائلے سائلے ہمارا جگہ کی طرف چلا آیا ہو۔

"کون ہو تم؟" ہمارا جگہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ ایسے خستہ حال آدمی کو دیکھ کر ان کا موڈ خراب ہو گیا تھا "میں آپ کا درباری ہوں ہمارا جگہ! اس آدمی نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "آپ، ہمارے ان ذاتی نامی، ہمارے مالک بھی جیسا ہے اوتار بھی" "کیا اس بزرگ کو ہمارا جگہ غصے سے دبا رہے؟" بھاگ جاؤ یہاں سے۔

"لیکن وہ خستہ حال آدمی بھاگ جانے کی بجائے زور زور سے چلائے لگا۔ "ہمارا جگہ کی ہے۔ ہمارا جگہ کی ہے" اس کے نوحے سن کر اسی جیسے کچھ اور خستہ حال جگہ ہمارا جگہ چاروں طرف جمع ہو گئے۔ وہ سب ہی کچھ بھاگ بھاگ کر ہمارا جگہ کے لئے نوحے لگا رہے تھے۔ ہمارا جگہ آف نہ کر رہے تھے ایسی بے مروتی ایسی غفلت کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ ان کا دل چاہا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ انہیں درباری بھی ملے تو ایسے جو کچھ کاروں سے بدتر تھے۔

ہمارا جگہ نے ان خستہ حال لوگوں کے دائرے سے لپٹنے کی کوشش کی۔ لیکن انہوں نے چاروں طرف سے ہمارا جگہ کو انڈر میں گھیر لیا کہ ان کے لپٹنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ وہ ہنسی مکتیہ کی طرح ہمارا جگہ سے لپٹتے ہوئے ہمارا جگہ نے اب خود بھی کچھ نہ بھاگ کر چمک رہا اس والوں کو اپنی مدد کے لئے بلانے شروع کر دیا لیکن کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔

پھر ہمارا جگہ کی جینیں اس وقت ٹھٹھٹ گئیں جب ان خستہ حال لوگوں نے اچانک ہمارا جگہ کو اٹھا کر ایک چارپائی پر ڈال دیا۔ ہمارا جگہ خود ایک طاقت ور آدمی تھا لیکن اسنے آدھوں کے

سامنے ان کا سر نہیں چل رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوگ یہ چارپائی پہلے سے لے کر گئے تھے۔ یہ سب کچھ بڑی بھی سراسر معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن ہمارا جگہ ان لوگوں کا کچھ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

چارپائی پر بیٹھنے کے بعد چارپائیوں نے چارپائی اٹھائی اور جیسے جیسے کارٹے ہوئے ایک طرف لے چلے چارپائی کے ساتھ ساتھ خستہ حال لوگوں کا بلور جاؤں چل رہا تھا ہمارا جگہ کی تھیں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کہاں کہیں۔ ان بدترین قسم کے لوگوں نے انہیں بھلا میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ خستہ خستہ کران لوگوں کو بڑا بھلا کچھ اور گالیاں دیتے تھے۔ ایسی حرکت ان کی شان کے خلاف تھی۔ لیکن ان پر زندگی کی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

وہ لوگ چارپائی اٹھاتے ہوئے ایک ٹیلے کے پاس پہنچ گئے۔ پھر اس چارپائی کو ٹیلے پر رکھ دیا گیا۔ اور وہ خستہ حال والے لوگ رقص کے انداز میں چاروں طرف گھومنے لگے۔ وہ اس دوران ہمارا جگہ کے لئے نوحے بھی لگاتے جا رہے تھے۔ وہاں ان کے علاوہ اور بھی لوگ تھے۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ ہمارا جگہ کی حالت پر افسوس کرتے وہ لوگ ایک لگا ہوا ہمارا جگہ کی طرف ڈالنے پھرے پھرے مصروف ہوئے چمکیلے لباس والوں کو بھی ہمارا جگہ کی حالت سے کوئی دلچسپی نہ تھی جتنے جتنے ہمارا جگہ کی آواز بیدار تھی۔ زندگی میں پہلی بار ہمارا جگہ نے اپنے غریبہ کی زندگی کی تھی۔ وہ جب بھی چارپائی سے اٹھنے کی کوشش کرتے ان میں سے کوئی ان سے لپٹ پڑتا۔ انہیں دھکیل کر دوبارہ چارپائی پر گر دیا جاتا اور وہ گالیاں دیتے ہوئے دوبارہ چارپائی پر لڑھک جاتے۔

ن جانے یہ کس کس وقت تک چلتا رہتا لیکن اچانک چمکیلے وردہ لوگوں والے کچھ لوگ اس ٹیلے کے پاس آئے۔ خستہ حال لوگوں نے ان کی فطرت کو دیکھ کر لچکنا کھنکنا کر بڑبڑا کر دیا دیر کے بعد پہلی بار ہمارا جگہ کو لوگوں محسوس ہوا تھا۔ ان کی حالت میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک ڈسک تھی جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔

"بھگوان کے لئے بھئی ان لوگوں سے بچو ہمارا جگہ نے ان لوگوں کے پاس آ کر اپنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"کیوں۔ یہ لوگ تمہیں تنگ کر رہے ہیں کیا؟ ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "بہت زیادہ۔ میں خود پاگل ہو جاؤں گا۔ بڑبڑا۔ یہ تو۔

کہا جانتے ہیں۔ مجھے کہاں لکر چھوڑ دیا گیا ہے میں؟" "خبر تو نہیں سامعین تمہاری پریشانی کا احساس ہے؟" دوسرے نے کہا "آئیے یہ تم تمہارے لئے کھانا لے کر آئے ہیں۔ لو کھاؤ۔"

اس نے اس آدمی کی طرف اشارہ کیا جو اپنے ہاتھ میں نم سے لے کر آیا تھا۔ وہ ڈسک ہمارا جگہ کی طرف بڑھادی گئی۔ ہمارا جگہ نے اس وقت اپنی حیثیت فراخ کردی تھی یہ پناہ بھوکہ لے انہیں یہ احساس دلایا تھا کہ ہیٹ حالت تو کھانے دیکھا کرتا۔ وہ صرف اپنی ضرورت سامنے رکھتا ہے۔ ہمارا جگہ نے جلدی سے وہ ڈسک اس آدمی کے ہاتھ سے لے لی پھر ڈسک کے برتنوں پر نظر پڑتے ہی ان کی آنکھوں میں آنسو آئے ان کے ساتھ بہت ہی عجیب مذاق کہا گیا تھا۔ اس ڈسک کے ایک برتن میں کچھ پتھر رکھے ہوئے تھے۔ جب ایک پہلے میں صرف پانی تھا۔ گویا ان سے یہ کہا گیا تھا کہ وہ اگر کھا سکتے ہیں تو ان پتھروں کو کھانے بھوک کر کھا لیں۔

ہمارا جگہ نے بھلا کر وہ ڈسک ایک طرف پھینک دی۔ ان کے پاس آنے والے حوالہ دو دوسرے لوگ زور زور سے غصے لگاتے لگے۔ پھر ہمارا جگہ نے ان لوگوں پر ننگا دھانی اور اپنے کین کی طرف دوڑنا لگا دی۔ دوسرے لوگوں نے اس باران کا ناقہ نہیں لیا تھا البتہ ان کے ہنسنے کی آوازیں بہت دور تک ہمارا جگہ کا ناقہ قریبی رہی تھیں۔ اپنے کین کے پاس آ کر ہمارا جگہ ٹھک گئے۔ انہوں نے وہ موجود آدھوں کی بجائے ایک الہا چورہ دیکھا تھا۔ ہمارا جگہ نے اسے شام کا تھا۔ وہ چہرہ ان کے تجربے دوست رائے پر لٹکا تھا۔

رائے پر شادی کی حالت بھی ان خستہ حال لوگوں سے کسی طرح مختلف نہیں تھی جو ہمارا جگہ کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ لباس کے نام پر رائے صاحب کے بدن پر جو پتھرے جھول رہے تھے ان کی شبیہ برقی ہوئی تھی اور بال اس طرح لپٹے ہوئے تھے جیسے بھاریاں آپس میں پھنس کر رہ جائیں۔

رائے صاحب نے بھی ہمارا جگہ کو دیکھ لیا۔ وہ بھی ہمارا جگہ کو دیکھ کر لپٹتے ہی حیران ہوئے جتنی حیران ہمارا جگہ کو کبھی پھر رائے صاحب نے تابی سے ہمارا جگہ کی طرف دوڑ پڑے کچھ بعد وہ دونوں ایک دوسرے کے بارودوں میں مٹ گئے تھے۔

دو بے نیل کے گھر سے لڑکر دوڑنا شروع کر دیا اس نے چلتے ہوئے اپنا پستول بھی لے لیا تھا۔

"چنگ دیکھا ابھی تک جاری تھی۔ گولیاں چلنے کی آواز سنائی دے شہر میں گونج رہی تھیں لیکن ڈاور کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ پستی کے کسی مکان کا دروازہ نہیں کھلتا تھا۔ کوئی ٹھکری وا نہیں ہوا تو کئی کئی نے باہر نکل کر نہیں دیکھا تھا۔ صرف ڈاور اکیلا دوڑا چلا جا رہا تھا۔ شاید اس پستی کے لوگوں نے ان آوازیں ہمہ جہان دینا بند کر دیا تھا۔ باوجود اس حد تک خوفزدہ ہونے کے حقیقت معلوم کرنے کی بجائے اپنے اپنے گھر میں بند رہا کرتے دج کچھ بھی ہو۔ اس پستی میں سنا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر صرف کتے بھوک رہے تھے۔ جبکہ انسانوں نے چپ سا دھڑکی تھی۔

داؤد کے لئے اس میدان تک پہنچنا دشوار نہیں ہوا تھا۔ ان آوازوں نے اس کی حسیں کر دی تھی۔ میدان میں پہنچ کر اسے یوں محسوس ہوا جیسے یہ جو اس کے اعصاب کو تڑا رہے رکھ رہے گا۔ یہ آوازیں ہر طرف سے گونج رہی تھیں۔ محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ اگر کمزور دل کا ہوتا تو شاید اب تک وہاں سے ہٹا ہوتا لیکن اس نے اس رائے سے بدوہ اٹھانے کا اختیار کر لیا تھا۔ اس بے پناہ شور کے علاوہ اس میدان میں اور کچھ بھی نہیں تھا۔ دور دور تک سولے دیوار کے (وہ کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔) اس دوران میدان میں کوئی بھی ہوئی آوازیں واقعی بہت دھندلی تھیں پھر اچانک اسے احساس ہوا جیسے ان آوازوں میں کوئی نوکوی گڑبڑ ہے۔ کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ یہ آوازیں اسے مصنوعی کلام ہو رہی تھیں جیسے شیشیں شور کر رہی ہوں۔ شیشیوں کا خیال آئے تو یہ بڑی طرح ہلکا ہلکا پڑا۔ یہ آوازیں شیشیوں کی کی جوتی تھیں۔

وہ اسی جگہ ٹھنکوں کے بل بیٹھ گیا پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھنے لگا۔ میدان کے چاروں طرف چھوٹی چھوٹی بھاریاں تھیں جبکہ درمیان والا حصہ بالکل صاف تھا۔ یہ انسانی ہاتھوں کی کارستانی معلوم ہوئی تھی۔ وہ ٹھنکوں کے بل آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ وہ آوازیں ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھیں۔ لیکن ڈاور کی حد تک ان کی حقیقت سمجھ چکا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلا رکھے تھے۔ اور انہوں کی طرح زمین کو ٹھونکا تو آگے چلا۔ آہستہ آہستہ پھر اچانک اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔ اسے جس چیز کی تلاش تھی وہ اسے مل گئی تھی۔

وہ ایک تاریک تار تھا جو زمین کے ساتھ ساتھ کسی طرف چلا گیا تھا۔ ڈاور اس تار کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک بھاری کے درمیان اسے دوسری بھاری دکھائی دے گئی جو اس تار سے منسلک تھی۔ وہ ایک بڑا سا اسپیکر تھا۔ اور ڈاور کی

یہ امر ایسا ہی سپیکر سے نشر ہو رہی تھیں۔ اس سپیکر سے لکھ کر وہ تار پھر آئے کی طرف چلا گیا تھا۔ داور پھر اس تار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہوا۔ کچھ فاصلے پر ایک دوسری بھڑائی کے درمیان ایک دوسرا سپیکر چھپایا گیا تھا۔

داور نے اس میدان کا بلور چکر لگایا۔ مقبوضے مقبوضے فاصلے سے اسپیکر بھڑائیوں کے درمیان رگہ رگہ جیتے گئے تھے۔ بھڑائی سے گزریاں پہلنے اور لوگوں کے پیچھے پکڑی آؤڑیں سنائی دے رہی تھیں۔ داور کے ذہن میں ان آؤڑوں کے متعلق جو خیال پیدا ہوا تھا وہ درست ثابت ہوا۔ ان آؤڑوں کے ذریعے بستی والوں کو اس میدان سے دور رکھا جاتا تھا۔ جو سکن تھا کہ پہلے یہاں پہرے بھی لگائے جاتے ہوں تاکہ جب کوئی اس میدان کی طرف آئے تو اس کا ہتھ پتہ نام کر دیا جائے۔ شروع شروع میں دو تین آدمیوں کو ہالنگ بھی کر دیا گیا ہوا گا۔ پھر اس کے بعد لوگوں کے دلوں میں اس میدان کی دہشت پیدا ہو گئی اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر اس طرف آنا چھوڑ دیا۔ ان آؤڑوں کو پکڑ کر لے جانے اب مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ اس لئے میدان میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن ان آؤڑوں کا کیا مقصد تھا۔ اتنا جھگٹ کیوں پھیلا رہا تھا۔

داور کو اب اس ٹیپ ریکارڈر کی تلاش تھی، جس کے ذریعے یہ آؤڑیں میدان میں نشر کی جاتی تھیں۔ جو سکن تھا کہ اس ٹیپ ریکارڈر کے پاس کوئی موجود ہوا اور اس پر قادیان لگا کر سے بہت کچھ اگلا سکن تھا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر کو تلاش کرنے کے لئے اپنی جلد چمک تیز کر دی وہ کھنڈوں کے بل بیٹھا کر ایک طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اسپیکروں میں لگائے جانے والے تار ایسی طرف سے آ رہے تھے کچھ دور کے بعد اسے ٹیپ ریکارڈر بھی مل گیا۔

وہ ٹیپ ریکارڈر بھی ایک بھڑائی کے پاس رکھا ہوا تھا۔ لیکن اس کے ارد گرد کوئی نہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اہلانا جیسے کیسٹ لگا کر وہ لوگ مطمئن ہو گئے ہوں۔ انہوں نے کسی بھی جگہ نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ شاید انہیں اپنی دایوں سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

داور اس ٹیپ ریکارڈر سے کچھ فاصلے پر گھٹات لگا کر بیٹھ گیا۔ کیسٹ ختم ہونے کے بعد اسے تہہ میل کرنے یا بدلنے کے لئے کسی نہ کسی کو اس طرف آنا ہی تھا۔ یا میدان میں بکھرے ہوئے اس جھگٹ کو سینے کے لئے کوئی نہ کوئی ضرور آتا۔ آں

وقت لے سے قائم رہیں کیا جا سکتا تھا۔ فی الحال تو داور صرف انتظار کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد ان آؤڑوں کے درمیان ایک اور آواز کا اضافہ ہو گیا۔ یہ آواز لوگوں اور انسانی کچھوں کی آؤڑوں سے بالکل مختلف تھی۔ یہ آواز میدان کے وسط سے آ رہی تھی۔ لوگوں نے اپنی نگاہیں جمادیں۔ میدان کے وسط میں کچھ لوگ کھڑے ہوئے دکھائی دے گئے۔ اور ان لوگوں کے سروں پر ایک ایسی کا پڑنڈا لارہا تھا۔ داور نے جو آواز دی وہ اس پہلی کا پڑی تھی۔ لیکن کا پڑنے سے میدان کا ایک چکر لگا ادا ہوا۔ اس میدان کے وسط میں اتر گیا۔ کچھ کھڑے ہوئے آدمیوں نے ناچ جلا کر پلانٹ کی رہنمائی بھی کی تھی۔

ٹیپ ریکارڈر کی طرف سے دھیان ہٹا کر داور نے میدان کے وسط کی طرف ریگنٹا شروع کر دیا۔ وہ اس ڈرل سے کو قبضہ سے دیکھنا چاہتا تھا۔ پہلی کا پڑنے کے اترنے کے بعد میدان میں کھڑے ہوئے لوگ اس کے پاس آ گئے تھے۔ ٹیپ ریکارڈر کی تلاش کے چکر میں داور یہ بھی نہیں دیکھ سکا تھا کہ یہ لوگ میدان میں کس طرف سے آئے تھے۔

وہ ریگنٹا ہلان لوگوں سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رک گیا۔ پہلی کا پڑنے کے ارد گرد تقریباً چھ سات آدمی کھڑے تھے۔ اور یہ تار کی بات یہ تھی کہ وہ سب ہی بالکل خاموش تھے۔ جبکہ انہیں ابھی طرح معلوم ہو کر ان کی ذہن داریاں کھینچیں۔ اگر وہ انہیں میں باتیں کر رہے ہوتے تو داور ان کی باتیں سن کر ان کے بارے میں کوئی نتیجہ اخذ کر سکتا تھا۔ لیکن وہ بالکل خاموش تھا۔ پھر داور کے دیکھنے دیکھتے وہ لوگ پہلی کا پڑ میں داخل ہو گئے۔ پہلی کا پڑ کے پیچھے لے ایک بار پھر گوش شروع کر دی۔ لیکن کتنے آؤڑ میدان میں گونجنے لگی۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ پہلی کا پڑ پر وڑ گیا۔ داور بڑی بے بسی سے اترے ہوئے پہلی کا پڑ کو دیکھتا رہا تھا۔

اب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اس میدان میں لوگوں کو دور رکھنے کے لئے اتنا شور کیوں پیدا کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ پہلی کا پڑ کی آواز چھپانے کے لئے اس قسم کی دہشت ناک آؤڑیں بھیج کر کے ذریعے نشر کر رہے تھے۔ لیکن صرف پہلی کا پڑ کی آواز کے لئے اتنے شور کیا ضرورت تھی۔

داور نے اب ٹیپ ریکارڈر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔ اسے اٹھانے کے لئے کسی نہ کسی کو آواز دینی پڑی۔ پھر ایک داور کو محسوس ہوا جیسے غلام میں ملحق ہو گیا۔ سو شور مچا کر آؤڑیں

ایک ختم ہو گئیں۔ اور میدان میں ایسی خاموشی مچ گئی تھی۔ وہ بھی دوسرے سراپے پر چلا آیا ہو۔ ایک چکر چلا جانے والی اس خاموشی نے اسے حلق کر دیا تھا۔ کم از کم اسے یہی احساس ہوا جیسے اس کے سروں کے نیچے سے زمین نکال دی گئی ہو۔ ان لوگوں کا کام ختم ہو گیا تھا۔ پہلی کا پڑ کچھ آدمیوں کو بے پرواہی چاچا تھا۔ انہی نے ٹیپ ریکارڈر کی ضرورت بھی ختم ہو گئی تھی۔ داور جب اس خاموشی کے حقدار سے باہر نکلا تو اس نے تیز قدموں سے اس طرف چلنا شروع کر دیا جس طرف وہ ٹیپ ریکارڈر چھپایا گیا تھا۔ اسی وہ اس مقام سے کچھ فاصلے پر تھا کہ اس میدان میں ایک دوسری آواز گونج اٹھی۔ یہ ایک فائرنگی آواز تھی جو خاموشی کی دیوار کو چیرتی ہوئی نہ جانے کتنی دھڑک چلی تھی۔

داور نے اپنی جہت کے تحت فوری ایک طرف چھلانگ لگا دی۔ لیکن وہ گولی اس پر نہیں چلائی تھی۔ گولی کی آواز کے ساتھ ہی ایک انسانی چیخ بھی سنائی دی تھی۔ اور یہ دونوں آوازیں مصنوعی نہیں تھیں۔ یہی انہیں کسی ٹیپ ریکارڈر سے نشر نہیں کیا گیا تھا۔ جبکہ وہ دونوں آوازیں حقیقی تھیں اور اس ٹیپ ریکارڈر کے پاس سے آئی تھیں جیسے داور چھوڑ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک فریوٹ لیا۔ تاہم پھر اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہی کہ وہ کھڑا ہوا اور اس نے ٹیپ ریکارڈر کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن وہ دیر سے پہنچا تھا۔ گولی چلانے والا ایک عدد تلاش کا چھوڑ کر چاچا تھا۔ وہ تلاش ٹیپ ریکارڈر کے پاس ہی پڑی تھی اور اس کے سینے پر عین دل کے مقام سے خون آبل ابل کر چاروں طرف پھیلتا جا رہا تھا۔

سیوریم ہن ہونے میں ٹھوڑی دیر تھی کہ وہ دھن ہویم کے گیت پہنچ گئے۔

یہاں تک آئے میں انہوں نے بہت احتیاط سے کام لیا تھا۔ اہل انہیں اطمینان تھا کہ ان کا تعاقب نہیں کیا گیا ہے۔ تعاقب کا یہ خطرہ انہیں سواری کی طرف سے تھا۔ سواری کی کے علاوہ اور کسی کو نہیں معلوم تھا کہ ان دونوں نے کون سے راز کا بھید پالنا ہے۔ مگر انہوں نے ابھی سواری کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن ممکن تھا کہ سواری نے ان کا ہاتھ پر لیٹن کی زمین کیا ہو۔ وہ خود بھی بہت جاناگ آدمی تھا۔ وہ داور اس کے چیلے مل کر نہ جانے کتنے لوگوں کو بے وقوف بنا رکھا تھا۔

داور نے آگے بڑھ کر اپنے اوشیلانے کے دو ٹکٹ



کر سکتے تھے۔ ذرا سی حماقت ان کے منصوبے کو ناکام بنا سکتی تھی  
میوزیم کے بند ہونے کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس گھنٹی کی آواز  
کے ساتھ ہی محافضوں نے بلند آواز میں ہلکار بکارت کو قوت ختم  
ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس اعلان کو سن کر میوزیم کے مختلف کمروں  
میں بھیلے ہوئے لوگ سٹھ سٹھ کر جلدی جلدی اوداؤں کا نگاہ  
ڈالتے ہوئے ٹیٹ کی طرف بھاگنے لگے۔ یہ دونوں بھی جمع کے ساتھ  
ساتھ چل رہے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی رفتار بہت سست  
رکھی تھی۔ انہیں موقع ہی تلاش تھی۔ کچھ دور چلنے کے بعد انہیں  
ایک موقع مل گیا۔

درمیان میں ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جو شاید اس میوزیم  
کے کسی دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ وہ دونوں غیر محسوس  
طور پر اس کمرے میں رینگ گئے۔ جہاں میز اور کرسیاں رکھی  
ہوئی تھیں۔ دروازے کے ٹھٹھا کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک مینے کے پیچے  
لے آیا۔ وہ دونوں بڑی بھرتی سے مینے کے پیچھے چھپ گئے۔  
کمرے سے باہر لوگوں کے قدموں کی آوازیں گونج نکلتی تھیں  
میوزیم کے نگراں سٹہیاں بجاتے بھڑکے رہتے تھے۔ ان دونوں  
کے دل بہت بڑی طرح دھڑک رہے تھے۔ کسی بھی نے کوئی اک  
کمرے کی طرف آسکتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ دونوں بڑی طرح  
بچھس سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اس کمرے کا دروازہ بھی بند کیا  
جاسکتا تھا۔ لیکن یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان دونوں میں سے  
کچھ بھی نہیں ہوتا۔ نہ کوئی نے اس کمرے میں آنے کی ہمت گھڑا  
کی اور نہ ہی اس کمرے کا دروازہ بند کیا گیا۔ رفت رفت باہر گونجنے  
والی آوازیں بھی ختم ہو گئی۔ اب اس میوزیم میں بالکل سناٹا تھا۔  
”کہیں اس جگہ سے پاس کسی قسم کا ایگزیکٹو سٹن ہو؟“  
ٹھیلانے فخر ظاہر کیا۔

”ابھی انہیں ہوسکتا ہے دروازے کے جواب دیا۔ تنہا بڑے مجھے  
کے لئے اس قسم کے انتقامات نہیں کئے جاتے۔ اس قسم کے  
انتقامات غصوں وغیرہ کے لئے ہوتے ہیں۔ وہ جتنے کا کھانا کھانے  
لے جاتے گا۔“  
اس کے بعد وہ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ ان کے دل  
کی دھڑکنیں اگلے دالے طے کے خیال سے بہت تیز ہوتی جا رہی  
تھیں۔ انہوں نے اپنی جہم کا پہلا حوصلہ کر لیا تھا۔ اب انہیں  
اس جگہ سے دولت نکال کر دوبارہ اسی کمرے میں آکر چھپ جانا  
تھا۔ وہ رات کے وقت میوزیم سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں  
لے سکتے تھے۔ ان کا منصوبہ یہی تھا کہ صبح جب میوزیم کھلنے کے  
لئے لوگ ہاں میں آج ہوں گے تو وہ اس کمرے سے نکل کر لوگوں

کی بھڑ میں شامل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ان کے لئے  
کوئی دشواری نہیں ہوگی۔  
”ہم کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھے رہیں گے۔ بے ٹھیلانے  
کچھ دیر بعد سوال کیا۔“

”مگر انہیں ایک ٹھٹھا اور دروازے کے جواب دیا۔ جہاں اتنا  
صبر کیا ہے وہاں ٹھٹھا اور دروازے کا صبر کیا ہے۔ ہم کو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔  
ایک گھنٹے کے بعد وہ دونوں بڑے قوت امانت میں  
چلتے ہوئے اس کمرے سے باہر گئے۔ ہال بالکل ویلن پڑ  
تھا۔ کوئی حاذق بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس ہال میں  
روشنی کے لئے صرف دو خوب لائٹ لگائے گئے تھے۔ اس  
کی وجہ یہ تھی کہ رات کے وقت یہ میوزیم بند رہتا تھا۔ اسی  
لئے زیادہ روشنی کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ اس کے  
باوجود اس ہال میں کم از کم اتنی روشنی موجود تھی کہ دور دراز تک  
کی چیزیں آسانی سے دیکھی جاسکتی تھیں۔

وہ دونوں اس جگہ سے پاس آئے۔ اس وقت انہیں  
ابھی محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ کا یہ جھمکا انہیں سرزنش کر رہا  
ہو۔ وہ دونوں جلدی سے جگہ سے جگہ کی طرف آئے۔  
پہاں آنے کے بعد ان کی باتوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا تھا  
ان کے دل اب اور بھی زور زد سے دھڑکنے لگے تھے۔  
”چلو ٹھیلانے کو اور دروازے کے ٹھٹھا سے کہا۔“

ٹھیلانے اپنے پیس سے سیلو فون کا ایک ٹھٹھا نکال  
لیا۔ یہ ٹھٹھا ہندوستان کے ہر س میں رکھا گیا تھا۔ ٹھیلانے  
وہ ٹھٹھا دروازے کی طرف بڑھا دیا۔ دروازے نے اپنا کانٹھا بولا  
ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اور اس کو کھینچ کر رکھ دیا۔ جس کو دبا  
کے بعد اس جگہ میں غلاموں کا ہوسکتا تھا جس کے اندر دلالت  
نے اپنی دولت چھپا کر رکھی تھی۔

اس نے اپنی آنکھیں بند کر کے اس پتھر کو دبا دیا۔ ایک  
ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور دوسرے ہی لمحے وہ غلاموں کا دروازہ  
اس غلام کے غور سے ہونے ہی دروازے جلدی سے پیچھے  
ہٹ گیا۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ اسے خود پر  
قانون پانا مشکل ہو گیا تھا۔  
”تم بہت جذباتی ہو رہے ہو۔ دروازے کے ٹھٹھا نے کہا۔ تم  
ایک طرف ہٹ جاؤ۔ میں نکال لیتی ہوں۔“  
”ٹھٹھا ہے۔ تم ہی نکال لو۔ دروازے نے ایک گہری سانس  
لی۔ میرے تو ہاتھ پاؤں کی قلابیں نہیں ہیں۔“  
ٹھیلانے اس غلام میں اپنا ہاتھ داخل کر دیا۔ وہ کچھ دیر تک

اس ہاتھ کو ادھر ادھر گھمائی رہی پھر چونک کر پیچھے ہٹ آئی۔  
اس کے چہرے کی رنگت تبدیل ہوئی تھی۔ اور اس کے ہونٹ  
دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔ پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے  
اپنی سرنگھلاؤں سے ہاتھ نکال کر اس کی ہاتھوں کی طرف بڑھ گئی۔  
”کہا ہوا ٹھٹھا۔“ دروازے نے بولا۔ کچھ دیر بعد  
کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ دلاہٹے جھوٹ بولا  
تھا۔ اس جگہ کے اندر کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ بالکل خالی ہے۔

وہ دونوں رخصت ہوئے اس تہ خانے میں آئے۔  
مارگ اب بالکل نکال ہوا تھا۔ اس کے اندر کھڑے  
ہونے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ زنگولے نے بہت آسانی کے ساتھ  
اسے زنگولہ رکھ دیا تھا۔ تہ خانے کے فرش پر وہ اس طرح ٹپ  
گیا جیسے اس کے بدن سے جان نکل گئی ہو۔ بہتر فائدہ زنگولہ  
کے لئے لگا جانی تھا۔ ان دونوں کے تہ خانے میں گرتے ہی  
اس کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ زنگولہ مارگ کو پھونک کر کھڑا ہو گیا۔ اسے  
مارگ کی طرف سے اطمینان تھا۔ وہ اب مقابلہ کرنے کی پوزیشن  
میں نہیں تھا۔

مارگ نے اس تہ خانے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ ایک  
چونا سا تہ خانہ تھا جس میں لکڑی کی پٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ  
پٹیاں اوپر سے نیچے لگی ہوئی تھیں۔ زنگولہ نے ایک پٹی کو کھول کر  
دیکھا۔ جہت سے اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اس پٹی میں اسے  
رکھ ہوئے تھے۔ اس نے جلدی جلدی دو چار پٹیاں دیکھ کر بالیں  
ہر ایک میں اسے کچھ بھی نہیں گھبراہٹ ہوئی۔ اس میں کارٹون کسی  
میں بندو نہیں۔ زنگولہ نے آٹھوں کا بڑا ذخیرہ اس سے سینے بھی  
نہیں دیکھا تھا۔ ہوسکتا تھا کہ اس سٹیل کے ریلز میں کارٹون کو بھی  
کوئی علم ہو۔ کم از کم زنگولہ کے علم میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔  
اگر لوگوں کے یہ ذخیرے ریلز میں کارٹون کے علم میں ہوتے تو  
سومالی یا بونڈھالی اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔ پھر ایک ہی بات  
مجھ میں آئی تھی کہ یہ اس کے دلاہٹے رکھے تھے۔ اسی نے جمع  
کئے تھے۔ اور وہ اتنا گہرا آدمی ثابت ہوا کہ اس نے کبھی ہونٹ  
ٹٹے نہیں دی تھی۔

زنگولہ کو تو جہ مارگ کی طرف مبذول ہوئی۔ وہ اب کھلا  
کے فرش سے پیچھا گیا تھا۔ لیکن اس میں شاید کچھ ہونے کی  
گنجائش نہیں رہی تھی۔ اسی نے وہ پیٹھا اور بڑی خاموشی سے  
زنگولہ کی طرف سے پس لگا ہوں سے دیکھتا رہا۔ زنگولہ جلدی  
سے اس کے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔  
”کہا کچھ بھی مقابلہ کرنے کی ہمت ہے تم میں۔“ زنگولہ  
نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جھگڑانے کے لئے ان دونوں کو معاملے حوالے کر دو۔“  
مارگ نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ”میں تمہارا بہت احسان مانوں  
گا۔ دروازے میں تباہ ہو جاؤں گا۔“  
”تباہی سے بچنے کے لئے کسی پر حملہ نہیں کیا جاتا۔“  
لے کہا۔ اس کے علاوہ میں یہ نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں  
ہوں گے۔ تم نے جس وقت اپنے آدھوں کے ساتھ میرے  
حملہ کیا تھا۔ وہ دونوں جہاں سے نکل گئے تھے۔ لیکن میری  
سمجھ میں نہیں آتا کہ تم ان دونوں کو کوئی شرت کے ساتھ کون  
حاصل کرنا چاہتے ہو۔“

”اپنے پیٹھے کے لئے مارگ کی آنکھوں میں آنسو آئے۔  
”میں سب کچھ اسی کے لئے کر رہا ہوں۔ اس نے مجھے مجبور کر کے  
رکھ دیا۔ میں اس کے آگے بے بس ہو گیا ہوں۔“  
”تم کس کی بات کر رہے ہو۔ زنگولہ نے جہت سے پوچھا  
اسے مارگ کی باتوں سے اب دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی۔  
”تمہارے اسی ریلز میں مارگ کے ایک دشمن نے مجھے تباہ کر دیا ہے  
اس نے اپنے آدھوں کی مدد سے میرے پیٹھے کو پھانسا بنا رکھا ہے  
اسی نے کہا تھا کہ میں اپنے آدھوں کے ساتھ ریلز میں کارٹون  
پر حملہ کر کے کوہ میں آگ لگا دوں گا اور سومالی اور لائی کو اس کے  
پاس لے آؤں۔“

”اوہ۔ زنگولہ مضطرب ہو گیا۔ کون ہے وہ۔“  
”مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے۔ وہ تمہارے  
ریلز میں کارٹون کا پاس دلا رہا ہے۔ مارگ نے کہا۔  
”دلا رہا۔ زنگولہ کو ایک پٹیاں کھڑے ہوئے۔ دیکھا تو  
ہے۔ سب کچھ بتا دو مجھے۔ ہوسکتا ہے میں تمہارے کام آؤں  
جاؤں۔“

زنگولہ اس کے قریب ہی پہنچ گیا۔ مارگ نے اسے سب  
کچھ بتادیا۔ اسی کی کہانی سن کر زنگولہ کی آنکھیں چمک اٹھیں تھیں۔  
”میں اس معاملے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ سکتا ہوں۔ اس  
لے کہا۔ یہ میں اس وقت باہر کی پوزیشن میں معلوم۔ تم ان  
آدھوں کو کہاں سے لے کر آئے تھے۔“

”میں سب کرانے کے لوگ ہیں۔ مارگ نے بتا دیا۔ میں نے  
جلدی جلدی سب کو لکھنا کیا ہے۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ  
میں نے اس جگہ میں لگا دیا ہے۔ صرف اس امید پر کہ جب  
ان دونوں کو اس پوزیشن کے سامنے پیش کر دوں گا تو میرا بیٹا  
مجھے مل جائے گا۔ لیکن یہاں بھی نا کامی ہوئی۔ میں اب کچھ  
”تم ان کرنے کے آدھوں کو تو رہنے دو۔ زنگولہ نے کہا۔  
اور میرے ساتھ چلو۔ ہوسکتا ہے کہ میں تمہارے کام آؤں۔“

مدگ اس وقت بہت لڑنا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ زنگور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر لے کھنکھار دیا۔ اور وہ دونوں ان ہی جگہوں کی طرف چل پڑے جن پر ہڑکتے ہوئے وہ تہہ فلے نہیں چل سکتے تھے۔ اس تہہ فلے کی بناؤں میں رشتی اور لوکا کا اس انتقام کیا گیا تھا۔ بہ ظاہر یہ محسوس ہوتا تھا رشتی اور لوکا اس طرف سے آ رہی ہے۔ اس کے باوجود نہ تو وہاں مکمل اندھیرا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی ٹھنڈی محسوس ہو رہی تھی، کمال یہ تھا کہ اس تہہ فلے سے باہر پڑے پکڑے کے ڈھیر کی اونچی یہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

وہ دونوں تہہ فلے پر آئے کہتے ہوئے اوپر آ گئے۔ ان کے اوپر آتے ہی وہ دروازہ پھر کھل گیا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ دروازے کے کھلنے اور بند ہونے کا نظام بیڑیوں میں رکھا گیا ہے۔“ زنگور نے کہا۔

مدگ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ لہری لہری لہجہ میں مبتلا تھا۔ وہ دونوں تہہ فلے سے باہر آ گئے۔ ان کے باہر آتے ہی وہ تہہ فلہ خانہ ہلکی سی آواز کے ساتھ پھینک دیا۔ باہر بار خانگی تھی ہر طرف اندھیرا ہی پھیلا ہوا تھا۔ لہذا لگتا جیسے اس جنگ کا خاتمہ ہو گیا ہو۔ یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ اس جنگ میں کتنے لوگوں کو فتنہ ہوئی تھی یا مدگ کے ساتھی کا مایہ سہہ تھے مولی اور لانی کے ہمارے میں بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔

”کیا تمہیں اپنے آدمیوں کا حال معلوم کرنا ہے۔“ زنگور نے پوچھا۔

”نہیں۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ مدگ نے کہا۔ وہ لوگ اس قسم کی باتوں کے عادی ہیں۔ ان کا کام یہی ہے اگر انہوں نے خود کو ضرور دیکھا ہو گا تو انہوں سے بھاگنے کے بدلے گے۔ اب ان میں سے کوئی بھی یہاں نہیں ہو گا۔

وہ دونوں کچھ سے گزرتے ہوئے مدگ کی طرف آ گئے۔ لیکن کسی نے ان کا راستہ نہیں روکا۔ گودھال میں لگنے والی آگ بھی اب ٹھنڈی ہوئے لگی تھی۔ اور وہ گاڑیاں لے کھائی نہیں دے رہی تھیں جو مدگ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اس کے آگے کالہ کی کوئی پتہ نہیں تھا۔ اب اس احاطے میں سولے سائے کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”بہر خیال ہے کہ سب یہاں سے جا چکے ہیں۔“ زنگور چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میں اور لانیوں کو بھی اٹھا لیا گیا ہے۔ اب ہمیں بھی یہاں سے نکل لینا چاہیے۔ پولیس کی بھی غمے کے والی ہوگی۔ اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو چکا ہے۔“

زنگور کا انداز درست ہی تھا۔ وہ دونوں ابھی اس گودام کے احاطے سے کچھ فاصلے پر آئے تھے کہ پولیس کی گاڑیاں

دکھائی دینے لگیں۔ گاڑیوں سے کچھ کے لئے وہ دونوں ایک طرف دیکھ گئے تھے۔ گاڑیوں کے نکل جانے کے بعد وہ پھر آگے چل پڑے۔ مدگ زنگور کو اپنے گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔ اس نے بتا دیا تھا کہ دلاوے کے آدنی صورت حال معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر کی طرف آئے والے ہوں۔ زنگور نے ابھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا۔ ابھی خود اس کے ذہن میں یہ بات واضح نہیں تھی کہ وہ کس طرح مدگ کے بیٹے کو اپنی دلاوے کا۔

مدگ جس وقت زنگور کو اپنے ساتھ لے کر اٹھے پوچھا تو اس وقت اس بیتی کے کچھ لوگ اس کے آگے سے باہر پڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو مدگ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، وہ اس کے پیٹنے کے لئے پریشان تھے جیسے زمین پر اٹھا کر لیا گیا تھا۔ مدگ کے کچھ آدمی بھی سر جھکا کر بیٹھے تھے۔ ان ہی میں ایک ایسا بھی آدنی تھا جو مدگ کو دیکھتے ہی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ ”کیا بات، بھئی دادا؟“ اس نے مدگ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میرا نام بتاؤ اس کا میں اس کی کھال کھینچ لوں گا۔“ ”یہ کام پولیس کے بس کا لوگ نہیں ہے۔“ ”مدگ نے کہا۔ ”تمہاری ہرمانی کہ تم بچنے کے لئے چلے آئے۔ لیکن یہ میرا بیٹا معاملہ ہے۔ میں یہی نہیں چاہتا۔“

”سوچ لو دادا یہ گویاں نے زنگور کی طرف دیکھا۔ اور یہ کون ہے؟“ ”یہ میرا دوست ہے۔“ مدگ نے جواب دیا۔ ”بہت دنوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے اس سے۔“

”ایک بار پھر سوچ لو دادا“ گویاں نے کہہ کر آخروہ کون لوگ تھے جو تمہارے آگے میں ٹھس کر اتنا بڑا انفرارکٹ فم ان میں سے کسی کو جانے تو ہو گئے۔

”نہیں۔ میں کسی کو نہیں جانتا۔ پھر میں یہ بتا رہا ہوں کہ وہ لوگ تمہارے بس کا لوگ نہیں ہیں۔ یہ ہماری آپس کی دشمنی ہے۔ اور ہم ہی اس سے ٹھنڈا بھی جانتے ہیں۔“ ”تمہاری مرضی؟“ گویاں کچھ مایوس ہو گیا۔ ”اور کوئی خدشہ ہو تو متاؤ۔“

مدگ اس پولیس والے سے پیچھا چھڑا کر زنگور کو اپنے مکان میں لے آیا۔

”اب ہمیں اس کے کسی آدنی کا انتظار کرنا ہے؟“ مدگ نے کہا۔ ”اس کے بعد ہی یہ معلوم ہو گا کہ ان لوگوں نے میرے بیٹے کو کہاں رکھا ہے۔ وہ حالات معلوم کرنے کے لئے میرے پاس ضرور آئیں گے۔“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔“ زنگور کچھ سوچے ہوئے بولا۔ ”کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تمہاری دہائی کی اطلاع

ان لوگوں کو نہ ہو۔“

”میں اس سے کہا ہو گا۔“ مدگ نے جیت سے پوچھا۔ ”دیکھو نام خالی ہاتھ واپس آئے۔ ہو۔ لانی اور سوملی کو اپنے ساتھ نہیں لائے۔ اسی لئے تمہاری یہ ناکا فی اس کے غصے کو بھڑکا سکتی ہے۔ تم ایک آدھ دن کسی طرح اگر کارڈ لو تو میں اس کے آدمیوں کا ناقاب کر کے اس تک پہنچ سکتا ہوں۔“

”ہوں۔“ مدگ نے ایک گہری سانس لی۔ ”تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ مجھے ہمت سے لوگوں نے دیکھ لیا ہے۔ یہ سب کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں واپس آ چکا ہوں۔ لہذا صورت میں اپنی موجودگی کس درجہ چھپا سکتا ہوں ان لوگوں کو تو آتے ہی یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں خالی ہاتھ آیا۔“

”اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے آدمیوں کے سامنے انہیں یہ بتاؤ کہ تم صرف مجھے یہاں تک پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ اور اب تم دوبارہ اپنی جہم واپس جا رہے ہو۔ اس بد تم کی ذکی طرح لانی اور سوملی کو اپنے ساتھ ہی لے آؤ گے۔ ظاہر ہے کہ تمہارے آدنی تمہاری یہ بات آگے بڑھا دیں گے۔ اور میں ان کا ناقاب کر کے اس جہم تک پہنچ جاؤں گا جہاں تمہارے بیٹے کو رکھا گیا ہے۔ وہاں پہنچ کر اسے آزاد کرانے کی ترکیب بھی سوچ لی جائے گی۔“

”اور اگر میرا کوئی آدنی میرے ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گیا تو۔“

”یہ تم خود بھی سمجھ لادو۔“ ”بہر خیال ہے کہ غصے سے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنے آدمیوں کو کس طرح ٹال سکتے ہو۔“

مدگ نے زنگور کے کہنے پر عمل کیا اور وہ اپنے آدنی کو مطمئن کر کے کہیں چلا گیا۔ زنگور نے اسے دو دن کے بعد آنے کے لئے کہا تھا۔ اس دن دوران صرف یہ کہ اس کا بیٹے کا ہتھ چل سکے۔ بلکہ اسے بار بار لے کر ترکیب بھی ہوئی جائے۔ مدگ اپنے آدمیوں کو زنگور کے آرام کا خیال رکھنے کے لئے گہم کر واپس چلا گیا تھا۔

مدگ کے جانے کے بعد زنگور نے حالات کے ہابے میں سوچنا شروع کر دیا۔ مدگ نے جتن کھینچا یہ وہ جہم تھا۔ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پوڑھا دلاوے میں لانی کی قید سے آزاد ہو جانے کے بعد اس طرح کی حرکتیں شروع کرے گا۔ زنگور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاوے کے اہلکاروں کو یہ ریڈ سرکل کے گودام میں آگ لگوانے کی حرکت

اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس کے علاوہ لانی اور سوملی کو آواز کروانے والی بات بھی جہم تھا۔ لانی اور ان سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جن دو آدمیوں نے ریڈ سرکل والوں کو دھوکا دے کر دلاوے کو بارگاہ دیا تھا۔ وہ وہاں سے کہاں چلے گئے تھے۔ ان لوگوں نے دلاوے کو چھوڑ دیا تھا۔ باوجود بھی اس کے ساتھ تھے یہ سب کچھ ایک ایسا معرکہ تھا۔ جو زنگور کی سمجھ سے باہر تھا۔ زنگور نے وہ رات ہی گھر میں گزار دی۔ دوسری صبح بھی وہ یوں ہی گھر میں بیٹھا رہا۔ دلاوے کے آدنی مدگ کے پاس نہیں آئے لیکن شام کے وقت ایک آدنی مدگ کے گھر آئی گیا۔ زنگور کے لئے وہ آدنی ابھی تھا۔ اس نے اپنا نام آندینا بتا دیا تھا۔ مدگ کے آدنی اس کو زنگور کے پاس لے آئے تھے۔

”مجھے نہیں معلوم کہ مدگ کہاں ہے۔“ زنگور نے کہا۔ ”تم لوگوں نے اس کے لئے مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ وہ میرا اپنے بیٹے کے لئے پریشان ہو رہا ہے۔ اور تمہارے لئے بھی پھر واپس چلا گیا ہے۔“

”تم کون ہو۔“ ”آندینے پوچھا۔

”میں اس کا بڑا دوست ہوں۔“ زنگور نے کہا۔ ”میں کسی دملے میں ہم دونوں گودی بام رکھتے تھے۔ پھر ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ اس دوران مجھے یہ معلوم ہوا کہ میرا بیٹا بھی کا ایک بہت بڑا دادا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنا اڈہ قائم کر لیا ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے آیا تو میں نے یہ کہانی سنی تھی۔ یہ بہت جلا کر تم لوگوں نے اس آڈے پر حملہ کر کے اسے صرف تھاکہ کر دیا۔ بلکہ اس کے بیٹے کو بھی اٹھا کر لے گئے۔ پھر آخر تم لوگ چلے گئے کیا ہو۔“

”ہم کچھ نہیں جانتے۔“ ”جو کچھ چاہتا ہے ہمارا پاس چاہتا ہے۔“ ”آندینے کہہ لائی اسی نے تمہارے دوست کو ایک کام کے لئے بولا۔ اور تمہارے دوست کو ہر حال میں یہ کام پورا کرنا ہے۔ ورنہ ہم لوگ اپنے پاس کو بھی نہیں سکتے گے۔“

”اس وقت جو کہ تمہاری پولیشن مضبوط ہے۔ اسی لئے تم ایسے لمبے میں بات کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم جیسے لوگ اپنے بچے کو پولیس میں نہیں دیتے۔ غیر تم حاؤ۔ مدگ اب تک ایک ٹھٹ کر نہیں آیا۔ اور ہاں۔ تمہیں ایک بات اور بتا دوں۔ اس کے بچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ سمجھ۔“

آندینے کچھ کہا چاہا۔ پھر غرض ہو گیا۔ زنگور کے ساتھ مدگ کے آدنی بھی بیٹھے تھے۔ اور ان میں سے کوئی بھی آند

پہر لٹ سکتا تھا۔ آند صورت حال معلوم کرنے کے لئے مارگ کے اڈے تک اکیلا ہی چلا آیا تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ قھوکے گھر ہی پر رہ گئے تھے۔

آند مارگ کے اڈے سے باہر نکل آیا۔ ڈھولانے ایک ہوشیار آدمی کا اتفاق کر رکھا تھا۔ مارگ کے آدمیوں میں وہی اسے بھلا کر محسوس ہوا تھا۔ آند کے باہر آتے ہی اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

اس آدمی کی واپسی ایک گھنٹے کے بعد ہوئی تھی۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مارگ کے بچے کو کہاں رکھا گیا تھا۔

داور کچھ دیر تک اس لاش کے پاس کھڑا رہا۔ اس شخص پر جس نے بھی گولی چلائی تھی وہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ یہ بات بے حسی کے وہ مرنے والا ہی ٹیپ رہا کہ ڈرہندہ کرنے آیا تھا لیکن واپسی اس کے مقدر میں نہیں تھی۔ موت نے اسے اچک لیا تھا۔ وہ اس طرح جھپٹ کر لے گئی تھی جیسے عقاب کسی کمرور پر بندے کو اپنے پنجوں میں دبا کر لے جاتا ہے۔ اب یہ معرکہ اور بھی اچھا لگتا تھا۔ وہ لوگ کون تھے جو اس طرح ایسی کاہلی میں بڑھ کر مرنے لگے۔ اس میدان میں مصنوعی شور مچانے والے مارگ رہ چکا تھا۔ اور کس شخص نے گولی چلا کر ان میں سے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سارا اعتبار اور بھی حیرت انگیز ہو گیا تھا۔ اور اس میں کچھ کا بھید صرف اور صرف کالی مانی کے مندر میں بچو تھا۔ ان واقعات کا مگر اس مندر ہی میں تھا۔ اسے حالات جاننے کے لئے اس مندر میں داخل ہونا تھا۔

داور نے مندر میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن اس سے پہلے وہ نیلہ کو بتا دینا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لڑکی اس کے لئے بے لیشان ہوتی ہے۔ داور نے سہمہ کے لئے لگا لگا دیا۔ وہ ایک باہمت اور وفادار قسم کی لڑکی تھی۔ ان دونوں خوبرو کے ساتھ سنا سناسا میں ذہانت بھی موجود تھی۔

نیلہ بڑی بے چینی سے اس کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی۔ داور کو آتے دیکھ کر وہ نہال ہو گئی۔

”تمہارا کیا خیال تھا میں واپس نہیں آؤں گا؟ داور نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”میں تو دعا ہی بہت خوفزدہ تھی۔ نیلہ نے کہا۔ اس میدان کی طرف جانے والے لوٹ کر نہیں آتے۔ جانے کیا ہے؟“

”میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے واپس آ گیا ہوں؟“ داور نے بتایا۔

”آند بھلا؟“

وہ دونوں پھر اس کمرے میں آئے۔ جہاں نیلہ نے داور کو کھرا لیا تھا۔ داور نے اسے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا۔

”ہائے رام! نیلہ حیران رہ گئی تھی۔ اتنا بڑا دھوکا۔ اور یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ کس لوگوں کی حرکت ہے؟“

”یہ سارے راز سی مندر میں جانے کے بعد ہی چلیں گے۔“

داور نے کہا۔ ”اور میں اسی وقت مندر کی طرف جا رہا ہوں۔“

”اس وقت؟“ نیلہ چونک پڑی۔ ”کہا تمہارے یہ بوجھل وقت وہاں تمہیں کون ملے گا۔؟ اس کے علاوہ تم لے ایک لمحے کے لئے بھی آرام نہیں کیا ہے؟“

نیلہ کی بات بھی درست تھی۔ داور کو واقعی آرام نہیں مل رہا تھا۔ وہ اس بستی میں آتے ہی بڑی طرح اٹھ گیا تھا۔ اور ویسے بھی اس وقت ابھی خاصی رات ہو چکی تھی۔ اور آخری رات گئے مندر کی طرف جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

”ٹھیک ہے۔ میں آرام کر لیتا ہوں؟“ اس نے کہا۔

وہ رات اس کے بعد جبریت سے گزری۔ پھر کوئی حادثہ نہیں ہوا۔ دوسری صبح نیلہ نے بڑے چافے کے ساتھ اس کے لئے ناشتہ تیار کیا تھا۔ ان دونوں نے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا تھا۔ نیلہ اب پہلے سے کہیں زیادہ مستحضر ہوئی اور خوش معلوم ہو رہی تھی۔

”اب کیا ارادہ ہے تمہارا۔؟“ نیلہ نے کہا۔

”میں میرا اس مندر کی طرف جا رہا ہوں؟“ داور نے کہا۔

نیلہ نہیں رہی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ میرے ساتھ کیسے حالات پیش آئیں۔ اسی لئے نہیں میرے ساتھ نہیں چلنا چاہیے۔“

نیلہ کو داور کے ساتھ نہ جانے کا فکس ہو رہا تھا۔ اس کا یہ افسوس اس کے چہرے سے ظاہر تھا۔ لیکن وہ اس کی بات سن کر مسکراتی رہی تھی۔ داور نے بیٹوں جب میں رکھا اور نیلہ کے گھر سے باہر آ گیا۔ اس کا رخ اس بستی کے مندر کی طرف تھا۔ اس بستی میں وہی ایک مندر تھا۔ اکیلے اسے بھٹکنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔

مندر کی طرف جاتے جاتے وہ پلٹ پڑا۔ اسے میدان میں جھانکوں کے عقب میں کچھ ہونے لگا۔ اسے اسپیکروں اور اس لاش کا خیال آ گیا تھا۔ وہ اپنا راستہ بدل کر اس میدان کی طرف آگیا۔ رات اور دن میں فرق تھا۔ دن کے اجلے نے بستی کے لوگوں کے دلوں سے شاید اس میدان کا وحشت ختم کر دی تھی۔ اب اسے اس میدان میں بستی کے بچے پھیلنے لگے۔ پھر رہے تھے۔ وہ لوگوں کا آنا جانا دیکھ رہا تھا۔

داور نے اسپیکروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اب وہ کچھ نہیں تھا۔ ابھی رات کو اس میدان میں جو کچھ تھی، وہ اب صرف خواب ہو گیا تھا کہ وہ لاش بھی نہیں تھی۔ داور نے اس رات کی جھڑپاں بھی دیکھ ڈالیں لیکن رات

کے واقعے کا کوئی بھی نشان نہیں مل سکا تھا۔

داور دلوں سے ہو کر مندر کی طرف واپس ہوا۔ بستی کے مرجھائے ہوئے لوگ اسے دیکھتے پھر اس کی طرف دھیان دینے لگے۔ انہی لڑکیوں کی راہ پر گئے۔ اس بستی کے بازاروں میں جبر مل گیا تھا۔ دکھائی دے رہے تھے۔ اس بستی میں جبریلوں کو دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ لیکن داور کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس بستی میں اتنے بڑے ملکیوں کے لئے جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو برون اور دیگر منشیات کے لالچ میں اس بستی میں آئے تھے۔ اور ہندوستان کی اس بستی کو نہ صرف ٹھنڈے مٹا کر رکھ دیا گیا تھا بلکہ یہاں ایسی ایسی سرگرمیاں بھی ہو رہی تھیں جن کا سرپرستی ملک داور کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

وہ مندر کے گیٹ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک بڑا سا مندر تھا جس کی بیڑھیاں بہت دلکش تھیں۔ اداں بیڑھیاں پر دونوں طرف فیروزہ رنگ قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر منشیات کے عادی معلوم ہوتے تھے۔ داور نے یہاں بہت سے بیڑوں کو دیکھا۔ وہ خود بھی اس بستی میں ایک بیڑی بن کر داخل ہوا تھا۔ لیکن اب اس نے اپنا وہ بہرہ پالک کر دیا تھا۔ مندر کے اندر آئے جانے والوں کی بھرمار ہوئی تھی۔

داور مندر میں جانے کی ایک سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ وہ پہلے حالات کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اسے یہ بتانا تھا کہ اس مندر میں بہت زبردست حفاظتی اقدامات کئے گئے ہیں۔ وہ پہلے ان اقدامات کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں مندر میں پانچوں کمرے دھیان سے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے یہ دیکھا لگا تھا کہ ان لوگوں میں صرف باتری کی باتری تھی۔ بلکہ بہت سے مندر کے محافظ بھی تھے جو خود بھی پانچوں میں شامل تھے۔

داور اگر مجھے یہ آکھتے وہ پھر لے جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ سب سے پہلے ان حفاظتی اقدامات کے بعد دیکھ کر حفاظتی اقدامات کے حصہ کو عبور کرنا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھ رہا تھا۔ پھر اس نے مندر کے اندر جانے کا ارادہ کر لیا۔ مندر کے اندر جانے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کوئی جانے کی خواہش ہو تو وہ اندر جا سکتا تھا۔ داور چند بیڑھیاں اور ایک مندر کا عظیم الشان لکڑی کا بند دروازہ اب اس کے سامنے تھا۔

اس نے ایک سیڑھی اوپر کی اور اسی وقت دو آدمی اس کے پاس آئے۔ داور کی چھٹی چلنے سے اسے ان دونوں کی طرف سے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن وہ دونوں اس سے نہیں ہوشیار ہوئے تھے۔

”بس مڑو اور؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ہم دونوں

کی جیبوں میں دوا لڑکیں۔ اگر تم خاموشی سے واپس نہیں ہوئے تو ہم یہ بھی نہیں دیکھیں گے کہ یہاں کتنے لوگ موجود ہیں۔“

### داور ٹھٹھ کر رک گیا

اس نے اپنے دائیں پسینہ نگاہ کی۔ وہ دونوں اس سے قریب چپکے گئے تھے۔ داور نے بڑی پرہیزگار مندر کے جن حفاظتی اقدامات کیا تھا۔ یہ لوگ ان حفاظتی اقدامات سے نہیں تھے۔ یہ کوئی اور تھے اور ان کے تہورے ہند ہے تھے۔ انہوں نے خود جلی دی ہے۔ اس پر عمل کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔

داور ایک گہری سانس لے کر واپس ہوا۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ بیڑھیوں سے بچے اگر وہ دونوں کی طرح اس کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ ان کے اندازہ بھی برابری تھے کہ اس کام میں انہیں ہمارے حاصل ہے۔

”کون ہو تم لوگ؟“ داور نے پتہ چلتے پوچھا۔ ”کیا چاہتے ہو مجھ سے؟“

”سوال کرنے کا حق تمہارے پاس نہیں ہے مڑو اور؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔ ”پس خاموشی سے ساتھ ساتھ رہو؟“

وہ ایسا خوش نہیں تھا کہ داور ان لوگوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کچھ کر سکتا۔ وہ دونوں اس کے اتنے قریب تھے کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ دونوں اسے لے کر کہاں جا رہے ہیں۔ انہوں نے دوا لڑکیاں کا نام لے کر کیا طلب کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہاں خود کو کچھ نہیں سکا تھا۔ یہاں اس کے جاننے والے موجود تھے۔ اور وہ بھی ایسے جاننے والے جو رٹو اور دی کی زد ہمارے اپنے ساتھ چلتے رہے۔ وہ دیکھ رہے تھے۔

وہ لوگ اسی طرح اس بستی کی کئی جیبوں اور کمرے سے گزرتے چلے گئے۔ پھر وہ ایک کے مکان کے سامنے آ کر رک گئے۔ یہاں آ کر وہ دونوں اچانک اس سے آگے ہو گئے۔ داور نے انہیں الگ دیکھ کر اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھایا اور ان میں سے ایک جلدی سے لڑا۔

”تمہیں مڑو اور ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ہم بے جنگ مت کرتے۔“

”کیا مطلب؟“ داور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”دشمن نہیں تو پھر کون ہو؟“

”یہ بات تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔ اس نے کہا۔ اس نے کہا کہ وہ اس بستی میں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ ہم صرف تمہیں دھکے دے کر یہاں تک لائے ہیں۔ اور یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ تم ہماری طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔ وہ دیکھ

لہذا اس نے اپنی جیب سے لوہے کی ایک چھوٹی سی سلاح نکل کر ایک طرف پھینک دی۔  
 دوا ایک ٹھری سانس نہ کر رہ گیا۔ یہ ایک نیا کیلی تھا جو اس کے ساتھ کھلا جا رہا تھا۔ وہ دونوں جس انداز سے اسے گھر کر رہا تھا، اس سے متاثر ہوا۔ وہ انداز اب تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ دونوں ہی دوستانہ انداز میں اس سے باتیں کر رہے تھے۔ دوا کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ وہ راولپور کے حصے کے قریب سے گزرے۔ وہ پھر سے قیام پزیر بن گیا تھا۔  
 "تم نے تو بتا دیا کہ وہ کون سا گھر ہے؟" دوا نے پوچھا۔  
 "مگر ادا کا تار پڑتا رہتا ہے۔ وہاں کہ اب تمہارے ساتھ کوئی دھوکہ نہیں ہوگا؟" ایک نے کہا۔ اور یہی تمہارے لئے کسی قسم کا خطرہ موجود ہے۔  
 "خیر خطرے کی تو میں نے کبھی پرواہ نہیں کی؟" دوا نے کہا۔  
 "تو یہ حال دیکھ لیتا ہوں کہ اب تم کو گھر میرے لئے کیا نشان لائے ہو؟ لیکن ایسے نہیں آگے آئے۔ تم دونوں اس مکان میں داخل ہو گئے۔ میں تمہارے پیچھے رہوں گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"  
 "بالکل ٹھیک ہے۔" دوا نے کہا۔  
 "میں ہی چلتے ہیں۔"  
 دوا ان دونوں کے پیچھے چلا۔ اس مکان میں داخل ہو گیا۔ وہ مکان بھی اسی قسم کے دوسرے مکانوں کی طرح ایک چھوٹا سا مکان تھا۔ اس میں صرف دو کمرے تھے۔ پہلا کمرہ شاید بنگلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ دوسرا کمرہ کسی کمرے میں ذخیرہ وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ دوا دونوں کے درمیان ایک کمرہ بھی تھا۔  
 "اس کمرے پر شہزادوں کی سی شان سے روپائی بٹھی تھی۔ دوا روپائی کو دیکھ کر ہنس نکلا۔ اس کے ساتھ آنے والے اسے اس کمرے میں پہنچا کر باہر چلے گئے تھے۔ لیکن دوا کلاہیاں اب صرف روپائی کی طرف تھکا۔ وہ خوبصورت پیرا سراہ صرت انگریز وسائل رکھنے والی لڑکی جس نے دوا کو اس لڑکی میں آئے کی دعوت دی تھی۔ جس نے دوا کو ایک گاڑی میں رکھا تھا۔ جو دوا کی قیمت اور زمانہ کو آدھا بنا چکی تھی۔  
 "خوش آمدید۔" روپائی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 اس کی نرم آواز کا دوا اس کمرے میں پہنچ گیا تھا۔  
 "ہوں؟" دوا نے ایک ٹھری سانس لے کر کہا۔  
 "جی میں جو کچھ بھی ہوتا ہے۔ اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔"  
 "یہ کچھ بھی معلوم ہے کہ اس لڑکی میں کیا ہوتا ہے؟" دوا نے جلدی سے لہی۔ لیکن میں تمہیں یقین دلائی ہوں کہ اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے۔ میرے لئے تو یہی طرف سے اس لڑکی کو اس کا گوارا ہونا ہے۔ لیکن میں اس کی کوشش کی تھی۔ لیکن یہاں سے ملنے

والی اطلاعات نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی میری بیٹی ہوگی۔ بقیہ بڑا کم اتنا بڑا کم کر دیا جائے گی۔  
 "تم نے تو مجھے خود ایک چیم کرنے کے لئے کہا ہے۔ تم کو ملتا ہے۔ ہوتے ہوئے۔" روپائی نے کہا۔  
 "وہ بات کچھ اور ہے۔" روپائی نے جواب دیا۔ اس کی نوعیت بہت مختلف ہے۔ البتہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے وہاں اس کے لئے اپنے آپ کو مصافحہ نہیں کر سکتی۔  
 "مگر ہرے تم خود کو کس طرح معاف کرو گی؟" دوا نے کہا۔  
 "وہ بات بھی ہو۔ میں ایک بار میرے بچہ کو مل جائے تو میں اسے یہ بتا دوں کہ موت صرف کالی نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور بھی رنگ ہوتے ہیں۔"  
 "وہی تم بھاری طرح ناہم نہیں رہے؟" دوا نے پوچھا۔  
 "مجھے سب باتیں معلوم ہیں۔ لیکن سرسری طور پر تم نے اتنے کم عرصے میں کتنے واقعات بتائے ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تم یہاں آتے ہی معروف ہو گئے ہو۔ ویسے میرے کام کے سلسلے میں ابھی تک نا کالی ہوتی ہے؟  
 "وہ سب طرح۔" دوا نے چونک کر پوچھا۔  
 "میری جی بات ہے۔ میں نے تمہارے قریبی بھائی اور بہن کے بل پر اس طرح مندر میں داخل ہونے میں ہیرا پاز ہو جاؤ کہ میرے آئینوں کو تمہارے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن یہ بھی کہ تم اصل مندر میں بھی داخل ہو سکتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس تم میرے آئینوں کی نگاہوں میں آ گئے۔ میں کل رات ہی یہاں آئی ہوں۔ اور میں نے اپنے آئینوں کو روبرو کر دی تھی کہ وہ صرف مندر میں تھی۔ اور صرف نا کالی تھیں۔ اور جیسے ہی تم انہیں مندر کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دکھائی دے جاؤ۔ وہ تمہیں میرے پاس لے آئیں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اس کے لئے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں رات یہاں آئی اور صبح تم مندر کے بال سے پکڑے ہوئے تھے۔"  
 "تم ٹھیک کہتی ہو؟" دوا نے ایک ٹھری سانس لی۔  
 "اعتراف ہے کہ میں پہلے مرحلے میں نا کام ہو گیا ہوں؟"  
 "کوئی بات نہیں؟" روپائی خوش دلی سے ہنس پڑی۔  
 "کہاؤ میں جانتی ہوں کہ تمہارے علاوہ میرا یہ کام اور کوئی بھی آدمی نہیں کر سکتا۔"  
 "مجھے صرف تمہارا کام کرنے سے ملے اس کالی موت تک بھی نہیں ملے۔" دوا نے کہا۔  
 "یہ میری شناخت دے رہی ہے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اس کے معاملے میں بے حد حساس ہوں۔ جب میں کسی مظلوم کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے دل میں یاد آ جاتی ہے۔ لیکن میں یہ نہیں دیکھتا ہوں کہ تو کیا بچوں کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن میں اس کو اس کی موت پہنچا رہا ہوں۔"  
 "تمہیں پورے قریبی ضرورت تو نہیں ہے؟" روپائی نے پوچھا۔

میں۔ تمہارے لئے اس کے طور پر خطا ہو سکتی ہے۔  
 بڑا حشر میرے پاس موجود ہے۔ میں اب کام ختم کرنے کے بعد ہی بقیہ کارم لوں گا۔ وہاں ابھی ہمارا گھر ہے۔ تم اس لڑکی میں رہو گی یا نہیں؟  
 "مجھے واپس جانا ہے۔ میں جینے میں ایک بار اس لڑکی سے اپنے آدمیوں سے ملنے کے لئے آیا کرتی ہوں۔ روپائی نے بتایا۔  
 "ٹھیک ہے۔ اب میں بھی چلتا ہوں۔ وہاں کچھ ہو گیا۔ اب تم سے اس وقت ملاقات ہوگی جب میں یہاں کا کام ختم کروں گا۔" روپائی اس کی طرف ٹھری لگا ہوں سے دیکھتی رہی اور وہ اس کے لئے باہر گیا۔  
 وہ اب مندر کی طرف جانا نہیں چاہتا تھا۔ مندر میں داخل ہونے کا خطرہ ناہم ہو گیا تھا۔ اس کے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ روپائی کے آدمی اسے ہاتھ تھے۔ دوا کی کچھ باتیں نہیں یاد تھا کہ روپائی کے آدمیوں کو اس کی صورت اور اس کے چہرے کے رنگوں کی نگاہ ہو گئی تھی۔ وہ لہجہ کسی غلطی کے اس کے پاس چلے آئے تھے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس لڑکی کے اور جانے کتنے لوگ اس سے واقف ہوں گے۔ اسی لئے اب اسے بہت محتاط ہو کر کام کرنا تھا۔ لیکن وہ اپنے آپ کو کچھ پالنے کے لئے اس کا کام نہ بھرا۔ اس کے ذہن میں ایک ایک بات آ رہی تھی۔ ایک فلی اور ماسوئی نادوں والا طریقہ تھا۔ لیکن کبھی بہت کام بھی آ جاتا تھا۔ وہ خود اس لڑکی میں ایک لڑکی بن کر داخل ہوا تھا۔ اسے اپنا وہ چھپ کر رہا تھا۔ وہاں تک اسی جیسے میں ہوتا تو ان لوگوں کے لئے اسے تیار کرنا ممکن نہیں تھا۔  
 بہر حال اب اسے ختم کرے۔ اس لڑکی میں اس کی آمد سے کچھ خطرے کے اندیشہ والی تھی۔ اور اس نے یہ جان لیا تھا کہ وہ اگر اسی طرح ہر کام میں اپنے ساتھ لے کر جاتا تو وہ دوسری کی نگاہوں سے چھ نہیں سکے گا۔ اب اسے ٹھیک سے مل کر شہرہ لین تھا۔ وہ لڑکی آتی ہوئی اور وہ بین تھی کہ اس کے اعتقاد پر پورا نہ آ رہی تھی۔ اس نے یہ لڑکا کر لیا تھا۔ کیل اس کے لئے بہت کام تھا۔ وہاں تک کہ اس نے اس کی زندگی کا پہلا موقع مقاصد کو کسی صورت پر اتار کر دھوکہ دے لگا تھا۔ دروازے سے پہلے۔  
 وہ ٹھیک سے ٹھیک ٹھیک اس کے گھر کا دروازہ کھلا دیا تھا۔  
 اس نے گھر کا دروازہ کھلا دیا۔ اس کے لئے دروازہ کھلا دیا۔  
 اس کے لئے اس کی بے قراری کا یہ حال تھا کہ وہ اسے دستک دینے کی زحمت بھی دینا نہیں چاہتی تھی۔ دوا اس کا گھر میں داخل ہوا۔

میری بھی میں نہیں آ رہا تھا۔ میں سب گیا ہوں۔  
 روپائی نے دوا کے خافوں پر ہونے کے بعد کی بیٹائی کو کہتے ہوئے کہا۔  
 "مجھے یہ کہتے واقعات، میں بروا تو ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں۔ لیکن خود کرنے کے بعد سب سے ملے ہوئے ہیں۔ پھر وہ کالی موت بھی اب میرے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ نہ جانے وہ کون ہے؟"  
 "وہ کوئی بھی ہو۔ میں ایک بار میرے بچہ کو مل جائے تو میں اسے یہ بتا دوں کہ موت صرف کالی نہیں ہوتی بلکہ اس کے اور بھی رنگ ہوتے ہیں۔"  
 "ویسے تم بھاری طرح ناہم نہیں رہے؟" دوا نے پوچھا۔  
 "مجھے سب باتیں معلوم ہیں۔ لیکن سرسری طور پر تم نے اتنے کم عرصے میں کتنے واقعات بتائے ہیں۔ ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تم یہاں آتے ہی معروف ہو گئے ہو۔ ویسے میرے کام کے سلسلے میں ابھی تک نا کالی ہوتی ہے؟  
 "وہ سب طرح۔" دوا نے چونک کر پوچھا۔  
 "میری جی بات ہے۔ میں نے تمہارے قریبی بھائی اور بہن کے بل پر اس طرح مندر میں داخل ہونے میں ہیرا پاز ہو جاؤ کہ میرے آئینوں کو تمہارے بارے میں معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن یہ بھی کہ تم اصل مندر میں بھی داخل ہو سکتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس تم میرے آئینوں کی نگاہوں میں آ گئے۔ میں کل رات ہی یہاں آئی ہوں۔ اور میں نے اپنے آئینوں کو روبرو کر دی تھی کہ وہ صرف مندر میں تھی۔ اور صرف نا کالی تھیں۔ اور جیسے ہی تم انہیں مندر کے آس پاس منڈلاتے ہوئے دکھائی دے جاؤ۔ وہ تمہیں میرے پاس لے آئیں۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اس کے لئے مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ میں رات یہاں آئی اور صبح تم مندر کے بال سے پکڑے ہوئے تھے۔"  
 "تم ٹھیک کہتی ہو؟" دوا نے ایک ٹھری سانس لی۔  
 "اعتراف ہے کہ میں پہلے مرحلے میں نا کام ہو گیا ہوں؟"  
 "کوئی بات نہیں؟" روپائی خوش دلی سے ہنس پڑی۔  
 "کہاؤ میں جانتی ہوں کہ تمہارے علاوہ میرا یہ کام اور کوئی بھی آدمی نہیں کر سکتا۔"  
 "مجھے صرف تمہارا کام کرنے سے ملے اس کالی موت تک بھی نہیں ملے۔" دوا نے کہا۔  
 "یہ میری شناخت دے رہی ہے۔ لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ اس کے معاملے میں بے حد حساس ہوں۔ جب میں کسی مظلوم کو دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے دل میں یاد آ جاتی ہے۔ لیکن میں یہ نہیں دیکھتا ہوں کہ تو کیا بچوں کی نگاہوں کے سامنے آ جاتا ہے۔ لیکن میں اس کو اس کی موت پہنچا رہا ہوں۔"  
 "تمہیں پورے قریبی ضرورت تو نہیں ہے؟" روپائی نے پوچھا۔

جہاز اچانک فیل ٹکڑھ کے محل میں اضطراب کی تیسری وجہ  
جہاز اچانک اعلو تے بیٹے ناز کی آمد تھی جو اپنے ساتھ تھکے دو سو کلو  
کلو میٹری لایا تھا اور یہاں کے حالات سن سن کر حیران ہو رہا تھا کہ

کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ میری ماں نے ایک بالربان کھولنے پر  
ہمت کی تھی پھر جانتے ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ ہمارا جہاز آف  
گر گرنے لگا۔ آف نیٹ گرنہ کو تہہ خانے میں سے جا کر اٹا اٹھایا۔

”تم نے اس بے چارے بھڑا دکو بھی تہا کر کے بھگھ دینا ہے  
ایک لٹھ اڈی ہے۔“

ہر ا وعدہ ہے اور تم نے یہ دیکھ لیا ہو گا کہ میں نے آج تک جھوٹ  
 نہیں بولا جیسے یہ سوال مجھے مکمل ہو گا تمہیں جاننے کی اجازت  
 صرف دے دی جانے لے بلکہ میں تمہیں اتنی دولت بخشا دے کہ وہ



گلہ ساری زندگی تمہارے اور تمہارے بھوتے کے کام آئے گی۔ اور ہاں تم نے اپنے بھوتے کی موت کے بارے میں جو جھوٹ بولا تھا وہ ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔ وہ غصہ ہے۔ اور تم نے اسے اپنے کانوں سمجھا دیا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

”بھوتے ہزاروں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی ہڈیاں گول سے بھی آگے نکلنے لگے تھے۔ ناگرا اس کی حالت دیکھ کر بوس بڑا۔ میں نے کہا تھا نا کہ میرے والد بہت دھڑکے بچے ہوئے ہیں نا اس نے کہا میں اپنے لئے کام کرنے والوں کے بدلے فوج کو جاتا ہوں۔ ہر حال میں رقم سے وعدہ ہے کہ ہمیں صرف دس گجے اور بنانے میں صرف دس اس کے بعد یہ سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا۔ تم آزاد کر دینے چاہو گے؟“

”میکے بے۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔ آپس کا مجھ پر نا بوس ہوئے ہزاروں نے آنکھیں کھولنے کو کہیں۔ بھوتے ناگے نے کچھ جواب دینے کی بجائے اس کمرے کی میز پر کھڑی ہو گئی۔ گھنٹی بجادی۔ گھنٹی سننے ہی وہی دونوں ملازمین اندر آئے۔ ٹوکر کو دیکھ کر باہر چلے گئے تھے۔

”ہزار صاحب کو بوری اچھا طے کے ساتھ اسٹوڈیو میں پہنچا دو۔ ناگے نے ہزار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دونوں ملازمین تسلیم کے انداز میں سر جھکا کر کمرہ زاد کے پاس آ گئے۔

”لے آؤ اور ہمارا دو دول بہت دیر تک ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے کھڑے رہے تھے۔

”لے تم ہمیں ہاں ہمارا جانے حیرت سے بوجھاؤ اور تمہارا حال کیا ہو گیا ہے؟“

”یہ حال تو اب ہمیشہ کا ہے دولت نے لے کر آنکھوں میں آنسو آگے نہیں سے اندازہ ہونے کے بعد بھی میں اسی طرح رہوں گا۔

”کہا مطلب۔؟ ہمارا جو ترک بڑے۔“ آؤ میرے کہیں میں آ جاؤ۔ وہاں اطمینان سے بائیں کر لیں گے آ جاؤ۔ ہمارا جو خوف بھی تھا کہ ہمیں انہیں رائے کو کہیں میں لے جانے سے منع نہیں کر دیا جائے لیکن کوئی اس طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔ وہ رائے کو اپنے ساتھ اپنے کہیں میں لے گئے رائے تھے انداز میں بستر پر بیٹھ کر کھانسی جھک جھک ہمارا کہے کہیں ان کی سنبھال ہی تھی۔ اس وقت اس کہیں کی جیلو کے رنٹ ماحول تھے۔ دلواریں بھی ہوئی تھیں۔

”تم بتاؤ تم کہاں کیسے آ گئے۔؟ ہمارا جانے کہا ہمارا یہ حالت کیسے ہوئی۔؟“

”میں نے تم سے کہا نا کہ میری حالت یہاں سے آزاد ہو

فرز ہماری زمین ہی پر قائم کیا ہے۔ ہمیں یہاں بڑی آسانی سے اسی ہی اسل جاتی ہے جو ہماری تیار کے لئے بہت ضروری ہے۔ جو ہماری سیارے کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور ہمیں حقانی ضرورت کے لئے حقانی کمری کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات تمہاری سمجھ میں آئی ہوگی۔ اور ہمیں دھڑک بات کھنی چاہیے کہ یہاں تم کو کچھ بھی کہتے ہو۔ جو کہتے ہو وہ ہمارے علم میں آتے ہوں گے۔ ہم تمہاری ہر حرکت دیکھ سکتے ہیں۔ تمہاری ہر بات سن سکتے ہیں۔ سمجھ گئے؟“

”لے آؤ اور ہمارا دو دول بہت لمبی طرح کھڑے تھے۔ اس لئے وہ ننھال اور گرد بار بار دیکھنے لگے۔ انہیں اب ایک دوسرے سے بات کرنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اس آواز نے انہیں جھجھکا کر دیکھا ہمارا کچھ دیر پہلے تک عزم و ہمت کی نصیحت ہے ہونے لگی۔ لیکن اب ان کا چہرہ بھی لنگ گیا تھا۔

”میں اپنے کہیں کی طرف جا رہا ہوں۔ رائے نے خوف سے ہونے ہوئے کہا۔

ہمارا جانے اپنی گردن ہلا دی۔ رائے کے جانے کے بعد وہ اسپیکر پر جاگ بڑا۔ ہمارا جانے تم سے یوں ہی کہاؤ گا کہ ہمیں اس زمین کیلئے کمری کی ضرورت ہے ہم کمری حاصل کرتے ہیں جس طرح رائے سے حاصل کی گئی اور اب تم ہمارے لئے اپنی دولت صرف کرو گے۔

”یہ نا ممکن ہے۔ ہمارا جانے جلدی سے کہا۔ میں خود اپنے ہاتھوں اپنے لئے کمری نہیں چاہتا۔“

”تو تمہیں کمری کی ضرورت ہے؟ ہمارا جانے۔ تم ہمارے لئے سارا جہاں بروتھ کر کے جاؤ گے۔ اور ہم بینکوں سے تمہارا سرمایہ نکال لے جائیں گے۔

”تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ کام آگے آسانی سے ہو جائے گا۔ مجھے اظہا کر دیا گیا ہے۔ میری ریاست میری تلاش میں ہوئی۔ بینک والوں کو بھی یہ بات معلوم ہوئی۔ تمہارے آدمی جب چیک بے کران کے پاس جانے گا تو کیا وہ گرفت میں نہیں آئے گا؟“

”بہت محنتی کی بات کی کہ تم نے ہمارا جانے اس آواز نے ہنسنے ہنسنے کہا۔ لیکن ایسا ہی ہو گا۔ لیکن میں نہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم آزاد کرو گے چاہو گے۔ لیکن تمہاری یہ آزادی کی طرح قید سے کم نہیں ہوگی۔ جس طرح ہم نے تم پر لگا رکھی ہے۔ اسی طرح وہاں بھی تم پر نظر رکھی جائے گی۔ تمہاری مرضی سے کہہ بھی نہیں کر سکتے گے۔ اگر ہمیں ہماری اس صلاحیت کا یقین نہ ہو تو ہم کہیں بھی جا کر ہمارے خلاف کوئی بات کر لو۔ تمہیں اندازہ ہو جائے گا۔

”مجھے تمہاری اس صلاحیت پر کوئی شک نہیں ہے۔ یہاں

نے کہا۔ لیکن اس کے ساتھ میں یہ بھی بتا دوں کہ میں بھی اپنی آسانی کے ساتھ اپنی دولت تمہارے لئے نہیں کر سکتا گا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کی دولت کو دوں گا۔ یہاں سے میں نے ہار جانے اور فیکٹر یاں لگا کر ہمت کچھ حاصل کیا ہے میں یہ سب تمہارے لئے کس طرح کر سکتا ہوں۔

ہمت، ای خدی کوئی اور ہمارا جانے ہر حال نہیں اپنے فعل تو واپس جانا ہی ہے۔ اور وہی کرنا ہے جو ہمیں نے کہا ہے۔ ”آخر تم کون ہو؟ ہمارا جانے تو پوچھا؟ تم میرے کہیں نہیں آتے۔ تم لوگوں نے اتنا جھوٹ کیوں بھلا لکھا ہے؟“

”شاید تمہیں نا بھی لگتی لیکن ہمیں کیا ہے کہ ہم اتنا حق بھی درمید سے ہے۔ اس آواز نے کہا۔ ہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمیں خود معلوم ہو جائے گا۔

اسپیکر پر جاؤں۔ ہو گیا۔ ہمارا جانے کچھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ اب کیا کرے۔ حالات نے انہیں ایسے خیال میں لا کر پھنسا دیا تھا۔ جس سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ ہمارا جانے ڈھال ہو کر بستر پر گئے۔ کہیں سے باہر جانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ ایک بار قدم اٹھا کر دیکھ چکے تھے جس کے نتیجے میں انہیں ذلیق و بزدلت کرنی پڑی تھی لیکن ابھی انہیں انہیں بستر پر لیٹے ہوئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ زور زور سے گھنٹاں بجنے لگیں۔

گھنٹوں کی آواز کہیں کے باہر سے گئی تھی۔ ہمارا جانے بستر سے اٹھ بیٹھے۔ اس گھنٹی کا مقصد ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن جب دو بج گئے تو ان کے کہیں میں داخل ہو کر انہیں یہ بتا دیا کہ گھنٹی گول کو ایک بج چکے جمع کرنے کے لئے جانی جانی ہے۔ تاکہ انہیں کھانا دیا جائے تاکہ ہمارا جانے یہ سب کر سکیں گے۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔ میں نہیں جاؤں گا۔ میں کوئی مزدور یا قیدی نہیں ہوں کہ گھنٹی سن کر دوڑتا ہوا چلا جاؤں۔

”تمہاری مرضی؟“ ان میں سے ایک نے کہا۔ اگر تمہیں ہر حال میں چاہیے ہو تو تمہارے پاس اس کا کوئی حلال نہیں ہے۔ وہ دو دول باہر چلے گئے کہیں کا دروازہ کھول کر دیکھا ہمارا جانے بستر پر لیٹے گئے۔ اس کہیں میں بند ہو کر انہیں وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا تھا صرف کہیں کی جاتی گھنٹی بتا رہی تھی کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔ لیکن اس وقت وہ فوجی بھی ماحول تھیں۔

ہمت دیر بعد ہمارا جانے کو احساس ہوا کہ انہیں واقعی کھانے کی ضرورت تھیں۔ ہوا ہی ہے۔ انہوں نے بہت دیر سے نہیں کھلا تھا۔ لیکن اب ان کے لئے کھانے کا وقت گزر چکا تھا۔ انہوں نے گھنٹی کی آواز پر دھیان نہیں دیا تھا۔

ہمارا جسے جب برداشت نہیں ہو سکا تو وہ ہنسے اتر آئے ان کا رخ دروازے کی طرف تھا۔ انہوں نے پہلی ہی دیکھ کر کہا تھا کہ ان کے آنے جیسے ہر کوئی یا بندہ نہیں لگتا کئی دفعہ ہر وقت کھل سکتا تھا وہ دروازہ کھول باہر آئے باہر آنے کے بعد رات ہونے کا پتہ چلا تھا۔ دروازہ کھول سنا تھا نیم انکم کوئی انسان چلتا پھرتا دکھائی نہیں دے رہا تھا البتہ ہر طرف کی روشنی تھی کہ زمین پر گری ہوئی سوئی بجی اٹھائی جا سکتی تھی۔ ہمارا کچھ دور تک کہیں کے پاس کھڑے سوچتے رہے پھر دھیرے دھیرے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

ان کے ہر طرف حیرت انگیز مضمینوں اور عجیب طرز کی عمارتوں کا جال بچھلا ہوا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی اور دنیا میں چلے آئے ہوں۔ یہ لوگ ٹیک لودی اور سائنس کے شعبے میں بہت فنی یا تہ علم ہوتے تھے۔ ہمارا اچھا بھلا کھٹکھٹ میں مبتلا تھے ان کی نگاہیں نہیں آتا تھا کہ یہ سب واقعی کئی مخلوق کی کاشتکاری ہے یا انسانی ہوش کے پھرے ہیں۔ میں انہوں نے کہا کہ آنے کے بعد ہر طرف انسانوں کی دھک دھک تھا ہوائے ان چمکیے انسانوں کے جو خود بھی بالکل انسانوں کی طرح تھے۔

ہمارا جہ دھیرے دھیرے چلتے ہوئے اپنے سینے سے دور گئے انہوں نے اندازاً ایسا رکھا تھا جیسے بس ہوا خوری کے کپڑے تھے باہر آئے ہوں، وہ بھوک سے بیتاب ہو کر کہیں سے باہر گئے تھے لیکن باہر اگر بھوک کا احساس ختم ہو گیا تھا، اب ان کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا وہ جہاں سے نکل جانا چاہتے تھے۔ انہوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ یہ جگہ ہندوستان سے باہر نہیں تھی کیونکہ انہوں نے یہاں کام کرنے والے ہندوستانی کی دیکھے تھے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے یہ بتایا تھا کہ انہیں گرمی کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی ہندوستانی نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہندوستان کی کسی جگہ سے تھے۔

چلتے چلتے ہمارا اچھا اچھا کی جاہوں کی دنیا سے نکل کر ایک زمین آگئے۔ ہر طرف سولے انڈھیرے کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مدیہ مضمینوں اور عروجی عمارتوں کے سلسلے اچانک ختم ہو گئے تھے یہ بالکل عام سی جگہ تھی یہاں کوئی ظلم نہیں تھا کسی میراے کے تحقیق کی مرکز کا جادو ایک دم ہی ختم ہو گیا تھا۔ ہمارا ایک ایسی جگہ آگئے تھے جیسے ہندوستان میں دکھائی دیتی ہے۔ دور تک پھیلے ہوئے کھیتوں کے سلسلے۔ اونچے نیچے تلے گرد و با

سے آنا ہوا راستہ۔

ہمارا کھیلوں محسوس ہوا جیسے ان کا دل دھڑکا بھروسہ گیا ہو۔ انہیں یقین نہیں کہ ہمارا کھانا وہ اتنی آسانی سے کھا سکا تھا جس قدر ہمارے ہاتھ لگ سکے۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کسی نے ان کا تاج بھی نہیں کیا تھا۔ کوئی بھی ان کے راستے میں نہیں

آپا تھا۔ یہاں کچھ کہہ رہا تھا۔ یہ اپنی رفتار بڑھانے لگا۔ وہ اب تیز رفتاری سے چل رہے تھے۔ پھر انہوں نے باقاعدہ دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ دوڑتے ہوئے گراؤ کے کھیتوں میں داخل ہوئے یہ کہتے ان کے جانے چاہیے تھے۔ یہ فصلیں ان آتش کھیتوں کے لگتی ہوئی مخصوص خوشبو اور خوشگوار آوازیں انہیں آزادی اور قرب کا احساس دلانے لگیں۔ دوڑتے دوڑتے انہیں روشنی سی جھلکائی دکھائی دینے لگی۔

یہ روشنی کھیتوں کی مٹی پر سے پڑی ہوئی کسی چوڑی کی کھڑکی سے دکھائی دے رہی تھی۔ ہمارا جہ کاشی کی جھونپڑی کی طرف تھا۔ اس جھونپڑی میں رہنے والے لوگ انہیں ایک لٹ کے لئے پناہ دے سکتے تھے۔

جھونپڑی کے دروازے تک آتے آتے ان کی سانسیں بھولنے لگیں۔ وہ جھونپڑی کے بندہ دروازے پر ٹپک لگا کر بیٹھ گئے اندر سے کسی مرد اور عورت کے ہاتھیں کہنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ ہمارا ایک بچے کے ہنسنے کی آواز سنائی دی اور ہمارا جہ نے مطمئن ہو کر بچی آنکھیں بند کر لیں۔

خون کی گلیاں دھالان میں بھی تھیں۔ لیکن نیلا کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

وہ لیکر اس مکان کے مٹی دھار کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیلا کو سامنے کی طرف سے نہیں بلکہ کچھلی طرف سے مجھ سے ملے گا یا ہمارا ہمارا لیکن یہاں۔

دھار کے میں گر پڑا۔ نیلا کی نیلا کی تلاش میں چلنے والوں کا فائدہ نہیں تھا۔ اسے اتنی دیر میں دے جانے کہاں سے کہاں آگیا وہ گایا ہوا گا۔ اس کے سامنے مسائل کے انہار لگے ہوئے تھے۔ اب نیلا کا سامنا بھی آگیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ سب دھاری کی وجہ سے ہوا ہو۔ اگر بڑی بات تھی تو وہ اپنے آپ کو اس وقت تک معاف نہیں کر سکتا تھا جب تک نیلا کا سراغ نہ مل جائے۔ اس نے نیلا کے الفاظ کے مطابق ہرگز نہیں شروع کیا۔ پھر اچانک اس کے ذہن میں چندہ کا خیال آگیا۔ وہ شخص جس نے نیلا کو طواف بننے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور دھار کو اس کے دم کی سزا دے آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ نیلا کو انکار کرنے کی ذمہ داری اسی کی ہو۔ حالانکہ اس کے الفاظ سے نیلا کا کوئی تعلق ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر اس نے چندہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا۔

وہ نیلا کے گھر سے نکل کر چندہ کی طرف چل پڑا۔ راستہ بھالا تھا۔ لیکن اس وفد نیلا اس کے ساتھ نہیں تھی۔ صرف نیلا تھے جو اس کے چاروں طرف منڈلا رہے تھے۔

چندہ کا مکان بھی کے انتہائی مسرے بھلا تھا۔ دھار اس مکان سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ہوا اس مکان کی طرف نہ بکھتر رہا لیکن اس مکان میں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ

بوجہ یہاں آیا تھا۔ تو یہ مکان بہت سے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے راستے میں آنے کی کوشش کی تھی۔ چندہ خود بھی ایک خطرناک آدمی تھا۔ یہ اور بہت تھی کہ دھار کے پاس بد صورت اور بیگناہ انسان کو مارنا بہتر نہ لگتا تھا۔ لیکن کسی کی کسی کو تو یہاں ہونا چاہیے۔ لوگوں کے علاوہ اس مکان کی سبکوں میں ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ چہنوں نے دھار کی زندگی خطرے میں ڈال دی تھی۔

دھار نے اپنی جیب کو کھینچی دی۔ اس کا پتھر اس کی جیب میں تھا۔ اس کی کئی خطرے کی صورت میں اس کے کلام آسکتا تھا۔ وہ بہت جتنا ہوا اس مکان کی طرف بڑھ گیا۔ مکان کے قریب آنے کے باوجود کسی کی موجودگی کے آثار نہیں ہوئے تھے۔ اس نے ہستول جیب سے نکل کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ چندہ کے مکان کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ اندر گئے کے بعد اس نے لوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی ایسے مکان میں چلا آگیا ہو جہاں برسوں سے کسی کی رہائش نہیں ہو۔

وہ مکان میں بھی نہیں رہا تھا۔ پھر دھار نے فانی تھا۔ انتہا یہ تھا کہ فرخ پاش کی کئی چوڑی نہیں تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گھر میں رہنے والے مکان خالی کر کے اپنا سامان لے کر کہیں چلے گئے ہوں۔ دھار نے ایک ایک کمرہ دیکھا۔ لیکن کسی کی کسی کے میں کچھ نہیں تھا۔ وہ مکان سے نکل کر درگ کی طرف آگیا۔ اس نے ہر کمرے کے دروازے کو دھک دھک کر دھار سے بھی کھلا ہوا تھا۔ اول اس پرک کے اندر چڑھوں کا ایک تجربہ بھی نہیں تھا۔ حالانکہ وہی سب تھی جس میں چہہ بھوسے ہوئے تھے۔

دھار مالکس ہو کر واپس آیا۔ وہ نیلا کے مکان کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اس کی سب سے کچھ کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی کچھ نہیں تھا۔ مکان کے دروازے پر آتے ہی اسے کسی کی بڑا کچھ احساس ہونے لگا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ مکان سے چلے ہوئے اس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن دروازہ اب کھلا ہوا تھا۔ وہ دوڑتا ہوا مکان میں داخل ہو گیا۔ نیلا کے کمرے کوئی سر سے پاؤں تک چار اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا تھا۔ دھار نے نیلا نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور آگے بڑھ کر ایک جھکے سے وہ چارہ مٹا دی۔ اس چارہ کے نیچے لیٹا تھا۔

لیکن شاید وہ لیٹا نہیں تھی اس کی صورت اتنی عجیب تھی۔ اس کے بدن پر لٹنے کے اتنے نشانات نہیں تھے۔ وہ تو بالکل عجیب تھی۔ ایک خوبصورت اور دھار لڑکی جس کی خوبصورتی کو نہاد کے اسے موت کی بیدار ملا دی تھی۔ دھار دو قدم پیچے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

نیلا کو بہت ہی طرح مارا گیا تھا۔ اس کے کپڑے تار تار تھے اس کے چہرے کو اس طرح کر دیا گیا تھا جیسے چہرے کے ذریعے گود دیا گیا ہو یا شاید چہرے نے تڑپا ہوا ہو۔ دھار کے ذہن

میں جھک رہا تھا۔ ہاں یہ کارستانی جو ہوا کی ہو سکتی تھی نیلا کے خوبصورت بدن اور فاضل صورت کو چاہوں ہی کے تڑپا کر دینا چاہتا تھا۔ دھار کی آنکھوں میں خون اتار دیا تھا اس نے چہہ چندہ کے مکان میں دیکھے تھے۔ اور نیلا کا کمال چندہ تھا۔

دھار نے بہت کم لوگوں کی صحبت پر اتنا دھک کھیں کہ ہوا۔ اسے ہون لگ رہا تھا جیسے اس کی کوئی قیمتی اور عزیز چیز اس سے چھین لی ہو۔ اس کی خون ہوتی ہوئی آنکھوں میں اب درد و غم کے جذبے بھی جھلنے لگے تھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر نیلا کے خون آلود ہاتھ کو چھو لیا اور ڈھکا دی۔

اب اسے چندہ ہار اس کے ساتھیوں کو تلاش کر کے نہیں انجام تک پہنچا تھا۔ ان کے علاوہ یہ حرکت کسی اور کی نہیں ہو سکتی تھی۔ چندہ نے دھار کے ہاتھوں اپنے ناکارہ ہونے کا بدلہ لینا لے لیا تھا۔ دھار نے اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ چندہ کے کس طرح اس کے اندر نیلا کے تعلق کو جان لیا ہے یا اسے کیسے معلوم ہوا کہ دھار نے نیلا کی وجہ سے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا تھا۔ یہاں بعد میں سوچی جا سکتی تھیں۔

دھار کے لئے اب اس مکان میں کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ اس مکان میں نیلا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ دھار اس کے پاس اس وقت کو کھانے لگا۔ دھار کو ذہنی نہیں تھا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس لاش کو ہوں ہی چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ اس عمر نے ولی کی نہیں تھی۔ لیکن اس کے علاوہ ہر کیا کیا جا سکتا تھا۔ اس نے اب اپنے دھکے احساس پر قابو پایا تھا۔ اب اس کے سینے میں ایک جہاز تھی۔ یہ ایک اس بستی کے بہت سے لوگوں کو اپنی لپٹ میں لینے کے لئے بھوک رہی تھی۔

وہ نیلا کے مکان سے باہر نکلے ہی والا تھا کہ اسے یاد آگیا کہ وہ اپنا ایک میسج بھولا ہوا ہے۔ اس میسج میں اس کے چندہ جو لوگوں کے علاوہ ایک بہت کام کی چیز تھی۔ وہ ایک بچی بن کر اس کی میں داخل ہوا تھا۔ اور اس نے اپنا سارا گیت اب اتار کر اس کی میان میں رکھ دیا تھا۔ اسے ایک بار پھر کی ہر وہی کی ضرورت تھی۔

اس کا بیک اور اس کے اندر رکھا ہوا سامان بالکل محفوظ تھا۔ آنے والوں نے کچھ نیلا کے مکان کو الٹ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے باوجود کسی نے اس کے بیک کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ دھار نے ایک کھول کر چندہ کی جلدی کیٹ اپ کا سامان باہر نکلایا۔ اس نے سب سے پہلے اپنے سر پر مصنوعی ہاتھ کی ٹنگ جمانی۔ پھر نیلا کی فیسول کی دھک پہن لی۔ اس کے بعد اس نے اس تبدیلی کر لیا۔ وہ اب دوبارہ بچی بن گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ یہ گیت اب ایسا ہی ہے جس کو وہ پہلے نے لے لیا تھا۔ لیکن پھر کچھ آشنا ضرور ہو گیا تھا کہ دور سے دیکھنے والے اسے شناخت نہیں کر سکتے تھے۔ اس نے ہر لے سکا دینے کے گرد آؤ کہنے میں اپنے آپ

کو دیکھ کر تھلا کی لاش پر جا کر اویٹ کر لٹاؤ ڈھل اور اس مکان سے باہر نکلی۔ اس نے اپنا بیگ پیسلے کی طرح اپنے پیشت سے ہاتھ لیا تھا۔ اس صریت انگریزی میں اس جیسے اور ہمت سے لوگ تھے یہ وہی لپچی تھے جو دنیا فیا ت حاصل کرنے کے لئے اس کی سی میں آئے تھے۔ سب کے لئے ایک ہی جیسے تھے۔ بڑے ہونے والے بڑھی ہوئی خونی میلے کھینچے کپڑے اور کھوں ڈالتے ہوئے لٹکی سرخی اور بھی ان ہی لوگوں میں شامل ہو کر ان ہی جیسا ہو جاتا اس لئے میں کوئی بھی اس کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا۔

داور کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسا کہ سی میں یا تو ہنریت فروش رہتے، میں یا ہنریت کے مدد سے ہوئے لوگ میں ان کو کے علاوہ اور کوئی دکھا ئی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ایک ہمارے ہندی طرف چل رہا تھا۔ اس کا دل بہتا تھا کہ لٹکی کا ہر ٹکڑا میری ہندو مت پر سمجھو ہے چند ہی کی ہندو میں مل سکتا تھا۔

اس دن وہ دوسری بار اس ہندی کی طرف آیا تھا۔ اسے اپنے گٹ اپ پر ادا رنگ بھر دیا نہیں تھا بہت ممکن تھا کہ وہ پھر روپال کے شرا کو بیوں کی لٹکیوں میں آجاتا لیکن اس دفعہ کی وجہ سے وہ بے اختیار ہاتھ دوسرے لٹکیوں میں رہ سکتا تھا اس بدل اس کے عزائم مختلف تھے۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر روپال کے آدمی میں نے اسے روکنے کی کوشش کی تو مجھے وہ ہند میں داخل ہو کر جانے لگا چلے اس کے لئے اسے نرم دیتی ہی کہوں نہ کرنی پڑے۔ وہ اب مدد دھڑکے لئے تیار تھا۔

وہ پیسلے کی طرح ہندی کی ایک میری ہمارے گٹ کو دیکھ گیا۔ اس نے میری ہمارے کے علاوہ اور بھی بہت لوگ بیٹھے تھے۔ ان میں ہوتی بھی تھے اور کچھ مقامی کی لٹکی بھی۔ مقامی لوگوں کے لئے انہوں جیسی حلقوں میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی، اس لئے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ دوسری طرف یہ پستی بھی انی دنیا میں لیکن تھے۔ انہیں بھی دوسروں کی طرف توجہ دینے کی فرصت نہیں تھی۔

داور بچتوں کے ایک گروہ کے ساتھ مل کر بیٹھ گیا۔ اس گروہ میں تین مرد اور ایک لڑکی تھے۔ یہ مقامی ہوتی تھے۔ ڈوبے پٹے جسم اور قوی ہچکے، سیاہ رنگت اور شکم بھرے لیکن ان کے بال بھی دوسروں کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ اور انہوں نے بھی خود کو ہنریت ثابت کرنے میں کوئی کمر نہیں اٹھایا تھی۔

داور کو دیکھ کر وہ لوگ مسکرا دیئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے کھربائیں کیں پھر لڑکی داور سے مخاطب ہوئی:

اتنی دور یہاں بیٹھے ہو۔ قریب آ جاؤ

داور کھٹ کر ان لوگوں کے قریب آ گیا وہ خود ہی ان کو سے دیتی چاہتا تھا۔ لوگ اسے ہندو میں داخل ہونے کا کوئی اور طریقہ بتا سکتے تھے۔ داور دروازے سے اندر نہیں جانا چاہتا تھا۔ اسے چلنے والوں کی بھیڑ میں روپال کے بھی آتی ہو سکتے

تھے آٹھ غلامی نگاہیں داو کو کرنا اس کے لئے میں دوسری بار بھی نکاح نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ اب رہ پالی کے سامنے اسی وقت جا سکتا تھا جب وہ اس مہم کی ہم میں کا رہا ہو جائے۔  
 ”تمہیں اس سے پہلے یہاں نہیں دیکھا؟ لڑکی نے  
 دوسرے کو چھانچا اس کی ہنسی میں سے ہو پڑا۔  
 ”ایسا ہی کچھ تو داو نے کہا؟ میں نے اس کی ہنریت  
 تو بہت سی تھی۔ لیکن یہاں آنے کا اتفاق پہلی بار ہو رہا ہے۔“  
 ”مرفر رفو بہت سی بلوے ہندوستان کو اپنی طرف کھینچ لے گی  
 لڑکی مسک کر کہی۔ ”یہاں کیا نہیں ہے۔ رقص، موسیقی، بڑی چیزیں۔“  
 ”رقص موسیقی؟“ داو نے حیرت سے پوچھا۔  
 ”اور موسیقی نہیں دیکھی؟“  
 داو کے سوال پر لڑکی اس طرح گڑ بڑاتی جیسے اس نے مثالی  
 سے بہت بات کہہ دی ہو۔ وہ داو سے منہ ٹوٹ کر اپنے ساتھیوں کی  
 طرف توجہ ہو گئی۔ اس کی بات اس کے ساتھیوں نے بھی سن لی  
 تھی، ان میں سے ایک آنکھ کے اشارے سے اس لڑکی کو بھی دیکھا  
 تھا، داو گرجہ براہ راست ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا اس  
 کے باوجود اس نے اس آڈی کی بہ حرکت دیکھ لی تھی وہ  
 لوگ اب داو کی طرف سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ ایسا نہیں ہوتا  
 تھا جیسے داو کی شہریت انہیں انکار کر رہی ہو۔  
 داو نے اس ہنسی میں آنے کے بعد عصمت فروشی کے منظر  
 سے لے کر جھڑی ڈھکی تھکی اور منشاں فروشی تک کے مناظر دیکھ  
 لئے تھے۔ اس کے باوجود ان لوگوں کی بہ حرکت اسے کچھ عجیب  
 سی لگتی تھی۔ برائی کاب ایسا کون سا پہلو دیکھا تھا جس کے لئے  
 اتنی رازداری اختیار کی جاتی تھی۔  
 اس نے ان لوگوں سے بے لطف ہونے کا ارادہ کر لیا۔  
 ”خدا بد تم لوگ میری وجہ سے بدیشان ہو رہے ہو؟“ داو نے ان  
 کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”نہیں تو؟ ان میں سے ایک جلدی سے، لول پڑا ہم لوگوں  
 میں بڑا خیال آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔“  
 ”مجھے میں بھی تم لوگوں سے متعلق نہیں ہوں؟“ داو نے اپنی جیب  
 سے سرگٹ نکالتے ہوئے لہذا سرگٹ کا بیجک اس نے منڈ  
 کی طرف آتے ہوئے راستے میں خریدا تھا۔ ”میں بھی سالاد نیا سے  
 لیں جو کرا دھر گیا ہوں۔“ آج کل جھڑی مارڈ اور دھوئے سیاست  
 اور چھوٹی زندگی کے ادھو کچھ نہیں رہا ہے۔  
 ”تم تم ٹھیک کہتے ہو؟ ان میں سے ایک نے اپنی لٹن جانی ہنر  
 بھی حال تم ہی جیسا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ۔ آج کا بیجک ان کی سرگٹ  
 والوں کا سفید پوش ہیں۔ وہ اپنی سفید پوشی کا حکم رکھنے کے لئے  
 ہمیں تعلیم دواتے ہیں۔ اور جب ڈگری کے حکم و مہارت تلاش  
 کرنے جاتے ہیں تو ہمیں کچھ نہیں ملتا ہے۔ ہم سب ملنا لگے

ہندس سے ملنے کے والدین کی عزت خراب ہوتی ہے۔ پھر آخر میں یہ ہوتا ہے کہ اس وقت تم دیکھو کہ ہمارے راستوں پر چل پڑتے ہیں۔ میں نے اس سے دیا ہے کہ ہمیں ہمارے لئے بہتر بھی ہے۔ یہاں ہمارا خاندان ہے۔ نہ خاندان کی عزت کا بھروسہ نہ وہ جھپٹے رہتے نہ جھوٹی باتیں۔ سیدھی سادھی دنیا ہے۔ سیدھی سادھی زندگی ہے جس کو ساتھ رہنا ہے۔ یہ جس کو گراں ہونا ہے، بول جائے ہم نے۔ دلوں کا استعمال تو کر لیتے ہیں۔ لیکن انہیں جانے دیکھ کر انہوں نے نہیں بہا ہے کہ جنوں کی یہی ریت ہے۔ ملنا دو کھڑا تو لڑائی ہوتا ہے۔ لڑنے دم اندر سے تم؟

داؤد کو اس نوجوان کی باتیں اچھی لگی تھیں۔ وہ اپنے اندر سے ایک تلخ آواز دیتی تھا۔ وہ دنیا کو ویسا تو رہا تھا جو حالات نے اسے دیا تھا۔

کیا ہیں اپنے دوستوں کے نام معلوم کر سکتا ہوں۔ جاؤ اور

نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرا نام تمی ہے؟“ سب سے پہلے اسی لڑکی نے اپنا نام بتایا۔ یہ راجن ہے۔ یہ فہیم ہے۔ پھر یہ اور یہ گیش۔

”اور میں داؤد ہوں۔“ داؤد نے اپنا نام انہیں بتایا۔ اب کانام ان لوگوں کے لئے کوئی نام نہ نہیں رکھا تھا۔

داؤد نے اپنی طرف سے انہیں مرحمت بلوایا۔ پھر اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلی کھوایا۔ وہ سب داؤد سے بے تکلف ہو گئے۔

مختص خاص طور پر یہی بہت متاثر معلوم ہو رہی تھی لیکن بے نیازی کا اظہار کرنے کے باوجود اس گروپ میں ایک آدمی ایسا تھا۔ جو شاید داؤد کی سے باتیں کرتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا وہ گیش تھا۔ داؤد نے اس کی نگاہوں میں ایسے لئے غصہ اور نفرت دیکھی تھی۔ جب بھی اس سے باتیں کرتے تھے وہ بڑی بے چینی سے اپنے ہونٹ کاٹنے لگتا۔ اور کوشش کرتا کہ ان دونوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر سکے۔

پہلوں کے اس گروہ میں وہی ایک ایسا آدمی تھا۔ جو مضبوط ہاتھ پیروں کا آدمی تھا۔ اس کے چہرے کی ساخت بھی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ یہ شخص بے رحم اور خوفناک بھی ہے۔

داؤد نے یہ محسوس کر کے جان بوجھ کر گیش کو خود سے تھوکر مار شروع کر دیا۔ وہ اس طرح گیش کے غصے کی سیوری طرح بھڑکا چلا تھا۔ اس کا تجربہ تھا کہ جہاں غامی ہو اور کوئی بات ظاہر نہ رہی ہو وہاں چل چل چڑھو اس طرح اندر بھاڑا اور خوفناک بھٹ بھٹا۔ اور چھٹی ہوئی باتیں سامنے آ جاتی تھیں۔

ہوٹل سے نکلنے کے بعد داؤد نے ان لوگوں کو سستی میں میر کرنے کی پیشکش کی۔ سوائے گیش کے وہ سبے لوگ نیکرے ایک ہی کھانا کھا رہے تھے۔ جبکہ گیش کسی وجہ سے اس کو نہ لے کر آیا تھا۔

رکھنے کے لئے ہوا تھا۔  
 "ان دونوں کو سستی کی سیر کرنے دو، ہم دونوں مندر کی طرف  
 واپس چلنے لگے ہیں۔"  
 مٹی نے ابھی ہوئی لنگھوں سے داور کی طرف دیکھا، پھر پیش  
 کے ساتھ جا کر کھڑی ہوئی، کینش کے ہونٹوں پر اس وقت ایسی  
 مسکراہٹ تھی جیسے اس نے داور کو شکست دے دی ہو۔  
 رات اچھی خاصی گھری ہوئی تھی، لیکن کوئی اور اس کا پیچلا  
 دونوں ان کی مل جل کر رہے تھے۔  
 ان دونوں نے کچھ دیر سوئی سمجھیں یا نہ تھا، اس کے بعد  
 اپنی غلطی کو کما کر دوا نہ بڑھ کر کے اندر آئے تھے۔  
 "یار موہن میں تو قسمت بری طرح متھ گیا ہوں، جیلنے  
 لیتے ہوئے کہا "مزنے تو قسمت ہے میں، دن بھر کارامے بیٹھے  
 رہتے ہو۔"  
 "اس طرح جتنے کے قسمتی کی طرح بیٹھے ہیں، کئی آسان نہیں  
 ہے، "موہن کر رہتے ہوئے، "لو، دن بھر کیلے پہلو سے یہی بیٹھے  
 بیٹھے کر کر رہا جاتا ہے۔"  
 "اب ہم دونوں کو کیا کرنا ہے؟" موہن نے، "لو، چھاپ کر ہم لوگ  
 دلاور اور آند وغیرہ کے پیچھے چلے جائیں۔"  
 "دیکھو بھائی، ہم دونوں کا منہ کچھ اور ہے، ہم لوگ دراصل  
 کسی کے ساتھ بھی نہیں ہیں، اور سب کے ساتھ بھی، ہم سب غلط  
 لیا جاتا ہے تو ہم کرتے ہیں، لوگوں کو معلوم ہے کہ انوشیل جیٹرز  
 ایسوی الٹن دراصل ہم دونوں ہی آجیوں کا نام ہے، ہمیں کیس  
 دیئے جاتے ہیں، ہم ان ہر کام کرتے ہیں اور اپنی فیس لے کر  
 روانہ ہو جاتے ہیں، ہم بہت دنوں تک ناگر کے چکر میں رہے ہیں،  
 اس کا ساتھ دیتے رہے، تاکہ گے لئے ہم نے نو نانا ہی آدی کی  
 فراہمی حالت تیار کر دی، اسے یقین دلایا کہ وہ ہر دلیاس ہے، جو  
 بے چارہ ذہنی طور پر ہم دونوں کو اپنا اساتمت سمجھتا رہا، پھر نا  
 کے کہنے پر ہم نے اسے یقین دلایا کہ وہ مرنے نہیں بلکہ عورت  
 بے کام کچھ تو ناگر نے قسم کے قسم کے کر دیا تھا، اور ہم کچھ ٹولہ  
 لے کر دیا، ہمیں اس کا مواضع مل گیا، اور ہم ناگر کے کہنے پر بدلہ  
 کو دہرے مل والوں کے جہر خانے سے نال کر کے آئے۔ یہ اتنا  
 کارنامہ ہے جس پر ہمیں خود اپنے آپ کو داد دینی چاہیے،  
 "واضحی، "موہن ہنس پڑا، دلاور کو نال تو کمال ہو گیا تھا،  
 یہ بھی تو سوچو کہ اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوا۔  
 "ناگر بہت بدعوش آدی ہے، اس نے دلاور کو ہر کام  
 سے پہلے اس کے ہرے میں ساری معلومات حاصل کر  
 لیں، وہ جاننا تھا کہ دلاور ہا ہونے کے بعد مددھا آتے رہے۔"

پاس جیسے گا کیونکہ اس شہر میں سے دور نہیں بہت ہیں اس کی توجہ سے کہ اس کا اندازہ ہو تو اتفاق سے دوست ثابت ہوا۔ دوسری طرف اس نے آئندہ ویشیا کو اپنی طرف ملائیا۔ ناگر کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ظاہر کے پاس اپنی خاصی دولت ہے۔ اور وہ جب تک ریڈس کرل میں قیدی رہتا رہے گا اس وقت تک اس دولت کا بہتہ نہیں جلا سکتا۔ اسی لئے اس نے ہماری معرفت دلاور کو بلوایا اور دوسری طرف آئندہ ویشیا کو ہوشیار کر دیا۔ یہ اس کی بہت خدمت پالیسی ہے۔ دلاور ان دونوں کو لینا آتی تھی تھی۔ اور وہ ہوسکتا ہے انہیں اپنی دولت کے بارے میں بتا بھی چکا ہوگا۔  
تو پھر ہم کہاں کے چیرو ہوئے بھائی! سارا معاملہ تو ناگرا کا ہے۔

”کچھ بھی ہو۔ ہم اپنے اصولوں پر قائم ہیں، ہر ایک خاص معاوضے کے دوسروں کے لئے کام کر دیا کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہماری ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔“  
”بلکہ تم مجھ سے ایک شکایت رہی ہے وہاں نے کہا۔ تم دونوں بظاہر ایک ہو کر کام کرتے ہیں لیکن بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں میرا مقصد یہ ہے کہ ہمارے سے بات کرنے کی ذمہ داری جو تمہاری ہوتی ہے۔ اسی لئے تم مجھے اندھیرے میں رکھتے ہو۔ مثال کے طور پر تم نے دلاور کو ہار واپا لیکن اسے براہ راست ناگر کے پاس کیوں نہیں لے گئے۔ لونا کے پاس سے جلدی کی کیا تھی۔ لونا کا اس سے کیا تعلق تھا؟“  
”میں نے کہا کہ ناگر بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا ہار دلاور کا منسلک رہے۔ دوسری طرف وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ وہ دلاور سے نہ دوستی اس کی دولت کا راز انہیں اگلا سکتا دلاور ایک سخت ہلن آدمی ہے۔ اسی لئے اس نے تہی مناسب سمجھا کہ دلاور کو لونا کے پاس پہنچا دیا جائے۔ اداہ ظاہر کیا جانے کہ اس کو رہا کرانے میں لونا کا ہاتھ ہے۔ پھر لونا کے گھر سے بھی ملے جانے کی اجازت دے دی جائے۔ دوسری طرف اس نے آئندہ ویشیا کو اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ اس نے یہ سارا ڈراما اس لئے رچا ہوا ہے کہ دلاور آئندہ ویشیا پر بھروسہ کر کے انہیں اپنی دولت کے بارے میں بتا دے اور وہ دونوں مجھے آکر بتا دیں اور ہم یہ راز ناگر تک پہنچا دیں۔“  
”بہت ہی لمبا چور چڑھتا ہے۔“ موہن نے ایک گہری سانس لی۔ اب ایک بات اداہ اگر دلاور یہ راز دونوں کو بتا دیتا ہے تو انہیں ہمارے پاس آنے کی کیا ضرورت۔ وہ براہ راست یہ راز ناگر تک پہنچا سکتے ہیں۔“  
”تم بھی بے وقوف آدمی ہو۔“ موہن جھلٹا ہوا۔ اسے بھائی۔

نند اور ویشیا تک پہنچنے کا ذریعہ بھی تو ہم ہی بنے تھے۔  
”گویا ہم نے لپکا لپکا لالہ اس کے منہ میں رکھ دیا ہے۔“  
”ایسا ہی سمجھ لو لیکن یہ ہمارا اصول ہے۔ ہم ای انسان سے کام کرتے ہیں۔ ہمیں اپنے کلائنٹ کے لئے یہ سوچنی کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم سے ذہن سے کام لے کر اس نے نئی دولت حاصل کر لی ہے۔ ہمیں تو پوری ایمان داری اور خلوص کے ساتھ اپنی ذکوئی انجام دینی ہے۔ پس۔“  
”اب ایک آخری بات یہ بتا دو ہمارے کہ یہ گروا ویشیا کا چکر چلانے کی کیا ضرورت ہے۔“  
”اس کی دو وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح ہماری ڈال روٹی چل رہی ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم یہ یکدھرت کی باتوں سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر آئندہ ویشیا بھی کہاں آئے ہیں۔ ناگر بھی کہاں آکر ضرورت حال معلوم کر جاتا ہے اس کے علاوہ دوسری باتیں بھی ہم سے اسی ذمے ہر ایک تعلق کر رہی ہیں۔ ہم سے ملتی ہوتی اور ہم ان کے دکھ درد کا بھی علاج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس یہی ہے ہماری زندگی۔ فیکڑوں اور چوٹیوں والی۔“  
”اب ایک بات یہ بھی بتا دو۔ کیا مستقبل میں بھی کسی پارٹی کے ملنے کا امکان ہے۔ میرا مطلب ہے مستقبل قریب میں۔“  
”کیوں نہیں۔“ موہن ہنس پڑا۔ ”ابھی تھوڑی دیر کے بعد ایک پارٹی آنے والی ہے۔ وہ غریبی ملٹی لوگ ہیں۔“  
”بہت خوب۔“ لوب ہماری فہریت غیر ملکیوں تک پھیل چکی ہے وہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔“  
”ان سے بات کرنے کے بعد ہی اندازہ ہو گا لیکن یہ ظاہر ہے کہ وہ کسی لیے چکر میں ہیں۔“  
”دلاور وغیرہ کا کیا ہے گا۔“ موہن نے بلو چھا۔ ”کیا ہم ان کو اسی طرح چھوڑ دیں گے۔“  
”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم ان سے بھی رابطہ رکھیں گے تاکہ ہم اپنی فیس بحری کر سکیں۔ کوئی بے زہر کے کریم ناجائز اور دھت کا مال نہ لگاتے ہیں۔“  
”کھیل کے بیرونی حصے سے کسی کے ہات کرنے کی آواز اس آنے لگیں۔“  
”کیا مصیبت ہے۔“ موہن جھلٹا رہا۔ ”لوگ تو ہر وقت چلے آتے ہیں۔“  
”ڈاکٹروں اور دیگر لوگوں وغیرہ کا کوئی وقت نہیں ہو کرتا۔“  
”موہن نے کہا۔“ ضرورت مند ہر وقت آ سکتے ہیں۔ جاؤ انہیں بلا کرے آؤ۔“

موہن منہ پر ہاتھ رکھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ بلو چھلا۔  
”وہ غریبی ملٹی۔“ اس نے بتایا۔ ”دو ہیں۔“  
”خوب ہے۔ ہمیں ان کی کا انتظار تھا۔“ جاؤ بلا کر آؤ۔“  
وہ دونوں بہت ہی لمبے چوڑے اور خطرناک صورت کے معلوم ہوتے تھے۔ کچھ ان دونوں نے اپنی فنی اداہ کے لباس پہن رکھے تھے۔ لیکن وہ لباس ان کی شخصیت سے ہم آہنگ نہیں تھے۔  
”ہم نے لوگوں کو اس وقت ڈر نہیں کیا۔ ان میں سے ایک نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے ہمیں ہلکا ہلکا دھت میں ادا کیا تھا۔“  
”باجل نہیں۔“ موہن سرکا دیا۔ ”وہی ہے تم جنہوں کے لئے آرام کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔“  
”موہن کی بات سن کر وہ دونوں ہنسنے ہوئے کہ کیا کے ڈش ہی پر بیٹھ گئے۔“  
”ہم نے تمہاری بہت تحریف سنی تھی۔“ دوسرے نے کہا۔ ”آئی نے تم تمہارے پاس آئے ہیں۔“ اس نے بھی بات اردو میں کہی تھی۔  
”آپ لوگوں کا بہت بہت شک ہے۔ لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہوئی ہے کہ آپ ہماری زبان بہت صاف بول لیتے ہیں۔“  
”اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کو خاص طور پر اس زبان کی تربیت دیتی ہیں۔ ویسے میں اپنا تعلق کرادوں۔ میرا نام سینڈر ہے۔ اور یہ میرا بھی کوئی۔“  
”میں موہن ہوں اور یہ موہن۔“ موہن نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب معاملے کی بات ہو جائے گا۔ تمہارے آدمی نے تمہارا پیغام تو تم تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن اس نے اداہ کو نہیں بتایا تھا۔“  
”ہم یہ بات اسے نہیں بتا سکتے تھے۔“ سینڈر نے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”تم پر بھی اسی لئے اعتماد کر رہے ہیں کہ تم نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ ہمیں یہ پتہ چلا کہ تم لوگ کبھی اصولوں کے آدمی ہو۔ اگر پارٹی سے تمہارا سودا ہو جاتا ہے تو تم دونوں اس کے لئے کام کرتے ہو۔ روز انکا کی صورت میں یہ راز کی بظاہر نہیں ہوتا کہ تم سے کسی پارٹی نے کیا کہا تھا۔ یعنی وہ راز تمہارے سینے میں ہی دفن ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ ہمیں اس بات سے بھی کوئی واسطہ نہیں ہو تا کہ وہ پارٹی تم سے فلاں کام کیوں کر واری ہے۔ کیوں میں غلط فہم رہا ہوں۔“  
”نہیں۔ ہمارے بارے میں تمہاری معلومات حیرت

انگریز طور پر درست ہے۔“ موہن نے کہا۔ ”لیکن تم لوگوں سے کچھ کام لینا چاہتے ہو۔“ تمہارے اپنے وسائل بھی کم تو نہیں ہوں گے۔“  
”اسی وجہ سے کہ تم لوگ یہاں کے مقامی ہو۔ میرے کے طرز معاشرت اور طرز باتوں سے واقف ہو۔ ہمیں تمہاری واقفیت بھی کام سے زیادہ ہوئی۔ تم یہاں کے شہروں اور چھوٹے سے بھی واقف ہو۔ تم اپنی طرح جانتے ہو کہ کوئی کام کس شخص اصولوں کے ساتھ کیا جا سکتا ہے۔ پھر یہ کہ تم دونوں فہمیں بھی ہو۔ میرا منصوبہ ہندی کی صلاحیتیں بھی میں تم میں۔ اسی لئے ہم نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ یہ کام ایسا ہے کہ مراد صاحب کے ذریعے نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں بے پناہ ہوشیاری کی ضرورت ہوگی۔ اور اس کے لئے ہندوستان بھر میں تم سے زیادہ موزوں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
”چلو اب وہ بھی بتا دو۔“ موہن نے بلو چھا۔  
”تم لوگوں کو دو دواہر دیوں کی چوری کرنی ہے۔“ کوئی نے کہا۔ ”بس اتنا سا کام ہے۔“ موہن جلدی سے بولا۔ ”میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ کوئی بہت ہی زبردست جہم ہوگی۔“  
”یہ زبردست جہم بھی ہو سکتی ہے۔“ سینڈر نے کہا۔ ”یہ کوئی عام جہم نہیں ہیں۔ بلکہ یہ مالی دہلی کی آنکھوں میں لگے ہوئے ہیں۔ مالی دہلی کا یہ جہم نیپال کی ایک بستی رتا گری میں ہے۔“  
”میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگوں کو ان مہروں کی کیا ضرورت پڑے گی۔“  
”یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ کوئی جلدی سے بولا۔ ”تم اپنا مواضو بتاؤ۔ بلکہ پہلے یہ بتاؤ کہ تم یہ کام کیسے کرنے لئے تیار ہو یا نہیں اس کے بعد ہمیں صورتحال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔ حالانکہ تمہارا اصول تو یہ ہے کہ تم پارٹی سے کچھ نہیں معلوم نہیں کرتے۔ لیکن ہم تمہیں بتا دیں گے۔ تاکہ تم بہت سوچ کچھ کرادو۔ پوری ہوشیاری کے ساتھ اس جہم پر جاؤ۔“  
”صحیح ہے۔“ ہم نے اپنی سوسن نے کہا۔ ”ہمارا اس کے علاوہ اور کام ہی کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے تمہیں دی مواضو دینا ہوگا جو ہم طلب کریں گے۔“  
”میں منظور ہے۔“ سینڈر نے اپنی جیب کو کھینچی دی۔ ”ہم بھی پوری تمہاری کے ساتھ تمہارے پاس آئے ہیں۔“  
•  
”ہمارا آف ٹائم گڑھی سانسیں بہت دیر تک اعتدال میں آسکی تھیں۔“  
”انہیں یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ایک بلند پہاڑ پر بیٹھ رہے ہوں۔ چڑھ گئے ہوں۔ وہ کرور آدمی نہیں تھے۔ ان کے قوی بہت

مضبوط تھے۔ وہ درویش کے بھی عادی تھے لیکن مرض کی یہ حالت  
 اختیار نہ تھی۔ اس میں جبر کا کوئی پہلو نہیں تھا۔ لیکن اس طرح فرد  
 ہونے میں ان کی بھجوری اور غفلت شامل تھا۔ وہ اپنی جان بچانے کے  
 لئے بھاگے تھے۔ اسی لئے ان کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ وہ جہت جہ  
 تک اس جھونپڑی کے دروازے پر پڑے رہے جس کے اندر سے  
 خیر خواہ اور بخشنے والے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

بہت دیر بعد جب ان کے خاص بحال ہوئے تو انہوں  
 نے جھونپڑی کے دروازے پر دستک دے دی۔ دستک دہتی  
 عمر تو ان لوگوں کی آواز میں آئی۔ مرنے والے کی جھجھکیوں سے  
 گیا۔ وہ دروازہ کھولنے والا ایک عورت تھی۔ اور اس کے مزاج آدمی حلیم  
 ہوتا تھا۔ جو سوا رہ گیا۔ ہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
 ”بھگوان کے لئے مجھے پانی لو لیجیے۔ یہ ہمارا جلے گی۔“  
 بڑی دھڑ سے بھاگتا ہوا یہاں تک آیا ہوں۔

”پھل کی کوئی آفت آئی ہے تم پر۔ اس لئے پوچھا۔  
 ”میں سب کچھ بتا دوں گا۔ پہلے مجھے مختصر سا پانی بلا لیا  
 ”ہاں۔ ہاں۔ اندر آ جاؤ۔ وہ آدمی ایک طرف ہٹ گیا۔  
 ہمارا جہل کی جھونپڑی میں داخل ہو گئے کی جھونپڑی  
 کے اندر جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ کوئی اور کو ہونا تو وہ اس  
 طرف سے گزرنے کی پسند نہیں کرتے۔ لیکن بھجوری انہیں وہاں  
 ہونی یہاں تک لے آئی تھی۔ اس جھونپڑی میں تین آدمی اور بھی  
 تھے۔ جو مرض پر مردی پکھاٹے بیٹھے تھے۔ وہ تینوں ہی دروازہ  
 کھولنے والے کی طرح صحت مند اور خطرناک دکھائی دے رہے تھے  
 اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس جھونپڑی میں درویشوں کی بچہ  
 تھا اور وہی کوئی عورت تھی۔

”میں نے تو اسی عمر تو ان لوگوں کی آواز میں سنی تھیں۔“  
 ہمارا جلے اس آدمی سے بلوچھا تو اندر لیا تھا۔

”کہیں انہیں یہاں عورتیں اور بچے بھی ہیں؟“ وہی پوچھنے  
 ہوئے ایک آدمی نے جواب دیا کہ تم ان کی آواز سنو گے۔  
 ہمارا جہل کی جھونپڑی میں انہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے لیکن  
 جب اس شخص نے اس جھونپڑی کے کمرے میں جا کر وہاں رہے  
 ہوئے ایک بچہ دیکھا تو رکا۔ بچہ دو ماہ کا ہمارا جہل کی جھونپڑی  
 سب کچھ کیا۔ وہ آواز اس سے نشی ہو رہی تھیں اور ہمارا جہل  
 ان آوازوں کے دھوکے میں آ گئے تھے۔

”کہا بات ہے ہمارا صاحب۔“ ان میں سے ایک نے  
 ہنسنے ہوئے بلوچھا۔ ”کیا سوچ رہے ہو۔“

یہی کسی کے احساس نے ہمارا جہل کی آنکھوں میں آنسو بھر  
 دیے۔ وہ ان لوگوں کے چہلوں سے نہیں نکل سکے تھے۔ انہوں

نے وہاں قید رہنے والوں کے لئے ہر طرف جان بھار کھنڈنے  
 یہ جھونپڑی بھی اسی جہل کا ایک حصہ تھی۔ ہمارا جہل کی آنکھیں یکے  
 کرنے لگیں۔ اب ہمارا نہیں احساس ہوا کہ انہوں نے جتنی عرصہ  
 کی وہ اس طرح ناکارہ ہو گئی ہے۔ اور آدمی جب اس انداز سے ہکا  
 ہو جائے تو اس کے دل پر کسی قیمت گز جاتی ہے۔ وہ نہ مل  
 ہو کر دلوں کا ہاتھوں سے سر پکڑ کر وہاں بیٹھ گئے۔

ہمارا جہل کو دس ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں انہیں کا  
 گیا تھا۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی دو لوگوں نے اپنا  
 رنگ بدلا اور اسی شخص کی آواز بھری۔

”ہمیں انسان کی اس جہت پر حیرت ہوئی ہے کہ وہ آزاد  
 کیوں ہونا چاہتا ہے۔ حالانکہ قید میں اسے کوئی تکلیف بھی نہیں  
 ہوتی۔ ہر حال ہماری دیکھیں لوگ انسان کی اس عظمت پر بھی  
 نہ توجہ کرتے ہیں۔ یہ آج پہلا واقعہ نہیں ہے کہ کسی نے یہاں  
 سے فرار ہونے کی کوشش کی ہے۔ تم سے پہلے بھی کئی لوگ یہ  
 کوشش کر چکے ہیں لیکن انہیں یہ نہیں معلوم کہ تم کتنی اہم شخص  
 تھو تو یہی دیکھتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فرار ہونے والا کس  
 راستوں سے جا رہا ہے۔ وہ کہاں رہا ہے۔ اس لئے کیا کیا ہے  
 ہماری مشینی آنکھیں ہر گز اسے دیکھتی رہتی ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے  
 کہ وہ ہم سے دور ہو گیا ہے۔ جبکہ ہم اس کے قریب ہوتے  
 ہیں۔ اسی لئے ہم نے ہر طرف اپنے آدمی مقرر کر رکھے ہیں۔ بچنے  
 ایسے فرار ہونے والوں کو دیکھنے کے لئے ہیں۔“

”بھگوان کے لئے اب مجھ سے سب برداشت نہیں ہو  
 رہا ہے۔ ہمارا جہل کے چکر کھاتا آخر تم نے مجھے کیوں پکڑ رکھا ہے  
 ”دیکھو ہمارا جہل۔ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اس کائنات کی کوئی چیز  
 بھی بلا وجہ تخلیق نہیں کی گئی۔ چاہے وہ بہت معمولی قدرتی چیز  
 نہ ہو۔ وہ قدر بھی کسی نہ کسی کام آئی جاتا ہے۔ اور تم تو ہم حال  
 انسان ہو۔ اور وہ بھی ہمارا جہل کے لیے۔ اسی لئے تمہاری افادیت  
 دوسروں سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے ہم تم سے فائدہ اٹھانا  
 چاہتے ہیں۔“

”لیکن میں تمہارے کس کام آ سکتا ہوں۔ میں تو تمہارے لئے  
 گڑھ بھی نہیں بن سکتا۔“

”ہم نے تمہارا جہل کے لئے ہر وہی کردار کر دیا ہے۔ ہم  
 ہر آدمی سے اس کی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق کام لیتے  
 ہیں۔ تم ایک دولت مند آدمی ہو۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم نے اپنی  
 دولت کہاں کہاں چھپا رکھا ہے۔ اسی لئے ہم کو تمہاری دولت کی  
 ضرورت ہے۔ ہم اس کے علاوہ ہالیں تم سے اور کچھ نہیں چاہتے  
 ہمارا جہل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہی کہاں تھی

جو اسے صاحب لے سنا تھی۔ رائے صاحب کی طرح ہمارا جہل  
 کی دولت بھی اب ان کے ہاتھ سے جانے والی تھی۔

”کیوں تم خاموش کیوں ہو گئے؟ اسی آواز نے سوال کیا  
 ”یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جہل نے کہا کہ تم نے دولت اس  
 لئے حاصل نہیں کی کہ تمہارے حوالے کر دیں تم چاہے کچھ بھی کرنا  
 ”یہ تو تم بھی جانتے ہیں۔ ہمارا جہل کہ تم اپنی آسانی سے  
 ہماری بات نہیں مانو گے۔ اسی لئے ہم نے تم جیسے ہمارا دلوں  
 کی خاطر ایک کھیل کا بندوبست کیا ہے۔ اگر تم اس کھیل میں جیت گے  
 تو پھر تم سے کچھ نہیں مانیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ بلکہ تم  
 واقعی آزاد کر دیا جائے گا۔ اور سب سے اچھی بات یہ ہے کہ یہ کھیل  
 تمہارے اور کچھ بے زبان جانوروں کے درمیان کھیلا جائے گا۔  
 کے طور پر کچھ چوہے اس کھیل میں شریک ہوں گے۔“

”کلیا کھانا ہے۔“ ہمارا جہل نے جلدی سے اس کی بات یوں  
 دی۔ ”تم ہمیں خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ بات خود ہمارا جہل کا  
 تھی کہ وہ نے ان پر کیسا تسلط کر لیا تھا۔ ان کی آواز واضح طور پر  
 اس طرح لرز رہی تھی جیسے سردی کا اثر ہو گیا ہو۔

”دوسری طرف سے ایک فقیر سنا دیا۔ پھر خاموشی چھائی  
 ہمارا جہل بہت بے چینی کی ہونے لگی تھی۔ اس شخص نے چوہوں  
 کا تذکرہ کر کے انہیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ آخر یہ لوگ کس قسم کا  
 کھیل کھیلا چاہتے تھے۔ اور وہ بھی چوہوں کے ذریعے۔

ہمارا جہل کی سوجھ بوجھ کا مسلسل زیادہ دیر تک بادی نہیں رہ  
 سکا۔ ان کے کمرے کا دروازہ چاٹا کھلا اور تین آدمی اندر آ گئے۔ ان  
 تینوں نے ہمارا لباس پہن رکھے تھے۔ اور ان تینوں کے ہاتھوں  
 میں نارنج رنگ کی شے تھی۔ جس کے بارے میں ہمارا جہل کا اندازہ  
 تھا کہ یہ چیراں لوگوں کا کوئی دبر دست ہتھیار ہو سکتی تھی۔

”ہذا یانئس۔“ ان میں سے ایک نے بڑے ادب سے  
 ہمارا جہل کو مخاطب کیا۔ ”آپ کو کچھ دیر کے لئے ہمارے ساتھ چلنا ہوگا  
 ہمارا جہل کی یہی سی اس وقت اپنے عروج پر تھی۔ یوں  
 ان کے ساتھ کوئی براہ راستا کرنے کے لئے لے جا رہے تھے لیکن  
 ان کا انداز ایسا تھا جیسے وہ ہمارا جہل کا صدق دل سے احترام کرتے  
 ہوں۔ یہی سی طور پر کسی کو بلا دینے والی حرکت تھی۔ ہمارا جہل  
 کے لئے ان کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا اسی  
 لئے وہ بڑی خاموشی کے ساتھ باہر آ گئے۔

”اس بچہ کو دہریس صبح بھیجتی تھی۔ ہمارا جہل جب یہاں سے  
 فرار ہوئے تھے اس وقت رات تھی۔ پھر انہیں جھونپڑی سے اٹھا  
 کر کہاں تک لایا گیا تھا۔ اور اب صبح ہو گئی تھی۔ صبح ہوئے ہی یہاں  
 کا مقررہ رخ ہو جاتا تھا۔ ہمارا جہل کو اب تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا

تھا کہ کہاں ہوئے۔ ورنہ کام کی نوعیت کی ہے۔ وہ لوگ  
 کو صرف دیکھا کرتے تھے۔ اس وقت تک بہت سے لوگ جن  
 کاموں میں مشغول تھے اور ان کے درمیان جملہ ربا اس والے  
 می فافٹ ٹھوتے پھر رہے تھے۔

وہ لوگ ہمارا جہل کو ان لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے  
 کسی طرف لے جا رہے تھے۔ ان لوگوں نے اس بار ہمارا جہل کی طرف  
 دھیان بھی نہیں دیا تھا۔ ان لوگوں کے درمیان ہمارا جہل نے اپنے  
 صاحب کی جھلک بھی دیکھی۔ رائے صاحب ایک میز پر در کھینچے  
 بیٹھے تھے۔ ان کی میز پر کچھ چیز رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان پر کچھ لکھتا  
 کر رہے تھے۔ رائے صاحب کی میز کے پاس کچھ لوگ بھی کھڑے  
 تھے۔ جو شاید رائے صاحب کو کسی قسم کے حساب کتاب سے آگاہ  
 کر رہے تھے۔ رائے صاحب نے بھی گردن اٹھا کر ایک نظر ہمارا جہل  
 کی طرف نہ دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے ان کے چہرے کا رنگ فق  
 سا ہو گیا تھا۔ پھر وہ اپنے رجسٹر پر جھک گئے۔

ہمارا جہل کو اسٹیشن سے ہی ہوئی ایک عمارت میں پہنچا دیا  
 تھا۔ ان عمارت میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ دروازے  
 پہلے ہمارا جہل کی نگاہوں سے جتنی عمارتیں گزری تھیں ان میں  
 سائنسی آلات تھے۔ عجیب و غریب مشینیں تھیں۔ بدست  
 ہوئے رنگوں کی دیواریں تھیں۔ لیکن اس عمارت میں ایسا کوئی  
 تکلف نہیں کیا گیا تھا۔

اس عمارت میں بھی جملہ ربا اس والے کچھ لوگ موجود تھے  
 ہمارا جہل کو ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ وہ لوگ وہاں چلے گئے۔ کمرے  
 کا دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

اس کمرے میں صرف ایک دروازہ تھا جس کے ذریعے وہ  
 لوگ اندر آئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی کھڑکی وغیرہ نہیں تھی۔  
 البتہ دیواروں کے نیچے فرش کے ساتھ کچھ نور خیزے ہوئے تھے  
 اس کے علاوہ اس کمرے میں کسی قسم کی ٹھنڈ کا احساس نہیں ہوتا  
 تھا۔ اس کے میں فریج نظام کی کوئی چیز نہیں تھا۔ اور نہ ہی فرش پر کچھ  
 پکھا ہوا تھا۔ بالکل ساکھ تھا۔

اچانک اس کمرے میں ایک آدمی آگئے۔ لی۔ ہمارا جہل نے اپنا  
 دھیان اس آدمی کی طرف کر لیا۔ وہ تک کی آواز تھی جیسے کوئی  
 دیوار کھڑکی چل رہی ہو۔ اور وقت کے گزرنے کا احساس دلا رہی ہو۔  
 ہمارا جہل نے اس گھڑی کی تلاش میں دھڑ دھڑکائیں دیاں لیں۔ لیکن  
 وہ گھڑی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

گھڑی کی تک ایک مسلسل جاری رہی۔ یہ آواز آہستہ آہستہ بلند  
 ہونے لگی تھی۔ ہمارا جہل کو اب اس شخص سے بولنے لگا۔ جیسے ان کے  
 اعصاب پر پھوٹے برسے گئے ہوں۔ تک۔ بلند ہوئی ہوئی



اس آواز نے ان کے ذہن میں سرسخت کرنا شروع کر دیا جیسے کوئی  
سپ بھروسے لگے۔ ہمارے نے لمبی دو فون مٹھیاں پیچھیں تھیں  
اب اس ہو گیا تھا کہ یہ چال ان کے اعصاب کو گزروا کرنے کے لئے  
چلی جا رہی ہے۔ اور وہ دشمنوں کے اس حربے کے آگے جھکنا پڑے  
کو تیار نہیں تھے۔ ان کے اعصاب فولادی تھے۔ ان کے ابا و  
مضبوط تھے اور ان کی شخصیت ایسی تھی کہ انہوں نے جھکاؤ نہیں  
کیا تھا۔

وہ آواز ہفتوں سے برساتی رہی ہمارے اسی سختی کے  
ساتھ اپنے ہونٹوں کو پیچھ لیا کہ ان کے دانت ہونٹوں میں پھنس  
ہوئے تھے۔ لیکن یہ آواز اب ان کی روح میں شامل ہو گئی تھی۔  
ان کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دھڑکنے لگی تھی۔ ہمارے  
ایسی کیفیت کا اس سے پہلے کبھی اندازہ نہیں کیا تھا۔ آج انہیں یہ  
معلوم ہو گیا تھا کہ عمومی سی صفائی آواز بھی ان جیسے آہنی انسان  
کو پاگل بنا سکتی ہے۔

”مندر کو یہ سب کچھ“ وہ فوسے دیا ہے۔ میں تمہارے  
کے شکست تسلیم نہیں کروں گا۔ تم لوگ مجھ کو زمین پر رستے  
ہمارے کے اس جھلے کی یادداشت ابھی ختم بھی نہیں ہوئی  
تھی کہ وہ تھمر سنا دیں۔ کھڑکی کی آواز کے ساتھ یہ تھمر بھی ان کے  
اعصاب کے لئے ڈانٹا میٹ ثابت ہوا تھا۔ یہ تھمر جس طرح چانک  
بلند ہوا اسی طرح ختم بھی ہو گیا۔ اور اس آواز کے فاتح کے ساتھ  
ہمارے کو ایک دوسری آواز سنائی دی۔ کھڑکی کی آواز اب نہ ہو گئی تھی  
یہ دوسری آواز کچھ عجیب سی تھی۔ یہ سرسراہٹ تھی جیہٹ  
سے کڑے کلہاڑے ہوں۔ ہمارے نے بولھا کرادھو کرادھو کھا  
دیواروں کے نیچے فرش کے قریب سے ہونے کو اٹھلے سے جہے  
اچھل اچھل کر کرے میں چلے آ رہے تھے۔ وہ پہلے اپنی حرکت  
محرار میں داخل کرتے پھر کرے میں جھلانگ لگا دی۔ خراک دیر  
میں وہ کمران بچہ ہوں سے پھر چکا تھا۔

اور نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ نئی گینش کے ساتھ ڈنچی  
سے جا کر کھڑی نہیں ہوئی تھی بلکہ کوئی جبرائے گینش کے پاس  
لے گیا تھا۔  
اس کی آنکھوں میں چمکی ہوئی ہے۔ اسی اور خوف صاف  
ظاہر ہو رہا تھا۔ جبکہ گینش کے ہونٹوں پر بڑی فاتحی مڑی مسکراہٹ  
تھی۔ اس نے اپنے تین دادر کو شکست دے دی تھی۔  
”کیا تم میرے ساتھ نہیں چلو گی۔“ وہ داونے کی لفظ  
دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
”نہیں یہ تمہارے ساتھ نہیں مانے گی۔“ نئی کے کہنے

گینش نے جواب دیا تھا۔  
”جی اس کی مرضی“ وہ ادا ہوا ہی سے بولا۔ پھل چانک  
آگے بڑھ کر اس نے نئی کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔  
نئی ایک جھٹکے سے اس کے پاس آئی۔ اس کے ساتھ  
داوے نے گینش پر جھلانگ لگا دی۔ گینش نے اس کے کندھے پر  
کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ دواورے اپنے  
ساتھ لیتا ہوا ایک طرف اڑھک گیا تھا۔ گینش نے جیڑ بند کر آواز  
میں دواور کو اپنا دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی چپ  
سے چاقو نکال لیا تھا۔

داوے بھی بھی جا رہا تھا۔ اس نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی تھی  
گینش کے چاقو قلم لے، اسی سرسختوں پر کھڑے ہوئے لوگ اداور  
سمنے لگے۔ داوے نے ایک جھٹکا دے کر گینش کے سینے پر ہرگز سہ  
کی اور بڑی تیز رفتاری کے ساتھ مندر کی سرسختیاں طے کر کے  
گینش نے نئی کا چاقو ہاتھ سے ہونے اس کے پیچھے دور لگا دی تھی  
راستے میں جو لوگ کھڑے ہوئے تھے وہ بھی پھلکا کر ادھر  
ادھر بھاگنے لگے۔ ذرا سی دھم میں وہاں جھگڑنے لگی تھی۔ آخر  
سرسختوں پر ایک آوی چانک دواور کے راستے میں حاصل ہو گیا  
داوے نے اسے پیچھے کی طرف دھک دے دیا۔ اس آدمی کے  
گرتے ہی دواور نے ایک جھٹکا لگا کر اس کے مندر کے اندر لگا لیا۔  
اس نے اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ اس نے یہ سلاخیل  
مند میں داخل ہونے کے لئے رچا ہوا تھا۔

مند میں داخل ہونے کے بعد پھر دیر تک کچھ دکھائی نہیں  
دیا۔ یہاں اندھیر تھا۔ اور نئی سے اندھیرے میں آنے کے بعد  
اس کی آنکھوں اندھیرے سے ملاحظہ نہیں پیدا کر سکی تھیں۔ پھر دھیرے  
دھیرے مندر کے اندرونی حصے کے خدوخال واضح ہوئے۔ لگے  
اس کے ساتھ ہی دھڑکنے ہوئے قدموں کی آوازیں آنے لگیں  
گینش بھی اس کے تعاقب میں زور زور سے دھڑکتا ہوا اس  
بلک پیچھ چکا تھا۔

داوے کے لئے گینش کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ جب چاہتا  
تو کرکھیل سکتا تھا۔ لیکن اس کا مقصد گینش نہیں بلکہ کچھ اور تھا۔  
وہ جس بل میں آکر کھڑا ہوا تھا۔ وہاں کچھ لوگ دکھائی  
دے رہے تھے۔ جو اس مندر کے ہر دم میں یا بھاری ہی ہو سکتے  
تھے۔ کچھ ٹھٹھے مڑوں والے لوگ۔ جنہوں نے اپنے جسم پر صرف  
دھوئیاں لپیٹ رکھی تھیں۔ داوے گرجہ بہت ہی مشکوک انداز سے  
مند میں داخل ہوا تھا۔ اس کے دواور دواور نے اس سے  
کوئی بارے نہیں کی۔ بس ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اپنے  
اپنے بوجھا ہونے میں مصروف ہو گئے۔ حالانکہ داوے جس شخص

کو دھک دیا تھا۔ وہ اب سچل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی  
خاموش تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس مندر کے اندر جالے والوں  
موند ہا رہا تھا۔ اس کا مندر اور ذرا ہر جھک گیا جاسکتا تھا۔ داوے  
کے لئے یہ صبر حوالہ اطمینان بخش تھی۔

اس ہال کے وسط میں کافی دیر کا وہ مت کھڑا ہوا تھا  
جس کے لئے داونے نے جتن کئے تھے۔ تھیرا فٹ کا ایک  
قوی ٹیکل بت تھا۔ اور کافی دیر کے دوسرے ہتھوں سے بالکل  
فنتھ۔ اس کی آنکھوں میں دافنی دھڑکنے ہوئے تھے جن  
کی روشنی اس غم تنیدک ہال میں بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس  
بت کے ارد گرد ایک جھلک رہا ہوا تھا جس میں یقیناً کچھ ایسی  
دولڑائی ہو گئی۔ داوے نے ایک نظر میں سے سب کچھ دیکھ لیا تھا  
وہ دوبارہ مندر کے دروازے کی طرف پلٹ گیا۔ آتی پر  
میں گینش کی پیچھ چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو نہیں تھا لیکن  
اس کے تھیرا فٹ معلوم ہوتے تھے۔ داوے اسے دھک دیتا ہوا  
اس کے برابر سے تھیرا فٹ اٹھا لیا۔ گینش کو قلعہ کچھ لگا  
رہی ہو گی کہ داوے اس طرح پھر اس کے برابر سے گزر کر اپنے چلا  
جائے گا۔ اسی لئے وہ کچھ دیر سے اس کے عالم میں رہا تھا۔ لیکن اسے  
میں بھیوں پر کھڑے ہوئے لوگ اب گینش کو دیکھ کر سننے  
لگے تھے۔ داوے نے اسے سنا کر کھڑک دیا تھا۔ داوے گینش کی بھاگ  
دوران کے لئے اب تماشا بن کر رہ گئی تھی۔ داوے بھی اب انگریزی  
کے پاس آکر کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر بڑی عجیب  
سی مسکراہٹ چھیلی ہوئی تھی۔

”یہ تم کیا کر رہے ہو۔“ نئی نے حیرت کہا۔ ”تم نے اسے  
میری طرح بھڑکا دیا ہے۔“  
”میں نے جان لو کچھ کہ یہ حرکت کی ہے۔“ داوے نے تلیا  
اب تم میرے ساتھ چل دو۔ میں نہیں چاہتا کہ اس مندر کے پاس  
کوئی رہے گا۔“

نئی نے گینش کی طرف دیکھا جو اتنی دیر میں کی برہنہ  
طرے چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں دوبارہ چاقو دکھائی دے رہا تھا  
”تم اس کی طرف مت دیکھو۔ داوے بولا۔“ مجھے اندازہ ہو گیا  
ہے کہ تم اس سے خوفزدہ ہو۔ تم چلو میرے ساتھ میں نہیں  
بیکھر کے لئے اس کے خوف سے نجات دلا دوں گا۔“  
نئی بکیتی ہوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔ تم ماشا دیکھنے  
والے بھی کچھ لوگ ساتھ ہونے تھے لیکن سختی دور جانے  
کے بعد ان میں سے بہت سے رک گئے۔ جبکہ گینش دوڑتا چلا  
آہٹا تھا۔ داوے اور نئی نے اپنی رفتار تیز کر لی تھی۔ گینش کی حالت

اس وقت جنہوں جیسی ہوری تھی بالآخر ایک مقام پر داوے  
رک گیا۔ نئی بھی اس کے ساتھ کھڑی ہوئی۔ گینش ان کے قریب  
پیچھ گیا۔

”کیا بات ہے۔“ داوے نے جھلے والے انداز میں اس  
سے پوچھا۔ ”کیوں بالوں کی طرح حملہ اٹھا کئے جا رہے ہو۔“  
”میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ گینش غراہا۔  
داوے تھیں بڑا۔ اس کی اس تھیں نے گینش کو اور بھی بھڑکا  
دیہ۔ وہ واقعی کسی باغ کی طرح داوے پر چھٹ پڑا۔ داوے نے کھینچ  
دے کر اس کے چاقو قلم ہاتھ کو گرفت میں لینا چاہا لیکن گینش  
نے غیر ارادی طور پر ہاتھ ایک طرف کر لیا تھا۔ اس نے داوے  
اس کے ہاتھ کو گرفت میں نہیں لے سکا۔ بلکہ گینش کے چاقو نے  
اس کی کلائی پر ایک گہری خراش ڈال دی تھی جس سے گرم خون  
نکلتے لگا۔ اس کے ہاتھ سے خون نکلتے دیکھ کر نئی چیخ اٹھی۔ جبکہ  
گینش نے فاتحانہ انداز سے ہلستے ہوئے داوے پر دوسرا حملہ  
کر دیا۔ داوے کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

گینش ہر دیا اپنے جیسے بل میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا اس  
ہار داوے نے اپنی ہمارت سے کام لیتے ہوئے اس کی کلائی  
پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اسی لئے جب اس نے ایک جھڑکا دے کر اپنے  
بارو کو ایک بل دیا تو گینش کی کلائی کی بڑی ٹوٹ گئی۔ چاقو اس  
کے لیے جان انگلیوں سے نکل کر زمین پر گر پڑا۔ وہ کی چوٹ کھا  
ہوئے تھے کی طرح بلبلائے ہوئے زمین پر لیٹ گیا۔  
داوے نے اس کا لہجہ اچھا چاقو اٹھا لیا۔ اس کے ہاتھ میں  
چاقو دیکھ کر گینش نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن داوے نے  
ایک زوردار ٹھوکر اس کی پسلی پر رسید کر دی۔ وہ گر کر انہوں زمین  
پر لیٹ گیا۔ دوسری جھٹکوں میں اس کے منہ سے کی ہولکل کی تھی  
اب وہ کسی لئے پس اور کور جا کی طرح پڑا ہوا تھا۔ داوے نے چاقو  
کی نوک اس کی گردن پر رکھ دی۔

”نہیں نہیں اسے مت مارو۔“ نئی جلدی سے لہلہ پڑی۔  
”آسے۔ لوں۔ ای۔ رہنے دو۔“  
”میں اپنے لئے اسے نہیں مارتوں گا۔“ داوے نے کہا۔ ”بلکہ  
میں تمہارے ذہن سے اس کا خوف دور کرنا چاہتا ہوں میں  
نے یہ محسوس کیا ہے کہ تم اس سے خوفزدہ ہو۔ اب میں اس کا  
سبب تم سے نہیں بلکہ اس سے معلوم کروں گا۔“  
”بھگوان کے لئے چھوڑ دو۔“ گینش بلبلا کر بولا۔ ”میری  
بڑی ٹوٹ گئی ہے۔“  
”میں بھی جانتا ہوں۔“ داوے نے بڑا۔ ”لیکن تم مجھے یہ بتاؤ  
کہ کئی تم سے خوفزدہ کیوں ہے۔“

”متمرو میں بتاتی ہوں، غنی جلدی سے لہلہ پڑی ہے مجھے“

بلک میل کر رہا ہے۔  
”میرے ذہن میں ای قہری بات تھی، ڈاورنٹش کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سمجھ لیا تھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ایسی قسم کا ڈیڑھ گھنٹہ وہ لوگ جہاں موجود تھے، وہ ایک میدان تھا۔ دھندلک پھیلا ہوا اس میدان میں خوردہ دھندلک دے تھے۔ یہاں بدلتی ہوئی کھڑی تھی، جیسے ہمتی والے اپنی طاقت اس میدان میں لاکر پھینکتے ہوں، اس میدان میں ان لوگوں کے علاوہ اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔“  
”نہاں اب بتاؤ دواصے زنگش کے بالوں کو ہکا کر چھلکایا یہ کس قسم کی بلک ہنگامہ ہے۔ میری نظر میں وہ شخص دنیا کا سب سے کھانا دانا شخص ہے جو کسی لڑکی کو بلک میل کرتا ہو گا۔“  
”اس میں گھٹے۔ گھٹے پیسے ملتے ہیں یا زنگش کہتے ہوئے لولا اگر تم چاہو تو۔ میں نہیں جانتی۔“  
دواصے ایک جھپٹے سے اس کے بال جھڑ دینے، اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ ٹھٹھے کی یاد دینے اس کے چہرے کے نفوش تبدیل کر دیتے، اس نے ایک ہاتھ ادا ہلکا ادا پوری قوت سے زنگش کی گردن پر دھسے مارا۔ چٹاخی کا آواز کے ساتھ ہی زنگش کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ کوشم کوئی طرح پھوٹ کر لگا، اس کے منہ سے خون لپٹنے لگا تھا۔ پھر خون اس کی آنکھوں اور کانوں سے بھی رستے لگا، اس کی حالت دیکھ کر غنی کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے اسے گتہ ہو گیا ہو اور ڈانٹش کو ایسی حالت میں جھڑو کر لیا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ابھی تک وحشت طاری تھی۔  
اچانک غنی نے ایک جھپٹے سے اس کے ایک طرف دوڑ لگا دی وہ اس طرح دوڑ رہی تھی جیسے اس نے کوئی بلا دی ہو۔ دواصے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی تھی۔ اس نے غنی کو بالوں سے پکڑ کر اس کے چہرے پر ایک پتھر سید کر دیا۔ پتھر ٹھکرائی جاکر ایک طرف جا گری اس کی آنکھوں سے بری طرح انسو بہ رہے تھے۔ ادا اس کے پورے جسم پر لڑھکھ طاری تھا۔  
”تمہارا گیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ڈاورنٹش یا کیوں بول رہی تھیں۔“  
”مجھے مدت مروت مارو مجھے نی غنی نے اپنے ہاتھ جوڑ لئے۔ میں نے تمہارا کچھ نہیں لگا دیا ہے۔“  
”اوہ“ دواصے ایک گہری سانس لی، پاگل ہو تم، میں نہیں کہیں منہ نہ لگا چلا آٹھو! اس نے سہلے سے گتے لپٹا ہاتھ غنی کی طرف بڑھا دیا غنی نے تجھ سے ہونے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دواصے اسے کھڑکھ دیا تھا۔ میں تو اس کو بھی مدد نہیں چاہتا

”میں نہیں سمجھی کیسا قرض؟ غنی حیران دکھائی دے رہی تھی۔“  
”اس صورت کو غری بے ہوشی سے قتل کر دیا گیا ہے۔“  
دواصے بتاتا۔ ”مجھے اندازہ ہے کہ اس کا قاتل کون ہے میں اس کے قاتل سے انتقام لینے کے لئے زندگی کی طرف گیا تھا۔“  
”ہاں رام میں تمہارا ایک کچھ نی غنی نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر پر لٹایا اور ڈھال ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔“  
”جو لڑکی ایک ہاتھ اپنے گھوٹے لٹک جائے۔ اس کے ساتھ ای قسم کے واقعات پیش آتے ہیں؟ دواصے نے کہا میں نے نہیں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تمہارے حالات کیا تھے۔ اور تم کس طرح مجھ سے ہوتی تھیں۔ کچھ دیر میں ایسی بہت سی گماناں سن چکا ہوں میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ زنگش تمہیں کس طرح بلک میل کر رہا تھا۔“  
”ہر نفس اور موسیقی کا چکر تھا غنی نے کچھ دیر بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔“ میں اسی لئے اس کے ہنرے میں بیٹھ گئی۔“  
”صاف صاف بات کرو۔ یہ نفس و موسیقی کا تذکرہ تم سے پہلے بھی سن چکا ہوں، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جس جہتی میں دنیا بھر کے جازم ہوتے ہوں۔ وہاں نفس اور موسیقی کو ایسی کون سی اہمیت حاصل ہو گئی۔ یہ تو بہت عامی بات ہے۔“  
”یہ عام نفس اور موسیقی نہیں ہے۔ غنی نے بتایا، بلکہ یہ ایک ایسا گھناؤنا نفس ہے جس کا مقصد تصور بھی نہیں کر سکتے۔“  
”میرا خیال ہے کہ تم اب سب بکھڑے ہو، دوڑو۔“  
”ایک گہری سانس لی۔“ درمیان میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکتا۔“  
”پہلے تمہیں یہ بتاؤ کہ زنگش کو قتل کرنے کے بعد اتنے مطمئن کیوں ہو، کہا نہیں چکے جالے کا خوف نہیں ہے۔“  
”نہیں۔“ دواصے کرا دیا۔ ”میں اس جہتی کے حالات دیکھ چکا ہوں یہاں کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ کون کتنی طاقت استعمال کر سکتا ہے۔ پس جس کے پاس جتنی طاقت ہے وہ اتنی ہی خوف ہے۔ یہاں پولیس اور اول تو دکھائی نہیں دیتی، اگر بھی قواں کا انوازہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ یہاں ہونے والے جرائم کی راہ نیکر کاؤٹ نہیں بنتی، اسے یہاں ہونے والے قتل وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ متان کیا ایک ایسی جہتی کا وجود کیوں کر ممکن ہو گیا جہاں سرے سے کوئی قانون نفاذ نہ ہو۔“  
”مجھے تو یہاں اگر یہ غمناں ہو رہا ہے جیسے میں کسی دوسری دنیا میں پہنچ گیا ہوں۔“  
”یہ سب کالانی موت کی وجہ سے ہے۔ غنی نے کہا۔ ”مثالیہ

”تمہیں اس کا نام سن رکھا ہو۔“  
”اوہ، کالانی موت؟ دواصے سے کھڑا ہو گیا۔ گویا تم بھی اس کے نام سے واقف ہو۔ میں اس کا نام آجی ہاں سن چکا ہوں کہ اس سے وحشت ہونے لگی ہے۔ کاش وہ ایک بار میرے سامنے آجائے تو مجھ میں اسے ہتھکڑوں کے موت کے ہتھکڑیں۔“  
”اگر تم چاہو تو میں تمہیں کالانی موت تک پہنچا سکتی ہوں۔ غنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔“  
”کہا؟ دواصے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ تم کہاں پھر ہو؟“  
”تھک کر رہی ہوں۔ میں اس کالانی موت کے ٹھکانے سے واقف ہوں۔“  
●  
”اے کاے کو کھانی پہلی بوم مارتا ہے؟“ عدیل نے کمر لٹے ہوئے کہا۔ اپنا کمر اسٹاد کو معلوم ہوئی گا تو سلا وہ ٹین فٹنگ کر دے گا۔“  
”تم کس استاد کی بات کر رہے ہو۔ ڈاورنٹش میں ایک طرف سے آواز دانی۔ یہاں کسی استاد کا بس نہیں چلتا۔ یہ بھی سلا اپنے علاقے کا استاد تھا، لیکن ہو گیا، آج ادھر ادھر سے کس پر لڑاؤں۔“  
”عدیل نے اس آدمی کی آواز سن کر کچھ گھبرا ہوا۔ پھر خاموش ہو گیا وہ تو بہت دیر سے اسی قسم کی باتیں کر رہا تھا۔ اسے تو یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ یہاں کتنی دیر سے یہاں کتنے دواصے کے قریب ہے اس کے ذہن پر ایسی دھند چھائی ہوئی تھی جس کا تجربہ اسے پہلے بھی نہیں ہوا تھا۔ کچھ بھی دھند اس کے ذہن سے چھٹ گئی جاتی۔ اس وقت عدیل کو اپنے ساتھ ڈورے ہوئے واقعات اس طرح یاد آنے لگے جیسے کچھ عیامہادوں کے درمیان بھی کچھ ایک لگے اس کے بعد پھر دھند چھا جاتی اور اس وقت اسے کچھ یاد نہیں آتا۔ ایک غمخوئی کے سوا اور کوئی احساس نہیں ہوتا۔  
اس وقت کچھ کچھ عیامہادوں کے درمیان کچھ ایسی جھلک رہی تھی۔ ادا سے واقعات یاد آنے لگے۔ ادا نے یاد کیا تھا کہ اس کا ایک استاد اور اس کی نوکارتا تھا۔ دواصے اور انتہائی دلیر اور خطرناک کوئی تھا۔ وہ عدیل کو اس مصیبت سے نجات دلا سکتا تھا۔ اس نے پہلے کچھ کی گند انتہائی خطرناک مواقع پر عدیل کی مدد کی تھی، اسے یہ بھی یاد آ رہا تھا کہ وہ دواصے کے بھائی کیلئے کے ساتھ اپنے فلیٹ میں تھا کہ اچانک کچھ مسلح لوگ اس کے فلیٹ میں داخل ہو گئے۔ ان کے پاس عجیب قسم کے ہتھیار تھے۔ انہوں نے ان ہتھیاروں سے ان دونوں پر فائر کر دیا۔ وہ دونوں مے قتل ہو گئے لیکن ان کے ذہن غمخوئی کی کیفیت میں چلے گئے۔ ان ہتھیاروں سے عجیب قسم کی گولی تھی پٹری ٹھنڈی تھیں تھک کر سلا دینے والی۔ وہ دونوں ذرا کچھ ملاقات



وہ ساری رات دلیلی دالے کے انتظار میں رہا۔ پچھونچ  
آیا اور اس وقت اکیلا تھا اس وقت تہہ خانے میں موجود لوگ  
بہر پھیلے گری ٹیڈ سحر ہے تھے۔ عبدالکئی سویا ہوا تھا لیکن  
اس دلیلی دالے نے اگر اسے بیدار کر دیا۔  
”جوان! اس نے پہلے کی طرح سرگوشی کی: ہوش میں رہنا  
بھوش میں!“

میں ساتھ صرفے کا دروازہ بند کیا۔ تالہ لگایا اور چابی جیب میں لٹکی۔

یہاں اس قسم کے واقعات ہوں :

”نہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ یہ ملک سائنسی طور پر ابھی اتنا پیڑاؤں میں نہیں آگیا ہے کہ یہاں اس قسم کے سائنسی شہدے دکھائے جا سکیں۔“

”ایسا نہ کہیں افضل۔ آپ کو شاید یہ نہیں معلوم کہ یہاں کے محرموں نے بھی اب سائنسی اہم نفسیاتی حربے استعمال کرنے شروع کر دیئے ہیں۔“

لیکن تم مجھے معاف نہیں کرو گے۔

”اس کی وجہ یہ ہے کہ دوست کے میں بھگوان نہیں  
البتہ ہوں۔ اور اس میں معاف نہیں کرتا۔ ناگ کے ہونے پر ایک  
زہریلے مسکراہٹ تھی۔ اس کے علاوہ تم نے بھی تو سوچو کہ میں نے اب  
نہ تم سے کتنا دودھ ستا نہ سلوک کیا ہے۔ تم سے مختلف معاملات  
میں منظر سے لیت رہا ہوں۔ تمہیں یہ احساس بھی نہیں ہونے دیا  
ہے کہ تم میرے زہر آثر ہو۔ یا میں تمہاری کسی کمزوری کا فائدہ اٹھا  
رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر تم اتنے  
پریشان کیوں ہو؟

”کیا بتاؤں؟ جیتنے والے ایک گھری سانس کی ایک آواز سے  
نواقب میں ہے۔ وہ آواز یہ کہتی ہے کہ میں نے بہت سے جرائم  
اور گناہ میٹھ لئے ہیں اور اب مجھے شانت ہو جانا چاہیے۔ ہر  
بھگوان جب مجھ پر اپنی گرفت سخت کرے گا تو مجھے نہیں پتا  
نہیں ملے گی۔ بس اسی خیال نے مجھے خوفزدہ کر رکھا ہے۔“  
”میرے دوست اول تو اس غلطی اور ترقی یافتہ دنیا میں  
ایسی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود تم نے اگر  
دھرم جاری بننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ تو یقین مانو میں تمہاری  
راہ میں کاوش نہیں ہوں گا۔ تمہیں جانے کی اجازت دے دوں گا  
یہی نہیں تمہاری کمزوریوں کے جو فیوت میرے پاس ہیں وہ بھی  
واپس کر دوں گا؟

”کیا جیتنے والے یقین نہ کر لے والے انداز میں اس کی طرف  
دیکھا؟ یہ کہہ کر رہے ہو۔ کیا ایسا ممکن ہے۔“  
”ہاں۔ لیکن اس حرف ایک آخری کام نہیں کرنا ہوگا۔ میں  
اس پیڑ سائن کو اپنی راہ پر لانا چاہتا ہوں۔“  
”پھر وہی بات۔ میں نے تمہارا دیا نا کاب مجھ سے یہ سب  
جمنیں ہوسکتی؟

”یہ تو تمہیں کرنا ہوگا۔ تم پیڑ سائن ہر اپنی وی دوا آناؤ  
یہ ایک ارب بچاؤ آتی ہے۔ میں بھی شاہد اس کے بعد اس کھیل  
سے باز آ جاؤں۔ لوں مجھ کو کہ یہاں آخری نشان ہوگا۔ اس کے بعد  
میں تمہیں رحمت نہیں دوں گا۔“  
”تم یہ وعدہ مجھ سے پہلے بھی کر چکے ہو۔“  
”لیکن اس بار اس کی ذمیت قنات ہے۔“ ناگ نے ہر ایک  
سائن کی دولت حاصل کر لینے کے لئے وہیں اور کچھ کرنے کی ضرورت  
نہیں ہوئی۔

”جیتہ چند عورتوں تک ٹھٹھک کے عالم میں ناگ کی طرف دیکھتا  
رہا پھر ایک طویل سانس سے کہہ دیا۔“ ٹھیک ہے لیکن یہ میرا آخری کام  
ہوگا۔ اس کے بعد چاہے کچھ بھی ہو جائے میں تمہاری بات نہیں مانوں گا۔“

”لوگ ناگ خوشی سے اچھل پڑا۔ تو یہ کام آج ہی سے بلکہ  
سے شروع ہو جانا چاہیے۔ تم جا کر پیڑ سائن کی اسٹری کرو۔ دیکھ  
لو۔ وہ سڑک کاادی ہے۔ اور کتنی آسانی کی کتنی دشواری سے  
وہ سڑک میں آجائے گا۔ بلکہ ایسا کرو۔ شام کو چنے پر اس سے  
ملاقات کر لینا۔ میں جب تک ہزاروں اس کا جھمپتا کرے گا  
لے کر دیتا ہوں۔“

ناگ اس کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے جانے کے بعد ناگ  
جیتنے پر بھلائی انداز میں گردن ہلاتا اور کمرے میں بیٹھتا۔ وہ کچھ  
اٹھا اٹھا دکھائی دیتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کسی صبح میں بٹھا  
ہو۔ پھر دوسرے دھبے اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پر ایک  
آئی۔ جیسے اس کے ذہن میں اپنے مننے کا کوئی حل آ گیا ہو۔  
پیڑ سائن سے اس کی ملاقات ناگ کے کہنے کے مطابق  
کی جائے پھر ہوتی تھی۔ اس وقت وہ لوگ باہر ان میں بیٹھے تھے  
جہاں آرام دہ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان سے کھٹا فاصلہ پور  
ملا زمین ادب سے کھڑے تھے۔ اس وقت سائن کے ساتھ  
بھی موجود تھا۔ جو اس وقت بھی سائن کے ساتھ بہت اذیت  
دکھائی دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

”تو پھر میں کب اس مقام پر پہنچتا ہے؟ سائن نے ناگ پر  
دیکھتے ہوئے بوجھا۔ میں اپنے دوست کی وجہ سے بہت اذیت  
پریشان ہوتا ہوں۔“

”بس کل صبح ہم لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ ناگ نے کہہ دیا  
جہاں یہاں سے زیادہ دھن نہیں ہے۔ جہاں وہ اڑن فٹری دکھنا  
دی تھی۔“

”کیا آپ کو بھی ایسی باتوں پر یقین ہے ڈاکٹر جیتے؟ سائن  
نے جیتے سے سوال کیا۔

”کہہ کر نہیں سکتا۔ جیتے نے جواب دیا۔ ویسے وہ دونوں  
جو اس تاہلکاری اذیت کی وجہ سے تپنا ہوئے ہیں۔ ناگ کا یہی  
ہے کہ انہوں نے ایک اڑن فٹری دیکھی تھی۔

”یہ معاملہ بہت پر امن لوگوں کے دلچسپ مضمون ہوتا ہے۔ سائن  
نے کہا۔“ اگر سب درست ہے تو دنیا بھر کے سائنس دان  
نیلم ٹوڈ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہیے۔“

”آپ لوگ بائیں کمرے میں آجائے۔ ناگ نے ناگ کو بول کر  
کے ساتھ ہی اس نے جیتے کو آکھ کے اشارہ کر دیا۔ حق یہ ہے  
کا اشارہ مجھ کو کہی گردن ہلا دی۔

سائن نے اپنا پائپ سلاکھا اور دھبے دھبے کس  
ملا۔ اس کے ساتھ پھر پھر کی ہوئی سوتیلیں۔ ظاہر ہے کہ یہ  
س وقت کچھ سوچ رہا تھا۔ جیتے نے اس کے چہرے پر ہر

یہ اپنے چہرے کی بناوٹ سے سائن ایک مضبوط قوت لڑی  
آؤی معلوم ہوتا تھا۔ اور اسے لوگ آسانی سے ٹراس میں نہیں  
اگرے تھے۔ اس نے ناگ کے کہنے پر ہلکا سا جھٹکا جن لوگوں کی طبیعت  
نہیل کر دی تھی۔ وہ ہیلیدی طور پر گردور لوگ تھے۔ ان کے پاس  
قوت لڑائی اور قوت فیصلہ کی تھی۔ اس کے علاوہ جیتے کا طریقہ کار  
بھی کچھ مختلف تھا۔ وہ صرف ٹراس پر اکتفا نہیں کیا کرتا بلکہ اس شخص  
لوگ خاص قسم کی دوا استعمال کرانی جاتی تھی جسے ذہنی طور پر  
نہیل کرنا ہوتا تھا۔ اس دوا کی خاصیت یہ تھی کہ وہ آہستہ آہستہ  
مجھے کی قوت ختم کر دیتی تھی۔ دوا استعمال کر کے والے کی قوت لڑائی  
اوردور ہوتی جاتی تھی۔ اس پر اسے ٹراس میں لایا جاتا تھا۔ پھر  
ہی کمرے پر لڑ کے مٹائے ہوئے جیسے سے پوری ہو جاتی تھی اور وہ  
فصل مکمل طور پر خود کو ایک دوسرا فرد سمجھنے لگتا تھا۔ اور لا شعوری  
طور پر جیتے کی ہدایت کے تحت وہ ناگ کے زہر آثر آ جاتا اور ناگ  
فصل سے فائدہ اٹھاتا کرتا۔ اس شخص کی دولت رفتہ رفتہ ناگ کی طرف  
منتقل ہوتی جاتی اور پھر عرصے کے بعد وہ شخص ذہنی اور معاشی طور  
پر تباہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ ناگ نے بلیک میننگ کا یہ ایک عجیب طریقہ  
اختیار کیا تھا۔ ڈاکٹر جیتے کے تجربے کے مطابق وہ ایک اذیت  
فصل تھا۔ لے وہ ہی قسم کی حیرتیں کیا کرتا۔ اور نہ عام طور پر کسی کو  
بلیک میننگ کرنے کے لئے ایسے طریقہ اختیار نہیں کئے جاتے۔

اس کھیل میں ڈاکٹر جیتے ناگ کا سب سے بڑا معاون تھا۔ بلکہ  
ہ ہمارا زیادہ دوست ہو گا کہ جیتے کے بغیر ناگ نہیں کر سکتا تھا۔ دوا  
کی طرح جیتے کی ناگ کے اشاروں پر چلنے کے لئے مجبور تھا۔ اس کی  
دو تھی کہ ناگ کے ہاتھ میں اس کی ایک ایسی کمزوری آگئی تھی جو  
اگر ظاہر ہو جاتی تو جیتے تباہ ہو کر رہ جاتا۔ اور اب جیتے کو احساس ہونا  
تھا کہ اپنا دامن صرف رخصت کرنا ضروری ہو کر رہا ہے۔ اس کے بغیر  
آؤی ایک ماہ قمار کی بھی نہیں گزار سکتا۔

ذہن کو مادم کرنے والی دوا ڈاکٹر جیتے کی ہی ایجاد تھی۔  
اس دوا کے استعمال سے ذہن کے خلیے کمزور ہو کر شرمسار ہوتے  
تھے۔ عام طور پر ایسا ہونا تھا کہ ذہن باطل کی ماف ہو کر رہ جاتا  
لیکن ٹراس میں لانے کے بعد اس شخص کی ذہنی کیفیت کو کسی خاص  
نعت کی طرف مائل کرنا جاسکتا تھا۔ مثلاً کسی کو اگر یہ باور کرنا ہو کہ وہ  
قوت بن گیا ہے اور اسے صرف دوا ہی استعمال کرانی تھی تو تو  
وہ پھر اپنے آپ کو مکمل طور پر عورت ہی سمجھنے لگتا۔ اس کی کچھ سی  
نقصیت اس کے ذہن سے ماف ہو جاتی۔ اس طرح وہ معاشی  
اور دیگر سماجی دوسرے کام کرنے کی قابل نہیں رہتا۔ لیکن  
ان لوگوں کا طریقہ کار یہ تھا کہ دوا کے ساتھ ساتھ اس شخص کو ٹراس  
میں لگا کر اسے ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ اگرچہ عورت بن چکا ہے لیکن

وہ اپنے کاروباری فرائض پورے کی طرح انجام دے سکتا ہے اور  
چپک پر محفوظ بھی پہلے کی طرح کر سکتا ہے۔  
”تم کو کیا سوچنے لگے ڈاکٹر جیتے؟ یہ سائن نے اس کی طرف  
دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھ نہیں؟ وہ جو چپک بڑا۔ مجھ جلدی سے بولا۔ سائن  
اگر بلیک سے کچھ کہوں تو کب تک میری بات پر یقین نہ کر لے گا۔  
کیوں نہیں۔؟ سائن نے کہا۔ ابھی تو پائپ ایک طرف  
دیا۔ کیا کہا جاتا ہے۔“

”اگر میں نے کہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔ کیونکہ یہاں تمہارے  
لئے خطرہ ہے۔ تمہیں ایک عجیب طریقہ سے تباہ کر دیا جائے گا تو  
کیا تمہیں یقین آجائے گا؟

”بالکل یقین آجائے گا؟ سائن مسکرا دیا۔ کیونکہ یہ بات میں  
پہلے سے جانتا ہوں۔“

”کیا ڈاکٹر جیتے کی آنکھیں بھی نہ گھیں؟ یہ کیا کہہ رہے ہو۔  
کیا تم جانتے ہو؟“

”ہاں۔ میں ہمارا جہ آف نیلم ٹوڈ کے لڑکے کے ہاں سے  
جاتا ہوں کہ وہ اس انداز سے لوگوں کو بلیک میننگ کر رہا ہے۔“

اس جیسے کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔  
یہ ایک ایسا انکشاف تھا جس نے دلائل کو جہاں کر دیا تھا۔  
وہ سکتے کے عالم میں خطرہ لگ گیا تھا۔ وہ کبھی اس شخص کی طرف دیکھتا  
پھر شبہ پر اٹھتا۔ ان دنوں جو خود کی ایک بہت کی طرح گھڑی ہوئی تھی۔  
کہا دلاؤں نے ان دونوں سے جھوٹ بولا تھا۔ شبہ تو خود پر بہت  
اعتماد تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی اداؤں کے ذریعے دلاؤں کو دولت  
کا راز ظاہر کرے۔ پھر خود کر سکتی ہے۔ پھر وہ دلاؤں سے کیا معلوم  
کرتے ہیں کہ یہاں ہوئی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ دلاؤں نے نواسے بھی  
دھوکے میں رکھا تھا۔ اس سے جھوٹ بولا تھا۔ آخر کیوں کہا  
دلاؤں کو شبہ پر اٹھنا نہیں تھا۔ اگر کیا بات تھی تو پھر یہ بہت خطرناک  
صورت حال تھی۔ دلاؤں جیسے آؤی کی نفی لغت مول لینے کا مقصد یہ تھا

کہ اپنی زندگی تباہ کر لی جائے۔  
یہ بھی تو جھوٹا تھا کہ دلاؤں کی دولت کسی اور کے۔ بھلا  
تھی ہو۔ ہوسکتا تھا کہ جیتے کسی شخص کو جیسے کے اندر رکھتی تھی  
دولت کے بارے میں اتفاق کو کچھ معلوم ہو گیا ہو۔ ورنہ وہ  
دولت حاصل کرتی ہو۔ اگر ایسا تھا تو کبھی یہ خسروہ ولی ہتھی کرے  
دلاؤں نے اس دولت کے بارے میں شبہ اٹھاتا تھا اور دولت  
غائب دیکھ کر اس کا دھبنا شبہ کی طرف جاتا۔ دونوں صورتوں میں  
ان کے لئے بے نشان نہاں پیدا ہو گئی تھیں۔



”کیا تم نے خشک سے دیکھ لیا ہے شیلہ؟ دراج نے  
 اٹھ کر دیکھا۔  
 ”کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں ہے؟ شیلہ نے اس سوال کو  
 ڈالا تو پھر ایسا کرو۔ تم خود ہی دیکھ لو۔  
 دراج تہذیب کے عالم میں کچھ دیر تک کھڑا رہا۔ شاید  
 ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اس سے کیا کرنا چاہیے۔ بالآخر  
 نے خود ہی جتنے کے جتن میں اس دولت کو تلاش کرنے کا ارادہ  
 کر لیا۔ وہ مزید اطمینان چاہتا تھا۔ وہ جھٹکوں کے بل جھکا اور اسی  
 وقت کوئی ٹھنڈی اور سخت چیز اس کی گردن سے آگئی۔ اس نے  
 بوکھلا کر کچھ کی طرف دیکھا۔ وہ شیلہ تھی جس نے اپنے لباس سے لپک  
 چھوٹا ہسٹل نکال کر اس کی نال دراج کی گردن سے لگا دی۔ اوقت  
 اس کے چہرے کے تاثرات بالکل تبدیل ہو گئے تھے۔ وہ کوئی اور  
 ہی معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے ہونٹ پیچھے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں  
 اندر دیکھنے سے دیکھ رہی تھیں۔  
 ”یہ کیا حرکت ہے شیلہ؟“ دراج نے بوکھلا کر پوچھا۔ کیا تم  
 پاگل ہو گئی ہو؟  
 ”پاگل؟“ یہ سن کر وہ ہنس پڑا۔ ”شیلہ نے کہا۔ اس  
 جتنے میں چھپی ہوئی دولت میری ہے۔  
 ”کہا۔“ حیرت کی شدت سے دراج کی آنکھیں کھلی رہ گئیں  
 تو ہنسنا بھول کر رہی ہو۔  
 ”ہاں۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ جب میں دولت کے غائب  
 ہونے کا ہوا نہ کروں گی تو تم میری بات مان کر پیچھے ہٹ جاؤ گے لیکن  
 تم نے خود ہی جتنے کے جتن اندر دیکھنے کا ارادہ کر لیا۔ اسی لئے میں اب  
 کچھ نہیں کر سکتی۔ اس کے اندر دولت موجود ہے۔ اور یہ دولت  
 میری ہے۔  
 ”تم خفا بدوش میں نہیں ہو؟“ دراج نے کہا۔  
 ”بوش میں تم نہیں ہو دراج تمہیں ابھی تک یہ اندازہ  
 نہیں کہ دولت کتنی کم ہے۔ رچھ چیز اور کتنی ہے۔ اوروں کی نگاہوں سے  
 دل کے ساتھ دوسرے کو دولت مند مانتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا  
 میں بھی نہیں دیکھ سکتی۔ چاہے وہ تم ہی کیوں نہ ہو۔ اور اب یہ  
 ہے بناہ دولت۔ ہم دونوں کے نہیں بلکہ صرف میرے کام آئے گی  
 میں نے یہ حقیقت ہر لمحہ تنہا حاصل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں  
 اس میں تمہاری شرکت برواقت نہیں کر سکتی۔ اس نے بہتر ہے کہ  
 پیچھے ہٹ جاؤ۔  
 ”تم واقعی بے وقوف ہو گئی ہو شیلہ۔ کیا تم نے مجھے جس کرنے  
 ارادہ کر لیا ہے؟  
 ”ابھی تک تو میں نے یہ سب نہیں سوچا لیکن ہو سکتا ہے

کچھ ایسا ہی ہو جائے۔ فی الحال تو میں تمہیں یہاں کے ایک  
 میں بند کر دینا چاہتی ہوں تاکہ تم میرے کام میں مداخلت نہ  
 کر سکو۔ تمہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اگر اس کے میں بند ہو  
 نے تو وہ جیسا ناز و غرور کر دیا تو تمہارا کیا حشر ہوگا؟  
 ”کہہ بھی نہیں۔“ شیلہ مسکرا دی۔ میں نے اس مسئلے کے  
 کا اعزاز سے لیا ہے۔ اقل تو تمہاری آواز باہر می فکھوں تک  
 پہنچنے لگی۔ اگر ان لوگوں نے تمہاری بیچ و باری میں کئی کی تیار  
 مجھے تلاش نہیں کر پائیں گے۔ میں نے یہاں ایک گوشہ دیکھا  
 ہے۔ جہاں میں ایک ہفتے کی بھی چھپی رہ سکتی ہوں کسی  
 بھی نہیں چل سکے گا۔ کچھ۔ اب تم ماموشی سے اٹھاؤ اور اس  
 کی طرف چل دو جہاں ہم دونوں چھپے ہوئے تھے۔ کوئی یاد  
 دکھائی کی کوشش مت کرنا۔  
 دراج کچھ دیر تک گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا  
 رہا پھر آہستہ آہستہ کھڑا ہو گیا۔ غصے کی شدت نے اس وقت اس  
 ذہن ساؤف کر دیا تھا۔  
 ”اب آگے بڑھو۔ شیلہ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔  
 ”ایک بار پھر سوچو تو شیلہ؟“ دراج نے کہا۔ ہم دونوں  
 دونوں سے ایک دوسرے کے ساتھ تھیں۔ میرے پاس کچھ  
 آتی رہی ہے لیکن میں نے تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہیں  
 نہیں کیا۔  
 ”اچھی بڑی دولت تمہارے پاس کچھ نہیں آتی تھی۔ اگر  
 تمہارے پاس آتی تو شاید تم اس سے بھی برا سلوک کرتے۔ جیوار  
 چل دو۔ دعوہ رو رہی ہے۔  
 دراج نے بے بسی سے اپنے شانے اچکائے اور اس  
 کی طرف چل پڑا جس کی طرف شیلہ نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے  
 سختی کے ساتھ اپنے ہونٹ پیچھے رکھے تھے کہ اس کے جڑوں  
 پٹیاں تک لٹکا آتی تھیں وہ دل ہی دل میں بری طرح سوچ رہی  
 تھا۔ ہاتھ آگرا اس کے پس میں ہوتا تو وہ اس وقت غیلا کرنا  
 مار کر ڈھیر کر دیتا لیکن ایک آنٹی ہتھیار کی موجودی میں وہ  
 بے بس ہونے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دونوں آگے  
 پیچھے اس کرے تک پہنچ گئے۔  
 ”چلو دروازہ کھولو۔ شیلہ نے کہا۔  
 دراج نے ایک بار کچھ دیر تک غیلا کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے  
 کا دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ اس وقت شیلہ  
 کی طرف سے چمک گئی تھی۔ دراج کو دروازے کی طرف ہاتھ  
 ہونے دیکھ کر اس نے یہی سمجھا تھا کہ وہ دروازہ کھولنے کے  
 ہاتھ بڑھا رہا ہے لیکن دراج کچھ اور فیصلہ کر چکا تھا۔ اس نے

بے دونوں ہاتھ آگے کئے اور کئی کی تیری کے ساتھ پٹیاں  
 نے مل جھوم کر اس نے شیلہ کے ہاتھ پر ایک کلک رسید کر دی  
 ہی یہ حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ شیلہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی  
 دراج کی کھڑکی اس کی کلائی پر مٹی اور پستول اس کے ہاتھ  
 چھوٹ کر ایک طرف جا گرا۔ وہ دھڑکتے کے عالم میں کھڑی رہ  
 تھی۔ یہی لمحے دراج نے جہت لگائی اور اس سے پیچھے کر  
 کچھ اندازہ کر سکتی اس نے پستول اٹھا لیا تھا۔  
 ”اب بتاؤ وہ دانت پیٹتے ہوئے بولا۔ کیا خنجر کر دلوں  
 بن تمہارا؟  
 ”نہیں نہیں۔ مجھے مت مارنا۔“ شیلہ نے اپنے دونوں  
 ہاتھ آگے کئے۔ ”مت مارنا۔“  
 ”کیوں۔ موت کو سامنے دیکھ کر اس گم ہو گئے۔“ دراج  
 نے کہا۔ ”تمہیں برسوں کے ساتھ کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔“  
 ”جہر۔“  
 ”میں نہیں مارنا نہیں چاہتی تھی۔ تم یقین کرو۔ میرا ایسا  
 ارادہ نہیں تھا میں تو بس۔“  
 ”ماموش رو۔“ دراج نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”مجھے  
 یہ پتہ چھوڑو۔ میں نہیں رہا۔ جاکر اپنا دل تمہارے لئے رو رہا  
 ہے۔ میں میں مجبور ہوں۔ تمہیں زندہ چھوڑنے کا مطلب یہ  
 ہے کہ میں زندہ رہی ہوں۔ میں اس کی ہرورش کر رہا  
 ہوں۔ میں شیلہ تم نے اپنے بیروں ہر خود ہی لکھاڑی مار لی  
 ہے۔ میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“  
 ”نہیں نہیں۔ ایسا مت کرو۔ میں اس دولت سے کچھ  
 میں لوں گی۔ اس جتنے میں کی ہتھیاریں رکھی ہیں۔ میں نے خود  
 نہیں ہاتھوں سے چھو لیا ہے۔ ہم وہ سب لے لو۔ لیکن مجھے مارنا  
 نہیں۔ ہم دونوں بہت دلوں سے ایک دوسرے کے ساتھ  
 تھ۔ اب اسامت کرنا۔  
 ”اسی لئے تو مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ ہم دونوں ایک  
 دوسرے کے بہت اچھے ساتھی ہیں۔ لیکن ایک دوسرے  
 ہلاک کرنے کی رسم تو ہم نے شروع کی ہے۔ میں اب اس  
 سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔“  
 شیلہ نے ایک قدم آگے بڑھا یا اور اس وقت دراج نے  
 ہاتھ بڑھا دیا۔ بچے بعد دیکھو دو گویاں ہسٹول کی نال سے  
 نکلتی تھیں۔ شیلہ کے سینے میں ان گولیوں نے شیلہ کو ناگ پیچھے کے  
 ہاتھوں پر گر پڑی۔ اس کے سینے اور گردن سے خون نکلنے

لگا تھا۔ اس کی کھنٹی ہوئی آنکھوں میں بے پناہ حیرت اور اذیت  
 کا اثر تھا۔ شاید اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ وہ مردی ہے  
 اس کے چہرے پر کرب منہم ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک  
 اپنے ہاتھ پاؤں فرش پر مارتی رہی پھر کھنڈی ہو گئی۔  
 گولیوں کی آواز میں اس جانب گھر میں گونج کر رہ گئی۔ اب  
 صرف ان کی بازگشت باقی تھی۔ وہ بازگشت بھی ختم ہوئی۔ دراج  
 سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ  
 اس کے ہاتھوں سے شیلہ کا خاتمہ بھی ہو سکتا تھا۔ پھر جب اسے  
 ہوش آیا تو وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھا اور شیلہ کی لاش کے  
 پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔  
 ”مجھے معاف کر دینا شیلہ۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔  
 میں نے تمہیں ہلاک کر دیا ہے۔ تمہاری جان لے لی ہے مجھے  
 معاف کر دینا۔“  
 اس نے اپنی بازو پٹی ہوئی انگلیاں آگے بڑھائیں اور شیلہ  
 کے بالوں میں پھیر کر شروع کر دیں۔ اس کی آنکھیں آسروں  
 سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت دیر تک اسی بے خودی کے  
 عالم میں غیلا کی لاش کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے کھڑے  
 ہو گیا۔ اب اس کے پیرے بدن پر ہلکا سا پتھر پڑا تھا۔ اس  
 کی حالت ایک ایسے حوالی کی تھی جس نے خود اپنے ہاتھوں سے  
 اپنا بسنا کچھ ہیرا دکھرایا ہو۔ وہ چن چن لوگ شیلہ کی لاش کے پاس  
 کھڑا رہا۔ پھر پستول کو جیب میں رکھ کر اس جتنے کی طرف بڑھ گیا  
 جس کے اندر وہ دولت رکھی ہوئی تھی۔  
 جتنے کے پاس پہنچ کر وہ پھر کشمکش میں مبتلا ہو گیا جیسے  
 اس کی کچھ میں نہ آ رہا ہو کہ اگر اسے دولت مل بھی گئی تو وہ کیا  
 کرے گا۔ پھر اس نے اس جتنے کے خلاف کے اندر ہاتھ داخل  
 کی کر دیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس طرح ایک جھٹکے سے  
 پیچھے ہٹ آیا تھا جیسے کسی سانپ نے ڈنک مار دیا ہو۔ اک  
 خلا کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔  
 دراج اس وقت خود بھی کسی جتنے کی طرح بے جان  
 دکھائی دے رہا تھا۔  
 اس نے اپنی پیشانی پر آیا ہوا پسینہ صاف کیا اور دوبارہ  
 اس جتنے کے خلا میں ہاتھ ڈال دیا۔ کچھ بھی نہیں تھا۔ شیلہ نے  
 اس سے کہا تھا کہ اندر ہتھیاریں رکھی ہوئی ہیں۔ اور اس کے  
 ہاتھوں نے ان ہتھیاروں کو کچھ کر سوس کیا ہے لیکن اس کے  
 اندر تو کچھ بھی نہیں تھا۔ کیا شیلہ نے جھوٹ بولا تھا؟ یا آخر کیوں!

اسے جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی اگر اس جیسے کے اندر دولت نہیں تھی تو بھر ٹیلا لے اس پر سنبھل کر بول مٹھایا تھا اور کہا جاتی تھی۔

وہ ابھی یہ سب کچھ سمجھ رہی تھی کہ اس نے کہا کہ وہاں قندروں کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ یہ دھڑکنے ہوئے قدموں کی آوازیں تھیں۔ شاید قندروں نے گولیاں چلنے کی آوازیں سن لی تھیں۔ اور وہ صورت حال معلوم کرنے چلے آ رہے تھے۔ اس بال میں چھائی ہوئی ٹھٹھن میں اچانک اضافہ ہو گیا۔ دلچ کوپا محسوس ہوا جیسے اس کا ہوا راہدین پھینے سے بھیگ چلا ہو۔ وہ بہت بری طرح پھنس گیا تھا۔

داوڑ کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ لڑکی اس سے کیا کہہ رہی ہے۔ اسے اپنی سماعت پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اطمینان کے لئے دوبارہ پوچھا۔

”کیا کہہ رہی ہو تم؟ یہ کیا تم کالی موت کے ٹھکانے سے واقف ہو۔“

”بہت ابھی طرح پہنچی تھی۔ ایک گہری سانس لی۔“

زید وہ اس کے ٹھکانے سے اور کون واقف ہو سکتا ہے میں نے وہاں اپنی زندگی کے بدترین لمحے گزارے ہیں۔ اسی کے ٹھکانے پر وہ رقص اور موسیقی ہوتی ہے جس کے بارے میں نہیں بتلا سکتی ہوں۔“

”کیا تم مجھے اس کے ٹھکانے تک پہنچا سکتی ہو۔“ داوڑ نے بے تابی سے پوچھا۔ میں نے اس لڑکی سے کالی موت کے سامنے کوہمیشہ کے لئے دور کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔“

”بہت مشکل ہے داوڑ۔“ لڑکی نے کہا۔ ”مختص ضرورت پہروں میں رہتا ہے۔ اس کے کمرے تک پہنچنے کے لئے کئی مرحلوں سے گزرنا ہوگا۔ اس کے علاوہ وہ خود بھی انتہائی خطرناک انسان ہے۔ وحشی اور درندہ۔ اس کے بازوؤں میں آبی قوت ہے کہ وہ بوری ایک جیب کو الٹ کر بھیج سکتا ہے۔ تم اس کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔“

”یہ سب وقت کے کھیل ہوتے ہیں بے بی۔“ داوڑ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن آدی کو ہاتھ پر ہاتھ دھسے ہوئے نہیں بیٹھ جانا چاہیے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ مجھ پر قابو پالے لیکن اس خوف سے جدوجہد ترک فونہیں کی جاسکتی۔“

میں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں ہی اس پر قابو پاؤں۔“

”ٹھیک ہے۔“ بھر میں نہیں اس کے ٹھکانے پر چلوں گی۔ میری بنگ خواہشات تھا۔ اسے ساتھ میں۔“

اسے تو ڈر کر اس طرح بھیگ سکو جس طرح اس نے دوست ہمدون کو بخور کر کے بھیج دیا تھا۔ جس طرح اس نے میرے ساتھ سلوک کیا تھا۔ میرے اندر اس کے کی آگ سے بھی زیادہ بھیگ آگ دیک رہی ہے۔ لیکر کے ہاتھ پاؤں کڑھوتے ہیں۔ ان کے ارادے غمگین ہیں۔ اسی لئے وہ صبر کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا۔

”بس ہمیں ابھی اور اسی وقت کالی موت کے ٹھکانے طرف چل دینا چاہئے۔“ داوڑ نے کہا۔ ”تم مجھے اس کا ڈر دکھاؤ۔“

”اور میرا انتظار کرنا۔“

”نہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ رہوں گی کیونکہ اس کے ٹھکانے میں کئی ایسے خفیہ راستے ہیں جن سے ہر طرح واقف ہوں میں نے پورے تین مہینے اس کے میں گزارے ہیں اور اس دوران میں نے اس کو ہمارے علاوہ ایک کام یہ بھی کیا ہے کہ ان تمام جگہوں سے وا ہوئی ہوں جہاں کالی موت پھیرا گیا کرتا ہے۔“

”کیا اس کا ٹھکانہ آبی لڑکی میں ہے؟“ داوڑ نے پوچھا۔

”نہیں اس لڑکی سے کچھ حاصل نہیں ہوئے۔“ لڑکی نے دیا۔ ”میں وہاں تک جانے کے لئے کسی سولاری کی ضرورت نہیں۔“

”اگر سولاری نہ بھی ملی تب بھی تم یہاں سفر کریں گے۔“

”کیا؟“ میں اس لڑکی کو کالی موت کے آسپاس لانے چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ تو بھر میں چل رہی ہوں۔

داوڑ نے اپنا سامان اسی مکان میں رہنے دیا۔ اس نے ہسپتال ایک جیب میں رکھ لیا تھا جبکہ دوسری جیب اس نے کالٹس بھر لئے تھے۔ ان کے علاوہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کا فون تھا کہ آدی کے پاس تھا۔ وہ دوسری چیزیں خود بخود اس کے پاس آتی ہیں جیسے مفتا طبیسی لوہے کو بھیج دینا ہے۔ دو فون ٹیلا کے مکان کو ہمدون کے باہر گئے۔ باہر سے ہمدون کوئی آمد و رفت جاری تھی۔ لیکن ان میں سے شخص اپنے آپ میں مگن تھا۔ کسی کو دوسرے کا

دینے کی فرصت نہیں تھی۔ داوڑ نے اس لڑکی میں بھی اسی بات دیکھی تھی۔ لڑکی دوسرے سے جان پہچانے ہوئے نہ لڑا کرتے۔ یا ہاتھوں کے سر پر اٹھانے کے سامنے منڈالانے رہتے تھے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی بھی کسی سے بے تکلف نہیں ہوا کرتا تھا۔

”ہمیں مغربی کی طرف سفر کرنا ہے۔“ لڑکی نے بتایا۔ ”دو جانے کے بعد سڑک دائیں طرف چڑھانی ہے لیکن بائیں طرف کے میں چلنا ہوگا۔ جس کے دونوں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ راستے میں ایک موٹو بیوں کا فام ہے جس کا نام دیپال ڈھیر ہے۔ وہاں سے دوسرے

دو دھولے وغیرہ سہارا ہو کر رہتا ہے۔“

”دو دھولے پھیلنے کے ذرا کر لیں۔“ لڑکی نے دھولے لانے لے جانے والی گاڑیاں ہیں۔“ لڑکی نے دیا۔ ”تم نہیں رک کر سکتے ہو۔“

”میں اس ڈھیر سے اور کئی دور جانا ہوگا۔“

”مگر ازم دس میں۔“

”ٹھیک ہے۔“ داوڑ نے پر خیال انداز میں اپنی گردن پر اس ڈھیر سے کسی سواری کا ہند و ہست پوچھا۔

”لڑکی نے ایک نظر داوڑ کی طرف دیکھا پھر اپنے ہونٹ کڑھائی۔ یہ خطرناک حد تک دلچسپی اسے بہت پسند آتی تھی۔ لڑکی میں اس نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی قیمت میں اتنے تحفظ کا احساس ہوتا ہو۔ اس طرہ بہت عجیب تھی۔ اتنا پرسکون اور اتنا مستقل ہونے کا احساس اس کی نگاہوں سے کبھی نہیں گزرا تھا۔ اس نے آسانی کے ساتھ پیش چھپے آدی کی چھٹی کر دی تھی اور مائے جہر سے اسے تڑپا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس طرح کے کسی شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا ایسا تو جیسے کسی چوٹی کو روند دیا جائے۔ لڑکی کی چھٹی نہیں آتا تھا۔ وہ اس شخص سے خوف کھانے باجیت محسوس کرے کہ اس نے انہیں اسے خوف میں مبتلا کر رکھا تھا اور اس کا سامنے حوصلہ دلاتا تھا۔“

”مگر تم کبھی رہی ہو۔“ داوڑ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت وہ دونوں لڑکی کی ایک ایسی سڑک

سے گزر رہے تھے جو انہیں باہر لے جاسکتی تھی۔ اس سڑک پر سوائے سائیکلوں اور راگے دوں کے اور کسی قسم کی گاڑی نہیں دے رہی تھی۔ اس لڑکی میں عام طور پر ایسی ہی صورت حال تھی۔ سولاریاں یہاں ہوتی ہی نہیں تھیں۔

”کچھ نہیں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”بس یہی سمجھ رہی تھی کہ میرا گھر ہوگا۔ میری کیا زندگی ہے۔“

”یہ سب تمہیں پسند ہو جانا چاہئے تھا۔“ داوڑ نے کہا۔ ”لیکن ہمارے معاشرے کی ہر لڑکی کو یہ سوال اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جب اس نے گھر سے قدم باہر نکال لیا تو پھر اس کا کیا ہوگا۔“

”مگر ٹھیک کہتے ہو۔“ لڑکی نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں نے یہ نہیں سوچا تھا۔ میرے ذہن میں تو صرف یہ تھا کہ گھر سے باہر زندگی بڑی حسین ہوتی ہوگی۔ مجھے اپنے گھر کے چھوٹے سے آگن اور دو کونجروں سے بڑی وحشت ہوتی تھی۔ مجھے اپنے روتے ہوئے بہن بھائی بھی پسند نہیں تھے۔ میرے خیال کے مطابق ان کی لوگوں کی وجہ سے میری زندگی سخت بدمعاش تھی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ابلی خواہ میں بڑی آسانی سے گناہا ہو سکتا تھا۔ لیکن ان بہن بھائیوں نے یہاں ہوا کہ مجھے غلطی کے غامض دھکیل دیا تھا۔ مجھے ابھی طرح یاد ہے کہ میں جب لڑکیوں کو ایک آب و فیرہ کے ہوسے دیکھتی تو میرے سینے پر سناپ لٹنے لگتے۔ میں سوچتی کہ یہ کبھی زندگی ہے کہ پاؤں اور سر کی کے لئے کبھی ترستی ہوں۔ پھر ان ہی خروہوں کے دوران میری ملاقات اکرم سے ہوئی۔“

”یہ اکرم کون ہے۔“ داوڑ نے پوچھا۔ وہ لڑکی کی کہانی صرف اس لئے سن رہا تھا کہ اس طرح کی کے دل کی ہمدون لعل رہی تھی۔ ”میری گلی کے عکس ہر اس کی فوٹو گرافی کی دکان تھی۔ لڑکی نے بتایا۔ ”وہ ایک فوٹو گرافر تھا۔ بہت خوبصورت سا آدمی۔ اس کی دکان میں ایسی ایسی تصویریں لگی ہوئی تھیں کہ کم لڑکیاں ان تصویروں کو دیکھ کر خرابا جاتی تھیں۔ اس کے باوجود پوری چھپے ان تصویروں کو دیکھ بھی لیتیں۔ دراصل میں اپنی زندگی کے جس عمر میں تھی۔ اس عمر میں سوائے فنی کشش کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ایسی دیکھ چھٹی کی طرح اپنی طرف ہلا کر نہیں۔ کچھ چلنے بکھڑ دیکھتے۔ کچھ سننے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی سامنے بیٹھ کر سب کچھ بتا دے۔ زندگی کے وہ لمحے بھیجی ظاہر کر دے جن

سے خوف محسوس ہوتا تھا اور چوہ اپنے بھی لگتے تھے خیر تو  
میں اس اکرم کی بات نہ مری تھی، تو اس نے سب سے پہلے  
میری طرف دھتکی کا ہاتھ بڑھایا۔ اور میں اس کی آغوش میں  
اس طرح آگری جیسے کوئی پھل درخت سے ٹوٹ جاتا ہو، میرا  
خیال ہے کہ یہ حادثہ ہر لڑکی کی تنہائی کا نقطہ آغاز ہوگا کتاب ہے  
وہ اس مرحلے تک پہنچنے میں بہت دیر لگا دیتی ہے۔ اس  
کے بعد پھر سارے مرحلے بڑی تیز رفتاری سے طے ہوتے  
چلتے ہیں۔ ایک کے بعد ایک۔ ایک حادثہ کے بعد دوسرا  
حادثہ پھر تیسرا بیوں اور کونسا بیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ  
شروع ہو جاتا ہے۔ میرے ساتھ کبھی کسی سببی سمجھ بوجھ، ہوا اکرم  
کے بعد گوبل کے پاس آئی۔ گوبل کے بعد ڈوڈو کے یہاں  
گئی۔ پھر وہاں اپنی گوبل کا ایک گروپ مل گیا۔ ان کے ساتھ  
ہولڈرے ہندوستان میں بھینسی رہی۔ بالآخر تنگڑی آئی جہاں  
آستے ہی مجھ پر زندگی کے نئے نئے عذاب مسلط ہونے لگے۔  
مجھے کافی موت کے حقدار سمجھا دیا گیا جہاں میرے علم عزت  
کی موت بھی نہیں تھی۔  
”یہ کافی موت تک تمہیں لے جانے والا کون تھا؟“ داو  
نے پوچھا۔

”کافی موت کا خاص آدمی چاندیہ بھی نے بتایا۔ وہاں  
مہرے علاوہ اور بھی بہت سی لڑکیاں تھیں جو کافی موت کے  
عذاب سے نکلنے کی کوشش کرتیں اور مزید عذابوں میں مبتلا  
ہو جاتیں۔ ان کے ساتھ ایسے ایسے تشدد کئے جاتے جن کا  
تم تصور بھی نہیں کر سکتے، جو کہ ان میں ان سے مختلف ثابت  
ہوئی۔ اس نے مجھ پر کوئی تشدد نہیں کیا گیا،“  
”وہ کس طرح؟“

”میں نے اپنے آپ کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا، خود کو ہر طرح ان کے حوالے کر دیا تھا، تم اسے میری بزدلی سمجھ لو گے۔“

”خیر! سمجھ لو یا قتلندی گھوڑہ! میں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ اگر حلقہ میں کرنے والی لڑکیوں کے ساتھ کچھ سلوک جاتا ہے۔ اسی لیے میں نے وہی سب کچھ کیا جو وہ کہتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے برا اعتناء کر لیا گیا۔ ایک طرح سے غم و ہاں کی لڑکیوں کا انجمن مقرر کر دیا گیا، ہر عجب انہیں بوری طرح یقین ہو گیا کہ میں ان کا ساتھ دیتی تھی، ہوں تو مجھے آزادی دے دی گئی تاکہ میں باہر جا کر دوسری لڑکیوں کو ان کے جال میں پھنسانے کا کام کر لوں۔ اس سلسلے میں بہت لڑکیوں کے لئے خاص طور

بدایت دی گئی تھی۔ کیونکہ ان لوگوں کی منشیات کی تلاش میں  
ادھر ادھر دھڑکتی رہتی ہیں۔ میرا کام یہ تھا کہ میں ان لوگوں کی  
منشیات چھپا کر رکھنے کے ہمارے کالی موت کے اڈے تک  
پہنچا دوں۔ وہاں پہنچ کر ان کا جو بھی حال ہو۔ میرا اس سے کیا  
واسطہ نہیں تھا؟

”اگر تم کالی موت کی کارندہ محبتیں تو بھر دو۔ عیش تم پر کبھی  
حادی تھا؟“ داوڑ نے پوچھا۔ تم اس سے کہوں خوف زدہ  
محبتیں۔

”سیدھی سی بات ہے بیٹیکوئی کی بستی میں اگر کوئی  
براکام کرے تو اس برائی کے عوض اسے بلیک میل کر  
جاسکتا ہے۔ اسی طرح برائیوں کے منکر میں اگر کوئی بچہ  
کام ہو جائے تو اس کام کا خوف اسے ساری زندگی بلیک  
میل کرنا رہتا رہے۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔ میں نے  
کالی موت کے ٹھکانے، ہرنی کی ایک کام کر لیا تھا جس کا  
علم پیش کو ہو گیا۔ یہ عینش بھی کالی موت کا آدمی تھا۔ اس کی  
ہمت میرے لئے شروع سے خراب تھی۔ لیکن کالی موت نے  
خوف سے یہ کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ لیکن جب اس کو پہنچا  
ہوگا کہ میں نے کسی کے ساتھ ایک نیکی کی ہے تو یہ مجھے  
بلیک میل کرنے لگا۔ اور میں کالی موت کے ڈر سے اس  
کی بات ماننے کے لئے مجبور ہوئی؟“

”ایسی کون سی نیکی کر دی تھی تم نے؟“ ڈاؤن نے پوچھا۔

”میں نے ایک لڑکی کو ہلاک کر دیا تھا،“ جانی نے

بتایا۔

”کیا“ ماورے جو تک کمر اس کی طرف دیکھا۔ یہ کہانی  
 بینا ہوئی؟“  
 ”اس لڑکی کے حق میں سنی ہی تھی، یہ حق ہے مگر یہ  
 بڑی ہنسپاری معصوم لڑکی تھی، فکرتنا نام تھا اس کا۔ اس  
 بے چاری کے ساتھ ان لوگوں نے ایسے مظالم کئے کہ میرے  
 دوشے پھڑے ہو گئے تھے اس کی حالت دیکھ کر میں جب  
 ررم پئی کرنے کے لئے اس کی کوٹھڑی میں پہنچ تو اس نے  
 رور وراہا لیا کہ میں اسے ہلاک کر دوں۔ اسے جان سے  
 مار دوں۔ اس کی انٹائیکس مجھ پر اڑا کر کہیں۔ اور میں نے  
 اسے ہلاک کر دیا۔ تھے اس پر افسوس نہیں ہے بلکہ خوشی ہے  
 میں کسی طرح اس سے کام لواتی۔ اس کی موت کی کوئی  
 راہ نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس کو مار دینا ہی بہتر نہیں

اس نے یہ سنا کہ گیش کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ یہ میری ہی  
بی بی ہے۔ بس اس نے مجھے دو حکیمان دینی شروع کر دیں  
تم نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کیا تو میں نے کہا، ”داور  
پوچھا، تم اگر چاہیں تو ہر مسئلہ کا حل موت کے لئے کام  
آتا ہے۔“

عورت بنیادی طور پر مری نہیں ہوتی اور ملکہ محبوبہ  
 وہ ہوتی ہے، مٹی نے کہا: تم مری سے مری عورت  
 پر کدو بکھڑو۔ اس کے اندر نہیں چھانی کا لنگڑا چھپا  
 لانی دے جائے گا۔ یہ اور بات ہے کہ اس لنگڑے  
 لمبوں کی راہ پر پڑی ہوئی ہوتی ہے لیکن وہ لنگڑا ہوتا  
 ہے۔ میں بھی بڑی عورت نہیں ہوں۔ یہ جسم ایک  
 کی طرح ہے۔ اس لباس پر ہر ضرورت گئی ہوئی ہے  
 ..... لیکن اندر سے میری روح بہت صاف  
 ہے۔ اور یہی نثر اسی طرح ہے گی۔ جہر جہر میں  
 قہیں دیکھتا تو مجھے یہ محسوس ہوا جیسے تم میرے گڑبہ  
 و کرنے کے لئے آئے ہو۔ اگر میں نے تمہارا ساتھ  
 میرے دل کا بوجھ بڑی حد تک کم ہو جائے گا یہ اور  
 ہے کہ میں تم سے خوفزدہ بھی ہوئی تھی۔ لیکن اب  
 تم پر اطمینان ہو گیا ہے۔

داؤد نے کوئی تہمہ نہیں کہا۔ کالی موت کے تذکرے  
اس کے اندر خشتے کی آگ روشن کر دی تھی۔ وہ اس  
کی کوبڑی گارڈنگ پہنچا دینا چاہتا تھا۔ اس کے نزدیک  
بہت بڑی بات پہنچنے کوئی شخص کسی عورت یا بچے پر  
رنا ہوا اس کا نہیں تھا۔ برائی کے بھی کچھ اصول ہوا کرتے  
تھے۔ اداوان اصولوں کی حد پار نہیں کرنی چاہیئے۔ ورنہ  
انہو اور دوسرے میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ اس  
بہنی زندگی اس لحاظ سے بڑی صاف ستھری لہر کی تھی کہ  
اسے عورتوں اور بچوں کے ساتھ بھی کچھ نہیں کیا تھا وہ  
سے کوئی نہ کہتے تھے یا خیال کیا کرتا تھا۔

اس کالی موت کا حبلہ کیا ہے۔ بڑے دائرے کے پوچھنا  
 "میں نے آج تک اس کی صورت نہیں دیکھی۔"  
 "بھائی! اس کے چہرے پر یہی نشانہ ایک آفتاب، جی نہیں  
 ہے وہ ایک قیمتی نم آدی ہے بالکل تہدی طرح۔ اور  
 ہر سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے بدن میں بے پراہ  
 فن موجود ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ کوئی انسان نہیں

بلکہ ہامختی ہو،

اس دوران وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے بہت دور  
کل آئے تھے۔ سستی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ اور اب حد نظر تک  
کھیت ہی کھیت پھیلے ہوئے تھے۔

”ہم ڈیری فارم کے قریب پہنچ چکے ہیں“ نجی نے کہا۔  
اُگے چل کر ایک راستہ دائیں طرف مڑ جلے گا ہمیں اسی  
راستے پر چلنا ہے۔

مٹی کے جھنے کے مطابق کچھ دور چلتے کے بعد انہیں  
ایک راستہ دائیں طرف اترتا ہوا دکھائی دے گیا۔ بابا کچا  
راستہ نکھڑا لیکن اس ہمارے مڑوں کے نشانات پر بخیر گھر رہے  
تھے کہ اس راستے پر بھاری گاڑیوں کی آمد و رفت رات کو بھی  
تھی۔ مگر وہ لوگ اس راستے پر کبھی ہی درجیلے ہوں گے کہ کسی  
گاڑی کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں ٹھٹھک کر رک گئے۔

دو دھکے کا ایک ٹرک ڈپری فارم کی طرف جا رہا تھا۔ اس ٹرک پر تین آدمی بیٹھے تھے۔ وہ تینوں ڈرائیور کے ساتھ اگلی نشست ہی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے قریب پہنچ کر ٹرک ڈرائیور نے ٹرک کی رفتار خود ہی کم کر دی۔

”اے کہاں جا رہے ہو۔ لہجہ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر لہجہ تھا۔

”ہم لوگ سنسنی نگر جا رہے ہیں۔ کئی نے جلدی سے جواب دیا: ”راستہ تو یہی ہے نا“

”ہاں۔ ہاں۔ یہی ہے، اس نے اوپر سے نیچے تک  
نئی کا جائزہ لینے کے بعد کہا: اگر ہم اسی طرف جا رہے  
ہوئے تو نہیں چھوڑتے، لیکن کیا کنزس عجوبہ  
شہر کی طرف جاتا ہے؟“

ٹرک ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ ہوئے دونوں آدمی ہنس پڑے۔ ان کی آنکھوں میں نمی کو دیکھ کر ہنس جاگ اٹھی تھی۔ داد نے غصے کی شدت سے اپنی منگھیاں جھینچ لیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ڈرائیور کو ٹرک سے بیچھے کھینچ کر ماراں خنجر مار کر دے۔ لیکن اسی وقت نمی نے اس کا بازو پکڑ کر ہونے سے دبا دیا۔ اس نے شاید ڈاکو بدلتی ہوئی کیفیت محسوس کر لی تھی۔

ٹرک ڈرائیور نے کچھ دیر تک نمی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں سرسٹنے کے بعد ٹرک آگے بڑھا دیا۔ داور غمتے کے

عالم میں جاتے ہوئے ٹرک کو دیکھتا رہ گیا تھا۔  
 مجھے اندازہ ہے کہ انہیں اس وقت غصہ آ رہا ہو گا۔  
 نے کہا: لیکن تمہارے کچھ کرنے سے بات بگڑ سکتی تھی۔  
 اکی نے میں نے تمہیں روک لیا۔ اس کے علاوہ تم کتنے  
 لوگوں کی نگاہوں کے وارو کو گئے۔ اس معاشرے کا قہر  
 شخص اپنے دل میں ہوس کا عنصر دے گھوم رہا ہے۔  
 مجھے معلوم ہے: داود دھیرے سے بولا: لیکن نہ  
 جلنے کیوں مجھے ایسے حالات میں خود ہرقد تو نہیں رہتا۔  
 بہر حال تمہیں یہ کیسے معلوم ہوگا کہ اس راستے سے سنوٹو ٹرک  
 نام کی کوئی بستی بھی ہے۔  
 یہ مجھے اس وقت معلوم ہو گیا تھا جب میں کالی موت  
 کے ٹھکانے پہنچی تھی۔ بتایا۔  
 ”وہ رقص اور موسیقی کا کیا سلسلہ ہے؟“ داوڑ نے پوچھا  
 ”وہ بھی تمہی گھناؤنا کاروبار ہے۔ یہ لوگ انگوٹھ سے  
 لئے سپرے عریاں اور فٹش فیم کے رقص کرواتے ہیں۔  
 ان کی باقاعدہ فلم تیار ہوتی ہے پھر اس فلم کو بیرون ملک  
 فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس سے انہیں دو فائدے حاصل  
 ہوتے ہیں، پہلا فائدہ تو یہی ہے کہ اس فلم کے اچھے خاصے  
 بیسے مل جاتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بیرون ملک  
 تفریق کو توڑ کر جوڑی پسند کرتی ہے اس کا سودا بھی ہو جاتا  
 ہے۔ تم نے اپنی بھری زندگی اتنے بیوہ دے فیم کے رقص  
 نہیں دیکھے ہوں گے عریضہ ان لوگوں نے ہر طرح سے  
 ہمیں تباہ کرنے کا سامان پیدا کر لیا ہے۔ چاہے وہ منشیات  
 کا ذریعہ ہو جس طرح کا ہو یا رقص اور موسیقی کا یا  
 ”اسے کاروبار میں کتنے لوگ ملوث ہیں“ داوڑ نے  
 پوچھا۔  
 ”ہمیں اندازے کے مطابق کم از کم دو درجن آدمی“  
 فی نے جواب دیا: ”ہم بیرون پائینش اور اسی فیم کے دیکھے  
 غیرت اور بے ضمیر لوگ“  
 اب وہ لوگ دیہات ڈھرے کے قریب پہنچ چکے تھے وہ  
 عمارت اب دکھائی دینے لگی تھی۔ اس وسیع و عریض عمارت  
 کے گرد وسیع و عریض احاطہ جس کے درمیان لوہے کا  
 گیٹ لگا ہوا تھا اس وقت وہ گیٹ بند تھا۔ اس کے باہر  
 دو ٹرک کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔  
 ”اب یہاں سے ہمارے سڑک کارو سڑک کارو سڑک کارو ہونے

والا ہے؟“ داوڑ نے کہا: ہمیں یہاں سے کوئی ٹولہ حاصل  
 کرنی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ وہ سنوٹو ٹرک کالی موت کے ٹھکانے  
 سے کتنے فاصلے پر ہے؟  
 ”زیادہ سے زیادہ دو میل“  
 ”ٹھیک ہے اگر کوئی ٹرک سنوٹو ٹرک کی طرف جاتا ہوا  
 دکھائی دے گا تو ہم اس ٹرک پر ہارٹ لینے کی کوشش کریں  
 گے۔ پھر سنوٹو ٹرک ان کے پیدل کالی موت کے ٹھکانے تک  
 واپس آ جائیں گے۔ اس طرح ہمیں ایک طویل جگہ کاٹنا پڑے گا  
 لیکن کوئی ہم پر ٹرک نہیں کرے گا میں کالی موت سے مننے  
 سے پہلے کسی اور جھوٹ میں پڑنا نہیں چاہتا۔“  
 وہ دونوں اس دوران ڈھیری تک پہنچ چکے تھے لوہے  
 کا گیٹ بدستور بند تھا۔ اس گیٹ میں لوہے کی سلاخیں  
 لگی ہوئی تھیں جن کے خبیث انداز کا منظر دیکھا جاسکتا تھا  
 گیٹ سے ایک راستہ ڈھیری فلام کی مرکزی عمارت تک جاتا  
 تھا۔ یہ عمارت دراصل کھیریل کے بنے ہوئے، بیکس تھے  
 اس راستے کے دونوں طرف سرسبز گھاس پھیلی ہوئی تھی۔  
 جوشاید پویشیوں کے لئے قدرتی چراگاہ کا کام دیتی تھی۔  
 لیکن اس وقت اس چراگاہ میں کوئی دیکھائی نہیں دے  
 رہے تھے گیٹ سے باہر کھڑے ہوئے ٹرکوں کے پاں  
 بھی کوئی نہیں تھا۔  
 ”اب ہم ٹرک ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو جاتے ہیں“  
 داوڑ نے کہا: جیسے ہی کوئی گاڑی اس راستے کی طرف جاتی  
 ہوئی دکھائی دے تم اسے ہاتھ دے کر روک لینا۔  
 وہ دونوں اس ڈھیری کے احاطے سے کچھ دور اڑکھڑے  
 ہوئے۔ ان کی نگاہیں گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ داوڑ کے  
 لئے پیدل سڑک کرنا کوئی اتنا دشوار مرحلہ نہیں تھا لیکن  
 اسے یہ سب کچھ فی کی خاطر کرنا پڑ رہا تھا جو بہت تنگی ہوئی  
 معلوم ہو رہی تھی۔ ان لوگوں نے رتنا گری سے پیدل تک  
 کم از کم سات آٹھ میل کا سفر طے کر لیا تھا اصرار فی کی بہت  
 جواب دے تھی۔  
 محفوظی دیر بعد ڈھیری کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر  
 آیا۔ وہ باہر کھڑے ہوئے دو میں سے ایک ٹرک پر بیٹھا  
 اور اسے اسٹارٹ کر دیا۔ اتفاق سے اس ٹرک کا رخ اسی  
 سمت تھا جہاں داوڑ اور فی کھڑے ہوئے تھے۔  
 ”چلو اسے ہاتھ دو“ داوڑ نے فی سے کہا۔

فی نے اپنا ہاتھ لہرا کر شروع کر دیا۔ ڈاڑ نے  
 ان کے قریب لاکر ٹرک روک لیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا  
 جس کے چہرے پر کھٹی کھٹی موچیں تھیں۔  
 ”کہاں جا رہے تم لوگوں کو؟“ اس نے کھڑکی سے سر  
 نکالتے ہوئے پوچھا۔  
 ”سنوٹو ٹرک“ فی نے جواب دیا: ”پیدل ملتے چلتے  
 ٹھٹھٹ گئے ہیں۔ تمہاری جہر یاں ہوئی اگر وہاں تک پہنچاؤ۔“  
 ”ٹھٹھٹ سے بیٹھ جاؤ؟“ اس نے کہا: ”میں بھی اسی  
 طرف جا رہا ہوں۔ لیکن تم لوگوں کو کچھ دور اتار دوں گا؟“  
 ”کوئی بات نہیں۔ جتنا بھی فاصلہ کم ہو جائے اچھا ہے۔“  
 داوڑ دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا:  
 ”وہ دونوں ڈھیری کے ساتھ آگے ہی بیٹھ گئے تھے  
 ان کے بیٹھ جانے کے بعد ڈاڑ نے ٹرک آگے بڑھا  
 دیا۔ وہ پہلے والے ڈھیری سے مختلف معلوم ہو رہا تھا  
 نے ایک بار بھی فی کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کی  
 نگاہیں سامنے تھیں۔ کوئی نہیں۔ اور وہ ٹرک چلانے میں  
 مصروف تھا۔ یہ راستہ بھی ہندوستان کے دوسرے دیہی  
 راستوں کی طرح ویدان لینن سرسبز تھکتا دھیتوں میں اہلنتہ  
 کہیں کہیں ہر گھبراہٹ کام کرتے ہوئے دکھائی دے جاتے  
 جو ٹرک کر دیکھ کر اپنی گردنیں اٹھاتے پھر اپنے کام کی طرف  
 متوجہ ہو جاتے۔  
 کچھ دور کے سفر کے بعد ایک بڑی سی جھلی دکھائی  
 دینے لگی۔ یہ جھلی راستے سے ایک طرف ہٹ کر بنائی تھی  
 تھی۔ اس کی اوپر کی دیواروں پر خاردار تاروں کی باڑھ لگی ہوئی  
 تھی اور اس کا صدارہ دروازہ بہت اونچا اور مضبوط بنا ہوا  
 تھا۔ وہ ایک وسیع و عریض جھلی تھی۔ اس کی وسعت کا اندازہ  
 اس کے احاطے کو دیکھ کر ہو جاتا تھا۔ فی نے تھوڑے  
 ہاتھ کو ہونے سے دبا دیا۔ داوڑ اس کا اشارہ سمجھ گیا۔ یہ اسی  
 کالی موت کا ٹھکانہ تھا۔ کالی موت کے ٹھکانے کو دیکھ کر  
 داوڑ کی لپٹیاں ترنخنے لگیں۔ اس بستی میں آنے کے بعد  
 اس نے اس شخص سے بہت چہرے سنے تھے۔ اس کے  
 دل میں اس سے ملنے کی خلاش تھی۔ اس نے بڑی شدت  
 کے ساتھ اس کے خلاف اپنے سینے میں نفرت کی  
 آگ روشن کر رکھی تھی۔ اور اب اس پر اسرار درندے کا  
 ٹھکانہ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ  
 وہ اسی ٹرک سے جھلانگ لگا دے اور گولیاں چلاتا ہوا

جھلی میں داخل ہو جائے اور ہر شخص کو جان سے مار  
 ڈالے جو اس کی راہ میں آنے کی کوشش کرتا ہو۔ اس  
 جھلی میں رہنے والا ہر شخص قابل نفرت تھا۔  
 ”ہمارا کارشن پر رشاد کی جھلی ہے؟“ ڈاڑ نے اپنا ایک  
 جھلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔  
 ”کیا یہ داوڑ نے ہر ٹرک کراس کی طرف دیکھا؟ کون لڑا  
 کرشن پر رشاد؟“  
 ”میں نے زمانے میں راجا ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے  
 باپ دادا راجا تھے۔ ڈاڑ نے بتایا: اب تو صرف نام  
 ہی رہ گیا ہے۔ ویسے ابھی کبھی بہت دولت ہے ان کے  
 پاس۔“  
 ”تم کس طرح جانتے ہو؟“ راجا کرشن پر رشاد کو فی نے  
 پوچھا۔  
 ”ان کو جاننے میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟“ ڈاڑ نے  
 نے کہا: ”اس علاقے کا ہر شخص راجا صاحب سے واقف  
 ہے۔ اتنے نیک آدمی تو کون نہیں جانتا ہوگا۔“  
 ”نیک آدمی؟“ فی نے نفرت سے اپنے ہونٹ سیکر  
 لئے۔ ”یہ تمہیں کیسے معلوم کہ وہ نیک آدمی ہے؟“  
 ”یہ بات کبھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے؟“ ڈاڑ نے  
 لئے مننے ہوئے کہا: ”ہر شخص جانتا ہے۔ میں نے خود ان  
 سے ہی بار بار بات کی ہے۔ اتنے رئیس آدمی آدمی ہیں،  
 لیکن حال ہے جو خدا سامنے غرور ہو۔ ایک بار انہیں بیٹھو  
 ہو جائے کہ ان کے علاقے میں کوئی جہان یا ہوا ہے اس  
 اس کے آگے پیچھے اس طرح کچھ جانتے ہیں جیسے اس  
 آنے والے نے ان پر کوئی بہت بڑا احسان کر دیا ہو؟“  
 ”کیا ہم ان سے ملاقات کر سکتے ہیں؟“ ڈاڑ نے  
 پوچھا۔  
 ”کیوں نہیں کرشن پر رشاد کے دروازے ہر شخص کے  
 لئے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ لوگوں کو بدانتہا ہے کہ  
 جس وقت بھی کوئی ان سے ملنے کے لئے آئے ان سے  
 ملا دیا جائے۔“  
 ”تو پھر تم ہمیں ان سے ملو؟“ داوڑ نے کہا۔  
 ڈاڑ نے اپنے ایک نظردار کی طرف دیکھا پھر ٹرک روک  
 دیا۔ اس دوران وہ لوگ جھلی کو بہت دور پہنچاؤ آئے تھے۔  
 ڈاڑ نے ٹرک کو روک کر کہا: ”اور دوبارہ جھلی کی طرف دوڑا  
 دیا اور کچھ سوچ رہا تھا۔ جبکہ ابھی ہوئی دکھائی دے ہی تھی  
 کالی موت کے حوالے سے یہ ایک نئی بات سامنے آئی تھی۔“

کالی موت راجا کرشن پر فلوٹھا ڈراٹو نے رک حویلی کے سامنے لاکر رک دیا۔ اور ان دونوں کو اتارنے کا اشارہ کرتے ہوئے ٹرک سے پیچھے اگیا۔

”تم لوگ نہیں بھڑے رہو میں دیکھتا ہوں۔ ذرا بھر نہ کھا۔“  
 داوے اپنی گردن ہلا دی۔ ڈراٹو حویلی کی طرف بڑھ گیا۔  
 ”میں واس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔“ غی نے کہا۔  
 ”وہ مجھے پہچان لے گا۔“

”پہچان تو لے گا لیکن وہ میری اور ڈراٹو کی موجودگی میں کچھ نہیں کرے گا۔“ دو کچھ سوچتے ہوئے، لولا اگر کرشن پر شادی کالی موت ہے تو وہ اپنے رویے سے کبھی اپنی حقیقت ظاہر نہیں ہونے دے گا۔ میں نے جان بوجھ کر اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔ میں اس طرح کم از کم اس شخص کو قریب سے دیکھ لوں گا بعد میں سوچا جائے گا کہ اس پر کس طرح ہاتھ ڈالنا ہے۔“  
 غی کچھ نہیں بولی۔ دواہ اس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ وہ بہت خوفزدہ تھی۔ اگر دواہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا تو شاید وہ اب تک فرار ہو چکی ہوتی۔ ڈراٹو حویلی کے گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ اور زور سے حویلی کے گیٹ کو دونوں ہاتھوں سے ٹھک رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک بجلی دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر آگیا۔ اس آدمی نے سر پر پٹکی باندھ رکھی تھی اور اس کے پیٹھ سے ریلو اور ٹرک رہا تھا۔ وہ اس حویلی کا فی فظ معلوم ہوتا تھا۔ وہ فی فظ اور ڈراٹو ایک دوسرے سے کچھ باتیں کر لے گئے۔ ڈراٹو نے ان دونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ بتا اور وہ فی فظ اپنی گردن ہلاتا ہوا اندر چلا گیا جبکہ ڈراٹو رہا رہا کی کھڑا ہوا۔ وہ آدمی شاید اندر سے اجازت لینے گیا تھا۔

”کہاؤں تم کو کچھ جان۔“ بوجھ کر خطرے کو دعوت نہیں دے رہے ہیں۔ غی غی نے کہا۔  
 ”میں جاننا ہوں کہ یہ ایک خطرناک بات ہے۔ ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن بس اچانک یہ ترکیب میرے ذہن میں آئی۔ غی میرے ساتھ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کیلے کہ گزرتا ہوں اس کے بعد سوچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ بہر حال تم نے ایک قدم اٹھا ہی لیا ہے اب چاہے غلط ہو یا صحیح ہو پیچھے نہیں ہٹنا ہے۔ پھر تم مطمئن رہو۔ جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں

کوئی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ چاہے وہ کالی موت کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔“  
 ”میں اپنے لئے نہیں بلکہ شاید تمہارے لئے برائیاں ہو رہی ہوں۔“ غی دھیرے سے بولی۔ ”جہاں تک میری اپنی ذات کا تعلق ہے تو میری زندگی میں اب ایسی کوئی کشش نہیں رہ گئی جس کے لئے جینے کی تمنا کی جائے۔ زندگی کے جتنے بھی بچے باقی ہیں وہ میرے ہیں۔ وہ سب ہی دیکھ چکی ہیں۔ اب کچھ بھی نہیں رہ گیا۔“

داوے نے کچھ کھانا چاہا تھا کہ اسی وقت بجلی دروازہ کھلتا ہوا دکھائی دیا اور اس بار دو محافظ باہر آ گئے انہوں نے اس ڈراٹو سے کچھ کہا اور ڈراٹو نے دواہ اور غی کی طرف دیکھ کر ہاتھ سے اپنی طرف آئے کا اشارہ کرنا شروع کر دیا۔  
 ”مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“ غی نے جلدی سے دواہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر خود ہی ہنس کر بولی ”تم بھی کہتے ہو گے کہ میں ایسی عورت ہوں۔ ایک طرف تو ایسی باتیں کر رہی ہوں اور دوسری طرف اتنی خوفزدہ بھی ہوں۔ لیکن کیا روں اس دردندے کے سامنے جانے کے خوف سے ہوں۔“  
 ”میں تمہاری اس کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔“ داوے نے اس کے ہاتھ پر ہتھ پٹی دی۔ ”آؤ چلتے ہیں جو ہو گا دیکھ جائے گا۔“  
 دیکھنا ہی تو حویلی کے اندر جانے کا کوئی ذریعہ کچھ نہیں لگتا تھا۔ اب خود ہی ایک راستہ مل گیا ہے۔ اسی طرح دوسری شخصیں بھی آسمان ہوتی جا میں گی۔ یہ یہ لڑ رہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم اتنے دنوں تک یہاں رہی ہو۔ کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہوا کہ کالی موت اور راجا کرشن پر شادی دونوں ایک ہی شخصیت ہیں۔“

”میں تو خود اس پر حیران ہو رہی ہوں۔“ غی نے کہا۔  
 ”تم یقین کرو مجھے ڈراٹو کی علم نہیں ہو سکا تھا۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس دوران باہر کے لوگوں سے میری ملاقات نہیں ہوئی ہو۔“ غی نے جتنے بھی یہ نہیں معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے علاوہ جو لوگ بھی کالی موت کے ارگرد موجود تھے وہ سب اسے کالی موت ہی کہہ کر کھانا طب کرتے تھے۔“  
 ”جلو لو۔“ عمار انتظار کر رہے ہیں۔“ داوے نے کہا۔  
 وہ لوگ حویلی کے گیٹ کے پاس پہنچ گئے جہاں ڈراٹو اور حویلی کے دونوں محافظ کھڑے ہوئے تھے۔  
 ”راجا صاحب نے تم دونوں کو اسی وقت بلا لیا ہے۔“

ڈراٹو اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے لولا بلی نے کہہ دیا تھا کہ تم دونوں اس علاقے میں جہاں گئے ہوئے ہو۔ اب تم لوگ جاؤ۔ سمجھ آجی آگے جانا ہے۔ پھر وہاں سے واپس لازم پہنچ کر دو دھلیا ہے۔ اس کے بعد شہر کی طرف جانا ہے۔“

ڈراٹو اور ان دونوں سے اجازت لے کر اپنے ٹرک کی طرف چل دیا۔ یہ دونوں محافظوں کے ساتھ حویلی کے اندر آئے۔ دواہ اس وقت بہت چون معلوم ہو رہا تھا صورتحال ایسی تھی جیسے کوئی خود ہی سمجھ لیں گے غلامیں گھس پڑے۔ اس نے اپنا ہاتھ ہاتھ اپنی اسی جیب پر رکھ لیا تھا جس کے اندر پھرا ہوا ہتھوڑا موجود تھا۔ غی کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ دواہ کے لئے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ درہم کہو سے بدن سے کانپنے لگی۔ وہ دواہ کے ساتھ بالکل چپک چپک چل رہی تھی۔ اس کی خوف زدہ نگاہیں چاروں طرف اس طرح دیکھ رہی تھیں جیسے اسے کسی بھی سمت سے حمل کا اندیشہ لاحق ہو۔

وہ دونوں محافظ نہیں اس حویلی کے شندار دیوان خانے میں لے آئے۔ اس دیوان خانے کو دیکھ کر ہی یہ احساس ہوتا تھا جیسے اس کا مالک کوئی راجا ضم کی چیز ہو سکتا ہے۔ انتہائی انیس قسم کا قیمتی فریئر پینوں سے لگتے ہوئے فانوس، دیوار پین، دیوار پر لگی ہوئی تار تصاویر، یہ سب راجا پر شادی شان و شوکت کا ظہار کر رہی تھیں۔

”آپ دونوں پھار دیں۔“ راجا صاحب ابھی آتے ہیں۔“ ایک فیافنے نے بڑے ادب کے ساتھ کہا۔  
 وہ دونوں آرام دہ صوفی پر بیٹھ گئے۔ ان کے پیچھے کے بعد وہ دونوں محافظ اس دیوان خانے سے باہر چلے گئے تھے۔

”تمہیں کوئی غلط فہمی تو نہیں ہوئی۔“ داوے نے فی فظ دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی اور حویلی ہو۔“  
 ”کی غلط فہمی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ غی نے کہا۔  
 ”میں سب کچھ پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔ لیکن آج میں کا ماقول بالکل غلط دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں تو چاروں طرف خطرناک صورتوں والے غنڈے گھومتے پھرتے تھے لوگوں اور خوف کی سسکیاں اور کراہیں سنائی دیا کرتی تھیں۔ ہر طرف ظلم اور تشدد کا دور دورہ تھا۔ پھر یہ سب تبدیل کیسے ہو گیا۔“

”بہت نہیں کہہ چکے۔“ ہوسکتا ہے کہ راجا کی شخصیت بظاہر سمجھا اور ہو اور باطن سمجھا ہو۔ ایسی دو بلی فطرت والے لوگوں کی بھی کمی نہیں ہے۔“

غی نے کچھ کھانا چاہا لیکن اسی وقت سامنے والے ایک دروازہ کا بجلی پر دھ ایک طرف ہٹا اور ایک قد آور شخص دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔ وہ ایک انتہائی بچہ فہم طاقتور اور باعرب چہرے والا آدمی تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں گلابی ڈورے تیرے تھے اور اس کی شاندار مونچھیں اس کی وجاہت میں اضافہ کر رہی تھیں۔ داوے نے غی کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت غیر معمولی تھی۔ اس کا چہرہ اس وقت ڈھلے ہوئے لئے کی طرح سفید ہو گیا تھا۔ وہ آگے پیچھے اس طرح جھول رہی تھی جیسے نفوس ہو کر گرنے والی ہو۔ اس کی حالت کو دیکھ کر اس سے کچھ بول چھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ راجا کرشن پر شادی کالی موت تھا۔

داوے نے لپک کر جلدی سے غی کو سنبھال لیا۔ وہ ہکا کر گرنے ہی والی تھی۔ راجا کرشن پر شادی غی غی کی یہ کیفیت محسوس کر لی۔  
 ”کیا ہو گیا ہے۔“ اس نے اپنی گونجی لڑ آواز میں بول چھیا۔ ایسا لگتا ہے جیسے دہلی کی فلیٹ خراب ہو۔“

داوہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی وقت راجا پر ٹوٹ پڑے۔ یہ شخص کمال کا ادکار شابت ہو رہا تھا۔ لیکن یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ وہ راجا کے خلاف کچھ کر سکتا۔ وہ اس کی حویلی میں موجود تھا جہاں ہر طرف راجا کے آدمی پھیلے ہوئے تھے اور دوسری بات یہ تھی کہ غی اس کے ساتھ تھی۔ خوفوں کے ساتھ وہ ہمیشہ سے بہت نفا بچا کر کوئی قدم اٹھاتا کرتا تھا۔ اس نے راجا کو کوئی جواب دیئے بغیر غی کو ایک صوفے پر ٹاٹا دیا۔ کرشن پر شادی نے اس دوران ملازمین کو آواز دے کر بلا لیا تھا۔ ان میں دو عورتیں بھی تھیں۔ کرشن پر شادی کے اشارے پر وہ عورتیں بے ہوش غی کی طرف متوجہ ہو گئیں۔  
 ”اگر تمہاری اجازت ہو تو دہلی کی گوانڈرمان خانے میں بھیج دیا جائے۔“ کرشن پر شادی نے داوہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہاں ان کی بہتر دیکھ بھال ہو سکے



”گی“ نہیں، دادا نے الکار میں اپنی گردن ہلا دی یہ ابھی خود ہی ٹھیک ہو جائے گی“

دوسرے لمحے کی روشنی سے کرشن پر شاد کی پہلی میں انھن کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے کچھ گھٹنے کی کوشش کی، پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھر کر رہ گیا۔ دادا کے لئے یہ بہت ہی نازک موقع تھا۔ اسے اپنے جانت پر کار کھنا ڈھول رہا تھا۔ کالی موت اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا اندازہ کالی موت کے سلسلے میں درست ثابت ہوا تھا۔ اس کا شروع سے خیال تھا کہ کالی موت کسی بڑی حیثیت کا آدمی ہو گا۔ کوئی ایسا آدمی جس کے اختیارات اور وسائل بے پناہ ہوں گے جس کے پاس بے پناہ دولت ہوگی۔ اور یہ راجا کرشن پر شاد کالی موت ثابت ہوا تھا۔ اس شخص نے اتنی فکرا راند مہارت کے ساتھ خود کو چھپا رکھا تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہیں جوہر کا متاثر کرتا مگر میں ہونے والے بھیماک جرم اس کی بدولت رو دینا ہوا کہتے ہیں۔

اس دوران کئی کی غفلت ختم ہوئی۔ وہ کسمار کھڑے ہوئے اس کے اٹھتے ہی اس کے آس پاس کھڑی کینز کمرے سے باہر چلی گئیں۔ دادا نے کئی کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اس وقت زرد ہو رہا تھا۔ اور وہ کسی خوفزدہ کیتری کی طرح بھی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ دادا اس کی تسلی کے لئے اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔

”کیا ہو گیا تھا؟“ دہلوی کہیں۔ ”کرشن پر شاد نے پوچھا اس کا بچو اس وقت بہت نرم اور جذبات تھا۔“

”جو کچھ ہوا ہے وہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ دادا بول پڑا۔ اب اس کی قوت برداشت جواب دے کی تھی۔“

”کیا؟ راجا کرشن پر شاد کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔“

”کیا کہہ رہے ہو۔ ہم نے تم لوگوں کے ساتھ کون سا سلوک کیا ہے؟“

اس کمرے میں اس وقت ہوائے ان تینوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ راجا نے اپنے آدمیوں کو واپس بھیج دیا تھا۔ دادا بھی کھیل شروع کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ جملہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔ اور نہ کمان سے نکلنے کے بعد واپس نہیں آ سکتا لیکن کھیل شروع ہو چکا تھا اور اب اسے اس کھیل کو اس کے اختتام تک پہنچانا تھا۔

”میں بہت دنوں سے تمہیں تلاش کر رہا ہوں راجا کرشن پر شاد! دادا ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ اب تم اپنے انجانہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔“

اتنا کہہ کر اس نے راجا پر چھلانگ لگا دی۔ راجا اس کے اس اچانک حملے کو سہل نہیں سکا اور لڑکھٹا ہوا ایک طرف جا کر لیکن دادا کے اندازے کے برعکس وہ بھی لڑائی کے فن میں کسی سے کم نہیں معلوم ہوا تھا۔ اس نے دوسرے ہی لمحے اپنی دونوں ٹانگیں جھڑپیں اور دادا کے سینے پر رکھ کر اسے زور سے دھک دے دیا۔ دادا کی گرت چھ جلا گیا تھا۔ اس نے دوبارہ راجا پر چھلانگ لگائی اور راجا بائیں مٹکا ہوا ایک طرف مٹ گیا۔ دادا فرش سے ٹکرایا اور ساتھ ہی اس نے بھی کروٹ لیتے ہوئے اپنی ایک ٹانگہ جا کی طرف جلا دی۔ اس کا یہ وار تو شرافت ہوا۔ اس دفعہ ایک زوردار ضرب راجا کے سینے پر لگی اور وہ دوسرے دھڑا تھا۔ اس دوران کئی دوڑتی ہوئی ان دونوں کے قریب آئی۔

”مارو دادا وہ جو ش سے بولی۔“ جان سے مار دو اس شخص کو۔ مار ڈالو۔“

دادا نے اچھل کر راجا کے سینے پر ایک فلائنگ لگ رہا کر دی۔ راجا اس وقت اٹھ کھڑا ہوا تھا لیکن اس ضرب نے اسے بے حال کر دیا اور وہ تقریباً اڑتا ہوا سامنے والی ایک دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور ایک وقت کی آدنی اندر آئے۔ یہ راجا کے ملازمین تھے جو مسلح ہو کر راجا کو بچانے کے لئے اس کمرے میں آئے تھے۔ انہوں نے آتے ہی دادا کو گھیر لیا۔

”تم لوگ ایک طرف ہٹ جاؤ راجا نے اپنے ہاتھ بھٹکے۔“ یہ جہاں سے دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ یہ لڑائی میرے اور ان کے درمیان ہے۔ لیکن اتنا ضرور پہنچو گا کہ اس جنگ کی وجہ کیا ہے؟“

راجا کے گھٹنے پر دوسرے لوگ ادھر ادھر بیٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ دادا چند لمحوں تک راجا کی طرف تو بخار نکالوں سے دیکھنے کے بعد بولا۔ میرا خیال ہے کہ کالی موت کو یہ بوجھنے کا حق نہیں ہے کہ اس جنگ کی کیا وجہ ہے؟“

”کالی موت؟“ راجا زبردست غصہ پڑا۔ اس کی آنکھوں

میں انھن کچھ اور بڑھتی تھی۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور وہ دوبارہ اس کمرے سے باہر چلے گئے۔ راجا کا یہ رویہ دادا کی سمجھ سے باہر تھا۔

”دیکھو دوست۔ اگر تم مجھے صفائی کا موقع دیجئے ابھی اہم دشمن خیال کرتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں اور اگر تم صفائی کا موقع دینا چاہتے ہو تو کچھ دیر بیٹھ کر میری باتیں سن لو۔ اس کے بعد بھی اگر تم مجھ سے لڑنا ہی چاہتے ہو تو میں تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں میں بزدل نہیں ہوں۔ لیکن خواہ مخواہ کسی جنگ میں لکھنا بھی نہیں چاہتا۔“

”تمہارے پاس کچھ کہنے کے لئے ہے کیا کہنے انسان؟“ کئی اچانک بول پڑی۔ ”تم جیسا ذلیل شخص تو میرے ہندوستان میں کوئی اور نہیں ہو گا۔“

”دیکھو۔ بولی۔ جی۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں بزدل نہیں ہوں۔ میں تمہاری اس بات کا بہت معقول جواب دے سکتا ہوں۔ اور یہ بھی جان لو کہ میری اور ان کے درمیان اگر کوئی جنگ ہوئی تو میرا کوئی آدمی مداخلت نہیں کرے گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ کوئی بھی میری بات آئے گا لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم آپس میں بات کر لیں۔ کسی پتے پر پہنچ جائیں۔“

”بہت خوب۔“ دادا سر ہل کر دیا۔ ہزاروں آدمیوں کو تیار کرنے والا کالی موت اب ایسی باتیں کرنے لگا ہے۔ یقین کرو کالی موت میں تمہیں کتنے کی موت ماروں گا۔“

”سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بار بار مجھے کالی موت کیوں کہہ رہے ہو؟“ راجا نے کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے تمہیں کوئی زبردست غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”بگو اس بندہ کو یہ کئی دہائیوں میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں ہمیشہ تمہاری گزری سانس میں نظر ڈال رہی ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ ایک ایک لمحے کا عذاب برداشت کیا ہے۔“

”بہت دنوں کے بعد تم وہ پہلے لوگ ہو جو مجھے میرے منہ پر کالی موت کہہ رہے ہو۔ میں نے یہ نام پہلے بھی سن رکھا ہے۔ اور میں اس کی تہہ تک پہنچا ہوتا ہوں لیکن اب سے پہلے کسی میں اتنی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی کہ وہ میرے سامنے آکر کالی موت کہہ کر مجھے مخاطب کر سکے۔ میں نے نہ جانے کہاں سے یہ خبر سنی

تھی کہ اس کالی موت کا تعلق میری اس جھٹی سے ہے اس کے بعد میں نے بے شمار لوگوں سے معلوم کیا۔ اپنے ملازمین سے تفتیش کی لیکن نہ جانے کیوں کوئی بھی کچھ بتانے کو تیار نہیں ہوتا اب تم لوگ آئے ہو تو جھگوان کا واسطہ ہے بتاؤ یہ کیا سلسلہ ہے۔ ام میری باتوں کو غلط مت سمجھنا۔ بہ مت سمجھنا کہ میں تم سے خوفزدہ ہو کر یہ سب کہہ رہا ہوں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تم سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ میرے بازوؤں میں ابھی اتنی توانائی موجود ہے کہ میں تمہارا مقابلہ کر سکوں۔ اس کے علاوہ میری ایک آواز پر یہ کہہ میرے مسلح ملازمین سے بھر جائے گا۔ اور تم اپنی جان کا فراموش نہیں ہو سکو گے

اس نے یہ خیال تو اپنے ذہن ہی سے نکال دو کہ میں کسی مصیبت کے تحت ایسی باتیں کہہ رہا ہوں بہترین ہی ہے کہ تم لوگ مجھے ساری صورت حال سے آگاہ کر دو۔  
 داور کو اس کی باتیں بہت معقول معلوم ہو رہی تھیں یہ شخص اپنے انداز اور اپنے رویے سے مجرم نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اور نہ ہی اس کی آنکھوں میں کسی قسم کی شیطانی چمک پائی جاتی تھی۔ وہ ایک سیدھا سادہ آدمی تھا جس نے سیدھے سادھے انداز میں اپنی بات کہہ دی تھی۔  
 ”سب سے پہلے یہ بتا دو کہ یہ کالی موت کون ہے؟“  
 راجا نے ”لو چھا“ تمہیں اس کے بارے میں کچھ کچھ معلوم ہو رہا تھا۔  
 ”کلیا خیال ہے غمی“ داور نے غمی کی طرف دیکھا ”کیا ان باتوں پر یقین کر لیا جانے؟“  
 ”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا“ غمی نے بولی۔  
 ”یہ وہی شخص ہے جو فیصد وہی میں اسے پہنچنے میں غلطی نہیں کر سکتی لیکن اس کا یہ انداز یہ رویہ بالکل مختلف ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کالی موت اس قسم کی جذب گفتگو بھی کر سکتا ہے۔ چلو تم اس کو بتا دو لیکن تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ شخص خود ہی اس بات کا اقرار کرے گا۔“

پھر وہی بدگمانی ”راجا سدا دیا“ ٹھہرو میں تمہیں اپنے بارے میں پہلے ایک ثبوت دے دوں۔ اس کے بعد تم سے باتیں ہوں گی۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد تمہیں مطمئن ہو جانا چاہیے۔“  
 اتنا کہہ کر اس نے زور سے کسی کو آواز دی اور ایک وردی بلوٹس ملازم اندر آگیا۔ وہ ایک جوان لہو اور چاق و چوبند آدمی تھا۔ اس کے دونوں پہلوؤں سے ہوسٹرنگے جوئے تھے۔ اس نے بڑی گہری نگاہوں سے داور اور غمی کی طرف دیکھا پھر راجہ کے پاس آکر موڑ بکڑا ہو گیا اس سے پہلے شاید وہ دروازے کے قریب ہی تھا اس نے راجا کی ایک آواز پر اندر آگیا تھا۔  
 ”تم یہ بتا دو کچھ دنوں میں پاگوں کی طرح کس کو تلاش کر رہا ہوں؟“ راجا کرشن بدشاہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس نے جواب دینے سے پہلے اس طرح داور

اور غمی کی طرف دیکھا جیسے وہ یہ سوچ رہا ہو کہ ان دونوں کے سامنے جواب دے یا نہ دے۔ پھر راجا کے اشارے پر وہ دھڑے سے بولا ”کالی موت ہو۔“  
 ”اب تم جا سکتے ہو؟“ راجا نے کہا اور وہ شخص جس طرح آیا تھا اسی طرح باہر چلا گیا۔ اب کیا خیال ہے تمہارے راجا نے داور سے سوال کیا۔  
 ”مٹھیک ہے۔ اگر تم خود کالی موت نہیں ہو تو میری لڑکی تمہیں دیکھ کر دھوکا کیوں کھا گئی۔ اسے کیوں یقین ہے کہ تم ہی کالی موت ہو۔“  
 ”میں تمہیں یہ بھی بتا دوں گا“ راجا نے ایک گہری سانس لی۔ ”لیکن اس سے پہلے مجھے پورے واقعات معلوم ہو لینے۔ وہ تاکہ میں اپنے حالات کی روشنی میں ان واقعات کا تجزیہ کر سکوں۔“

داور غمی کو اشارہ کرتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ غمی بھی اس کے برابر آکر بیٹھ گئی جبکہ راجا ان دونوں کے سامنے کھڑا ہی رہا تھا۔ ایسا الٹا تھا جیسے نو بلوٹس اس کے منظر میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہو۔ وہ جلد سے جلد حالات جان لینا چاہتا ہو۔ داور کی نگاہوں نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی بے چینی بلاوجہ مصنوعی نہیں تھی۔  
 داور کو کالی موت کے حوالے سے حتیٰ باتیں معلوم تھیں وہ سب اسے بتا دیں۔ راجا بڑی حیرت سے اس کی کہانی سنتا رہا تھا۔ داور کے غٹس ہوجانے کے بعد اس نے غمی سے پوچھا۔

”اور وہی غمی تمہیں یہ شہ کیسے ہوا کہ کالی موت کا تعلق اسی غمی سے ہے۔ یا میں ہی کالی موت ہوں؟“ غمی نے داور سے جو کچھ کہا تھا وہ سب کچھ اس نے راجا کو بھی بتا دیا۔ راجا پہلے سے کہیں زیادہ پریشان اور مضطرب معلوم ہونے لگا تھا۔  
 ”تم نے تمہیں کوئی غلطی تو نہیں کی ہے دلیوی جی؟“ راجا نے پوچھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ کوئی اور جرم ہی ہو؟  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے غمی جلدی سے بولی۔  
 ”اندھی یا بے حس نہیں ہوں۔ اور جا بے تم کچھ بھی کہتے رہو مجھے تمہارے یقین نہیں آئے گا۔ میں تمہارے جرم کو اپنی آنکھوں سے دیکھتی ہوں۔ تمہارے ظلم و تشدد کا شاہدہ

کر چکی ہوں۔ میں نے تمہاری غلامت میں بہت دن گزارے ہیں اور یہ۔“  
 ”بس خاموش رہو۔ راجا نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر غمی کو مزید بولنے سے روک دیا۔ شاید میں بڑی حد تک معاملے کی گہرائی پہنچ گیا ہوں۔ صورت حال یہ ہے کہ تم بھی غلط نہیں ہوتی ہو اور میں بھی جھوٹ نہیں بولی رہا ہوں۔ ہم دونوں ہی اپنی اپنی جگہ صدمہ ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ داور نے جلدی سے کہا۔  
 ”اس قسم کی کج کامیابی تمہیں زیب نہیں دیتی؟“  
 ”میں حق کہہ رہا ہوں جوان پیراجا کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ریگ گئی۔ تم دونوں آدمیرے ساتھ۔ میں تمہیں کالی موت سے ملوا دیتا ہوں۔“

اس جھمبے کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کے باوجود شیلانے اس پر پتوں تان لیا تھا اور اب خود موت کی نیند سو رہی تھی۔ یہ سب کچھ دلراج کی سمجھ سے باہر تھا۔ شیلانہ کی حیرت انگیز تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ لیکن دلراج کے پاس ان معاملات پر سوچنے کے لئے اب وقت نہیں رہ گیا تھا۔ غائب گھر کا وہ ہال قتل کی آوازوں سے بھرے لگا تھا۔ دلراج نے ادھر ادھر لنگھیں دوڑائیں۔ اس کے چھینے کے لئے کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ درمیان میں شیلانی لاش بڑی ہوئی تھی اور غائب گھر کے منتظمین بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس طرف چلے آ رہے تھے۔

پھر اسے اس کمرے کا خیال آگیا جہاں وہ اور شیلانہ جا کر چھپے تھے۔ اس وقت اس کمرے کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں تھی۔ اس نے اس کمرے کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ کمرے کی قدر و قیمتوں کے عقب میں تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اسے حیرت کا ایک شدید جھٹکا لگا۔ اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ وہ کہتے ہیں کھڑا رہ گیا۔ یہ ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔ وہ اور شیلانہ اسی کمرے میں چھپے تھے اسے ابھی طرح یاد تھا کہ جب وہ دونوں اس کمرے سے باہر نکلے تو اس وقت یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس ہال میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر یہ دروازہ کس

نے بند کیا۔ دوسری طرف محافظ ہال کے دروازہ کو کھول کر ہال میں آگئے تھے۔ ان کی آوازوں سے ہال بھر گیا تھا۔ ان کی تعداد بھی اچھی خاصی معلوم ہوتی تھی۔ اور وہ سب کے سب یقیناً مسلح ہوں گے۔ اور ان کے مقابلے میں وہ اکیلا تھا۔ وہ اکیلا ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے اپنا شک دور کرنے کے لئے دروازے کو دونوں ہاتھوں سے اندر کی طرف دھک دیا لیکن وہ دروازہ واقعی بند تھا۔ اس نے دستک دینے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھا یا پھر کمر گیا۔ دستک کی آواز ہال میں آنے والے محافظوں کو اس کی طرف متوجہ کر گئی تھی۔ انہیں سمت کا انداز ہو سکتا تھا۔ پریشان ہو کر اس نے ادھر ادھر لنگھیں دوڑائیں۔ پھر اسے ایک اچھا جھوٹا کھلی دے گیا۔ یہ جھمبہ کسی فرعون کی غمی کے طرز پر بنایا گیا ایک بڑا جھمبہ تھا۔ دلراج کے چھینے کے لئے وہ جھمبہ مناسب نہیں تھا۔ لیکن اس کے پاس اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ ڈوبتا ہوا شخص ہمیشہ تنگے کا ہاتھ اتارنا کوشش کرے گا۔ وہ دوڑتا ہوا اس جھمبے کے عقب میں پہنچ گیا۔ جہاں اتنی جگہ موجود تھی وہ اپنے بدن کو کسی نہ کسی طرح سنبھال کر اس کے عقب میں بیٹھ گیا تھا۔

پھر اسی وقت کسی کی بلند آواز سنائی دی۔ شیلانی لاش دیکھ کر غمی تھی۔ اس لاش کے ملنے ہی پر گناہ شروع ہو گیا۔ سینیاں بچنے لگیں۔ لوگ جھنجھک کر ایک دوسرے کو ہوشیار کرنے لگے۔ اسے لگتا ہے کہ لئے آواز میں بلند ہونے لگیں۔ ہال کے دروازے وغیرہ بند کئے جانے لگے۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان لوگوں نے دلراج کو اسی ہال میں چاروں طرف گھیر لینے کا ارادہ کر لیا ہو۔

دلراج کے پورے جسم پر کیسی طاری تھی۔ ایسا امرکا وقت اس سے پہلے اس پر کبھی نہیں آیا تھا۔ اور یہ سب شیلانہ کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ وہ اگر ایسی حرکت نہیں کرتی تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اگر اسے جسے کے اندر سے کچھ نہیں ملتا تو پھر اسے ایسا رویہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر چانک اسے کسی دروازے پر زور نہ دے دیا۔ دینے کی آواز سنئی۔ وہ ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔

حق فدا اس کرے تک پہنچ گئے۔ اور دروازے کو بند دیکھ کر زور زور سے دستک دے رہے تھے وہ کمرہ اس جیسے سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا جس کے عقب میں اس وقت دروازہ تھا ہوا تھا۔ اسی لئے وہ اس کمرے کی طرف سے آنے والی آوازوں کو بہ آسانی سن سکتا تھا۔

”اے دروازہ کھولو یہ کسی حق فدا نے پکار کر کہا۔“  
مترافت سے دروازہ کھول دو۔ ورنہ یہ دروازہ نے اپنی سانسیں تک روک لیں۔ اس کی پوری توجہ ان آوازوں کی طرف تھی۔ وہ یہ جانتا تھا تھا کہ اس کمرے سے کون برآمد ہوتا ہے۔ کس نے دروازہ بند کر رکھا ہے۔

ایسا لگتا تھا جیسے وہ دروازہ نہیں کھلا تھا پھر حق فدا نے اس دروازے کو ٹوڑنے کی کوشش بھی شروع کر دی۔ ان کے خیال کے مطابق اس لاش کا قاتل اس کمرے میں چھپا ہوا تھا۔ اچانک دروازے کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس وقت سارے حق فدا کی توجہ اسی کمرے کی طرف تھی۔ انہوں نے اپنے تئیں اس قاتل کو اس کمرے میں گھر لیا تھا۔ اسی لئے وہ اگر خاموشی سے اس جیسے کے عقب سے نکل بھاگے تو کوئی بھی اسے دیکھ نہیں سکے گا۔ یہ سوچتے ہی اس نے آہستہ آہستہ جسے کی آڑ سے اپنی گردن باہر نکالی اس وقت باورے ہال میں روشنی کر دی گئی تھی اور پورے ہال واضح دکھائی دے رہا تھا۔

سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ دروازے کے پاس بھی کسی کو کھڑا کیا گیا ہے یا نہیں۔ اس نے اتنا جان لیا تھا کہ اس جیسے کے ارد گرد کوئی دکھائی نہیں دے رہا ہے اور وہ کم از کم دروازے تک تو جا ہی سکتا ہے۔ اس نے شبلا سے لیا ہوا ہسٹول اپنے ہاتھ میں لیا اور آہستہ آہستہ بڑی احتیاط کے ساتھ اس جیسے کی آڑ سے باہر نکل آیا۔

دروازے کو اب توڑنے کے لئے زور زور سے ٹکر میں ماری جا رہی تھیں۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ اس کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا مگر از کم سات یا آٹھ آدمی کمرے کے سامنے کھڑے تھے ان میں

سے تین آدمیوں کے ہاتھوں میں شارٹ گنیں تھیں جبکہ باقی لوگوں نے ڈنکے اسی قسم کی چیزیں ہتھول رکھی تھیں۔

دراچ جلدی سے ایک طرف چل پڑا۔ وہ بچوں کے بل چل رہا تھا کسی قسم کی آواز پیدا نہ ہو۔ لیکن اس کی یہ احتیاط بے سود تھی کاس ہال میں پہلے ہی اس قدر شور مچا ہوا تھا کہ اس کے چلنے کی آواز سنی نہیں جا سکتی تھی اس لئے اس نے دروازہ توڑنے کی آواز سنی۔ وہ دروازہ کھٹکھٹا کر اندر کی طرف جا کر تھا۔ دروازے کے ٹوٹنے ہی خاموشی چھا گئی جیسے طوفان آکر واپس چلا گیا جائے لیکن آئے والا ہوا اس وقت وہ ایک ایسے کس کے قریب سے گزر رہا تھا جس کے اندر ٹیکسیا تھمڈیک کی چھوٹی چھوٹی یادگاریں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ فوراً ہی اس کس کی آٹ میں ہو گیا۔ حال ہی کے اس کے ساتھ ساتھ اس کے اندر غصے بھی پوری طرح بیدار ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کمرے کی طرف سے آنے والی یہ آوازیں سنیں۔

”اے۔ اس کمرے میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔“ یہ کمرہ تو بالکل خالی ہے۔

یہ ایک ایسا انکشاف تھا کہ دروازے کے قدم ٹھٹک گئے۔ یہ کہے ہو سکتا تھا۔ اس نے خود اس دروازے کو بند کیا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے اندر کوئی نہ ہو۔ لیکن ان لوگوں کی آئی ہوئی آوازیں یہی ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ کمرہ واقعی خالی تھا۔ اس میں کوئی بھی نہیں تھا۔ تلاشی لینے والے اب پورے ہال میں پھیل گئے تھے۔ دروازے نے اس شوک کس کے عقب سے لٹنے کی کوشش کی لیکن اسی وقت اس کی کمرے کوئی سخت سی چیز آئی اس کے ساتھ کسی کی آواز سنائی دی۔ کوئی سرگوشی نہیں

گھر رہا تھا۔  
”بس۔ تمہارا کھیل ختم ہو گیا ہے۔ اب خاموشی سے کمرے ہو جاؤ۔ اور دے پاؤں۔“ اے۔ ڈنکوں چلتے ہوئے جتنا بدھ کے جسم کی طرف آ جاؤ۔

دراچ کے پورے بدن میں سستی پھیل گئی۔ یہ ایک نئی لجن تھی۔ اس کی کمرے سے ہسٹول لگنے والا ان لوگوں میں سے نہیں معلوم ہوتا تھا۔ ورنہ وہ اس طرح سرگوشی

بہادیت نہیں دیتا۔ دراچ چند لمحوں تک مرک رہا۔ لگتا تھا کہ اسے اب کہا گنا جا رہے۔ کہا اس شخص رابیت پر عمل کرے یا اس کی بات ماننے سے انکار کرے۔ پھر یہی اس کے دل میں آئی کہ اس کی بات ہر کمرے کے دیکھ لیا جا رہے۔ وہ ہمتا بدھ کے جتنے کی چلتے گئے لئے گھر رہا تھا۔ اور ایسے ہی دروازے کے پاس ہال میں جا رہی طرف خطرے ہی خطرے تھے لئے ایک کمرے میں کوئی طرح نہیں تھا۔

وہ خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔ ہال میں تلاشی لینے والے اس طرف نہیں آئے تھے۔ جہاننا بدھ کا ایک ٹیم ہتھیار کس کے عقب میں چند گز کے فاصلے پر تھا۔ ہتھیار نہیں تھا جس کے اندر دلاور نے اپنی دولت غنی کی جہان سنا لی تھی۔ یہ کوئی اور ٹیم تھا جو ایک بڑے بے چارے پر رہا ہوا تھا۔ وہ جہاننا بدھ کا بڑا بڑا تھا۔ ابھی شخص بڑی آسانی کے ساتھ اس کے عقب میں کھڑا ہو سکتا تھا۔

دراچ نے مرکز اس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ ایک بے ہوش تھا۔ طویل قامت مضبوط ہاتھ پیروں والا۔ جس نے اپنے بدن پر کچھ سیاہ رنگ کا پھٹا لٹا ہوا تھا۔ دراچ کے لئے یہ موقع بہت نادر تھا۔ سے یا تو اس نقاب پوش کی بات مان لینی تھی یا پھر اس بات ماننے سے انکار کر دینا تھا۔ لیکن وہ ابھی طرح نہ تھا کہ انکار کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔ اسی لئے وہ ایک سی سانس لے کر اس نقاب پوش کے پیچھے ہٹا۔ اس کے ساتھ ہولیا۔ جہاننا بدھ کے اس جتنے کے بالکل تب والی وہ باور پر نقش و نگار کئے ہوئے تھے۔ اس ہر شخص نے کسی مقام پر رہا تھا وہ ڈالا اور قتل و قتل وہ دوبارہ دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ ایک راستہ دروازہ ہو گیا تھا۔ دراچ حیرت سے اس راستے کی طرف دیکھتا رہا تھا۔

”جلدی کرو۔ اندر جاؤ۔“ نقاب پوش نے ہسٹول طے ہونے سے اشارہ کیا۔

دراچ اس کے پیچھے ہٹا۔ اس میں داخل ہو گیا۔ اندر چھپا ہوا تھا۔ اور کھپ اندر چھپا تھا۔ دروازہ کا ایک بار پھر غائب ہو گیا۔ شاید اس نقاب پوش نے

اندہ اندہ آنے کے بعد کسی جگہ ڈالا کہ نمودار ہونے والے راستے کو بند کر دیا تھا۔ باہر ہال میں لوگوں کے ہونے اور ادھر ادھر بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لوگ ابھی تک تلاش سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ اندھیرے کی وجہ سے دراچ کے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن اس وقت اس نقاب پوش نے اس کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ دراچ نے محسوس کیا کہ اس کی گرفت غیر دوستانہ نہیں تھی۔ وہ اس کے ساتھ بڑھتا اترتا چلا آیا۔ نو دس میٹر چھپا اترنے کے بعد وہ دونوں تہر خانے کے ہال میں آ گئے تھے۔ یہاں پہنچ کر اس شخص نے دراچ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ایک دیوار میں لگا ہوا بجلی کا بٹن دبا دیا۔ اس ہال میں گئے ہوئے بلب جل اٹھے۔ وہ نقاب پوش اس سے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی لٹک رہا تھا۔ دبا ہوا تھا۔ ”کون ہو تم؟“ دراچ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے یہاں کہوں لائے ہو۔“

”او ہوں؟“ نقاب پوش نے اپنی گردن ہلا دی تھی وقت تمہاری پوزیشن کر رہا ہے۔ اس لئے سوالات کرنے کا حق میرا ہے تمہارا نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر پوچھو۔ کیا پوچھنا ہے تمہیں؟“ دراچ نے کہا۔ اس نے بڑی حد تک اپنے خوف اور اپنی گھبراہٹ پر قابو پایا تھا۔

”بہت خوب؟“ نقاب پوش ہنس پڑا۔ ”بڑے جصل کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ورنہ قتل کرنے کے بعد آدمی بہت دیر تک بدحواس رہتا ہے۔ لیکن تمہارے ساتھ اتنی سی کوئی بات لگتی نہیں رہی؟“

”تو نہیں؟“ معلوم ہے کہ میرے ہاتھ سے ایک قتل ہو گیا ہے؟“ دراچ نے پوچھا۔

”ہاں۔ یہ تو تمہیں معلوم ہے لیکن شاید تمہیں یہ نہیں معلوم کہ میں اس وقت تم دونوں سے زیادہ دوڑ رہا تھا۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم کوئی چلائی دوڑنے میں نہیں روکنے کی کوشش کرتا۔ لیکن ہے کہ تم دونوں کا ایک مدت سے ساتھ تھا۔ اسی لئے تم اسے ہلاک کرنے کے بعد بہت افسردہ معلوم ہو رہے تھے۔ تمہاری پریشانی سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ تم اس سے قربت بھی

کرتے تھے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ آدمی کو غصہ نہیں کرنا چاہئے۔ بہت بری چیز ہوتی ہے آدمی کو خود پر اختیار نہیں رہتا خواہ قتل وغیرہ کر دیتا ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ آدمی کو بھلا ہوا سلو اپنے پاس رکھنا ہی نہیں چاہئے جیسے میں رکھا کرتا ہوں۔ میرا یہ پتوں خالی نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم مجھ پر قافلو پانے کی کوشش کرو۔ میں نے تو نوئی ایک بات کہہ دی ہے۔

نہیں اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے دراج نے اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ اس نقاب پوش کا خوف اب ممکن طور پر اس کے دل سے نکل چکا تھا۔ اس کے علاوہ شیلی کی ہلاکت کے بعد اس کے سر پر ویسے ہی ایک جنون سا مور تھا۔ اسی لئے اس نے یہ معلوم ہونے ہی کہ نقاب پوش کا پستول خالی ہے اس پر حملہ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ لیکن وہ نقاب پوش اس سے نہیں زیادہ پھر تپتا ثابت ہوا۔

اس سے پہلے کہ دراج اس تک پہنچ سکتا وہ پتلی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ دراج اپنی ہی جھوک میں آگے کی طرف چلا گیا۔ اور ابھی وہ مہمل کر رہے تھے پاپا تھا کہ نقاب پوش نے اس کی گردن پر ایک زوردار لٹا رسید کر دی۔ دراج اس واقعے سے دور ہوا، سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے تاریں رقص کرنے لگیں۔ اسے یہ احساس ہو گیا کہ یہ نقاب پوش طوائی بھڑائی میں اس سے ہمیں زیادہ دھرم ہمارت رکھتا ہے بلکہ وہ بے پناہ طاقت ور بھی ہے۔ اس نے چند لمحوں میں دراج کو بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔ دراج نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو کر بیٹھا کرے جیسے اس نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ پھر جیسے ہی موقع مل سکے وہ نقاب پوش پر گرفت قائم کرے۔ پھر اسے اچانک یا دیکر اس نے شیلیا کو جس پستول سے ہلاک کیا تھا، وہ پستول ابھی تک اس کی جیب میں تھا۔ جبکہ نقاب پوش کا پستول بال میں ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ دراج کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے جلدی سے اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا وہاں وقت نقاب پوش کی آواز گونج اٹھی۔

”میرا خیال ہے کہ تم اپنے پستول کو تلاش کر رہے ہو گے۔ لیکن شاید تمہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ پستول انترے ہوئے میں نے تمہاری جیب سے پستول نکال لیا تھا۔“

دراج بھٹکا کر رہ گیا۔ یہ شخص اس کی توقع سے زیادہ خطرناک اور چالاک ثابت ہو رہا تھا۔

”آخر تم چاہتے کیا ہو؟“ دراج نے پریشان ہو کر پوچھا۔ اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے تو آواز دے کر مجھے تلاش کرنے والوں کو یہاں بلا کر مجھے ان کے حوالہ کیوں نہیں کر دیتے۔ اس طرح مجھے پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟

”میں تو تمہیں پریشان نہیں کر رہا ہوں۔“ نقاب پوش نے کہا۔ بلکہ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمہاری جان بچ جائے اور تمہیں وہ دولت بھی مل جائے جسے یہ کے لئے تم لوگ یہاں آئے تھے۔“

نہر خانے والے مکان سے نکل کر عبدال کو شیش گنگ سینے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اس نے پستول کے بل ہراس عمارت میں چھ لوگوں کو تہ خانے میں بند کر دیا تھا۔ اسی لئے جب تک اس تہر خانے کا دروازہ نہیں کھلتا اس وقت تک اس کے دروازے پر کاپڑ نہیں چل سکتا تھا۔ شیش گنگ وہ لوگوں سے بوجھتا ہوا چلا آیا تھا۔ یہاں آئے کے اسے کسی کمالا کا مکان تلاش کرنا تھا۔ اس بوڑھے نے ہی نام بتایا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اس بوڑھے کی ہدایت پر عمل کرے۔ بجز یہاں سے واپس ہوئے۔ پھر اسے لڑنے کے احسان کا خیال آگیا۔ اس بوڑھے کی عمر کے لہجہ وہ اس تہر خانے سے نہیں نکل سکتا تھا۔ پھر اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ کمالا کا مکان تلاش کر لے اس نے مکان کا پتہ ایک ایسے آدمی سے معلوم کیا جو صورت ہی سے غنڈہ اور آخر قسم کا آدمی معلوم ہوتا۔ اس نے بوڑھے کے پہلوؤں کی طرح ایک کرنا اور ایک لٹی پہن رکھی تھی۔ اس کے دونوں کانوں میں چمڑی کے بالے پڑے ہوئے تھے۔ چوڑے اور کشادہ سینے، چاندی کے تعویذ لنگ رہے تھے۔

”بابا! میں اس گلی میں کمالا کے مکان کا کھون لگانا ہے۔“ عبدال نے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

”میں کام ہے استاد تجھے کمالا سے۔“ اس پہلوان نما شخص نے اکلچرے میں دریافت کیا۔

”بابا! اپنی تیرے کو اب کیا بتلاؤں۔ تیرے کو پتہ معلوم ہے تو بتا دے ورنہ اپنا راستہ لے۔“

”اوپر تو سر میرا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ پہلوان نے کہا۔ لیکن ہے نہیں اور سے آیا ہے۔ اکی لئے اودھا پہلوان سے ایسی باتیں کر رہا ہے۔“

”ماسٹر! میں کو بالکل نہیں معلوم کہ کون پہلوان ہے اور کون سرخ آدی ہے۔“ عبدال جلدی سے لولا۔

”تو بس اتنا جانتا ہے کہ سالادھر مار پیٹ میں تم کہنے لگو اور صراوتوں سے کام چلاؤ۔ اگر باتوں سے بھی کام نہیں چلے تو سالاکٹی ہو جاؤ۔ بھوٹ جاؤ۔ وہاں سے۔“

”خوب پہلوان ہنس پڑا۔ آدمی تم مزیدار ہو۔ ویسے یہ تو بتا دو تمہیں کمالا سے کیا کام ہے۔“

”ارے بابا! کائے کو کھالی پہلی اپن کے پیچھے پڑا ہے۔ اگر تیرے کو نہیں بتانے کا ہے تو ویسا بول دے۔ اپن ٹھنڈا ٹھنڈا آگے بڑھ جائے گا۔“

”شک ہے تم بھی کیا یاد کرو گے کہ کس اودھا پہلوان سے واسطہ پڑا تھا۔“

”وہ میں تمہیں کمالا کے پاس لے چلا ہوں۔ اس کا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔“

”تو بابا پہلے کیوں نہیں بولا کھالی پہلی اپن کا منگ پھرا پڑا تھا۔“

”جولو۔ کس طرف کو چلنے کا ہے۔ اپن سالادھرم سے ساتھ جاؤ۔ میری چلنے کو تمہارے۔“

پہلوان اسے اپنے ساتھ اس گلی کے ایک دو منزل مکان میں لے آیا۔ یہ مکان سرخ اینٹوں سے بنا ہوا تھا۔ اس کی کھڑکیوں اور دروازے پر موٹے پردے پڑے ہوئے تھے۔ جبکہ اس مکان کا دروازہ ایسی لکڑی کا تھا جس پر نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ اس پہلوان نے اسی دروازے پر دستک دی تھی۔ دستک کے جواب میں کچھ دیر بعد دروازہ کھول گیا کہ دروازہ کھولنے والا پہلوان تھا۔ اسی لئے وہ فوراً ایک طرف ہٹ گیا۔ پہلوان نے عبدال کو اشارہ کیا اور وہ دونوں مکان میں داخل ہو گئے۔ وہ فلوڑھی تھی جس کے دونوں

طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ پہلوان نے ان کمروں کی طرف رخ نہیں کیا وہ سیدھا چلتا ہوا ایک بال میں آگیا۔ اس بال میں ایک عورت بچی پر بٹھتی ہوئی تھی۔ اس عورت کو دیکھ کر منانے میں رہ گیا۔

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ اس عورت کو پہچانتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایسی پہلوان نما عورت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس عورت نے بھی ایک لٹی اور ایک کرتا پہن رکھا تھا۔ اس کے گلے میں چاندی کی ایک تعویذ لنگ رہی تھی۔ اگر اس کے بال دراز نہیں ہوتے اور اس کے چہرے کے نقش سنوائی نہیں ہوتے تو اسے کوئی بھی عورت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اس کی چوکی کے پاس ایک اہر عورت کھڑی اس کے ایک بازو کی مٹاش کر رہی تھی۔ عبدال کے ساتھ آئے ہوئے پہلوان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پھر اس نے عبدال کو کھورتے ہوئے اس پہلوان سے پوچھا۔

”یہ کسے اپنے ساتھ لے آیا ہے اودھا پہلوان؟“

عبدال اس کی آواز سن کر جو کنگ پڑا۔ اس کی آواز حیرت انگیز طور پر مترنم تھی۔

”کمالا! یہ بڑھلے کون ہے۔ تمہارا بہنو ہے؟“

”ہاں۔ میں اسے تمہارے پاس لے آیا ہوں۔ ویسے آدی جیال معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاں بھئی کون ہو تم۔“ کمالا نے عبدال کی طرف دیکھا۔

”میں نے بھیجا ہے تمہیں میرے پاس۔“

”اپن کو نہیں معلوم کہ کس نے بھیجا ہے۔“ عبدال نے جواب دیا۔ اپن سالادھرم اتنا جانتا ہے کہ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا جو اپن کو ادھر تہ خانے میں مل گیا تھا۔ وہ سالادھرم کو بولا کہ تم اس تہر خانے سے معاملہ خلاص کر کے ادھر شیش گنگ میں کمالا کے مکان پہنچ جانا۔ اپن سالادھرم ادھر ہی آجائے گا۔ تو اپن اس کی بات سن کر ادھر چلا آیا۔

”اودھ میں سمجھی۔“ کمالا کچھ مضطرب ہوئی تھی۔ پھر اس نے اودھا پہلوان کی طرف دیکھا۔ وہ بوڑھا کیا جانتا ہے۔“

”ہاں۔ وہ اس سے پہلے بھی نین بندوں کو بھیج چکا

ہے، ادھانے کھانے نہ جانے یہ کیا سلسلہ ہے وہ۔  
 بوڑھا کیا جانتا ہے؟

”کیا تم کو اس تہ خانے میں زبردستی پہنچایا گیا تھا؟“  
 کھلانے عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”وہ اپن کے باب کا سالامسترال تو نہیں ہے نا؟“  
 اپن وہاں خوش ہو کر گرٹھا تھا۔ ارے وہ سالو لوگ اپن کو  
 دھوکے میں پکڑ کر ادھر بھیج دیا ہے؟

”بیٹھ جاؤ بیٹھ جاؤ کھلانے مونڈے کی کرسیوں  
 کی طرف اشارہ کیا جو دیوار کے ساتھ تھی، ہونٹیں اور  
 ذرا ہمیں تفصیل کے ساتھ سب کچھ بتاؤ۔ ہم لوگ خود  
 اس صورت حال سے پریشان ہو گئے ہیں۔“

عبدل لا بدروای سے منہ جلاتا ہوا ایک مونڈے  
 پر بیٹھ گیا۔ ادھا پہلوان نے بھی اس کے برابر دلی لگا  
 سنبھال لی تھی۔ جبکہ کھلانے اشارے پر اس کے بازو پر  
 مالش کرنے والی عورت باہر چلی گئی۔ عبدل نے اسے  
 اپنے اور سلیم کے اٹوای بوری داستان سنا ڈالی۔ اس نے  
 درمیان میں داور کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ وہ دونوں بیڑے  
 دھیان سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

”دیکھو بھئی، عبدل کے خاموش ہو جانے کے  
 بعد کھلانے کہا، مجھے تمہاری کہانی پر کوئی شک نہیں  
 ہے۔ تمہارے ساتھ ضرور ایسا ہوا ہو گا۔ لیکن حیرت کی  
 بات یہ ہے کہ تم لوگ اس بوڑھے سے ناواقف ہیں۔  
 ہم اسے بالکل نہیں جانتے۔ کچھ میں نہیں آتا کہ وہ اس  
 تہ خانے سے لوگوں کو میرے پاس کیوں بھیج دیا کرتا ہے  
 وہ تم سے پہلے بھی تین آدمیوں کو یہاں بھیج چکا ہے اور  
 ہر ایک کی وہی کہانی ہے جو تمہاری ہے۔ وہ اس تہ خانے  
 میں قید ہونے والے کسی ایک آدمی کو منتخب کرتا ہے  
 اور اس کی مدد کے ہمارے پاس بھیج دیتے ہیں۔ یہ  
 اور بات ہے کہ تم سے پہلے آنے والے تینوں آدمی  
 بہت خستہ حالت میں یہاں تک پہنچے تھے۔ اور ان تینوں  
 میں سے کوئی زندہ نہیں رہ سکا تھا۔ وہ لوگ کسی نہ  
 کسی طرح تہ خانے سے لنگھنے میں کامیاب تو ہو گئے تھے  
 لیکن انہیں کچھ لیا گیا تھا۔ ان پر گولیاں برسادی گئی  
 تھیں جبکہ تم بالکل صحت سلامت یہاں تک پہنچے ہو۔“  
 ”یہ سالو بالکل کسی فلم کی اسٹوری جان بڑھاتا ہے۔“

نے کہا: ایک ہمارا رتہ خانہ۔ اس میں بہت بہت سے  
 لوگ۔ ایک سالو بلانا اولڈ ٹم کا، بوڑھا وہ کسی کی مرگ  
 ہے۔ اس کو کوئی مار دیا جاتا ہے۔ پھر سب کو کھلانے  
 ایک عورت کا ہاتھ بتایا جاتا ہے جو سالو خود بھی نادران  
 کی اولاد کا معلوم ہوتی ہے۔ ارے بابا۔ تم کسی عورت ہو تم  
 کو دیکھ کر تو اپن سالو غصہ میں بیٹھا ہے؟  
 اس کی بات پر دونوں ہی ہنسنے پڑے۔ ان دونوں  
 کو عبدل کی باتیں اچھی لگی تھیں۔  
 ”دیکھو کھلانے، ادھا پہلوان نے کھلانے کو طبی کرسی پر  
 نے کہا تھا نا کہ یہ آدمی جیسا معلوم ہوتا ہے۔ یہ جس انداز  
 سے اس تہ خانے سے نکل آئے ہیں کامیاب ہوا  
 ہے اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ؟“

”بس بس۔ اپن سالو چاہو تعریف نہیں سننے کا ہے  
 کیا۔ اپن کو بارٹ فیل ہونے لگتے ہیں۔ کچھ سہل بھی  
 ایک عورت تعریف کر بلا تھا تو اپن دونوں کے لئے  
 بے ہوش ہو گیا تھا۔ جیڑا اب تم لوگ دھت ہو۔ اس  
 سالو اندھیرے میں کیسا چوٹ راج مچا ہوا ہے۔ یہاں  
 کہا ہوتا ہے جیڑا ہے۔ سالو ادھر کا کچھ سمجھ میں نہیں آتا؟  
 ”ہم لوگ ہندوستان سے یہاں آئے ہیں، کھلانے  
 بتایا۔ یہ ایک بہت بہلائی بستی ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد  
 یہاں تجارت کے سلسلے سے آئے جاتے رہتے تھے  
 انہیں یہ بھلائی کا بھی شوق رہا ہے۔ پھر میرے والد انہیں  
 رہ گئے۔ اور انہوں نے ہندوستانی طرز کی نشیتوں کی  
 تربیت دینا شروع کر دی۔ یہاں کے لوگوں میں ہماری  
 بہت عزت ہے۔ میرے والد اسناد و رجم بخش ایک بڑے  
 پہلوان تھے۔ خدا انہیں جنت نصیب کرے۔ ان کی یہ  
 خواہش تھی کہ ان کو کوئی بیٹا پیدا ہوتا کہ یہ فن آگے بڑھ  
 سکے۔ لیکن ہوا کہ صرف میں پیدا ہو کر رہی۔ میرے  
 والد صاحب کو بہت مایوسی ہوئی تھی۔ لیکن میں نے  
 ان کی روایت کو قائم رکھا اور خود کسرت شروع کر دی۔ اور  
 اب والد صاحب کے انتقال کے بعد میں اسی جانشین  
 ہو گئی ہوں۔“

”تو تم سالو مسلمان ہو؟“ عبدل نے کہا۔ اپن بھی  
 سالو مسلمان ہے۔ عبدل نام ہے۔ لیکن یہ صرف نام  
 ہے۔ کام تو کچھ اور ہے۔ یہ تمہارا نام کیسے ہے کھلانے؟

”میرا نام کھلانے نہیں ملی ہے؟ کھلانے بتایا۔ لیکن  
 ہاں والوں نے مجھے کھلانے کے لیے کارنامہ شروع کر دیا اس  
 لئے میں کھلانے ہوئی ہوں میں نے جب ہوش سنبھالا  
 تھا یعنی میرے والد کے زمانے میں یہ بستی بہت بڑھ چکی  
 تھی، یہاں کسی قسم کے ہنگامے نہیں ہو کر تھے۔ اور  
 دنیا بڑی آسانی سے گزرتی تھی۔ لیکن یہاں اقتصادری  
 تک چڑھی۔ یہاں سب سے کام سردار زمین نا ہی ایک آدمی  
 تھا جس کی دو بیٹیاں تھیں۔ روپائی اور سومالی۔ ان دونوں  
 ہاگ نامی تھیں بھی تھیں لانی۔ اصول کے مطابق سردار زمین  
 کے بعد یہاں کی حکمرانی روپائی کے پاس آئے والی  
 تھی۔ لیکن اس سے پہلے ہی کووند لانی ایک سردار نے  
 بناوت کر کے سردار زمین کو ہلاک کر ڈالا اور لانی ان  
 دونوں لڑکیوں کو لے کر کہیں غائب ہو گیا۔ اس بستی کی  
 حکمرانی اب کووند کے پاس ہے۔ لیکن ایک روایت  
 چلی آ رہی ہے کہ اس بستی کے مرکزی مندر میں رکھی ہوئی  
 پورنی کی انھوں کے پیرے چھری ہو جائیں گے تو پورنی  
 بعد دونوں لڑکیوں میں سے کوئی ایک ان ہیروں کو لے  
 واپس آ جائے گی۔ اور روایت کے مطابق بستی والوں  
 کو اس لڑکی کو اپنی سردار بنانا ہو گا۔ ورنہ اس بستی پر پورا  
 کا تہ نازل ہو جائے گا۔ سردار کووند کا اب اس بات کی فکر  
 ہے کہ کوئی شخص ان ہیروں کو پوری نہ کرے۔ اس لئے  
 اس نے ان کی حکمرانی کے زبردستی انتقامات کرتے  
 ہیں۔ دوسری طرف کچھ غیر ملکی طاقتیں بھی اس معاملے  
 میں سردار کووند کا ساتھ دے رہی ہیں۔ وہ کووند کو ہر  
 حال میں اس بستی کا حاکم ان دیکھنا چاہتی ہیں۔“

”کس لئے۔ اپن کا مطلب ہے کہ اس سالو سردار ہیں  
 کوں سا خاص بات لگا ہوا ہے۔ وہ بھی تو سالو لچھری  
 ہے؟“  
 ”قصہ یہ ہے کہ اس بستی میں لچھریم کا بہت بڑا  
 ذخیرہ دریافت ہوا ہے؟ کھلانے بتایا۔ میں اس  
 قسم کی چیزوں کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتی  
 لیکن اتنا ضرور سنا ہے کہ وہ بہت کام کی دھات ہے  
 سردار کووند نے ان غیر ملکیوں کو وہ دھات نکالنے کی  
 پوری کڑا دی دے رکھی ہے۔ اسی لئے ان غیر ملکیوں  
 نے اس کے لئے بہت سی ہولیتیں جتیا کر دی ہیں۔ وہ

اسے بے تحاشہ دولت بھی دیتے ہیں اور اس کی سخت  
 کا بھی بندوبست کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس مندر  
 کی دیکھ بھال بھی ان ہی غیر ملکیوں کے سپرد ہے۔ ان کی  
 مرضی کے بغیر کوئی مندر میں داخل بھی نہیں ہو سکتا۔  
 کھلانے۔ یہ سالو لانی چکر چکر اپن کے پیچھے سے  
 باہر ہے؟ عبدل نے کہا۔ اپن تو صرف اتنا جانتے کہ  
 وہ سالو لوگ اپن کو یہاں اٹھا لیا تھا۔ پھر اپن اس تہ خانے  
 سے نو دو گیارہ ہو گیا ہے۔ اب وہ سالو لوگ اپن کو خود  
 رہنا ہو گا۔ سالو اتنا جانتے ہیں میں سوائے مارا مار کے  
 اور کچھ بھی نہیں ہے؟

”ہم سب بھی بہت پریشان ہیں۔“ ادھا پہلوان عبدل  
 کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”پہلے تو یہ بہت برسوں  
 بستی تھی۔ لیکن اب یہاں دنیا بھر کے جرائم ہونے لگے  
 ہیں۔ جہاں تک ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جرائم ان ہی غیر ملکیوں  
 نے پھیلانے ہیں۔ تاکہ یہاں کے لوگوں کو دباؤ میں  
 رکھا جاسکے۔ اور وہ ان کے خلاف کچھ نہ کر سکیں یہاں  
 اب ہیروں بھی سرعام ملتی ہے۔ جو اس بستی کے رہنے  
 والوں کو تباہ کر رہی ہے۔ ہم تو کوں کا مصلہ الگ ہے  
 ہم یہاں کسی اور مقصد سے رہتے ہیں۔ ہم یہاں لوگوں  
 کو بھلاؤ کی کے ذریعہ سکھاتے ہیں۔ ان سے سمجھتے  
 ہیں کہ وہ جرائم وغیرہ کے چکر میں نہ پڑیں۔ ان کو استعمال  
 نہ کریں۔ ورنہ ان کا جسم بھی کھو کھلا ہو جائے گا۔ اور روح  
 بھی ویران ہو جائے گی۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ ہم  
 لوگوں کو یہاں سے کوں کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بستی رہنے کے  
 قابل نہیں ہے۔“

”ایسا مت بولو استاد۔ اپن سالو ادھر آ گیا ہے۔  
 اپن ان لوگوں کو کس فضا کا کر دے گا۔ اور اگر اپن کا  
 استاد بھی ادھر آ گیا تو پھر سب کا باجی دے گا۔ اور  
 ہاں وہ بوڑھا اپن کو بھی بولا تھا کہ تم سالو استاد  
 کا آدمی ہے۔ اسی لئے میں تمہاری مدد کر رہا ہوں۔  
 اس بوڑھے کو کیسے معلوم کہ میں کس کا آدمی ہوں؟  
 ”بوڑھا بھی ہمارے لئے حیرت انگیز ہے؟ کھلانے  
 نے کہا۔ ”وہ خود ابھی تک ہمارے سامنے نہیں آیا ہے  
 لیکن ہمیں اتنا ضرور معلوم ہو گیا ہے کہ اس بستی میں  
 کوئی ایسی جگہ موجود ہے۔ جہاں لوگوں کو ان کا رکھا



جاتا ہے۔ اور انہیں رفتہ رفتہ منشیات کا عادی بنایا جاتا ہے۔ وہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آ سکا ہے۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن ان سالاب کیا کسے یہ عمل نے بلوچا۔

”میرا خیال ہے کہ کم کچھ دن ہمارے پاس ہی رہو۔ کھلانے کھانے ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ رضا خاتم سے ملنے کے لئے آئی جائے۔ اگر وہ چار دن انتظار کے بعد وہ نہیں آتا تو ہم لوگ اس تہ خانے پر دھواؤں دیں گے کیا خیال ہے۔ تم اس میں ہمارا ساتھ دو گے۔“

”کیوں نہیں دے گا۔ بروہر دے گا۔ اپن سالاب ابھی مارا ماری کے لئے تو پیدا ہوا ہے بس ایک بار اپن کا ہاتھ چالو ہو جائے تو پھر رکنا مشکل ہو جائے گا۔“

ڈاکٹر منہ جہرت سے پیر سائمن کو دیکھنے لگا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بڑی ہوئی تھی۔

”کیا آپ کو یہ بات معلوم ہے جناب۔“ اس نے اپنی حیرت دور کرنے کے لئے پھر دلوچھا۔

”بہت اچھی طرح۔“ سائمن نے جواب دیا۔ ”مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس کام میں تم اس کی کتنی مدد کیا کرتے ہو۔ بلکہ وہ تمہاری ہی مدد سے اس طرح لوگوں کو بلیک میل کرنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔“

”پھر تو آپ کو یہ بھی معلوم ہو گا کہ میں اس کے سامنے کس طرح مجبور ہو گیا ہوں۔“

”ہاں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ اسی لئے میں تم کو کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تمہارا ضمیر جاگ اٹھا ہے۔ تم اس کے شکنجے سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن وہ نہیں اس کا موقع نہیں دے رہا ہے۔ پھر حال۔ میں اب تمہارے پاس آ گیا ہوں۔ اور تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔“

”لیکن آپ ہیں کون۔ ہمارا جہ سے آپ کا کیا تعلق ہے۔ آپ کس طرح یہ معلوم ہوا ہے کہ اگر یہ سب کچھ کرتا پھر رہا ہے۔“

”ہمارا جہ سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ سائمن

نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ بلکہ شاید تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ میں نے آج تک ہمارا جہ کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ دراصل میرا تعلق انٹر پول سے ہے مثلاً تمہیں اس ادارے کے بارے میں واقف ہوگی۔

”بہت اچھی طرح۔“ جہت کی جبرانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اس ادارے کو ناگزیر کے بارے میں کیسے معلوم کیا ناگزیر شہرت میں الا فوائی سٹریٹ پر پھیل گئی ہے۔

”کچھ ایسا ہی کچھ لو۔“ سائمن نے دھیرے سے کہا۔ ”کچھ دنوں ہیر ایک دوست پر وفیسر ہیری وینو ہندوستان آیا ہوا تھا۔ وہ بھی عمل تو یہ کام ہر شخص پر اتفاق سے اس کی ملاقات تھوڑی لال سے ہوئی۔

”میرا خیال ہے کہ تم کو تھوڑی سی ابھی طرح یاد ہو گا۔ وہ شخص ہے جس کو تم نے اور ناگزیر نے مل کر بلیک میل کیا تھا۔ اور اس کی ہینٹ تک تبدیل کر دی تھی۔ اسے ٹرانس میں لاکھ سے یہ یاد کر دیا تھا کہ وہ ایک عورت ہے۔ لیکن پھر نے کسی زبانی طرح اس کے ذہن اس تاثر کو ختم کر دیا۔ اور اس سے تمہاری اور ناگزیر

ساری کہانی معلوم کر لی۔ ماسی کے ذریعے ہتہ چلا کہ تم کون ہو اور ناگزیر کون ہے۔ پروفیسر ہیری نے واپس آکر مجھے ساری کہانی سنا ڈالی۔ میرے لئے یہ ایک نیا فیلا تھا۔ اسی لئے مجھے اس میں دلچسپی محسوس ہوئی اور پھر ہندوستان آ گیا۔ یہاں آ کر میں نے ناگزیر کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ پھر ہتہ چلا کہ ہمارا جہ آف ٹائم کا پیدائش ہے۔ اور ہمارا جہ غائب ہے۔ بس میں یہاں چلا آیا ہوں۔ تم اسے میرا ذاتی گیس بھی سمجھ سکتے ہو میں نے یہ ہتہ کر لیا ہے کہ میں ناگزیر کو مزید انسانوں کا شکار نہیں کرنے دوں گا۔“

”آپ کی بڑی ہر بات ہوئی جناب۔“ منہ نے ایک گہری سانس لی۔ وہ واقعی ایک انٹیلیجنٹ شخص ہے۔ چہ اس نے غدار خفیوں میں انسان کو اس طرح گرفت میں لے لیا ہے کہ نجات مشکل ہو جاتی ہے لیکن آپ نے کس کے لئے کیا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ کس طریقے اس پر ہاتھ ڈالیں گے۔“

”ہاں اسی طرح جس طرح اس نے دوسروں پر ہاتھ ڈالے۔“ سائمن نے کہا۔ ”میں نے یہ سوچ لیا ہے کہ

میں خلاف وادی سب کیا جائے گا جو اس نے اب دوسروں کے ساتھ کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات قانون کے خلاف ہے۔ لیکن میں ذاتی طور پر اس سے نفرت محسوس کرتے لگا ہوں۔ ایسے شخص کے لئے قانون کی ناکوئی بہت نہیں ہے۔ اس کو بھی احساس دلایا جائے اس نے اسٹنگ دوسروں کے ساتھ کیا کیا ہے۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں جناب۔“ منہ جلدی سے بولا۔ ”اس شخص نے ایسے ایسے ظلم کئے ہیں کہ جس کی مثال نہیں دی جاسکتی۔“

”تو پھر یہ کام تم ہی کو کرنا ہو گا۔“ سائمن نے کہا۔ ”کیا کہا مجھے۔“ جہت جبران رہ گیا تھا۔ میں کس طرح

”جس طرح دوسروں کے لئے کیا تھا۔ اسی طرح ناگزیر کے لئے بھی کرنا ہو گا۔ میں بھی اس معاملے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ ناگزیر کے بہت متاثر اور مرعوب ہو گیا ہے۔ ہم شکار کے لئے جا نہیں گے۔ اور وہاں کسی طرح ہم تینوں دوسرے لوگوں سے الگ ہو جائیں گے۔ پھر نہیں اپنا کام انجام دینا ہو گا۔ کیوں اس کے لئے تیار ہو۔“

”لیکن یہ کام اتنی جلدی کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔“ سائمن نے پوچھا۔ ”یہ سب سچا میرا کام ہے۔ تمہارا کام یہ معلوم کرنا ہے کہ ناگزیر کو بلیک میل کیا کرتا ہے۔ ان کے خلاف مواد اس نے کہاں چھپا کر رکھا ہے۔ وہ مواد ہمارے ہاتھ آ جائے تو ان مظلوم لوگوں کی گلو خلاصی بھی ہو سکتی ہے۔ ناگزیر کی کوئی ٹوٹ جائے گی۔ اور جب کسی کی شخصیت زور ہو جائے تو پھر اس کو جبری آسانی کے ساتھ ٹرانس میں لایا جاسکتا ہے۔“

”ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ ناگزیر سب کچھ کہاں چھپا کر رکھتا ہے۔ ہتہ نے کہا۔ وہ اس معاملے میں مجھے براعتا د کرنے لگا ہے۔ اسی لئے میں اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔“

”ہو سکتا ہے کہ تمہارا یہ یقین خوش نہیں ثابت ہو۔“ سائمن دھیرے سے بولا۔ ”ناگزیر کو ان اندازہ ہو گیا ہے کہ تم اس کے تسلط سے آزاد ہونے کی سوچنے لگے ہو۔ اس

لئے ممکن ہے کہ احتیاط اس نے وہ سارا مواد اس جگہ سے ہٹا دیا ہو۔“ جہت نے ہاتھ پر علم میں ہے۔

”نہیں۔“ میرا خیال ہے کہ ناگزیر کا دھیان اس طرف نہیں گیا ہو گا۔ ہتہ نے کہا۔ ”اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سارا مواد ہر وقت اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔“

”کیا مطلب۔“ سائمن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے۔“

”آج کے دور میں تو ہر چیز ممکن ہے۔“ سائمن نے ہنسنے لگا۔ ”لو۔“ اس نے ہر مواد کی مائیکرو فلیس بنا رکھی ہیں۔ اور وہ فلیس ہر وقت اس کے لباس کی ایک اندرونی جیب میں رکھی ہوئی ایک گھڑی کے اندر محفوظ ہیں۔ اس گھڑی کی زنجیر ہر وقت اس کے گلے سے لٹکتی رہتی ہے۔ اس لئے ان مواد کو آسانی سے چھپا نہیں جاسکتا۔“

”اودہ۔“ سائمن نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ تو شاید اور بھی اچھی بات ہوئی ہے۔ ہم ناگزیر کو قابو میں کر سکتے ہیں۔ بعد وہ مائیکرو فلیس بھی حاصل کر سکتے ہیں۔“

”جہت نے سمجھا اور بتانا چاہا تھا کہ ناگزیر بھی اسی وقت ان کے پاس آ گیا۔ ان دونوں نے اسے دیکھتے ہی گفتگو کا موضوع بدل دیا تھا۔ وہ اب اس علاقے کی آب و ہوا اور شکار کے موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ناگزیر ان کے ساتھ اس گفتگو میں شامل ہو گیا۔ وہ سائمن سے بہت مرعوب معلوم ہوتا تھا۔ یا ایسا ظاہر کر رہا تھا۔ وہ اس کی ہر بات پر سعادت مندی کے انداز میں اپنی گردن ہلانے لگا۔

”میں تو یہ چاہتا ہوں بھائی کہ کل کا دن بے کار نہ جائے۔“ سائمن نے ناگزیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا ارادہ کل شکار کھیلنے کا ہے۔“

”ناگزیر نے مٹھی خیز لگا ہوں سے ہنسنے لگا۔ دیکھ کر اپنی ایک آنکھ مار دی۔ اس نے سائمن کی اس کج مزے فوراً اتفاق کر لیا تھا۔

”ٹھیک ہے۔“ تو پھر میں اپنے آدمیوں کو تنہا ہی کا حکم دے دیتا ہوں۔“ وہ سائمن سے قیاطب ہوا۔

”کیسے آؤ گی کیسی تیاری۔“ بابا میں جانتا ہوں کہ ناگزیر مجھے بھارت نہ ہو۔ صرف دو آدمی ساتھ چلیں اور تم پوری

بھیڑے جانے کی بات کر رہے ہو۔ تفریح کے وقت  
تو اپنے ذہن سے راجا اور مہراجہ وغیرہ ہونے کا خیال  
ترک کر دیا کرو۔ ورنہ اسی تفریح سے کیا فائدہ؟

”یہ فائدہ بھی ابھی باقی ہے،“ نائے نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ آپ کو شاید نہیں معلوم کہ میں خود بھی اسی مزاج کا آدمی ہوں لیکن میں نے تو ہمارا کمر دم ورج کو دھجکتے ہوئے یہ بات بھی کئی کئی بار بابا اسی طرح شکار چرایا کرتے ہیں۔ بالورڈ ڈسٹرکٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔“

”بھئی تمہارے بابا کے مزاج میں حکمرانی ہے اور میں  
ایک مزدور ہوں۔ اس لئے مجھے سبب گفتات پسند  
نہیں ہیں۔ ویسے ہمارا جگہ کے بارے میں کچھ معلوم ہوگا؟“  
”بھئی، جگہ نہیں،“ ناگ نے جواب دے کر اپنی گردن  
جھکا لی۔ اس کے اس مصروفی انظار کو ممتد اور سامن دولہ  
نے محسوس کر لیا تھا۔

دوسری صبح شکار پر روان ہو گئے برائیں ناگ اور  
ہمتہ کے ساتھ جو مختاؤ فی اس جیب کا ڈر خورد مختا جس  
کے ضلیعے پہ لوگ شکار پر جہاد ہے مختا۔ ناگ نے سرمن  
کے کہنے پر سامان بھی بہت کم لیا تھا۔ ان کا راہ وہ فیکڑ  
کی شمالی پہاڑیوں کی طرف جانے کا تھا۔ جن کے نیچے  
جنگلات کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اور ناگ کے کہنے کے  
مطابق ان جنگلات میں سانپ، جیتل، ہرن اور دوسرے  
شکار ابھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے۔ ان لوگوں  
نے دور دراز بندوبست اور کاروبار کے علاوہ کھانے  
پینے کا سامان بھی لے لیا تھا۔ لیکن یہ سارا سامان اتنا  
نہیں تھا۔ مختا روایت مہاراجے قلم کی تھی۔ یہ سامان  
صرف اتنا تھا کہ دو ایک دنوں سے زیادہ نہیں چل سکتا  
تھا۔

ناگ نے ایک مقام پر چپ رکولنے کا حکم دیا۔ وہ لوگ تو میرا پانٹھنوں کے سفر کے بعد یہاں تک پہنچے تھے۔ اور اس سے آگے راستہ بہت دشوار گزار ہو گیا تھا۔ چپ کو ایک بڑے سے درخت کے پاس روکا گیا تھا۔ اس درخت کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی بھاڑیاں اور بڑے بڑے پتھر تھے۔ ان سے آگے ایک دھولان تھا جس کے بعد ایک چھوٹا سا میدان، میدان کے بعد اونچے اونچے درختوں والے جنگلات کا وہ سلسلہ جس میں شکار

کے پائے جانے کے امکانات تھے۔

اب ہم لوگوں کو یہاں سے ہیدل آگے جانا پڑا۔  
ناگرنے سائن کو بتایا کہ کیا آپ چل سکیں گے۔  
”کیوں نہیں؟“ سائن سنکر ادباً یہ میں ابھی لڑو  
نہیں ہوا ہوں۔ مجھ میں ابھی ابھی خاصی توانائی موجود  
ناگرنے ڈرا پیور کو دیکھ رکھنے کے لئے ہمارے  
لوگوں نے بند ڈرائنگ اور کار ٹوٹوں کے ساتھ ساتھ  
بائی کی کوئٹین اٹھائی تھیں۔ ان کا سفر پھر شروع ہو گیا۔  
اور وہ ہیدل سوکر رہے تھے۔ ناگر سب سے آگے  
جاتا ہوا چل رہا ہے۔ ناگر کے پیچھے سائن تھا اور اس  
کے پیچھے جنت چل رہا تھا۔

وہ دھولوں سے انکر اس میدان میں آگئے جو  
 بھٹی بھٹی جھاڑوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن ایسا صبر  
 و باہمتا جیسے ناگراں راستوں سے اچھی طرح واقف  
 وہ ان جھاڑوں کے درمیان بنے ہوئے تنگ قریب  
 استوں پر بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ پھر جب وہ لوگ اس  
 میدان کو اچھا خاصہ عبور کرنے کے لیے آجاک سامنے لے آئے  
 فنار کم کردی۔ ناگراں تو پنی دھن میں آگے چڑھتا چلا گیا  
 لیکن چند اس کے قریب پہنچ کر اٹھا۔ سامنے کے ماتھ  
 میں ایک بہتول تھا۔ جو اس نے اپنی جیب سے نکالا  
 تھا۔ اس کے ہونٹوں پر عجیب قسم کی مسکراہٹ تھی۔  
 ”یو ایس نے ہتھی کی طرف بہتول بڑھاتے ہوئے  
 ”روٹھی کی“ اور اس ناکرو میں غم کر ڈالو“

ہمارا جہ نے اپنے آپ کو جانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن ان چوہوں کے سامنے ایک نہیں چل سکی تھی۔ وہ خود بخود چہرے شرم کی مکیوں کی طرح ہمارا سر گھڑے۔ انہوں نے اپنے چہرے چھوئے۔ دانت ہمارے ہڈیوں میں اتار دیئے۔ ہمارا ایک آدمی تھا۔ اس پر مڑیاں ایک تھیں، اس کا جسم ایک تھا۔ اس کے ہاتھ رکھے لیکن تھک کر گئے۔ اسے چوہوں کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سینکڑوں چہرے تھے۔ اوپر بڑا نت، عام حالات میں چہرہ بہت بڑی ہو کر رہتا ہے۔ سران کے قریب نہیں آتا۔ لیکن ان چوہوں کی فطرت متغیر تھی۔ ان کے انداز مختلف تھے۔ مثلاً اس کی

وجہ یہ تھی کہ ان کی تعداد بڑے حربہ تھی۔ وہ ایک انسان کو اس کمرے میں لے بس دیکھ کر اس پر ہٹ پڑے۔ مخفی زندگی میں پہلی بار ہمدان نے ان کا ہاتھ لے لیا۔ کچھ جھگڑا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ ہی ڈالٹھ لیکن کب تک۔ وہ کہتے جھگڑا کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

اس وقت کوئی بھی انہیں جاننے والا یہ یقین کر لے  
کو تیار نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ ہمارا آف فیسم گڑھ ہیں ان  
کی بارگاہی مشہور تھی۔ ان کی نازک مزاجی ضرب المثل تھی،  
ان کا دیر در گہاں چہرہ میں بیان کیا جا سکتا تھا۔ ان کا صبر  
بے مثال تھا، لیکن اس وقت ہمارا جب کہ پاس ان میں  
سے کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کسی حقیر انسان کی طرح درویش  
تھا۔ اچھل رہے تھے۔ ٹھٹھکا رہے تھے۔ لیکن ان پر  
کو نہیں معلوم تھا کہ وہ یہ کس کس پر ہمارے ہیں۔ ان کے  
ملائے ایک عام انسان سے سا کوئی ہمارا ہے۔

ہمارا جسم سے جب برداشت نہیں ہو سکا ان سے  
 کھڑا نہیں رہا جاسکا کہ وہ فرش پر ڈھیر ہو گئے۔ اور بہت  
 ان کے لئے اور بھی خطرناک ہو گئی۔ ان کے گرنے کی وہ یہ  
 چہرے جواب تک صرف ہڈیوں تک محدود تھے اب  
 پورے جسم پر پھیل گئے۔ انہوں نے ہمارا کو کاٹ  
 کاٹ کر دھم جان کر دیا۔ ان کے پورے جسم سے خون  
 بسنے لگا تھا۔ لباس نازنہ نہ ہو گیا تھا۔ پیچھے جیتے ہمارا  
 کی آواز تک بڑھنے لگی تھی۔ موت ان کے سامنے ہول  
 کی شکل میں ان کے چاروں طرف قیصر کر رہی تھی۔ شہر  
 کر رہی تھی۔ ان کے جسم پر ہل چل رہی تھی۔ ان کے بدن  
 میں اسنے دانت اتار دی تھی۔

لیکن موت شاید ابھی دور تھی۔ اسی لئے اس کے جسم سے آکر  
کا دروازہ کھلا اور کوئی چیز ہماراجہ کے جسم سے آکر  
نکل گئی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے بلند آواز میں کہا۔  
”جلدی سے ہر کسی کو خوب مضبوطی سے پکڑ لو۔“  
ہماراجہ نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ سامنے دروازہ  
پر ایک قوی بیل آدی تھا۔ اٹھا۔ وہ خود کمرے میں نہیں  
آیا بلکہ اس نے ہماراجہ کی طرف رسی جھینک دی تھی  
ہماراجہ نے اس کی ہدایت پر فوراً عمل کیا اور وہ رسی  
پکڑ لی۔ رسی پکڑنے ہی ان کے جسم کو ایک جھٹکا سال  
اور اس شخص نے انہیں پوری قوت سے دروازہ

کی طرف کیٹھن لیا۔ نہ جانے کتنے چہرے ان کے جسم سے رعب کئے تھے۔ کچلے گئے تھے۔ لیکن ہمارا دم کو ان باتوں کی پروا نہ تھی۔ ان کے لئے تو یہی بہت تھا کہ کوئی انہیں زندگی کی طرف کیٹھن رہا تھا۔ دروازے سے باہر لے جا رہا تھا۔ اس کمرے سے باہر لے جا رہا تھا۔ جہاں ہر طرف موت تھوٹی پھری رہی تھی۔

چند ہی لمحوں میں اس قوی پہیل آذنی نے ہمارا راجہ کو اس کمرے سے باہر پھینک لیا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ چوہے اس کمرے سے باہر نہیں آئے تھے حالانکہ اس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن ایسا فسوس ہو رہا تھا جیسے ان چوہوں پر پابندی کی عالم گرد دی گئی ہو۔ انہیں باہر آنے سے منع کر دیا گیا ہو۔ یا وہ چوہے اس بات سے واقف ہوئے کہ انہیں کہاں تک چلنے بھرنے اور اپنی کلروائی کرنے کی اجازت ہے۔

اس قومی میل آؤنی نے ہمارا جگہ سے باہر لے  
ہی رہی اپنے ہاتھ سے چھوڑ دی اور ایک جھٹکے سے  
ہمارا جگہ کو اٹھا کر اپنے شے نے پر لاد لیا اس نے یہ  
کام اتنی آسانی سے ہی کیا جیسے ہمارا جگہ کا وزن اس  
کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔ ہمارا جگہ کو اپنے  
شانے پر دلا دینے کے ساتھ ہی اس نے پلواری  
تیز رفتاری کے ساتھ ایک طرف دوڑنا شروع کر دیا  
ایک دوسری عجیب بات یہ تھی کہ اس کارنامہ کسی نے  
جی نہیں روکا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا میدان تھا۔  
جس میں جھڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ ہمارا جگہ کو اپنے  
ساتھ اسی میدان میں لے گیا تھا۔

اتنا فاصلہ طے کر لینے کے بعد دو اس شخص میں  
مفتیان کے آثار پیدا نہیں ہوئے تھے۔ وہ ہمارا  
جو کسی طرح اٹھائے جلتا رہا۔ اس وقت ہمارا  
حالت گرچہ غمراہی میں تھی لیکن وہ بھروسہ کرتے اور انہیں  
یہ احساس ہو رہا تھا کہ انہیں کس انداز سے ایک  
اپنے شریک پر بھروسہ کرنا ہے۔  
کچھ دور چلنے کے بعد وہ آدھی ہمارا  
اس میدان میں ہی ہوئی ایک خوبصورت  
اس خوبصورتی میں گھاس پھوس کا بستر تھا اس  
نے بڑی آہستگی کے ساتھ ہمارا کوئی نہ لٹا دیا

جھوپڑی کے ایک کونے کی طرف چلا گیا جہاں تین کا ایک بڑا سا کس رکھا ہوا تھا۔ اس نے بس کھولی کراچی کے سے مراد کی ایک ڈبیر لٹائی اور جہاں اس کے زخموں پر اس مرید کی مائش کرنے لگا۔ جہاں اس کو ایسا محسوس ہوا جیسے ان کے چہرہ کیوں سے جلنے ہوئے بدن بکسی لہر پھیرتی شروع کر دی ہو۔ اس مرید کی تاثیر حیرت انگیز تھی۔ انہیں سکون آتا جا رہا تھا۔ وہ ادنیٰ بڑی تندہی اور خفیت کے ساتھ ان کے زخموں پر ہر نیم لگا رہا تھا کچھ دیر بعد جہاں کی پلکیں بوجھل ہوئے تھیں اور انہیں نیند آئی۔

نہ جانے کتنی دیر بعد ان کی آنکھیں کھلیں شروع شروع میں تو انہیں یاد نہیں آسکا کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر جیسے ہی انہیں سانسے واقعات یاد آئے وہ ایک جھوپڑی کے کراٹھ بیٹھے۔ انہوں نے جلدی جلدی اپنے ہاتھ اور پیروں کی طرف دیکھا جو بولوں کے کلنے کے نشانات تھے اب معدوم ہو چکے تھے۔ زخموں میں کسی قسم کی سوزش بھی نہیں ہو رہی تھی اس وقت انہیں احساس ہوا کہ ان کے جسم پر لباس بھی وہ نہیں تھا۔ بلکہ ان کی بندن کے دروں ان کا لباس بھی تبدیل کر دیا گیا تھا۔ شاید زندگی میں پہلی بار انہوں نے اپنے دل میں کسی کے لئے شکر گزاری کا جذبہ محسوس کیا ہوگا۔

وہ گھاس کے بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی وقت وہ قوی پہیلی آوی جھوپڑی میں داخل ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں ایک گلاس لے رکھا تھا جس میں دودھ بھرا ہوا تھا۔

”لو۔ یہ دودھ پی لو۔ اس نے گلاس جہاں اس کا بیڑا بڑھاتے ہوئے کہا۔ تمہاری بہت کمزوری ہے۔ وہ جی ختم ہو جائے گی۔“

جہاں نے اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سے گلاس لیا اور ایک ہی سانس میں سارا دودھ پیا کہ گلاس اسے لوٹا دیا۔ اس آدی نے وہ گلاس ایک طرف رکھ دیا تھا۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ جہاں جس نے اس کا بیڑا دیکھا۔ لیکن تم کون ہو۔ تم نے میری جان کیوں بچائی۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس کمرے میں کسی کو چھوہوں کے

ذریعہ عذاب میں مبتلا کیا گیا ہے۔“  
”میں تمہاری حاجت دلہا سن کر تمہاری طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس آدی نے کہا۔ اب بیٹھ جاؤ میں اطمینان سے سب کچھ بتا دیتا ہوں۔“

جہاں اس گھاس کے بستر پر بیٹھ گئے۔ وہ بڑی بھری لگا ہوں سے اس قوی پہیلی شخص کا جائزہ لے رہے تھے۔ جوان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ سر کے بال بھیدی ہوئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں بڑی چمک تھی۔ اور گفتگو میں بھی وہ بہت جذبات معلوم ہو رہا تھا۔

”میں تم سے پہلے بھی تین آدمیوں کو اس جگہ سے لے کر لے کر لایا تھا۔ اس نے جہاں کو متنا شروع کیا۔“  
”اچھا۔ جہاں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمرے میں کسی کو قاتل نہ دی جا رہی ہے۔“

”بس اتفاقاً اور ان لوگوں کی سرگرمیوں سے اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا۔ یہ لوگ جس کو مرنا چاہتی ہوئی ہے اسے اس کمرے میں بند کر کے وہاں چھوڑ دیتے ہیں۔ انہیں یہ اطمینان رہتا ہے کہ اس طرف کوئی نہیں آئے گا۔ اسی لئے نگرانی وغیرہ بھی نہیں کی جاتی۔ تم نے دیکھا کہ میں کتنی آسانی سے تمہیں وہاں سے نکال لایا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے لئے بھی کوئی پیریلہ مقرر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن اب وہ لوگ جب تمہیں اس کو بھڑی میں نہیں پائیں گے تو تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔“

”کیا جہاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ اس طرف بھی آسکتے ہیں تمہاری جھوپڑی کوئی زیادہ دھڑ تو نہیں ہے۔“

”نہیں وہ اس طرف نہیں آئیں گے۔ وہ مسکرا دیا۔“  
”معتوب میں تمہیں ذرا تعجبیل کے ساتھ بتا دوں تو پھر تمہاری الجھن دور ہو جائے گی۔ میں خود بھی ان لوگوں کا قیدی تھا۔ بلکہ اب بھی ہوں۔ یہ لوگ مجھے کھلتے سے اٹھا کر لائے ہیں۔ یہاں پر شخص کو قتل کی طرف توجہ سے لایا گیا ہے کسی کو خلاتی لڑکی کی جھلک دکھا کر اٹھا کیا گیا ہے کسی کو

زبردستی اٹھا لیا گیا ہے کسی کے ساتھ کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ جبکہ مجھے معاملے کے عوض یہاں لایا گیا تھا۔“

”معادہ دے کر؟ جہاں اس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔“

”آدمی کے ساتھ چلے آئے۔“

”بس کیا باتوں۔ آدی کے ساتھ لڑائی لڑتی ہے۔“  
اس نے کہا۔ میں ایک الیکٹرونک انجینئر ہوں میں نے الیکٹرونک کے میدان میں بہت کام کئے ہیں۔ اور ابھی خاصی ٹھہرت بھی رکھتا ہوں۔ انجینئر ہونے کے ساتھ ساتھ میں نے کتنی اور کرائے وغیرہ بھی کیے تھے۔ تم جو میری بھت دیکھ رہے ہو تو یہ سب اسی تہذیب کا نتیجہ ہے۔ پھر حال میں ٹھکانے کی ایک بہت ذمہ سے وابستہ تھا۔ ابھی خاصی گزر رہی تھی کہ ایک دن ایک آدمی مجھ سے ملا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک نئی ذمہ کے لئے میری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ ذمہ نہ گڑھ کے جنوبی حصے میں بڑبڑات کر رہی ہے میں چونکہ الیکٹرونک سے واقف ہوں اس لئے وہ ذمہ بھی لے رہا ہے کہ کام کا آدنی ثابت ہوگا۔ اسی لئے وہ مجھے اپنے ذمہ میں ملازمت دینا چاہتے ہیں۔ میں پہلے تو میں نے اس سے انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس نے ایک اتنے بڑے معاملے کی پیش کش کی جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی آسانی دے دی کہ میں اگر چاہوں تو اپنی ذمہ سے چھٹی کر اس کے ساتھ چل سکتا ہوں۔ اگر مجھے وہاں اچھا معلوم ہو تو میں واپس بھی آسکتا ہوں۔ مجھے اس کی یہ بات چونکہ معقول محسوس ہوئی اسی لئے میں نے معاہدہ کر لیا۔ یہ معاہدہ باقاعدہ کاغذات پر ہوا تھا اور معاہدے کے بعد وہ مجھے یہاں لے آئے اب مجھے کس طرح لایا گیا وہ ایک الگ بات ہے لیکن اتنا مجھ کو کہہ دیا کہ آئی میں نے گزشتہ محسوس کر لی۔ ہر طرف الیکٹرونک کا ایسا نظام پھیلایا دکھائی دیا۔ جو ایک عام انسان کو حیران کر کے رکھ دے۔“

”تو کیا یہ سب کچھ جہاں کچھ لوتے لوتے خاموش ہو گئے۔“  
”اوہ۔ میں سمجھا اس نے اپنی گردن ہلادی۔ تم بھی شاید انہیں کوئی خلاتی مخلوق سمجھ رہے ہو۔ نہیں اسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب اسی زمین سے تعلق رکھنے والے ہو گئے۔“

”اوہ۔ میں سمجھا اس نے اپنی گردن ہلادی۔ تم بھی شاید انہیں کوئی خلاتی مخلوق سمجھ رہے ہو۔ نہیں اسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سب اسی زمین سے تعلق رکھنے والے ہو گئے۔“

لوگ ہیں۔ لیکن بے حد چالاک بے پناہ ذہین۔ انہوں اس بولے علاقے میں اپنی ذہانت کے حال بچا دیئے ہیں۔ ایک ایسی جادوگری تخلیق کر دی ہے۔ جو کسی دوسرے سارے کا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ جسے تو میں بھی یہاں اگر پریشان ہو گیا تھا۔ میری کچھ میں نہیں آتا تھا کہ میرے ارادہ کیا ہے۔ چھٹی ہوئی لڑکیاں عجیب عجیب اسٹیل رنگ بدلتی دے لوایں اڑن ہتھ پریں فرشتہ ہو جانے والے گھر وغیرہ سب کچھ ایسا تھا جیسے ہم زمین پر نہیں بلکہ کسی دوسرے سیارے پر رہتے تھے۔ کچھ دن تک تو میری یہی حالت رہی۔ پھر میں نے محسوس کر لیا کہ یہ سب الیکٹرونک اور جدید ٹیکنالوجی کا کام ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں لیکن جن لوگوں نے یہ نظام ترتیب دیا ہے۔ وہ بالکل ذہین اور خوشامد ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ہوتے ہی میں نے ان لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کی جو اس نظام کو چلا رہے ہیں اور مجھے خود بھی بے کہ میں ان تک پہنچنے کا مایاب بھی ہو گیا اور اب میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کون لوگ ہیں۔ اور کیا چاہتے ہیں؟“

”کیا کہا۔ یہ ان لوگوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہو۔ جہاں نے جہاں کے جہاں کو کہہ چھا۔ کون لوگ ہیں۔“  
”ان کا گھر دھڑا تا سراسر براہ ایک غیر ملکی سمراک ہے۔ ہر امر نے بتایا کہ وہ جرمنی کا رہنے والا ہے۔ بے انتہائی ذہین سائنسدان ہے۔ یہ تم جس قدر بھی حیرت انگیز چیز دیکھو یہ ہونا بہت اسی کے ذہن کی کارستانی ہے۔ اس نے پہلے کمال کر دیا ہے۔ وہ ایک ایسا آدمی ہے جسے شروع سے نازی ازم سے دلچسپی رہی ہے۔ وہ ہلکے نظریات کو دیت سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جرمنی کو بھری دنیا پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے۔ لہذا اس نے اپنے کل ہر ذمہ جرمنی میں ہی لگانے شروع کر دیے تھے۔ لیکن کسی وجہ سے اسے فکر ہونا پڑا۔ اس نے ہندوستان کو اپنے تجربات کے لئے چن لیا۔ اس کا خیال ہے کہ یہ چونکہ ایک دور افتادہ اور غیر ترقی یافتہ ملک ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کو کبھی جدید ٹیکنالوجی کا علم نہیں ہو سکا ہے۔ اسی لئے وہ سائنس کے بل ہر کوئی کو قوت میں مبتلا کر سکتا ہے۔ اس کا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ تم خود دیکھو کہ اس نے کیسے کیسے لوگوں کو اپنے غیروں سے حیران کیا ہوا ہے۔“

لیکن یہ سب اس لئے کس طرح کر لیا، میرا مطلب ہے کہ اس کے پاس اتنے وسائل اور اتنی دولت کہاں سے آئی؟

”جرمنی سے نکلنے کے بعد اس نے بہت سے زمین لوگوں کو اپنے سامنے مثال کر لیا تھا، بلام نے بتایا کہ مختلف شعبوں میں کمال کا درجہ رکھتے تھے، پھر اس نے بڑے بڑے لوگوں کو ہلیک میل کرنے کی جہم شروع کر دی۔ اس کے ذہن میں شروع ہی سے یہ خیال تھا کہ اسے ایسی مملکت بنانی چاہیے جو سائنسی اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہو۔ وہ جرمنی سے نکلنے کے بعد فرانس پہنچی، وہاں اس نے کچھ بڑے لوگوں کو بغل بنایا اور ہلیک میل کر کے اپنی خاصی دولت اکٹھی کر لی۔ اس کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ گیا، وہاں بھی اس نے دولت حاصل کرنے کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کیا۔ اس کے گرد پ کے لوگ ہر مرتبہ اس کا ساتھ دیتے رہے، وہ جہاں بھی گیا اس نے اپنے ہی مزاج کے ترجمے لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ ان میں عورتیں بھی تھیں اور مرد بھی جو ان لوگوں کی عقلیں اور ذہن ترین، بولتے تھے، پھر ان لوگوں نے مل کر ایک ہنگامی اور بے سوجان کابان کے پاس اپنے خاصے وسائل دولت اور ذہن جمع ہو چکے ہیں۔ لہذا ایک نئی سائنسی مملکت کہاں بنانی چاہیے بہت سوچ بچار کے بعد ان لوگوں نے ہندوستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے کن کن ذرائع سے اپنی دولت اور ساز و سامان جہاں منتقل کر دیا ہو گا۔ اس کی دشواریوں کا تم کو جی اندازہ لگا سکتے ہو، ہر حال یہاں آنے کے بعد انہوں نے بڑے مشکل کرنی، جہاں تم اس وقت ان کا حیرت انگیز مملکت دیکھ رہے ہو؟

”ہلہ یہاں تک تو بات کچھ میں آئی، لیکن یہ کچھ میں نہیں آیا کہ ان لوگوں کی سرگرمیاں حکومت اور دوسروں کی لگا ہوں سے کیوں کر چچی رہ سکیں؟

”بہت بڑا علاقہ ہے، کئی میل پھیلا ہوا، بلام نے کہا: ”کسی زمانے میں یہاں خود راجنٹ کا سلسلہ ہو کرتا تھا، ان جنگلات میں شیر اور جینے ہوا کہتے تھے، جو اس پاس کے دیہاتیوں کو ہلاک کر دیا کرتے تھے، یہاں کی نوعمر بہرستی سے تو تم واقف ہی ہو، شہور ہو گیا کہ اس

علاقے میں ایک بلال آئی ہے۔ اور وہ لوگوں کو ہلاک کر دیا کرتی ہے، اس افواہ کا پھیلنا تھا کہ لوگوں نے اس طرف آنا جاننا ترک کر دیا، اور ہمارا کاروبار اس کے بچپن نے اس افواہ کو غنیمت جان کر یہ علاقہ اپنے لئے منتخب کر لیا۔ اس کے بعد کا ذکر جو دہرائی اس طرف انکشاف سے بے دردی سے ہلاک کر کے علاقے سے باہر ڈال دیا جاتا تاکہ اس علاقے کی ہولناکی کو ستر قائم رہے، لوگ اس طرح انہوں نے یہ علاقہ اپنی مملکت کے لئے منتخب کیا اور ایک مملکت بنا ڈالی؟

”بہت خوب؟ ہمارا جہان نے ایک گہری سانس لی، حیرت انگیز ہو رہی تھی بہت چالاک لوگ ہیں، لیکن تمہیں یہ باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟

”ان کے گرد وہ ایک لڑکی مجھ سے محبت کرنے لگی تھی، بلام نے بتایا: ”اس کا نام جوڑنا تھا۔ وہ فرانس کی بہنے والی تھی، اسی لئے مجھے سب کچھ بتایا تھا۔“

”تم نے یہ کہا تھا کہ تم ان لوگوں تک پہنچ گئے تھے، آخر کس طرح؟“

”مسدود سی بات ہے، میں نے تمہیں بتایا ہے، نا کہ میں ایک نوٹنگ انجینئر ہوں، تو ان لوگوں نے جو زباناں کے کہنے پر اہم تصدیقات کے سلسلے میں مجھ سے بھی مشورہ لینا شروع کر دیا، اس طرح میں ان لوگوں کے قریب جانے اور انہیں دیکھنے میں کامیاب ہو سکا تھا، میں اس طرف ان تنظیم کے ہر اہم فرد سے مل چکا ہوں، انہیں دیکھ چکا ہوں۔“

لیکن یہاں بہت سے مقامی لوگ بھی دکھائی دے رہے ہیں، ان کا کیا مصروف ہے؟ ہمارا جہان نے دریافت کیا: ”یہاں دو قسم کے مقامی لوگ ہیں، بلام نے بتایا: ”ایک تو تم جیسے دولت مند جن کے ذریعے دولت حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو محنت مزدوری کر سکتے ہیں، ان سے زیر زمین سرنگیں اور عمارتیں بنوائی جاتی ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کہ ارد گرد کے دیہاتوں سے انھیں کئے گئے ہیں“

”میں ان کے انھیں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔ ہمارا جہان نے کہا: ”ہنگامہ کیا ہو سکتا ہے، بلام نے مسکراتے ہوئے کہا: ”غریب لوگوں کی داوڑی کون کرتا ہے، اس کے علاوہ یہ ہادر لیا گیا کہ ان بے چاروں کو جنگل کی بلا اٹھانے کی ہے“

”یہ تو بہت بڑا ظلم ہے، ہمارا جہان نے کہا: ”پھر بھی حکومت کے اہل کاروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیے تھی“

”کون توجہ دے گا؟ بلام نے ہراسہ مہا بنا پا کر تجلنے کتنے لوگوں کو خرید لیا گیا ہے۔ ہمارے یہاں سب سے بڑی آسانی تو یہی ہے کہ لوگ آسانی سے خریدے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے ہمارا کاروبار اس کے سامنے بجائے نہیں اور جانے کے اس طرف چلے گئے ہیں۔ خیر تو میں یہ بتا رہا تھا کہ ان لوگوں نے زیر زمین پوری ایک بستی تعمیر کر رکھی تھی۔ جہاں دنیا بھر کے اسٹل کے ذخائر ہیں، اور ایسے ایسے جدید ہتھیار ہیں جن کا باہر کی دنیا میں کوئی تصور ہی نہیں کیا جاسکتا، جو زمین سے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا ہے۔ وہ خود ایک زمین سائنس دان تھی اور ان لوگوں سے اکتائی ہوئی تھی۔“

”مجھے سے کیا مطلب، کیا اب وہ نہیں ہے؟ ہمارا جہان نے بوجھا۔

”نہیں، ان لوگوں نے اسے ہلاک کر دیا تھا، بلام نے کہا: ”اس کا جرم ہی تھا کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی اور مجھے بہت کچھ بتا دیا تھا، تم جانتے ہو کہ برائی کو برائی منتر تیار کرتی ہے۔“

تو جب ان لوگوں نے یہاں آکر کچھ حال پھیلا، ہندوستان کے بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے، ان ہی لوگوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو براؤن شوگر بھی، بیرونی کی تیاری جانتے تھے، یہ لوگ اس زہر کے بیماری تھے، ان ہی لوگوں میں ایک ایسا آدمی تھا جسے کالی موت کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ واقعی ایک خونخوار آدمی تھا، اس نے ہمارا کہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا، وہ خام مال یہاں بھی کرتا ہے اور ہمارا کہ کی پھر بگاڑا ہوں اس تمام مال کو بیرونی میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ اس کالی موت نے بھی اس ملک میں رنٹا گڑی نامی ایک بستی میں اپنی مملکت قائم کر رکھی ہے۔ وہ لوگوں کو بیرونی اور درجہ منشیات کا عادی بنا رہا ہے، اس نے ہندوستان کے تقریباً ہر شہر میں اپنے کارندے مقرر کر رکھے ہیں جو خود ایک باختیار اور دولت مند آدمی ہے۔ اسی لیے ہمارا کہ نے اس کی دوستی قبول کر لی، کالی موت کے پاس کیلاش نامی ایک آدمی ہے، اس کا کمال یہ ہے کہ وہ چوہوں اور دیگر جانوروں کو سمٹھانے کا فن جانتا ہے، کالی موت ایک

تشنہ پسند آدمی بھی ہے، اس نے ہمارا کہ کو یہ تجربہ پیش کیا کہ وہ کیلاش کے ذریعے چوہوں کو خونخوار بنانے کا تجربہ کرتا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب ہو گیا تو وہ چوہے باغیوں کو سزا دینے کے کام آئیں گے۔ ہمارا کہ چونکہ خود اسی مزاج کا انسان ہے۔ اسی لیے اس نے کالی موت کی یہ تجویز مان لی۔“

”وہ تو وہ چوہے جن کے ذریعے مجھ پر عذاب مسلط کیا گیا تھا۔ یہ وہی چوہے ہیں؟“

”ہاں یہ وہی چوہے ہیں، بلام نے کہا: ”خیر تو اسی دوران نیپال کی ایک بستی میں یورپیہم کے ذخائر دریافت ہو گئے تھے، شنید اس کی اہمیت کا بلوری طرح اندازہ نہ ہو۔ وہ دھات دنیا کی سب سے قیمتی دھات ہے اور اس کے ذریعے اہم ہمسے کے کرنا جانے کیا کیا چیزیں بنائی جاسکتی ہیں۔ اس دھات کا برآمد ہونا تھا کہ اس علاقے کی تقدیر بدل گئی۔ اور دنیا کی بڑی طاقتوں کی نگاہیں اس بستی پر مرکوز ہوئیں، لیکن صرف ایک طاقت ایسی ہے جس نے سازشوں کا چکر چلا کر اس بستی کے جرم عکروں کو وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا، اور ان کی جگہ اپنی مرضی کا ایک سردار مقرر کر دیا، اس کے بعد یورپیہم کی کھدائی کا کام شروع ہو گیا ہے، ایک نازک اور دشوار مرحلہ ہو کر رہا ہے، اس کے لیے بہت آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے، کالی موت اس قسم کا آدمی ہے کہ اس نے فوراً اس بستی کے حکمران اور ان غیر ملکیوں سے رابطہ قائم کر کے انھیں یہ پیشکش کی کہ وہ ان کے لیے آدمی فراہم کر دیا کرے گا۔ اس کے بدلے وہ اسے تجارت کرنے کی اجازت دے دیں۔“

”کیسی تجارت؟ ہمارا جہان نے جلدی سے پوچھا۔ ”وہی تو بتا رہا ہوں، بیرونی کی تجارت کالی موت کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس بستی کے لوگوں کے پاس اچانک بہت دولت آئی ہے، یہ دولت ان غیر ملکیوں کی ہے جو وہاں سے یورپیہم نکال رہے ہیں۔ انھوں نے بستی والوں کا منہ بند رکھنے کے لیے انھیں دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ یہ صورت حال چونکہ کالی موت کے لیے مفید تھی، اس لیے اس نے اس بستی میں بیرونی پہنچانی شروع کر دی، اس کی قیمت بھی اسے بہت زیادہ ملنے لگی، دوسری طرف اس نے لوگوں کو اعزاز کرنا شروع کر دیا، وہ لوگوں کو اعزاز کر کے

میلے تو ان کو منشیات کا عادی بناتا ہے۔ پھر ان لوگوں کو اس بستی میں محنت کرنے کے لیے دیکھیل دیا جاتا ہے جہاں وہ بے چارے دن بھر چھوڑے اور کدال چلاتے رہتے ہیں۔  
”تو کیا لیمارک نے کالی موت کو اس کی اجازت دے دی تھی؟“

”نہیں۔ شروع شروع میں لیمارک کالی موت سے بہت ناراض ہو گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ کالی موت سے جو کو لیمارک کا تعلق ہے اس لیے کالی موت کو کسی کے لیے کام نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن جب کالی موت نے اسے بورہنم کے بارے میں بتایا تو لیمارک خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے کالی موت کو مجبور کیا کہ وہ بورہنم کے ذخائر میں سے کھوڑا ٹھوڑا کر کے لیمارک کے پاس پہنچا دے۔ بورہنم کو کالی موت دونوں ہاتھوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ وہ ایک طرف تو لیمارک کے ذریعے بیرونی تیار کردہ اے کے پورے ہندوستان میں سپلائی کیا کرتا ہے۔ دوسری طرف مجبور لوگوں کو بیکار کرنا بھی محنت مزدوری کرنے کے لیے ان غیر ملکیوں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اور تیسری طرف وہ بورہنم چیر کر لیمارک کو دینا رہتا ہے۔ اس طرح وہ ہر طرف سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ کالی موت بہت خطرناک آدمی ہے۔“

”ہاں۔ اس سانسے فساد کی جڑواں ہے۔ اب تم یہ سمجھ لو کہ اس ملک میں خطرناک لوگوں کے دو گروپ ہیں۔ ایک لیمارک اور اس کے ساتھی۔ اور دوسری طرف وہ چورنگی جو بورہنم نکال رہے ہیں۔ لیمارک ان دونوں میں کوئی رابطہ نہیں لیکن یہ دونوں گروپ ایک دوسرے کے محنت قسم کے دشمن ہیں۔“

”لیمارک ان لوگوں پر حملہ کرے انھیں قتل و میس کریں نہیں کر لیتا۔“ مہاراجہ نے بولوچھا۔

”یہ مت بھولو کہ ان کا تعلق بھی ایک پڑپاور سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس اتنے جدید ہتھیار ہوں جتنے لیمارک کے پاس ہیں۔ لیکن کسی ملک کی طاقت انفرادی طاقت سے ہوا کرتی ہے۔ اگر لیمارک نے کبھی ایسی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ یہ خود مصیبت میں پھنس چلتے۔ سان غیر ملکیوں کو اپنے ملک کی پوری پشت پناہی مل رہی ہے۔

وہ بیکاری تک کر داسکتے ہیں۔ ان کے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ سب کچھ ہے ان کے پاس۔ اسی لیے لیمارک ان پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ ورنہ اس کے اختیار میں ہوتا تو ابھی تک بورہنم کے اس ذخیرے پر قبضہ کر چکا ہوتا۔ بورہنم کو کون چھوڑتا ہے؟“

”وہ سپر پاور کیوں نہیں لیمارک پر حملہ کر دیتی ہے؟“ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے۔ بلرام مسکرا دیا۔ وہ لوگ بھی لیمارک اور اس کے ساتھیوں سے خوفزدہ ہیں۔ انھیں یہ ڈر ہے کہ بچانے لیمارک کے پاس کیسے کیسے ہتھیار ہوں۔ اور وہ ان کے لیے کتنا نقصان دہ ثابت ہو جائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے خوف کھاتے رہتے ہیں۔ دونوں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے دور رہیں۔ اس کے علاوہ ان غیر ملکیوں کو اس مرحلے پر کسی ہنگامے سے محتاط رہنا چاہیے۔ وہ لڑائی بھڑائی نہیں چاہتے۔ ان کی کوشش ہے کہ وہ جلد سے جلد بورہنم کے رہا ہوں سے نکل جائے۔“

”میں نے یہاں پچھلے بدن والی لڑکیاں اور ایک اڑن طشتی تملہ پڑھنی تھی۔ وہ سب کیا ہے؟“ مہاراجہ نے پوچھا۔

”بہت معمولی سی بات ہے۔ ایسی لڑکیاں یہاں شکاری کہلاتی ہیں۔ وہ آپ جیسے لوگوں کو جوہر ڈھونڈ کر لاپرواہی ہیں اور ان لوگوں کے حوالے کر دیتی ہیں۔ ان کے جسموں پر ایک قسم کا غول ملا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ چپکٹی ہوئی دکھائی دیتے لگتی ہیں اور وہ اڑن طشتی دراصل ایک گاڑی ہے جسے اندر دبا رہا ہے اڑن طشتی کی شکل وئے دی گئی ہے تاکہ دیکھنے والوں کو حوصو ہو جائے کہ یہ کسی بیرونی دنیا کی سواری ہے۔ اس کے اندر ایک ایسی طاقتور روشنی تعب کی گئی ہے جو دیکھنے والوں کی بینائی تک کو متاثر کر سکتی ہے۔ یہ روشنی توانائی کے ایک ایسے مادے سے تیار کی گئی ہے جو تابکاری اثرات کا حامل ہے۔ یہ گاڑی کبھی ان لوگوں کو روکنے کے لیے بہت مفید ثابت ہوئی ہے جس کا گاڑی کو اتفاقاً دیکھ لیتے ہیں اور اس کی حقیقت جاننے کے لیے اس کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ تم نے یہاں رنگ بدلتی ہوئی دیواریں بھی دیکھی ہوں گی۔ وہ بھی کچھ نہیں ہیں۔ بس ایک معمولی سا ضمدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ میں یہاں موجود ہر بیکار

کی تفصیل تو نہیں بتا سکتا۔ ہاں۔ البتہ ان سب میں ایک جڑواں بات یہ بھی ہے کہ یہ لوگ جب بھی چاہے یہاں موجود عمارتیں اور ساز و سامان سیکنڈروں میں غائب کر سکتے ہیں۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چل سکے گا کہ ابھی کچھ دیر پہلے یہاں کوئی بستی موجود تھی۔“

”اوہ۔ یہ کس طرح ممکن ہے؟“ مہاراجہ نے حیرت ظاہر کی۔

”تم نے بورپ و جبرہ کے ایسے اسٹیج کے بارے میں سنا ہوگا جس پر پبلک جھپٹے میں مناظر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تقریباً وہی تکنیک انھوں نے یہاں بھی استعمال کی ہے۔ جس علاقے میں ان کی تقریر تھی ہوتی ہیں اس کے نیچے ایک خلا ہے۔ جس کے ذریعے وہ تقریر زمین کے اندر جاسکتی ہیں اور اوپر کی زمین برابر ہوتی ہے۔ اوپر کی زمین پر گھاس جھوس اور چھڑیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایسا محسوس ہوگا جیسے یہاں شروع سے جنگ آباد ہے ہو سکتا ہے کہ ان کی کسی کی لڑکیاں میں نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔“

”بہت ہی حیرت انگیز، بہت عجیب۔“ مہاراجہ بڑبڑاتے۔

”شاید اسی لیے اس سائنس غریبی باتیں عام نہیں ہو سکی ہیں۔“

”ہاں۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں سے کوئی باہر نکل ہی نہیں سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے بھی کچھ ایسی قسم کی کوشش کی ہوگی۔“ بلرام نے بولوچھا۔

”میں نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ اور شاید اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔ بہت دور نکل گیا تھا۔ پھر ایک جھوپڑی کے دروازے پر بے دم ہو کر گر پڑا۔ اس جھوپڑی میں ان کے ہی آدمی موجود تھے۔ گویا میں ان ہی سے فرار ہو کر ان ہی کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ وہ لوگ مجھے وہاں سے دوبارہ یہاں پہنچے۔ اسے۔ اور سزا کے طور پر مجھے جیل کے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ کھالے سامنے ہے۔“

”ہوں۔“ بلرام نے ایک گہری سانس لی۔ وہ کچھ سوچنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”مجھے نہیں معلوم کہ تم کون ہو اور یہ لوگ تمھیں کیوں اٹھا لائے ہیں؟“

ہات تو نہیں رہی لیکن ابھی بھی میرے پاس بے شمار دولت موجود ہے۔ یہ لوگ مجھے اس دولت کی لالچ نہیں اٹھا لے رہے ہیں۔ یہ مجھ پر دباؤ ڈال کر یہ سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔“

”اسی لیے تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”میں نے اس سے پہلے جن آدمیوں کو یہاں سے نجات دلوائی تھی ان کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی۔ وہ بھی بہت دولت مند لوگ تھے۔ بورہانی ماس؟“

”نہیں۔ نہیں۔“ مہاراجہ نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔ ”اب تم مجھے اس طرح قیامت کر دو۔ اس سے نفع کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں اتنی دھمکیاں تم سے اس قدر بے تکلف ہو گیا ہوں کہ اس قسم کی مصنوعی لفظوں کو بھی نہیں لے گی۔ تم مجھے تم ہی کہہ رہا ہے کہ تم مجھے اچھا لگ رہا تھا۔“

”بہت بہتر۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے جن لوگوں کو چوروں کے کمرے سے نجات دلوائی تھی ان کے ساتھ بھی یہی صورتحال تھی۔ انھوں نے بھی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔“

”تو اب وہ لوگ کہاں ہیں؟“ مہاراجہ نے بولوچھا۔

”کیا وہ لوگ یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے؟“

”نہیں۔ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”وہ تینوں اس وقت بھی جنگوں میں پھنس چکے رہے ہوں گے۔ اگر یہاں سے نکلنا آسان ہوتا تو اب تک میں بھی فرار ہو چکا ہوتا۔“

”تو کیا تم آزاد نہیں ہو؟“ مہاراجہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس جھوپڑی کی طرف کوئی آتا نہیں ہے۔ تمھارے پاس کوئی پرہ نہیں ہے۔ اور کیا آزادی ہوگی؟“

”نہیں۔ میں آزاد نہیں ہوں۔“ بلرام نے کہا۔ ”اس بستی سے نکلنا ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس علاقے سے فرار حاصل کیا جاسکے۔ اور میں اس کوشش میں ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا ہوں۔ تم نے جس قسم کی جھوپڑی دیکھی تھی نا۔ اس قسم کی جھوپڑیاں اس علاقے کے چاروں طرف اور قدم قدم پر موجود ہیں۔ جن میں نکلنا کرنے والے چوبیس گھنٹے موجود رہتے ہیں۔ ان کے



پاس جدید تہوں اسلئے اور طاقتور تر اسلئے موجود ہیں۔ یہ لوگ یہاں سے فرار ہونے والے اور اس علاقے میں داخل ہونے والے ہر شخص کی تفصیل اس جیسی میں لہارک اور اس کے ساتھیوں کو رٹا سید پرستجہ بتاتے ہیں۔ یوں کچھ لوگ ان جھوٹے شہلوں کی صورت میں سرحدی چوکیاں قائم کر دی گئی ہیں۔

”تو پھر تم ان لوگوں سے دد کس طرح یہاں رہ رہے ہو کبکہ لوگ بغیر تلاش نہیں کر سکتے۔“

”نہیں، بلکہ مسکرا دیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ داستان ہے۔ میں نے بغیر جزیقہ ان کے بارے میں بتایا تھا۔

تو اسی کے ذریعے کچھ ایک حیرت انگیز کہانی معلوم ہوئی۔ وہ کہانی یہ ہے کہ جس وقت ان لوگوں نے اس علاقے کو اپنا مرکز بنایا تو اس جھوٹے شہر میں جہاں اس وقت ہم دونوں موجود ہیں، ایک سادھو رہا کرتا تھا۔ وہ ایک بالکل انشخص

تھا۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے نزدیک ان سادھوؤں اور پوتروں وغیرہ کتنی اہمیت ہوا کرتی ہے۔ لہارک نے یہاں آنے کے بعد جن لوگوں کی خدمات حاصل کیں۔ وہ اپنی اپنی جگہ

خطرناک تہوں جرم فرماتے۔ لیکن ان کے دلوں میں سادھوؤں ویزو کا خوف اور احترام بھی موجود تھا۔ لہارک کا خیال تھا کہ

اس علاقے سے اس سادھو کو بھی نکال دیا جائے لیکن ان لوگوں نے یوں کچھ لو کہ اس سادھو کے حق میں لغات کر دی

انھوں نے سادھو کے خلاف کچھ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نتیجہ یہ ہوا کہ سادھو اور لہارک کے درمیان ایک معاہدہ

طے پایا گیا۔ وہ معاہدہ یہ تھا کہ لہارک سادھو کو یہاں سے ہٹانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ اگر کسی شخص کو سادھو

نے پناہ دے دی تو لہارک کچھ نہیں کرے گا۔ چاہے وہ آدمی لہارک کے لیے کتنا ہی اہم اور کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔

دوسری طرف اس سادھو سے لہارک کو یہ فائدہ تھا کہ وہ اس کے ہندوستانوں کے لیے گیارہم اور اسی قسم کی دیگر مذہبی

رسومات ادا کر دیا کرتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ جب ان لوگوں نے جزیقہ ان کو ہلاک کر دیا تو یوں ان سے بدل ہو کر فرار ہو گیا

میری کوشش تھی کہ میں اس علاقے سے دور نکل جاؤں۔ لیکن ان کی پہرے والی چوکیوں کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں

ہو سکا اور کچھ واپس آنا پڑا۔ انھوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ اس لیے میں نے ایک عقل مندی پر کی کہ ان کے

لہارک کے پاس جانے کے اس سادھو کے پاس اگر پناہ لی۔ معاہدے کے مطابق لہارک اور اس کے ساتھی اس سادھو پر دباؤ نہیں ڈال سکتے تھے۔ اسی لیے وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور اس وقت میں اس جھوٹے شہر میں مقیم ہوں۔

اب مجھ کو لہارک نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن وہ سادھو کہاں ہے۔ وہ تو مجھے دکھائی نہیں دیا۔“

”اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ بلکہ نے بتایا۔ اور یہ بات صرف پندرہ دن پہلے کی ہے۔“

”او بھگوان۔ تو ب کیا ہوگا؟“ لہارک نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

”میرا مطلب ہے کہ اب تو سادھو کی موت کے بعد اس معاہدے کی کوئی اہمیت نہیں رہی۔ وہ لوگ تو کسی بھی وقت

مجھے تلاش کرنے کے لیے اس طرف آ سکتے ہیں۔“

”ہاں۔ تو سب سے لیکن آج میں نے نہیں سمجھا۔ کچھ بھی کسی کو معلوم ہی نہیں ہے کہ سادھو مر چکا ہے۔“

راجا کرشن پرشاد کا رویہ آسان اور کن تھا کہ وہ دونوں اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کچھ کبابے کالی

موت کون ہے۔ اور وہ ان دونوں کو کالی موت سے ملوانے کے لیے اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اور اور ہی اس کے ساتھ

چلتے رہے۔ کرشن پرشاد اس وقت بالکل خاموش تھا۔ وہ ان دونوں کو اپنی حوصلے سے باہر لے آیا جہاں ایک جیب

کھڑی تھی۔ جیب کے پاس ہی اس کا ڈرائیو بھی تھا۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی تیزی سے ان کے پاس آ گیا تھا۔

”کیا گاڑی نکالو؟“ جناب اس نے کرشن پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے ادب سے پوچھا۔

”گاڑی نہیں، جیب کی ضرورت ہوگی یا کرشن پرشاد نے کہا۔“ اور تم ساتھ نہیں جاؤ گے۔“

ڈرائیو نے اتنا سننے ہی اپنی جیب سے چابی نکال کر کرشن پرشاد کی طرف بڑھا دی۔ کرشن پرشاد نے چابی لینے کے بعد داور سے کہا۔ ”بس تھوڑی دیر کا سفر ہے۔“

جیب کرشن پرشاد کی چلا رہا تھا جب کہ وہ دونوں پیچھے نشست پر بیٹھ گئے تھے۔ کرشن پرشاد کے ہونٹ پیچھے ہوتے تھے۔ اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ داور نے بھی اس کو

نجیگی کے ظاہر کر دی تھی کہ اس کے سینے میں طوفان ڈر رہے ہیں۔ اس کا انداز پتہ معلوم ہو رہا تھا۔ نفع کا مار نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن داور اپنی جگہ بالکل جو کس تھا۔

ن کی نگاہیں کرشن پرشاد پر پڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ اس اسی بھی حرکت کے جواب میں احتیاطی تدابیر اختیار کر سکتا

”میں تو بھگتی ہوں۔ تم نے دھڑے سے کہا۔“

”یہ شخص نہیں اپنے ساتھ کہاں لے جا رہا ہے؟“

”میں بھی تو تمھارے ساتھ ہی چل رہا ہوں۔ داور کی راج بھی آواز میں لولا۔ ویسے نہ جانے کیوں مجھے شخص چھوٹا

سو نہیں ہو رہا ہے۔ اس کے انداز سے پتہ چل گیا کہ وہ کبھی

”مجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چکر ہے۔ جب کہ میں قسم کھا رہا ہوں کہ یہی کالی موت ہے۔ دوسری طرف یہ نہیں

اور دکھانے اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔“

”بس چپ چاپ دیکھتی رہو کیا ہوتا ہے۔ اگر اس کی

ف سے کسی دھوکے کا امکان ہو تو میں اس کی گردن لوڑ

پھینک دوں گا۔“

ان کا سفر جاری رہا۔ یہ سفر پتھروں سے بھرے ہوئے

جیتے کو دے ہوتے راستوں پر ہو رہا تھا۔ اس وقت احساس ہوا کہ کرشن پرشاد نے گاڑی کی بجائے جیب کیوں استعمال

کی۔ ان دشوار راستوں پر گاڑی چلی ہی نہیں سکتی تھی۔ دور دراز کے سوائے میدان کے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے

پا تھا۔ اور میدان بھی ایسا جو سبزے کی تہمت سے بالکل پاک تھا۔

”ہو، کرشن پرشاد دھڑے سے مسکرا دیا۔ لیکن میں بھاری بدگمانی دور ہو جانے تک کچھ نہیں بولوں گا۔ بس مجھے اپنے

بٹے کی تصدیق کرنے دو۔“

داور نے کچھ نہیں کہا۔ کرشن پرشاد نے جیب کا رٹ

موٹ لیا۔ جیب اب دوبارہ واپس جلدی تھی۔ کرشن پرشاد کی حوصلے بھی آگئی لیکن اس نے جیب نہیں روکی بلکہ حوصلے

کے برابر سے گزرتا چلا گیا۔ اب وہ لوگ پتھر اور کھادار سنے

پر سفر کر رہے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت بھی تھیں

اور ان میں جھوٹے پائیاں بھی بنی ہوئی تھیں۔ پھر کچھ دیر کے

سفر کے بعد جیب ایک ایسی جگہ آگئی جو ان کے اونٹنے و زینوں

سے بھری ہوئی تھی۔ ایک پہاڑی بھی تھی جس کے پیچھے سے

صاف پانی کا ایک نالہ بہہ رہا تھا۔ یہ بہت ہی خوبصورت

جگہ تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ لوگ کسی برف نچا پہاڑی

مقام پر نکل آئے ہوں۔ داور کو اس بات پر حیرت ہونے

لگی تھی کہ ایک طرف تو غیر آباد اور بخر میدان پھیلا ہوا تھا

اور دوسری طرف اس علاقے میں ایسی خوبصورت جگہ بھی

موجود تھی۔ راجا کرشن پرشاد نے پہاڑی کے پاس جیب روک دی۔

اس سے میلے ہی اس نے ایک نوردار ٹھنڈا اس کے

چہرے پر رسد کر دیا تھا۔ تربانی کی گردن ایک طرف گھوم گئی، وہ دوسرے پنج بڑا تھا۔  
 ہمیں اسی طرح نہیں جان سے مار سکتا ہوں گا کہ اس نے کہا: بہتر یہی ہے کہ کرشن ہرشاد کی بات کا جواب دے دو۔  
 ہاں۔ وہ ٹھیک ہو چکا ہے۔ تربانی نے بالآخر اقرار کر لیا۔ وہ کرشن ہرشاد سے لگا میں نہیں ملتا تھا۔  
 ”مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ کرشن ہرشاد دھیرے سے بولتا۔ وہ کب سے نازل ہوا ہے۔  
 ”نقرا چار برس سے۔ تربانی نے جواب دیا۔  
 ”اور تم کیسے انسان؟ تم نے انہی بڑی بات مجھ سے چھپائے رکھی؟ کرشن ہرشاد دھیرا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم بھی اس کے جرم میں برابر کے شریک ہو نہیں سکتے۔  
 اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اس نے کون سا روپ اختیار کر رکھا ہے، بتاؤ۔ کیا تمہیں یہ سب معلوم نہیں تھا؟  
 ”ہاں۔ مجھے سب معلوم ہے۔ تربانی نے اپنی گردن ہلا دی۔ مجھے غلطی ہوئی۔  
 ”اے تم غلطی کرتے ہو، راجا نے غصے سے کہا۔ لعنت ہو تم پر۔ اتنا جرم قابل اور شہر آدمی ایک اتنے بڑے جرم کی حمایت کر رہا ہے۔ اس کو دوسروں کی نگاہوں سے چھپا رکھا ہے۔ اس کے پاس میں غلط رہا ہوں وہ رہا ہے۔ اور یہ صرف غلطی ہے نہیں ذکاوت غلطی نہیں بلکہ جرم ہے۔ ناقابل معافی جرم۔ جلتے ہو اس شخص نے اپنے پاگل پن کی آڑ میں کتنی بڑی تباہی پھیلا دی۔ وہ اپنے دوسرے روپ میں کتنی خطرناک ہو گیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کالی موت ہمراہی تھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کو جرم کرنے کی بھی چھٹی دینے والا اس ملک کا سب سے بڑا ذہنی معالج ہے۔ لعنت ہو تم پر تم لوگ اس قابل نہیں ہو کہ اس معاملے کو اپنا بچہ دیکھ سکو۔ تمہیں تو شرم سے ڈوب کر مرنے پڑے۔“

”کیا تم یہ جانتے ہو کہ رام ہرشاد کو کس نام سے جرم کیا گیا ہے؟“  
 ”داؤسے بلوچھا۔ اب کوئی بدت چھپانے کا فائدہ نہیں ہوگا۔ اس نے حق سے بچتا ہے۔“  
 ”وہ کالی موت کے نام سے جرم کیا گیا ہے۔“

”کیا خیال ہے؟“ داؤسے نے اچانک کرشن پر غصہ کیا۔ ”کیا اپنے شخص کو زندہ رہنے کا کوئی حاصل ہے؟“  
 ”ہرگز نہیں۔“ کرشن ہرشاد نے جواب دیا۔ ”میر خود اپنے ہمائی کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا۔“  
 ”تو پھر تمہیں کس سے نہیں ہی اس کا قصہ شروع کرو۔ ہوں۔“ داؤسے نے اتنا کہتے ہوئے تربانی کی گردن دلوڑ لی۔  
 وہ پانچ آدمی تھے جنہوں نے پتیل کے بڑے تختہ اٹھا رکھے تھے۔ اور پانچوں کے آگے دو آدمی اور بھی تھے جنہوں نے قمیص اور پتوٹی رکھی تھیں۔  
 وہ دونوں ہی اپنے حلیے اور لباس سے دولت مند معلوم ہو رہے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں پر تھیں گھڑیاں تھیں جن کی زنجیریں سونے کی تھیں۔ ان کی باتن بھی سونے کے تھے۔ ان کے چلنے کے آگے ہی سے ان کی دولت مندی کا اظہار ہو رہا تھا۔ لیکن میں داخل ہونے کے بعد ان دونوں ہی نے بڑا انکساری سے اپنی گردنیں جھکا لیں اور مندر کی پہاڑی سے اتر کر دھڑکتے ہوئے سہریلوں کے آگے ان کے پیچھے وہ پانچ آدمی تھے جنہوں نے تختہ رکھے تھے۔  
 مندر کی انتظامیہ کو پہلے ہی سے خبر دے دی تھی کہ ہندوستان کے دو بہت بڑے تاجر بہت بڑا اور قیمتی ہرشاد کالی دہلوی کے چروں میں رکھنا چاہتے ہیں۔ انتظامیہ کو دونوں تاجروں کا بلکہ ان سے زیادہ کے قیمتی چرواؤں کا انتظار تھا۔ اور آج جب وہ دو تاجر ہاتھ مقامی مزدوروں کے سروں پر تختہ رکھ کر میں داخل ہوئے تو مندر کے ہی بولیوں اور پیچھے جانے کے ہونٹوں پر حیرت مادی مسکراہٹ آئی۔ ان کا دھیان تاجروں سے زیادہ ان محفلوں کی طرف تھا۔  
 سب سے پہلے مندر کے بڑے بھاری دشمنان نے آگے بڑھ کر ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ ان دونوں نے باری باری ہر پست و شوخانہ نمائے پاؤں چھوئے۔ ”جنگوان بھی رکھے۔“ ہندوت نے ان دونوں کے ہر ہاتھ دیکھتے ہوئے انہیں آئینہ یاد دی۔ ”میں“

”میں مندر کا وہ تہہ خانہ کھلوایا ہے جہاں بہت دھن کے پاؤں بڑے ہیں۔“  
 ”آپ کی بڑی کرپا ہے ہمارا۔“ ان میں سے ایک نے کہا۔ پھر اپنے پیچھے آنے والے پانچوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”پہلے یہ عجیب سویر کار کریں ہمارا۔“  
 ”ہندوت کے چپے تھے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ان کے ہاتھوں میں لڑو کے چراغ جل اٹھے تھے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے ان پانچوں مزدوروں سے وہ تختہ لے لے۔ ان محفلوں کو ہال کے وسط میں رکھ دیا گیا۔ خود ہندوت سے جب صبر نہیں ہو سکا تو مانے آگے بڑھ کر تختہ پر گر پڑے، ہونے کہنے لگا۔  
 ان پانچوں محفلوں میں سونے کے چھوٹے چھوٹے بڑے کرسی لوٹ لوٹی اور پھر اترتے ہوئے تھے۔ ہال میں جلنے والی روشنی میں ایسا فوس ہوئے لگا جیسے مارے سے جھلانے لگے ہوں۔ اس سے پہلے کسی نے اس مندر کو اتنے قیمتی تحائف نہیں دیے ہوں گے۔ ہال میں موجود ہر بھاری اور جیوں کی نگاہیں ان تحائف پر رکتی ہو کر رہ گئی تھیں۔  
 ان دونوں نے اس ہال کا گہری نگاہیں سے جائزہ لیا۔ درمیان میں کالی دہلوی کا ایک عظیم الجذبہ نصب تھا۔ جس کی آنکھوں میں ہیرے لگے ہوئے تھے۔ یہ ہیرے بالکل کسی چراغ کی طرح جھلک رہے تھے اس بت کے ارد گرد ایک جنگل سا ہنر دیا گیا تھا۔ اس جنگل کے اندر کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور سر ہلا کر بھاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ بھاری اب انہیں چھوڑ کر تحفلوں کا اندرے جانے کی ہدایت دے رہا تھا۔ تحفلوں کو پہنچانے والے وہ پانچ آدمی دہلوی کو ڈنڈت کر کے دھن چاہتے تھے۔ اس ہال میں اب صرف دس بارہ آدمی رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک بھاری تھا۔ دوسرے بھاری تھے۔ ان کے علاوہ چار مسلح محافظ بھی تھے جن کے دونوں پہلوؤں سے ریلو اور لنگ رہے تھے اور جن کی سلاخی لگا ہیں۔ دوسرے ہال میں گردش کر رہی تھیں وہ دونوں اس ہال کی ایک دوسرے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ان دونوں نے اس طرح اپنی آنکھیں بند کر

رکھی تھیں۔ جبے خروان حاصل کر رہے ہوں۔  
 ”یہ تو بہت ہی آسان معلوم ہوتا ہے سونے میں سے ایک نے سرگوشی کی۔  
 ”کچھ سمجھیں نہیں آتا۔ دوسرے نے کہا۔ کوئی خاص حفاظتی انتظامات بھی نہیں کئے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص چاہے تو ان چاروں محافظوں کو ڈھیر کر کے یا کسی طرح انہیں خرید کر ان ہیروں کو بڑی آسانی سے لے جاسکتا ہے۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ یہاں جاننے کیسے ایسے انتظامات ہوں گے۔ اول تو اندر آئے ہی نہیں دیا جائے گا۔ اور اندر آجائے گئے تو نہ جانے کس کس انداز سے چپک کر جانے کا لیکن یہاں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ان لوگوں کو بھروسہ کی کوئی پروا نہ ہو۔“  
 ”ہر بھاری کی بہت چالاک معلوم ہوتا ہے سونے میں سونے۔ بولا۔ ”کیوں ایسا نہ ہو کہ اسے یہ معلوم ہو جائے کہ تم نے اس مندر میں کتنی چیزوں کے ڈھیر لگا دیے ہیں۔“  
 ”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ سونے نے اپنی گردن ہلائی۔ ”پہلے وہ مال فرانس اور اٹلی کے بہترین کاریگروں سے حاصل کیا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے جوہری ان چیزوں سے دھوڑا کھانے ہیں۔ یہ بے چارے بھاری کس حکمت کی مولیٰ ہیں۔ ان کو تو معلوم ہی نہیں ہو سکتا۔ چاہے یہ ہلوے ہندوستان کو لاکر دکھان دیں۔“  
 ”اب سوال پھر وہی ہے بھائی۔“ سونے نے کہا۔ ”میں ہم سے تو یہ کہا گیا تھا کہ یہ ہیرے بہت بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی حفاظت کے لئے بے شمار انتظامات کئے گئے ہیں۔ لیکن یہاں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“  
 ”مجھے تو یہاں آکر ملال ہوئی ہے۔“  
 ”اس میں ماہر کسی کی کیا بات ہے۔“ سونے نے کہا۔ ”ہوئے بولا۔ بلکہ یہ تو عام ہے۔ لے اور بھی اچھا ہے۔ ہم بڑی آسانی سے ان ہیروں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔“  
 ”کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں۔“  
 ”ہوچھا۔“  
 ”پہلے کوئی ترکیب ذہن میں نہیں تھی لیکن اب سمجھ میں آئی ہے۔“  
 ”نعم ان بھاریوں اور محافظوں کی لالچ سے فائدہ اٹھانے لگے ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں کہ کھانے لائے ہوئے ہیروں اور سونے کے ٹکڑوں کو کچھ کران

کی کیا حالت ہو رہی ہے۔ ان کی بے لاق ہمارے کام آسکتی ہے۔ ہم انہیں رشوت دے کر اپنا کام نکل سکتے ہیں۔ یہاں نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ایک اور ٹھنڈا پھندا ہو رہا ہے۔ یوں نے کہا۔  
 ”وہ کیا؟ سوچنے کے لیے اس بار انہیں کھول کر میں کی طرف دیکھا۔  
 ”مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے، میرے نفی ہوں صلی میرے پہلے ہی چرلے جا چکے ہوں۔“

اس تہ خانے میں بالکل خاموشی تھی۔ دلراج بڑی عجیب لگا ہوں سے اس نقاب پوش کو دیکھ رہا تھا جو اپنے رویے سے، ہی جبریت انگیز اور ہراساں آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے جس انداز سے پستول ڈالنا ناک چایا تھا اس سے اس کی ذہانت اور دلیری کا اندازہ ہو جاتا تھا۔ لیکن دلراج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس کی کوئی مدد کرنا چاہتا ہے تہ خانے کے اوپر والا شورا بخت ہو گیا تھا۔ شاید وہ لوگ اس کی تلاش میں مایوس ہو کر پلٹ گئے تھے۔ اگر اس حیرت انگیز شخص نے اس کی مدد نہ کی ہوتی تو شاید وہ اب تک ان محققین کی گرفت میں آچکا ہوتا۔ لیکن ہاں تھا۔ اس نے اس کی مدد کیوں کی تھی۔

”میرا خیال ہے کہ تم بھی تک میرے بارے میں سوچ رہے ہو۔“ اس نقاب پوش نے ہلکتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ظاہر ہے۔ تم نے مجھے الجھا دیا ہے۔ دلراج نے کہا۔ آخر تم ہو کون۔ اس تہ خانے میں کہا کر رہے ہو؟  
 تمہاری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اس قسم کے بے شمار سوالات میں جنہوں نے مجھ پریشان کر دیا ہے۔ تم نے میری مدد کیوں کی۔ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟  
 ”ایک سی سانس میں اتنے سوالات نہیں کرنے چاہیے۔“ نقاب پوش بولا۔ ”وہ آدنی کی ابھی خاصی صحت خراب ہو کر رہ جاتی ہے۔ تمہارے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میرا نام ہر برکت ہے اور میں ایک چمڑا ہوں۔ اب تم میری اس بات پر حیران ہونے کی کوشش مت کرنا۔ کیونکہ تم خود بھی ایک چمڑی ہو۔ اگر بات ہے کہ ہم دونوں کی تکیہ گیری خراب غلط ہے۔ لیکن ہم دونوں ایک ہی پیشے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ میں اس تہ خانے میں

لیا کر رہا ہوں تو اس کا جواب یہ ہے کہ میں اس کا ہوں۔ یہ کچھ لوگ یہ تہ خانہ ہی میرا گھر ہے۔“  
 ”کیا؟ دلراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔  
 ”ہر گز نہ۔ یہ تو عجیب گھر ہے۔ تم عجیب شخص ہیں کہ طرح رہ سکتے ہو۔“  
 ”اس شہر میں سب کچھ ہو سکتا ہے۔ میرے اس عجیب گھر میں رہنے کی داستان بہت دلچسپ ہے۔ تمہارے پاس وقت ہو تو میں یہ کہانی تمہیں سن دوں گا۔ لیکن تمہارے اس سے پہلے میں اپنا بھروسہ دلانے کے لئے تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کیا خیال؟  
 میرا ساتھ دو گے۔“

”میں نہیں سمجھ رہا کہ تم نے دلراج نے کہا یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔“  
 ”ذرا ایک منٹ تمہارا ڈیوٹی چھوڑ دو۔ آجائے گا۔ اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ دوبارہ مجھ پر کرنے کی کوشش نہیں کرو گے تو میں تمہیں اپنا کام دے دوں گا۔“  
 ”تمہارا کام تو میں دیکھ چکا ہوں۔ دلراج مسکرا کر اور کیا دیکھ لو گے۔“  
 ”بہت ہوئی نا۔ اس نے اپنے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم کسی حد تک مجھ پر ہلکے ہو۔ فی الحال اتنی ہی بہت ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“  
 ”کہاں؟ دلراج چھوڑ کر ہو گیا تھا۔ کہاں لے رہے ہو مجھے۔“  
 ”تم آؤ تو میرے ساتھ۔ اس نے اشارہ میں ہمیں ایک چمڑا دکھانا چاہتا ہوں۔“

دلراج اس کے ساتھ بولیا۔ وہ تہ خانہ بھٹا خا جڑا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے لوہے کی یوزیم۔ یہ تہ خانہ بھٹا خا تھا۔ اس کا کھڑکے کے درمیان سے گزرتے ہوئے وہ شخص دلراج کو ایک اور عجیب شخص کے پاس لے آیا۔ یہ میرے لیے تھی تہ خانے کے اوپر کی راہ تھی۔ یہ عجیب شخص کے لیے ایک چمڑا تھا۔ اس کا نام فارم تھا۔ وہ ایک بیڈٹ فارم پر کھڑا ہو گیا۔ ساتھ ایک دیوار تھی جس پر ایک چمڑا سا سوراخ بنا ہوا تھا۔ اس نے اس دیوار سے اپنی آنکھ نکال دی۔ وہ کچھ دیر تک سوراخ سے باہر کی طرف جھانکنے کے بعد پھر پلٹ آیا۔  
 ”جواب تم دیکھو۔ اس نے دلراج سے کہا۔ اس نے بتا دیا کہ تمہیں کیا دکھائی دے رہا ہے۔“

دلراج کے اس کے کہنے پر اپنی ایک آنکھ اس رخ سے چمکا دی۔ دیوار کی دوسری طرف عجیب گھر کا بل تھا۔ جہاں اب سے کچھ دیر پہلے وہ خود موجود تھا۔ اس سوراخ سے شبلیک لاش دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ایک ایسی طرح بڑی ہوئی تھی۔ دلراج بھی یہ دیکھ کر ہلٹ آیا۔  
 ”نظر آ رہا ہے تمہیں؟ ہر برکت نے پوچھا۔ لاش دکھائی دے رہی ہے۔“  
 ”ہاں۔“ دلراج نے دھیرے سے اپنی گردن ہلا دی۔  
 ”ای نظر آ رہی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ ہاں میں اس وقت کوئی نہیں ہے۔ ہر برکت نے کہا۔ اور لاش کو غائب کرنے کا یہ ایک ہی وقت ہے۔“  
 ”کیا؟ دلراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔  
 ”ہاں دوست۔ ہر برکت نے بڑی بے لطفی سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ یہ تو انٹر نیٹیشنل قانون ہے کہ جب تک لاش دستیاب نہیں ہوئی کسی ہرقتل الزام عائد نہیں کیا جاسکتا۔ جب لاش ہی نہیں ہے تو تمہیں قاتل کہن گئے گا۔ جو دونوں مل کر اس لاش کو تہ خانے میں لے آئے ہیں۔ وہ بے چارے یہ سمجھیں گے کہ انہوں نے کوئی خواب دیکھا تھا۔“  
 دلراج حیران رہ گیا۔ یہ شخص واقعی بہت دھڑکی ڈی لایا تھا۔ جب لاش ہی نہیں ہوئی تو اس پر قاتل کا الزام کس طرح لگا جاسکتا تھا۔ اسے اس برکت کی حد تک ایک عجیب مدد مل رہی تھی۔  
 ”مٹیک سے میں بتا رہا ہوں۔ اس نے کہا۔ یہ بڑی بہت بڑی مدد ہوگی۔“

”تو پھر آؤ۔ ہر برکت نے پہلے کی طرح مئی کے کس جڑے پھر کہا کہ وہ دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو کر سر کی طرح لگا اس بال میں سوائے اس لاش کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ دلراج شبلیک لاش کے پاس آکر رہ جانے ان خیالات میں ڈوب گیا تھا کہ ہر برکت نے جتنی بڑی اسے احساس دلایا کہ وہ یہاں کس لئے آیا تھا۔  
 ”جہیں اس کی موت کا دکھ ہے تو اس کا اظہار لہجہ میں کر رہا ہے۔ اس نے کہا۔ پہلے اسے یہاں سے ہٹانے کی کوشش کرو۔ تم اس کے دونوں ہیرے پکڑ لو۔ جلدی۔“

وہ دونوں اس کی لاش کو اٹھا کر تہ خانے میں لے آئے جہاں وہ لاش ایک طرف ڈال دی گئی۔ برکت نے وہ لاش پھر مٹا کر دی تھی۔  
 ”اب وہ لوگ ڈیوٹی دیتے ہیں۔ یہاں سے لاش اس عجیب گھر میں جوتوں کے لیے لایا گیا ہے۔ پہلے لاش دکھائی دیتی ہے۔ گویا اس نے آدنی نہیں پھر قاتل غائب ہو جاتا ہے۔ قاتل کے بدل لاش بھی غائب ہو جاتی ہے۔“

”کیا یہاں لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ اس عجیب گھر میں ایک تہ خانہ بھی ہے۔“ دلراج نے پوچھا۔  
 ”نہیں ان کے ذہن میں یہ بات نہیں جلتی۔“  
 ”ہر برکت نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ پورے ملک میں صرف میں ہی اس راز سے واقف ہوں۔ اور اب تم بھی جان گئے ہو۔“

دلراج نے شبلیک لاش کی طرف دیکھا۔ اس کے جسم سے لپکنے والا خون اس کے لباس پر پھرنے لگا تھا۔ اس کی لاش میں اب آڑن پیدا ہوئی تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ زندگی سے بھرپور حرکت تھی جس نے ہزاروں خواب دکھ کر رکھے تھے۔ اور اب ان خوابوں کی تعبیر اس سے ہمیشہ کے لئے تم ہوئی تھی۔ بلکہ وہ خود بھی تم جتنی تھی۔ ایسی بوجھ چاہی تھی جہاں سے وہی کا کوئی راز نہ نہیں تھا۔  
 ”آؤ یہاں سے الگ ہٹ کر بیٹھو۔ میں اب برکت نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ لاش کو دیکھ دیکھ کر عیث شان ہوتے رہا کرتے۔“

دلراج نے کچھ نہیں کہا۔ وہ ایک نظر شبلیک لاش کی طرف دیکھ کر برکت کے ساتھ بولیا۔ وہ دونوں لاش سے کچھ فاصلے پر آ گئے۔ ایک دیوار کے پاس پہنچ کر برکت اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ دلراج اس کے سامنے کھڑا رہا تھا۔ وہ ایک تنگ اس شخص کو اپنی طرح سمجھ نہیں پایا تھا۔ ہر برکت نے ایک تنگ اپنی نقاب نہیں اتاری تھی۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دلراج کو اپنا بھروسہ دکھانا نہیں چاہتا۔  
 ”تم بھی بیٹھ جاؤ۔ کھڑے ہوئے کیوں ہو۔“ ہر برکت نے دلراج سے کہا۔ اس طرح تو جھک جاؤ گے۔“  
 دلراج اس کے سامنے بیٹھ گیا۔  
 ”تم نے یہ کیسے دعویٰ کیا کہ اس تہ خانے کے راز

سے صرف تم ہی واقف ہو؟ دلراج نے کچھ دیر بعد دریافت کیا۔  
 ”برکت! ہنس پڑا وہ بدتم بھیگ اس سے میں الجھے ہوئے، ہوا ایسا لگتا ہے جیسے تم اپنے پیچھے جانے سے خوف دہا ہو رہے ہو، کیوں اگر ایسی بات کہتی تو اس بچاری کو قتل کیوں کیا۔ لیکن بے تمہیں اس سے محبت بھی تھی۔ اور جنت میں گولی مارنے والا شخص میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔“

”تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟ دلراج جھٹکا کر لولا۔ میں تمہیں نہیں بتا سکتا کہ ہم دونوں کے درمیان کبسا رشتہ تھا اس کے علاوہ اگر تم نہیں دیکھ سکتے تھے تو ہمیں بیوقوف ہو گا کہ میں نے اسے کس طرح مارا تھا۔ لیکن مجبور ہو گیا تھا۔ اگر میں اسے نہ مارتا تو وہ مجھے ہلاک کر دیتی۔ میں نے اپنی زندگی بچانے کے لئے اس کو ہلاک کیا ہے۔“

”ہاں یہ میں دیکھ چکا ہوں، برکت نے تمہارا دل اس سے بہت کچھ ثابت ہوئی ہے کہ انسان کو اصل جنت اپنے آپ سے ہوتی ہے۔ اس کی اپنی زندگی برفزار رہی چلی ہے اور یہی منبت رعب ہے۔ دوسروں کی خاطر زندگی قربان کرنے والے ہمارا روح کے مالک ہوتے ہیں۔ میرا تو یہی اندازہ ہے۔“

”تم آدی تو بڑے سے لکھے معلوم ہوتے ہو، ہر حکم چور کس طرح بن گئے؟“

”حالات میرے بھائی، برکت نے ایک ٹھری سانس لی۔ حالات جن کے تحت تم نے اپنی غیور کو گولی مار دی جس کی وجہ سے تم اس دولت کو چرائے آگئے جو ملک جیسے ہی غائب ہو گئی۔“

”کیا تم اس بات سے واقف ہو؟ دلراج نے ہاتھ اٹھا کر نہیں معلوم ہے کہ ہم لوگ یہاں کیوں آئے تھے؟“

”ظاہر ہے تم دونوں اس وقت بیوزیم کی سہر کرنے تو نہیں آئے ہو گئے۔ میں اس وقت ہل ہی میں موجود تھا۔ میں نے تمہیں ایک کمرے میں چھپتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پھر میرے دل میں بھی تجسس پیدا ہو گیا۔ میں بہ دیکھا جانتا تھا کہ تم لوگوں کے ارادے کیا ہیں۔ میں نے تمہیں لے کر تمہیں کوئی اس بیوزیم سے کوئی قیمتی چیز دینا دیکھا ہے۔ تم لوگوں کی مگرانی شروع کر دی۔ میرا

قصد والا ڈرامہ پیش آیا۔ تمہاری ساتھی لڑکی نے دولت لکھنے کے لئے اس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ پھر تمہیں بتا کر اس کے اندر کھینچی نہیں ہے۔ جب تم نے خود اس شخص کے اندر دیکھا جانتا تھا تو اس نے تم پر ہتھول لگال لیا۔ دولت کے لئے بے قیاد ہو رہی تھی۔ پھر تم نے اسے گولی مار دی یا وہ تمہارے ہاتھ سے مر گئی۔ پھر حال اس کے بعد جب تم نے اس شخص میں ہاتھ ڈالا تو اس کے اندر کچھ بھی نہیں تھا۔ یہی سب ہوتا رہا ہے۔ نا۔“

”ہاں، اور میں اس بات، ہر جہان ہوں کہ اس نے کہا کیوں کیا۔ جب اس شخص کے اندر کچھ بھی نہیں تھا تو اسے اتنا بھرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اس شخص کے اندر کچھ نہیں تھا؟ برکت نے کہا۔ اس کے اندر اتنی دولت تھی جس کا نام فقر بھی نہیں کر سکتے۔“

”کیا؟ دلراج نے جہان سے اس کی طرف دیکھا۔“

”کیسے ہو سکتا ہے میں نے خود اس شخص میں دیکھا تھا اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔“

”اس میں کچھ بھی تھا۔ وہ اس دوران لگال لیا گیا تھا جس وقت تم ٹہل کے ساتھ لکھے ہوئے تھے۔“

”کیا ایک رہے ہو؟ دلراج جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہو کہ تم کہتے ہو۔“

”نہیں، نہیں، برکت نے جلدی سے اپنا ہاتھ ہلا دیا۔ نہیں، تم غلط سمجھ رہے ہو، میں نے وہ دولت نہیں لے لی بلکہ وہ کوئی اور آدمی تھا جس نے وہ رقم لگائی تھی۔“

”کیا؟ دلراج کی جہان پر صحت جاری تھی کہ کیا تمہاں چلتے ہو کہ اس وقت ہل میں میرے اور شیلکے علاوہ بھی کوئی اور موجود تھا۔“

”ہاں، وہ ایک نقاب پوش تھا، میری طرح۔ اس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ میں مسلسل اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ وہ تم لوگوں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تم اور شیلکے جب اس شخص کی طرف گئے تو اس وقت بھی وہ تمہارے قریب ہی موجود تھا۔ وہ اس دوران مختلف جگہوں کے عقب میں چھپا رہا تھا۔ اسی لئے تمہاری اسے نہیں دیکھ پائے تھے۔ جب تمہاری ساتھی لڑکی نے یہ کہا کہ اب شخص کے اندر کچھ نہیں ہے تو وہ بے

اختیار دو قدم آگے بڑھا آیا تھا۔ پھر جلدی سے آدیں چھپ گیا۔ پھر جب تم دونوں ایک طرف گئے تو وہ خود آگے بڑھا اور اس نے شخص کے اندر چھپائی دولت لگال لی اس کے بعد وہ دھڑکا ہوا سی کمرے میں چلا گیا جس کمرے میں پہلے تم دونوں چھپے ہوئے تھے۔“

”اوہ؟ دلراج نے ایک ٹھری سانس لی۔“ تو وہ دروازہ اسی لئے بند تھا لیکن اس دروازے کو توڑ کر بھی دیکھ لیا گیا تھا۔ اس کے اندر تو کوئی بھی نہیں تھا۔“

”یہ لوگ بھی اول درجے کے بے وقوف واقع ہوئے ہیں۔ برکت نے کہا۔ تمہیں تو خود اس کمرے کے بلے میں معلوم ہونا چاہیئے۔ اس کمرے میں ایک بڑی کڑی ہے جس کے اوپر وہ دروازہ بنا ہے۔ شاید تم نے اس پر فخر کو ہمارے میں دیکھا ہو گا۔ کڑی کوئی ہوتی ہے۔ اور اس کے باہر بیوزیم کا گیارہ ہے۔ وہ شخص ای بھڑک لے ذہینے باہر چلا گیا تھا۔ اور یہ بے وقوف اسے ہل میں تلاش کرتے رہ گئے۔“

دلراج پہلو بدل کر رہ گیا۔ برکت نے ایک عجیب بھائی بنا دی تھی۔ وہ کون تھا جو اس ساری دولت کو لٹا لے گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ برکت کی بات پر یقین کیسے کیا کرے۔ ایک بات یہ بھی کہ برکت نے اس شخص کو دولت کے کڑیوں نقل جانے دیا۔ وہ خود اس کے راستے میں کیوں نہیں آ گیا تھا۔“

”جب تم نے یہ دیکھا تھا کہ وہ شخص شخص سے دولت لگال کر لے رہا ہے تو پھر تم نے اسے روکنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“

”اس نے بلو چھ لیا۔“

”سہجی بات ہے کہ وہ شخص خالی ہاتھ نہیں تھا۔“

برکت نے بتایا اس کے پاس ایک طاقتور لڑکا اور تھا اس کے علاوہ تمہارے پاس بھی ایک عدد پستول تھا۔ تم دونوں ہی دولت کے لئے پاگل ہو رہے تھے۔ اگر میں راستے میں آ جاتا تو تم مجھے زندہ نہیں رہنے دیتے اس کے علاوہ میں نے بھی جانتا تھا کہ وہ چاہے جو بھی ہو یہاں سے نکل نہیں سکتا۔“

”وہ کیوں؟ دلراج نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔“

”ایسا لگتا ہے جیسے تم لوگ لڑکھی وضع منہوہ بندی کے بیوزیم میں چلے آئے تھے۔ برکت نے کہا۔“

خلائق کا مایاب وارث کے لئے ضروری ہے کہ برکت پہلے سے معلوم کر لی جائے۔ شاید تمہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس رات دس بجے کے بعد اس بیوزیم میں کون کون کی بھڑی ایک فوج گشت کرتی رہتی ہے۔ یہ کتنے ذرا سی دہریس کسی اجنبی کو پھانسی دیتے ہیں۔ اس لئے میں جانتا تھا کہ وہ بے جا رہ دولت لے کر ہال سے تو باہر چلا گیا ہے لیکن اس اعلیٰ سے باہر نہیں جاسکے گا۔“

”اس کے باوجود وہ غائب ہو گیا کیوں؟ دلراج نے تلی سے پوچھا۔“

”اس سے دو باتیں سامنے آتی ہیں۔ یا تو اس نے کتوں کو مدھوش اور بے خود کرنے کے لئے کوئی دوا یا گیس وغیرہ استعمال کی ہے۔ آج کل ایسی چیزیں عام طور پر ہر محل جاتی ہیں۔ یا پھر اس شخص کا تعلق اسی بیوزیم سے ہے اور کتنے اس سے ایسی طرح واقف ہیں۔ اسی لئے انہوں نے کوئی بریکر نہیں کیا۔“

”اوہ؟ دلراج کسکا کر رہ گیا؟ تم واقعی ایک ذہین آدمی ہو برکت۔ بالکل صحیح نتیجہ پر پہنچے ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی۔“

”اس نے تم کو گھراؤ نہیں اگر اس کا تعلق اسی بیوزیم سے ہے تو پھر وہ مجھ سے بچ کر نہیں جاسکتا۔ میں نے اسی لئے تم سے کہا تھا کہ میں وہ دولت تمہیں دلا دوں گا۔ تم جس کی تلاش میں یہاں تک آئے ہو، میں اسی مزاح کا آدمی ہوں۔ بچپن ہی سے مل بانٹ کر کھاتا چلا آیا ہوں۔“

”لیکن تم نے اسے بابے میں کچھ نہیں بتایا۔ تم کون ہو؟ تم نے اس بیوزیم ہم میں رہائش کیوں اختیار کر رکھی ہے۔“

”میں جو کچھ بتاؤں گا کیا تم اس پر یقین کر لو گے؟“

برکت نے پوچھا۔

”کیوں نہیں؟ اب تو میں تم پر پھر سوہ کرنے لگا ہوں۔ دلراج نے کہا۔ تم نے جس انداز سے میری مدد کی ہے۔ وہ قابل تعریف ہے۔“

”تو پھر یہ سمجھ لو کہ بیوزیم ہم رہا ہے۔ میں اس کا مالک ہوں۔“





درج کے ہونٹوں ہر ایک بیب غریب کی مسکرت  
پھیل گئی۔  
متم شایا اس لئے مسکرت ہے ہو کر تہیں میری بات ہر  
یقین نہیں کیا اس نقاب پوش برکت نے کہا ویسے یہ  
ہے بھی مذاق ادا نے والی بات بھلا کون یقین کر سکتا ہے  
کہ کوئی سرکاری میز پر بھی کسی کی ملکیت ہو سکتا ہے لیکن  
میں نہیں یہ بتا دوں گا اس میں جھوٹ نہیں ہے اور نہ  
ہی میرا دماغ خراب ہوا ہے۔ یہ میز پریم وافی میرا ہے  
میں وافی تمہاری بات نہیں سمجھا گا اوں؟ درلاراج  
اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا صاف صاف بتا دو تو تمہاری  
جہرانی ہوئی؟  
مکالمے نے بھی اودھ کے نواب کرامت شاہ کے بارے  
میں کچھ سنا ہے۔ برکت نے پوچھا۔  
مشرافیہ میں نے یہ نام سن رکھا ہے؟ درلاراج نے جواب  
دیا۔ لیکن کس حوالے سے سنا ہے۔ یہ یاد نہیں کر رہا ہے  
"نواب کرامت شاہ ایک ایسے آدمی تھے جنہیں  
نوادرات جمع کرنے کا شوق رہا ہے۔ برکت سنے بتایا۔ اوں  
نے اپنی دولت اور اپنی زندگی اسی مقصد کے لئے وقف  
کر دی تھی۔ شروع شروع میں ان کے نوادرات کا ذخیرہ  
بہت مختصر تھا۔ ایک کمرے میں سماسکتا تھا لیکن وقت  
گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ نواب  
کرامت شاہ نے نہ جانے کہاں کہاں سے اور کتنی دولت  
خرچ کر کے ایسی چیزیں جمع کر لیں جو پورے ہندوستان  
میں ان کے علاوہ اور کسی کے پاس نہیں تھیں۔ اس  
وقت وہ لکھنؤ سے کچھ فاصلے پر ایک جوتی میں رہتے  
تھے۔ اور وہ ایسی جگہ جہاں کے شوق کو سرنے والا  
کوئی نہیں تھا۔ ان کی خواہش تھی کہ وہ بھی میں کوئی بڑا شغل  
تعمیر کر کے اس میں بہ چیزیں رکھوا دیں تاکہ دنیا بھر کے  
سیاح یہاں آئیں اور ان نوادرات کو دیکھ کر ان کے ذوق  
اور پسند کی داد دیں۔ تم اسے ایک تم کا خط بھیج سکتے  
ہو لیکن یہ ان کا شوق تھا۔ اور اس شوق کی خاطر سب کچھ  
کرتے کو تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن اب ان کے پاس اتنی دولت  
نہیں تھی کہ وہ اپنے شوق کی تکمیل کے لئے اس قسم کی کوئی  
عمارت تعمیر کر سکتے؟

پھر ان کے ذہن میں ایک نگرہب آئی اور انھوں نے  
اپنے بے شمار نوادرات میں سے ایک حصہ فروخت  
کر دیا۔ اس کی فروخت سے اتنی رقم حاصل ہوئی کہ انھوں  
نے یہ عمارت تعمیر کروائی۔ پہلے اس کا نام شاہ محل تھا۔  
لیکن اب میز پریم کر دیا گیا ہے۔ برکت اتنا کہہ کر خاموش  
ہو گیا۔  
جلو یہ سب مبالغہ کیا؟ درلاراج نے کہا لیکن یہ سمجھ  
میں نہیں آیا کہ تمہارا اس عمارت سے کیا تعلق؟  
"مجھے آدمی کرامت شاہ میرے والد تھے۔ برکت  
نے بتایا۔ اب تو مجھ میں آگیا ہو گا کہ میز پریم میرا اس  
طرح ہے؟  
"اوہ؟ درلاراج نے اپنے ہونٹ مسکاتے ہوئے "اگر تم کرامت  
شاہ کے بیٹے ہو تو پھر تمہاری حالت اتنی خستہ کیوں ہو  
رہی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ تم براہ راست اپنی چیزوں  
کی دہائی کا مطالبہ کیوں نہیں کرتے۔ تم مطالبہ کر کے دیکھو  
ہو سکتے ہو کہ حکومت تمہاری بات مان جائے؟  
"تم بھی ایسی باتیں کہتے ہو جن چیزوں کو حکومت  
اپنی قویل میں لے لے وہ واپس کہاں ہوتی ہیں۔ یہ تو  
مجھ کی عمر کا مضبوط ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے والد  
کی جمع کی ہوئی چیزیں فوری ورڈ قرار دی جا چکی ہیں۔ لہذا  
ان کی واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ  
تم اب یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ مجھے اس تہ خانے کا علم  
کس طرح ہوا ہے۔ میں اس محل کی تعمیر کے وقت تو نہیں  
تھا۔ لیکن والد مرحوم نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا۔ انہوں  
نے یہ تہ خانے اس لئے تعمیر کروائے تھے کہ زیادہ قیمتی  
چیزیں اس میں رکھی جائیں لیکن اب ہچکا اور والد صاحب  
نے اس کے راز سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ سوائے میرے  
اور ان کاربندوں کے اس کارا کوئی نہیں جانتا اور وہ  
کاربند بھی اب مر کھ گئے ہوں گے؟  
"ہوں پھر درلاراج نے ایک گہری سانس لی۔ لیکن تم اپنی  
اس گفتگو کا کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو؟  
"ایک دو نہیں۔ ہزاروں حکومت کی دستاویزات  
تصاویر و دیگر لوگوں کی شہادتیں۔ یہ سب ثابت کر دیں گی کہ  
یہ عمارت میرے والد مرحوم نے تعمیر کروائی تھی۔ اور میں ان  
کی کلونی اولاد ہوں۔ والد صاحب کے ساتھ میری کمی نہیں  
ہیں۔ اس کے علاوہ ہزاروں لوگ گواہی کیلئے موجود ہیں؟  
"مجھے یقین آگیا؟ درلاراج نے اپنی گردن ہلاتی لیکن  
بھائی؟ تمہارا یہ نام کیسا ہے۔ برکت میں نے نوٹ کیا ہے کہ  
نوابوں کے نام پورے بارہ ہوا کرتے ہیں؟  
برکت ہنس پڑا۔ میرے دوست میرا نام بھی بہت

بارہ ہے یعنی معظم علی۔ لیکن ہمارے یہاں شتون کے  
طرح ہر گز کچھ نام رکھے جاتے ہیں۔ تو یہ برکت میرا شتون  
کا نام ہے۔ والدین کا خیال تھا کہ میری پیدائش کے بعد  
میرے والد کی جائداد و روایات میں برکت ہوگی۔ لیکن  
ہوا یہ کہ سب کچھ سرکاری نذر ہو گیا۔ اب اگر تم چاہو تو مجھے  
معظم علی بھی کہہ سکتے ہو؟  
"نہیں نہیں۔ یہ برکت ہی ٹھیک ہے؟ درلاراج نے  
جلدی سے کہا۔ میرا خیال ہے کہ اب تم اپنے چہرے سے  
یہ نقاب ہٹاؤ۔ وہم دووں ایک دوسرے بد اعتماد  
کرتے لگے ہیں؟  
"اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو ٹھیک ہے ہمارا تباہیوں برکت  
نے اپنے چہرے سے نقاب اتار کر ایک طرف پھیل دیا  
درلاراج حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ وہ  
ایک خوبصورت آدمی تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی مگر  
وسفیر رنگ۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ بھرا واسر و دل جسم وہ  
وافقی کوئی نواب ہی معلوم ہوتا تھا۔ درلاراج نے محسوس کیا  
کہ وہ اس شخص سے مرعوب ہوتا جا رہا ہے۔  
"نواب تمہارا کیا ارادہ ہے؟ درلاراج نے برکت سے  
پوچھا۔ میرا مطلب ہے کہ تم نے ان چیزوں کو حاصل کرنے  
کے لئے کچھ سوچا ہے یا حکومت کی کسی ہاس رہنے  
دو گے؟  
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا؟ برکت نے اپنی گردن ہلاتی  
ان چیزوں پر میرا حق ہے۔ اور یہ میرے پاس آئیں گی میں  
اس عمارت کو اختیار کروں گا۔ لیکن یہاں  
رکھی ہوئی چیزیں ادھر سے ادھر کی جا سکتی ہیں۔ اور میں  
نے ان کو محفوظ رکھنے لگانے کا بندوبست بھی کر دیا ہے۔  
میرا خیال ہے کہ شاید پوری دنیا میں یہ پہلا واقعہ ہوگا  
کہ پورے کابو اور میز پریم غائب ہو گیا ہو۔  
مکالمہ مطلب؟ درلاراج نے چونک کر پوچھا۔ کیا تم  
اس پوری عمارت کو خالی کر دینا چاہتے ہو؟  
"ہاں؟ برکت نے جواب دیا۔ لیکن آہستہ آہستہ ایک  
ساتھ نہیں درنہ نگار کھڑا ہو جائے گا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ  
کہ اس پر میرا حق ہے یا نہیں؟  
"اگر تمہاری بھائی درست ہے تو پھر واقعی یہ سب کچھ  
تمہاری ہے؟ درلاراج نے کہا۔ لیکن میری دولت کس طرح  
واپس دلاؤاؤ گے؟ یہ تو بتاؤ؟  
"میں نے بھاننا کہ اس مجھے سے تمہاری دولت چرا

کے لئے جانے والا ایک ایسا شخص ہے جسے یہاں کے  
مافوق تہمت ابھی طرح پہچانتے ہیں۔ اور میں جانتا  
ہوں کہ رات کے وقت کون یہاں آسکتا ہے۔ چنانچہ  
میرے لئے اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل نہیں ہے۔ ویسے اگر  
تم کوئی حرج نہ سمجھو تو مجھے یہ بتا دو کہ اس مجھے میں کتنی؟  
دولت تھی؟  
"کہا کرو گے پوچھ کر؟  
"کچھ نہیں۔ کم از کم اندازہ ہو جائے گا کہ تمہاری بھال  
دوڑ جائے گی یا نہیں۔ یا صرف ایک معمولی رقم کے لئے  
تم نے یہ سب کچھ کیا ہے؟  
"اس کے اندر تقریباً دو کروڑ کا اثاثہ تھا؟ درلاراج  
نے بتایا۔  
"کہا؟ برکت ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ کیا تم میرے  
ہو۔ دو کروڑ؟  
"ہاں۔ نقد رقم کے علاوہ سونے کے بیش قیمت  
زینوارات اور دوسرے جواہرات بھی تھے۔  
"خدا کا ہناہ۔ تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟ برکت  
اضطراب کے عالم میں تھلنے لگا۔ پھر اس نے درلاراج کو  
دیکھا۔ کاش اگر مجھے پہلے سے معلوم ہو جانا کہ اس  
مجھے کے اندر اتنی دولت چھپی ہوئی ہے تو میں اب تک  
اس مجھے ہی کو غائب کر چکا ہوتا لیکن اب۔ اب میں کچھ  
نہیں کر سکتا۔ میں ایک اصول پسند آدمی ہوں میں نہیں  
چاہتا کہ میں تمہاری دولت کو ختم کر جاؤں۔ اب تم آؤ  
میرے ساتھ۔ ورنہ وہ آدمی ہمارے ہاتھ سے لٹل جائے  
گا۔ اتنی دولت پا کر کوئی ہمارے اشتیاق میں بیٹھا نہیں  
رہ سکتا؟  
درلاراج نے کچھ چپنے کی کوشش کی۔ لیکن برکت کے  
تور ایسے ہو رہے تھے جیسے وہ کچھ سننے کے موڈ میں  
نہیں ہو۔ اس نے ایک طرف گرا ہوا پستول بھی اٹھا کر  
اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ وہ بہت ہی جلد بازی کا مظاہرہ  
کر رہا تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دولت دیر تو نہ برباد  
درلاراج کے ہاتھ سے نکل سکتی تھی۔  
برکت اسے ان کی سرچشموں پر ہلے آیا جہاں وہ پھر  
یہ رہا تھا۔ جس کو دبانے سے تہر خانے سے باہر جانے کا  
راستہ نمودار ہو جاتا تھا۔ درلاراج اس بار بھی یہ نہیں دیکھ سکا  
تھا کہ برکت نے دلواری کے کسی حصے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اس پہلے  
کی طرح اس بار بھی ایک راستہ نمودار ہو گیا تھا۔ وہ دونوں  
اس راستے کے ذریعے ہل میں آ گئے۔ وہ دیوار پہلی کی

طرح اپنی جگہ پر لگئی۔ وہ راستہ غائب ہو چکا تھا۔  
 ہاں میں خاموشی تھی کوئی فی فظ بھی دکھائی نہیں  
 دے رہا تھا۔ برکت نے دراج کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ وہ دونوں  
 ہستہ ہستہ دواڑے کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک  
 اس سال میں کسی کی آواز گونج اٹھی۔  
 ”خبردار۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا تم جہاں پہلو  
 میں کھڑے رہو۔“

داوڑ کی آہنی گرفت سے تربانی کی آنکھیں باہر اٹھیں  
 زبان لنگ لنگی تھی اس کی سانسیں ٹھٹھکی تھیں۔  
 ”میرا خیال ہے کہ چھوڑ دو اس کو کرشن پرشاد نے  
 سے کہا۔  
 نہیں۔ اس کا مرجانا بہتر ہے۔ یہ ایسا شخص ہے  
 جس نے ڈاکٹروں کے نسخے کو پامال کیا ہے۔ اس  
 نے ایک خوبی بھی دیکھنے کو محفوظ دے کر نہ جانے کتنے ہی  
 لوگوں کو مر یاد کر دیا ہے۔ یہ بھی اس کا ہی موت سے کم  
 سزا کا مستحق نہیں ہے۔  
 ”داوڑ ٹھیک کہتا ہے یعنی بھی بول بڑی۔ ایسے ہیل  
 لوگوں کا مرجانا ہی بہتر ہے۔“

داوڑ نے تربانی کی گردن پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈھکا  
 دیا۔ ایک لمحہ تربانی بھڑکنے لگا۔ پھر دوسرے لمحے اس  
 کی آنکھیں اور ناک سے خون بہنے لگا۔ اس کی گردن  
 ٹوٹ چکی تھی۔ اس نے اس وقت اپنا چہرہ دوسری طرف  
 کر لیا تھا۔  
 داوڑ نے تربانی کے لیے جان جسم کو ایک طرف پھینک  
 دیا۔ اور ہاتھ بھڑاتا ہوا بھڑکیا۔ کچھ دیر پہلے اس کے  
 چہرے پر ٹھیکسی ہوئی دردنگی کے آثار کی علامت ختم ہو چکی  
 تھی اب وہ پرسکون ہو گیا تھا۔ جیسے طوفان گزر جانے  
 کے بعد ساحل پرسکون ہو جاتا ہے۔

”اب ہمیں ہمارے بھائی کے پاس چلنا چاہیے“  
 داوڑ نے کرشن پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں  
 یہی سلوک اس کے ساتھ کروں تو تمہیں برا تو نہیں  
 محسوس ہوگا؟“  
 ”ہرگز نہیں کرشن پرشاد نے اپنے ہونٹ ہنسنے لگے  
 چاہے وہ میرا بھائی ہو یا کوئی اور۔ ایسے وحشی انسان کا  
 جاننا ہی بہتر ہے۔“  
 ”تو پھر چلتے ہیں اس کی طرف؟“

”وہ سب تربانی کی لاش وہیں چھوڑ کر جاؤ گے۔ ہر دفعہ سچا پہل  
 نے دیکھ کر کیا تھا اور کیا تمام برائی موت واضح ہوئی تھی اس نے جو  
 خوبصورت کین بنایا تھا۔ اسی میں اس کی لاش بڑی ہوئی  
 تھی۔ اس نے اپنی زندگی کے لیے بنائے کی سوجھ بوجھ  
 وہ ایک طاقتور آدمی تھا۔ معاشرے میں اسے عزت حاصل  
 تھی۔ لیکن اسے ایک کمزور اور بے بسی کی موت مل گئی تھی  
 موت اور زندگی اسی انداز سے ایک دوسرے کے پہلو  
 ہو پہلو چلتے رہتے ہیں۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کس وقت  
 کس پر موت غالب آجائے۔“

وہ لوگ چلتے ہوئے اس گاڑی تک آگئے جو انہوں  
 نے پہاڑی کی دوسری طرف کھڑی کی تھی۔ اس دوران  
 اس طرح خاموشی تھی جیسے یوں انہوں نے  
 کیا بات ہے؟ داوڑ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 بولوچھا ”کیا اس کی موت کا منظر تمہارے لئے ناقابل برداشت  
 تھا؟“  
 ”ہاں،“ تھی نے اپنے سر کو جھٹکا دیا۔ ”وہ منظر تو اپنی جگہ  
 واقعی وحشت ناک تھا۔ لیکن مجھے ایک اور خیال بھی  
 پریشان کر رہا ہے۔“

”میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم کیسے آدمی ہو؟ تھی نے  
 کہا۔ کبھی تم اتنے وحشی اور دندہ مند دکھائی دیتے ہو کہ تمہاری  
 طرف دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اور کبھی تم اتنے مہربان  
 اور نرم دل بن جاتے ہو کہ جس کی مثال میں مل سکتی  
 تھی نے تم کس مزاج کے؟ تھی نے۔ ”خمسو کیسا ہے تم  
 نے میرے سامنے دو آدمیوں کو ہلاک کیا ہے۔ یعنی گینش  
 اور تربانی کو۔ اور ان دونوں کو تم نے اس آسانی سے مار  
 ڈالا جسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ اتنے خطرناک عمل کے بعد  
 تم پھر پرسکون ہو جاتے ہو۔“

”یہ سب میرے حالات نے مجھے سکھایا ہے۔“ داوڑ  
 نے جواب دیا۔ ”میں اگر مرموم بنا دوں تو زندگی میں شاید  
 کچھ بھی نہ کر سکوں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمارے ارد گرد بھوکے  
 بھیڑیوں کے خول منڈلا رہے ہیں۔ وہ تمہیں کھا جانا  
 چاہتے ہیں۔ اور ان سے نجات کا ان سے محفوظ رہنے کا  
 صرف یہی طریقہ ہے کہ خود ان سے زیادہ خوفناک بن جاؤ  
 اگر ذرا بھی نرمی اختیار کی تو پھر پھینے پھاڑ کر کھد دیں گے  
 اسی طرح میں نے اپنی تربیت کی ہے۔ ورنہ اب تک  
 بچی نے کس کام چکا ہوتا؟“

تھی نے کچھ نہیں کہا۔ اس دوران وہ لوگ اس  
 گاڑی کے پاس پہنچ چکے تھے۔ پہلے کی طرح کرشن پرشاد  
 نے ڈرائیونگ سیٹ پر بٹھل لی جبکہ یہ دونوں کھلی آفتاب  
 پر بیٹھ گئے۔ کرشن پرشاد اب بائیں خانوں میں تھا۔ وہ اپنے  
 جس شہر کو ڈھکے کے لئے یہاں تک آیا تھا وہ وہ  
 ہو چکا تھا۔ تربانی کے اقدار کے بعد یہ بات ثابت ہوئی  
 تھی کہ اس کا اپنا بھائی ہی کافی موت بنا ہوا تھا۔ شاید ہی  
 نے کرشن پرشاد نے چپ سا دھڑکی تھی۔

گاڑی اب اسی ویران راستے پر سفر کر رہی تھی جہاں  
 سے یہ پہلے ہوئے تھے۔ اس بار بھی اس مکان سے کچھ  
 فاصلے پر گاڑی روک دی گئی۔ کرشن پرشاد نے داوڑ اور  
 تھی کو اشارہ کیا اور وہ دونوں بھی گاڑی سے نیچے آ گئے۔  
 ابھی وہ لوگ گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑے کہ ایک  
 آدمی نکل کر ان کے سامنے آ گیا۔ وہ مسخ تھا۔ اس کے  
 ہاتھ میں ایک سپتول دیا ہوا تھا۔ لیکن کرشن پرشاد کو  
 دیکھتے ہی اس کے تپو بول بدل گئے۔ اس نے جلدی سے  
 اپنا ہاتھ اپنی عیب میں رکھ لیا۔

”مالک آپ؟“ اس نے گڑبڑا کر بولوچھا۔ آپ اس  
 وقت کیسے چلے آئے۔؟  
 ”کہیں میرے آنے پر کوئی پابندی ہے کیا؟ کرشن  
 پرشاد نے اسے گھورا۔  
 ”نہیں تو مگر؟“ اس نے اپنی گردن جھکالی۔ میں  
 تو بس یوں ہی جگمگا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ تمہیں کھوف رہو۔ ہم لوگ آگے جا رہے  
 ہیں۔ اور یہاں جب تک میں نہ کہوں کسی کو اس طرف آنے  
 کی اجازت نہیں ہے۔“  
 ”بالکل ایسا ہی ہو گا مگر؟“ وہ جلدی سے بولا۔  
 ”جبال جو کوئی پرندہ بھی مجھ پر مارے۔“  
 کرشن پرشاد نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ داوڑ  
 تھی بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔  
 ”میرا خیال ہے کہ رام پرشاد نے اس شخص کو بھی اپنے  
 ساتھ ملا لیا ہے۔ یہ کرشن پرشاد نے ان دونوں کی طرف  
 دیکھتے ہوئے بتایا۔ پہلے یہ میرا اقدار تھا۔ پھر میں نے  
 رام پرشاد کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لئے اس کو یہاں  
 منتقل کر دیا تھا۔ لیکن ہر ان بڑی تیزی سے جڑ چڑھتی ہے  
 اب یہ شخص رام پرشاد کا راز دار معلوم ہونے لگا ہے۔“

”اگر تم کو اس کا بھی پتہ صاف کر دیا جائے۔“ داوڑ  
 نے کہا۔ ”ایسے لوگوں کو زندہ رکھنا حماقت ہے۔“  
 ”تم تو بد ہر وقت لڑنے مرنے کی بات کہتے رہتے  
 ہو؟ کرشن پرشاد مسکرایا۔ ”کچھ اس کے علاوہ بھی تو سوچو۔“  
 ”میرے پاس بس یہی ایک ترکہ ہے جو ہر موقع  
 پر استعمال کرتا ہوں۔“ داوڑ ہلنے ہوئے بولا۔

اس دوران وہ سب اس مکان کے قریب پہنچ  
 چکے تھے۔ یہ مکان بھی ایک ہر دفعہ مقام پر بنا گیا تھا۔ لیکن  
 یہ اتنا خوبصورت نہیں تھا۔ جتنا تربانی کا علاقہ تھا۔ وہ جیسے  
 جیسے اس مکان کے قریب ہوتے گئے۔ ویسے ویسے اس  
 میں زندگی کے آثار واضح ہونے لگے۔ بہت سے لوگ  
 چلتے پھرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

”یہاں تو پوری ایک فوج معلوم ہوئی ہے۔“ داوڑ  
 نے تبصرہ کیا۔ ”اگر تمہارے بھائی کو پال بھی جا رہا ہے۔  
 تو اتنے فوجوں کی کیا ضرورت ہے۔؟“  
 ”یہ میں خود نہیں سمجھ سکتا۔ کرشن پرشاد نے کہا۔ یہ  
 لوگ رام پرشاد ہی کے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

رام پرشاد کے آدمی ان تینوں کو دوسرے آتے ہوئے  
 دیکھ کر مکان کے سامنے منع ہونے لگے۔ لیکن جیسے جیسے  
 وہ لوگ اس مکان کے قریب ہونے لگے ویسے ویسے  
 انہوں نے کرشن پرشاد کو پہچان لیا۔ وہ سب ایک طرف  
 ہٹ کر ادب سے کھڑے ہو گئے۔

”کھا کر بی کھا میں۔؟“ کرشن پرشاد نے ایک آدمی  
 سے دریافت کیا۔  
 ”وہ ابھی اپنے کھڑے ہیں مالک؟“ اس نے جواب  
 دیا۔ ”اگر کہیں تو بلا لاؤں؟“

”ہاں بلا کر لے آؤ۔“ کرشن پرشاد نے کہا۔ پھر داوڑ کی  
 طرف دیکھا۔ ”گھبراؤ نہیں، کھا کر کی کامکان زیادہ دوڑیں  
 اس مکان کے بائیں پیچھے ہے۔“  
 وہ تینوں پہلے ہوئے اس مکان سے کچھ فاصلے  
 پر آ گئے۔ کرشن پرشاد اس وقت کسی سوچ میں ڈوبا ہوا  
 معلوم ہو رہا تھا۔  
 ”کیا تمہارا بھائی رام پرشاد مکان میں ہے؟“ داوڑ  
 نے بولوچھا۔

”ہاں اتنے آدمیوں کی موجودگی کا مقصد ہی یہی ہے کہ  
 وہ اس وقت مکان میں موجود ہے۔“ کرشن پرشاد نے

کہا: "وہی بھی عام طور پر وہ اپنی کارروائی کے لئے رات کو نکلا کرتا ہے۔ سب لوگ گرچہ رام پرشاد ہی کے آدمی ہیں لیکن مجھے بھی ابھی طرح پہچانتے ہیں۔ اب تم یہ سن کر آ رہے ہو کہ اس کی دماغی حالت بالکل درست ہے لیکن اسے میرے آنے کی خبر مل چکی ہوگی۔ اس نے جب ہم اس کے پاس پہنچیں گے تو وہ پاکوں کی طرح اچھل کود کر رہا ہوگا۔" مجھے تو اس کا سامنا کرنے کے خیال سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ مگر نے کہا: "وہ انسان نہیں درندہ ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ وہ واقعی درندہ ہے۔ کاش مجھے اس درندے کے بارے میں پہلے سے علم ہو جاتا۔ خبر لیجی۔ وقت نہیں گزر رہا ہے۔"

"یہ ٹھیک کہی گئی ہے۔ ڈاؤرنے بلو جھا۔" یہ بھی ہماری آدمی ہے۔ کرشن پرشاد نے بتا دیا ہے۔ نے اسے یہاں متعین کر دیا ہے۔ تاکہ وہ رام پرشاد کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ اس کی دوا اور علاج کا خیال رکھے۔ لیکن ایسا لگتا ہے جیسے سب کے سب اس کے ہاتھوں فروخت ہو چکے ہیں۔ نہ جانے اس نے کون سا جادو کر دیا ہے۔"

"یہ دولت کا جادو ہے۔ راجا صاحب ء داؤرنے کہا ہے جس پر چل جائے۔ اس کی دنیا بدل جاتی ہے۔ تم صرف ان لوگوں کا الزام نہیں دے سکتے۔ میں نے اس جادو کے زور سے چٹان جیسے لوگوں کو موم کی طرح پگھلے ہوئے دیکھا ہے۔"

اس دوران ایک بوڑھا لیکن عیاں صورت آدمی ان کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی چمک تھی جیسے کوئی بلی اپنے شکار کو دیکھ رہی ہو۔ راجا کرشن پرشاد کے سامنے آکر اس نے اپنے دو لون باٹھ جوڑ دیئے۔ کہا: "کیا حال میں ٹھیک رہی؟" کرشن پرشاد نے دریافت کیا: "بالکل ٹھیک ہوں ہمارا۔" مگر نے اپنے دانت لگا کر دیکھے۔

"بھائی کا کیا حال ہے؟" "ان کا کیا حال ہے؟" مگر نے ایک ٹھہری سانس لی۔ "خود ہی چل کر دیکھ لیں۔ جہاں میں اپنے ساتھ لیتا آیا ہوں۔" اس مکان میں تیار کر رکھا جاتا ہے۔ کرشن پرشاد

نے ایک طنز پر سی مسکراہٹ سے کہا: "جیسے اس کے فرار ہو جانے کا خوف ہو۔" مگر نے مکان کا دروازہ کھول دیا اور سب اس مکان میں آ گئے۔ داور کو یہ دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی کہ اس دماغ نے میں بھی ہر قسم کی شہری سہولیات جتنی ہی مجھے۔ اس مکان میں سب کچھ مختصرہ فخر و ہیزہ قوانین اور خوبصورت فائوس اس علاقے میں گرچہ دور دور تک بجلی کے بجے نہیں تھے لیکن اس مکان میں بجلی کا انتظام مختصاً پاداس مکان کو جنرل کے ذریعے بجلی فراہم کی جاتی تھی۔

وہ لوگ جس کمرے میں داخل ہوئے وہ ایک بل مختار بہت بڑا۔ اس مال کو ڈرائنگ روم کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ وہ سب کرشن پرشاد کی معیت میں اس مال سے گزر کر ایک راہداری میں آ گئے۔ جس کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ سب سے آخر والا کمرہ رام پرشاد کا تھا۔ اس کمرے میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے پیچھے رام پرشاد کھڑا ہوا تھا۔

داؤرنے اس شخص کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ اتنی بیزاریجہ مشابہت انہوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اگر کرشن پرشاد ان کے ساتھ نہیں ہوتا تو داؤرنے کرشن پرشاد کی مجتہدہ وی جسم و لباس کی رنگ و لباسی چہرہ ویسی ہی آنکھیں سب کچھ ایک ہی جیسا لگتا تھا۔ جیسے کرشن پرشاد آگینے کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا ہو۔

"دیکھ لیا تم لوگوں نے؟" کرشن پرشاد داؤرنے سے مخاطب ہوا: "ہم دو لون بالکل ایک جیسے ہیں نا؟" "گمال ہے؟" مگر نے ایک ٹھہری سانس لی۔ میں نے اتنی مشابہت اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ ایسا لگتا ہے جیسے ایک دوسرے کو سامنے بیٹھا کر ایک دوسرے کی نقل ادا کر رہی ہو۔

نے کہا: "اور یہی تمہارا مظلومہ کالی موت ہے؟" کرشن پرشاد: "اسی وقت رام پرشاد نے اچھل کود شروع کر دی وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پوٹ رہا تھا۔ پتھر کر رہا تھا وہ بندروں کی طرح سلاخوں کو چھو رہا تھا۔ جیسے اس پر چوگ دوہہ پڑ رہی ہو۔"

"بند کرو یہ ڈرامہ؟" کرشن پرشاد چلا گیا۔ ہمیں تہناری حقیقت معلوم ہوئی ہے۔ تم باطل نہیں ہو۔ بلکہ تم نے

سب کو باطل بنا رکھا ہے۔" "میں اس کو کھڑی میں کیسے آکر بند ہو گیا؟" داؤرنے کرشن پرشاد سے پوچھا: "اسے کیسے معلوم ہوا کہ تم لوگ اس طرف آ رہے ہیں؟"

"میں سچی بات ہے؟" کرشن پرشاد نے غصے سے کہا: "اس کم بخت نے اپنے آدمیوں کو طاقتور دوہیں فراہم کر رکھی ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں دوسرے آئے ہوئے دیکھ لیا ہو گا۔ اور یہ اطلاع ملنے ہی پر بے رحم اور کدیہ شخص اس کو کھڑی میں آکر قید ہو گیا۔"

"اوہ اب مجھے؟" داؤرنے اپنی گردن ہلائی۔ گو باہر ہوش ادا کاری کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔"

"قلم ہے۔ اب دیکھو کس طرح اچھل کود رہا ہے غافل طور پر جب میں اس کے سامنے ہوتا ہوں تو اس کو اس طرح کے دور پٹنے لگتے ہیں۔" "تو کیا خیال ہے۔ اس کے اس ڈرامہ کو ختم کر دیا جاوے۔" داؤرنے پوچھا: "اسے باہر تو لٹاؤ تاکہ اس کی حقیقت سامنے آ سکے۔"

مگر نے اس دوران ایک طرف جا کر کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہیں رام پرشاد پر پڑی ہوئی تھیں۔ ان لگا ہوں ہیں غصے کی آگ دہک رہی تھی۔ اس نے بڑی غصہ اور غصے سے اپنے ہونٹوں کو میچ کر رکھا تھا۔

"ہوسکتا ہے کہ اس مکان میں سے اس کے خلاف ہمیں کچھ اور ثبوت بھی مل جائے؟" کرشن پرشاد نے کہا: "تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ یہی کالی موت ہے۔ اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اب تک ہمارے پاس صرف حیرانی کا بیان ہے اور وہ بھی مرچکا ہے اس کے علاوہ ہمیں پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ثبوت تلاش کرنے میں وقت ضائع کرنے کی کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" داؤرنے رام پرشاد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا: "تم مجھے اس کی کوکھڑی میں جانے دو۔ یہ خود ہی اپنے خلاف سارے ثبوت پیش کر دے گا۔ میں نے تو بہت دنوں سے اس کے لئے قسم کھائی ہے۔" کرشن پرشاد کچھ تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ شاید وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کو کھڑی میں جانے کی اجازت دے یا نہ دے۔ دوسری طرف رام پرشاد اس کا بھائی تھا۔ داؤرنے شاید اس کے لئے کوئی دھم معلوم ہوتا تھا۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کر لی لیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم چلے جاؤ۔ اس کی کوکھڑی میں لیکن دیکھو۔ میں یہ وہ کچھ کہتے کہتے کہتے رہ گیا۔" "میں تمہاری کینڈت سمجھ رہا ہوں؟" داؤرنے جلدی سے بولا: "ٹھیک ہے۔ تم سامنے سے ہٹ جانا۔"

"نہیں داؤرنہ تم صدمت جاؤ؟" اچانک مگر نے یوں بڑی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے دشمن سے تمہارا انتقام لیا جائے؟" داؤرنے اس کی طرف دیکھا: "کیا اس شخص کو دیکھ کر تمہاری رگوں میں ہونٹیں کھولنے لگے؟" "کیوں نہیں؟ میں تو خود ہی یہی چاہتی ہوں۔ اگر میرے بس میں ہو تو اس کی بوٹیاں لٹاؤں دوں لیکن نہ جانے کیوں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"تم کے فخر ہو۔ میں اس جیسے دس رام پرشاد کو سنبھالنے کے لئے کافی ہوں؟" داؤرنے کہا: "کرشن پرشاد سے مخاطب ہوا: "چلو تم اس کو کھڑی کو کھول دو۔" کرشن پرشاد نے کہا: "مگر کی کو نشانہ کیا؟" مگر نے ایک طرف چلا گیا۔ جبکہ مگر نے جیسی سے پہلو بدلتے ہی مگر نے اپنی نگاہیں رام پرشاد پر پڑی تھیں۔ جہاں ہی افسانہ کے باوجود ابھی تک پہلے کی طرح اچھل کود رہا تھا۔ اس نے بندروں کی طرح خود بخود اپنی مشرور شروع کر دیا تھا۔

"یہ سلاخیں ایک مٹین کے ذریعے لٹھائی جاتی ہیں؟" کرشن پرشاد نے داؤرنے سے پوچھا: "یہ سلاخیں جیسے ہی کھڑی سی اوپر اٹھیں تو ان میں ریگ جلا۔ رام پرشاد کو باہر نکلنے کا موقع نہیں ملنا چاہیے۔ اگر ایک بار یہ باہر نکل گیا تو باہر کھڑے ہوئے اس کے آدمی ہمارے لئے مصیبت کھڑی کر دیں گے۔" مگر نے اس کی فکر مت کر دی۔ داؤرنے کہا: "یہ کالی موت چاہے کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو۔ مجھ سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتا۔"

مگر نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن پھر اپنے ہونٹوں کو میچ کر رہ گئی۔ داؤرنے اس کی طرف سے دھیان ہٹا لیا تھا۔ وہ صرف رام پرشاد کو دیکھ رہا تھا۔ اس دوران ایک بلی سی اوڑھ کے ساتھ وہ سلاخیں دھیرے دھیرے اگے لے گئیں۔ ایک آنچ۔ دو آنچ۔ سلاخوں کے اگٹنے کے ساتھ رام پرشاد کی اچھل کود میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ اب اچھا خاصا شور کر رہا تھا۔ پھر وہ سلاخیں ابھی غاصی اوڑھ لے گئیں اور داؤرنے کی سی تیز رفتاری اور جہالت کے ساتھ

آج وہ دن تھا جب ان لوگوں کو تہر خانے پر حملہ کرنا تھا۔  
آج صبح پہلوان اور کملہ نے صبح ہی سے اس کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ جبکہ عبدالن کی تیاریاں دیکھ نہ سکے کہ مسکرائے جا رہا تھا۔ ان کی تیاریوں سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان لوگوں نے کسی قلعے پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہو۔ صبح ہی سے کملہ کے شاگرد جمع ہوئے شروع ہو گئے تھے یہ وہ لوگ تھے جنہیں کملہ نے پہلوانی اور دیگر لڑائیوں کی تربیت دی تھی۔ اس سبقت میں ہی وہ لوگ تھے جو منہات اور اس سبقت میں پھینکنے والی دیگر خڑائیوں سے پاک تھے۔ عبدالن کی تیاریوں میں کملہ کا کردار بھی نہیں آیا تھا۔ اس نے کملہ جیسی عورت آج تک نہیں دیکھی تھی۔ اتنا انتہاء مزاج بھی بہت کم کا ہوتا ہے۔ وہ ایک طرف تو پہلوانوں کو شتی کے دائرے سے کھینچا کرتی اور دوسری طرف نماز کا وقت ہونے ہی وغیرہ کے لئے بیٹھ جاتی۔ اس سبقت میں صرف ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس کی اذان کی آواز سن کر کملہ کے آگے تک ہی آیا کرتی تھیں۔  
کملہ کے شاگردوں میں ہندو مسلمان سب ہی شامل تھے۔ وہ سب اس کا بے حد احترام کیا کرتے۔ اس کی ہر بات ان کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ عبدالن نے ایسے جان نثار لوگ بھی بہت کم دیکھے تھے جو کملہ کے ایک اشارے پر بلائی غلطی سے نہروا دیا ہونے کے لئے چلے آئے تھے۔ ان کی تعداد سرت تھی۔ اور وہ سب ہی قدار اور طاقت ور لوگ تھے۔ ان میں سے تین آدمی پوری طرح مستعد تھے جبکہ باقی چار آدمیوں کے پاس خنجر وغیرہ تھے۔  
"اپنے کو تو ایسا جان بڑھتا ہے کملہ جیسے تم سالہا لوگ امریکہ سے واپس آ رہے ہو" عبدالن نے کہتے ہوئے کہا "احتیاط کو بہت ضروری ہے نا، آج تو تمہارے جواب دیا۔ وہ بہت خطرناک لوگ معلوم ہوئے ہیں"۔  
"خطرناک تو ہیں لیکن اب اسے بھی نہیں کہ پورا ایک آرمی ان کے واسطہ چلا جائے سالہا دو آدمی بہت ہے۔"

ایک اپن اور ایک کوئی اور نہ  
 حکمایہ و فوفی کی بات کرتے ہوئے وہ لوگ ہر طرح  
 سے مسلے ہیں۔ ان کے وسائل اور ذرائع بہت میں تم  
 لوگ توان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہیں۔ پھر کجی ہم نے  
 اپنی طرف سے کسی حد تک انتظام کر دیا ہے۔ یہ ہم ایک  
 دوا دیوں کے بس کی نہیں ہے، کھلانے کھانا  
 ۱۲ من توجائی بیجمنٹ کا قائل نہیں ہے۔ یہ عدل کھلانے  
 ہوئے بولا۔ اپن کے ساتھ میں صرف ایک تو اپن اٹھنے والا  
 ہتھیار دے دو۔ پھر تم شاہ بکھنا۔ اگر اپن کا استاد دوتا تو  
 وہ سالہ اس بلوری لبتی کو اڑھ کر رکھ دیتا۔  
 ”کیا تمہارا استاد اتنا ہی ہمارا آدمی ہے۔“ آدھا  
 نے بلو چھا۔  
 ”اب اپن اس کی کیا توقع کرے۔ بس وہ سالہ اکیلا  
 ہوا فروغ ہے۔ اس کو جہاں بھیج دو۔ وہاں بولا کھرا کر دے  
 گا۔ اپن کی ماں تو صرف آدھا چھائی تم اور کھلا اپن کے ساتھ  
 چلو۔ اگر چھائی آدمی رکھنا ہے تو ایک ایسا آدمی جو جس  
 کے پاس گاڑی ہو۔ وہ سالہ اس گاڑی پر بیٹھا رہے۔ ہم لوگ  
 اندر سے تین فنک کر کے واپس آ جائیں گا۔“  
 عدل کی بات سن کر کھلا متوج میں بڑھتی پھر شاہ بلو  
 کی بات اس کی سمجھ میں آئی تھی۔ اس نے ان آدمیوں کو منع  
 کر دیا جو اس جہم میں حقہ لینے کے لئے آئے تھے۔ البتہ  
 ان میں سے ایک آدمی گاڑی لائے چلا گیا۔ عدل کی سمجھ  
 میں نہیں آ رہا تھا کہ اس جہم کا مقصد کیا ہے۔ اور اس سے  
 کیا فائدہ ہوگا۔ وہ اکیلا ہی اس طرف جانا چاہتا تھا لیکن  
 ان دونوں نے اسے روک رکھا تھا۔ ان دونوں نے اپنے  
 طور پر ہی میں سلیم کو تلاش کرنے کی بھی کوشش کی تھی اس  
 نے انہیں سلیم کے چلنے سے واقف کر دیا تھا۔ لیکن  
 ان کی تلاش بے سود تھی۔ سلیم کو کوئی پتہ نہیں چل سکا  
 تھا۔ اور اب وہ لوگ اس مکان کی طرف جانے والے تھے۔  
 کچھ دیر میں کھلا کا شاگرد ایک دین لے کر آ گیا اس  
 آدمی کا انتخاب خود عدل ہی نے کیا تھا۔ اس کا نام ہم  
 تھا۔ اور وہ پہلو ان کے ساتھ ساتھ جہد میں حرب سے  
 بھی واقف تھا۔ وہ آتش ہتھیاروں کے استعمال سے بھی آگاہ  
 طرح واقف تھا۔ عدل کے نقطہ نظر سے اس جہم کے لئے  
 ایسے ہی آدمی کی ضرورت تھی۔  
 عدل اس آدمی کے ساتھ چلا تو لوگ سیڈٹ کے بلور

بیٹھ گیا، جہم کھلا اور آدھا کچلی نشست پر بیٹھتا اس مکان میں آنے کے بعد بیٹہ ہی باہر عدل کو باہر نکلنے کا موقع مل رہا تھا۔ اس لئے وہ اس ہال میں راہ حیرت انگریزی کو حیرت سے دیکھ رہا تھا جس میں دنیا بھر کے جرائم پیشہ بچانے کہاں کہاں سے اکٹریں ہو گئے تھے۔

عدل یرم کو راستہ پر تھم گیا، کچھ دیر بعد وہ لوگ اس مکان کے سامنے آئے جس کے ایک تہہ خانے میں عدل کو فہر رکھا گیا تھا۔ یرم نے اس مکان کے سامنے بی گاڑی روک دی تھی۔

"اب اپن کو اس مکان کے اندر جانے کا ہے؟" عدل نے کہا۔ یرم تو صرف آدھا بھائی اور یرم ابن کے ساتھ چلین کا جبکہ کلام کو ادھر ہی بیٹھ رہنے کا ہے۔

"وہ کیوں۔؟ کھلا چمک انکی نہیں بھی چھوٹی، میں بھی تو دیکھوں کہ یہاں کون لوگ رہتے ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔ تم آ جاؤ سالانہ جب انکرا آئی گیا ہے تو شکر ہی طے کا۔ اور ابن سالانہ یوم کا دال بنا ہوا تھا ہے ساتھ ساتھ گھومتا رہیں گا۔ اپن کو کیا، تم سالانہ چاہے جہاں چلی جو یس تم لوگ کو خرابا نظیر ہی کر کام کرنے کا ہے کیا۔ سالانہ دھر کا سر پر اپن کی مجھ یس ابھی تک نہیں آ رہی ہے؟"

عدل بڑبڑاتا رہا اور یہ سب اس مکان کی طرف چل پڑے۔ جو اس وقت سنائے میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس مکان میں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔ اس مکان کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

"ابن کو تو کوئی لکڑا دکن ہے بھائی؟" عدل نے کہا۔

"سب سالانہ لوگ ادھر سے نین فٹاک ہو گیا ہے۔"

"کیا خیال ہے اندر چلا جائے؟" عدل نے پوچھا۔

"نواہ اپن سالانہ باہر کھڑا ہو کر بیٹھ جائیں گا کیا اندر تو چلنا ہی ہے۔ یرم سب سے پہلے ابن اندر جائیں گا۔"

عدل کھلے ہوئے دروازے سے اندر گیا۔ اس کے اندر اس کی تصدیق ہوئی تھی۔ اس مکان میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ بلکہ یہ مکان خالی بڑا تھا۔ فخریہ نام کی کئی کوئی چیز اس مکان میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بر طرف سنا، عدل ان لوگوں کو اس کمرے میں لے آیا جہاں تہہ خانے کی بیڑھیاں تھیں۔ انہیں یہاں آکر کبھی حیرت ہی ہوئی تھی، تہہ خانے کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

”اب یہ تہرہ غامہ ہی دیکھنے کے لئے رہ گیا ہے“ اُدھّا نے کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے سب مکان چھوڑ چکے ہیں۔  
”چلو اس میں ہی چل کر دیکھ لیتے ہیں“ کمالا عبدل کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔  
”ابن کو تو اس کے اندر بھی کوئی نہیں دیکھتا ہے سب سالانہ تزیین پارہ ہو چکا ہے۔“  
”نہیں تم مکان بھول تو نہیں گئے۔“ کمالا نے پوچھا۔  
”ہو سکتا ہے وہ کوئی اور مکان ہو۔“  
”ایسا تو یقینی نہیں سکتا۔“ عبدل نے جواب دیا۔ اپن سالانہ کوئی اندھا نہیں ہے۔ سالانہ میں تہرہ غامہ بھی تو ہے۔“  
وہ تینوں تہرہ خانے میں انڈر گئے۔ باہر سے آتی ہوئی روشنی یہاں کے اندھیرے کو دور کرنے میں ناکام رہی تھی۔ پھر عیسیٰ سلیمجی اندھیرے میں انہیں ایک لاش دکھائی دے گئی، یہ اسی بوڑھے کی لاش تھی۔ عبدل نے لاش کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ بوڑھے کو کوئی ہماری کٹی پلاس کے سینے میں ایک سوراخ تھا جس سے خون ابل ابل کر باہر نکلتا تھا۔  
”اچانک کمالا نے بوڑھے کے چہرے کو دیکھ کر ایک بلکی سی چیخ ماری اور دیوار سے لگ کر کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر بے پناہ دکھاوا وراثت کے اثرات تھے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے۔“  
”کیا بات ہے کمالا۔“ اُدھّا نے گھبرا کر پوچھا۔ ”کیا تم اس مرنے والے کو جانتی ہو؟“  
”بہت اچھی طرح“ کمالا بڑبڑائی۔ ”یہ میرا ماموں تھا۔“  
نذیر احمدؒ

دوسری طرف ایسا تو تم :-  
 ”کیا ہم اس لئے یہاں سے لڑنے کا کوئی راستہ نہیں ہے؟ ہمارا جانے بلو چھا۔“  
 ”بہت مشکل ہے۔ ہمارے جواب دیا: اگر ایسی بات ہوتی تو سب سے پہلے میں خود یہاں سے فرار ہو چکا ہوتا۔ ہم صرف اسی جنگ کی حد تک محفوظ ہیں۔ اس سے باہر جانے کے بعد ہمارے لئے کوئی ضمانت بھی نہیں دی جاسکتی۔“  
 ”تو اس کا مطلب یہ ہو کہ میں اب اسی جھگ میں قید ہو کر رہ جاؤں؟ ہمارا جانے ہے چہن ہو کر بلو چھا۔“  
 ”جب تک یہاں سے لڑنے کا کوئی راستہ نہیں مل جاتا مجبوری سے ہمارے جواب دیا: لیکن مجھے اپنی حالت سے زیادہ آپ کی حالت دیکھ کر افسوس ہو رہا ہے۔ میرا کیا ہے۔ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں جس کی کوئی خاص حقیقت نہیں ہے لیکن آپ ایک بہت بڑے آدمی ہیں۔ بلو معاشرہ آپ سے واقف ہے۔ لوگ آپ کے ارد گرد رہتے ہیں، آپ بے پناہ دولت و وسائل اور اختیار کے مالک ہیں۔ ان سب کے ہوتے ہوئے آپ کی ایسی حالت ہو رہی ہے۔ مجھے اسی بات کا دکھ ہے۔“  
 ہمارا جانے کے ہونے کا پ کر رہ گئے۔ انہوں نے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن ان کے منہ سے آواز ہی نہیں نکل سکی تھی۔  
 ”آخر ہم رانا ہو گا کیا؟ ہمارا جانے بلو چھا کچھ تو بڑے چلے نہیں کرنا سکتا ہے۔“  
 ”میں نے کہا تھا کہ ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ویسے میں ان کی کوئی کمزوری تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جیسے ہی کوئی کمزوری پائے گا میں اسے ساتھ ساتھ آپ کو بھی یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے نہیں اور خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔“  
 ”وہ کیسے خطرات۔ تم نے تو یہ کہہ کر اس جھگ میں ہماری تلاش کے لئے کوئی نہیں آسکتا۔“  
 ”میں نے یہ غلط نہیں بتایا ہے لیکن دوسری طرف یہ بات بھی دھیان میں رکھیں کہ باہر والوں کو ابھی یہ نہیں معلوم کہ یہاں مقیم سادھو کا انتقال ہو گیا ہے۔ اگر کوئی بندہ مر گیا اور اس کی قبر یا کرم کے لئے آخری رومانات وغیرہ کی ضرورت پیش آئی تو وہ لوگ اسی جھگ کی طرف رخ کریں گے ظاہر ہے کہ اس وقت سادھو تو ہو گا نہیں۔ اسی لئے انہیں یہ

معلوم ہو جائے گا اور اس علم کے ساتھ ہی وہ معاہدہ ہو سادھو اور ہمارے درمیان طے پایا تھا ختم ہو جائے گا۔ پھر ان لوگوں کو یہاں حملہ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔“  
 ”او بھائیو!“ ہمارا جانے کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔  
 ”بہت ہی خطرناک بات ہے۔“  
 ”خطرناک تو ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ان لوگوں کے آنے سے پہلے پہلے ہمیں کون سی تدبیر اختیار کرنی چاہیے۔“  
 ”تو پھر کچھ سوچو نا؟ ہمارا جانے جلدی سے بولے۔ کسی کو مرتے ہوئے کون سی تدبیر سنی ہے؟“  
 ”کاش! میں ان خطرناک لوگوں کے لئے کچھ کر سکتا۔ ہمارا جانے جھگ میں بیٹھنے لگا۔ اس کی کیفیت سے اس کی ہمیشہ انی اور ذہنی اچھن کا اندازہ ہو رہا تھا۔ لیکن افسوس کہ میرے پاس وسائل نہیں ہیں۔ دولت نہیں ہے۔ اگر سب کچھ ہوتو میں ہمارے ہی ہائی پلٹ کر رکھ دیتا۔“  
 ”کیوں؟ تم اس کے لئے کیا کر سکتے تھے؟ ہمارا جانے چونک کر رہ گیا۔  
 ”میں اس دولت سے یہاں کے سرکردہ مقامی لوگوں کو خریدنے کی کوشش کرتا۔ ہمارے بتا رہا تھا کہ خود نہیں کہ ہمارے لئے ان لوگوں کو کس بنیاد پر مسلک اور قوم سے باندھ کر لیا گیا ہو گا۔ اس کی بنیاد ہی دولت ہو سکتی ہے نا تو کیا ہم زیادہ دولت دے کر ان لوگوں کو اپنے لئے خرید نہیں سکتے؟“  
 ”یہ بات تو سہی؟ ہمارا جانے نے اپنی گردن ہلاتی۔ چوہوں اس کام میں تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔ میرے پاس بے شمار دولت ہے۔ میں اپنی دولت کے ذریعے کل شخص کو برباد کرنے کے ذرائع خرید سکتا ہوں۔ بشرطیکہ مجھے یہاں سے جانے کا موقع مل جائے کیونکہ میرے پاس جو کچھ بھی ہے وہ یہاں تو نہیں آسکتا نا؟“  
 ”دولت تو یہاں لانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی جھگ دکھا کر اور وعدے کر کے لوگوں کو خریدنے کی کوشش ہے۔ اگر آپ اس کے لئے تیار ہیں تو پھر آج ہی سے میں اس ہم کی ابتداء کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ چھوٹا آدمی تک حملے کے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی اگر ہماری طرف آجائے تو پھر ایک زنجیر بن سکتی ہے۔“  
 ”تو پھر کیا طریقہ ہے تمہارے ذہن میں۔“  
 ”یہ آپ مجھ پر چھوڑ دوں۔ ہمارا جانے مسکرا دیا۔ بس مجھے اس

بات کا یقین ہو گیا ہے کہ آپ میرے ساتھ ہیں۔ اور میری پشت مضبوط ہوئی ہے۔“  
 ہمارا جانے جھگ سے کھڑے ہو کر کھڑکی کے پاس آئے۔ پھر اچانک وہ تیزی سے ہمارے طرف بڑھے اور کھڑکی کو آواز میں بولے۔  
 ”وہ بہت سے لوگ؟“  
 ”ہاں، ہمارا جانے پریشان ہو گیا تھا۔ کیا کہہ رہے ہیں۔؟“  
 ”میں بہت سے لوگ اس طرف چلے آ رہے ہیں۔ شاید غلطی ہوئی ہو کہ میں؟“  
 ”میں نے اس اختلاف نے سوچ کر ہمارا جانے کر دیا۔ یہ ایک ایسی خطرناک بات تھی جو مجھے معلوم ہوئی تھی۔ اگر ایسا تھا تو پھر ان کی یہ جہان نام ہوئی تھی۔ مندر میں ہلوی کی حفاظت کے لئے کئی کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ اس بات نے اس شخص کو اور تقویت دے دی تھی۔“  
 اچانک ہمارا جانے ان دونوں کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی تحریکات انہوں میں اس وقت چھک اور شدید ہو گئی تھی۔  
 ”جو تم دونوں اصلی دہلی کا وید کر لو؟ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 ”وہ دونوں اس کے قریب آتے ہی کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ بھاری راجا نے کیا کہہ رہا تھا۔ یہ بات ان دونوں کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی۔“  
 ”یہاں چلیں ہمارا جانے؟“  
 ”میں نے بوجھا۔ دہلی جی کا بدلہ تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ وہ سامنے ہیں تو؟“  
 ”نہیں؟“ ہمارا جانے کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ آئی۔  
 ”یہ تو اصل دہلی کی بھاریا ہے۔ اصل دہلی تو ہمیں اوہ ہے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“  
 ہمارا جانے نے ایک طرف اشارہ کیا۔ ان دونوں نے معنی خیز لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس بھاری کے ساتھ ہوتے۔ وہ بھاری نہیں اس ہال کے برابر والے ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں دو لواروں کے ساتھ اسکرین بنے ہوئے تھے۔ اس کمرے میں آتے ہی اس اسکرین پر دھتے سے نمودار ہونے لگے۔ پھر ان دھتوں نے ایک دوسرے سے متصل ہو کر واضح ٹھکانے اختیار کر لیں۔ وہ ان کی جیبوں میں لگی ہوئی چیزیں نکالیں جو اسکرین پر واضح ہوئی تھیں۔ یہ تلاش کا بہت ہی جدید

سسٹم تھا۔  
 وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ انہوں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اس مندر میں ایسے ایسے آلات ہوں گے۔ اس کمرے کا ایک دروازہ دوسری طرف کھٹک تھا۔ پھر ان دونوں کو اپنے ساتھ اس دروازے سے باہر لے آیا۔ ایک راہداری تھی۔ بڑی طویل سی جس کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت کو سہارا دینے کے لیے ستون بنے ہوئے تھے۔ ہر ستون میں ایک خود کار کمرہ نصب تھا جس کی آنکھیں اس راہداری میں آنے والوں کو دیکھ لیتی تھیں۔ ان کمروں کے بارے میں کسی نے انہیں بتایا نہیں تھا لیکن کمرے کے دروازے سے نکلنے ہی انہیں کمروں کا احساس ہو گیا تھا۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ہر ستون کے پاس ایک پیرسلی مسلح فی حفاظت رکھا ہوا تھا۔  
 ”یہاں ہر ایک کی تلاشی لی جاتی ہے۔ یہ بھاری نے ان دونوں کو بتایا اور خود دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر ایک کٹکٹ کے پاس آ گیا۔ وہاں کھڑے ہوئے حفاظت بھاری کی تلاشی لیتے ہوئے اپنی گردن ہلا دی۔  
 ان دونوں کو بھی اس مرحلے سے گزرنا پڑا تھا۔ وہاں چار ستون تھے اور ہر ستون کے پاس ان کی تلاشی لی جاتی تھی۔ وہ ان مرحلوں سے گزر کر ایک اور کمرے میں داخل ہو گئے اور اس کمرے میں وہ میزیں نکالیں جو پہلے پتہ چلنے میں جاری تھیں۔  
 یہ بھاری اشلوک بڑھتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔ بارہ میزیں ان کے لئے کے بعد وہ ایک کمرے سے ہال میں آئے۔ اس ہال میں روشنی کا بہت ہی معقول انتظام تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہوائی آمد و رفت کے لئے منصوبہ انتظام کیا گیا ہو۔ ہوائی فضا کی بھی گھٹن محسوس نہیں ہو رہی تھی اس کے برعکس یہاں ایک خوشگوار سی ٹھنڈک تھی ہال میں خود وغیرہ کی مخصوص خوشبو پکرائی ہو رہی تھی۔ اس ہال کے وسط میں ایک چوڑا ہوا اس چوڑے پر کالی دہلی کی وہ عظیم الشان عورت تھی جس کے لئے یہ سارا کچھ کیا گیا تھا۔ وہ بندوستان میں پائی جانے والی کالی دہلی کی عورتوں سے بہت فحش تھی۔ بلکہ وہ ایک خوبصورت عورت کا بت تھا۔ جس کی آنکھیں بہت چمک رہی تھیں۔  
 وہ سب اس چوڑے کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے ان کی نگاہیں اس شخص کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس کی



دونوں آنکھوں میں لگے ہوئے میرے واقفی اتنے روشن تھے کہ روشنی ہی نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

”ہماری دہلوی کا یہ مجتہد بہت قدیم ہے یہ بجاری نے بتایا۔ اور اس مجتہد کی طرح اس کی آنکھیں قدیم ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اب میرے اب زمین کی کوکھ سے نکلے بند ہوئے ہیں۔ ان کی خدمت چاہے کچھ بھی ہو ان کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ میرے اہل سنت کی تقدیر ہیں۔ یہ اس سنت کے حوالوں کی خدمت کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ میرے جس سردار کے دور میں اس مورچہ کی آنکھوں میں موجود ہیں گئے اس دور کے سردار کو کچھ بھی نہیں ہوگا اس سنت کے رہنے والے اس سردار کے خلاف کچھ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن جس دن یہ میرے چوری ہوئے گئے ان دن اس سردار پر آفت آجائے گی۔ لوگ اس کے خلاف بغاوت کر دیں گے۔ پھر حکمرانی اس کے حصے میں آئے گی جو ان ہیروں کو واپس لے کر آئے گا۔ چاہے اس کا تعلق اسی سنت سے ہو یا وہ نہیں اور نہ ہو۔“

”ہمارا جہ تو رہتا نہیں کہ یہاں کے لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے ابھی تک محفوظ ہیں۔؟ تو میں نے بوجھا۔ میرا مطلب ہے کہ وہ دہلوی کی حفاظت تو اتنے زبردست طریقے پر ہی جاتی ہے۔ پھر عوام کا دین کس طرح کرتی ہے۔“

”تم نے دیکھا ہوگا کہ اس تہ خانے کے اوپر والے ہال میں بھی اسی قسم کی ایک مورچہ موجود ہے۔“ بجاری نے کہا۔ جس کی آنکھوں میں اس قسم کے میرے لگے ہوئے ہیں۔ وہ میرے نکلتی ہیں لیکن انہیں اتنی کارہی سے تیار کیا گیا ہے کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر اندازہ نہیں کر سکتا۔ تو عام فوٹوں کو اسی مورچہ کا درشن کرایا جاتا ہے۔ عام لوگوں سے مراد ہے اس سنت سے باہر کے عام لوگ جبکہ اس سنت کے لوگوں کے لئے اسی مورچہ کا درشن ہوتا ہے لیکن ہم ایک وقت میں پوری سنت کو اندر نہیں بلاتے بلکہ صرف بائیں آدھوں کو اندر بلایا جاتا ہے۔ یہ بائیں آدھوں کے فوٹوں میں سے ہوتے ہیں۔ ان کی لئے اپنے آدھی ہوتے ہیں یعنی اسی والے ان کا انتخاب کرنے میں اسی نے جب وہ بائیں آدھی اس مورچہ کو دیکھ جاتے ہیں تو پوری اپنی مطلق ہو جاتی ہے۔“

”ہوں۔“ سوہن نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ قیمت

ایسا طریقہ ہے ہمارا۔“  
”ایک بات تو چھوٹا ہمارا جہ تو میں نے بجاری کی طرف دیکھا۔ اگر آپ ہمارے مائیں تو۔“  
”یاں۔ یاں۔ بوجھو کیا بات ہے۔“  
”اتنی بوجھو تو کس لئے آپ لوگوں نے ان چند بدلیسیوں کو کیوں کھرا کر رکھا ہے۔ تمہارا اس سنت سے حفاظت نہیں مل سکتے تھے۔“

سوہن کے اس سوال پر بجاری جڑ جڑ کر رہ گیا تھا۔ اس نے کچھ بتانے کے لئے اپنے ہونٹ کھولے پھر سختی سے بھونکے۔ سوہن نے اس کی نمکناش محسوس کر لی تھی، اتنی لئے اس نے جلدی سے موضوع بدل کر اصرار دھری باتیں شروع کر دیں۔ وہ اس مورچہ کی قدامت اور اس کے کامیابوں کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ بجاری نے بھی جواب دینے شروع کر دینے کچھ دیر کی گفتگو کے بعد سوہن اور سوہن نے بجاری سے چلنے کی اجازت طلب کی اور وہ لوگ اسی راستے سے ہوئے ہوئے مندر سے باہر نکلے۔

”اب کیا خیال ہے تمہارا۔؟ سوہن نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ کیا ان ہیروں کو چرایا جاسکتا ہے۔؟“  
”بہت مشکل ہے۔ سوہن نے ابھی گردن ہلائی، ان کی حفاظت کے لئے بہت ہی زبردست انتظامات کئے گئے ہیں۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ چاہے قلعہ کن ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اس میں کوئی نا کوئی کمزور گوشہ ضرور ہوتا ہے۔ جہاں سے دشمن اندر جاسکتے ہیں کبھی وہ کمزور پہلو ملنے نہیں آسکتا ہے۔ لیکن کوئی نہ کوئی ہوگا کمزور۔ اور ہمیں اسی کمزور پہلو کو تلاش کرنا ہے جلد یا بدیر وہ پہلو بھی ہمارے سامنے آئی جائے گا۔“  
”ان ہیروں کیوں کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا۔؟ سوہن نے بوجھا۔ اتنے فلاح مندر میں حفاظت کے لئے غیر ملکی کیوں مقرر کئے گئے ہیں۔“  
”مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے اس چھوٹی ہی سنت میں عالمی ساز نظریں ہر دن چڑھ رہی ہیں۔ سوہن نے کہا۔ لیکن ہمیں ان سازشوں کے چکر میں نہیں پڑنا ہے۔ ہمیں تو اپنا کام انجام دینا ہے اور یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔“

”وای تو بوجھ رہا ہوں کہ تم نے کیا سوچا ہے۔ سوہن

چڑکر بولا۔ اس بار یہ کام آسان نہیں معلوم ہوتا۔“  
”بہت آسان ہے۔ سوہن نے کہا۔ ہم آج اس سنت کے سردار سے ملاقات کریں گے۔“  
”اس سے کیا فائدہ ہوگا۔؟“

”یہ تم دیکھنے نہیں آنا اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ بس یہ سمجھ لو کہ تم میرے ماتحت ہو اور ہم دونوں کا تعلق ہندو مت کی ایک خفیہ ایجنسی سے ہے۔ تم نے روپائی اور سوپائی کے بارے میں تو سن لی ہے۔ ہماری ایجنسی معاوضے کے کام کرتی ہے۔ یعنی ہم دونوں جو کچھ کر لیں وہ انہیں سچ سچ بنائیں گے۔“

”جھگڑا جانے تمہارے ذہن میں کیا ہے میری تو سمجھ میں نہیں رہا ہے۔“  
”ہر تر ہے کہ تم اپنے ذہن ہندو مت دو صرف یہ سوچو کہ سردار سے ملاقات کس طرح کی جاسکتی ہے۔“  
”اس میں کون سی شکل ہے۔ چلو ہم یہیں سے سردار کے پاس چلتے ہیں۔ سوہن نے کہا۔“

انہوں نے صرف ایک آدھی سے سردار کے بارے میں معلوم کر لیا تھا۔ وہ کوئی نیپالی معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے گہری نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ وہ دونوں اس کا شکر یا دار کر کے اس راستے پر ہوئے۔ کچھ دور جانے کے بعد ہی کی ایک منزلہ عمارتوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب وہ جس علاقے سے گزر رہے تھے وہ صاف ستھرا علاقہ تھا۔ اور یہاں خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان کے لئے یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے غیر ملکیوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی اور ملک میں پہنچ گئے ہوں۔ بالآخر انہیں ایک گلیٹ پر آگے بڑھنے سے روک دیا گیا۔

یہاں ایک کھار دار تاروں والی باؤنڈری بنی ہوئی تھی جو بہت دور تک جاتی تھی۔ اس باؤنڈری میں محفوظ محفوظ فاصلے سے ٹاور بنائے گئے تھے جن پر سطح سنتری تعینات تھے۔ گلیٹ پر بھی ایک کین بننا ہوا تھا جس میں سطح محفوظ تھے۔ گلیٹ سے ایک راستہ اندر کی طرف چلا گیا تھا جس کے اختتام پر دو منزلہ خوبصورت سی عمارت تھی۔

”کہاں جانا ہے تم لوگوں کو؟“ روکنے والے ایک فیڈ

نے ان دونوں سے پوچھا۔  
”ہمیں سردار کو گوندلا سے ملنا ہے۔ سوہن نے جواب دیا۔ ہم ان سے ملنے کے لئے بہت دور سے آئے ہیں۔“

”کیا کام ہے سردار کو گوندلا سے۔؟ دوسرے نے سوال کیا۔“  
”وہ کام تم کو نہیں بتایا جاسکتا۔ ان کا ایک ذاتی کام ہے۔ وہ ہمیں نہیں جانتے۔ لیکن ہم ان کی ہی وجہ سے یہاں تک آئے ہیں۔ ان کا ذاتی معاملہ۔“  
”تمہیں سردار سے ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔“

فی فطرت درشت لہجے میں بولا۔  
”وہ کچھ بھائی سردار سے ملنے دو۔ اسی میں ہنری ہے۔ سوہن نے کہا۔ اس کی وجہ ہے کہ ہمارا تعلق ہندو مت ان کے ایک بہت بڑے اخبار سے ہے۔ ہم چار آدمی کبھی سے یہاں آئے ہیں۔ دو آدمی یہاں سے کچھ فاصلے پر ہمارے فون کا انتظار کر رہے ہیں۔ تم خود موجود کرنا۔ لیکن بڑی بات ہوگی کہ ہندو مت ان کے سب سے بڑے اخبار ہیں۔ خبر شائع ہوئی کہ تمہاری کے سردار سے کسی کو ملنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔“

”ہمیں وہ کیا دینے کی ضرورت نہیں ہے کچھ۔“  
فی فطرت بولا۔ ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم کسی اخبار کے نمائندہ ہو۔“  
”تم اگر چاہو تو میرا کارڈ دیکھ سکتے ہو۔ سوہن نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا۔ وہ ہندو مت ان کے ایک جعلی کارڈ تھا۔ جس میں فی فطرت کا نام و نشان تھا۔ لکھا تھا۔

”اب تو یقیناً کیا ہوگا نہیں۔ سوہن نے بوجھا۔ جاؤ سردار سے بول دو۔“

”فرض کر دو اگر تم نہیں یہاں سے واپس نہ جانے دیں تو؟“ فی فطرت نے پوچھا۔  
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک سردار سے ملنے کی ایسی کون سی بات ہو سکتی ہے کہ تم نہیں واپس نہ جانے کی دھمکی دے رہے ہو۔ ہم تو ان کے کئی ملکوں کے سرداروں سے ملاقات کی ہیں۔ ان کے انٹرویو لئے ہیں۔ لیکن کسی سے بھی ملاقات کی خواہش کرنے پر ہم سے ایسی بات نہیں کہی گئی۔ اب اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو تو یہ سن لو کہ ہم نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہہ دیا ہے

کہ اگر ہم مقررہ وقت تک واپس نہیں آئے تو وہ نفاذ کریں  
چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ اور اخبار میں یہ خبر شائع کر دیں  
کہ ہندوستان کا نگران کے دو نمائندے رتناگری کے سردار  
سے ملنے گئے تھے لیکن واپس نہیں لوٹے۔ اس وقت  
سوچو تمہاری کیا بول رہی تھی؟  
”سوتن کو تو ان کی اس بے باکی پر حیرت ہونے لگی  
تھی۔ اس نے بڑی بے خوفی سے یہ سب کچھ کہہ دیا تھا  
دونوں ہی فطرتاً سے اسے دیکھ رہے تھے۔  
”تم واقعی بہت چالاک آدمی ہو“ میلے والے نے  
کہا۔ ”خفیک ہے۔ ہم سردار سے تمہاری عملی ملاقات کا  
مندوبست کر دیتے ہیں۔“

اس کو کھڑکی کی سلاخیں فرش سے بھوست ہو گئیں  
اور داور رام ہرشاد کے ساتھ اس کو کھڑکی میں فہم بولیا  
جیکہ کرشن ہرشاد دھڑک کر آدھی گلی باہر کھڑے رہے تھے۔  
نئی کی حالت اس وقت بہت خیر ہو رہی تھی۔ وہ داور کو  
روک لینا چاہتی تھی لیکن روک نہیں سکی تھی۔

داور نے رام ہرشاد کی طرف زنگ لگائی۔ وہ اب اپنے  
ایک کمرے کے دروازے پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کر لیا  
تھا کہ وہ اس شخص سے زندگی اور موت کی جنگ لڑے  
گا۔ آخر وہ تنگ اس کے دل میں اس مکر وہ مکار شخص  
کے لئے رجم کی کوئی نئی شے نہیں تھی۔

”داور! کرشن ہرشاد نے اچانک اسے مخاطب کیا  
تو میں نے کہا کہ مجھے یہ تمہیں کالی موت کے تجربے  
میں پہنچا دیا ہے۔ اب یہ شخص تمہارے رحم و کرم پہ ہے  
میں تمہاری اس لڑائی کو لے کر دوسرے کمرے میں جا رہا  
ہوں۔ جو مسکن ہے کہ یہ اس کو کھڑکی میں ہونے والی جنگ  
پر داشت نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ“

”اس کے علاوہ شاید تم بھی اپنے بھائی کو بڑے  
جال میں نہیں دیکھ سکو“ داور مسکرایا۔ ”خفیک ہے تم  
نئی کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ جب اس جنگ کا فیصلہ ہو  
جائے گا میں تمہیں آواز دے دوں گا۔“

”نہیں میں نہیں جاؤں گی۔“ نئی بھلی۔ داور پلیر  
تھے جانے کے لئے موت کہہ رہا تھا۔  
”جاؤ! داور دباؤ تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم اس وقت  
میرے ساتھ رہو۔ جاؤ۔“  
نئی نے عجیب بے چارگی سے داور کی طرف دیکھا

اور اپنی گردن جھکا کر کرشن ہرشاد نے بڑے مشتاقانہ انداز  
میں اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ ایک طرف لے  
گیا۔ کھڑکی ان کے ساتھ ہی کھینچا۔ ان کے جانے کے  
بعد اب وہاں صرف داور اور رام ہرشاد کے سوا کوئی بھی  
نہیں رہ گیا تھا۔

”میں جانتا ہوں رام ہرشاد! داور نے اپنے ہونٹ  
میکرے۔ ”تم باغی نہیں ہو۔ بلکہ پاگل بنے ہوئے ہو۔ ہوا  
میں تمہاری عقل واپس لانے کے لئے تمہارے پاس  
آیا ہوں۔ تم نے جو کچھ کہا ہے اب تمہیں اس کی تمنا  
پر داشت کرنی ہوگی۔“

”پاگل میں نہیں بلکہ تم ہو! رام ہرشاد نے کہا۔ ”کیا  
تم بھی اس مکر کے دھوکے میں آ گئے۔“  
”یہ ہونی ناہت! داور کے ہونٹوں پر ایک طنز بری  
مسکراہٹ آئی۔ ”تو تم نے پاگل پن کا پتہ لہجہ کیا۔ اچھا ہوا  
تم خود ہی ہیش میں آ گئے۔ ورنہ تم کو کس مار مار کر نہیں  
ہونٹ میں لے آتا۔“

”جھکوان کے لئے تم حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو؟  
رام ہرشاد جلدی سے بولا۔ ”میں واقعی باغی نہیں ہوں  
لیکن تم مجھے تو سمجھو۔ میں وہ نہیں ہوں۔“  
”تو پھر تم کون ہو۔“ داور کے ہونٹوں پر بدستور  
مسکراہٹ تھی۔

”میں صرف رام ہرشاد ہوں۔ حالات کا ستابا ہوا ایک  
ایسا انسان۔ جسے اس کے اپنے بھائی نے تباہ کر دیا ہے۔“  
”جو اس مدت کر دے داور نے آگے بڑھ کر ایک زور  
دار گونہ اس کے چہرے پر رسید کر دیا۔

اس ضرب کی شدت سے رام ہرشاد دلچھڑا ہوا  
پہنچے ہوا اور کھڑکی کی دیوار سے ٹکرایا۔ اس کے ہونٹ  
پھٹ گئے تھے اور ان سے خون نکلنے لگا تھا۔ داور  
نے اچھل کر اس کا گریبان پکڑا اور ایک جھٹکے سے اسے  
کھڑکی کے وسط میں لے آیا۔ اس کا خیال تھا کہ کالی  
موت سے اس کا عذاب بہت تسلی خیز ثابت ہو گا لیکن  
وہ بہت ہی لودا اور کڑوا ثابت ہو رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا  
جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں کوئی جان ہی نہ ہو۔ اسی  
لئے داور کی جھلک بڑھتی جا رہی تھی۔

”کالی موت! داور اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔ ”بزدل  
تم مقابلہ کیوں نہیں کرتا۔“  
”میں تمہارا مقابلہ نہیں کروں گا۔ رام ہرشاد دباؤ

ہونے بولا۔ ”کیونکہ تمہیں بہت زبردست دھوکے ہیں  
رکھا گیا ہے۔ میں کالی موت نہیں ہوں۔“  
”بیوقوف! داور منہ بڑا موت کو سامنے دیکھ کر نہ مرنے  
اپنی اصلیت بھی ترک کر دی۔“

”تم چاہے مجھے جان سے مار ڈالو لیکن یہ حقیقت  
ہے کہ رام ہرشاد بولا۔ ”میں کالی موت نہیں ہوں۔“  
”تو پھر کون ہے کالی موت۔“

”وہی جو تمہیں دھوکے سے اس کو کھڑکی میں  
بند کر گیا ہے۔ رام ہرشاد نے کہا۔ ”وہی کالی موت ہے۔“  
”کیا کو اس ہے۔“ داور اس کا گریبان چھو کر دیکھ

بٹ گیا۔  
”یہ تو کچھ اس نہیں جیتنت ہے۔ اگر تمہیں یقین نہیں  
ہے تو پھر تم اس کو کھڑکی سے باہر نکل کر دکھا دو۔“  
داور کے ذہن پر ایک چھنا کا سا ہوا۔ وہ اپنی جگہ  
سے اچھلا اور سلاخوں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر اس نے  
زور زور سے سلاخوں کو کھینچتے ہوئے آوازیں دی شروع  
کر دیں۔ وہ جھج جھج کر کرشن ہرشاد کو پکار رہا تھا۔ لیکن  
جواب میں سوائے خاموشی کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ ایسا  
لگتا تھا جیسے اس ویران مکان میں اب کوئی بھی نہ ہو۔  
پھر اس نے ایک چیخ سی۔ یہ چیخ دوسرے آئی تھی۔  
لیکن داور نے پہچان لیا تھا۔ وہ نئی کی چیخ تھی۔ بڑی واضح  
اویسے بس یہی چیخ جیسے اس پر تشدد ہو رہا ہو۔ بالے  
اس کی مرضی کے خلاف اٹھا کر کسی طرف لے جایا جا رہا ہو۔  
غصے کی شدت سے داور کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا  
نئے سلاخوں کو چھوڑ ڈالا لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ وہ سلاخوں  
آئی منبھوٹی کے ساتھ فرش میں گڑی ہوئی تھیں۔ کان  
میں ہلکی سی جنبش بھی پیدا نہیں ہوئی۔

”بے کار ہے دوسرے رام ہرشاد نے آگے بڑھ  
کر داور کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”میں خود ایک  
عرصے سے ان سلاخوں کو اٹھانے کی کوشش کر رہا ہوں  
اگر یہاں سے لیکن آسان ہوتا تو میں دس برس سے  
اس قید میں کیوں بٹھار ہوتا۔“

”میں اس شخص کے تنکے کے رکھ دوں گا۔“  
داور بڑبڑایا۔ ”اس نے دھوکے سے مجھ پر قیام کیا  
ہے۔“  
”وہ سب کے ساتھ ہی کرتا ہے۔“ رام ہرشاد  
بولا۔ ”اب تم اپنے آپ کو نادر مل کر داور میری بات سنو۔“

”کیا کچھ چاہتے ہو۔“  
”تم کون ہو اور تم اس کے دھوکے میں کس طرح  
آ گئے۔“ رام ہرشاد نے دیکھا۔ ”میں یہ چاہتا ہوں کہ  
تم مجھے اپنے بارے میں بتاتے رہو۔ بہت دنوں کے  
بعد کسی سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ورنہ میرے  
لئے تو سوائے ان آہنی سلاخوں کے اور کچھ بھی نہیں  
رہا ہے۔ کس طرح مجھے مختصری بہت غذا دے دی  
جانی ہے۔ اس طرح نہیں اپنی زندگی کے دن کاٹ  
رہا ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کہ اتنے مصائب کے بعد  
مجھے موت کیوں نہیں آ جانی۔“

”لیکن تم کون ہو؟ داور نے دیکھا۔ ”نہیں یہاں  
کیوں قید کیا گیا ہے۔“  
”ابھی من مانی کرنے کے لئے۔“ رام ہرشاد نے  
جواب دیا۔ ”یہ دولت بہت ظالم اور بے وفا چیز ہوا  
کر رہی ہے۔ یہ آنکھوں کے آگے پیشیانہ ہوا  
ہے۔ اور ان پیشیوں کی موجودگی میں کچھ بھی نہیں دیکھا  
جاسکتا۔ یہی حال کرشن ہرشاد کا ہے۔ ہم دونوں سچے  
بھائی ہیں۔ ایک ماں اور ایک باپ کی اولاد اس کے  
علاوہ ہم دونوں جڑواں بھی ہیں۔ ہماری صورت شکل  
بھی ایک جیسی ہے۔ لیکن صورت شکل ایک ہونے کے  
باوجود ہمارے مزاج اور ہمارے کردار میں زمین  
آسمان کا فرق ہے۔ نجانے ہماری بناوٹ میں کہاں  
ہر اتنا مظہرہ کیا ہے کہ ہم مختلف نظریات کے ہونے  
میں۔ اس کے نزدیک دھوکا ظلم و تشدد ہوسب کچھ  
ہے۔ جیکہ میرے نزدیک زندگی روشن اور پاک اصولوں  
کے ساتھ گزارنی چاہیے۔ وہ میرا ظلم اور تشدد ہے اور  
میں سربراہم۔“

”میر کی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمہارا کھو  
کروں۔“ داور نے کہا۔ ”میں اس دوران اتنے دھوکے  
کھا چکا ہوں کہ کسی پر اعتماد ہی نہیں رہا۔“  
”یہ بھی تم خفیک کہتے ہو؟ رام ہرشاد نے ایک گہری  
سانس لی۔ لیکن نہیں مجھ پر مجھوسہ کرنا بڑے گایونکر  
تم مجھے اس کو کھڑکی میں قید دیکھ رہے ہو۔ تم یہ دیکھ  
رہے ہو کہ میں نے ایک باغی کا روپ اختیار کر رکھا  
ہے۔ کرشن ہرشاد کو دنیا بھر کی نگاہیں حاصل ہیں اور  
میرے لیے یہ کھڑکی ہے۔ یہ قید ہے۔ کیا اس کے  
بعد بھی تمہیں مجھ پر یقین نہیں آ سکتا ہے۔ تم نے خود

دیکھ لیا ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیسا سلوک کرے گا۔  
 چلا گیا ہے۔ وہ ایک درندہ انسان ہے اور تمہارے  
 ساتھ جو لڑکی آئی تھی وہ اس کی درندگی کا شکار بننے والی  
 ہے۔ نہ جانے تم نے دنیا کی طرح دیکھی ہوگی کیا نہیں  
 یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ لڑکی اس کے ساتھ جانا  
 نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کو مغربی  
 میں داخل ہو جاؤ۔ ایسے معاملے میں عورت کی جس  
 بہت تیز رفتاری سے اسے بلوری طرح اور کڑواہٹ  
 تھا لیکن اس نے خطرہ محسوس کر لیا تھا۔ لیکن تم نے  
 ڈانٹ کر اسے جانے کے لئے مجبور کر دیا۔ تم اس وقت  
 میرے خلاف غصے میں بھرے ہوئے تھے۔ اسی لئے  
 تمہیں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا شاید تمہاری آنکھوں  
 سے کچھ بٹی اڑ چکی ہوگی۔

وہ ایسی آواز تھی کہ دلراج اور برکت دونوں رک  
 گئے تھے۔  
 آواز دینے والا سامنے نہیں تھا۔ اس نے نہیں  
 رکنے کی ہدایت کی تھی اور اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر وہ  
 آگے بڑھے تو تمہیں کوئی ماردی جاوے گی۔ اور وہ دونوں  
 رک کر اس آواز دینے والے کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن  
 وہ بال پیلے کی طرح خالی تھا جیسے باتو نہیں دہم ہوا ہو۔  
 باہر اچھا کڑی ہوئی ان کے برابر سے نرنگی ہو۔  
 کچھ دیر بعد وہ آواز پھر سنائی دی۔ اس بار بھی بالوں  
 وہی جملہ اسی انداز سے دہرایا گیا تھا۔  
 "کوئی بات نہیں" برکت نے مسکراتے ہوئے دلراج  
 کے شانے پر پڑھ لی "دی" اسے وہم کچھ لو ہمیں دھوکا دیا  
 جا رہا ہے۔  
 کیا مطلب؟ دلراج نے حیران ہو کر پوچھا۔  
 "مطلب یہ ہے کہ اس ہال میں کوئی نہیں ہے"  
 برکت نے کہا۔

"کیا اور یہ آواز؟"  
 "بھائی یہ آواز کسی اسپیکر سے نشر کی جا رہی ہے"  
 برکت نے بتایا۔ تم نے غور نہیں کیا۔ دونوں ہلداہک  
 ہی جملہ ایک ہی انداز سے کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جملہ  
 شروع ہونے سے پہلے ہلکی کیڑھ کھڑا ہٹ بھی سنائی دی  
 تھی۔ اگر میرا اندازہ درست ہے تو ایک خاص وقفے کے  
 بعد یہ آواز پھر سنائی دے گی۔ وہ وقفہ ہونے ہی والا ہے  
 ورنہ آواز۔

برکت نے ابھی اپنی بات مکمل بھی نہیں کی تھی کہ  
 وہ آواز پھر سنائی دی۔  
 "ہمارا قحی تمہارا اندازہ سو فی صد درست ہے۔ دلراج  
 نے کہا۔ لیکن یہ سب کس نے کہا ہے؟"  
 "ظاہر ہے کہ ان جی فظوں میں کچھ خدیں شخص موجود  
 ہے۔" برکت چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر اس  
 نے دلراج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "لیکن آؤ۔ پہلے ہمیں تہ خانے  
 میں چلنا ہے۔ اگر میرا اندازہ کچھ اور درست ہو تو اس  
 ہال میں وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے آؤ جلدی  
 سے آؤ۔"  
 وہ دونوں پیلے کی طرح تہ خانے میں واپس آئے  
 دلراج اب اس شخص کی صلاحیتوں سے متوجہ ہو گیا تھا۔  
 وہ واقعی ایک ذہین اور بروقت فیصلہ کرنے والا آدمی  
 تھا۔ ابھی وہ لوگ تہ خانے میں واپس آئے تھے کہ بال  
 میں قدیموں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ وہ بال لوگوں سے  
 بھر گیا تھا۔ دلراج نے تہ خانے میں بسے ہوئے سورج  
 سے جھانک کر ہال میں دیکھا اور ایک گہری سانس لے  
 کر رہ گیا۔  
 "تمہارا یہ اندازہ بھی درست لگتا ہے" اس نے برکت  
 سے کہا۔ "کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم نے یہ اندازہ  
 کس طرح کر لیا تھا؟"  
 "مجھے کیا بات ہر بات مجھ سے بولو چھو گے۔" برکت  
 مسکرا دیا۔ "سیدھی سنی بات ہے کہ جب ان لوگوں نے  
 شیشہ اور اسپیکر وغیرہ لگا دیا ہے تو اس کارڈ عمل بھی دیکھنے  
 آئیں گے۔ وہ بدکھنا چاہیں گے کہ اس آواز کو کس  
 کمر ہال میں کوئی رکا ہے یا نہیں۔"  
 "تمہاری باتیں دل کو ٹپکنی تو ہیں لیکن یہ مجھ میں نہیں  
 آتا کہ ان لوگوں کو اتنے جھجھٹ کی کیا ضرورت ہے؟"  
 دلراج نے کہا۔  
 "ایسا لگتا ہے کہ ان جی فظوں کے درمیان کوئی خدیں آدمی  
 بھی موجود ہے۔" برکت نے بتایا۔ وہ لوگ اس سے  
 پہلے اس ہال میں آکر دیکھ چکے ہیں۔ انہیں کسی کا  
 مراز نہیں مل سکا۔ اسی لئے انہوں نے یہ ہال چھلایا  
 ہے۔ ان کا خیال ہے کہ شاید اس طرح اس ہال میں  
 دکھائی دے جائے۔  
 "تو پھر اب کیا کیا جائے؟" دلراج نے اس کی طرف  
 دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مگر کیا ہے؟ ہم پھر باہر نکلیں گے۔ اب ہمیں یہ  
 معلوم ہو گیا ہے کہ ان آوازوں کا کیا مقصد ہے۔ ہم ان  
 آوازوں کے بعد بھی آگے بڑھتے نہیں گے۔ بس  
 کھڑکی دہرے پر یہ جی فظ پہلے کی طرح ناکام ہو کر واپس  
 ہو جائیں گے۔ ہمیں کچھ دیر انتظار کرنا ہے۔"  
 وہ دونوں تہ خانے کی دیوار کے پاس کھڑے  
 رہے۔ کچھ دیر بعد وہ بال پیلے کی طرح جی فظوں سے  
 خالی ہو گیا۔ برکت نے خفیہ طور پر اس کے ذریعے جھانک  
 کر ہال میں دیکھا۔ پھر پیلے کی طرح دیوار میں غلا پیدا  
 کیا اور وہ دونوں ہال میں آگئے۔ دیوار کو پہلے کی طرح  
 برابر کر دیا گیا تھا۔  
 ان کے ہال میں آتے ہی وہ آواز پھر گونج اٹھی  
 جس نے انہیں پہلے خبردار کر دیا تھا۔ لیکن اس بار انہوں  
 نے آوازوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ برکت بڑی  
 تیزی سے اس کمرے کی طرف دوڑ رہا تھا جہاں پہلے  
 شیشا اور دلراج جا کر جیسے تھے۔ وہ کمرہ دفتر کے طور پر  
 استعمال کیا جاتا تھا۔ دلراج کو اس بات پر حیرت تھی کہ  
 اس کمرے میں کوئی کھڑکی وغیرہ دکھائی نہیں دے  
 رہی تھی پھر برکت باہر لے جانے کے لئے اس کمرے  
 میں بیٹھ آیا تھا۔ لیکن اس نے برکت سے کچھ نہیں  
 کہا۔ برکت نے اندر آنے کے بعد کمرے کا دروازہ  
 بند کر دیا تھا۔  
 اس کمرے میں آنے کے بعد برکت نے نچلے  
 کمرے دیوار میں موجود کس خفیہ نشان کو متوجہ کیا کہ کمرے  
 کی ایک دیوار ایک طرف ہٹ گئی۔ اتنا بڑا خلا نمودار  
 ہو گیا تھا کہ وہ دونوں اس کے اندر سے توجہ نہیں باہر جا  
 سکتے تھے۔ وہ دونوں اسی خلا سے باہر آگئے۔ برکت اس  
 عجیب کھوکھے ہر خفیہ اور ظاہر راستوں سے واقف تھا۔  
 باہر آنے کے بعد اس نے دیوار پیلے کی طرح برابر  
 کر دی تھی۔ اب اسے دیکھ کر کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا  
 تھا کہ کچھ دیر پہلے اس میں کوئی خلا نمودار ہوا تھا۔  
 "دیکھا؟ ہم کس طرح باہر آگئے؟" برکت دلراج کی طرف  
 دیکھتے ہوئے بولا۔ "سمانے میرے اس راستے سے  
 اور کوئی بھی واقف نہیں ہے۔"  
 "میرا خیال ہے کہ تم بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا  
 ہو۔" دلراج نے کہا۔  
 "وہ کیوں؟" برکت چوک پڑا۔

"تم شاید یہ بھول گئے کہ جب ہم خدیا ہال میں آئے  
 تھے تو اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس کا مطلب یہ  
 ہوا کہ وہ برابر اس شخص اس کمرے میں موجود تھا۔ پھر جب  
 دروازہ کھولا گیا تو اس کا کوئی بہتہ نہیں تھا۔ اس کا مطلب  
 یہ ہے کہ وہ بھی تمہاری طرح اس راستے سے باہر نکلا ہوگا۔"  
 برکت چلتے چلتے رک گیا۔ اس کی آنکھیں دلراج پر  
 اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ شکست میں مبتلا ہو گیا  
 ہو۔ پھر اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرزنے لگے۔  
 اس نے بے ساختہ دلراج کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ بہت ہلکا ہوا  
 ہوا معلوم ہو رہا تھا۔  
 "شاید تم ٹھیک سمجھتے ہو میں واقعی خوش فہمی میں  
 مبتلا ہوں۔ اس شخص کو یہ خفیہ راستہ معلوم ہے۔ تو پھر  
 "ایسا کون ہو سکتا ہے؟" دلراج نے پوچھا۔  
 "مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوئی۔ اب مجھے اس  
 تہ خانے کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اس کے بعد ہی ہم  
 کچھ کر سکیں گے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔"  
 اس نے دلراج کا ہاتھ پکڑا اور دونوں اس کمرے  
 کی دیوار کی طرف دوڑ پڑے۔ اس کمرے سے ہوتے  
 ہوئے وہ دونوں ہال میں آئے اور اسی وقت انہیں پھر  
 لیا گیا۔ یہ ایک وقت کی آدمی ان دونوں کے سامنے آکر  
 کھڑے ہو گئے تھے۔  
 ہلراہ جہاں کے برابر آکر کھڑا ہو گیا۔  
 واقعی بہت سے لوگ اس جھوپڑی کی طرف چلے  
 آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک چار پائی اٹھارہ کی کچی بوس  
 ہر مری کی لاش بڑی ہوئی تھی۔ گویا جہاں کا یہ اندازہ درست  
 ثابت ہوا تھا۔ کچھ جی دے عین لوگوں کو معلوم ہونے والا  
 تھا کہ اس کٹی میں بسنے والے سا دھو جہاں دلراج کا دیہات  
 ہو چکا ہے اس کے ساتھ ہی ہلراہ کی مصیبت آجانی اور  
 ہلراہ کے ساتھ خود جہاں ایک بار پھر ان لوگوں کے چنگل  
 میں چلے جاتے۔  
 "جہاں جہاں ہلراہ بڑی تیزی سے جہاں کی طرف مڑا  
 آپ ایک طرف لیٹ جائیں۔ میں آپ کے اوپر جاؤں  
 ڈال دیتا ہوں۔ اپنا چہرہ مت دکھائیے گا۔"  
 جہاں جہاں کچھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ البتہ وہ  
 اتنا جانتے تھے کہ انہیں ہلراہ کی ہدایت پر بے چارے  
 عمل کرنا ہے ورنہ ان کی خیر نہیں تھی۔ وہ دوڑتے ہوئے  
 ایک طرف گئے اور فرش پر لیٹ گئے۔ ہلراہ نے ان کے

او ہر ایک چادر ڈال دی تھی۔  
 چادر اڑھا دینے کے بعد ہرام اس کشا سے باہر  
 آ گیا۔ اس وقت وہ مجمع قریب آ گیا تھا۔ اور وہ لوگ  
 رام نام سنتے ہیں کہ جاب کرتے جاب سے تھے ہرام  
 کو دیکھنے کے بعد وہ چارپائی ایک طرف رکھ دی تھی۔  
 اور ایک آدمی ہرام کے پاس آ گیا۔ وہ ایک قوی پہل اور  
 درشت مزاج آدمی معلوم ہوتا تھا۔  
 ”سادھو ہمارا ج کہاں ہیں۔؟ اس نے ہرام کی  
 طرف دیکھتے ہوئے بول چھا۔  
 ”وہ ہمارا ہیں؟ ہرام نے جواب دیا۔ وہ اس وقت  
 کسی سے نہیں مل سکیں گے۔“  
 ”تم جھوٹ کہتے ہو؟ وہ آدمی غریب و بے ہوش بتاؤ  
 وہ کہاں ہیں۔ درنہا درنہا دیکھو ہرام ہمارے ساتھ ہے اس  
 علاقے کا گراں برتا گیا ہے۔“  
 ”میں تم سے جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں بھائی ہرام  
 جلدی سے بولا۔ وہ آدمی ہمارا ہیں۔“  
 ”تو پھر تم ان کے پاس جانے دو۔ میں ایک نظر  
 دیکھ کر واپس آ جاؤں گا۔ ہمارے ساتھ نہ کہہ  
 ہرام متذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ یہ شخص پوچھتی  
 پڑ گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے کچھ بھی کہہ دیا  
 کیا تو وہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اسے ہنستے ہوئے  
 جھوٹ بڑی میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد تو اس  
 کی خبر سے کی اور نہ ہی ہمارا ج کی سلامتی کا امکان تھا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ اگر تم دیکھنا چاہتے ہو تو میرے  
 ساتھ آؤ۔ ہرام نے کہا۔ ”میں صرف ایک آدمی میرے  
 ساتھ چلے گا۔ سادھو ہمارا ج کو ٹھونڈا ہوا ہوتا ہے۔  
 ”ہاں۔ ہاں۔ صرف میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔  
 ہمارے ساتھ گئے۔ خاتون کھڑے ہوئے لوگوں کو  
 صورت حال سے آگاہ کیا اور ہرام کا ہاتھ پکڑ لیا۔ چلائے  
 میں بھی تو ہمارا ج کا دشمن کر لوں۔“  
 ہرام اس شخص کو کہہ گیا میں آ گیا۔ جہاں ہمارا  
 ایک کونے میں چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے  
 ہرام کا دل اس وقت بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا  
 بات صرف چند لمحوں کی تھی۔ آنے والے لمحوں میں ہرام  
 اور ہمارا ج کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ یہ شخص  
 سادھو ہمارا ج کو کشا میں غائب دیکھ کر فوراً ہنگامہ برپا

”ہمارا ج“ ہمارے ساتھ نے ہمارا ج کو مخاطب کیا۔  
 میں نے سنا ہے کہ آپ کچھ ہمارے ہوئے ہیں۔  
 ہمارا ج نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بے حس و  
 حرکت لیٹے رہے تھے۔ پھر اس وقت ہرام نے قریب  
 طور ہر ایک آواز دیکھا اور جھپٹ کر ہمارے ساتھ کی گردن  
 دوڑائی۔ ہرام کی مضبوط گرفت میں وہ شخص پھنس گیا  
 لگا تھا۔ ہرام نے اس کی گردن پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ  
 ڈالا تو اس کی آنکھیں باہر آ گئیں۔ اس کے حلقے سے  
 خرخراہٹ نکلنے لگی تھی۔  
 ”کیا تم خاموشی سے میری بات سنو گے ہمارے ساتھ؟  
 ہرام غرایا یہاں میں تمہاری گردن توڑ کر رکھ دوں۔“  
 ہمارے ساتھ نے اشارات میں اپنے سر کو جھٹک دیا  
 وہ اس وقت بہت لکھڑی میں تھا۔ ہرام نے اس کی  
 گردن پر سے اپنی گرفت ختم کر دی۔ وہ اکھڑی اکھڑی  
 سانس لے رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب کی شرقت  
 سے آنسو اتر آئے تھے۔ وہ ہرام کو کہہ کر فوراً لگاؤں سے  
 عورتے ہوئے اپنی گردن ملنے لگا۔ اس دوران  
 ہمارا ج نے بھی اپنی چادر اتار کھینچی تھی۔  
 ”ہمارا ج جلدی سے اسے اس میں سے بہتول نکال  
 لیں۔ ہرام نے اتنا کہتے ہی ہمارے ساتھ کو پھونک دیا۔  
 ہمارے ساتھ گر چر خود ایک قوی پہل آدمی تھا۔  
 ہرام کے سامنے بے بس ہوا جا رہا تھا۔  
 ہمارا ج نے ہرام کے کھنکے پر گونے میں رکھے ہوئے  
 تین کے بس سے بہتول نکال لیا۔ یہ بہتول کپڑوں کے  
 اوپر ہی رکھا ہوا تھا۔ ہمارا ج نے بھی اس وقت بہت بھڑک  
 سے کام لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ہمارے ساتھ کی شہر کی آواز  
 نکال سکتا۔ یا ہرام کی گرفت سے خود کو چھلانے کی کوشش  
 کرتا۔ ہمارا ج نے بہتول کا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔  
 ”دیکھو ہمارے ساتھ؟ ہرام جلدی سے بولا۔ یہ موقع  
 بوری تفصیل بتانے کا نہیں ہے۔ باہر تمہارے آدمی ٹوٹ  
 ہوئے ہیں۔ ہمارا ج نے ہرام کی دس تب بھی ہمارے  
 سے نہیں نکل سکیں گے۔ اس کے بعد وہ دس ہی چاہتا  
 ہوں کہ تم میری بات پر یقین کر لو۔ میرا ساتھ دو۔  
 ”بہت خوب“ ہمارے ساتھ کے ہونٹوں پر ایک تلخ  
 مسکراہٹ رنگ آئی۔ یہاں اس طرح زبردستی کسی کو ساتھ  
 دینے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

”نہیں۔ بالکل نہیں۔ یہ میں بھی جانتا ہوں۔ ہرام  
 بلکہ لیکن جھوٹان کے لئے تم اس وقت ہمارا ساتھ دو۔  
 میں نہیں معلوم کہ تم کس حال میں پھنس گئے ہو۔ ہمارا  
 براس کے آدمی اس دیش کو تباہ کرنے کے لئے کیا  
 رہے ہیں۔ اگر تم یہ سب کچھ دولت کے لئے کر رہے  
 تو تو تم کہیں دنی دولت دینے کے لئے تیار نہیں۔“  
 ”اوہو؟ ہمارے ساتھ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ کہاں  
 سے لاؤ گے انہی دولت؟  
 ”انہیں دیکھو؟ ہرام نے ہمارا ج کی طرف اشارہ کیا  
 ”یہ نہیں بھائی۔ ہمارا ج آف سیٹ کر رکھا ہے۔ ان  
 کے پاس اتنی دولت ہے جتنی ہمارا ج کے پاس بھی  
 نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ تم ہمارا ساتھ دے کر اس  
 دیش کے بھی کام آؤ گے۔“  
 ”آخر تم چاہتے کیا ہو۔؟ ہمارے ساتھ نے بول چھا۔ میں  
 کس طرح تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں۔؟  
 ”بہت آسان ہے۔ تم باہر جا کر لوگوں کو یہ بتا دو کہ  
 سادھو ہمارا ج جا رہا ہیں۔ اس طرح لوگوں کی فوج یہاں  
 سے بھٹ جائے گی۔“  
 ”تو سادھو ہمارا ج کہاں ہیں۔؟ ہمارے ساتھ نے  
 سوال کیا۔  
 ”ان کا دیہانت ہو چکا ہے۔ ہرام نے بتایا۔ میں  
 تم سے قہر کہتا ہوں سادھو ہمارا ج قدرتی موت مرے  
 ہیں۔ ہم نے ان کے ساتھ کچھ بھی نہیں کیا۔“  
 ہمارے ساتھ کے ہونٹوں پر ابھی تک ایسی مسکراہٹ  
 تھی کہ ہمارے ساتھ نے ہمارا ج کا ہرام یقین کر رہا ہے یا  
 بے اعتدالی کا شکار ہے۔  
 ”دیکھو ہمارے ساتھ؟ ہرام نے بھر بھا۔ تم مجھ پر بھروسہ  
 کرنا چاہتے ہو؟ میں نے کہاں سے سادھو ہمارا ج سے  
 نہت تھی۔ میں ان کا اپنے باب کی طرح احترام کرتا تھا۔  
 کیونکہ انہوں نے مجھے پناہ دی تھی۔ میری جان بچی  
 تھی۔ تب میں میری کہاں تو معلوم ہی ہوگی۔ اسی لئے میں  
 اپنے جان بچی نے دلے کے خلاف کیا کر سکتا تھا۔ وہ  
 قدرتی موت مرے ہیں۔ اور میں نے ان کا کیا گرم کر دیا  
 ہے یقین جالو اس میں ذرا بار بھی جھوٹ نہیں ہے۔“  
 ”اگر ایسی بات ہے تو پھر تم نے سادھو ہمارا ج کے  
 دیہانت کی خبر کیوں نہیں دی۔؟ ہمارے ساتھ نے بول چھا۔

”کیسی بات کر رہے ہو۔ خبر دینے کا مطلب یہ ہوتا کہ  
 میں نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی موت کا حکم دیا ہے۔  
 ہرام نے کہا۔ تم خود سادھو ہمارا ج کے مرتے ہی ہمارا ج  
 اور سادھو ہمارا ج کے درمیان ہونے والا معاہدہ خود  
 پھونک رہا ہو گیا ہے۔ ایسی صورت میں تم ہی لوگ مجھے  
 اس جنگی سے اٹھا کر لے جاتے۔“  
 ”ہوں؟ ہمارے ساتھ نے ہنسنے کی بجائے کہا۔  
 پھر اب کیا چاہتے ہو۔“  
 ”فی الحال تو تم سادھو ہمارا ج کی موت کو ظاہر ہوت  
 ہونے دو۔ ہرام نے کہا۔ یہ تمہارا نام ہمارا حسان ہو گا اس  
 کے بعد تم میرا ساتھ دو۔ دیکھو اس وقت تم دونوں تمہارے  
 رحم و کرم پر ہیں۔ اگر تم باہر جا کر ان لوگوں کو بتا دو گے تو  
 ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہم تم سے اس وقت انہی  
 کر سکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ یقین بھی دلائے ہیں  
 کہ اگر تم نے ہمارے کچھ نہ کر لیا تو ہم تمہیں اتنا دس  
 گے کہ جتنا تم نے لقمہ توڑ بھی نہیں کیا ہو گا۔ اب تم جانا  
 چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔ ہمارا ج بہتول جھکا لیں۔ یہ بات  
 اس نے ہمارا ج سے بھی تھی۔  
 ہمارا ج نے اپنا پسٹول والا ہاتھ مجھے کر لیا ہمارا  
 ساتھ چھری لگا ہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔  
 ہمارا ج نے ایک چھری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک  
 ہے۔ میں اس وقت تمہاری بات مان کر جا رہا ہوں۔ اور  
 میں آج رات کو تمہارے پاس پھر آؤں گا۔ لیکن میرے  
 ساتھ کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہونا چاہیے۔“  
 ”ہم نہیں کہا دھوکہ دے سکتے ہیں۔“ ہرام جلدی سے  
 بولا۔ ”تم خود سوچو۔ ہم تو خود دھمادی مدد کے محتاج ہیں۔“  
 ہمارے ساتھ ان دونوں کو پھونکا ہوا باہر نکل گیا۔ ہرام  
 جلدی سے کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں اس  
 وقت بلوری طرح ہمارے ساتھ کے رحم و کرم پر تھے۔ وہ  
 اگر چاہتا تو ان دونوں کے خلاف ہنگامہ کھڑا کر سکتا تھا  
 وہ اگر لوگوں سے یہ کہہ دیتا کہ ان دونوں نے سادھو ہمارا ج  
 کو ہلاک کر دیا ہے تو وہ پورا مجمع ان کی بوشیاں بکھر کر  
 لکھ دیتا۔ ہمارا ج بھی ہرام کے پاس آ کر کھڑے ہوئے۔ ان کی  
 سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ ان کے ہاتھ پیروں میں  
 ہلی ہلی لرزش ہو رہی تھی۔ ہرام کا حال بھی ان سے مختلف  
 نہیں تھا لیکن اس نے خود کو کسی بھی طرح سنبھال رکھا۔

مختارہ کوڑی کی آڑ میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف دیکھ رہا تھا صرف چند لمحوں کی بات تھی۔ ان لمحوں میں ان کا فیصلہ ہو جانا تھا۔ پھر اس نے بہادر کی آواز سنی جو لوگوں کو بتا رہا تھا "ہاں بسادھو جہاز ہر بہت سخت جہاز میں ہے بہادر سیکھ کر رہا تھا وہ نہ تو کسی کو درشن دے سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی ان کے قریب جاسکتا ہے"

جہاز راجہ دلواری سے ٹپک لگا کر کھڑے ہوئے بہادر سیکھ کی آواز انہوں نے بھی سنی تھی۔ ان کے ہاتھ بہادر کی لرزش بند نہ ہوئے تھے۔ جبکہ ہرام نے بھی اطمینان کی سانس لی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ مجمع لاش والی چار پار کی کواٹھا واپس جا چکا تھا۔ اور اب صرف سناٹا تھا۔ "مچھو گان نے ہمیں بچا لیا ہے" جہاز راجہ نے ہرام کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "وہ ہماری موت سامنے کھڑی تھی" جہاز راجہ صاحب، ابھی کچھ کیا جاسکتا ہو سکتا ہے کہ بہادر سیکھ اپنا ارادہ تبدیل کر دے۔ وہ واپس جا کر ایک کواٹھا ہے بارے میں بتا دے۔ فرض کریں اگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا تب بھی ہمارا یہاں سے لگانا آسان نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ بہادر سیکھ کا کواٹھا ابھی ہمارے کسی کام نہ آ سکے"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں ساری زندگی اسی جھل میں قید رہنا ہے کیوں؟ جہاز راجہ جھلا کر بولے۔ "آپ یہ دیکھ لیں کہ آپ کے سامنے کون کون سی چیزیں کر رہا ہوں۔ دیکھتے ایک راستہ تو دکھائی دیا ہے یہ سب سے بہتر ہے کہ ہم کامیاب ہو جی جائیں۔ ابھی سے کوئی فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے آج رات کا انتظار کریں دیکھیں آج رات کیا ہوتا ہے"

• داور نے جھلا کر اپنے سر کے بال نوچ لئے۔ اس نے اپنی ہوری زندگی میں اتنا بڑا دھوکہ کبھی نہیں کھا یا تھا۔ کرشن پریشانے جس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کیا تھا وہ بھی اپنی جگہ سے مثال تھا۔ اس نے بے تحشہ داور اور ہرام پر شاد کو ایک ہی کوڑی میں قید کر دیا تھا۔ اور داور کے دیکھتے ہی دیکھتے ہی کو اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ داور کی ایسی توہین تھی جس کا اندازہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے رام پر شاد کو برا بھلا سنتا رہا تھا۔ جواب خود بھی اوتارے۔ بولتے نہ تھاں ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ کیا یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔" داور نے اس سے پوچھا "میں اس شخص کے کمرے کر دینا چاہتا ہوں۔"

"فی الحال تو کوئی راستہ نہیں ہے۔" رام پر شاد نے فحشی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ داور نے اپنی دو قوفلی مچھلیاں بھینچ لیں غصے کی شرت سے اس کی آنکھوں میں خون اتر گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ پھر اچانک ایک بات اس کی سمجھ میں آئی۔ اور وہ بات یہ تھی کہ اسے خود بہر قافلو رکھنا چاہیے۔ اپنے غصے کو تیراگ دینا چاہیے۔ ورنہ غصے کی آگ لگتی مرنے والے رستے کو بھی لگا ہوں سے اوچھل کر دیتی ہے۔ اس کے استوائے بھی اس کو یہی یقین کی تھی کہ اگر حالات کے جبر میں سہلکا ہو جاؤ تو اپنے ذہن سے غصے کی تیز کوڑھ ڈالو۔ اپنے اعصاب کو ہر سکون کر دے۔ مچھلے ہو جاؤ کیونکہ مچھلے ہو جانے کے بعد ہی لڑتے سمجھا دیے جاسکتا ہے۔

بہر وہ مچھلے اور ہر سکون ہوتا چلا گیا غصہ کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کا ذہن اس سے دور جا چکا تھا اور اس کے سامنے ایک شخص تھا جو اس سے بھی کچھ زیادہ مظلوم اور بے بس تھا۔ داور اپنے آپ کو سمجھتا ہوا رام پر شاد کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اتنی دیر میں خود ہر قافلو حاصل کر لیا تھا۔

"ہاں، اب بتاؤ کہ سب کیا چکر ہے۔" اس نے رام پر شاد سے پوچھا "جب تک کوئی راستہ نظر نہیں آتا میں تمہاری تمنا سن لوں"

"ہاں۔ یہ بہتر رہتا ہے۔" رام پر شاد کے سوچے ہوئے ہونے پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔ "میں نہیں لپٹے ہمارے میں سب کچھ بتا دوں گا تاکہ تمہیں یہ معلوم ہو جا کہ میں نے اب تک کتنا جہر برداشت کیا ہے۔ کیسے یہ عذابوں میں رہا ہوں۔ ہم دونوں جڑواں بھائی ہیں۔ ایک ہی ماں باپ کی لائی اولاد جن کی صورتیں بھی ایک دوسرے سے اتنی مشابہت ہیں کہ ہر شخص انہیں دیکھ کر دھوکے میں آ جاتا ہے۔ ہمارے والدین بڑے بارہو سوار اور دولت مند تھے۔ ہمارے بچے ہی اس علاقے کے راجا تھے۔ پورے راجہ پٹان کے پاس تھی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ہی سب کچھ کم ہوتا چلا گیا۔ دوسری طرف میرے اور کرشن

پر شاد کے مزاج میں اختلاف بھی برپا تھا۔ وہ متروغی سے بہت ہوس پرست اور شیطان صفت تھا۔ سوئے پر شاد یہ ہوا کہ جوان ہونے کے بعد اس کی ملاقات مٹی جمار سے ہو گئی۔ اور اس شخص نے کرشن پر شاد کو جیتیم شیطان بنا کر رکھ دیا۔

"میں سنی چار کون ہے؟" داور نے حیران ہو کر پوچھا۔ "ایک انتہائی خبیث اور وحشت ناک آدمی ہے۔" رام پر شاد نے بتایا۔ "تم تو صرف ایک شخص کو دیکھ کر ہر نشان ہو تم نے تو صرف کالی موت کو دیکھا ہے۔ لیکن اس کم بخت مٹی چار نے مجھے کتنے کالی موت تخلیق کئے ہیں وہ ایک انتہائی مکرور آدمی ہے۔ گندے علوم کا ماہر وہ صرف طاقت اور دولت کا بھاری ہے۔ اس کے کرشن پر شاد کو گرا کر کیا ہے؟"

"تم مجھے اس شخص کے بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" داور نے کہا۔ وہ کہاں رہتا ہے؟ کہاں کرتا ہے؟ "اس نے یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی کے اوپر اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے۔" رام پر شاد نے بتایا۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی عمر کتنی ہے۔ لیکن اس نے ایسا چکر چلا رکھا ہے کہ ہر حالات کا اس پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ اس کے لئے شمار چیلے دن رات اس کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔ کرشن پر شاد نے بھی دولت اور طاقت کے حصول کے لئے اس کے پاس جانا شروع کر دیا تھا۔ کچھ جب یہ معلوم ہوا تو اس نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی۔ اسے سمجھا لیکن اس نے میری بات بردھیاں نہیں دیا۔ مجھے اس مٹی چار کے لئے اسے ہر کیا ہاؤ کیا کہ وہ میری جان کا دشمن بن گیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ میں اس کے راستے سے ہٹ جاؤں تاکہ وہ نہ صرف اپنی کمائی کر سکے بلکہ بتاتی کی چھوڑی ہوئی دولت بھی اس کے ہاتھ آجائے۔ میرا خیال ہے کہ اس نے میرے مسئلے پر اپنی خبیث مٹی چار سے مشورہ لیا ہو گا جس نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے پاگل قرار دے کر اس دیرانے میں بند کر دیا جائے"

"لیکن اس نے تو یہ کہا تھا کہ تم بچپن ہی سے ذہنی طور پر غیر متوازن تھے۔" داور نے کہا۔ "اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ وہ اگر چاہتا تو تمہیں ہلاک کر داسکتا تھا۔ پھر اس نے تمہیں زندہ رکھنے کا خطرہ کیوں مول لیا؟"

"وہ مجھے براوراستہ ہلاک نہیں کر داسکتا ہے۔" رام پر شاد نے جواب دیا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ بتی کی بے پناہ جاہلاد میں میرا بھی حصہ ہے۔ ہم دونوں آدھے آدھے کے خاندان ہیں۔ میں نے اپنے ارد گرد خطرہ محسوس کیا تھا اسی لئے میں نے فوراً ایک وصیت تیار کروائی جس کی رو سے اگر میں ہلاک ہو جاتا ہوں تو میری موت کے بعد میری جائیداد حکومت کے پاس چلی جائے گی۔ یہ احتیاطی تدبیر میں نے اسی لئے اختیار کی تھی کہ وہ مجھے ہلاک کرانے سے گریز کرے۔" تم ذرا بددھوکہ ہو کہ اس دور سے کہ لوگ حق کا ساتھ دینا نہیں چاہتے۔ نہ جانے انسان کی سرشت میں یہ کیسی تبدیلی آئی ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ہم دونوں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ جتنی دولت اس کے پاس ہے۔ اتنی ہی دولت کا میں مالک ہوں۔ لیکن لوگوں نے

ساتھ کس کا دیا کرشن پر شاد کا۔ ہو سکتا ہے کہ لوگ اس کے گرد مٹی چار سے خوفزدہ ہو کر اس کا ساتھ دے رہے ہوں لیکن وجہ چاہے کچھ بھی ہو۔ حق تو یہ ہے کہ میں سب کچھ سمجھتا ہوں اس لئے کسی کی زندگی گوارا نہیں ہے۔" تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تمہارا ذاتی توازن ٹھیک نہیں ہے تب بھی تو تمہاری دولت تمہارے کام نہیں آ سکتی؟ داور نے پوچھا۔

"یہ بات تو ہے۔ خود کرشن پر شاد کی بار بار کوشش کر چکا ہے کہ وہ اس دولت کو مجھے پاگل قرار دے کر کھینچے اور وہ مجھے پاگل سمجھتا ہی ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے جان کے خوف سے میں نے کبھی خود کو صحیح الدماغ ثابت نہیں کیا۔ لیکن میرا ویل بہت ہوشیار آدمی ہے۔ اس نے اب تک کرشن پر شاد کی ہر کوشش کو ناکام بنائے رکھا ہے اس کا موقف ہے کہ میں جلد یا بدیر صحت مند ہو جاؤں گا کیونکہ میں مشکل پاگل نہیں رہتا۔ بلکہ مجھ پر صرف دوسرے پڑتے ہیں۔ اور یہ دوسرے ٹھیک بھی ہو سکتے ہیں۔ دوسری طرف ڈاکٹر تریپائی بھی میرا ساتھ دے رہا ہے۔"

"ڈاکٹر تریپائی؟" داور چونک پڑا۔ "کیا تمہارے یہ وہ نہیں تھا؟" داور نے پوچھا۔

"تمہارا ڈاکٹر تریپائی مرچا ہے۔" داور نے بتایا۔ "میں سمجھتا ہوں کہ میرا وہ ہے تمہاری۔" رام پر شاد نے پوچھا۔



اس کا سبب بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤں کہ یہ سبب  
چکر کیا ہے۔ کیا وہ تمہارا ساتھ دے رہا تھا۔ یا نہ تھا۔ پھر  
کہا۔ یہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔

”وہ بہت زبردست آدمی تھا اور میرا رام پرشاد  
نے کہا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کون سا آدمی ہے۔  
جان کے خوف سے ہاگنہن خاری کر لیا تھا۔ تو کرشن  
پرشاد نے اپنا اطمینان کرنے کے لئے مجھے ڈاکٹر  
ترپانی کے حوالے کر دیا۔ میں نے ڈاکٹر ترپانی کو ماری  
صورتحال بتا دی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ میرے راز  
کو خود تنگ رکھے۔ اگر اس نے یہ کہہ دیا کہ میں ذہنی طور پر  
پرہیزگار ہوں تو اس کی یہ بات میری موت کا پیغام بن جا  
ئی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کر لیا۔ اور ابھی تک اس  
وعدے کو نبھا رہا تھا۔ لیکن اب تم یہ بتا رہے ہو کہ وہ  
مرچ کا ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اپنے ایک زبردست  
بھروسے سے محروم ہو چکا ہوں۔ تجھ سے دو دنوں میں میرے  
کام آبا کرنا تھا۔ جس سے میں اپنے دل کی باتیں کہہ سکتا  
تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ مرچ کا ہے۔ کیا تم مجھ سے نہیں  
بتاؤ گے کہ وہ کس طرح مرچا ہے۔“

”کیا بتاؤں؟“ ڈاکٹر کو پوچھا کہ اس کو کھڑی میں بیٹھنے لگا  
اس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے مارا ہے۔  
”تم نے؟“ رام پرشاد نے بے یقینی سے اس کی طرف  
دیکھا۔ کہیں کیا تم نے ایسا کیا کیوں مارا اس کو۔“

”مٹھرو۔ میں نہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں۔“ ڈاکٹر  
اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے رام پرشاد کو ڈاکٹر  
ترپانی کی موت کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔  
”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر ترپانی اتنی خاموشی  
سے کیوں مر گیا۔ اس نے یہ کیوں نہیں کہا کہ تم کالی موت  
نہیں ہو۔ وہ اگر چاہتا تو اسی وقت تمہاری صفائی پیش  
کر سکتا تھا۔“

”نہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔“ رام پرشاد نے  
بتایا کہ کیونکہ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ میں کالی موت  
ہوں یا نہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ اگر تم مجھے صاف صاف بتا دو تو  
زیادہ بہتر رہے گا۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ اس طرح تو میں  
ہریشیاں میں مبتلا ہو گیا ہوں۔  
”دیکھو کرشن پرشاد نے جب مٹی چھری صحبت اختیار

کر لی تو اس کے اوپر بے ہناہ دولت اور اقتدار کا بھوت  
سوار ہو گیا۔ حالانکہ بھگوان کا دیا اس کے پاس سب کچھ تھا  
اس کے باوجود اس نے جرائم پیشہ افراد کو اپنے ساتھ ملا  
کر ہر طرف جرائم کے جال بکھا دیئے۔ اس نے جو کچھ کہا  
وہ تم نے کسی حد تک سن ہی لیا ہو گا۔ اب اس کے مرگئی  
ذہن نے ایک اور منصوبہ تیار کیا۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ  
کالی موت بن کر خود جرائم کرتا رہے اور خطرات اور حالات  
کو اس انداز سے قریب دے کہ کالی موت ہونے کا  
مجھ پر ہو۔ بظاہر تو وہ کرشن پرشاد بن رہا لیکن درپردہ  
اس نے کالی موت بن کر مدعا شاہان شروع کر دیں اپنے  
ارد گرد جرائم پیشہ لوگوں کو جمع کر لیا۔ جبکہ میں اس کے خلاف  
کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس دہانے میں قی  
کر دیا گیا تھا۔ یہ تمہارا اس نے اس لئے چاہا تھا کہ اگر  
کسی طرح ٹھیک ہو جاؤں تو وہ مجھے جرائم میں ملوث  
دے کر مجھے ہمیشہ کے لئے نہ صرف جائیداد سے محروم  
کر دے بلکہ قانونی طور پر مجھے موت کی سزا بھی دے دے  
تم نہیں جانتے کہ وہ کتنے زبردست سازشی خاں بھلا  
ہے۔ ڈاکٹر ترپانی نے جب میرے پاس آنا چاہتا تھا  
کیا تو اس نے ایک دہری جال بکھی۔ اب میں یہ نہیں  
سکتا کہ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ میں ذہنی طور پر رائل  
ہوں۔ یا اس نے بس۔ یوں ہی یہ چال چلی تھی۔ بہر حال ایک  
دن اس نے مجھے اس کو کھڑی سے لگا کر نہیں اٹھایا  
دیا اور خود میری جگہ بیٹھ گیا۔ اور جب ترپانی معمول  
مطابق اس کو کھڑی میں پہنچی تو اس نے خود کو رام پرشاد  
ظاہر کرتے ہوئے یہ کہہ کر دینی کالی موت ہے۔ ترپانی  
سن کر بھوکا اٹھا تھا۔ لیکن اس نے کسی ذہنی طرح ترپانی  
اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ خاموش رہے۔ اس کے بعد  
اس نے ترپانی کو بہت بھاری رشوت دی۔ آدمی چلے  
جیسا بھی ہو۔ دولت اس کے پیروں کی نہ چیر بن جاتی تھی  
تو اس ترپانی نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ بھی سمجھتا رہا  
میں ہی کالی موت ہوں۔“

”اس سے کرشن پرشاد کو کیا فائدہ مل سکتا ہے؟  
داہر نے بوجھا۔ ”دہ اگر چاہتا تو مجھے خود کو رام پرشاد  
کرنے کے کرشن پرشاد بن کر بھی ترپانی سے یہ جھڑپ  
تھا کہ وہ کالی موت ہے۔ اتنا بلند آواز مارنے کی کیا  
ضرورت تھی۔“

”ضرورت تھی۔ وہ اس طرح ترپانی کو میرے خلاف  
گواہی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ تاکہ اگر کبھی ایسا وقت آئے  
تو ترپانی یہ کہہ سکے کہ رام پرشاد ہی کالی موت ہے۔“  
”تو کیا تم نے ترپانی کے سامنے اپنی پولیٹیشن صرف  
نہیں کی؟“ داہر نے بوجھا۔ ”نہیں تو ترپانی کو بتا دینا  
چاہئے تھا۔“

”مجھے ترپانی کو کچھ بتانے کا موقع ہی کہاں ملا۔ رام  
پرشاد نے کہا۔ کیونکہ اس کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا کہ  
جہاں ترپانی مجھ سے ملنے کے لئے آتا تھا اس کو کھڑی  
سے بٹا دیا جاتا اور میری جگہ کرشن پرشاد آکر بیٹھ جاتا۔  
بے چارہ ترپانی کو رام پرشاد سمجھ کر واپس ہو جایا کرتا۔  
”ہوں تو یہ بات تھی؟“ داہر نے ہنکاری کی۔ ”اسی لئے  
جب ترپانی سے یہ پوچھا جا رہا تھا کہ اس نے رام پرشاد  
کے کالی موت ہونے کا راز کبوں چھپا رکھا ہے تو وہ اس  
کا جواب نہیں دے سکا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی یہی سمجھ  
رہا تھا کہ تم ہی کالی موت ہو۔ اور وہ تمہارے ساتھ کون  
کر رہا ہے۔“

”ہاں۔ یہی بات ہے۔ وہ خود نہیں جانتا تھا کرشن  
پرشاد نے ایک عجیب چال چلی تھی۔“

”خیر۔ میرے تو یہ سن کر مجھے انفوس ہوا تھا کہ ترپانی  
تمہارا راز دانا تھا۔ اور میں نے اسے اپنے ہاتھ سے ہلاک  
کر ڈالا۔ لیکن اب اس انفوس کا ازالہ ہو گیا ہے۔ اس نے  
بہر حال کالی موت کے راز کو چھپا رکھا تھا۔ چلے وہ تمہارے  
ساتھ تعاون کر رہا تھا کہ کرشن پرشاد کے ساتھ۔ وہ بھی  
ماہر کا جوہر تھا۔“

”ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن مجھے اس کی  
موت کا دکھ اس لئے ہوا ہے کہ جب تک کرشن پرشاد  
نے یہ پھیل نہیں شروع کیا تھا اس وقت تک بس  
وہی میرا راز دانا تھا۔ میں اس سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔  
اور وہ میری سن رہتا تھا۔ لیکن اب وہ بھی نہیں رہا  
ہے۔“

”اب تو میں تمہارے پاس آ گیا ہوں۔“ داہر نے کہا۔  
”اچھا۔ یہ تو کبھی کرشن پرشاد کو یہ پورا یقین ہے کہ تمہارا  
ذاتی لوازم درست نہیں ہے۔“

”ہاں۔ اسے پورا یقین ہے۔“ رام پرشاد نے چلا  
دیا۔ میں اس کے سامنے خود کو ہمیشہ پاگل ہی ظاہر

کر رہتا ہوں۔“

”لاش یہاں سے باہر کا کوئی راستہ مل سکتا۔“ داہر  
بڑبڑایا۔ میں تمہارے اس کرشن پرشاد کے ساتھ ساتھ  
اس مٹی چھری سے جیٹنا چاہتا ہوں۔ کیا تمہیں کھانا چاہیے  
کے لئے کوئی نہیں آ یا کرتا۔“

”نہیں۔ کوئی بھی براہ راست میرے پاس نہیں آتا  
ہے۔ بلکہ تم یہ سامنے والی دیوار دیکھ رہے ہو نا۔ یہ ایک  
خاص میکانزم کے ذریعے ایک طرف ہٹ جاتی ہے۔  
اس کی دوسری طرف بھی ایک کو کھڑی بنی ہوئی ہے۔  
اسی کو کھڑی میں غسل خانہ اور بیت الخلاء وغیرہ ہے اس  
میں ایک دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہے۔ جب کھانا  
یا پانی دینا ہوتا تو وہ لوگ اس باہری دروازے سے یہ  
سب لاکر اس کو کھڑی میں رکھ جاتے ہیں۔ پھر ان کے باہر  
جانے کے بعد اس کو کھڑی کی دیوار پر ہٹا دی جاتی ہے  
تاکہ میں دوسری طرف جا سکوں۔“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے لئے بہت سی سخت  
انتظامات کئے گئے ہیں۔“ داہر نے کہا۔

”ہاں۔“ رام پرشاد نے اپنی منھیں بھیج دیں۔ ”اور  
اسی لئے ہرگز نہ دلاؤقت مجھے یہ بتا رہا ہے کہ مجھے  
کرشن پرشاد کو کبھی اسی طرح ترپانی پر مارنا ہے چاہے  
وہ میرا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔“

وہ لوگ اس کی طرف سے ہندو ماحدی لاش اٹھائے  
تھے۔

لاش کو قبرستان میں دفن کر دیا گیا تھا۔ چونکہ اس  
اس لاش میں کسی قسم کا قانون وغیرہ نہیں تھا۔ اسی لئے  
ان لوگوں سے یہ سوال ہی نہیں کیا گیا کہ وہ کسی لاش  
ہے۔ اور مرنے والے کو کس نے گولی ماری ہے وہ ایک  
مشیز قبرستان تھا۔ جہاں ہندوؤں کو جلانے کی رسم ادا کی  
جاتی اور مسلمانوں اور عیسائیوں کو دفن کر دیا جاتا۔ لاش کی  
تدفین کے بعد وہ لوگ واپس آ گئے۔

گلا بکھڑا۔ ہرنگ اس حادثہ کی وجہ سے کبھی کبھی  
مدی لگی۔ پھر اس نے اپنے اعصاب سے اس سانحہ کی اس  
طرح جھٹک دیا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ عبد اللہ اس  
عورت کے آگے اعصاب پر حیرت ہونے لگی۔ اس  
کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا  
ہندو ماحدی لاش کا کاموں تھا تو وہ مجرموں کے ہتھکس

طرح چھڑ گیا تھا۔ اور کیا کلا کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کاموں پر مومن کے لئے کام کر رہا ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نذیر احمد نے اس دوران کلاسے باطل قائم کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ اس کے پیروں میں کسی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔

کملانے بھی جو کہ چپ سادھی تھی اسی لئے عدل نے بھی اس سے کچھ دریافت نہیں کیا لیکن وہ اب یہاں بڑے بڑے اکتا گیا تھا۔ اسے اس مقام سے انجن ہونے لگی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ ادھا پہلوان اور کلا اس کے لئے خاص ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے طور پر کچھ کر لینا چاہتا تھا۔ اس نے اسی دن کلاسے جلنے کی اجازت طلب کر لی۔

آخر تم جاؤ گے کہاں؟ کملانے بولوچھا۔ بولتی تو تمہارے لئے جاتی ہے۔ اس کے علاوہ یہاں چاروں طرف تمہارے دشمن پھیلے ہوئے ہیں۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔ برزخ اب اس سے چپ چاپ نہیں بیٹھا جاتا۔ تم کہہ رہی ہو کہ اس سے اپنے استاد کی بہت یاد آ رہی ہے۔ وہ سالہا اگر اس کے ساتھ ہوتا تو اٹھا جاتی نہیں رولا بڑھ جاتا۔“

”ہمت تمہارا کہہ نہیں جیو کر کے یہاں رکھا ہے۔ کملانے نے کہا۔ لیکن یہ ہم چاہتے ہیں کہ تم کی مصیبت میں دلچسپی جاؤ۔“

”یہ سالہا اپنی اچھی طرح جانتا ہے۔ برزخ اب بہت ہو گیا۔ وہ سالہا بدعاش لوگ یہ سوچ سون کر خوش ہو رہا ہوگا کہ اب اس سالہا چپ کر کے بیٹھ گیا ہے۔ لیکن ایک بار ذرا دلدار ماری جاو جو جائے۔ پھر دیکھنا کہ اب اس طرح ان لوگوں کا ڈر بڑھ کر دیتا ہے۔“

کلا اور ادھا دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں نمودار ہو گئیں۔ شاید ان کے خیال میں عدل صرف بائیں ہاتھ بنا جاتا تھا۔

”ابن کو سلیم کی بھی تلاش کرنی ہے۔ عدل نے پھر کہا۔ وہ سالہا ابن کے پاس استاد کا امانت تھا۔ استاد سالہا ابن کی گردن ناپ لے گا۔ مددگار کہیں پھر دیگا۔“

”کہا ہم کسی آدمی کو تمہاری حفاظت کے لئے تمہارے ساتھ کر دیں؟“ ادھا نے بولوچھا۔

”تم کیسی بات کرتا ہے۔ ادھا بھائی۔ ابن سالہا اور

بھولہ بن کا تماشا دیکھو۔“

”ہنگامہ کرنے والے اعتبار سے تمہاری لڑائی کوئی پرتل وغیرہ ہے۔ بلکہ کلا نے بولوچھا۔

”اور کیا۔ ایک بار اس کے ہاتھ میں آجائے تو پھر ان بادشاہ سے کوئی سالہا اسے نہیں آسکتا۔“

کملانے اشارے پر ادھا نے نہیں سے ایک پستول لاکر اس کے حوالے کر دیا۔ اس میں گولیاں بھی

بھری ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی اس نے گولیوں کا ایک ٹکس اس کے حوالے کر دیا۔ عدل کے چہرے پر اب

طمینان پیدا ہوئی اس نے پستول لے کر بڑے پیار کے ساتھ اسے چوما اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ پھر وہ کلا

اور ادھا سے اجازت لے کر اس مکان سے باہر آ گیا۔ اسے ان لوگوں کے رویے پر حیرت ہونے لگی تھی ان

لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی تھی۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اس کی ہر ممکن حفاظت کی فکر کیا کرتے

تھے۔ اسے تنہا باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن عدل نے یہ شکوکس کا تھا کہ اس بوڑھے کی لاش منے

کے بعد ان کے رویے میں تبدیلی آئی تھی۔ کچھ مرد ہری سی آئی تھی۔

اس مکان سے نکل کر عدل ایک طرف چل پڑا۔ اس کے سامنے کوئی منزل نہیں تھی۔ وہ اب بھی نہیں جانتا

تھا کہ اس شہر میں کس سے اس کو ملنا ہے۔ اور کیا کلا نے وہ اس کی دکانوں اور گالوں کو دیکھتا ہوا ایک طرف

چلتا رہا۔ یہاں جو لوگ کھتے انہیں دیکھ کر ایسا شکوک ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بین الاقوامی ائمروٹ پر موجود تھا

جو جہاں ہر ملک کے لوگ موجود ہوں۔ انہی چھوٹی سی جگہ میں اتنے خیر ملیوں کی موجودگی اس کے لئے جڑا

کا سبب بن گئی تھی۔ اس نے ایک عجیب بات یہ بھی دیکھی تھی کہ اس جگہ میں سواریاں بہت کم تھیں۔ اور جو تھیں

بھی ان کا خلقی ہستی کی انتظامیہ سے تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی سمجھ میں اس جگہ کی انتظامیہ بھی نہیں آئی تھی یہاں

ہر قسم کی غنڈہ گردی اور لاقانونیت ہوا کرتی تھی اور لاقانونیت اسے روکنے سے قاصر تھی۔ نئی نیسی انتظامیہ تھی۔

چلتے چلتے جب وہ تھکن فٹوس کرنے لگا۔ لوجائے

ہٹنے لگے۔ لے ایک چھوٹے سے ریسٹوران میں داخل ہو گیا

وہ ایک چھوٹا سا ریسٹوران تھا۔ جہاں کئی کی چن چینی

تھیں۔ ایک طرف ایک کاؤنٹر بھی ہوا تھا۔ جس کے

پچھلے ایسا آدمی بیٹھا تھا جس کو دیکھ کر عدل چونک پڑا۔ وہ اس کو پہچانتا تھا۔ بھائی میں اس کی ملاقات

اس آدمی سے پہلی تھی۔ لیکن کہاں۔ یہ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ بہت جانا پہچانا چہرہ تھا۔ جیسے دونوں بہت

دنوں تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہوں۔ پھر عدل کے ذہن کی دھند صاف ہونے لگی۔

اسے یاد آ گیا کہ اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا تھا۔ یہ اس کا جیل کا ساتھی تھا۔ اس کا نام وکرم تھا۔ جس کی بقا کلا

حلقے کی سزا جھگڑ رہا تھا۔ وکرم کو پہچانتے ہی عدل کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ رینک گئی۔ اسے ایک اچھا

سا جو صلہ محسوس ہونے لگا۔ بڑے وقت کے ساتھی میں کلام آیا کرتے ہیں۔ وکرم بھی اس کے ان دنوں کا ساتھی تھا

جب وہ جیل میں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میرے لوگوں کی دوستی اچھے لوگوں کی دوستیوں سے کہیں زیادہ پائیدار

اور کارآمد ہوا کرتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ جلتا ہوا کاؤنٹر کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا

وکرم اس وقت بھی آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ عدل نے کاؤنٹر پر ہاتھ مارا۔ وکرم نے چونک کر عدل کی طرف

دیکھا۔ پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس نے عدل کو پہچان لیا تھا۔ وہ کئی کی تیزی سے کاؤنٹر

کے عقب سے باہر آیا اور اپنے دونوں بازو پھیلا دئے۔ دونوں بہت اہمک کر ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔

وہ دونوں بار بار ایک دوسرے کو مٹا کر دیکھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو پہچاننے لیتے۔ عدل کا اندازہ درست تھا۔

وکرم نے اسے فراموش نہیں کیا تھا۔ پھر جب گرم جوشی کا یہ طوفان تھا تو وکرم نے عدل کا ہاتھ پکڑا اور اسے اس

ہال کے برابر بنے ہوئے ایک کمرے میں لے آیا جہاں آرام دہ بستر تھے ہوئے تھے۔

بھٹوان کی قسم۔ تمہیں دیکھ کر مجھے زندگی مل گئی ہے۔ عدل بھائی۔ وکرم نے کہا۔ ایسا لگتا ہے جیسے

میں پھر سے جوان ہو گیا ہوں۔ مجھ میں کئی آگئی ہے۔ میرے بھائی تم یہاں کہاں سے آ گئے۔

”یہ اسٹوری بھی سالہا بڑا خطرناک ہے وکرم۔ عدل

مسکراتے ہوئے بولا۔ سالہا بالکل سفلہ اسٹوری لگتا

ہے کچھ میں نہیں آتا کہ اب یہ حیرتوں آیا ہے کس

طرح آیا ہے۔ لیکن تم سالہا میں چھوڑ کر ایدھر کیوں آ گیا۔

ادھر تو تمہارا دھندہ بانی ٹھیک ٹھاک تھا۔ پھر تم ایدھر لپک ہو گئے تھے۔ یہ سب سالہا کی لڑ بڑ ہے۔

”میں نہیں اپنے بارے میں بتا دوں گا عدل بھائی پہلے میں نہیں اپنی بیوی سے ملوا دوں۔“

”کیا تم نے ایدھر شادی کر لیا۔“ عدل نے حیرت سے بولوچھا۔

”ہاں۔ عدل بھائی۔ میری بیوی کا نام وصتی ہے۔ یہ ہونٹ لسی کا ہے۔ لیکن مجھے ہریشا نہیں بہت اچھی اور

زندگی خراب ہو کر رہی ہے۔ اب تم آگے ہو تو لڑا لڑا ہے جیسے ذہن سے بوجھا کر گیا ہو۔ تم کو دیکھ کر لڑنا ہی

حاصل ملا ہے۔ ورنہ میں اس سے پہلے کئی کی بہرہ ور ہی نہیں کر سکتا تھا۔

آخر بات تو بتاؤ۔ کیا چکر ہو گیا ہے۔ تمہارے ساتھ پہلے تم بتاؤ۔ تم ایدھر کیوں آ گئے؟ یہ تو مصیبتوں

سے بھری ہوئی لگتی ہے۔ یہاں آئے کا مطلب ہے کہ آدمی اپنی زندگی سے لے زار ہو گیا ہے۔ عدل بھائی

ہم لوگ بھی کوئی تشریف نہیں ہیں۔ ہم نے بھی بہت کچھ کہا ہے۔ لیکن یہ تو شیطانوں کی لگتی ہے۔ یہاں ایسے

ایسے بڑے ہوئے ہیں کہ عقل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ جی جانتا ہے کہ

سب چھوڑ چکا۔ یہاں سے بھاگ لیں۔ لیکن انہی جگہ کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے کہ کہیں فرار بھی ہو سکتا

میں۔ ادھر جیل میں تھا تو یہ بھی تھا کہ اس سے زیادہ مصیبت

اور کہیں نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہاں آکر اس لگ رہا ہے جیسے جیل کی مصیبتیں یہاں کے مقابلے

میں کچھ نہیں تھیں۔ مجھے کون سی ایسی بد قسمت گھڑی تھی کہ میں نے یہاں آئے کا فیصلہ کیا تھا۔

”اوہ۔ تم سالہا تو دیب کی رکاوٹ ڈالنا لگ پل رنیا ہے۔ عدل نے کہا۔ اب سالہا ایسا لڑا لڑا ہوئے

کا کہا بات ہے۔ اب تم سالہا ابن کو دیکھو۔ اب سالہا اپنی مرضی سے نہیں آیا۔ پھر بھی مومن ہیں۔ یہ جو ہو گا سالہا

دیکھ جائے گا۔“

”وہی تو بولوچہ رہا ہوں عدل بھائی کہ تم یہاں کس

طرح آ گئے؟ وکرم نے بولوچھا۔ تم پہلے مجھے اپنے بارے

میں بتاؤ۔ پھر میں کہیں اپنے بارے میں بتاؤں گا لیکن

بھٹو۔ اس سے پہلے تم میری بیوی سے مل لو۔ کچھ ناشتہ

وغیرہ کرلو۔ پھر اطمینان سے باتیں ہوں گی۔

عبدال اسے روکنا چاہتا تھا لیکن وکرم اس کمرے میں بنے ہوئے ایک دوسرے دروازے سے دوسری طرف چلا گیا۔ شاید اس نے اپنی رہائش کا بندوبست بھی اسی ہوش میں کر رکھا تھا۔ یہ ایک بڑا مکان تھا جس کے ایک بال کو بوش بنا دیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے کمرے اور مکان کے دوسرے حصے رہائش کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ عبدال نے نیچے کو دیوار کے ساتھ لگا ٹریک لگانا وکرم نے آنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ تنہا نہیں تھا اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی بہت ہی بھرپور اور دلکش جس کی آنکھوں میں چمک تھی اور ہوش پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس کا بدن بہت بھرپور اور اس کا ہاتھ اس کے گلہ باری رنگ کی ایک پھولدار سا دلچاسا باندھ رکھی تھی۔ اس سا دلچاسی میں اس کا سراپا اور بھی جاذب نظر ہو گیا تھا۔ یہ ہے میری بیوی وسنتی، وکرم نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عبدال کو بتایا۔ اور عبدال بے ہراس دوست بہر لکھائی سب کچھ۔

وسنتی نے بڑی ادا کے ساتھ ہاتھ جوڑتے ہوئے عبدال کو ہنستے کیا جس کے جواب میں عبدال نے اسے سلام کیا تھا۔ لیکن وہ اس عورت کو دیکھ کر کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا تھا۔ اس کی نگاہیں اسے اپنے جسم پر بڑھ چھوٹی کی طرح چلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وسنتی سامنے رہی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گئی جبکہ وکرم کھڑا رہا تھا۔ "تم جاؤ۔ جلدی سے کچھ لے آؤ۔" وسنتی نے وکرم کی طرف مڑ کر کہا۔ "عبدال صاحب کو بھوک لگ رہی ہو گی۔"

"نہیں۔ نہیں بھائی۔ فی الحال تو میں صرف چائے پیوں گا۔" عبدال جلدی سے بولا۔ اور نگاہ کی ضرورت نہیں ہے۔

چائے بھی مل جائے گی۔ وسنتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر وکرم کی طرف مخاطب ہوئی۔ "اب تم جاؤ نا کچھ بھوکے سوچ کر رہا ہے ہو گا۔"

وکرم جلدی سے دروازے سے باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد وسنتی نے عبدال کی طرف دیکھا تھا۔ آپ ہماری نہیں جائیں گے۔ عبدال صاحب۔ آپ عبدال بہر بادل کر رہ گیا۔ اس عورت کا رویہ ٹھیک

نہیں تھا۔ کچھ عجیب تھا۔ اس کے اندر جس قسم کی بے باکی تھی وہ عبدال نے اس سے پہلے کچھ دوسری عورتوں میں بھی دیکھی تھی۔ لیکن وہ عورتیں کسی کی بیویاں نہیں بنا کر تھیں۔ ان کی زندگی کسی اور انداز سے گزرتی تھی۔

"کیا بات ہے آپ کچھ بولتے نہیں ہیں کیا۔" وسنتی نے اسے چھوڑنے کی کوشش کی۔ "آپ تو بالکل چپ چاپ بیٹھے ہیں۔"

"اب ایسا بات بھی نہیں ہے۔" عبدال نے بہت سنبھل بھل کر کہا۔ "ابن بولتا بہت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں بہت بولتا ہوں۔ لیکن اس وقت ذرا کھانا کھا رہا ہوں۔"

وسنتی نے اپنے کے بعد آپ کی گفتگو ختم ہو جائے گی۔ وسنتی ایک اولٹے ساتھ بولی۔ وکرم تو آپ کی بہت تفریہ کیا کرتا تھا۔ بہت تھا کہ عبدال صاحب اتنے زبردست آدمی ہیں کہ پورے ملک میں ان کا جواب نہیں ہوگا۔

لیکن یہاں تو آپ میں کوئی زبردستی نہیں دکھائی دی۔ خیر میں چلنے سے گراؤں تو ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ چائے پینے کے بعد آپ کا موڈ ٹھیک ہو جائے۔"

بھر وہ جس طرح کھینچتی اور اٹھاتی ہوئی کمرے میں آئی تھی اسی طرح واپس چلی گئی۔ عبدال نے اس کے جانے کے بعد اطمینان کی سانس لی تھی۔ اس کے لئے ایک الجھن تھی کہ وہ اس کے ایسے دوست کی بیوی تھی جو اس کو دیکھ کر بہت خوش ہو گیا تھا۔ جس نے عبدال پر اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ اسی لئے وہ اس عورت کی اوڑھن کے جواب میں الجھ نہیں کر سکتا تھا۔

وکرم بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں آگیا۔ "تم نے دیکھ کیا میری بیوی کو؟" اس نے عبدال کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ دیکھ لیا۔" عبدال نے جواب دیا۔ "اچھا ہے بہت اچھا ہے۔"

کی اس دن میری لاش سڑک پر پڑی ہوئی دکھائی دے گی۔ میں نے تم سے کہا تھا نا کہ میں۔"

ابھی اس کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ وسنتی ایک رٹے میں چائے اور کھانے بیٹنے کا بہت سا سامان لے آئی۔ وہ وکرم کی موجودگی میں بھی عبدال سے ہلک ہلک کر باتیں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اپنی اوڑھن بڑی فطرتی کے ساتھ پھانچا کر رکھ رہی تھی اور وکرم بالکل خاموش تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہ ہو۔ عبدال نے ایسی بے حساسی سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وکرم نے وسنتی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ضرور۔" وسنتی مسکرا دی۔ "لیکن واپس بھی لے آنا۔ ایسا نہ ہو کہ باہر سے باہر چلتا کرو۔"

"ابن تو کچھ دنوں کے بعد چائے گا۔" عبدال نے کہا۔ "تم سالہا ابن کی چھتا مت کرو۔ اتنی آسانی سے جانے کا نہیں ہے۔"

وسنتی کھلکھلا کر ہنستی ہوئی بولی۔ "مر آگیا میں نے اس سے پہلے ایسی بیٹی زبان بھی نہیں سنی۔ جی چاہتا ہے کہ تم بولتے رہو اور میں سنتی رہوں۔"

وکرم نے اس وقت عبدال کا ہاتھ پکڑا اور اسے باہر لے گیا۔ باہر جانے کے لئے انہوں نے ہوش کے بستے کو استعمال کیا تھا۔ اس وقت بال کے کاؤنٹر پر ایک اور آدمی بیٹھا ہوا تھا جسے شاید وکرم نے اپنی غیر موجودگی میں پھینکا دیا تھا۔ وہ دوڑوں بوش سے باہر گئے۔

"آؤ میں آپ ایک پرسکون جگہ کے چل چلاؤں۔" وکرم نے کہا۔ وہاں بھاری باتوں میں مداخلت کرنے کے دالا کوئی نہیں ہوگا۔

وہ دوڑوں اس بستی کے میدان کے ایک قدرتی نیلے برائے گئے۔ یہ ایک قدرتی تیلہ تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے اسے نشتر کے طور پر استعمال بھی کیا جاتا ہو۔ اس کے اوپر ایک بڑا سا پتھر بھی پڑا ہوا تھا۔ جوان دوڑوں کے پھٹنے سے لے کافی تھا۔ وہ دوڑوں ہی پتھر پر آ کر بیٹھ گئے۔ اس وقت وکرم بہت کھو یا کھو یا سا اور ہلکا سا محسوس ہو رہا تھا۔ "ایسا دن ہے جیسے تم سالہا ابن سے بڑا دیو و اس

بنیلا ہے۔" عبدال نے کہا۔ "اب ابن کو بتائی دو کہ بہت کیا لکھا ہے۔ تم سالہا ابنی بیوی سے کہیں دو بتاؤ۔ وہ اگر خراب عورت ہے تو پھر تم نے اس سے شادی کیوں بنایا تھا۔ پھر تم سالہا اتنے اچھے شہر کو چھوڑ کر اس جھیلے میں کیوں آگیا۔؟"

"اس بات کا تو پتہ تھا وہاں سے دوستی وکرم نے کہا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہاں اگر زندگی اس طرح عذاب بن جائے گی۔ وہاں اچھی خاصی گزیر رہی تھی۔ لیکن یہ جو سانی لائی ہے نا۔ یہ آدمی کو کسی کام کا نہیں رہنے دیتی۔ اسے میرا وکرم کے رکھ دیتی ہے۔ تم تو میری بہتری سے واقف ہی ہو۔ میں پہلے فلم انڈسٹری میں کیرئیر میں تھا۔ یہ میرا نہیں بلکہ دوسروں کا تھا۔ میں نے بہت دنوں کے بعد فلم انڈسٹری کو کچھ جیسا دیکھا۔ کیرئیر میں ملا ہے۔ میں نے فلموں کی فوٹو گرافی کی میرے کام کو سراہا بھی گیا۔ یہ سب کچھ تو بتا رہا لیکن میری آمدنی نہیں بڑھ سکی۔ یعنی اتنا کم مل جاتا تھا کہ کسی طرح گزیر رہا ہوا جانی۔ لیکن وہی لالچ والی بات ہے۔ ہوس یہ بھی کہ زیادہ سے زیادہ آجائے۔ اتنا آجائے کہ ساری زندگی عیش سے گزریں گے اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ انڈسٹری والوں کی زندگی بہت مختصر ہو کر رہی ہے۔ اگر قسمت ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ نہیں کامیابی مل رہی ہے تو پھر ہر کوئی ان کے آگے پیچھے نہ جاتا ہے اور جہاں دو تین ٹکس نام ہو ہیں۔ اس کا تدارک بھی بدل گیا۔ اسی لئے انڈسٹری کا بہر محض اپنے طور پر جلد سے جلد اتنا کم لینا چاہتا ہے کہ ساری زندگی کو کافی ہو تو عبدال بھائی میری بھی یہی خواہش تھی۔ لیکن ہوا کہ میں اس جگہ میں غلط آدمیوں کے ہاتھوں پڑ گیا۔ انہوں نے مجھ سے غلط قسم کی تقصیریں بنوائیں۔ اور یہیں سے میری جرمنا زندگی کا آغاز ہو گیا۔ حالانکہ اس سے پہلے میں بہت سیدھا سادھا آدمی تھا۔ بہر حال میں نے فلم انڈسٹری چھوڑ دی۔ غبن کئے ڈاکے ڈالے۔ بالآخر ایک فائنل جیل کے جرم میں جیل بھیج دیا گیا جہاں تم سے ملاقات ہوئی تھی۔ جیل سے نکلنے کے بعد میرے پاس کوئی تھا نہ نہیں تھا۔ دوسری طرف انڈسٹری بھی واپس نہیں جاسکتا تھا میری سبھی میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کروں کہ اس دوران یہ وسنتی مجھ سے آکر انی جواب میری بیوی ہی ہوئی ہے۔

"اوہ۔" عبدال نے اپنے ہونٹ مسکرایے۔ "تو یہ عورت سالہا تم کو کبھی میں ملا تھا۔"

ہاں بھی ہو کر مرنے جواب دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ بہت دنوں سے میرے پیچھے تھی۔ وہ جاتی تھی کہ میں کون ہوں۔ اور میرے پاس فوٹو لڑائی کا کیسا ہنر ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اگر میں اس کی بات مان لوں تو میرے دن پھر جائیں گے۔ اور وہ بات یہ تھی کہ میں معصوم لڑکیوں کی غلط تقصیر میں بنایا کروں۔ عبدال بھائی! میں یہ کام پہلے بھی کر چکا تھا۔ اور میرا دل اس سے اچھا ہو گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوبارہ معصوم لڑکیوں کی بد دعا میں لینا شروع کر دوں مجھے بیسیوں کی ضرورت تو تھی۔ لیکن اس انداز سے اب نہیں چاہتا تھا۔ اسی لئے میں نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ مجھے اس بات پر بھی حیرت تھی کہ یہ کیسی عورت ہے جو اپنی ہی صنف کو تباہ کرنا چاہتی ہے۔ میرے دل میں اسی دن سے اس کے خلاف نفرت پیدا ہوئی تھی۔ جس وقت یہ مجھ سے ایسی باتیں کر رہی تھی اس وقت میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں مار مار کر اس کی بد بیاں توڑ ڈالوں۔ یہ تو عورت کے نام پر ایک جوتہ تھی میں نے انکار کر دیا۔ نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کی اپنی خاصی تو میں بھی کر ڈالی۔ وہ میرے پاس سے اٹھ کر چلی گئی میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ معاملہ تو اس دن سے شروع ہوا تھا۔

وکیا اس عورت نے تیرے ساتھ کوئی کھیل چاہا تھا کہا! عبدال نے بوجھا۔

”اس عورت نے نہیں بلکہ اس کے ساتھیوں نے“

وکر م نے بتایا۔ دوسرے ہی دن!

اس کی گفتگو اور دوری رہ گئی۔ اسی وقت اندھیرے میں کسی طرف سے کوئی چلی اور وکر م ایک چوڑے کے ساتھ ٹھکنا ہوا شیشے سے پیچھے جا کر عبدال نے بھی اس کے ساتھ ہی جھلانگ لگا دی تھی۔

عبدال کو یہ اندازہ نہ تھا کہ گولی کس طرف سے چلائی گئی ہے لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کی قسمت اس کا ساتھ دے گئی تھی۔ وکر م اندھیرے میں چلائی ہوئی گولی وکر م کے بجائے اس کو بھی لگ سکتی تھی۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ وکر م کا کیا حال ہوا۔ اس نے وکر م کی چیخ شنائی تھی اس کے بعد وہ شیشے سے ٹھک گیا تھا۔

عبدال نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ

جلد اور آس پاس ہی کہیں موجود ہو گا۔ اور وہ اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہا ہو گا۔ اس اندھیرے میں جہاں وہ جلد اور اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہاں اس اندھیرے نے عبدال کو بھی اس کی نگاہوں سے اوجھل کر رکھا ہو گا۔ جلد اور ایک ہی گولی جلا کر خاموش ہو گیا تھا عبدال کچھ دیر تک تو اپنی جگہ پر بڑا رہا۔ پھر اس نے کہنوں کے بل آہستہ آہستہ آگے کی طرف رینگنا شروع کر دیا۔ وہ زیادہ دیر تک اسی طرح خاموش نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسری طرف اسے وکر م کا بھی خیال تھا۔ وہ اس کی جان پہچان کا تو تھا ہی اس کے علاوہ اس کی بیوی وسنتی عبدال کو کام کی معلوم ہوتی تھی۔ وکر م کی کہانی سننے کے بعد اس نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اس عورت کی مدد سے وہ ان لوگوں تک پہنچ سکتا ہے جو ان تمام ہنگاموں کے ذمے دار تھے۔ کہنوں کے بل رینگنا ہوا وہ شیلے کی دوسری طرف نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی جلد اور اس طرف موجود رہا تو وہ اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر اس پر قابو پائے گی کوشش کسے گا۔ لیکن اس طرف کوئی بھی نہیں تھا۔ گوجہ وہاں گھسپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ لیکن کوئی ہوتا تو اس کا خاکا تو ضرور دکھائی دے جاتا۔ پھر جب اسے کوئی دکھائی نہیں دیا تو اس نے اپنا ایک کان زمین سے جیکا دیا۔ وہ آہستہ سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن کسی قسم کی کوئی آہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے جلاؤ ایک ہی گولی چلانے کے بعد فرار ہو گئے ہوں۔ اب اسے یہ بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ گولی وکر م ہی پر چلائی گئی تھی یا اس کا نشانہ وہ تھا۔

جب کچھ دیر تک اسے کوئی آہٹ سنائی نہیں دے سکی۔ اور نہ ہی کوئی دکھائی دیا تو جلا کر وہ کھڑا ہو گیا۔ گرچہ اس نے ایک حاکم کی تھی۔ لیکن اس طرف اندھیرے میں ادھر ادھر جھٹکنے رہنا بھی اسے پسند نہ تھا۔ ایسا جان بوجھ کر صبر اور انتظار اس کی فطرت کے خلاف تھا۔ ویسے وہ اس بات کے لیے تیار تھا کہ اب کسی سمت سے کوئی گولی اسے آکر گرنے والی ہے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ کوئی گولی چلی اور نہ ہی کوئی آہٹ سنائی دی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اس شیلے کے آس پاس کوئی نہیں ہے تو وہ وکر م کو تلاش کرنے لگا۔

وکر م اسے ایک طرف گڑ بول گیا تھا۔ اور اسے کوئی

گڑا زخم بھی نہیں آیا تھا۔ جلد اور کی جلائی ہوئی گولی اس کے ایک بازو کے گوشت کو ادھیڑتی ہوئی گزر گئی تھی عبدال کو تاؤ دیکھ کر وہ اپنے ایک ہاتھ سے اپنے زخمی بازو کو دباتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

”جنگلوں کا شکر ہے کہ یہ گولی نہیں نہیں لگی۔“ اس نے کہا۔ ”مجھے بھی زیادہ گڑا زخم نہیں آیا ہے۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔“

”یہ کیا چکر ہے؟ تم پر کس نے ٹین ٹنٹاک کر دیا؟“ عبدال نے پوچھا۔ ”اپن سالہ تو یہ سمجھا تھا کہ تم پر لوگ سدا گلیبے۔“

”یہ مجھ پر تیسرا حملہ ہے عبدال بھائی۔“ وکر م نے کہا۔

”اس سے پہلے بھی دو حملے ہو چکے ہیں۔ اور حیرت کی بات ہے کہ ان کا کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں ہوا۔“

”پھر ان کا تو ایسا لگتا ہے کہ ان کا ہر حملہ کامیاب ہو گیا ہے۔“ عبدال کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ وہ لوگ تیرے کو کھلا کر نہ کرنا نہیں چاہتے۔ بس ڈرانا چاہتے ہیں۔ اسی لیے ایسا حملہ کیا ہے۔“

”اوہ۔“ وکر م نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ تم ٹھیک کہتے ہو عبدال بھائی۔ اب مجھے بھی ایسا ہی لگ رہا ہے۔ لیکن یہ کون کون ہو سکتے ہیں؟“

”ابن کو تو سالہ اس بستی کا جغرافیہ نہیں معلوم، پھر ان لوگوں کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اب تم کھرجو۔ ٹھیک! سالہ مرہم جی بھی کرنے کا ہے کیا؟“

”وہ دونوں گھر واپس آ گئے۔ یہاں وسنتی جائے تیار کیے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ وکر م کو زخمی دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ رینگ گئی۔ اس کی مسکراہٹ نے عبدال کا خون کھولا دیا تھا۔ لیکن وہ ایسا موقع نہیں تھا کہ اس وقت اس عورت سے الگ ہو سکتا۔ اس نے وکر م کو چار پائی پر بٹھایا اور وکر م پانی سے اس کے زخم کو دھو کر مرہم لگا کر بچی باندھ دی۔ وسنتی اس دوران بڑی دلچسپی سے اس کی کارروائی دیکھتی رہی تھی۔

”بپ تو پورے ڈاکٹر معلوم ہوتے ہیں عبدال صاحب! اس نے کہا۔“ اتنی صفائی سے پٹی باندھی ہے کہ واہ، ذرا اگلیا۔“

”ابن سالہ! اگر ہو یا نہ ہو پر سالہ ابن کو یہ نہیں معلوم کہ تم وکر م کی کیسی بیوی ہو۔“ عبدال سے برداشت نہ ہو سکا

نخشا۔ ”تم نے سالہ یہ بھی نہیں معلوم کیا کہ تمہارے پتی کو کیا ہوا ہے؟“

”یہ کوئی نئی بات نہیں ہے عبدال صاحب۔“ وسنتی سنبھ ہو کر بولی۔ ”دو بار پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے اور دونوں بار ان کو گھر سے زخم نہیں آئے ہیں۔ وہ لوگ جو بھی ہوں وکر م کو مارنا نہیں چاہتے صرف ڈرانا چاہتے ہیں۔ تاکہ یہ ادھر ادھر اپنی زبان نہیں کھولنا پھرے۔“

”کیا مطلب؟“ عبدال نے چونک کر پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ وسنتی ایک اواسے مسکرا دی۔ ”اب چوڑی یہ سب، چائے بی بی۔ میں نے آپ کے لیے بہترین چمکے بنائی ہے۔ پی کر مڑا آجائے گا۔“

رام پرشاد نے اپنی کہانی سنادی تھی اور وارپا رام سر پیٹ کر رہ گیا تھا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اسے اس انداز سے بھی بے وقوف بنایا جاسکتا ہے۔ اسے خود سے زیادہ مٹی کی فکر تھی کہ ریش پرشاد اس کے سامنے سے مٹی کو لے گیا تھا اور وہ کچھ بھی نہیں کر رہا تھا۔ وہ رام پرشاد سے لگا ہوا تھا۔ جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ قدرت نے اسے ایسا کیا تھا۔ دے دیا تھا جو اتنا ہی مگر، شاطر اور بے رحم تھا۔

”کاش میں یہاں سے کسی طرح نکل سکتا۔“ اور بڑ بڑایا۔

”کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی امید نہیں ہے؟“

”بہت مشکل ہے۔“ رام پرشاد نے اپنے ہونٹ مسکراتے۔

”جب یہ مکان خالی ہو تو چھپتے چھپتے آواز بھی بیچھ جائے گی۔ اور کوئی دھیان دینے والا نہیں ہو گا۔ ایسا کنی بار ہو چکا ہے۔ انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ اس ویلے میں کوئی نہیں آتا۔ اس لیے بے فکر ہو کر مجھے چھوڑ جاتے ہیں۔ انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ میں مجھو کا رہتا ہوں یا پیسا سا مر رہا ہوں۔“

”کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس لڑکی کو کہاں لے جایا گیا ہو گا؟“ داوڑ نے پوچھا۔

”ظاہر ہے۔ وہ اسے اپنی حویلی میں ہی لے گیا ہو گا۔“

رام پرشاد نے بتایا: جہاں اور مجھ نہ جانے کتنی مظلوم لڑکیاں سکے ہوئے زندگ گزار رہی ہیں۔“

داوڑ جھانسا ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایسی بے بسی کا سامنا اس نے کبھی نہیں کیا تھا۔ یہاں تو ہاتھ پیر پیر

ہو کر رہ گئے تھے۔ کوئی راستہ ہی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے کوٹھڑی کی سلاخوں کے ساتھ بھی زور آزمائی کر کے دیکھ لی تھی، لیکن بے سود۔ سلاخیں اتنی مضبوطی کے ساتھ زمین میں گڑی ہوئی تھیں کہ انہیں صرف خاص کسٹم ہی کے ذریعے اٹھایا جاسکتا تھا۔

پھر چاناک مایوسی کے اس اندھیرے میں روشنی کی ایک کرن سی دکھائی دے گئی۔ یہ ایک آواز تھی کسی جیب کی آواز جو ابھی تو دور تھی لیکن آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔ شاید کچھ لوگ اس مکان کی طرف ہی آرہے تھے۔ یہ کرشن پرشاد دیا اس کے آدمی بھی ہو سکتے تھے لیکن داور کے لیے یہی بات اہم تھی کہ اس ویرانے میں بالک تحریک ہوئی تھی۔ کوئی اس طرف آرہا تھا۔ چاہے وہ جو بھی ہو۔ رام پرشاد بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر سلاخوں کے پاس آگیا۔ اس نے بھی جیب کی آواز سن لی تھی، اور اس کی آنکھوں میں ابھی چمک پیدا ہو گئی تھی۔ وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے ہوئے اس جیب کی آواز سن رہے تھے جس میں آنے والے ان کے لیے نجات دہندہ بھی ہو سکتے تھے اور ان کے دشمن بھی ہو سکتے تھے۔

جیب کی آواز مکان کے باہر کدوم توڑ گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ جیب مکان کے پاس آکر رک گئی ہے۔ اور اب انہیں جیب سے آنے والوں کا انتظار تھا۔

کچھ دیر گزر گئی پھر کسی لڑکی یا عورت کی آواز سنائی دی۔ یہ مکان تو خالی معلوم ہوتا ہے جانو۔

داور نے بے تاب ہو کر رام پرشاد کے شانے پر ہاتھ

رکھ دیا۔ یہ کوئی اور لوگ ہیں، ہمارے لیے راستہ نکل آیا ہے۔ اتنا کہہ کر داور نے زور زور سے آوازیں دینا شروع

کر دیں۔ رام پرشاد بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ ان کی آوازیں سے وہ خالی مکان گونجنے لگا تھا۔ دوڑتے ہوئے

قدموں کی آوازیں ابھریں۔ اور ایک نوجوان اور ایک لڑکی آکر اس کوٹھڑی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ وہ نوجوان

ایک خوش شکل اور کسرتی بدن کا آدمی تھا۔ جبکہ وہ لڑکی بھی بہت چاق و چوبند اور ذہین معلوم ہوتی تھی۔ ان

دونوں نے جینز پہن رکھی تھیں۔ لڑکی نے اپنے شانے سے ایک کمرہ بھی لٹکار رکھا تھا جبکہ نوجوان کے ہاتھ میں ایک بندوق تھی۔ یہ دونوں بڑی حیرت سے داور اور

رام پرشاد کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”کون ہو تم لوگ؟“ لڑکی نے پوچھا۔ کس نے بند کیلے تھیں؟“ پہلے تم نہیں یہاں سے نکالنے کی ترکیب کرو۔ پھر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ داور نے کہا۔

”یہ تو بہت مشکل ہے۔“ لڑکی نے اپنے ہونٹ سیٹھے۔ ”کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہم شکار کرنے کے لیے نکلے ہیں اور شکاروں کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ ہر ایک کی مدد کرتے رہیں۔ ابھی ہم ایک گاڑی کو دھکے لگا کر اسٹارٹ کر دیا ہے۔ اور اب تم مدد کے لیے کہہ رہے ہو۔“

داور کو اس لڑکی پر غصہ آنے لگا تھا لیکن یہ موقع غصہ دکھانے کا نہیں تھا اور نہ یہ سرچھری لڑکی اپنے ساتھ تھی نوجوان کو واپس بھی لے جاسکتی تھی۔

”دیکھو بی بی، یہ موقع ایسی باتوں کا نہیں ہے۔“ اس نے نرم لہجے میں کہا۔ ”اگر وہ ڈاکو واپس آئے تو جنہوں نے ہمیں اغوا کر کے بیان قید کر رکھا ہے تو پھر ہمارے ساتھ تم بھی چھٹی جاؤ گے۔“

”تھک ہے۔“ نوجوان نے اپنی گردن ہلائی۔ ”یہاں کر تم لوگ مظلوم ہو لیکن تم خود ہی باہر کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟“

”یہ سلاخیں یہاں سے نہیں اٹھ سکتیں۔“ رام پرشاد جلدی سے بول پڑا۔ ”دوسرے کمرے میں وہ سیدرنگا ہے جس کو گھمانے سے یہ سلاخیں اوپر اچھ جائیں گی۔“

”باہر آنے کے بعد تم لوگ ہمارے لیے کوئی پریشانی تو نہیں کھڑی کر دو گے؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”کیا میں اپنی صورت سے اتنا احسان فراموش کر سکتی ہوں؟“ داور نے سوال کیا۔

لڑکی مسکرا کر رہ گئی۔ وہ نوجوان کچھ نڈبڑب میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پھر ان دونوں نے آہستہ آہستہ کچھ بائیں

کھیں۔ پھر اس کمرے کی طرف چلے گئے۔ جس طرف کہ رام پرشاد نے اشارہ کیا تھا۔

”چلو نجات کی صورت تو نکلی۔“ داور نے کہا۔ ”اب کرشن پرشاد کو اپنی بدعاشی کی سزا جگھٹتی ہوگی۔“

”وہ تم سے کہیں زیادہ میرا دشمن ہے داور۔“ رام پرشاد

دھیرے سے بولا۔ ”تمہاری دشمنی تو ان کی ہے لیکن میں تو برسوں سے اس کے مسلط کیے ہوئے غراب کو برداشت

کر رہا ہوں۔ وہ میرا بھائی ہے تو کیا ہوا۔ میں نے اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔“ داور نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت سلاخیں بلند ہوئی شروع ہو گئیں۔ داور نے پوری طرح سلاخوں کے کھنکے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ وہ کوٹھڑی کے فرش پر لیٹ کر پھسٹا ہوا باہر آگیا۔ رام پرشاد نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ وہ دونوں آزاد ہو چکے تھے۔ اس دوران وہ نوجوان اور لڑکی بھی اس کمرے سے نکل آئے۔

”تمہارا بہت بہت شکریہ دوست۔“ داور نے اس نوجوان کی طرف دیکھا۔ ”تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔“

”تم صورت سے تو نارازن معلوم ہوتے ہو۔“ لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”لیکن اس کوٹھڑی سے باہر نہیں آسکے۔“

”کھانا خاموش ہو جاؤ۔“ نوجوان نے اسے جھٹک دیا۔ پھر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔ ”معاف کرنا، میری بہن کو بکواس کرنے کی بہت عادت ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ داور مسکرا دیا۔ ”تمہاری بہن کو لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ باتیں اس کی زندگی کی دلیل

ہیں۔“ ”شکر یہ شکریہ۔“ کھانے آداب کرنے والے انداز میں

لینے پانچہ کر جینش دی۔ ”اب یہ بھی بتا دو کہ وہ کون بدبخت تھا جس نے تم لوگوں کو یہاں بند کر رکھا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو تو بہت ہے۔“ داور نے کہا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ تمہاری ہنستی کیلین زندگی

پر کوئی تازہ سایہ اندازے کرے۔ تم لوگ جہاں جا رہے تھے، وہاں چلے جاؤ۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ابھی روانہ ہو جاؤ۔ ورنہ وہ لوگ

واپس آئے تو مشکل ہو جائے گی۔ تم نے ہماری مدد کی ہے، ہم اس کا بدلہ تو نہیں دے سکتے لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگر تمہیں بھی

کسی مدد کی ضرورت ہو تو بے تحکک ہیں آواز دے لینا۔ ہم ہر طرح تمہاری مدد کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔“

”اب تم سے ملاقات ہی کہاں ہوگی جو تم سے مدد مانگیں گے۔“ لڑکی نے جلدی سے کہا۔

”ملاقات ہو بھی سکتی ہے۔ یہ دنیا اتنی وسیع نہیں ہے۔ جتنی وسیع دکھائی دیتی ہے۔ خاص کر جب آدمی کو دکھ لگیں

تو اس کے لیے بہت مختصر ہو کر رہ جاتی ہے۔“ ”باتیں تو تم بہت اچھی کر لیتے ہو۔“ لڑکی ہنسنی ہوئی بولی۔ ”کہاں سے سیکھی ہیں ایسی باتیں؟“

”زندگی نے سکھا دی ہیں بی بی۔“ اچھا اب تم لوگ چل دو ہم نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تم چھٹی جاؤ۔“ اس نے اس نوجوان کی طرف مصلحتی کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ نوجوان نے ہائی باری دونوں سے ہاتھ ملایا اور اپنی ہاتھ کو لے کر باہر چلا گیا۔ یہ دونوں بھی مکان سے باہر آکر جاتی ہوئی جیب کو دیکھتے رہے۔ جو تھوڑی ہی دیر میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

”اگر ہم اس جیب سے چلے جاتے تو اچھا تھا۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”اب ہمیں اچھا خاصا فیصلہ پیدل طے کرنا ہوگا۔“

”نہیں ہم اس جیب پر نہیں جا سکتے تھے۔ اس طرح ہماری وجہ سے یہ لوگ بھی مصیبت میں چھٹی سکتے تھے۔“

خیر اب ہمیں لاکھ عمل طے کر لینا چاہیے۔ کیا خیال ہے اس وقت کرشن پرشاد کہاں مل سکے گا۔ مجھے سب سے پہلے اس

لڑکی کو اس کی قید سے ہائی دلائی ہے۔ وہ بے چاری میری وجہ سے اس آفت میں گرفتار ہوئی ہے۔“

”میرا اندازہ ہے کہ وہ اس وقت عریلی میں مل جائے گا۔“ رام پرشاد نے کچھ دیر سوچتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن

مجھے اس پر حیرت ہے کہ کسی نہ کسی کو نوہاں ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی کوئی بار وہ لوگ مجھے اسی مکان میں

چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ لیکن مکان سے باہر کوئی نہ کوئی ضرور ہونا تھا۔ اور آج تو کوئی بھی نہیں ہے۔

”یہ سارے مجھے کرشن پرشاد سے مل کر ہی حل ہوں گے۔“ داور نے کہا۔ ”آؤ، اب چلنا شروع کر دیں۔“

وہ دونوں دوڑ نہ پھیلے ہوئے میدان میں اپنا سفر طے کرنے لگے۔ داور جان بوجھ کر اس میدان میں موجود ٹیلوں

اور جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کہ راستے میں اگر کسی چھپنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ کسی ٹیلے یا جھاڑی کے

عقب میں پناہ لے سکے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ مکان سے بہت دور نکل آئے تھے۔

”بھئی، اب تو میں بڑھا ہوا ہوں۔“ رام پرشاد زمین پر بیٹھ گیا۔ ”مجھ سے اب چلا نہیں جا رہا۔ اس کی وجہ یہ بھی

ہے کہ اتنے دنوں کی قید نے مجھے بے حد کمزور کر دیا ہے۔“ ”تم تھک کہتے ہو۔“ داور نے اپنے ہونٹ جھپٹتے ہوئے

چاروں طرف دیکھا۔ ”اگر کوئی ایسی پناہ گاہ مل جائے تو اب تم ایک دو دن آرام کر سکو تو پھر میں بھی مطمئن ہو جاؤں۔“

”مجھے یاد آ رہا ہے کہ اس راستے سے ہٹ کر دائیں طرف



جہاں درخت دکھائی دے رہے ہیں۔ ان کے عقب میں ایک بستی موجود ہے۔ رام پرشاد نے بتایا: "اس بستی کا نام گول ٹکڑ ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس بستی کا نام گول ٹکڑ کیوں رکھا گیا ہے۔ بہر حال وہ مزدوروں کی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اور وہاں ہمیں پناہ مل سکتی ہے۔ مہارول تو یہی چاہتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ میری رگوں میں اپنے کچھ صفت بھائی کے لیے نفرتوں کا لاوا ابل رہا ہے لیکن میں یہی جانتا ہوں کہ اگر میں نے تمہارا سفر اور طے کیا تو بے ہوش ہو کر گر پڑوں گا۔ اور تم مزید الجھن میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ اس لیے تم مجھے اس بستی میں پہنچا کر آگے بڑھ جانا ہو سکتا ہے کہ وہاں سے تمہیں آگے جانے کے لیے کوئی سواری بھی مل جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر وہیں چلتے ہیں؟" داور نے کہا۔ وہ بستی رام پرشاد کے کہنے کے مطابق زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ یہاں چھوٹی سی بستی تھی۔ جہاں کچے پکے کاٹا بنے ہوئے تھے۔ بستی کے درمیان میں ایک بازار بھی تھا۔ جہاں چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔ لگاؤ تھا گھریاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔

بستی والوں نے ان دونوں کو طبی حیرت سے دیکھا لیکن کسی نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ دونوں بستی کے درمیان سے گزرتے رہے۔ یہاں تو کوئی ہڈی بھی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ داور نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا: "اب سوال یہ ہے کہ تم اتنی دیر کہاں رہو گے؟" "ظاہر ہے کہ اس بستی میں ہڈی کہاں سے آئے گا۔ ہمیں کسی معقول آدمی کو تلاش کرنا ہو گا۔ جو ایک دودنوں کے لیے مجھے لینے کو رہیں رکھ سکے؟"

"مجھے ایک بزرگ آتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں؟" داور نے ایک طرف اشارہ کیا جہاں سے ایک بوڑھا سا شخص لاکھنیا ہوا اس طرف چلا آ رہا تھا۔ اس نے ایک لنگی باندھ رکھی تھی۔ اور یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ایک مسلمان بزرگ ہے۔ ہندو عام طور پر دھوتیاں باندھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

داور نے رام پرشاد کا ہاتھ پکڑا اور اس بڑے میاں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بڑے میاں ان دونوں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے تھے۔

"مترم۔" داور نے بڑے ادب کے ساتھ انہیں مخاطب

کیا۔ میرا ساقھی ہفتہ بیمار اور کمزور ہے۔ ہمیں ایک رات کے لیے پناہ چاہیے۔ کل یا پیر سوں یہاں سے چلا جائے گا۔ کیا آپ مجھے کوئی ایسی جگہ بتا سکتے ہیں جہاں یہ رہ سکے۔ کوئی اگر چاہے تو ہم معاوضہ بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔" "نہیں۔ یہیں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بڑے میاں نے جلدی سے اپنی گردن ہلائی۔ "تم کہیں اور جاؤ کسی اور بستی میں چلے جاؤ۔"

بڑے میاں کا انکار اتنا غیر فطری اور خوفزدہ سا تھا کہ داور کے ذہن میں کھٹک سی پیدا ہو گئی۔ اس نے معنی خیز لنگاہوں سے رام پرشاد کو دیکھا پھر بڑے میاں سے مخاطب ہوا۔

"آخر بات کیا ہے مترم؟ آپ اس قدر خوفزدہ کیوں ہیں؟ کیا اس بستی میں کسی کو پناہ دینا منع ہے؟" ایسا ہی سمجھ لو۔ بڑے میاں نے بڑے مختصر انداز میں سرگوشی کی۔ "میرا خیال ہے کہ تم لوگ یہاں سے چلے ہی جاؤ تو بہتر ہو گا۔ میں تم لوگوں کو یہاں کے حالات بتا نہیں سکتا ہوں۔"

"آپ کی مرضی۔" داور نے ایک گہری سانس لی۔ لیکن اب یہاں کے حالات معلوم کیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ آخر یہ ہندوستان ہی کی ایک بستی ہے۔ اور ہم بھی کوئی باہر سے نہیں آئے ہیں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھ رہے ہو۔" بڑے میاں نے کہا۔ ابھی کچھ پہلے اس بستی میں ایک لڑکی کی لاش پائی گئی ہے۔ بستی والے بہت پریشان بھی ہیں اور غصے میں بھرے ہوئے بھی ہیں۔ پولیس کو خبر کر دی گئی ہے۔ کچھ دیر میں پولیس بھی یہاں آئے والی ہوگی۔ تم دونوں بچے ماش دکھائی دیتے ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ پولیس تم لوگوں کو پریشان کرنا شروع کر دے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ایسے موقعوں پر پولیس کا رویہ کیا ہو جاتا ہے۔ میں اس لیے یہیں رہاں سے چلے جانے کا مشورہ دے رہا ہوں۔ ورنہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

"وہ لاش کہاں ہے بڑے میاں؟" داور مضطرب ہو کر بولا۔

"کیا میں اس لاش کو دیکھ سکتا ہوں؟"

"کیوں؟" بڑے میاں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"تم لاش کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟"

لی ہو کسی نے اسے مار کر پھینک دیا ہو۔ اگر آپ ہمیں اس لاش تک لے جا سکتے ہیں تو یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔" "میں تو نہیں لے جاؤں گا۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔ البتہ یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ وہ لاش کہاں ہے۔ وہ سائے سرخ انیٹوں والا ایک دو منزلہ مکان نظر آ رہا ہو گا۔ وہ لاش اسی کے پیچھے ایک جوہڑ کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسے اسی حالت میں رکھا گیا ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔"

بڑے میاں تیز قدموں سے ایک طرف چلے گئے۔ "اگر یہ لاش تمہی کی ہوئی رام پرشاد؟" داور نے رام پرشاد کی طرف دیکھا۔ تو پھر یہ سمجھ لو کہ کرشن پرشاد کی موت

بہت بھانپنا ہو گی۔" داور کا لہجہ اس وقت اتنا خوفناک تھا کہ رام پرشاد پھر میری لے کر رہ گیا۔ وہ داور کے چہرے کی طرف دیکھ کر نہیں رہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں جھکا لی تھیں۔ وہ دونوں اس مکان کی طرف بڑھ گئے۔ جس کے عقب میں ایک جوہڑ کے کنارے وہ لاش رکھی ہوئی تھی۔ بستی والوں نے ابھی تک اس لاش پر کوئی چادر بھی نہیں ڈالی تھی۔ اس لیے کچھ فاصلے ہی سے اس کا چہرہ دیکھا جا سکتا تھا۔ اور وہ لاش تہی کی تھی۔

داور ٹھٹھک کر ڈک گیا۔ اس نے اپنی دونوں مٹھیاں آہنی زور سے بھینچ لی کہ اس کے ناخن گوشت میں اترنے لگے تھے۔ اس کے پورے بدن میں آگ بھڑکتی تھی۔ وہ سب کو جلا کر خاک کر دینا چاہتا تھا۔ کرشن پرشاد کو اس کی حویلی کو اور اس بستی کو جس میں تہی کی لاش بے بسی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ رام پرشاد کا حال بھی غلط نہ تھا۔ اسے یہ تو نہیں معلوم تھا کہ داور سے اس لڑکی کا کیا تعلق تھا۔ لیکن وہ داور کے ساتھ اس لڑکی کو دیکھ چکا تھا اور اب اس کی لاش دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کچھ گھٹنوں پہلے یہ لڑکی زندہ تھی۔ توانائی اور حرارت سے بھرپور داور اب موت اس پر غیظ ہو گئی تھی۔ زندگی اور موت کے درمیان فاصلہ اتنا ہی کم ہوا کرتا ہے۔

"اب آؤ میرے ساتھ۔" داور نے رام پرشاد کے شلنے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب میرے پاس وقت نہیں رہا ہے۔" "میرے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کہوں؟"

"نہیں۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" داور غرایا۔

تم صرف اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔ کچھ دیر پہلے میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں کرشن پرشاد کو تمہارا سے لیے چھوڑ دوں گا۔

تمہارے حوالے کر دوں گا۔ لیکن مجھے افسوس ہے۔ میں اب اس وعدے پر قائم نہیں رہ سکتا۔ وہ اب میرا ذاتی دشمن بن گیا ہے۔ اور میں ایسے دشمنوں کو معاف کرنے کا قائل نہیں ہوں۔ آؤ، ہم کوئی سواری تلاش کرتے ہیں۔"

لیکن وہ لوگ زیادہ دور نہیں جاسکے تھے۔ اچانک کچھ لوگ ان کے سامنے آ گئے۔ وہ سب مضبوط ہاتھ بروٹھے پہلوان نما لوگ تھے۔ جن کے فرائز سینوں پر چاندی کی تعویذیں ڈول رہی تھیں۔ ان میں سے جو سب سے زیادہ قوی مسلح تھا، ان کا سرخٹہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے مسکراتے کے انداز میں بڑی عقارت اور بڑی درگتی چھپی ہوئی تھی۔

"اے۔ کہاں چل دیے تم لوگ؟" اس نے داور کو مخاطب کیا۔ "جانتے نہیں کہ اس بستی سے باہر جانا منع ہے۔ یہاں ایک لاش پڑی ہوئی ہے اور جب تک اس لاش کا حساب کتاب برابر نہیں ہو گا۔ تم لوگ یہاں سے نہیں جاسکتے۔"

"اور اگر چلے جائیں تو؟" داور غرایا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ بستی والے اس آدمی اور اس کے ساتھیوں سے خوفزدہ معلوم ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ چاہے ہی داور کے راستے میں آتا تھا بستی والے ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ داور نے ان ہی لوگوں کے درمیان ان بڑے میاں کو بھی دیکھا جنہوں نے لاش کے بارے میں بتایا تھا۔ اور اگر ہم چلے جائیں تو؟" داور نے اپنی بات دہرائی۔

"سوچ لو پہلوان۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

جنگ کے سامنے اس طرح سرسٹھا کر بولنے والے کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ سرکیل دیا جاتا ہے اس کا۔"

"دیکھو۔" داور نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "ہم لوگ تمہاری اس بستی میں اجنبی کی طرح آئے ہیں۔ یہیں ہمیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی لاش پڑی ہوئی ہے۔ بہر حال ہمارا اس لاش سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم ہم جانے دو دو بہتر ہے۔ ہمیں بہت ضروری کام سے جانا ہے۔ اور ہمارا پاس وقت بالکل بھی نہیں ہے۔"

"اگر اس لاش سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے تو پھر تم لوگ اسے دیکھنے کیوں گئے تھے؟" اس نے پوچھا۔

"بس یوں ہی۔ ایک شک سا تھا جو اس لاش کو دیکھ کر دور ہو گیا۔ پھر تم یہ بھی تو سوچو کہ اگر ہم نے اس لڑکی کو مارا ہوتا تو ہم اس بستی میں کیوں آتے؟"

کو مارا ہوتا تو ہم اس بستی میں کیوں آتے؟"

”یہ سب سوچنا ہمارا نہیں بلکہ پولیس کا کام ہے اور ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ کہیں یہاں سے جانے نہ دیں۔ اب چل کر سامنے والے درخت کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ اور ان تم لوگوں نے اگر مجھنے کی کوشش کی تو پھر۔“

داور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ یہ شخص خواخوہاہ ہی ان کے راستے میں جلا رہا تھا۔ اس کے پاس وقت تھا ہی نہیں کہ رشاد کو ممکن تھا کہ علم ہو گیا ہو کہ دونوں اس کی قید سے نکل چکے ہیں۔ ایسی صورت میں اس نے ہر طرف اپنے آدمی دوڑائے ہوں گے۔ اور اس راستے پر ہی ایک بستی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ اس کے آدمی اس بستی میں پہنچتے ہی والے ہوں۔ ایسی صورت میں ان کی منزل اور بھی ٹھوٹی ہو سکتی تھی۔ انہیں بہت جلدی یہاں سے نکل لینا تھا۔ لیکن یہ جنگ اس کی دیوار کی طرح ان کے راستے میں آکر حائل ہو گیا تھا۔

”ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔“ اور درخت کی طرف جانے کے لیے مڑ گیا۔

لیکن وہ مڑا کہاں تھا۔ اس نے مڑتے ہی ایک بیک لگ جگا کو رسد کر دی تھی۔ اس کی ٹھوک جگا کے پیٹ پر لگی۔ اور وہ گرتا ہوا ایک طرف الٹ گیا۔ اس کے گرتے ہی اس کے ساتھیوں نے پوری شدت کے ساتھ داور پر ہل بول دیا تھا۔ داور کو بہت دونوں کے بعد اس طرح لڑنے کا موقع ملا تھا۔ اس کے بازوؤں کی پھیلانے کی بجائے اس کے جوڑوں میں رچی ہوئی ٹنگھن اور پسندیدی لگتی جا رہی تھی۔ رام پر رشاد نے ایک عقلمندی پر کی کہ وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔ ورنہ یہ کھل ہوا غول اسے رفتہ رفتہ دیتا۔ اور اب اس میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ کسی سے بھگڑا کر سکے۔ وہ پانچ آدمی تھے۔ چچا تو ابھی تک پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے دبائے ہوئے تڑپ رہا تھا۔ جبکہ اس کے باقی ساتھیوں کا بھی حال اس سے مختلف نہیں رہا تھا۔ ان میں سے دو ایسے تھے جن کی ناکوں کے بالنے ٹوٹ چکے تھے۔

اور ان میں سے خون قوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔ جبکہ ایک آدمی کی گردن میں چوٹ آئی تھی۔ اور وہ کسی درجہ ہونے ہوئے جانور کی طرح خرخرانے لگا تھا۔ داور اپنے دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کا استعمال کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کوئی بجلی سے تڑپ کر ادھر سے ادھر چلی جاتی ہو وہ ایک کو ٹھوک مارتا تو اسی لمحے دوسرے کے جھڑپے پر

وہ گھولنے رسید کر دیتا۔ یہ جنگ زیادہ دیر تک جاری نہیں رہی تھی۔ وہ قوی ٹھیک اور قد اور لوگ تو تھے لیکن لڑائی کے بہتر سے نا آشنا تھے۔ اور ان دونوں جنگ حرف جسم ہی سے نہیں بلکہ ذہن سے بھی لڑی جاتی ہے۔

داور کا جسم بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا اور اس کا ذہن بھی بیشترے بتا رہا تھا۔ لہذا یہ جنگ بہت جلدی ختم ہو گئی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے پیروں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وہ سب کے سب ہی ڈھیر ہو چکے تھے۔ ان کے ڈھیر ہو جانے کے بعد داور نے اپنے اور گرد و کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ جمجمہ کو سانپ ٹونگہ لگ گیا تھا۔ سب ہی خاموش تھے لیکن ان کی نگاہیں داور پر اس طرح جمی ہوئی تھیں جیسے وہ لوگ دنیا کی کسی مخلوق کو دیکھ رہے ہوں۔ ان نگاہوں میں داور کیلئے غصہ بھی تھا، حیرت بھی تھی اور احترام بھی تھا۔

داور کے چہرے پر پچھیلی ہوئی گرد و پھر صاف ہو گئی۔ وہ بالکل نارمل دکھائی دینا تھا۔ گستاہی نہیں تھا کابھی ابھی یہ شخص بے پناہ خونخواری کا مظاہرہ کر چکا ہے۔ رام پر رشاد بھی ایک طرف سے نکل کر اس کے پاس آ گیا۔

”معاف کرنا دوست۔“ وہ شرمندہ لہجے میں بولا۔ ”میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکا۔ لیکن تمہیں تو کسی کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ تم نے کتنی آسانی سے ان بد معاشوں کو مار گرایا ہے اپنی بقا کے لیے یہ سب کرنا ہی پڑتا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”اگر میں انہیں نہیں مار پاتا تو یہ لوگ میرے کمرے کر کے رکھ دیتے۔ خبر اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔“

”بستی والوں پر تمہارا رعب طاری ہو گیا ہے۔“ رام پر رشاد نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ ”اگر تم ان سے کسی سواری کے لیے کہو تو شاید یہ بندوبست کر دیں۔“

”یہ تم نے اچھا مشورہ دیا ہے۔“ داور نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”تم یہیں کھڑے رہو، میں ان سے بات کر کے دیکھ لیتا ہوں۔“

اس نے دور کھڑے ہوئے بستی والوں کی طرف اپنے قدم بڑھائے اور اسی وقت کئی گاڑیوں کی آواز سننے لگیں۔ یہ آوازیں بڑی تیز رفتار سے اسے سفر کرتی ہوئی اسی طرف آرہی تھیں۔

”پولیس۔“ جمع میں سرگوشی پھیل گئی۔ ”پولیس آرہی ہے۔“

داور بجائے آگے جانے کے رام پر رشاد کے پاس واپس آ گیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک رہی تھیں۔ گاڑی کا بندوبست ہو گیا رام پر رشاد۔ اس نے کہا۔

”وہ کس طرح؟“ رام پر رشاد نے حیرت سے پوچھا۔

”پولیس آرہی ہے۔ اور ہمیں پولیس کی کسی گاڑی پر قبضہ کرنا ہے۔ تیار رہو۔“

رات ہمیشہ اپنے ساتھ اندیشے اور خدشے لے کر آیا کرتی ہے۔

جنگ کی وہ رات بھی بہت عجیب تھی۔ خوف دلائی ہوئی ایسی رات کا تجربہ مہاراج نے اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ ان کے جسم نے غم کے بستر پر سونے کی تربیت حاصل کی تھی۔ پریشانیان کبھی ان کے پاس نہیں آئی تھیں۔ ان کی ایک وادعہ خدمت گزار ہاتھ باندھے ان کے سامنے آکر کھڑے ہو جاتے تھے۔ لیکن اب سب کچھ بدل چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہو۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کی سابقہ زندگی خواب تھی یا وہ آج کل خواب دیکھ رہے تھے۔ انہیں ایسا لگتا تھا جیسے ان کے اعصاب آہستہ آہستہ بواب دیتے جا رہے ہوں۔

”کبھی کبھی تو یہ خواہش ہوتی کہ وہ سب پر لعنت بھیج لراہنی ساری دولت لہجہ نامی اس پر اسرار شخص کے چلنے کر کے اپنے غم کی طرف لوٹ جائیں، جہاں آرام وہ بستر ان کے انتظار میں تھے۔ پھر انہیں جب یہ خیال آ جاتا کہ دولت دینے کے بعد خود ان کے پاس کیا باقی رہ جائے گا۔ تو وہ اپنے آپ پر چر کر رہ جاتے۔ انہوں نے کسی کا گے ٹھکانا نہیں سیکھا تھا۔ ان کے پرکھوں نے انہیں یہ بتایا ہی نہیں تھا کہ کسی کے آگے سر جھکا دیا جائے۔ لیکن اس لہجہ نامی شخص نے اپنے زہروں اور اپنی جدید سائنسی سہولتوں کے ذریعے انہیں تو ڈر کر رکھ دیا تھا۔

برآمدے یہ کہا تھا کہ رات ہونے پر یہ دونوں یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ نہ جانے ہلرام کے ذہن میں یہاں سے نکلنے کی کیا ترکیب تھی۔ ویسے مہاراج کو ہلرام کا دم بہت غمیت محسوس ہو رہا تھا۔ اگر یہ شخص مہاراج کا ساتھ نہیں دیتا تو نہ جانے ان کا کیا حال ہو چکا ہوتا۔ ہلرام خود بھی ایک جیالا، باحوصلہ اور دلیر شخص تھا۔

مہاراج سنگھ کی واپسی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ

اس نے یہ کہا تھا کہ وہ حالات معلوم کرنے کے لیے ان کے پاس آئے گا۔ لیکن اس کے نہ گئے نہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اس نے یا تو اپنا ارادہ بدل دیا ہے یا پھر کسی اور کام میں الجھا ہوا ہے۔ ورنہ اس کی حیرانی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بھی لہجہ نامی اور اس کے ساتھیوں کے راز کو جاننے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔

مہاراج اس وقت لہجہ نامی کے بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ ہلرام کھڑکی کے پاس کھڑا ہوا باہر دیکھ رہا تھا۔ اس وقت آسمان پر چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ لیکن اس کی روشنی نے اس جنگل کے ماحول کو اور بھی دہشت ناک بنا دیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد ہلرام نے مہاراج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مہاراج صاحب۔ اب یہاں سے نکلنے کا وقت ہو گیا ہے۔ کوشش کرنا ہمارا کام ہے۔ ورنہ ہم ساری زندگی تو اس ٹھکانے میں نہیں گزار سکتے۔ آپ یہ بتائیں، کیا آپ نے کبھی اسلحہ استعمال کیا ہے؟“

”یہ کیا بات کر رہے ہو؟“ مہاراج جھل کر بولے۔ ”میں ساری زندگی اس کے علاوہ اور کیا کرتا رہا ہوں۔ شکار پر تو اسلحہ ہی کام آتا ہے۔“

”شکار کے لیے اسلحہ استعمال کرنا اور اپنی بٹاک کے لیے اسلحے کا استعمال دو مختلف چیزیں ہیں مہاراج صاحب۔ جانوروں کو ہلاک کرنا اور بات ہے، انسانوں کو ہلاک کرنا اور بات۔ یہاں آپ انسانوں کو ہلاک کر رہے گے۔ بغیر کسی جھجکا کسی تکلف کے کیونکہ آپ نے اگر ایسا نہیں کیا تو وہ نہیں ہلاک کر دیں گے۔ زندگی اسی کا نام ہے۔ ایک کی بھاؤ دوسرے کی موت ہوتی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ مہاراج بہتر سے اٹھ کر ہلرام کے پاس آئے۔ ”کیا تم یقین کرو گے کہ میں نے اپنی زندگی میں ہزاروں آدمیوں کو دیکھا ہے۔ ان کی باتیں سنیں ہیں ان کے خجرات کا مشاہدہ کیلئے۔ لیکن مجھے سب سے زیادہ متاثر کرنے والے تم ہو۔ تم واقعی ایک ذہین اور عملی انسان ہو۔“

”شکریہ،“ ہلرام کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

ہوں گے تو اس وقت چاند اس کمرے کے عقب میں چلا جائے گا۔ اور اس اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر ہم اس جاؤ و گری میں داخل ہو جائیں گے۔ اب آجائیں۔“

مہاراجہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئے۔ بلرام نے ایک بار پھر انہیں بے پناہ ذہانت کا ثبوت دے دیا تھا۔ وہ دونوں اس چھوٹی پڑی سے باہر آگئے۔ جنگل میں اس وقت بالکل سناٹا تھا۔ کبھی کبھی درختوں کے درمیان کوئی سرسبز سناٹا دیکھی جاتی تھی اس کے بعد پھر پہلے کی طرح خاموشی چھا جاتی۔ وہ دونوں جنگل کے درختوں کے درمیان ہی ہوئی۔

مگھڑی پر چلتے ہوئے آگے بڑھتے رہے بلرام اس وقت بہت چٹکتا دکھائی دے رہا تھا۔ دلی آہٹ بھی محسوس ہوتی تو اس طرح کھٹک جاتا جیسے پتھر کا مجسمہ بن گیا ہو۔ بالکل بے حرکت۔ اس کے بعد پھر مہاراجہ کو اشارہ کرتا۔ اور وہ دونوں آگے بڑھ جاتے۔

کچھ دور چلنے کے بعد مہاراجہ کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یہ ایک انوکھی بات تھی۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ بلرام جس وقت انہیں چاہوں والے کمرے سے نکال کر اس لکڑی میں لایا تھا، اس وقت یہ سفر بہت جلدی طے ہو گیا تھا لیکن اب انہیں جلتے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اس جنگل کی حد رستم نہیں ہو پا رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے بلرام جان بوجھ کر اس جنگل سے لگنا نہیں چاہتا ہو۔

بلرام آگے بڑھتا، پھر غریب محسوس طور پر اپنا رخ بدلی کر لیتا۔ جیسے ان کا سفر ایک دائرے میں ہو رہا ہو۔

مہاراجہ بھی جنگلوں کے مزاج سے واقف تھے کسی اور کے لیے تو اس بات کا پتہ لگانا ناممکن تھا لیکن مہاراجہ نے یہ بات بھانپ لی تھی۔ چلتے چلتے انہوں نے بہرام کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”کیا مذاق ہے بہرام؟“ انہوں نے کہا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو کہ میں سمیت کا اندازہ نہیں کر سکتا ہوں۔“

”اوہ۔ تو آپ سمجھ گئے۔“ بلرام ہنس پڑا۔ بات یہ ہے کہ میں آپ کو بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یہ درست ہے کہ میں اس جنگل میں سے باہر نہیں نکلتا ہے، اسی طرح گھومتے رہتا ہے۔“

”وہ کیوں؟“ مہاراجہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

”اس کی وجہ بہادر سنگھ کا رویہ ہے۔“ بلرام نے کہا۔ یہ درست ہے کہ ہم نے بہادر سنگھ کو مختصر فاصلوں میں یہاں کے حالات سے آگاہ کر دیا تھا لیکن اس کے ذہن پر برسوں

کا نشہ چھایا ہوا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ اس نے کتنے کسانوں سے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ حالانکہ وہ چاہتا تو اسی وقت ہنگامہ کھڑا کر داسکتا تھا۔ لیکن اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ بس خاموشی سے باہر چلا گیا۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ نہیں مہاراجہ صاحب، زندگی نے مجھے اتنی ٹھکر لگائی ہے کہ میں حد سے زیادہ محتاط رہنے کا عادی ہو گیا ہوں۔ اکی لپے میں نے بہادر سنگھ پر بھی وہ نہیں کیا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ احساس ہو رہا ہے کہ وہ اس وقت تو چلا گیا تھا، لیکن واپس آئے گا۔ وہ رات ہی کو واپس آئے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ لیٹا کر اور اس کے ساتھیوں کو ساتھ لے آئے یا ممکن ہے کہ اپنے اعتماد کے آدمیوں کو لیتا آئے تاکہ وہ ہمیں گرفتار کر کے لیٹا کر کے سامنے پیش کر سکے اور اس کی مزید مہربانیاں اسے حاصل ہو جائیں۔“

”تمہارے خدشات درست ہی معلوم ہوتے ہیں بلرام؟“ مہاراجہ نے بھی اس کی تائید کی۔ ”میں بھی نہ جانے کیا سمجھ لگتا تھا۔ لیکن اب کیا کرنا ہے؟“

”کچھ نہیں۔ اگر میرے خدشات درست ہیں تو ہمارے لیے اس جنگل سے نکلنے میں بہت خطرہ ہے۔“ بلرام نے کہا۔ ”یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے آدمیوں کو چاروں طرف پھیلوا رکھا ہو۔ ایسی صورت میں ہم یہاں سے نکلنے ہی بڑی طرح محسوس جائیں گے۔ میں اسی گھوم کر دوبارہ اس غریب پڑی کی طرف جانا چاہتا ہوں۔“

”یہ کیا قیامت ہے؟“ مہاراجہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہم اگر دوبارہ وہاں پہنچ گئے تو کیا وہ ہمیں چھوڑ دیں گے؟“

”آپ غلط سمجھتے ہیں۔ دوبارہ اس لکڑی میں داخل نہیں ہوں گے۔“ بلرام نے بتایا۔ ”بلکہ ہم ایک قلعہ بن جائیں گے۔“

”میرا خیال ہے تم جان بوجھ کر خطرہ مول لے رہے ہو۔“ مہاراجہ نے کہا۔ ”جب ہمیں موقع مل ہی گیا ہے تو اس جنگل سے نکل لینا چاہیے۔ پھر ہم اگر اس غار میں چھپ گئے تو کیا ہمیں تلاش نہیں کیا جائے گا؟“

”نہیں۔“ بلرام نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے بڑی مشکلوں سے وہ غار تلاش کیا ہے۔ وہ غار کیسا ہے۔ ایک بہت بڑے عظیم الشان درخت کی جڑ میں موجود۔ ایک خلا ہے۔ جس میں دو یا تین آدمی آسانی سے چھپ سکتے ہیں۔ ہمیں تو صرف اپنے اندازے کی تصدیق کرنی ہے یہ دیکھنا ہے کہ واقعی بہادر سنگھ اس لکڑی پر

دھاوا بولتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر ہمارا اگلا قدم یہاں سے نکلنے کا ہوگا۔ اور اگر اس نے دھاوا بول دیا تو پھر اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔“

مہاراجہ خاموش رہے۔ بلرام نے ساری ذمہ داریاں اٹھالی تھیں۔ اسی لیے اس سے کچھ بولنا بھی مناسب نہیں تھا۔ ویسے انہیں یہ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا کہ بلرام ایک ذہین آدمی ہے اور جو کچھ بھی کر رہا ہو۔ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ان دونوں نے پھر چلتا شروع کر دیا۔ اور اس بار واضح طور پر ان کے سفر کا رخ اسی لکڑی کی طرف تھا۔

وہ دونوں ایک طویل چکر کاٹ کر اس لکڑی کے عقب میں جا نکلے۔ یہاں مہاراجہ کے ذہن میں ایک سوال اور بڑی طرح گھٹنے لگا تھا۔

”بلرام، اگر ہمیں اس درخت ہی کی طرف آنا تھا۔ تو اتنا لمبا چکر کاٹنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم براہ راست بھی یہاں آ سکتے تھے۔“

”ایسے موقعوں پر دشمن کی ہر چال کو سامنے رکھنا چاہیے۔“ بلرام نے جواب دیا۔ ”ہو سکتا ہے کہ بہادر سنگھ نے اپنا کوئی آدمی اس پاس چھپا رکھا ہو۔ اس سے یقیناً ہمارا تعاقب کیا ہوگا۔ اگر ہم براہ راست اسی درخت کی طرف آ نکلے تو شاید اس طرح گھیر لے جاتے جیسے کسی چوہے کو گھیر لیا جاتا ہے۔ میں نے اتنا لمبا چکر اسی لیے چلایا ہے۔ کہ اگر کوئی تعاقب بھی کرے تو جنگل میں جھکتا رہ جائے۔“

مہاراجہ کو پھر اس کی وہانت کی داد دینی پڑی تھی۔ یہ شخص قدم قدم پر حیران کیے جا رہا تھا۔ یہ بالکل سلفے کی بات تھی اور مہاراجہ کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔

بلرام نے انہیں ایک بڑے سے درخت کے پاس لا کر کھڑا کر دیا۔

”یہ ہے وہ درخت۔“ بلرام نے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہم اس کے اندر بڑی آسانی سے چھپ سکتے ہیں۔“

”لیکن مجھے تو اس کے تنے میں کوئی خلا نہیں دکھائی دے رہا۔“ مہاراجہ نے کہا۔

”ابھی نظر آ جاتا ہے۔“ بلرام نے آگے بڑھ کر اس درخت کے تنے کی چھال کھول دی۔ وہ چھال اس طرح کھل گئی جیسے کوئی دروازہ کھل گیا ہو۔ مہاراجہ حیرت سے اس خفیہ دروازے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

”یہ خلا اتفاقاً ہی دریافت ہو گیا تھا مہاراجہ صاحب۔“

بہرام نے کہا۔ ”پھر میں نے سوچا کہ اسے ایک دوسری پناہ گاہ کیوں نہ بنالیا جائے۔ اس لکڑی کا تو کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ وہاں کسی بھی وقت حملہ ہو سکتا ہے۔ یہ سب سوچ کر میں نے ایک دوسرے درخت سے اس خلا کے برابر چھال تراش لی اور لکڑی سے کیلیں تلاش کر کے اس چھال کو کسی دروازے کی طرح اس میں لگا لیا۔ اب یہ اگر بند ہو جائے تو کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس دیوار کے پیچھے کوئی چھپا ہوا ہے۔ میں نے باہر جھانکنے کے لیے اس میں سوراخ بھی بنا دیے ہیں۔ اب آئیں، چل کر پیچھے جاتے ہیں۔“

اس درخت کے اندر وہ دونوں ہی سہل گئے تھے۔ بلرام نے دروازہ بند کر دیا۔ اندر اندھیرا تو تھا لیکن گھٹن کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ ان دونوں نے اس دروازے کے سوراخوں سے اپنی آنکھیں لگا دیں۔ وہ لکڑی ان کے سامنے ہی چاندنی میں نہائی گھڑی تھی۔ اس پاس کا منظر

حمیرا لکڑی کا مقبول ترین سلسلہ

اب کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

# مہاراجہ

ایک عیاش مہاراجہ کی عبرتناک داستان، ایک ایسی داستان جسے بدلوں فراموش نہ کیا جاسکے گا، وہ مشیر کی کھال میں بھیٹا تھا، ایک ایسے مہاراجہ کا قصہ جس کے دو جڑواں بیٹے تھے، ہم شکل اجبار میں مضحکہ خیز کہانی مہاراجہ مکمل ایک حصے میں شائع ہو چکا ہے۔

۳، اردو بازار — کراچی

اس وقت پوری طرح واضح تھا۔

پھر ایک آدمی اس کٹیا کے پاس بھٹکتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ چاروں طرف حیران ہو ہو کر دیکھ رہا تھا۔ ایک بار وہ کٹیا کے اندر بھی گیا اور فوراً ہی واپس آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا پستول انہیں دکھائی دے گیا۔ ”میرا پہلا اندازہ درست ہوا مہاراجہ صاحب“ بلرام نے کہا۔ ”یہ وہی آدمی ہے جس نے ہمارا تعاقب کیا ہو گا۔ اور اب ہمارا نشان کم کر بیٹھا ہے۔ اور اس کے ہاں دکھائی دینے کا مقصد یہ ہے کہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کا انتظار ہے۔ وہ لوگ اس کے پاس آئے ہی والے ہوں گے۔“

بلرام کا دوسرا اندیشہ بھی درست ثابت ہوا تھا۔ ابھی اس نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ایک طرف سے بہت لوگ آتے ہوئے دکھائی دے گئے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔ ان میں سے ایک کو مہاراجہ نے پہچان لیا تھا۔ یہ وہی بہادر سنگھ تھا جو ان کی مدد کا وعدہ کر گیا تھا لیکن اب ان کے لیے کچھ آدمی بھی لے آیا تھا۔ ان آدمیوں میں ایک غیر ملکی بھی دکھائی دے رہا تھا۔ حالانکہ اس درخت سے اس کٹیا کا اچھا خاصا فاصلہ تھا۔ اس کے باوجود مہاراجہ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بہادر سنگھ کے ساتھ دوسرے شخص کوئی غیر ملکی ہے۔ اس کے چلنے کا انداز اس کی جسامت، اس کا حلیہ دوسروں سے بالکل مختلف تھا۔ ”یہ براؤن ہے مہاراجہ صاحب“ بلرام نے کہا۔ لیٹارک کا خاص آدمی ہے۔ بہادر سنگھ نے جب لیٹارک کو جاکر سادھو کی موت کی خبر سنائی ہوگی تو اس نے مزید تصدیق کے لیے براؤن کو بھیج دیا ہوگا۔

”میں تمہاری ذہانت کا قائل ہو گیا ہوں بلرام“ مہاراجہ نے کہا۔ ”تم واقعی بہت سوچ سمجھ کر کام کرنے کے عادی ہو۔“

اس میں ذہانت کی نہیں بلکہ آنکھیں کھلی رکھنے کی بات ہے۔ حیران دیکھیں کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔“

اس فاصلے سے ان کی آوازیں تو سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ لیکن یہ ضرور اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شخص جس نے ان دونوں کا تعاقب کیا ہوگا۔ اب انہیں اپنی ناکامی کی داستان سننا پڑا تھا۔ اور وہ لوگ اس پر ناراض ہو رہے تھے۔ پھر اس غیر ملکی براؤن نے بہادر سنگھ کو اشارہ

کیا اور وہ کٹیا کے اندر چلا گیا۔ فوراً ہی واپس آ کر اس نے ہاتھ کے اشارے سے براؤن کو بتا دیا تھا کہ وہ دونوں کٹیا میں نہیں ہیں۔ براؤن نے اپنے آدمیوں کو ہدایت دی اور اس جنگل میں روشنی پھیل گئی۔ نہ جانے کتنے آدمیوں نے طاقت و سرور لائٹ روشن کر لیے تھے اب ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی لیکن ان دونوں کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اگر کوئی اس طرف آ بھی نکلتا تو اسے یہ احساس نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ کسی درخت میں دو آدمی چھپے ہوئے ان کی کارروائی دیکھ رہے ہیں۔ وہ لوگ ہر طرف پھیل کر تلاش میں مصروف ہو گئے تھے۔ ذرا سی دیر میں یہ برسکون جنگل طرح طرح کی آوازوں سے گونجنے لگا تھا۔ سرچ لائیٹ لیے ہوئے مسلح لوگ ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے تھے۔ ان کے شور اور ہنگاموں نے اس جنگل میں ہلچل برپا کر دی تھی۔ پرندے شخموں سے اڑنے لگے تھے۔ ہر طرف پتھر پتھر اڑت اور مختلف قسم کی آوازوں نے اپنا بسیرا کر لیا تھا۔

یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ نہ جانے کتنے لوگ اس درخت کے سامنے سے گزر گئے۔ جس کے اندر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی کا بھی دھیان اس طرف نہیں گیا تھا۔ انہوں نے درختوں کے اوپر تک دیکھ لیا تھا۔ کچھ دیر بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ وہ لوگ وہاں سے رخصت ہو گئے۔ لیکن واپس ہوتے ہوئے انہوں نے اس غیر ملکی کے اشارے پر اس کٹیا کو آگ لگا دی تھی۔ گھاس پھوس کی بنی ہوئی وہ جھونپڑی دھڑا دھڑ جلتی لگی تھی۔ اور اس کی جلتی ہوئی آگ نے جنگل کے اس حصے کو اس طرح روشن کر دیا تھا جیسے دن نکل آیا ہو۔

اب یہ سہارا بھی گیا۔ بلرام نے جلتی ہوئی جھونپڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اب ہم ہر حال میں اس جنگل سے نکلتا ہی ہوگا۔ انہوں نے جھونپڑی کو اسی لیے آگ لگائی ہے کہ ہم واپس اس میں پناہ نہ لے سکیں۔“

”ہمیں کب تک یہاں رہنا پڑے گا بڑا مہاراجہ نے پوچھا۔“

”بس تھوڑی دیر اور۔۔۔ وہ لوگ ابھی تک جنگل ہی میں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ بس ذرا دیر اپنے اپنے ٹھکانوں کو واپس ہو جائیں۔ پھر ہم بھی نکل لیتے ہیں۔“

وہ دونوں کافی دیر تک بیٹھے رہے تھے۔ اس دوران

طرف دیکھا۔

”فی الحال تو کسی گاڑی کی تلاش میں ہوں؟“ ہرام نے جواب دیا۔ ”تاکہ اس گاڑی پر قبضہ کر کے یہاں سے نکلنے کی ترکیب کی جائے۔“

لیکن کسی گاڑی کے بجائے اچانک ایک طرف سے ایک سیاہ پوش ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک رائفل دبی ہوئی تھی۔ جس کا رخ ان دونوں کی طرف

ہی تھا۔ وہ آہستگی سے اور اتنی خاموشی کے ساتھ نہ جانے کس طرف سے نکل آیا تھا۔ کہ ان دونوں کو احساس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ اور جب احساس ہوا تو دونوں اس کی رائفل کی زور پر آچکے تھے۔

وہ جھوٹی بھی جل کر راکھ ہو گئی تھی۔ اس کی آگ بجھتے ہی دوبارہ اندھیرا چھا گیا۔ پھر جب جھوٹی میں جلنے والی آخری چنگاری بھی بجھ گئی تو وہ دونوں اس درخت سے باہر آ گئے۔ اب ان کا رخ فنگل سے باہر جانے والے راستے کی طرف تھا۔

کچھ دیر بعد جنگل کی حد ختم ہو گئی۔ وہ ایک میدان میں نکل آئے تھے۔ جہاں سامنے کچھ بیرکس بنے ہوئے کوئی دس دسے رہتے تھے۔ لیکن ان کی حفاظت کے لیے کسی توغینات نہیں کیا گیا تھا۔ شاید ان بیرکوں میں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کی حفاظت کی جاسکتی۔ وہ دونوں ان بیرکوں سے بھی آگے نکل آئے۔

”آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟“ ہمارا ج نے ہرام کی



بانی تیرے حصہ میں ملاحظہ فرمائیے



عمران ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

# کوکبرا

تیسرا حصہ





”ان دونوں کی تلاشی لو۔“ اس آدمی نے ایک محافظ کو حکم دیا۔

تلاشی کے بعد ان کی جیبوں سے کچھ بھی نہیں نکلا تھا۔ دلراج کا پستول تو خیر نہر خانے میں ہی رہ گیا تھا لیکن برکت کے پاس بھی کچھ نہیں تھا۔ محافظان دونوں کی طرف سے مطمئن ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔

”ہم نے تمہارے لیے جو حال بچایا تھا تم لوگ اس میں آپہنچے ہو۔“ اس نے کہا۔ ”ورنہ پہلے تو میں نے بھی یہی سمجھا تھا کہ شاید یہ سب کسی بھوت کی کارستانی ہے۔ اب تم لوگ سچ بتاؤ گے کہ تم کون ہو اور تم نے یہ کیا چکر چلا رکھا ہے؟“

”میں نے تو تمہیں بتا نا ہو گا کہ تم کون ہو؟ یہ برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”ماٹھر صاحب۔ رکیوں نہ پولیس کو خبر کر دی جائے۔“

ایک محافظ نے صراحت دی۔

”ہاں۔ تم پولیس کو فون کرو۔“ ماٹھر نے اپنی گردن

دلراج اور برکت نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے میوزیم کا وہ ہال محافظوں سے بھر گیا۔ وہ سب ہی مسخ لوگ تھے۔ اور ان کی قیادت ایک ایسا آدمی کر رہا تھا جو ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس نے بڑے سلیقے کا لباس پہن رکھا تھا۔ اور اس کے سر پر برائے نام بال تھے۔ لیکن اپنے مہذب جیسے کے باوجود اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ ایسا آدمی ہے جو وقت آنے پر خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی طنز پس مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”کیوں؟ ختم ہو گیا نا باقی لوہ جو نہ کھیل۔“ وہ ان دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دیکھا؟ یکس انداز سے تمہیں گھیر گیا ہے۔“

برکت نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ بڑی کینہ توڑ لگا ہوا سے اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اس کی نسبت دلراج کچھ خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا۔

ہلا دی۔ لیکن پولیس کی آمد سے پہلے میں اپنے طور پر ان لوگوں سے کچھ معلوم کر لینا چاہتا ہوں۔ پھر اس نے اس کمرے کی طرف اشارہ کیا جہاں دلراج اور برکت پہلے بھی جا چکے تھے۔ ان دونوں کو اس کمرے میں پہنچا دو۔

برکت اور دلراج کو دھکے دے کر اس کمرے میں پہنچا دیا۔ ان کے ساتھ ہی وہ شخص بھی چلا آتا تھا جسے ماتھر کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ اندر آتے ہی اس نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔ اس کا اشارہ ملتے ہی وہ لوگ کمرے سے باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد ماتھر نے رٹے اٹھانے سے دوازدہ بند کیا اور ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

”میرے آدمیوں نے پولیس کو فون کر دیا ہوگا۔ اور تم جانتے ہو کہ پولیس کے آنے کے بعد تمہارا کیا حال ہونے والا ہے۔“

”ہاں ہم جانتے ہیں،“ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔ ”اس لیے اب تم سووے کی بات کر ہی لو تو بہتر ہے۔“

”اوہ۔“ ماتھر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”تو تم سمجھ گئے۔“

”ظاہر ہے۔ تم ہمیں اس کمرے میں کیوں لائے ہو۔ اگر تمہیں کچھ پوچھنا ہی تھا تو ان لوگوں کے سامنے بھی پوچھ سکتے تھے۔ لیکن یہاں لائے کا مقصد یہ ہے کہ تم مجھے کوئی ایسی بات معلوم کرنا چاہتے ہو جو تمہارے آدمیوں کے علم میں نہ آ سکے۔ کیوں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔“

”بالکل ٹھیک،“ ماتھر خوش دلی سے ہنس پڑا۔ آدمی ذہین معلوم ہوتے ہو۔ ہاں، ہمیں تم سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دولت کہاں رکھی ہے جو تم لوگوں نے اس مجھے سے نکالی تھی۔“

”میں تھا کہ دلراج کو کھلا کر کچھ کہہ بیٹھا۔ لیکن اسی وقت برکت نے اس کے پیر پر اپنا پیر رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ دلراج اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ اس آدمی کو دولت کے بارے میں کیسے علم ہوا تھا۔ پھر یہ کون تھا۔ اس عجیب گھر سے اس کا کیا تعلق تھا۔ اس کے علاوہ دلراج کے لیے ایک دکھ اور جرت کی بات یہ تھی کہ وہ دولت نہ جانے کون اس مجھے سے نکال کر لے گیا تھا۔ اگر دولت اس شخص کے پاس ہوتی تو یہ کبھی ایسی بات نہیں کرتا۔“

”دیکھو۔ میں نہیں صورت حال سے آگاہ کروں تو بہتر ہے۔“

ماتھر نے برکت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس دولان۔ دلراج سے مخاطب ہی نہیں ہوا تھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے آگے چلے گئے۔ اس کے باوجود کسی کسی حد تک ایک دوسرے سے واقف ہیں۔ میں اس میوزیم کا نگران ہوں۔ میرا نام ماتھر ہے۔ کچھ دن پہلے میرے کسی آدمی نے مجھے یہ خبر دی تھی کہ اس میوزیم میں کسی نے پیش قیمت میرے جواہرات لاکر چھپا دیے ہیں۔ دیکھو، میں ایک انسان ہوں۔ اور انسان دولت کے لالچ میں ہمیشہ جھکا رہا ہے۔ میرا فرض تو یہ تھا کہ میں اس کی خبر پولیس کو دے دیتا اور پولیس خود ہی وہ خزانہ تلاش کر لیتی۔ لیکن لالچ نے مجھے اس طرح گھبرا کر میں نے خود ہی اپنے طور پر اس کا پتہ چلانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں کام کے بہانے یہاں تک جایا کرتا اور رات گئے تک ان میرے جواہرات کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن وجہ یہ تھی کہ مجھے کچھ بھی نہیں مل سکا۔ لیکن اس تلاش کے دوران مجھے ایک کام کی بات معلوم ہو گئی۔ اور وہ یہ کہ اس عمارت میں کئی خفیہ راستے اور تہ خانے موجود ہیں۔ اور وہ ایسے ہیں جہاں کبھی کوئی ذکر نہیں ہے۔ ہم لوگ اس وقت جس کمرے میں موجود ہیں، اس کمرے سے بھی ایک خفیہ راستہ میوزیم سے باہر جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک خفیہ راستہ ہے۔ جبکہ یہ عمارت ایسے ان گنت راستوں سے بھری ہوئی ہے۔ مجھے یہ اندازہ تو ہے کہ اس عمارت میں ایک مرکزی تہ خانہ بھی موجود ہے۔ لیکن میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود ابھی تک اس کا سراغ لگانے میں نا کام رہا ہوں۔ اس دوران میں نے یہ محسوس کیا کہ اس میوزیم کی کچھ چیزیں غائب ہونے لگی ہیں۔ سو سکتا ہے کہ دوسروں کو اس کا علم نہ ہو سکا ہو لیکن میرا تو کام ہی یہی ہے۔ میں نے یہاں کی ہر چھٹی اور بڑی چیز کو اپنے دھیان میں رکھا ہے۔ اس لیے جب چیزیں غائب ہونے لگیں تو میں نے نگراں بن کر کھڑا کر دیا۔ باہر سے کتنے مشکوٰۃ ایسے محافظوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ اس کے باوجود چیزیں غائب ہوتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ پھر ایک دن اچانک مجھے عقل آگئی۔ میں نے سمجھ لیا کہ چیزیں کون غائب کر رہا ہے۔“

”یہ مت کہو۔“ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔ ”بلکہ یہ کہو کہ یہ اندازہ ہو گیا کہ چیزیں کس راستے سے غائب ہو رہی ہیں۔ یہاں یہ سمجھ لو،“ ماتھر نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے جانی لیا کہ یہ چیزیں اس عمارت کے ان خفیہ تہ خانوں اور راستوں سے غائب ہو رہی ہیں جو ابھی تک میرے علم میں

نہیں آئے ہیں۔ یہ ایک تشویش ناک صورتحال تھی۔ اس طرح تو پورا میوزیم غائب ہو جاتا۔ اور ہم لوگ باہر ہر دینے رہ جاتے۔ مجھے اس وقت پولیس کو خبر کر دینی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا اور ان چیزوں کی چوری کو کسی نہ کسی طرح پوشیدہ رکھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ دوسروں کو ان چیزوں کا علم ہو جائے۔“

”وہ کیوں؟“ دلراج بے ساختہ پوچھ بیٹھا۔ تمہارا اس سے کیا فائدہ تھا؟“

”وہی دولت۔“ ماتھر مسکرایا۔ ”چیزوں کے غائب ہونے کے بعد مجھے یہ خیال ہوا کہ مجھے میرے جواہرات کے بارے میں جو اطلاع ملی تھی وہ غلط نہیں تھی۔ کیسے نہ میرے جواہرات لاکر اس میوزیم میں چھپا دیے گئے۔ لیکن تہ خانوں سے نکلنے والے چور نے دوسری چیزوں کی طرح ان کا بھی ہتھیار کر دیا۔ میں تو ان میرے جواہرات کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا لیکن مجھے امید تھی کہ اگر ایک بار ان تہ خانوں کا راستہ معلوم ہو جائے تو شاید اس دولت کا کوئی سراغ پانچ آ جائے۔ یہ سوچ کر میں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا اور اپنے طور پر ان راستوں کی تلاش میں لگا رہا۔ لیکن آج جو واقعہ ہوا ہے اس نے مجھے چونکا دیا۔ اور اس واقعے کے نتیجے میں تم لوگ میرے سامنے آ گئے ہو۔ لہذا اس کے متعلق سوچ کر اپنے آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہیے۔ اب تم دونوں میرے رحم و کرم پر ہو۔ میرے آدمیوں نے پولیس کو فون کر دیا ہوگا۔ پولیس آنے والی ہوگی۔ اس لیے پولیس کے آنے سے پہلے تم اگر مجھے یہ بتا دو کہ تم دونوں نے وہ دولت کہاں چھپا رکھی ہے تو ہو سکتا ہے کہ میں نہیں جانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اور اگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا تو پھر پولیس تم سے سب کچھ اٹھالے گی۔ ظاہر ہے اس طرح وہ دولت میرے ہاتھ تو نہیں آئے گی۔ لیکن تم مجھے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور اگر تم نے میرا ساتھ دیا تو میں آدھا آدھا کرنے پر بھی تیار ہو جاؤں گا۔ اب تم چلیے کچھ بھی سمجھو۔ جب میں گندگی میں آ کر بیٹھا ہوں تو پوری طرح کیوں نہ خود کو تعبیر لوں۔“

”تمہاری صاف گوئی نے مجھے متاثر کر لیا ہے ماتھر۔“ برکت نے کہا۔ ”اور میں تمہیں اس دولت کے بارے میں بتانے کو تیار ہوں۔ بشرطیکہ تم پہلے یہیں یہاں سے فرار کرنا دو۔“

”کیا تم مجھے اتنا ہی بے وقوف سمجھتے ہو؟“ ماتھر نے

سے ہنس پڑا۔ ”تم چاہتے ہو کہ میں خود اپنے پاؤں پر کھڑی مارتوں۔“

”نہیں۔ میں تمہیں اس بات کی ضمانت دے سکتا ہوں کہ ہم فرار ہو کر تم سے دود نہیں جائیں گے۔“ برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”لیکن پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج رات کیا ہوا ہے۔“

”میرا مطلب ہے کہ آج رات تم نے اس میوزیم میں کیا دیکھا؟“

”بہت کچھ دیکھا ہے۔ میں نے۔“ ماتھر نے کہا۔ ”میں خفیہ راستوں کی تلاش میں ٹھیک رہا تھا کہ میں نے ایک کمرے سے تمہارے اس ساتھی کو ایک لڑکی کے ہمراہ نکلے ہوئے دیکھا۔ اس نے یہ بات دلراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ یہ دونوں رات کے وقت میوزیم کے اندر کس طرح رہ گئے۔ میں سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں میوزیم بند ہو جانے کے بعد کہیں چھپ گئے ہوں گے۔ خیر تو میں ایک بڑے مجھے کے عقب سے ان دونوں کی طرف دیکھتا رہا۔ اس وقت میری نگاہ ایک سیاہ پوش پر گئی۔ وہ بھی اسی ہال میں موجود تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج رات اس ہال میں کیا ہونے والا ہے لیکن کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور تھی۔ اس لیے میں چھپا ہوا دیکھتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اس سیاہ پوش نے نہایت مدد کے بڑے مجھے کے عقب سے کوئی چیز نکالی تھی۔ یہ ایک بیگ تھا۔ بہت بڑا بیگ۔ یہ اس قسم کا تھا جس قسم کے بیگ لوگ تحفے میں دیا کرتے ہیں۔ چھپے ہوئے کاغذ میں بڑے سائے سے لپیٹا ہوا۔ میں نے جب اس بیگ کو سیاہ پوش کے ہاتھ میں دیکھا تو میں اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ میں یہ سمجھ گیا تھا کہ میں نے جس دولت کے بارے میں سنا تھا، وہ اسی بیگ میں موجود ہے۔ اور مجھے اپنی اس حماقت پر افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ویسے تو بڑے میوزیم کو کھان مارا تھا لیکن مہاتما بدھ کے مجھے کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ بعض اوقات آدمی عورتی واضح غلطی ہو جاتی ہے۔ سامنے کا ہاتھ بھی لے دکھائی نہیں دیتا۔ میں نے سوچا کہ اس سیاہ پوش کو کھیلوں۔ لیکن اس وقت تمہارے اس ساتھی اور لڑکی کے دھیان بھڑا شروع ہو گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکی نے ہسٹل نکال لیا لیکن تمہارے اس ساتھی نے اس لڑکی سے ہسٹل چھین کر اسے تالی مار دی۔ یہ صورت حال ایسی تھی کہ میری توجہ اس سیاہ پوش کی طرف سے ہٹ گئی۔ اور وہ اتنی دیر میں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔ لڑکی کے ہلاک

ہونے کے بعد اس ہال میں بھگدڑ مچ گئی۔ میوزیم کے محافظ آگے گئے۔ اس لیے میں بھی آگے بڑھ گیا۔ اور دروازہ اندر سے بند کر کے اس کمرے میں موجود خفیہ راستے کے ذریعے باہر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد میں اس طرح میوزیم میں داخل ہوا جیسے ابھی ابھی گھر سے چلا آ رہا ہوں۔ یہاں آنے کے بعد مجھے ممانظروں نے بتایا کہ ہال میں کسی طرح کی لاش پڑی ہے۔ میں تو خود اپنی آنکھوں سے اس لاش کو ہلاک ہوتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ پھر جب میں اپنے ممانظروں کے ساتھ اس لاش کا جائزہ لینے کے لیے ہال میں پہنچا تو اتنی دیر میں لاش غائب ہو چکی تھی۔ یہ میرے لیے بہت پریشانی کی بات بھی تھی۔ اور میری اس بات کی تصدیق بھی ہو رہی تھی کہ اس ہال میں بھی کوئی نہ کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ میں نے تم لوگوں کو گھیرنے کے لیے ٹیپ والا پکڑ لیا۔ اور بالآخر تم لوگ میرے جال میں آکر پھنس گئے۔ اب تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

”مجھے نہیں۔“ برکت نے ایک گہری سانس لی۔ ”میرے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا ہے۔ یہ درست ہے کہ میرے اس ساتھی نے اس لاش کو کوئی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اگر تم نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے تو تم خود اس بات کے گواہ ہو گئے۔ کہ اس نے مجبوراً ایسا کیا تھا۔ اس کے بعد اس کی لاش سے لیٹ کر فوت ہو گیا ہے۔ خیر میں اس وقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟“

”میں نے اپنا مطالبہ تمہارے سامنے رکھ دیا ہے۔“ مائیکر نے کہا۔ ”کیونکہ مجھے یہ اندازہ ہو گیا ہے کہ دولت لے جانے والا سیاہ پوش سوائے تمہارے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”فرض کرو اگر ہم آدھا آدھا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ تو پھر تم کس طرح ہماری جان بچاؤ گے؟“

”یہ میرا سرور ہے۔ میں کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لوں گا۔“ تم حرف ہاں یا نہ میں جواب دے دو۔“

”میں نے کہا نا، میں تیار ہوں۔“ برکت نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن پولیس تو ابھی آئے والی ہے۔“

”پولیس کے آنے سے پہلے تم مجھے یہ بتا دو کہ وہ دولت کہاں رکھی ہے؟“ مائیکر نے کہا۔ ”پھر میں تم دونوں کو اتنی صفائی کے ساتھ یہاں سے نکال لے جاؤں گا کہ پولیس ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں بتا دیتا ہوں۔“ برکت نے کہا۔ ”البتہ تم صرف اسے ایک نظر دیکھ سکو گے۔ جب اسے دیکھ

کر مطمئن ہو جاؤ تو ہمارے پاس آکر یہیں یہاں سے نکالنے کی ترکیب کرنا۔ ورنہ۔“

”یہ میرا وعدہ ہے۔“ مائیکر جلدی سے بولا۔ ”کیونکہ ہمارے بغیر میں اس دولت کو حاصل بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں دھوکہ دینے کا مطلب اپنے آپ کو پھنسا دینا ہوگا۔ چلو اب بتا دو کہ میں کیا کروں؟“

”تم ہال میں جاؤ۔ وہاں احمد حسین کی ایک تصویر لگی ہوئی ہے، خزان کی بارش۔ اس فریم کے بائیں جانب دیوار پر ایک پھول بنا ہوا ہے۔ اس پھول میں صرف پتھر یاں ہیں۔ ایک چھوٹی، ایک بڑی۔ تم بڑی پتھر کی کو داؤدیا روہ خفیہ راستہ نمودار ہو جائے گا۔ میٹھی اترنے کے بعد کسی ایک تہ خانہ دکھائی دے گا۔ جس کی چھت پر ایک کتہی کے سراسر وہ بیگٹ لٹکا ہوا ہے جس کی ہم دونوں کو فروتا ہے۔ لیکن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تم میری مدد کے بغیر اس بیگٹ کو وہاں سے نہیں اتار سکو گے۔ چھت کی کتہی کو پیچے لانے کی بھی ایک خاص تکنیک ہے۔ اب تم اس تہ خانے میں جا کر اس بیگٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ۔“

”ہال میں تو ہمارے ساتھی موجود ہیں مائیکر۔“ دلراج نے لہجے میں بولا۔ ”ان کی موجودگی میں اس خفیہ تہ خانے میں کس طرح داخل ہو گئے؟“

”یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ میں اپنے آدمیوں کو کسی بہانے ہال سے باہر بھیج دیتا ہوں۔ صرف دو آدمی یہاں تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ اور وہ بھی اس لیے کہ یہیں ان لوگوں کو بھی مطمئن کرنا ہے۔“

”اتنا کہہ کر مائیکر ان دونوں کے پاس سے گزر کر دروازے کی طرف آیا۔ اور دروازہ کھول کر کسی کو آواز دی۔ اس دوران وہ ان دونوں کی طرف سے چونکا بھی رہا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں ان دونوں پر چاڑھی تھیں۔ دو آدمی اس کی آواز پر کہے میں داخل ہو گئے۔ یہ دونوں بھی مسلح تھے۔

”پولیس کیا ہوا؟“ مائیکر نے ان میں سے ایک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”فون کر دیا ہے جناب۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ پولیس پہنچنے ہی والی ہے۔“

”ٹھیک ہے تم دونوں اسی کمرے میں رہو اور ان کی نگرانی کرتے ہو۔“ اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔“

مائیکر کمرے سے باہر چلا گیا۔ جبکہ وہ دونوں دلراج اور

برکت کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔

”یہ سب کیا چکر ہے برکت بھائی؟“ دلراج نے سرگوشی لی۔ ”تم نے اس سے جھوٹ کیوں بولا؟“

”بھائی آدمی۔ اس طرح میں نے تھوڑی سی مہلت لی ہے۔“ برکت نے اسی انداز میں کہا۔ ”ورنہ یہ شخص تو یہیں پولیس کے حوالے کرنے پر تیار ہوا ہے۔“

”لیکن اب کیا ہوگا؟“ جب اسے تہ خانے میں کوئی بیگٹ دکھائی نہیں دے گا تو وہ غصے میں بھجوت بنا ہی واپس آجائے گا۔ اور نہ جانے پھر ہمارا کیا مشورہ۔“

”تم پریشان مت ہو۔ وہ واپس ہی نہیں آئے گا۔“

”کیا مطلب؟“ دلراج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں نے اسے موت کے سفر پر روانہ کر دیا ہے۔ اس پھول کو دباتے ہی۔“

ابھی برکت کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مائیکر کی بھینک چڑھتی چلی گئی۔

رام پرشاو نے بڑی حیرت سے دھڑک دیکھا۔

دوار نے جس آسانی کے ساتھ اپنے مقابل آنے والوں کو مار مارا پھینکا۔ یہ اس کی مہارت کی دلیل تھی۔ رام پرشاو نے ایسا بے جا کہن اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دوار کے ہاتھوں شکست اٹھا کر وہ لوگ اس طرح منتشر ہو گئے تھے۔ جیسے کسی بڑے کو آتے دیکھ کر بچے خوف سے فرار ہو جاتے ہیں۔ بستی کے لوگ بھی ابھی ان دونوں سے الگ ہی کھڑے تھے۔ پھر اسی وقت پولیس گاڑیوں کے سائرن گونجنے لگے تھے۔ اور دوار نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا تھا کہ وہ پولیس ہی کی گاڑی چھین کر اسے اپنی سواری کے طور پر استعمال کرے گا۔

دوار اور تنہا ہوتا تو اب تک بہت کچھ کر چکا ہوتا۔ لیکن رام پرشاو کی موجودگی نے اس سے پیروں میں زہیریں ڈال دی تھیں۔ اگر رام پرشاو کے لیے کہیں ٹھکانا میسر ہو سکتا تو وہ زیادہ آسانی کے ساتھ حرکت کر سکتا تھا۔ لیکن رام پرشاو کی موجودگی میں ایسا ہونا بہت مشکل تھا۔

اس سے پہلے کہ رام پرشاو اور دوار وہاں سے کہیں جاسکتے، پولیس کی گاڑیاں اس جگہ میں پہنچ گئیں۔ وہ دونوں اب کہیں نہیں جاسکتے تھے۔ انہیں گھیر لیا گیا تھا۔

گاڑیاں رکیں اور پولیس والے ان گاڑیوں سے اترنے لگے تھے۔

”یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی رام پرشاو؟“ دوار بڑبڑایا۔ یہ پولیس والے اتنی آسانی کے ساتھ یہیں نہیں جاتے دیں گے۔“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔“ رام پرشاو نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ یہ پولیس والے کرشن پرشاو کو پہچانتے ہوں۔ اگر ایسی صورت ہوئی تو میں خود کو کرشن پرشاو کا مظاہر کروں گا۔ پھر یہ لوگ ہمارے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔“

پولیس والے گاڑیوں سے اتر کر بستی کے لوگوں کی طرف چلے گئے تھے۔ پھر بستی والوں نے رام پرشاو اور دوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پولیس والوں سے کچھ کہا۔ اور پولیس کے واسطے کار اور دو سپاہی ان کی طرف بڑھنے لگے۔

”میں اب خود کو کرشن پرشاو کا مظاہر کرنے والا ہوں۔ دوار بھائی۔“ رام پرشاو نے کہا۔ ”تم اس دوران خاموش رہنا۔ دوار نے محسوس کیا کہ وہ پولیس والے جیسے جیسے ان کے قریب آتے جا رہے ہیں، ان کے تیور تبدیل ہونے لگے۔

”پہلے تو ان کے چلنے کے انداز میں بہت غرور اور رعوت پائی جاتی تھی۔ لیکن ان دونوں کے قریب آنے کے بعد ان کی رفتار رست پر لگتی۔ اور وہ حیرت زدہ سے دکھائی دینے لگے۔ پھر تین پولیس والے ایک مقام پر رُک گئے۔ جبکہ ایک انسپکٹر بڑی تیزی سے ان دونوں کے پاس آگیا تھا۔

”راج صاحب آپ۔“ اس نے رام پرشاو کو مخاطب کیا۔ ”آپ اور یہاں۔“

”میں تو اب بستی میں آکر پھنسا رہا ہوں۔“ رام پرشاو نے برا سامنے بناتے ہوئے کہا۔ ”میں نے سوچا تھا کہ کچھ دیر کے لیے یہاں ذرا سکون مل جائے گا۔ لیکن یہ لوگ تو مجھ ہی کو مشکوک لگا ہوں سے دیکھنے لگے۔ کچھ لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ لیکن میرے اس دوست کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ اس نے دوار کی طرف اشارہ کیا۔

”راج صاحب۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ پولیس والا کچھ گنگھا ہوا تھا۔ ”میرا مطلب ہے ایسی حالت میں، اتنے خستہ کپڑے۔ اس کے بعد اس طرح۔“

”ہم لوگ شکار کے لیے نکلے تھے۔“ رام پرشاو نے بتایا۔ ”راستے میں کچھ لوگوں نے اسلوں کے زور پر ہمیں گھیر لیا۔ وہ لوگ ہمیں ایک مکان میں لے گئے۔ جہاں انہوں نے

ہمارے لباس تبدیل کر لائے۔ رات بھر تشدد کرتے رہے۔ پھر صبح کو انہوں نے ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر اس مکان سے نکال دیا اور ویرانے میں چھوڑ دیا۔ ہم دونوں نہ جانے کتنا طویل چکر کاٹ کر کیسی کیسی دشواریوں سے جب اس بستی میں پہنچے تو پتا چلا کہ یہاں کسی لڑکی کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اور بستی والوں نے ہم ہی دونوں کو مشکوک سمجھا کر مارا کر دیا۔“

”اوہ۔ یہ تو بہت برا ہوا راجا صاحب۔ کیا آپ ان لوگوں کی یا اس مکان کی نشاندہی کر سکتے ہیں؟“

”اس وقت تو ہم اتنے تھکے ہوئے ہیں کہ حویلی جانا چاہتے ہیں۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”کیا تم کوئی بندوبست کروا سکتے ہو؟“

”کیوں نہیں۔ ہماری گاڑیاں حاضر ہیں۔“ پولیس والا مستعدی سے بولا۔

کچھ دیر بعد یہ دونوں ایک جیب میں بیٹھے ہوئے حویلی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ سواری کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ گاڑی چلانے والا بھی ایک پولیس ہی کا آدمی تھا جو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ ان دونوں کو لے جا رہا تھا۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل خاموش تھے۔ حویلی کے گیٹ پہنچ کر رام پرشاد نے جیب رکوائی۔

”ٹھیک ہے اب تم جاؤ۔“ اس نے جیب سے اُس کے بعد پولیس والے سے کہا۔ ”اور اپنے آفیسر کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کر دینا۔“

پولیس والا ان دونوں کو ایک عدد دروازہ سلام کر کے واپس ہو گیا۔

”اب بتاؤ۔“ رام پرشاد نے دوا کی طرف دیکھا۔ ”یہ حویلی تو بالکل خالی معلوم ہوئی ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ داور نے اپنی گردن ہلائی۔ ”خود کوئی نہ کوئی تو ہمارے راستے میں ضرور آتا۔ گناہ ہے کہ کرشن پرشاد کہیں فرار ہو گیا ہے۔“

”ہاں۔ اسے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم اس قید سے نکل چکے ہیں۔ اسی لیے وہ بھر اپنے ساتھیوں کے کہیں روپوش ہو گیا ہے۔“

”سچ میں نہیں آتا کہ اسے روپوش ہونے کی کافوریت پیش آگئی؟“ داور نے کہا۔ ”اسے تو اپنے حالات پر پورا اُتیا حاصل ہے۔ اس کے پاس آدمیوں کی پوری فوج ہے۔ وہ جب چاہے ہمیں تلاش کروا سکتا ہے۔ پھر اس خاموشی

کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

”میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔“ رام پرشاد نے دھیر سے کہا۔ ”زہر ہال میں حویلی میں چل کر دیکھ لینا چاہیے۔“

حویلی کا صدر دروازہ بظاہر بند دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن وہ بند نہیں تھا۔ وہ دروازہ دھکے دینے پر اندر کی جانب کھلتا چلا گیا۔ سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ ایک حیرت کی بات تھی۔ داور اس سے پہلے جیب سے ہتھیار کے ساتھ اس حویلی میں آچکا تھا۔ اس وقت یہاں ملازمین کی ابھی خاصی تعداد موجود تھی۔ یہ ملازمین ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان کرشن پرشاد کسی راجہ ہی کی شان کے ساتھ موجود تھا۔ لیکن اس وقت یہاں کوئی نہیں تھا۔ ہر طرف سناٹا۔ وہ دونوں متناہ قدموں سے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ برآمدے میں اونچے اونچے ستونوں کی قطار لگی ہوئی تھی۔ اور پہلے ہی ستون کے پیچھے ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

وہ لاش ستون کے عقب میں اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ انہیں سامنے کی طرف سے دکھائی نہ پڑی تھی۔ لیکن جیسے ہی وہ برآمدے میں پہنچے۔ وہ لاش دکھائی دے گئی۔ اس کے سر میں گولی ماری گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ شناخت کے قابل نہیں رہا تھا۔ لاش کے پاس خون ہی خون پھیلا ہوا تھا۔ اس لاش کے پاس ایک ریواور بھی گرا ہوا تھا۔

”یہ ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔“ داور اس لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یہ جلنے یا کون ہے؟ کس نے مارا ہے اسے؟“

”یہ مجھے کرشن پرشاد کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ رام پرشاد نے کہا۔

”چلو ہال میں چلتے ہیں؟“

داور نے آگے بڑھ کر لاش کے پاس گرہا ہوا ریواور اٹھا لیا۔ اس میں گولیاں بھری ہوئی تھیں۔

ہال میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کو بھی گولیاں مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ رام پرشاد نے ان دونوں میں سے ایک کو ہچکچاتا دیکھا۔ اس کے کہنے کے مطابق وہ کرشن پرشاد ہی کا آدمی تھا اور کبھی کبھی رام پرشاد کے لیے اس کی کوٹھڑی میں کھانا لے کر آیا کرتا تھا۔ ان لاشوں کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ البتہ اس ہال میں آفرانری کا منظر تھا۔ گنا تھا جیسے جنگی جانوروں کا کوئی خول اس

ہال میں محسوس آیا ہو۔ صوفے اٹے ہوئے تھے، کرسیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ قالینوں کو اچھڑ کر رکھ دیا گیا تھا۔ دیواروں پر لگی ہوئی قیمتی تصاویر نیچے گری ہوئی تھیں۔ دوسرے کدوں کی طرف نکلنے والے دروازے اپنی جگہوں سے الٹے ہوئے تھے۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے دوسرے کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی ایک لاش پڑی تھی۔ اور اس کمرے کی حالت بھی ابتر ہو رہی تھی۔

مجموعی طور پر اس حویلی میں سات لاشیں دکھائی دی تھیں۔ اور ہر کمرے کو زبردستی دیکھا گیا تھا۔ جیسے ملازمین کے کسی بہت بڑے کمرے نے اس حویلی پر حملہ کر کے سب کو تہ تیغ کر دیا ہو۔

”سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہو گیا ہے؟“ رام پرشاد پریشان ہو کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اس حویلی پر بہت بڑا اور منظم حملہ کیا گیا ہے۔“

”ہاں۔“ داور نے اس سے اتفاق کیا۔ ”اور اب ہماری منزل ہم سے کچھ اور دور ہو چکی ہے۔ ہم یہاں کرشن پرشاد کی تلاش میں گئے تھے۔ جو زبردستی وسائل رکھنے والا اور بہت طاقتور آدمی ہے۔ لیکن اس حویلی کی حالت نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ کوئی اور بھی ہے جو خود کرشن پرشاد پر حاوی ہو گیا ہے۔ اب ہم ان سے حملہ آوروں کا پتا چلانا ہو گا۔ لیکن ہے کہ کرشن پرشاد بھی ان ہی لوگوں کے قبضے میں ہو۔ اگر ایسا ہوا تو ہمیں کرشن پرشاد سے بھی زیادہ زبردستی و دشمنی سے نمٹنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔“

”اس پورے علاقے میں کوئی ایسا نہیں ہو سکتا جو کرشن پرشاد پر حملہ کر سکے۔“ رام پرشاد نے کہا۔ ”حملہ آور باہر کے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔“ اور اس حملے کا مقصد بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔“

”ہم لوگوں کو یہاں سے نکال لینا چاہیے۔“ داور نے کہا۔ ”ورنہ ہو سکتا ہے کہ پولیس یہاں بھی پہنچ جائے۔“

وہ دونوں اس حویلی سے باہر نکلنے کے لیے دروازے کی طرف بڑھے اور دروازے کے قریب کاریوں کے درمیان ایک اور شخص کھلتا ہوا دکھائی دے گیا۔ وہ اندر آتے۔ ہوئے اس آدمی کو نہیں دیکھ سکے تھے۔ داور ڈونٹا ہوا اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا۔ اسے بھی پہنے پرگولی ماری گئی تھی۔ اس کا منہ خون سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن ابھی اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ داور گھٹنوں

کے بل اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے دم توڑتے ہوئے آدمی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس وقت بھی خوفزدہ تھا۔ اس کی بے بس دم توڑتی ہوئی آنکھوں سے اس کے اندر جھپی ہوئی دہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ”کیا تم کچھ بول سکتے ہو؟“ داور نے بڑی نرمی سے پوچھا۔

اس نے اپنی گردن ہلا دی۔ پھر اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ ”پ۔ پ۔ پ۔ پانی۔“

”میرا پرشاد یہ سنتے ہی دوڑتا ہوا حویلی کے اندر چلا گیا تھا۔“

”میرا ساتھی پانی لاتے گیا ہے۔“ داور نے اسے بتایا۔

”اگر تم بول سکتے ہو تو بتاؤ کہ یہ کس کی کارستانی ہے؟ کس نے مارا ہے تم لوگوں کو؟“

”جان ہونے۔“ اس آدمی نے بڑی مشکلوں سے الٹک الٹک کر بتایا۔ اس کو کوشش میں اس کے منہ سے خون کی ایک تہ بھی ہو گئی تھی۔

”کون جان ہو؟“ داور نے حیرت سے پوچھا۔ کہاں ہے وہ؟ کہاں رہتا ہے؟“

”پ۔ پرنس فار۔ فار۔ فارنگ۔“ اس نے بڑی مشکلوں سے بتایا۔ پھر اس کی زبان اٹیٹھ گئی۔ اس کی گردن ٹھک گئی۔ وہ پانی پیے بغیر ہی مر چکا تھا۔ داور اس کی لاش کے پاس سے ہٹ آیا۔

اسی وقت رام پرشاد ایک گاس میں پانی لیے ہوئے حویلی سے نمودار ہوا۔

”کوئی فائدہ نہیں دوست؟“ داور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کی قسمت میں پیاسا ہی مرنا لکھا تھا۔“

”اوہ۔“ رام پرشاد نے پانی کا گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ ”کچھ بتا چلا یا۔ کچھ بتایا اس نے؟“

”ہاں۔ اس نے کسی چان ہو کا نام لیا ہے۔ کوئی عینی معلوم ہوتا ہے۔“

”جان ہو۔“ رام پرشاد کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ”میں نے تو اس علاقے میں ایسا نام پہلے نہیں سنا۔“

”یہ کسی پرنس فارنگ کا نام بھی ہے رہا تھا۔ یہ کیا چیز ہے۔“

”اوہ۔ پرنس فارنگ۔“ رام پرشاد کی آنکھیں کھل گئیں۔ ”یہ کسی صنعت کار کی نجی ملکیت ہے۔“ اس نے بتایا۔

”دہاں ریس کے گھوڑوں کی افزائش ہوتی ہے۔ وہ ایک بہت



بڑا علاقہ ہے۔ سنا ہے کہ وہاں اتحاد دکھوڑے ہیں۔ لیکن یہ چان جو سمجھ میں نہیں آیا۔  
 "ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا تعلق اسی پرنس فارمنگ سے ہو۔" داور نے کہا "تم مجھے بتا سکتے ہو کہ وہ یہاں سے کتنی دور ہوگا؟"  
 "بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔"

"نہیں۔ تم اب میرے ساتھ نہیں چلو گے۔"  
 "وہ کیوں؟" رام پرشاد نے چونکا کر پوچھا۔  
 "برامت ماننا دوست۔ میں جب بھی کسی کے ساتھ ہوتا ہوں تو میری کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ اس کی بناویا وجہ یہ ہوتی ہے کہ میرا اپنے ساتھی کی طرف سے پریشان رہتا ہوں۔ اس کے تحفظ کی فکر کرتا ہوں۔ جس کے نتیجے میں یہ ہوتا ہے کہ میں تقریباً مغلوب ہو کر رہ جاتا ہوں۔ کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ جبکہ میں تمہارے کہ بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ مجھے یوں ایک فوج کے درخ کو بدل دینے کی صلاحیت اور بہت موجود ہے۔ لیکن کسی کی موجودگی میرے اعصاب کو حسرت کر دیا کرتی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم میرے ساتھ مت جاؤ۔ مجھے تنہا کام کرنے دو۔ اس کے علاوہ تم بھی کرو رہو۔"

تمہارے اعصاب پر پہلے ہی اتنا بوجھ پڑ چکا ہے کہ میں اب مزید بوجھ دلانا نہیں چاہتا۔ تم مجھے صرف اس فارمنگ کا پتا بتاؤ، وہ میرا دل تہہ رہا ہے کہ اگر میں وہاں پہنچ گیا تو صورتحال ہمارے قابو میں آجائے گی۔ بہت سے جمید کھل جائیں گے۔ اگر زہر رہا تو پھر ضرور تمہے اگر غلوں کا گھر۔ جس اسکا تو سمجھ لینا قسمت نے میرے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو اس سے پہلے شکست کھانے والوں کے ساتھ کر چکی ہے۔"

"لیکن یہ تو سوچو کہ پھر میں کہاں جاؤں گا کہاں رہوں گا؟"  
 رام پرشاد نے پوچھا۔  
 یہ مسئلہ تو ہے لیکن اس حوالی میں کیا کوئی ایسا پوشیدہ مقام نہیں ہے جو صرف تمہارے علم میں ہو کسی اور کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ تم وہاں جا کر چھپ سکتے ہو۔"  
 "ایسی جگہ۔" رام پرشاد سوچنے لگا۔ "ہاں ایک جگہ تو ہے۔ لیکن وہ حوالی میں نہیں۔ عقیقی تھے کی طرف جتنے ہوئے ملازمین کے کوارٹر میں ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر میں ان میں سے کسی کو ارڈر میں جا کر چھپ جاؤں تو ایک دو دن تک کوئی اس طرف دھیان نہیں دے گا۔ مگر مسئلہ یہی ہے کہ پولیس

پہنچے گی تو پھر کیا ہوگا؟"  
 "میں سمجھتا ہوں کہ پولیس فی الحال ادھر نہیں آئے گی۔" داور نے کہا۔ "پولیس اسی وقت پہنچتی ہے جب اسے خبر دی جائے اور یہاں خبر دینے والے کون ہے۔ سب کے سب ہلاک ہو چکے ہیں۔"  
 "یہ بھی تم ٹھیک کہتے ہو۔ تو پھر تم جاؤ۔ میں اپنے لیے کوئی ٹھکانا تلاش کر لیتا ہوں۔"

رام پرشاد سے الگ ہونے کے بعد داور خود کو ہلکا محسوس کرنے لگا۔ اس کے ساتھ وہ بندہ کر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ عجیب و غریب مہم اسے کس طرف لے جائے گی۔ وہ نہ نکلا تھا کسی اور کام سے۔ پھر اچھٹائی چلا گیا تھا۔ ایسے ایسے واقعات رونما ہونے لگے تھے جن کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ یہ مہم اس کے لیے ذہنی اور جسمانی دونوں لحاظ سے بہت مشکل ثابت ہو رہی تھی۔ اور لطف یہ تھا کہ وہ ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں کر پایا تھا۔ ایک آدمی سامنے آتا تو پتا چلتا کہ اس کی پشت پر کوئی اور بھی ہے۔ وہ جان جو کھوں میں ڈال کر اس تک پہنچتا تو یہ معلوم ہوتا کہ اس کی بھی ڈور کوئی اور ہلا رہا ہے۔

یہ معاملہ مندر میں رکھے ہوئے دو ہیروں کی چوری سے شروع ہوا تھا۔ اسے وہ میرے اس مندر سے غائب کر دیتے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک اس مندر میں ہی نہیں پہنچ پایا تھا، جہاں وہ میرے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ابھی تک نہیں اور ہی جھٹکتا رہا تھا۔ کچھ اور لوگ اس کے راستے میں آئے تھے۔ یہ ایسے لوگ تھے جن کا تعلق اس مندر سے تو تھا لیکن وہ اس کے ہاتھ بھی نہیں آ سکتے تھے۔ وقت اس کے ہاتھ سے جھستتا جا رہا تھا۔ اس کو چپتا ہوا، اس حوالی سے باہر گیا۔

ایک بار اس کے جی میں یہ بھی آئی کہ وہ اس مہم پر لگنت بھیج کر واپس بھیج دیا جائے۔ جہاں روپے حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے ذریعے تھے۔ کیا ضروری تھا کہ آدمی ایسے کاموں میں ہاتھ ڈال دے جن کا سرمایہ سب سے بڑی سمجھ میں نہ آ رہا ہو۔ کبھی میں عبدل کے ساتھ اچھی خاصی زندگی گزار رہی تھی کہ یہ معاملہ اس کے درمیان آ گیا۔

لیکن وہ یہ سب کیا سوچ رہا تھا۔ یہ معاملہ تو ایسا تھا جس کا اس کی زندگی سے کوئی تعلق تھا۔ وہ تو اپنے باپ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اور باپ کی تلاش کے ساتھ ہی سب ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ ان ہنگاموں سے اس کے باپ کا بھی تعلق تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ

یہ ہنگامے اسی کی ذات کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ وہ خود بھی ان معاملات میں ملوث تھا۔  
 اسے یاد آیا کہ اس نے رام پرشاد سے پرنس فارمنگ کا پتا تو دریافت ہی نہیں کیا تھا۔ اب تو ایسے پرنس فارمنگ جا کر جان چوکے خبر سے بھی نقاب اٹھائی تھی۔ کیونکہ اس کی ذات سے کرشن پرشاد یا کالی موت کا تعلق تھا اور کالی موت نے جہاں بہت کچھ کیا تھا، وہاں وہ نئی کی موت کا بھی ذمہ دار تھا۔ نئی کی موت کے ساتھ ساتھ نیلا میس عودت کی موت بھی اسی کی دھڑ سے آتی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ بھی اور جانے کتنے لوگوں کا خون اس کے کھلتے میں لکھا ہوا تھا۔ وہ داور کا پلاٹن تھا۔ یہ دشمنی کسی اور کی دھڑ سے نہیں تھی بلکہ داور خود اس شخص کی نفرت میں براہ راست ملوث ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں ابھی کچھ بھی نہیں تھا کہ وہ پرنس فارمنگ پہنچ کر کیا کرے گا۔ چان ہونامی اس آدمی نے کرشن پرشاد کی حوالی میں تباہی مچا دی تھی۔ اس کے نہ جانے کتنے آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اب یہ جان ہو کون تھا؟ کیا اس کے وسائل اتنے ہی زبردست تھے کہ وہ کرشن پرشاد جیسے شخص پر حاوی ہو گیا تھا کہ کرشن پرشاد سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی تھی اور وہ بھی ایسی کہ اس نے قتل عام مچا کر رکھ دیا تھا۔ بہر حال جان ہونے سے ملنے کے بعد ہی اس مسئلے کا پتا چل سکتا تھا۔

وہ جس ٹرک پر چل رہا تھا اس پر گاڑیاں بہت کم چلی رہی تھیں۔ اسے کسی ایسی مناسب سواری کی ضرورت تھی جو اسے بغیر کسی دشواری کے پرنس فارمنگ تک پہنچا دے۔ راجھی تو اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ پرنس فارمنگ ہے کہاں پر۔

سامنے کی طرف سے ایک گاڑی آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہ ایک کار تھی سفید رنگ کی۔ داور نے اسے روکنے کے لیے زور زور سے اپنے ہاتھوں کو ہلانے شروع کر دیا۔ وہ تیز رفتار گاڑی اس کے سامنے سے گزری پھر آگے جا کر ٹرک گئی۔ ڈرائیور نے اتنی زور سے بریک لگا یا تھا کہ پیسوں کی چرچر اٹھ ڈوڑھک گونج اٹھی تھی۔

داور دوڑتا ہوا اس گاڑی کے پاس پہنچ گیا جس کے اندر چار آدمی بیٹھے تھے۔ دو آگے، دو پچھلی نشست پر۔ ان میں سے ایک غریب دکھائی دے رہا تھا۔

یہ ایک آپ لوگ بتا سکتے ہیں کہ یہ پرنس فارمنگ کہاں ہے؟" داور نے گاڑی چلانے والے سے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟" پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے جلدی سے کہا۔ "بیٹھ جاؤ۔ ہم لوگ بھی اسی طرف جا رہے ہیں۔" اتنا کہہ کر اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھول دیا۔ داور شکریہ کہتا ہوا اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ گاڑی آگے روانہ ہو گئی۔ لیکن گاڑی کے چلنے کے ساتھ ہی ایک ریوالور کی نال داور کے پیلو سے اٹکی تھی۔

موہن اور سوہن کو بڑی گڑی لگائی مگر ان میں بستی کے راز گووندا کے سلسلے پہنچا دیا گیا۔

وہ میریکس باہر سے معمولی دکھائی دیتی تھیں لیکن ان کے اندر کشش کی ہر چیز مہیا تھی۔ دبیز قالین، خوبصورت اور قیمتی فرنیچر، گھڑیوں اور دروازوں پر خوبصورت پردے، فون، موسم کی ستیوں سے محفوظ رکھنے والے آلات اور ان کے علاوہ گووندا کی حفاظت کے لیے میخ اور باوروی لنگرن تو پھر ڈسے پھوڑے پھالے پر چوکس گھرے تھے۔ ملتے جلتے ٹھاٹھاں سے کسی ملک کا حکمران بھی نہیں رہتا ہوگا۔ لیکن ایک چھوٹی سی بستی کے سردار کو یہ ساری سہولیات مہیا تھیں۔

گووندا کے کمرے خاص میں پیش کرنے سے پہلے ان دونوں کی اچھی طرح تلاشی کی گئی تھی۔ ان کے پاس سے کوئی قابل اعتراض چیز برآمد نہیں ہو سکی تھی۔ موہن اس سلسلے میں بہت اصول پسند واقع ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کو پتھاروں سے زیادہ اپنے ذہن سے کام لینا چاہیے۔ ہتھیار وہ رکھتے ہیں جن کے ذہن کند ہو چکے ہوں۔ اسی لیے وہ ہتھیار وغیرہ اپنے پاس رکھنے کے خلاف تھا۔ یوں بھی اس کی تقلید کیا کرتا تھا۔

گووندا ایک طویل قامت اور مرغ و سفید باریب سا آدمی ثابت ہوا تھا۔ جس کی شاندار موچیں اس کی شخصیت کو اور بھی باریب بناتی تھیں۔ اس کمرے میں دو محافظ بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک غیر ملکی تھا جبکہ دوسرا مقامی آدمی تھا۔ وہ دونوں ہی بہت کینہ توڑ لگا ہوں سے موہن اور سوہن کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ہاں۔ کیوں ملنا جا رہے ہو تم لوگ مجھ سے؟" گووندا نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ جوابات کرتی ہو جلدی کرنا۔ میرے پاس اور بھی بہت کام ہیں۔" "ہم پہلی بار آپ کی بستی میں آئے ہیں سردار۔" موہن نے کہا۔ "ہم سوچا بھی نہیں سکتے تھے کہ اتنے ڈور افتادہ

علائے میں ایک ایسی بستی بھی ہوگی جہاں۔  
 "خاموش کیوں ہو گئے ہو؟ کیا غریبی ہے اس بستی  
 میں؟" گووند اکا بھر اٹھا ہوا تھا۔  
 "خوابی تو کوئی نہیں ہے سردار لیکن میں آپ سے بہت  
 ضروری باتیں کرنی ہیں۔"  
 "تو پھر انتظار کیا ہے، بتاؤ۔"

موہن نے سستی خیز لگا ہوں سے سوہن کی طرف  
 دیکھا پھر دھیرے سے بولا۔ "دیکھیں سردار، میں جو کچھ  
 کہتا ہے وہ ہم ان دونوں کے سامنے نہیں کہہ سکیں گے۔"  
 "تو پھر اس ملاقات کو ختم سمجھو، سردار نے زور  
 سے کہا۔ "میں نے تمہیں بہت پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میرے  
 پاس خال تو وقت نہیں ہے۔" اٹھا کہہ کر اس نے مقامی  
 محافظ کی طرف دیکھا۔ "جاؤ، رتنا کو بلا کر لے آؤ۔"

موہن نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن سردار اب ان کی  
 طرف دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے اپنے سامنے  
 رکھی ہوئی میز پر سے ایک فائل اٹھا لی تھی اور اس کی ورق  
 گردانی میں مصروف ہو گیا تھا۔ وہ مقامی محافظ تھوڑی دیر  
 میں ایک بوڑھے شخص کو لے کر اس کے پاس داخل ہوا۔  
 وہ بوڑھا ایک قوی الجشت آدمی تھا اس کے بال بالکل سفید  
 ہو رہے تھے۔ اس کی پیشانی پر بڑی ہوئی سلوٹیں بے بتا  
 رہی تھیں کہ وہ غور و فکر کا بوجھ عادی ہے۔ اس کے دونوں  
 پہلوؤں سے ٹکے ہوئے ہوسٹروں میں روبا اور رکے ہوئے  
 تھے۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت بھی متاثر کرنے والی تھی۔  
 وہ شخص باوقار قدموں سے کمرے میں داخل ہوا اور  
 سردار کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اس نے موہن اور سوہن  
 کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی۔

"جی سردار۔" اس نے گووند کو مخاطب کیا۔ "آپ  
 نے مجھے یاد کیا تھا۔"

"ہاں۔" سردار نے اس پر نگاہ ڈالی اور پھر ان دونوں  
 کی طرف اشارہ کیا۔ "ان دونوں کو شہر تک پہنچاؤ۔ یہ لوگ  
 جھٹکے ہوئے اس طرف آئے ہیں۔"

موہن کی نسبت سوہن زیادہ غصے میں تھا۔ ہوا تھا۔  
 اس نے ایسی بے عزتی کبھی برداشت نہیں کی تھی۔ سوہن  
 نہ جانے کیا سوچ کر میاں آیا ہوگا لیکن اس اٹھ مزاج  
 شخص نے اس کی پروا ہی نہیں کی تھی۔  
 "آہستہ چلیں، رتنا نامی اس شخص نے دو دروازے  
 کی طرف اشارہ کیا۔ میں اپنی گاڑی پر آپ دونوں کو پہنچا

دیتا ہوں۔"  
 موہن اور سوہن نے گووند کو ہنستے کیا اور اس شخص  
 کے ساتھ اس کمرے سے باہر آ گئے۔ اس کا مزاج بھی  
 گووند ہی جیسا معلوم ہوتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ اس طرح  
 چل رہا تھا جیسے کوئی جاہل حرمین اپنی رعایا کے ساتھ چلا کر  
 ہے۔ وہ ان دونوں کو ایک جیب کی طرف لے آیا جو احاطہ  
 کے اندر ہی کھڑی ہوئی تھی۔

ڈرائیونگ اس نے خود ہی سنبھال لی تھی۔ جبکہ وہ  
 اس کے ساتھ والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اور سوہن نے  
 بہت بدولت اور اعلیٰ حال سا ہو کر سنبھل نشست سنبھال لی تھی۔  
 ان دونوں کے بیٹھے ہی اس نے جیب ایک جھٹکے سے اسلحہ  
 کی گٹ پشٹین محافظوں نے اس جیب کو دیکھتے ہی  
 دروازہ کھول دیا۔ جیب سنبھالتی ہوئی باہر نکل آئی۔  
 یہ سفر کچھ دور تک اسی طرح جاری رہا۔ پھر جب وہ  
 جیب کچھ فاصلہ طے کر چکی تو اس شخص نے بریک پر ہاتھ  
 رکھ دیے۔ جیب ایک پرشور آواز کے ساتھ ٹک ٹک  
 "ہاں، اب بتاؤ۔" اس نے موہن کی طرف دیکھا۔ "تم  
 گووند سے کیا کہنے والے تھے؟"

"اب کیا کرنا ہے تاکہ یہ موہن نے برا سامنہ بنایا۔  
 "جب تمہارے سردار نے کوئی بات نہیں سنی۔ اس نے  
 ہماری طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ تو پھر تمہیں بتانے سے  
 کیا فائدہ؟"

"تم غلط سمجھ ہو۔ وہ مسکرا دیا۔ اس نے تمہاری  
 طرف پورا دھیان دیا تھا۔ ورنہ وہ تمہیں میرے ساتھ کبھی  
 بھیجتا۔ میرے ساتھ تمہیں بھیجنے کا مطلب یہی ہے  
 تم وہ سب کچھ مجھے بتا دو جو اس سے کہنا چاہتے اور  
 تم میری اس بات پر پورا یقین کر سکتے ہو۔"

اگر ایسی ہی بات تھی تو سردار نے وہیں ہمارا  
 کیوں نہیں سن لی؟ یہ سوال سوہن نے کیا تھا۔

سوہن کے اس سوال پر رتنا سوچ میں پڑ گیا۔  
 کچھ دیر بعد بولا۔ "سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگوں پر مجھ کو  
 کیا جانے یا نہیں۔"

"تمہارا بھروسہ کرنا ہی بہتر ہے۔" موہن نے کہا  
 "میں تمہیں اشارہ دے سکتا ہوں کہ تمہارا سردار کچھ  
 ہے۔"

"ٹھیک کہا تم نے۔" رتنا نے ایک ٹھنڈی سانس  
 ہم سب مجبور ہو گئے ہیں۔ اب چلے تم کو بھی ہو

خفی کسی سے بھی ہو۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔  
 ہم دوست ہو یا دشمن مخلص بن کر آئے ہو یا دھوکہ دینا  
 چاہتے ہو۔ ہم نے یہ سوچ رکھا تھا کہ جو بھی آئے گا، ہم  
 سے یہ بتا دیں گے کہ ہمیں کس طرح مجبور کر دیا گیا ہے۔  
 نرودہ دوست ہوا تو وہاں اس جا کر حکام کو خبر دے گا۔ انکار  
 دیتے گا۔ اور اگر دوست نہیں ہوا تو ہمارا مجبور ہونا  
 میں سمجھ اور اضافہ ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ نرودہ کچھ  
 نہیں ہو سکتا نا۔"

"تم یقین کرو، تمہاری مجبوریوں میں اور اضافہ نہیں  
 ہوگا۔" موہن نے کہا۔ ہم دوست بن کر آئے ہیں آج  
 ہم مندر کی طرف گئے تھے۔ اور مندر میں موجود غیر ملکیوں  
 کو دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے اور اس  
 بستی کے لوگ ہماری سردار کے کس آفت میں مبتلا ہو  
 گئے ہیں۔ کیونکہ یہ غیر ملکی جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے بچے  
 اس طرح کاڑھ دیتے ہیں کہ زمین ان کے بوجھ سے سکے  
 لٹتی ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو دوست۔" رتنا ایک دم خوش ہو گیا۔  
 یہی بات ہے۔ ہم واقعی ان کے ہاتھوں کچھ پہلی بن کر رہ  
 گئے ہیں۔ ہماری اپنی کوئی حیثیت نہیں رہی۔"  
 "کیا تم ہمیں تفصیل سے سب کچھ بتا سکتے ہو؟"

موہن نے کہا۔  
 "کیوں نہیں پہلی بار تو کسی کو کچھ بتانے کا موقع مل  
 رہا ہے۔ یہ گووند میرے چاچا کا بیٹا ہے۔ میرا نام رتنا  
 ہے۔ تم نے ہماری شکلوں کے درمیان مشابہت شاید  
 محسوس کر لی ہوگی۔ بہر حال اس بستی کا سردار میرے کووند  
 تھا۔ جس کی دوڑ لڑکیاں تھیں۔ گووند کے پتا اس سردار  
 کے سپہ سالار تھے۔ پھر ہواؤں کے ایک دن اس بستی  
 میں کچھ غیر ملکی چلے آئے۔ غیر ملکیوں کا آنا جانا یہاں لگا  
 ہی رہتا ہے۔ ہمیں پورے میاں میں غیر ملکی گھسنے کو  
 میں نظر آئیں گے۔ تو ان غیر ملکیوں پر بھی ہم نے کوئی۔

دھیان نہیں دیا۔ ہم نے سوچا کہ جس طرح دوسرے غیر ملکی  
 یہاں آیا کرتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی آئے ہیں اور  
 واپس چلے جائیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہ غیر ملکی کچھ  
 اور مقصود لے کر آئے تھے۔ نہ جانے انہیں یہ کیسے معلوم  
 ہو گیا تھا کہ رتنا گری کی زمین میں ایک ایسی دھات پائی  
 جاتی ہے جو بہت اہم ہے۔ یعنی یورینیم یہ غیر ملکی اس  
 دھات کی تلاش میں آئے تھے۔ اور جب انہیں اس بات

کا یقین ہو گیا تو انہوں نے پہلے تو سردار سے سودا کرنے  
 کی کوشش کی۔ جب سردار نے ان کی بات نہیں مانی تو  
 انہوں نے سردار کے خلاف گووند کے پتا جی کو خبر دیا۔  
 انہوں نے نہ جانے کیسے کیسے لاپٹ دے کر گووند کے پتا ان  
 کی باتوں میں آ گئے۔ اور انہوں نے اپنے سردار کے خلاف  
 بغاوت کر دی۔ اچھا خاصا خون خرابہ ہوا۔ اس چکر میں سردار  
 نو مارا گیا۔ لیکن اس کی دونوں لڑکیاں ایک اتالیق لائی کے  
 ساتھ فرار ہونے میں کامیاب ہو گئیں۔ خیر سردار کے جانے  
 کے بعد گووند کے پتا سردار بن گئے۔ اور انہوں نے  
 غیر ملکیوں کو یورینم نکالنے کی اجازت دے دی۔ اس کے  
 عوض ہر سال کا معاوضہ ملے گا۔ اجازت کا لٹنا تھا کہ اس  
 بستی میں غیر ملکی بھر آئے۔ وہ اپنے ساتھ جدید ترین مشین  
 آلات اور نہ جانے کیا کیا لے آئے۔ کچھ دنوں کے بعد  
 گووند کے پتا کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی جگہ ان غیر ملکیوں  
 نے گووند کو سردار بنا دیا۔ لیکن یہ ایک ایسی سرداری ہے  
 جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ گووند اسے اختیار میں کچھ  
 بھی نہیں ہے۔ اسے سونے کے ٹبرے میں قید کر کے رکھ  
 دیا گیا ہے۔ وہ اپنی مرضی میں سے کچھ نہیں کر سکتا۔ اس  
 کی خواہش ہے کہ وہ ان غیر ملکیوں کے تسلط سے نجات  
 حاصل کر لے۔ لیکن ان لوگوں نے اس کے چاروں طرف  
 ایسے پیرے لگا دیے ہیں کہ وہ کھٹ کر رہ جائے۔ بنیادی  
 طور پر وہ ایک اچھا آدمی ہے۔ لیکن اپنے پتا کے کیے کی  
 سزا جھگٹ رہا ہے۔ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے  
 کچھ بھی نہیں کیا ہے لیکن اس کے اپنے لوگ اسے شخاعت  
 بھری لنگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان غیر ملکیوں نے گرج  
 اس کے آگے سونے چاندی کے ڈھیر لگا دیے ہیں، اس  
 کے باوجود وہ ان کے چنگل سے لنگھنا چاہتا ہے۔ لیکن کوئی  
 تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی۔ میں نے یہ باتیں تم لوگوں کو  
 اس لیے بتا دی ہیں کہ تم اس کی مجبوری کو سمجھ سکو۔ بہت  
 دنوں سے وہ اس امید میں تھا کہ شاید باہر سے کوئی آکر  
 اس کے حالات دریافت کرے لیکن نہ جانے کیوں اس  
 بستی میں جو بھی آتا ہے وہ بستی میں ہی گھوم پھر کر واپس  
 ہو جاتا ہے۔ گووند تک پہنچنے والے تم پہلے لوگ ہو۔ اسی  
 لیے اس نے بہانے سے مجھے تمہارے ساتھ کر دیا تاکہ  
 تم جو کچھ بتانے یا کہنے آئے ہو۔ مجھے کہہ دو اور میں نہیں  
 سو رہا حال سے آگاہ کر دوں۔"

"ہوں۔" موہن نے ایک گہری سانس لی۔ "یہ تو واقعی

بہت بڑی صورت حال ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہارے سردار کو غلط سمجھا۔ اچھا، اب جو میں پوچھوں تم اس کا جواب دو گے۔  
 ”کیوں نہیں؟“ رتنا نے کہا۔ ”مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تم کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہو۔ اگر تم یہیں کوئی اچھا مشورہ دے سکو تو ہم خوشی سے قبول کر لیں گے۔ ہم بہت تنگ آ چکے ہیں۔ ان غیر ملکپوں کے آنے کے بعد ہماری یہ پرسکون بستی بدعاشوں کا اڈا بن کر رہ گئی ہے۔ دنیا بھر کی مشیات تمہیں یہاں سے مل جائیں گی۔ یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔ کسی کی عزت اور جان و مال محفوظ نہیں ہے۔ لیکن ہم تمہیں نہیں کر سکتے۔ بس تمہاری کی طرح دیکھتے رہتے ہیں۔“

تمہاری حکومت اس معاملے میں کیوں دخل نہیں دیتی؟“ موہن نے پوچھا۔ ”یو رہیں تو ایسی دھات ہے جس پر حکومت کا اختیار ہونا چاہیے۔“  
 ”تھک جاتے ہو لیکن تمہیں یہ نہیں معلوم کہ یہ ایک خود مختار بستی ہے۔ بہت پہلے حکومت اور اس بستی کے سرداروں کے درمیان ایک معاہدہ ہو گیا تھا جس کی رو سے حکومت یہاں کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتی۔ حکومت کے کئی نمائندے سردار سے اس معاملے پر بات کرنے کے لیے آئے تھے لیکن بغیر ملکی کسی کو اس کے پاس جھٹکے بھی نہیں دیتے۔ تم لوگ نہ جانے کس طرح سردار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔“

”اچھا یہ بتاؤ۔ کیا تمہارے یہاں بیروں کی بھی کوئی داستان مشہور ہے؟“ موہن نے پوچھا۔  
 ”یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہے؟“ رتنا نے چونک کر موہن کی طرف دیکھا۔

”ہمیں اس بستی میں کسی نے بتایا ہے۔“ موہن نے کہا۔ ”جب تم نے مجھے سب کچھ بتا ہی دیا ہے تو ان ہیروں کی کہانی بھی سنا دو۔“  
 رتنا نے اس پر جو کچھ بھی بتایا وہ موہن اور سوہن اس سے سیدھی کئی باتیں چکے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہیرے واقعی اس علاقے کی سرداری کا فیصلہ کر سکتے تھے۔  
 ”اب تم کو بتاؤ کہ تم دونوں کون ہو؟“ یہاں کیوں آئے ہو؟“ گووند نے کیوں ماننا چاہتے تھے؟  
 ”تم ایک اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو رتنا۔“ موہن اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس لیے میری خواہش ہے کہ میں

تمہیں حالات سے آگاہ کر دوں۔ بات یہ ہے کہ ہم دونوں چور ہیں۔“  
 ”چور۔“ رتنا کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہو؟“  
 ”ہاں۔ اور یہ تو تمہیں بعد میں معلوم ہوگا کہ ہم کس قسم کے چور ہیں۔ فی الحال ہمارے ذہن میں ان غیر ملکپوں سے نجات حاصل کرنے کی ایک ترکیب سمجھ رہی ہے۔“  
 ”وہ کیا؟“  
 ”تم وہ ہیرے مند سے چوری کر دو۔“ موہن نے کہا۔ ”کیا؟“ رتنا ایک جھٹکے سے بولا۔ پھر اس کے چہرے کے عضلات تن گئے۔ ”تمہارا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے؟“ وہ غرایا۔

”میں تمہیں بہت اچھا مشورہ دے رہا ہوں رتنا۔ تم خود بتا چکے ہو کہ وہ ہیرے اس علاقے میں کسی سردار کے ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن پہلے تو اس بات کا پتہ چلنا چاہیے کہ تمہارے گووند کے دل میں کیا ہے۔ کیا وہ بدستور اس بستی کا سردار رہنا چاہتا ہے یا اس کی یہ خواہش ہے کہ حق دار کو اس کا حق واپس کر دیا جائے؟“  
 ”ہاں۔ وہ بھی چاہتا ہے۔“ رتنا نے اپنی گردن ہلائی۔ ”ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جب گووند کے پٹانے دولت کے لالچ میں آکر ان غیر ملکپوں سے ساز باز کر لیں تو اس کے بعد سے ہمارا کیا حال ہو گیا ہے۔ ہم کہیں کے بھی نہیں رہے ہیں۔ اس بستی پر گناہوں کے سائے منڈلانے لگے ہیں۔ ہمارا جینا دو بھر ہو کر رہ گیا ہے۔ اس لیے ہم یہ چاہتے ہیں کہ سرداری اس کے پاس چلی جائے جو اس کا حقدار ہے۔ لیکن ان غیر ملکپوں کا کیا ہوگا؟“ گووند نے سہمی، کوئی اور سہمی۔ یہ کسی دوسرے سے سر پر مسئلہ ہو جائیں گے۔“

”غیر ملکپوں کے تسلط حاصل کرنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس بستی کے لوگ بڑی خاموشی اور صبر کے ساتھ ظلم کو برداشت کرنے لگے ہیں۔ فوجی کروڑاں اور دونوں لڑکیوں میں سے کوئی لیکان ہیروں کو لے کر واپس آجائے تو بستی والوں کا کیا سلوک ہوگا؟“  
 ”وہ اس کا سواکت کریں گے؟“ رتنا نے جواب دیا۔ ”ہاں۔ وہ اس لیے سواکت کریں گے کہ اوّل تو وہ سرداری کی جائز حقدار ہوگی۔ اور دوسری بات یہ ہوگی کہ وہ مقدس ہیرے اس کے پاس ہوں گے۔ اس کا لیے

جتنی والے اس کے لیے اپنی جان کی بازی لگانے کو بھی تیار ہو جائیں گے۔ وہ اگر یہ کہہ دے کہ ان غیر ملکپوں کو اس بستی سے نکال دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ پوری بستی ان لوٹ پڑے گی۔ وہ یہیں کتنے؟“ گنتی کے کچھ لوگ۔  
 ”ور تمہاری بستی والے ابھی تک اس لیے خاموش ہیں کہ نہیں کوئی آگے بڑھانے والا نہیں مل رہا ہے۔ کوئی سہارا یہیں مل رہا ہے۔ کوئی تحریک نہیں مل رہی ہے۔ ایک بار یہی تحریک مل جائے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“  
 ”ہاں۔ تمہاری بات سمجھ میں آ رہی ہے۔“ رتنا دھیرے سے بولا۔ ”لیکن وہ ہیرے کون چوری کرے گا؟ پھر نہیں مل حقداروں تک کون پہنچائے گا؟“  
 ”ہم کریں گے چوری۔“ موہن نے کہا۔

”تم۔“ رتنا پھر حیران ہو گیا تھا۔  
 ”ہاں۔ ہمیں اس قسم کے کاموں کا بہت تجربہ ہے۔ لیکن تم ہمیں چور مت سمجھنا۔ ہم دراصل ایک پرائیویٹ ملاکتا کی ایک بستی چلاتے ہیں۔ اس لیے ہمیں ان سب کاموں کی تربیت ملی ہوئی ہے۔ ہم وہ ہیرے چور کر رہے ہیں جو لے کر دیں گے۔ اور تم انہیں اصل حقداروں تک واپس کر کر دیتا۔“

”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔“ رتنا بڑبڑایا۔ ”الجھن کی کوئی بات نہیں ہے۔ پہلے اچھی طرح سوچ لو۔ پھر تم اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے کچھ ایسا بندوبست کر دینا کہ ہمیں ہیرے چوری کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔“

رتنا نے کچھ کہنا چاہا۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ وہ اس وقت تذبذب میں مبتلا معلوم ہو رہا تھا۔  
 ”کیا تم یہ سوچ رہے ہو کہ کہیں وہ قیمتی ہیرے ہم لے کر فرار نہ ہو جائیں؟“

”دیکھو یہ سب میرا نہیں پوری بستی کا معاملہ ہے۔“ رتنا نے کہا۔ ”وہ ہیرے میرے لیے بہت پوتہ ہیں۔ بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی قیمت چاہے جتنی بھی ہو ہمارے لیے ان کی قیمت سے کہیں زیادہ اہمیت ان کے پوتہ ناکا ہے۔ اس لیے میں سوچ میں پڑ گیا ہوں۔“

”میں تمہیں اس کا بھی ایک طریقہ بتا دیتا ہوں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تم اپنے اعتماد کے آدمیوں کو مندر کے باہر کھڑا کرنا۔ ہم لوگ جیسے ہی مندر کے باہر آئیں تمہارے

آدمی ہم سے وہ ہیرے لے لیں۔ اگر چاہو تو ان سے یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ اگر تم فرار ہونے کی کوشش کریں تو ہمیں وہ کوئی بھی مار سکتے ہیں۔ اب بتاؤ، میں اس سے زیادہ اور کیا ضمانت دے سکتا ہوں۔“

”میں اس سلسلے میں گووند سے مشورہ کر کے تمہیں بتا دوں گا۔“ رتنا نے کہا۔ ”مگر لوگ تمہارے ہونے کہاں ہو؟“ موہن نے اسے اپنا پتا بتاتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم ہم لوگوں کو چھوڑ کر واپس ہو جاؤ۔ ہم یہاں سے واپس چلے جائیں گے۔“

”تھک ہے۔ میں تم لوگوں سے جلدی ملاقات کر دیکھا وہ دونوں جیب سے پیچھے آگئے۔ رتنا جیب کو آگے بڑھائے گیا تھا۔

”یہ تم نے کیا چکر چلا دیا؟“ سوہن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”اسے کہتے ہیں عقل کا صحیح استعمال“ موہن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب تم دیکھ لینا کہ وہ ہیرے کس طرح ہمارے قبضے میں آتے ہیں۔“  
 ”لیکن ان ہیروں کے قبضے میں آنے کے بعد غیر ملکی کس طرح واپس جائیں گے؟“

”غیر ملکپوں کے ہونے یا نہ ہونے سے ہمیں کیا دلچسپی ہے۔ چاہے وہ جائیں یا نہ جائیں۔ ہمارا اصل کام تو ان ہیروں کو حاصل کرنا ہے۔ یاد رکھو، ہم چیڑاڑیو سی اشیاء کے نمائندے ہیں۔ ہمیں کسی سے ہمدردی وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھے؟“

داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا جس نے اس کے پہلو سے ریوا لور لگا رکھا تھا۔

وہ ایک قوی ہیکل آدمی تھا، پیٹ اور آدھی آستین کی قمیص میں ملبوس جن سے اس کے بازو کی پھلیاں برقی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی کینہ توڑ مسکراہٹ تھی۔

”اس حرکت کا کیا مقصد ہے؟“ داور نے غر کر پوچھا۔ ”خاموش رہو پیارے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”ہم برس فارمنگ کا پتا پوچھنے والے ہر شخص کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔“

”آخر کیوں؟“ میں نے کوئی جرم تو نہیں کیا ہے۔“ داور نے کہا۔ ”اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسی خفیہ جگہ ہے تو

میں کبھی اس کا پتا دریافت نہیں کرتا۔  
 یہ آدمی تو بہت جیکر رہا ہے منوہر۔ ریواوردی  
 نے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ کیا خیال ہے چھٹی کر دی جائے  
 "ابھی نہیں، ابھی اس سے معلوم تو کر لو کہ آخر یہ کون  
 ہے۔ کیا جانتا ہے؟" ڈرائیور نے جواب دیا۔  
 "میرا نام گنگا ہے۔" اور خود ہی بولنے لگا۔  
 کرشن پر شاو کا آدمی ہوں۔ یہ پورا علاقہ ان کا ہے۔ برتھن  
 ان کو جانتا ہے۔ انہوں نے میرے سپرد ایک کام کیا تھا۔  
 انہوں نے کہا تھا کہ جب وہ کام ہو جائے تو آکر مجھے بتا  
 دینا۔ اور اگر میں جوہلی میں نہ مل سکوں تو پرنس فارمنگ  
 چلے آؤں۔ میں کام کر کے جب آیا تو جوہلی میں لاشیں ہی لاشیں  
 پڑی ہوئی تھیں۔ پھر مجھے یاد آگیا کہ کرشن پر شاو نے مجھ  
 سے کیا کہا تھا۔ میں اس لیے تم لوگوں سے پرنس فارمنگ  
 کا پتا دریافت کر رہا تھا۔ اور تم لوگ میرے ساتھ یہ سوکھ  
 کر رہے ہو۔ میں کرشن پر شاو کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس  
 کی جوہلی میں کیسا اندھیر چھ گیا ہے۔  
 "اوہ۔ یہ آدمی تو بہت کچھ جانتا ہے منوہر۔ ریواوردی  
 والے نے مجھ ڈرائیور کو مخاطب کیا۔ اسے تو یہ بھی معلوم  
 ہے کہ اس جوہلی میں کتنی لاشیں ہیں؟  
 "ہاں۔ چھ گاڑی چلانے والے ڈرائیور نے اپنی گردن  
 ہلائی۔ یہ اتفاق ہے کہ ہم لوگ اس وقت ادھر سے گزر  
 رہے تھے۔ ورنہ یہ تو نکل گیا ہوتا۔"  
 "تو پھر کیا خیال ہے تمہارا؟" اس نے پوچھا۔  
 "ابھی نہیں۔ پہلے اسے جان ہو کہ سامنے پیش کر دیتے  
 ہیں۔ ہو سکتا ہے اس سے کوئی کام کی بات معلوم ہی ہو جائے۔  
 "اور اور اطمینان کی سائنس لے کر رہ گیا۔ اسے بھی تو جان  
 کے سامنے ہی جانا تھا۔ چاہے کسی طرح بھی لے جایا جائے۔  
 اب ایک راستہ نکل آیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ یہ راستہ تو خطر  
 بھی تھا لیکن واروں کو ان لوگوں کی پروا نہیں تھی۔ اسے یہ  
 اطمینان ہو گیا تھا کہ یہ لوگ اسے جان ہو کہ سامنے لے  
 جانے سے پہلے گولی نہیں مارے گے۔ اب ایک الجھن یہ تھی  
 کہ یہ لوگ اس کی طرف سے مشکوک کیوں ہو گئے ہیں حالانکہ  
 اس نے بڑے عام انداز میں صرف پرنس فارمنگ کا پتا ہی  
 دریافت کیا تھا اور یہ مصیبت مجھے پہنچی تھی۔  
 "ہاں تو پیارے یہ نہیں بتاؤ گے کہ کرشن پر شاو  
 نے تمہیں کس کام کے لیے بھیجا تھا؟" ریواوردی والے  
 نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"نہیں۔ میں یہ نہیں بتا سکتا۔ یہ میری عہداری ہوگی  
 مالک کا کام مالک ہی کو بتانا چاہیے۔"  
 "اوہ۔" اس بار گاڑی چلانے والا منوہر زور  
 پھنس پڑا۔ "بہت ہی وفاق وار معلوم ہوتا ہے رجنی اور  
 کل ایسے جانور کم ہی ملتے ہیں۔"  
 "اور یہ بھول کر کہہ گیا۔ یہ جگہ سو کر اسے غصہ تو آیا۔  
 تھا پھر اس نے خود پر قابو بھی پایا تھا۔ اس دوران منوہر  
 اور رجنی ہی بولتے رہے تھے۔ جب کہ پرنس اور دوسرا آدمی  
 بالکل خاموش رہے تھے۔ غیر ملکی نو شاہدان کے دربار ہونے  
 والی گفتگو نہیں سمجھ سکا۔ لیکن وہ دوسرا شخص بھی اسی طرح  
 راتعلق تھا جسے ان معاملات سے کوئی وجہ ہی نہ ہو۔  
 "اور سے پھر کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ اس دوران وہ گاڑی  
 اچھا خاصا سفر لے کر چلی تھی۔ اور ابھی تک اس فارمنگ کے  
 آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ پھر اچانک وہ گاڑی سرک چھوڑ  
 کر پھنس گئی۔ یہاں ایک راستہ تو بنا ہوا تھا لیکن یہ راستہ  
 ایسا تھا کہ گاڑی بار بار اچھل جاتی۔ کچھ دور کے بعد اچھل کود کا یہ  
 سلسلہ ختم ہوا۔ اور وہ گاڑی پھر ایک ہمارا راستہ برآئی جس  
 کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے۔ درختوں کا سلسلہ ختم  
 ہو گاڑی روک دی گئی۔ اس کی منزل اب کتنی قریب  
 "چلو آؤ۔" دادی کر میں رہا اور اس کی نال سے تھوڑا دیا گیا۔  
 "کوئی ٹو بڑھت کرنا درختوں کے درمیان گولی چلنے کی آواز کسی کو  
 بھی سنائی نہیں دے گی۔"  
 "دادی گاڑی سے نیچے اگیا۔ اس کے ساتھ دوسرے لوگ  
 بھی اتر آئے تھے۔ دادی کے سامنے خاوارانوں والا ایک جوہلی  
 عربی احاطہ تھا جس کے اندر دو رنگ گھاس کا سرسبز میدان  
 بچھا ہوا تھا۔ اور درمیان میں بہت سے برکس بنے ہوئے تھے  
 احاطے کا ایک مرکزی گیٹ بھی تھا جہاں چارستے یا فٹ پتھر سے  
 نشانیات تھے۔ ان چاروں کے علاوہ احاطے کے اندر بھی کچھ لوگ  
 دکھائی دے رہے تھے۔ احاطے کے برقی گیٹ پر ایک بڑا سا  
 بورڈ بھی لگا ہوا تھا جس پر پرنس فارمنگ لکھا تھا۔ دادی اور  
 بورڈ کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا تھا۔  
 "چلو آؤ۔" دادی اور دادی نے اسے جڑھن کا اشارہ کیا۔  
 "پہلے بناؤ کہ تم لوگ مجھے کہاں لے آئے ہو؟" دادی نے کہہ  
 "پرنس فارمنگ تو نہیں ہے۔ بورڈ پر تو کچھ اور لکھا ہے۔"  
 "ہاں میرے بھوئے انسان کو کھلا اور دلا نہیں ہے تو  
 "کسی زمانے میں یہ پرنس فارمنگ بھی تھا۔ بہت لوگوں کا  
 کا اصل نام معلوم ہے۔ پھر اسے پرنس فارمنگ کر دیا گیا۔ تم

جب پرنس فارمنگ کا حال دیا تو ہم لوگ اسی لیے چونک گئے  
 تھے۔ کوئی یہ نام بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ اب آئی کھجی میں۔  
 بس ناک کی سیدھے میں دونوں ہاتھ اٹھائے آگے بڑھتے رہو۔  
 "دادی ایک گہری سانس لے کر گئے چل چلا اس نے  
 اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھالیے تھے۔ صورت حال اب اس کی  
 سمجھ میں آگئی تھی۔ اگر وہ پرنس فارمنگ نہیں کہتا تو یہ لوگ  
 اس کی طرف سے کبھی شکوک نہیں ہوتے لیکن اب کہا ہو سکتا  
 تھا۔ وہ وہاں تک آیا تھا اور اس کا منہ غامبی ہی تھا۔  
 چاہے پرنس فارمنگ ہو یا پرنس فارمنگ۔ دیکھنے سے اس نے  
 اپنے دل میں اس رہا اور وہاں کو سنی سکھانے کا پورا اہتمام کر لیا  
 تھا۔ وہ ابھی بھی کسی سانپ کی طرح پلٹ کر اس کے رہا اور  
 ہاتھ ڈال سکتا تھا لیکن اس سے پہلے جان ہو گا بدکار تھا۔  
 جو ایک نیا بندہ کٹن کی طرح اس کے راسے میں چلا آیا تھا۔ یہ  
 ایک ایسی فہم تھی جس میں بیاں کے چھکے کی طرح واقعات تھوڑے  
 اترنے چلے جا رہے تھے۔ ایک آدمی کے چہرے سے نقاب ہی تو  
 اس کی جگہ دوسرا آدمی سامنے آ جاتا۔  
 گیٹ پر کھڑے ہوئے فی فٹوں نے انھیں دیکھ کر راستہ  
 دے دیا تھا۔ دادی کو اس حالت میں آنے دیکھ کر بھی انھوں نے  
 کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا جس سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ  
 یہاں لوگوں کو اس طرح لایا جاتا رہا ہے۔ وہ غیر ملکی اور اس کے  
 ساتھ والا شخص ابھی تک خاموش تھے۔ جب کہ بولنے اور عمل  
 کرنے کی ذمہ داری اس رجنی اور منوہر نے لے رکھی تھی۔  
 گیٹ کے بعد ایک راستہ پر لوگوں کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ  
 لوگ ابھی کچھ دور ہی چلے ہوئے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کوئی  
 دوڑتا ہوا آیا۔ اور دادی سے ٹکرا گیا۔ دادی نے بڑی مشکلوں سے  
 خود کو گرنے سے بچایا تھا جب کہ وہ شخص دادی کے فلواد کی بدن سے  
 ٹکرا کر ایک طرف اٹ گیا تھا۔  
 "کیا مصیبت ہے؟" منوہر زور سے چیخا۔ "کھڑا ہوا اور  
 گرنے والا بڑا کھڑا ہو گیا۔ اسے دیکھ کر دادی کی آنکھیں  
 جڑھن سے پھیل گئیں۔ یہ دادی تو نوجوان تھا جس نے اپنی ہر طرف  
 باہن کے ساتھ آکر دار اور دار پر بناؤ کوسلاخوں کی تہ سے  
 نکالا تھا۔ اس وقت اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ خوف سے  
 اس کی آواز بھی نہیں نکل پاری تھی اس کے چہرے پر بخراشیں تھیں۔  
 اور اس کا لباس بھی جلد بگڑنے چھا ہوا تھا۔ ممکن تھا کہ اس  
 نے کسی دادی کو بھی پہچان لیا ہو لیکن وہ اس وقت اتنا خوفزدہ  
 تھا کہ اس کے ہونٹ صرف کانپ کر رہ گئے تھے۔

"اسے کیا ہو گیا ہے؟" اس بار رجنی چیخا۔ "کون ہے  
 تو کیا بھاگ دوڑ لگا رہی ہے؟"  
 "وہ وہ شرطو۔ وہ نوجوان اپنے ہونٹوں پر زبان  
 پھیرتے ہوئے ہلا پھر اس طرح پیچھے مڑو دیکھنے لگا جسے کوئی  
 بلا اس کے تعاقب میں چلی آ رہی ہو۔  
 "اوہ شرطو۔ رجنی عمر وہ انداز سے ہنس پڑا۔ "تو شرطو  
 کے چکر میں پھنس گیا ہے ناکیوں؟"  
 اس نوجوان نے اپنی گردن ہلائی اور دوبارہ ایک طرف  
 دوڑنا چاہا تھا کہ دادی نے ایک کراسے پڑ لیا۔ وہ دادی کی  
 مضبوط گرفت میں ایک کے رہ گیا تھا۔  
 "کیا کہہ رہے ہو؟" دادی نے حیرت سے برکت کی طرف  
 دیکھی۔  
 اس دوران اس کمرے میں موجود لوگ ہر شخص کی گردن  
 کے عالم میں باہر نکل گئے۔ انہیں یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ  
 اس کمرے میں وہ دونوں بھی موجود ہیں۔ کمرہ خالی ہونے ہی  
 برکت اچھل کر کھڑا ہوا اور اس نے ایک جگہ سے دلراج کی گولائی  
 پھڑکی۔ پھر اسے کچھ یاد آیا اور اس نے دوڑتے ہوئے اس کمرے  
 کا دروازہ بند کر دیا۔ چھت پر اس نے کمرے کی وہ کھڑکی کھول دی  
 جو باہر کی طرف تھی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دروازے  
 کی طرف پلٹا۔  
 "اب ہم لوگ محفوظ ہو گئے۔ دوست! اس نے کہا۔ اب  
 کوئی ہمیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"  
 "کیا کہہ رہے ہو؟" ابھی ہم لوگ اسی کمرے میں ہیں اور  
 چاروں طرف سچے سچے محافظ ہوئے ہیں۔"  
 "باز ایک ذہین آدمی تھا۔ برکت مسکراتے ہوئے بولا۔  
 "لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس کمرے سے جو راستہ باہر کی طرف  
 جاتا ہے۔ میں بھی اس راستے سے واقف ہوں۔ اور صرف  
 اس راستے سے واقف ہوں۔ بلکہ اس کمرے کے خفیہ راستوں  
 سے میں دوبارہ اس خفیہ تہ خانے میں بھی پہنچ سکتا ہوں جہاں  
 ہم پہلے موجود تھے۔ اب آؤ۔ میں نے یہ کھڑکی اس لیے کھول  
 دی ہے کہ وہ لوگ اس دھوکے میں رہیں کہ ہم کھڑکی کے ذریعے  
 کہیں باہر فرار ہو گئے ہیں۔ آؤ۔"  
 "دلراج ایک گہری سانس لے کر برکت کے پاس آگیا۔ برکت  
 نے اس بار بھی ایسا غیر محسوس عمل کیا تھا کہ دلراج کو اندازہ  
 بھی نہیں ہو سکا۔ نہ جانے اس نے دلراج کے ساتھ ہر ہاتھ کھا  
 تھا کہ دلراج ایک طرف سرک گئی۔ برکت انتہائی محتاط اور

انہما ہی ذہین آدمی ثابت ہو رہا تھا۔ اب اس دیوار میں خلاہ نمودار ہی ہوتی تھی کہ کمرے کے دروازے پر دھڑ دھڑ ہونے لگی۔ وہ سب اپنی غلطی محسوس کر کے دروازے کی طرف ہلٹ پڑے تھے۔ دروازے نے ہلکا کر دروازے کی طرف دھچکا ہرکت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیوار کے خلاف کی طرف کھینچا اور کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں اس خلاہ میں اتر گئے تھے۔ ان کے اترنے ہی وہ دیوار پہلے کی طرح اپنی جگہ برابر ہو گئی تھی۔ سب جیسا کہ غصے اور غصے اندھیرا برکت نے اگر درراج کا ہاتھ نہیں پکڑ رکھا ہونا تو شاید وہ لڑکھٹا ہوا سب جیوں سے نیچے آگیا۔ برکت ہی اسے قدم قدم سہارا دے کر اس طرح نیچے لے آیا جیسے اس کی انہیں اس اندھیرے میں بھی واضح طور پر دیکھ رہی ہوں۔

وہ دونوں ایک چکر لگا کر اسی تہہ خانے میں آگئے جہاں سے ان کا سفر شروع ہوا تھا۔ درراج نے اب اس بات پر حیرت کرنی ترک کر دی تھی کہ اس عمارت میں تہہ خانوں کا چال کس کس انداز سے چھلوا دیا ہے کیسے کیسے راستے بنائے گئے ہیں نہ جانے ان کے تہہ میں ایسی سخت کی تھی ہوئی۔ وہ تہہ خانہ ابھی تک درراج کو پریشان کر رہا تھا یہیں ایک لاش پڑی ہوئی تھی اور یہ لاش کسی اور کی نہیں بلکہ شہلا کی تھی جسے اس نے خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔ یہ تہہ خانہ اب اسے کٹنے کو دوڑ رہا تھا۔ وہ یہاں سے بھاگ جاتا جانتا تھا لیکن تیزی سے ٹکرنے والے واقعات اسے اتنا متوجہ ہی نہیں دے رہے تھے۔ اس نے سوچا اگر وہ شہلا کی موت کا ماتم کرے گا۔ اسے بچھ کر یا تو رتہ رتہ گا۔ اس کی روح سے معافیاں طلب کرے گا لیکن اسے جہالت ہی نہیں مل رہی تھی۔

برکت۔ اسے اپنے ساتھ اس دیوار کے پاس لے آبا جہاں سے ہال میں چھانک کر دیکھا جاسکتا تھا۔ ان دونوں نے ہال میں چھانکنا شروع کر دیا۔ وہاں بھی تک افراتفری مچی ہوئی تھی نہ جانے کتنے فیوظ کتنے لوگ ہلکے کھلے ہوئے تھے۔ وہاں ایک طرف ایک لاش بھی پڑی ہوئی تھی جو یقیناً ماتھی تھی۔ اس کی زندگی کا چراغ بہت جلدی بہت اچانک گل ہو گیا تھا۔ اس نے نہ جانے کیسے خواب دیکھ رکھے تھے۔ لیکن یہ خواب اب کبھی فراموش نہیں ہونے والے نہیں تھے۔

وہ دونوں کچھ دیر تک ہال میں ہوئے دلی بھگدڑ دیکھتے رہے۔ پھر واپس تہہ خانے میں پڑی ہوئی کٹری کی پیٹروں پر گر بیٹھے گئے۔

”ہاں اب بتاؤ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ درراج نے پوچھا۔  
”ساری صورت حال تمہارے سامنے ہے تم نے دیکھ لیا کہ ماتھی ایک ایسا آدمی تھا جس نے اپنی زبان سے یہیں کھیر لیا تھا۔ لیکن میری زبان نے اس کا کام تمام کر دیا۔“  
”آخر کس طرح؟“

”بارگم بھی عجیب تھا۔ مادی ہو؛ برکت نے چھل کر کہا۔  
”میری سہیلی بات ہے کہ میں نے اسے دو ایک جس جتنے کو بدلنے کے لیے کہا تھا۔ وہاں ایک نہ رہی سنی ہو تو وہ ہے۔ ان خفیہ راستوں کی نگہ کرنے والوں نے یہ انتظام جانتا ہو کر کیا ہوگا۔ مجھے بس اتفاق سے معلوم ہو گیا تھا۔ درراج میں خود متنبی ہے۔ سب سامنے کے لیے تھا۔ سامنے نہیں ہوتا تو اس طرح اس ماتھی کی کہانی ختم ہو جی۔ جو ہر حال میں ہمیں ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔“  
”نہیں ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔“ درراج نے حیرت سے دہرایا۔  
”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو؟“

”ظاہر ہے وہ اتنے بے خوف آدمی نہیں تھا کہ دولت مل جانے کے بعد وہ یہیں زندہ رکھنا تاکہ اس کی دولت کا رافض کر دین۔ اس نے یہ سب لیا تھا کہ وہ دولت کو اپنے جیبے میں لیے سے بعد میں کوئی مار دے گا اس کے لیے یہ بہت اچھا بہانہ تھا کہ ہم نے اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسی لیے اس نے اپنے بچاؤ میں ہمیں ہلاک کر دیا۔ جو میرے سامنے مسئلہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ میں اس سیاہ پوش کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو چھلنے کتنی دولت کے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ نہ جانے وہ کون ہے؟“  
”میں غصے ایک بات بناؤں۔“ درراج نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں بتاؤ۔ کیا بات ہے؟“  
”میں نے اس دولت کے بارے میں سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے میں تمہیں اتنا مطمئن رکھانی سے رہا ہوں مجھے اب اس دولت کی پرواہ نہیں رہی۔ میں نے یہ بچہ لیا ہے کہ وہ دولت اب میری قسمت میں نہیں ہے۔ اور جو بہتر قسمت بڑا نہ ہو اس کے لیے سوچ سوچ کر خود کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔“

”تمہارا یہ تو بڑا اچھا بھی ہے اور میرا بھی۔“ برکت نے کہا۔  
”اچھا اس لیے ہے کہ تم اس طرح ذہنی طور پر سکون ہو گئے ہو اور میرا اس لیے ہے کہ تم اس طرح بہت بارہیے ہو۔ یہ گمان ہوتا ہے کہ تم نے ہمارا دل لی ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تم

نے انہی تنگ و دو کی ہے۔ اپنے ایک ساتھی سے اسی دولت کے لیے محروم ہو گئے ہو۔ اور اسی دولت کے ملنے سے مایوس ہو گئے ہو۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ تمہاری شکست کی دلیل ہے اور شکست خوردہ لوگ کچھ اچھے نہیں لیتے۔“  
”تو پھر تم ہی بناؤ۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟“

”ہم سوچ سکتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں غور کر سکتے ہیں جو ابھی تک ہم جیوں سے زیادہ خوش قسمت ثابت ہو رہے۔ ہم یہ معلوم کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ وہ کون ہے۔ کہاں ہے آیا تھا اور دولت لے کر کہاں غائب ہو گیا؟“  
”نہ جانے کہوں اب میرا دل اس دولت کی طرف سے اچانک ہو گیا ہے۔“ درراج نے پھر کہا۔  
”میں نے یہ دیکھ چکا ہوں کہ اس دولت نے اتنی ہی دیر میں کتنی خون ریزیاں برپا کر دیں۔“  
”یہ تمہاری مرضی۔ لیکن میں تم سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ دولت میرے ہاتھ آئی۔ تو میں تمہیں تمہارا حق ضرور پہنچا دوں گا۔ ہاں اب آپس میں تمہارے ساتھی کی لاش ٹھکانے لگانی ہے۔“ لاش۔“ درراج مری طرح چونک پڑا۔

”ظاہر ہے۔ یہ لاش اس تہہ خانے میں تو نہیں رہ سکتی۔ کچھ دیر بعد اس میں خرابی کے آثار پیدا ہونے لگیں گے۔ اسی لیے بہتر ہے کہ اس سے پہلے اسے کہیں ٹھکانے لگا دیا جائے۔“  
”شہلا کی لاش کے تذکرے پر درراج نے اپنی گردن ہٹکا لی۔ یہ کبسا اتفاق تھا۔ اسے سب سے زیادہ جس سے محبت تھی اس کو اس نے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر دیا تھا۔ شاید انسان کے لیے اپنی زندگی سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ دولت کا لاپرواہ سارے جد بول پر غائب آجاتا ہے۔ جب یہ عوامل موجود ہوں تو محبت بھی درمیان میں نہیں رہتی۔ خاموشی سے ایک طرف ہٹ جاتی ہے جس طرح شہلا ہٹ گئی تھی۔“

”آؤ میرے ساتھ۔“ برکت کھڑا ہو گیا۔ یہ کام بھی کر ہی لیا جائے۔ اس تہہ خانے میں ایک زمین دوڑنا لہ رہا ہے۔ ہم اس لاش کو اسی نلے میں بہا دیں گے۔ یہ نالہ ابھی صاف ستھرا جاکر مل جاتا ہے۔ چھلداں لاش کو فٹ کر رکھا لیگیں۔ اس طرح تمہاری ساتھی کا جو تنگ ختم ہو جائے گا۔ زندگی اس طرح چلتی رہتی ہے یہی دستور ہے۔“

زمین دوڑنا لہ ہال کے نیچے ہی سے بہتا تھا۔ ہال کی ایک دیوار کے ساتھ لوہے کا ایک ڈھکنا لگا ہوا تھا۔ وہ دونوں لاش اٹھا کر اس نلے کے دبلے کے پاس لے آئے تھے۔ پھر برکت ہی نے ایک ہاتھ سے اس ڈھکنا کو ایک طرف ہٹا لیا۔

اور دونوں نے مل کر وہ لاش اس نلے میں ڈال دی جیسا کہ ایک آواز کے ساتھ شہلا کے وجود کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

”نقاب پوش اس طرح اچانک سامنے آ گیا تھا کہ ہرام اور جہا راجہ دونوں ہی سٹ پٹا کر رہ گئے۔ اسی وقت چاند بھی بدلیوں کی اوٹ سے نکل آیا اور اس کی روشنی میں یہ نقاب پوش بہت عجیب محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جدید قسم کی ایک شاٹ گن تھی جس کا ڈھک ان دونوں ہی کی طرف تھا۔“  
”اگے چلو۔ اس نقاب پوش نے بھیجی ہوئی آواز میں کہا۔ اس کا لہجہ بھی کچھ عجیب سا تھا۔

جہا راجہ اور ہرام نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ نقاب پوش ان کے پیچھے ہی رہا تھا۔ اس نے جس طرف چلنے کا اشارہ کیا تھا وہ بھی ایک برکت بھی تھی۔ دو قدم چلنے کے بعد اچانک ہرام نے ہٹا لیا اور اپنی ایک عضو کو نقاب پوش کے غصے پر زبرد کر دی۔ نقاب پوش لڑکھڑا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سے اس کی شاٹ گن چھوٹ کر ایک طرف جا گری تھی۔ ہرام نے جھپٹ کر شاٹ گن اٹھالی۔ یہ عمل اتنی جلدی اور اتنی آسانی کے ساتھ ہو گیا تھا کہ جہا راجہ دیکھنے ہی رہ گئے تھے۔ انہیں ہرام کی جرأت پر حیرت ہوئی تھی۔

”چلو اب کھڑی ہو جاؤ۔“ ہرام نے شاٹ گن لہراتے ہوئے کہا۔  
”میں نے اندازہ کر لیا ہے کہ تم کو کوئی عورت ہو۔“ وہ نقاب پوش آہستہ آہستہ زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
”چلو اب اپنی یہ نقاب بھی اتار دو۔“ ہرام نے دوسرا حکم دیا۔  
نقاب پوش نے جھجکا کر اپنی نقاب اتار کر ایک طرف پھینک دی۔ وہ ایک عورت ہی تھی۔ عظیم کی عورت۔ خوبصورت۔ روشن چہرے اور سنہری زلفوں والی۔  
”ہاں اب بتاؤ کون ہو تم؟“ ہرام نے پوچھا۔  
”اوہ تم ہمارے راستے میں کیوں آئی ہو؟“

”میں نہیں بتاؤں گی۔ اس نے کہا حالانکہ اس نے یہ حملہ ہندوستانی ہی میں ادا کیا تھا جس میں اس کا لہجہ بھارتی تھا۔ اسے اس زمانہ کے لیے بے غور جو حاصل نہیں ہو سکا ہے۔“  
”تمہیں تو بتانا ہی پڑے گا۔“ ہرام مسکرتے ہوئے بولا۔  
”ورہ میری جیب میں ایک تیز دھار چاقو موجود ہے۔ میں اس چاقو سے تمہاری لہجوں اناروں کا پیشہ تم پر کر دوں گا۔ میں چلاؤں گا۔ کیونکہ اس کی آواز دوسروں کو خبردار کر دے گی۔“



وہاں تم ایسا کر سکتے ہو تم سب کے سب بے رحم اور ظالم ہو یہاں کل فضا میں ظلم کا طوفان ہے۔ یہاں رہنے والوں کے سروں پر ہر ذرت خون سوار رہتا ہے۔

”ہنہیں ایسی بات نہیں ہے خاتون! بلرام دھیرے سے بولا۔ ایسے بہت کم لوگ ہیں۔ شریف لوگ جو کچھ سامنے نہیں آتے۔ اپنی عزت کے خوف سے خاموش رہتے ہیں۔ اسی لیے ہمیں زیادہ تعداد میں سے لوگوں کی دکھانی دینی ہے جب کہ یہاں اچھے لوگ بہت زیادہ ہیں۔“

”جو کچھ کہتے ہو تم میں نے کسی کو بھی اچھا نہیں دیکھا۔ سب کے سب بے رحم اور ظالم ہو۔ تم لوگوں نے میرے بھائی کے ساتھ مل کر لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ وہ بھی پہلے ایسا نہیں تھا۔ بہت شریف آدمی تھا۔ لیکن یہاں آنے کے بعد اس کا مزاج بھی یہاں کے ماحول کی وجہ سے بدل گیا۔ وہ اب سب سے بڑا ظالم ہے۔“

”تم کسی کی بات کر رہی ہو بیٹی۔“ مہاراجہ نے اسے مخاطب کیا۔ ”کون ہے تمھارا بھائی؟“

”بیٹی! اس عورت نے جو کہ اس طرح مہاراجہ کی طرف دیکھا جیسے پہلی بار نظر پڑی ہو۔“

”جانتے ہو بیٹی کسی کو کہتے ہیں؟“ وہ تلخ ہو کر بولی۔ ”کچھ کہنے سے پہلے ابھی طرح سوچ لیا کرو ورنہ بعد میں بہت خرابی ہوگی ہے۔“

”میں نے بہت سوچا کچھ کر نہیں بیٹی کہا ہے۔“ مہاراجہ نے کہا۔ ”تجس دیکھ کر ایسا ہی احساس ہو رہا ہے۔ خیر۔ یہ بتاؤ کون ہے تمھارا بھائی؟“

”بہارک! اس نے جواب دیا۔ وہی بہارک جو اس ہاؤس کے کارخانے کو چلا رہا ہے جس نے سارے جال پھیلا رکھے ہیں۔ میں اسی شخص کی بہن ہوں۔“

”خاتون! ہم لوگ بھی تمھارے بھائی کے ستائے ہوئے ہیں۔ بلرام جلدی سے بولا۔ ویسے مجھے یہ جان کر جنت ہوئی ہے کہ بہارک کی کوئی بہن بھی ہے۔ اور وہ بھی ایسی جو اپنے بھائی کے ظلم و تشدد سے بیزار ہو چکی ہے جس کے اندر انہی صبر و بردباری کے طور پر کام بھی کر رہا ہے۔“

”ہاں میں شک جی ہوں میں نے اپنی غارت گری دیکھی ہے کہ اب میرے اعصاب تنگ ٹھل ہو چکے ہیں۔ میں اسے سمجھا کر تھا کہ مجھ کی ہوں میں اس سے کہتی ہوں کہ چلو ہم لوگ واپس اپنے اسی خوبصورت گاؤں میں چلتے ہیں جہاں ہم نے

اپنی زندگی کے خوبصورت ترین دن گزارے تھے۔ لیکن دھیری بات بھی نہیں سنا وہ کہ کہیں جو کچھ ایک عورت ہوں اس لیے بزدل ہوں۔ لیکن میں بزدل نہیں ہوں میں نے اسی طرح رات کے اندھے میں چھپ کر اپنی اسی شاٹ گن کے ذریعے اپنے بھائی کے گھر پر تین آدمیوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ جنہیں میں ابھی آنکھوں سے مفلوکوں پر رہے پناہ ظلم اور تشدد کہتے ہوئے دیکھ چکی ہوں۔ اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ بہارک عمل قابل سزا ہے یا نہیں میں نے کوئی گناہ کیا ہے یا نہیں بس میرے دل میں آئی اور میں اس پر عمل کر گوری۔“

”ہنہیں تم نے غلط کام نہیں کیا۔ بلرام نے کہا۔ ایسے ہندو کو مارنے سے خدا بھی خوش ہوتا ہے۔ لیکن تم نے نہیں کیوں چھوڑ دیا اگر تم چاہیں تو دروازے سے ہمیں نشانہ بناسکتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں اس کی وجہ یہ نہیں خود آپس کدھی ہو سکتا ہے کہ تمھاری قسمت میں اسی موت نہ ہو۔ تمھاری زندگی باقی ہو اس کے علاوہ تم لوگ جنگل کی طرف سے آئے ہوئے دکھائی دیتے تھے اور مجھے یہ معلوم ہے کہ اس جنگل میں دو آدمی چھپے ہوئے ہیں اور ان کی تلاش نامکام ہو چکی ہے میں نے سوچا کہ شاید تم دونوں وہی ہو۔“

”ہاں۔ ہم دونوں وہی ہیں۔“ مہاراجہ نے بتایا۔ ”میں جہاڑ آف ٹیلم کر رہا ہوں اور یہ میرا سبھی بلرام ہے۔“

”ٹھیک ہے مجھے اب اطمینان ہو گیا۔ میرا نام جو زیلفاں ہے اس نے کہا۔ چلو میں تمھیں اپنے ریک میں چلی ہیں یہاں زیادہ دیر کھڑا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کوئی بھی آسکتا ہے جو زیلفاں کا ریک وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ یہ بھی بڑی خوبصورتی سے سجایا ہوا ایک ریک تھا۔ اس میں آسائش کی ہر چیز تیار کر دی گئی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لوگ کسی ویرانے میں نہ رہتے ہوئے کسی ریک میں انہیں بلکہ کسی شاندار ہوٹل کے کسی کمرے میں چلے آئے ہوں۔“

”تم لوگ تجس میں تمھارے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔“ جو زیلفاں نے کہا۔

”کھانے پینے کا تو نہیں البتہ چائے کا بندوبست ضرور کرو۔“ مہاراجہ صوفے پر بیٹھے ہوئے بولے۔ ”اس وقت بہت خواہش ہو رہی ہے۔“

”اچھی لائی۔“ جو زیلفاں کمرے سے باہر چلی گئی۔

”قدرت نے ہماری مدد کی ہے مہاراجہ صاحب! بلرام نے کہا۔ ”وہ ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ ایک بے صبر شخص کی

بصیرت ہے۔“

”جو زیلفاں کچھ ہی دیر میں ایک خوبصورت سی ٹریسے میں چائے کے کرائی ماس نے بڑے سیٹے کے ساتھ چائے کے برتن ان کے سامنے رکھ دیے تھے۔“

”بہت دلوں کے بعد میں نے ایسا سکون محسوس کیا ہے۔“ جو زیلفاں ایک گری سائس لیتے ہوئے بولی۔ ”جب ہم اپنے گاؤں میں تھے تو بہت خوش تھے بہت خوشی کی چیزیں ہمیں ہمارے پاس بھر میرے ذہن بھائی نے اپنی ہاؤس کا دائرہ بڑھا لیا وہ ایک بے مثال سائس دان اور موجد ہے۔ اس نے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کیں جنہیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے لیکن ہمارے کچھانے فائدہ پہنچانے کے اس نے اپنے صبر کے خلاف سودا کر لیا۔ وہ مخزن کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے اپنے جیسے ذہن لوگوں کی ایک ایسی علم تیار کر لی جو اس کے اشارے پر سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔ پھر رہ جانے کہاں کہاں اس سے لے کر شمار وسائل اور دولت پیدا کر لی۔ اور اپنے آدمیوں کو لے کر دنیا کے مختلف ممالک میں گیا تاکہ وہاں اپنی چھوٹی سلطنت قائم کر سکے۔ اتفاق سے تمھارے ملک کی زمین اب اس کا گئی۔ کیونکہ یہاں غزنی اور ذہنی انتشار بہت ہے۔ اور جہاں یہ دونوں چیزیں ہوں۔ وہاں انسانوں کی خریداری بڑی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ تو میرے بھائی بہارک نے بھی یہاں آنے کے بعد اپنی بے پناہ دولت، دسائی اور ایجادات کے ذریعے رہنے لگے آدمیوں کو خرید لیا۔ اور اس کی یہ سلطنت قائم ہوئی۔“

”کہنا بھی اس مرحلے میں اس کے ساتھ رہی تھیں بھگیاہ نے پوچھا۔“

”ہنہیں میں اس وقت اپنے گاؤں ہی میں تھی۔ جو زیلفاں نے جواب دیا۔ ہم دونوں ہی بھائی بہن اپنے خاندان میں روٹنے میں جب بہارک نے یہاں سب کچھ ٹھیک کر لیا تو اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے مجھے بھی بلوایا۔ اس وقت اس نے صور خیال نہیں بنائی تھی مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس نے یہاں آکر کب کب کھ کر لیا ہے میں خوشی خوشی اس کے بلانے پر یہاں چلی آئی۔ اور یہاں آنے کے بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس نے کتنے جال پھیلا دیے ہیں کیسے کیسے تم کرنے لگے تو میں تڑپ کر رہ گئی۔ لیکن بہارک کا یہ حال ہے کہ وہ میری باتوں کو سنتا ہی نہیں اس کے نزدیک میں ایک کمزور اور قابل رحم مخلوق ہوں۔ اور مجھے اپنی حد میں رہنا چاہیے۔ اس نے مجھ پر بھی کس قسم میں کیے ہیں اس کے پاس اس کی مڑی کے بغیر نہیں جاسکتی۔ مجھے اس بستی سے نکلنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے خود بھی

فہم کہ کہ رکھ دیا گیا ہے۔ حالانکہ اس کا ہر کام بند ہوا احترام کرتا ہے میری بات مانتا ہے۔ تم لوگ یہ دیکھ رہی ہو کہ میرے لیے دنیا بھر کی سہولیات میسر ہیں۔ اس کے باوجود اب یہ سب ناقابل برداشت ہو گیا ہے۔ میں اس عذاب کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ میں ظلم اور بربریت کی اس سلطنت کو ختم کر دینا چاہتی ہوں۔ لیکن آخر ہوں نا کمزور مخلوق کچھ بھی نہیں کر پاتی۔“

”ہنہیں ایسا تم کو کمزور نہیں بلکہ طاقت ور اور مہاجارہ نے کہا۔ جس میں اپنے غلام ماحول سے بغاوت اور نفرت کا جو حملہ ہو رہا ہے۔ وہ بہت طاقتور ہوتا ہے۔ تم مجھے لوگ تو بہت کم ہوتے ہیں بیٹی۔ جواب دے ہی بھائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ تمھاری طاقت کی دلیل ہے۔“

”فرض کرو کہ تمھارے بھائی کے خلاف کوئی تمھیں مہاباب ہو جاتی ہے تو پھر اس کے بچے میں تمھارا بھائی تباہ ہو جائے گا کیا تم یہ برداشت کر سکتی؟“

”کیوں نہیں کیونکہ وہ اب میرا بھائی نہیں رہا۔ ظالم اور مظلوم کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ رشتے اس وقت ختم ہو جاتے ہیں جب ہم میں سے کوئی ایک ظالم اور دوسرا مظلوم بن جاتا ہے۔“

”بہت خوب۔“ مہاراجہ نے اپنی گردن ہلانے کی تمھاری باتیں بہت متاثر کرنے والی ہیں۔ تم نے اپنی اپنی زبان کہاں سے سیکھی۔“

”میں یہ کہہ رہی تھی۔“ جو زیلفاں مسکرا دی۔ ”میں چیکے چیکے ان لوگوں کی مدد کیا کرتی ہوں جو میرے بھائی کے ہاتھوں ستائے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ ان کے دکھ درد کو پوری طرح جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہاں کی زبان سمجھ لوں۔ اس شوق نے مجھے زبان سیکھنے میں مدد دی۔ اس معاملے میں بہارک نے بھی میری مدد کی۔ وہ مجھے یہ زبان سکھا کر مجھ سے کوئی کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے میرے بچے کے ہاتھ میں منگوا کر دیں۔ اس کے علاوہ اس نے ایک استغاثی وجالے کہاں سے بلوایا تھا۔ اس نے چارے سے بھی میرے ساتھ بہت محنت کی اور جس میں اس قابل ہوئی ہوں کہ تمھاری ہی زبان میں اپنا سامانی الفہم بیان کر سکوں۔“

”یہ تم نے اپنی شاٹ گن سے لوگوں کو ہلاک کرنے کا کیا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ بلرام نے پوچھا۔“

”تو اور کیا کروں جو زیلفاں نے جواب دیا۔ میرے پاس اس ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا اور کون سا طریقہ ہے؟ لیکن مجھے یہ اطمینان ہے کہ میں نے جن تین آدمیوں کو اس طرح رات

کو ہلاک کیا ہے۔ وہ بے گناہ نہیں تھے، ظالم تھے، میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں ظلم کرنے ہوئے دیکھا تھا۔ اسی لیے میرا ضمیر مطمئن ہے۔ سب تم لوگ اپنے ہاں سے بے گناہ ہو کر کیا دی ہو جو اس جنگ میں چھپے ہوئے تھے۔ بہادر ہو سکتے تھے، یہی بننا تھا کہ جنگ میں رہنے والے سادھو کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کی جگہ کوئی اور رہتا ہے؟

”اس کا مطالبہ ہو گا بہادر سیکھنے نے بد عہدی کی، بلرام نے کہا۔ اس نے یہاں آنے کی یہاں تک کہ ہمارے ہاں سے میں بننا دیا۔“

”ابیں۔ اس نے کوئی بد عہدی نہیں کی، بلکہ وہ خود بیمار کے ظلم کا شکار ہو گیا۔ وہ جب جنگ سے واپس آیا تو اس وقت بیمار کے لیے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا خا موٹا ہو کر جنگ سے واپس آجائے گا، یہی نہیں ہے۔ بلکہ وہ اپنے بیٹے میں کوئی راز چھپا کر واپس آیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بیمار کے بیٹے ہی آدمیوں کے ذریعے اس پر اتنا تشدد کر دیا کہ اس نے تم دونوں کے ہاں سے میں سب کچھ بنادیا۔ بیمار کی بی بی نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ تم دونوں کو بچھڑنے کے لیے براؤن اور لینے دیگر آدمیوں کو اپنے ساتھ لے چلے۔ اس نے جو کچھ کیا، بہت عجیب ہو کر کیا ہے۔“

”ابیں۔ یہ سب کیسے معلوم ہو گا؟ ہمارا چہرہ بے لوجھا۔“ ظاہر ہے۔ میں اس کی بہن ہوں۔ میرے ارد گرد بھی کچھ ایسے لوگ ہیں جو میرے خوف کی حماقت کرتے ہیں ان کی آنکھوں سے مجھے یہ سب کچھ معلوم ہوا تھا۔“

”اوہ! بلرام نے اپنے ہونٹ سکڑے۔ اب کچھ اچھا یہ بتاؤ کہ تم کس حد تک، عمداً ساتھ دے سکتی ہو؟“

”کیسا ساتھ چاہئے نہیں۔“

”میں نے تو کہا اندازہ تھا کہ تم کسی طرح یہاں سے نکل لیے۔“

”بلرام نے کہا۔ لیکن کم از کم اب میں نے اپنا اندازہ بدل دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم جیسی لڑکی سے میری ملاقات ہوئی ہے۔ تم ایک زندہ ضمیر کی مالک ہو۔ اور تم اگر اس ساتھ دو تو اس سلطنت کو تباہ کیا جاسکتا ہے۔ یہاں سولے قلم اور غیر ملزم گریہوں کے اصرار ہے کیا۔ تمہاری بھی شاید یہی خواہش ہوگی کہ یہ نظام باطل ہو کر رہ جائے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس معاملے میں میرے ساتھ بولنا چاہو۔“

”تو ان کو روٹی۔“

”مصرف تمہارے ساتھ نہیں بلکہ میرے ساتھ بھی، ہملا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ میں گرجہ بول رہا تھا۔“

ہو گیا ہوں۔ لیکن میرے اعصاب ابھی تک جوان ہیں، اس کے علاوہ میں نے اپنی پوری زندگی مختلف انداز میں گزاری ہے۔ لیکن اب یہاں آنے کے بعد مجھے یہ احساس ہو گیا ہے کہ اپنی زمین پر اگر خوف اور جرم کے سائے منزلانے رہیں تو اپنے فعل میں ہر سکون زندگی نہیں گزاری جاسکتی میں نے اپنی زندگی میں بہت سے گناہ کئے ہیں اور اب ان کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔ میں پوری طرح تم دونوں کا ساتھ دے گا۔“

”میں کوئی میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ بیمار کے مضبوط قتلے کے کون کون سے کمزور پہلو ہیں۔“

”چھوڑ دو اسے۔“ منور پوری قوت سے چلا۔

”داؤلے اس خوفزدہ لوجھان کا بازو ختم کر لیا تھا اور وہ لوجھان داوری مضبوط گرفت میں پھول کر رہ گیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد خوفزدہ تھا جیسے اس کی جان لگی جا رہی ہو۔“

”اسے تم نے چھوڑا نہیں اسے یہ رنجی نے اپنے لالو دے دئے ہا تھا کہ جنبش دی۔“ جلدی چھوڑ دو ورنہ کوئی ملے دوں گا۔“

”کچھ بھی کر دو۔ لیکن جب تک مجھے نہیں پتہ چلے گا کہ یہ کیا چیز ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گا۔“ داؤلے نے کہا۔

”اسے اتنا خوفزدہ کیوں ہے۔ یہ کس شرط کی بات کر رہا ہے؟“

”بہت ضدی معلوم ہوتا ہے رنجی یہ منور اپنے ساتھ سے غنا طلب ہوا۔ کیوں نہ یہ شرط اس کے ساتھ لگا لی جائے۔ بہت دلوں سے کوئی غنا نہیں دیکھا ہے۔“

”وہی بھی آدمی جاندار معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ نوندا تو پانچ منٹ کا بچہ نہیں ہے۔ کیا خیال ہے تمہارا؟“

”اسی اشارہ میں دو قوی میل آدمی دوڑتے ہوئے وہاں آئے۔ وہ دونوں کی دلوں کی طرح لالہ لہنے چڑھے اور چہرے تھے۔ انہوں نے صرف خاک رنگ کی پتلونیں پہن رکھی تھیں۔ ان کے بازوؤں کی پٹلیاں پھڑک رہی تھیں۔ ان کے کشادہ سینوں پر کھینے پائوں کے جنگل آگے ہونے تھے۔“

”مجموعی طور پر وہ ایسے لوگ تھے جو درد مروت کو اپنے بدن اور اپنے قامت ہی سے خوفزدہ کر سکتے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس لوجھان نے کسی لمحے ہتے کی طرح

لڑنا شروع کر دیا۔ داؤلے اس کے بازو ہراہتی گرفت اور متھوڑ کر لی۔ ورنہ وہ لوجھان وحشت زدہ ہو کر کسی طرف دوڑنے لگا دیتا۔“

”چھوڑ دے اس کو۔“ ان دونوں میں سے ایک داؤر کی طرف دیکھتے ہوئے غایا۔ کیوں پھر کر رہا ہے؟

”ہری دھر یہ منور نے اس دلوں پر کوئی غنا طلب کیا۔“

”تم اب یہ پھیل اس کے ساتھ۔“ ٹھیک بہت متنا ہے اس کو۔ بہت دیر سے پھلک رہا ہے۔“

”اچھا۔“ ہری دھر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی بھی اس کے

طنین کی طرح بھاگ گئی۔ لوجھو دیر کس بات کی ہے اس کے ساتھ تو اور بھی مڑا آئے گا۔“

”تم لوگ کم از کم یہ تو بتا دو کہ یہ کیا سلسلہ ہے؟ داؤر نے بڑے طنطنے سے پوچھا۔ لیکن لوجھان اس ٹھیل میں

جب تک لوجھان انعام ملے گا۔“

”اس ٹھیل کو چھینے کے چکر میں نہ جانے کتنے لوگوں کی لاشیں دریا میں ڈالی گئیں ہیں۔ رنجی نے کہا۔“

”دیکھ لوجھان۔ ہم لوگ یہاں بڑی خشک زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے پاس اور کوئی تفریح تو ہے نہیں کبھی کبھی کوئی لڑکی وغیرہ ہاتھ آجاتی ہے تو فوراً فروغ ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد میری

خشک زندگی تو کم لوگوں نے بہت سوچ کر یہ ٹھیل نکالا ہے۔ اور وہ ٹھیل یہ ہے کہ تم ان دونوں کو دیکھ رہے ہو۔“

”ان کے بازوؤں میں تو لا دھو دیا گیا ہے۔ اگر چنانچہ کوئی گھونسلہ مار دس تو وہ بھی اپنی جگہ سے اٹ جائے۔ تو ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا بچہ یہاں گرفتار ہو کر آئے ہے۔ ہم اس سے کہتے ہیں کہ وہ ان دونوں سے بچ کر بھاگ لے۔ اگر وہ کامیاب ہو گیا تو پھر ہم لوگ اس کا تعاقب نہیں کریں گے۔“

”اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ کامیاب نہیں ہوا۔ تو یہ دونوں اسے بہت لمبے دردی سے مار مار کر ہلاک کر دیں گے۔ آج تک تو ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بچہ کھجکھک نکلا ہو۔“

”اب تمہاری موت آئی ہے تو چلو یہ غنا تھا تمہارے ساتھ ہی ہوئی۔“

”تمہاری بہن کہاں ہے؟“ داؤلے اس کا جواب دینے کی بجائے اس لوجھان سے سروٹوئی کی۔“

”وہ ان لوگوں کی قید میں ہے۔“ لوجھان نے بڑی ہی شکلوں سے اپنے آنکھیں جواب دیا۔ خوف نے اس کی حالت

ڈر گوں کر رکھی تھی۔“

”تم گھراؤ نہیں۔“ داؤلے اسے تسلی دی۔ ”اپنا جھول قائم رکھو۔ میں آج ان لوگوں کو جہنم سہا کر دوں گا۔ پھر اس نے رنجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“ ٹھیک ہے میں یہ ٹھیل پھیلنے کو تیار ہوں۔ لیکن میری شرط یہ ہوتی کہ تم لوگ اس دوران اس جان کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے۔ یہاں اگر میں ہار جاؤں تو پھر جو چاہے سلوک کرنا۔“

”ٹھیک ہے۔ تمہاری یہ شرط ہم منظور کرتے ہیں۔ منور سکر لے ہوئے۔ لولا۔ سوچا تو یہی تھا کہ نہیں جیتنے کے

مسلے پیش کر دیں گے۔ لیکن اب تم نے راستے ہی میں اپنی موت بلا دی ہے تو اس کا کیا علاج کیوں ہری دھر؟

”اس دلوں میں ہری دھر نے اپنی گردن ہلا دی جبکہ دیگر قوی ٹھیل اس دوران بالکل خاموش رہا تھا۔“

”البتہ اس کے چہرے کے سخت نقوش یہ بتا رہے تھے کہ وہ بھی ہری دھر سے کچھ کم خوفناک نہیں ہے۔ وہ غیر ملکی اور اس کے ساتھ والا ٹھیل اب دھجائی نہیں دے رہے تھے۔ شاید وہ

کسی اور طرف چلے گئے تھے۔ جبکہ ان لوگوں کے ارد گرد ان کی ہی دیر میں ایک نئے سالگ گیا تھا۔ سب بڑی اشتہابی

بھری لگا ہوں سے داوری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ سب ہی اپنے چلے اور اپنے انداز سے جرائم پیشہ دکھائی دیتے تھے۔“

”داؤلے اس لوجھان کا بازو چھوڑ دیا۔ وہ ابھی بہت خوفزدہ تھا۔ اگر داؤر اس کے پاس ٹکرا ہوا نہیں ہوتا تو وہ اب تک بے ہوش ہو چکا ہوتا۔“

”تم نہیں کھڑے رہنا۔“ داؤلے اس لوجھان سے کہہ کر یہ لوگ نہیں ہاتھ نہیں لگائیں گے۔“

”تو پھر تمہارے موت کے منہ میں جانے کے لئے۔“ رنجی نے بول چھا۔

”اب یہ تو آنے والا وقت ہی بننے کا کہ موت کے منہ میں گون جانے والا ہے۔“ داؤلے نے کہا۔ لیکن میں

تیار ہوں۔ بتاؤ کیا کرنا ہے مجھے۔“

”کرنا کیا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے دوڑنا شروع کر دو۔ اور جب یہ دونوں تمہیں پھر کر تمہارے چکر سے اڑا دیں۔ تو پھر اس لوجھان کے بارے میں سوچا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے دوڑنے بھاگنے کی کئی ضرورت

کیا میں یہیں کھڑے ہو کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا؟“ داؤر نے بول چھا۔

”تمہاری مرضی۔“ منور نے آنکھیں پٹک اٹھیں۔ یہ تو

22

اور بھی ابھی بات ہوئی تھا شا جلتی جلدی شروع ہو جائے  
 اتنا بہتر ہے؟  
 رجنی نے اس پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو دھڑکنے  
 کا اشارہ کیا اور وہ ایک بڑا سا دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے جس  
 کے درمیان میں دائرہ اور وہ دونوں آئے سنانے کھڑے  
 ہوئے تھے۔  
 داور نے اپنا دھیان بلوری طرح ان دونوں پر مرکوز  
 کر دیا بہت دنوں کے بعد اسے اپنی صلاحیتوں سے بلور  
 کام لینا تھا اس کے سامنے کھڑے ہوئے یہ قوی میل لوگ  
 آسمان نہیں دکھائی دیتے تھے۔ ان کے تصور بتا رہے تھے  
 کہ وہ لڑنے کا فن جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے مزاج  
 میں بے رحمی اور ظلم کا مادہ بھی بھرا ہوا ہے۔  
 اچانک دوسرے والے نے اپنی جگہ سے جت لگا  
 دی۔ داور اطمینان کے ساتھ کھڑا رہا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا  
 کہ وہ شخص جیسے ہی اڑتا ہو اس کے قہقہے آئے گا وہ محوم  
 کہ دوسری طرف چلا جائے گا لیکن وہ شخص اس کے اندازے  
 سے نہیں زیادہ بہتر پلانٹا ثابت ہوا تھا۔ داور نے اس کا جیت  
 خالی جانے دیا۔ اور جیسے ہی وہ محوم کہ دوسری طرف پہنچا  
 وقت اس شخص نے پلٹ کر اپنا ہاتھ داور کے سینے پر مار  
 دیا۔ داور کو ہر سانس محسوس ہوئی جیسے کسی نے پتھوڑا  
 مار دیا ہو۔ اس نے فوراً ہی اپنی سانسیں روک لی تھیں  
 اس شخص نے ایک دائرہ بناتے ہوئے اپنی ٹانگ چلائی  
 اور یہ ضرب داور کی گردن پر پڑی۔ وہ آگے کی طرف جھکا اور اس  
 کے ساتھ ہی اس نے اپنا دایاں ہیرا دھرا کر اس شخص  
 کے سینے پر سید کر دیا۔ وہ ڈگرا کر پتھوڑا سا پیچھے ہٹ گیا  
 داور نے جھلاٹ لگا دی۔ لیکن یہ جھلاٹ اس نے اس  
 مقابلہ کرنے والے پر نہیں لگائی تھی۔ بلکہ اس نے اس  
 کے دوسرے سامنے ہری دھیر پر لگائی تھی۔ اس  
 طرح اس نے ایک عجیب نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔  
 ہری دھیر اس حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ داور کی  
 پہلی ہی ٹھوکر کے اسے زمین پر گر کر ادا لیکن اسی دوران  
 وہ دوسرا شخص کسی بھیجے ہوئے جالور کی طرح غرائے ہوئے  
 داور پر حملہ آور ہوا اور اس نے پیچھے سے آکر داور کی گردن  
 لی۔ داور نے بجلی کی طرح اپنی ہمتی اس شخص کے پیٹ میں  
 مداری اس کے ساتھ ہی اس نے کسے ہوئے ہری دھیر کے  
 سر پر ایک ٹھوکر سید کر دی۔  
 اس دائرے کے اندر ایسی جنگ کا آغاز ہوا جس

لوگوں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ داور کے  
 بدن میں بجلیاں سی پھڑکی تھیں۔ اس نے اس جنگ میں  
 اپنا سارا ہنر صرف کر دیا تھا وہ اپنی ساری توانائی استعمال  
 کر رہا تھا۔ اس نے ایسے ایسے دائرے استعمال کئے کہ وہ پاں  
 کھڑے ہوئے لوگ بھی تائیاں بکالنے لگے تھے۔ وہ بجلی  
 کی طرح ٹپک ٹپک بھی ایک پر حملہ کرتا۔ پھر ای طرح اچھل کر  
 دوسرے کو ٹھوکر مار کر دوسری طرف چلا جاتا۔ پھر اس سے  
 پہلے کہ وہ دونوں سنبھل پاتے۔ وہ دوبارہ ان پر ٹوٹ پڑتا۔  
 ان دونوں کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا تھا۔ ان  
 کے جسم پر بے شمار زخم پڑ گئے تھے۔ وہ کراہ رہے تھے۔  
 پیچھے سے تھے لیکن یہ جنگ جاری تھی۔ داور نے بھی اپنی  
 ہولناک لڑائی کا تجربہ اس سے پہلے بہت ہی کم کیا ہوگا۔  
 ٹھوکریں ٹھوکرے جو دو دیکر لے۔ دس فی گنتی۔ لگاتار  
 اس جنگ میں کیا کیا ہو رہا تھا۔ وہ جنگ توانائی اور طاقت  
 کے ساتھ ساتھ بے پناہ جذبات اور ہنرمندی کی بھی جنگ  
 تھی۔ اور اس جنگ میں داور کا ہلہ اس طرح بھاری رہا کہ  
 وہ دونوں بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔  
 داور کی آنکھیں اس وقت سرخ ہو رہی تھیں۔ اس  
 کے اندر بھی مزید توانائی باقی تھی۔ وہ اس طرح پھرا ہوا تھا  
 کہ اس کے سامنے اگر اس وقت کوئی بھی ہوتا تو شاید  
 وہ اس سے بھی بڑھ جاتا۔ اس کے بدن کی تپش ابھی کم نہیں  
 ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ یہاں آنے کے بعد اس نے  
 پہلی جنگ کی ہے۔ اور ابھی لڑنے کا کیا کچھ بچا ہے۔  
 وہ نوجوان تیزی سے اس کے پاس آگیا۔ وہ بہت ہی  
 پر جوش اور خوش دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے بیجنگ کی  
 نے جیتی ہو۔  
 "کمال کو بیٹا تم نے" اس نے بے اختیار داور کا ہاتھ  
 پکڑ لیا۔ "تم نے ایسی جنگ کی ہے جو میں نے آج تک  
 نہیں دیکھی تھی۔"  
 داور اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ اس نے اپنے  
 تاثرات ابھگت تبدیل کر لئے تھے۔ اس کی آنکھوں میں  
 اتر آئے والا خون اب سمٹ کر وہاں جا چکا تھا۔ اس کے  
 چہرے پر چھایا ہوا ہیبت ناک جلال اب ایک دم سے  
 غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ہر سانس اپنے اعصاب پر قابو  
 پانے کی شق کر لی تھی۔  
 اس دوران منور اور رجنی بھی اس کے پاس آ گئے  
 ہوئے تھے۔ رجنی نے گریہ رپو اور اٹھا رکھا تھا۔ لیکن ان

کی کیفیت بھی تبدیل ہوئی تھی۔ وہ اب داور سے مرعوب  
 خادم ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں داور کے لئے احترام  
 کے جذبات تھے۔ کم و بیش یہی کیفیت منور کی تھی۔ وہ  
 داور کی طرف اس طرح دیکھ رہا تھا جیسے کسی نوجوان کو دیکھ  
 رہا ہو۔  
 "یار کون ہو تم۔" رجنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 پوچھا۔ تم کرشن پر مشاد کے آدمی تو نہیں معلوم ہوئے؟  
 "وہ دیوول۔"  
 اگر تم اس کے ساتھ ہوتے تو وہ کبھی اس طرح مرد  
 نہیں کھانا پر جی نہ کھا۔ تم تو کمال کی چیز ہو۔ ہر سوچ  
 بھی نہیں سکتے تھے کہ کوئی شخص اتنی آسانی سے ہری دھیر  
 یا بلرنگ کو مارے گا لیکن تم نے تو دونوں کو لٹا دیا ہے۔  
 شان ہو تم سے سل کر بہت خوش ہو گا۔ اسے تم ہی جیسے  
 آدمی کی ضرورت ہے۔"  
 "اس نوجوان کے پاسے میں کیا ہو چاہے تم نے؟"  
 داور نے نوجوان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کی ایک بہن بھی  
 تم لوگوں کے پاس قید ہے؟  
 "تم جو ہو گئے وہی ہو گا۔ کاش یہ مقابلہ شان ہو بھی  
 دیکھ سکتا۔ وہ بہادر و لوگوں کی بہت عزت کرتا ہے۔ تم بھی  
 یک دھیر آدمی ہو۔ اسی لئے وہ تمہاری بات مان لے گا۔ تم  
 پواس کے پاس۔"  
 "ٹھیک ہے۔" داور نے کہا پھر اس نوجوان کی طرف  
 بکھلا اور تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔  
 اس نوجوان پر چھایا ہوا کچھ دیر پہلے کا خوف غائب  
 رہ گیا تھا۔ وہ اب بڑی حد تک مطمئن دکھائی دیتا تھا۔ یہ  
 بے یسر کی طرف چل دئے تھے۔ ان کے وہاں سے  
 تھی ہی تھا دیکھنے والے لوگ اب ہوش پڑے ہوئے  
 جا دھر اور بلرنگ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ شاید انہیں  
 ہال سے اٹھانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔  
 وہاں ہر گول کی بلوری قطار تھی۔ اور ان کے اندر سے  
 ن کے ٹھوڑوں کے ہنہانے کی آواز سنی۔ اس کا مطلب  
 ہاں ان ہر گول میں ٹھوڑے موجود تھے۔ گوہارام پر مشاد  
 ے اطلاع درست تھی کہ یہاں ٹھوڑوں کی ہر طرف کی جان  
 ہے۔ لیکن اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ ہر سانس فادرنگ کا نام  
 بدل ہو چکا ہے۔  
 ان ہر گول کے عقب میں ایک خوبصورت دونزل  
 اٹ بنا ہوا تھا۔ جو سامنے کی طرف سے بالکل بھی دکھائی

نہیں دیتا تھا۔ اس مکان کے احاطے میں سرسبز لڑکھو  
 تھا۔ جن کے درمیان پھولوں کی کھیریاں بنی ہوئی تھیں۔  
 وہاں بھی کئی جڑا ہنر فم کے لوگ چلتے پھرتے دکھائی دے  
 رہے تھے۔ ان لوگوں نے بڑے سرسری طور پر گئے والوں  
 کو دیکھا تھا۔ لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔  
 رجنی اور منور ہر آم سے اس کے کھڑے ہوئے ایک  
 دروازے کے پاس ایک دروازہ قمت ٹھس کھڑا تھا۔  
 "پاس کیا کر رہا ہے۔" رجنی نے اس کی طرف دیکھتے  
 ہوئے پوچھا۔  
 "گمان کر رہا ہے" اس آدمی نے جواب دیا پھر خود  
 ہی بولا "آج اسے بہت دھما ہوئی۔ درہ گمان تو جس سے  
 ہی ختم ہو جاتا تھا۔  
 "ٹھیک ہے۔ ہم لوگ جب تک انتظار کر لیتے ہیں؟"  
 منور نے کہا۔  
 "انتظار کیا کیا بات ہے۔ جاؤ اندر چلے جاؤ۔ اور اپنے  
 ان جہانوں کو بھی لے جاؤ۔"  
 اتنا کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔  
 "چلو اندر" منور نے ان دونوں سے کہا۔ "پاس سے  
 تمہاری ملاقات بھی ہو جائے گی۔ اور تم اس کے خیالات  
 سے بھی واقف ہو جاؤ گے۔"  
 "ہاں ایک بات اور" رجنی نے داور کو مخاطب کر کے  
 ایک ہمدردی ہوئی۔ "میں نے تجھے امید ہے۔ تم اپنی بات  
 پر قائم رہو گے۔"  
 "کون سی بات؟" داور نے حیرت سے اس کی طرف  
 دیکھا۔  
 "میں اپنا یہ رپو اور اپنی جیب میں رکھ رہا ہوں۔ رجنی  
 نے کہا۔ گمان کے کمرے میں بڑی ہمتی کے ساتھ اسلمو  
 استعمال کرنا منع ہے۔ تم وعدہ کرو کہ اس کمرے میں جا کر  
 کوئی ہنگامہ نہیں کرو گے۔"  
 "ہوں" داور مسکرا دیا۔ "چلو آج یہ تمنا بھی دیکھ لیتے  
 ہیں۔ میں کچھ نہیں کروں گا۔"  
 رجنی کے چہرے پر نا تواری کے تاثرات پیدا ہوئے۔  
 پھر اس نے خود پر قابو پایا۔ اس نے اپنا ہوا اور جیب  
 میں رکھ لیا تھا۔ داور نے اس نوجوان کو اپنے قریب ہی  
 رکھا تھا۔  
 اس کمرے کے بعد ایک اور بڑا کمرہ تھا جس میں  
 فرش بچھا ہوا تھا۔ اور اس فرش پر بہت سے لوگ بڑے

مذہب ہو کر بیٹھ گئے۔ سنا دے دو لکے پاس ایک آدمی  
 کھڑا تھا اور اس کی شان بڑھ رہی تھی۔ وہ ایک اور چہرہ لگا دی تھا اس  
 کی کوئی چیز دلوں طرف لگی ہوئی نہیں تھی۔ آگے بڑھے حد  
 روشن اور چمکدار اور سرد ایک بال بھی نہیں تھا۔  
 کمرے میں بیٹھے تھے تو کوئی نے ان کی آمد پر ہرگز  
 ان کی طرف دیکھا پھر دوبارہ اس کے لیے کی طرف متوجہ ہو گئے  
 جو دروازے کے ساتھ آنے والی کی جانب سے لہجہ  
 دکھائی دیتا تھا۔  
 منور ہونے والی اور دروازہ کھلی دلواری  
 پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اس نوجوان کو بھی اپنے ساتھ بیٹھا  
 لیا تھا۔ منور اور رچی نے بھی اپنے لیے جگہیں تلاش  
 کر لی تھیں۔ ان کے بیٹھ جانے کے بعد اس نے شان ہو  
 نے پھر لوٹنا شروع کر دیا۔ وہ ان کے آنے کے بعد خاموش  
 ہو گیا تھا۔  
 وہاں تو میں گہرا رہا تھا کہ انسان کو اپنے نفس پر قابو  
 رکھنا چاہیے۔ اس کی قوت ارادی اتنی مضبوط ہو کر وہ چٹا  
 سے بھی شکر ہے۔ یہ قوت ارادی، زندگی کا اصل سرچشمہ ہے  
 اس کے بغیر انسان کی بساط دو کوڑی کی ہو کر رہ جاتی ہے  
 کو تشبیہ کی کہ وہ مافروض اور گمراہ ہو کر فاضل کی راہ  
 کو ہمارا اور آسمان بنانے کا عمل صرف قوت ارادی کے  
 ذریعے ہی کیا جاسکتا ہے۔ اصل چیز یہی ہے۔ اور جس  
 کی قوت ارادی توانا ہوئی ہے وہ ستاروں کو بھی تسخیر  
 کر سکتا ہے۔  
 داور بڑی جہت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اس  
 کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کا مزاج کیسا ہے۔  
 ایک طرف تو جہاں پہلے لوگوں کا سر رہا ہوا تھا۔ اور دوسری  
 طرف انہیں لپی باتوں کی تفتیش کر رہا تھا جو اس مزاج کے  
 آدمیوں کی فطرت کے خلاف تھیں۔ داور نے ایسی مثال  
 اس سے پہلے بھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کی آواز بھی بہت  
 ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ پرسکون تھی وہ غیر ملکی ہونے کے  
 باوجود وہ بہت اچھی زبان بول رہا تھا۔ وہ ایک ایسا آدمی تھا  
 جس میں جہل کر دینے والی پوری صلاحیت موجود تھی۔  
 "ہاں تو میں انسانی قوت ارادی کی بات کر رہا تھا" اس  
 نے پھر گہرا شروع کیا۔ "اور میں تم لوگوں کو ایسے ایک شخص  
 کی مثال بھی دے سکتا ہوں۔"  
 "ایسا شخص کون ہے جناب؟" بیٹھے ہوئے لوگوں میں  
 کسی نے دریافت کیا۔

"میں اس کا نام نہیں جانتا لیکن وہ جس وقت یہاں  
 آیا تھا میری آنکھوں نے اسی وقت اس کے اندر کچھ ہوئی  
 صلاحیتیں دیکھیں تھیں۔ وہ آدمی وہ سامنے بیٹھا ہے" اس  
 نے داور کی طرف اشارہ کر دیا۔  
 سب کے سب مرکز داور کی طرف دیکھنے لگے تھے۔  
 لوگوں کی جہان اور متحیر نگاہیں اس کے بدن میں کچھ عجیب  
 تھیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت خود کو  
 بے وقوف محسوس کرے یا خود بہر خیر شروع کر دے اگر  
 یہ شخص اس کا دشمن تھا تو اس نے ایسا دشمن بھی کبھی نہیں  
 دیکھا تھا۔  
 "آپ ٹھیک کہتے ہیں باس؟" منور اچانک گھبرا ہوا گیا۔  
 یہ واقعی حیرت انگیز آدمی ہے۔ اچھا کچھ دیر پہلے اس نے  
 ہری دھواں بھرا ہوا مار مار کر پھنکا کر دیا ہے۔  
 کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ اور حیرت زدہ ہو گئے  
 تھے جبکہ اس نے شان ہوئے کہ وہ تو اس پر ایک عجیب سی  
 سکرپٹ پھیل گئی تھی۔  
 "چلو آج کا کیا دن ختم ہوا" اس نے اپنے آدمیوں کی  
 طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کل صبح سے معمول کے مطابق  
 کیا ہوا کہ اسے گاہے اس نوجوان سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔  
 "تم میرے ساتھ ہی رہو گے" داور نے نوجوان کا بازو  
 پکڑتے ہوئے بولا۔ "میری مرضی کے بغیر یہ لوگ تمہیں یہاں  
 لے جا سکتے۔"  
 "شان ہو کا حکم سنتے ہی اس کمرے میں بیٹھے ہوئے  
 لوگ ایک ایک کر کے باہر چلے گئے۔ صرف منور اور رچی وہاں  
 کھڑے رہ گئے تھے۔  
 "حافظ تم بھی جاؤ؟" شان ہوئے نے اپنا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور  
 اس کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ؟ اس نے نوجوان کی طرف  
 اشارہ کیا۔  
 "نہیں... میرے ساتھ ہی رہے گا؟" داور نے جلدی  
 سے کہا۔ "میں نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا ہے۔"  
 "اچھا؟" شان ہوئی سکرپٹ اور پھر یہ ہوئی۔ "اگر ایسی  
 بات ہے تو پھر تمہارے اس وعدے کا ضرور احترام کیا جائے  
 گا۔ یہ یوں ہے تمہارا کیا نام ہے اس کا؟"  
 "اس کا نام تو میں نہیں جانتا ہوں" داور نے کہا۔  
 "میرا نام کاش ہے" نوجوان جلدی سے بول پڑا۔ "میں  
 ادھر سے آئی ہوں کہ ساتھ زبردہ رہا تھا کہ تمہارے آدمیوں  
 نے مجھے پکڑ لیا۔ میری بہن۔ تمہارے میری بہن اس وقت  
 کسی حال میں ہوئی۔"

"وہ بالکل ٹھیک ہوئی؟" شان ہوئی کی طرف دیکھتے  
 نے بولا۔ "عمدی آدمی تو ہوں اور بچوں کے ساتھ کچھ  
 ہنسی کرتے۔ ان کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔"  
 "اچھا؟" شان ہوئی نے پھر اس کی بہن کو ہاتھ کر دیا۔  
 "معاذ و سر ہے؟" شان ہوئی نے کہا۔ "میں نے یہ  
 کیا ہے کہ اس لڑکی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے  
 گا۔ یہ وعدہ نہیں کر سکتا کہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔"  
 "تمہاری مرضی؟" داور نے لاہر وای سے اپنے شانے  
 کیے۔ پھر شان ہوئی کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن  
 وعدہ ہے کہ میں اس لڑکی کو تمہاری قید سے ضرور رہا  
 کروں گا۔ چاہے تم اپنی پوری قوت اس کی نگرانی کے لئے  
 دے۔ یہ اس شخص کا وعدہ ہے جس کو تم نے ناقابل تسخیر  
 قرار دیا ہے۔"  
 "ناگ آگے چل رہا تھا اور اس کے پیچھے ڈاکٹر ہیتہ اور  
 تھے۔  
 ڈاکٹر ہیتہ کو لوں محسوس ہوا جیسے سامن نے اسے  
 سامن کی طرف دیکھا ہوا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ  
 کیا گہرا رہا ہے۔  
 "میں نے گہرا نہ کوئی مارو اس کو؟" سامن نے پھر  
 ہلدی کر دیا۔  
 "اگر دو دنوں کے ارادے سے بے خبر آگے چلا جاؤ  
 سے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے پیچھے چلنے والے  
 سامن اس کے لئے کیا سوچ رہے ہیں۔  
 لڑنے کا نیتے ہوئے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ اٹھایا  
 لیکن ہاتھ اٹھانے کے کرڑیگر دبا دیا۔  
 ہو گئی نہیں ہوا۔  
 ہاتھوں سے گولی ہی نہیں چلی تھی۔ سامن نے اس  
 میں خالی ہاتھوں دیا تھا۔ اس نے بول کھلا کر دوبارہ  
 دبا دیا۔ لیکن اس بد بھی کچھ نہیں ہوا پھر اس نے  
 ہر سامن کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھوں پر بڑی  
 سکرپٹ تھی۔ ایسی سکرپٹ جس نے ناگ کی زبان  
 لڑنے والے ہونٹ کو سمجھ کر دبا دیا تھا۔  
 "سب کیا ہے؟" ہاتھوں نے بول کھلا کر بول کھلا کر پتہ  
 لیا۔ یہ خالی ہے؟" سامن جلدی سے بولا۔ "اب ہر  
 ماخالی ہو گا پھر اگر کی طرف اٹھا کرے گا؟"  
 "اور ان ناگ کی ہاتھ کران دونوں کے پاس آگیا"

"وہ کچھ مسکرا رہا تھا۔ اور مزہ کا یہ حال تھا جیسے اسے زمین  
 میں زندہ دفن کر دیا گیا ہو۔ اس کا بولہ جسم پسینے میں ڈوب  
 گیا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا  
 کھیل کیوں کھیلایا گیا۔ کیا ناگ اور سامن دونوں اپنے مزاج  
 میں ایک ہی تھے؟ کیا ان دونوں ہی نے اس کے خلاف  
 سازش کی تھی۔ لیکن کیوں؟ اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا  
 تھا۔ وہ خود کو دھندلکوں کے درمیان محسوس کر رہا تھا۔  
 ایسے دھندلکے جنہوں نے اسے کچھ سوچنے دیکھے کے  
 قابل نہیں رکھا تھا۔  
 "مجھے محسوس ہے کہ تمہارے ہاتھوں میں تو لوں انہیں  
 تھیں۔ ناگ نے استہزائی انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 کہا۔ حیرت ہے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ صرف اپنے  
 ہونٹوں پر زبان پھر کر رہا تھا۔  
 "سوچ کیا ہے؟" ڈاکٹر ہیتہ نے سامن سے پوچھا۔  
 "تمہارا کیا خیال تھا کہ میں واقعی ناگ کا دشمن ہو گیا ہوں؟"  
 "میں نہیں سمجھتا کہ تم اتنے بڑے دھوکہ باز ثابت  
 ہو گے؟" حیرت بالآخر لوں بڑا اب اس کا خوف اچانک ختم ہو گیا  
 تھا۔ اور اس خوف کی جگہ ایک شدید غصے کی لہر اس کے  
 ہونٹوں سے جاری ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ان  
 دونوں دھوکے بازوں کا گلہ ٹھونک کر رکھ دے۔  
 "یہ دنیا ہی دھوکے پر چل رہی ہے ڈاکٹر ہیتہ؟" سامن  
 نے کہا۔ "بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ہی وجہ  
 کے دھوکے دیتے ہیں۔ یعنی انہیں اس عمل سے کوئی فائدہ  
 نہیں پہنچتا۔ ان کے ہاتھ خالی ہی رہتے ہیں۔ جبکہ میرے  
 ساتھ ایسا نہیں ہے۔ میں نے اگر دھوکہ بھی دیا ہے تو اس  
 سے بہت کچھ حاصل بھی کر لوں گا۔ اور میرا خیال ہے کہ  
 اپنے فائدے کے لئے کسی کو دھوکہ دینا کوئی بڑی بات  
 نہیں ہے۔"  
 ڈاکٹر ہیتہ کا اس وقت ذہن ہی الٹ کر رہ گیا تھا۔ اس  
 نے ایسا دھوکہ کبھی نہیں کھایا تھا۔ ایسی سخت اسے کبھی  
 برداشت نہیں کرنی پڑی تھی۔  
 "دھوکہ تو تم مجھے دے رہے تھے؟" ناگ نے کہا۔  
 "تمہارا کیا خیال ہے کہ تمہارا مجھے دھوکہ دینا جائز تھا؟"  
 ناگ نے شاید کچھ اور بھی کہا ہو گا لیکن بہت جلد اس  
 کی بات ہی نہیں سنی تھی۔ اس نے اچانک سامن پر حملہ  
 کر دیا۔ سامن اس کے حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اسی

لئے وہ دونوں ایک دوسرے سے الجھ کر ایک طرف جا گئے۔ اور ٹھیک آدھی وقت چھک کر ساہووار یہ ایسا جھک رہا تھا جس نے ان سبھوں کی نگاہیں خیرہ کر دیں۔ بہتر اور سامان ایک دوسرے سے اٹھے ہی رہ گئے۔ ناگہانی جھک کر ہڑکھائی رہ گیا۔ پہلے تو ان کی آنکھیں خیرہ ہوئی تھیں۔ پھر ان کے ذہن دھندلیوں میں ڈوبتے چلے گئے۔



**داور کے چیخ نے اس کمرے میں خوشی بکھر دی۔** شان جواس کی طرف گھری نگاہیں سے دیکھتا ہوا اس کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اس کی روشنی آنکھیں اب اور بھی روشن ہوئی تھیں جبکہ اس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے اپنے تئیں سخت کر لئے تھے شاید ان کے نزدیک داور نے شان کو جو چیخ دے کر بہت بڑی جرات کا ثبوت دیا تھا اگر شان آواز اٹھا کر دیکھتا تو شاید وہ سب داور پر ٹوٹ پڑتے۔

”بات یہاں اس کمرے میں کرنے کی نہیں ہے جوان! شان تو بے نیازی سے ”لولہ“ میں نے ابعاد اس ختم کر لیا ہے۔ اب ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔“ شان ٹوٹے آواز سے ہراس کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگ کھڑے ہوئے۔ داور کے لئے شان جو ایک حیرت انگیز آواز کی ثابت ہو رہا ہے۔ اس کے چہرے کی بناوٹ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ مضبوط ترین قوت ارادی کا آدمی ہے اور اس کا ہوا اس کی زبان پر ظاہر کر رہی تھی جیسے وہ اہل بول ہو۔ مگر وہ اپنے خدو خال سے جتنی دکھائی دے رہا تھا تو ایسے ٹھنڈے پتے کا آدمی تھا کہ قتل و عدت مگری کے پاؤں جو وہ اپنے آدمیوں کو گلیاں دھمان میں لگاتے رکھتا تھا۔ اس کمرے سے باہر جتنی اونٹوں پر ہاتھ پوتلے لگے تھے۔ داور نے کمرے سے باہر آتے جیسے آکاش کا ہاتھ تمام لیا تھا۔ داوڑی تک کسی سوکھے ہوئے پتے کی طرح ہولے ہوئے لرز رہا تھا۔ داور اور آکاش کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کمرے میں بہت ہی ٹیغیں اور قیمتی چیزیں موجود تھیں۔ ایک طرف ایک شیلڈ بھی تھا جس میں کن لوہے کی ہوتی تھیں۔ یہ شان ہو تو واقعی ایک حیرت انگیز انسان ثابت ہوا تھا۔

داور نے بڑی بے نیازی کے ساتھ پہلے آکاش کو پوچھا پھر خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی انگلیاں شکر پر جھادی تھیں۔

”تو کیا تم نے اس کی بہن کو یہاں سے نکال لے چاہا؟“ شان ہونے کے آکاش کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہاں! داور نے اپنی گردن ہلائی۔ میں ایک ایسا لالہ ہوں جو کہ بہت احسان کرنے والے کو بھی فلاح نہیں کر سکتا۔ اس کو جان اور اس کی بہن نے میری زندگی بچا لی تھی۔ اس لئے میں بھی ان دونوں کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں وہ ضرور کروں گا۔“

منسوب: ”شان ہونے ایک گھری سانس لی۔ گویا تھا ساتھ ہی ایسا واقعہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔“

”کیوں نہیں! میں ایک انسان ہی تو ہوں۔ داور بہت جلد اور میرے کردار کی سب سے بڑی حیرت لی ہے۔ میں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی دھوکہ دینے والا کو یہ جان سکتا ہوں۔ اگر میں جھوٹا بھی کیا تو میری سے جاؤں گا۔ کوئی دھوکہ دے کر کچھ بے مغفاب آسکتا ہے۔ ج میری فطرت لٹکا کر مرنے والی ہے۔ میں نے کبھی اپنے کسی دشمن پر عجب سے وار نہیں کیا۔“

”تم جیسے انسان سے میں بھی یہی توقع کر سکتا ہوں۔ شان سناٹا لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تمہارا انداز یہ بتا رہا ہے کہ تم کسی کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ دیکھتے تھے یہ بتا سکتے ہو کہ تمہیں دھوکہ دینے والا کون تھا۔“

”وہی جس کی چوٹی میں نے موت نازل کر دی۔“ داور نے کہا۔ ”یعنی کرشن پر مشاد۔“

”خمن بنادیا تھا۔ پھر اس نے میری سانچی لڑکی کو قتل کر کے میری موت مول لے لی ہے۔ اب میں اسے اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنا چاہتا ہوں۔“ میں اس کی چوٹی میں اسی غرض سے گپ تھا۔ لیکن جب لاشیں بھی ہوئی تو وہیں تو وہیں آگیا۔ اسے میں تمہارے آدمی تھے گاڑی میں بیٹھا کر یہاں تک لے آئے۔ اور اب میں تمہارے سامنے ہوں۔ تمہیں نہیں حلوم کہ تم کون ہو۔ اور تم نے کیسا لالہ راجا رکھا ہے۔ تم اس ملاقات میں کرنا تو پھر ہے ہو۔ کرشن پر مشاد سے جہاں لیا دھمکی تھی۔

”ایک طویل داستان ہے۔ نو جوان! شان ہونے کہا۔ ”کرشن پر مشاد سے میری دشمنی کی وجہ یہی ہے کہ وہ کالی ریت ہے۔ بہت دنوں پہلے اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مجھے ایک ایسا نقصان پہنچا پایا ہے جس کی کبھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ اس نے میری اکلوتی بیٹی کو ہلاک کر دیا تھا۔“

”جھکا! داور نے اپنے ہونٹ سیکڑے۔ باب بھلائی لے کر نے اس کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے میں اتنی برہنہت نامظاہرہ کی ہے۔“

”کاش میں اس سے زیادہ بھی کچھ کر سکتا۔ لالہ پی پری بہت بڑی بیٹی تھی۔ چھٹی گزرا کی طرح خوبصورت۔ میں نے ماں بن کر اس کی پرورش کی تھی۔ اس وقت میں بمبئی میں تھا۔ ایک سیدھا سادا آدمی تھا۔ شاداد احمد رام کی دنیائے بندوبست نے لالہ کی جی کی پرورش بہت اچھے انداز میں کی۔ زندگی بڑے مزے سے گزری تھی۔ پھر نہ جانے کس پر کرشن پر مشاد نے میری بیٹی کو دیکھ لیا۔ وہ بھی ناچنے لگی۔ مایک وجاہت اور دولت کے چکر میں آکر تباہ ہو گئی۔ میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس پر کرشن پر مشاد کی انت کا بھوت سوار تھا۔ اس نے میری بات نہیں مانی اور آخر ایک دن وہ مجھ سے ایسی حالت میں ملی کہ اس کا پورا جسم وہ سے جو رہا تھا۔ اس کی سانس اس کی ہونٹوں پر بھی نہیں تھیں۔ وہ چند لمحوں کی جہان تھی مرنے ہوئے اس نے مجھے ادیا کہ یہ سب کچھ کرشن پر مشاد نے کیا ہے جس سے وقت لے لیتی تھی۔ تم اندازہ کر سکتے ہو نو جوان کہ جس وقت میری اولاد نہ میری باتوں میں دم توڑا ہوگا۔ اس وقت میری کیا فیت ہو رہی ہوگی۔ میرا دل چاہتا تھا کہ میں اس پورے رگو ہلاک کر دوں۔ اس ملک کو تباہ کر دوں جس میں خمن پر مشاد جیسے لوگ رہتے ہیں۔ لیکن میں کچھ بھی نہیں کر

سکا۔ میں نے قانون کا سہارا لیا۔ لیکن قانون بھی اس کرشن پر مشاد کا کچھ نہیں بلگا رہا۔ کیونکہ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت دولت مند۔ بہت دہشت گردانہ اور ذرا لے کا مالک۔ میں اسی لئے سر ہٹ کر رہ گیا۔ تنگ آکر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس شخص سے انتقام لوں گا۔ چاہے اس کے بعد کچھ بھی ہو۔ تاہم یہ مجھے ویسے بھی لالہ کی کے ہونے کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں رہی تھی۔ میں ایک دن کرشن پر مشاد کی اس کو کھلی میں قتل کیا جہاں وہ رہتا تھا۔ دیکھو جوان! میں اپنی یہ داستان بہت مختصر کر کے سن رہا ہوں۔ اور وہ بھی اس لئے کہ تمہیں یہ اندازہ ہو جائے کہ میں اپنی فطرت میں کیسا تھا اور اب کیسا ہو گیا ہوں۔ بہر حال میں اس کی کوئی چیز میں داخل ہو گیا جو مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ اسی لئے کہتے ہی پکڑا لیا۔ اس وقت کرشن پر مشاد کی خوشی دینے کے قابل تھی۔ وہ میرا مذاق لڑا رہا تھا۔ اس نے مجھے ایک چینی ٹھکس کے حوالے کر دیا۔ وہ مارشل آرٹ کا ماہر تھا۔ اس شخص نے مجھے بہت بڑی طرح مارا۔ لیکن مجھ کو اس دن میرے جسم کی نہ جانے کتنی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ میں نے تنگ سن کو بتایا بھی کہ میں بھی تمہاری طرح چین کا رہنے والا ہوں۔ لیکن اس نے میری ایک بات بھی نہیں سنی۔ اس کا کچھ تھا کہ اس دور میں سب سے مضبوط اور پائیدار رشتہ دولت کا ہوگا ہے۔ کرشن پر مشاد جو کہ اسے پیسے دیتا رہتا تھا۔ اسی لئے تنگ من کے نزدیک مجھ سے کہیں زیادہ کرشن پر مشاد کی اہمیت تھی۔ وہ اس کی بات ماننے کے لئے مجبور تھا۔

شان جو ابھی داستان سناتے سناتے اس طرح خاموش ہو گیا جیسے بکھری یادوں کو سینے کی کوشش کر رہا ہو۔ داور کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کیا ہر شخص کے چہرے وہ جیسے تھے۔ ایک وہ چہرہ جو ظاہر دوسروں کو دکھائی دیتا ہے۔ اور دوسرا وہ چہرہ جو نظر نہیں آتا۔ بھی پہلا چہرہ سمجھتا اور غور سے مولا ہوتا ہے۔ دوسرا چہرہ غور سے اور اداس کر دینے والا ہوتا ہے۔ اور کبھی پہلا چہرہ غور سے اور اداس کر کے والا ہوتا ہے۔ دوسرے چہرے بہر سکون کی کیفیت ہوا کرتی ہے۔ یہ سلسلہ تو چلتا ہی رہتا ہے۔

”بہر حال تو میں یہ بتا رہا تھا کہ اس تنگ من نے میری ہڈیاں تو توڑ رکھی ہیں اور مجھے ایک کپڑا نہیں پھینکا۔ دیکھو اس دن مجھے یہ تجربہ ہوا کہ اگر زندہ رہنا ہے تو صرف دو چیزیں



کی ضرورت ہوتی ہے یعنی دولت کی طاقت اور جسم کی حالت اگر میرے پاس دولت کی طاقت ہوتی تو کرشن پر شاہد میرا کچھ نہیں رہتا نہ سنا تھا۔ اگر جسم کی طاقت ہوتی تو شاید میں بھی تانگ سن کو تو درمیان رکھ دیتا۔ عرض کر اسی دن سے میں نے ان دونوں طاقتوں کے حصول کی کوشش شروع کر دی۔ سب سے پہلے میں نے اپنے جسم پر ہوجو دی گئی عرق چھٹی خاصی ہونے لگی لیکن میرے ارادے جوان تھے تھے میرے سر پر انتہام کی دھن سوار ہو گئی تھی، میں نے اس عرق میں بھی محنت شروع کر دی۔ اور وہ بھی اسی کہ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ میں نے تین سال تک اپنے آپ کو بھی میں جھونک رکھا۔ سونا چاندی حرام کر دیا۔ ایک بہت بڑے کامل فن کی خدمات حاصل کر لیں۔ اچھی محنت کی کہ وہ خود میرے اس دلوے کو دھکے دنگ نہ گیا تھا۔ تین سال کے بعد میں داخل کرٹ میں ماہر ہو چکا تھا یعنی بہری ایک قسم بوری ہو چکی تھی کہ میں اپنے جسم کو طاقت ور بنانی کا تانگ تانگ سن جیسے آدمیوں کا ساتھ کر سکوں۔ قدرت نے بھی بہت جلد مجھے یہ موقع فراہم کر دیا۔ خیر یہ میں نہیں بد میں بتاؤں گا اس وقت تو یہ ہوا کہ میں نے جسمانی طاقت پر طاقت حاصل کر لینے کے بعد دولت کی طرف دھیان دیا۔ اور ایک برس کے اندر اندر اچھی خاصی دولت حاصل کر لی تھی۔

”وہ کس طرح؟“ اور ہوجو پھٹا۔ وہ اس شخص کی دستان سے دل چھیٹکوس کرنے لگا تھا۔

”ظاہر ہے کہ میں نے دولت کے لئے ناجائز ذرائع ہی استعمال کئے تھے۔“ شان ہونے لگا۔ ”میں نے کوئی گناہ نہیں جہاں سے جو کچھ بھی مل سکا وہ میں میری جلا جلا اور اسمگلنگ سے لے کر منشیات فروشی تک ہر وہ کلم کی جوتان اور معاشرے کی لگا ہوں میں غلط ہو سکتا تھا لیکن غلط کی ہر وہ نہیں تھی۔ میرا مقصد تو دولت کا حصول تھا۔ دولت مل جانے کے بعد میں نے اپنے کام کے آدی تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ میری گول میں اب برائی مرگت کر چکی تھی۔ میں بے پناہ اختیارات اور فراخ دلی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لہذا میں نے اپنے بہت سے آدی اپنے ارد گرد جمع کر لئے۔ تم اس وقت بھی جن آدمیوں کو میرے آس پاس دیکھ رہے ہو۔ یہ وہی ہمارے ٹمک خواہ ہیں۔ میں نے ہر حال طرح انہیں اپنے اختیار میں کر لیا ہے۔ یعنی ایک جانب

تو میں نے انہیں دولت دی اور دوسری طرف ان کی طاقت اور بہت کے ذریعے انہیں لو کر رکھا یا اس طرح لو کر کر وفا دار بن گئے ہیں۔ پھر جب میرے پاس طاقت اور وسائل جمع ہوئے تو میں کرشن پر شاہد کی کوٹھی میرا ٹہکا میں نے آدی بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ وہاں پر شاہد سے تو ملاقات نہیں ہوئی لیکن تانگ سن میرا ہاتھ اکٹا اور میں نے اس سے اپنی شکست کا پورا پورا لے لیا۔ میں نے اس کے بدن کی ساری ہڈیاں تو رکھ دیں۔ اور کرشن پر شاہد کے ایک ملازم سے یہ ہوا کہ کرشن پر شاہد کوئی میں نہیں رہتا بلکہ رہتا کرشن ایک بستی کے پاس اس کی شاندار کوٹھی موجود ہے۔ یہ لے اپنے کچھ آدی ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا جہاں آئے کے بعد جو کچھ بھی ہوا ہے۔ وہ ایک طویل داستان ہے مختصر اس اتنا سمجھ لو کہ یہاں اگر معلوم ہوا کہ کرشن آسانی سے ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ مجھے یہ اسی وقت ہو گیا تھا کہ کرشن پر شاہد نے بہت مضبوط جال پھیلوا رکھا تھا۔ اور اس کی شخصیت کے دو روپ ہیں۔ یعنی کرشن اور کالی موت۔ میں نے کرشن پر شاہد پر ہاتھ ڈالنے کے لئے یہ فارم خرید لیا اور اپنے آدمیوں کو لے کر میراں آ کر جہاں میں نے یہاں ٹھوڑوں کی پردوش شروع کر دی ہے اپنے آدی بھی کرشن پر شاہد کے پیچھے لگا دیئے جو اس ہر حرکت کی مجھے اطلاع دیتے رہتے ہیں۔ اسی دوران یہ بھی پتہ چلا کہ کالی موت یعنی کرشن پر شاہد نے کیسے پک دھندے پھیلوا رکھے ہیں۔ رتناگری میں کیا کچھ ہوا۔

منشیات کا کاروبار کس طرح پھیلنا چاہا ہے سب سے بات یہ ہے کہ ایک زبردست سائنس دان لیما راک کرشن پر شاہد کے کیسے تعلقات ہیں یہ سب میں جائز نہیں مطلب۔ ہوجو چوک پڑا۔ کیا اس نے جہاں میں کوئی سائنسدان بھی موجود ہے۔ ہا۔

”ادہ شاید نہیں ہے نہیں معلوم۔“ نیم گڑھ کے پاس اس شخص نے ایک پورا سائنسی ٹھہرا کر رکھا ہے۔ آ

وہاں پہنچ جاؤ تو تمہیں یہ احساس ہو گا کہ جیسے کسی دور سے آئے ہو۔ اس شخص نے اس شخص نے ایسا زبردست تخلیق کر رکھا ہے کہ اس کی ذہانت کی داد دینی پڑتی ہے۔ میرے لئے یہ ایک نئی اطلاع ہے۔“ اور نے وہ بھی کہیں بسائی تھی ہے۔

”یہ سارا ضابطہ جو رینیم کا ہے۔“ شان ہونے جواب دیا۔ ”میرے کہ یہاں کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں یہ رینیم کا بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہو گیا ہے۔ اس پورے رینیم کو حاصل کرنے کے لئے بڑی طاقتوں کے درمیان ٹکٹش شروع ہو گئی۔ یہ طاقتیں براہ راست تو اس بستی پر قبضہ نہیں کر سکتیں اسی لئے انہوں نے رتناگری کے سردار کو اپنے جال میں پھنسا کر بے دم و پا کر دیا ہے۔ لیما راک دراصل انہی بڑی طاقتوں میں سے ایک کا نمائندہ ہے۔ وہ اپنے ورمل سے آدی حاصل کرتا ہے۔ اور ان آدمیوں کو یہ رینیم کی کھانے کے لئے رتناگری بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں سے پورے رینیم کسی کسی طرح لیما راک کے پاس اس سائنسی بستی میں پہنچی دی جاتی ہے اور وہاں سے دوسرے ملک کو روانہ ہو جاتی ہے۔“

”خدا کی پناہ۔“ وہ قہر سے لہجہ پڑا۔ ”جو کہ ہے۔“ اور نے تبصرو کیا۔ ”یہ اس معاملے میں تمہاری معلومات کبھی حیرت انگیز ہیں۔“

”ہاں۔“ میں نے چونکا۔ اپنی آنکھیں کھلی تھیں اسی لئے مجھے یہ سب معلوم بھی ہو گیا ہے۔“ شان ہونے لگا۔ ”ورڈ میں بھی دوسروں کی طرح حیرت ہی ظاہر کرتا رہ جاتا۔ لیکن اب میں لیما راک اس کے ساتھیوں اور اس کی سائنسی بستی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔“

”اگر تم اتنے ہی باخبر ہو تو کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ یہ دوسری رتناگری کس خوشی میں بسائی تھی ہے۔“ اور نے پوچھا۔

”یہ رتناگری بسائی نہیں تھی بلکہ اتفاق سے موجود ہے۔“

شان ہونے لگا۔ ”تم اسے اتفاق ہی کہہ سکتے ہو کہ ہندوستان میں بھی اسی نام کی ایک بستی موجود ہے۔ چالاک اور ذہین لیما راک نے اس بستی کے بارے میں یہ ٹھہر کر دیا کہ یہ ورمل نیپال والی رتناگری کا عکس ہے۔ اس نے ایک مندر کی ایک دیوئی کی بیروں والی آنکھوں کے بارے میں بھی داستان مشہور کرادی کہ اگر وہ میرے اس مندر سے باہر چلی جائیں تو سردار ہر کوئی آفت نازل ہو جاتی ہے۔ جبکہ یہ کسی کوئی بات نہیں ہے۔“

”کیا کہہ رہے ہو تم۔“ اور نے چوک کر پوچھا۔ ”یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں نے تو اب تک یہی سنا ہے اس کے علاوہ۔“

”ہو گیا کہنا چاہتے ہو تم کہ میں نے گئے نہیں تم بھی ان میں سے تو نہیں ہو جہاں یہ میرے لئے ہر معرکہ کیا

”کہا ہے۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہاری بات پر کس طرح یقین کر لیا جائے۔“

”آخر کیوں؟“ شان ہونے سوال نہ کیا ہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں یقین کیوں نہیں آتا۔“

”اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مجھے اس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔“ اور نے بتایا دیا۔ ”اگر مجھے اس کام پر مقرر کرنے والوں نے اچھی خاصی رقم بھی دی تھی۔“

”دیکھو جان۔“ حالانکہ تمہیں ایک دھن کی طرح یہاں لایا گیا ہے۔ اس کے باوجود تجھے یہ کیوں ہیرا دل ہو کہ رہا ہے کہ تم سے دشمنی نہیں کرنی چاہئے۔ تم ایک ہیرا در سے اور مضبوط ارادوں کے آدی ہو۔ اور ایسے آدمیوں سے دوستی نہ کی جانی سے دشمنی نہیں ہو سکتا ہے کہ تم کسی وقت میرے کام آتی جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارے کام آ جاؤں۔ اسی لئے اگر تم مجھے یہ یاد دلاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا معاملات ہیں تو شاید میرا مشورہ ہی تمہارے کام آ جائے۔“

”اگر تم نے دوستی جیسی شے کا حوالہ دے ہی دیا ہے تو پہلے تمہیں میری ایک بات مانتی ہوگی۔“

”وہ کیا۔“ بتاؤ۔

”تم پہلے اس نوجوان اور اس کی بہن کو راک کے یہاں سے روانہ کر دو۔“ اور نے آکاش کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ دونوں ہمیں کرشن پر شاہد کی جوتی سے باہر لے گئے۔“ شان ہونے بتایا۔ ”اسی لئے ہم انہیں اٹھا کر لے آئے ہیں۔“

”ہم دونوں تو جناب بس بیٹھتے ہوئے اس طرف جا نکلے تھے۔“ آکاش جلدی سے بول پڑا۔

”میں بھی اس بات کی گواہی دینے کو تیار ہوں کہ کرشن پر شاہد سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ اور نے بتایا۔ ”کیونکہ ان دونوں نے مجھے اس کی قید سے نجات دلوائی ہے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میں اپنے اصولوں کے خلاف انہیں چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔ ایک منٹ ٹھہرو۔“ شان ہونے اتنا کہہ کر کسی کو آواز دی۔

دروازہ کھلا اور ایک لانا چوڑا آدی کمرے میں داخل ہوا جس کے دونوں پہلوؤں سے پورا اور ٹھک رہے تھے۔

وہ شان ہوئے کے سامنے اگر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا تھا  
"اس لئے کے ساتھ جو لڑکی آئی تھی اسے یہاں لے  
آؤ۔ شان ہوئے نے حکم دیا۔

وہ آدمی فوراً ہی ہاتھ چلا گیا۔ اس دوران آکاش بہت  
بے قرار دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں دروازے پر  
لگی ہوئی تھیں۔ وہ بھی دادر کی طرف اس طرح دیکھنے لگا  
جیسے اس کا شکر یہ ادا کرنا چاہتا ہو۔ لیکن اس کے پاس  
افغانہ ہوں۔ دوسری طرف وہ شان ہوئے کو اس طرح دیکھنے  
لگتا تھا جیسے اسے یہ خدمت ہو کر کہیں شان ہوئے کا حکم دے  
دے لے۔ اہمبادشاہ نامہدی کے بدلتے ہوئے رنگ اس  
کے چہرے پر عکس ہوتے تھے۔

جب کچھ دیر بعد وہی لڑکی کرے میں داخل ہوئی تو  
ان دونوں کا اہمبادشاہ دیکھنے کے قابل تھا۔ دونوں ایک  
دوسرے سے ہٹ کر رہنے لگے تھے۔ دادر کو اس وقت  
بہت سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے ان دونوں کے  
احسان کا بوجھ اپنے سر سے اٹا کر دیا تھا۔

وہ دونوں جب ایک دوسرے سے مل گئے تو اس  
وقت لڑکی کی نگاہ دادر پر پڑی۔ دادر کو دیکھتے ہی وہ تیر  
کی طرح اس کے پاس آ گئی۔  
"تم مجھ شاہد وہی ہو؟"

"ہاں۔ میں وہی ہوں۔" دادر نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
"شان ہوئے اپنے ایک آدمی کو بلا کر ان دونوں کو  
بمحافظت اس فارم سے دور پہلے کی ہدایت کر دی۔  
"کہا تم ہماری ساتھ نہیں چلو گے؟ آکاش نے  
دادر سے پوچھا۔

"نہیں۔ میرے اور تمہارے راستے الگ الگ ہیں۔  
تم دونوں نچے کے اس طرح میرے راستے میں آگئے تھے  
بہر حال اب تم ان علاقوں میں بھٹکتے مت چھو۔ یہاں تک  
قدم پر تمہارے لئے ہر لڑائی نہیں خواہ خواہ اپنے آپ کو  
عذاب میں ڈالنے کا کیا فائدہ؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو؟ آکاش نے کہا۔ ہمیں یہاں سے  
چلا جانا چاہیئے؟"

"اور ہاں ایک بات یاد رکھنا۔ شان ہوئے ان دونوں  
کو خطا یہاں سے جانے کے بعد تم بھول جاؤ گے  
کہ تم کہاں سے آ رہے ہو۔ یوں سمجھ لو کہ تم دونوں نے اب  
تک جو بھی دیکھا وہ ایک جھباک خواب کی طرح تھا۔ اور اچھے

خواہوں کو یاد نہیں رکھنا چاہیئے۔ انہیں بھول جانا بہتر ہے  
ان دونوں نے دادر کی طرف بڑی شکر گزار نگاہیں  
سے دیکھا اور باہر چلے گئے۔ شان ہوئے اپنا ایک گواہ  
ان کے ساتھ کر دیا تھا۔  
"ہاں اب بتاؤ کہ تم جیسا آدمی کس طرح ان بیروں  
چکر میں آگیا۔؟"

دادر نے فقر لفظوں میں اسے روپایا میرانی او  
لائی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اسے یہ بھی بتا  
کہ رتن گری میں اس نے کیسے کیسے امتحانات دیکھے؟  
کیسے کیسے لوگ اس کی راہ میں آئے اور وہ ان لوگوں  
کس طرح غمزدار ہوتا ہوا کرشن پر شاداوار اس کے  
بھائی رام پر شادا تک پہنچنے میں کامیاب ہو سکا تھا۔  
"تو بہت سی دلچسپ داستان ہے؟ شان ہوئے  
دادر کے خاؤں ہو جانے لگے بعد کہا۔ لیکن اس داستان  
کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف لوگوں  
کو گمراہ کرنے کے لئے داستان پردہ کی گئی ہے۔ روپایا او  
سومالی بھی دراصل لہمارک ہی کی ایک کینٹ ہیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دادر کی حیرت بڑھتی جا رہی  
تھی۔ ان دونوں کا اس سے کیا فائدہ؟ اس کے علاوہ یہ  
آنکھوں نے سمجھ دیکھا ہے کہ وہ چھوٹ ہے۔؟"

"نہیں چھوٹ نہیں وہ بھی حقیقت ہے۔ پھر وہ  
تمہیں سب کچھ دیتا ہوں۔ صورتحال یہ ہوئی کہ رتن  
گری میں لہمارک اور بیگم کے ذخائر و مستجاب ہو گئے۔ بڑی خانہ  
نے ریشہ و انہماں طور پر عرض کر دیں۔ ایک طاقت نے وہ  
کے پرانے سردار کو معزول کر دیا۔ اور سازش کے خبا  
نات ایک دوسرے گھٹس کو سردار مقرر کر دیا گیا پہلے سردار  
دو بیٹیاں تھیں۔ یعنی روپایا اور سومالی۔ ان کے علاوہ ان  
کا ایک اتالیق بھی تھا۔ لائی داستان یہاں تک بالکل دیر  
ہے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے  
جو کچھ بھی ہے وہ بہت حد تک غلط فہمی سے پیدا ہے  
مثال کے طور پر روپایا اور سومالی کے درمیان کوئی  
نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہیں۔ اور اس ہی سبب سے  
کے بعد وہ دونوں لہمارک کی ایک کینٹ ہو گئے۔ اور  
علیحدہ رہائش اختیار کر لی۔ اور یہ مشہور کر دیا گیا کہ ان  
کے درمیان اختلافات ہیں۔  
"لیکن اس سے ان دونوں کا کیا فائدہ؟ دادر نے

ہوئے پوچھا۔

"فائدہ ان دونوں کو نہیں بلکہ لہمارک کو ہے؟ شان  
ہوئے نے بتایا۔ وہ ایک انتہائی ذہین اور شاطر قسم کا آدمی  
ہے۔ اس نے ان دونوں سے کہا ہے کہ وہ اپنے اپنے  
طور پر رتن گری میں ان بیروں کی بھڑائی کے لئے مختلف  
لوگوں کو بھیج رہا کریں۔ اور وہ دونوں اسی کی ہدایت پر  
عمل کرتے ہوئے یہ سب کر رہی ہیں۔"

"وہی تو میں بلوچیتا ہوں کہ آخر کیوں؟ لہمارک ک  
طرح کیا چاہتا ہے۔؟"

"میں نے بتا دیا کہ لہمارک کا ایک غیر ملکی طاقت  
سے گھڑ چڑ ہے۔ اس نے یہ چکر اڑانے چلا رکھا ہے کہ  
رتن گری کا موجودہ سردار اس غیر ملکی طاقت کا مروتوں منت  
ہے۔ اور اس کے خلاف کچھ نہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو۔ اس لٹی  
میں ان بیروں سے متعلق جو داستان تم نے سنا ہے اس  
میں بھی کوئی مبالغہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہاں واقعی ایسی  
ایک داستان مشہور ہے۔ اب میں تمہیں شروع سے  
حالات بتاتا ہوں تاکہ تمہاری سمجھ میں سب کچھ آسکے۔  
نے بڑی شکلوں سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔ چنانچہ  
کتنے دنوں تک خود بھی سرگرداں رہا ہوں تب جا کہ مجھے  
یہ سب کچھ معلوم ہو سکا ہے۔ ہوتا ہے کہ رتن گری میں  
زندگی بہت پرسکون گزر رہی ہے۔ لوگ خوش حال ہیں۔  
کسی قسم کا کوئی جرم اس علاقے میں نہیں پایا جاتا۔ سدا  
سادا سردار پھر اتفاق سے ایک غیر ملکی جو لو جیل کر  
کرنے والی ٹیم وہاں آئی ہے۔ اور انہیں یہ معلوم ہو جاتا  
ہے کہ رتن گری یورپیہ کی دولت سے مالا مال ہے۔ وہ  
لوگ مقامی حکام سے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے اور  
خاموشی سے وہاں ہو جاتے ہیں۔ وہاں جا کر یہ لوگ اپنے  
ملک کے حکام کو اس کی اطلاع دیتے ہیں۔ اس دوران  
ایک دوسرے ملک کو بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ  
پہلا والا ملک اس سلسلے میں زیادہ تیز رفتار ثابت ہوتا  
ہے۔ وہ ملک ایک ایسی ہوئی اسبیم بناتا ہے۔ اور رتن  
گری کے سردار کو اپنے ساتھ ملالے اور اسے لایع دیکھی  
پریشانی جاتی ہے۔ لیکن وہ ایک حب وطن اور مددگار  
ہے۔ اسی نے وہ ان کی باتوں میں نہیں آتا۔ اس کا  
ہوتا ہے کہ ایک اور شخص کو سردار بنانے کا فیصلہ کر لیا  
جاتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جس کی قوت فیصلہ بہت کمزور

ہے۔ وہ لائی میں آجاتا ہے اور اس غیر ملکی طاقت کو یہ  
اختیار دے دیتا ہے کہ وہ اس کے علاقے سے یورپیہ  
کی کھدائی کر سکتی ہے۔ اب وہ دوسرا ملک بھی میدان میں  
آجاتا ہے۔ پہلی طاقت فوراً ہی بیروں کی اس داستان کو فٹ  
کر دیتی ہے۔ اور سردار کو باور کرائی ہے کہ اگر وہ میرے  
چوری ہوئے تو اس کی سرداری کا جاتمہ ہو جائے گا۔ سردار کو  
یہ بات گوارا نہیں ہے۔ دوسری طرف غیر ملکی طاقت لہمارک  
جیسے ذہین آدمی کی مدد حاصل کر لیتی ہے۔ لہمارک نے ایک  
ساتھی لٹی لہمارک ہے۔ وہ مختلف علاقوں سے لوگوں کو اغوا  
کرتا ہے اور انہیں رتن گری روانہ کر دیتا ہے۔ جہاں اس  
ملک نے پہلے ہی سے حفاظتی اقدامات کر رکھے ہیں۔ لہذا  
وہ لوگ پکڑے جاتے ہیں اور انہیں سردار کے سامنے پیش  
کر دیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی سردار پر یہ تاثر قائم ہو جاتا ہے کہ  
جب تک یہ غیر ملکی طاقت اس کی پشت پناہی کر رہی۔ ان  
بیروں کو کوئی نہیں چرسا۔ اور اس کی سرداری قائم رہے گی  
اس طرح وہ غیر ملکی طاقت پر یہ کہانیہ سنا کر پوری  
چال چل رہی ہے۔ روپایا۔ یہ سوچاں وقت وقت بیروں  
کو ہرانے کے لئے معاف سے دے کر بیروں کو تیز رفتاری  
اس کے ساتھ اس کوئی کے چلے اور اس کے کوائف سے  
لہمارک کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔ لہمارک رتن گری میں موجود  
غیر ملکی طاقت کو رتا دیتا ہے۔ پھر اس آدمی کو گرفتار کر کے مروت  
کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ یہ تو بہت عجیب چکر ہے؟ دادر نے ایک  
گہری سانس لی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کو چارے کے  
طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔"

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ اس کے علاوہ ایک کھیل  
اور بھی کھلایا جا رہا ہے۔"

"وہ کیا؟ دادر نے پوچھا۔  
"ایک دوسری طاقت بھی ان بیروں کے چکر میں ہے؟  
شان ہوئے نے بتایا۔ فرض کرو اگر وہ دوسری طاقت کامیاب  
ہو جاتی ہے۔ میرے اس کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ تو وہ  
لائی روپایا یا سومالی سے رابطہ قائم کرنے کی کہ وہ رتن گری  
کی سرداری قبول کر لیں۔ اور وہ لوگ پہلے ہی لہمارک کے  
جنگل میں ہیں۔ اسی نے جب ان دونوں میں سے کوئی ایک  
سردار بنے گی تو یورپیہ کے ذخائر پہلے ملک سے چھ کر دے گی  
طاقت کے پاس آجائیں گے؟"

”لیکن بیمارک تو پہلی طاقت کا آدمی ہے“ دواور نے پوچھا  
 پھر وہ دوسری طاقت کی حمایت کیوں کرنے لگا؟  
 وہ دراصل ان دونوں میں سے کسی کا آدمی نہیں ہے  
 اور ان کے ساتھ بھی ہے۔ تم اسے ایک ذلیل الجھن کہہ  
 سکتے ہو۔ وہ دونوں طاقتوں سے فائدہ حاصل کر رہا ہے۔  
 ”اوه اب سمجھا“ دواور نے اپنے ہیوٹ میکروسے ”لیکن“  
 کالی موت یعنی کیشن پر شاد کمال فٹ ہوتا ہے۔  
 ”کسی بھی ملک یا علاقے پر قبضہ کرنے کے دو طریقے ہوتے  
 ہیں: نشان بٹونے، بتانا۔ پہلا طریقہ تو میدانِ حرام و امارت  
 طریقہ ہے یعنی فوج لے کر چڑھنا کہ دی جائے۔ لیکن یہ فوج  
 عارضی ہے۔ اس میں جسم تو غلطی قبول کر لیتا ہے جبکہ ذہن  
 آزاد رہتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جسم کو آزاد رہنے دیا جائے  
 اور ذہن کو فکیر کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے یہ دوسرا طریقہ  
 اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک غلطی ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو  
 یہ خبر نہ تھا کہ کبیں رتناگری کے رہنے والے ذہنی طور پر  
 بہادر نہ ہو جائیں، کبیں ان میں یہ عقل نہ اچلے کہ ان کے  
 علاقے سے ایک بہت بڑی دولت دوسرے ملک کو روانہ  
 کی جا رہی ہے۔ یہ سمجھ کر ان لوگوں نے رتناگری میں  
 منشیات پھیلا دیں اور خفیہ طور پر دیا۔ قدر بازی  
 عام کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب پوری رتناگری جرائم کا گڑھ  
 بن گئی ہے۔ دنیا بھر کے جرائم پیشہ لوگ وہاں آ رہے ہیں۔ قانون ختم  
 ہو گیا ہے۔ اور لوگوں کی ذہنی صلاحیتیں موقوف ہو کر رہ گئی ہیں۔  
 بیمارک کو اس کام کے لئے ایسے آدمی کی تلاش تھی، اس کی خوش  
 قسمتی کہ اسے کیشن پر شاد جیسا آدمی مل گیا۔ جو پہلے ہی سے  
 ایسے معاملات میں ملوث تھا۔ بس پھر کیا تھا، بیمارک نے اپنی  
 طاقت دکھا کر اسے اپنا غلام بنایا اور اس کو کھلی پشتی دے دی  
 گئی کہ وہ جس طرح چاہے رتناگری کو برباد کر کے رکھ دے۔  
 دواور کے ذہن سے اب بڑی حد تک دھندھ صاف  
 ہوئی تھی۔ یہ بڑی طاقتوں کے درمیان ہونے والی ایسی کشمکش  
 تھی جس نے پورے ماحول کو برباد کرنا اور ناقابلِ فہم بن کر رکھ  
 دیا تھا۔ اور اب نشان ہو کر باقیوں سے بہت چلتا تھا کہ ان  
 علاقوں میں کس قسم کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔  
 ”چلو میں یہاں تک تو سمجھ گیا کہ دواور پھر سوچے ہوئے  
 ہوا لیکن یہ مصنوعی رتناگری میری سمجھ میں نہیں آئی ہے۔  
 آخر رتناگری ہی جیسی ایک دوسری بستی ہندوستان میں ہمارے  
 کی کیا ضرورت تھی پھر سمجھ براہِ راست نیپال، کیوں نہیں

بیچ دیا گیا۔ اس رتناگری میں الجھنے کے کیا ضرورت تھی؟  
 ”یہ جیسی بیمارک کے ذہن کا کمال ہے“ نشان بٹونے  
 بتایا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ہندوستان میں بھی رتناگری  
 نام کی ایک بستی پہلے سے موجود ہے اس نے پہلے تو اپنے رہائشی  
 شعبہ دہلی کے مہذ سے اس بستی میں ہنگامہ برپا کر دیا جس  
 کا نتیجہ یہ ہوا کہ قانون نافذ کرنے والے دواور نے بھی اس بستی  
 سے دور بھاگنے لگے۔ پھر اس نے نیپال کی رتناگری کی طرح  
 اس رتناگری میں بھی منشیات اور دوسری برائیوں کو عام کر دیا  
 جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس بستی کے لوگ بھی ذہنی طور پر تباہ ہو گئے۔  
 ”آخر کیوں؟“ دواور نے سوال کیا۔ ”پھر عظیم کا ذخیرہ تو نیپال  
 والی رتناگری میں ہے۔ پھر اس رتناگری کو ایسا بنانے کی  
 کیا ضرورت پیش آئی؟“  
 ”وی تو میں نہیں بتا رہا ہوں نہ جان کہ بیمارک نے  
 یہ سارا کچھ اس لئے چلایا ہے کہ بیمارک اپنے کام کے ذریعہ  
 کو حاصل رتناگری میں نہیں بھیجتا بلکہ اپنی رتناگری میں بھیج  
 دیا کرتا ہے۔ جہاں وہ ایسے جکروں میں الجھا دیئے جاتے  
 ہیں کہ ان کی برہمن داشتگ ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بڑی آسانی  
 سے ان لوگوں پر اس طرح قابو پالیتا ہے جیسے کوئی مرکزی  
 جال میں پھنس چلے والی کٹی ہوئی ہوائی پانی ہے۔“  
 ”تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ صرف اتنی سی بات کے  
 لئے کہ مجھ جیسے لوگ اس کے قبضے میں آجائیں اس نے اتنا  
 لمبا چور اچھڑ چلا ہے۔؟“  
 ”ہاں لیکن یہ اتنی سی بات نہیں ہے“ نشان بٹونے  
 کہا۔ ”یہ کسی بھی تنظیم کو چاہئے کہ اسے اپنے آپ کو ضرورت  
 ہوتی ہے۔ صرف ایک شخص اتنے ہنگامے برپا نہیں کر سکتا  
 اس کے لئے بہت سے ایسے آدمیوں کی ضرورت پڑتی  
 ہے۔ جو دیرینہ ہمارا ذریعہ ایک اور ہوشیار ہوں۔ تم میں یہ  
 خوبیاں موجود ہیں۔ لہذا تمہیں اس رتناگری کے چکر میں  
 الجھا دیا گیا ہے۔ تاکہ تم پریشان ہو جاؤ۔ اس کے بعد اس  
 کی عظمت کا اعتراف کر لو۔ وہ اسی قسم کا آدمی ہے۔ اس نے  
 آدمیوں کو تین صدیوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بے چارے کو  
 قسم کے آدمیوں کو وہ اصل رتناگری بھیج دیا کرتا ہے جہاں  
 انہیں پکڑ کر وہاں کے سردار کے سامنے پیش کر دیا جاتا  
 ہے۔ پھر وہ ان لوگوں کو چاہے چھوڑ دے یا سزا دے دے  
 اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کیونکہ خود ان لوگوں کی  
 کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ دوسرے درجے میں وہ لوگ

آتے ہیں جو باقیہات دولت مند ہوتے ہیں یا عام سے  
 لوگ جن سے مزدوری کر دیا جاسکے۔ یا باقہ بیروں کے  
 ایسے مضبوط لوگ جن کو قافلوں میں رکھ کر اپنے مقصد کے لئے  
 استعمال کیا جاسکے۔ ایسے لوگوں کو سامان بستی میں پہنچا دیا جاتا  
 ہے جہاں پہنچ کر ان کی عقل ضبط ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور  
 دولت مندوں کو ایک میل کیا جاتا ہے جبکہ دوسروں کو  
 مزدوری یا بستی کی نگرانی پر لگا دیا جاتا ہے۔ تیسری قسم ان  
 لوگوں کی ہے جو بہت ہمارا اور ہوشیار ہونے کے ساتھ  
 ساتھ دولت حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر گزرنے کو  
 تیار ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی مثال کے طور پر مہاراجا راجا دونوں  
 تو مہاراجا مانا۔ تو ایسے لوگوں کو روپا یا سامان کے ذریعہ  
 اس ہندوستان والی رتناگری میں پہنچا دیا جاتا ہے یہاں  
 ان کو دھوئیں اور حلوں کا مارٹ اور دیگر ڈرائے سے لے کر  
 کر دیا جاتا ہے۔ پھر وہ یہاں نہیں جاسکتے۔ مجھے تو اس بات  
 پر حیرت ہے کہ تم جیسے لوگ آئے۔“  
 ”اگر تمہاری داستان درست ہے تو پھر مجھے بھی اس  
 بات پر حیرت ہونی چاہیے کہ میں کیسے نکل آیا؟ دواور نے کھلے  
 ہوئے کہا۔  
 ”ایک لمحے کے لئے نشان ہو گا چہرہ سرخ ہو گیا تھا شاید  
 اسے دواور کی بات ناگوار گزری تھی لیکن اس نے اظہار  
 نہیں کیا۔  
 ”میں جو کتنا ہوں درست ہی کتنا ہوں؟“ وہ کھجور  
 بعد ازاں مجھے تمہارے سامنے اتنی سی چوڑی کہانی کھڑے کی  
 کیا ضرورت تھی، البتہ اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کسی کے  
 دباؤ میں ہو تو اس وقت مجھ پر کیا دباؤ ڈال سکتے ہوں آئندہ  
 میری باتوں کو چھوٹ مٹ قرار دینا۔“  
 ”اوه تم تو بڑا مان گئے؟“ دواور نے حلی سے کہا۔ ”حقیقت  
 حال یہ ہے کہ میری عقل واقعی ضبط ہو کر رہ گئی ہے۔ صرف  
 اتنے سے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس شخص نے  
 پوری ایک بستی پر اپنا تسلط کر رکھا ہے۔ یہ واقعی حیرت کی  
 بات ہے۔“  
 ”تمہیں تو اس وقت بھی حیرت مرنی چاہیے تھی جب  
 تمہیں اس بستی میں ہیروں کی پوری کے لئے پہنچا گیا تھا۔  
 سے شاید یہ کہنا کہ ہو گا کہ پہلے تم ان غلامی ہیروں کو حرا  
 کے بعد اصلی ہیروں کی طرف نہیں بھیج دیا جائے گا کیوں  
 یہی بات تھی نا۔“

”تم مضحک کہتے ہو؟“ دواور نے ایک گہری سانس لی  
 تجھ سے یہی کہنا تھا۔ اور میں ابھی تک اسی رتناگری  
 میں الجھا ہوا ہوں۔“  
 ”اگر تم یہاں کا سیلاب ہو جاتے تو پھر تمہیں رتناگری  
 کی طرف نہیں بھیجا جائے گا۔ نشان بٹونے بتایا۔ ”کیونکہ  
 تمہاری کامیابی سے وہ سمجھیں گے کہ تم بیمارک کے وہم  
 نگری میں پہنچا دیا جائے گا جہاں تم اس کے مفادات  
 کے لئے کام کرتے رہو گے۔“  
 ”البتہ بھی نہیں ہو گا؟“ دواور نے اپنی گردن ہلانے لگا  
 کا مطلب یہ ہوا کہ اصل آدمی بیمارک ہے۔ کالی موت کی  
 کوئی حیثیت نہیں ہے۔“  
 ”میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ کالی موت کوئی حیثیت  
 نہیں ہے۔ وہ بیمارک کے لئے شہنشاہ طاقت و برہمنوں  
 سے ایک جڑ ہے۔“  
 ”تو اس کہانی کو اس کے انجی مٹک پہنچانے لے لے  
 بیمارک پھر ہاتھ ڈالنا ہو گا؟“  
 ”ہاں۔ کیونکہ اس سارے فساد کی وجہ وی سے لیکن  
 اس ہر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں ہے۔ اس نے سامانی  
 چٹکوں کے حصہ میں اپنے آپ کو محفوظ بنا لیا ہے۔“  
 جب ان کی آنکھیں کھلیں تو وہ ایک حیرت انگیز  
 میں امدت تھی۔  
 اس کمرے کی دیواریں رنگ بدل چکی تھیں۔ اور اس  
 کی بلند چھت سے ایسی روشنی نکل رہی تھی جو ذہنوں پر غور و  
 طاری کر دیا کرتی ہے۔ وہ کمرہ کھڑے لوٹنے کے لئے لیکن ان  
 کے ذہن ابھی تک ابھل ہو رہے تھے۔ جیسے غنودوں کی  
 حالت میں ہوں۔ ناگزیر وہ سامان تینوں ایک ساتھ ہی تھے  
 ڈاکٹر جن کو یاد رکھا تھا کہ اسے جب یہ معلوم ہوا تھا کہ  
 ناگزیر سامان کے مل کر اسے دھوکہ دیا ہے تو اس نے جھنجھلا  
 کر تھک کر دبا ہوا تھا۔ پھر اسی وقت روشنی کا ایک جھمکا ہوا۔ ان  
 کی نگاہیں خیر ہوئیں اور اب وہ لوگ اس کمرے میں موجود  
 تھے۔ اس وقت ڈاکٹر ہتھ کے ذہن سے ناگزیر سامان دونوں  
 کے خلاف غم اور غصے کا تاثر ختم ہو گیا تھا۔ اس کے ذہن میں  
 بس یہی بات تھی کہ وہ کہاں آ گیا ہے۔ یہ کون سی ڈے  
 ان دونوں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔ وہ دونوں

بھی پھلیں جیسا کہ جبریت سے اور حراہ و دیگر بے رحمی سے ہم کو کہاں آئے ہیں؟ ناگزیر ہے کہ وہ ہم پر ہوجائے۔  
کون سی جگہ ہے؟  
"میں بھی حیران ہوں! سامن نے کہا! ایسا لگتا ہے جیسے جادو کے کسی کپے میں پہنی دیا گیا ہو۔  
"نہیں وہ روک تھامی ناگزیر ہے کہ تھکتے تھکتے گت گیا۔

"اوہ میں سمجھا تھا کہ کیا ہونا چاہ رہے ہو؟ سامن نے ایک گہری سانس لے ہو سکتا ہے کہ تمہارے ڈیڈی ہمارا جدِ اُمّیلم کر لڑھکھو بھی ہماری طرح روشنی دکھا کر کہاں لے آیا گیا ہو۔  
شاید وہ تمہارے آس پاس ہی کہیں موجود ہیں میں نے تمہارے ڈیڈی کی کہانی میں کسی خلائی مخلوق وغیرہ کی کہانی بھی سنی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ہم لوگوں کو بھی اسی مخلوق کے اغوا کر لیا ہو؟  
"تم لوگوں نے میرے ساتھ جوسلوک کیا ہے وہ میں کبھی نہیں سمجھوں گا۔ ناگزیر دو لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے غلایا میں نہیں ہیں۔

"اب ختم بھی کرو! ناگزیر اس کی بات کاٹ دی پہلے تو یہاں سے اٹھنے کی بات کرو۔ اس کے بعد ہم لوگوں سے ڈاکٹر میتہ جبریز کو کر رہ گیا۔ ناگزیر ٹھیک ہی ہونا تھا۔  
یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں تھا۔ اس وقت انہیں یہاں سے نکلنے کی تدبیر کرنی چاہیے تھی۔

سب سے پہلے اپنے ہی گھر اور گاہک کے ذریعہ باہر تک دھند بھائی ہوئی تھی بھت سے آتی ہوئی روشنی نے اعصاب پر غنودگی مسلط کر رکھی تھی۔ اس رطلی کا ناگزیرت انگیز تھا۔ وہ اعصاب کو تھیک تھیک کر ملانے کے لئے کوڈنجر نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اس نے سچی ہی ہلکی سی منوڈوں و دوچیل بن جاری کر دیا تھا۔ جیسے گرمی کی دو پہروں میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگیں۔ کچھ ایسی صورت حال تھی۔

ایک حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ اس کمرے کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی کوئی دروازہ دیکھا گیا۔ وہ رہا تھا کہ اس کے باوجود انہیں ٹھنڈی کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر ہیتے نے کمرے کی دیوار میں ٹھوٹی ٹھوٹی شروع کر دیں۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دیوار کے درمیان کوئی خفیہ راستہ نہ ہوتا ہو۔ وہاں ہے۔ لیکن اس تلاش میں اسے ناگانی ہوئی کسی دروازے کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ تھک ہار کر ان دو لوگوں سے کچھ فاصلے پر آکر بیٹھ گیا۔ اس پریشان کے باوجود ان دو لوگوں کی طرف

سے اس کے دل میں غمخیز کی چنگاریاں جلی رہی تھیں۔  
"خوش آمدید! چانگ کی جانب سے آواز آئی۔ وہ سب اس آواز کو سن کر ہلکے ہلکے تھکے۔ وہ آواز کمرے کی دیواروں سے اندر کی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔  
"کون ہو تم؟ سامن نے بلند آواز میں بلوچہ نامہ تم نے ہمیں قید کیوں کر رکھا ہے؟

"ہم ہر اس شخص کو پھانسا بیٹھتے ہیں جو ہمارے کام کا ہوتا ہے۔ اسی آواز نے کہا۔ تم تینوں بھی بڑے کام کے ہو۔ تم اور تمہارا سامان بھی ناگزیر لوگوں کو بلیک میل کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ تم نے بلیک میل کرنے اور ذہنی اذیت دینے کے ایسے ایسے طریقے اپنا کر رکھے ہیں جو تم ہی جیسے عقل مند لوگوں کے ذہن میں آسکتے ہیں۔ اور تمہارا تیسرا سامان ڈاکٹر میتہ شخصیات کو تبدیل کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ہاں اس کے پاس ایک ایسا فن ہے جو جہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہو گا۔

"کہا تم ہم لوگوں کو جانتے ہو؟ ناگزیر ہے کچھ بری نشان ہو کر رہ چکا۔  
"ظاہر ہے۔ بغیر جانے ہوئے میں یہ سب نہیں کر سکتا تھا۔ بہر حال اب تم لوگ ہمارے پاس آگئے ہو۔ اس لئے تم اب ہمارے لئے کام کرو گے۔ ہماری تعلیم کے لئے کام کرو گے۔  
"یہ نہیں ہو سکتا! ناگزیر نے کہا۔ تم ہمیں مجبور نہیں کر سکتے ہو۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اتنی آسانی سے ہماری بات نہیں مانو گے۔ اسی آواز نے کہا۔ کیونکہ تم ایک ضدی باپ کے ضدی بیٹے ہو۔  
"تو کیا میرے پتا ہمارا ج؟

"ہاں وہ بھی تمہارے جہاں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ ان کے ساتھ کچھ ایسی ہی حرکتیں کرنی ہر گز نہیں چاہئے۔ ان کے خلاف تھیں۔ لیکن کیا کیا جائے۔ جب کسی سے کام لینا ہی ٹھہرا تو ہر قسم کے حربے اختیار کئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ہم نے ان کے ساتھ بھی کچھ زیادتیوں کر دیں اور اب وہ ہمارے کام کے ہو گئے ہیں۔

"تم ان سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟ ناگزیر نے پوچھا۔  
"ظاہر ہے دولت مند آدمیوں سے ان کی دولت حاصل کرنے کے علاوہ اور کیا کام لینا چاہئے؟ اسی شخص نے بھتے ہوئے کہا۔ جیسے تم نے لوگوں کو بلیک میل

کر کے کروڑوں کی دولت جمع کر لی ہے۔ اور اب تمہاری دولت ہمارے کام آئے گی۔ میں بھی اس سلسلے میں کب کر سکتا ہوں۔ تمہارا ملک ہی اس سلسلے کا قدم قدم ہر پہلے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر روپے ہوں تو پورے ہندوستان کے لوگ سجدہ کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اگر روپے نہ ہوں تو کوئی مسکرا کر دیکھتا بھی نہیں ہے۔ اسی لئے ہمارا سب سے پہلا کام یہی ہے کہ روپے جمع کر لے جائیں۔

"تم جیسے کچھ بھی کہتے رہو میں اپنی دولت تمہارے حوالے نہیں کروں گی۔

"ظاہر ہے۔ اسی آسانی سے کون اپنی دولت کسی اور کے حوالے کر سکتا ہے۔ اور وہ بھی تم جیسا شخص جس کے نزدیک دولت ہی زندگی ہے۔ مجھے تمہاری دولت لیتے ہوئے افسوس ہو گا۔ مگر ناگزیر کیونکہ اتنی سے مل کر دولت تم نے بڑی محنت سے حاصل کی ہے۔ نہ چلے کتنے لوگوں کی زندگی تباہ کی ہوئی۔ کتنے لوگوں کو خود کوئی بڑبڑ کر دیا گیا ہو گا۔ تب جا کر اپنی دولت تمہارے پاس آئی ہے۔ لیکن کیا کروں میری جگہ مجھ کو یہاں ہیں۔ اکیسے مجھے اپنے آپ پر جبر کرتے ہوئے یہ دولت حاصل کرنی پڑے گی۔

"میں نے کہہ دیا کہ میں اپنی دولت تمہارے حوالے نہیں کر سکتا۔ چاہے تم کچھ بھی کر کے دیکھ لو۔

"اب سے کچھ دنوں پہلے اگر تم یہ کہتے لو میں واقعی مشکل میں پڑ جاتا۔" اسی آواز نے منہ سے ہونے کہا۔ کیونکہ اس وقت تک ہمارا ڈاکٹر میتہ بلا تکمیل نہیں ہوا تھا۔ اسی لئے مجبور مجھے لوگوں پر تشدد کرنا پڑتا تھا۔ کچھ لوگ تو فوراً ہی تشدد کے کئے کئے تھکے تھک دیتے تھے۔ اور کچھ لوگ اتنے ضدی اور مستقل مزاج ہوتے تھے کہ میرے تشدد کے سارے طریقے نا کلام ہو جاتے تھے۔ تمہارا باپ ہمارا جہ آف ٹیم کر رہا تھا۔ ان کی آدمیوں میں سے ہے کہ ہر پہلے بہت تشدد کیا۔ لیکن وہ جی دار شخص ہر تشدد کو نہ کر سکتا۔ لیکن میں نے کہا نا کہ اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ انہیں کسی پر تشدد وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر میتہ پلانٹ تکمیل ہو چکا ہے اب تم چاہو یا نہ چاہو ناگزیر کیونکہ میری مرضی ہوئی۔

"آخر تم ہو کوں۔ پتا سامن نے سوال کیا۔ مجھے کچھ ایسا شہر ہو رہا ہے جیسے میں نہیں جانتا ہوں۔  
"ہم دو لوگوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں مگر

سامن! اس نے کہا۔ لیکن پہلے تمہیں یہ بتا دوں کہ جو تم بھی ایک سائنس دان ہو۔ اس لئے تمہارے سامنے کسی دوسرے تیارے یا خلائی مخلوق وغیرہ کی بات نہیں ملے گی کیونکہ تم نے یہاں آئے ہی یہ اندازہ کر لیا ہو گا کہ یہ سائنس کے کٹھن ہیں۔ اور تم نے ہمارے ڈاکٹر میتہ پلانٹ کے بارے میں بھی اندازہ کر لیا ہو گا۔

"ہاں مجھے بہت کچھ اندازہ ہو گیا ہے۔ سامن ایک دیوار کی طرف دیکھتے ہوئے۔ لولا یعنی تم ان سے سائنس شعبہ کی مدد سے لوگوں کو اغوا کیا کرتے ہو پھر انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے ہو۔ یہ ڈاکٹر میتہ پلانٹ تم نے اسی نے بنا دیا ہے کہ اگر کوئی تمہارا ساتھ نہ دینا چاہے تو تم اس ہی جیسا کوئی دوسرا انسان تخلیق کر لو گے۔

"یہی بات ہے سر سامن! اس نے بھتے ہوئے کہا۔ اب تم ناگزیر کو صور حال سمجھاؤ۔ میں حاربا ہوں۔

"وہ آواز جس طرح آجائے پیدل ہوئی تھی اسی طرح غائب ہوئی۔ اس آواز کے غائب ہونے ہی ناگزیر نے ایک دھچک کے عالم میں سامن کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھ کو ان کے لئے ہتھیار سب کیا چکر ہے۔ یہ آوی کیا کر رہا تھا؟

"میر لیا ہے کہ اس آوی نے اپنی سائنسی سلطنت قائم کر رکھی ہے۔ سامن نے بتایا۔ وہ خود کو چکے کر وہ تو یہوں کو اغوا کر کے لایا کرتا ہے۔ اور ان کو بلیک میل کر کے ان کی دولت اپنے مقاصد کے لئے حاصل کر لیا کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک سائنسی سلطنت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت دولت کی ضرورت ہوگی۔ پہلے وہ تشدد کیا کرتا تھا۔ لیکن اب اس نے ایک دوسرا سائنسی طرز استعمال کیا ہے اور وہ ہے منتقلی جسم کا۔

"میں نہیں سمجھ سکا یہ کیا چیز ہے۔ ناگزیر نے پوچھا۔  
"وہ اس پلانٹ کے ذریعے تم جیسے ہی ناگزیر تخلیق کر سکتا ہے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہاں ممکن ہے؟

"ناممکن نہیں۔ اس دور میں سب کچھ ممکن ہے اور اب مجھے یاد آ رہا ہے کہ یہ شخص کون ہے۔ کئی زمانے میں میرا ایک کلاس فیلو ہو کر تھا تھا لبرلک انتہائی ذہین انتہائی تیز ذہن انتہائی شاعر ہیں۔ اس کے لیے اور آواز سے اس کو پہچان لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ یہ وہی شخص ہے۔ اگر وہی

ہے تو پھر اپنے ملک کی خیر مناد یہ بلوچے ملک کو تباہ کرنے کے رکھ دے گا؟  
 ”مجھے اپنے ملک کی نہیں صرف اپنی فکر ہے؛ ناگرنے کہا“ سوال یہ ہے کہ ہمارا کیا ہو گا؟  
 ”جہاں تک تمہارا سوال ہے تو تمہاری جمع کی ہوئی دولت حاصل کرنے کے بعد وہ تمہیں کتنی چھوٹے موٹے کام پر لگا دے گا۔ کیونکہ اس کے بعد تمہارا مصروف ختم ہو چکا ہو گا۔ تمہاری مثال اس گنہ جیسی ہو جائے گی جس کے اندر سے رس نکال لیا جاتا ہے جبکہ میرے اور شاید اکثر مومن کیلئے یہ صورت حال کچھ مختلف ہوگی“  
 ”وہ کیوں؟ اس بارہ ڈاکٹر فوتہ نے بلوچوں کو بہت دیر سے خاموش بیٹھا ہوا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔

ہم دونوں کے درمیان ابھی خاصی پہچان سہی ہے مگر تم نے مجھے کیوں قید کر رکھا ہے۔“

”اس میں جہراں ہو۔“ والی کوئی بات ہمیں ہے سناں“

یہاں تک پہنچے ہوئے، بولا، جب کوئی شخص کسی بڑے مقصد کی طرف اپنے قدم بڑھاتا ہے تو اسے بہت سی چیزیں اپنے دامن سے جھٹک دینی پڑتی ہے۔ ان میں دوستی، محبت، رفتے ناطے سب کچھ شامل ہیں، میں نے بھی ایسے چھوٹے چھوٹے جذبوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا ہے۔ میں اب رنختے ناطوں کے چکر میں نہیں پڑتا، جہاں تک تمہارا سوال ہے تو تم ایک ذہین انسان ہو اور میں نہیں جانتا کہ میں کرنا چاہتا ہوں تم میرے ساتھ رسوے، میری خیریتم کے لئے مفید ثابت ہوئے“

”تم نے میرے ہمارے میں کیا سوچا ہے، تاکہ حلق پھاڑ

اسے اٹھا کر پھانسی دے اے میں۔ میں ارجا جاننا تو میرا  
جہاد ہے جو ان کے قتل سے بھی لایا جاسکتا تھا۔ لیکن اس  
کے لئے مجھے دوسرے ذرائع استعمال کرنے پڑے تھے  
لیکن یہ میری فحش منتی ہے کہ کوئی لوگ میرے دائرے میں  
آئے اور میں انہیں اپنی المیہ بھڑشوں کے ذریعے  
بے ہوش کر کے یہاں لے آیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اب  
بہت بائیں ہو چکیں۔ اب تم لوگ میری بیٹی کی میر کر لو  
میرا کہی کا اولاد غائب ہوئی اس کے ساتھ، یہ رنگ  
بدلتی ہوئی ایک دیوار درمیان سے اس طرح حق ہوئی جیسے  
میں نے تلوار سے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں۔ دروازہ نمودار  
ہوئے، یہ دو ایسے آدمی گھر سے ہوئے دکھائی دیئے جو چلی  
نے ایسے لباس پہن رکھے تھے جو چاندی کی طرح چمک  
رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اتول بنی چھوٹے سے

سے نکل کر سنا چاہتا تھا، لیکن پھر یہ سمجھ کر خاموش ہو گیا۔  
 یہ دونوں ہی اسے دھوکہ دینے والوں میں سے تھے۔  
 چاہے وہ ایک دوسرے سے لڑنے لڑتے مری کیوں نہ  
 چاہیں، رہ نہ تو اس سے کیا واسطہ تھا۔  
 "اب میں آپ میرے ساتھ چاہیں، ان میں سے ایک  
 آدمی نے ہمت کو خراب کیا، باس کا حکم ہے کہ آپ کو ہستی  
 کی سیر کرادی جائے؟  
 "کیوں نہیں سمجھ؟ ہمت کو ہلاکا تھا، اور یہ دونوں، اس  
 نے ناگ اور سائن کی طرف اشارہ کرکھا تو ابھی تک ایک دوسرے  
 سے لکھے ہوئے تھے۔  
 "پھر ڈیس انہیں، ابھی، کبھی باس کا پین ملامت ہے  
 ان دونوں کی فکر نہ کی جائے؟  
 ہمت نے ایک لڑکا ناگ اور سائن ہر ڈال، درحکدار



راہے بہادر کا خطاب اسے انگریزوں نے دیا تھا اور بے پناہ دولت اس نے اپنی سرکاری اور ظلم و جبر سے حاصل کی تھی۔ پچھلے ایک سال سے رائے بہادر اپنے علاقے سے غائب تھا۔ بتایا گیا تھا کہ وہ شکار کھیلنے گیا تھا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا اور قوت گرد نہیں آیا۔ اس کے بارے میں کبھی خیال کیا گیا تھا کہ وہ مر چکا تھا۔ لیکن اب رائے بہادر اس کے سامنے تھے۔

ہر سوج بھی نہیں سکتا تھا کہ رائے بہادر جیسے آدمی کی اتنی بڑی حالت بھی ہو سکتی تھی اس کے جسم پر بہت معمولی سا لباس تھا۔ نماز دوری والا اس کے چہرے پر برقاقت ظاہر تھا۔ اس کے کال اندک کی جانب دھنس گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے بنے ہوئے تھے۔ جنتی اگر یادداشت بھی نہیں ہوئی تو شاید وہ رائے بہادر کو بھی نہیں پہچان سکتا اور ابھی وہ رائے بہادر کی حالت پر خود ہی کر رہا تھا کہ کوئی آدی چلتے چلتے اس سے ٹکرایا۔

اس نے فریاد بجا اور اس کی حالت عجیب ہوئی اس سے ٹکرانے والا بھی رائے بہادر ہی تھا۔

ان دونوں کو لہار کی بہن جو زلیخان کے ساتھ بستے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔

جو زلیخان نے اس دوران ہر طرح ان کا ساتھ دیا تھا۔ وہ انہیں آکر بوتا بکرتی کہ لہار کے ان دونوں کی تلاش میں بولسے علاقے کو چھان مارا ہے۔ ان کی کچھ باتیں نہیں آ رہیں کہ یہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ چونکہ جو زلیخان لہار کی بہن تھی۔ اسی لئے اس کو یہ باتیں سنائی آتیں۔ لہذا ان کے لئے تھے جو لہار کو ان کے ہونے کی خبر دے سکتے۔

وہ ان کو بولسے علاقے میں جا سکی کہنے والے آلات کا جان لیا۔ بولسے علاقے کے لئے ان آلات جو زلیخان کے گھر میں بھی تھے۔ لیکن جو زلیخان نے ہنگامہ کر کے ان آلات کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ اس طرح وہ دونوں سکون سے اس کے ساتھ رہ رہے تھے۔

لیکن ان دونوں کو یہ معلوم تھا کہ ان کا سکون ماضی ہے۔ وہ آخر کتنے دنوں تک یہاں جیسے رہ سکتے تھے۔ ویسے ان کے لئے بہت بڑی بات تھی کہ خود لہار کی بہن بھی اس کے خلاف تھی۔ اس نے اپنے بھائی کے خلاف ان دونوں کی مدد کی تھی۔ بلرام اور ہمارا جہ دونوں ہی اس لڑکی سے بہت متاثر نظر آتے تھے۔

جو زلیخان کا ارادہ تھا کہ وہ کوئی راستہ دیکھ کر ان دونوں کو اس علاقے سے باہر بھیج دے گی لیکن بلرام نے اس طرح جانے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ اس بولسے علاقے اس لڑکی کو تباہ کر دینا چاہتا تھا۔ وہ ایک خوب وطن زمین اور بہادر آدمی تھا۔ اسے اپنی جان کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ اپنے ملک کی زمین پر پیدا ہو جانے والے اس ناسمجھ کو ہمیشہ پیش کے لئے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ وہ جانے تھا کہ اس سائنس نگری میں اس کی کوئی بساوا نہیں ہے۔ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ اکیلا لہار کا اور اس کے ساتھیوں کا کچھ نہیں لگا کر سکتا تھا اس کے باوجود اس نے اپنے طور پر کوشش کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ اس کی جان چلی جاتی۔

اور اب یہی حال ہمارا جہ آف نمل گروہ کا بھی تھا۔ نمل نے کہا سوج کر انہوں نے بھی بلرام کا ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ایک دن جو زلیخان نے ان دونوں کو ایک ایسی خبر سنائی جو ان کے لئے بہت پریشانی کا باعث تھی۔ اس وقت وہ دونوں چلے۔ بلرام نے کچھ جھجھکاؤ نہیں کیا۔ وہ ایک مخصوص انداز سے دستک دیا کرتی تھی اور اس شخص دستک کو سن کر وہ دونوں کچھ جلتے تھے کہ انے والی جو زلیخان ہے۔ اگر دستک کا انداز مختلف ہوتا تو وہ دونوں اس استور روم میں بند ہو جاتے۔ جو زلیخان نے ان کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

تو وہ اس وقت جانے ہی رہے تھے جب جو زلیخان کی مخصوص دستک نے انہیں جوڑا کر دیا۔ اس طرح چونکے کی وجہ یہ تھی کہ وہ بہت جلدی واپس آئی تھی۔

بلرام نے جلدی سے دروازہ کھول دیا جو زلیخان بہت پریشان پریشان ہی اندر آئی تھی۔

"کیا بات ہو گئی خیر نہیں ہے۔ بلرام نے دروازہ بند کرتے ہی اسے دریافت کیا۔

"لہار کے لئے ہندوستان ہر قدم کرنے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس کی تکمیل کا وقت اب آ پہنچا ہے۔ جو زلیخان نے بتایا۔

"کیا مطلب؟ ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"خدا کی پناہ۔ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اب کیسی تباہی ہوئے والی ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس کے شیطان ذہن نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ پوری انسان تاریخ

میں اپنی مثال آپ ہے۔

"تم ذرا اطمینان سے بتاؤ۔" ہمارا جہ نے کہا۔ کیا مسئلہ ہے؟

"اس نے ٹرانزٹ پلانٹ مکمل کر لیا ہے۔ جو زلیخان نے بتایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سب کے سب اس کے اختیار میں چلے گئے۔

"میں کبھی تک نہیں سمجھ سکا۔ جو زلیخان نے بتایا۔ اب اس کے حساس کمپیوٹر کو کسی بھی انسان کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کر دی جاتی ہیں۔ یعنی وہ خود کیسا ہے اس کا قد کتنا ہے۔ اس کا وزن کتنا ہے۔ اس کی عادات کیا ہیں۔ اس کی تحریر کا انداز کیا ہے۔ اس کی آواز کیسی ہے۔ پھر وہ کمپیوٹر اس انسان کی سینکڑوں غلطیوں تیار کر دیتا ہے۔ حتیٰ ایک انسان کے ہزاروں انسان۔

"خدا کی پناہ! بلرام اچھل پڑا۔ یہ کیا کر رہی ہو۔ اس طرح تو؟

"ہاں۔ میں اسی خطرے کی نشان دہی کرنا چاہتی ہوں جو زلیخان نے کہا۔ وہ اگر چاہے اگر چاہے تو اپنی آنکھوں کی فوج تیار کر سکتا ہے۔ اس ملک کے حکمران کی سینکڑوں غلطیوں تیار کر دیتا ہے۔ اب تو خودی انداز لگا کر اس طرح نفی افرا تفری جنے والی ہے کہ تین ہزار طوفان آنے والا ہے۔ اس کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں ہوئی اس کی فوج ہندوستانی فوج سے بھی تعداد میں سو گنا زیادہ ہو جائے گی۔

بولسے ملک میں اس کے آدی دکھائی دینے لگے۔ ہر جگہ ہو گا۔

"یہ تو بہت ہی خطرناک بات ہے۔ پتی بہت ہی خطرناک لیکن کیا ایسا ممکن ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں کسی جادوگر کی کہانی سن رہا ہوں۔

"اس دور میں سب کچھ ممکن ہو گیا ہے۔ ہمارا جہ صاحبہ جو زلیخان نے کہا۔ یہ سائنس کی معراج کا دور ہے۔ یہاں عقل کم ہو کر رہی ہے۔

"تو پھر اس کا کیا علاج ہو؟ بلرام نے پوچھا۔

"اس کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ اس کی طرح اس پلانٹ کو تباہ کر دیا جائے۔ جو زلیخان نے بتایا۔ لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے۔ اسے سخت حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں کہ خود لہار کو بطور کی سبکدوش سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس بات تک صاف ناممکن ہے۔

"تو پھر کیا ہم اس شیطان کو سن مانی کرنے دیں؟ ہمارا جہ

بڑھانے سے وہ قواسم کی جادوئی بدولت پوری دنیا کو تپت کر کے رکھ دے گا۔

"یہی تو مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس پلانٹ کے تخلیق کردہ انسان کے ساتھ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر اصل انسان کو ہلاک کر دیا جائے تو اس جیسے جتنے بھی بنائے گئے ہوں گے سب کے سب خود ہی ہلاک ہو جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں کی کچھڑ میں ہم کہاں اصل انسان کو تلاش کرتے پھریں گے۔ اور کس کو ہلاک کریں گے؟

"یہ تو واقعی بہت ہی بڑا ہوا۔ بلرام نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کل ہمیں جو زلیخان بھی سینکڑوں کی تعداد میں گھومتی ہوئی دکھائی دے جائیں۔ جو زلیخان ان دونوں کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ کیونکہ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ اپنے آپ کو۔ پچانے کے لئے وہ سینکڑوں لہار کی تخلیق کر ڈالے۔ تو پھر کیا ہو گا؟

"اگر اس کے پاس کسی کاریگر ذہن ہو تو بلرام نے کسی خیال کے تحت پوچھا۔

"تو پھر کچھ نہیں ہو گا۔ جو زلیخان نے کہا۔ کیونکہ اسے جب اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں ہو گا تو وہ کمپیوٹر کو کہاں سے فہم کر سکے گا؟

"میرے ذہن میں ایک بات آدی ہے۔ بلرام کچھ بچتے ہوئے بولا۔

"وہ کیا؟

"دیکھو اس ملک کو بلکہ اس پوری دنیا کو اس شخص کے شیطان ارادوں سے بچانے کے لیے۔

بلرام نے کسی نہ کسی کو قربانی دی ہوگی۔ لیکن ہے کہ ہم تینوں ہی اس مقصد میں کام آجائیں۔ لیکن ہم نے اپنی جان دے کر بھی دنیا کو اس آنے والے طوفان سے بچایا تو بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا ہم میں سے کوئی شخص اس طرح اس پلانٹ تک پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ اس مسئلے میں میں خود اپنے کو پیش کر رہا ہوں۔ اگر مجھے کسی طرح اس پلانٹ تک پہنچا دیا جائے تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں پہنچ کر اسے تباہ کرنے کا کوئی طریقہ ذہن میں آجائے۔ لیکن اصل مسئلہ تو وہاں تک پہنچنا ہے۔ ہمارا جہ نے کہا۔ تم نے سن نہیں کر وہاں کتنے زبردست حفاظتی انتظامات کئے گئے ہیں۔

"یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں شکار بن کر وہاں تک پہنچنا

جاہتا ہوں؟

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ بیمار کے آدی مجھے پہنچا دیں۔ اور بیمار کے جھجھکیے انسان تیار کرنے کے لئے مجھے اس پاور پلانٹ تک پہنچا دے۔ اس طرح وہاں تک پہنچنے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس کے بعد سوچا جائے گا کہ آئندہ کب بیمار ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ ایک مرحلہ تو طے ہو گا۔“

”پلانٹ تک پہنچنے کی بیماری ترقیب تو بھی ہے لیکن اس میں ناکامی کا بھی اندیشہ ہے۔ جو زلیخا نے کہا: ہوسکتا ہے کہ وہ بیمار سے ساتھ کوئی اور سلوک کرے۔ یہیں پلانٹ تک جانے ہی نہ دے؟“

”ایکانات تو ہر جگہ ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے یہیں اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی ہو جائوں۔ ابھی سے کیا کہا جا سکتا ہے؟“

”چلو مان لیا کہ تم وہاں تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد کیا کرو گئے۔ ظاہر ہے کہ تم اپنے ساتھ کوئی ہتھیار تو نہیں لے جا سکتے؟“

”میں کہنا کہ ابھی اس طرف میں نے کوئی دھکیلا نہیں دیا ہے۔ میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے۔“

”اگر تم لوگ جوہر لوئیں ہر دو فیصد یہ کمال کی مدد حاصل کر لوں۔ پھر زلیخا نے بولو چلا۔“

”کون ہے یہ میرا کمال؟“

”ایک بہت ہی ذہین سائنسدان ہے۔ جو زلیخا نے جواب دیا:“

”ہوسکتا ہے کہ میرا اندازہ غلط بھی ہو لیکن میں لے جسوں کیا ہے کہ میرا کمال بھی بیمار کی اس پالیسی سے خوش نہیں ہے۔ حالانکہ اس نے مجھ کہا نہیں ہے لیکن اس کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا۔ خاص طور پر اس ڈالٹریٹ پلانٹ پر لکھتے کہتے ہوئے اس کا جو بہت بڑا ہو رہا تھا۔“

”ہوسکتا ہے کہ بیمار اندازہ درست ہو یا بیمار جتنے کہا۔“

”مخالفے کہنے لوگ ایسے ہوں گے جو بیمار کے خلاف ہوں گے۔ یعنی وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں۔ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ ہم اسے سامنے سب سے بڑی مثال خود بیماری ہے۔ تم اس شخص کی بہن ہو۔ سب سے زیادہ تم میرا کا اثر ہونا چاہتے ہو۔ لیکن تم اس سے کتنی متنفر ہو۔ بیمار کا یہ اشارہ تو ہی انتہا امت کے لئے ہے۔ اسی طرح لیکن ہے کہ وہ میرا کمال بھی زندہ ضمیر کا شخص ہو لیکن ہے کہ

وہ بھی بیمار کے خلاف ہو۔ لیکن حالات کی وجہ سے خاموش ہوئے۔“

”اس بیمار کمال کو آزما لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ ابھی بولا ناکامی اور کامیابی کو ساتھ لے ہی رہتے ہیں۔ اس میں بھی آدھے آدھے امکانات موجود ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر میں ابھی اس موضوع پر اس سے بات کرنے آئی ہیں۔ جو زلیخا نے کہا:“

”ہوسکتا ہے کہ اس کے ذہن میں کوئی ایسی ترقیب ہو جس کی مدد سے اس بلا کا خاتمہ کیا جاسکے؟“

”تم اسے جندے کو دیکھو کہ بیمار کو حاصل ہر جتنا جا رہا ہے۔“

”یہی ہے بیمار جو آسودہ نمی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔“

”اور میں بھی بیمار کی اس عظمت کو سلام کرتا ہوں۔“

”بلکہ اس نے کہا۔“

”جو زلیخا نے سچے سچے مسکراہٹ آئی۔ اس کی آنکھیں اس کے اندرونی احساس کی وجہ سے روشن ہوئی تھیں۔“

”وہ اس شام ایک اور غیر آدنی کو اپنے گھر لے آئی۔“

”یہ ڈاکٹر میرا کمال تھا۔ جس کے بال سفید ہو چکے تھے۔ لیکن اس کی روشن آنکھیں حرارت کا احساس دلاری تھیں۔ اور“

”جو زلیخا نے اس وقت تک اسے بیمار اور بیمار کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ ان دونوں کو اسی اسٹور میں چھپا دیا گیا تھا۔ جہاں وہ جا کر چھپ جاتے تھے۔“

”آپ یہاں اطمینان سے باقی رہیں گے۔ میں مسٹر کمال“

”جو زلیخا نے یہ کمال کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:“

”کیونکہ یہاں جا سوتی کرتے والے آلات نہیں ہیں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔“

”میرا کمال بیٹھنے ہوئے بولے۔“

”ظاہر ہے تم کو خصوصی رعایات حاصل ہوں گی؟“

”یہ رعایات حاصل نہیں ہوتی ہیں بلکہ حاصل کی گئی ہیں۔“

”جو زلیخا نے کہا:“

”میرا کمال کو یہ نہیں معلوم کہ مسٹر کمال کے ذہن میں بھی یہاں رہنے والے ان ہزاروں لوگوں سے مخفی نہیں ہوں جو یہاں سے بے بسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔“

”کیا کہہ رہی ہو تم؟“

”میرا کمال نے حیرت ظاہر کی۔“

”میں سچ کہہ رہی ہوں مسٹر کمال۔“

”جو زلیخا نے ایک گہری سانس لی۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ میں آپ سے جو کچھ کہنے والی ہوں۔ وہ دراصل آپ ہی تک محدود ہے۔“

”یہاں نہیں لیکن میں نے بہت ہی تجویر ہو کر یہ قدم اٹھایا ہے۔“

میرے سامنے ایسے ضمیر کو مطمئن کرنے کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ میں ہر اس شخص سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں جو دراصل ابھی زندہ ضمیر رکھتا ہے۔“

”میں نے تجویز کیا ہے کہ آپ اس مقام پر بیٹھیں سب سے مختلف ہیں۔ سب سے جدا ہیں۔ کیونکہ میں نے آپ کی بات کو میں پیش کیا اور کرب محسوس کیا ہے اور یہ آپ کے زندہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔“

”میرا کمال نے کچھ کہنے کی کوشش کی پھر ہلکا کر رہ گیا۔ شاید وہ کچھ بولنے سے پہلے جھک کر رہا تھا۔“

”ہم دونوں کو ایک دوسرے پر اعتماد کرنا پڑے گا۔“

”مسٹر کمال۔“

”جو زلیخا نے کہا:“

”درست ہے کہ بیمار میرا کمال ہے۔ اس کا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“

”تم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بہت قربت بھی کی ہے۔ لیکن اب میرے اور اس کے راستے بالکل مختلف ہو گئے ہیں۔ اس نے شیطانت اختیار کر لی ہے۔ وہ اب کسی کا دوست نہیں رہا۔ سارے رشتے اس سے لے کر بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ایسے کسی شخص کا ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔“

”تم ٹھیک کہتی ہو؟“

”میرا کمال دھیرے سے بولا:“

”لیکن میں“

”شاید آپ کو ابھی تک میرے مخصوص ہر نہیں نہیں آیا ہے۔“

”اس میں آپ کا بھی کوئی قصور نہیں ہے۔ آپ کو قضا طرہ بنا ہی چلی ہے۔“

”کیونکہ میں بیمار کی بہن ہوں۔ لیکن میرے پاس آپ پر سچی ثابت کرنے کے لئے ایک ایسا ثبوت موجود ہے جس کو دیکھ کر آپ جہاں رہا ہیں گئے۔“

”میرا کمال نے پہلے آپ وہ ثبوت دیکھ لیں پھر آپ سے باتیں ہوں گی۔“

”جو زلیخا نے اتنا کہہ کر صوفے سے اٹھی اور اس کے کمرے کی طرف آئی جس میں بیمار اور میرا کمال چھپے ہوئے تھے۔“

”تم دونوں کو اب میرا کمال کے سامنے چلنا ہو گا۔ اس نے کہا:“

”ہوسکتا ہے کہ یہ جاؤ۔ لیکن خطرہ مول لینا ہی ہو گا۔“

”ٹھیک ہے۔“

”بیمار نے آمادی ظاہر کر دی۔“

”میں تیار ہوں۔“

”جو زلیخا نے ان دونوں کو دریا تک روم میں لے آئی جہاں کمال بیٹھا اور بیمار کمال جو زلیخا کے ساتھ دو کوہ میں کوہاؤد کچھ کر چلا رہا تھا۔ اس کے تاثرات یہ بتا رہے تھے کہ وہ ان دونوں کو یہی بتا نہیں تھا۔“

”یہ دو بچیں ہماری سہانی کے ثبوت۔“

”جو زلیخا نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا۔“

”کون ہیں یہ لوگ؟“

”یہ وہی دونوں ہیں جن کی تلاش میں بیمار کا کلام ہو چکا ہے۔“

”جو زلیخا نے کہا۔“

”کیا یہ میرا کمال اچھل پڑا؟“

”یہ وہی ہے۔“

”ہاں۔“

”یہ دونوں وہی ہیں جو جھگڑے سے غائب ہوئے تھے۔“

”جو زلیخا نے بتایا:“

”یعنی بیمار اور بیمار آف ٹیم گڑھ۔“

”اے۔ اب کچھ امیکا کے لئے ایک گہری سانس لی۔“

”دونوں کو غم سے بڑا ہے اسی لئے انہیں تلاش نہیں کیا جا سکا۔“

”ہاں اب بتائیں۔“

”کیا آپ ابھی کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ میں اپنے بھائی کا ساتھ دے رہی ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔“

”میرا کمال نے جلدی سے اپنی گردن ہلانے کی۔“

”تم نے بیمار کے مخالفین کو بڑا دھڑکتا ہے۔ اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے۔ اور اب میں کچھ کچھ کہہ رہا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک زندہ ضمیر کا آدی ہوں۔“

”اسی لئے اس کے منصوبوں اور ارادوں سے مجھے اختلاف ہے۔ لیکن میں اس کے خلاف کچھ کرنے میں کمر بستہ ہوں۔“

”اس سمنہ میں میری جیت ہی کیا ہے۔ ایک نظریے کی طرح میں اس کی طاقت اور ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

”اسی لئے خاموش ہو کر رہ گیا ہوں۔“

”آپ نے اسے دل سے بڑا کچھ ہے۔“

”مسٹر کمال اس لئے آپ بھی، معاملے کے ساتھ اس جنگ میں شریک ہیں۔“

”بیمار نے کہا۔“

”لیکن بیماری یہ ہے۔“

”میں نے جنگ کوئی اہمیت نہیں دیتی۔“

”ہم بیمار کے منصوبہ طے نہیں کوئی رخصت نہیں خال سکتے ہیں۔“

”یہاں نے ایسی خواہش کی۔ لیکن میرا یہ دل کو سوس کر رہ گیا۔ اب یہ حالت ہو چکی ہے کہ کھلی ہوئی جس آنکھوں سے اس کے منصوبوں کو تجھیل تک پہنچے ہوئے دیکھتا رہتا ہوں۔“

”لیکن کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“

”اور اب تو اس نے ڈالٹریٹ پلانٹ کی بھی تجھیل کر لی ہے۔“

”جو زلیخا نے اس کی طرف دیکھی ہوئی ہوئی۔“

”یہ اس صدی کا سب سے بڑا کامیاب اس کے قصبے میں آگیا ہے۔ اب وہ اس کی مدد سے جوڑی جائے کر سکتا ہے۔“

”فرض کر لو کہ پلانٹ ہی تیار ہو جائے تو کیا ہو گا؟“

ہمارا جانے، پوچھا۔  
 "اول تو ایسا ہونا ممکن ہے" میرا کمال نے بتایا۔ اور اگر وہ پلانٹ تباہ ہو گیا تو پھر سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ اس علاقے میں انہی تباہی پھیلنے کی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی بنا ہی ہوئی یہ سائنسی ہستی اس طرح جھک سے اڑ جائے گی جیسے اس پر آج بھر گر دیا گیا ہو۔ ایک ایک کر کے ساری عمارتیں تباہ ہو جائیں گی۔ اگر درگزر دیکھیں تو ہرے سارے لوگ ہلاک ہو جائیں گے۔ اور یہ عمل ملکوں میں مکمل ہو جانے کا ایک بہت سبب، یہ فضا بھر کر رہ جائیں گے لیکن یہ صرف اسی وقت ہو گا جب کوئی اسے تباہ کرنے کے ارادے سے اس پلانٹ تک پہنچے۔ میں کامیاب ہو جائے اور ایسا کوئی نہیں سکتا۔  
 "کیا اس پلانٹ کو دوسری چیزوں سے منسلک کر دیا گیا ہے؟ بلکہ ہم نے پوچھا۔" پھر مطلب ہے کہ صرف پلانٹ کی تباہی سے باقی سب کچھ کس طرح تباہ ہو جائے گا؟  
 "میرا کہنے اسے اس اہم ترین پلانٹ کی حفاظت کے لئے یہ ترکیب اختیار کی ہے" میرا کمال نے بتایا۔ وہ جانتا ہے کہ اگر کسی نے اسے تباہ کرنے کی حماقت کی تو وہ اپنے ساتھ ساڑھے ہزاروں دوسرے لوگوں کو بھی تباہ کر دے گا۔ اسی لئے ہمارے خیال میں اس حماقت کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا۔  
 "کاش میں اس طرح اس پلانٹ تک پہنچ سکتا۔ بلکہ ہم نے میرا کمال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ میرے ذہن میں اس پلانٹ تک پہنچنے کی ایک ترکیب ہے۔  
 "وہ کیا؟" میرا کمال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔  
 "تو ہی ترکیب؟"  
 "وہی تو اس پلانٹ تک جانا مشکل ہے لیکن اگر ہمارے کسی کی عقل تیار کر لی جائے تو پھر ان خیال ہے کہ اس شخص کو یقیناً پلانٹ تک جانا ہونا ہو گا۔"  
 "یقیناً؟" کہو تو وہ پلانٹ دراصل بیٹھے کا ایک بڑا سائیں ہے جس کے اندر اس شخص کو بند کر دیا جاتا ہے جس کی عقلیں تیار کر لی ہوئی ہیں۔ پھر اس بال میں موجود اس قسم کے دوسرے گینوں میں اس شخص کی عقلیں دھنسنے لگی ہیں۔ یہ جادو کا سا کھیل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو ایسے بال میں کھڑا کر دیا جائے جہاں ہر طرف ہزاروں آئینے لگے ہوں۔ ایسی صورت میں وہ خود تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن عکس ہزاروں ہو جاتے ہیں۔  
 "مگر اس پلانٹ تک ہم کوئی خفیہ ہتھیار لے کر نہیں

جاسکتے۔ بلکہ ہم نے پوچھا۔  
 "ہرگز نہیں۔ اس کیس کے اندر اس شخص کو لے لیا اس کے ساتھ جانا ہے۔ اور ہاں۔ ایک بات یہ میرا کمال اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے اس کے ذہن میں کوئی بات آئی ہو پھر وہ خود ہی، کھلنے لگا۔ "نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ نا ممکن۔"  
 "مگر بات، ہو گئی مگر میرا کمال نے جو نقصان نے پوچھا۔  
 "آپ کے ذہن میں اگر کوئی نا ممکن ترکیب بھی ہے تو ہمیں بتا دیں۔ بلکہ ہم نے کہا۔ "تو سنا ہے کوئی راستہ نکل ہی آئے؟"  
 "ہے ایک ترکیب۔" میرا کمال دھیرے سے بولا۔ لیکن یقینی موت کے ساتھ۔  
 "میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"  
 "بات یہ ہے کہ میں ہر قسم کے ہم بنانے میں ماہر ہوں۔" میرا کمال نے بتایا۔ "میں نے ایسے ایسے ہم ایجاد کئے ہیں جن کا تصور ہی نہ تھا۔ صرف تصور کی مدد سے بچھا دیا جاسکتا ہے۔ اور یہ ہم ایسی تباہی برپا کر سکتے ہیں جن کا تصور بھی خیال سے نہیں ہوں کو تصور کرنے کا ہر خیال لیا ہے۔ میں ایک انتہائی طاقتور ہم کو اختیار کر سکتا ہوں کہ وہ لوٹ کے بن کے برابر ہو جائے اور کمال یہ ہے کہ اس کی تباہ کاری کی قوت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔  
 "یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اگر مجھے کوئی ایسا ہم مل جائے تو میں پلانٹ تک پہنچنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"  
 "نہیں۔ ہم مل جائے تھے باوجود وہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ میرا کمال نے کہا۔ "اس کی وجہ میں بتا چکا ہوں یعنی اس بال تک جہاں وہ پلانٹ رکھا ہے کوئی بھی لاس نہیں لگائیں جاسکتا۔ ہر ایک کو لے لیا، ہو کر جانا ہوتا ہے۔ اور یہ لیا ہونے کے بعد بھی حساس آلات، پوری طرح اس کی تلافی لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں صرف ایک ہی طریقہ رہ جاتا ہے۔"  
 "وہ کیا؟"  
 "وہ طریقہ یہ ہے کہ وہ ہم جسم کے اندر موجود ہو۔"  
 "کیا؟ سب، یہی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے تھے۔  
 "ہاں۔ یہی ایک طریقہ ہے۔ اگر اس ہم کو پلانٹ کے ذریعے کسی کے جسم میں رکھ دیا جائے تو پھر وہ ہم اس پلانٹ تک پہنچ سکتا ہے۔  
 "لیکن اسے پہچاننے کی کیا ترکیب ہوگی؟"  
 "خیال کے ذریعے۔" میرا کمال نے بتایا۔ "فریکوئنسی ایک کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد خیال کی لہروں کے ذریعے

ہم کو بچاؤ جاسکتا ہے۔"  
 "آپ کی پیش کش کا بندوبست کریں۔ میں اس ہم کو جسم کے اندر رکھنے کو تیار ہوں۔ بلکہ ہم نے کہا۔  
 "میں نے تم دونوں کے لئے ان ہیروں کو جانے کا ایک بندوبست کر دیا ہے۔" رتنالے موہن اور موہن کو بتایا۔  
 "موہن اور موہن نے بستی کے سرور گوندلے کے خاص آدمی رتنالے ہمداری صورت حال واضح کر دی تھی۔ اور اسے اس بات پر گامی تھا کہ وہ ان ہیروں کی چوری کا بندوبست کر دے تاکہ وہ ہرے چور کو سرور گوندلے کے اصل حقار کو دے دیے جائیں۔ اور وہ ان ہیروں کی مدد سے اس بستی کے سرور بن کر ان میں لگیوں کو ہار لڑکا ل دیں۔ چہلنے لے بستی پر اپنا تسلط قائم کر رکھا تھا۔ موہن نے رتنالے کو ہمداری تھا کہ وہ جب بھی اس قسم کا کوئی بندوبست کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو ان کو بتا دے۔ اسنے وعدے کے مطابق رتنالے دونوں کو بتانے کے لئے چلا آیا تھا۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی تھی کہ وہ اور گوندلے اس بستی سے غیر ملکیوں کے تسلط کو ختم کرنے کے لئے کتنے سنجیدہ تھے۔  
 "موہن نے رتنالے اس تپے سے آگاہ کر دیا تھا جہاں ان دونوں نے اپنی رہائش اختیار کر رکھی تھی۔  
 "رتنالے آئے۔ یہی ان دونوں کو یہ خبر سنا دی۔  
 "واہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔" موہن نے کہا۔  
 "میں سمجھ رہا تھا کہ تم کوئی نوکری طریقہ تلاش کر ہی لو گے۔"  
 "ہاں۔ میں نے اور گوندلے دونوں سے مل کر اس مسئلے پر بہت غور کیا۔ بہت سوچا۔ اس طرح گوندلے کی سرورادی تو ختم ہو جائے گی لیکن اس کا ذہنی سکون اسے واپس مل جائے گا۔ وہ بہت الجھ کر رہ گیا ہے۔ اس کے پاس دولت بھی ہے اور یہی حد تک اقتدار بھی حاصل ہے لیکن اس سے کیا فائدہ۔ اس کی آزادی سلب کر لی گئی ہے اس کے ہر ہرے لگا دئے گئے ہیں۔ تم لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی حالت دیکھ چکے ہو۔"  
 "ہاں ہمیں اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا۔" موہن نے سوال کرتے ہوئے لایا۔ اور ہم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ تم لوگ یقیناً کوئی راستہ تلاش کر لو گے۔ تو پھر کیا طریقہ سوچا ہے؟  
 "آج رات کسی بھی وقت اس قبضے کے کسی شخص کو لوٹ دیا جائے گا۔ رتنالے بتایا۔

"میں ان دونوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔  
 "کیا پھر رہے ہو۔ یہ کوئی ہی ترکیب ہوئی۔"  
 "یہی وہ واحد طریقہ ہے جس کی مدد سے تم دونوں اس قبضے کے قریب پہنچ سکتے ہو۔ اور موقع دیکھ کر ان ہیروں کو لڑکا ل سکتے ہو۔"  
 "میں نہیں سمجھ سکا۔ آخر یہ کس طرح ہو گا۔ اگر وہ جتنے کسی جگہ سے لوٹ گیا، تو ہم اس کے پاس کس طرح سے جاسکیں گے۔"  
 "تم اس کی فکر مت کرو۔ ہم نے سب بندوبست کر لیا ہے۔ یہ رتنالے نے کہا۔ "تم دونوں جتنے ساز کی جتنے سے اس قبضے کی مرمت کے لئے اس کے پاس جاؤ گے اس طرح اس قبضے کے گرد و ایکڑ ونگ حفاظتی حصار قائم کیا گیا ہے۔ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور ہمیں ان ہیروں کو لگانے کا موقع بھی مل جائے گا۔"  
 "واقعی یہ تو بہت زبردست ترکیب ہے۔" موہن نے بھی اس کی تعریف کی۔ "لیکن ہمیں جتنے ساز کی تو نہیں آتی؟"  
 "کیا ضرورت ہے اس کی؟" موہن نے کہا۔ "ہمیں تو وہاں جا کر دوسرا کام کرنا ہے۔ پھر اس نے رتنالے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمداری ترکیب بہت زبردست ہے۔ لیکن اس میں ایک خطرہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگ اتنے بے وقوف نہیں ہیں کہ ہمارے کام کے دوران ہماری نگرانی نہ کریں۔"  
 "وہ یقیناً ہمداری نگرانی کریں گے۔ یہ رتنالے نے بتلایا۔  
 "لیکن ہمیں جو اور ذرا کام کئے جائیں گے۔ ان میں ایسے ہم بھی ہوں گے جو دھوکے بکھرتے ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ مندر کے اس حصے میں خون خرابہ ہوا ہی نہیں ہے۔  
 "وہاں ہم کا انتظار کیا گیا ہے۔ تم ان ہیروں کو حاصل کرنے کے بعد یا اس سے پہلے ان ہیروں کے ذریعے پہنچ کر دینے والا دھواں پھیلنا خود وہاں سے نکل سکتے ہو۔ یہ دیکھ لو کہ ہم نے جہاں کام آسان کر دیا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ تم لوگ ان ہیروں کو مندر سے باہر نہ لے کر میرے محلے کر دو گے۔ میں باہری خطرہ اہل ہوں گا۔"  
 "ہم نے تو یہ بات پہلے ہی کر لی تھی۔" موہن نے کہا۔ "ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ یہ علاقہ غیر ملکیوں سے خالی ہو جائے۔ چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے۔ چوری ہی ہوگی۔"  
 "بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ہمارے درمیان معاہدہ ہو گیا

تم جب وہ میرے مندر سے باہر لا دو گے تو پھر ہم ان بیروں کو ان کے حقداروں کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس لحاظ سے ہم تمہارے شکر گزار بھی ہوں گے جو تمہاری سازش کے اوڑھنا اور دیکھنا تمہاری آج شام تک مل جائیں گے مندر کا جلا بھاری عمارت سے ملتا ہے۔ تمہارے ہاتھ میں انہیں بتا دیا جائے گا کہ تم لوگ ماہر مجسمہ ساز ہو۔ اسی لئے تمہیں اس جیسے تک سینے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی لیکن میں ایک بار پھر واضح کر دوں کہ تم لوگ اگر بچاؤ کرنا ان بیروں کو غائب کرنا دیا جائے تو پھر شاید ایسا نہیں کر سکو گے؟

”دیکھو بھائی اگر تم ہمیں دھمکی دینا چاہتے ہو یا ہم پر اعتماد نہیں ہے تو اس قضیے کو ہمیں ختم کر دو۔ یہ یاد رکھنا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مومن تلخ ہو کر لڑا۔ معاف کرنا دوست۔ بات صرف اتنی ہے کہ ہم ان بیروں کی طرف سے بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ ہے وہ ہمارے لئے بہت بڑی جھینٹ رکھتے ہیں۔ وہ ہمارے لئے بہت مقدس ہیں۔ اسی لئے دل ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ وہ میرے مندر سے بھی لٹک جائیں اور میرے ساتھ بھی نہ آسکیں۔ ایسی صورت میں ہم تباہ ہو کر رہ جائیں گے۔ ہمیں تمہاری اس پریشانی اور احیاء کا بلور اندازہ ہے۔ مومن نے کہا۔ لیکن تم نے فکر نہ کیا۔ ان بیروں سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ہمارا کام صرف اتنا ہو گا کہ ہم کسی طرح ان بیروں کو مندر سے باہر لاکر تمہارے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد ہمارا شکر نہیں ہو جائے گا اور ہم تمہیں خدا حافظ کہہ کر روانہ ہو جائیں گے۔

ان کے درمیان معاہدہ طے پا گیا۔ رتن بہت خوش خوش واپس ہو گیا تھا۔ رتن کے جانے کے بعد مومن نے مومن سے بوجھا کہ تم اس شخص کو بے وقوف سمجھتے ہو؟

”ہم تم سے اس نے تمہارے دیا۔“

”پھر جب ہم ان بیروں کو باہر لائیں گے تو ہمیں گھر پر ہماری شکل تلاش کی جائے گی۔ ایسی صورت میں ہماری محنت کا فائدہ کیا ہوگا؟“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم دیکھتے تو رہو۔ مومن نے اسے تسلی دی۔“ میرے ہمارے پاس ہوں گے، یہ نہیں تو پھر وہ برآمد کھان سے کریں گے۔“

”کیا مطلب؟“ مومن نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا تم وہاں میرے نہیں چڑھ گئے؟“

”چراغوں کا ضرور لیکن ان بیروں کو مندر سے باہر نہیں لاؤں گا۔ میں جہاں بھی جانا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھتا ہوں۔ پھر جب رات پر جب ہم مندر میں گئے تھے تو میں نے ایک ایسی جگہ دیکھی تھی جہاں وہ میرے چھپائے جاسکتے ہیں۔ بعد میں وہاں سے ان بیروں کو نکال لینا دشوار نہیں ہو گا۔“

”لیکن تم رتن کو کچھ جواب دو گے۔؟“

”اس سے کہہ دوں گا کہ میرے چرنے کا کوئی نتیجہ مل سکا ہے۔“ مومن نے کہا۔

”لیکن اس نے میرے اگر غائب دیکھ لئے تو؟“

”تو پھر کہہ دوں گا۔ اول تو اتنی دیر نہیں بہت مدت دور نکل چکے ہوں گے۔ اس کے علاوہ ان بیروں کی جگہ نفی ہرے بھی لگا دیے جائیں گے۔ تمہارا کچھ اکیلا ہے کہ میں نے اپنے منصوبے میں کوئی غلطی بھی ہوگی۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ میرے منصوبے میں کوئی غلطی نہیں ہے میں نے بہت کچھ سوچا ہے۔ مجھ کو یہ منصوبہ بنایا ہے مجھے۔“

”مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ مومن نے کہا۔ لیکن تم نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہم لوگ یہاں سے نکلنے میں کس طرح کامیاب ہوں گے۔ میرا مطلب ہے کہ اس جیسی سے کیسے نکلیں گے۔“

”اس کا بھی انتظام ہو ہی جائے گا۔“

”تو پھر ہم کو کون کون سا پلان کر لینی چاہیں؟“

”ہماری شہزادیاں ہی کیا ہوتی ہیں؟ مومن مسکرایا۔ تم تم ہر جگہ غائب ہونا چاہو؟“

”ہم نے اسے ایسے ہی لے لیا۔“

”آپ دونوں کے لئے عزت مآب رتن نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ آپ کل صبح اپنا کام کر سکتے ہیں۔ آپ کے لئے راستے ہمارے گرد دیے گئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم نے ان کا پیغام موصول کیا۔ مومن نے ایک شان کے ساتھ کہا۔ ان سے کہہ دینا کہ ہم اپنے منصوبے پر پورا پورا عمل کر دیں گے۔“

”یار ہو کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو۔ رتن کے پیغام بر کے جانے کے بعد مومن، لولا، وہ کچھ متفکر دکھائی دے رہا تھا۔“

”کیسا دھوکہ؟ مومن کھڑا ہو گیا۔“ یار تم بھی عجیب آدمی ہو۔ سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم اسے دھوکہ سمجھ رہے ہو؟“

”یہ تو ہے لیکن یہ سب کچھ اتنی آسانی کے ساتھ ہو رہا ہے کہ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔ لگتا ہے کہ میں نہ کہیں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ ورنہ یہ ہم اتنی آسانی بھی نہیں کھتی۔“

”بعض اوقات جب کوئی دشواری اچانک آسان ہو جائے تو اسی قسم کا اندیشہ ہو کر رہتا ہے۔ مومن نے کہا۔ اسی لئے تمہیں سب کچھ ناقابل یقین محسوس ہو رہا ہے ورنہ ہرے خیال کے مطابق پریشانی کی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہے۔“

وہ رات انہوں نے بہت دیر تک ایک دوسرے وقار کر کے کی کوشش کی تھی۔ مومن کچھ غور پا رہا تھا اور اس کی فکر لپٹ نے اب مومن کو بھی متفکر کر دیا تھا۔ اس کے بھی خیال کے مطابق یہ ہم اب بہت دشوار اور کٹ پھٹا ممکن تھی۔ لیکن اب یہ بہت آسان دکھائی دینے لگی تھی۔ ”یار تم نے تو سمجھ لیا کہ رتن دیا ہے۔“ اس نے مومن سے کہا۔ ”میں خود بخود کہہ رہا ہوں۔“

”میرا یہ مقصد نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہاں جانے سے پہلے ہرگز نہ جان کر جانزور لے لیا جائے۔“

”یہ بھی تم ٹھیک سمجھتے ہو۔ مومن نے ایک گہری سانس لیا۔ اب یہ دیکھو کہ ہمارے لئے کون کون سے خطرات ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ سوچا جائے کہ رتن کے ہمیں گرفتار کر لے کر مارا ہے۔ تو یہ خیال اس لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ وہی ہادی بھی کر سکتا ہے۔ وہ اگر کبھی چاہے تو یہ بھی کچھ سہا ہوں بیچ کر ہمیں بچا دے۔ اس کے لئے اس کا سب کچھ ممکن ہے۔“

”اب یہی دیکھو کہ ہمارے لئے کون کون سے خطرات ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ سوچا جائے کہ رتن کے ہمیں گرفتار کر لے کر مارا ہے۔ تو یہ خیال اس لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ وہی ہادی بھی کر سکتا ہے۔ وہ اگر کبھی چاہے تو یہ بھی کچھ سہا ہوں بیچ کر ہمیں بچا دے۔ اس کے لئے اس کا سب کچھ ممکن ہے۔“

”اوہ۔ وہ بھاری چوک اٹھا۔ پھر اس نے ان دونوں

بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا۔ اب اگر فرض کرو کہ وہ اس وقت کا اشتہار کر رہا ہو جب ہم ان بیروں کو لے کر مندر سے باہر نکلیں تو اس وقت میرے ہمارے ہاں ہوں گے۔ یہ نہیں۔ لہذا اس کا حرج بھی ناکام ہو جائے گا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہم لوگوں نے بھی ایک دنیا دیکھ رکھی ہے۔ کیا وہ دوند اور رتن کے اجوں اور لڑائے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کا پڑھا بنا یا ہے؟“

”نہیں۔ لی تو کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی بلکہ وہ دونوں ہی اس معاملے میں محتاط معلوم ہوتے ہیں۔“

”تو پھر بات ختم ہوئی۔ خواجہ کے واہوں کو اپنے جن میں جگہ مت دو۔ اگر ہم بھی سب سوچتے رہ گئے تو پھر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ جو ہوگی دیکھی جائے گی۔ مومن نے کہا۔ وہ دونوں دوسری صبح بہت جلدی مندر تک پہنچ گئے۔ مومن کا خیال تھا کہ کام ختم ہو جائے گا۔ اتنی ہی

ہے۔ وہ دونوں اس سے پہلے بھی مندر آچکے تھے۔ لیکن اس بار ان کے روپ پہلے سے بالکل ختم تھے۔ وہ پہلے تاجزین کر کے یہاں آئے تھے۔ اور اب مجسمہ ساز بن کر پہنچے تھے۔ ان دونوں نے اپنے اپنے ہاتھ میں اوزاروں کا پتھلا اٹھا رکھا تھا۔ جن کے اندر اوزاروں کے ساتھ ساتھ دھوکے والے ہم اور گیس ماسک بھی رکھے ہوئے تھے۔

مندری دیکھو پورا نہیں کچھ بھی میٹھے ہوئے دکھائی دے گئے۔ اور یہ لوگ ان کے خیال میں رتن سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے بڑی گہری نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر ان میں سے ایک نے اس طرح گردن ہلا دی جیسے وہ نہ صرف اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہتا ہو۔ بلکہ یہ بھی بتا رہا تھا کہ ان کے لئے راستہ صاف کر دیا گیا ہے۔

”اوہ دونوں پھٹے اٹھائے ہوئے مندر کے دروازے تک آئے۔ جہاں ایک بھاری لے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔“

”آج ہوا کے لئے یہ مندر بند ہے۔ اس نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“

”یہ ہمیں بھی معلوم ہے لیکن ہم دلیوی جی کے بت کی مروت کے لئے آئے ہیں۔ مومن نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“

”اوہ۔ وہ بھاری چوک اٹھا۔ پھر اس نے ان دونوں

”اوہ۔ وہ بھاری چوک اٹھا۔ پھر اس نے ان دونوں

”اوہ۔ وہ بھاری چوک اٹھا۔ پھر اس نے ان دونوں

کے لئے راستہ دے دیا۔ ٹھیک ہے اندر آ جاؤ لیکن یہ اذرا لہو  
 کے متعلقہ نہیں میرے حوالے کرنے ہوں گے۔  
 یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ سوہن نے بولھا کہ اس کی طرف  
 دیکھا۔ اگر ہم نے اوزار نہ تھامے حوالے کر دینے تو ہم کیا  
 خالی ہاتھوں سے مرگت کر دیں گے؟  
 ”خبر مت کرو۔ یہ سامان ہمارے پاس پہنچ  
 جانے کا پہلے انہیں بھی طرح چیک کیا جائے گا۔“  
 موہن اور سوہن نے ایک دوسرے کو آنکھیں پونٹ  
 لگا ہوں سے دیکھا۔ یہ صور حال ان کی توقع کے بالکل عکس  
 تھی۔ انہی نتیجوں میں ان کا سب کچھ متقابلاً تبدیل کے حوالے  
 کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ وہ خود ہی اپنے گلے میں پھانسی  
 کا پھندہ ڈال لیں۔ اس دوران کچھ اور لوگ بھی ان کے قریب  
 آ گئے تھے۔  
 ”کیا کر رہے ہو؟ وہ قذیب بھاری نے سرگرمی کی ”تمہیں  
 رتنا جی نے بھیجا ہے نا۔“  
 ”اوہ! سوہن نے ایک گہری سانس لی۔ پھر ہلکا ہلکا  
 بھکاری کی طرف بڑھتا ہوا۔ یہ یوں ہمارا نا۔“  
 بھکاری نے ان دونوں کے متعلقہ لئے پھر چلاں دونوں  
 کو مختلف مرحلوں سے گزارنے کے بعد اس تہر خانے میں  
 پہنچا دیا گیا جہاں اصل مورچہ رکھی ہوئی تھی، یہاں پہلے  
 کی طرح ہی مدد و خبر ملتی تھی دکھائی دے رہے تھے۔ جو خود کار  
 ہتھیار لئے اپنی اپنی جگہ بالکل چوکے تھے۔  
 ان دونوں کے تہر خانے میں آتے ہی تہر خانے کا  
 دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔ سوہن اور سوہن کے لئے ایک بڑی  
 بات یہ تھی کہ بال میں موجودی فٹوں کو ہٹا نہیں گیا تھا۔  
 اور اس سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ پورے بالکل صمیم و سالم  
 تھی۔ اس کا کوئی بھی حصہ ٹوٹا ہوا نہیں تھا۔  
 ان دونوں نے ایک وقت بولھا کہ اپنے چاروں  
 طرف دیکھا۔ اور ٹھیک ہی وقت اس تہر خانے میں گیس  
 پھیلی شروع ہوئی۔ یہاں گیس تھی جس نے ان دونوں کو  
 بے ہوش کر دیا۔ ان کے جسم بے جان ہو کر ایک طرف  
 لڑھک گئے۔  
 دروازہ کے لئے یہ بہت نازک لمحہ تھا۔  
 یہ گت نام کے اس آدمی نے مافوق کوئی موت کے  
 سفر پر روانہ کر دیا تھا۔ اور سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ  
 دروازہ یہاں سے نہیں جاتی نہیں سکتا تھا۔ اس کے لئے  
 راستہ بند ہو کر رہ گئے تھے۔ ایک طرف تو شبلا اس کے ہاتھوں

ہلاک ہوئی تھی۔ دوسری طرف دلاوری دولت اس کے ہاتھ  
 سے نکل گئی تھی۔ اور اس بہتر ہے ہوا تھا کہ وہ برکت کیساتھ  
 ایک اور آدمی کی موت میں شامل ہو گیا تھا۔  
 مافوق کی چہرہ تھی۔ برکت ایک شخص سے کھڑا ہو گیا۔  
 ”اب آؤ میرے ساتھ۔“ اس نے دروازہ کی طرف دیکھتے  
 ہوئے کہا۔ لیکن پہلے کرے کا دروازہ بند کر دو جلدی کر دو۔  
 دروازے کو بولھا کرے کا دروازہ بند کر دیا۔ اس کی  
 سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ برکت کی کہنے والا ہے۔  
 ”تمہارا ارادہ کیا ہے؟ اس نے برکت کی طرف دیکھتے  
 ہوئے بولھا۔  
 ”مجھے اس کرے کا خفیہ راستہ تلاش کرنا ہے۔ اس نے  
 جواب دیا جب مافوق اس راستے کو تلاش کر سکتا ہے۔ تو ہم  
 بھی تلاش کر سکتے ہیں۔ جلد جلدی کر دو۔“  
 برکت اتنا کہنے ہی کرے کے دو باروں سے جھٹ گیا  
 وہ ایک ایک گوشے کو دبا دبا ہوا ٹھونٹ ٹھونٹ کر دیکھتا ہوا تھا  
 لیکن کوئی راستہ نمودار نہیں ہو رہا تھا۔ دوسری طرف دروازہ  
 پر دستک خیز ہوئی تھی۔ وہ لوگ آتے جتے کر دروازہ کھولنے  
 کے لئے کمر بستہ تھے۔ گالیاں دے رہے تھے۔ برا بھلا کہہ  
 رہے تھے۔ دھمکیاں دے رہے تھے۔  
 ”ہم تو مجھے نہیں گئے استاد یہ برکت نے ایک مضمحل  
 سی سکرپٹ کے ساتھ دروازہ کی طرف دیکھا۔ راستہ نہیں  
 مل رہا ہے۔“  
 ”میں پہلے ہی جانتا تھا کہ تمہارے ساتھ رکھتی رہی رہی  
 کچھ ہو گا۔“ دروازہ بند ہو کر بولھا۔ ”کیا تمہیں یہ احساس نہیں کہ  
 مجھ پر یہ مصیبت مہماری وجہ سے آئی ہے۔ ورنہ میں  
 ابھی خاصی طرح میاں رہ رہا تھا۔ کسی کو معلوم بھی نہیں تھا  
 لیکن تم نے یہاں آئے، یہ پہلے تو میری ساتھی لڑکی کو قتل  
 کر کے پھر اپنے ساتھ مجھے بھی بھجوا دیا۔“  
 دروازہ خاموش ہو کر رہ گیا۔ برکت بھی ٹھیک ہی  
 تھا۔ یہ دروازہ ہی کا جرم تھا جس نے ان دونوں کی زندگی  
 مصیبت میں ڈال دی تھی۔  
 ”ہو تو سوچو کہ اب کیا ہو گا؟“  
 ”اب کیا ہونا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم خود کو ان کے  
 کر دیں۔ اس طرح ان لوگوں کا غصہ کچھ کم ہو جائے گا۔  
 یہ لوگ اگر دروازہ توڑ کر اندر آ گئے تو پھر تمہارے ساتھ بہر  
 براملوک کیا جائے گا۔“  
 برکت کی یہ بات بھی معقول تھی مافی نے دروازے

اختیار نہیں کیا۔ برکت نے آگے بڑھ کر خود ہی دروازہ کھول  
 دیا۔ دروازہ کھلتے ہی سب کے سب بھڑکتے ہوئے اندر  
 آ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ یہ دونوں متنبہ ہو سکیں وہ سب ان  
 پر ٹوٹ پڑے۔ بھڑکتے آگے بھڑکتے گریں۔ یہ دونوں فٹ بال  
 کی طرح اس کرے میں لڑھکتے پھرتے تھے۔ ان کے کہنے  
 تار تار ہو گئے۔ چہرے پھٹ گئے پھر وہ دونوں ہی تہویش  
 ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے برکت کی آگے کھڑی۔ آگے کھلتے ہی سب  
 سے پہلے احساس شدید درد کا ہوا تھا۔ یہ درد ہلوسے بدن  
 میں ہو کر کے ساتھ ساتھ دوڑتا ہوا تھا۔ انکو کھٹے سے لے کر  
 گردن تک اور اوپر چہرے پر پھیر رہی تھی۔ جہاں نقصان  
 سے بچ رہے تھے۔ پھر ہر پانی کی کسی لہری طرح واپس  
 ہو جاتی۔  
 اسے یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس وقت کسی بہر باہر  
 پر لپٹا ہوا ہے۔ اور جہاں اسے لپٹا گیا ہے وہ ایک کرہ  
 ہے جس کی گردی میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں لیکن یہ کرہ  
 کسی جیل یا پولیس کے قید خانے کا نہیں بلکہ کوئی اور ہی  
 کرہ تھا جہاں یاقید خانے کی برکت کو بہت بھی طرح پہچان  
 تھی۔ اس نے کرہ کے آواز سن کر اپنی گردن گھمائی۔ گردن  
 گھماتے ہوئے اسے درد کا احساس ہوا تھا۔ لیکن جب اس  
 نے دروازہ کو بھی اپنے برابر والی ایک ہیز مریٹے ہوئے  
 دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک آنسو وہی سکرپٹ پھیل  
 گئی۔ وہ اس سکرپٹ کا آدمی تھا۔ اس نے زندگی کو بھینٹ دینے  
 ہوئے گزارا تھا۔ اور اس وقت بھی اس کے نزدیک جو کچھ  
 ہو رہا تھا وہ زندگی کے ایسے ہی ہونے والا ایک ایسا ڈرامہ  
 تھا جس کا انجام ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔  
 اس نے دروازہ کی حالت دیکھ کر اپنی حالت کا اندازہ  
 کر لیا۔ دروازہ کے پورے چہرے پر مار کے نشان ثبت ہوئے  
 ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر بھی اسی کی طرح ایک توہین لپٹی  
 ہوئی تھی۔ بس ان دونوں میں صرف فرق یہ تھا کہ وہ وہیں  
 میں آ گیا تھا شاید کہ وہ دروازے سے کہیں زیادہ صحت  
 جان واد ہوا تھا۔ جہاں دروازہ پر ابھی تک مغلط طاری تھی۔  
 اسی لئے کرے کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے  
 بے دخل گردن گھما کر آنے والے کو دیکھا۔ وہ ایک جوان آدمی  
 تھا۔ طویل قامت صحت مند اس کے ساتھ ایک دوسرا  
 آدمی بھی تھا جس نے اپنے ہاتھ میں ایک بڑی سی نرے  
 اٹھا رکھی تھی۔ برکت کو متحک دیکھ کر وہ شخص جلدی سے

اس کے پاس آ گیا۔  
 ”اچھا ہوا تم ہوش میں آ گئے؟ اس شخص نے نرم لہجے  
 میں کہا۔  
 برکت نے میز سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس سے  
 اٹھا نہیں گیا۔ اس کے پورے جسم میں درد کی لہر جاگ  
 اٹھی تھی۔  
 ”نہیں نہیں۔ اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ  
 آدمی جلدی سے بولا۔ ”ان کم ہمتوں نے تمہارے ساتھ  
 بہت برسرِ سلوک کیا ہے۔ اگر میں نہیں پہنچ جاتا تو تمہارے  
 تمام دونوں کا کیا خطرہ ہوتا۔ بس اتنا کافی ہے میں اس طرف  
 جان لے آتا۔“  
 ”کون ہو تم؟“ برکت نے اٹھتے اٹھتے کمزوری آواز  
 میں بولھا۔  
 ”مجھے ذہن کو مدت تھا کہ وہ تمہیں سب معلوم ہو  
 جائے گا۔ اس نے کہا۔ ”بس اتنا کچھ کہہ دو کہ میں پہلا ہمدرد  
 ہوں۔ جلدی شروپ پڑاؤ۔ یہ بات اس نے اس شخص سے  
 کہی جو اپنے ہاتھوں میں ٹریس اٹھائے ہوئے خاموش کھڑا  
 تھا۔ ”یہ مشروب پانی کو بہت اچھی چیز ہے۔ اس نے برکت  
 کو بتایا۔ اس کے استعمال سے جسم میں توانائی آ جاتی ہے۔“  
 برکت نے اپنا ہاتھ پھر کر گلاس پکڑا جا بجا لیکن ان  
 کے ہاتھوں میں بھی جان نہیں رہی تھی۔ یہ دیکھ کر دوسرے  
 شخص نے اپنے ہاتھ سے ٹریس ایک طرف رکھا اور گلاس  
 برکت کے منہ سے لگا دیا۔ اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ  
 قطرہ قطرہ مشروب برکت کے حلق میں اندر دیا تھا۔  
 ”اب کچھ دیر بعد تمہیں نیند آ جائے گی۔ اس آدمی  
 نے کہا۔ ”اور بال۔ تم مجھے سا کا کہہ سکتے ہو۔“  
 ”سا کا؟“ برکت بڑبڑایا۔ یہ کیا نام ہو گا؟  
 ”پھر تمہیں اپنے ذہن کو تھکانے لگے۔ جلدی تمہیں ہند  
 کر لو۔ تمہیں بعد میں سب معلوم ہی ہو جائے گا۔ تو ابھی  
 سے خود کو بہریشان کرنے کا کیا فائدہ؟“  
 برکت نے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں بند  
 کر لیں۔ یہ شخص سا کا ٹھیک ہی کہتا تھا۔ اس نے جانے ہوئے  
 قدموں کی آواز سنیں۔ پھر دروازہ بند ہوا اور وہ لوگ  
 باہر چلے گئے۔ برکت کے ذہن پر اس وقت دھند چھانے  
 لگی تھی۔ اس نے اس دھند کے خلاف جدوجہد کرنے کی  
 کوشش کی۔ لیکن اسے نیند آتی چلی گئی۔  
 بیدار ہونے کے بعد اس نے سب سے پہلے دروازہ



کی طرف دیکھا۔ وہ بہرہ پریشان ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر  
 گرچہ مایہ کے نشانات تھے۔ لیکن اس کی حالت بہت معمولی  
 ہوئی تھی۔ برکت کو جلتے دیکھ کر اس نے سکرانے کی  
 کوشش کی۔ لیکن اس کے سوجے ہوئے ہونٹ لرز رہے تھے۔  
 برکت اپنے دونوں ہاتھوں کو گردش دیتا ہوا تھا۔  
 اس بار سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی تھی۔ اس مشروب  
 نے واقعی اپنا کام دکھا دیا تھا۔  
 "یار۔ یہ تم لوگ کہاں آئے۔" ڈرلراج نے اس کی  
 طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 "میں کیا بتا سکتا ہوں۔ ویسے اتنا ضرور ہے کہ ہم پولیس  
 کی قید میں نہیں ہیں۔ کیونکہ پولیس اتنا دھیان نہیں  
 دیکھتی۔"  
 "ابھی کچھ دیر پہلے ایک آدمی مجھے کوئی مشروب پلا  
 گیا ہے۔" ڈرلراج نے بتایا۔  
 "ہاں۔ میں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ برکت نے کہا اس  
 نے اپنا نام سا کاٹا تھا۔"  
 "مجھے تو ابراہیم گناہ ہے جیسے ایک مصیبت سے نکل کر  
 کردہمیری مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"  
 "زندگی تو کسی کا نام ہے پیارے۔" برکت مسکرا دیا۔  
 شرط یہ ہے کہ آدمی کو اپنا حوصلہ برقرار رکھنا چاہیے۔ باقی  
 سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔"  
 "کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟"  
 ڈرلراج نے پوچھا۔  
 "کوشش تو کر سکتے ہیں۔ لیکن کیا ضروری ہے کہ اس  
 میں کامیابی بھی ہو؟" برکت نے سکرانے ہوئے کہا۔  
 اس بات پر شکر ادا کر کے ہم لوگ مارنے والوں کی قید میں  
 نہیں ہیں۔ یہ کوئی اور ہی معلوم ہوتا ہے۔"  
 "یہ یوں شخص ہو سکتا ہے۔ یہ ہمیں وہاں سے کون  
 لایا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ ان کے بچل  
 سے کس طرح نکال لایا۔"  
 "یہی سب سوالات میرے ذہن میں بھی ہیں۔ لیکن  
 ابھی میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ ویسے دیکھنے میں تو ٹھیک  
 تھا۔ ای آدمی معلوم ہوتا ہے۔"  
 ڈرلراج نے کچھ نہیں کہا۔ برکت نے بھی خاموشی  
 اختیار کر لی۔ وہ دونوں کی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔  
 کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہی آدمی اندر آ گیا جس  
 نے اپنا نام سا کاٹا تھا۔ اس وقت وہ کپڑا ہی آٹھا

انداز کے لیے بعد اس نے بڑی احتیاط کے ساتھ دروازہ  
 بند کر دیا تھا۔ اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہوتا تھا جیسے  
 اسے ان دونوں کی جانب سے کوئی خدشہ ہی نہ ہو۔ بالکل  
 مطمئن معلوم ہو رہا تھا۔  
 "خوب۔ اب تو تم دونوں ہی بہتر معلوم ہو رہے ہو۔"  
 اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "یہ سب تمہاری ہرمانی ہے سرس کا یہ برکت اس کی  
 طرف دیکھتے ہوئے۔" لولا اب ایک ہرمانی یہ کہ کر ہماری  
 ۔ ابھیوں دور کر دو۔ ہم تمہارے بارے میں سوچ سوچ  
 کر رہے ہیں۔"  
 "واہ۔ تم تو بہت زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہو۔ کیا  
 مسکرا دیا۔ پہلے تم لوگ ابھی طرح صحت یاب ہو جاؤ۔ پھر  
 سب کچھ بتا دوں گا۔ اتنی جلدی کیا ہے؟"  
 "ہم بالکل ٹھیک ہیں۔" ڈرلراج جلدی سے بول پڑا۔  
 "میرا پرانہ کر بیٹھ گیا تھا۔"  
 "پہلے یہ بتاؤ کیا ہم لوگ تمہاری قیدی ہیں؟ برکت  
 نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 "نہیں۔ قیدی میں نہیں بلکہ حفاظت میں ہو رہا  
 نے یہ سمجھتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔  
 "برکت ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ دروازے  
 کے باہر دو مسلح آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ جو دروازہ کھلتے  
 ہی الارٹ ہو گئے تھے۔ ہمارے کچھ دروازہ بند کر دیا تھا۔  
 "حفاظت کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ برکت نے سکرانے  
 ہوئے کہا۔  
 "یہ بہت ضروری تھا۔" ساکانے اپنی گردن ہلاتی۔  
 "ورنہ مرنے والے ساتھ کے آدمی تم لوگوں کو پاگلوں کی طرح  
 تلاش کر رہے ہیں۔"  
 "یہ سلسلہ کیا ہے۔ تم ہمیں کیوں اٹھا لائے ہو ہمارے  
 ساتھ ہی۔ تو ناگزیر جیل بھیج دیتے جاتے۔ اور کیا ہو سکتا  
 تھا؟"  
 "تو پھر تم سمجھتے ہو کہ ساتھ ہے تمہارے ساتھ کوئی  
 قانونی کارروائی کی تھی۔ یا اس کا تعلق عجیب گھر سے تھا۔ ای  
 کوئی بات نہیں ہے۔"  
 "کیا کہہ رہے ہو تم؟" برکت چونک پڑا۔ اس نے تو  
 مجھے اپنے بارے میں ہی بتایا تھا۔"  
 "کہانی سنانے اور حقائق میں بہت فرق ہو کر تلخ ہے  
 ساکانے نے۔" ساتھ کا تعلق اس عجیب گھر سے نہیں تھا۔

اور بات ہے کہ اس نے اور اس کے ساتھ جیل کے عجیب  
 گھر میں رہنا تھا۔ قلم کر رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے تم دھوکے  
 میں آ گئے۔ اس نے بھی شاید یہی لیکن دلائل کی کوشش  
 کی ہوگی۔"  
 "میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" برکت نے کہا  
 سے۔ لولا۔ میں اتنے الٹ پھیر برداشت کرنے کا عادی ہی  
 نہیں ہوں۔ میری سادھی دلہنیں کر کے نکل جاتا ہوں۔  
 لیکن اس شخص کے آنے کے بعد کچھ بھی ہو رہا ہے اس  
 نے میری کچھ بڑی الٹ دی ہے۔ یہ بات اس نے ڈرلراج  
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھی تھی۔  
 "دیکھو دوست فقہ یہ ہے کہ اس عجیب گھر میں کئی  
 عدد ہنر خانے بنے ہوئے ہیں۔" ساکانے نے کہا۔ "اور تم سے  
 زیادہ ان ہنر خانوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔"  
 "یہ نہیں کیسے معلوم؟"  
 "اس لئے کہ میں خود بھی بہت دنوں تک ہنر خانوں  
 میں سمجھتا رہا ہوں۔" ساکانے نے بتایا۔ "میں نہیں دیکھا  
 کرتا تھا۔"  
 "خدا کے لئے میری قوت برداشت کا استقامت تو بڑا  
 برکت نے کہا۔ "ورنہ میں موت کو تو کرباں ہو جاؤں گا۔"  
 "دیکھو۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دیتا ہوں۔" ساکانے  
 میں بھی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے۔ لولا۔ صورتحال  
 یوں ہے کہ جس طرح تم اس عجیب گھر کے ہنر خانوں کے بارے  
 میں بہت کچھ جانتے ہو۔ ای طرح میں بھی جانتا ہوں۔ یہ  
 درست ہے کہ تمہارے آباؤ اجداد نے اس عمارت کو تو کر  
 دیا تھا۔ لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ اس کی تعمیر کا کام جس شخص  
 کے ہر دیکھا تھا اس نے اپنے طور پر ایک اور نقشہ تیار کر  
 لیا تھا۔ یوں کچھ لوگ اس نے نقشے بنائے تھے۔ ان میں  
 سے ایک تو اس نے عمارت کے تعمیر کرنے والے والوں کے لئے  
 تمہارے آباؤ اجداد کے حوالے کر دیا۔ جبکہ دوسرا اس نے  
 اپنے پاس رکھ لیا۔ یہ دوسرا نقشہ کسی طرح میرے پاس آ گیا۔  
 مجھے اس میں بول چال بھی محسوس ہوئی اور میں ایک رات ان  
 نقشے کی مدد سے اس عمارت کے تہ خانے میں داخل ہو گیا۔  
 میں نے ایک چیز دیکھی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔  
 محسوس ہوئے گا ایک ایسا بات جو کسی طرح جی چارٹ سے  
 کم نہیں تھا۔"  
 "کیا کہہ رہے ہو تم؟" برکت اچھل پڑا۔ چارٹ کا سونچ  
 کا بت۔ تاہم۔ اتنا عجیب؟"

"میں تم سے کچھ نہیں دوسرا دوست۔ تم چاہے تسلیم  
 کر دیا کرو۔" خالص سوئے کا بت جس کی ساری باتوں  
 میں ہو سکتی ہے۔ اس شخص کو دیکھ کر میں خوشی سے ہل  
 ہونگا۔ وہ ای بڑی دولت تھی جس کو حاصل کرنے کے لئے  
 آدمی صرف خواب ہی دیکھ سکتا ہے۔ اور وہ خواب جنم  
 تبہ کی صورت میں میرے سامنے تھا۔ اب میں نے اس  
 مجھے کو فروخت کرنے کی ترکیب سوچی شروع کر دی۔"  
 "یہ کیا بات ہوئی؟" برکت نے ایک مراسخہ بنا کر  
 اس کو کھلا کر بھی فروخت کر سکتے تھے۔ ہاں۔ مجھے کو فروخت  
 کرنے کے بارے میں کیا سوچنا تھا؟"  
 "نہیں۔ اس طرح اس کی اہمیت ختم ہو جاتی۔" ساکا  
 نے کہا۔ "تم نہیں سمجھتے کہ اس مجھے کی کیا اہمیت تھی۔  
 اول تو وہ خالص اور محسوس سوئے کا بنا ہوا تھا۔ اس کی  
 ایک اہمیت تو یہ ہوئی اور دوسری اہمیت یہ تھی کہ وہ فن  
 کا شہکار تھا۔ اتنا خوبصورت مجسمہ بھی میں نے اپنی پوری  
 زندگی میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کو بنانے والے نے  
 اپنا پورا ہنر اس پر صرف کر دیا تھا۔ تم سمجھ رہے ہو نا ای  
 لئے اس مجسمے کی اہمیت اور اس کی قیمت دوئی ہو گئی تھی۔  
 اگر اسے بچھلا دیا جاتا تو صرف سوئارہ جاتا۔ فن کا شہکار  
 ختم ہو جاتا۔ ہر باد ہو جاتا۔"  
 "مفہم ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں۔" برکت نے اپنی گردن  
 ہلاتی۔ تو کیا تم اس کی دوسری قیمت وصول کرنے کے چکر  
 میں تھے؟"  
 "ہاں۔ میں نے ایسے کر وڑی غیر ملکیوں کو تلاش کرنا  
 شروع کر دیا جو اس قسم کے لوازمات خریدنے میں دلچسپی  
 رکھتے ہیں۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے جس کو بھی وہ ختم دکھا  
 دیا وہ اپنے آپ کو فروغ کر بھی اس کو حاصل کرنے کی کوشش  
 کرے گا۔ کیونکہ وہ چیز ہی ایسی تھی۔ لیکن اس سے پہلے میں  
 نے ایک کام کیا کہ اس مجسمے کو ای تہ خانے میں برائے  
 سامان کے انبار لئے چھپا دیا۔ تاکہ اگر کوئی اتفاق سے تہ خانے  
 میں آجی لگے تو اسے اس مجسمے کے بارے میں کچھ معلوم  
 نہ ہو سکے۔"  
 "اوہ۔ تو ای لئے میں وہ مجسمہ نہیں دیکھ سکا کہ برکت  
 نے اپنے ہونٹ پکڑے۔"  
 "ہاں۔ اسی لئے تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں  
 معلوم ہوا۔ تو میرا کام یہ رہ گیا تھا کہ میں دن بھر خیر  
 کی تلاش میں رہا۔ مادہ پھرتا۔ پھر رات ہوئے ہلکے تہ خانے

میں پہنچ جاتا۔ اس مجمعے کو دیکھ کر سکون حاصل کرنا مستحسن کے خواب دیکھنا اور پورے عجائب و معجزات کی سیر کرنا تھا۔ ایک رات میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا جس نے بیوزیم کے بال میں ایک آدمی کو دیکھا۔ یہ میرے لیے حیرت کی بات تھی۔ کیونکہ میں یہ جان گیا تھا کہ رات کو بیوزیم بند ہونے کے بعد بال کی طرف کوئی نہیں آتا تھا۔ خدا بھی ہوتے ہیں تو باہر ہی ہوتے ہیں۔ وہ آدمی عجیب طرح سے متعلق بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ ایک ادھیر مضمبوط جسم کا مالک تھا۔ وہ شخص بال میں موجود ایک دروازے کی طرف دبے پاؤں چلا جا رہا تھا۔ میں اس کے اندر کو دیکھنے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ شخص بال سے باہر جانے کی سوچ رہا ہے۔ پھر مجھے میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے اس کا قاتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مجھے اس کی موجودگی خالی از عتد نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کوئی نہ کوئی جعبہ ضرور تھا۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگایا تھا کہ وہ شخص اب بیوزیم سے باہر جانے والا ہے۔ وہ کس طرح باہر جاتا۔ یہ میرا دور نہیں تھا۔ میں فوراً غصہ لائے سے تہ خانے میں آیا اور تہ خانے سے نکل کر بیوزیم کے گرنٹ پر آکر کھڑا ہو گیا۔ چھٹی دیوڑیوں وہ شخص بھی گرنٹ سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس وقت مجھے بت چلا کہ اس نے بیوزیم کے کچھ آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اسی لئے اسے آنے جانے کی آسانی ہوئی تھی۔ اس شخص کی گاڑی گرنٹ سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ چونکہ اس وقت رات ہو چکی تھی اس کے تعاقب کے لئے مجھے کوئی سولاری نہیں مل سکتی تھی۔ اسی لئے میں نے ایک کام یہ کیا کہ اس کا رجسٹریشن نمبر نوٹ کر لیا۔ اس کا متنازعہ نمبر برکت نے بیتاب ہو کر بول دیا۔ تم قہرمت ہی بے قرار دکھائی دے رہے ہو۔ خیر تو میں نے دوسرے ہی دن رجسٹریشن نمبر سے اپنے ایک دوست کے ذریعے وہ نمبر معلوم کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ نمبر ایک فرم کے مالک کی گاڑی کا ہے۔ اور اس کا نام دلاور ہے۔

دلاور کا نام سن کر دلاور پہلو بدل کر رہ گیا۔ بسا کا کہانی اب دلچسپ ہو رہی تھی۔ اب اس دولت کا حیدر کھلنے والا تھا جو دلاور نے مجھے کے اندر چھپائی تھی۔

خیر تو ایک دن میں نے دلاور کے بارے میں پوچھا کہ کس کو پتہ چلا کہ وہ قہرمت، خطی پاک آدمی ہے۔ اس شہر میں اس کا بہت ہی منظم اور طاقتور گروہ موجود ہے اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا شخص رات کو چوری چوری

بیوزیم میں کیوں گیا تھا۔ باہر گئے وقت میں نے اس کے ساتھ میں بھی کچھ نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس نے بیوزیم سے کوئی چیز نہیں لی تھی۔ بلکہ شاید وہ کچھ رکھنے یا دینے کے لئے گیا تھا۔ اس لیے مجھے سمجھنے کے لیے میں نے بیوزیم کے بال کی تلاشی لینے کا کام شروع کر دیا۔ لیکن یہی کوئی چیز بھی نہیں مل سکی۔ میں دھوونڈ دھوونڈ کر خشک لگائی دوران میں نے ایک رات تہ خانے میں نہیں دیکھا۔ یہ نہیں دیکھ کر میں اور بھی چونک اٹھا۔ ابھی تک میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس تہ خانے کا راز صرف مجھ ہی کو معلوم ہے۔ میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔

”ہی میں بھی سو جا رہا تھا۔ برکت نے کہا لیکن اب ایسا لگتا ہے جیسے بولہ خمری ان تہ خانوں کے راز سے واقف ہو گیا۔“

”نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ سا کا مسکرا دیا۔ ابھی بھی غلطی کے کچھ نوک اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ خیر تو اس تہ خانے میں نہیں دیکھ کر مجھے فکر لاحق ہوئی۔ میں نے یہ سمجھ کر غلط نہیں اس مجمعے کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے اور تم اس مجمعے کو حاصل کرنے کے لئے آئے ہو لیکن جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہاری لگاؤ اس مجمعے کی طرف نہیں مٹی ہے تو پھر مجھے اطمینان ہو گیا۔ ایک مصیبت یہ بھی تھی کہ مجھے خطرے کا وجود میں اس مجمعے کو باہر نہیں لے جاسکتا تھا۔ کیونکہ وہ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے چھپ کر رکھا جاسکے یا اسے اس تہ خانے میں اس مجمعے کو رکھنے پر مجبور تھا۔ بال اس دوران مجھے غم ہلونی نگاہ رکھنی تھی۔ تو میں نے ہتھاری ٹنگائی شروع کر دی۔ اور نہیں اس کا احساس بھی نہیں ہو سکا کہ تمہارے آس پاس ہی کوئی دوسرا شخص بھی موجود ہے۔“

”ہاں مجھے غمناک احساس نہیں ہو سکا تھا۔ اگر احساس ہو جاتا تو شاید آج کی کہانی بہت مختلف ہوتی۔“

”تم غمگین کیونے ہو؟ اس نے اپنی گردن ہلائی۔ کوئی بھی شخص اپنی ملکیت میں دوسرے کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ میں بھی برداشت نہیں کر رہا تھا۔ لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم کیا ہو۔ کیونکہ وہ اور میری طرح نہیں اس تہ خانے کا راز اس طرح معلوم ہوا ہے۔ یوں سمجھو کہ مجھے تمہاری طرف سے شمس تھا۔“

”پھر نہیں میرے بارے میں کیا معلوم ہو گیا۔ برکت نے بول دیا۔“

”وہی تو بتا رہا ہوں۔ میں نے اس دوران اس شخص یعنی دلاور کے بارے میں کچھ اور معلومات بھی حاصل کر لیں۔ میرے ذہن میں بس یہی ایک خیال تھا کہ وہ شخص رات کے وقت بیوزیم میں گیا کر رہا تھا۔ اسے کیا چاہیے تھا۔ یہ ایک ایسا راز تھا جس نے میری فینڈس حرام کر دیں پھر ایک رات بیوزیم کی سیر کرتے ہوئے میں نے مانتہ کو دیکھ لیا۔ یعنی وہی شخص جسے تم نے اپنی حکمت عملی سے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ وہ بھی رات کے وقت اس بال میں بمشکتا پھر رہا تھا۔ اتفاق ہوئے کہ میں اس کو پہلے سے جانتا تھا۔ اس کے بارے میں مجھے معلوم تھا کہ وہ کسی زمانے میں اسی بیوزیم سے منسلک رہ چکا ہے۔ لیکن اس کی بدخواہیوں کی وجہ سے اسے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا ہے۔ برطرف ہونے کے باوجود اس کے تعلقات ان لوگوں سے تھے جو بیوزیم کی نگہبانی کرتے ہیں۔ میں نے مانتہ کو یہ دیکھا کہ وہ بال کی دیوار میں ٹوٹتا پھر رہا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے یہ تو معلوم ہے کہ بال کی دیوار میں کوئی خفیہ راستہ موجود ہے۔ لیکن اسے اس راستے کے مخصوص مقام کا پتہ نہیں تھا۔ اسی لئے وہ بیوزیم کی دیوار میں ٹوٹا رہتا تھا۔ اس کی موجودگی نے مجھے اور بھی حیران کر دیا۔ میں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اس بال میں ایسا کوئی نہ کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کے لئے پہلے دلاور پھر مانتہ یہاں دکھائی دیتے تھے۔ پہلے تو مجھے اپنے دریافت کے بعد مجھے مجھے کے بارے میں غم ہوا کہ شاید ان دونوں کو کسی کی تلاش تھی لیکن بعد میں بت چلا کہ ایسا نہیں تھا۔ کیونکہ بعد میں مجھے مانتہ کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ وہ عمرات کے نگراں سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو سے مجھے یہ پتہ چلا کہ اس بال میں دلاور نامی اس شخص نے اپنی دولت لاکھ بھڑائی ہے اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ اس مانتہ کو دلاور کی دولت کے بارے میں کیسے پتہ چلا تھا۔ اسی لئے وہ نگراں سے کہہ رہا تھا کہ اسے اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ نگراں سے کہہ رہا تھا کہ بیوزیم کے بال کی تلاشی لے گا۔ اگر نگراں اس کام کے لئے اس کے ساتھ تعاون کرے تو اس کا حصہ بھی اسے دے دیا جائے گا۔ یہ سن کر نگراں نے اس سے یہ کہا کہ وہ کہاں نہیں رہتا بلکہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی ہو گئے ہیں۔ اور ہر ایک کو اس کا حصہ دینا ہو گا۔ مانتہ نے نگراں کی یہ بات مان لی تھی۔ پھر اس رات کے بعد سے مانتہ نگراں اور

اس کے آدمیوں کی رضامندی سے بیوزیم میں داخل ہوا کرتا تھا۔ یعنی اب مانتہ نگراں اور دوسرے محافظ سب اس معاملے میں ایک ہو گئے تھے۔

”ادھ۔ اب مجھے برکت نے ابھی گردن ہلائی۔ اسی لئے مانتہ اس ظاہر کر رہا تھا جسے سب اس کے ماتحت ہیں۔“

”ماتحت تو نہیں البتہ سب اسی کے آدمی ہو گئے تھے۔ مراکے بتا یا۔“ پھر گرفتار اس بال میں ایک ڈار کھلا گیا جس نے میری عقل بھی دنگ کر دی تھی۔ اس ایک رات اتنی تیزی سے اور اتنے واقعات رونما ہوئے جتنے واقعات پورے جینے میں پیش آئے تھے۔ سب سے پہلے میں نے نہیں بال میں تھے۔ ہوئے دیکھ لیا۔ یہ اشارہ دلچسپی طرف تھا۔ تمہارے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ کیوں؟

”ہاں۔ دلچسپی کے خشک ہو کر جواب دیا۔ شیدا نام تھا اس کا۔“

”خیر میں نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو اسی وقت میں نے اس بال میں دلاور کو بھی دیکھ لیا۔“

”کہا۔ دلچسپی کے چمک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ رہے ہو۔ گیا دلاور بھی وہاں موجود تھا۔“

”ہاں۔ دلاور بھی وہاں تھا۔ یہ سالانہ بتا یا۔ اس کو دیکھتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ شاید اس آج ڈرنے کا دلچسپ میں ہونے والا ہے۔ دلاور کی موجودگی حیرت انگیز تھی اس دن کے بعد سے وہ پہلی بار دکھائی دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دلاور اندر آنے میں کس طرح کامیاب ہو گیا ہے۔ کیونکہ تہ خانے کا راستہ تو صرف مجھے اور برکت کو معلوم تھا۔ باہری راستوں پر مانتہ کی حکمرانی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس بال میں داخل ہونے کا کوئی اور ذریعہ بھی تھا جو صرف دلاور کو معلوم تھا۔ ابھی میں دلاور کے بارے میں یہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اس شخص نے مانتہ کے قہرمت کے عقب سے ایک چرخی تھیل لگالیا اور اچانک سی طرف چھپ گیا۔ شاید اس نے تم دونوں کی اہٹ فٹوں کر لی تھی۔ وہ اتنا چھپتا کہ آدمی تھا کہ مجھے اندازہ بھی نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرف غائب ہو گیا۔ ابھی میں اسے تلاش کرتے ہی والا تھا کہ میں نے تم دونوں کو کمرے سے نکل کر مجھے کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت میں خود اپنا بریڈٹ رہا تھا۔ میں نے اس بال کا چھوڑ چھان مارا تھا۔ لیکن بدلتی دیکھ کر اس مجمعے کی طرف دھبائیں نہیں دیا جالا کہ وہ بالکل سامنے کی بات تھی۔ ابھی مجھے چیزنگ آکھوں گے سامنے

ہونے کے باوجود دکھائی نہیں دیتیں۔ یہی حال میرا تھا۔ بہر حال اس کے بعد جو کچھ ہوا اس سے تم دونوں ہی واقف ہو۔ تم نے اپنی ساتھی لڑکی کو جسے کی تلاش میں لے کر لیا۔ اس نے تم سے کہا کہ اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر جب تم نے خود ہی تلاشی لینی چاہی تو اس نے تم پر لڑائی اٹھا لیا۔ پھر وہ تمہارے ہاتھوں ہلاک ہو گئی۔

"ہاں یہی سب ہوا تھا؛ ورنہ جسے کہا لیکن میں ابھی تک انھیں میں مبتلا ہوں، جب اس شخص کے اندر کچھ نہیں تھا تو اس نے غلطی ہی کی۔ اس نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا جس کے نتیجے میں اس کی جان چلی گئی؟ اس نے جھوٹ نہیں بولا تھا یا اس کا لے بتایا ہو چکا ہے؟

یہ سچی کہ وہ دلاور بہت ہی گہرا آدمی تھا۔ اس نے ایک کام کر کے اپنی جھیلی لگانے کے بعد اس نے اس شخص کے لڑے دوسری جھیلی رکھ دی تھی، تمہاری ساتھی لڑکی نے جس وقت جسٹس کے اندر ہاتھ ڈالا۔ دوسری جھیلی کو اس نے ٹھوس کیا اور فوراً ہی اس نے کہہ دیا کہ اس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ اس دوران تم دونوں اس شخص سے الگ ہو گئے تھے۔ سب میرے لئے اتنا موقع بہت تھا میں نے فوراً ہی اپنے شخص کی خاطر وہ جھیلی بھی باہر لگال لی جس کے اندر گنگر اور پتھر بھرے ہوئے تھے؟

"اوہ۔ اب ساری گنگر تو وہ خود کچھ میں آئی ہے۔ برکت نے کہا کہ میں نے بھی یہ سب دیکھا تھا۔ لیکن میں دلاور کو اور نہیں نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے نصف درجہ اور اس کی ساتھی لڑکی کو دیکھا تھا۔ ساتھ نے شاید تمہاری خواہ دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اس شخص کے اندر سے کسی شخص نے جھیلی نکال لی ہے اور وہ فائدے کی طرف چلا گیا ہے۔" ہلو یہاں تک کی باتیں تو کچھ میں آ جاتی ہیں۔ ورنہ نے کہا۔ لیکن اب کیا صورت حال ہے۔ تم ہمیں کس طرح وہاں سے نکال لائے؟

"میں نے جب یہ دیکھا کہ تم دونوں ماضی اور اس کے آدمیوں کے جھیل میں پھنس چکے ہو تو میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے تم دونوں کو بچا لایا۔ اس سلسلے میں مختصر سا ہنگامہ بھی گزرا۔ گولیاں بھی چلا نا پڑیں۔ لیکن تم لوگوں کو وہاں سے نکال لایا ہوں۔ اور اب تم دونوں یہاں موجود؟

"واقعات اب بوری طرح کچھ میں آئے ہیں، برکت اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن ابھی بھی یہ کچھ میں نہیں آ رہے کہ تم ہمیں کیوں لے گئے ہو؟ جبکہ ہمیں یہ بھی

معلوم ہے کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تمہارا ہے۔ اس طرح ہم تمہاری راہ میں رکاوٹ ہو سکتے ہیں۔ پھر ہمیں لائے کی کیا ضرورت پڑے گی؟

"ضرورت ہے یا سراسر لباہ میں تم لوگوں سے کلام لینا چاہتا ہوں۔ تم لوگ میرے لئے بہت مفید ثابت ہو گئے اسی لئے میں نے یہ جھگڑا مول لیا ہے؟

وہ کام لینا چاہتے ہو؟ ورنہ نے پوچھا۔

"انجی نہیں میں نے میرے ہی تم لوگوں کو بہت کچھ بتا دیا ہے۔ اب کچھ انتہا کر دو میں کسی کی آمد کا منتظر ہوں۔ جب وہ آجائے تو پھر بتا دوں گا کہ تم لوگ میرے لئے کس طرح سودمند ثابت ہو سکتے ہو۔ اس وقت تم نہیں رہو۔ تمہاری ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔ تمہیں کسی چیز کی تکلیف نہیں ہوگی۔ لیکن یہ یاد رکھنا کہ یہاں سے جانے کی کوشش مت کرنا۔ تم نے دیکھ ہی لیا ہو گا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ میرے چاروں طرف بہت سے لوگ ہیں جو تمہاری کوشش کو آسانی سے ناکام بنا سکتے ہیں؟

وہ جیب بڑی تیز رفتاری سے سرگرداں تھی۔

اس جیب کو ایک دلاور دھار رہا تھا جس کے چہرے پر زخموں کے ان گنت نشانات تھے۔ ان نشانات نے اس کے چہرے کو بہت بھونک بنا دیا تھا۔ جیب کی انگلی بیٹ پر ڈرنا پورے بازو میں کئی عدد مختصر ماس دھار باسکٹ چھو رہے تھے جس میں کھانے پینے کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ جبکہ اس کی پچھلی ٹسٹ پر شان ہو رہا تھا۔ اس کے ہارے دلاور تھا۔ ان دونوں نے خالی لباس پہن رکھا تھا۔ ان کے پاس ہندو فین بھی تھیں۔ جبکہ ان دونوں کی جیبوں میں بھی خود کا ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ لظاہر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ بڑے شکرے کے ارادے سے نکلے ہوں۔ ان دونوں کے درمیان بالکل خاموشی تھی۔ جبکہ ڈراپور گاڑی چلانے کے علاوہ اور کچھ چاہتا ہی نہیں تھا۔

یہ جب جس راستے پر سرگرداں تھی اس کے ایک طرف کھیت بھیلے ہوئے تھے۔ جبکہ دوسری طرف اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ راستہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ یہاں پہنچ کر ڈراپور نے جیب کی رفتار سست کرتے ہوئے سرگڑنے کی طرف دیکھا۔

"اب کس راستے پر جہنا ہے اس نے پوچھا۔

"واپس راستے ہلے لو؟ شان اٹھنے پر جواب دیا۔

"ڈراپور نے اس کی ہدایت کی بجائے جیب کو واپس خرد

والے راستے پر دوڑا دیا۔

"جالتے ہو میں اس بیمار کی بستی کی طرف کیوں جا رہا ہوں۔" شان اٹھنے کے داور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ظاہر ہے کرشن ہرشاد کے لئے؟" داور نے جواب دیا۔

"تم ٹھیک سمجھ؟" شان اٹھنے کے لئے اپنی گردن ہلاتی۔ میں اس کے آدمیوں کو کھینچنے میں تو کامیاب ہو گیا تھا۔ لیکن وہ خود میرے ہاتھوں سے بچ نکلا۔ اور فرار ہو کر بیمار کے پاس پہنچ گیا۔ میرے سینے میں اس کے لئے انتقام کی آگ قبی ہوئی ہے۔ اسی لئے میں اپنے ذاتی انتقام کی غرض سے اس طرف جا رہا ہوں۔ حالانکہ مجھے اس معاملے میں دوڑ رہنا چاہیے تھا بیمار کی بستی میں خطرہ ہی خطرہ ہے۔ لیکن یہ انتقام اس تک بہت بڑی ہوتی ہے۔ یہ انسان کو اندر ہی اندر سلا کر رہتی ہے؟

"میں بھی اسی لئے تمہارے ساتھ چل رہا ہوں؟" داور نے کہا۔ اس کرشن ہرشاد سے میرا کچھ جھگڑا ہے۔ پہلے میں اسے شکست دینا چاہتا تھا۔ اب انتقام لینا چاہتا ہوں۔ پہلے دوسروں کے لئے اس سے دشمنی تھی۔ اب اپنے لیے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔ اس نے میرے ساتھ دھوکا کھایا۔ اس نے میری ایک عزیز دوست کو بڑی بے رحمی سے ہلاک کر دیا۔ میں اس سے ان خرابیوں کا پورا پورا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں یہ جلتے ہوئے بھی بیمار کے لئے اس کے گرد بہت غصہ و حسد قائم کر رکھا ہو گا۔ اس کو تلاش کرنے کے لئے تمہارے ساتھ چلا جا رہا ہوں۔ ورنہ اس سے پہلے میں نے ہمیشہ تمہارے گرد کام کیا ہے۔ کسی کے ساتھ غلویت نہیں کی ہے۔ کیونکہ تمہارے ہی صورت میں میرے ساتھ جہاں آنا آزاد رہتے ہیں۔ اور میں اپنی مرضی سے انہیں استعمال کر سکتا ہوں؟

"شاباش! شان ہر مسکرایا۔ میں اسی لئے تو تمہیں اتنا پسند کرتے اور اعتراف کرتے لگا ہوں۔ ورنہ کسی کی عمر کی خود میرے بھی مزاج کے خلاف ہے؟

"ایک بات میری کچھ میں نہیں آئی کہ ہر لوگ اس بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مطلب ہے کہ جب وہ بیمار کی اذیت برداشت سائی تو ان کا کوئی ہے تو اس کی سنیے میں کس طرح کامیاب ہوں گے؟

"اسی لئے تو میں نے لاڈلہ لپٹا کر اپنے ساتھ نہیں لیا ہے؟

شان اٹھنے پر بتایا۔ کیونکہ ایک بوری فوج بھی اس کی بستی میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اسی لئے میں نے یہ حماقت نہیں

کی ہے؟

"پھر ہم کس طرح اس بستی میں داخل ہوں گے؟" داور نے پوچھا۔

"تم نے بہت دیر کے بعد وہ سوال دریافت کیا جو پہلے دریافت کر لینا چاہئے تھا کیا تمہیں اس بات پر بھی حیرت نہیں ہوئی تھی کہ اگر میری معلومات کے ذرائع کیا ہیں مجھے بیمار کے اس کے ساتھیوں اور ان کے متعلقہ افرادوں کے بارے میں کس طرح معلوم ہو گیا۔ پھر مجھے یہ کیسے معلوم ہوا کہ کرشن ہرشاد بیمار کے پاس ہی موجود ہے؟

"میں زیادہ سوال کرنے کا عادی نہیں ہوں؟" داور نے کہا۔ میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا تھا پھر یہ سوچا کہ تم خود ہی بتا دو گے؟

"واہ؟" شان ہر مسکرایا۔ تم واقعی ایسے آدمی ہو کہ تمہاری قدر کی جالتے۔ خیر۔ تو میری معلومات کا ذریعہ ایک عورت ہے۔ اور اسی کے حوالے سے ہم اس بستی میں داخل ہوں گے؟

"کیا یہ داور نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ عورت! کون ہے وہ عورت؟

"بیمار کی بہن جو زلیخان؟" شان اٹھنے پر جواب دیا۔

"ہاں۔ وہ ساتھ دینے کے لئے تمہارے ساتھ ہو کر وہ اپنے مزاج میں اپنے بھائی سے بالکل مختلف ہے۔ اگر اس نے ساتھ نہ لے لیا تو ہم کم از کم اس کی مدد سے بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس کے بعد خود دیکھ لیں گے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں؟

"تم اس کی بہن کو کس طرح جانتے ہو؟

"بیمار بہت پہلے ہندوستان آ گیا تھا۔ شان اٹھنے پر بتایا۔ یہاں آئے کے بعد جب اس نے معاملات سمجھ کر لئے تو اپنی بہن کو بلایا۔ اس کی بہن باقاعدہ پاپورٹ اور ویزے کے ساتھ ہندوستان آئی تھی۔ وہ بستی کے پولی اڈے پر اتاری تھی۔ اس وقت بیمار کو اسے لینے کے لئے امر پورٹ آنا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ نہیں آ سکا اور اس نے چند رات ہی ایک آدمی کو بھیج دیا۔ چند ایک لاڈلی سا آدمی تھا۔ ویسے تو وہ بیمار کے سامنے بے کی طرح لرزتا رہتا تھا۔ لیکن جو زلیخان کو دیکھ کر وہ خود ہر قافلوں میں رکھ سکا۔ اس نے جو زلیخان کے ساتھ کوئی بد نظریہ بھی نہیں کی۔ بس امر پورٹ سے سیدھے اسے اپنے اڈے پر لے گیا۔ اور جو زلیخان کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ وہ اس کے

پاگل بن کو قبول کرے۔ جو زلیخا نے یہ دیکھ کر بہت برعمر ہوئی اس نے بہت شور مچایا لیکن چند روز تو بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس نے جو زلیخا کو جلانے نہیں دیا۔ اور اسی افسے کے ایک کمرے میں قید کر کے باہر سے اپنے خاص آڈیو کا پھر ونگوا دیا۔

اور لیما رک کا کیا ہوا کیا اسے یہ معلوم نہیں ہو سکا اس کی بہن کہاں ہے؟

”اول تو لیما رک اس وقت اپنے معاملات میں اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس نے اس طرف تو بڑی ہی نہیں کی اور دوسری بات یہ تھی کہ چند دنوں سے اس سے کچھ دیا کہ جو زلیخا نے اٹریوٹ پر دھکا تو دی تھی لیکن اس کے بعد کبھی غائب ہوئی۔ لیما رک نے یہ سمجھ لیا کہ جو زلیخا کہیں سیر و تفریح کے لئے نکل گئی ہوئی۔ دراصل یہ دو دنوں بہن بھائی اسی مزاح کے تھیں۔ ایک دوسرے سے متعلق بھی اور ایک دوسرے سے بے پروا بھی۔ اس دوران چند دنوں سے اس چندر کے افسے پر قید رہی۔ اس دوران چند دنوں سے اس کے آگے اپنا دل بچھا دیا۔ اس نے جو زلیخا سے کچھ دیا کہ وہ جانتے ہے کہ اس کا کیا حشر ہوئے والا ہے لیکن وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہے۔ اسی لئے اس نے استیفاء قدم اٹھا لیا ہے۔ اس نے جو زلیخا کو کوئی لکھن نہیں دی۔ اس پر ہاتھ تک نہیں اٹھایا۔ بلکہ اس کی باتیں سننا نہ دیا۔ ایک بار جو زلیخا نے غصے سے گلاس پھینک کر اس کا سر بھجھا دیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔

بہت ہی مستقل مزاج قسم کا عاشق تھا۔ ہاں ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔ بہر حال کچھ دنوں کے بعد میری اور چندر کی مدد چھڑ ہوئی۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے۔ چندر نے جس جگہ اپنا اذہ بنا رکھا تھا اس جگہ کی ضرورت تھی۔ میں نے چندر کو پیش کش کی تھی کہ میں وہ جگہ خریدنا چاہتا ہوں۔ فوری طور پر سودا بھی ہو گیا تھا پھر چندر نے جو زلیخا کے آنے کے بعد اپنا اذہ بدل دیا۔ اور مجھے کچھ بھی کہہ نہ سکا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ اذہ فروخت کر دے گا۔ مجھے چونکہ اس کی فوری ضرورت تھی۔ اسی لئے میں چندر کو بھالنے کے لئے اس کے افسے پر پہنچ گیا۔ مزید اتفاق یہ ہو کہ چندر اس وقت اپنے افسے پر موجود نہیں تھا۔ اس کے آدمیوں نے مجھے پتہ چلا کہ لیما رک کا کوئی ہوں۔ اسی لئے وہ مجھ سے بھڑکے چند

نے اپنے افسے کی نگہبانی کے لئے بے وقوف و لوگوں کا انتخاب کیا تھا۔ اگر وہ مجھ سے نہیں الجھتے تو میں چوکنہ نہیں ہوتا لیکن ان کے اگھنے سے میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ اس افسے پر کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہے۔ میں نے ان لوگوں پر قابو پا کر جب اس افسے کی تلاشی لی تو ایک کمرے سے جو زلیخا کی ممد ہوئی۔

”ادہ۔ تو اس طرح جو زلیخا نے سے تہا ری ملاقات ہوئی تھی۔ پھر وہ تہا ری شہر بھی ہوئی۔“

ہاں بہت زیادہ۔ اسی لئے مجھے اپنے بھائی کے بارے میں بتانا کہ وہ ایک زبردست سائنس دان ہے اور ہندوستان آیا ہوا ہے۔ میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا اور جب چندر کو جا کر پوچھا تو اس نے لیما رک کے بارے میں مزید انکشافات کر کے دو چار دنوں کے بعد میں نے جو زلیخا کو اس کے بھائی کے پاس روانہ کر دیا تھا۔ وہ میری اس قدر احسان مند تھی کہ میرا پتہ اپنے ساتھ لے گئی اور کچھ ہی دنوں کے بعد اس کا خط آیا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس نے ملاقات کی جگہ روپ رنج تجویز بھی کی اس لئے جی سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گلوں ہے۔ جہاں لوگوں کے میلے لگتے ہیں۔ بہر حال میں اس کے بتانے ہوئے دن اس سے ملنے گیا۔ اس ملاقات پر اس نے لیما رک اس کے ساتھیوں اور اس کی بہن کی بھائی ہوئی۔ جی کے بارے میں ایسے حیرت انگیز انکشافات کے کہیں دنگ ہو کر رہ گیا۔ اس وقت وہ چندر کی طرف سے بھی دھکی تھی۔ تم اسی سے اندازہ کرو کہ وہ دل کی کتنی الجھی لگی ہے۔ چندر نے گرجا اس کے ساتھ مدائی کی تھی۔ لیکن چندر کی نیت کا اسے بے حد افسوس ہوا تھا۔

”چندر کس طرح مر گیا تھا۔“ جاوڑ نے چونک کر پوچھا۔ ”اسے لیما رک نے ملاقات کا نشان بٹایا۔ جو زلیخا نے اپنے بھائی کے پاس پہنچ کر لوں ہی اسے چندر کے بارے میں بتا دیا۔ اور لیما رک نے اسے سزا دیا کہ مار ڈالا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے جو زلیخا کی آنکھوں میں آنسو لگنے لگے۔ اس کا گھناٹا تھا کہ اسی دن سے اسے اپنے قاتل بھائی کی لغزت ہو گئی ہے۔ پھر جیسے جیسے جو زلیخا کو لیما رک کے ارادوں کا پتہ چلتا گیا اس کی لغزت بڑھتی چلی گئی۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس نے یہ سوچ لیا کہ اگر اس کا بس چلا تو وہ اپنے بھائی کو تباہ کر دے گی۔ اس نے کئی کراکھ کا ڈھیر بنا دیا جس بستی میں جراثیم کا باقاعدہ ہورس کی جہاز کا

اس نے اس کام کے لئے میری مدد بھی مانگی۔ لیکن ایک تو اس وقت میرے سامنے خود اپنے مسائل تھے۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ میں لیما رک کی طاقت کا پتہ نہیں کر سکتا تھا اسی لئے میں نے انکار کر دیا لیکن ساتھ ساتھ اسے یہ یقین بھی دلایا کہ جس دن میں نے اتنی طاقت حاصل کر لی۔ یا اپنے ارادے کو بخیر کر لیا۔ اسی دن میں اس کام میں اس کا ہاتھ بٹانے کے لئے اس کے پاس چلاؤں گا۔ پھر اس نے مجھے یہ بتایا کہ اسی بستی میں داخل ہونے کا کس طریقہ ہے۔ اور میں جب جاؤں اس طریقے کی مدد سے بستی میں داخل ہو سکتا ہوں۔

”کیا طریقہ ہے۔“ جاوڑ نے دریافت کیا۔ یہ میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ شاید کبھی مجھے تنہا اس بستی میں جانا پڑا تو کیا کروں گا؟

”بہت آسان اور سیدھا سا طریقہ ہے۔“ شان بھو نے بتایا۔ ”اس شخص نے اپنی بستی کے چاروں جانب اپنے آدمیوں کی چوکیاں قائم کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ بظاہر سیدھے سادھے دیہاتی دکھائی دیتے ہیں، لیکن دراصل وہ لیما رک کے پرکاشے ہیں۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں ان کے پاس ہر قسم کے جدید ہتھیار اور آلات موجود ہیں ہمیں کسی ایک چوکی پر پہنچ کر صرف اتنا کرنا ہو گا کہ ہم انہیں یہ بتا دیں کہ ہم جو زلیخا کے ہمارے ہیں۔ اتنا کہ اس کے وہ چوکی والے بستی میں رابطہ قائم کر کے جو زلیخا سے دریافت کر لیں گے اور اس کی اجازت ملنے پر ہم بستی میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد جو زلیخا سے مل کر کوئی پروگرام بنایا جاسکتا ہے۔“

جاوڑ نے کچھ نہیں کہا۔ اسے اب اس بستی کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ملک میں کوئی شخص کسی غیر ملک سے اگر ایک پورا سامتی کارخانہ قائم کرے گا۔ خوف اور دہشت کی دھن قائم کر دے گا۔ اور اتفاقاً یہ کچھ نہیں کر سکتے گی۔ یہ حیرت کی بات تھی اگر شان بھو سے اس کی ملاقات نہیں ہوتی تو اسے لیما رک کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں ہو سکتا۔ اس عجیب و غریب ہم کے دوران کیسے کیسے لوگ اس سے ملے تھے اور کیسے کیسے لوگ اس سے بھڑکے تھے۔ کیسے کیسے لوگ اس کی سامنے آئے تھے۔ کیسی کیسی کہانیاں سننے کو تھیں لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے حاصل کیا کچھ بھی نہیں۔ بس مولے بھاگ دوڑ اور خون خرابوں کے

اور کیا حاصل ہوا تھا۔ اس کے ساتھ تک اس سے بھڑکے تھے۔ کوئی بھی تو نہیں رہا تھا۔ اور یہ ہم شہ خان کی بستی کی طرح طویل ہوئی جارہی تھی۔ وہ اپنے باپ دلا کے چڑ میں لگا تھا۔ اور بھگتا بھگتا شہانے تھا۔ یہاں پہنچ گیا تھا اور اب شان ہوتا ہی اس آدنی کے ساتھ اپنی مقام کی طرف چلا جا رہا تھا۔

یہ شان بھو بھی عجیب مزاح کا آدنی ثابت ہوا تھا۔ اپنے آدمیوں کو بھگتا بھگتا اور فرمان وصال پر بھڑکے والے لیکن دوسری طرف جراثیم کی سرپرستی کرنے والا قاتل و غارت گردی جانے والا جو سیدھے داور کے سامنے اس کا زمین بن کر گیا تھا لیکن داور نے اپنی صلاحیتوں سے اسے سوم کر لیا تھا۔ وہ اب داور کا خیر خواہ بن گیا تھا اور داور کے ساتھ ہر معاملے میں تعاون کر کے کو تیار تھا۔ خود ایک بہادر آدنی تھا اسی لئے اس نے داور کی قدر کی تھی۔

ساتھ میں ایک جگہ کر انہوں نے دو پہر کا کھانا بھی کھا لیا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خود کے لئے لگے ہیں۔ ان میں سے کسی کے چہرے پر ہر گز والی ہرجائیوں اور خطروں کا کوئی احساس نہیں تھا جیسے انہیں پرواہ ہی نہ ہو کہ آئے والا وقت ان کے لئے کیا ہے کر کے والا ہے۔ شان بھو کا ڈرا بھور بھی اسی مزاح کا آدنی معلوم ہوتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ پھر گئے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک دیہاتی سے انہوں نے نیم گڑھ کا راستہ بھی معلوم کیا۔ وہ صحیح راستے پر چلے گئے۔ اور اس دیہاتی کے مطابق نیم گڑھ اب بھی دو ٹھنوں کی مسافت پر تھا۔ اور وہ بستی اس نیم گڑھ سے بھی آگے تھی۔ شان بھو کو یہی بتایا گیا تھا کہ وہ بستی ایک ایسی جگہ تعمیر کی گئی ہے جس طرف جاتے ہوئے لوگ خوفزدہ ہو کر گرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے خیال میں وہ جگہ بھولوں اور روحوں کا ممکن بن گئی ہے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ وہاں لیما رک نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیکر کر رکھا تھا۔

بہر حال آنے والا وقت ہی بتانے والا تھا کہ انہیں اس ہم میں کامیابی ہونے والی تھی یا نا کامی لیکن اتنا ضرور تھا کہ اگر وہ ایک بار اس بستی میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا تو پھر کم از کم اس کا موت کو کچھ ہی کے گا۔ جہاں سے کہتے ہی ہر دوں میں کیوں نہ نہ گھبرا گیا ہو۔ اس نے یہ قسم کھائی تھی۔ غیہ کر لیا تھا۔

یہلم کو دیکھ کر سینے میں انہیں دو گے بولے تیں گئے  
 لگے تھے۔ یہ ایک چھوٹا لیکن صاف ستھرا شہر تھا۔ جہاں  
 کے قابل دید مقامات میں ایک بالک اور جہاز کا محل  
 تھا۔ ان کی جیب اس قبضے کے مرکزی بازار سے گزرتی ہوئی  
 آگے بڑھ گئی۔  
 قبضے سے باہر آنے کے بعد جو سب سے پہلے آدنی  
 دکھائی دیا۔ جیب اسی کے پاس رک گئی۔ وہ ان دونوں کو  
 دیکھ کر بہت حیران ہو رہا تھا۔  
 کیوں بھائی! یہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں شکار وغیرہ  
 کھیلا جاسے؟ شان بولے اس سے بولہ۔  
 "آپ لوگ شکاری ہیں؟" اس نے بڑی گہری لگا ہوا  
 سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔  
 ہاں بھی تو کوشش کر بیٹے شاید کچھ ہانڈ آجائے؟" اور  
 نے کہا: پہلی بار اس طرف آئے ہیں ماسی نے راستہ نہیں  
 معلوم کیا ہے؟  
 "مڑو کوٹ اور دو سرے چھوٹے جانوروں کے لئے مکان  
 بازی بہت اچھی جگہ ہے جناب؟" اس نے کہا: "اے میں ہانڈ  
 پر چلتے چلے جائیں آگے جا کر ایک چھوٹی سی آبشار ملے گی  
 اس آبشار سے پانی کو محوم جائیں برنگنڈوں کی چھالوں  
 کے بعد لیگان بازی کے جنگلات شروع ہو جائے ہیں جہاں  
 چھوٹا شکار بہت ہے۔ آج کل سب لوگ اسی طرف جاتے  
 ہیں۔ ورنہ پہلے رام وادی جایا کرتے تھے؟  
 "کیوں؟" اب رام وادی کی طرف کیوں نہیں جاتے؟  
 "وہ جگہ خطرناک ہوئی ہے جناب۔ رات کے وقت  
 عجیب آوازیں سنانے لگی ہیں۔ رنگ برنگی روشنیاں  
 دکھائی دیتی ہیں۔ کبھی کبھی گولیاں چلنے کی آوازیں آتی ہیں۔  
 انسانوں کی جہیزیں سنانے لگی ہیں؟  
 "واپسی! یہ تو بہت حیرت کی بات ہے؟" شان بولے  
 حیرت ظاہر کی کہ کیا علاقے کی پولیس نے بہت نہیں چھایا کہ  
 وہاں کیا ہے؟  
 "پولیس والے بھی تو آپ اور ہم جیسے انسان ہی ہوتے  
 ہیں بھائی! اس نے کہا: کچھ سب سے دو تین پولیس والے  
 اوصحہ جا کر غائب ہوئے ہیں۔ پولیس والوں نے دھیان دینا  
 ہی چھوڑ دیا ہے؟  
 "یہ رام وادی ہے کس طرف؟" اور نے سرسری انداز  
 سے بولہ۔  
 "وہ اس راستے پر ہے۔ آگے جا کر ایک کالی پہاڑی

آتی ہے۔ اس پہاڑی کو پار کرتے ہی رام وادی کے جھلار  
 شروع ہو جاتے ہیں؟" وہاں کے جواب دیا۔  
 "اچھا بھئی! تمہارا بہت بہت فکریہ؟" عثمان بولے کہا۔  
 اور ڈرامہ کو گاڑی بڑھانے کی ہدایت کی۔  
 "ڈرامہ گھر کے ایک جھنگے کے ساتھ گاڑی آگے بڑھادی  
 تھی۔  
 "تو یہ رام وادی ہی ہماری منزل ہے؟" شان ہو کچھ دیر  
 کے بعد بولا: ابھی تک تو ہم نے بڑے اطمینان کے ساتھ  
 اپنا سفر انجام دیا ہے۔ لیکن اب رام وادی میں سینے ہی  
 ہمارے لئے دشواریاں شروع ہو چکی ہیں۔ کوئی نہیں کہہ  
 سکتا کہ وہاں پہنچ کر کیسے حالات پیش آئیں گے۔ اس لئے بہتر  
 یہی ہے کہ اپنے آپ کو پھر سے منظر لیا جائے؟  
 "یہ بات نہیں سمجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے؟" دو  
 نے کہا: "میں نے آگے بڑھا ہوا مقدمہ کبھی بچے نہیں ہوتا ہے؟  
 چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی ہو؟  
 "مڑو کوٹ! تم واپس جانا چاہتے ہو؟" شان بولے ڈرامہ  
 سے بولہ: "تم نے اب تک بہت سارے ساتھ دیا ہے۔ اور اگر  
 تم واپسی کا فیصلہ کرو تو میں کوئی خیال نہیں کروں گا؟"  
 "نہیں مالک! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ڈرامہ نے شان بولے  
 کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "میں تو ماسی کی طرح ہمیشہ آپ  
 کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ کا لنگ کھایا ہے۔ اب چاہے کچھ  
 بھی ہو جائے۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا؟  
 "اور دل ہی دل میں رنگے کے جذبے کو سرا کر رہا  
 وہ ایک بہادر اور وفادار آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس سفر کے  
 درمیان پہلی بار ڈرامہ نے اپنی بات کی تھی۔ ورنہ وہ باقواں  
 ہلاتا رہتا یا پھر ہوں ہاں کر کے رہتا اس سے بہت کچھ نہیں  
 ہو رہی تھی کہ وہ ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے کام سے کام  
 رکھنے کا عادی ہے۔  
 کالی پہاڑی تک پہنچنے میں انہیں مزید دو گھنٹے لگ  
 گئے۔ اس دوران شام ہو چکی تھی۔ اور شام کی سیڑی ارد گرد  
 کے مناظر ہمارے لئے تھی۔ وہ جیب اب جس راستے پر چل  
 رہی تھی۔ اس کے ارد گرد کھیتوں کا تسلسلہ ختم ہو گیا تھا اور  
 خود رو جھڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ ان خود رو جھڑیوں  
 کا اختتام ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہو رہا تھا۔ اس پہاڑی کو  
 ساہو پہاڑی شاید اس لئے کہا جاتا تھا کہ دھوپ کی تھپی تے  
 چٹانوں کو سیاہ مائل کر دیتا تھا۔ اس کالی پہاڑی کے عقب  
 میں وہ سیدھی علاقہ تھا جہاں ان لوگوں کو جانا تھا۔

"بہتر خیال ہے کہ ہمیں اپنی جیب ہمیں نہیں چھوڑی  
 چاہئے؟" شان بولے کہا: "سلمان ہم اپنے ساتھ لے لیں گے؟"  
 "اسکو بھی تو ہے ہمارے پاس؟" اور اس کی طرف دیکھتے  
 ہوئے بولا۔  
 "ماسی! اول تو اس حادثہ کو دیکھیں کہ کام نہیں آئیں  
 گے۔ اس کے علاوہ ہم بڑی بندوبست اپنے ساتھ بھی  
 نہیں لے جاسکتے۔ ایسا کر لیتے ہیں کہ چھوٹے اسلحے اپنے  
 ساتھ رکھ لیں اور بڑی بندوبست ہاتھوں میں لے لیں آخر ہم  
 شکار کی ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو دکھانا ہی ہو گا؟"  
 اس جیب کو سیاہ پہاڑی کے دامن میں ایک ایسی جگہ  
 روک دیا گیا جہاں سے وہ جیب دکھائی نہیں دی جاسکتی  
 تھی۔ پھر ان لوگوں نے جیب سے سارا سامان نکلوا کر اگلے  
 جھنڈے سے آگے بڑھ گئے۔ اب تنگ کے سڑ میں انہیں  
 کسی کی طرح زندگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ یا تو  
 انسان نظر آتے۔ انسان نہ ہوتے تو کم از کم جانور اور پرندے  
 تو نظر آئی جاتے لیکن اب وہ جس راستے پر چل رہے  
 تھے۔ وہاں ایک غیر فطری سامان تھا۔ ایسا انکی محنت چاہیے  
 یہاں بسنے والے پرندے اور جانور بھی اجرت کر گئے ہوں؟  
 "بہت ہی غیر فطری سامان! کھیلنا ہوا ہے؟" اور نے  
 شان بولے کہا۔  
 "ہاں میں بھی یہ محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن یہاں کی غائی  
 ایسی ہے کہ نہ جانے کتنے طوفان اور ہلکے بولٹوہ ہو گئے؟  
 "وہ دیکھیں مالک! ڈرامہ نے اچانک ایک طرف اشارہ  
 کیا۔ وہ ایک چھوٹی سی دکھائی دے رہی ہے۔  
 "اوپر! وہاں ہو جاؤ؟" شان بولے خبردار کیا؟ پہلی جگہ کی  
 آگے ہے؟  
 "وہاں نے منجس لگا ہوں سے اوصحہ و اوصحہ دیکھا وہ  
 چھوٹی سی ان سے کچھ فاصلے پر تھی۔ وہ ایک مامی  
 چھوٹی سی تھی جس طرح عام طور پر میاؤں میں ہوا کرتی ہے  
 بہتر اس چھوٹی سی کے آگے والے اچھے خاصے رقبے کو کھڑا  
 نکلناؤں سے صاف کر دیا گیا تھا۔ واد کی عقائی لگا ہوا  
 نے ایک اور چھوٹی سی جگہ دیکھی۔ یہ چھوٹی سی پہاڑی والی  
 بو پڑی کی سیدھی بنائی گئی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ  
 ناچو پڑیوں میں سے رسنے والے کی لگاؤوں سے بچ  
 رہا بہت مشکل تھا۔ اگر چھوٹی سی والے دو تین لے بیٹھے  
 ان تو اسی صورت میں ان کی لگاؤوں سے بچنا اور کبھی  
 کل ہو جاتا تھا۔

داو نے دیکھا کہ انہیں چھوٹی سی کی طرف بڑھتے  
 ہوئے دیکھ کر دو آدمی چھوٹی سی کے دروازے پر آکر  
 کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ بڑی دلچسپ اور گہری لگا ہوں  
 سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ  
 تھکے تھکے انداز میں چلتے ہوئے چھوٹی سی کے پاس آکر  
 کھڑے ہو گئے۔  
 "بھائی! کیا ہم چھوٹی سی دیر یہاں رک سکتے ہیں؟" دو  
 نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "وہ دونوں قوی لکڑا اور خطرناک صورتوں والے ایسے  
 لوگ تھے جنہوں نے دیہاتوں جیسے لباس پہن رکھے تھے  
 لیکن ان کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسے لباس  
 استعمال کرنے کے عادی نہ ہوں۔ ان کے چہرے، ہاتھ  
 تھے کہ وہ نہ صرف شہری زندگی سے بہت اچھی طرح واقف  
 ہیں بلکہ انہوں نے شہری زندگی کے تاریک پہلوؤں کا بھی  
 سامنا کیا ہے۔ ان کے چہروں کی کھنکی ان کے دلوں کی  
 شقاوت اور بے رحمی کا اظہار کر رہی تھی۔ انہوں نے دھوپوں  
 کے اوپر ہلکے کرتے مئے ہوئے تھے۔ اور ان کے  
 دونوں پہلو یہ بتا رہے تھے کہ ان کے پاس ہتھیار بھی موجود  
 ہیں۔ کون ہو تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے ان کی طرف  
 دیکھتے ہوئے بولہ: "اس کے چہرے کی طرح اس کا بوجھ بھی  
 کھینچتا تھا۔  
 "ہم لوگ شکاری ہیں بھائی! شان بولے جواب دیا۔  
 "جیسے؟" ہوئے اس طرف آگے ہیں۔ کیا چھوٹی سی دیر لے لے  
 ہم اکرام نہیں کر سکتے؟  
 "اس علاقے میں شکار کہاں ملتا ہے؟" دو سرے  
 نے کہا: "تم لوگ غلط آگئے ہو۔ تو وہاں علاقہ ہے۔ بہتر ہے  
 کہ تم واپس چلے جاؤ؟  
 "ٹھیک ہے۔ ہم واپس ہو جائیں گے۔ لیکن کیا میں  
 چھوٹی سی دیر لے لے بیٹھنے کے لئے بھی نہیں ہوئے؟" دو  
 بولے: "تم لوگ کیسے دیہاتی ہو؟ ہم نے تو یہ منانا کہ وہاں  
 میں رہنے والے سازوں اور میاؤں کا بہت خیال رکھا  
 کرتے ہیں۔ اور تم جانے کے لئے گھر رہے ہو؟  
 ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز لگاؤ  
 سے دیکھا پھر ان میں سے ایک نے کہا: "ٹھیک ہے آؤ  
 اندر آ جاؤ؟  
 "اور سرکا دیا۔ اس کے خیال کے مطابق کھیل شروع  
 ہو چکا تھا۔ ان کی جھپک یہ بتا رہی تھی کہ وہ بیمار کی کی



آدمی ہیں۔ شان بونے جوز لیجان کے حوالے سے اس  
 جہت میں داخل ہونے کا منصوبہ بتایا تھا لیکن دوا کے ذہن  
 میں دوسری بات تھی۔ اس نے کوئی اور طریقہ مستوح نہ کیا  
 اور وہ جاننا تھا کہ اپنے منصوبے پر کس طرح عمل کیا جا سکتا  
 تھا۔ وہ نشان بونے کا احسان مند ہو کر کہیں رہنا چاہتا تھا بونے  
 نہ ہی اسے یہ قبول تھا کہ وہ کسی کامیاب کے الگو کی طرح شان  
 بونے کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے۔ یہ اس کے مزاج کے خلاف  
 تھا۔

جوزلیغان کے ڈرائینگ روم میں جوزلیغان ابلرام  
اور مراد کے علاوہ دوا اور آدمی بھی تھے۔

ان میں سے ایک ڈاکٹر یہ کہل تھا۔ مجھ کو کہا کہ ماہر  
ایک ماہر مرجن تھا جس کا نام بہر کہل ہے پھر یہ بتایا تھا کہ  
خود بھی ایک ماہر مرجن مرجن ہونے کے باوجود وہ یہ کہل  
جوڑ بھانگا ہی کے مزاج کا تھا۔ اسے یہاں کے سے نفرت  
تھی، اس کی بالیسوں سے نفرت تھی، اور اس کے روپہ  
سے نفرت تھی اور اس کے وجود سے نفرت تھی، اس کی  
وجہ بہر کہل نے یہ بتائی تھی کہ یہاں کے اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا  
اسنے ساتھ شامل کر لیا تھا، اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا  
تھا، اس کی بیوی اور بچوں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس کے  
بعد سے زبردستی اس بات پر مجبور کر دیا گیا کہ وہ یہاں  
کے ساتھ رہے۔ اس کے آدھوں میں جس کے ساتھ  
مجھے سر جری کی ضرورت پیش آئی، ڈاکٹر پھر یہی اس وقت کام  
آتا تھا۔

میں سے ہے۔ ان کے علاوہ اسے کچھ اور نہیں معلوم

مکھنڈ اس وقت ان کے سامنے ایک میز پر سر جری کے  
آلات کے برابر میں ایک چھوٹا سا کس بھی مکھنڈ جو سی دھات  
کا بنا ہوا تھا۔ یہ کس سے مکمل اپنے ساتھ لایا تھا۔  
”نو جوان تھرا جا جذبہ قابل دید ہے یہ پو پوٹنے پر اہم سے  
جہاں لیکن بہتر یہی ہے کہ ایک بار پھر سوچ لو۔ ہم لوگ  
جو طریقہ اختیار کر رہے ہیں۔ اس میں تھرا کی موت بالکل  
یقینی ہے۔ موت تو خبر ہم لوگوں کی بھی ہے لیکن ہمارے  
یعنی نہیں ہے۔ جو سکتا ہے کہ اس تباہی میں ہم نہیں سے  
کوئی سچ نکلے۔ میں کامیاب ہو جاتی ہوں۔ لیکن تمہارے بچے  
اڑ جائیں گے“

”میں نے بہت سوچ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہلرام  
سکرانے ہی ہوئے۔ بولنا کہ زندگی انسان کو صرف ایک بار ملتی  
ہے۔ اگر یہ کسی بڑے مقصد میں کام لائے تو اس سے کچھ  
اور کیا بات ہوگی۔“

”ٹھیک ہے ایسا کال نے ایک گہری سانس لی باب  
میں تمہیں وہ ہم دیکھنا ہوں جو شاید موجودہ عہد کا سب سے  
جہت انجمن ہے۔“

اس کا چکر اس نے دھاتی بس اٹھا کر اسے کھولی لیا  
 بس کے اندر ایک چھوٹا سا کپڑا ہوا تھا۔ اس کے اوپر  
 حصے میں لہریں تھیں اور بگڑی ہوئی مٹھوس ہو رہی تھی۔  
 رنج مٹنے بجھنے پھر ختم ہو جانے، اس کے نکلے حصے میں  
 ایک چھوٹی سی سوئی سی ہوئی تھی جو پیشے کے ایک کس کے  
 اندر مٹھی، وہ سوئی دابیں اور بایں کو حرکت دے رہی تھی۔

ہے وہ ہم، یہاں تک کہ بڑی احتیاج کے ساتھ  
ہم کو اٹھائے ہوئے بتایا۔ ہم تصور سے کہیں زیادہ تیار  
کرنے سے۔ ہم اسے الزام دینے کے ذریعے کنٹرول کرتے ہیں۔ وہی  
حقے میں رنگ بدلتی ہوں۔ وضو حال جوہری اثرات اور توانائی  
کو ظاہر کر رہی ہیں۔ جبکہ دوسرا احمد علیہ کی طرح ہے ایک  
ایسے کمپیوٹر کی طرح جسے خیال کی لہروں کے ذریعے کنٹرول  
کیا جاتا ہے۔ اس کی کنٹرول کرنے کے لئے جس شخص کا لنگر  
جاتا ہے۔ اس کی آواز اس کی لہروں میں محفوظ کر لی جاتی ہے  
اس کے اندر ایک بہت مختصر سا کلمہ ————— رکھا  
ہے۔ جو اس شخص کی آواز اس کے بچے اور فرزند کی کو محفوظ  
کر لیتا ہے۔ پھر جب وہ شخص وہی بات دہراتا ہے تو یہی  
بہت ہی تیز اور دہری حقے کو متحرک کر دیتا ہے اور اس طرح  
ہم بچتے جاتا ہے؟

”بہت سی حیرت انگیز لڑکیاں ہیں، ہمارا جہ نے صرف وہی  
 ”سائنس نے بہت ترقی کر لی ہے ہمارا جہ صاحب  
 ”یہ کمال ہے بتایا، ویسے ٹرانسپنڈر بلائی جی ایچ ایچ کے  
 ”کسی اور لڑکی پر حیران ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی  
 ”میں کچھ کہتے ہوؤں گا، ہزاروں نے ابھی کر دیں  
 ”بہت آگے سوچ کر لے لے، آنکھوں کو ابھی اوپر دیکھو  
 ”باقی رہ جائے، تو چلیں آپ لوگ اپنا کام شروع کریں  
 ”تو پہلے تم ایک سے دس تک کنفی گنوں پر کیا کالے  
 ”کی اس کہیہ ٹرکوفیہ فیکر دیا جائے گا کہ جب تم دس تک  
 ”پہنچو تو پھر ہمارا دے“

میکائل نے اس چھوٹے سے تھاکن کیسپول کا کوئی  
 حصہ دیا اور بہت لمبی سی گھون گھون مل آواز گونجنے لگی۔ یہ  
 آواز ایسی کھلی کہ بہت غصہ سے سننے کے بعد ہی غصہ مٹ  
 جاسکتی تھی۔

لیکن اس وقت، ہنسی سمت میں ہے۔ یعنی تم دس تک گنتی نہیں بھی لو گے تو تب بھی کچھ نہیں ہوگا۔ صرف تمہاری آواز غولٹا ہو جائے گی۔ جو بھرت تمہاری تنگی کو مٹا دے گا۔ اس کے بعد میں اس کپہو ٹرو سمیت اپنی پلوزے تو کروں گا۔ اس کے بعد جہاں تم نے دس تک گنتی نہ کی وہاں یہ ہم چھٹ بڑا پلوزہ شروع ہو جاوے گا۔

ہو بلرام نے ایک نظر جو اہنان کی طرف دیکھا اس کے  
ہونٹ دھیرے دھیرے اس طرح لرز رہے تھے جیسے وہ  
لہنی دلی کہنوت کو چربانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کی  
آنکھیں اداس تھیں۔ لیکن وہ اس طرح خاموش تھی جیسے  
جو کچھ ہو گیا اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہ ہو۔

ایک دودھ بھرا پٹے جو زباناں کے چہرے سے لگا ہوا تھا، ہونے لگتی شروع کر دی۔ آٹھ نوٹس پہ صوبہ لوگ سانس روکے ہوئے بھرا اور اس کیپول کی طرف دیکھ رہے تھے جس کی سوئی دھیمے دھیمے اس طرح لرز رہی تھی جیسے اس کے اندر لٹائی ہوئی رہا ہوگی۔ پھر اس کے پیچھے بھرا کی آواز کے اور کوئی آواز نہیں مچا۔ پھر اس کیپول کو سیدھا ماحول میں بھرا نے اپنی لگتی مکمل کر لی۔ یہاں تک کہ کیپول کی سوئی کو ٹکٹ کر کے ہوئے ایک گہری سانس لینے ہوئے کیپول کا ذہن دوبارہ مزید رکھ دیا۔ اس ہم کا ایک مرحلہ ختم ہو چکا تھا۔ اس خطرناک اور تباہی مچانے والے چہرے نے ہم میں بھرا کی آواز بھری ہوئی تھی۔ جو دس تک لگتی کے بعد اس ہم کو کچھ کر سکتا تھا۔ اس کی آواز تباہی پھیل سکتی تھی۔ اس پورے علاقے کو گواک کا ڈھیر ماسائی تھی۔ یہ ساری ممکنہ تباہیاں بھرا کی زبان کے نیچے قید ہوئی تھیں۔ اسے اب اس ہم کی تباہ کاری پر اور اختیار حاصل ہو گا تھا۔

میں کمال کے ہم رکھتے ہی اس کے لیے میں زندگی کی ہر دھڑکی جوڑ بھانسنے آئے ہوں کہ اسے سائنس کا بلغم بکھاؤں۔ لیکن اس نے اس بار بھی مجھ نہیں بھنا سنا۔ لیکن بلغم کی خاموشی کو کچھ کر دھیرے سے سکرا دیا جوڑ بھانسنے کی خاموشی نے ہمت کچھ بنا دیا تھا۔

”غلاب یہ تم ہم سے حکم کیا پڑا ہو گیا ہے یہ کیا کائنات نے  
 کہا۔ تم جب چلے اسے تباہ کر سکتے ہو؟“  
 ”مجھے ذہن میں ایک اور بات آ رہی ہے،“ جمالہ  
 ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ”کیا ضروری ہے کہ اس  
 کم کم بچاؤ کے لئے اسے ہم کو ہر کام کے جبر کے اندر آ  
 رکھا جائے۔ جب یہ تم اتنی طاقت و سہ کے نواسے نہیں  
 بنی، رکھ کر بچھاؤ جا سکتا ہے۔“

آپ نے بہت اچھا سوال کیا ہے جہاں اے صاحب :-  
 یہاں لڑنے کے لیے نہیں ملتا ہے کہ یہاں کے قوت نہیں  
 ہے۔ وہ وہاں کا پلانٹ جس سال میں رکھا گیا ہے وہاں  
 منتقل ہو گیا ہے کہ اس پر اس قسم کے برکات کوئی اثر  
 ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ درست ہے کہ یہ بہت تباہ کن ہے  
 اس کے اثرات دور تک محسوس کئے جائیں گے لیکن اس  
 سال ہر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ وہاں اور یہاں کی رہائش  
 وہاں بھی جو موجود ہے گی اگر بہت بڑی بستی بھی مکمل طور پر  
 تباہ ہو جائے یہاں موجود شخص کی موت واقع ہو جائے  
 اور صرف یہاں اور لڑنے پلانٹ باقی بچے تب بھی یہاں  
 اس ملک کے ایک خطرناک خوفناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس  
 کے علاوہ ہر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

”وہ کس طرح؟ ہمارا جہ نے بلوچستان تباہی کی صورت میں وہ افرادی قوت کہاں سے لائے گا؟“

”کما ضرورت ہے، افرادی قوت کی۔ وہ اپنے آپ کو  
 وزراء و صورتوں میں تخلیق کرے گا۔ آپ کی بجائے ہزار  
 ہمارے گھومتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ ایسی صورت میں  
 دہریہ زیادہ تباہی کا اندیشہ ہے۔“

”اسی لئے تو میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد کام شروع کر دو  
مائے ہنر ہنر آپ تیار ہی کریں۔“

”آپ کی پیش بہت معمولی ہو گا۔ یہ میرے بتا یا۔ اس  
پیسول کو آپ کی زبان کے اندر رکھ دیا جائے گا۔ تم اس پر  
ایک خاص قسم کی کوٹ کر دیا گئے۔ اس کی وجہ سے جس  
شرین کو بھی آپ کے جسم میں اس قسم کی موجودگی کا پتہ نہیں  
چلا سکتے گا۔ یہ نظم گر جو معمولی ہو گا۔ پھر بھی اسے جھوٹے میں  
دیکھ دن لگ جائیں گے۔ اس دوران آپ کو مشکل  
عام کرنا ہو گا۔“

”جو شخص موت کے منہ میں جا رہا ہو اس کے لئے  
 اس سے کیا فرنی پڑ جا رہا ہے کہ اس کا زخم بھوے یا نہ بھوے“  
 بلالام مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم واقعی بہت عظیم انسان ہو مگر اسے جو زیل خان نے کہا۔  
 "میں نہیں بلکہ میرا جڈ بہ عظیم ہے۔"  
 "ایک ہی بات ہے عظیم جذبہ عظیم ہی لوگوں کے پاس ہو اگر تھے ہیں۔"  
 "تو پھر تم اس مہر پر لیت جاؤ تو جو انہی نے پڑنے ایک بڑی سی مہر کی طرف اشارہ کیا تاکہ یہ عظیم کام شروع کیا جاسکے۔ یہ وقت گواہ ہے گا کہ تم لوگوں نے پوری انسانیت کو ہمارا جیسے انسان کے شہر سے بھانے کے لئے ایک بہت بڑی قربانی دی ہے۔ اس عظیم کردار میں ہماری جیتیں نالوثی ہے۔ اصل کردار جو زیل خان اور ہمارا ہیں۔ جو زیل خان نے ہمارے کی طرف مکرانے ہوئے ایسی لگا ہوں سے دیکھا جن میں اس کے لئے جہاد اور فحش کا پیمانہ چھپا ہوا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے ہمارا ایک ناکھٹا تھا کہ اس کی پتیلی پر بوسہ دیا اور چند قدم پیچھے ہٹ گئی۔ ہمارا مکرانہ ہوا اس سیر کی طرف بڑھ گیا جس پر اسے سر جری کے عمل سے گزرنا تھا اور وہی وقت فون کی گھنٹی بج گئی۔

●

وہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔  
 اس ہال کی بناوٹ۔۔۔ مچی جیت انی تھا۔ اس کی چھت بہت اونچی تھی۔ اور چھت پر مختلف رنگوں کی ریڈنیاں لہریں لے رہی تھیں۔ چھت کی سطح سے نیچے جڑ جڑ اسٹال لائٹ بھی لگی ہوئی تھیں۔ اس عظیم چھت کو ہمارا دینے کے لئے کئی عدد ستون بھی بنائے گئے تھے۔ یہ ستون کسی ایسی دھات کے تھے جن کی وجہ سے وہ جلتے ہوئے محسوس ہوتے ان ستونوں کے درمیان کلوز کرکٹ گئے ٹی وی اسکرین نصب کئے گئے تھے۔ ٹی وی اسکرینوں سے نیچے ہر ستون میں بیوٹر نصب تھے جو اعداد و شمار کو گلاہر کر کے میں مصروف رہتے تھے۔

اس ہال کی دیواروں کے ساتھ ساتھ مختلف نوعیت کی مشین بھی لگی ہوئی تھیں۔ یہ مشینیں جہاد میں کسی ریڈیو سے لے کر ٹیکسٹنگ مشینیں۔ ان مشینوں سے مختلف رنگ پر مینے تار لکھ کر ہال سے باہر جلتے گئے تھے اس ہال میں کوئی بڑی کونڈر واڑہ کوئی ریڈیو ڈان نہیں تھا۔ اس کے باوجود محض کاٹا ٹیکسٹ نہیں تھا۔ ٹھون ٹھون کی ہلکی ہلکی آواز یہ ظاہر کر رہی تھی کہ اس ہال میں ایک خوشگوار سی ٹھنڈک لگا ہوا ہے۔ اسی لئے اس ہال میں ایک خوشگوار سی ٹھنڈک پائی جاتی تھی۔ جبکہ ستونوں میں گئے ہوئے کپڑے بتا رہے

"منو ہر پر کاٹش نے جناب ٹی وی پر دکھائی دینے والے سے جواب دیا۔  
 "کون منو ہر پر کاٹش۔؟"  
 "کون منو ہر پر کاٹش۔؟ وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"  
 "کیا بکواس ہے۔ اب میں ایسے آئے لوگوں سے ملنا چاہتا ہوں۔"  
 "میں نے اسے سمجھائی کہ کوٹش کی مٹی ہاں۔"  
 ٹی وی پر نظر آنے والے نے کہا۔ "لیکن وہ آپ سے ملنے کے لئے بعد پور ہوا ہے۔ میں نے جب اسے لانا چاہا تو وہ مجھ پر ہتھولے کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ہر حال میں آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کا گناہ ہے کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ وہ آپ سے ضرور ملے گا۔ کیونکہ اس کے کھنکھنے کے مطابق وہ آپ کو کوئی اہم اطلاع دینا چاہتا ہے۔"  
 "میں مصیبت سے یہ ہمارا نے کہا۔ چلو بلاؤ اسے۔"  
 "اب ٹی وی کے اسکرین پر ایک دوسرے آدمی کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ بھی ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اور اس وقت بہت خوفزدہ دکھائی دینا تھا۔  
 "ہاں بتاؤ کیا بات ہے۔ ہمارا غرایا بکواس چاہتا ہے۔"  
 ٹی وی پر نظر آنے والے شخص نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔ "ایسے نہیں جناب میں آپ کے سامنے آکر عرض کروں گا۔"  
 "کیا بکواس ہے جلتے نہیں کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"  
 "مجھے احساس ہے ہاں۔ لیکن بات ہی ایسی ہے کہ صرف آپ سے ہی جاسکتی ہے۔ میں اس گستاخی کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ آپ خود دیکھ لیجئے گا۔ وہ بات اہم ہوئی تو آپ مجھے گولی مار دیں گے۔ میں اپنی جان دینے کو تیار ہوں۔"  
 "اچھا ہمارا نے ایک گہری سانس لی۔ "تو وہ بات ٹی وی پر آجی۔"  
 "جی جناب۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی اسے میری ہی طرح سمجھ دیں گے۔"  
 "تھنک ہے تو پھر آئیے۔ ہمارا نے لہڑی گردن ہلا دی۔  
 ہمارا کی اجازت کے ساتھ ہی ٹی وی کی اسکرین تاریک ہوئی۔ اس کے فونڈا ابھی وہ اسکرین دوبارہ

روشن ہو۔ اس بار مختلف منظر تھے۔ یہ منظر اسی شخص کے تھے جس نے ہمارا سے ملنے کی خواہش کی تھی۔ وہ اب ہمارا سے ملنے کے لئے غنائی مرحلوں سے گزر رہا تھا۔ جدید احساسات کے ذریعے اس کی تلاشی کی جارہی تھی۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک طویل راہداری میں جلتا ہوا دکھائی دیا۔ اس وقت ہمارا نے ٹی وی کے اسکرین سے لگا ہٹیں ہٹا کر ایک دیوار کی طرف جھکا دیں۔ کچھ ہی دیر بعد دیوار ایک طرف سمت کی اور دوسرے ہال میں داخل ہو گیا۔

وہ اس ہال میں گئے بعد دکھایا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ شاید وہ یہاں پہلی بار آ رہا تھا۔ اسی لئے اس ہال نے اسے مرعوب کر دیا تھا۔ وہ ایک جگہ کھڑا ہو کر اس طرح دیکھ جا رہا تھا جیسے اس میں آگے بڑھنے کی بہت ہی نہیں رہی ہو۔ بائیں نے اس پر جادو کر دیا ہو۔ اس کی حالت دیکھ کر ہمارا کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔ جیسے اس نے خود ہی ختم بھی کر دیا تھا۔  
 "آؤ آؤ وہ کھٹ لہجے میں بولا۔ وہاں کیوں رک گئے۔"  
 منو ہر کاٹش بولتے ہوئے قدموں سے ہمارا کے پاں آکر کھڑا ہو گیا۔ ٹی وی اسکرین پر وہ بہت خود اعتماد دکھائی دے رہا تھا۔ لیکن ہمارا کے پاس آنے کے بعد اس کی خود اعتمادی ہوا تو بھٹی گئی۔  
 "ہاں۔ بکواس کیا بات ہے۔ ہمارا نے بلے جھانک رہا ہے جلدی کرنا۔ اور بات بہت اہم ہوئی چاہیے۔ ورنہ بہت بڑا سلوک کروں گا۔"  
 "بہت ہی اہم بات ہے ہاں۔ اسی لئے تو اقی بہت کر کے آپ کے سامنے چلا آیا ہوں۔"  
 "تو پھر بتاؤ کیا بات ہے۔؟"  
 "ہاں۔ اب سے کچھ دنوں پہلے آپ کے حکم سے اس علاقے میں ہر جگہ جاسوسی کرنے والے خناس آلات لگا دیئے گئے تھے۔ یہ دو قسم کے آلات تھے۔ یعنی آواز لانے والے اور تصویریں دکھانے والے۔"  
 "ہاں۔ ہاں یاد ہے مجھے۔ ہمارا کچھ چلا آیا تھا۔"  
 اصل بات بتاؤ میں یہ سب مسئلے سے جانتا ہوں۔"  
 "جناب اس مسئلے میں مجھ سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے لیکن مجھے امید ہے کہ آپ جب اس غلطی سے بچنے والے فائدے سے مدد فرمائیں گے تو

مجھے معاف کر دیں گے۔  
 ”بہ نہیں۔ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ یہاں تک کہ اب  
 غصہ کرنے لگا تھا۔ جو کچھ کہنا ہو صاف صاف کہو۔  
 ”جناب۔ بات یہ ہے کہ یہ آلات حرف دو اور تین جہوں  
 کے علاوہ پورے علاقے میں لگا دیئے گئے ہیں۔ اب  
 کی بہن جو زبان کے بہاں بھی ایسے آلات لگائے گئے  
 تھے لیکن آپ کے کہنے پر یہ آلات ختم ہو کر زبان کے  
 مکان سے ہٹائے گئے۔“  
 ”ہاں۔ ہاں۔ ہاں۔ سب جانتا ہوں۔ لیکن تم مجھے  
 کیوں یاد دلانے ہو۔؟“  
 ”اسی معاملے میں مجھ سے غلطی ہوئی ہے جناب۔“  
 ”اب اگر تم نے صاف صاف نہیں بتایا تو میں اسی  
 وقت تمہاری ججی کر دوں گا۔“  
 ”نہیں جناب۔ میں بتا رہا ہوں آپ کو۔ آپ جانتے  
 ہیں کہ آپ کا یہ غلام ایسے ہی آلات پر تعینات کیا گیا ہے۔  
 اس علاقے میں ہونے والی ذرا سی سرکشی بھی میں  
 ریکارڈ کر لیا کرتا ہوں۔ اگر عام سی باتیں ہوتی ہیں تو انہیں  
 منانے کر دیا جاتا ہے۔ اگر خاص بات ہوتی ہے تو آپ تک  
 پہنچا دی جاتی ہے۔ تو ہوا یہ جناب کہ آپ کی بہن ختم ہو۔  
 جو زبان کے یہاں سے آلات ہٹانے میں مجھ سے غلطی ہو  
 گئی۔ نہ جانے کس طرح تصویریں اتارنے اور دکھانے والے  
 آلات تو ہٹا لیے گئے لیکن آواز سننے والے آلات وہاں  
 سے ہٹائے نہیں جاسکے۔ وہ اب بھی تک وہیں لگے ہوئے ہیں۔“  
 ”کیا کہا؟“ اپنی بڑی غلطی۔“ لیماک چیخ پڑا جانتے  
 ہو کہ تم نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔“  
 ”مجھے اس کا احساس ہے جناب۔ لیکن اس غلطی کی  
 وجہ سے ایک ایسی بات کا پتا چلا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔  
 ”کون سی بات؟“  
 ”آپ کی بہن ختم ہو کر زبان کے آپ کے خلاف ایک  
 خطرناک سازش کر رہی ہیں۔“  
 ”کیا؟“ لیماک اس بار گلاب چار کر چلا یا تھا۔ اس  
 نے اچانک منوہر کی گردن پکڑ لی۔ ”جو اس کو مرنے پڑے تو۔“  
 میں مجھے گتے کی موت ماروں گا۔“  
 ”نہ نہیں باس۔“ منوہر ہنسنے لگا۔ ”میں کامیاب  
 ہو سکتا تھا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میرے پاس اس کا  
 ثبوت بھی موجود ہے۔“  
 ”کہاں ہے ثبوت؟“ لیماک نے اس کی گردن چھوڑ

دی۔ ”بتا کہاں ہے ثبوت؟“  
 منوہر نے اپنی جیب سے ایک چھوٹا سا کیس نکال  
 کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”یہ لیماک جناب۔ میں نے اس گھر  
 میں ہونے والی گفتگو ریکارڈ کر لی ہے۔“  
 لیماک اس وقت اس قدر بے قرار ہو رہا تھا کہ  
 اس نے منوہر کے ہاتھ سے کیسٹ چھین کر دروازے  
 کی طرف دوڑ لگا دی۔ منوہر بھی اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا  
 تھا۔ وہ دونوں دیوار کے پاس پہنچے تھے کہ ان کے قدموں  
 کی آہٹ سے دیوار شق ہو گئی اور وہ دونوں اس بال سے  
 باہر آ گئے۔  
 لیماک ایک ایسے کمرے میں آ گیا جہاں مختلف قسم کے  
 آلات کا جال بچھا ہوا تھا۔ یہی کنٹرول روم تھا۔ اسی جگہ  
 سے اس علاقے میں ہونے والی گفتگو سننی جاسکتی تھی اس  
 کمرے میں دو آدمی پہلے سے موجود تھے جو لیماک کو دیکھتے  
 ہی ہونکھلا کر کھڑے ہو گئے۔ لیماک نے انہیں کمرے سے  
 نکل جانے کا حکم دیا۔ اور وہ کیسٹ بھر منوہر کی طرف بڑھا  
 دیا۔ ”چلو سناؤ اسے۔“  
 ”منوہر نے اس کے حکم کی تعمیل میں ایک چھوٹے سے  
 کیسٹ پلیئر پر وہ کیسٹ لگا دیا۔ آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ  
 آوازیں جو زبان کی تھیں۔ میکائل کی تھیں۔ ڈاکٹر پٹری  
 تھیں۔ لیماک کے لیے ان آوازوں کی شناخت مشکل نہ  
 تھی۔ وہ بہت اچھی طرح ان آوازوں کو پہچانتا تھا۔ ان کے  
 علاوہ دو اور آوازیں تھیں۔ یہ آوازیں بلرام اور مہاراج کی  
 تھیں۔ ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کو سن سکتے تھے۔ لیماک  
 کے اعصاب کشیدہ ہونے جا رہے تھے۔ اس نے  
 بڑی سختی کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو چھینچ لیا۔ اس کی آنکھیں  
 خون پر ساری تھیں۔ وہ جو کچھ بھی سن رہا تھا وہ انتہا  
 حیرت انگیز تھا۔ اس کی اپنی بہن جو زبان نے اسے تباہ  
 کرنے کے لیے سازش شروع کر دی تھی۔ اور سازش بھی  
 ایسی کہ جس میں اس کی تباہی لازمی تھی۔  
 گفتگو میان تک پہنچ گئی تھی کہ اس بلرام نامی آدمی  
 کے بدن میں لیٹر بم کا کیپسول رکھ دیا گیا تھا۔ اس کے  
 منوہر نے کچھ اور غیب نہیں کیا تھا۔ وہ یہ غیر سنائے  
 لیے دوڑتا ہوا لیماک کے پاس چلا آیا تھا۔ کیسٹ ج  
 خاموش ہو گیا تو منوہر نے ٹپے اب کے ساتھ اسے بند  
 ”تم واقعی انعام کے لائق ہو۔“ لیماک نے اپنی جا

پر قیام پاتے ہوئے منوہر کی طرف دیکھا۔ ”کیا تمہاری شلوی  
 ہو چکی ہے؟“  
 یہ ایک ایسا سوال تھا جس کی منوہر نے کبھی توقع  
 نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ حیران لگا ہوں سے لیماک کی  
 طرف دیکھنے لگا۔  
 ”میں پوچھتا ہوں، کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟“  
 ”جی۔ جی جناب۔“ منوہر نے گڑ بڑا کر جواب دیا۔  
 ”دوبہنے بھی ہیں؟“  
 ”نہیں۔ وہ لوگ کہاں رہتے ہیں۔؟“ ان کا پتا  
 کیسا ہے؟“  
 ”رام داس بلڈنگ۔ آندھری، بمبئی۔“ منوہر نے زبان  
 ہو کر بتایا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ تمہارا انعام تمہارے گھر والوں کو بھیج  
 دیا جائے گا۔ تم نے واقعی ایک زبردست کارنامہ انجام دیا  
 ہے۔ ورنہ میں اندھیرے میں مارا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی تم  
 نے جو زبان کے گھر سے سارے آلات تہہ ناک کر دیے  
 بڑی غلطی کی ہے۔ اور تمہیں اس غلطی کی سزا موت کی موت  
 میں دی جائے گی۔“  
 منوہر کا رنگ نفی ہو گیا۔ اس کے پورے بدن پر  
 لرز اٹھ رہی ہو گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن  
 لیماک اس پر دھیان دینے بغیر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس  
 وقت غصے کی شدت سے اس کے ذہن میں آنکھیں سی چلی  
 رہی تھیں۔ اگر جو زبان اس کے سامنے ہوتی تو وہ اس  
 کا گلا گھونٹ کر رکھ دیتا۔  
 وہ اسی طرح غصے میں بھرا متحنا تھا ہوا اس عمارت  
 سے باہر آ گیا۔ اس نے جو زبان پر سے نگرانی ختم کر کے  
 ایک بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اس علاقے میں اس نے دو  
 ہی مقامات کو دارالاسن قرار دیا تھا۔ ایک اس کی اپنی رہائش  
 گاہ اور دوسرے جو زبان کا گھر۔ اور اب جو زبان ہی اسے  
 تباہ کرنے پر تیار ہو گئی تھی۔ اس جنت کو بے باک کرنا چاہتی  
 تھی جو اس نے اپنی ذہانت سے تعبیر کی تھی اور لیماک نے یہ  
 سوچ لیا تھا کہ وہ جو زبان کو ایسا نہیں کرنے دے گا۔  
 حکمت سے باہر آتے ہی اس نے اشارہ کیا اور ایک  
 خوبصورت سیاہ سی گاڑی پھسلتی ہوئی اس کے پاس آکر  
 کھڑی ہو گئی۔ اس کے ڈرائیور نے جلدی سے اتر کر اس  
 کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا۔ لیماک ایک جھلکے سے گاڑی  
 میں بیٹھ گیا۔ اس کی ہر حرکت سے اس کا اضطراب اور

بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔  
 ”جو زبان کی طرف چلو۔“ اس نے ڈرائیور سے کہا۔  
 ”اور یہ پوچھنا کہ رو۔“  
 ڈرائیور نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ریڈیو  
 آن کر دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔  
 ”ہیلو۔ کالام۔“ اس نے ریڈیو پر کسی کو مخاطب  
 کیا تھا۔  
 ”جی باس۔ حاضر ہوں۔“ دوسری طرف سے کسی کی  
 آواز آئی۔  
 ”جو زبان کی رہائش گاہ کو گھیرے میں لے لو۔ لیماک  
 نے کہا۔ ”آرمیوں کو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہونا  
 چاہیے۔ سمجھے، فوراً۔“  
 ”جی سمجھ گیا جناب۔“ دوسری طرف سے حیرت بھری  
 آواز آئی۔ پھر یہ گفتگو ختم ہو گئی۔  
 لیماک اضطراب کے عالم میں بار بار اپنے ہونٹوں کو  
 چبا رہا تھا۔ اس کی گاڑی اس کی تخلیق کردہ عمارتوں اور  
 مڑ ٹوکوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ یہ سب کچھ اتنا  
 حیرت انگیز تھا کہ پوری نسل انسانی کو اس پر خوف کرنا چاہیے  
 تھا۔ لیکن اس کی اپنی بہن انہیں تباہ کرنے کی کوشش میں  
 تھی۔ اور وہ بھی اس لیے کہ اس نے اپنی ذہانت سے نگرانی  
 کے خواب دیکھے تھے۔ اس کے حصول کی کوششیں کی تھیں۔  
 اور اس میں برائی بھی کیا تھی۔ وہ بے پناہ ذہین تھا۔  
 اس نے ایسا ہاتھ کے ڈھیر لگا دیے تھے۔ وہ ان کیڑے مکوڑے  
 پر حکومت کرنے کے قابل تھا۔ اس کی تخلیق ہی اس لیے  
 ہوئی تھی کہ وہ ایسے لوگوں پر حکومت کرنا رہے جو اس کی  
 طرح ذہین نہیں تھے۔  
 کچھ ہی دیر بعد اس کی گاڑی جو زبان کے گھر کے  
 سامنے پہنچ گئی۔ اس کی ہدایت کے مطابق بہت سے  
 لوگوں نے اس کی رہائش گاہ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔  
 اور اب وہ لیماک کے دوسرے حکم کے منتظر تھے۔ ان لوگوں  
 کے ہاتھوں میں جدید قسم کے ایسے ہتھیار تھے جو بے اندازہ  
 تباہیاں پھیلا سکتے تھے۔  
 ڈرائیور نے گاڑی روک دی۔ لیماک نے ڈرائیور  
 کے دروازہ کھولنے کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ اس نے  
 خود ہی دروازہ کھولا اور تقریباً دوڑتا ہوا جو زبان کی  
 رہائش گاہ کا باطن داخل ہو گیا۔ اس نے ان لوگوں کی طرف  
 بھی نہیں دیکھا تھا جو اس مکان کو گھیرے میں لیے کھڑے  
 تھے۔

اس کی دستک کے جواب میں جوزلفائن نے ہی دروازہ کھولا تھا۔ لیہارک کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ لیکن یہ مسکراہٹ خوفزدہ سی تھی۔ جیسے جبراً مسکرا رہی ہو۔ لیہارک اسے دھکا دیتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ جوزلفائن کا خوف اور عروج پہنچ گیا۔

”کہاں ہیں وہ لوگ؟“ لیہارک نے چاروں طرف دیکھے ہوئے پوچھا۔

”کس کو تلاش کر رہے ہو؟“ جوزلفائن نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اب اس نے بڑی حذرک لپٹے خوف پر قابو پایا تھا۔

”وہی لوگ جن کی مدد سے تم نے میرے خلاف سازش کی ہے؟“ لیہارک نے کہا۔

”اوہ۔“ جوزلفائن نے ایک گہری سانس لی۔ ”توچہر تمہیں معلوم ہو گیا؟“

”ہاں۔ تم کیسا بھتیجی تھیں کہ اتنی بڑی بات مجھ سے چھپی رہ جائے گی؟“ لیہارک غرایا۔ ”کہاں ہیں وہ کینے لوگ۔“

”وہ کینے لوگ نہیں ہیں بھائی۔ وہ بہت بڑے لوگ ہیں۔“ جوزلفائن نے کہا۔ ”انسانیت کو کچلنے والے اس کو تباہ کرنے والے سے زیادہ بڑے ہوتے ہیں۔“

”بلکہ اس بند کرو۔ میں تمہیں بھی اس حرکت کی نراڈوں گا۔ لیکن پہلے تم ان لوگوں کا پتا بتاؤ۔ کہاں ہیں وہ؟“

”تم خود انہیں تلاش کر لو۔“ جوزلفائن مسکراتی ہوئی بولی۔ ”لیکن تم اتنا گھبرا کیوں رہے ہو؟“

”آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے جوزی؟ تم میری بہن ہو۔“

”اسی لیے تو میں نے تمہارے خلاف یہ سب کیا ہے۔“

”بھائی کے گناہوں کا ازالہ میں تو کر سکتی ہے۔“

”سکتا ہے اسی طرح تمہارے والدین کی روتوں کو کچل سکون ل جائے۔“

”ورنہ وہ تو تمہاری حرکتیں دیکھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہوں گے۔“

”کرب میں مبتلا ہوں گے۔“

”میں کتنا ہوں اپنی زبان بند کرو۔ بتاؤ کہاں ہیں وہ؟“

”میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ وہ جیسے جہاں بھی ہوں، عبرتناک نراڈے نہیں کر سکتے۔“

”انہیں خود بھی زندگی کی خواہش نہیں ہے بھائی۔“

”جوزلفائن نے کہا۔ وہ مرناسی چاہتے ہیں، اسی لیے تو انہوں نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے۔“

”کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟“

”نہیں، اب مجھے ہوش آ گیا ہے۔“ پاگل پہلے تھی، نہ یہ فخر کیا کرتی تھی کہ میرا بھائی اتنا ذہین ہے۔ میں بھتیجی تھی کہ شاید تم نے اپنی بے پناہ ذہانت کے ذریعے انسانوں کی خدمت کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ہندوستان آئے۔ لیکن کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ میں اسی خوش فہمی میں مبتلا تھی۔ لیکن یہاں آنے کے بعد مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ تمہارے ارادے کیا ہیں، تم کیا چاہتے ہو؟ تم کس طرح اس دنیا کو تباہ کرنے کے بعد اس پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے ہو۔ اور تمہارا ساتھ وہ دے رہے ہیں جو خود بھی تمہاری طرح ذہین لیکن مجرم ذہنیت کے ہیں اور۔“

”میں تمہارا کچھ نہیں سمجھتا ہوں اپنی بکواس بند کرو۔“ لیہارک چیخ پڑا۔

”میں تمہارے پاس یہ سب سننے کے لیے نہیں آیا۔“

”تو ان لوگوں کے بارے میں بتاؤ جنہوں نے مجھ سے غدار کی ہے۔ میں میکائیل اور پیٹر پر بہت مجھروسہ کرتا تھا لیکن وہ دونوں کھٹیا ثابت ہوئے ہیں۔“

”ایسا بات کہو۔ تمہارے ارد گرد لوگوں کی جھپٹ میں وہی دونوں تو سچے انسان نظر میں ہیں۔“

”دیکھو جوزلفائن، تم میری بہن ہو۔ اس لیے میں تمہیں ایک اور موقع دے رہا ہوں۔ میں تمہاری غلطی معافی کرنے کو تیار ہوں۔“

”میری طرح اس ملک میں ہزاروں اور بھی عورتیں ہوں گی جو کسی نہ کسی کی بہن ہوں گی۔ میں اپنی ایک جان بچا کر سب کے لیے عذاب مول نہیں لے سکتی۔“

”جوزلفائن بڑے اعتماد سے باتیں کر رہی تھی جبکہ لیہارک غصے میں جھلا جھلا کر اپنا پاؤں فرش پر مارنے لگا۔

”تمہارا اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔“

”اچھا، تم موت بتاؤ۔“ لیہارک نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی جیب سے ریولور نکال کر اس کا رخ۔

”جوزلفائن کی طرف کر دیا۔“

”شاید تمہیں نہیں معلوم کہ انسان پر جب اقتدار کا نشہ سوار ہو جاتا ہے تو اس کی ہڈی ششیں سب معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس کی کوئی بہن نہیں ہوتی، کوئی بھائی نہیں ہوتا۔ تم بھی اس وقت میرے لیے صرف ایک عورت ہو۔ ایک ایسی کم عقل اور بد بخت عورت جس نے میرے خلاف بغاوت کی، اور میں ایسی کسی غدار کو معاف کر دینے کا قائل نہیں ہوں۔“

”اس نے اپنا ریولور والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ جوزلفائن نے اس وقت اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کسی بھی لمحے کوئی

چلنے والی تھی لیہارک نے ریولور کے ٹریگر پر انگلی رکھی اور اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور میکائیل اور ڈاکٹر پیٹر دونوں باہر آ گئے۔ ان کے ساتھ ہلرام اور مارا ج بھی تھے۔ لیہارک نے اپنا ہاتھ اٹھا ہوا ہاتھ جھکا لیا۔ وہ بڑی حقارت اور نفرت بھری نگاہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تو تم جیسے حقیر کپڑوں نے اتنا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے، کیوں؟“

”ہاں لیہارک، ہم جیسے ہی کپڑے اس ظلم کی راہ روک سکتے ہیں، میکائیل نے کہا۔

”بہت دیر کے بعد ہوش آیا ہے تمہیں؟“ لیہارک نے طنز پر انداز میں کہا۔ ”کیا اس سے پہلے تمہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ کی کر گیا کر رہے ہو؟“

”ہوش جب بھی آجائے، اسے غنیمت سمجھنا چاہیے۔“

”پیٹر بھی بول پڑا۔

”ٹھیک ہے۔ اگر تم لوگوں نے اپنا دامغ خراب ہی کر لیا ہے تو پھر عبرتناک انجام کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ لیہارک غرایا۔

”تمہیں لیہارک، یہ عبرتناک انجام ہمارے لیے نہیں بلکہ تمہارے لیے ہو گا۔“ ہلرام نے کہا۔

”تم کون ہو؟“

”میں اس وقت اپنا مکمل تعارف تو نہیں کر سکتا لیکن اگر تمہیں سارے حالات کا علم ہو گیا ہے تو اتنا جان لو کہ وہ ہم میرے ہی بدن میں محفوظ ہے۔“

”کیا؟“ لیہارک نے ناقابل یقین لگا ہونے سے ہلرام کی طرف دیکھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ”ٹھیک ہے؟“ لیہارک نے ایک گہری سانس لی۔ ”اب میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں نے اپنی چالاک سے یہ بازی جیت لی ہے۔ تم واقعی مجھے تباہ کر سکتے۔ میں جا رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی ہوئی یہ حیرت انگیز دہنا تباہ ہو جائے۔ تم لوگ اسے میرے جانے کے بعد حکومت کے حوالے کر دینا۔ میرے لیے یہی بہت ہے کہ یہ نسبت محفوظ رہے گی۔“

”اور تم۔ تم کھلم چلاؤ گے؟“ جوزلفائن نے پوچھا۔

”اب میرا میدان کھلنے کا رہے۔“ لیہارک نے کہا۔ ”اباڈ ختم ہو جائے تو کمزوروں کو لپٹیں پشت چلے جانا چاہیے میں بھی پس منظر میں جا رہا ہوں۔ اب تم میں سے کوئی بھی میری ذہانت کی داستان نہیں سن سکے گا۔ اب میں کوئی ایجاد نہیں کروں گا۔ بچوں جاؤں گا کہ میں ایک ذہین آدمی ہوں۔“

لیہارک جگہ اپنی زندگی بسر کروں گا جہاں مجھے شناخت کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ میرے لیے اب گناہی ہی بہتر ہوگی میں جا رہا ہوں تاکہ تم لوگ ایک نئی زندگی گزار سکو۔ ایک ایسی زندگی جس میں میرا کوئی خوف نہ ہو۔“

”لیہارک کی آواز سے اس کی شکست کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اس کمرے کی گناہاں جگہ بوجھل ہو گئی تھی۔ وہ سب بڑی حیرت سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو اپنے لیے یہ تکر و غرور کھتا تھا۔ لیکن اب وہ ایک ٹوٹے ہوئے بچے کا آدمی تھا۔ وہ ایک ایسا جواری تھا جس نے اپنی ہر بازی ہار دی ہو۔

”لیہارک چند لمحوں تک ان لوگوں کی طرف دیکھتا رہا پھر دروازے کی طرف مڑ گیا۔ اور دروازے کے پاس پہنچ کر وہ اچانک مڑا اور اس نے اپنے ہاتھ میں دیے ہوئے ریولور کا ٹریگر دبا دیا۔ اس نے ہلرام کا نشانہ لیا تھا۔ گولی کی آواز اس کمرے میں گونج اٹھی۔ ہلرام پہنچ کر ایک طرف الٹ گیا۔ وہ گولی اس کے پیٹ میں دھنس گئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی لیہارک کا قبضہ گونج اٹھا۔

”یہ وقوف۔ تم لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ میں واقعی اس حیرت انگیز لیستی کو چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں گا۔ میں نے اس شخص کو گولی مار لی ہے جس کے بدن میں یہ محفوظ ہے۔ اس بات کو فعال کرنے کے لیے اسے یقیناً وہ دم گناہ ہو گا اور میں اسے گنتی مکمل کرنے نہیں دوں گا۔“ سمجھے۔“

”سب کے سب سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔ بازی اچانک الٹ گئی تھی۔

”تم وحشی ذلیل۔“ جوزلفائن بھرا تھی۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی ہلرام کے پاس پہنچ گئی۔ ”گناہ شروع کر دو ہلرام، خدا کے لیے گناہ شروع کر دو۔“

”ہلرام نے اپنی بھتیجی ہوئی آنکھوں سے جوزلفائن کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری اور اسی وقت لیہارک نے دوسری گولی چلا دی۔ یہ گولی ہلرام کے شانے میں اتر گئی تھی۔

”ایک۔ دو۔“ ہلرام نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”کھڑے ہو جاؤ تو کم ہو گا۔“ ہلرام کے شانے سے گناہنے۔ ”جوزلفائن دھاری۔“

”مارا ج، پیٹر اور میکائیل ہلرام کے سامنے دیوار بنا کر کھڑے ہو گئے۔ ہٹ جاؤ ایک طرف۔“ لیہارک غرایا۔ ”ورنہ ایک ایک کو مار ڈالوں گا۔“

”ان میں سے کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا۔ لیہارک نے

محکمہ کتب خانہ کی گولی چلا دی۔ یہ گولی مہاراجہ کو لگی تھی۔ وہ اپنا سینہ پھونک کر ایک طرف گر پڑے۔  
 ”تین چار۔“ ہزارم کی آواز ابھری۔  
 ”بولے رہو ہزارم۔“ جوزیفانٹ چیخی ”میں بھی تمہارے پاس ہوں۔ تمہارے ساتھ مہاراجہ کی۔“

”تاج۔“ چھ۔  
 ایک اور گولی۔ ایک اور موت۔ ہزارم کی گولی کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ سات۔ آٹھ۔

ان دونوں دیہاتیوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد داؤد نشان ہوا اور نگو کو جھوپڑی میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ جھوپڑی خالی تھی۔ یعنی اس میں ایسا کوئی سامان نہیں تھا جو عام طور پر گاؤں کی جھوپڑیوں میں ہوا کرتا ہے۔ فرش پر ایک طرف گھاس چھوس کا بستر تھا جس پر چادر ڈال دی گئی تھی۔ ایک طرف مٹی کا بنا ہوا ایک چوہا تھا جس کے قریب کچھ برتن رکھے تھے۔ اور ایک طرف ٹھوڑی کی کچھ بیٹیاں تھیں جن پر بھی چادریں ڈھکی ہوئی تھیں۔

وہ بیٹیاں بڑی بے تکلفی سے بستر پر آتی یا تلی مار کے بیٹھ گئے۔ جبکہ جھوپڑی میں رہنے والے دونوں آدمی ابھی تک بڑی مشکوک لگا ہوں سے ان کی طرف دیکھے جا رہے تھے۔  
 ”کیا تم لوگ اس سے پہلے کبھی اس علاقے کی طرف نہیں آئے تھے؟“ ان میں سے ایک نے پوچھا۔

”نہیں۔“ داور نے جواب دیا۔ ”یہ پہلا موقع ہے اسی لیے تو راستہ بھول پڑے ہیں۔ لیکن تم لوگ بار بار یہاں کیوں پوچھ رہے ہو۔ ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی سرحد کی چوٹی ہو۔“

”ہم تو بس یونہی اپنی کھوئی شائے کے لیے پوچھ رہے ہیں۔“ دوسرے نے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اب میں تم لوگوں کو صاف صاف بتا ہی دوں۔“ شان ہوان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”کیا مطلب؟“ وہ دونوں ہی چونک پڑے۔ بات کو

اور سہ گیا۔  
 ”بات یہ ہے کہ ہم تمہاری جوزیفانٹ کے مہمان ہیں۔“

شان ہوان نے انھیں ہونے لگا ہوں سے داور کی طرف دیکھا۔ پھر ان دونوں سے مخاطب ہوا۔ ”جوزیفانٹ کے اگر تم لوگ چاہو تو ان سے پوچھ بھی سکتے ہو۔ میرا نام شان ہو

ہے۔ صرف اتنا کہ دنیا کا یہ ہوگا۔ وہ ہمیں خود ہلاک کرے گی۔“  
 ”اوہ۔“ ایک دیہاتی نے گہری سانس لی۔ ”تو یہ بات تم نے پہلے کیوں نہیں بتائی؟“

”میں یقین نہیں تھا کہ تم لوگ وہی ہو۔“ شان ہوان نے کہا۔  
 ”ہاں۔“ ہم تو وہی ہیں لیکن تم لوگ کوئی اور معلوم ہوئے ہو۔“ ایک دیہاتی نے یہ کہتے ہوئے اچانک اپنے کرتے کے دامن کو اٹھا کر ایک ریوا لورنگال لیا۔  
 پرتینوں اس ریوا لور کو دیکھ کر اطمینان سے بیٹھے رہے تھے۔

”اب بتاؤ، تم لوگ کون ہو؟“ ریوا لور والے نے کہا۔  
 ”جب تک ہمیں اطمینان نہیں ہوگا، ہم تمہیں جلانے نہیں دیں گے۔“

”تمہارے اطمینان کے لیے کیا اتنا کافی نہیں ہے کہ ہم جوزیفانٹ کے دوست ہیں؟“ داوران کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”میرے دوست نے کہا ہے کہ تم اگر چاہو تو جوزیفانٹ سے رابطہ قائم کر کے ہمارے بارے میں معلوم کر سکتے ہو۔ اگر تمہاری جوزیفانٹ نے ہمیں بستی میں داخل ہونے کی اجازت دے دی تو پھر جھپک ہے ورنہ تم ہمیں گولی مار دینا پس اس سے زیادہ ہم اپنے لیے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔“

وہ دونوں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ ریوا لور والے نے دوسرے شخص کو اشارہ کیا۔ دوسرا ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے جھوپڑی سے باہر چلا گیا۔ اور اسی لمحے وہ سب کچھ ہو گیا جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

دوسرا شخص جھوپڑی کے دروازے کی طرف بڑھا اور اسی وقت قیامت برپا ہو گئی۔ یہ ایسی قیامت تھی جس نے انہیں زمین سے الگ کر دیا تھا۔ وہ دھماکہ اتنا شدید تھا جیسے ہزاروں آتش فشاں ایک ساتھ جھٹ پڑے ہو۔ داور نے بوکھلا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن آگ کی بارش شروع ہو گئی تھی۔ ہزاروں چنگاریاں، ہزاروں شعلے ہزاروں زلزلے، وہ ان چنگاریوں اور شعلوں کے درمیان گھر کر رہ گیا تھا۔ اس کی آواز بند ہو گئی اور پھر سب کچھ ختم ہو گیا۔



ایکے مستقل دھماکہ، مستقل کرب، مسلسل دکھ۔ ہر طرف مٹی پٹی چنگاریاں ان چنگاریوں کے درمیان دھوکا لہرائی تھی۔ ہر دھوکا دھڑکائی جیسے درو کو بھی صورت مل گئی ہو۔ آتش فشاں پہاڑ تھا جس کے اندر لاوا ایک رہا تھا چھوڑا لاو پوری شدت کے ساتھ دہانے سے باہر آجاتا۔ پورے بدن پر پھیل جاتا اور بدن کو اس طرح جھٹکے لگتے تھے جیسے کئی کے تار بدن سے باندھ دیئے گئے ہیں۔ درو کی لہریں پہلے تو جسم کے کسی ایک حصے میں بے وار ہوئیں پھر بڑھتے ہوئے سبیل کی طرح پورے بدن کی رگوں میں دوڑنے لگیں۔ دماغ پر قحط ہو جاتیں۔ دماغ کے کرب کو جسم اور جسم کے دکھ کو صراحت محسوس کر رہا تھا۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہو سکتا تھا۔ دماغ کی خواہش ہوتی کہ وہ سو جائے۔ اس پر مدد ہوتی اور مٹی طاری ہوجاتی۔ لیکن دھماکہ ہوا کرب دماغ کو بھی جگائے رکھتا۔ نجانے کتنے زلزلے اسی طرح گزر گئے۔ شاید وقت کا اس کا ایسی وقت ہو کر رہا ہے۔ جب زندگی طرب اور نشاط کے دھیرا گزر رہی ہو۔ لیکن جب یہی زندگی درد اور دکھ کا آتش فشاں بن جائے تو وقت محمد ہو کر رہ جاتا ہے۔ بہت دھیرے دھیرے سڑ کر رہتا ہے۔ بہت آہستہ دھیرے دھیرے۔

لیکن وقت کی تیز رفتاری اور آہستہ روی کا احساس بھی ذہن کی بے داری سے شروع ہو کر رہتا ہے۔ ذہن سویا ہوا ہو تو یہ احساس بھی باقی نہیں رہتا۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ ہسپتال کے ایک کمرے میں بے شمار بیٹوں سے لپٹا ہوا دھمک ایک جہرہ گیا تھا۔ ایک ایسا جہرہ جو ابھی صرف جسم تھا۔ اور جس کی کوئی شناخت نہیں تھی جس کا کوئی چہرہ نہیں تھا۔ جس کا کوئی نہیں تھا کہ وہ اگر اس کی پہچان کر سکتا پس کچھ مدد قمر کے ڈاکٹر تھے جو اس دم توڑتے ہوئے جہم کو زندہ رکھنے کی کوشش میں خود بھی توانائی کم کرتے جا رہے تھے۔

آتش کو جس وقت ہسپتال لایا گیا تھا اس وقت اس کی صرف سانس باقی تھیں۔ اور وہ بھی ایسی کم کسی وقت بھی دھوکا لگتی تھیں۔ یہ ایک ایسا ایجنسی کہ جس کا ڈاکٹر کی ایک ہڈی اس کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کر دی گئی تھی۔ ڈاکٹر کی کاجی می خیال تھا کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی میں اپنی خراب حالت اس سے پہلے کبھی کسی کی نہیں دیکھی

ہوگی۔ اس کا پورا جسم ریزہ ریزہ گیا تھا۔ انھوں سے لے کر ہر تنگ شے کی حالت میں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے جسم کو ڈائنامٹ کر دیا گیا ہو۔ ڈاکٹر کی کاجی میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کی سانس بھی کیوں چل رہی ہیں۔ انہیں تڑپتے پہلے ہی ڈوب جانا چاہیے تھا۔ لیکن بعض لوگ اتنے سخت جان ہو کر گرتے ہیں کہ مرنے میں بھی اچھا خاصہ وقت لے لیتے ہیں۔

ڈاکٹر کی اس نیم میں چار ڈاکٹر تھے۔ کرنل راجندر، پروفیسر جہان ڈاکٹر رومان اور ڈاکٹر میاش۔ یہ چاروں ملک گیر شہرت کے حامل تھے اور ان کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی کیس ان کے لئے چیخ بن گیا تھا۔ مریض کی ابھرتی اور ڈوبتی ہوئی نبضوں کے ساتھ ساتھ ان کے دل بھی ابھرتے اور ڈوبتے رہتے تھے۔ اس مریض کے معائنے کے بعد ہر شام ان ڈاکٹر کی میٹنگ ہوا کرتی تھی جس میں وہ ان مریض کے متعلق گفتگو کرتے اور اپنی اپنی رائے پیش کرتے۔ اس مریض کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ حکومت کو بھی اس مریض کے ہوش میں آنے کا انتظار تھا۔ حکایت کے اعلیٰ عہدیدان دن میں کئی بار فون کے ذریعے باؤڈ آکر ڈاکٹر کی اس مریض کی رپورٹ لیا کرتے تھے۔

اس مریض میں حکومت کی دیکھی کی وجہ یہ تھی کہ یہ جس جگہ سے پایا گیا تھا وہ پورا علاقہ کسی انجانی وجہ سے مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس علاقے پر ایٹم بم گرا دیا گیا ہو۔ آس پاس کے کئی دیہات بھی آگ تباہی کی زد میں آ گئے تھے۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ سیلوں دور تک سنا گیا تھا۔ دھماکے کے بعد کئی میل کے علاقے میں خوفناک آگ بھڑک اٹھی تھی۔ آس پاس کے جنگلات اس آگ کی لپیٹ میں آکر راکھ بن گئے تھے۔ اس پورے علاقے کی پولیس امدادی جماعتیں ایضا کھارہستے اس طرف بھاگنے دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ کئی دنوں تک آگ کے کھٹے کا انتظار کرتے رہے تھے۔ حکومت کو اس کی اطلاع پہنچائی گئی تو فوجوں نے اس پورے علاقے کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ کسی کو بھی اس طرف جانے کی اجازت نہیں تھی۔ حکومت نے اپنے اعلیٰ افسران کو اس علاقے کی طرف روانہ کر دیا تھا تاکہ وہاں کی صورت حال کی تفصیلی رپورٹ تیار کر سکیں۔ ان لوگوں کی بھیجی ہوئی رپورٹیں بھی بہت حیرت انگیز ثابت ہوئی تھیں



ان ہی روروں کو سامنے رکھ کر اخبار والوں کو منہ دے ڈیل  
 خبر ڈرامہ کی تھی۔  
 "نیم گھنٹہ سے کچھ فاصلے پر ایک جنگل میں کسی انجانی  
 وجہ سے حیرت انگیز تباہی مہیا ہو چکی ہے، پہلے وہاں ایک  
 زوردار دھماکا ہوا اس کے بعد اس علاقے میں ایک بھونک  
 اٹھی، دھماکا اتنا شدید تھا کہ اس باس کے کئی دیہاتوں کے  
 مکانات زمین بوس ہو گئے۔ اور آگ اتنی شدید تھی کہ اس آگ  
 نے جنگلات کو تباہ کر کے رکھ دیا، آگ بجھانے کے بعد اس  
 علاقے کی تلاشی کے دوران یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ یہاں  
 کوئی ایسی موجود تھی، کوئی ایسی ایسی جو حکومت اور خوام کے لئے  
 انتہائی تھی، اس لیے کے لئے ہوئے مکانات اس بات کی گواہی  
 دے رہے ہیں کہ یہاں آبادی بھی راسی ہوگی، سب سے حیرت  
 انگیز بات یہ ہے کہ ایسی پیچیدہ شہینوں کے جملے ہوئے  
 ملے ہیں، جو کسی تک سمجھ میں نہیں آسکے ہیں، ایسا محسوس ہوتا  
 ہے جیسے اس بے بسی کوئی سائنسی نوعیت کا بہت بڑا کام  
 ہو رہا ہو۔ اس کے علاوہ ان گنت جلی ہوئی لائیں بھی دیکھا  
 ہوئی ہیں۔ البتہ اس تباہ شدہ علاقے سے کچھ فاصلے پر ایک  
 ایسا شخص بھی ملا ہے جو بہت بری طرح زخمی ہے، اس شخص کا  
 انتہائی ٹھیکہ لاش کے شعبے میں علاج کیا جا رہا ہے، اس  
 کے ہوش میں آنے کے بعد اس حیرت انگیز واقعے کے متعلق  
 انکشافات کی توقع ہے۔  
 کچھ اسی قسم کی خبریں "بیرونی اخبارات میں بھی شائع  
 ہوئی تھیں، وہ علاقہ پورے ملک کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔  
 ہندوستان کی انجانی توانائی کے چیرمیں کے اس بیان نے اور  
 بھی صورتحال کو پرامن بنا دیا تھا کہ اس علاقے میں تباہ کاری  
 کے اثرات پائے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی کو اور کچھ بھی معلوم  
 نہیں ہو سکا تھا۔ اب سارا دارومدار اس شخص پر تھا جو آگ زبرد  
 رہتا تو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا تھا لیکن ڈاکٹروں کے  
 خیال میں اس کی زندگی کے امکانات بہت کم رہ گئے تھے۔  
 آج بھی ڈاکٹروں کی مینڈک میں اس مریض کے بابے ہیں  
 گفتگو ہو رہی تھی، آج یہ مینڈک اس لئے بھی لائم تھی کہ اس  
 میں وزارت داخلہ کا ایک اعلیٰ نمائندہ بھی شامل تھا۔  
 "اس شخص کی زندگی ایک معجزہ ہے، ہرگز راجندر نے جلا  
 طرف دیکھتے ہوئے کہا کہ اگر اس کی صرف سانسیں بھی باقی  
 ہیں تو بھی یہ حیرت کی بات ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس شخص کی قوت ارادی حیرت انگیز ہوگی  
 ڈاکٹر ہمیش نے کہا کہ اس کی قوت ارادی ایسی ہے کہ وہ اپنے  
 لاغر میں بھی موت کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔  
 کہا اس کی شناخت کا کوئی طریقہ نہیں ہے، ڈاکٹر  
 داخلہ کے نمائندے جہاد پورے دریافت کیا۔  
 "اس کا چہرہ ہی ناقابل شناخت، بوگیا ہے، جب ڈاکٹر  
 رونے لے بتا، "اسی لئے اس کی شناخت بھی نہیں ہو سکتی۔"  
 "کاش وہ کسی طرح ہوش میں آجائے، جہاد پورے نے کہا  
 جب سے ہمیں یہ پتہ چلے ہے کہ اس علاقے میں تباہ کاری کے  
 اثرات پائے گئے ہیں اس وقت سے اس کی زندگی اور بھی اہم  
 ہو گئی ہے اس کے علاوہ کوئی بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ اس  
 علاقے میں کیا ہو رہا تھا۔  
 "ہم لوگ اپنی طرف سے پوری کوشش کر رہے ہیں لیکن  
 کسی بھی صدمہ میں کوئی یقین نہیں دلایا جا سکتا، اگر وہ زندہ  
 رہ گیا تو شاید اس صدی کا سب سے بڑا معجزہ ہو گا۔  
 "اس کے علاوہ اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس کی  
 شناخت کا مرحلہ اور بھی دشوار ہو جائے گا، کرنل راجندر نے بتایا۔  
 "وہ کیوں؟ جہاد پورے نے کرل کی طرف دیکھا۔  
 "اس کے چہرے کو ٹھیک کرنے کے لئے ہم اس کی پلانٹ  
 سرجری بھی کر رہے ہیں، تاہم کہنے کہا، "اگر اس کی پلانٹ  
 سرجری نہیں کی گئی تو چہرے کے زخم اس کی جان لئے لیں گے۔"  
 "ادہ۔ یہ تو بہت مشکل ہوگی، جہاد پورے نے لہجہ بھٹی۔  
 سرجری کے بعد کون اسے پہچانے گا۔  
 "ویسے بھی کوئی اسے پہچان نہیں سکتا، یہ بات ڈاکٹر وونی  
 نے بھی تھی، "اس کا چہرہ اتنا سنج، بوگیا ہے کہ ناقابل شناخت  
 ہے۔  
 "چلیں جو آپ کی مرضی، جہاد پورے نے ایک ٹھہری سانس  
 لی، اور ہمیں تو ویسے بھی اس کے چہرے سے نہیں بلکہ اس  
 کے ذہن سے دیکھی ہے، میرا مطلب ہے کہ اس کی یادداشت  
 بحال رہی چاہیے، ایسا نہ ہو کہ چہرے کے ساتھ ساتھ اس کی  
 یادداشت بدل جائے۔  
 "امکانات تو ہیں لیکن اس کے ہوش میں آنے کے بعد  
 ہی فیصلہ کیا جا سکتا ہے، کرنل راجندر نے کہا۔  
 جہاد پورے نے دیران کے ساتھ بیٹھنے کے بعد دایں چلا  
 گیا، اس کے جانے کے بعد ان ڈاکٹروں نے ایک باہر تھیں اس

مریض کے بارے میں گفتگو شروع کر دی، ان دنوں ان کے پاس  
 اس مریض کے علاوہ اور کوئی موضوع نہیں رہ گیا تھا۔ وہ ان  
 کے اعصاب پر سوار ہو کر رہ گیا تھا، مینڈک ہو جانے کے بعد  
 وہ چاروں پہلوں سے مریض کے کمرے میں آگئے جہاں دو چیز  
 ڈاکٹر مریض کے ہوتے کے پاس موجود تھیں، اس وقت اسے خون  
 دیا جا رہا تھا جبکہ آئین کے سینڈرڈ اس کے کمرے میں تیار ہونے  
 تھے تاکہ کسی بھی ہنگامی صورتحال میں مریض کی سانسیں بحال کی جا  
 سکیں، وہ چاروں بجھ، مینڈک مریض کے کمرے میں سے  
 پھر چور ڈاکٹروں کو ہدایات دے کر واپس آگئے، اب ان کے  
 راستے الگ ہو گئے تھے۔  
 کرنل راجندر کو اپنے عین کی طرف جانا تھا جہاں کچھ اہم  
 لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے، پروفیسر جہان کو اپنے بچہ کی  
 تیار کرنی تھی، ڈاکٹر وونی کو کھرواہاں جانا تھا کہ وہ لڑی ہوئی  
 نوے کر شادی کی ایک تقریب میں جا سکیں، جبکہ ڈاکٹر ہمیش  
 نے اپنی دوست نرملا کو وقت دے رکھا تھا۔  
 نرملا اور ہمیش کی ملاقات ایک لیتوران میں طے ہوئی  
 تھی، ڈاکٹر ہمیش جس وقت اس لیتوران میں پہنچا نرملا اپنے  
 سے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی، ہمیش کو دیکھ کر اس نے بڑا  
 مایوسہ بنا لیا، ہمیش مسکراتا ہوا اس کے سامنے والی کرسی پر  
 بیٹھ گیا۔  
 "انجی اتنی جلدی آنے کے لئے کس نے کہا تھا؟ نرملا  
 نفٹے سے بولی، کچھ دیر اور لگا دیتے۔  
 "ہم ڈاکٹروں کے لئے بہت کی چیزیں لائے ہو، اگر تیری میں نرملا  
 ہمیش نے کہا، میں نہیں بتا چکا ہوں کہ آج کل میرے پاس  
 ایک ایسا مریض آیا ہوا ہے جو تقریباً ختم ہو چکا ہے، کسی بچہ  
 کو کام سب سے ایک مہرے میں جان ڈالنے کی کوشش  
 کر رہے ہیں، اگر ہم کامیاب ہو گئے تو یہ ہمارا بہت بڑا کارنامہ  
 ہو گا۔  
 "میں تو اس مریض کا تذکرہ سننے سننے تک جی ہوں آخر  
 اس میں ایسی کون سی خاص بات ہے؟  
 "سب سے خاص بات اس کی قوت ارادی ہے، ہمیش  
 نے کہا، "انجی سخت جان، ہم نے اس سے پہلے کبھی نہیں  
 جھی لکھی۔  
 "کیا اس مریض کی شناخت ہو سکتی ہے؟ نرملا نے پوچھا  
 "نہیں، اسے کوئی شناخت بھی نہیں کر سکتا، ہمیش

نے جواب دیا، "اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے کا چہرہ بھی بری  
 طرح سوج چکا ہے۔  
 "تو واقعی بہت خراب صورتحال ہے، کیا اس کے جسم  
 پر کوئی ایسا دوا نہیں ہے جس کی مدد سے اس کی شناخت  
 کی جاسکے؟ میرا مطلب ہے کہ بہت سے لوگ اسی طرح پہچان  
 لئے جاتے ہیں؟  
 "تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن اس کے ساتھ ایسی بھی کوئی دوا  
 نہیں ہے، اس کے جسم کی بھی بری حالت ہے، البتہ اس کے  
 ایک ہاتھ پر کچھ ایسا نشان بنا ہوا ہے جسے کسی سارپی دہ  
 ہو صرف دہی پتہ مل سکی ہے، بازو کا گوشت بھی لپی جکڑے  
 آدھ کر گیا ہے۔  
 "اب کتنے بھی تمہارے اس مریض سے دلچسپی محسوس ہوتی  
 لگی ہے، نرملا نے کہا، "ایسے مریض بہت ہی کم پائے جاتے  
 ہیں۔  
 "ہم لوگ اس کی پلانٹ سرجری کرنے والے ہیں، ہمیش  
 نے بتایا، تاکہ اس کے بچھوے ہوئے چہرے کو کوئی روپ دیا  
 جاسکے۔  
 "اور کیا پلانٹ سرجری کے بعد اس کا چہرہ بدل جائیگا؟  
 "بالکل بدل جائے گا۔  
 "سنو، نرملا، جانک پر جوش دکھائی دینے لگی، اس نے  
 ہمیش کے ہاتھ پراپنا ہاتھ رکھ دیا تھا، کیا تم  
 پلانٹ سرجری کے ذریعے اس کے چہرے کو کوئی بھی روپ  
 دے سکتے ہو؟  
 "ہاں، پلانٹ سرجری میں ہی ہوتا ہے، کوئی تصویر  
 سامنے رکھ کر ایسی تصویر کے مطابق مریض کے چہرے کو تراش دیا  
 جاسکتا ہے، تم بھر جانے کے بعد وہ مریض اسی تصویر کی طرح دکھائی  
 دینے لگتا ہے۔  
 "تو پھر تم اس مریض کو منہ پر کاچرو دے دو، نرملا نے  
 کہا، "میں تمہارا احسان بھی نہیں بھلاؤں گی۔  
 "کیا؟ ہمیش نے جہان ہو کر اس کی طرف دیکھا، یہ کیا کہ  
 رہی ہو، منہ پر کاچرو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟  
 "ہو یوں نہیں سکتا، جب تم لوگ اس کے چہرے کو بدل  
 ہی رہے ہو تو کسی اور کاچرو دینے کی بجائے اسے منہ پر ہی  
 بنا دو، میں اس کی سینکڑوں تصویریں لاکر تمہیں دے دوں گی  
 تم جانتے ہو کہ منہ پر میری کمزوری ہے، میں جب اسے دیکھا

کردن گی۔ یہ سمجھوں گی کہ نہ ہو کہ وہ دیکھ رہی ہوں؛  
 ”تم تو باگلی ہوئی ہو، مولا اس طرح تم اپنی زندگی کو ادا  
 بھی روک رکھا تو گی۔ تمہارے ذہن پر اس کا اثر بہت خراب  
 پڑے گا۔“  
 ”تم نہیں جانتے کہ ہم دونوں میں کتنی محبت تھی، نہ ملنے  
 گا۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر زندہ رہتے تھے ماں  
 باپ کی موت کے بعد میرے لئے سوائے منورہ کے اور کوئی  
 تھا۔ کوئی بھی نہیں رہی میرا بھائی، ابھی تھا اور میرا باپ بھی میرا  
 دوست تھی۔ اس نے میری خاطر بہت پریشانی برداشت  
 کیں بہت دکھا اٹھا۔ مجھ کو مئی کام سے لگے چلا گیا تھا اور  
 وہاں سے اس کی موت کی خبر آئی۔ اور وہ بھی اس انداز میں کہ  
 اس کی لاش بھی دستیاب نہ ہوئی۔ اب تم خود سوچو میرا کیا حال  
 ہوا ہو گا۔ یا اس کے بغیر میری کیا کیفیت ہے۔ اگر تم نہیں ہوتے  
 تو شاید میں اب تک مر چکی ہوتی۔ میں اسی لئے جاتی ہوں کہ  
 تم اس مریض کو میرا منورہ بنا دو۔ میرا بھائی بنا دو۔ میں اسے  
 صرف دیکھ کر اگروں گی۔ اسے کیا معلوم ہو گا کہ اس کا چہرہ کس  
 کا ہے۔ تمہارا احسان ہو گا۔“  
 ”تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔ بڑا دلہن ہمیشہ  
 ایک گہری سانس لی۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے۔“  
 ”کیوں آسان نہیں ہے تم اگر چاہو تو سب کچھ ہو سکتا  
 ہے۔ یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تم اسے ایک چہرہ کو دے ہی  
 رہے ہو تو میرے بھائی کا چہرہ کیوں نہیں؟“  
 ”مٹیک ہے۔ میں اس کے پراپیٹی ٹیم سے بات کروں  
 گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ان  
 ہی جاہلیں گے۔“

اور ان کے سیاہ لیکن فدا دی جسم محنت کے پسینوں سے چلتے  
 رہتے تھے۔  
 کچھ لوگوں نے کوئیری سے کچھ فاصلے پر ایک عارضی  
 بستی قائم کر لی تھی۔ یہ بستی ان ہی محنت کشوں کی تھی جہوں نے چھوٹی  
 جھوپڑیاں بنائی تھیں۔ یہ بستی بڑا بودار تھا۔ اور کچھ دنوں اس بستی کی  
 ملکیت تھیں۔ ان ہی محنت کشوں کے درمیان ایک باگیشری  
 بھی تھی۔ جو بائیس تیس برس کی لگ بھگ عورت تھی، وہ بہت  
 کم عمری میں بڑھ چکی تھی۔ اس کا شوہر کوئیری کے دور  
 ہلاک ہوا تھا۔ اور ایسی اموال یہاں عام تھیں جھکیڈار یا گڑی  
 کے ہاتھ پر دو سو روپے رکھ کر اپنے فرض سے سبک دوں  
 ہو گیا تھا۔ اس وقت سے باگیشری جھکیڈار کے خلاف اشتقاق  
 کی آگ میں اس طرح سلگ رہی تھی۔ جسے کسی چوٹے میں  
 کوئیری کو دیکھا گیا ہو۔ اس جھکیڈار کا نام گھنٹا تھا اور اس  
 علاقے میں سب سے بڑا جھکیڈار وہی تھا۔  
 اس کے ساتھ ہی ایسے لوگ تھے جو کوئی کام نہیں کرتے  
 تھے۔ یعنی وہ محنت مزدوری نہیں کیا کرتے تھے بلکہ وہ جھکیڈار  
 کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ یہی ان کا کام تھا۔ یہ لوگ جھکیڈار  
 کی خاطر کس شخص کو جنم دے سید کرنے کے لئے تیار رہتے تھے جو  
 جھکیڈار کی لگا ہوں سے اتر جاتا یا جھکیڈار جن کی طرف  
 اشارہ ہو رہا تھا۔  
 باگیشری کو دینے ہوئے دو سو روپے آخر تک اس  
 کا ساتھ دے سکتے تھے۔ بالآخر ختم ہو گئے۔ اور ان روپوں  
 کے ختم ہو جانے کے بعد باگیشری کو احساس ہوا کہ اس کے  
 ساتھ اور اس کے سوگڑ باقی جی کے ساتھ نا انصافی کی گئی  
 ہے۔ دو سو روپے اتنے اچھے انسان کی زندگی کا بدل نہیں  
 ہو سکتے۔ یہ سوچ کر وہ ایک برج جھکیڈار کے آؤں بیٹھی۔  
 یہ آؤں کیا چٹائیوں سے بنی ہوئی ایک جھکیڈی چوٹیل  
 کے ایک بڑے سے بڑے کے نیچے بنائی تھی۔ لیکن جھکیڈار  
 اور اس کے ساتھ سارا وقت اس جھکیڈی سے باہر ہی بیٹھوں پر  
 بیٹھے رہتے تھے۔ یہیں جھکیڈار ایک کرسی پر بڑی شان کے  
 ساتھ بیٹھا ہوا اور دونوں کی محنت کا فیصلہ کرتا رہا تھا۔  
 باگیشری کے سر پر جو کچھ جنون سوار تھا اس نے وہ تنہا  
 ہوئی جھکیڈار کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ جھکیڈار کے پاس اس  
 وقت بھی اس کے کوئی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان جھکیڈوں کی لگا ہوں  
 باگیشری پر جرم کر رہے تھیں جو کہ وہ خود بھی کوئیری کی طرح سیاہی

کوئیری کی طرح کی ہوئی اور چمکی تھی۔  
 ”کیا بات ہے ری؟ جھکیڈار اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 بولا۔ کیوں آئی ہے؟“  
 ”تو میرا حساب کر دے۔“ باگیشری نے کہا۔ ”دو سو روپے  
 کچھ بھی نہیں ہوتے۔ میرا بیٹی تیری غلطی سے مرا ہے۔“  
 ”تیرا شاید دماغ خراب ہو گیا ہے۔ گھنٹا نے اب منورہ  
 سکڑ لیا۔ چل بھاگ یہاں سے۔ تیرے لئے یہ دو سو روپے بہت  
 تھے۔ پھر آگے شوکر کرنا تھا تو آئی وقت آ جائی اب کیوں  
 آئی ہے۔ چلی آئی پیسے مانگنے کے لئے۔ کوئی باپ کہاں سمجھ  
 رکھا ہے؟“  
 ”دیکھ جھکیڈار تو ایسی بولی بہت بول۔“ باگیشری نے ٹھنڈی  
 دی۔ ”ورنہ میں تیرا منورہ توچ لوں گی۔“  
 ”جو اس بندہ کی جھکیڈار دبا رہا تھا۔“ جاتی ہے میں کلن  
 ہوں۔ اگر میں چاہوں تو تجھے اس کو ٹوٹنے سے بھی لگا لیا ہر  
 چھینوں گی۔“  
 ”میں چیخ کر بدوری دنیا کو روتا دوں گی کہ تو نے مجھ  
 پر کیا ظلم کیا ہے۔“ باگیشری نے کہا۔ ”میں بڑے باؤٹیک تیری  
 شکایت لے جاؤں گی۔“ بڑے باؤٹیک اس کی مراد اس علاقے  
 کا اور بربر تھا۔ اور باگیشری جاتی تھی کہ وہی ایک ایسا شخص ہے  
 جو جھکیڈار کو دبا سکتا ہے۔ اس نے خود جھکیڈار کو اس کے  
 آگے بھیجے ہوئے ہوئے دیکھا تھا۔  
 ”تو جاتی ہے یا نہیں؟“ جھکیڈار جھکا کر کسی سے کھڑا ہوا  
 اور بھٹایا ہوا باگیشری کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے باگیشری کو مارنے  
 کے لئے اپنا ہاتھ اٹھایا، یہی تھا کہ اچانک کوئی برقی رفتار کے  
 ساتھ آگے بڑھا اور اس نے جھکیڈار کی کلائی پکڑ لی۔  
 جھکیڈار لٹل کھارہ رہ گیا۔ اس کی کلائی پکڑنے والا ایک  
 نوجوان تھا جس نے ایسی سی تھیں اور پتلون پہن رکھی تھی۔ اس  
 کے گلے سے سونے کی ایک زنجیر چھوڑ رہی تھی۔ اور اس کے  
 ہاتھ میں اتنی طاقت تھی کہ جھکیڈار جھکا کھارہ رہ گیا تھا۔  
 ”ہاں تو کیسا مرد ہے۔“ نوجوان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے  
 کہا۔ ”لو ایک عورت پر ہاتھ اٹھا رہا ہے۔“  
 ”کون ہے تو؟“ جھکیڈار غرایا۔ ”چھوڑ مر رہا تھا۔ ورنہ  
 نوجوان نے مسکراتے ہوئے اس کی کلائی چھوڑ دی۔ اس  
 دوران جھکیڈار کے ساتھ بیٹھنے سے اٹھ کر ان کے چاروں  
 طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کے تیور کوئیری کے

کے باوجود اس نوجوان کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی  
 تھی۔ وہ بائیں لہر مولا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے اس کے نزدیک  
 ان لوگوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہو۔  
 ”میرا نام گھڑا ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”میں ادھر سے گزر  
 رہا تھا اب میں نے دیکھا کہ تم ایک عورت کو پیچھے مڑنے کی کوشش  
 کر رہے ہو۔ دیکھ کر میں اسے بجانے کے لئے چلا گیا ہوں  
 میرا خیال ہے کہ میری یہ حرکت تمہیں اور تمہارے ساتھ ہیں  
 کو بہت برائی لگی ہے۔ کہوں؟“  
 ”جھکیڈار جڑ جڑ کر بڑھ گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے  
 اپنے علاقے میں کسی نے اس طرح اس کی آنکھوں میں آنکھیں  
 ڈال کر بات کی تھی۔ اور اس کا بڑھا ہوا ہاتھ روک لیا تھا۔  
 ”دیکھو جان، جھکیڈار اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے  
 بولا۔ ”تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلا جا۔ ورنہ  
 پھر اسے پیروں پر جانے کے لائی نہیں رہے گا۔“  
 ”ہاں بابو چلا جا۔“ باگیشری بھی بولی بڑی۔ ”میرے لئے تو  
 کاہے کہ آؤں مولی لیتا ہے۔ یہ بہت ظالم لوگ ہیں میں  
 تو غیران کے رحم بردہ ہوں۔ یہ جو چاہے سلوک کرنا رہے ہیں  
 پتھر کھا کر بھی نہیں رہوں گی۔ اور تو نہیں باہر سے آیا ہے ان  
 لیجان سے میری مرمت لے۔“  
 ”میں تو یہاں سے جانے کے لئے نہیں آیا۔“ نوجوان نے  
 مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بلکہ میں اسی علاقے میں کام کرنے کے  
 لئے آیا ہوں۔“  
 ”تو جاتے یا نہیں؟“ جھکیڈار کے ایک آدمی نے لپک  
 اس نوجوان کا گریبان پکڑ لیا۔  
 اس کی یہ حرکت اس کے لئے بہت مہنگی ثابت ہوئی  
 تھی۔ نوجوان نے اچانک اس کے سر پر ایک ٹھونک مار دی  
 کر دیا۔ وہ ٹھونک اتنا طاقتور تھا کہ آدمی اوہ کر کے دھڑلایا  
 اس سے پہلے کہ جھکیڈار کے آدمی کچھ سمجھ سکے۔ وہ نوجوان  
 ہیک وقت ان سمجھوں پر ٹوٹ پڑا۔  
 اس کے بدن میں ہلائی پھرتی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے  
 بجلی کو مٹی جا رہی ہو۔ وہ کسی ٹھونک مارتا کسی کو کھڑکڑا رہا تھا  
 پھر اچھل کر دوسری طرف چلا جاتا۔ اسے لڑنے دیکھ کر باگیشری  
 کا چہرہ ہلکا تھا۔ اس کی زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ کسی  
 بالوتے کی ٹپنے دوسروں سے لڑائی کی تھی۔ اس نے بہت سی غلطیوں  
 میں اس قسم کے منظر دیکھے تھے۔ یہی وہ منظر دوسروں کے درمیان

پھنس جاتی ہے اور ایک ہیرو ان فنڈوں کو مار کر کھاتا ہے۔ یہاں تک بالکل وہی ہو رہا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ وہاں تو بڑی جنگ ایک حقیقت تھا۔ لیکن وہ کوئی ہیرو نہ تھا بلکہ ایک معمولی عورت تھی اور وہ بھی ایسی عورت جو یہ تو جس کے پاس دھنک کا لباس بھی نہ ہو جو دو وقت کی روٹی کے لئے تڑپ کر رہ جاتی ہو۔

اس نوجوان اور ٹھیکیدار کے آدمیوں کو لڑتے ہوئے دیکھ کر کچھ لگ گیا لیکن سب کے سب بالکل خاموش تھے۔ انہیں سے کسی نے بھی دل میں ٹھیکیدار یا اس کے آدمیوں کے لئے کوئی عذر دی نہیں تھی۔ اسی لئے وہ سب ہی خوش تھے لیکن وہ اپنی خوشی کا اظہار بھی نہیں کر پایا ہے تھے۔

وہ نوجوان جتنے کی طرح برق رفتاری کی طرح بہاؤ اور کسی لڑائی کی طرح چلا تھا اس نے اس جنگ میں ایسے ایسے پیڑھے استعمال کئے تھے جو کھٹیاں اور اس کے ساتھیوں کی سمجھ سے بالاتر تھے یا شاید وہ اس نے بھی اس نوجوان سے مارا تھا۔ ہرے تھے کہ اس علاقے میں کسی نے ان پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اور اس نوجوان نے ان کا زور ختم کر کے رکھ دیا تھا۔

یہ جنگ جس وقت ختم ہوئی اس وقت ٹھیکیدار کے علاوہ اس کے تمام ساتھیوں کی حالت غیر ہو چکی تھی اس نوجوان نے سچی لڑائی میں ہر ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس طرح ٹھیکیدار کو یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ اس نے جن لوگوں کے بل پر کرنائی قائم کر رکھی تھی وہ اب اس کے ساتھ دینے کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے بھی نہیں ہو سکتے۔

”تم جھگ جاؤ یا لو“ باگیشری نے اس نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو اپنے حریفوں کو زندہ بچا کر دینے کے بعد بڑے الجھبان کے ساتھ ہاتھ بھارتا ہوا ایک طرف ہٹا ہوا تھا۔ ”یہ لوگ نہیں ہیں۔ یہ تمہیں نہیں چھوڑیں گے بلکہ یہ تمہاری زندگی حرام کر دیں گے“

”میں نے کبہ دیا کہ مجھے یہاں سے نہیں نہیں جانا ہے۔“ نوجوان مسکراتے ہوئے ”لولا“ میں یہاں سے واپس جانے کے لئے نہیں آیا۔ بلکہ یہاں لوگ لے کر لے آیا ہوں۔“ باگیشری جو بہرہ ور رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا آادی ہے جو کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لارہا ہے۔

جس نے آسانی کے ساتھ ٹھیکیدار کے ساتھیوں کی ٹھکانی کر دی ہے جیسے وہ انسان نہ ہوں موم کے ستے ہوں باگیشری نے ایسا نہ کیا۔ اس سے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ دوسرے مزدور اور بوڑھیں ان کی ننگ دم سادے کھڑے تھے۔ انہوں نے شاید ایک حیرت انگیز نظارہ دیکھ لیا تھا۔ ٹھیکیدار کی ٹھکانی اور اس کا غصہ دیکھنے کے قابل تھا۔ اس کی آنکھوں سے ایک وقت آگ بھی برس رہی تھی اور خوف بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

”کیا تمہارے علاقے میں مجھے نہیں رہنے کی جگہ مل سکتی ہے؟“ اس نوجوان نے باگیشری سے سوال کیا۔

باگیشری سوج میں بڑھی۔ یہ نوجوان اپنی بہادری اور انسان ہمدردی کی وجہ سے اسے اچھا لگتا تھا۔ جی کے رہنے کے بعد اس کا کوئی سہارا بھی نہیں تھا۔ اب جی کے لوگوں نے ٹھیکیدار کے خلاف اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ کیونکہ وہ سب ہی ٹھیکیدار سے خوفزدہ تھے۔ لیکن یہ نوجوان اسے جانے بغیر ہی کی خاطر جنگ میں کود پڑا تھا۔ اس نے ٹھیکیدار اور اس کے ساتھیوں سے دشمنی مول لی تھی۔ اسی لئے اب یہ باگیشری کا فرض ہو گیا تھا کہ وہ اس کا ساتھ دے۔ اسے پناہ کی تلاش تھی، باگیشری کو اسے پناہ دے دینی چاہئے۔ لہذا دالے چلے گئے۔ کچھ بھی کہتے نہیں۔ اسے اب ان بڑوں کو لوگوں کی کوئی پروا نہیں رہی راتی جو اپنے علاقے کی ایک عورت کی عزت بھی نہیں بچا سکتے تھے۔

”کیوں نہیں۔ تمہارے لئے میرے گھر میں جگہ ہے یا“ باگیشری نے کہا۔ ”تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گی۔“ کچھ کسی کی پروا نہیں ہے۔

”یہ بات ہوئی نا“ وہ نوجوان مسکرا دیا۔ ”تمہیں واقعی کسی سے نہیں ڈرنا چاہئے۔“

”تو پھر آؤ چلو میرے ساتھ۔“ باگیشری نے کہا۔ ”اے باگیشری“ ٹھیکیدار نے آواز دے کر باگیشری کو روک لیا۔ ”تو بہت ہی بڑا کر رہی ہے۔ یہ آؤ کی شک تیری حفاظت کر سکتا ہے۔“

نوجوان نے کچھ کہا یا نہیں۔ لیکن باگیشری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ لیا۔ وہ سب دیکھتے رہ گئے تھے۔ باگیشری کی نوجوان کو اپنے مکان میں لے آئی۔ اسے کچھ اور بھی دیا۔ والایک مکان تھا۔ جس میں دو چھٹی چھٹی کھڑیاں ہی ہوئی تھیں۔ باگیشری نے ان ہی میں سے ایک کو کھڑی میں اس۔

نوجوان کو ٹھکانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ”چلو تم بیٹھ جاؤ۔“ باگیشری نے اس میں جا رہا تھا۔ ”میں تمہارے لئے چلے جاتی ہوں، لیکن تم تو کون؟“ ”میں نے بتایا کہ میرا نام گلزار ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”نئے روز گزار آتی ہوں۔ اس علاقے میں روز گزار کے حکم میں آیا تھا کہ تمہارے ٹھیکیدار سے ملاقات ہوگی۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔ اب تو تمہاری تسلی ہوگئی۔“

”ٹھیک ہے،“ باگیشری مسکرا دی۔ ”تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ ”ابھی نہیں۔ میں فردا ایک کام کر کے واپس آتا ہوں۔“

باگیشری نے اسے روکنے کی کوشش کی۔ لیکن وہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا دوبارہ وہیں آگیا جہاں ٹھیکیدار اپنے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا رہتا تھا۔ وہ لوگ اس وقت بھی وہیں موجود تھے۔ گلزار کو واپس آتے دیکھ کر وہ لوگ کھڑکے سے رہ گئے۔

ان کے تھوڑے بہت سے تھے کہ انہوں نے اس گلزار کے خلاف کسی بڑی کاروائی کا ارادہ کر لیا ہے۔ ان آدمیوں کے یہ سہاں بیٹھا ہوا ٹھیکیدار اور بھی حیران دکھائی دے رہا تھا۔ گلزار ان لوگوں کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر ڈی جی سی مسکراہٹ بچی ہوئی تھی۔

”کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار ایک آدی لائی آسمین بڑھانے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ ”کیوں واپس آیا ہے؟ اس باڈیل بڑی موت ہی تھے واپس لائی ہے۔“

”موت کا مزہ تو کچھ دیر پہلے تم لوگ دیکھ رہے تھے۔“ لڑائے مسکراتے ہوئے کھڑے تھے۔ اس وقت میں ٹھیکیدار سے بات کرنے آیا ہوں۔ تم لوگ نہج میں دخل مت دینا۔“ ”کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار نے اپنے ہونٹوں پر زبان بھرتے ہوئے کہا۔ ”کیا کہنا چاہتا ہے؟“

”تم ذرا اپنے آدمیوں سے الگ ہو کر اس طرف آ جاؤ۔“ لڑائے نے کہا۔ ”میرے تین بیٹاؤں کا گھر میں کیا چاہتا ہوں؟“ ٹھیکیدار نے سختی خیز نظروں سے اپنے ساتھیوں کی لطف دیکھی پھر کسی سے اسے کچھ گلزار کے پاس آگیا۔ گلزار سے ایک طرف لے گیا تھا۔

”تم نے یہ تو دیکھ لیا ہوگا کہ میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا ہے۔“ گلزار مسکراتے ہوئے ”لولا“ تم اسی سے انکار نہ کرو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“ ”کیا مطلب؟“ ٹھیکیدار حیران ہو گیا تھا۔ شاید اس نے

میں اس بات کو اب محسوس کیا تھا۔ ”دیکھو ٹھیکیدار“ گلزار نے اسے کچھ بات کہنے سے بھی دیکھ لیا کہ تمہارے آدی میرے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ میں جب چاہوں اسی طرح انہیں مار مار کر ڈھیر کر سکتا ہوں۔ میں اگر چاہتا ہوں تو میں تمہیں بھی مار سکتا تھا۔ لیکن میں نے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری حقیقت ان سے بہت مختلف ہے۔ تم ایک معزز آدی ہو۔“ ٹھیکیدار کے کھنچے پھونکے اور کچلے لگے۔ اسے اپنی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا۔ اس نوجوان نے اپنی طاقت اور ہمت کے باوجود اس کی عزت کی تھی۔ اس کے لئے یہی بہت تھا۔

”یہاں بتاؤ کیا بات ہے؟“ ٹھیکیدار کا ابو بدل گیا تھا۔ ”تمہارے آدی تمہاری حفاظت کرنے اور تمہارا کام کرنے کے قابل نہیں ہیں۔“ گلزار نے کہا۔ ”تم نے خود ہی دیکھ لیا نا کہ مجھ جیسا کوئی اور آجائے تو بڑی آسانی سے تم پر قابو پا سکتا ہے۔ اور تمہارے یہ دلیر لوگ کچھ دیکھتے نہ جاسکتے تھے۔ میں اسی لئے تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔“

”تم؟“ ٹھیکیدار کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”یہ کیا کہہ رہے ہو۔“ ”کیسے ہو سکتا ہے۔ تم تو۔“

”میں بھی کوئی شریف آدی نہیں ہوں۔“ گلزار نے کہا۔ ”میں اسی لئے تمہارے ساتھ شامل ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن کہہ مجھے اپنے ساتھ شامل کر کے کہیں مالاوسی نہیں سکتی۔“ ”اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم؟“

”ہاں۔ تم مجھے اپنا دوست سمجھو۔“ گلزار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”کیوں ٹھیک ہے؟“ ”ٹھیک ہے۔“ ٹھیکیدار نے کچھ بھی کہتے ہوئے اپنا ہاتھ بھی اس کی طرف بڑھا دیا۔

آج اس مریض کے ساتھ ایک خوش گوار تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ اس نے اپنے سینے سے بہت دھیمی بہت دھیمی آواز نکالی۔ ”آواز کیا ایک گراہ تھی۔ جو اس کے سینے سے نکلی تھی۔ یہ گراہ اتنی مدھم تھی کہ اگر جو نیر ڈاکٹر اس کے بستر کے پاس کھڑے ہوئے نہ ہوتے تو انہیں مریض کے اندر مبرا ہوتی تھی۔“

ہونے والی اس تبدیلی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔  
جو نیر ڈاکٹروں نے اسی وقت ان چاروں کو اس واقعہ کی خبر دی دے دی جو اس کے علاج کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ وہ سب کے سب اس کمرے میں چلے آئے تھے اس مریض کی یہ کہ اس نے بہت امیدوار تھا کہ اس میں اپنی تکلیف کا احساس جاگ اٹھا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہی تکلیف میں مبتلا ہے۔ مگر اس کی طویل بے ہوشی ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی۔ اس کے باوجود ڈاکٹروں کے لئے یہ بہت امیدوار ثابت ہوئی تھی۔ ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے ان کی شب و روز کی محنت رنگ لانے والی تھی۔

ان چاروں نے اسی وقت جو نیر ڈاکٹروں اور نرسوں کو ہدایات دیں۔ مریض کا معائنہ کر گیا۔ پھر ہنگامہ روم میں چلے آئے جہاں اس مریض سے متعلق پورا ریکارڈ موجود تھا۔ وہ لوگ بہت دیر تک اس ریکارڈ اور میڈیکل رپورٹوں کا مطالعہ کرتے رہے۔ پھر بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ ڈاکٹر ہمیشہ ابھی تک شش و پنج میں مبتلا تھا۔ اس نے نرملا سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ بلا سٹک سرجری کے ذریعے اس مریض کی صورت کو اس کے بھائی کی منوہر کی صورت میں تبدیل کر دے گا۔ لیکن کام آسان نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اول تو بلا سٹک سرجری والے سرجن ہراس کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ پھر دوسری بات یہ تھی کہ وہ کسی خاص صورت تبدیل کرنے پر اصرار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان میں سے ہر شخص یہ پوچھتا تھا کہ آخر ڈاکٹر ہمیشہ کو اس مریض کی صورت سے کیا دلچسپی ہے۔ لیکن دوسری طرف اس نے نرملا سے وعدہ بھی کر لیا تھا اور وہ ہر حال میں اس وعدے کو نبھانا چاہتا تھا۔ نرملا نے سلی بلا اس سے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن اس کی پہلی ہی خواہش بہت عجیب ثابت ہوئی تھی۔

بالآخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس موضوع پر سرجن مور سے بات کرے گا۔ سرجن مور یہ پلاسٹک سرجری کا ماہر تھا۔ ان نے اپنی مستقل رہائش یورپ میں کر رکھی تھی۔ لیکن اس مریض کے سلسلے میں اسے خاص طور پر باہر سے بلایا گیا تھا۔ ڈاکٹر کی رائے کے مطابق اس کی سرجری ایک دو دنوں میں مکمل ہو جاتی تھی۔ تاہم اس دوران اس کا علاج بھی ہوتا رہے اور اس کا چہرہ بھی کسی ڈھب پر آجائے۔ سرجن مور یہ کو حکومت نے ایک مقامی شائدانہ ہسپتال میں رکھا

تھا۔ ڈاکٹر ہمیشہ کو اسی ہسپتال کی طرف جانا تھا۔ وہ ہسپتال سے نکل کر ہارنگ لاف کی طرف بڑھا جہاں اس نے اپنی گاڑی کھڑی کی تھی۔ گاڑی کے پاس ہی وہ ٹنگ کر رہ گیا۔ گاڑی کے بونٹ سے ٹیک لگائے ایک سادہ کڑا ہوا تھا۔ اس سادہ کڑے بدن پر زرد رنگ کی ایک دھوئی تھی۔ اس کے گلے میں موٹے موٹے دانوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی پیشانی پر چونامل رکھا تھا۔ اس کی دلاوی جڑھی ہوئی تھی اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس طرح سرخ ہو رہی تھیں جیسے ان میں خون بھرا ہوا ہو۔ مجموعی طور پر اس کی شخصیت ایسی تھی کہ اس کی طرف دیکھ کر ہول محسوس ہوتا تھا۔

ڈاکٹر ہمیشہ کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی ککڑی دھڑکی۔  
”ننھے“ ڈاکٹر ہمیشہ نے اس کے قریب پہنچ کر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ ”بتاؤ ہمارا ج میں تمہاری کیا سیوا کر سکتا ہوں؟“

”بابک“ میں تجھ سے تیرے جیون کا سودا کرنا چاہتا ہوں۔ بول موت اچھی لگتی ہے یا بیجون؟  
”میں سمجھا نہیں مہاراج“ ڈاکٹر ہمیشہ جلدی سے بولے اس کی آواز لرزے لگی تھی۔ ”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”دیوتاؤں کی یہ مرضی نہیں ہے کہ تو جس مریض کا علاج کر رہا ہے وہ ٹھیک ہو جائے۔ موت اس کے جھاگ مگر کھدی گئی ہے۔ اسی لئے تو دیوتاؤں کی مرضی کے خلاف کام نہ کرنا ہے۔ اس کے حال پر چھوڑ دے۔ اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو ہو سکتا ہے کہ تو خود کسی عذاب میں چھنسا جا۔ ڈاکٹر ہمیشہ حیران رہ گیا تھا۔ اس سادہ کڑے کے غیبی بات کہہ دی تھی۔ اگر وہ کسی مریض کا علاج کر رہا تھا تو پھر اس میں دیوتاؤں کی خلاف مرضی کی کون سی بات تھی؟ اس کے علاوہ یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ اس سادہ کڑے کو اس مریض کا پتہ کیسے چل گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ اس سادہ کڑے نے اسے الجھا کر رکھ دیا۔ ”ہاں بول کیوں ہو؟ بابک“ ڈاکٹر سادہ کڑے نے اسے دیا۔ ”کیا کیا تھے دیوتاؤں کی خواہش پوری کرنا اچھا نہیں ہے؟“

”یہ بات نہیں ہے ہمارا ج“ ہمیشہ سنبھل کر بولا۔ ”یہ بات

تو بہ سوتج رہا ہوں کہ جب یہ دیوتاؤں کی مرضی ہے تو وہ سیدھے سیدھے اسے مار کیوں نہیں دیتے۔ ڈاکٹر ہول کو علاج کرنے سے کیوں روک رہے ہو۔ دیوتا تو سب کچھ کر سکتے ہیں؟“

”تو بالکل مور کھ ہے بابک“ سادہ کڑے عجیب انداز سے مسکرا دیا۔ ”مجھے کیا معلوم کہ دیوتاؤں کی کیا مرضی ہے۔ وہ کس طرح کسی کے دل میں شک پیدا کرتے ہیں۔ کسی سے کام لیتے ہیں۔ کسی کو اپنی مرضی سے جیسا چاہیے دیتی موت دیتے ہیں۔ اور کسی کے لئے کسی اور کو مقرر کرتے ہیں تو دیوتاؤں کے ہمیشہ نہیں جان سکتا؟“

ہمیشہ کو اب اس شخص سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ اس کا دل جاہ رہا تھا کہ وہ اس سادہ کڑے کو ہاں سے بھڑکا دے۔ یہ کیسا سادہ کڑا تھا جو ایک ڈاکٹر سے یہ کہہ رہا تھا کہ وہ کسی مریض کی موت کا ارادہ کر دے۔ کسی مریض کا علاج نہ کرے۔ ایسا کس طرح ہو سکتا تھا۔ سادہ کڑے کو بہت بزم دل اور بزم زبان مزاج کے ہو کر گئے ہیں۔ ان کے نزدیک انسانی زندگی کی بہت اہمیت ہوئی ہے۔ پھر یہ کیسا سادہ کڑا تھا جو اسے اس قسم کے ٹھوسے دے رہا تھا۔ وہ ایک ڈاکٹر تھا۔ اور اپنے فرائض سے غفلت نہیں کر سکتا تھا۔ ”معاف کیجئے گا مہاراج“ اس نے سادہ کڑے کی طرف دیکھ کر بولے ”ہاں“ میں ایک ڈاکٹر ہوں میں نے مریضوں کی خدمت کرنے کے لئے قسم کھائی ہے۔ میرا کام ان کا علاج کرنا ہے۔ وہ ٹھیک ہوں یا نہ ہوں۔ یہ اوپر والے کی مرضی۔ میں تو اپنا فرض پورا کر دینا چاہتا ہوں۔ اسی لئے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔“

”میں تو نے انکار کر کے بہت برا کیا ہے؟“ سادہ کڑے مٹھی میں بڑبڑاتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہمیشہ کو ایک خیال آیا کہ اس سے اب بہت بڑی حماقت سرزد ہو گئی تھی۔ وہ سادہ کڑے کو اس مریض کا علاج نہ کرنے کے لئے کہہ رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس مریض کو جانتا تھا۔ چاہے یہ شامانی لوت اور غلطی کے تحت کیوں نہ ہو۔ باض بات یہ تھی کہ وہ مریض اس سادہ کڑے کے لئے گناہ نہیں تھا۔

ہمیشہ نے گاڑی سے اتر کر اس طرف دوڑ لگا دی۔ اس طرف اس نے سادہ کڑے کو جانے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن

سادہ کڑے غائب ہو چکا تھا۔ اس نے اصرار دھڑکا نہیں دھڑکا نہیں۔ پھر مایوس ہو کر گاڑی کی طرف واپس آکر اس نے ایک حماقت کر دی تھی۔ اور اب اس کا کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ وہ دوسرے ڈاکٹروں کو بھی اس واقعے کے بارے میں بتا دے گا۔ لیکن اب اس نے ارادہ تبدیل کر دیا تھا۔ سب ہی اس سے یہ پوچھتے کہ اس نے اس سادہ کڑے سے مریض کی شناخت کیوں نہیں معلوم کر لی۔

وہ ان ہی سب خیالوں میں الجھا ہوا سرجن مور کے ہسپتال پہنچ گیا۔ مور سے اس کی ملاقات ہو چکی تھی اس لئے مور نے کسی وقت کے بغیر اسے یہاں لیا تھا۔ سرجن مور یہ ایک بوڑھا آدمی تھا جس کے سر کے بال اڑ چکے تھے لیکن بوجہ ایک ہیج تک توانا تھا۔ اور جس کی آنکھوں میں ابھی تک چمک پائی جاتی تھی۔

”آؤ بھائی“ سرجن مور نے دروازہ کھول کر ہمیشہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میں تم میں سے کسی کی آمد کا انتظار ہی کر رہا تھا۔ یہ بتاؤ تمہارا مریض کہاں ہے؟“  
”آج اس کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی ہے سرجن مور یہ ہمیشہ نے بتایا۔

”بہت خراب۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے اندر زندگی موجود ہے۔ زندہ انسان ہی دیکھو اور تکلیف کو محسوس کیا کرتا ہے؟“

”آپ کا کیا ارادہ ہے سرجن مور یہ؟ ہمیشہ نے دریافت کیا۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کب اپنا کام شروع کر رہے ہیں؟“  
”کل رات“ مور نے بتایا۔ بلا سٹک سرجری کی کئی دھڑکی میں انجام تک پہنچی ہے۔ یہ سرجری کے ساتھ ساتھ ایک قسم کا تخلیقی عمل بھی ہے۔ ہمیں اپنے آلات کو منصوبہ کرنے کی طرح استعمال کرنا تھا۔ کسی شخص کو نئے خدوخال دینا اتنا آسان نہیں ہو کر رہا۔ اس میں تخلیقی صلاحیتیں چاہئے۔ ”کیا آپ نے یہ سوچا ہے سرجن مور یہ کہ آپ اسے کون سی شکل دیں گے؟“ ہمیشہ نے اپنے مطلب کی بات چھیڑ دی۔ ”نہیں بھئی۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔“ مور نے بتایا۔ ”بہر حال بلا سٹک سرجری کے سلسلے میں میرے نزدیک اسے خاص پہلو ہے۔ ہوتا ہے کہ میں جغرافیائی عوامل کو بھی سامنے رکھ کر رہتا ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ اگر یورپ کے

کسی شخص کی پلاننگ سرجری کے ذریعے صورت تبدیل کرنے کرنی سے تو میں اسے لوہا، ہی کے کسی شخص کے خدا و مال دینے کی کوشش کروں گا۔ ایسا نہیں ہو گا کہ اس کا تعلق تو یورپ سے ہے۔ اور اس کی صورت ہندوستانی جیسی ہوئی ہے یہ احتیاط ضروری ہے۔ ورنہ بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

”بہت اچھی بات ہے سرجن مورہ یہ ہمیش نے کہا۔“

کیا خیال ہے اگر میں آپ کو لہی طرف سے ایک چہرہ دے دوں تو؟

”جولوہ تو اچھی بات ہوئی، مورہ سرکار! میں چہرے تلاش کرنے کی زحمت سے بچ جاؤں گا۔“

”بس تو سرجن مورہ میں آپ کو اس کی نئی تصویریں لاکر دے دوں گا۔ ہمیش نے جلدی سے کہا۔ لیکن آپ کسی کو بتائیں گے نہیں کہ میں نے اس مریض کے لئے کوئی چہرہ تجویز کیا ہے۔ دیکھیں نا، سو سکتا ہے کہ لوگ اس بات کو نہیں سمجھ سکیں۔ کیونکہ یہ ایک جذباتی مسئلہ ہے۔ میں اس چہرے کو زندہ رکھنا چاہتا ہوں، میری یہ خواہش ہے کہ وہ میری نگاہوں کے سامنے رہے۔ اس لئے میں نے یہ تجویز پیش کی ہے لیہ ہے کہ آپ نے کوئی خیال نہیں کیا ہو گا۔“

”نہیں یہ سرجن مورہ کے ہوتوں پر ایک دھبی سی حرکت رنگ آئی۔“ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم ایسا کیوں چاہتے ہو ہر مرحلہ تم مجھے اس کی تصویریں لا دینا۔“

ہمیش بکھو دے اور بیٹھنے کے بعد سرجن مورہ کا اشارہ ادا کر کے اس کے کمرے سے باہر آ گیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ اس کا کام اتنی جلد ہو جائے گا۔ اب اسے ایک خوشگوار حیرت ہو رہی تھی۔ غرض ملائی خواہش، پوری ہونے کا وقت آیا تھا۔ اور وہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ۔

وہ بڑھیاں اترتا ہوا اپنے آپ کو پھر کوئی دوسرے گزرتا ہوا ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ ایک لڑکی اس کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی۔

”کیا آپ ہی ڈاکٹر ہمیش ہیں یا اس نے ہمیش سے پوچھا ہمیش اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ ایک جوان اور خوبصورت لڑکی تھی۔ اس نے بہت ہی مناسب اور خوبصورت لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے لباس سے خوشبو کے پھکے اٹھ رہے تھے۔ جو اس بات کی گواہی دے رہے تھے

کہ یہ کوئی خوش حال گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکی ہے۔“ جی ہاں۔ میں ہی ہمیش ہوں یہ ہمیش نے کہا۔ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”تمہارا آپ کے پاس اتنا وقت ہے کہ آپ کچھ در پڑو گہری بات سن سکیں۔ لڑکی مسکراتی ہوئی، بولی۔ یقین کریں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔“

ہمیش نے اپنی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس کچھ وقت تھا اور ویسے بھی اتنی اچھی لڑکی کی دعوت آسانی سے رد نہیں کی جاسکتی۔

”ٹھیک ہے س۔ ہمیش نے کہا۔“ میرے پاس مختوڑا سا وقت ہے۔“

”تو پھر آئیے۔ باہر میری گاڑی کھڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہم گاڑی ہی میں بیٹھ کر باتیں کر لیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔“

ہمیش اس کے ساتھ اس کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے کچھ ہلکی لگا تھا لیکن اس لڑکی نے بے لگائی ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس لمس نے ہمیش کو موم کی طرح چمکا دیا تھا۔ وہ لڑکی اسے اپنے ساتھ ہوش کے باہر لانگ لاث میں کھڑی ہوئی ایک گاڑی کی طرف لے آئی۔ اس گاڑی کو دیکھ کر ہمیش کو معلوم ہو گیا کہ اس لڑکی کی خوش حالی کے متعلق اس کا اندازہ غلط نہیں تھا اس کی گاڑی بہت شاندار تھی۔ اور اس گاڑی کے پاس کھڑا تو ابا وادی خوش فہم بہت شاندار دکھائی دے رہا تھا جو اس لڑکی کو اتنے دیکھ کر مودہ ہو گیا تھا۔ اس کے قریب بیٹھنے ہی اس لڑکی نے ڈرائیور کو پارک کے اشارے سے چلے جانے کے لئے کہا۔ ڈرائیور مودہ اندازہ میں گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ گیا۔

”چلیں تشریف رکھیں، لڑکی نے کھجلی شست کی طرف اشارہ کیا۔“

ہمیش کے ذہن سے اب اس لڑکی کی طرف سے کچھ دور ہو چکا تھا۔ وہ بڑے اطمینان کے ساتھ گاڑی کی کچھ نشست پر بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی اس کے برابر آکر بیٹھ گیا گاڑی کا دروازہ بند ہو کر ڈاکٹر ہمیش کو کوئی ہوش نہیں رہا۔ بجائے کس طرف سے کیس کا ایک ایسا چمکے آیا تھا کہ اس کی سانس ٹھٹھکیں۔ اس کے ہاتھ پیروں سے جان لٹکے تھے۔ اس نے بے بسی سے اپنے ہاتھ پاؤں پھیلانے پھر اس کی گردن

بستی والوں کے لئے یہ بہت حیرت کی بات تھی کہ اس نوجوان نے ٹھیکیدار کا ساتھ دینا شروع کر دیا تھا۔

بالیشری نے غمزدار سے جب اس معاملے پر بات کی تو غمزدار نے اسے سمجھا دیا تھا۔ دیکھ بالیشری! میں جو کچھ کر رہا ہوں تیری وجہ سے کر رہا ہوں۔ تو خود موت میں کسٹ تیری خبر گیری کر سکتا تھا۔ اسی لئے میں نے مصلحتاً ٹھیکیدار اور اس کے آدمیوں سے دوستی کر لی ہے۔ اس دوستی سے مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا لیکن ان لوگوں سے تمہارا کھانا چھوٹ جائے گی۔“

یہ بات بالیشری کی سمجھ میں آئی ہو یا نہ آئی ہو لیکن وہ خاموش ہوئی تھی۔ اس کا دلیہ بھی اس شخص پر کوئی حق نہیں تھا جو کھانے کھالے سے اسی بستی میں اور اس کے پاس چلا آیا تھا۔

بالیشری کی طرح خود ٹھیکیدار گھٹام بھی اس نوجوان کی طرف سے بہت حیران تھا۔ کہاں تو اس نے دشمن بن کر اس کے ساتھ ہوں کی کھٹکانی کر دی تھی اور کہاں وہ اس سے چپک کر رہ گیا تھا۔ ٹھیکیدار کے ساتھ اسے رہتے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ اور ابھی تک اس نے ٹھیکیدار سے کسی کام کے لئے بھی نہیں کہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اس کے یہاں آنے کا مقصد ہی ہو کہ وہ ٹھیکیدار کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ ٹھیکیدار کے ساتھ اس نوجوان سے بہت غصے تھے۔ ان کے دلوں میں اس نوجوان کے خلاف انتقام کی آگ جل رہی تھی لیکن ٹھیکیدار کی وجہ سے وہ کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔

تیسرے دن ٹھیکیدار نے اس نوجوان سے تنہائی میں بات کی۔ وہ اس نوجوان کا بھید جاننا چاہتا تھا۔

”مجھے تم صرف یہ بتا دو کہ تم کیا چاہتے ہو۔“ ٹھیکیدار نے پوچھا۔ ”مجھے سے اب یہ تم کو کس طرح کے فیاض بن کر اس بستی میں رہنے کے لئے آئے ہو۔ ہمیں میں اس بات پر یقین نہیں کروں گا۔ تم مجھے صاف صاف بتا دو کہ تمہاری آمد کا مقصد کیا ہے۔“

”ٹھیک ہے بھائی۔“ نوجوان مسکرا دیا۔ ”اب مجھے صاف بتانا ہی ہو گا۔ یہ علاقہ کوٹے کی قانون کے لئے بہت کمزور ہے۔ بہاں اس کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا۔ یہاں کے مزدور

لوگ دن بھر سہارا توڑتے رہتے ہیں۔ ہر گھنٹے میں جاگ رہے ہیں۔ ان مزدوروں کے لئے خوشی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ پچارے کاؤں سے لٹکتے ہیں اور سیدھے اپنے خجور پڑوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے لئے کوئی بیٹھ نہیں، کوئی تفریح نہیں، کوئی کھیل نہیں کچھ بھی نہیں ہے۔ کیوں تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔“

”بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔“ ٹھیکیدار نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”پھر تم ان کے لئے کیا چاہتے ہو۔“

”وہ کچھ بھائی۔ تم اس علاقے کے سب سے طاقتور آدمی ہو۔ اسی لئے اس کام میں تمہارا تعاون بہت ضروری ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”میں جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہوں وہ تمہاری مدد سے کرنا چاہتا ہوں۔“

”تو پھر بتاؤ کیا بات ہے۔“

”براؤن شوگر۔“ نوجوان اس کی طرف دیکھتے ہوئے لولا۔ ”تم سمجھ گئے ہو گے۔ براؤن شوگر کیا ہوتا ہے۔ ہمیں یہاں کے مزدوروں میں یہ شوگر پھیلانا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ تریک میں آکر کام بھی زیادہ کریں گے۔ مزدوری بھی کم لیں گے اور تمہاری بھی چاندی ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم تمہیں اس کا پکاوا کمیشن ادا کیا کریں گے۔ کہو منظور ہے۔“

ٹھیکیدار کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ آج پہلی دفعہ اس کے علاقے میں کوئی ایسا آدمی آیا تھا۔ جو اس کے فائدے کی بات کر رہا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ خود ہی دوسروں میں پیر تقیم کیا کرتا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی کم سی لیکن ملتا نفا کی وجہ سے تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ براؤن شوگر کے دھندے میں بہت دولت ہے۔ لیکن اس کا کسی سے رابطہ نہیں ہوتا تھا۔ اور اب یہ نوجوان خود ہی چل کر اس کے پاس آیا تھا۔

”اس کام میں خطرہ تو بہت ہے۔“ ٹھیکیدار نے سرگوشی کی۔ ”پس کو بہت چاہتا ہوں۔“

”خطرہ جتنا بھی ہو اس کی ذمہ داری ہم بھرہوتی ہے۔“ نوجوان نے کہا۔ ”ہم لوگ ہر قسم کے خطروں سے نمٹا جانتے ہیں۔ تم صرف ہماری مدد کا وعدہ کر لو۔ اس کے علاوہ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ تم اس علاقے سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔ ہمیں معلوم ہو گا کہ کہاں کہاں ہراس کے اڈے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ کن کن لوگوں سے مال کی سپلائی کا کام



لیا جاسکتا ہے؟ بہت قوی ہے۔ لیکن تم کسی کے آدمی ہو؟  
 "داور کا یہ نوجوان نے جواب دیا وہ اس لائن کا بہت بڑا آدمی ہے۔ گما تم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔؟"  
 "ہیں، ٹھیک یاد رہے انکار میں اس کی گردن ہلانے میں نے یہ نام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔"  
 "تم جو اس علاقے سے باہر نہیں گئے ہو۔ اسی لئے تم اس کے نام سے ناواقف ہو۔ تم اس کے آدمی کو کبھی پہچان کر معلوم کر لو کہ داور کون ہے۔ پورا کبھی تمہیں اس کے بارے میں بتا دے گا۔ اس سے زیادہ خطرناک آدمی تم نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ہوگا۔"  
 "تم جی تو کم خطرناک نہیں ہو، ٹھیک یاد رکھو اس سے بڑا نہیں۔ میں اس کے مقابلے میں چوٹی کی طرح ہوں۔"  
 "نوجوان نے کہا: وہ جب چاہے مسل کر ٹھیک کر سکتا ہے۔"  
 "اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے ساتھ وفات بھی نہیں لی جاسکتی، ٹھیک یاد رکھو۔"  
 "ہرگز نہیں، وہ دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن ہے۔ اس نے اگر ایک بار تمہیں اپنا دوست بنا لیا تو پھر تمہاری طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ چاہے وہ حکومت کا کتا بڑا آدمی کیوں نہ ہو۔ وہ ایسے ساتھیوں کو دل کھول کر معاوضہ دینے کا عادی ہے۔ لیکن اگر اس کے ساتھ دھوکا لگا تو پھر اس کے منہ سے کچن بھی مشکل ہو جاسکتا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم میرا ساتھ دے کر داور کو اپنا دوست بننا چاہتے ہو یا نہیں؟"  
 "ٹھیک یاد رکھو، ہرگز نہ پڑے۔ یہ نوجوان جب سے اس لہجے میں آتا تھا اس وقت سے اس کی حقیقت کو مسلسل چیلنج کیا جا رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے وہ بہت ٹھیک ٹھاک زندگی گزار رہا تھا۔ ہر دن ٹھیک والا دھندہ نہ ہی، گوشت کی ٹھیک پکائی میں بھی اچھا خاصہ مل جاتا تھا۔ لیکن اب یہ نوجوان خود کو نازل ہوا، ایسا تھا اب اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کی خوشخبری بھی لیتا تھا۔ اس وقت ٹھیک پکائی کے ذہن میں بس یہ بات تھی کہ اگر وہ اس نوجوان کے ساتھ کام کرے پھر بھی ہو گیا تو پھر اس کی اپنی حیثیت ختم ہو کر رہ جائے گی۔"  
 "اگر میں تمہاری بات نہ مانوں تو ٹھیک یاد رکھو نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"

ایسی صورت میں تمہارے لئے بہت پریشانی پیدا ہو جائے گی۔ یہ میں دھمکی نہیں دے رہا ہوں کہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تم نہیں جانتے کہ داور کسی بلا کا نام ہے اگر تم جاؤ تو اس سے مل کر خود ہی اس سے بات کر لو۔ اس سے ملنے کے بعد ہی تمہیں اس کی طاقت کا اندازہ ہو جائیگا۔"  
 "میں مطلب،؟ ٹھیک یاد رکھو اس کی طرف دیکھا ہے کیا وہ تمہیں یہیں رہتا ہے۔؟"  
 "یہاں رہتا نہیں ہے بلکہ اس طرف آیا ہوا ہے۔ نوجوان نے بتایا: اس کا کام ہی یہی ہے۔ وہ پورے ملک میں میں محوم پھر کر اپنے ہرے مقرر کرتا رہتا ہے۔ بہر حال یہ ہے کہ تم اس سے مل ہی۔ یہ تمہارے حق نہیں کچھ بہتر ہوگا۔"  
 "ٹھیک ہے۔ تم میری ملاقات کروادو۔"  
 "نوجوان کے ہونٹوں پر ایک ایسی دھیمی سی مسکراہٹ رنگ آئی جو ٹھیک یاد رکھو لگا ہون میں نہیں آسکتی تھی۔"  
 ●  
 ڈاکٹر ہمیش نے ہوش میں آئے کے بعد اپنے آپ کو ایک کمرے میں پایا تھا۔  
 یہ ایک چھوٹا سا لیکن صاف سے سما ہوا کمرہ تھا۔ اس کی دیواروں پر خوبصورت تصاویر تھیں، ایک طرف ایک کھڑکی بھی تھی جو اس وقت بند تھی۔ ایک دیوار کے پاس ایک بڑی سی میز بھی تھی۔ اس کمرے میں مہری سے علاوہ صوفے پر بھی تھے۔ دو دروازے تھے۔ ان میں سے ایک دروازہ شاید کچھ مٹل خانے کا تھا جبکہ دوسرا دروازہ باہر کی طرف کھلتا ہوگا۔ ہمیش نے ایک ہی نگاہ میں اس پورے کمرے کا جائزہ لے لیا تھا۔  
 ہونٹوں میں آنے کے بعد اس نے کوئی گرائی نہیں محسوس کی تھی۔ اسے یاد تھا کہ وہ بے ہوش کر دینے والی لہجے کے ذریعے بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ لیکن اس وقت اس کے ذہن میں اس کیس کا کوئی اثر نہیں تھا۔ اس کے اعصاب بھی اس کے اختیار میں تھے۔ اور وہ خود کو پوری طرح چاق و چوبند محسوس کر رہا تھا۔  
 وہ بہتر سے اثر کر دوانے کی طرف آیا۔ دروازہ اس کی توقع کے مطابق بند تھا۔ اس نے کچھ دیر تک دروازے پر زور آزمائی کی اور جب کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا تو مایوس ہو کر ایک کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی زندگی

کا پہلا موقع تھا جب اسے کسی نے اغوا کیا تھا۔ اور وہ بھی ملاکی جواد کے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا گیا ہے۔ وہ لڑکی اس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ اس نے اس کو پہلے بھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ پھر وہ لڑکی اسے کیوں اٹھا لائی تھی۔  
 وہ بھی ایسی ادھیڑ میں مبتلا تھا کہ دروازہ کھلا کر جو شخص کمرے میں داخل ہوا تھا وہ ڈاکٹر ہمیش کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ ہمیش اسے دیکھ کر بڑی طرح جوکھا تھا۔ جواد نے دالا وہی سادھو تھا جو ہمیش کو اس کی گاڑی کے پاس ملا تھا۔ اس کے حلقے میں صرف اتنا فرق تھا کہ اس وقت اس نے گروہ رنگ کی ایک دھوٹی پہن رکھی تھی جبکہ اس وقت وہ ایک معقول لباس میں ملبوس تھا۔ ہمیش اسے دیکھ کر کسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔  
 "میرا خیال ہے کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا، سادھو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بول دیا۔  
 "بہت اچھی طرح؟ ہمیش نے اپنی گردن ہلانے اور اس کی صوفی کی کیا ضرورت تھی۔ تم کیا چاہتے ہو پوچھو۔"  
 "تم نے میری بات نہیں مانی تھی نا؟" لڑکی نے جھجھکتے ہوئے بولی۔  
 "سادھو نے کہا: اور یہاں تم کیسے نہیں ہو گئے۔ بلکہ تمہارے دوسرے ساتھی ڈاکٹر بھی آئے، وہی لڑے ہوں گے۔ میں نے نہیں کوا نہیں لانے کے لئے روک دیا ہے۔ وہ بہت ہوشیار لڑکی ہے۔ کیوں؟"  
 "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم اس مریض کے بچے کیوں مٹے ہو؟ ہمیش نے بول دیا۔ ہمیش اس بات سے کیا دلچسپی ہے کہ اس کا علاج نہ ہو۔ اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"  
 "تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا لیکن تم سے پہلے نہیں بتانا ہوگا کہ تم اس مریض کو کس کا چہرہ دلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"  
 "کیا؟ ہمیش کی حیرانی اور بڑھ گئی۔ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اب کسی حد تک خوفزدہ بھی ہو چلا تھا۔ پہلے ایک سیدھا سادھا ایک زخمی شخص کے علاج کا سہرا تھا۔ اب یہ مسئلہ پیچیدگی اختیار کرتا جا رہا تھا۔ تمہیں کیسے معلوم؟ اس نے بول دیا۔  
 "تم اس چکر میں مت پڑو۔ سادھو ایک دیوار کے ماتھے لگے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔ "تم ایک ڈاکٹر ہو تمہارا

میدان ہم سے بہت مختلف ہے۔ تم ان معاملات کو نہیں سمجھ سکو گے۔ بس تم میرے سوالوں کے جواب دیتے جاؤ۔"  
 "میں اپنی دوست زمرہ کے بھائی کا روبرو دلانے کی کوشش کر رہا ہوں؟ ہمیش نے بتایا۔ لیکن یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے لئے اتنا ہنگامہ کیا جائے۔ سادھو نے بولی۔  
 "میرا نام اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔"  
 "ہوں؟ سادھو نے ایک گہری سانس لی۔ وہ بڑی گہری لگا ہوں سے ہمیش کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: دیکھو ڈاکٹر ہمیش۔ بہتر ہے کہ میں نہیں سب کچھ بتا دوں۔ تاہم تمہارے ذہن کی انجین بھی ختم ہو جائے گی اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟"  
 "ہاں اگر تم بتا دو تو بہتر ہوگا۔ ہمیش ٹھیک لہجے میں بولا۔ اور اپنی اس حرکت کی بھی وضاحت کر دینا کچھ اس طرح کیوں لایا گیا ہے۔؟"  
 "سب سے پہلے تو تم میرا نام جان لو، سادھو نے کہا۔  
 "میں کرشن رائی ہوں۔ میری عمر اتنی ہی ہے جتنی تمہیں محسوس ہو رہی ہوگی۔ میں کوئی سادھو نہیں ہوں۔ لیکن میرے چہرے پر تمہیں جواد کا اسی نظر آ رہا ہے۔ یہ بھی مصنوعی نہیں ہے۔ میرا تعلق حکومت کے ایک انتہائی حساس شخص سے ہے۔ ہم ان لوگوں پر نگاہ رکھتے ہیں جو لوگ غیر ملکی طاقتوں کے آگے ہار جاتے ہیں اور ہمارے ملک سے قیمتی اوزار ہٹا کر لے جاتے ہیں۔ خیر تو میرا فرض بھی یہی ہے کہ میں ایسے لوگوں کو روک کر حکومت کے حوالے کر دوں۔ لیکن اس کے علاوہ میں نے ایک اور حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور وہ حیثیت ہے ایک باپ کی؟ کرشن رائی اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔  
 "میں نہیں سمجھ سکا۔ ڈاکٹر ہمیش نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ باپ کی حیثیت سے تمہاری کیا مراد ہے؟"  
 "ڈاکٹر دیکھو۔ میں چونکہ ایک بہت ہی اہم عہدے پر فائز ہوں۔ حکومت کا بڑا ایک نمبر میرے اختیار میں ہے۔ اسی لئے میرے وسائل بھی بہت ہیں۔ میں نے اسی لئے ایسے لوگوں کی بھڑائی کی کہ تمہیں مل لے رہی ہے۔ جو میرے احکامات پر

پوری طرح عمل کرتے ہیں۔ اور ان کی کارروائیاں حکومت کو نہیں معلوم ہوتیں بلکہ ناقابل حل کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہیں۔ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے اپنے قرائع سے یہ معلوم کیا ہے کہ ڈاکٹروں کی فہم میں ایک غیر ملکی جاسوسی بھی ہے تو تمہیں اس پر حیرت نہیں ہونی چاہئے۔

”کیا یہ ڈاکٹر ہمیشہ ایک جگہ سے کھڑا ہو گیا یہ کیا کمرہ ہے۔ یہ کیس طرح ہو سکتا ہے؟“

”میں نے کہا تھا نا کہ شاید تمہیں اس پر یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ کمرش رانگی نے کہا لیکن میں تمہاری بات نہیں کر رہا ہوں کیونکہ تمہارے بارے میں مجھے کچھ نہیں پتا ہے۔ پوری رپورٹ دے دی ہے۔ اور اس رپورٹ کے مطابق تم ایک سیدھے سادے آدمی ہو۔ جو زمرلانی ایک لڑکے سے محبت کرتے ہو۔“

”تو کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے؟ ہمیشہ جبران رہ گیا تھا ہاں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اسی زمرلے کے گھنے ہرقم اس مریض کی صورت منسوب کرنا ایک آدمی کی صورت بنی بنا چاہتے ہو۔ اور اس سلسلے میں تم نے مرجن مورے سے بھی بات کر لی ہے اور مرجن مورے تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار ہے کیونکہ میں غلط فہم رہا ہوں۔“

”تمہیں تمہیں کمرہ ہے۔ یہ پھر تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ وہ منور زمرلہ کا بھائی ہے؟“

”یہ تو میں جانتا ہوں لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ منور بھی زندہ ہے۔ اور تمہاری زمرلہ بھی اس بات سے واقف ہے۔ کیا یہ ڈاکٹر ہمیشہ کا منہ کھلا رہ گیا تھا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولنے لگی۔؟“

”یہ ایک الجھی ہوئی صورت حال ہے ڈاکٹر ہمیشہ کمرش رانگی نے کہا کہ صرف ایک ڈاکٹر ہوا ہی نے اس قسم کی بات چھپھرتے واقف ہو گیا تم یہ بنا سکتے ہو کہ زمرلہ سے تمہاری پہلی ملاقات کس طرح ہوئی تھی میں یہ شرط لگانے کے لئے تیار ہوں کہ اس نے خود ہی اس ملاقات میں پہل کی ہوگی؟“

”ہاں کچھ ایسی ہی بات ہوئی تھی ڈاکٹر ہمیشہ نے فرما کر کہا لیکن یہ بات تو بہت بڑی بات ہے۔ اس وقت تو اس مریض کا وجود بھی نہیں تھا۔“

”تم بھول رہے ہو ڈاکٹر ہمیشہ کمرش رانگی مسکرا دیا میرے تمہیں یاد دہونا چاہیے کہ اس زمانے میں تمہارے ہسپتال

میں ایک ایسا مریض لایا گیا تھا جس کی بنیادی تابکاری اثرات کی وجہ سے نزلہ ہو چکی تھی۔ اور اس شخص کو اسی علاقے سے لایا گیا تھا جہاں سے یہ مریض دستیاب ہوا ہے۔“

”اوہ؟ ہمیشہ نے اپنے ہونٹ سیکڑے تھے۔ تو واقعی بہت حیرت انگیز مماثلت ہے۔“

”ہاں۔ اور شاید اس وقت ہی زمرلہ سے تمہاری ملاقات ہوئی ہوگی اب تم مجھے بتاؤ کہ اس وقت اس نے تم سے کسی خواہش کا اظہار کیا تھا؟“

”ہاں مجھے یاد آ رہا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ لیکن یہ بات اس وقت کی ہے جب ہم دونوں کو یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ اس مریض کی آنکھوں پر تابکاری کے اثرات ہیں۔ اس نے ایک عجیب خواہش کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے نرس بن کر اس مریض کی عیادت کرنا چاہتی ہے۔ حالانکہ وہ کوئی نرس نہیں ہے۔ لیکن اس نے مجھ پر زور دیا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس سلسلے میں کوئی انتظام کر سکتا ہوں۔ لیکن اس وقت حالات اتنے عجیب تھے کہ میں اس کی خواہش پوری نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مریض کو بہت ہی عجیب حالات میں ہسپتال لایا گیا تھا۔ وہ کسی اثرات طبعی نما چیز سے روشنی کی شعاع لگتے دیکھ کر اپنی بنیادی کھوپٹھا تھا۔ اور ہم لوگ اس کی بہت حفاظت کر رہے تھے اس کے چاروں طرف پھر سے لگا دیئے گئے تھے۔ اس کمرے میں صرف وہی لوگ جا سکتے تھے جنہیں خصوصی اجازت نامہ دے دیا گیا تھا۔“

”جانتے ہو اس نے تم سے ایسی خواہش کیوں ظاہر کی تھی۔ اس کا ارادہ نرس بن کر اس مریض کے پاس پہنچنا اور اسے ہلاک کر دینا تھا؟“

”میری تو کچھ نہیں میں نہیں آ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے دماغ ہل کر رہ گیا ہو۔ تم نے مجھے کشمکش میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”انسان کی آنکھیں جتنی جلدی کھل جائیں۔ اتنا ہی اچھا ہے کہ کمرش رانگی نے کہا یہ میں نہیں یہ سب کچھ اس لئے بتا رہا ہوں کہ تمہارا لڑکا ڈٹے داغ ہے۔ تم ایک عجیب وطن انسان ہو۔ جبکہ دوسروں کے بارے میں ابھی یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی ان کی پورے طور پر جان بن نہیں ہو سکی ہے۔ بہرحال اتنا جان لو کہ اس حیرت انگیز کہانی میں زمرلہ ایک

کمرہ دار اگر رہی ہے؟“

”جھکوان کے لئے مجھے اور الجھن میں مت ڈالو میں بہت پریشان ہو کر رہ گیا ہوں۔ کیا بہتر نہیں ہو گا کہ تم مجھے کچھ صاف صاف بتاؤ دو؟“

”اگر تم سب کچھ جانتا ہی چاہتے ہو تو میں تمہاری ملاقات ایسے آدمی سے کروانا چاہتا ہوں جو اس کہانی کا سبب ہے۔ انہم کو دل ہے۔ جس کے سامنے یہ سارے واقعات پیش نہ ہیں۔ جو یہ حقیقت سے واقف ہے۔ جیسے معلوم ہے کہ مجھے ہسپتال میں بے ہوش ہوا ہوں لیکن کون ہے جو یہ بھی اتنے کہ اس مریض کو جس علاقے سے لایا گیا ہے۔ اس وقت کی تباہی بھول ہوئی تھی۔ وہاں یہی قیامت آئی تھی وہ میں سب کچھ جانتا ہے۔“

”کمال ہے؟ ہمیشہ بڑبڑایا۔ کہا نام ہے اس کا۔؟“

”داور۔ کمرش رانگی نے کہا۔ اس آدمی کا نام داور ہے۔“

•

وہ دونوں کوٹنے کی کانٹوں کے درمیان بنے ہوئے تھے ہر چلے جا رہے تھے۔

اس نوجوان نے کچھ ٹھیکیدار کو کم طرح دھمکانے اور اپنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود ٹھیکیدار نے نہ جانے اس کی طرف سے مطمئن نہیں تھا۔ وہ اس داور سے ملے برعکس نہیں ہو سکتا تھا۔ نوجوان کے بیان کے مطابق وہ بہت ہی وسائل رکھنے والا آدمی تھا۔ اس کے ہاتھ بہت رنگ پھیلے ہوئے تھے۔ اس کے پاس بے پناہ دولت تھی۔ اور وہ سب کچھ تھا جو کسی بڑی تنظیم کو چلانے کے لئے چاہئے۔ اس کے باوجود وہ شخص اس ٹھیکیدار کی مدد کے لئے اصل کمرہ تھا حالانکہ وہ کمرہ جانتا تو ٹھیکیدار کی مدد کے لئے لی اس علاقے میں براؤن ٹنکر کا چال کھا سکتا تھا۔ اس نے وہ بات بھی جس نے ٹھیکیدار کو غیر مطمئن کر رکھا تھا۔

اس نوجوان نے ٹھیکیدار سے کہا تھا کہ وہ اسے داور سے ملانا چاہتا ہے۔ اور داور کچھ دنوں کے لئے اسی علاقے میں آیا ہوا ہے۔ اس کی عارضی رہائش کو لیری کے عقب میں فتح نشی ٹھیکیدار میں ہے۔ شیشہ نگر اس علاقے کا ایک نوری نام تھا۔ وہاں ایک چھوٹی سی جھیل تھی۔ جس کے کنارے کچھ کائنات بنے ہوئے تھے۔ نوجوان نے بتایا تھا کہ اس کا پاس وراں ہی مکانوں میں سے ایک مکان میں مقیم ہے ٹھیکیدار

نے اس کے ساتھ چلنے کی جانی بھری تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آدھوں کو بھی جوس کر دیا تھا۔ اس نے اپنے آدھوں سے کمرہ دار کا کمرہ دوہ دونوں جس وقت ٹھیکیدار کے لئے روانہ ہوں کچھ لوگ ان کا تقاب کرتے رہیں۔ اور اس وقت ٹھیکیدار کے کچھ آدمی کچھ فاصلے سے ان دونوں کا تقاب کر رہے تھے۔

اس نوجوان نے یہاں آنے کے بعد جس انداز سے اپنی دھماک بھرا ڈی تھی اس کا تقاب نہ کچھ اور تھا۔ لیکن ادھر وہ کچھ ہی حرکتیں کرنے لگا تھا۔ اس نے ایک ایسی بادی کہانی سنا دی تھی جس پر یقین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور اب وہ اس کہانی کی مزید تصدیق کے لئے ٹھیکیدار کو اپنے ساتھ لے جا رہا تھا۔

وہ جس راتے پر چل رہے تھے۔ وہ بالکل ویران راستہ تھا۔ اس کے دونوں طرف پیش دیتے ہوئے میدان پھیلے ہوئے تھے۔ جن پر ہر شے جھاڑوں اور سوکھے درختوں کا ایک لاسٹانی سلسلہ پھیلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ ٹھیکیدار جانے کے لئے اس راستے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ اور یہ راستہ اتنا خراب تھا کہ اس پر سے کوئی سواری بھی نہیں جاسکتی تھی۔ اسی لئے انہیں اس راستے پر چلنا ہی چاہنا پڑا تھا۔ اس سفر کے دوران اس نوجوان نے کچھ ٹھیکیدار سے کوئی بات نہیں کہی۔ لیکن وہ بہت خوش اور ترنگ میں دکھائی دے رہا تھا جیسے اس کی کوئی دلی مراد پوری ہوئے والی ہو۔ اس کا یہی رویہ ٹھیکیدار کو اس کی طرف سے شکوک کئے جا رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ نوجوان آخر جانتا کیا ہے۔

وہ دونوں ایک ٹھکانے کے جان یوا سفر کے بعد شیشہ نگر پہنچ گئے۔ وہ جیسٹل انجی کچھ فاصلے پر تھی۔ جس کے کنارے وہ مکانات بنے ہوئے تھے۔ جن میں سے کسی ایک مکان میں داور نامی کوئی ہراسہ رکھنے ٹھیکیدار کا انتظار کر رہا تھا۔ ٹھکانہ دور کرنے کے لئے وہ ایک ہوٹل میں ٹھس گئے۔

چلے بننے کے دوران ٹھیکیدار نے بالا کو دیکھ لیا۔ یہ بالا اسی کے لئے کام کیا رہا تھا۔ لیکن یہ نوجوان بالا سے واقف نہیں تھا۔ ان دونوں کے ہوٹل میں آنے کے فوراً بعد وہاں بھی ہوٹل میں داخل ہوا تھا۔ اور اسے دیکھ کر ٹھیکیدار نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ اس کے آدمی اس کی طرف

سے غافل نہیں ہیں۔ انہوں نے ان دونوں پر پوری نگاہ رکھی تھی، بالائیکھیدار کی طرف مٹی خیر لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے ایک دوسری کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ نوجوان جانے کا آخر دینے کے لئے ہونٹ کے ملازم کی طرف متوجہ ہو چکا تھا چائے پی لینے کے بعد وہ دونوں پھر کھڑے ہوئے چائے کی قیمت اس نوجوان ہی نے ادا کی تھی، ہونٹ سے نکل کر وہ چیل کی طرف چل پڑے ٹھیکیدار نے اس وقت دیکھ لیا تھا کہ بالا بھی ان کے ساتھ ہی ہونٹ سے باہر لگا تھا۔ ہونٹ کے باہر ایک درخت کے نیچے ٹھیکیدار نے اپنے ایک اور آدمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اب اسے بدلتی طرح اطمینان ہو گیا تھا وہ اس جوان کے ساتھ تنہا نہیں تھا۔ اس کی محافظت کرنے والے موجود تھے۔

وہ جوان ٹھیکیدار کو تھیل کے کنارے بنے ہوئے رکھناٹ کی طرف لے آیا یہ ایک منزلہ مکانات تھے۔ جو بہت سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ اور ان مکانات سے اس بستی والوں کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ بلکہ ان کی تعمیر ان پیسے والوں کے لئے کی گئی تھی جو تھیل کے کنارے توڑنے کے لئے آیا کرتے۔ اس تھیل کو مارا کڈتے تھے۔ اس کے کنارے اونچے اونچے درخت تھے۔ ان درختوں کے درمیان وہ جھوپڑیاں بنی ہوئی تھیں جو تپاں بھلائی تھیں۔ اور یہاں توڑنے کے لئے آنے والے لوگ اپنے ساتھ ہر قسم کی ایسی توہمات بھی لے کر آیا کرتے تھیں کہ جھیل کی فضا رات گئے تک بدست چڑھوں سے گونجتی رہتی۔

نوجوان ٹھیکیدار کو اپنے ساتھ ایک ایسے مکان میں لے آیا جو لظاہر و بران دکھائی دے رہا تھا نوجوان نے دروازے پر دستک دی تھی اور جب کوئی چاہا نہیں ملا وہ دروازے کو دھک دے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے ٹھیکیدار کو بھی اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا تھا ٹھیکیدار نے مکان میں داخل ہونے سے پہلے مرکر دیکھا۔ اسے بالا اور در و دکھائی دے گئے یہ دونوں اس کا تعجب کہتے تھے یہاں تک چلے آئے تھے۔ ان دونوں کو یہ دیکھ کر ٹھیکیدار نے اطمینان فرمائی کیا اور نوجوان کے بعد خود بھی اس مکان میں داخل ہو گیا۔

وہ ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوا تھا یہاں ضرورت کا ہر چیز موجود تھا۔ بھد کی ہوتی کر سیاں اور میز ایک بڑی سی سہری فرش پر تھی۔ ہوتی قوانین وہ نوجوان اس کمرے میں نہیں تھا شاید وہ ٹھیکیدار کے آگے سے

پہلے ہی دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ٹھیکیدار ایک کرسی پر بیٹھ کر نوجوان کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسے احساس ہوا کہ دوسرے کمرے سے کبھی کوئی آہٹ سنائی نہیں دے رہی ہے۔ یہ حیرت کی بات تھی۔ اس نے پریشان ہو کر زور سے آواز دی۔

”اسے بھائی کہاں ہو تم؟“

لیکن اس کی بجائے جواب میں خاموشی رہی تھی ٹھیکیدار کرسی سے کھڑا ہوا اور دوسرے کمرے کے دروازے تک پہنچ کر وہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ لیکن اس کمرے میں کوئی بھی تھا۔ البتہ اس کمرے کا ایک اور دروازہ تھا جو شاہد کسی کمرے میں کھلتا تھا۔ ٹھیکیدار اس دوسرے دروازے تک بھی پہنچ گیا۔ وہ دروازہ بھی پہلے کی طرح کھلا ہوا ملا تھا۔ لیکن اس کے بعد کوئی کمرہ نہیں تھا بلکہ وہ دروازہ اس مکان کے باہر میدان میں کھلتا تھا۔

ٹھیکیدار مکان کے باہر آکر اوڑوں کی طرح اپنی پلکیں جھپکاتے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے وہ نوجوان اسے یہاں تک کیوں لایا تھا۔ اور اس طرح دھوکا دے کر غائب کہاں ہو گیا۔ اس شخص کی حرکتیں بوجھانے ہونے کے ساتھ ساتھ ٹھیکیدار کے لئے بہت پر اثر ثابت ہوئی تھیں۔

”جہنم میں چلے“ ٹھیکیدار نے غصے سے ہونٹ جھینپے ہوئے اپنے آپ سے کہا ”میں اس کم بخت کی بات ہی نہیں داخل نہیں ہونے دوں گا“

وہ جھلاتا ہوا زمین پر زور زور سے پاؤں مارتا ہوا چکر کاٹ کر مکان کے سامنے آیا۔ بالا اور ہر و ابھی تک ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہوئے تھے ٹھیکیدار کو دیکھ کر وہ دونوں جلدی سے اس کے پاس آ گئے۔

”کہا ہو گیا مالک۔“ بھڑو نے بوجھا سب ٹھیکیدار ہے نا“

”کیا خاک ٹھیک ہو گا۔ وہ حرام زادہ بچا نے کہاں غائب ہو گیا ہے“ ٹھیکیدار نے بتایا۔

”غائب ہو گیا کیا مطلب۔“

”مکان میں داخل ہونے کے بعد وہ دوسرے دروازے سے نکل کر کہاں کہاں چلا گیا ہے“ ٹھیکیدار نے کہا ”اس نے عجیب حرکت کی“

”اس کے ایسا کیوں کیا مالک۔“ بالانے پر تکرار انداز

میں اپنی گردن ہلائی۔ کوئی نہ کوئی جھڑو ہے ورنہ وہ ایسا آدمی نہیں ہے جو اس طرح بچوں کی طرح دھوکا دے کر بھاگ جائے۔ تمہارے خلاف کوئی گہری سازش معلوم ہو رہی ہے“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کسی سازش کی جارہی ہے“ ٹھیکیدار نے جھلک کر کہا ”سالانہ سرپڑی پتہ نہیں چل چلا رہا ہے۔ میں تو تم لوگوں کو اپنے ساتھ احتیاط لے آیا تھا لیکن یہاں تو کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ وہ تو اطمینان سے غائب ہو گیا“

”کہیں اس نے معائب تو نہیں لیا تھا مالک۔“

”ہوئے بوجھا“ ہو سکتا ہے اچھے غائب ہو گیا ہے۔

”وہ اتنا بزدل آدمی نہیں ہے کہ تم سے ڈر کر بھاگ جائے اس نے ہم سے بہتر تر آدمیوں کو ذرا دیر میں زمین پر لٹا دیا تھا“

”تو بھڑو کہاں چلا گیا۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا چلو اب واپس چلے آئیے ہو سکتا ہے وہ جہنم میں آ جائے“

”بیوں ذرا یک نظر کھو اس مکان میں دیکھ لیں مالک اس نے رائے دی“ ہو سکتا ہے وہ کسی شعل خانے یا کسی اور جہنم میں ہوئے۔

”کوئی فائدہ نہیں میں ابھی طرح دیکھ چکا ہوں“ ٹھیکیدار نے بتایا ”وہ کہیں نہیں ہے“

”بھڑو بھی ایک نظر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔“ بالانے کہا ”یہاں سے واپس تو چلا ہی ہے۔ تو جلنے سے پہلے چلا“

”ٹھیک ہے۔ تم دیکھا اوہم لوگ۔“ میں کھڑے ہوا۔

”لیڈا نے اجازت دے دی۔“

بالانے بھڑو کو بھی ساتھ لینا چاہا تھا۔ لیکن ٹھیکیدار نے اپنی اجازت نہیں دی تھی۔ بالا اس مکان کی طرف چلا گیا اور اسے اس دن ویرانی ہی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ٹھیکیدار کو توڑنے کے لئے آئے ہی رہتے تھے البتہ تھوڑے جھیل کے کنارے کچھ لوگ چیل قری کر کے ہوئے اور دکھائی دے رہے تھے ٹھیکیدار کا ذہن اس وقت پریشان تھا کہ اسے بھی احساس نہیں ہو سکا کہ بالا کو اسے کبھی دیکھا ہو چکا ہے۔ وقت کا احساس اسے جڑو نے

دلا دیا تھا۔

”کیا بات ہے مالک۔“ بھڑو نے کہا ”یہ بالائی واپس نہیں آ رہا ہے“

”اچھا“ ٹھیکیدار جو تک بڑا واقعی اس کو توئے ہوئے بہت دیر ہو چکی ہے“

”میں دیکھ آتا ہوں مالک۔“

”الہانہ ہو کر تو بھی جا کر بالا کے ساتھ ہی بیٹھ جائے۔ جلدی آجائے“

بھڑو بالا کی طرح وہاں جا کر بیٹھا نہیں تھا بلکہ کوڑی واپس آ گیا تھا۔ البتہ وہ بہت پریشان اور لکھلکایا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

”کیا بات ہوئی کمرے۔“ ٹھیکیدار نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا بتانا مالک۔“ بھڑو نے لکھلک کر بتایا ”کوئی بھی نہیں۔ اس مکان میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ البتہ پچھلا دروازہ دھڑو کھلا ہوا ہے“

”کیا“ ٹھیکیدار بھڑو جیسے کبھی گڑبڑی تھی۔ یہ کیا کر رہے ہو تم۔“

”ہاں مالک۔ بالائی غائب ہو گیا ہے۔ بھڑو نے بتایا۔

”بے حس ہڑے ہوئے حس میں پہلی بار ایسی سی جنبش ہوئی تھی۔“

”جہنم بھی بہت معمولی تھی۔ بہت خفیف سی لیکن اس جسم کی اس حرکت کو پاس کھڑی ہوئی نرس رانا دنی نے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس وقت اس مریض کے کمرے میں تنہا تھی ابھی ابھی ایک جو غیر ڈاکٹر اس مریض کو دیکھ کر دھڑکے لے رہے تھے بالائی تھا۔ اس مریض نے شاید زندہ رہنے کا تہیہ کر رکھا تھا اسی لئے اتنی خراب حالت کے باوجود اس کی سانسیں چل رہی تھیں اور اس کے دل کی دھڑکنیں زندہ تھیں۔ وہ بھی کبھی غنودگی کے عالم میں گر پڑے تھے لیکن تھا۔ اور آج اس نے ایک ایسی حرکت بھی کی تھی۔ اس کا دایاں ہاتھ تھوڑا سا اٹھا بھڑو گیا تھا۔

رانا دنی حیرت بھری نگاہوں سے اس مریض کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ اس مریض کے بدن میں شش و پنج میں مبتلا تھی۔ اس مریض کی قوت ارادی حیرت انگیز تھی۔ ایک تو

رانا ودی نے اس بے جس بڑے ہوئے مریض کی طرف  
دیکھا۔ اس کی وجہ سے اس پر بڑا آفت نازل ہوئی تھی۔ یہ  
مریض اب اور بھی ہراساں ہو گیا تھا۔ یہاں بے ہوشی کے  
باد جو کرنل جیسے آدمی کے اعصاب پر برا عقار و درگزر کر لے لی  
بچوں والی حرکت نہیں کرنا چاہئے۔ اس آدمی نے کرنل کو  
ایسی کون سی تکلیف پہنچی تھی کہ کرنل اس کے سامنے آئے سے  
باہر ہو گیا تھا۔ رانا ودی بہت دیر تک اس مریض کو دیکھتی  
رہی۔ اس مریض کے منہ شہہ چہرے اور اس کے بدن  
پر ایسی کوئی علامت نہیں تھی جس سے اس کی شناخت ہو سکتی  
تھی۔ بھکر ٹل کے کس طرح اسے پہچان لیا تھا کرنل کو یہ کیسے  
معلوم ہو گیا کہ وہی اس کا دشمن ہے۔ کرنل نے اگر اس کی شناخت  
کر لی تھی تو پھر اس نے یہ بات دوسروں سے کیوں چھپائی  
تھی۔ یہ سب ایسے سوالات تھے جن میں سے کسی کا جواب بھی  
رانا ودی کے پاس نہیں تھا۔ وہ صرف اتنا جانتی تھی کہ اس  
وقت اسے کرنل کے پاس جانا تھا۔ اس کے کمرے میں  
حاضری دی تھی۔ اور اگر اس نے کوئی بات نہیں مانی تو بخانے  
کیسی آفت نازل ہو جاتی۔

کرنل اسے کمرے میں بڑی بے چینی سے شہل شہل کر  
اس کا انتظار کرتا رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے درمیان

”ہاں میں جانتا ہوں کہ اس کمرے میں تمہاری ڈیوٹی ہے لیکن کیا تمہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ میں اس کمرے میں کو تو رہتا ہوں؟“

”ہاں، رانا کو تو اپنی جانی کرکھ ہلا دی؟ اور اب میں نا  
جانی ہوں، مجھ سے کچھ نہیں ہوگا، اے مرزا، تم نہیں ہو سکتا نا  
وہیے مجھی میری اس کرے میں ڈھلوانی ہے کرکھ زیادہ  
زیادہ یہی کرے گا کہ مجھے کرے سے نکال دے گا۔ وہ اس  
علاوہ اور کیا کر سکتا ہے؟“

”اچھا! کرنل کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پھر وہ ایسی بیخودانہ  
سے مریض کے کمرے کے طرف چل دیا جسے اس نے اگر ذرا  
بھی دیر کر دی تو اس نظام سے محروم ہو جانے کا رانا  
ولی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ کرنل کی ایسی کبلی

ایک موٹا سا سگڑا دیا ہوا تھا جو بجائے کپ کا بچہ لگا تھا۔ لیکن کرنل کو اس کی خبر ہی نہیں تھی۔ رانا وائی کرے میں داخل ہو کر ایک طرف کھڑی ہوئی اس وقت خوف سے اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اس نے یہاں آتے ہی سے ایک چوری مرس کو اس مریض کے کمرے میں بھیج دیا تھا اور خود کرنل کے پاس چلی آئی تھی اس کے پاؤں کانپ رہے تھے ہاں کرے نہیں کر سکا یہی رہی ہوئی تھیں۔ لیکن اس میں اتنی جڑ نہیں تھی کہ وہ کسی کرسی پر بیٹھ سکتی۔

فکڑی کیوں ہو بیٹھ جاؤ اگر کرنل راجندر رانا وائی کی طرف دیکھ کر بولا۔ اس کا لہجہ کچھ نرم تھا۔

رانا وائی اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت بھی اس کے خوف کا یہ عالم تھا جیسے اس کے حلق میں گولہ ایک گیا ہو۔

”کیا تم مجھے پاگل سمجھتی ہو۔“ بگڑنے لگا اچانک ایک غیر متوقع سی بات بولو چلی۔

”نہ نہیں تو سر میں۔“

”تم نے اس کمرے میں جانے کے بعد کیا دیکھا تھا؟“

کرنل راجندر نے اپنے ہونٹوں میں دبا ہوا سگڑا ایک طرف رکھ دیا تھا۔ ہٹا دیا گیا دیکھا تھا؟

”میں نے سر آپ کو اس بے ہوش مریض سے بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ رانا وائی نے جلدی سے کہا۔

”ہوں؟“ کرنل نے ایک چھری سانس لی۔ ”تو پھر اس نے تم نے کیا کہا۔ کیا اندازہ لگایا؟“

”کچھ نہیں سر۔“ رانا وائی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے کچھ نہیں معلوم۔ میں کچھ نہیں سمجھ سکی میں تو بس دیکھ رہی تھی۔“

”ہاں۔ وہ آدمی میرا دشمن ہے۔“ کرنل نے اپنی دھڑکنے والی مٹھیاں سمجھ لیں۔ اس کی وہی کیفیت ہوئی تھی جو کہ رانا وائی اس سے پہلے دیکھ چکی تھی۔ ”میں نے یہ بات کسی کو نہیں بتائی لیکن تم۔“ اس واقعہ کی مینی گواہ بنی ہوئی تھی۔ ابھی انگوٹھوں سے مجھے اس مریض سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ رہا ہے۔ جو ابھی سن نہیں سکتا۔ جو کچھ بول نہیں سکتا۔ جو اپنے جسم کو حرکت نہیں دے سکتا۔ اگر میں جا ہوں تو اسی عالم میں اسے موت کے گھاٹ اتار دوں۔ کسی نو پتہ کی بات چلے لیکن میں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے پیشے کے تقاضے کے خلاف ہے۔ سمجھ گئیں۔ یہ میری فطرت کے بھی خلاف ہے۔“

رانا وائی نے صرف اتنا ہی سمجھا تھا کہ کرنل اس شخص سے پرانی دشمنی رکھتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان مخالفت کی ایسی بنیاد موجود ہے جس کی وجہ سے کرنل اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اپنے بیٹے کی حریت سے جیورے۔ دردناک اسے ہوشی کے عالم میں ہی وہ اس مریض کو ہلاک کر چکا ہوتا ہے اتنی ہی بات رانا وائی کی سمجھ میں آ چکی تھی۔

”میں نہیں جاننا کہ تم کس مزاح کی لڑکی ہو۔“ کرنل نے رانا وائی کی طرف دیکھے ہوئے کہا۔ لیکن تھک چکا تھا۔ یہ بتا رہا ہے کہ تم اپنے فرائض اچھی طرح ادا کرنے کے قابل ہو۔ میرا اندازہ تمہارے لئے غلط نہیں ہو سکتا۔ تم اس وقت اپنی ڈیوٹی ادا کر رہی ہو۔ میرے احکامات اسی حد تک ماننے کی پابند ہو جس حد تک تمہارے فرائض کا تعلق ہے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اب میرا ساتھ بھی دو۔ دیکھو۔ لڑکی کھیل میں حصہ لینے والے دو قسم کے ہوا کرتے ہیں ایک تو وہ ہوتے ہیں۔ جو اپنی مرضی سے جان بوجھ کر کھیل میں حصہ لیتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جنہیں اتفاقات اور حالات اس کھیل میں شمولیت اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی مرضی اور خواہش کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ لیکن حالات انہیں کھیل کے میدان میں اتار دیتے ہیں۔ تمہارے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ تم نے مجھے اس بے ہوش مریض سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ تم نے مجھے اس بے ہوش مریض سے کچھ کہنے ہوئے دیکھ لیا پھر اس کھیل میں شامل ہو گئیں۔“

”میں میں سمجھی نہیں سر۔“ رانا وائی نے بول کھلا کر کہا۔

”میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ اس کھیل میں اب تم بھی شامل ہو گئی ہو۔ حالانکہ ابھی تمہیں کچھ نہیں معلوم لیکن یہ کیا کیا جانے کے رقم نے ابھی انگوٹھوں سے ایک قرعہ دیکھ لیا ہے۔ اسی لئے کہیں بھی اس کھیل میں یہ راجدھ بننا ہوگا۔ میرے ساتھ شریک ہو رہا ہرے گا۔ اور تمہاری مجبوری ہے۔“

”میں ابھی بھی نہیں سمجھ سکی جناب میں اس معاملے میں کیا کر سکتی ہوں۔ یہ معاملہ لو آپ کا ہے۔“

”نہیں۔ اب یہ معاملہ صرف میرا نہیں رہا۔ میں نے کہا تھا نا کہ رانا وائی میں تم بھی اس کھیل میں شریک ہو گئی ہو۔ یہ مسئلہ تمہارا بھی ہے۔ اور تمہارے لئے یہ فزکی بات ہونی چاہیے۔“

”میں تم پر اعتماد کرنے لگا ہوں۔ تم ایک قلعہ لڑی ہو۔ تم اگر ساتھ دینا چاہو تو کسی کی پروا نہیں کرو گی۔“

”ٹھیک ہے سر۔“ اگر آپ مجھے اعتماد کے قابل سمجھتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔ بتائیں مجھے کیا کرنا ہوگا۔“

”سب سے پہلے تو تم یہ جان لو کہ مجھے اس آدمی سے کب نفرت ہے۔ میں اس آدمی سے کیوں نفرت کرتا ہوں۔ میں اس پر اتنا غصہ کیوں ہوں۔ یہ آدمی جسے تم آج بستر پر لے ہوئے دیکھ رہی ہو۔ اس مالک کا سب سے خطرناک انسان ہے۔ اس نے مجھے کتنے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہوگا۔ پورے ملک کے جرائم پیشہ لوگ اس کے نام سے بھرتے لگا۔ اس نے ہر طرف ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ لیکن چالاک اور ذہین انسان ہے کہ یہ بھی خود سامنے نہیں آیا۔ اس نے اپنا کام اپنے کارندوں سے لیا ہے۔ اس کے ظلم کا شکار ہونے والوں میں میرا پھنسا ہوا بھی ہے جس کو اس نے بہت بے دردی سے ہلاک کیا تھا۔ میں ابھی تک اس کی موت کا داغ اپنے سینے پر لے رہی ہوں۔ اسی لئے جب یہ شخص میرے سامنے آیا تو میں خود ہر قابو نہیں رکھ سکا۔ میں کرنل ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انسان بھی ہوں۔ ایک بھائی ہوں۔ تم نے کمرے میں کرنل کو نہیں بلکہ ایک بھائی کو لوتے ہوئے سنا تھا۔ اب تو تم سمجھ گئی ہوں کہ میں اس شخص سے اتنی نفرت کیوں کرتا ہوں۔“

”جی سمجھ گئی سر۔ لیکن رانا وائی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔“

”ہاں۔ سمجھو۔ کیا جاننا چاہی ہو۔“

”سر۔ اگر آپ ہزار مائیں تو یہ بتا دیں کہ آپ نے اس کو شناخت کیسے کیا۔ کیونکہ اس کی حالت بہت خراب ہے۔“

”ہوں۔“ کرنل کے ہونٹوں پر سرکسٹ اپٹ آئی۔ ”یہ غمناک بات بولو چھی۔ بات اتنی ہے کہ یہ شخص جس علاقے سے ملا ہے۔ اس جگہ اس کا ایک خفیہ اڈہ تھا۔ یہ ٹہروں میں کارروایا کرنے کے بعد اپنے اسی اڈے میں چلا جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کا پورا بدن سچ ہو چکا ہے۔ اسی لئے ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی اور شخص ہو لیکن ایسا نہیں ہے۔ میں اس سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔ اس کا چہرہ گر جو سچ ہو چکا ہے لیکن اس کا قدر اور اس کا جسم تو ابھی جگہ پر خراب ہے۔ اس کے جسم پر ان گنت زخم تو آئے ہیں۔ لیکن اس کی خدمات میں تو کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ وہ تو اسی طرح ہے کیوں۔“

”میں سر۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ جس وقت میں تو کوئی کمی نہیں آئی ہوگی۔“

”بس اسی لئے میں نے اسے یہاں لیا ہے۔ یہ کرنل نے بتایا۔ اور اب میں اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہا ہوں۔“

”لیکن سر۔ میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ چلنا دینی نے بولو چھا۔“

”میں تم سے صرف اتنی مدد چاہتا ہوں کہ تم جوڑی کی کمرے میں رہا کرتی ہو۔ اسی لئے وہ جیسے ہی ہوش میں آئے۔ تم سب سے پہلے مجھے اطلاع دینا۔ میں اسے یہ جانا دینا چاہتا ہوں کہ میں نے اسے یہاں لیا ہے۔ اور اب وہ مجھے سے بچ نہیں سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا انجام اس کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔ اسے اپنے خوفناک انجام کا خیال آجائے۔ یہ بھی اس کے لئے بہت بڑی سزا ہوگی۔ میں اسے اس طرح مارنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میرا ساتھ دو گی۔“

”کیوں نہیں سر۔ اگر یہ ایسا ہی آدمی ہے تو میں آپ کے ساتھ دوں گی۔ لیکن سر۔ کیا اس کا نام بتائیں گے۔ آپ۔“

”اس کا نام وشوانا تھا ہے۔“ کرنل نے بتایا۔ ہاں ایک بات اور۔ جو میں تم سے بتا رہا ہوں۔ میرے پاس اس کی ایک تصویر بھی ہے۔ میں اس تصویر کے مطابق اس کے چہرے کو بلاسلط سرجری کرادوں گا۔ تاکہ ہوش میں آنے کے بعد یہ خود کو پہچان بھی سکے۔“

●

وہ ایک طویل قامت آدمی تھا۔ اس کے چہرے پر کلا کی روشنی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی اس طرح سرخ ہو رہی تھیں جیسے خون اگل رہی ہوں۔ وہ ایک جیتی جاڑی سے اترتا تھا اور اس کے جسم پر سوٹ بھی بہت قیمتی ہے۔ لیکن وہ جیتی سوٹ اس کی شخصیت سے لگا نہیں کھاتا تھا۔ جیسے اسے زبردستی سوٹ پہنا دیا گیا ہو۔ جاڑی سے اترنے کے بعد وہ بڑے بڑے اعتماد کی دھڑکنے جھٹکا ہوا ہسپتال میں داخل ہوا اور کاونٹر پر پہنچا۔ کاونٹر کے عقب میں بیٹھا ایک شخص اس کے بہت چہرے کو دیکھ کر ہم سہم سا لپکا تھا۔

”میں اس مریض کے لئے آیا ہوں جس کے لئے اشتہار دیا گیا ہے۔ اس کے لاؤنڈر والے کو بتایا۔ اس کی آواز بھی اس کی شخصیت کی طرح اکڑ تھی۔

”اس مریض سے جناب جو کہ نیم لگا رہے پاس سے۔“



”ہاں ہاں وہی“ اس آدمی نے اس کی بات کاٹ دی تو وہ آدمی میرا بھائی ہے۔

”ایک منٹ سہ میں ابھی کرل راجندر سے پوچھ لیتا ہوں، وہی اچھا ہے۔“

”ٹھیک ہے بات کر لو اس نے لاہور والی سے کہا۔“

”کافٹر والے نے فون اٹھا کر کرل راجندر سے بات کر لی شروعا کر دی۔ وہ اس دوران چوری چوری اس دیوئل آدمی کی طرف بھی دیکھتا جا رہا تھا۔ رہبر جو رکھ دینے کے بعد اس نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔

”آپ چلے جائیں سر۔ دوسری منزل پر کرل راجندر کا دفتر ہے۔ روم نمبر بیس۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ آدمی غراہا۔

وہ کرل کے کمرے میں آنے کے بعد کرل کی میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کرل اسے گھبرایا لگا ہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا نام ہے تمہارا۔“ کرل نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”وٹھو۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔

”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ آدمی تمہارا بھائی ہے۔“

”میں میں ثبوت کی کیا ضرورت ہے جناب؟ وہ میرا بھائی ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔“

”وہی تو بوجھ چاہا ہوں کہ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کیونکہ اس کا چہرہ مسخ ہو چکا ہے۔“ کرل نے کہا۔

”اس کی باتیں ران پر آدمی کی طرف ایک پیدائشی نشان ہے جناب۔“ اس آدمی نے کہا۔ ”میں اس نشان کو دیکھ کر بتا دوں گا کہ یہ نشان میرے بھائی کا ہے۔“

”تو تمہارے بھائی کا نام کرم ہے۔“ کرل نے کہا۔

”جی جناب۔“ اس نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔

”آپ اس کا نشان دیکھ لیں۔ آپ کو خود ہی معلوم ہو جائیگا۔“

”خیر وہ نشان تو بعد میں دیکھوں گا۔ پہلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارا بھائی اس علاقے میں کیوں گیا تھا۔ اور ہمیں کیسے معلوم کر یہ وہی تمہارا بھائی ہے۔“

”میرے پاس اس کا بھی ثبوت ہے جناب۔“ اتنا کہ کر اس نے اپنی جیب سے ایک خط نکال کر دکھایا۔ ”یہ وہی جناب۔ یہ وہ خط ہے جو ٹیکڑے کی طرف جاتے ہوئے کمرے میں لکھا تھا۔ کمرے کا ایک بڑا ٹیٹ کاٹھ ہے جناب حالانکہ میرے پاس ٹھکانا کا دیا ہوا سب کچھ ہے۔ بہت بڑا کارہا

ہے۔ میرا لکھوں کا بزنس ہے۔ لیکن کمرے کا ایک ایسا آدمی ہے وہ بھی میرے ساتھ نہیں رہا۔ جمیٹر اپنی مرضی سے چلنا چاہتا ہے۔ گانڈ بن کر اسے کما کما جاتا تھا۔ بہر حال اس خط میں اس نے لکھا ہے کہ وہ ایک انگریز نویم فاسٹر کو لے کر بیڑا گڑھ سے آگے جنگلات کی طرف جا رہا ہے۔ کیونکہ وہ فاسٹر کو شکار کا شوق ہے۔ پس جناب۔ اس کے بعد اسے اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ پھر جب میں نے اس کے بارے میں خبریں پڑھیں۔ اشتہارات دیکھ کر ایک امید پر مایاں چلا آیا ہوں کہ شاید وہی میرا بھائی ہو۔ آپ یہ خط دیکھ لیں۔ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔

کرل نے اس کے ہاتھ سے خط لے لیا۔ اس خط میں وہی لکھا تھا جو اس شخص نے زبانی بتایا تھا۔ یعنی کمرے کی نویم فاسٹر کو لے کر ان جنگلات کی طرف جا رہا تھا۔

”ٹھیک ہے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“ کرل نے اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔

مریض کے کمرے کے باہر آ کر کرل نے می فٹوں کو اشارہ کرتے ہوئے اس آدمی سے کہا۔ ”اندروں جانے سے پہلے ہمیں تلاشی دینی ہوگی۔“

اس دوران ڈاکٹر وائی اور ایک نرس بھی کرل کے پاس چلے آئے۔ سچے جواس آدمی کی کڑی آنکھوں سے لگا ہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کرل نے صورتحال حال سے انہیں آگاہ کر دیا۔ می فٹوں نے اس آدمی کی تلاشی لی۔ اس شخص نے بڑے آرام کے ساتھ اپنے دو ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اس کی جیبوں سے ہتھیار ختم کی کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی۔

”جولو ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر نے کرل سے کہا۔

وہ سب مریض کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کے میں اس وقت رانا وائی کے بجائے ایک دوسری نرس کی ڈروٹی تھی۔ اس آدمی نے بڑی گہری لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا پھر ستر پر سے جس لئے ہوئے مریض کی طرف سے جاوڑا دی کی تھی۔ اس پر کوئی نشان نہیں تھا۔

”جھگن کا نشان ہے۔“ اس آدمی نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ ”یہ میرا بھائی نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔

”کیا تمہیں یقین ہو گیا۔“ کرل نے بڑے کڑے تیور سے پوچھا۔

”جی جناب۔ یقین آگیا۔ یہ میرا بھائی نہیں ہے۔ یہ

کوئی اور ہے۔ آپ لوگ معاف کریں میری وجہ سے آپ لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی۔“

”تمہیں اپنا نام پتہ بتا کر جانا ہو گا۔“ کرل نے کہا۔

”جی جناب۔ میرے پاس کارڈ ہے۔ یہ لیں۔“ اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر کرل کی طرف بڑھایا۔

”ٹھیک ہے۔“ کرل کا کارڈ دیکھتے ہوئے ہنسا ہنسا ہنسا کر جاسکتے ہوئے۔

وہ آدمی ہسپتال سے باہر نکل کر اپنی گاڑی میں بیٹھا اور کچھ فاصلے پر گاڑی روک لی۔ وہ یہ اطمینان کرنا چاہتا تھا کہ اس کا تعاقب تو نہیں ہوا تھا تو اس نے گاڑی کی کھڑکی کا شیشہ اٹا کر اپنے ہاتھ کو دوہار جھٹک دیا۔ سامنے والے فٹ ہاتھ سے ایک آدمی تیزی سے چلتا ہوا اس کے پاس آگیا۔ وہ بھی اپنی صورت سے کوئی خرم ہی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نیلے رنگ کی جرسی پہن رکھی تھی۔ اس کی کلائی سے ایک زنجیر بندھی ہوئی تھی۔

”کیا ہوا پاس۔“ اس نے کھڑکی کے پاس آ کر پوچھا۔ آپ ہسپتال سے ہو آئے۔“

”ہاں ہو گیا۔“ اس آدمی نے جواب دیا۔ ”اور میں اسے دیکھ چکی آیا ہوں۔ میرا خیال صحیح نکلا۔ وہ بدلی ناگھڑی ہے بالکل وہی۔“

”تو تمہارے کیسے نکالا جانے کا پاس؟“

”ابھی نہیں۔“ ابھی اس کا وہاں علاج ہو رہا ہے۔ اس آدمی نے کہا۔ ”اگر ہم اسے لکال بھی لانے کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ ہم اس کا علاج نہیں کر سکیں گے۔ اسی لئے جب وہ تندر ہو جائے گا اس وقت ہم اسے ہسپتال سے اخراج کر دیں گے۔“

”لیکن آپ کو معلوم کیسے ہو گا کہ وہ تندرست ہو چکا ہے یا نہیں۔“ ڈاکٹر نے آدمی سے پوچھا۔

”تم سوالات بہت کرتے ہو۔“ اس آدمی نے اسے جھڑک دیا۔ ”اس کا بھی مدد و بند تو کرنا ہی ہو گا۔ اور وہیں کروں گا۔ تم اس وقت اس گاڑی کو لے کر چلے جاؤ۔ میں اب اس میں آ جاؤں گا۔ اتنا کہ کر اپنا کوٹ اٹا کر پچھلی نشست پر ڈال دیا اور خود گاڑی سے اتر آیا۔

اس کے گاڑی سے اترتے ہی دوسرے آدمی نے ڈرائیونگ سیٹ میں اسی والی اور گاڑی آگے بڑھانے کے لیے کہا۔ وہ شخص دوہار ہسپتال کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ ہسپتال کے

گیٹ کے سامنے والے فٹ ہاتھ پر کھڑا ہوا گیا۔ کوٹ اٹا کر دینے کے بعد اس کے چلیے میں تبدیلی آگئی تھی۔ اس نے اپنی لگاؤں ہسپتال کے گیٹ پر جا کر کئی گھنٹیں اور وہ ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد جب اس نے ایک نرس کو گیٹ سے نکلنے کے لئے دیکھا تو اس نے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ وہی نرس تھی جسے وہ اس مریض کے کمرے میں دیکھ چکا تھا۔ وہ نرس گیٹ سے نکل کر فٹ ہاتھ پر ایک طرف چلنے لگی۔ تو وہ خود بھی سڑک عبور کر کے اس کے پاس پہنچ گیا۔

”ڈیوڈ ذرا بات تو سیں۔“ اس نے بڑے نرم لہجے میں نرس کو آواز دی۔

نرس ٹھٹک کر رہ گئی۔ اس نے جب اس آدمی کو اپنے پاس کھڑے ہوئے دیکھا تو خوف سے اس کی سانسیں تیز تیز چلنے لگیں۔ اس نے اس آدمی کو پہچان لیا تھا۔

”آپ گھر نہیں ہیں دوہی۔“ وہ بڑے نرم لہجے میں بولا۔

”میں آپ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤں گا۔“

”کیا جانتے ہیں آپ۔“ ڈاکٹر نے ٹھٹک لگتی ہوئی بولی۔

”میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”آپ شاید میری شکل و صورت سے خوفزدہ ہو رہی ہیں لیکن اس میں میری کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھے غلطہ بد معاش سمجھنے نہیں آتا۔ ایسی بنا دی ہے کہ فٹ کے غصے غلطہ بد معاش سمجھنے نہیں آتا۔ اگر آپ بھی سمجھ رہی ہیں تو اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں ہے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ نرس جلدی سے بولی بڑی۔ اس کا خوف بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ”بتائیے میں آپ کی کیا سہارہ سکتی ہوں۔“

”میں نے کہا نا کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ بڑا دانا نہیں تو اس سامنے والے ریتوران میں چلی جائیں وہاں آپ مجھ سے کوئی خوف بھی محسوس نہیں کریں گی اور میں آپ سے بات بھی کر لوں گا۔ پاس ٹھوڑی دیر کی بات ہے میں آپ کا بازو وہ وقت نہیں لوں گا۔“

نرس کچھ دیر سوچنے کے بعد اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوئی۔ وہ شخص اسے روڈ گراس کے ایک چھوٹے سے ریتوران میں لے آیا۔ جو بہت پر سکون سا ریتوران تھا۔

”ہاں بتائیں کیا کام ہے آپ کو۔“ ڈاکٹر نے کرسی پر بیٹھنے

کے بعد پوچھا۔

”آئی جلدی بھی کیا ہے۔ یہ بتائیں کیا پینا پسند کریں گی؟“  
”نہیں۔ کچھ نہیں شکر ہے۔“

”کیسے ہو سکتا ہے۔ یہاں بیٹھے کا ہمیں جرماں تو دینا ہی ہو گا۔ اس نے کہا۔

پھر اس نے نرس کے منہ کھرنے کے باوجود چلے اور بسکٹ لانے کے لئے کہہ دیا۔ پھر اس نے نرس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کیا آپ مجھے اپنا نام بتا سکتی ہیں؟“  
”میرا نام پدمنی ہے۔“ نرس نے کہا۔

”دیکھیں پدمنی دو بلی کی آپ کو معلوم ہے کہ میں اس بلی کے کمرے میں بیٹھ کر رہتی تھی۔“  
”مجھے بتایا تو نہیں تھا لیکن اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ شاید کسی کو شاخت کرنے کے لئے گئے تھے۔ لیکن آپ کو مایوسی ہوئی؟“

”میں اپنے بھائی کی شاخت کے لئے گیا تھا۔ اس نے کہا۔ اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوئی کہ وہ رخصت ہو گیا تھا۔“  
”کیا کہا؟ پدمنی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔“  
”کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس سے پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔“  
”وہ میری غیوری تھی پدمنی دو بلی۔“ اس آدنی نے ایک گہری سانس لی۔ ”اگر میں ان لوگوں کے سامنے اسے پہچان لیتا تو تندرست ہو جاتے۔ بعد اس کی زندگی سبب ہو جاتی۔ ان کا نام معلوم ہوئے ہی حکومت کی پوری مشینری حرکت میں آجاتی۔“

”اوہ۔“ پدمنی نے اپنے ہونٹ میکر لئے۔ وہ اب کچھ پریشان دکھائی دینے لگی تھی۔ ”آخر کیوں کہا آپ کا بھائی کوئی فرم ہے؟“  
”نہیں۔ وہ ایک محب وطن اور انسان دوست آدمی ہے۔ اس نے کہا۔ اسی لئے اسے یہ سبب برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔“  
”میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکتی۔ کیا آپ کو پتا چلتا ہے؟“  
”دیکھیں پدمنی دو بلی میں آپ کو مختصر الفاظ میں اپنے بھائی کے بارے میں بتا چکا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ میں اپنی صورت مثل اقد قذوقا مت سے کوئی غنڈہ اور غیر جنت شخص دکھائی دینا۔ لیکن میرا بھائی ایسا نہیں ہے۔ اس کا نام پدنی نا تھا ہے۔ اس نے بہت ہی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ میں اسے پیار میں کہتا ہوں۔ میں نے آپ کے کرمل کو بھی اپنی نام بتا دیا تھا۔ خیر تو کہہ رہا ہوں ملک سے غیرتی میں ہوں۔ اے۔ ڈی کہہ کے آیا ہے۔ یہاں آنے کے بعد اس

نے ڈاکٹر بھجوا کر کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے شاید ڈاکٹر بھجوا کر کام شروع کرنا ہو گا۔ وہ ایک حیرت انگیز آدمی ہے۔ اس نے کمپوزی کی ایک بہت زبردست تجربہ گاہ بنوا رکھی ہے۔ اس تجربہ گاہ میں اتفاقاً اس نے ایک ایسا کیمیکل دریافت کر لیا جو شاید ناچم سے بھی زیادہ ہلکا ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ دریافت ایسی تھی کہ پوری دنیا میں ہلکا چا سکتی تھی ڈاکٹر بھجوا کر کو اپنی اس دریافت کی اہمیت کا اندازہ تھا۔ اس نے میرے بھائی کو کہا کہ اس کی راز میں شریک کر لیا۔ میرا بھائی ایک محب وطن اور انسان دوست آدمی ہے وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ موزخی دریافت افشا ہو جائے۔ لیکن ہوا یہ کہ ڈاکٹر بھجوا کر جیسا آدمی شک روپے کے لالچ میں آگیا غیر ملکی طاقتوں نے اس دریافت کا راز حاصل کر کے ڈاکٹر بھجوا کر سے سودا کر لیا۔ اس کی بھینک کر مارک بیچ کر اس نے یہی مناسبت سمجھا کہ وہ اس دریافت کے فارمولے کو لے کر غائب ہو جائے۔ اس نے یہی کیا۔ وہ فارمولے کو ٹیبلٹ کے معنائی شکل میں روپوش ہو گیا۔ اس کی اس حرکت نے بڑی طاقتوں کے ایکشن کو تحفے سے باہل کر دیا۔ مجھے لگتا ہے لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ مجھے لگتا ہے لوگ اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ اور سب سے بڑے دشمن خود ڈاکٹر بھجوا کر تھے۔“  
”کہا ڈاکٹر صاحب وہ فارمولہ دوبارہ نہیں لکھ سکتے تھے؟“  
”پدمنی نے سوال کیا۔ اس شخص سے اب اس کا خوف ختم ہو گیا تھا۔“  
”میں دو بلی۔ شاید آپ کو سائنسی فارمولوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔“ وہ آدنی مسکرا دیا۔ ”یہ فارمولے کئی برسوں کی محنت کے بعد تیار کئے جاتے ہیں۔ پوری فاضل کی فاضل ہوتی ہے۔ اس میں نجی نے کتنے اشارے کتنی علامت ہوا کرتی ہیں۔ ایک بار کوئی فارمولہ کام ہو جائے تو اس کو دوبارہ تیار نہیں کیا جاسکتا۔ اس فارمولے کے ساتھ کچھ بھی ہو کر آتا جب فارمولہ اپنے ساتھ لے گیا تو ڈاکٹر بھجوا کر کے ہاتھ میں لٹ لٹ گئے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکا۔ اب میری ہوسکتا تھا کہ وہ کو تلاش کیا جائے۔ بلکہ جوش و خروش کے ساتھ اس کی تلاش شروع ہو گئی۔ لیکن اسی دوران میں کہ وہ والا واقف ہو گیا اور میرا بھائی رنجی ہو کر اس ہسپتال میں آ گیا ہے۔“

”سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کو شاخت کرنے کے بعد کئی شاخت کیوں نہیں کیا؟“  
”میں آپ کو بتا چکا ہوں نا کہ میں نے اسے اپنے بھائی کی حیثیت سے شاخت کر لیا تو حکومت اس کے پیچھے

پڑ جائے گی۔ اور میں نہیں چاہتا اور نہ ہی کرنا کو یہ پسند ہوتا۔“  
”آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر وہ فارمولہ حکومت کے پاس چلا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ پدمنی نے پوچھا۔“  
”آپ نہیں سمجھیں گی پدمنی دو بلی میں اتنا سمجھ لیں کہ بعض دوستی اور انسانیت دوستی دو مختلف چیزیں ہیں بعض دوستی پوری انسانیت کو بچانے کے لئے دشمن کے مفادات کو بھی نقصان پہنچانا پڑتا ہے۔ اس بات کی کب ضمانت ہے کہ اس فارمولے کے ساتھ میں آجائے کہ بعد ہماری حکومت کے دفاع میں فوج نہیں آجائے گا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ خود ایک بڑی طاقت بن کر کروڑوں کو اس کے تحت رکھ لے گا۔ وہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں کیا ہو گا۔؟“

”یہ تو آپ نے ٹھیک کہا۔ پدمنی نے اپنی گردن ہلائی لیکن میری کچھ نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن آپ نے اس مسئلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہیں؟“

”بہت معمولی سی بات ہے۔“ اس آدنی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جب میرے بھائی کو پتہ چلا۔ وہ بہت مند ہونے لگے تو اس کی خبر مجھے دے دینے کا جملہ آپ پر شام مجھے اس کے بارے میں رپورٹ دیتی رہی۔ بس آپ سے اتنے ہی تعاون کی درخواست ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی بڑی بات سمجھ نہیں ہے۔“

”ہاں یہ تو واقعی کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔ پدمنی نے اس کی تائید کی۔“ لیکن آپ سے کہاں رابطہ ہو گا۔؟“  
”میں اپنا فون نمبر دے جاؤں گا۔ آپ کا کام صرف اتنا ہو گا کہ فون پر ہمیں رپورٹ دے دیں۔ اگر آپ چاہیں تو اس تعاون کے عوض آپ کو۔“

”نہیں۔ نہیں شکر۔“ پدمنی اس کا عندیہ بھانپ کر جلدی سے بول اٹھی۔ ”یہ کوئی اتنا بڑا کام بھی نہیں ہے۔“  
”پھر تو آپ کی بہت ہر پائی ہوگی۔ یہ لیکن میرا شکر۔“  
پدمنی نے اس سے وہ کارڈ لے لیا۔ اس پر بلیک لٹکا ڈال کر گھڑی ہو گئی۔

ٹھیک اسی وقت ہوٹل کے باہر سے ہنگامہ مٹائی دیا۔ شہر کا ڈیڑاں بیگ رکی تھیں۔ گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ پدمنی دو بلی ہوئی لیستوران سے باہر آگئی ہسپتال کو اس وقت بہت سے نقاب پوشوں نے گھیر رکھا تھا۔ نقاب پوش مختلف گاڑیوں سے انہر آکر ہسپتال کی طرف دوڑ رہے تھے۔

اس علاقے میں قیامت سی رہا ہو گئی تھی۔ قیامت ہمیشہ کمزوروں کے لیے برپا ہوا کرتی ہے۔ جبکہ طاقت رکھنے والے اپنی طاقت کے بل پر خود قیامت بن جاتا کرتے ہیں۔ اس وقت وہ نقاب پوش ہسپتال کے باہر قیامت مینے ہوئے تھے۔ اور اس بڑے ہسپتال پھیل گیا تھا گاڑی والوں نے اپنی گاڑی کے سرخ تیربل کر لیے تھے۔ پیرل چلنے والے ہیم کرادھر اوھر ہو گئے تھے۔ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ہنگامہ کرنے والے تعداد میں گرج بہت کم ہوا کرتے ہیں، لیکن لوگوں میں ان کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ اپنا اپنا دامن بچالے جاتے ہیں۔ شہر شہر کی طرح ریت میں سرد ہا کر یہ سمجھتے گئے ہیں کہ خطہ ان کے سروں سے گزر گیا ہے جبکہ ایسا نہیں ہوتا۔ خطہ ان کے ارد گرد سمجھ کے شہر کی طرح منڈلاتا رہتا ہے۔

ہسپتال کے گیٹ پر جو چوکیدار تعینات تھا، اس کا اب کہیں پتا نہ تھا۔ وہ ان نقاب پوشوں کو دیکھ کر کسی طرف بھاگ گیا تھا۔ ہسپتال کے احاطے میں بیٹھے ہوئے مرعی بھی فرار ہو گئے تھے۔ اب ہر طرف صرف ان نقاب پوشوں کی عکرائی تھی اور وہ احاطے میں ہسپتال میں، احاطے سے باہر ہر جگہ دندناتے پھر رہے تھے۔ یہ ایک منظر حملہ تھا اور ہسپتال کی تاریخ میں پہلی بار کسی ہسپتال پر کیا گیا تھا۔ اس ریسپتوران میں بیٹھے ہوئے لوگ اور اس کا علم بھی سہم گیا تھا۔ ریسپتوران کے مالک نے ریسپتوران بند کرنے کے لیے اپنے ملازمین پر زور زور سے چلانا شروع کر دیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ ریسپتوران کے دروازے بند کیے جاسکتے، دشمن نے پدمنی کو پرسکون رہنے کی تلقین کی اور دوڑتا ہوا ریسپتوران کے دروازے پر آگیا۔ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی، یہ ایک وقت کئی آوازیں آئیں لیکن وہ ان سبھوں کو نظر انداز کرتا ہوا ریسپتوران کے دروازے پر پہنچ گیا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ ابھی تک پولیس نہیں پہنچی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ابھی تک کسی نے پولیس کو فون نہیں کیا تھا یا شاید پولیس ہمیشہ دیر سے آتا کرتی ہے۔ بہر حال یہاں بھی پولیس کی یہ سوایت برقرار تھی۔ کوئی بھی نہیں آیا تھا اور نقاب پوش حملہ آور ہر طرف دندناتے پھر رہے تھے۔ ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ ان کا عندیہ کیا ہے۔ یہ کیا چاہتے ہیں۔

وشنو نے رستوران سے باہر آ کر ایک گاڑی کی طرف لے لی تھی۔ اس کی نگاہیں ہسپتال کے گیٹ کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسی جھلک تھی جیسے کوئی مچھو کا بھڑیا اپنے شکار کو پس میں نہ پا کر جھٹک اٹھا ہو۔ اس نے اپنے ہونٹ جھینچ رکھے تھے اور بار بار اس کا ہاتھ اپنی جیب کی طرف جاتا اور واپس آ جاتا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد کچھ نقاب پوش ایک اسٹریچر پر لیے ہوئے ہسپتال سے باہر آ گئے۔ اسٹریچر پر لیٹے ہوئے شخص کے جسم پر گرجے چادر پڑی ہوئی تھی لیکن دشمنو کی بے تابی اور بڑھ گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اسٹریچر پر کس کو لایا گیا ہے۔ نقاب پوش اس لیے حملہ آور ہوئے تھے۔ اس نے اپنی جیب سے نیشنل لڈا لیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے نیشنل دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ اس نے رازدارانہ لگا لیا تھا کہ وہ اکیلا ان حملہ آوروں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ نقاب پوش آہنی دیر میں ان ونگیوں میں سے ایک ونگین تک پہنچ گئے تھے جبکہ وہ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ وہ بہت ہی منظم طور پر واپس بھی ہو رہے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر تھی کہ وہ بہت ہی تربیت یافتہ لوگ ہیں اور انہیں خاص طور پر ایسی مقصد کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ونگین اشارت ہوئے لگیں ان کی پشت پر آوازوں نے پورے ماحول کو گھیر دیا۔ پھر یکے بعد دیگرے وہ ونگین اس طرح چلی گئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ان ونگیوں کے جانے کے بعد کچھ دیر تک سنا مارا۔ پھر زندگی اس طرح متحرک ہو گئی جیسے پرندوں سے بھر ہوئے کسی درخت پر پتھر مار کر سونے ہوئے پرندوں کو بیدار کر دیا جائے۔ ہر طرف سے لوگ اٹھ اٹھ کر ہر طرف جمع ہونے لگے۔ کوئی کھدروں میں ڈبے ہوئے مریض بھی باہر نکل آئے۔ ہسپتال کا علمہ بھی وا دلا کر لے گئے۔ گاڑیاں بھی چلنے لگیں۔ راہ گیر بھی متحرک ہو گئے۔

پھر ان ہی آوازوں اور آواز فز کے درمیان پولیس کی گاڑیاں بھی شور کرتی ہوئی پہنچ گئیں۔ پولیس نے اپنی روایت برقرار رکھی تھی۔ دشمنو بھی گاڑی کے عقب سے باہر آ گیا۔ اس کے ہونٹ ابھی تک جھینچے ہوئے تھے۔ اس کے ہاتھ پر شکنوں کا جال تھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک شعلے روشن تھے۔ اس نے اب رستوران کی طرف بھی دھیان

نہیں دیا اور تیز قدموں ایک طرف چل پڑا۔

اب اس سڑک پر اتنا شہنشاہ تھا کہ کسی کو اس کی طرف دھیان دینے کا ہوش ہی نہیں تھا۔ اس نے سنا کوئی پولیس آفیسر میگافون کے ذریعے کچھ اعلان بھی کر رہا تھا۔ دشمنو کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنا کہ پولیس کس بات کا اعلان کر رہی ہے۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ وہ کچھ دیر چلنے کے بعد کسی سواری کے انتظار میں کھڑا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور جب کوئی سواری اس طرف آتی ہوئی دکھائی نہ دیتا تو وہ دوبارہ تیز رفتاری سے چلنے لگتا۔

کچھ دیر چلنے کے بعد چانک کسی گاڑی کے پیوں کی آواز آنے لگی۔ وہ گاڑی اس کے قریب ہی آئی تھی۔ اس نے مڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ سیاہ رنگ کی اس گاڑی کو کرخت صورت والا ایک آدمی ڈرائیو کر رہا تھا۔ دشمنو نے ایک جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بڑی چھڑی سے کرخت صورت والے کے برابر میں پیٹھ لگیا۔ جلدی چلو کوٹھی کی طرف۔ اس نے کرخت صورت والے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے باس؟“ کرخت صورت والا جلدی سے بولا۔ ”میں تو آپ ہی کی تلاش میں اس طرف آیا تھا۔“

”بس اب خاموش رہو اور گاڑی کی رفتار بڑھا دو۔“ دشمنو غرا یا۔ ”میرے پاس وقت نہیں ہے۔ وہ لوگ اس زخمی کو ہسپتال سے نکال لے گئے ہیں۔“

”اوہ۔“ کرخت صورت والے نے ایک گہری سانس لے کر ایکسپریس پر اپنے پرے کا دباؤ بڑھا دیا۔

وہ ایک بہت بڑا خوبصورت اور آراستہ مکان تھا۔ اس مکان کے ہر کمرے میں اتنے قیمتی فرنیچر رکھے ہوئے تھے کہ ہر کمرے کے فرنیچر سے ایک چھوٹا موناگر خرید جا سکتا تھا۔ اس بڑے اور عالی شان مکان میں ملازمین بھی بہت تھے۔ اندر کا کام کرنے والے، باہر کا کام کرنے والے، بارگاہی دیکھ بھال کرنے والے، ڈرائیو ڈانسا اور نہ جانے کیا کیا۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہ معلوم تھا کہ جب زرتاج بیگم کو غصہ آ جائے، اس وقت صاحب کی شامت آجاتی ہے۔ اور آخر صاحب اپنے کمرے سے بھی نہیں نکل سکتے۔ اور نہ ہی کوئی ملازم اس وقت مکان کے

اندر جا سکتا تھا۔

اس وقت بھی زرتاج بیگم کو غصہ آیا ہوا تھا اور اختر اس کے سامنے سہا ہوا کھڑا تھا۔ وہ ایک طویل قامت خوبصورت جسم اور روانہ حسن سے مکمل انسان تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی بچے جیسی معصومیت اور اتنا ہی خوف بھی تھا۔ جبکہ زرتاج تیس تیس سال کی ایک ایسی دلکش عورت تھی جس نے اپنی دلکشی کے سلسلے میں وقت کی پروا نہیں کی تھی یا وقت اس کا کچھ بگاڑ نہیں پایا تھا۔ اس کے نقوش بے حد دل فریب تھے۔ اس کی آنکھیں بھی اس کے نقوش کا ساتھ دے رہی تھیں اس کا جسم اتنا متناسب تھا جیسے گوشت پوست کو مجسمے کی شکل میں ڈھال دیا گیا ہو۔

”بتاؤ تم باہر کیوں گئے تھے؟“ زرتاج بیگم اختر کی طرف دیکھتی ہوئی دہرائی۔

”بس۔ بس یونہی۔“ اختر اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

”جھوٹ مت بولو۔“

”میں سچ کہتا ہوں۔ تم ڈرائیو سے پوچھ لو۔ میں صرف پارک تک گیا تھا۔“

”میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم میری مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہیں جاؤ گے۔ پھر بھی تم نے میری بات نہیں مانی۔؟“

”مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں آمزہ ایسا نہیں کروں گا۔“

”نہیں۔ تم بار بار یہی کہتے ہو اور ہر بار غلطی کرتے ہو۔ آج میں تمہیں تہ خانے والی نماز ضرور دوں گی۔“

”نہیں۔ نہیں، ایسا مت کرو۔ مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔“ اختر کسی بچے کی طرح کانپ رہا تھا۔

”تمہیں نماز تو ضرور ملے گی۔ چلو تہ خانے کی طرف۔“

”نہیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔“

”میں کہتی ہوں چلو۔“ زرتاج دہرائی۔ ”تم میری بات ماننے سے انکار کر رہے ہو۔“

اختر نے پھر کچھ نہیں کہا۔ اس نے اپنی گردن جھٹکالی اور دھیرے دھیرے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ زرتاج اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ وہ دونوں اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آ گئے، پھر تہرہ کمرے میں آئے۔ یہاں دیوار کے ساتھ ایک دروازہ بنا ہوا تھا۔ زرتاج نے اشارہ کیا۔ اختر

نے آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھول لیا۔ دروازے کے بعد سیڑھیاں تھیں۔ جو نیچے آتے چلی گئی تھیں۔ اختر نے یہاں مڑ کر رحم طلب لگا ہوں سے زرتاج کی طرف دیکھا۔ زرتاج نے اشارہ کیا۔ اختر کسی خوفزدہ جانور کی طرح سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ اس کے تہ خانے میں اتر جانے کے بعد دروازہ بند کر لیا تھا۔

اس تہ خانے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ فرش پر بھی کچھ نہیں بچھا تھا۔ اس کی دیواروں کے رنگ مختلف تھے۔ چھت اونچی تھی اور چھت پر ٹیوب لگے ہوئے تھے جن کی روشنی اس وقت تہ خانے میں پھیلی ہوئی تھی اختر تہ خانے کے وسط میں کھڑا ہو کر کچھ دیر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر ایک دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی حالت بارش میں بے پناہ جھجکی اس ٹی کی طرح ہو رہی تھی جسے کہیں پناہ نہ مل رہی ہو۔ اس کے جسم پر ہلکی ہلکی لمرزش طاری تھی اس کی آنکھوں سے بے پناہ خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔

ایکایک اس تہ خانے میں کچھ آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ سرمرانی ہوئی آوازیں تھیں۔ جیسے بہت سے لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے ہوں۔ اختر ان آوازوں کو سن کر جھٹک کر سیڑھیوں کی طرف دوڑ پڑا۔ اوپر جانے والا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ وہ لوٹ کر تہ خانے کے وسط میں آ گیا۔ ان سرگوشیوں کا حجم اب بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سلاطین کی طرح پورے تہ خانے میں پھیلنے لگیں۔ پہلے وہ سرگوشیاں واضح نہیں تھیں۔ لیکن اب واضح ہو گئی تھیں۔ تم پاگل ہو۔ وہ سرگوشیاں یہی کہہ رہی تھیں۔ تم پاگل ہو۔ ہر طرف اس کی گونج تھی۔ تم پاگل ہو۔ تم پاگل ہو۔

کچھ ہی دیر میں وہ تہ خانہ اس طرح گونجنے لگا، جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ توپ چل رہی ہو، بم پھٹ رہے ہوں۔ بس ایک ہی نکرار، تم پاگل ہو۔ اختر اب پورے تہ خانے میں دوڑتا پھر رہا تھا۔ ایک دیوار سے دوسری دیوار کی طرف، دوسری سے پھر پہلی کی طرف۔ وہ ان آوازوں سے بچنے کے لیے ان دیواروں میں ساجھانا چاہتا تھا۔ لیکن وہ دیواریں اس کے لیے شقی نہیں ہو رہی تھیں۔ ان دیواروں نے اس کا راستہ روک رکھا تھا۔

”کہو میں پاگل ہوں۔“ ان آوازوں کی لے اب بدل گئی تھی۔ ”کہو میں پاگل ہوں۔ کہو، میں پاگل ہوں۔“

”ہاں۔ میں پاگل ہوں۔ پاگل ہوں۔“ اختر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بار بار یہی دہرا رہا تھا: ”ہاں۔ میں پاگل ہوں۔“

وہ اب باقاعدہ سسکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ اس کی سسکیاں تہہ خانے میں گونجتی آوازوں میں گڑبڑ ہو رہی تھیں۔ پھر اس تہہ خانے میں صرف اس کی سسکیاں باقی رہ گئیں۔ آوازوں کا سمندر چاٹک پلٹ گیا تھا۔ وہ آوازیں خاموش ہو گئی تھیں۔

اختران آوازوں کے دم توڑ دینے کے بعد خود ہی بڑھ چلا ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ لیکن اس کے ہونٹ دھیرے دھیرے لرز رہے تھے، وہ ابھی تک نہیں پاگل ہوں۔ میں پاگل ہوں کی گردان کیے جا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد تہہ خانے کی سیڑھیوں پر قدموں کی آواز گونجنے لگی۔ اور تہہ خانے میں آئے۔ زرتاج ان کے پیچھے پیچھے تھی۔

”چلو صاحب کو اٹھا کر ان کے بیڈروم میں لے جاؤ؟“ زرتاج نے اختر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ تینوں ملازمین شاید اس قسم کی صورتحال سے اچھی طرح واقف تھے۔ اس لیے ان کے بے جان چہروں پر کسی قسم کی حیرت نہیں تھی۔ انہوں نے بڑھ چلا ہوئے اختر کو اٹھا لیا اور سیڑھیوں کی طرف چل پڑے۔ ان کی کاوش سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ مجاری بھرم اختر کو اس طرح اٹھا کر لے جاتے ہوئے انہیں بہت دشواری محسوس ہو رہی ہے۔

نستاج بھی اختر کے بیڈروم تک ان ملازمین کے ساتھ ہی آئی تھی۔ وہ تینوں اختر کو مسہری پر ڈال کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد زرتاج نے کمرے کا دروازہ بند کیا اور اختر کے سر پر لے کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دیر تک بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو جھلکانے لگے۔ اختر کی آنکھیں ابھی تک بند تھیں۔ زرتاج نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے اس کے بالوں میں گنگھی کرنی شروع کر دی۔ انگلیوں کا لمس محسوس کر کے اختر نے آنکھیں کھول دیں۔

”اب کیسی طبعیت ہے تمہاری؟“ زرتاج نے پوچھا۔ اس کے بچے کا کھڑپن بھردری کے احساس میں دھل گیا تھا۔

”نہیں۔ میں پاگل ہوں۔ میں برواشت نہیں کر سکتا۔“

”نہیں۔ نہیں، میں نہیں سزا نہیں دوں گی۔“ زرتاج نے اپنے ہونٹ سختی سے جھینچ لیے۔ ”مجھے معاف کر دو، میں بہت بری ہوں۔“

”نہیں۔ تم بہت اچھی ہو۔ برا میں ہوں۔“

”ایسا مت کہو۔ میں تم پر بہت ظلم کرتی ہوں۔“

کیوں؟ لیکن میں کیا کروں۔ میں تو مجبور ہوں۔“

اختر معصوم اور حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ شاید اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زرتاج کے ساتھ کون سی مجبوری ہو سکتی ہے۔

”اب تم آرام کرو۔ میں تمہارے لیے سوپ بھجوا دیتی ہوں۔“

اختر اپنی گردن ہلا کر رہ گیا۔ زرتاج اس کمرے سے نکل کر باہر آ گئی۔ اس نے ایک ملازم کو اختر کے لیے سوپ کا کپہ کر خود اپنے کمرے میں آگئی۔ یہ وہی کپہ تھا جہاں کچھ دیر پہلے اختر اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ اپنے کمرے میں آنے کے بعد اس نے بڑی احتیاط سے کمرے کا دروازہ بند کیا اور بستر پر لیٹ کر روئے لگی۔ اس کی ہچکیاں دیکھ کر دھیرے دھیرے بڑھتی جا رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ٹھیک اسی وقت اس کمرے میں ہلکی سی ٹوٹی ٹوٹی سی آواز گونج اٹھی۔ اس آواز کو سن کر زرتاج اس طرح اچھل کر بستر سے نیچے آگئی جیسے اس کے بدن میں کرنٹ لگ گیا ہو۔

یہ آواز دیوار کے ساتھ بنے ہوئے ایک شیلیف سے آرہی تھی۔ اس نے شیلیف اپنی طرف کھینچ لی۔ اس کے اندر ایک عجیب ساخت کا ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ وہ آواز اس ٹرانسمیٹر سے نکل رہی تھی۔ زرتاج نے ایک بٹن پر انگلی رکھ دی۔ ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز بلند ہوئی۔

”کوڈ بتاؤ۔“

”۲۲۹ جناب۔“ زرتاج نے مؤدب لہجے میں کہا۔ اس نے اپنے آنسو پونچھ لیے تھے اور اس کی آواز سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کچھ پہلے تک آنسو بہاتی رہی ہے۔

”ٹھیک ہے؟“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ یہ کسی مرد کی آواز تھی۔ بھرپور اور بھری ہوئی آواز؟ ایسا لگتا ہے کہ آج کسی لمحے تم انسانی کمزوریوں کا شکار ہو گئی ہو؟“

”نہیں باس؟“ زرتاج جلدی سے بولی۔ ایسا تو نہیں! اللہ ایک خیال ضرور بنا تھا۔“

”وہ کیا خیال تھا؟“

میں یہ سوچ رہی تھی کہ اب اس کو مزاد فیرہ دینے کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ کیونکہ اب وہ وہی کہتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ وہی کرتا ہے جو ہماری خواہش ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے ریت کی دیوار کی طرح دھیر ہو گیا ہے۔

”لیے اب اسے چھوڑ دیا جائے تو۔“

”تم نہیں سمجھتی ہو کہ وہ کیسا آدمی ہے؟“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ تم نے شاید کبھی فولاد سے بنا ہوا انسان نہیں دیکھا ہوگا۔ وہ فولاد سے بنا ہوا ہے۔ اس کے اعصاب نئے مضبوط ہیں کہ اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں سمجھ لو۔ وہ ایک سوئے ہوئے شیر کی طرح ہے۔ اور ایسے شیر کو ہر تھک تھک کر سلائے رکھنا پڑتا ہے۔ ورنہ ایسے شیر بیلر ہو کر ایک مصیبت کٹری کر دیتے ہیں۔“

”سمجھ گئی باس۔“ زرتاج دھیرے سے بولی۔ ”میں اُنہرے ایسے خیالات کو ذہن میں نہ لے دوں گی۔“

”میں تمہارے لیے بہتر ہوگا اور میں نے تمہیں اس وقت اس لیے کال کیا ہے کہ جے جے ہسپتال سے اس رخصی کو اغوا کر لیا گیا ہے۔“

”کیا؟“ زرتاج نے حیران ہو کر کہا۔ یہ کیسے ممکن ہو گیا باس؟

”بہت آسانی سے۔“ دوسری طرف سے جواب دیا۔

”ان احمقوں نے اس اہم مریض کی حفاظت کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ایسے مرنے والے انسان میں کون دیکھیں گے؟ اس کے لیے اس کی آواز کی آواز نے اس مریض کو اغوا کر لیا۔ حملہ کرنے والے بڑے منظم انداز سے آئے اور اپنا کام کر کے واپس ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ ہسپتال میں اس وقت سولے نرسوں اور ڈاکٹروں کے اور کوئی بھی نہیں تھا۔ اس لیے کوئی بھی ان کا راستہ نہیں روک سکا۔ اور یہ سارا کام ٹشوں میں ختم ہو گیا اب ہر طرف بھاگ دوڑ مچی ہوئی ہے۔“

”یہ خوبست برا ہوا باس۔“ زرتاج نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”نہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ کون ہو سکتے ہیں۔ وہ میری نگاہوں میں ہیں۔“ وہ کون لوگ ہیں باس؟

”میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے میں خود اچھی طرح اپنا اطمینان کر لینا چاہتا ہوں اور تم اس دوران ایک ایسے محلے کی تیاری کرو جس میں تمہارے اختر کو استمال کیا جائے گا۔“ میں نہیں سمجھ سکی باس۔

ایک بڑا مکان ہونا چاہیے۔ جس کے اندر ایک کمرے کے بستر پر کوئی ڈمی بڑی ہوئی ہے۔ اس مکان کے چاروں طرف سخت پہرے کا انتظام کرنا ہوگا۔ خوشنوار کتے بھی ہر طرف دوڑتے رہنے چاہئیں۔ محافظوں کے ہاتھوں میں اگر تم چاہو تو مصنوعی اسلحہ بھی دے سکتی ہو۔ اس کے بعد اختر کو اس مکان کے باہر لے جا کر چھوڑ دینا اسے بے ہدایت دے دینا کہ وہ فلاں کمرے میں رکھی ہوئی ڈمی اٹھا کر لے آئے۔ اس کے بعد اس کا کمال دیکھنا۔“

”اگر ان کتوں نے اسے کوئی نقصان پہنچا دیا تو۔“ زرتاج کے لہجے میں اندیشہ جھلک رہے تھے۔

”بزدلوں والی باتیں مت کرو۔“ دوسری طرف سے اسے جھڑک دیا گیا۔ ”میں نے اس کا انتخاب سوچ کچھ کر ہی کیا ہے۔ وہ ایک ویران جگہ تھی۔“

دور و درازک اور پی پی پیٹریوں کے علاوہ وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ اور ان ہی پیٹریوں کے درمیان ایک ٹریک بنا ہوا تھا۔ یہ ٹریک قدرتی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس طرف سے گاڑیوں کی آمد و رفت رہتی ہو۔ یہ ٹریک پیٹریوں کے درمیان سے بن کھاتا ہوا کسی طرف نکل گیا تھا۔ جبکہ اس کے دوسرے سرے پر ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی تھی۔ یہ عمارت پیٹریوں کے دامن میں تھی۔ اور پیٹریوں نے اس طرح اس عمارت کو اپنی آغوش میں لے رکھا تھا کہ دور سے دیکھنے پر وہ عمارت دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ عمارت بنانے والوں نے اس عمارت کے لیے بہت ہی موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس عمارت کے ارد گرد جنگلی جھاڑیاں بھی موجود تھیں۔

اس عمارت کے چاروں طرف اس وقت کچھ مسلح لوگ اپنی اپنی جگہ بڑی مستعدی سے کھڑے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ جبکہ اس عمارت کے ایک کمرے میں قیامت مچی ہوئی تھی۔ اس کمرے میں اس وقت آدمی موجود تھے۔ ان سبوں کے چہرے سے خوف اور ہشت کا اظہار ہو رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر پشیمان جھلک تھی۔ اور آنکھیں ویران تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی کچھ نہیں بول رہا تھا۔

صرف ان کی گہری گہری سانسیں تھیں جو کمرے میں اُتر رہی تھیں۔  
 کی طرح ریگ رہی تھیں۔  
 پھر بہت دیر بعد ان میں سے ایک نے اپنی زبان کھولی۔ ایسا مسوس ہوا جیسے وہ دوسروں سے مخاطب نہ ہو بلکہ اپنے آپ سے کچھ کہہ رہا ہو۔  
 ”سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ میرے ساتھ ایسا پیٹے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یا تو ان لوگوں کا دماغ خراب ہے یا۔“  
 اس کی آواز کے ساتھ ہی سب کے سب بول پڑے تھے۔  
 خاموش۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو چاہیے کہ سفید کی کے ساتھ اس معاملے پر غور کریں؟ ان میں سے ایک نے کہا جو ادھیڑ عمر گنہا وجیہ سا آدمی تھا۔  
 ”ڈاکٹر کھنہ، آپ جھجک پتے ہیں۔“ سب سے پہلے بولنے والے نے ایک گہری سانس لی۔ اس طرح ہم لوگ کبھی یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔ ہمیں بہت سخت قید میں رکھا گیا ہے۔“  
 ”میں نے اس زخمی کا معائنہ کیا ہے۔“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ اس کی حالت اتنی خراب ہے کہ اس کے زندہ رہنے کا امکان ہی نہیں معلوم ہوتا۔ کوئی معزہ ہی اسے بچا سکتا ہے۔“  
 ”میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی زخمی ہے جسے بے ہوش ہسپتال میں ڈاکٹر راجندر کی نگرانی میں رکھا گیا تھا۔ ایک اور شخص بول پڑا۔  
 ”اگر یہ وہی ہے تو یہ لوگ اسے ہسپتال سے نکل لائے؟“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ اور اس پر ہم لوگوں سے یہ تقاضا کیا جا رہا ہے کہ ہم اس کو ٹھیک کریں۔ یہ لوگ پاگل تو نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ منصوبہ بنایا ہوگا لیکن یہ ان کی حاکمیت ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اتنے شدید زخمی انسان کا علاج اس ویران مقام پر ہو۔ جہاں علاج کی کوئی بھی سہولت میسر نہیں ہے۔“  
 ”لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوگ علاج کرنے کے لیے راضی ہو جائیں تو وہ اسی مقام کو ہسپتال بنا سکتے ہیں۔ یہاں پر قسم کے آلات، مشینیں اور دوائی یہاں کی جاسکتی ہے۔“  
 ”ہاں۔ ان لوگوں سے کوئی بعید نہیں معلوم ہوتا۔“ ایک شخص نے کہا جو خود بھی ایک بہت بڑا ڈاکٹر تھا۔

”ان کے وسائل بے پناہ معلوم ہوتے ہیں۔“  
 ”سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زخمی میں آخر ایسی کون سی خوبی ہے؟“  
 ”یہ سمجھنے سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ کم اپنی اپنی جان بچانے کی کوشش کریں۔ انہوں نے ہمیں فیصلہ کرنے کے لیے صرف آدھا گھنٹہ دیا ہے اور یہ وقت اب ختم ہو رہا ہے۔ یہ لوگ بہت خطرناک بھی معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگا جا سکتا ہے کہ ہم سب مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر ہیں لیکن ہمیں سمیٹ کر ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ یہ ایک ویران مقام ہے۔ ہم نے اگر ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں ہماری فریاد سننے کے لیے کوئی نہیں آئے گا۔ لہذا یہ ہماری پیشہ ورانہ دیانت کے خلاف ہو یا نہ ہو۔ ہمیں ہر حال میں اس زخمی کے علاج کی ہامی بھرنی ہوتی۔“  
 کھنہ کی بات سن کر وہ سب خاموش ہو گئے۔ شاید انہیں کھنہ کی باتوں میں وزن محسوس ہو رہا تھا۔  
 ”آپ ٹھیک کہتے ہیں ڈاکٹر کھنہ؟“ ایک نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ہمیں ہر حال میں اس کیس کو ہاتھ میں لینا ہوگا ہم اپنی ہی کوشش تو کر ہی سکتے ہیں۔ بعد میں دیکھی جائے گی کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اس طرح کم از کم کچھ وقت ہی گزر جائے گا۔“  
 ”تمہارا مشورہ درست ہے ڈاکٹر پانڈے؟“ کھنہ نے اپنی گردن ہلاتی۔ ”اب ہم مشترکہ طور پر اس زخمی کو بچانے کی کوشش کریں گے۔“  
 وہ سب خاموش ہو گئے۔ شاید ان میں سے ہر ایک آنے والے وقت کے لیے پریشان تھا کچھ دیر سی۔  
 خاموشی کے عالم میں گزر گئی۔ پھر دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں چونکا دیا۔ وہ سب سنبھل کر بیٹھ گئے دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور ایک غیر ملکی اندر آ گیا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اس کے قوی بہت مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ اس کا قد بھی بہت طویل تھا۔ مجموعی طور پر وہ ایک وجہ آدمی تھا۔  
 ”میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں سے کوئی فیصلہ کر لیا ہو گا؟“ اس نے ڈاکٹروں کی طرف دیکھتے ہوئے صاف

ہندوستانی زبان میں پوچھا۔  
 ”ہاں۔“ ان سب کی طرف سے کھنہ نے ترجمانی کی۔  
 ”ہم نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم تمہارے مریض کا علاج کریں گے۔“  
 ”خوب۔“ اس غیر ملکی کے مونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ ریگ آئی۔ ”یہ فیصلہ تم لوگوں نے اپنے ہی حق میں کیا ہے۔ اب آ جاؤ میرے ساتھ۔ تم لوگوں کو فوری طور پر اس کا علاج شروع کر دینا ہے اور جس چیز کی ضرورت ہو بتا دیں۔ دنیا کی ہر دوا، ہر سامان چند گھنٹوں کے نوٹس پر پہنچ سکتا ہے۔“  
 وہ غیر ملکی ان ڈاکٹروں کو اس عمارت کے ایک ایسے کمرے میں لے آیا۔ جہاں کے ایک بستر پر اس زخمی کو لیٹا گیا تھا۔ وہ یہی زخمی تھا جو کرنل راجندر کی نگرانی میں تھا۔ اس زخمی کی ابھی تک وہی حالت تھی۔ وہ سدا بڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ صرف اس کے سینے کے متوجہ سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس میں زندگی کی رقی باقی ہے۔  
 ”ڈاکٹر کھنہ۔ میرا خیال ہے آپ ہی یہاں کا چارج سنبھال لیں۔ ڈاکٹروں کی بھیڑ میں سے ایک ڈاکٹر نے کہا۔ ڈاکٹر کھنہ اپنا سر ہلا کر اس مریض کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دوسرے ڈاکٹر اُتر دگر دمچل گئے تھے۔ اب سے کچھ دیر تک یہی ڈاکٹر آنے والے وقت کے اندیشے سے سہمے ہوئے تھے لیکن اب ان کا پیشہ ورانہ تجسس اس زخمی مریض کو دیکھ کر جاگ اٹھا تھا۔ وہ سب کے سب اس کی طرف اس طرح متوجہ ہو گئے تھے جیسے وہ کسی ویران مکان میں پراسرار لوگوں کے درمیان نہ ہوں بلکہ کسی ہسپتال کے آپریشن تھیر میں موجود ہوں۔ ڈاکٹر کھنہ نے زخمی کو دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ ہدایات دیتا جا رہا تھا۔ جبکہ دوسرے ڈاکٹر اس کی ہدایت پر پوری طرح عمل کر رہے تھے۔  
 کھنہ نے اس غیر ملکی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا کہ وہ اس کے لیے فلم اور کاغذ ہیا کرے۔ غیر ملکی کسی اور کو بلانے کے بجائے خود ہی دوڑا چلا گیا تھا کچھ دیر بعد اس نے ایک راسنگ بیڈ اور قلم لاکر ڈاکٹر کھنہ کی طرف بڑھ دیا۔ ڈاکٹر کھنہ نے اس پر پوری فہرست لکھ دی۔ اس فہرست میں دوائیاں بھی تھیں اور مشینیں

بھی تھیں جو اس کے خیال کے مطابق یہاں نہیں آ سکتی تھیں۔ بہت سے آلات بھی تھے۔ ان کے علاوہ اور بھی نہ جانے کیا کیا چیزیں تھیں۔  
 غیر ملکی اس فہرست کو لے کر اس کمرے سے باہر آ گیا۔ جہاں کچھ لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ اس نے اشارے سے ایک آدمی کو اپنی طرف بلا کر وہ فہرست اس کے حوالے کر دی۔  
 ”ہمیں فہریت پر یہ سارا سامان آج شام تک ہی چلے۔ سمجھ گئے، چاہے جہاں بھی ہو۔“  
 اس آدمی نے وہ فہرست لے کر اپنی جیب میں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد وہ غیر ملکی کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا۔ پھر دوسرے لوگوں کو ہدایات دیتا ہوا، اس عمارت کے ایک اور کمرے میں آ گیا۔ اس کمرے میں قیمتی صوفی سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف شراب کی بوتلوں سے بھرا ہوا ایک کینٹ تھا۔ صوفے پر ایک دوسرا غیر ملکی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جو پہلے کو دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہوا پھر صوفے پر بیٹھ گیا۔ جبکہ پہلا شخص کینٹ کی طرف چلا گیا تھا۔ اس نے ایک بوتل منتخب کر کے اس میں سے ایک گلاس میں تھوڑی سی شراب اٹھائی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتا ہوا دوسرے غیر ملکی کے سامنے آکر بیٹھ گیا۔  
 ”کیا نہیں یقین ہے کہ وہ بچ جائے گا؟“ دوسرے غیر ملکی نے پہلے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”کچھ کہہ نہیں سکتا۔ لیکن میں اسے اس وقت تک مرنے نہیں دوں گا، جب تک مجھے سب کچھ معلوم نہ ہو جائے۔ چلے وہ سسک سسک کر ہی زندہ کیوں نہ رہے۔“  
 ”تم بہت ضدی آدمی ہو بڑا ڈر۔“ دوسرے نے ایک گہری سانس لی۔  
 ”یہ مذہبی بات نہیں ہے۔“ پہلے نے کہا جس کا نام برنا ڈ تھا۔ ”زندگی اور موت کی بات ہے۔ جب معاملہ یہاں تک آچکا ہو پھر اور کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ تم شاید نہیں جانتے کہ میں نے اس کے حصول کے لیے کتنی رقم خرچ کی ہے۔ ہندوستان آ کر اس ویرانے میں ایک عمارت تعمیر کرنا، لوگوں کو اکٹھے کرنا، ہتھیار جمع کرنا یہ سب میں نے کس لیے کیا ہے۔ صرف اس لیے ناکہ میں وہ حاصل کروں جس کے لیے یہاں تک آیا ہوں۔ مجھے معلوم ہے



کہ ابھی اس کے علاج پر بھی لاکھوں خرچ کرنا ہے۔  
”تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ زخمی ہی تمہارا مطلوبہ آدمی ہے؟“  
دوسرے نے پوچھا۔

”میں بیوقوف نہیں ہوں جارج“ برناڈن مسکرایا۔  
یورپ میں ہی تھا تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ بیوقوف  
جس زخمی کو اٹھالائے ہیں، وہ سولے لیبارک کے اور کوئی  
نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کو لیبارک کی قدر و قیمت کا اندازہ  
نہیں ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سائنسی بستی کی تباہی  
کے بعد اگر کوئی زندہ رہ سکتا ہے تو وہ صرف لیبارک ہی  
ہو سکتا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں ساری پوری سچی  
رہی ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ اس نے اپنی ذہانت اور دولت  
سے کام لے کر اس امتحان تک میں ایک ایسی سائنسی  
بستی تعمیر کی ہے جو ناقابل تخریب ہے اور اس نے اپنے  
آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے بے پناہ انتظامات کر رکھے  
ہیں اس نے جو رہائش گاہ اور لیبارٹری تعمیر کی ہے اسے  
کوئی نقصان نہیں پہنچایا جاسکتا۔ مہلک سے مہلک ہتھیار  
بھی ان مقامات پر کنٹرول ہو جاتے ہیں۔“

”اگر ایسا ہے تو پھر اس کی یہ حالت کس طرح ہو  
گئی ہے؟“

”میرا خیال ہے کہ لیبارک دھماکے کے وقت اپنی  
رہائش گاہ اور لیبارٹری سے باہر تھا،“ برناڈن نے کہا۔  
”چلو۔ ایسی صورت میں تو اس کے پرچے اڑ جائے  
چاہئیں تھے۔ پھر یہ زندہ کیسے رہ گیا؟“

”جو شخص اپنی رہائش گاہ اور لیبارٹری کے لیے ایسے  
انتظامات کر سکتا ہے، کیا اس نے اپنی جان بچانے  
کے لیے کچھ نہیں کیا ہوگا؟“ برناڈن نے کہا۔ ”جارج، تم  
اس شخص کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہے۔ تم نے اپنی پوری  
زندگی میں اس سے زیادہ ذہین انسان اور کوئی نہیں دیکھا  
ہوگا۔“

”فرق کرو، اگر تمہاری بات مان بھی لی جائے تب  
مجھے میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ تم اس کو بچانے کی  
جدوجہد کیوں کر رہے ہو؟“

”آدمی اتنا بڑا جوار اس لیے کھیلتا ہے کہ اسے کچھ حاصل  
ہونے کی امید ہوتی ہے۔ تم کو یہ نہیں معلوم کہ لیبارک  
نے اتنی بے پناہ دولت کہاں سے حاصل کی تھی۔ وہ دولت  
حاصل کرنے کے لیے کئی بڑی طاقتوں کا ایجنٹ ہو گیا تھا۔  
اور ان طاقتوں کو اس نے ایک ایسی چیز فراہم کی تھی،

جس کے حصول کے لیے یہ طاقتیں ایک دوسرے سے  
برسر پیکار ہیں۔“  
”ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے؟“ جارج نے حیرت  
ظاہر کی۔

”یورینیم۔“ برناڈن نے جواب دیا۔ یہ بہت پیچیدہ  
اور انجینی ہوئی کہانی ہے۔ اس کا ایک ایک باب حیرت  
انگیز ہے۔ یہاں سے بہت دور نیاپل کی کسی وادی میں  
دناگری نامی ایک بستی آباد ہے۔ اس بستی میں اور  
چاہے کچھ ہونہ ہو لیکن وہاں یورینیم کے اتنے بڑے ذخائر  
ہیں جن کا تم کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ وہاں کے رہنے  
والوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ ان کی بستی کتنی دولت مند  
ہے۔ اتفاق سے ایک سیاح کا اس علاقے سے گزر ہوا  
اور اس نے نہ جانے کس طرح یورینیم کے ذخائر کا اندازہ  
لگا لیا۔ باہر آکر اس نے یہ راز فاش کر دیا۔ اس کا نتیجہ  
یہ ہوا کہ بڑی طاقتوں کے درمیان ان ذخائر کو حاصل  
کرنے کے لیے مسابقت شروع ہو گئی۔ سازشیں شروع  
ہو گئیں۔ کبھی ایک سردار کبھی دوسرا کبھی بغاوت  
اور نہ جانے کیا کیا۔ کسی دیوی کی آنکھوں کا چکر بھی چلا  
دیا گیا۔ اسی دوران لیبارک ہندوستان میں وارد ہو گیا۔  
اس کی ذہانت نے اس بستی کی افادیت کا اندازہ لگا لیا  
لیکن اس ذہین انسان نے ایک دوسری چال چلی۔ وہ  
خود اس بستی میں کبھی نہیں گیا۔ بلکہ اس نے اپنے ایجنٹ  
مقرر کر دیے۔ اس نے پرلے سردار کے خلاف بغاوت  
کروادی۔ اور اپنا ایک آدمی وہاں تسلط کروا دیا۔ اب  
ہوا یہ کہ یورینیم کسی اور طرف جانے کے بجائے لیبارک  
کی طرف آنے لگا۔ اور بڑی طاقتیں لیبارک کی محتاج ہو  
کر رہ گئی۔ یوں سمجھ لو کہ وہ یورینیم کا سول ایجنٹ بن  
کر رہ گیا۔

”یہ تو تم عجیب بات بتا رہے ہو۔“ جارج نے کہا۔  
”ہاں۔“ برناڈن نے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔  
”اقتدار اور قوت حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا  
ہے۔ اب تم اس سے اندازہ لگا سکتے ہو کہ لیبارک کے  
پاس کس قدر عیش بہا دولت جمع ہو گئی ہوگی۔ میرے خیال  
میں زمین پر کسی بھی فرد واحد کے پاس اتنا بڑا خزانہ نہیں  
ہوگا۔ جتنا بڑا خزانہ لیبارک کے پاس تھا۔“  
”تو اب کیا فائدہ؟“ اس بستی کی تباہی کے بعد تو  
سارا خزانہ خاک ہو گیا ہوگا۔“

”میں تمہاری غلط فہمی دور کر دوں،“ برناڈن مسکراتے  
ہوئے بولا۔ ”پہلی بات تو یہ ہے کہ لیبارک کے پاس  
وہ خزانہ نہیں تھا جسے تم لوگ سونا چاندی ہیرے جواہرات  
یا کرنسی نوٹ کہا کرتے ہو بلکہ اس کا سب سے بڑا خزانہ  
یورینیم کا وہ ذخیرہ تھا جو اس نے کئی برسوں میں جمع کیا  
تھا اور یہ ذخیرہ اتنا تھا کہ اس سے پورا ایک براعظم  
خرید جاسکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ لیبارک نے وہ  
یورینیم اس بستی میں نہیں رکھا تھا۔“  
”کیا؟“ حیرت سے جارج کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”یہ کیا کہ  
رہے ہو؟“

”یہی تو اصل بات ہے۔ وہ خزانہ اس نے کہاں اور  
چھپا دیا تھا۔ وہ انتہائی زبرد اور ہوشیار آدمی تھا۔  
اس نے محسوس کر لیا تھا کہ کبھی نہ کبھی اس کی بستی پر  
مجھے زوال آسکتا ہے، حالانکہ اس نے ہر قسم کے انتظامات  
کر رکھے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اس کی عقلندگی  
تھی کہ اس نے آنے والے دنوں کو اپنے سامنے رکھا تھا۔“  
”اب سمجھ گیا کہ تم لیبارک کو کیوں بستی باب کرنا چاہتے  
ہو۔ تمہیں لیبارک سے زیادہ اس کے خزانے سے دلچسپی  
ہے لیکن تمہیں لیبارک کے بارے میں اتنی باتیں معلوم  
کہاں سے ہوئیں؟“

”ظاہر ہے کہ مجھے یہ بات لیبارک ہی کے کسی ایسے  
خاص آدمی نے بتائی ہوں گی جو اس خزانے میں سے اپنا  
حصہ بھی چاہتا ہوگا۔“  
”کیا اس نے یہ بتایا تمہیں کہ لیبارک کا وہ خزانہ کہاں  
ہے؟“

”نہیں۔“ برناڈن نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہی تو  
وہ بات ہے جو مجھیں معلوم نہیں ہو سکی۔ ورنہ اب تک  
وہ خزانہ میرے ہاتھ میں آتا۔“

”چلو، اب ایک بات اور بتاؤ، کیا ثبوت ہے تمہارے  
پاس کہ تم جس کو اٹھا کر لائے ہو وہ لیبارک ہی ہے؟“  
”میں اس سوال کا جواب تمہیں پہلے بھی دے چکا  
ہوں۔“ برناڈن نے کہا۔ ”اس کے ہوش میں آنے کے بعد  
تمہیں بتا چل جائے گا کہ میرا اندازہ غلط ہے یا صحیح۔“  
جارج نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ اسی وقت دروازے پر  
ایک ہلکی سی دھمک کے ساتھ ایک آدمی کمرے میں داخل  
ہو گیا۔ وہ بہت ہی بوکھلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

”جناب۔ ایک معجزہ ہو گیا ہے۔“ وہ سیدھا بھرے  
انداز میں بولا۔

”کواس کرنے کی ضرورت نہیں۔ بتاؤ، کیا بات ہے؟“  
”جناب اس مریض کے بدن میں حرکت ہوئی ہے۔“  
آنے والے نے بتایا۔ ”ایسا گنگا ہے جیسے اسے ہوش آ  
رہا ہو۔“

وہ کوئی شکاری پارٹی تھی جو ساز و سامان سے بھرے  
ہوئے ایک ٹرک کے ساتھ ادھر ادھر جھنگلی پھر رہی  
تھی۔ اس ٹرک میں پانچ آدمی تھے جو ٹرک کے پچھلے حصے  
میں تھے۔ جبکہ سامنے دو آدمی بیٹھے تھے۔ ان میں سے  
ایک ٹرک چلانے والا ڈرائیور تھا جبکہ دوسرا اس کے  
ساتھ بیٹھا ہوا ڈرائیور تھا۔

دشمن کی نگاہیں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھیں۔  
اس نے اپنے ہونٹ اتنی سختی سے بھیجنے رکھے تھے کہ اس  
کی پیشانی کی رگیں ابھرنے لگی تھیں۔ اس کے ساتھ بیٹھا  
ہوا ڈرائیور بھی دشمن ہی کی طرح درشت فرار اور  
خط ناک معلوم ہوتا تھا۔ جبکہ ٹرک کے پچھلے حصے میں بیٹھے  
ہوئے لوگ بھی اسی قسم کے تھے۔ ان میں سے ہر ایک  
صمت منداؤں شکاری سے کہیں زیادہ جرات مند پیشہ معلوم  
ہوتا تھا۔ دشمن نے ان لوگوں کا انتخاب بہت سوچ  
سمجھ کر کیا تھا۔ ان میں سے ہر آدمی سو آدمیوں پر بھاری  
تھا۔ ٹرک کے پچھلے حصے میں جدید طرز کے ہتھیار اور گولہ  
بارو بھی موجود تھا۔ دشمن پوری تیاریوں کے ساتھ  
چلا تھا۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے ہاتھ میں پکڑی  
دور بین سے ارد گرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اس  
وقت ٹرک کی رفتار کم کر دی جاتی۔ دور بین آنکھوں سے  
ہٹا کر وہ ڈرائیور کی طرف دیکھ کر انکار میں اپنی گردن  
پلا دیتا اور رفتار ایک بار پھر تیز ہو جاتی۔

”ہمارے آدمیوں نے کہیں غلط اطلاع تو نہیں دی  
دی باس؟“ ڈرائیور نے کچھ دیر بعد پوچھا۔  
”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔“ دشمن جلدی سے  
بول پڑا۔ ”اگر ان لوگوں کو اپنی زندگی پیاری ہے تو یہ  
اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔“

”اب ایک بات میں اور پوچھنا چاہتا ہوں باس۔“  
”پوچھو۔“

”فرم کریں اگر ہم نے اس زخمی کو تلاش بھی کر لیا

تو اسے لائیں گے کیسے؟ میرا مطلب ہے کہ اس کی حالت تو اس قابل نہیں ہوگی۔

”لے کہیں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وشنو نے کہا۔

”ہمیں یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ ان لوگوں نے اس زخمی کے علاج کے لیے ہندوستان بھر کے ڈاکٹروں کو اغواء کر لیا ہے۔ صرف اتنا فرق ہوگا کہ پہلے وہ لوگ ان ڈاکٹروں سے کام لے رہے تھے۔ اب ہم لیں گے۔“

ڈرائیور اپنی کڑی ہلا کر رہ گیا۔ ”ٹک اب اونچے نیچے راستوں پر جھٹکے کھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ ایک ویران مکان تھا۔ جہاں سولے ویران چٹانوں اور دھوپ سے جھلی ہوئی زمین کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔“

”باس۔“ ٹک کے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے آواز دی۔

”کیا ہوا؟“ وشنو نے کھڑکی سے منظر کا رادپر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ لوگ بائیں طرف دکھائی دے رہے ہیں۔“ اوپر والے نے کہا۔ ”ہمارے ٹک کو دیکھ کر وہ ایک برطیہ سے پتھر کے پیچھے چھپ گئے ہیں۔“

دی۔ ”ٹک روک دو۔“ وشنو نے ٹک ڈرائیور کو ہاتھ ”ٹک روکنا خطرناک نہ ہو گا باس؟“

”جو میں کہتا ہوں وہ کرو سمجھے۔“ وشنو جھلا گیا۔

ڈرائیور نے ٹک روکنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ ٹک کہتے ہی سب سے پہلے وشنو ہی پیچھے اتر آئے۔ اس نے اپنی دو زینیں ٹک ہی کی سیٹ پر چھوڑ دی تھیں اور اب اس کے — ایک ہاتھ میں ایک ریلوے دکھائی دے رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر ٹک کے پچھلے حصے میں موجود لوگ بھی نیچے آ گئے۔ وہ سب ہی مسلح تھے۔

”کہیں ایسا تو نہیں کہہیں دھوکا ہوا ہو؟“ وشنو نے آواز دیئے والے سے دریافت کیا۔

”نہیں باس، دھوکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ آواز دیئے والے نے کہا۔ ”تم تو جانتے ہی ہو کہ میری آنکھیں کتنی تیز ہیں۔ میں نے تین چار آدمیوں کا اندازہ لگایا ہے۔ وہ سب بائیں طرف موجود تھے۔ ٹک کو دیکھتے ہی وہ سب کے سب ایک بڑے سے پتھر کے پیچھے چلے گئے ہیں۔“

وشنو کچھ دیر تک اس چٹان کی طرف دیکھتا رہا۔

جس کی طرف اس شخص نے اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ اپنے آدمیوں سے مخاطب ہوا۔ ”ٹھیک ہے، اس چٹان کو گھیرے میں لے لو۔ گولیاں چلانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی کھڑے کی کوشش کرنا۔“

”اگر وہ کوئی اور لوگ ہوئے باس تو؟“

”کم سے کم اس طرح ہمیں اطمینان ہو جائے گا۔“ وشنو نے کہا۔ ”بس اب چلو۔“

وہ سب تربیت یافتہ فوجیوں کی طرح چاروں طرف پھیل گئے۔ چٹان کی طرف سے ابھی تک کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ ریشٹے، پوزیشنیں لیتے ہوئے اس چٹان کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ وشنو سب سے آگے تھا۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چٹان کے قریب میں کوئی بھی نہ ہو۔ وشنو نے ایک جگہ رک کر اپنے آڈیو کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔ اور چٹان کی طرف دیکھ کر زور سے بولا۔

”اے۔ تم لوگ باہر آ جاؤ ورنہ گولیوں سے بھون کر رکھ دیے جاؤ گے۔ میں صرف دس تک گنوں گا۔ اس کے بعد تمہیں موقع نہیں دیا جائے گا میں گنتی شروع کر رہا ہوں تم لوگ آ جاؤ باہر۔“ اتنا کہہ کر اس نے کتنی شروع کر دی۔

”ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔“ وہ ابھی سات تک ہی پہنچا تھا کہ اس ٹیلے کے عقب سے تین آدمی اپنے ہاتھ اٹھائے باہر آ گئے۔ وہ تینوں دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ اس کا اظہار نہ صرف ان کے لباس سے ہو رہا تھا بلکہ ان کے محنت سے تپے ہوئے چہرے بھی یہی ظاہر کر رہے تھے کہ یہ صورت حال ان کے لیے غیر متوقع ہے۔ وہ تینوں ہی بے حد حیران ہوئے ہوئے تھے۔

”کوئی اور تو نہیں ہے؟“ وشنو نے بلند آواز میں دریافت کیا۔

وہ تینوں خاموش رہے۔ وہ ان لوگوں کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

”میں پوچھتا ہوں، کوئی اور تو نہیں ہے وہاں؟“ وشنو نے دوبارہ دریافت کیا۔

”نہیں جی۔“ ان میں سے ایک نے گردن ہلا دی۔

”اور کوئی نہیں ہے۔ بس ہم ہی تینوں تھے۔“

”کون ہو تم لوگ؟“

”ہم لوگ جی دھورالستی کے رہنے والے ہیں۔“ اسی

نے کہا جس نے پہلے گفتگو کی تھی۔

”کہاں ہے دھورالستی؟“

”میں اس سے کچھ دور ہے جی۔ ہم لوگ ادھر سے گزر رہے تھے کہ آپ کا ٹک آتے دیکھا اور چھپ گئے۔ بس جی، یہی ہمارا دوش ہے۔ ہم نے اور کچھ نہیں کیا۔ ہم لوگوں کے لوگ ہیں جی، ہمیں معاف کر دو۔“

”تم ہمارے ٹک کو دیکھ کر کچھ کیوں تھے؟“ وشنو نے پوچھا۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ پہلو بدل کر رہ گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی وشنو کے اس سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ ”بتاؤ۔ تم لوگ ٹک کو دیکھ کر کیوں چھپے تھے؟“

”کیا بتاؤں سرکار۔ ہم نے سمجھا تھا کہ وہی لوگ آ رہے ہیں۔“

”کون لوگ۔ صاف صاف بتاؤ۔“

”وہ بہت خطرناک لوگ ہیں سرکار۔ انہوں نے ہماری بستی کو اجاڑ کر رکھ دیا ہے۔ نہ جانے ہماری بستی سے انہوں نے اب تک کتنے آدمیوں کو غائب کر دیا ہے۔“ وشنو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں اپنی گردن ہلائی اور آگے بڑھ کر اس آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”دیکھو جوان۔ تمہیں اپنا دشمن مت سمجھو تمہیں صاف بتاؤ کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ وہ کون لوگ ہیں جو تمہاری بستی کو غالی کر رہے ہیں؟ وہ لوگ کدھر سے آتے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟ ان کی تعداد کیا ہوتی ہے؟ ان کے علیے کیا ہیں؟ تمہیں سب کچھ بتا دو۔ ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے کام آ سکیں جاتیں۔“

وثنو کی باتوں نے اس شخص کے دل سے وشنو اور اس کے ساتھیوں کا خوف ختم کر دیا۔ اس کے چہرے سے اب اطمینان کا اظہار ہو رہا تھا۔

”تم لوگ میرے ساتھ آؤ۔“ وشنو نے ٹک کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہم لوگ ٹک میں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ آ جاؤ۔ اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں کو وہیں رہنے کا اشارہ کیا اور خود وثنو کے ساتھ ہو لیا۔ وثنو اسے لے کر ٹک میں آ گیا۔ وثنو کے ساتھی بھی ٹیلے کے پاس ہی کھڑے رہے تھے۔

”ہاں اب بتاؤ، کیا صورتحال ہے؟“ وثنو نے

ٹک کی اگلی سیٹ پر اسے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”کیا بتاؤں سرکار۔ یہ اب سے ایک ہمیدین پیلے کی بات ہے۔ اس وقت تک ہماری بستی میں بہت شادی تھی۔ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ علاقہ بالکل بخر ہے۔ اسی لیے یہاں حیتی باڑی تو نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہم لوگ ریلوے پر کھڑے ہیں۔ ان ہی سے دودھ حاصل کرتے ہیں۔ اور ہمیں میں ایک بار کرشنا پور جا کر ریلوے پر آتے ہیں۔ اچھا خاصا گزارا ہو جاتا ہے۔ ہم لوگوں کی خواہشات بھی زیادہ نہیں ہیں۔“

دی۔ ”اصل بات بتاؤ۔“ وثنو نے اس کی بات کاٹ

”ہوا یہ کہ اب سے ایک ہمیدین پیلے ہماری بستی کی طرف ایک ٹک چلا آیا۔ اولی تو ایسی سی چیز کا ہماری بستی میں آتا ہی بڑی بات تھی۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ اس ٹک میں مقامی لوگوں کے علاوہ ایک گورا آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔“

”کیا؟“ وثنو جلدی سے بول پڑا۔ ”گورا آدمی کیا حلیہ تھا اس کا۔ وہ ادھر ٹر ٹر تندرست سا آدمی تو نہیں تھا۔ جس کے آگے کے بال ارٹے ہوئے تھے؟“

”ہاں۔“ ہاں، بالکل ایسا ہی تھا۔ کیا آپ اس کو جانتے ہیں سرکار؟“

”بہت اچھی طرح۔“ وثنو نے اپنے ہونٹ میسج لیے۔ ”میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ غیر نام آگے سناؤ، پھر کیا ہوا؟“

”اس گورے کے آدمیوں کے پاس ہتھیار بھی تھے۔“

اس نے بتانا شروع کیا۔ ”اس نے ہم لوگوں کو دھکیا انہیں دیں بلکہ یہ کہہ کر اسے ضروروں اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ اور وہ اچھا خاصا معاوضہ ادا کرے گا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ غربت کے مارے ہوئے لوگ ذرا سے آکرے پر کس طرح کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں تو ہمارے گاؤں کے تقریباً دس بارہ آدمی تیار ہو گئے۔“

گورے نے کہا تھا کہ ایک ہفتہ کا کام ہے۔ ایک ہفتے کے بعد ان لوگوں کو واپس کر دیا جائے گا۔ خیر، پہلی کھپ میں بارہ آدمی اس کے ساتھ چلے گئے۔ ایک ہفتے کے بعد وہ گورا پھر ہماری بستی میں آیا۔ اس نے بتایا کہ اسے اور لوگوں کی ضرورت پڑ گئی ہے۔ اور اس نے جو کام شروع کیا ہے۔ وہ دس بارہ دونوں تک خرید چلتا رہے گا۔ اس

نے ان لوگوں کے گھروں میں پیسے بھی دیے جن گھروں سے وہ پہلے آدمیوں کو لے گیا تھا۔ وہ بے چارے رقم پا کر بہت خوش ہو رہے تھے۔ پھر دوسری کھپ میں بھی وہ بارہ تیرہ آدمی لپٹے ساتھ لے گیا۔ بس یہ ماجرا ہے سرکار۔ اب اس بات کو ایک مہینہ گزر چکا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی واپس نہیں آیا۔ ہم لوگوں کی نگاہیں راستوں پر لگی رہتی ہیں۔ اس لیے جب ہم نے آپ کا یہ ٹرک دیکھا تو یہی سمجھ کر وہ لوگ پھر واپس آ رہے ہیں۔ ”اوہ۔“ وشنو نے ایک گہری سانس لی ”تم میں سے کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ گورا آدمی انا آدمیوں کو کس طرف لے گیا ہے۔“

”ہم میں سے تو کسی نے نہیں دیکھا باس۔ لیکن وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔“

”لیکن کیا؟“ پوری بات بتاؤ۔“

”ان میں سے ایک آدمی کسی طرح بھاگ آیا تھا اسی نے جو کچھ بتایا مجھے اس سے ہم لوگ اب جانے والوں کی طرف سے مایوس ہو گئے ہیں۔“

”کیا بتایا اس نے؟“

”اس نے بتایا ہے کہ ان لوگوں کو جہاں لے جایا گیا ہے وہاں آدمیوں کو جانور بنا دیا جاتا ہے۔“

”کیا کیا اس کر رہے ہو؟“

”جو اس نہیں۔“ بچہ ہے سرکار۔ یہ بات اس نے بتائی ہے۔ اس نے اپنی آنکھوں سے کئی آدمیوں کو جانور بنے ہوئے دیکھا ہے۔“

”مہیش اس وقت اپنے گھر پر ہی تھا۔ جب اسے یہ پتا چلا کہ اس زخمی کو ہسپتال سے اخرا کر لیا گیا ہے۔ وہ اس خبر کو سنتے ہی تیر کی طرح ہسپتال کی طرف چل پڑا۔“

”اس وقت ہسپتال میں جگہ بھر چکی ہوئی تھی۔ پولیس نے اس عمارت کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ خود اکثر مہیش کو بڑی مشکلوں سے اندر جانے کی اجازت مل سکی تھی۔“

”طرف افرا تفری کا سماں تھا۔ ڈاکٹر، نرس اور ہسپتال کا دوسرا عملہ بوکھلایا بوکھلایا گھوم رہا تھا کسی نے مہیش کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ سب کے سب اپنی اپنی گردن پھرنے کی فکر میں مبتلا معلوم ہوتے تھے۔ اسی بھڑ میں مہیش کو پدمی دکھائی دے گئی۔ پدمی وہ نرس تھی جس کی ڈیوٹی اس زخمی کے کمرے میں لگائی

گئی تھی۔ مہیش نے اشارے سے اسے اپنی طرف بلایا۔ پدمی خود بھی بہت پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

”کیا معاملہ ہے پدمی؟“ مہیش نے اس کے پاس آنے کے بعد پوچھا۔

”میں تو خود کچھ نہیں جانتی سر۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ لوگ آئے اور اس زخمی کو اٹھا کر لے گئے۔“

”کون لوگ؟“

”بہت سے نقاب پوش تھے سر۔ مختلف گھڑیوں پر آئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے ہاتھ میں ہتھیار پکڑا ہوا تھا۔“

”کیا تم نے انہیں دیکھا تھا؟“

”ہیں سر۔ میرا مطلب ہے کہ نو سر۔“

”کیا مطلب؟“ کیا تم بہت بوکھلائی ہوئی ہو؟“

”کیا بتاؤں سر۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا اچھا ہوا آپ مل گئے۔ اب میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو چکا ہے۔“

”بتاؤ۔ کیا بات ہے؟“ اس وقت کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں ہے۔ سب کے سب افرا تفری کا شکار ہیں۔“

پدمی نے دھیرے دھیرے وشنو سے ملاقات اور نقاب پوشوں کے حملے کے بارے میں سب کچھ بتلا دیا۔ یہ تو عجیب واقعات ہیں۔“ مہیش نے پدمی کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”اچھا ہے، تم نے مجھے بتا دیا۔ اب کرنل راجندر سے اس کا تذکرہ مت کرنا ورنہ تمہارے لیے خراب بن جائے گا۔“

”شکر یہ سر۔ آپ نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا۔“ پدمی جلدی سے بولی۔ ”اب اگر اس آدمی سے ملاقات ہو تو میں اس سے کیا کہوں گی؟“

”وہ اب تم سے کیوں ملے گا؟ کیونکہ وہ زخمی تو اس کے سامنے اخرا ہوا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس زخمی میں ایسی کون سی بات ہے کہ جس کی خاطر اتنا ہنگامہ رچا گیا ہے۔“

”میں کیا بتا سکتی ہوں سر؟“ میں تو خود حیران ہو رہی ہوں۔ وشنو بھی شاید غلط بیانی ہی سے کام لے رہا ہوگا۔“

”بہت ممکن ہے۔“ خیر یہ بتاؤ کرنل اس وقت کہاں ہے؟“

”وہ اپنے کمرے میں ہیں جناب۔“ پدمی نے بتایا۔

”فقے اور ناکامی نے انہیں مجبوت بنا دیا ہے۔“

”میں اس کے پاس جا رہا ہوں۔ تم اپنا کام کرو

اور اس واقعے کو مہول جاؤ۔“

پدمی ایک طرف چلی گئی۔ مہیش کچھ دیر تک اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تو وہ کرنل راجندر کے کمرے کی طرف چل پڑا ہسپتال میں ابھی تک افرا تفری چلی ہوئی تھی۔ پولیس کے آفیسران نقاب پوش کرتے پھر رہے تھے۔ مہیش کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ پولیس والے آخر کیا معلوم کر رہے ہیں؟ انہیں تو حملہ آوروں کے نقش قدم پر جانا چاہیے تھا۔ اس کے بجائے وہ ہسپتال میں اپنا وقت مٹانے کر رہے تھے۔ ایک پولیس آفیسر نے اس کا راستہ بھی روک لیا۔

”آپ شاید اسی ہسپتال میں ہیں؟“ اس نے بڑی شائستگی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔ میں ڈاکٹر ہوں۔ ڈاکٹر مہیش۔“

”ڈاکٹر صاحب۔ کیا آپ اس واقعے کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں؟“

”میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ جس وقت یہ واقعہ ہوا اس وقت میں اپنے گھر پر تھا۔ اطلاع ملتے ہی وہاں سے چل پڑا ہوں۔“

”مجھے یہ پتا چلا ہے کہ آپ بھی اسی پتیل میں شریک تھے، جو اس زخمی کے علاج کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔“

”جی ہاں۔“

”کیا آپ اس زخمی کے بارے میں کچھ بتا سکیں گے؟“ وہ صرف ایک زخمی تھا۔ ڈاکٹر مہیش نے کہا۔

”اس کے بارے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا جا سکتا۔ اس کی حالت اتنی خراب تھی کہ ناقابل شناخت ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود اس کی قوت ارادی اسے زندہ رکھے ہوئے تھی۔ اور اس میں کچھ بہتری کے آثار بھی پیدا ہو گئے تھے۔“

”ہوں۔“ پولیس آفیسر نے ایک گہری سانس لی۔

”میں یہ سب کچھ پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں۔ آپ نے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔“

”آپ اس کے علاوہ اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں؟“

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ باہر والوں کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی کہ اس کی حالت مستحکم رہی ہے۔“

”کیا؟“ مہیش نے حیران ہو کر اس طرف دیکھا۔

”اب آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔“

”دیکھیں ڈاکٹر مہیش، پولیس یو قوف نہیں ہوتی۔

ہم اڑتی ہوئی چیل کا تعاقب کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ وہ لوگ جس انداز سے حملہ آور ہوئے تھے۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آسان لوگ نہیں تھے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ پولیس یہاں دیر سے پہنچی ہے۔ اس وقت تک وہ لوگ اپنا کام کر کے واپس جا چکے تھے لیکن شاید آپ کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان حملہ آوروں نے بہت ہی سوچا سمجھا کر اس حملہ کی منصوبہ بندی کی تھی۔ انہوں نے نہ صرف اس ہسپتال کے بلکہ آس پاس کے فون کے تار بھی کاٹ دیے تھے۔ یہ پورا علاقہ مواصلاتی طور پر دوسرے علاقوں سے کٹ گیا تھا۔ اور یہ عمل حملے سے پہلے کیا گیا ہے۔ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب ان لوگوں کا تعاقب بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ معمولی لوگ نہیں تھے۔ جو اپنا نشان قدم چھوڑتے چلے گئے ہوں اور ہم آسانی سے ان پر جا کر ہاتھ ڈال دیں۔ وہ نہ جانے کہاں ہوں گے۔ اسی لیے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ اس ہسپتال سے نقبیں کا آغا کرتے ہیں کیونکہ اس منصوبے کی جڑیں اسی ہسپتال میں معلوم ہوتی ہیں۔“

”مہیش اس پولیس آفیسر کی ذہانت کا قابل ہو گیا۔ وہ ایک جست و چالاک قسم کا خوبصورت آدمی تھا۔“

”آفیسر۔ میں آپ کی سونگ کا قابل ہو گیا ہوں۔“

”مجھے ڈی ایس پی پرویز ملک کہتے ہیں؟“ آفیسر نے اپنا تعارف کروایا۔ یہ علاقہ ہمارے ہی اندر ہے۔“

”یہ خوشی کی بات ہے کہ ہماری پولیس میں بھی آپ جیسے ذہین لوگ موجود ہیں۔ مہیش نے کہا۔ آپ سوال کریں۔ میں آپ کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہوں۔ مجھے جو کچھ معلوم ہے وہ یہ بتا دوں گا۔“

”بہت بہت شکریہ۔“ پرویز ملک مسکرا دیا۔ ”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ اس مریض کی اہمیت کیا تھی۔ کیونکہ یہ قومی نوعیت کا سوال ہے۔ اس میں جب حکومت دلچسپی لے رہی تھی۔ تو یقیناً کوئی مذکورہ اہمیت ہوگی۔ اب آپ مجھے اس مریض کے بیان آنے کے بعد سے لے کر اب تک کے حالات بتاتے جائیں۔“

”پہلے تو آپ بتائیں کہ آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا کہ اس منصوبے کی جڑیں اسی ہسپتال میں ہیں؟“

”سیدھی سی بات ہے جس وقت تک اس مریض کی حالت خراب رہی۔ اس وقت تک کسی نے مداخلت نہیں کی۔ لیکن جیسے ہی اس میں بہتری کے آثار پیدا ہوئے

اسے اٹھا کر لیا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی نہ کوئی ایسا شخص آپ کے درمیان موجود ہے جو اس مریض کے بارے میں حملہ آوروں کو رپورٹ دیتا رہا ہے۔  
 ”یہ واقعی سوچنے کی بات ہے“ ہمیش نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن ایسا کون ہو سکتا ہے؟“  
 ”یہ معلوم کرنا ہمارا کام ہے۔ آپ تو ہمیں یہ بتاتے رہیں کہ اب تک کے کیا حالات ہیں؟“  
 ہمیش کو اس مریض اور اس کے حوالے سے جو کچھ معلوم تھا، وہ اس نے بتا دیا۔ لیکن اس نے اس آفسیر سے دو باتیں چھپائی تھیں۔ اس نے اس راگ نامی سادھو کا کوئی خوالہ نہیں دیا تھا۔ جس نے کسی دوا کا نام لیتے ہوئے بتایا تھا۔

کہ دوا اور اس زخمی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے اور راگ نامی ڈاکٹر ہمیش کی اس داور سے ملاقات بھی کروا سکتا ہے۔ اور دوسری بات اس نے یہ نہیں بتائی تھی کہ پرانی اور دشمن کے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ اس نے بتا دیا۔ ان باتوں کے علاوہ اور کوئی بات قابل ذکر بھی نہیں تھی۔

”آپ کچھ چھپاتے تو نہیں رہے؟“ ڈی ایس پی پرویز ملک نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”میرا خیال ہے کہ میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“  
 ”آپ خیال ظاہر نہ کریں بلکہ یقین سے کہیں۔“

”میں نے آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ ان کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔ میں خود بھی ایک قانون پسند آدمی ہوں اور قانون کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

پرویز ملک کچھ دیر تک ڈاکٹر ہمیش کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر دھیرے سے ہلکا سے ہلکا ڈاکٹر، میں اس وقت اصرار نہیں کروں گا۔ لیکن آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بعض اوقات معمولی سی کوئی بات بھی ہمیں مجرم تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ بہر حال آپ اپنا پتا لکھوا دیں۔ ضرورت ہوئی تو آپ کو طلب بھی کیا جاسکتا ہے۔“

ہمیش اس ڈی این پولیس آفسیر کی نگاہوں میں بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس پوچھ کچھ کا یہ سلسلہ جلد سے جلد ختم ہو جائے۔ اسی لیے اس نے فوراً ہی ڈی ایس پی کو اپنا پتا لکھوا دیا۔ ڈاکٹر ہمیش کا پتا اپنی ڈائری میں لکھ لینے کے بعد پرویز ملک ایک طرف چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد ہمیش نے اطمینان کی ایک گہری سانس لی تھی۔ وہ اب کرنل راجندر کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ اس نے ڈی ایس پی کو ٹال تو دیا تھا لیکن وہ اندر سے پشیمان بھی ہو رہا تھا۔ اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس نے پرویز ملک کو سب کچھ بتایا کیوں نہیں اس نے باتیں چھپائیں لی تھیں۔ ان باتوں کو چھپانے سے اس کا کیا فائدہ تھا؟ کچھ بھی نہیں بلکہ اس طرح باتیں چھپا کر وہ خود بخود ایک ایسے معاملے میں الجھ گیا ہے جس سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اگر اسی وقت پرویز ملک کو سب کچھ بتا دیتا تو اس کے سر سے بوجھ اتر سکتا تھا لیکن وہ ایک بہت بڑی حاکمیت کر گزرا تھا۔

کرنل راجندر کی طرف جانے جاتے وہ ہٹ پڑا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ڈی ایس پی کو سب کچھ بتا دے گا۔ پولیس ابھی تک ہسپتال کے احاطے ہی میں موجود تھی۔ اس نے ایک سب انسپکٹر سے ڈی ایس پی کے بارے میں دریافت کیا۔

”وہ تو جا چکے ہیں۔ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔  
 ”جا چکے ہیں۔“ اس نے حیرت سے دہرایا۔  
 ”ہاں۔ ڈی آئی جی کی طرف سے اچانک طلبی ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اپنا چارج انسپکٹر راجندر کے حوالے کر کے یہاں سے جا چکے ہیں۔“

ڈاکٹر ہمیش کے ہاتھ سے ایک موقع نکل چکا تھا۔ وہ واپس کرنل راجندر کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ ہسپتال سے باہر جانے کے بعد پرویز ملک سے رابطہ قائم کرے گا۔ اور اسے تمام صورتحال سے آگاہ کر دے گا۔

کرنل راجندر اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس وقت اس کے سامنے پولیس کا ایک آفسیر بھی تھا۔ راجندر اسے اپنا بیان لکھوا رہا تھا۔ ہمیش جس وقت کمرے میں داخل ہوا اس وقت راجندر کا بیان ختم ہو رہا تھا کہ کرنل نے اس کی طرف توجہ نہیں تھی۔ وہ اپنا بیان مکمل کرنے میں مصروف رہا۔

پولیس آفسر کرنل کا بیان لکھ کر اس سے اجازت لے کر کمرے سے باہر آ گیا۔ اس کے باہر چلے جانے کے بعد کرنل نے ہمیش کی طرف توجہ دی۔  
 ”تم نے سن لیا بیان کیا ہوا؟“  
 ”ہیں کرنل۔ میں گھر پر تھا کہ مجھے اس زخمی کے

اغوا ہونے کی اطلاع ملی۔“  
 ”بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہوا ہے۔“ کرنل نے کہا۔  
 ”مہاش ہم نے حفاظتی اقدامات کیے ہوتے۔ ہم نے اس زخمی کو اہمیت تو دی تھی لیکن یہ نہیں سوچا تھا کہ اسے اس طرح اغوا بھی کیا جاسکتا ہے۔“

ہمیش سر ہلا کر رہ گیا۔ اس کے لیے بھی یہ حیرت کی بات تھی۔ اس زخمی کو بے انتہا اہمیت دی جا رہی تھی۔ لیکن اس کی حفاظت کی طرف توجہ نہیں دی گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کرنل اب اعلیٰ حکام سے کس طرح چٹکارا پاسے گا۔ کیونکہ وہ زخمی اس کے اختیار میں تھا۔

”ان پولیس والوں نے بھی پریشان کر دیا ہے۔“ کرنل بڑبڑایا۔ ”ان لوگوں کو صحیح لائن پر کام کرنا ہی نہیں آتا۔ خاص طور پر وہ ڈی آئی پی، کیا نام ہے اس کا۔ پرویز ملک۔ مجھے تو وہ شخص بالکل پسند نہیں آیا۔ بالکل احمق معلوم ہوتا ہے۔ میں اس کیس پر سے لے بٹانے کی وٹش کروں گا۔“

”مہین جناب۔ میرا خیال ہے کہ وہ ایک ذہین آدمی ہے۔“ ڈاکٹر ہمیش نے کہا۔  
 ”جوتہ ذہین؟“ کرنل نے برا سامنے بنایا۔ ”ان لوگوں کے پاس ذہانت کہاں سے آگئی؟“

ڈاکٹر ہمیش چونکہ کرنل کے مزاج سے واقف تھا، اس لیے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک کرنل کے ساتھ رہا پھر اس سے اجازت لے کر باہر آ گیا۔ اب پولیس والے بھی جا چکے تھے۔ البتہ اس زخمی کے کمرے کے باہر کچھ پہریلوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ ان پہریلوں کو دیکھ کر اسے ہنسی آگئی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ پولیس واردات کے بعد ہرے کا انتظام کیوں کر کیے۔ یہ اس نے اکثر دیکھا تھا کہ اگر کسی جگہ کوئی دکان لٹ جائے تو اس لٹی ہوئی دکان کے باہر پولیس کے جوان متعین کر دیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ہمیش نے پرویز ملک سے ملنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ کرنل راجندر اس کے بارے میں چاہے جیسے بھی خیالات رکھتا ہو لیکن اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس زخمی کو پرویز ہی سلجھا سکتا ہے۔ وہ ایک ذہین آدمی تھا اور بہارواری بھی ذہین ہی لوگوں کے تھے۔ ہمیش نے اپنے گھر کی طرف جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ وہ اب پرویز ملک کی طرف جا رہا تھا۔ جو اس کے

علاقے کا ڈی ایس پی تھا۔ پرویز ملک اس وقت اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ اس نے معنی خیز انداز میں ڈاکٹر ہمیش کا استقبال کیا تھا۔

”آپ مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہوئے؟“ ڈاکٹر ہمیش نے اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”نہیں۔ کیونکہ میں آپ کے آگے کا انتظار کر رہا تھا۔“ پرویز ملک نے جواب دیا۔  
 ”وہ کیوں؟“

”میں نے تو اسی وقت محسوس کر لیا تھا کہ آپ اس زخمی کے حوالے سے کچھ چھپا رہے ہیں۔ دوسری طرف میں نے یہ اندازہ بھی کر لیا تھا کہ آپ واقعی ایک شریف اور قانون پسند انسان ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کسی مصلحت کی بنا پر آپ بتلانا نہ چاہتے ہوں لیکن مجھے اس بات کا بھی یقین تھا کہ آپ ضرور آئیں گے۔ آپ جیسے لوگ اپنے اندر کی آواز کو زیادہ دیر تک دبا کر نہیں رکھ سکتے۔“

اس اعتماد کا بہت بہت شکر یہ۔ ہمیش مسکرا دیا۔ ”بات واقعی کچھ ایسی ہی ہے۔ اب آپ کے سامنے اگر ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے دل کا بوجھ اتر گیا ہے۔“  
 ”بس تو بے فکر ہو کر گفتگو شروع کر دیں لیکن ذرا ٹھہریں۔ اس سے پہلے یہ بتا دیں کہ آپ کو کیا پلا یا جائے، کافی یا کوئی اور چیز۔“

”اس وقت تو جانے کی خواہش ہو رہی ہے۔“ پرویز ملک نے ٹھنٹی بیکار دلی کو طلب کیا اور اس سے چائے کا کپہ کر ہمیش کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”ہاں جی، اب فرمائیں، کیا بات ہے؟“

ڈاکٹر ہمیش نے زخمی کے ہسپتال آنے سے لے کر پرنسپل تک سارے واقعات سننا دیے۔ پرویز ملک بڑے دھیان سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اس نے درمیان میں ایک بار بھی مداخلت نہیں کی تھی۔

”یہ تو بہت ہی عجیب واقعات ہیں۔“ پرویز ملک نے ہمیش کے خاموش ہو جانے کے بعد کہا۔ ”جو لوگ آپ سے اس دوران ملتے رہے ہیں ان کا ایک دوسرے سے بظاہر کوئی تعلق بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود یہ سب کے سب اس زخمی کے ارد گرد گھوم رہے تھے۔ ان کی ساری دلچسپی اس زخمی سے ہے۔ ان میں سے ہر کردار اپنی جگہ اہم ہے۔ ہم کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ آپ

سے جو معلومات فراہم کی ہیں ان کی روشنی میں ہمیں راز  
برہنہ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ یقیناً جانے، اگر  
آپ سے یہ سب معلوم نہ ہوتا تو ہم اندھیرے  
میں ہی گھومتے رہتے۔  
"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آتی۔" پیش نے  
اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ کرنل راجندر آپ کی  
اتنی منافقت کیوں کر رہا ہے؟"  
"میرا خیال ہے کہ یہ ایسی مشکل بات نہیں ہے جو کچھ  
میں نہ آ سکے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے آپ سے کہا تھا کہ  
آپ ہی کے درمیان کوئی شخص ایسا موجود ہے جو اس زخمی  
کے بارے میں باہر پورٹ دیتا رہتا ہے۔"  
"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"  
"اور میرے اماندے کے مطابق وہ آدمی سولہاں  
کرنل راجندر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

وہ سب کے سب دوڑتے ہوئے زخمی کے کمرے میں  
چلے آئے۔  
اس کمرے میں جارج اور برناڈ کے لوگ بھی موجود  
تھے۔ برناڈ نے کمرے میں آتے ہی لوگوں کو اشارہ کیا۔  
پھر اس کمرے میں سولہ ڈاکٹر کھتے، جارج اور  
برناڈ کے سوا اور کوئی نہیں رہ گیا تھا۔  
وہ زخمی بستر پر ہی پڑا تھا۔ قوی طور پر اس کے  
جسم میں گلوکوز میٹانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے  
صحت مند بازو میں ایک ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ اور اس کے  
چہرے پر ہلکی سی شرمیلی کے آثار تھے۔ جو اس بات کی  
علامت تھے کہ مریض صحت یابی کی طرف لوٹ رہا ہے۔  
اس کے چہرے کی بیلاہٹ دور ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ  
گرچہ ابھی تک کچلا ہوا اور ناقابل شناخت تھا، اس  
کے باوجود جہاں جہاں سے چہرے کا قصہ دکھائی دے  
رہا تھا، وہ کسی مژدہ انسان کا نہیں بلکہ زندہ انسان کا  
معلوم ہوتا تھا۔  
"بتاؤ کیا رپورٹ ہے؟" برناڈ نے کھتے کی طرف  
دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
"کچھ دیر پہلے یہ ہوش میں آ گیا تھا۔" کھتے نے کہا۔  
"پھر۔۔۔ پھر کیا ہوا؟"  
"میں نے اسے غنودگی کا انجکشن دے دیا ہے۔"  
کھتے نے بتلایا۔

"بے وقوف انسان، یہ تم نے کیا کیا؟" برناڈ پھر  
اٹھا۔ "مجھے اس سے بہت سی باتیں کرنا تھیں۔"  
"دیکھیں مسٹر میں اس کا معالج ہوں۔" کھتے نے کہا۔  
"تم ہی نے اس کے علاج کی ذمہ داری میرے سپرد کی ہے۔  
اسی لیے میں جانتا ہوں کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور  
کیا بہتر نہیں ہے۔ تم کیسا سمجھتے ہو یہ ہوش میں آتے ہی  
تمہارے سوالوں کے جواب دینے لگتا۔ تم کو شاید یہ اندازہ  
نہیں ہے کہ یہ شخص کتنے غلاب میں مبتلا ہے۔ اس کا  
پورا جسم زخم بنا ہوا ہے۔ اسی لیے میں نے اسے غنودگی  
کا انجکشن دیا ہے تاکہ یہ درد کے احساس سے  
غافل ہو جائے۔"  
"سوری ڈاکٹر۔ برناڈ نے دھیرے سے مسکرا دیا۔  
"میں ہی بعض اوقات بچوں جیسی باتیں کرت لگتا ہوں۔  
اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ اس کا حال کب تک بہتر ہوگی؟"  
"میں ابھی کہہ نہیں سکتا۔ میں نے جو دوائیاں  
اور دیگر چیزیں منگوائی ہیں۔ ان کے آنے کے بعد ہی اس  
کا علاج شروع ہو سکتا ہے۔"  
"وہ چیزیں بھی آجائیں گی۔" برناڈ نے کہا۔  
"میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"  
"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"  
"کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ اس مریض کی صحتیابی  
کے بغیر ہم ڈاکٹروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"  
"بس اس مریض کے صحت یاب ہوتے ہی تم لوگوں  
کو واپس جانے کی اجازت دے دی جائے گی۔" برناڈ  
نے کہا۔ "ہم تمہیں ہمیشہ کے لیے نہیں رکھنا چاہتے۔ یہ  
میرا وعدہ ہے۔"  
"بتائیں کیوں؟ مجھے تمہاری اس بات پر پوری طرح  
یقین نہیں ہے۔" ڈاکٹر کھتے نے غصے سے کہا۔ اس  
کے باوجود ہم اس مریض کا علاج کریں گے۔ اس کی وجہ یہ  
نہیں ہوگی کہ ہم تم سے زندگی کی ٹھیک دھمک رہے ہیں  
بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یہ ہمارا پیشہ ہے۔ ہمارا فرض ہے  
"تم بے فکر رہو ڈاکٹر، میں تمہارے جذبے سے خوش  
ہوا ہوں۔" برناڈ نے کہا۔ "اور اگر تم نے اس مریض کو  
صحت مند کر دیا تو ہم تمہارے لیے بہت کچھ کر گزریں گے"  
کھتے اپنی گردن ہلا کر رہ گیا۔ اس نے شاید برناڈ  
کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ اب اس زخمی کی طرف

متوجہ ہو گیا تھا۔ برناڈ کچھ دیر تک گہری نگاہوں سے اس  
کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر جارج اور دوسرے لوگوں کو لے کر  
کمرے سے باہر چلا گیا۔  
اس کے باہر جانے کے بعد دوسرے ڈاکٹر دوبارہ  
اس کمرے میں آ گئے۔ وہ سب ڈاکٹر کھتے کے ارد گرد کھڑے  
ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر کھتے نے ان لوگوں کو برناڈ کی گفتگو کے  
بارے میں بتا دیا۔  
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری سلامتی کا انحصار اس  
شخص کی سلامتی پر ہے۔" ایک ڈاکٹر نے زخمی کی طرف  
دیکھتے ہوئے کہا۔  
"ہاں۔" کھتے نے اپنی گردن ہلا دی۔ "اگر یہ صحت  
ہو گیا تو ہمیں بھی جانے کی اجازت مل جائے گی۔"  
"بھگوان کرے ایسا ہی ہو۔" ایک ڈاکٹر بولا۔ "میں  
تو اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لیے ترس گیا ہوں۔ وہ مجھ سے  
بہت محبت کرتا ہے۔"  
"لیکن شاید تم کبھی اپنے بیٹے کو نہیں دیکھ سکو گے۔"  
کھتے نے کہا۔  
"کیا مطلب؟" وہ سب کے سب چونک کر اس کی  
طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"  
"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ معاف کرنا، میں تم لوگوں  
کو دہشت زدہ نہیں کرنا چاہتا لیکن شاید تم لوگ اس  
تنہا حقیقت کا اندازہ کر لو۔ یہ لوگ اتنے بیوقوف نہیں ہیں  
کہ اس زخمی کے صحت مند ہونے کے بعد ہمیں جانے  
کی اجازت دے دیں۔ یہ کسی قیمت پر بھی پٹاراز فاش  
کرنا نہیں چاہیں گے۔ اگر مریض صحت یاب ہو جاتا ہے  
تو یہ ہماری کامیابی تو ہوگی لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا  
کہ ہم نے اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر دیے ہیں؟"  
"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے مسٹر کھتے؟" ایک نے پوچھا۔  
"میں اگر کچھ کہوں تو یہ بات تم لوگوں کے لیے جیت آئیز  
تو ہوگی لیکن اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی بھی  
راستہ نہیں ہے۔"  
"وہ کیا ہے؟"  
"ہمیں اس مریض کو موت کی نیند سلا دینا ہے۔" کھتے  
نے کہا۔  
"کیا؟" سب کے سب حیران رہ گئے تھے۔  
"ہاں۔ اگر تم لوگ دھیان سے میری بات سنو تو تمہاری

یہ حیرت دور ہو جائے گی۔ تم لوگ کوئی معمولی ڈاکٹر نہیں ہو  
بلکہ تمہیں ہندوستان بھر سے اس مریض کے علاج کے لیے  
منتخب کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بات شاید تم بھی جانتے ہو کہ اس  
مریض کی حالت کیسی ہے؟ اگر یہ زندہ رہ گیا تو کسی کام کا  
نہیں رہے گا۔ اس کے اندرونی اعضا نا کارہ ہو چکے ہیں۔  
ان میں انٹی ٹوٹ پھیوٹ ہو چکی ہے کہ اس بے چارے کو ہوش  
بھی آیا تب بھی یہ سسکتا ہی رہے گا۔ ہم ڈاکٹر ہیں۔  
ہمارا کام زندگی بچانا ہے لیکن دوسری طرف ہمارا کام یہ  
بھی ہے کہ ہم اپنے مریضوں کی تکلیفیں ادران کے دکھوں  
کو کم کر دیں۔ ان کی مدد کریں۔ اگر وہ کسی دکھ میں مبتلا  
ہیں تو اس دکھ کو ختم کر دیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ  
یہ لوگ اس مریض کو کسی ہمدردی میں اٹھا کر نہیں لائے۔  
بلکہ ان کا مقصد کچھ اور بھی معلوم ہوتا ہے۔ اگر انہیں اس  
مریض سے کوئی ہمدردی ہوتی تو یہ بھی اسے ہسپتال سے  
اٹھا کر لے جاتے۔ بلکہ اس کے علاج کے مواقع فراہم کرتے رہتے۔  
انہیں یہ معلوم تھا کہ یہ جس مریض کو اٹھا لائے ہیں، اس  
بے چارے کا مکمل علاج یہاں نہیں ہو سکے گا۔ اس کے باوجود  
انہوں نے اس مریض کو اپنی خود غرضی کی جھبٹ جڑھا دیا۔  
ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ اس بے چارے کا ہوش میں آنا ان  
کے لیے عذاب ثابت ہو گا۔ اس کو اپنی تکلیفیں دی جائیں گی  
کہ یہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے گا۔ یہ لوگ اس سے  
کچھ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایسا راز جو اس مریض کے  
سینے میں دفن ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم خود اسے ان  
مشکلات سے نجات دلا دیں۔ اسے زندہ تو بیٹے بھی نہیں  
رہنا ہے۔"  
"لیکن اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟" ایک ڈاکٹر  
نے کہا۔ "تم تو کہہ چکے ہو کہ یہ مریض چاہے زندہ رہے  
یا مر جائے ہمیں ہر حالت میں مرنا ہے۔ پھر جب ہم مرنا  
ہو گے تو کیوں نہ اس کے علاج کی طرف توجہ دی جائے؟"  
"یہ سوال تمہارا ٹھیک ہے لیکن اصل بات تو یہ ہے  
کہ ہم کس حد تک کسی کے دکھوں کو کم کر سکتے ہیں۔ میرا  
خیال ہے کہ ہمارا مقصد یہی ہونا چاہیے۔"  
"تم ٹھیک کہتے ہو۔" ایک اوجھڑ کر ڈاکٹر نے کھتے  
کی تائید کی۔ "ہمیں اس بے چارے کو غذا بولنے سے بچا  
لینا چاہیے۔"  
"تو پھر یہ طے رہا کہ ہم اس کو ہوش میں نہیں آنے  
دیں گے۔"



وشنو کو اس دیہاتی سے بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ ان دیہاتیوں کو انہوں نے رخصت کر دیا تھا لیکن اسے تاکید بھی کر دی تھی کہ وہ ان لوگوں کے بارے میں کسی سے تذکرہ نہ کرے کیونکہ صرف اسی صورت میں ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔ دیہاتیوں نے شنو کی بات فوراً ہی مان لی تھی۔ کیونکہ وہ خود بھی اس عذاب سے بچنے کا اپنے کے خواہشمند تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ شنو نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔  
 ”باس۔ اس دیہاتی نے ایک ایسے آدمی کا حوالہ دیا ہے، جو ان کی گرفت سے نکل بھاگا ہے کیونکہ ہم اس سے مل لیں۔“

”اوہ۔ یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔“ شنو جلدی سے بولا۔ ”چلو اس بستی میں چلتے ہیں۔“

وہ بستی زیادہ دور نہیں تھی۔ ایک گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ لیکن انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ اس بستی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے پوری بستی گینوں سے خالی کر دی ہو۔

مکان اپنی جگہ پر موجود تھے لیکن ان میں رہنے والے کھالی نہیں دے رہے تھے۔ جیسے اس بستی کے رہنے والے کہیں اور چلے گئے ہوں۔

”یہ کیا سلسلہ ہے باس؟“ شنو کے ایک آدمی نے پوچھا۔  
 ”مجھے خود نہیں معلوم۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ برناؤ پوری بستی کو اٹھا کر لے گیا ہو۔“

”یہ برناؤ کون ہے باس؟“  
 ”وہی گورا جس کے بارے میں اس دیہاتی نے بتایا تھا۔“ شنو نے جواب دیا۔

”کیا تم اسے جانتے ہو باس؟“  
 ”بہت اچھی طرح۔“ شنو نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے۔ ”میرا اس کا بہت پرانا تعلق ہے۔ نہ جانے کتنے جنم کا تو جس ایک دوسرے کے ذمے ہے۔ مجھے اہل ذرہ تو تھا کہ اس زخمی کو اغوا کرنے میں جادو نامی ایک غیر ملکی کا ہاتھ ہے لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اصل کردار برناؤ ہے۔ وہ ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا لیکن اس ویرانے میں اگر اس نے اپنے آپ کو پوری طرح ظاہر کر دیا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ آدمیوں کو کیوں جمع کر رہا ہے۔“

اس کی کیا وجہ ہے؟ وہ کوئی موقوف آدمی نہیں ہے اس نے یوں ہی یہ کھڑا گ نہیں چھلایا ہوگا۔ نقصان کوئی نہ کوئی گہری وجہ ہوگی۔ لیکن اس وقت تو معاملہ یہ ہے کہ یہ پوری بستی کہیں غائب ہو گئی ہے۔“

اس وقت یہ لوگ اس بستی کی ایک ایسی گلی سے گزر رہے تھے جس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اور اس بستی کی دکانیں بھی اس کی حیثیت کے مطابق ہی تھیں۔ گرد سے اٹی ہوئی دکانیں، تنگ گلیاں، کچے کچے مکانات، بس اس کے علاوہ اس بستی میں کچھ نہیں تھا۔

ان لوگوں نے اس بستی کا پورا چکر لگالیا۔ لیکن کوئی بھی نہیں مل سکا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس بستی کے جانور بھی نہیں غائب ہو گئے تھے۔ ورنہ عام طور پر جانور تو دکھائی دے ہی جاتے ہیں۔ چاہے وہ بستی کتنی ہی ویران کیوں نہ ہو گئی ہو۔

”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے“ شنو نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہم یہاں اپنا وقت برباد کر رہے ہیں۔“

”وہ تو ٹھیک ہے باس۔ لیکن اس بستی میں آنے کا فائدہ کیا ہوا؟“ شنو کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

”کوئی بات نہیں۔ ہم اپنی منزل کی طرف تو جا ہی رہے ہیں۔ شنو نے کہا۔ میں نے سوچا تھا کہ اس بستی میں آنے کے بعد اس زخمی تک پہنچنے کے راستے آسان ہو جائیں گے۔ لیکن خیر، اب کیا کیا جائے؟ ہمیں اپنا سفر پھر شروع کر دینا چاہیے۔“

وہ لوگ پھر چل پڑے۔ شنو اس بستی کے خالی ہو جانے پر بے حد حیران تھا۔ لیکن اس نے اپنے ساتھیوں سے اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اس اس معاملے میں کسی ٹوٹ کر کا احساس نہیں ہوا تھا۔ کوئی نہ کوئی ایسی بات تھی جو لے کھٹک رہی تھی۔

کچھ دور کا فاصلہ طے کر لینے کے بعد اس نے اچانک ٹرک کو رگ جانے کا اشارہ دیا اور پھر ڈرائیور واپس کی طرف مڑنے کا حکم دیا۔ ڈرائیور اس بات پر بہت حیران دکھائی دے رہا تھا۔

”اب کیا ہو گیا باس؟“ اس نے پوچھا۔ کوئی بات یاد آئی کیا؟“

”ہاں۔ لیکن اس بار بستی میں تم لوگ نہیں جاؤ گے۔ اور اس ٹرک کو بھی کچھ فاصلے پر کھڑا کیا جائے گا۔ میں اکیلا ہی بستی میں جاؤں گا۔“

اس ڈرائیور نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن شنو کے تئیر دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ٹرک کو شنو کی ہدایت کے مطابق کچھ فاصلے پر روک دیا گیا۔ شنو نے اپنے ساتھیوں کو وہیں رکھنے کی ہدایت کی اور اکیلا ہی بستی کی طرف چل پڑا۔ اس کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ اس بار اس بستی میں ہر طرف چلنے پہلے کے آثار تھے۔ ایسا مسوس ہونا تھا جیسے جادو کے زور سے اس جادوگر نے اس بستی کو دوبارہ آباد کر دیا ہو۔ عورتیں، مرد، بچے سب ہی دکھائی دے رہے تھے۔

شنو کو دیکھ کر بستی کے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے اور اسے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ان ہی لوگوں میں شنو نے اس دیہاتی کو پہچان لیا جس سے اس کی بات ہو چکی تھی۔ اس دیہاتی نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

”تم۔“ دیہاتی نے اس کی طرف انگلی اٹھائی۔ ”تم وہی ہونا؟“

”ہاں میں وہی ہوں۔“ شنو نے اپنی گردن ہلا دی۔ میں کچھ دیر پہلے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا لیکن اس وقت یہ بستی بالکل خالی ہو رہی تھی۔

”اوہ۔ تو وہ تم لوگ تھے۔“ دیہاتی نے کہا۔ ”ہم لوگ یہ سمجھے تھے کہ شاید وہ گورے دوبارہ واپس آگئے۔“  
 ”کون ہے یہ اجنبی؟“ ایک بوڑھے آدمی نے اس دیہاتی سے دریافت کیا۔

”وہ کرم کا۔ یہ وہی آدمی ہیں جن کے بارے میں آپ کو بتایا تھا۔ وہ ٹرک ان ہی کا تھا۔“

وہ کرم کا کانے آگے بڑھ کر بڑی گرموشی کے ساتھ شنو سے ہاتھ ملایا اور ان لوگوں کو اپنی جھونپڑی میں لے آیا۔ شنو نے اس دیہاتی کو اپنے ساتھیوں کو لانے بھیج دیا تھا۔ بوڑھے وکرم کا کاکی جھونپڑی میں اس کے علاوہ وہ دیہاتی بھی تھا جس کا نام محبوب تھا۔ محبوب کے علاوہ اور بھی بستی کے لوگ تھے۔ جن کے سوتے ہوئے چہرے یہ بتا رہے تھے کہ زندگی ان کے لیے بڑے بڑے غناؤں کے ساتھ آئی ہے یا ان لوگوں پر قیامت گزری ہے۔

ان لوگوں نے شنو کو جو کہانیاں سنائیں ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہی باتیں تھیں جو جھومستان کو پہلے ہی سننا چکا تھا۔ وہ سب کے سب اس افتاد سے بہت پریشان تھے۔

”تم لوگوں نے پولیس کو اطلاع دینے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“ شنو نے پوچھا۔

پہلی بات تو یہ ہے سرکار کہ اس پاس کوئی پولیس چوکی بھی تو نہیں ہے جہاں یہ اطلاع دی جاسکے کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پولیس کے کچھ آدمی جیپوں پر گشت کرتے ہوئے یہاں تک آ جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے جو پولیس والے آئے تھے، پہلے ان کو بتا دیا تھا۔ لیکن انہوں نے ہماری بات کا یقین نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ اٹھا ہمارا مذاق اڑانے لگے تھے۔“

”وہ پولیس والے بھی ان گوروں کے سامنے بے بس ہو گئے ہوں گے۔“ شنو مسکراتے ہوئے بولا۔

”آپ ٹھیک کہتے ہیں سرکار،“ محبوب نے کہا۔ ”میں کچھ ایسا ہی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔“

”وہ آدمی کہاں ہے جو ان لوگوں کی قید سے نکل بھاگا ہے۔“ شنو نے پوچھا۔

”اس سے مل کر بھی آپ کو کچھ نہیں معلوم ہو سکے گا سرکار۔“ وکرم کا کانے کہا۔

”وہ کیوں؟“  
 ”اس بے چارے کی حالت ایسی نہیں کہ وہ کسی کو کچھ بتا سکے۔ نہ جانے اس نے کیا دیکھا ہے کہ آنے کے بعد اس کا دماغ ہی الٹ گیا ہے۔ یہی سبکی باتیں کرنے لگ گیا ہے۔ کہتا ہے کہ وہ گورا آدمی، آدمیوں کو جانور بنادیتا ہے۔“

”آپ لوگ اس کی بات سمجھنے کی کوشش تو کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہو کہ وہ گورا آدمیوں سے جانوروں جیسا سلوک کرتا ہے۔“

”نہیں سرکار، اس کا کہنا ہے کہ وہ بچہ بچہ کے جانور بن جاتے ہیں۔ بالکل اصلی۔“

”کیا اس آدمی کو یہاں نہیں بلوایا جاسکتا۔ اگر میں اس سے کچھ پوچھ لوں تو اس میں کیا حرج ہے؟“

”ٹھیک ہے۔ ہم اچھی اسے بلوادیے ہیں۔“ وکرم کا کانے اس جھونپڑی میں بیٹھ ہوئے ایک آدمی کو کہا: ”جاؤ دھنیا کو کپڑا لاؤ۔“

دھنیا کے آنے تک بستی والوں نے وشنو اور اس کے ساتھیوں کے لیے لٹی لاکر دے دی۔ یہ مکین بستی تھی جو گاؤں ہی سے حاصل ہونے والے دودھ کے ذریعے تیار کی گئی تھی۔ وہ لوگ ابھی بستی کی کفارغ ہی ہوئے تھے کہ دھنیا آ گیا۔ وہ ایک جوان آدمی تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بے پناہ وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران ہو رہی تھیں۔ اس کے کپڑے تار تار ہو رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ اپنے ہوش و خواہی سے بے گار نہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ جھوٹری میں آتے ہوئے بہت خوفزدہ معلوم ہو رہا تھا لیکن اس کو ساکت لانے والے کسی نہ کسی طرح اسے جھوٹری میں لے ہی آئے۔

”اؤ بھائی، ہمارے پاس آ جاؤ۔“ وشنو نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

”نہیں نہیں۔ میں نہیں آؤں گا۔“ اس نے جھڑک کر دروازے کی طرف بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن کچھ لوگوں نے اسے پکڑ لیا۔

”مجھے چھوڑ دو۔“ وہ اپنے ہاتھ پاؤں جلائے لگا۔ لیکن وہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے وشنو کے سامنے لے ہی آئے۔ وشنو نے اسے تسلی دے کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ بیٹھ تو گیا لیکن اس کے انداز سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے موقع ملتے ہی اٹھ کر بھاگے گا۔

”گھبراؤ نہیں۔“ وشنو نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”میں تمہارا دشمن نہیں ہوں، دوست ہوں۔“

”نہیں نہیں۔ مجھے جانے دو، تم لوگ کسی کے دوست نہیں ہو سکتے۔“

”ایسا مت کہو۔ میں واقعی تمہارا دوست ہوں۔ ذرا دیکھو میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوں۔ دیکھو تو سہی۔ یہ سب تمہاری بستی کے لوگ ہیں۔ تمہارے اپنے لوگ اور میں ان کے ساتھ ہوں۔ پھر میں تمہارا دشمن کس طرح ہو گیا۔“

”تم۔ تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں۔ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مجھے جانے دو۔“

”خیر۔ تمہیں نہیں لیکن تمہاری بستی والوں کو تو مدد کی ضرورت ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ان لوگوں کو بھی جانور بنا دیا جائے۔“

”ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ لوگ آدمیوں کو جانور بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے میرے دوست کو جانور بنا دیا تھا۔“

”اس لیے تو کہہ رہا ہوں کہ تم ہمارا ساتھ دو۔“

”میں کیا کر سکتا ہوں؟ میں تو بہت جھوٹا آدمی ہوں۔ وہ لوگ مجھے مار والیں گے۔ مجھے جانور بنا دیں گے۔“

”نہیں۔ وہ لوگ تمہارا کچھ نہیں لگاڑ سکتے۔ تم نہیں ہیں وہ جگہ دکھا دو۔ اس کے بعد واپس آ جانا۔“

وہ کچھ الجھا ہوا دکھائی دینے لگا۔ وشنو نے وکرک کا کا کو اشارہ کیا۔ وہ بھی اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر کے سمجھانے کے بعد وہ وشنو اور اس کے ساتھیوں کو راستہ دکھانے کے لیے راضی ہو گیا۔ مگر جو اس کے دل سے خوف ابھی تک دور نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے باوجود وشنو نے اسے اپنی باتوں سے رام کر ہی لیا۔

وہ ٹرک پھر چل پڑا۔ اس بار اس آدمی کو بھی وشنو نے اگلی نشست پر بٹھا لیا تھا۔ وہ ابھی تک کسی خوفزدہ جانور کی طرح جھڑکا ہوا تھا۔ وہ بار بار اپنی گردن جھٹکنے لگتا۔ چاروں طرف متوجہ رہتا تھا۔ دیکھتا پھر گردن جھٹکا کر کچھ بڑبڑانے لگتا۔

”اس نئی حالت تو بہت ہی خراب معلوم ہوتی ہے۔“

”ٹرک ڈرائیور نے وشنو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ بہت دہشت زدہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جیسے اس نے واقعی بہت بھیاںک مناظر دیکھے ہوں۔“

”لیکن یہ انسانوں کو جانور بنا دینے والی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

”میں بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔ لیکن کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔“

”پس ایس۔ آگے مت بڑھنا۔“ وہ آدمی اچانک بول پڑا۔

”ڈرائیور نے ایک جھٹکے سے ٹرک روک لیا۔“

”یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے دوست۔“ وشنو نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ جگہ بھی یہاں سے بہت دور ہے۔ یہاں سے ہم کو بائیں طرف چلنا پڑا۔ وشنو کی ہدایت پر ڈرائیور نے ٹرک کو ایک کچے راستے پر اتار دیا۔ یہ راستہ بل کھاتا ہوا پہاڑیوں کی طرف چلا گیا تھا۔

دو جھٹکے کی مسافت کے بعد وہ لوگ ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں سے کسی ٹرک کا آگے جانا محال نظر آ رہا تھا۔ اس راستے پر بے شمار جنگلی جھاڑیاں اور چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ جنہوں نے آگے بڑھنے کی راہ بند کر دی تھی۔

”اب یہاں سے پیدل چلنا ہو گا۔“ اس آدمی نے بتایا۔ ”ان جھاڑیوں کے ختم ہوتے ہی وہ جگہ ہے جہاں آدمیوں کو جانور بنا دیا جاتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ ہم لوگ یہیں اتر جاتے ہیں۔“

وثنو سب سے پہلے اتر آ۔ اس کے بعد وہ لوگ بھی ٹرک سے نیچے آ گئے تھے۔ یہاں بالکل خاموشی تھی۔ جنگلی اور جھاڑیاں تو خوب ہیں لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ کسی قسم کا کوئی پرندہ بھی یہاں اڑتا ہوا یا منڈلاتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ بالکل غیر ارضی قسم کی خاموشی تھی۔ یہیں یہاں سے واپس جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔“

اس آدمی نے خوف سے کانپتے ہوئے کہا۔

”تم اکیلے واپس نہیں جا سکتے ہو۔“ وثنو نے کہا۔

”بہتر یہی ہے کہ تم ہمارے آدمیوں کے پاس اسی ٹرک پر سوار ہو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ پھر تمہیں واپس نہا رہی بستی میں پہنچا دوں گا۔ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے جلدی سے اپنی گردن ہلا دی۔

”لیکن جلدی واپس آنا۔ مجھے یہاں بہت ڈر لگتا ہے۔“

وثنو نے اپنے ساتھ صرف ڈرائیور کو لیا تھا۔ جس کا نام بلراج تھا۔ وہ وثنو کے اعتماد کے آدمیوں میں سے تھا۔ یہ دونوں باقی لوگوں کو وہیں چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ بھتیجا بھی رکھ لیے تھے۔ وہ جھاڑیاں بظاہر گھنایاں دکھائی دے رہی تھیں، لیکن قریب جا کر اندازہ ہوا کہ وہ کہیں کہیں سے چھڑی بھی تھیں۔ اور ان کے درمیان سے داخل ہوا جا سکتا تھا۔

پہلے وثنو نے ہی ایک جھاڑی کو ہٹا کر دوسری طرف قدم رکھا۔ بلراج بھی اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ دونوں۔ جھاڑیوں کو گزرتے، ہٹاتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ وہ جھاڑیاں کچھ دور تک ہی تھیں۔ جھاڑیوں کے بعد جب وثنو کا سلسلہ شروع ہوا تو ان کی مشکل آسان ہو گئی۔ یہ درخت، بھی گرج رہے تھے کی دیوار بننے کی کوشش کر رہے تھے لیکن ان کے درمیان راستہ موجود تھا۔

”باس۔ یہاں تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ بلراج نے چلتے چلتے پوچھا۔ کہیں اس نے غلط تو نہیں بتایا؟“

”ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ ہو سکتا ہے اس جنگل کے ختم ہونے کے بعد کوئی چیز دکھائی دے جائے۔ دیکھو تم شاید اس بات پر غور نہیں کر رہے کہ یہ ایک بڑا جگہ ہے۔ یہاں اس قسم کے جنگل کا ہونا ناممکن سی بات ہے۔ اس کے باوجود ایک جنگل موجود ہے۔“

”ہاں۔ یہ جنگل انسانی ہاتھوں کی کارستانی ہے۔“ وثنو نے بتایا۔ اس لیے تم اگر غور کرو تو تمہیں ان درختوں کے درمیان ایک ترتیب نظر آئے گی۔“

”تو پھر یہ کام ان گوروں کا تو نہیں ہو سکتا باس، کیونکہ یہ جنگل تو بہت پرانا ہے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو، یہ بہت پرانا جنگل ہے۔ اور ابھی یہ نہیں معلوم کہ کس نے یہ جنگل آگیا ہے۔ بڑا لے آگے چل کر معلوم ہو جائے گا۔“

وہ درختوں کے درمیان سفر کرتے رہے۔ کچھ دور چلنے کے بعد درخت چھوڑے ہو گئے۔ اور پھر وہ دونوں ایک ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا خالی تھا۔ یعنی اس ٹکڑے پر نہ تو کوئی چھڑی تھی اور نہ ہی کوئی درخت۔ اس ٹکڑے کے بعد پھر درختوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

وہ دونوں اس قطع زمین کے وسط میں پہنچے تھے کہ ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔ یہ آواز غیر انسانی تھی۔ اور ان کی پشت سے آئی تھی۔ وہ دونوں بجلی کی سی تیزی سے، لٹکی طرح گھوم گئے۔ ان سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بہت بڑا کچھڑا اپنے دونوں پیروں کے بل پر اپنے بازو پھیلانے کھڑا ہانپ رہا تھا۔

ڈاکٹر کھڈے کی باتوں نے ان لوگوں کو حیران کر دیا تھا۔ اس کمرے میں اب سولے گہری گہری سانسیں کے اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سب کے سب کبھی ایک نظر اس زخمی بڑے لٹکے اور کبھی کھڈے کے چہرے پر جس نے اتنی بڑی کہہ دی تھی۔

کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہاں ان ڈاکٹروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور یہی ڈاکٹر پتھر لے ہوئے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ پتھر ملا پن فتم ہو گیا۔ اور اس کمرے میں

مرحوم شیان اُنھیں نے کہیں۔ اب ان کا دھیان ڈاکٹر کھتہ کی طرف نہیں تھا۔ وہ آپس میں اُٹھنا خیال کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی رشتے دوسرے کو ملے رہا تھا۔ یہ سلسلہ کچھ دینک جاری رہا پھر ڈاکٹر شکر نے کھتہ کو مخاطب کیا۔

میری سیمج میں نہیں آتا ڈاکٹر کھتہ کہ آپ نے ہمیں کیسی کشمکش میں ڈال دیا ہے۔ ہم نے اپنے پروفیشن کے دوران کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہمیں ایک دن کسی کو بچانے کے بجائے مارنا پڑے گا۔

”یہ موت بھی زندگی ہی کی ایک قسم ہوگی۔“ ڈاکٹر کھتہ نے کہا۔ میں نے ساری صورتحال آپ لوگوں کے سامنے واضح کر دی ہے۔ اب آپ کی مرضی ہے کہ میری بات مانیں یا نہ مانیں لیکن اتنا ضرور جان لیں کہ یہ مرضی چلیے زندہ رہے یا نہ رہے ہمیں ہر حال میں ختم کروایا جائے گا۔ انہوں نے ہمیں اس لیے یہاں نہیں رکھا ہے کہ ہم ان کے لیے ثبوت بن کر پوری دنیا میں دھندلے پڑیں۔

”آپ کہتے تو ٹھیک ہی ہیں لیکن کیا یہ ہمارے۔“

پروفیشن کے خلاف نہیں ہوگا۔ میں خود بھی اس بات کو محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن یہ کہیں دوسروں سے مختلف ہے۔ آپ لوگ ساری باتوں کو چھوڑ کر صرف یہی دیکھ لیں کہ اگر یہ شخص زندہ بھی رہا تو اس کی کیا شناخت ہوگی۔ آپ نے اس کا چہرہ دیکھا ہے۔ گناہ بھانک ہو چکا ہے۔ میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ اچھے سے اچھا پلاسٹک مرچن بھی اس آدمی کے

چہرے کو تندرست نہیں کر سکتا۔ اس کا پرانا بن واپس نہیں لو ا سکتا۔ اس کا سن چہرہ کبھی اپنی اصلی حالت میں واپس نہیں آ سکتا۔ اگر اس کے رشتے دار اور دوست وغیرہ ہوئے بھی تو اسے کوئی نہیں پہچانے گا۔ اس کی آواز بدل چکی ہوگی۔ یہ جھڑے گزرنے کا لوگ اس سے خوف کھائیں گے۔ اس کی طرف کوئی دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں کیا ہم ایسے زندگی دے کر اس کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے؟

ڈاکٹر پھر خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر کھتہ کی ان باتوں کا ان میں سے کسی کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ”ٹھیک ہے ڈاکٹر کھتہ۔“ کچھ دیر بعد ڈاکٹر اطہر نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے ہمیں قائل

کر دیا ہے۔ واقعی ایسے شخص کے لیے مرجانا ہی بہتر ہے۔“

”یہی مناسب ہے گا۔“ ڈاکٹر کھتہ دھیرے سے بولا۔ حالانکہ میرا دل دور رہا ہے لیکن اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“

ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی۔ اس گہری خاموشی کے دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ اور کچھ لوگ اندر آ گئے۔ یہ سب بنا ڈکے آدمی تھے۔ ان آدمیوں نے اپنے ہاتھوں میں بڑے بڑے پیٹک اٹھا رکھے تھے آپ لوگوں کا منگوایا ہوا سامان اور دو اٹلی گئی ہیں۔ سب سے آگے اس شخص نے ڈاکٹروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”آنتی جلدی؟“ ڈاکٹر کھتہ نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

”یہ کس طرح ہو گیا؟“

”ہمارے پاس کے ہاتھ بہت لیے ہیں۔ وہ فزیر انداز میں بولا۔ خیر، اب تم لوگ اپنا کام شروع کر دو۔ برنا ڈکے آدمیوں نے اس کمرے کو اپنے ساتھ لائے ہوئے سامان سے بھر دیا وہ دواؤں اور قیمتی آلات سے لے کر تولیہ اور واش مین تک اٹھا لائے تھے ڈاکٹر کھتہ اور دوسرے ڈاکٹر حیرت سے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”یہ لوگ تو بہت حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک نے ڈاکٹر کھتہ کے قریب آ کر دھیرے سے کہا۔

”ہاں۔ حیرت انگیز اور خطرناک۔ نہ جانے یہ سارا سامان کہاں سے اٹھا لائے ہیں۔“

”اب کیا ارادے ہیں ڈاکٹر کھتہ؟“ ڈاکٹر اطہر نے پوچھا۔

”وہی جو پہلے کہ چکا ہوں۔“

ڈاکٹر اطہر ابھی کچھ بولنے ہی والا تھا کہ برنا ڈکے ایک آدمی نے کمرے میں آتے ہوئے ڈاکٹر کھتہ سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب آپ میرے ساتھ چلیں۔ آپ کو پاس نے بلایا ہے۔“

”کس لیے؟“

”یہ تو میں نہیں بتا سکتا لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ جب پاس بلایا کرے تو پھر سوال نہیں کرتے؟ اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر کھتہ نے ایک نظر اپنے ساتھیوں کی طرف

دیکھا اور اس آدمی کے ساتھ ہولیا جو اسے بلانے آیا تھا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا جس کے چہرے پر خراشیں بکری ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھیں اس طرح ترشا تھیں جیسے ان میں خون اُترا یا ہے۔ وہ آدمی کھتہ کو اپنے ساتھ ایک ایسے کمرے میں لے آیا جہاں سولے دو مدور سیوں کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”کہاں ہے تمہارا پاس؟“ کھتہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس شخص نے جواب دینے کے بجائے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔

”میں پوچھتا ہوں تمہارا پاس کہاں ہے؟“ کھتہ نے دوبارہ کہا۔ ”تم مجھے اس کے پاس لے چلو۔“

”تم اس سے بھی مل لو گے۔“ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ دوڑ گئی۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس سے ملنا ہوگا۔

کھتہ کچھ کہنے کے بجائے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس شخص کی حرکتیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ ”دیکھو ڈاکٹر۔“ اس شخص نے کھتہ کو مخاطب کیا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور نہ ہی تمہارے پاس وقت ہوگا۔ اس لیے مجھے جو کچھ کہنا ہے۔ وہ جلدی اور صاف صاف کہہ دینا چاہتا ہوں۔“

”بولتے رہو۔ میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔“ وہی نہیں اپنی جان پر فیصل کر سکا لیکن لایا ہوں۔ اس نے کہا۔ اگر پاس کو یہ معلوم ہو گیا کہ میں اس کا حوالہ دے کر تمہیں دھوکے سے بلالایا ہوں تو تم اندازہ کر سکتے ہو کہ میرا کیا حشر ہوگا۔“

”اوہ۔“ تو تم نے مجھے دھوکے سے بلایا ہے۔ آخر کیوں؟“

”وہی میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے آدمیوں میں واپس جاؤ۔ میرا مطلب ہے کہ اس کمرے میں جاؤ جہاں وہ زخمی موجود ہے اور اپنے دوسرے ساتھی ڈاکٹروں سے کہو کہ تم نے اس زخمی کو ہلاک کرنے کا ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔“

”کیا۔؟“ کھتہ بولکھلا کر اُٹھ گیا۔ ”تم۔“

”ہاں۔ میں نے تمہاری باتیں سن لی ہیں اور یہیں تمہاری بھلائی کے لیے کہہ رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس ویرانے میں تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔“

215

اور تمہارے گھر والے تمہاری راہ دیکھتے رہ جائیں۔“

”کیا میں تمہاری اس مہربانی کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟“

”تمہیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا لیکن ابھی اس کا موقع نہیں ہے۔ ابھی وہی کرو جو میں کہہ رہا ہوں اور یقین رکھو۔ میں تمہارا دشمن نہیں بلکہ دوست ہوں۔ ساری باتیں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ ابھی تو فوراً اس کمرے میں جا کر مریض کے علاج کا اعلان کر دو۔ جاؤ۔ جلدی کرو۔“

کرنل راجندر!

ڈاکٹر ہمیش کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ نام اس کے ذہن میں ٹکرا کر پورے کمرے میں کسی ابا بیل کی طرح اڑتا پھیر رہا ہو۔ اس کے ذہن میں ایک گونج سی ہو رہی تھی۔ کرنل راجندر، اس نے پرویز ملک کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

”کیا کہہ رہے ہو آفیسر؟“ ڈاکٹر ہمیش کچھ دیر بعد پرویز ملک سے مخاطب ہوا۔

”میں یہ بات کسی اور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔“ پرویز ملک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ لیکن تم مجھے دوسروں سے مختلف معلوم ہوئے ہو۔ اسی لیے میں نے بتا دیا ہے۔ اس کے علاوہ شاید مجھے یہ امید بھی ہے کہ تم اس کہیں کو حل کرنے میں میرا ساتھ دو گے۔“

”میں تو ہر طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن تمہارے ذہن میں یہ نام کس طرح آیا؟“

”گناہ گار اپنے رویے سے اپنی خطاؤں کا خود ہی اعلان کر دیتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ نہ جانے والوں کو اس کا اندازہ نہ ہو سکے لیکن میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں۔“

کیونکہ میری زندگی ہی مجھوں کے درمیان گزری ہے۔ میں دلوں میں چھپی ہوئی چوریاں کھولتا کرتا ہوں۔ کرنل راجندر کا رویہ ایسا تھا کہ جس نے مجھے شک میں مبتلا کر دیا۔ میں نے یہ سوال تقریباً ہر ایک سے کیا لیکن کسی نے بھی اتنے منفی انداز سے پھر کر میرے اس خیال کی ترویج نہیں کی، سولے تمہارے کرنل راجندر کے۔ وہ تو یہ سمجھنے ہی کو تیار نہیں ہے کہ اس کے درمیان کوئی ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو اس مریض کے حالات کسی اور کو جا کر بتاتا رہے۔ اس کے اسی انداز نے

216

مجھے اس کی طرف سے مشکوک کر دیا ہے۔

لیکن اس سے کرنل کا کیا فائدہ ہوگا؟

”یہی بات تو میری سمجھ میں نہیں آرہی۔ لیکن اس کا بھی پتا چل ہی جائے گا۔ ابھی میں اس کے خلاف کچھ کرنے یا کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں کیونکہ سپر پاس کوئی ثبوت بھی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ میرے مقابلے میں بہت با اختیار آدمی ہے۔ وہ میرے لیے مسائل بھی کھڑے کر سکتا ہے اس لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ اس معاملے میں تم میرا ساتھ دو۔“

”ٹھیک ہے، بتاؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”سب سے پہلے تو تم مجھے اس سادھو کے پاس لے چلو۔ جس نے تمہیں داؤد تک پہنچانے کے لیے کہا تھا۔ وہ بھی اس کہانی کا اہم کردار معلوم ہوا ہے۔“

”اچھی اور اسی وقت۔“

سادھو تک جانے کے لیے پرویز ملک نے اپنی جیب استعمال کی تھی۔ اس جیب میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ راتے میں وہ دونوں اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے تھے۔ لیکن وہ کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پائے تھے۔

”اگر وہ واقعی سادھو ہے تو پھر یقیناً بتا دے گا۔“

پرویز ملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اب تم دیکھتے رہنا کہ ہم پولیس والے کیسے کیسے پتھرے اختیار کرتے ہیں؟“

”میں اندازے کی آگیا نہیں دین گے مہاراج؟“

پرویز ملک نے بڑے احترام سے پوچھا۔ ”آپ نے انہیں تو پہچان ہی لیا ہوگا۔“ اس نے ہمیشہ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ڈاکٹر ہمیشہ ہیں جو ایک بار پہلے بھی آپ کے پاس آچکے ہیں۔“

”ہاں ہاں کیوں نہیں۔“ راگ نے بڑے رمان کے ساتھ اپنی گردن ہلا دی۔ ”آجائو۔“

وہ دونوں اس فلیٹ میں داخل ہو گئے جو قیمتی اور جدید قسم کے فرنیچر سے سجا ہوا تھا۔

”ہاں بتاؤ، میں تم دونوں کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“

اس نے پوچھا۔

”مہاراج۔ میں اس داور سے ملنا ہے جس کا آپ نے حوالہ دیا تھا۔“

”داور سے۔“ سادھو راگ نے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

”کون داور؟“

”آپ کو شاید یاد نہیں رہا مہاراج کہ آپ نے ڈاکٹر ہمیشہ سے مذکورہ کیا تھا کہ اس رزمی کے بارے میں داؤد سب کچھ جانتا ہے۔“

”مجھے یاد نہیں کہ میں نے ایسی کوئی بات کی ہو۔“

”دیکھیں مہاراج، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“

پرویز ملک نے بتایا۔ ”آپ بڑے آدمی ہیں۔ جیگوان آپ سے راضی رہتا ہے۔ آپ چاہیں تو چل بیرون سب کچھ بدل جائے۔ آپ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو ہم لوگوں کو دکھائی نہیں دیتا۔“

میرادل کہہ رہا ہے کہ آپ کم بہت کچھ معلوم ہے لیکن کسی معلومت کی بنا پر آپ اس وقت خاموش ہیں یا غافل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم بڑی امیدوں کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں۔ بس ایک خواہش ہے کہ آپ ہمارا ساتھ دے دیں۔ اگر آپ نے ساتھ دیا تو ٹھیک، اگر کار کیا تو بایں ہو کر واپس چلے جائیں گے۔ بس اس کے علاوہ مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا۔“

سادھو راگ کے چہرے پر کشمکش کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ اپنے ہونٹوں کو امانتوں میں دبا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔

”آپ کیا سوچنے لگے مہاراج؟“ اس بار ہمیشہ نے اسے مخاطب کیا۔

”کچھ نہیں۔“ سادھو نے اپنی گردن ہلائی۔ ”میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ تم لوگوں سے کیا کہوں؟“

یہ بتاؤ کہ اس وقت میں تم لوگوں کی کیا سیوا کروں۔

”میں چائے پلوؤں یا کچھ اور؟“

”رہتے دیں مہاراج۔“ ہمیشہ جلدی سے بول پڑا۔

”نہیں۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تم لوگ بھوکے ہیں۔“

”مہاراج نے کچھ لے کر آتا ہوں۔ سادھو صوفے سے اٹھ کر ایک طرف چلا گیا۔“

”پتا نہیں، یہ بتائے گا یا نہیں۔“ ہمیشہ جلدی سے بول پڑا۔

”اگر اس نے کچھ بتا بھی دیا تو ہدایت ملنے کے بعد ہی بتائے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ یہ کچھ لانے کے بدلے کسی کو ہمارے بارے میں بتانے کے لیے گیا ہے، اگر تم تماشاً دیکھنا چاہتے ہو تو آؤ میرے ساتھ۔“

پرویز ملک صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ اسی کمرے کی طرف چل پڑا جس کمرے کی طرف اس سادھو کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈاکٹر ہمیشہ بھی اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ اسے پرویز ملک کی ذہانت پر پورا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اگر پرویز ملک نے کوئی ٹوڑ بڑی محسوس کر لی ہے تو یقیناً کوئی نہ کوئی بات ہوگی۔

وہ لوگ جو کمرے میں داخل ہوئے، اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا البتہ اس کے بعد والے کمرے سے کسی کے دھیرے دھیرے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

اس کمرے کا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا لیکن اسے بھڑک دیا گیا تھا۔ پرویز ملک نے اس کمرے کے دروازے سے اپنے کان لگا دیے۔ وہ کچھ دیر تک اندر سے ابھرنے والی آوازیں سن رہا تھا۔ پھر یکدم اس نے اس کمرے کے دروازے کو دھکا دے دیا۔

دروازہ کھلتے ہی سادھو راگ پر نظر پڑی جو ایک الماری کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ پرویز ملک کو دیکھتے ہی اس نے بوکھلا کر اپنی جیب کی طرف ہاتھ بڑھا دیا اور ٹھیک اسی وقت پرویز ملک نے اس پر جھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھ گتھ ہو کر فرش پر گر پڑے۔

سادھو بہت سخت جان معلوم ہوا تھا۔ اس نے پرویز ملک کو گڑگڑا کر رکھ دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرف پرویز ملک کو بے بس کر کے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ

نکال لے۔ لیکن اسی دوران پرویز ملک کو اس کے چہرے پر ہاتھ جانے کا موقع مل گیا۔ اس نے پوری قوت سے سادھو کے چہرے پر اپنی پتھیلی جا کر اسے پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔ سادھو کا توازن بگڑ گیا۔ وہ ایک پہلو کی طرف لڑکھا ہی تھا کہ پرویز اچھل کر کھڑا ہوا اور اس نے سادھو کی پشت پر ایک ٹھوکر رسید کر دی۔ اس ٹھوکر نے سادھو کی سانسیں روک دیں۔ اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر آگئی تھیں۔ پرویز ملک نے دوسری ٹھوکر اس کے پہلو میں جمادی۔ اس ٹھوکر نے سادھو کو نیم بے ہوش کر دیا۔

پرویز نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سیٹول نکال لیا۔ پھر ہمیشہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”تم نے دیکھ لیا کہ میرا اندازہ کتنا صحیح نکلا؟“

”ہاں۔ مان گئے دوست۔“ ہمیشہ اس کے قریب آگیا۔ ”لیکن یہ کیا کر رہا تھا؟“

”سیٹھی سی بات ہے۔ اس نے اپنے ٹرانسمیٹر سیٹ پر کسی کو اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔“ پرویز ملک نے بتایا۔

”ڈاکٹر ہمیشہ لپک کر اس الماری کے پاس آیا۔ پرویز ملک کی بات کی تصدیق ہو گئی۔ اس الماری میں واقعی ایک ٹرانسمیٹر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ٹرکر پرویز کی طرف دیکھا۔ پرویز ملک نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور خود الماری کے پاس آکر اس نے ٹرانسمیٹر سیٹ کا ایک سوئچ بند کر دیا۔“

”ہو سکتا تھا کہ ہماری آوازیں دوسری طرف سن گئی ہوں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہم یہاں سے نکل چلیں؟“

”اور اس کا کیا ہوگا؟“ ہمیشہ نے فرش پر پڑے سادھو کی طرف اشارہ کیا۔

”ظاہر ہے کہ یہ بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔“ پرویز ملک نے کہا۔ ”خود سے نہیں تو زبردستی ہی سہی۔“

”آنا کہہ کر اس نے اپنے ہولسٹر سے اپنا مرسو ریلو نکال لیا اور اس کا کارٹر راگی کی طرف کر دیا۔“

”وکیو سادھو مہاراج۔“ میرے ہاتھ میں اس وقت ریو لو رہے اور میں تہی گولی مارنے والا ہوں۔“

راگی نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ وہ بے حد دہشت زدہ تھا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئی تھیں۔

”چلو اب شرافت سے کھڑے ہو جاؤ اور ہمارے ساتھ چلو۔“ پرویز نے کہا۔ ”اگر تم نے جالاک لکھا تو میں بے دھڑک گولی مار دوں گا۔ اور مجھے کوئی نہیں روک سکے گا۔“

”نہیں۔ نہیں ایسا مت کرنا۔“ سادھوراک پر ڈرا کر کھڑا ہو گیا۔ ”مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ وہ مجھے جان سے مار دے گا۔“

”جان سے تو میں بھی مار دوں گا۔“ پرویز نے کہا۔ ”اب یہ سوچ لو کہ اس وقت مرنا ہے یا بعد میں۔“

”سادھوراک کے چہرے پر تناؤ کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ”ٹھیک ہے“ وہ اپنی گردن جھکے ہوئے بولا۔ ”میں چل رہا ہوں تمہارے ساتھ لیکن میری موت کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہوگی۔“

”فکر نہ کرو۔ تم سے پہلے بھی بہت سے لوگوں کی موت کی ذمہ داری میری گردن پر آ چکی ہے۔“

سادھوراک نے پھر کچھ نہیں کہا۔ پرویز ملک نے اپنا ریلوور والپس رکھ لیا۔ وہ لوگ رائے کی فلیٹ کی عمارت سے باہر آ گئے۔ سادھوراک اب بالکل خاموش تھا جیسے اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو یا اسے اپنے انجام کی پروا نہیں رہی ہو۔

مہیش کی گاڑی سلسلے ہی ٹھہری ہوئی تھی مہیش نے آگے بڑھ کر ان دونوں کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور خود رائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے من میں بہت سستی محسوس کر رہا تھا۔ یہ تجربہ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔ وہ پرویز ملک کی ذہانت کا اور بھی قائل ہو گیا۔ یہ پولیس افسر لمحہ بے لمحہ اپنی ذہانت کا ثبوت دیتا جا رہا تھا۔ اس نے سادھوراک کے دوسرے کمرے میں جلتے ہی یہ بتا دیا تھا کہ وہ کسی سے رابطہ قائم کرنے جا رہا ہے۔ اور یہی بات ہوئی تھی۔

”کس طرف چلنا ہے؟“ مہیش نے پچھے مڑ کر پرویز ملک کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”پولیس اسٹیشن کی طرف؟“

”ایسا مت کرو۔ مجھے آبادی سے باہر مت لے جاؤ۔“ میں نہیں جاؤں گا تمہارے ساتھ۔“

”خاموش۔“ پرویز ملک زور سے دہرایا۔ ”ورنہ اسی گاڑی میں جان سے مار ڈالوں گا۔ مہیش، تم گاڑی چلاؤ۔ پرویز ملک کے بچے نے خود اکثر مہیش کو بھی لڑا دیا۔ وہ ایک بدن ہوئے تندخو اور خطرناک انسان کا لہجہ تھا۔ ڈاکٹر مہیش نے محسوس کیا کہ خود اس کے ہاتھ پاؤں بھی کانپنے لگے ہیں۔ اس نے پیچھے دیکھے بغیر ایک جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”وہ تندخو قوی ہیکل ریچھ اپنے دونوں بازو پھیلا کر ان کے سامنے کسی دیوار کی طرح کھڑا ہو گیا تھا۔ جلدی سے کسی درخت کی طرف دوڑ لگا دو“ وشنو نے بلراج کی طرف دیکھ کر کہا۔

بلراج نے اس کی ہدایت سے پہلے ہی قریبی درخت کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن قریب ترین درخت بھی اچھے خاصے فاصلے پر تھا۔ وہ ریچھ بھی وحشیانہ انداز سے غزرتا ہوا ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ چاروں ہاتھ پیروں کے بل چلنے لگا۔ پھر خوفناک ہوا کھڑا ہو جاتا لیکن وشنو نے اور بلراج نے اپنی رفتار آخری تیز رکھی تھی کہ ہر لمحے ان کے اور ریچھ کے درمیان فاصلہ بڑھتا جا رہا تھا۔

درخت کے قریب پہنچ کر وشنو ٹوک گیا۔ اس نے اپنا پستول جیب سے نکال لیا تھا۔ ریچھ گہری گہری سانسیں لیتا ہوا دوڑا چلا آ رہا تھا۔ چہرہ پر ریچھ اچانک اس طرح ٹوک گیا جیسے پستول کو کچھ اس پر خوف مسلط ہو گیا ہو۔ وشنو نے پستول والا ہاتھ اوپر اٹھایا اور اسی وقت وہ ریچھ اپنے دونوں بازو بلند کر کے ٹھہرا تھا۔ وشنو کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

”یہ کیا ہوا باس؟“ بلراج نے حیرت سے پوچھا۔ بے وقوف انسان، یہ ریچھ نہیں ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”کیا۔ پھر۔ پھر یہ کون ہے؟“

”یہ ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ وشنو نے پستول والے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے زور سے کہا۔ ”اے۔ اے۔ اے۔ اپنی کھال! ورنہ میں تمہاری کھال میں گولیاں آنا دوں گا۔“ ریچھ دونوں بازو بلند کیے ہوئے کھڑا رہا۔ وشنو

نے اچانک گولی چلا دی۔ یہ گولی ریچھ کے پیروں کے قریب سے بہت سی مٹی اڑا لیتی تھی۔ ریچھ نے جھٹک کر بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن وشنو کی دوسری گولی نے اس کا راستہ روک لیا۔

”مہیش نہیں۔ مجھے مت مارنا۔“ ریچھ اچانک شور کرنے لگا۔ ”اپنی کھال اتار کر پھینکو ورنہ۔“

ریچھ نے کچھ دیر کی جدوجہد کے بعد اپنے جسم سے کھال علیحدہ کر دی۔ یہ کھال بڑی ہدایت کے ساتھ اس کے جسم کے گرد مڑھی گئی تھی۔ کھال اتار دینے کے بعد جردمی برآمد ہوا وہ ایک توی ہیکل لیکن معمولی شکل و صورت کا ایسا انسان تھا جس کے چہرے پر خوف اور بے چارگی نے گہری چھاپ لگا دی تھی۔

”ہاں۔ اب بتاؤ، کیا نام ہے تمہارا؟“ وشنو نے پوچھا۔ ”میرا نام تلسی ہے مبارج۔“ اس نے جلدی سے جواب دیا۔ ”لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں۔ مجھے نہیں مارنا، میں تو ایک معمولی آدمی ہوں۔“

”ریچھ کی کھال پہن کر کھوم رہے ہو اور کہتے ہو کہ معمولی آدمی ہوں۔“

”یہ کھال تو زبردستی پہنائی گئی ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”میں ان کی بات نہیں سن رہا تھا۔ لیکن انہوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی۔ بہت ظلم کیے، بہت بری طرح مجھے مارا۔ میں ان کے آگے بے بس ہو گیا تھا۔“

”مکن لوگوں کی بات کر رہے ہو؟“

”وہی جو مجھے اٹھا کر لائے تھے۔“ اس نے بتایا۔ ”اس جنگل میں تمہارے علاوہ اور کتنے ریچھ ہیں؟“

”ہوتا ہے۔ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ انہوں نے تمہیں ریچھ کی کھال کیوں پہنا رکھی ہے؟“

”وثنو اس آدمی کو ایک درخت کے پاس لے کر بیٹھ گیا۔ اس نے بلراج کو کمرانی کرنے اور چوسک رہنے کی ہدایت کر دی۔

”کیا بتاؤں مبارج؟“ تلسی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ”ہم غریب لوگوں کے ساتھ یہ سب ہوتا ہی رہتا ہے۔ ہم مزدوری کا بول کر لایا گیا تھا اور یہاں آکر ہم پھنس گئے۔ ان لوگوں نے عجیب عجیب حال بچا رکھے ہیں۔ ان کا آڈا اس جنگل سے بھی بہت دور ہے۔ آپ اس جنگل سے نکل بھی جائیں تب بھی دور دور تک ان کا آڈا آپ کو دکھائی نہیں دے گا۔ جنگل تو ان کے لیے چوکی کا کام کرتا ہے۔ یہاں سے وہ کمرانی کروا کر لے لے رہے ہیں۔ اس طرح کی چوکیاں انہوں نے چاروں طرف بنا رکھی ہیں۔“

”تمہاری زبان اور تمہارا لہجہ تو بہت صاف تلسی۔“

”ہاں مبارج۔ میں بالخصوص بہت دنوں تک شہر میں بھی رہا ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”اے گاؤں والپس لوٹا۔ سوچا تھا کہ سکون کے ساتھ زندگی گزار دے گا۔ اس آفت میں پھنس گیا۔“

”بہتر ہے کہ تم ذرا تفصیل بتاؤ، یہ سب کیا ہے؟“

”میں نے یہاں رہ کر بہت سی باتیں معلوم کر لی ہیں۔ اس نے کہا۔ ”لیکن میں ان باتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ یہاں سے نکل ہی نہیں سکتا ہوں۔“

”کیوں؟“ اس وقت تو کوئی تمہاری نگراں نہیں کر رہا ہے۔ تم جا چو تو یہاں سے جاسکتے ہو۔“



دکھا گیا ہے۔“

”اول تو مہاراج یہ ایسا ویران اور غیر آباد علاقہ ہے کہ اس طرف کوئی آیا نہیں کرتا۔ اگر کوئی ابھی جائے تو ہم لوگ ریچھ بن کر اس کے سلتے آجاتے ہیں اور وہ بے چارہ درگرجھاگ لیتا ہے۔“

”اب سمجھا۔“ وشنو نے گروں ہلائی۔ ”تو تم لوگوں کو جانور بنانے کا یہ مقصد ہے۔“

”نہیں مہاراج۔“ وہ بولا۔ ”اس کے علاوہ ایک اور کام بھی لیا جاتا ہے۔“

”وہ کیا؟“

”اسمگلنگ۔“ اس نے جواب دیا۔

”کیا۔“ اسمگلنگ؟“

”ہاں مہاراج۔ یہ سارا کچھ اسی لیے نوجھلایا گیا ہے۔“

وہ بولا۔ ”یہ سب اسمگلنگ کا ہی معاملہ ہے۔“

”کس چیز کی اسمگلنگ کی جاتی ہے؟“

”ہیروئن کی۔“

”کیا کہہ رہے ہو؟“

”پتھر رہا ہوں مہاراج۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو مزدوری کے لیے یہاں لایا گیا تھا۔ ہم بہت خوشی خوشی آئے تھے۔ ہم نے سوچا تھا کہ کام مل گیا ہے۔ کچھ دن سکون سے گزر جائیں گے۔ ہم لوگوں کو نوکروں پر لاد کر لایا گیا تھا۔ ہم بہت خوشی خوشی آئے تھے مگر سارا دن چلتا رہا حالانکہ فاصلہ اتنا بھی نہیں تھا۔ لیکن یہ لوگ نہ جانے کہاں کہاں سے گھس کر لائے تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ ہمیں یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ آپ یہ علاقہ دیکھ رہے ہیں۔ یہ نہ جانے کتنے میل تک اسی طرح ویران اور غیر آباد ہے۔“

دور دور تک کوئی آبادی نہیں۔ پہاڑیاں بھی اداس اور ویران ہیں۔ ان پہاڑیوں کا یہ سلسلہ بھی بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان ہی پہاڑیوں کے درمیان میں ایک وادی ہے۔ یہاں لوگوں کی خوش قسمتیت ہے کہ انہیں ایک ایسی وادی مل گئی ہے جو ان کے لیے ایک محفوظ قلعے کا کام کرتی ہے۔ جن کے چاروں طرف چٹانوں کی اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ جن کو پا کر کے کوئی بھی وادی میں نہیں آسکتا۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے چاروں طرف پرہے بھرا رکھے ہیں اور آنے والا بہت دور

سے دکھائی دے جاتا ہے۔“

مجھے اس تفصیل کی ضرورت نہیں تھی۔ وشنو نے کہا۔ ”تم کام کی باتیں بتاؤ۔“

میں جب تک یہ سب نہیں بتاؤں گا، آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ خود اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنی حفاظت کے لیے کیسے کیسے انتظامات کر رکھے ہیں:

اس کے علاوہ۔“

اس کا جلد آدھوارہ گیا۔ ٹھیک اسی وقت گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ اور ایک بھلا بک جیج کے ساتھ تلسی ایک طرف گر کر ترپٹے نکلا۔ وشنو فوراً ہی زمین پر لیٹ گیا تھا۔

جب براج اور وشنو دونوں ہی گولی کی آواز سن کر لیٹ

پر لیٹ گئے۔

تلسی غفلت میں مارا گیا تھا۔ صرف ایک بار اس کی جھنجھٹائی دی اس کے بعد سناٹا خالی ہو گیا۔ ان دونوں کو یہ امید تھی کہ اس گولی کے بعد دوسری گولیاں بھی چلیں گی لیکن کچھ نہیں ہوا۔ وہاں سبلے کی طرح سناٹا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے گولی چلائے والے نے ذمے کسے نہی ایک کام ہو کر تلسی کو گولی مار کر وہاں سے چلے گئے۔ تو اس نے تلسی کو گولی مار دی تھی اور اب ہر طرف خاموشی تھی۔

وہ دونوں بہت دیر تک زمین سے چپکے ہوئے لیٹے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ کھڑے ہوئے۔ ان سے کچھ فاصلے پر تلسی کی لاش بڑی ہوئی تھی۔ پیچھے سے چلائی جانے والی گولی اس کی پشت کو توڑتی ہوئی اس کے سر کی طرف نکل آئی تھی اس بے چارے نے مرنے میں زرا دیر نہیں لگائی تھی۔

یہ بے چارہ لڑائی جانی سے گیا باس؛ جیراج نے تلسی کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں؛ وشنو نے ایک گہری سانس لی۔ اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ گولی چلائے والے کو صرف تلسی سے ہی دشمنی تھی۔ وہ یہیں نہیں مارنا چاہتا تھا۔“

”یہ تم کس طرح کہہ سکتے ہو باس؟“

”سیدھی بات ہے۔ اگر وہیں بھی مارنا ہوتا تو اب تک گولیاں چل رہی ہوتیں۔“

”لیکن یہ بے چارہ تو ایک سیدھا سادہ زوردار آدمی تھا کسی کو اس طرح سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔“

”نجانے کتنا ایسے بھید ہیں جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتے۔“ وشنو نے کہا۔ ”بہر حال اب ہمیں واپس چلنا چاہیے بہت سی باتیں تو معلوم ہوئی تھیں۔ اب ہم کوئی باقاعدہ منصوبہ بن کر آگے بڑھیں گے۔“

وہ لوگ تلسی کی لاش کو دیکھ کر واپس آگئے۔ واپسی کے سفر میں بھی کوئی ایسا سماع نہیں مل سکا تھا۔ جو تیس ہر لڑائی چلانے والے کی نشان دہی کر سکتا۔ ان کا ٹرک اپنی جگہ موجود تھا اور ٹرک میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی واپسی کا انتظار ہی کر رہے تھے۔ ان دونوں کو واپس آتے دیکھ کر وہ سب ان دونوں کے گرد جمع ہو گئے۔

”ہم لوگ تو بہت پریشان ہو رہے تھے باس، ان میں سے ایک نے وشنو سے کہا۔ ہم نے گولی چلنے کی آواز سنی تھی۔“

لوگ یہ ٹرک لے کر واپس چلے جاؤ۔ میں اور بران واپس جا رہے ہیں۔ اور باں اس آدھی کو بھی اپنے ساتھ لیتے جانا اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ وشنو نے اپنے ساتھ کئے والے دیہاتی کی طرف اشارہ کر دیا۔

”نہیں۔“ نہیں ایسا نہ کریں۔ دیہاتی جلدی سے بول پڑا۔ میرے گاؤں والے یہ لڑاؤ نظر کر رہے ہوں گے۔“

”بے وقوف مت بنو۔“ وشنو نے اسے جھڑک دیا۔ ہم تمہاری بھلائی کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ تم ہم لوگوں کو یہاں تک لے کر آئے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ تم ان کی نگاہوں میں آگئے ہو گے۔ اسی لیے بہتر ہے کہ تم کچھ دنوں تک ہمارے ساتھ رہو۔ جو جب حالات درست ہوں گے تو تم ہمیں واپس بھیج دیں گے۔ تمہیں قیدی بنا کر نہیں بلکہ ساتھ ہی بنا کر لے جایا جا رہا ہے۔“

دیہاتی اپنے ہونٹوں پر زبان بھر کر کہہ گیا۔ اس کی ہمت جھٹکی ہوئی تھی کہ وہ وشنو سے کچھ اور کہہ سکتا۔ وشنو نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ ان دونوں کے لیے ہتھیار اور گولے بارودا کر دے دیں۔ اس کے آدمیوں نے فوری طور پر اس کے حکم کی تعمیل کی تھی۔ وشنو اور براج نے زبردستی ان دونوں کے علاوہ بہت سے گاؤں کے آدمی بھیجنے اور تینوں میں مٹکوس لیے تھے۔ کھانے پینے کی بہت سی چیزیں بھی زیادہ راہ کے طور پر ان کے ساتھ لے گئے۔ کچھ آدمیوں نے ان کے ساتھ چلنے کی درخواست کی تھی۔ لیکن وشنو نے سختی کے ساتھ انہیں منع کر دیا۔

”تمہیں میرے ساتھ رہنے کے فیصلے پر کوئی دھک تو نہیں ہونا چاہیے۔ تم اگر چاہو تو ابھی واپس جاسکتے ہو۔“

”تم کہا کہہ رہے ہو باس؟“ براج جلدی سے بول پڑا۔ ایسا سوچنا بھی میرے لیے پاب ہے۔ تمہارا ساتھ تو ہمیں آخری ساتھیوں تک دیتا رہا ہوں گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ تو براج آؤ چلتے ہیں۔“

وہ دونوں جھانڈوں کی باؤں پر مار کر دوبارہ اس میدان میں آگئے۔ جہاں درخت ایک خاص ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے سفر کے بعد وہ دونوں اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں تلسی کی لاش چھوڑ گئے تھے۔ لیکن وہ لاش اب غائب ہو چکی تھی۔ وہ دونوں لاش کو غائب دیکھ کر ٹھٹھک کر رہ گئے۔

”یہ کیا ہوا باس؟“ براج نے ہریشان ہو کر پوچھا۔ لاش کہاں چلی گئی؟“

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت ہم دونوں یہاں آگئے تھے۔“ وشنو نے اطمینان سے کہا۔ ”بلکہ ہم اسے اس پاس کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو کسی مجسٹ کی بنا پر ہمارے سامنے نہیں آتا چاہتے۔“

121

”وہ لوگ ہمارے دوست ہیں دشمن؟“  
 ”دوست ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، دشمنو نے کہا، لیکن دشمن بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انہوں نے ابھی تک ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے۔“  
 بلراج خاموش ہو گیا۔ دشمنوں نے جاروں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پاس کوئی ایسی جگہ ہی نہیں تھی جہاں کسی کے جھینے کا اندیشہ ہو سکتا۔ درخت، بھی کچھ فاصلے پر تھے۔ البتہ جہاں پہلے تلخی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہاں کچھ قدموں کے نشانات دکھائی دے رہے تھے۔ جو اس بات کو ظاہر کر رہے تھے کہ تلخی کی لاش باقاعدہ اٹھا کر لے چکی ہے۔ لیکن وہ نشانات بھی زیادہ دور تک نہیں تھے کچھ فاصلے کے بعد زمین ناموار اور سخت ہو گئی تھی اور ایسی زمین ہر قدموں کے نشانات نہیں پر سکتے تھے۔  
 ”ہمیں رکنا نہیں چاہیے، دشمنوں نے کہا، ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ ہم یہاں گھیرے جائیں۔“  
 بلراج نے کچھ نہیں کہا۔ ان دونوں نے اپنا سفر پھر شروع کر دیا۔ وہ درختوں کے دوسرے جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جس کا فاصلہ وہاں سے اچھا خاصہ تھا کچھ دور چلنے کے بعد قدموں کے نشانات پھر دکھائی دینے لگے۔ یہ نشانات درختوں کے جھنڈ کی طرف چلے گئے تھے۔  
 ”اب ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے بلراج“ دشمنو نے کہا۔ ”وہ لوگ درختوں کے جھنڈ میں موجود ہیں۔“  
 بلراج نے کچھ کہا یا تھا تھا کہ اسی وقت غصا گویوں کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ یہ گویاں ان دونوں کے اس پاس سے گزر رہی تھیں۔ ان کے قریب زمین میں وحش کر گر داڑا رہی تھیں۔ وہ دونوں اچھل اچھل کر کسی ایک طرف کبھی دوسری طرف جانے لگے تھے۔ بالآخر گویوں کی جب یہ مرمت ختم ہوئی تو سامنے والے درختوں کے جھنڈ سے کچھ آدنی لکل کر ان کے سامنے آ گئے۔ ان لوگوں نے بند فٹیں اٹھا رکھی تھیں جن کے رخ ان ہی کی طرف تھے۔  
 ”تم لوگ اپنے ہاتھ اٹھا کر آگے آ جاؤ۔“ ان میں سے ایک آدنی نے آواز لگائی۔  
 بلراج نے سوالیہ لگا ہوں سے دشمنو کی طرف دیکھا۔ دشمنو نے اشارہ کیا اور وہ دونوں اپنے اپنے ہاتھ اٹھا کر دھیرے دھیرے آگے بڑھ گئے۔ جھنڈ سے نکلے دونوں کی تعداد چھ تھی۔ ان سبوں نے شہری لوگوں کے لباس پہن

رکھے تھے۔ اور ان میں سے ہر ایک بوری طرح جو کتا تھا وہ دونوں ان آدمیوں سے کچھ فاصلے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔  
 ”کون ہو تم دونوں؟“ ان میں سے ایک نے دشمنو کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یہی سوال تم سے بھی کیا جا سکتا ہے۔“ دشمنو نے اطمینان سے جواب دیا۔  
 ”زیادہ بہادر اور ہوشیار بننے کی کوشش مت کرو۔ ان میں سے ایک آدنی غزایا۔  
 ”تم خاموش رہو رنہ میرے ایک دائمی والے نے ادھیڑ شخص کو لوٹ کر دیا۔“ مجھے بات کر لینے دو۔“  
 وہ شخص اپنے ہونٹ صبح کر ایک طرف ہٹ گیا۔ درانی والے نے دشمنو کی طرف دیکھا۔  
 ”ہاں بتاؤ کون ہو تم دونوں؟ اس علاقے میں کیا کرتے آئے تھے؟“  
 ”اگر نہیں سچ بتا دوں تو کیا تم میری بات پر یقین کر لو گے؟“ دشمنو نے پوچھا۔  
 ”یہ تو تمہاری بات پر منحصر ہو گا۔“ دائمی والے نے کہا۔  
 ”لیکن یاد رکھو کہ جھوٹ بولنے اور دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا۔“ بات صرف اتنی ہے کہ ہم لوگ مسافر ہیں۔ دشمنو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”شاید تمہیں یقین نہیں آئے گا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ ایک ٹرک پر گزر رہے تھے کہ جہازوں کے اس طرف میرے ایک ساتھی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ وہ علاقہ ایسا ہے کہ یہاں دور تک کوئی انسان دکھائی نہیں دیتا۔ ہم نے ٹرک روکا۔ میں اور میرا یہ ساتھی کسی بھی کی تلاش میں جہازوں کے سلسلے کو عبور کر کے اس طرف آ گئے۔ ابھی ہم مختصر ہی دور چلے تھے کہ ایک دیکھ ہمارے سامنے آ گیا۔ ہم نے اسے دیکھ کر دوڑا کر دی گئی۔ وہ ہمارے تعاقب میں لگا رہا۔ بالآخر ہم نے اپنی جان بچانے کے لیے جب اس پر اختیار اٹھانے کو پتا چلا کہ وہ رینگہ نہیں بلکہ ایک انسان ہے۔ وہ اپنی کھال انکر ہمارے پاس آ گیا۔ ابھی ہم اس بات ہی کر رہے تھے کہ کسی طرف سے ایک گولی چلی اور وہ ہلاک ہو گیا۔ ہم اس کی لاش چھوڑ کر اپنے ٹرک کی طرف واپس چلے گئے۔ پھر ہم نے سوچ کر ہم نے ایک دیر لے میں ایک انسان کی لاش چھوڑ کر غلطی کی ہے۔ کم از کم اس بے چارے کا گریہ کر تو ہونا ہی چاہیے۔ یہ سوچ کر ہم واپس آئے تو وہ لاش غائب ہو گئی تھی۔ ہم

اسے نشانات دیکھ کر آگے بڑھنے لگے کہ تم لوگ ہمارے سامنے آ گئے ہو۔ بس یہ ہے ساری کہانی۔“  
 ”یہ سب کچھ تم نے بھی دیکھا تھا؟“ دائمی والے نے کہا۔ ”وہ آدنی تم سے کیا کہہ رہا تھا؟“  
 ”وہ کچھ عجیب سی کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک مزدور ہے۔ اور اس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ رینگہ کی کھال پہن کر اس علاقے میں گشت کرتا ہے۔ کچھ لوگ اس کے عوض اسے باقاعدہ معاوضہ ادا کرتے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہو سکتی تھی کہ کسی نے اسے گولی مار دی۔“  
 ”کیا اس نے یہ نہیں بتایا تھا کہ کون لوگ اس سے یہ کام لے رہے ہیں؟“  
 ”نہیں۔ اسے زیادہ کچھ بتانے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔“  
 ”لیکن تم لوگ کون ہو جو اتنے خطرے کے باوجود وہاں یہاں آ گئے۔“ ہمیں تو واپس لوٹ جانا چاہیے تھا۔“  
 ”تمہاری بات درست ہے۔ لیکن میں نے اپنی زندگی ایسے ہی کاموں میں گزار دی ہے۔“ دشمنو نے کہا۔ ”اسی لیے مجھے خوف تو نہیں محسوس ہوا لیکن حیرت ضرور ہوئی تھی۔ جس طرح اب تمہیں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔“  
 ”بہت خوب۔“ دائمی والے نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”آدنی جیلے معلوم ہوتے ہو۔ اور اگر تم سچے ہو تو پھر تمہارے کام بھی آ سکتے ہو۔“  
 ”جھوٹ بولنے کا مرض بزدلوں کو ہوا کرتا ہے۔“ دشمنو خشک لہجے میں بولا۔ ”کیا تم ہمارے چہرے پر خوف دیکھ رہے ہو یا نہیں؟ اس لیے میں نے تو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔“  
 ”دائمی والے نے مسی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سبوں کے درمیان اس کی حیثیت تیار دکھائی دے رہی تھی۔ پھر وہ لوگ چند قدم پیچھے ہٹ گئے جہاں انہوں نے اس میں بائیں شروع کر دیں۔ لیکن اس دوران بھی وہ ان دونوں کی طرف سے غافل نہیں رہے۔ کچھ دیر کی بحث کے بعد دائمی والے نے بلتاواز میں دشمنو کو مخاطب کیا۔  
 ”ٹھیک ہے۔ تمہیں اس وقت ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔ ہم بعد میں تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔“  
 ”دشمنو شائے اچکا کر رہ گیا۔ اس نے افساروں کے ذریعے

بلراج کو یہ سمجھا دیا تھا کہ اس وقت ان لوگوں کی بات مان لی جائے۔  
 ”اب تم دونوں ہمارے آگے آگے چلنا شروع کر دو۔“ دائمی والے نے کہا۔  
 ”یہ بتاؤ کہ ہم کب تک اس طرح ہاتھ اٹھائے رکھیں گے؟“ دشمنو نے کہا۔  
 ”کیا تم دونوں کے پاس ہتھیار ہیں؟“ دائمی والے نے دریافت کیا۔  
 ”کیوں نہیں ہمارے پاس ہمارے ریلوے موجود ہیں۔“  
 ”تو اپنے ہتھیار ہمارے حوالے کر کے تم دونوں اپنے ہاتھ گر سکتے ہو۔“  
 ”ایسا مت کرنا پاس۔ بلراج جلدی سے بول پڑا۔ اس طرح تو ہم لوگ بے بس ہو جائیں گے۔“  
 اس وقت ہم اور کچھ نہیں کر سکتے بلراج۔ دشمنو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کے علاوہ یہ لوگ اپنے وعدے کے پکے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ چلو اپنا ریلوے چیک کر دو۔“  
 ان دونوں نے اپنے ریلوے ایک طرف پھدیک دیے جنہیں فوراً ہی اٹھائیں گئے۔ اس کارروائی کے بعد ان کا سفر شروع ہو گیا۔ پہلے تو کچھ دیر تک یہ لوگ سامنے چلتے رہے۔ پھر دائمی والے کے اشارے پر رینگہ تبدیل کر دیا گیا۔ اب وہ لوگ شمال کی طرف جا رہے تھے۔ یہ راستہ بھی خفے درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا۔ لیکن یہاں ایک ایسا راستہ بھی بنا ہوا تھا۔ جو بے ظاہر کر رہا تھا کہ اس راستے سے لوگوں کی آمد و رفت ہوتی تھی ہے۔  
 وہ سب ان دونوں کی طرف سے بہت جو کتا تھے جیسے انہیں بے خدشہ ہو کر کہیں وہ دونوں حملہ نہ کر سکیں۔ دشمنو نے اپنے ہونٹ بیچھ کر رکھے تھے۔ اور دائمی والے کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چلا جا رہا تھا جبکہ بلراج اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دشمنو کو اندازہ تھا کہ اس وقت بلراج کس کیفیت میں ہو گا۔ اس کی خواہش ہو گی کہ دشمنو کی طرح اسے اشارہ کرے اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر ان لوگوں پر لوٹ پڑے۔ وہ اس مزاح کا انسان تھا۔ انتہائی تیز رفتاری سے عمل کرنے والا۔ لیکن دشمنو نے کچھ سوچ کر ہی خود کو اور اسے قابو میں رکھا تھا۔ وہ ان لوگوں کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے رویے کچھ عجیب

ستھ وشنو کے خیال میں یہ وہ لوگ نہیں تھے جو انسان کو جانوروں کی کھالیں پہنا کر نگارانی پر معذور کر دیا کرتے۔ بلکہ یہ کوئی اور تھے۔ اور وشنو کو یہی معلوم کرنا تھا کہ یہ کون ہیں ان کا سفر بہت دیر تک جاری رہا۔ یہ سفر درختوں اور جھلاؤں کے درمیان طے ہوتا رہا تھا۔ پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو ایک پہاڑی دکھائی دی۔ یہ پہاڑی اس طرح سامنے آگئی تھی جیسے کسی جادوگر نے جادو کے زور سے تخلیق کر دی ہو۔

”آخر تم ہمیں کہاں لیے جا رہے ہو؟“ وشنو نے چلتے چلتے دلاچی والے سے پوچھا۔

”اپنے مالک کے پاس“ دلاچی والے نے جواب دیا ”بس اس سے زیادہ اور کچھ مت پوچھنا“

”چلو اپنا نام بتا دو۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے نا۔؟“

دلاچی والا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا۔ ”میرا نام بھنڈاری ہے سب لوگ مجھے بھنڈاری بابا کہتے ہیں“

”اور میں وشنو ہوں“ وشنو نے بتایا۔ ”اور میرے سامنے کا نام بلراج ہے“

بھنڈاری سر ہلکا کر رہ گیا۔ وشنو کو اس بات پر حیرت تھی کہ وہ لوگ اسی پہاڑی کی طرف چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے پہاڑی کو ایک دیواری طرح راستے میں حائل دیکھ کر بھی راستہ بدلنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پہاڑی کے دامن میں ان کے بعد ان لوگوں نے بائیں طرف ہلکا ڈنڈی پر چلنا شروع کر دیا۔ یہ پوری ایک ڈنڈی جھانڈوں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک جگہ پہنچ کر یہ قافلہ اس طرح رک گیا جیسے جھانڈوں کے درمیان سے کوئی راہ نمودار ہوئے والی ہو۔ اور یہ ہوا بھی۔ ان میں سے ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جھانڈوں کو ایک طرف ہٹا دیا۔ اس کے دیرپا اچھا خاصا راستہ تھا۔

”چلو آگے بڑھو یہ بھنڈاری نے وشنو کو مٹھا دیا۔ وشنو نے دھڑک بھڑک کر طرف دیکھا پھر جھانڈوں کے درمیان نمودار ہوئے والے غلام میں انزگیا۔ بھنڈاری بلراج اور دوسرے لوگ اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

وہ گاڑی تیز رفتاری سے سفر کرتی ہوئی ویرانے میں آگئی۔ پھر بزم ملک اس دوران بالکل خاموش رہا تھا جبکہ

سادھو راگی کبھی کبھی اس طرح گہری سانس لینے لگتا جیسے کل کا دم گھٹنے لگا ہو۔ لیکن اس دوران اس نے کبھی سوائے سانس لینے کے اور کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ شاید اس میں اتنی ہمت ہی نہیں رہی تھی کہ پرویز ملک سے کسی قسم کا احتجاج کر سکتا۔

”آخر ہمیں جانا کہاں ہے؟“ ڈاکٹر میٹش نے کچھ دیر بعد ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

”بس سیدھے چلے چلو یہ پرویز ملک نے ہدایت کی۔ کچھ دیر چل کر برگد کے ایک بڑے درخت سے دائیں طرف ایک راستہ اترتا چلا جاتا ہے۔ اس راستے پر گاڑی اتر دینا۔ اس کے بعد ہمیں پھر بتا دوں گا“

”یاد کرو مجھ پر یہ سادھو راگی اچانک بول پڑا۔ میں بے تصور ہوں“

”خاموش رہو یہ پرویز ملک عزایا“ ورنہ یہیں پر گاڑی گھونٹ دوں گا“

سادھو راگی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس کے منہ سے اب دھیرے دھیرے ایسی آواز سنائی دینی لگی تھی جیسے پانی میں بلند رہنا ہو۔ پرویز ملک کے گھسنے کے مطابق آگے چل کر برگد کے ایک عظیم الشان درخت کے برابر سے ایک راستہ بائیں طرف کو اترتا چلا گیا تھا۔ ڈاکٹر میٹش نے اسی راستے پر گاڑی اتر دی۔ یہ راستہ گاڑیوں کی آمد و رفت کیلئے شاید زیادہ استعمال نہیں ہوتا تھا۔ اسی لیے گاڑی کو مستقل جھکے لگ رہے تھے۔

”اب ایک جھونپڑی دکھائی دے گی“ پرویز ملک نے کہا۔ وہیں گاڑی روک دینا“

وہ جھونپڑی کیا تھی اچھا خاصا کیمین تھا جو نچلے کن لوگوں نے اس دیر لانے میں تعبیر کر رکھا تھا۔ اس کیمین کا دروازہ بند تھا اور اس کے دروازے پر ایک موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ ڈاکٹر میٹش نے پرویز کے اشارے پر گاڑی اسی کیمین کے سامنے لا کر روک دی۔ سب سے پہلے پرویز ملک ہی اترے۔ اس نے سادھو کو بھینچ کر گاڑی سے اٹھا لیا تھا جس کی حالت اب خیر ہو گئی تھی۔ وہ پورے بدن سے اس طرح کانپ رہا تھا جیسے جلد چھو گیا ہو۔ ہمیشہ کچھ گاڑی سے اتر گیا۔ خود وہ بھی پرویز ملک کے اس روپ سے بے حد پریشان سا ہو رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ ایک پولیس آفیسر کو ایسے غضب میں دیکھا تھا۔

پرویز ملک نے سادھو راگی کو وہ کھادیا۔ وہ لاگڑا

ہوا جھونپڑی کے دروازے پر ڈھیر ہو گیا۔ اس دوران پرویز ملک نے اپنی جیب سے چابی نکال کر دروازہ کھول لیا۔ پھر اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ سادھو راگی کو اٹھا کر کیمین کے اندر دھکیل دیا گیا۔ اور خود بھی کیمین کے اندر آ گیا۔ ڈاکٹر میٹش بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہ ایک بڑا سا کیمین تھا جس میں صرف ایک کھڑکی تھی۔ لیکن اس کھڑکی کو بھی تختوں کی مدد سے بند کر دیا گیا تھا۔ پرویز ملک نے اپنی جیب سے لاٹکڑ نکال کر کیمین میں رکھا ہوا ایک پٹن دکھائی دیا۔ اس پٹن کی روشنی میں اس کیمین کے خدوخال واضح ہو گئے تھے۔

وہاں فخر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ البتہ ایک طرف دلواری کے ساتھ کھاس پھوس کا لمبر بچھا ہوا تھا۔ اندر آنے کے بعد پرویز ملک نے دروازہ بند کر لیا۔ اور سادھو کو دم کا دے کر لمبر پر پھینک دیا۔ وہ سادھو کے معاملے میں بہت درشت دکھائی دے رہا تھا۔

”چلو اب بتانا شروع کرو جہانراج“ اس نے سادھو سے کہا۔ ”اگر غلط بیانی سے کام لیا تو اس جھونپڑی میں تمہاری قبر بنادوں گا۔ میں اس ویرانے میں تمہیں ماری لے لایا ہوں کہ تمہاری چیخ دیکار باہر نہ جاسکے۔ چلو اب شروع ہو جاؤ“

”سب کچھ تمہیں یہ بتانا ہو گا کہ تم کس کے لیے کام کر رہے ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے؟“

”مقصد میں نہیں جانتا۔ راگی نے کہا۔

”چلو تو بتا دو کس کے لیے کام کر رہے ہو اور کیا نام ہے تمہارا۔؟“

”انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ہسپتال ولے زنی کو کسی طرح ہلاک کر دوں“ سادھو نے بتایا۔

”کس نے کہا تھا اور یہ بھی بتاؤ کہ سادھو بننے سے پہلے تم کیا کرتے رہے ہو؟“

”میں سادھو ہی ہوں“ سادھو راگی نے بتایا۔ لیکن ”لیکن کیا کیا تم ایسے سادھو ہو جس نے دنیا کے لیے اپنا دھرم تلک دیا ہو؟“

”میں کیا کروں؟ وہ بڑبڑایا۔ مجھ سے یہ نہیں دجھا جاتا تھا کہ میں تو سادھو بنانے کی کھڑو جا پاٹ کر بنا ہوں اور دوسرے لوگ عیش کرتے رہیں۔ اسی لیے میں نے مندر میں رہنے کے باوجود اپنے ہاتھ پاؤں جھیلانے شروع کر دیے۔ بہت کچھ چور چور شروع کر دیا۔ جس کا پتا ان لوگوں کو چل گیا

اور وہ ہماری پاس آ گئے“

”وہ لوگ کون تھے؟“

”وہ تین آدمی تھے“ سادھو نے بتایا۔ ”میںوں، بی بہت خطرناک معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام راجن تھا جو ان سب میں زیادہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ زنجیں پہننا میں ایک بہت بری طرح زخمی شخص کے علاج کے لیے لایا گیا ہے اور میرا کام یہ ہو گا کہ میں کسی طرح ڈاکٹروں کو اس کے علاج سے روک دوں۔ اور کوشش کروں کہ اسے کسی طرح ہلاک کر دیا جائے۔ اس کام کے لیے انہوں نے مجھے پچاس ہزار کی پینشنس کی تھی“

”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی“ پرویز نے کہا۔ ”انہوں نے اس کام کے لیے تمہارا انتخاب کیوں کیا؟ وہ خود بھی تو یہ کام کر سکتے تھے؟“

”میں نے کبھی ان سے یہ سوال کیا تھا“ سادھو نے بتایا ”اس کا انہوں نے بہت مناسب جواب دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میں ایک سادھو ہوں۔ اسی لیے ہلاک لوگ ہمیں بھی آجا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ اس ہسپتال کے بہت سے ڈاکٹر اور نرسیں مجھ پر بہت اعتماد رکھتے ہیں اسی لیے میں ان ڈاکٹروں سے فریب ہو کر یہ کام آسانی سے کروا سکتا ہوں جبکہ باہر کے آدمیوں کو اس میں بہت دشواریاں پیش آتی گی۔“ ”کیا تمہارا اس ہسپتال میں آنا جانا جتا ہے؟“ پرویز نے پوچھا۔

”ہاں میں کئی بار وہاں گیا ہوں“

”لیکن میں نے تو نہیں کبھی نہیں دیکھا“ ہمیشہ یوں

عمران ڈایجسٹ کی مقبول کہانی

# عہدِ مہملاتی

آپ کی کتاب کی شکل میں مکتبی سے چمکتے

مکتبہ عمران ڈائنٹ جی، ۲۰ اردو بازار کراچی

یہ ایک اتفاق ہو سکتا ہے، "سادھو نے کہا۔  
 "خیر، تو تم نے اس معاملے میں کیا کیا؟"  
 میں نے مختلف ڈاکٹروں سے ملاقاتیں شروع کر دیں۔ ان سے یہ کہنا نہ کہ وہ اس زخمی کا علاج نہ کر سکیں۔  
 مصلحتاً ان سے ناراض ہوا جو اس کا کیویڈک لیسر کی یہ مرضی نہیں ہے کہ اس کا علاج کیا جائے اس کا مرجانا، یہ بہتر ہے۔  
 "میری باتیں تم نے مجھ سے بھی کی تھیں، ہمیشہ جلدی سے بولا۔

"ہاں، سادھو نے اپنی گردن ہلا دی۔ یہ باتیں میں نے ہر کسی سے کہیں۔ جو اس زخمی کا علاج کر رہا تھا یا اس کے آس پاس موجود تھا۔"  
 "کیا ان لوگوں نے یہ نہیں بتا کر وہ اس زخمی کو کیوں مارنا چاہتے تھے؟"

"نہیں۔ انہوں نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ میں نے بھی نہیں بلوچھا۔ کیویڈک مجھے تو اپنے معاوضے سے مطلب تھا جو انہوں نے آدھا اسی وقت ادا کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں جب اسٹالوک پڑھنے کے لیے اس مریض کے کمرے میں جاؤں تو اس وقت اس کے بدن میں ایک سوئی چھوڑ دوں۔ وہ زہریلی سوئی انہوں نے مجھے دے دی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ ٹینک دس منٹ کے بعد اس مریض کا دھماکا ہو جائے گا۔ اور کسی کو مجھ پر رشک بھی نہیں ہوگا۔  
 "ادھ خدا! پرویز نے ایک گہری سانس لی، کتنی مشکل سازش تھی ان کم بختوں کی، واقعی ایک سادھو ہر کون ملک کر سکتا تھا۔ اچھا تو پھر کیا ہوا؟ کیا تم اسٹالوک پڑھنے کے لیے اس کے کمرے میں نہیں گئے تھے؟"

"بس ایک بار موقع مل گیا تھا۔ سادھو نے یہی کرتے ہوئے جواب دیا۔ اس وقت بھی اتفاق ہے۔ یہ ڈاکٹر موجود نہیں تھا۔" یہ اشارہ اس نے ڈاکٹر ہمیش کی طرف کیا تھا۔  
 لیکن سوئی چھوڑنے کا موقع نہیں مل سکا۔ میں نے سوئی نکال کر اپنے ہاتھ میں رکھ لی تھی۔ لیکن اسی وقت ایک نرس کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور میں اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا۔  
 ورنہ اب تک اس زخمی کا کمرہ گرم ہو چکا ہوتا۔

"نہیں لیا ڈاکٹر ہمیش تم نے؟" پرویز ملک نے ہمیش کی طرف دیکھا۔ "آج کل یہ سادھو لوگ بھی کتنے خطرناک ہو گئے ہیں۔"

"ہاں دیکھ لیا ڈاکٹر ہمیش نے کہا۔ مجھے اپنے کالوں پر یقین نہیں کہ اسے لیکن یہ اس بارح ہے جس کو جیٹا لیا بھی نہیں جاسکتا۔"  
 "کیا کوئی ڈاکٹر تمہارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہوا تھا؟ پرویز ملک نے بلوچھا۔  
 "ہاں، سادھو نے اپنی گردن ہلا دی۔ ایک ڈاکٹر اسی وقت تیار ہو گیا تھا۔  
 "کون ہے وہ؟"

"کرنل راجندر، سادھو نے دھیرے سے جواب دیا۔  
 "مجھے پہلے ہی اس پر رشک تھا۔ پرویز بڑبڑایا۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ وہ اتنا بااختیار آدمی ہے کہ اس پر ہاتھ نہیں ڈالا جاسکتا۔ خیر، اس سے کسی اور اعزاز سے منظم کی کوشش کروں گا۔ میں نے اپنے ارادے ہمیشہ پہلے کی طرح رکھے ہیں۔ پولیس میں آیا ہی اس لیے ہوں کہ جرائم نویس حد تک کم کیا جائے کہ دکھاؤں، چاہے کتنی ہی رکاوٹیں راستہ میں کیوں نہ آئیں۔ اب یہ کرنل راجندر ہے۔ یہ سادھو ہے۔ وہ لوگ بھی جنہوں نے اسے اس کام کے لیے اکسا یا تھا، میرے لیے ایک چیلنج کی صورت اختیار کر گئے ہیں اور مجھے ہر حال میں اس چیلنج کا مقابلہ کرنا ہے۔"

"تم نے مجھ سے یہ کیوں کہا تھا کہ تم مجھے داد دینی کی ایسے آدمی سے ملو گے جو اس زخمی کے بارے میں سب کچھ جانتا ہے؟"  
 "بس، یوں، ایک بات میرے منہ سے نکل گئی تھی۔"  
 سادھو جلدی سے بولا۔

"جھوٹ، مت، لولو، پرویز غرا یا۔ تم جیسا آدمی بس یوں ہی کوئی بات نہیں بول سکتا۔ بتاؤ تم نے کیوں کہا تھا یہ نام تمہارے ذہن میں کس طرح آیا؟"

"ایک بلدان، ہی لوگوں نے اس بات کا اشارہ کیا تھا کہ شاید وہ زخمی داور ہے۔" سادھو نے کہا۔ میرے لیے اس نام کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ کیویڈک میں نہیں جانتا تھا داور کون ہے، اور ابھی بھی کچھ نہیں جانتا ہوں۔ بس یہاں میرے ذہن میں تھا، اور میں نے ڈاکٹر ہمیش کی دوسری بڑھانے کے لیے اس نام کا حوالہ دے دیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میری بات کا یقین کر لو۔  
 "مجھے تمہاری بات کا یقین ہے سادھو ہمارا زخم، پرویز

ملک مسکرا دیا۔ کیویڈک اس وقت تم میں اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ جھوٹ بول سکو۔  
 "دیکھو میں نے تمہیں سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب مجھے جانے دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ..."

"ابھی تو تم نے ایک بات بتائی ہی نہیں، پرویز ملک نے اس کی بات کاٹ دی۔ تم نے یہ بتایا ہی نہیں کہ وہ ٹریڈر نہیں کس نے دیا۔"

"ان ہی لوگوں نے دیا تھا۔" سادھو جلدی سے بولا۔  
 "انہوں نے اس کے استعمال کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ ہاں یوں کہ میں جب ایک بار اپنی کوشش میں ناکام رہا تو انہوں نے مجھے ٹرانسپیر دے دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ جب بھی کوئی نئی بات سامنے آئے میں اس ٹرانسپیر کے ذریعے ان سے رابطہ کر سکتا ہوں۔ پھر ہوا یہ کہ اس زخمی کو ہسپتال سے اغوا کر لیا گیا۔"

"کیا اسے ان ہی لوگوں نے اغوا نہیں کیا ہے؟ ہمیش نے بلوچھا۔

"نہیں۔ وہ کوئی اور لوگ ہیں۔ کیویڈک اس کے اغوا سے راجن اور اس کے دوسرے ساتھی بھی بہت پریشان ہو گئے تھے۔ وہ بھی بہت بری طرح دکھلائے ہوئے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس زخمی کو کون اغوا کر کے لے گیا۔" کرنل راجندر کا کمرہ دہرایا تھا۔  
 "کچھ نہیں۔ وہ اپنی جگہ مطمئن تھا۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمارا جات تو ہے کہ کام ہو گیا۔ اب وہ چاہے کسی کے ذریعے بھی ہو۔ اسے اس بات سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ زخمی کو اغوا کرنے والے کون ہیں۔ اسے بس اس بات کی خوشی ہے کہ اس کے سر سے ایک بوجھ اتر گیا۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو کہ کرنل اس زخمی کا دس کیوں ہو گیا تھا؟ پرویز نے ڈاکٹر ہمیش سے دریافت کیا۔  
 "نہیں۔ اس بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں بھی اس کے سرور دے دوں کہ کرنل ہو کر رہا تھا۔ پہلے پہل تو اس نے زخمی کے علاج میں بہت دلچسپی لی۔ بہت سرگرم رہا تھا۔ بہت ہی پرجوش نظر آ رہا تھا۔ پھر دھیرے دھیرے اس کا رویہ تبدیل ہوتا چلا گیا۔ اور اب اندازہ ہو گیا کہ اس کی وجہ یہ سادھو ہمارا جات تھے جنہوں نے اپنی باتوں سے اس کے ذہن کو آلودہ کر دیا تھا۔"

"دیکھو اب تو مجھے چھوڑ دو۔" سادھو نے پھر کہا۔ "میں نے کوئی بات نہیں چھپائی، سب کچھ بتا دیا ہے۔"  
 "اس کے باوجود تمہیں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پرویز ملک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ دیکھو ہمارا میری فطرت ایسی ہے کہ میں ہر مذہب کے رہنماؤں کا احترام کیا کرتا ہوں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید اسے چھوڑ بھی دیتا۔ لیکن تم ایک سادھو ہو۔ مجھے کو تو تم نے دنیا تک دی ہے۔ لوگوں کو دھوکے دینے کے لیے تم نے اپنے نفس کو ہلاک کر رکھا ہے۔ لیکن اس کے برعکس تم کسی کتنے کی طرح دم ہلاتے ہوئے پھر رہے ہو۔ بڑی کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ ایک عام آدمی کے اندر اگر خرابی پیدا ہو جائے تو یہ معاملہ صرف اس کی ذات تک رہتا ہے۔ لیکن تم جیسے سادھو ہمارا اگر خراب ہو جائیں تو پورا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تمہیں چھوڑا نہیں جاسکتا۔  
 "نہیں نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" سادھو اچانک کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کی بات نہیں چھپائی، سب کچھ بتا دیا ہے۔"  
 "اس کے باوجود تمہیں نہیں چھوڑا جاسکتا۔ پرویز ملک اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ دیکھو ہمارا میری فطرت ایسی ہے کہ میں ہر مذہب کے رہنماؤں کا احترام کیا کرتا ہوں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی عام آدمی ہوتا تو شاید اسے چھوڑ بھی دیتا۔ لیکن تم ایک سادھو ہو۔ مجھے کو تو تم نے دنیا تک دی ہے۔ لوگوں کو دھوکے دینے کے لیے تم نے اپنے نفس کو ہلاک کر رکھا ہے۔ لیکن اس کے برعکس تم کسی کتنے کی طرح دم ہلاتے ہوئے پھر رہے ہو۔ بڑی کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ ایک عام آدمی کے اندر اگر خرابی پیدا ہو جائے تو یہ معاملہ صرف اس کی ذات تک رہتا ہے۔ لیکن تم جیسے سادھو ہمارا اگر خراب ہو جائیں تو پورا معاشرہ خراب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تمہیں چھوڑا نہیں جاسکتا۔  
 "نہیں نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔" سادھو اچانک کھڑا ہو گیا۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"فی الحال تو ابھی فکر کرو۔ پرویز ملک نے ڈاکٹر ہمیش کی طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر تم ذرا باہر چلے جاؤ۔ میرا خیال ہے کہ تم یہ منظر نہیں دیکھ سکو گے۔"

ڈاکٹر ہمیش نے پرویز ملک سے کچھ بچھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے تیور دیکھ کر وہ باہر آ گیا۔ ابھی اسے باہر آئے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ کوئی چلنے کی آواز سنانی دی اور ایک دردناک چیخ فضا کا جک جک چہرہ کی ہوئی دور تک تیر گئی۔ یہ آواز یقیناً سادھو را کی تھی۔ ڈاکٹر ہمیش اپنی جگہ پتھر کی طرح جم کر رہ گیا۔ اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ پرویز ملک اس حد تک بھی جاسکتا ہے۔

پرویز ملک بھی باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ جیسے یہ سب اس کے لیے معمولی بات ہو۔

"چلو آؤ، پرویز ملک نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا پھر ہٹتے ہوئے بولا۔ ارے تم تو ٹھنڈے ہوئے جا رہے ہو۔ کیوں؟"

"بس یوں ہی، ہمیش اپنے ہونٹوں پر زبان بھیڑ کر رہ گیا۔ "کیا کیا تم نے؟"

"بس اب سادھو را کی کو بھول جاؤ۔" پرویز ملک نے اس کے شانے پر ہتھکی دی۔ "اس کی کہانی ختم ہو چکی ہے۔" لیکن میرا مطلب ہے کہ اس طرح۔ تم تو خود بولیں

کے آفیسر ہو۔ نہیں۔۔۔“

”میں سمجھ گیا کہ کیا چاہتے ہو۔ تم یہی کہو گے نا کہ اس طرح کچھ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے تھا کیوں! لیکن میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس طرح میں نے قانون کو تو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے لیکن دوسری طرف میں نے انصاف کے تقاضے بھی پورے کر دیے ہیں اس شخص کا یہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ بس اب مجھ دست چلو چھٹا۔ بھول جاؤ اس کو!“

وہ دونوں گاڑی کے پاس آ گئے۔ ہمیشہ نے ڈائریکٹ سبب پر بیٹھنا چاہا لیکن پرویز نے اسے منع کر دیا اس نے خود ڈائریکٹ سبب لی تھی۔ جبکہ ہمیشہ اس کے برابر والی سبب پر بیٹھنا تھا۔ اب پرویز نے اپنے آپ کو کسی حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس کے چہرے کی وحشت اب کم ہوئی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

”آخر اس زخمی میں ایسی کون سی بات ہے جس کے لیے سب پاگل ہو رہے ہیں؟“ ڈاکٹر ہمیشہ نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”یہ اپنی نوعیت کا انوکھا کیس ہے۔ پرویز ملک نے کہا۔ کمال! یہ ہے کہ ابھی تک ہم اس کی شخصیت کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون ہے اس کے وجود نہ جانے کتنے لوگ اس کے عجیبے ہیں۔ کوئی اسے ہلاک کر دانا چاہتا ہے۔ کوئی اسے اغوا کرنے کے لیے ہے اور کوئی اس کی زندگی ہر قیمت پر بچانے کا خواہش مند ہے۔ یہ ایسا گورکھ دھندہ ہے جہاں بھی تک میری سمجھ میں بھی نہیں آسکتا ہے۔“

”کیا تم نے اس سے معلوم نہیں کیا کہ وہ لوگ مجھے مطلب ہے کہ جن لوگوں نے اسے سادھو کو اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا وہ کہاں مل سکتے ہیں؟“

”خاہر ہے کہ میرا سب سے پہلا کام یہی معلوم کرنا تھا اور وہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ پرویز ملک نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اب مجھے تم سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم میری باتوں پر دھیان دو گے۔“

”ہاں آفیسر۔ بتاؤ کیا کرنا ہے مجھے؟“

”سب سے پہلا کام تو یہی ہے کہ تم اس سلسلے میں اپنی زبان بند رکھو گے۔ کسی کو نہیں بتاؤ گے کہ کوئی سادھو تم سے ملا تھا اور تم لوگ اسے اس ویرانے میں لے کر آ گئے

تھے۔ اور اس نے ہمیں کیا کیا بتایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ تمہیں کرنل راجندر پر گلاہ رکھنی ہوگی۔ وہ ایک پرلر کر دے گا۔ اس کا وہی معلوم ہوتا ہے۔ اگر تم بھی یہ محسوس کرتے ہو کہ اس معاشرے سے براہیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے تو تمہیں میرے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ اور اس تعاون کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم کرنل راجندر کی نگہانی کرو۔ یہ دیکھو وہ کس کن لوگوں سے ملتا ہے۔ ہوسکے قواس کی باتیں سنو گی بھی کوشش کرو۔ میں اس دوران رہن اور اس کے آدمیوں کو گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ویسے میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ بھی کسی اور کے لیے کام کر رہے ہوں گے۔ اور انہیں صرف استعمال کیا جا رہا ہے۔“

”میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں ڈاکٹر ہمیشہ نے ایک گہری سانس لی۔ تم جو مناسب سمجھتے ہو وہ کرو۔ پرویز ملک نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ گاڑی پچھلے لیتی ہوئی ادنیٰ پٹی راہوں پر تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرنے لگی تھی۔

ڈاکٹر کھنڈ زخمی کے کمرے میں واپس آ گیا۔ دوسرے ڈاکٹر ابھی تک زخمی کے آس پاس ہی موجود تھے۔ وہ سب کے سب جدید آلات کی مدد سے اس کی دیکھ بھال میں لگے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ کمرہ کسی ہسپتال کے انتہائی شہدادشت کے کمرے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر کھنڈ کے واپس آنے کے بعد وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”کیوں بلایا تھا اس نے؟“ ڈاکٹر اظہر نے پوچھا۔ کوئی خاص بات تھی کیا؟“

”کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن اب میں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔“ ڈاکٹر کھنڈ نے بتایا۔

”کیا مطلب؟“ سب کے سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ کچھ نہیں۔ برناڈ نے مجھ سے صرف ایک بات کی تھی اس نے کہا تھا کہ اس نے بہت سوجھ بوجھ کر تم ڈاکٹروں کا انتخاب کیا ہے۔ اور اسے امید ہے کہ ہم لوگ اس کی توقعات پر فائدہ اٹھائیں گے۔ بس اتنا سننے ہی مجھے شرم سی آئے گی میں نے محسوس کیا کہ میں نے جو منصوبہ بنایا تھا وہ بہت غلط تھا۔ جیسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے اصول اور پیٹھ کے خلاف ہے۔ چاہے ہمارا انجام کچھ بھی ہو۔ ہمیں وہی کرنا ہے جس کے لیے ہمیں منتخب کیا گیا ہے۔“

”یہ بات ہوئی نا ڈاکٹر کھنڈ؟ ان میں سے ایک نے طینان سانس لی۔ ہم لوگ تو تمہارے فیصلے سے خود بہت بری طرح بچ گئے تھے۔ یہ اچھا ہو کہ تم نے خود اس بات کا تجربہ کر لیا۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اب بتاؤ ہم کہاں سے اپنا کام شروع کریں گے؟“

”ہمیں اس مریض کی بقا کے لیے جو کچھ کرنا ہے وہ کرنے میں آئے۔ اس وقت میرا خیال ہے کہ ضروری دوائی اور آلات پہنچ گئے ہیں۔ لہذا ہمیں بروی تن دی کے ساتھ پنا کام شروع کر دینا چاہیے۔ ہم یہ بھول جائیں کہ ہم کس حالات میں اور کس لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں اس طرف توجہ ہی نہیں دینی ہے۔ ہمیں یہ محسوس کرنا ہے کہ اس وقت ہم سب ایک برے سے ہسپتال میں کسی مریض کے علاج کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ بس۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ آپ لوگ اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالیں۔ اس نے کمرے میں موجود ڈاکٹروں کو ان کے فرائض بتاتے شروع کر دیے۔ کچھ دیر بعد وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس شخص نے اسے کیا ہدایات دی تھیں۔ اب وہ یہ سب کچھ اپنا فرض سمجھ کر رہا تھا۔

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ برناڈ کے میں داخل ہوا وہ ایک طرف کھڑا ہو کر میری نگاہوں سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے مطمئن انداز میں اپنی گردن ہلاتی اور ڈاکٹر کھنڈ کو اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔ کھنڈ اس کے پاس پہنچ گیا۔

”کام کیسا چل رہا ہے ڈاکٹر؟“ برناڈ نے پوچھا۔

”تم خود دیکھ سکتے ہو۔“ ڈاکٹر کھنڈ نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”ہاں۔ وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں۔ برناڈ نے اپنی گردن ہلاتی۔ تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا میں نے اس کے علاج کے لیے اپنی پوری بھول دی ہے۔ جتنا بھی خرچ ہو میں اس کے لیے تیار ہوں۔“

”کیا میں یہ پوچھ سکتا ہوں کہ اس زخمی میں آخر ایسی کون سی خاص بات ہے جس کے لیے تم اس قدر پریشان ہو؟“

”ہوں۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ وہ کچھ دیر تک معنی خیز لگاؤ سے ڈاکٹر کھنڈ کی طرف دیکھتا ہوا بھر دھیرے سے لولا۔ ٹھیک ہے۔ چونکہ تم اس کے علاج ہو۔ اس لیے تم سے کوئی بات چھپانی نہیں چاہیے۔ تم آؤ میرے ساتھ۔“

ڈاکٹر کھنڈ اس کے ساتھ کمرے سے باہر آ گیا۔ برناڈ

اسے اپنے ساتھ لے کر ایک ایسے کمرے میں لگا ہوا ڈاکٹر کھنڈ نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس کمرے میں ایک بڑی سی میز تھی جس کے ارد گرد کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔

”یہ ہمارا اینک روم ہے۔“ برناڈ نے بتایا۔ ہمیں جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ ہم اسی کمرے میں بیٹھ کر غور و خوض کرتے ہیں۔“

برناڈ کے اشارے پر کھنڈ نے ایک کرسی سنبھال لی۔ برناڈ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

”تم نے شاید انگریزی فلموں میں ایسے سینٹ اپ دیکھے ہوں گے۔“ برناڈ نے گفتگو شروع کی۔ ”کیا تمہیں یہ سب دیکھ کر بچان اور جوش نہیں محسوس ہو رہا ہے؟“

”اگر حالات دوسرے ہوتے تو شاید ایسا محسوس بھی ہوتا۔“ کھنڈ نے کہہ دیا۔ لیکن اس وقت ہمارے لیے سب سے بڑا مسئلہ ہماری سلامتی کا ہے۔ میں انفرادی سلامتی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ انھوں نے دونوں لوگوں کی سلامتی کا سوچ رہا ہوں۔ تمہیں شاید یہ اندازہ ہو کہ تم ہندوستان بھر کے قابل ترین فرائض اور سرجن یہاں اٹھا کسے آئے ہو۔ اگر ان لوگوں کو کچھ ہو گیا تو نہ جانے کتنے مریض تڑپ تڑپ کر جان دے دیں گے۔“

”تمہیں یہ اندازہ کیسے ہوا کہ تم کو کچھ ہو جائے گا؟“

”تم نے انگریزی فلموں کی بات کی ہے تو میں نے انگریزی فلموں میں ہی دیکھا ہے کہ جب صورتحال ایسی ہو تو چشم دید گواہوں کو زندہ نہیں رکھا جاتا۔ ہم لوگ تمہارے اور تمہارے اس گورکھ دھندے کے چشم دید گواہ ہیں۔ اسی لیے تم نہیں چاہو گے کہ ہم واپس جا کر تمہاری کمرانی شہرہ کر دیں۔“

”ڈاکٹر تم واقعی ایک زندہ آدمی ہو۔“ برناڈ مسکرا دیا۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم نے مریض کے علاج کی فکر چھوڑ دی ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ چاہے اس کے نتیجے میں ہم لوگوں کو موت ہی کیوں نہ آجائے۔“

”خیر میں فی الحال تمہیں اس بارے میں یقین دلانا بھی چاہوں تو تم یقین نہیں کرو گے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں خود بھی یہ نہیں چاہتا کہ اتنے قابل قابل لوگ ایک ساتھ موت کے گھاٹ اترا جائیں میں نے چاہتا ہوں کہ تم لوگ اپنی پوری توانا۔ یوں اور صلاحیتوں کے ساتھ زندہ رہو۔ اس لیے بھلائی فائدہ ہو گا۔“

”یہ سب قواعد کی باتیں ہیں۔ لیکن میں اپنے تجسّس



کی خاطر بہانہ ہو گیا۔ یہاں ہوں کہ اس زنجی میں ایسی کون سی بات ہے۔“

”ہاں میں نے یہ بتانے کا وعدہ کیا ہے۔ اسی لیے میں بتا رہا ہوں۔ بتانے کے لیے تمہیں تفصیل بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے کیونکہ تمہیں معلوم ہی ہو گا کہ زنجی کس حالت میں اور کہاں ملا تھا۔ اس کے سلسلے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ حکومت اس کی طرف متوجہ ہو گئی اور اس کا غنم شروع کر دیا گیا حکومت کے ساتھ ساتھ اور پارٹیاں بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اس کے حصول کی کوشش شروع کر دی۔ ان ہی پارٹیوں میں سے ایک ہماری پارٹی بھی ہے۔“

”سوال پھر وی ہے کہ آخر کیوں؟“

”دیکھو میں تمہیں اس کا پس منظر بتا رہا ہوں۔ بہر حال نے اپنی جیب سے سگریٹ کا ایک بیٹ نکال کر اس میں سے ایک سگریٹ منتخب کی اور دھیرے دھیرے کھینچنے لگے۔ ہونے بولنا جس وقت وہ دھماکا ہوا تھا۔ اس وقت ان اطراف میں داور بھی موجود تھا۔“

”میں یہ نام شاید پہلے بھی سن چکا ہوں۔ داور ہے کون؟“

”ایک بہت ہی خطرناک اور دلیر شخص۔ جو اگر زندہ اور سلامت ہو تو ہزاروں ہر ہمارے چڑھتا ہے۔ اس کے باب نے بچپن میں اس سے منسوب کیا تھا۔ یہ دو بھائی تھے والد اور سلیم سلیم کے بارے میں ہمیں زیادہ نہیں معلوم لیکن داور نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اس کے ساتھ ساتھ اس کی تربیت بھی بے مثال ہاتھوں میں ہوئی اور وہ دنیا بھر کے فنون حرب کا ماہر ہو گیا۔ اس کا باب دلاہری ایک بہت بڑے گروہ کا سرخوردہ چکا ہے جس نے کروڑوں کی دولت جمع کر لی تھی۔ خیر اس وقت میں داور کے بارے میں بات کرتی ہے۔ تو وہاں پر کہ داور کو ایک باجیل ہو گئی۔ جہاں اس کی ملاقات ایک لوہے سے شخص سے ہوئی۔ وہ شخص افروغ کے ایک بہت طاقتور قبیلے کا سربراہ تھا۔ اس شخص نے داور کو نہ صرف مارشل آرٹ کی تربیت دی بلکہ اسے اپنا چچا بھی بنالیا۔ اس قبیلے کی روایت کے مطابق کوئی بھی سردار کسی کو بھی جانی نہیں بنا سکتا ہے۔ اور اس کی تعلیم اور اس کا احترام ہر دوسرے قبیلے پر واجب ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ بھی ہندوستان میں بیٹے بیٹے اس قبیلے کا سردار بن گیا۔ اس لوہے نے نشان کے طور پر اس کے بازو پر گہرا نشان ثبت کر دیا۔“

نشان جس کے پاس ہو وہ اس قبیلے کا سردار ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بڑا حاکم بنا۔ داور ایک قبیلے کا سردار لوگوں کا تھا لیکن اسے خود اپنی اس طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ اسی لیے وہ جیل سے رہائی کے بعد اپنے پرانے دھندوں میں مصروف ہو گیا۔ وہ سب کچھ کرنے لگا جو شروع سے کرتا تھا۔ اس دوران حالات اسے اس علاقے میں لے گئے جہاں وہ غلیظ نشان دھماکا ہوا جس کے نتیجے میں وہ بری طرح زخمی ہو کر کم لوگوں کے رحم و کرم پر رہا ہوا ہے۔“

”چلو یہاں تک تو داور کی کہانی واضح ہو گئی۔ لیکن ابھی تک تم لوگوں کی دلچسپی کی وجہ سے مجھ میں نہیں آتی۔ اگر وہ زندہ ہو گیا تو اس سے تمہارا کیا فائدہ ہو گا؟“

”بہت فائدہ ہو گا۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں تمہیں غلطوں میں اس دولت کی کہانی سنا سکتا ہوں اس قبیلے میں موجود ہے۔ جسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب میری کہانی کے دو پسروں ہو چکے ہیں۔ ایک پہلو یہاں تک سے متعلق ہے اور دوسرا پہلو اور کا ہے۔“

”ہاتھوں میں نہیں یہاں تک کے بارے میں بھی بتانا چاہیے وہ اپنی نوعیت کا ایک ذہین انسان تھا۔ تجھے اس نے کیا دماغ پایا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اس کیلئے شخص نے حتیٰ حیرت انگیز زہاد دانت کی ہیں۔ اتنی اذیتاں، بھلا ملک بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن اس میں خرابی نہ تھی کہ وہ اپنی انکا اظہار جانتا تھا۔ اس کے دماغ میں حکمرانی کا غلط تھا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ نہ صرف اس کی زہادیت کو دیکھ کر پاگل ہو جائیں بلکہ اس کی ہر گشت بھی کرنے لگیں۔ یہ سوچ کر اس نے ایک ایسے خطہ زمین کی تلاش شروع کر دی جہاں وہ اپنے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا سکتا جہاں وہ اپنا ایک سائنسی غبار گاہ کر سکتا۔ اتفاق سے اس کی نگاہ انتخاب نے ہندوستان کو منتخب کر لیا اور وہ اپنے ساز و سامان سمیت ہندوستان چلا آیا۔ اس جیسے انسان کے لیے اتنے ساز و سامان اور اتنے وسائل کے ساتھ ہندوستان میں داخل ہونا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ لہذا اسے کوئی نہیں روک سکا اور اس نے یہاں آکر ایک بستی تعمیر کر لی۔ جوابی نوعیت کی ایک واحد بستی تھی۔ اس ہنرمیں اس کی بہن بھی اس کے ساتھ تھی۔ لیکن وہ مختلف مزاج کی لڑکی تھی۔ وہ اپنے بھائی کے کارناموں پر خوش نہ ہوئی تھی۔ لیکن وہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کا بھائی لوگوں کو بڑے سکڑوں کی حیثیت دینے لگے۔ بہر حال ہ

اپنے بھائی کے ساتھ یہاں آئی اور ان دونوں اس فی میں حکمرانی شروع کر دی۔“

”لیکن تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟“

”میں اور یہاں تک کا اس قبیلے تھے۔ برناڈ نے بتایا ایک ایسی ذات کا ہمیشہ سے قند دان رہا ہوں۔ ہم وہاں چائنا ب ہو گیا۔ بہت دنوں کے بعد اس کے بارے میں پتا چلا کہ وہ کہاں ہے اور کہاں رہا ہے۔ یہ بھی اس طرح معلوم ہوا ناگہرا کہ اپنے ساتھ۔ یورپ سے بھی کچھ لوگوں کو لیتا آیا نا اور وہ اتفاق سے میرے ساتھ بھی تھے۔ انہوں نے یہاں کے حالات اور اس کی بستی کے بارے میں مجھے سب کچھ بتا دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک ایسی بات بتائی جس نے مجھے یہاں اور اس کے منصوبوں میں دلچسپی لینے پر مجبور کر دیا۔ ہوں نے بتایا تھا کہ یہاں کے پاس کروڑوں ڈالر کی پوری رقم وجود ہے۔ جو اس نے بستی میں نہیں رکھی بلکہ کہیں اور جمع کر رکھی ہے اور وہ لوگ اس ذخیرے کا پتہ جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور جیسے ہی انہیں پتا چل گیا وہ مجھے اطلاع دے دیں گے۔“

”تو پھر تم اس دولت کے لالچ میں آ گئے؟“

”قلم ہے۔“ برناڈ نے سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔ ”دولت ہر انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ یہ اگرچہ ہو تو انسان اور اتنی سرشاری دنیا کی ہے جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ خبر اتنا سننے ہی میں نے ہندوستان آنے کی تیاری کر دی۔ پھر ان ساتھیوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ میں ہندوستان کے لیے روانہ ہو جاؤں۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس ذخیرے کا پتہ چلا لیا ہے۔ اتنا سننے ہی میں نے اپنے وسائل اکٹھے کیے اور ہندوستان کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن ہوا کے حالات مجھے ایسے ہو گئے کہ میں بجائے ہندوستان آنے کے افریقہ چلا گیا۔“

”پس کس طرح ہوا؟“ ڈاکٹر کھنڈ نے بے ساختہ پوچھا۔

”بہت آسانی سے۔“ برناڈ نے مسکرا کر جواب دیا۔ ”میرے کو اظہار کیا گیا تھا۔ اس ظہار کے افریقہ کے جاگیا جہاں میں بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہماری زندگی کے لئے بڑے گئے تھے۔ میں کسی دوسری طرح جان بچا کر افریقہ میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں جو کچھ ہوا تھا۔ میں اس کی تفصیل بتا کر نہیں لو کہ انہیں جانتا۔ کیونکہ وہ ایک غیر متعلقہ کہانی ہے۔ ان ہی چکر میں میں بڑے مگر میں قبیلے میں جا پہنچا جس کا سربراہ داور نامی وہ شخص ہے جو ہندوستان

میں موجود ہے۔ یہ بھی ایک دوسری داستان ہے کہ میں کس طرح وہاں پہنچا تھا میں مختصر نہیں سب کچھ بتاتا رہا ہوں۔ تو اس قبیلے میں پہنچ کر کچھ معلوم ہوا کہ داور کی کہانی کیا ہے؟ ان لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کا سربراہ داور نامی ایک شخص ہے۔ اور وہ ہندستان میں موجود ہے انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں اگر کسی طرح اس شخص کی پہل کر لے آؤں تو وہ مجھے اپنی دولت دے جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے ان کی باتوں پر یقین نہیں کیا اس پر ان لوگوں نے مجھے اپنے قدم پر لادوات دکھائے۔ ڈاکٹر تم یقین کر لیتے ہو کہ ان لادوات کی کیا اہمیت ہوگی۔ وہ کتنا بڑا خزانہ ہے۔ اگر ہزاروں لوگوں میں ہی تقسیم کر دیا جائے تو کئی کئی لاکھ عیش سے زندگی گزار دیا اور وہ عیش ہزاروں وہ لوگ اس پر کچھ اور کہنے لگے۔ جس کو انہوں نے دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ تمنا ان کا احترام اور ان کا عقیدہ ہیں تو اس خزانے کو دیکھ کر پاگل ہو گیا تھا۔ اگر میرے پاس میں ہوتا تو میں اس شخص کو اس وقت کہیں سے ڈھونڈ کر اس قبیلے میں پہنچا دیتا۔ میں نے جب ان سے یہ معلوم کیا کہ وہ داور کہاں ملے گا تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس بستی میں ملے گا جس کی طرف میں جا رہا ہوں۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ ڈاکٹر کھنڈ نے یقین نہ کرنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ انہیں کیسے معلوم کہ تم کہاں جا رہے ہو؟“

”یہ میں خود نہیں جانتا۔ لیکن اس سائنسی اور ترقی یافتہ دور میں کچھ نہیں بہت سی چیزوں کو اپنے شعور کی کوئی پر نہیں رکھنا چاہیے۔ کیونکہ ان معاملات میں عقل ناکام ہو جاتی ہے۔ آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔ وہ سب کچھ ماننے سے نہیں ناپا جا سکتا۔ تم یقین کرو کہ اس تاریک براعظم میں ابھی تک ایسے اسرار موجود ہیں جو ہمیں حواس باختہ کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ یہ سب کچھ ہمیں ان کے وح ڈاکٹروں نے بتایا تھا اور ہم ابھی تک وح ڈاکٹر کے رموز کو نہیں سمجھ سکے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ ان کے پاس ایسی کون سی قوت ہے جو ہمیں آنے والے واقعات سے آگاہ کر دیتی ہے۔ وہ ان وح ڈاکٹروں نے جس بستی کا نام لیا ہے وہی بستی جو یہاں تک لے آئی تھی۔ یہ سن کر میری دلچسپی اور بڑھ گئی ان وح ڈاکٹروں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ میں جس وقت ہندوستان پہنچوں گا اور اس بستی میں جا لے کی کوشش کر رہا

کا۔ اس وقت تک وہ بسنی ایک پڑا سرادھ کا اور آگ کی وجہ سے تباہ ہو چکی ہوگی۔ اس تباہی کے نتیجے میں کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ سوائے اس شخص کے جس کا نام داوڑ ہے اور جو ان کا مردہ ہے۔

”تم نے نصرت انگریز کمانی سادی“ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ کیا تمہیں یوں یقین ہے کہ یہ زخمی تمہارا وہی مطلوبہ شخص ہے؟“

”ہاں اس کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ برناؤ نے جواب دیا۔ میں خود سانس کا طالب علم ہوں۔ اصولاً مجھے ایسی خرافات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ ان لوگوں نے غلط نہیں کیا۔ اسی لیے میں اس کے علاج پر بہت پرانا دولت خزانہ کر رہا ہوں۔“

”اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ہندوستان آنے کے بعد تم نے اتنے وسائل کہاں سے حاصل کر لیے؟“

”اس کا جواب بھی شکل نہیں ہے۔“ برناؤ نے کہا۔ میں خالی ہاتھ یہاں نہیں آیا ہوں۔ بلکہ میں بہت مناسب بندوبست کے لیے چلا تھا۔ میں نے ان تمام کرکھانہ کارخانہ ہندوستان بچنے ہی کے لیے اپنی خاصی رقم مل جائے۔ تاکہ میں اپنے ہیرے ہاں جتا سکوں۔ تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس قسم کے کاموں کے لیے بھروسہ کر دینا ضروری ہوتا ہے۔ زمینیں نے یہاں آنے کے بعد رقم حاصل کی اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لیا۔ تمہیں شاید یہ جان کر افسوس ہو گا کہ پوری دنیا میں شاہنشاہ الملک ہی وہ واحد ملک ہے جہاں اتنی آسانی کے ساتھ لوگوں کو اپنا فرما کر وارنایا جا سکتا ہے۔ انہیں رقم دکھاؤ پھر وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ قانونی ہے یا غیر قانونی۔ وہ اس بات کی بھی پروا نہیں کریں گے کہ وہ کسی ملکی کامیابی سے رہے ہیں یا غیر ملکی کا۔ تو میں نے ان لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کیا۔ اس دوران میں یہ عمارت حاصل کی اسلئے حاصل کیے۔ وسائل اکٹھے کیے اور اس کے بعد اس کی طرف روانہ ہوئے والا تھا کہ وہاں وہ پراسرار دھماکا ہو گیا جس کی بیش گوئی ان دنوں ڈاکٹروں نے کر دی تھی۔ اور مجھے یہ پتا چل گیا کہ اس بستی سے صرف ایک آدمی زندہ ملا ہے جسے علاج کے لیے ہسپتال میں رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد کی ساری کمانی تم خود دیکھ سکتے ہو۔ اس کے بعد کیا ہوا ہو گا۔“

”ہاں“ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اسی گردن ہلا دی۔ اس کے بعد

جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔ تم نے اپنے آپ کو کی مدد سے اس زخمی کو ہسپتال سے اٹھوایا اور ہم لوگوں کو پکڑ لائے تاکہ اس کا علاج کر سکیں اور جب یہ ٹھیک ہو جائے تو اسے کراچی روانہ ہو جاؤ۔ کیوں یہی بات ہے نا۔“

”بالکل یہی بات ہے۔ اب اس شخص کو ٹھیک کرنا تو تمہارے ہاتھ میں ہے۔“

”لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ بقول تمہارے دوسری پارٹیاں بھی اس شخص کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ ان کی کیا وجہ ہے۔ وہ کون لوگ ہیں؟“

”سیدھی سی بات ہے کہ ان دنوں ڈاکٹروں نے یہ پیشکش صرف مجھے ہی کی ہے کہ ان لوگوں کو بھی دی ہوگی۔ اور وہ سب کے سب اپنے طور پر اس کے حصول کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ سمجھ گیا۔ فرض کر دو اگر یہ زخمی جانبر نہیں ہو سکا تو پھر کیا کر گئے۔“

”ایسی صورت میں اس کی لاش کو اس کے قبیلے تک پہنچا دوں گا۔“ برناؤ نے کہا۔ کہہ سکتے ہیں یقیناً تو ہو جائے گا کہ میں نے ان کے مردار کو حاصل کر لیا تھا۔ یہ اودھات ہے کہ اس کی زندگی بچانے میں ناکام رہا ہوں۔ ایسی صورت میں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی طرف سے اچھی خاصی دولت مل جائے۔“

”ہم لوگوں کا کیا انجام ہو گا۔“

”میں اس سوال کا پتہ بھی جواب دے چکا ہوں۔ تمہارا خدشہ اپنی جگہ درست تھا۔ ہم لوگ واقعی گواہین کو زندہ رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تم اور تمہارے ساتھی ہلاک کر دیے جائیں کیونکہ تم سب کے سب قابل ترین لوگ ہو۔ اسی لیے اب میں نے یہ سوچا ہے کہ تمہیں موت تک قید رکھا جائے گا جب تک کہ میں اس شخص کو لے کر اس ملک کی سرحدوں سے باہر نہ چلا جاؤں۔ اس کے بعد تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔“

”کیا اس کی موت کی صورت میں بھی تمہارے ساتھ ہی سلوک ہو گا۔“

”ہاں۔ بشرطیکہ اس کی موت تمہاری ہی پروائی سے ہوئی ہو۔“ برناؤ نے کہا۔ تم نے اپنی ذمہ داری پوری کی ہو۔ اس کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہو گی۔ مجھے معلوم

ہے کہ کچھ دن پہلے تم نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا تھا۔ تم نے اپنے ساتھی ڈاکٹروں کو یہ بتایا تھا کہ اس زخمی کو ہلاک کر دیا جائے۔“

”کیا“ ڈاکٹر کہتے ہیں۔ چونکہ اس کی طرف دیکھا۔ برناؤ کی اس بات نے اس کے چہرے کا رنگ تبدیل کر دیا تھا۔

”ہاں میں نے تمہاری ساری باتیں سن لی تھیں۔“ برناؤ نے سسرلے ہوئے کہا۔ تم خود سوچو۔ جس شخص کے لیے اس زخمی کی اتنی اہمیت ہے کیا اس نے اس زخمی کی خدائی کے انتظامات نہیں کیے ہوں گے۔ میں اگر وہاں نہیں بھی جاتا ہوں تب بھی میرے کان تمہاری آواز سن سکتے رہتے ہیں۔ پھر اس کے لیے انتہائی طاقتور قسم کے ڈسٹنٹ لگائے ہوئے ہیں جو ذرا سی آواز کو بھی میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔“

”ڈاکٹر کہتے ہیں۔ اسی گردن جھکاؤ اس کے دونوں ہاتھ اب واضح طور پر کاٹنے لگے تھے۔“

”میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہاری بات کو سن کر میرا کیا حال ہوا تھا۔“ برناؤ نے پھر کہا۔ میرا دل چاہا کہ میں اسی وقت تم لوگوں کو بھون کر رکھ دوں۔ پھر مجھے اس طرح تپے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا۔ اور اس مریض کے علاج کی باتیں کرنے لگے۔“

”ڈاکٹر کہتے ہیں۔ ایک گہری سانس لی۔ وہ اس شخص کا کھلو ہتھکڑی نے بین وقت ہر ڈاکٹر کہتے کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ مجھے یہ وہ شخص کون تھا اور آئندہ اس سے کیا امید کی جا سکتی تھی۔“

وہ سرنگ اپنی خاصی طویل تھی۔

”دشمنوں کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کچھ دنوں کے سرنگ میں چلتا رہا تو اس کا دم ٹھٹھٹے لگے۔ گلا وہاں بالکل اندھیرا تھا۔ اس کے ارد گرد قدیم کی آوازیں تھیں جو اس سرنگ میں گونج رہی تھیں۔ یہ آوازیں ہندوستانی بلراج اور ان لوگوں کی تھیں جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اس سرنگ میں تاریکی تو تھی۔ لیکن ایک اچھی بات یہ تھی کہ وہ سرنگ بالکل چمک رہی تھی۔ اس میں کسی قسم کا کوئی موڑ نہیں تھا۔ کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو یہاں کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی۔ کچھ دور کے سفر کے بعد بالآخر سرنگ بھی ختم ہو گئی۔

”دشمنوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس وقت ایک ایسی وادی میں کھڑا تھا جو پہلوں اور سبوں سے مالا مال ہو رہی تھی۔ اس بزرگ مقام پر ایسی وادی کا وجود دشمنوں کے

یہ حیرت انگیز تھا۔ اور اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ سامنے ایک بہت بڑی چوٹی بیٹھ گئی تھی۔ مجھے یہ چوٹی کس طرح اس وادی میں بنائی گئی ہوگی۔ بالکل جادوئی نظر۔ دکھائی دے رہا تھا۔ اس وادی میں داخل ہونے کا اس سرنگ کے علاوہ بظاہر اور کوئی راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود ایک لمبی چوٹی چوٹی وہاں موجود تھی جو اپنی وسعت اور مکانت کے لحاظ سے شہر میں موجود کسی بھی چوٹی سے کم نہیں تھی۔

اس چوٹی میں کنگوے بنے ہوئے تھے جن کے عقب سے کچھ سر ہلکے اور ڈوبتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کا پتہ کبھی بہت بلند اور کشادہ تھا۔ اس چوٹی کے اطراف پہلوں کے کٹے بھی تھے جو اس چوٹی کی شان کو دو بالا کر رہے تھے۔

”یہ چوٹی یہاں کیسے آئی؟“ دشمنوں نے بڑی حیرانی سے سوال کیا۔

”یہ ہمارے مالک کی چوٹی ہے۔“ ہندوستانی نے جواب دیا۔

”ان کے پرکھوں نے اس کی تعمیر کی تھی؟“

”کون مالک؟“

”یہ تمہیں چوٹی میں چل کر معلوم ہو جائے گا۔“ ہندوستانی نے کہا۔ ویسے ان کا نام سردار چوہان ہے۔

”دشمنوں نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔ اس دوران بلراج اس کے قریب پہنچ گیا۔

”باس۔ یہ سب کیا ہے؟“ اس نے سرگوشی میں سوال کیا۔

”یہ میں خود نہیں جانتا۔“

”تم سے چوک ہو گئی باس۔ اگر تم پہلے ہی اشارہ کرتے تو ہم لوگ اب پھر دیکھ کر ہی طرح نکل لیتے۔ لیکن یہاں تو کچھ نہیں ملے ہیں۔ یہ تو کوئی جادو کی نگرانی معلوم ہوتی ہے۔“

”ہاں۔ میں بھی اسی لیے خاموش ہوں کہ مجھے اس نگر کا پتہ جاننا ہے۔ بس اب خاموش ہو جاؤ۔ اور یہ لوگ تمہیں لے کر کم زار کا منصوبہ بنائے ہیں۔“

بلراج برا سامنے بنا کر خاموش ہو گیا۔ اس دوران بلراج چوٹی کے عظیم الشان پھاٹک تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں سے شاید ان لوگوں کو آتا ہوا دیکھ لیا گیا تھا۔ یہ قافلہ اسی طرح ٹھٹھٹے ہوئے پھاٹک سے اندر آ گیا۔ اندر آنے کے بعد اس پھاٹک کو دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔

پھاٹک کے اندر بھی بہت سے لوگ موجود تھے ان

میں سے کچھ سنے تھے۔ چھانک کے سامنے ہی ایک پائیل بلخ  
مٹا جس کے درمیان پتھروں سے بنا ہوا ایک لاسہ جوبلی  
کے برآمدے تک چھانک تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف  
پھولوں کے قطعے لگے ہوئے تھے۔ برآمدے تک جانے کے  
لیے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان کے بعد گریزین دروازے  
کمرے اور وہ سب کچھ جو جوبلی میں ہو کر تباہ ہے۔ دشمنوں  
بلان بہت جہت سے اس جوبلی کو دیکھ رہے تھے جو خود  
لودے کی طرح اس دہرائے میں آگ آئی تھی۔  
”چلو آگے چلو“ بھنڈاری نے کہا۔ ”سرکار تم لوگوں سے  
سننے کے لیے ہے جہاں ہوں گے۔“  
”لیکن تمہارے سرکار سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ بلان اس  
کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
”بہت زبان چل رہی ہے۔ کیوں!“ بھنڈاری کی آنکھیں  
سرخ ہو رہی تھیں۔  
”بلان خاموش ہو جاؤ“ دشمن جلدی سے بول پڑا۔  
لوگ، ہمیں کسی غلط فہمی میں پکڑ لائے ہیں۔ معاملہ صاف  
ہوئے، آئیے ہمیں یہاں سے جانے دیا جائے گا۔ کیوں بھنڈاری  
صاحب؟“  
”یہ سب سرکار کے ہاتھ میں ہے۔“ بھنڈاری نے  
خشک لہجے میں کہا۔ ”میں نہیں جانتا ان کا فیصلہ کیا ہوگا۔“  
ان دونوں کو ایک ایسے کمرے میں پہنچا دیا گیا جسے  
وسعت کے لحاظ سے چھوٹا مونا ہال کہا جاسکتا تھا۔ اس  
ہال میں قدیم اور جدید دونوں طرح کے فرنیچر موجود تھے اور  
یہ فرنیچر قیمتی ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ذوق کی بھی نذر تھا۔  
کمرے کے ایک طرف دیوار میں روایتی انداز سے کچھ دیوار  
لوگوں کی تصویروں پر فریم کی ہوئی تھیں وہ دیوار گہرے لالہ رنگ کی تھیں  
وہ جوبلی کسی جاگیر دار کی جوبلی معلوم ہوتی تھی۔  
ان دونوں کو اس کمرے میں تنہا نہیں چھوڑا گیا تھا۔  
بلکہ ہر دروازے پر دو دو مسلح آدمی تعینات تھے جو بڑی خوش  
نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے جا رہے تھے۔ انھی ان دونوں  
کو اس ہال میں آنے فرامی دیر ہوئی تھی کہ ایک بار جب آدمی  
ایک دروازے سے داخل ہوا۔ تعینات پر معذور لوگ اسے پہچنے  
ہی باادب ہو گئے۔ وہ تعینات چوہاں تھا۔ ان لوگوں کا وہ روبرو  
مالک جس کے پڑکھوں نے اس دہرائے میں ایک پرائمر جی  
بنائی تھی۔  
وہ ایک ادھیڑ عمر کے ہونے بدن کا آدمی تھا جس نے

چوڑی دیوار پر جامہ اور شہر وانی پہن رکھی تھی اس لباس میں  
اس کی شخصیت بہت دلکش معلوم ہو رہی تھی۔ وہ بڑے  
سنے چلتا ہوا ان دونوں سے کچھ فاصلے پر آکر کھڑا ہو گیا۔  
کی بڑی بڑی روشن آنکھیں اس طرح ان دونوں کا جائزہ  
رہی تھیں جیسے وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں ان کے دل  
تک اترنا چاہتا ہو۔ دشمن نے بھی اپنی نگاہیں اس کی آنکھوں  
پر مرکوز کر دیں۔  
”تم لوگوں کو یہاں تک آنے میں کوئی دشواری تو نہیں  
ہوئی؟“ اس نے پوچھا۔ ”ہوئے پہلے میں۔“  
”اگر کسی کو قیدی بنا کر یہاں تک لایا جائے اور اسے  
یہ بلو چھانکے کوئی تکلیف تو نہیں ہوتی تو میرا خیال ہے  
اس سے بڑا مذاق اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“  
”اوہ۔ تو تمہیں اس بات کا شکوہ ہے۔ بہر حال ہمیں  
افسوس ہے۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندازہ ہو گیا کہ تم لوگ کوئی  
ہو تو پھر تمہیں شایان شان طور پر رخصت کر دیا جائے  
اس وقت تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔“  
”اس بات کا بہت بہت شکریہ۔“  
”چلو بیٹھ جاؤ“ چوہاں نے صوفے کی طرف اشارہ کر  
اور اپنے بائیں میں بتانا شروع کر دیا۔  
دشمن اور بلان ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔ دشمنوں  
اسے بھی وہ کہانی سنا دی جو اس سے پہلے وہ بھنڈاری کو  
سنا چکا تھا۔ چوہاں خود سے اس کی باتیں مسترد کرتا تھا۔  
دشمنوں کے خاموش ہوجانے کے بعد اس نے کچھ سوچتے  
ہوئے کہا۔  
”یہ ٹھیک ہے کہ اس وقت ہمیں تمہاری کہانی بڑی  
کوئی بھول نہیں محسوس ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود کچھ  
سوالات مجھے پریشان کر رہے ہیں۔“  
”بالکل اسی طرح کچھ سوالات مجھے بھی پریشان کر رہے  
ہیں۔“ دشمن نے کہا۔ ”پہلا سوال تو یہی ہے کہ تم کون ہو اور  
اس دہرائے میں کیا کر رہے ہو۔؟“  
”اے“ اچانک دروازے کے پاس کھڑے ہوئے ایک  
عیاظ نے دشمن کو لٹکانا۔ ”مالک سے ذرا زبان سنبھال کر  
بات کرو۔“  
”نہیں۔ نہیں۔ تم خاموش رہو۔ چوہاں نے ایک ہاتھ کے  
اشارے سے اسے منع کر دیا۔ ”انہیں بولنے دو۔ پھر اس  
نے دشمن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”معاف کرنا۔ یہ میرے

آدمی میرے بائیں میں بہت جذباتی واقع ہوئے ہیں۔  
برداشت نہیں کر سکتے کوئی دوسرا ان کے مالک کے سامنے  
اپنی آواز بلند کرے۔ بہر حال میں تمہارے دونوں سوالوں کے  
جواب دے دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں اس بات  
کی تصدیق کر لیں کہ تم نے جو کہانی سنا ہے اس میں کہاں  
تک صداقت ہے۔ اس تصدیق تک تم مجھے یہاں سے جانے کی اجازت  
نہیں ہوگی۔“  
”تم یہ تصدیق کس طرح کرو گے؟“ دشمن نے خشک لہجے  
میں اس سے پوچھا۔  
”یہ فکر نہ ہو۔ میرے وسائل ایسے ہیں کہ تمہاری تصدیق  
کی جاسکتی ہے۔ چاہے تمہارا تعلق ہندوستان کے کسی دور دراز  
علاقے ہی سے کیوں نہ ہو۔“  
”کیا تم ہمیں زبردستی اپنے جہاں رکھنے پر مجبور کر سکو  
گے؟“ بلان نے سوال کیا۔  
”کیوں نہیں؟ چوہاں مسکرا دیا۔ ”تم دونوں عقل مند دکھائی  
دیتے ہو۔ تمہارے تیوری سے تمہاری دلیری اور بے جگری کا  
اندازہ تو ہو رہا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھی معلوم ہو گا کہ آدمی چاہے  
کتنا ہی بے جگر اور بہادر کیوں نہ ہو اتنی باتیں اختیار کرنے  
سامنے اس کی حیثیت سنی ہو جاتی ہے۔ اور تمہارے پاس  
ہو سکتا ہے کہ اسلحہ موجود ہوں۔ لیکن اس وقت وہ اسلحہ  
تمہارے پاس نہیں ہیں۔ اس لیے تم اپنی لاکھ کوشش کے  
باوجود کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔ اور تمہاری اطلاع کے لیے  
میں یہ بھی بتا دوں کہ اس وقت تمہارے پاس تقریباً سو آدمی  
موجود ہیں۔ اور یہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔ ان میں سے ہر  
ایک لڑنے بھرنے کے فن سے پوری طرح واقف ہے۔ لہذا  
یہ میری اجازت کے بغیر تمہیں یہاں سے جانے نہیں دیں  
گے۔ اس کے علاوہ میں یہ بھی بتا دوں کہ تمہارے پاس خود  
کتوں کی پوری ایک فوج موجود ہے۔ تم جہاں بھی جاؤ گے  
کے تمہیں تلاش کر لیں گے۔ اسی لیے میرا یہ مشورہ ہے کہ تم یہی  
کر دو جو تم سے کہا گیا ہے۔“  
”اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم ہمیں دھکی دے رہے ہو۔؟“  
دشمن نے کہانی سنا کر ان کی طرف دیکھا۔  
”تمہاری مرضی۔ اگر تم اسے دھکی کچھ ہو تو میں کچھ نہیں  
کر سکتا۔ ویسے یہ میرا مشورہ ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ تم  
اس پر عمل کرو گے۔“

”فرض کرو مگر تمہاری باتیں غلط انگلیں تو اس بلان  
نے سوال کیا تھا۔  
”تو پھر سوچا جائے گا کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے  
چوہاں صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے اٹھنے ہی اور اٹھنے کے  
ہونے ہی غلط قریب آگئے۔ وہ ابھی تک اپنے ہاتھوں میں  
بریلور اور پتول لیے ہوئے تھے۔ جن کے رخ ان دونوں  
کی طرف تھے۔  
”ان دونوں کو ان کے کمروں میں پہنچا دو۔ یہاں نے  
ان کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ ”اور یاد رکھو۔ انہیں اس وقت  
تک کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ جب تک میں نہ کہوں  
ان کا بلور اور اٹھال رکھا جائے۔“  
اپنے آدمیوں کو ہدایت دینے کے بعد چوہاں جس قمار  
کے ساتھ کمرے میں آیا تھا۔ اسی طرح واپس چلا گیا۔ دشمنوں  
بہت گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا تھا۔ اس نے  
اپنی دونوں مستحیاں پیچھ رکھی تھیں۔ پتول کو دانتوں سے دبایا  
تھا۔ اس کے چہرے سے اس کے غصے کا اندازہ ہو رہا تھا۔  
اس دوران چوہاں کے آدمیوں نے ان دونوں کو کچھ کھیر لیا  
تھا۔ انہیں مختلف کروں برآمدوں اور غلام گروہوں سے  
گزارتے ہوئے ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس  
کمرے میں پرانی طرز کی سہریاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک طرف  
ایک الماری تھی جس کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اس الماری  
میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کمرے کے فرش پر قدیم طرز  
کی ایک قالین بھی پھی ہوئی تھی۔ اس کی ایک دیوار کے ساتھ  
ایک بڑی سی کھڑکی تھی جو بند تھی۔ جبکہ دوسری دیوار کے  
ساتھ ایک دوسرا دروازہ دکھائی دے رہا تھا۔ ان دونوں  
کو اس کمرے میں پہنچانے کے بعد باہری دروازہ بند کر دیا  
گیا تھا۔  
”یہ کیا کھلا ہو گیا ہے؟“ بلان نے ایک مہری پر  
بیٹھے ہوئے کہا۔ ”یہ ہم لوگ کہاں پھنس گئے؟“  
”میں خود بھی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔“ دشمن نے دھیرے  
سے کہا۔ ”یہاں کا اندازہ دھندہ میری سمجھ میں بھی نہیں  
آ رہا ہے۔“  
”تم نے خود ڈھیل دی باس۔ ورنہ ہم لوگ لڑ پھر کر یہاں  
سے نکل سکتے تھے۔“  
”یہ تمہاری خوش فہمی ہے بلان۔“ دشمن نے کہا۔ ”اس شخص  
نے اپنے آدمیوں کے بائیں میں غلط نہیں کہا ہے۔ اس

کے سامنے آدی تڑپت یافتہ معلوم ہوتے ہیں میرا تو خیال ہے کہ یہ سب سابق فوجی ہیں۔ اور ان لوگوں پر آسانی سے قابو نہیں پایا جاسکتا۔ اس کے علاوہ ان کی سرخشت میں وفاداری موجود ہوتی ہے۔ جس کے وفادار ہوئے۔ اس کے لیے اپنی جائیں تک بچھو کر رکھتے ہیں۔ اکیلے ہی فی الحال کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

”تو کوئی بات نہیں ہوئی باس۔ ہم لوگ چلے گئے کسی اور کام سے۔ اور یہاں آکر بیٹھ گئے۔ آخر ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو بیٹھنا نہیں چاہیے نا۔“

”کیوں۔ اس کوڑی کو کھول کر دیکھ لیا جائے۔ بلراج نے کوڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ہوسکتا ہے کوئی راستہ مل ہی جائے۔“

”مکشش کے دیکھ لو۔“ وشنو مسکرا دیا۔ ”میں جب تک آرام کر لیتا ہوں، بہت تنگ کیا ہوں۔“

ویشنو اتنا کہہ کر دوسری مہر پر لیٹ گیا، جبکہ بلراج نے کوڑی کو کھول لی تھی۔ پھر وہ گالیاں دیتا ہوا پیچھے ہٹا گیا اس کوڑی میں موٹی موٹی سلاخیں تھیں ہوتی تھیں۔ جن کو کسی طرح بھی کاٹنا یا ٹوڑنا نہیں جاسکتا تھا۔

”نہ نے ٹھیک کہا تھا باس۔“ بلراج نے وشنو کی طرف دیکھا۔ اور یہ دروازہ بھی تو ہے شاید کسی دوسرے کے کا ہیڈو دوسرے کے کا نہیں بلکہ غسل خانے کا ہوگا۔ وشنو نے بڑے اطمینان سے لیٹے لیٹے جواب دیا۔ ”نہ چاہو تو جا کر دیکھ سکتے ہو۔“

وشنو کا یہ اندازہ بھی درست ثابت ہوا وہ واقعی غسل خانہ تھا۔ اور بلراج کے کہنے کے مطابق غسل خانہ بہت صاف سمندر اور جدید طرز کا تھا۔

”سالہاں جو اب بھی بہت اونچی چیز معلوم ہوتا ہے باس۔“ بلراج نے کہا۔ اس نے تو اس دہرائے میں کبھی عمل نہ کیا ہے۔ نہ جانے یہاں کیا کر رہا ہے۔ اور یہ جگہ ایسی ہے باس کہ کوئی اگر سو سال تک بھی یہاں چھپا رہے تو باہر والوں کو پتا نہیں چل سکے۔“

”ہاں میں بھی یہی دیکھ کر پریشان ہو گیا ہوں۔ لیکن میرا مزاج تم سے مختلف ہے۔ میں بریلیائی یا لجن کو اپنے ذہن پر مسلط نہیں کرتا۔ اور نہ ہی ہوا سے لڑنے لگتا ہوں۔ بلکہ سب سے پہلے میں اپنے ذہن کو پرسکون کرتا ہوں۔ اور یہی میں تم سے بھی کہتا ہوں کہ تم بھی اپنے آپ کو پرسکون کر لو۔“

پرسکون ہو جانے کے بعد ہی راستے دکھائی دے گئے۔ ذہن کام کرنے لگے گا لہذا اس وقت خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دو۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔“

بلراج خاموش ہو کر دوسری مہر پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے میں روشنی کا انتظام بھی تھا اور روشنی کے لیے بلب لگے ہوئے تھے۔ چھت سے ایک بنگھا بھی لٹا ہوا تھا۔ بلراج نے مہر سے اٹھ کر سوچ دیا تو کمرے میں موجود بلب جل اٹھے اور بنگھا گھومنے لگا۔

”یہ بھی حیرت کی بات ہے باس۔ اس دہرائے میں بجلی کہاں سے آئی۔“

”جب یہ لوگ اس دہرائے میں ایک حولی بنا سکے تو چیز بڑا کا انتظام بھی کیا جاسکتا ہے۔“ وشنو نے کہا۔ چیز بہت ہی بار سوج آدی سلیم ہوتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا کہ اس کے پاس اردین کا چرخ ہے جس کی مدد سے اس دہرائے میں بھی گیار بجائے ہوئے ہوں۔

بلراج نے کچھ کہنا چاہا مگر دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور الٹی سی ونگ کے ساتھ تین آدمی کمرے میں آئے۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں ایک ٹرسہ تھی جس میں کھانے پینے کا سامان رکھا ہوا تھا جبکہ بغیر دونوں آدمی ہسپتال بڑا تھے وہ شاید پہلے آدمی کی حفاظت کے لیے اس کے ساتھ بیٹھے گئے تھے۔

”ٹرسے دلتے شخص نے کمرے میں رکھی ہوئی میز پر ٹرس رکھ دی۔“

”اپنے مالک سے کہو کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔“ وشنو نے ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔ ہم اپنے مالک سے یہ نہیں کہہ سکتے۔“ ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

”وہ کیوں؟“ وشنو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارا بیچارہ پیغام بھی نہیں دے سکتے۔“

”نہیں۔ یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی آواز نے شہر بھرے میں جواب دیا۔ جب سرکار کی مرضی ہوئی خود تم سے مل لیں گے۔ اور ابھی انہوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا۔“

ویشنو ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بلراج بھی بڑے طرح ہنسی و تباہی کھا کر رہ گیا تھا۔

”تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو دروازے کو کھینچ کر دیکھنا۔“ اسی آدمی نے کہا۔ ”تم آجائیں گے۔ ان کے جانے کے بعد اس دروازے کو دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔“

”مقبلاً دیکھنا۔“ اسی آدمی نے کہا۔ ”تم آجائیں گے۔“ اس کے وہ تینوں باہر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس دروازے کو دوبارہ بند کر دیا گیا تھا۔

”اب کیا کرنا ہے باس۔“ بلراج نے سوالیہ انداز میں وشنو کی طرف دیکھا۔ یہ لوگ تو اپنے کندھے پر ہاتھ بھی نہیں رکھتے دیتے۔“

”کچھ نہیں۔ فی الحال تو ہمیں کھانا کھانا ہے۔ اس کے بعد آرام کرنا ہے۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ وقت آنے پر ہمیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا چلو کھانا کھا لو کہ تم مجھے تو زوروں کی بھوک محسوس ہو رہی ہے۔“

انہوں نے بڑی خاموشی سے کھانا کھا لیا۔ کھانے کے بعد وہ اپنی اپنی مہر پر لیٹ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کی پلکیں ہلچل ہونے لگیں اور دونوں گہری غند میں ڈوب گئے۔ دوسری صبح دروازے پر ہونے والی دنگ نے انہیں بیدار کر دیا۔ اندر آنے والے وہی تینوں تھے جو رات کے وقت آئے تھے۔ اس بار بھی ان میں سے ایک نے ٹرسے ہاتھ میں اٹھا رکھی تھی۔ جبکہ اس کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی پہلے ہی کی طرح ہسپتال لے ہوئے اندر آئے تھے۔

”تم لوگ ناشتا کرو۔“ اس کے بعد سرکار نے تمہیں یاد کیا ہے۔“ اسی آدمی نے وشنو سے کہا جس نے رات کو بات کی تھی۔ چلو۔ تمہارے سرکار کو ہمارا خیال تو آیا کہ تمہارے ہمارا پیغام دے دیا تھا۔“

”نہیں۔ ہم نے کوئی پیغام نہیں دیا۔ سرکار نے خود ہی بلایا ہے۔“

ناشنے سے فارغ ہو کر ان دونوں کو دوبارہ اسی ہال میں پہنچا دیا گیا جہاں چوہان سے ملاقات ہوئی تھی چوہان یہاں بیٹھے سے موجود تھا۔ اس نے سفید رنگ کی دھوئی باندھ رکھی تھی جس پر سفید رنگ کا کٹاس کی شخصیت کو اور بھی متاثر کن بنا رہا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔

”تم لوگوں کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تھی۔“

”قبہ لوں سے بار بار ایسی باتیں نہیں کی جائیں۔“ بلراج نے تنک کر کہا۔

”تمہارا اختصار بہت تیز معلوم ہوتا ہے۔“ چوہان مسکرا کر لولا پھر اس نے وشنو کی طرف دیکھا۔ ”تمہارے آدمیوں نے کل رات تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر لی ہیں۔ اور

مجھے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ تم نے مجھے غلط بیانی سے کام لیا۔“

ویشنو اتنا سننے ہی تن کر بیٹھ گیا۔ اس کے اعصاب میں تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی۔ یہی حال بلراج کا تھا۔ بھی صوفے کے کنارے تک آگیا تھا جبکہ اس بائیں مچھو چوہان کے مسلح آدمی ایک ایک قدم آگے آگے آئے تھے۔

”کیا غلط بیانی کی تھی میں نے۔“ وشنو نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”یہی کہ تمہارے کسی آدمی کی طبیعت خراب نہیں ہوئی تھی۔“ چوہان نے کہا۔ ”تم نے ہمیں یہ بھی نہیں بتایا کہ تم لوگ کسی سستی سے ہو کر آ رہے ہو۔ اور وہاں تم لوگوں نے کیسی داستان سنی ہے۔ تمہارے بات بھی چھپائی تھی کہ تم نے ایک آدمی کو راستہ دکھانے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور اس طرف تمہارا لگنا اتفاقاً نہیں تھا بلکہ تم جان لوچہ کر اس طرف آئے تھے۔ تم جس مرگ پر آئے تھے۔ اس پر اسلحہ لدا ہوا تھا۔ اور تم کوئی معمولی آدمی نہیں ہو۔ بلکہ تمہارا پورا ایک گینگ ہے جو خطرناک لوگوں پر مشتمل ہے۔ اور تم اس گینگ کے سربراہ ہو۔ اس کے علاوہ تم ایک خاص مہم پر لگے ہو۔ تمہیں کسی ایسے زخمی کی تلاش ہے جسے کوئی سفید فام انکار کرے نہ کیا ہے۔“

”کیوں یہی سب باتیں ہیں نا۔“

”تمہاری معلومات واقعی حیرت انگیز ہیں۔“ وشنو نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ تم نے میرے بارے میں کہاں سے معلومات حاصل کر لیں۔“

”میں تمہاری اپنی معلومات کے ذرائع نہیں بتا سکتا۔“

چوہان نے کہا۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہم تمہارے رحم و کرم پر ہیں۔ کیوں؟“

”نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہاری غلط بیانی کے باوجود میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں۔“

”کیا؟“ وشنو نے بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو۔“

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا“ وشنو نے کہا۔ ”میں کس طرح تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟“

”میں دہائی بنا رہا ہوں۔ سب سے پہلے تم اپنے ذہن سے یہ غلط فہمی دور کر دو کہ میں کوئی پراسرار شخص ہوں یا میرے ہر کھوکھلے اس پوشیدہ مقام پر، ہر حوصلی کی غلط مقصد سے تعبیر کی جاتی۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میرے ہسٹکے ایک طویل عرصے سے اس علاقے پر راج کرتے آئے ہیں ہم لوگ اس علاقے کے حکمران تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اندرونی اور بیرونی سازشوں کا زور تھا۔ آئے دن کسی نہ کسی ریاست سے جھڑپ ہوتی راتی تھی۔ اس وقت میرے چڑکھوں نے اس خوفناک مقام پر حوصلی اس عرصے سے تعبیر کر کہ کبھی جنگ میں انہیں شکست ہونے لگی تو وہ اپنی غزوات اور بھڑکوں کا بچا کر یہاں لے آئیں گے۔ کیونکہ جب ایسی جگہ یہاں بیرونی دنیا کی نگاہ نہیں پڑ سکتی۔ خیر لوگ اسے چڑکھوں کو اس انداز سے اس عمارت کی ضرورت پیش نہیں آئی کیسے انہوں نے اسے استعمال میں رکھا۔ اس زمانے میں اس علاقے میں شکار کی افراط تھی، وہ یہاں اکثر شکار کھیلنا لگے تھے۔ چونکہ اس حوصلی میں ان کا قیام کئی کئی دنوں تک ہوتا تھا اسی لیے انہوں نے اسے ضروریات زندگی کی چیزوں سے آگاہ کر دیا۔ وقت گزرے کے ساتھ ساتھ ہلے آپ دلا نے اپنی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں تزئینات لیں اور اسے اس دور کی موجودہ ہولناکیوں سے مزین کرنا پڑا۔ جی کے سورگماشی ہونے کے بعد جب یہ حوصلی میرے قبضے میں آئی تو میں نے اس میں باغی اور کھلی کی فراہمی کا انتظام کیا۔ اس میں اسٹون کے لیے اسٹور بنوائے۔ ان کے علاوہ جدید کم کے فیئر بھی لا کر رکھ دیے۔ کتوں کا انتظام کیا۔ یہ میں نے صاف ہوا تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ تمہارے ذہن سے یہ صاف ہوا کہ میں کوئی پراسرار شخص ہوں اور یہ حوصلی غلط کاموں کے لیے استعمال ہوا کرتی ہے“

”تمہاری باتوں نے مجھے مطمئن کر دیا ہے“ وشنو اس کے خاموش ہونے کے بعد بولا۔ ”لیکن مجھے جس راستے سے یہاں لایا گیا، وہ بہت تنگ سا راستہ تھا۔ پھر یہ اتنی بڑی جگہ کس طرح بنائی گئی اور اتنا سا زور سامان یہاں کہاں سے آگیا ایسا لگتا ہے جیسے سب کچھ جادو کے زور سے ہو گیا ہو“

”میں تمہاری بات سمجھ رہا ہوں بیچو! ان مسکرا دیا۔ اور مجھے خوشی ہے کہ تم ایک ذہین انسان ثابت ہو رہے ہو۔ تم

سوال کر کے دراصل یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ اس حویلی میں داخل ہونے کا اور کوئی راستہ ہے یا نہیں۔ کیوں نہیں ہوتا ہے نا؟

”ہاں یہی بات ہے۔“ وشنو بھی مسکرا دیا۔ اور یہیں اعتراف کرتا ہوں کہ تم بھی کم ذہین نہیں معلوم ہوتے۔“

چوہان بے ساختہ ہنس پڑا۔ پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اس نے کہا: تمہارا اندازہ درست ہے۔ اس حویلی میں داخل ہونے کا ایک اور راستہ بھی ہے۔ لیکن وہ راستہ تمہیں نہیں بتایا جائے گا۔ ویسے بھی یہاں موجود دہشت گرد لوگوں کو اس راستے کا علم ہے۔“

”خیر تم یہ بتاؤ کہ میں کس تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟“ وشنو نے پوچھا۔

”دیکھو مجھے یہ تو معلوم ہو گیا کہ تم وہ نہیں ہو جو تمہارے خود کو ظاہر کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بھی پتا چل گیا کہ ان لوگوں میں سے ہمیں جو جنہوں نے اس وادی کے سکون کیلئے کر کے رکھ دیا ہے، بلکہ تم ایک طرح ان کے دشمن ہو، تمہارا کوئی آدمی شاید ان کے قبضے میں ہے۔ اور تم اسے ان کی قید سے چھڑانا چاہتے ہو۔“

”ہاں کسی حد تک تمہاری بات درست ہے۔“ وشنو نے کہا۔ میں ان لوگوں سے انک ہوں۔ بلکہ میں ان لوگوں کا دشمن بھی ہوں۔ میں اس سلسلے میں ایک غیر ملکی برناؤ کا نام لوں گا۔ میری اس سے بہت پرانی دشمنی ہے۔ اس نے مجھے دغا دیا ہے اور میں اس حساب کو براہِ گردن چاہتا ہوں اور اس کے علاوہ ایک ایسا شخص بھی اس کے قبضے میں ہے جس کی ضرورت مجھے ہے۔ میں اس زنجی کو اس کی قید سے رہا دلوانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس طرح تم اسے بیزاد دشمن کہہ سکتے ہو لیکن تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے، تم کس طرح اس کے چکر میں آ گئے ہو؟“

”یہ بہت عجیب کی کہانی ہے دوست۔“ چوہان نے ایک ٹھہری سانس لی۔ معاف کرنا میں نہیں دوست کہہ رہا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کا دشمن دوست ہو کر نکلے۔ قبضہ کرنے کے اب زمانہ بدل گیا ہے۔ ہم لوگوں کی رباست و غیر تو ختم ہو گئی ہے۔ لیکن ابھی ہماری ساکھ پر قمر ہے۔ ابھی ہم ایک بہت بڑے علاقے کے جاگیردار ہیں۔ ابھی کچھ ہمارا پاس بہت کچھ ہے۔ تمہارے ملازمین کی تعداد دو سو تالی ہیں۔ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو اس حویلی میں ہیں۔ ان کے

علاوہ ہماری جاگہ پر بھی بہت سے لوگ ہیں بہر حال پچھلے کئی مہینوں سے ہمارے آدنی غائب ہونے لگے تھے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کہاں چلے گئے ہیں۔ ہماری ہریشاں کی وجہ یہ تھی کہ ان میں سے کوئی بھی ہم سے غیر وفادار نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں دھوکے یا زبردستی سے چلایا گیا ہے۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ ان میں سے اکثر ہی وادی میں آنے کے بعد غائب ہوئے تھے۔ جیسے اس ولولہ نے انہیں نکل لیا ہو۔ ہمیں نے اپنے طور پر اس کا راز کا پتہ لگانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ اس دوران اس وادی سے متعلق بہت سی باتیں کثرت کرنے لگیں مثلاً کے طور پر یہاں رات کے وقت عجیب عجیب آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ بڑے بڑے خود بخود چٹکی جالڑ گھومتے ہوئے دھکیل دیتے ہیں، جبکہ اس سے پہلے ایسے جانوروں کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ یہ علاحدہ بہت بہر سکون تھا۔ پھر کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں ہر سب کیا ہو رہا ہے۔ لیکن اس راز کی تہ تک پہنچنے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ اتفاقاً سے ایک ایسا آدمی میرے ساتھ لگ گیا جو ان لوگوں کی قید سے بھاگ نکلا تھا۔ اس نے جو کہاں سنائی وہ بہت حیرت انگیز تھی۔ اس نے بتایا کہ کچھ لوگ اسے دھوکے سے پکڑ کر لے گئے تھے اور ایک ایسا جکھپہٹا دیا جو اس کے لیے بالکل اجنبی تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق وہاں انسانوں کو جانوروں میں تبدیل کر دیا جاتا ہے اور جن لوگوں کو پکڑ کر لایا جاتا ہے۔ ان سے مزدوری کرائی جاتی ہے۔ اور ان لوگوں کا سرغذا ایک غیر ملکی ہے۔

”یہ وی برناؤ ہو سکتا ہے؟“ دشمنو نے کہا۔ ”یہ سدا گورکھ دھندہ اس کا پھیلنا یا ہول ہے“

”تم نے یہ نام دوسری بار دیا ہے؟“ چوہان اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ”یعنی تم اس شخص کو کبھی طرح جانتے ہو؟“

”بہت اچھی طرح۔ میں بتا چکا ہوں کہ اس نے مجھے دھکا دیا ہے۔ اور میں اس دھوکے کی مرزا دیتی جا رہا ہوں۔“

”اگر تم مناسب سمجھو تو اس دھوکے کے بارے میں میں بتا دو؟“ چوہان نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے اس طرح ہمیں صحیح وقت کو پہنچنے کا موقع مل جائے۔ کچھ اندازہ ہو جائے کہ وہ کس شخص کا کر رہا ہے۔ اس کے عزائم کا میں؟“

”کیا فائدہ ہے باس؟“ بلراج اچانک بول پڑا۔ اس کہان کو دہرائے سے کیا ملے گا۔؟ تم کو سیدہ حاصلہ حاجی

کاروائی کرتی ہے بے بس“  
 ”میں اس کا روائی کے لیے جو جان صاحب کے ساتھ  
 تعاون کرنا چاہتا ہوں“ وشنو نے کہا: ”ایک سے دو بچے  
 ہوتے ہیں بلراج“  
 ”ٹھیک ہے باس“ بلراج نے اپنا شاندار چکا دیا: جیسی  
 تمہاری مرضی“  
 ”تمہارے اس ساتھی کو شاید مجھ پر کچھ دوسرے نہیں آ رہا ہے  
 جو جان بلراج کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔  
 ”اس میں اس کا کبھی کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نے  
 اپنی زندگی میں اتنے دھوکے کھائے ہیں کہ اسے انسانوں  
 سے وحشت محسوس ہونے لگی ہے“ وشنو نے بتایا۔ ”لیجئے  
 اگر اس کے ذہن میں تمہاری بات آ جائے تو پھر یہ سب کچھ  
 کر دے گا۔ اس کی فطرت، ایسی ہی ہے“  
 ”میں یہ سمجھ رہا ہوں“ جو جان مسکرا دیا۔ ”پھر اس نے بلراج  
 کی طرف دیکھا۔ ”میں تمہارے باس پر زور نہیں دوں گا۔  
 یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے“  
 ”نہیں نہیں، یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو چھپائی  
 جائے“ یہ کہانی زیادہ دنوں کی نہیں ہے۔ میں یورپ سے  
 ہندوستان آ رہا تھا کہ طبائے کو انوکھا کر گیا تھا۔ انوکھا کرنے والوں  
 کے سیاسی مطالبات تھے جن کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں تھا  
 ہر حال تو اس طبائے کو فریختے جا پایا۔ چنانچہ ایئر پورٹ  
 ہی پر افراطی و فساد مچ گئی۔ ایئر پورٹ پر ہوائی ٹیکسوں کے کچھ  
 ساتھی موجود تھے۔ جنہوں نے باقاعدہ حملہ کر دیا جس کے  
 نتیجے میں مقامی فوج بھی بلوائی گئی، اور اچھی خاصی جنگ شروع  
 ہو گئی۔ مسافروں کو اپنے لائے پڑ گئے۔ ان مسافروں میں ایک  
 برطانوی تھی۔ مجھ میں اور ہر دانشمندی طرح اپنی جان بچا کر ایئر پورٹ  
 سے باہر نکل گئے۔ جو جی اس وقت ہم دونوں کا مسئلہ ایک  
 ہی تھا۔ اسی لیے ہم ایک دوسرے کے قریب آ گئے۔ ہاں میں  
 یہ بتانا بھول گیا کہ یہ گولابے نانی شہر کے ایئر پورٹ پر پڑائے  
 گئے تھے۔ پھر ہواؤں کا وہی وقت مقامی انتظامیہ نے شہر میں  
 ایئر جیسی نافذ کر دی۔ ایئر جیسی کے نافذ ہوتے ہی مقامی ایئر لائنوں  
 کے غول کے غول باہر نکلے اور وہ پورا شہر میدان جنگ کی  
 طرح ہو گیا۔ کسی کو کسی کا دھیان نہیں تھا۔ انہیں اس کی کبھی  
 پروا نہیں تھی کہ اس جہان کے مسافروں کے ہر کیا کزہ  
 ہے۔ جب ہم دونوں نے یہ صورتحال دیکھی تو ہمتیں ہی بھاگ  
 کسی طرف بھاگ گئیں کیونکہ پورا شہر کی بیویں روتی رہیں یا یہاں



مقتا کسی طرف سے بھی کوئی گولی آکر ہمیں ہلاک کر سکتی تھی تو ہم دونوں اس شہر سے باہر آگئے۔ پھر کچھ ایسے حالات بنے کہ ہمیں ایک مقامی قبیلے نے پناہ دے دی۔ وہ بہت بڑا اور بہت طاقتور قبیلہ تھا۔ اس کی بستی کیا تھی پورا ایک شہر تھا جہاں ہر قسم کے وسائل میسر تھے۔ اور اسی بستی سے ہماری اس پراسرار سفر کی داستان شروع ہوئی ہے۔ ہم اور برناڈا اسی بستی میں جا کر ایک دوسرے کے دوست بھی بنے اور ایک دوسرے کے دشمن بھی ہو گئے۔

”وہ کس طرح؟“ چوہان نے پوچھا۔ وہ اس کہانی میں بہت دلچسپی محسوس کر رہا تھا۔

”پہلے قبیلے میں سینے سے اس کی کہانی بھی بہت تیزان کن تھی، وشنو نے بتایا۔ اس قبیلے کا سربراہ ایک ایسا شخص ہوا کرتا ہے جسے وہ لوگ کوہرا کا خطاب دیتے ہیں۔ ان کا موجودہ کوہرا ہندوستان میں تھا۔ یہ سب انہوں نے ہمیں بتایا تھا۔ تو اس موجودہ سربراہ نے اپنی زندگی ہی میں ہندوستان کے ایک آدمی کو اس قبیلے کی سربراہی عطا کر دی تھی۔ اس آدمی کا نام داور ہے۔ اور وہ ہندوستانی ہی ہے۔ پھر ان لوگوں نے ہم دونوں سے یہ استدعا کی کہ ہم ان کے سربراہ کو کسی طرح ان کے قبیلے تک پہنچا دیں۔ اس کے عوض وہ ہمیں اپنی دولت دے گی جس کا ہم نے نصیب بھی نہیں کیا ہوگا۔ ہم نے جب ان سے داور کی نشان طلب کی تو انہوں نے بتایا کہ ہندوستان کی ایک بستی میں پراسرار دھماکا ہوگا جس کے نتیجے میں وہ بستی تباہ ہو جائے گی۔ صرف ایک آدمی زخمی حالت میں ملے گا اور وہی داور ہوگا۔

”یہ کیا بات ہوئی انہیں کس طرح معلوم ہو گیا کہ سب ہونے والا ہے؟“

”یہ سب ان کے وچ ڈاکروں کے کٹھے ہیں، وشنو نے بتایا۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ لیکن جب ان لوگوں نے مجھے میرے ماضی کی کچھ ایسی باتیں بتائی جن کا علم سوائے میرے اور کسی کو نہیں ہے تو مجھے ان پر یقین کرنا ہی پڑا۔ میری طرح برناڈا کو بھی اس کا یقین آ گیا تھا۔ ہر دونوں نے ایک دوسرے سے معاہدہ کر لیا۔ معاہدہ یہ تھا کہ دونوں مل کر اسے تلاش کرنے اور فریقہ پہنچانے کی کوشش کریں گے اس کے نتیجے میں جتنی دولت حاصل ہوگی وہ ہم دونوں آپس میں تقسیم کر لیں گے۔ اس کے بعد ہم نے واپسی کی راہ اختیار

کی کیوں ہمیں ہندوستان واپس آنے کی جلدی تھی؟

”وہ لوگ جب اپنی پراسرار قوتوں کے مالک ہیں تو پھر انہوں نے خود ہی اپنے سربراہ کو کیوں نہیں بلالیا۔ پوچھو ان سے پوچھا۔

”میں نے بھی یہ سوال کیا تھا، وشنو نے جواب دیا جس کا جواب ان کے پاس یہ تھا کہ ان کی کچھ حدود ہیں۔ اور وہ ان حدود سے باہر نہیں جاسکتے۔ بہر حال ہمیں اس سے کیا پتا تھا ہمیں تو ایک کام بتا دیا گیا تھا۔ اور ہمیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر ہم نے ان کا یہ کام کر دیا تو وہ واقعی ہمیں مال مال کر دیں گے۔ خیر۔ تو ہم واپسی کے لیے چل پڑے۔ برناڈا اور میں اس وقت تک ایک دوسرے کے اچھے دوست بن چکے تھے۔ برناڈا کے کہنے کے مطابق وہ بھی اس وقت ہندوستان ہی کی طرف آ رہا تھا لیکن اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ اس کے ہندوستان آنے کا مقصد کیا ہے۔ اور نہ ہی میں نے اس سے دریافت کیا راستے میں مجھے کس طرح برناڈا کے دل میں لالچ پیدا ہو گیا۔ ہم اس قبیلے سے گولابے تک پھیل آ رہے تھے کیونکہ اور کوئی راستہ ہمیں مختار راہ میں ایک جگہ ہم نے پڑا دیا اور برناڈا نے وہیں میری بے خبری میں مجھ پر حملہ کر دیا۔

”اور؟“ چوہان نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو تمہاری اس سے دشمنی کی سی وجہ ہے؟“

”یہ وجہ کم تو نہیں ہوئی چوہان صاحب، وشنو نے کہا۔ اس نے مجھے ہلاک کرنے میں کوئی گمراہ نہیں رہی تھی بس میری قسمت اچھی تھی کہ میں شدید زخمی ہونے کے باوجود زندہ رہا۔ وہ اپنا کام کر کے چلتا ہوا تھا جبکہ مقامی لوگ مجھے زخمی دیکھ کر اٹھالائے اور میرا علاج کیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد میں دلچسپ کے قاتل، ہوسکا تھا۔ یہاں آنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو برناڈا کی تلاش میں لگا دیا۔ وہاں میں اس وقت برناڈا کے خلاف انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ اور ابھی تک وہی آگ میرے سینے میں روشن ہے۔ میں یہ بھول ہی گیا تھا کہ مجھے دولت حاصل کرنے کے لیے داور نا ہی کسی آدمی کو تلاش کرنا ہے۔ ہر قسمت پر برناڈا کی تلاش تھی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ میری طرف سے مطمئن ہو کر داور کو تلاش کرنے میں لگا ہوا ہوگا۔ اسی دوران میں نے ایک خیر سنی کر ایک پوری بستی پراسرار دھماکے سے تباہ ہو گئی ہے اور اس بستی میں

صرف ایک زخمی ملا ہے جسے علاج کے لیے ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ زخمی اس داور کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں اس زخمی تک پہنچ سکتا۔ برناڈا اسے لے لے اور اب مجھے ان دونوں کی تلاش ہے۔ داور کی بھی اور برناڈا کی بھی۔

”یہ عجیب تہذیب تو ہے کہانی ہے؟“ چوہان اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ تو ہم ان دونوں کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک چلے آئے؟“

”ہاں۔ یہ عجیب بات ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ برناڈا نے یہاں کبھی کدھر کا پھلار کھائے۔ وہ کیا چاہتا ہے اگر اس کا مقصد صرف داور کو حاصل کرنا تھا تو اس کے لیے وہ لوگوں کا اعوا اور لوگوں کو جانوروں کی کھالیں وغیرہ پہنانے کا کیا مقصد ہے؟ یہ معاملہ تو اس نے کچھ اور بھی شروع کر دیا ہے اس نے اگر داور کو حاصل کر لیا ہے تو اسے چاہیے تھا کہ وہ داور کو لے کر یہاں سے چلا جاتا۔

”تمہاری کہانی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ برناڈا کون ہے اور ہندوستان سے لے آیا ہے۔ لیکن تمہاری طرح خود میں بھی الجھ گیا ہوں، ہم نے جس آدمی سے اس کے خزانے کی داستان سنی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لوگ ادھر ادھر سے لوگوں کو پکڑ کر ان سے جبری مزدوری کر رہے ہیں۔ اگر اس کی بات درست ہے تو پھر یہ داور وہاں کی کہاں فٹ ہوئی ہے؟“

”میں نے یہ کہانی غلط نہیں سنا ہے۔“

”نہیں۔ غلط نہیں سمجھ رہا۔ بلکہ الجھا ہوا ہوں میں نے یہاں چاروں طرف اپنے آدمی پھیلادیے ہیں تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اس طرح دوسروں کو اغوا کیا کرتے ہیں اس کے نتیجے میں کچھ ایسے لوگ سامنے آئے جنہیں جانوروں کی کھالیں پہنانا ہی نہیں۔ لیکن ہماری اطلاع کے مطابق وہ لوگ سیدھے سادے دیہاتی لوگ ہیں اور ان سے جبراً یہ کام لیا جا رہا ہے۔ اور اس کام کی وجہ یہ معلوم ہوئی ہے کہ ان طرح دوسرے سیدھے سادے لوگوں کو اس طرف آنے سے روکا جاسکے۔ انہیں اس حد تک خوفزدہ کر دیا جائے کہ وہ اس طرف نہ آسکیں۔“

”بس یہی ایک بات میری سمجھ میں بھی آئی ہے؟“ وشنو نے کہا۔ اب ہمیں حالات کا اس وقت تک اندازہ نہیں

ہو سکتا جب تک ہم برناڈا اور اس کے آدمیوں پر ہاتھ نہ ڈالیں۔ اس کے لیے ہمیں سب سے پہلے اس مقام تک پہنچنا ہوگا جہاں ان لوگوں کو جمع کیا جا رہا ہے۔ میں اور میرا دوست۔ طراح اسی مقصد سے اس طرف آئے تھے کہ تمہارے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اور ہمارا کام ادھر رہ گیا۔“

”چلو اس طرح تمہیں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ اب وہاں رہے۔ بلکہ اس ہم میں میں اور میرے ساتھی بھی تمہارے ساتھ ہیں۔“

وشنو نے کچھ کہنا چاہا تھا کہ آج کا اسی وقت چوہان کا ایک آدمی دوڑتا ہوا آکرے میں چلا آیا۔ اس کی سانسیں زور زور سے پھول رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ اس طرح لرز رہے تھے جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہو لیکن اس کی زبان اس کا ساتھ دے رہی ہو۔

”سرکار ہرکار! وہ بھولی ہوئی سانسوں کے درمیان بولا۔

”پہلے خود کو ہوش میں لاؤ اس کے بعد بتاؤ کیا ہوا ہے؟“ چوہان نے غصے سے پوچھا۔

وہ شخص گڑبڑا کر کہہ گیا پھر دھیرے دھیرے بہت سنبھل کر کہنے لگا۔ ناگ بھٹی میں آگ لگ گئی ہے سرکار۔“

”کہا؟“ چوہان اس طرح الجھل پڑا جیسے اس کے بدن میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟“

”تج کچھ رہا ہوں سرکار۔ ناگ بھٹی میں آگ لگ رہی ہے۔“

چوہان نے اس کے بعد وشنو اور طراح کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس ہال سے باہر چلا گیا تھا۔ جبکہ یہ دونوں اتفاق کی طرح کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

وہ انتہائی خوبصورت لڑکی تھی۔

اس نے ہلکے نیلے رنگ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی جو ان کے متناسب جسم پر بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اس کے گلے میں سونے کا ایک لاکٹ تھا جو دور ہی سے اپنے قیمتی ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔ اس نے ہر فیوم بھی ایسی لگا رکھی تھی جو اس کے برابر سے گزرنے والوں کو معطر کیسے دے رہی تھی۔ اس نے جس وقت سے ہسپتال میں قدم رکھا تھا ان

وقت سے پہلے کا پورا اسٹاف اس کے ارد گرد گھومتا  
 دکھائی دے رہا تھا۔ شخص کسی نہ کسی پہانے سے اس کے  
 قریب ہونے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ ان سبھوں سے  
 بے نیاز ایک کرسی پر بیٹھ چکا ہوا کرمل راجہ کے آنے کا انتظار  
 کر رہی تھی۔

کرنل راجندر جس وقت اپنے کمرے میں پہنچا اپنی اہلیت اسے اس لڑکی کے بارے میں بتلادیا گیا تھا جس نے اپنا نام نیہلا بتایا تھا۔  
 وہ کہہ سکتا ہے کہ کرنل راجندر نے اس شخص سے پوچھا کہ اس لڑکی کے بارے میں بتانے آیا تھا؟

”اس نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ بہت دیر سے بیٹھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ ہر حال میں آپ سے مل کر رہی جائے گی۔“

”ہوں مٹھیک ہے۔ اسے بیچ دو“  
وہ لڑکی کچھ ہی دیر بعد کرنل راجند کے کمرے میں موجود  
مختی کرنل بھی اسے دیکھ کر بہت شوگیا تھا۔  
”تشریف رکھیں“ اس نے آپ بھر قابو پاتے ہوئے  
کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

لڑکی اس کا ٹکڑا کر بیہ ادھر لڑکی ہوئی اس کے سامنے والی  
مکڑی ہر بیٹھ گئی۔  
”باتیں میں آپ کی کیا سیوا کر سکتا ہوں؟“  
”مجھے اپنے بچے سمندر لال سے ملنا ہے، لڑکی نے  
اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کے بھتی! ہمیں نہیں سمجھ سکا، کیا وہ اسی ہسپتال میں ہیں۔؟“

”اس ہسپتال میں تھے، لیکن آپ کی غفلت کی وجہ سے وہ دور جا چکے ہیں۔ اور اس کی ساری ذمہ داری آپ پر ہے۔“

”میں نہیں سمجھ سکا آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“  
 ”میں اس زخمی کی بات کر رہی ہوں۔ جو آپ کے یہاں  
 زیر علاج تھا۔ اور جسے کچھ لوگ اعصاب کے لئے گئے ہیں؟“  
 لڑکی نے کہا۔  
 ”کیا! کرنل بری طرح جو تک پڑا۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟“  
 ”کیا وہ تمہارا شوہر تھا؟“ اس کا لہجہ آج تک تبدیل نہ ہو سکا تھا  
 اب اس کے لیے میں نرمی کے بجائے دہشت تھی، لیکن اس

لڑکی پر اس کا کوئی اثر نہیں محسوس ہو رہا تھا۔  
 ”ہی۔ وہ میرا شوہر تھا؟“ لڑکی نے بے خوفی سے جواب دیا۔ ”اور اسے تم لوگوں نے کہیں غائب کرا دیا ہے؟“  
 ”ہوش میں رہ رہا ت کہ رو کر لڑکی اچانک روم بزم ہو گیا۔  
 ”کیا ثبوت ہے تمہارے پاس کہ وہ جہاد شوہر تھا؟“  
 ”کتنے ثبوت چاہیں۔ میں ایک درجن ثبوت دے سکتی ہوں۔“

اگر وہ تمہارا شوہر تھا تو یہ مجھ کو اس بستی کی طرف  
کیوں لگایا تھا؟ کیا تم اس کے بارے میں کچھ جانتی  
ہو؟“

”کیوں نہیں؟“ لڑکی نے اپنے ہنڈ بیک سے اٹھا کر ایک شمار لکال کر کرکٹ کی طرف بڑھ دیا۔ وہیں اسے پڑھ لیں۔ آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ میں کس حد تک غلط یا صحیح کہہ رہی ہوں۔ لیں پڑھ لیں۔“

کر نل نے غصے سے چہرہ کر اس کی طرف دیکھا پھر اس کے ہاتھ سے اخبار کا وہ تراڑا اڑا ہوا ٹھوٹھٹ لیا۔ اس صغے پر ایک فیچر شائع ہوا تھا۔ جو سر پندر لال نانی کسی آدمی کا لکھا ہوا تھا۔ وہ فیچر ٹیڈل کے بارے میں تھا اس میں کئی تصویریں بھی تھیں وہ تصویریں وہاں کے جنگلات اور مختلف قدرتی مناظر کی تھیں۔ یہ وہی جگہ تھی جو ایک دھماکے کے نتیجے میں تباہ ہو چکی تھی۔ اس فیچر کا عنوان تھا: ٹیڈل گھر ایک ایسا علاقہ جہاں بھولوں کا لڑکھوٹا ہے۔

”کیا ہے سب؟“ کرئل نے اخیلہ کے حصے سے پوچھا۔  
 ہٹائیں۔ کیا لکھا ہے اس میں؟“  
 ”ہیں نے کہا نا کہ اس میں آپ کے سوالوں کے جواب  
 ہیں، لڑکی نے کہا کہ آپ اس فیچر کو پڑھ لیں۔ آپ کو کچھ چتہ  
 چل جائے گا۔“

کرزل راجندرے اس لڑکی کے بچنے پر اس قدر کھانا  
 شروع کر دیا۔ اس میں بلیز گھسنے والی علاقے کے بابے ہیں  
 لکھا گیا تھا کہ اس علاقے میں گزرتے کسی چھوٹے سے عجیب  
 عجیب واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ مقامی لوگوں کے کہنے  
 کے مطابق وہاں راتوں کو آتھی تیز روشنی دکھائی دیتی تھی  
 جیسے کوئی شہر آباد ہو گیا ہو، چٹور وغل کی آوازیں سنائی دیتی  
 تھیں اور تحقیق کے لیے اس طرف جانے والوں کا ہاتھ نہیں

چلتا تھا۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں اس علاقے کے بارے میں تحریر کی گئی تھیں۔ تجربہ کار علاوہ کچھ تصدیقیں بھی تھیں جو اس علاقے کے مختلف مناظر کی تھیں۔

”مٹھیک ہے میں نے یہ فیچر پڑھ لیا، کارل راجندر نے فیچر پڑھ لینے کے بعد اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے کہا: ”نیکین اس سے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟“

”یہ فیچر میرے شوہر مرہند لال نے لکھا تھا، بیٹا نے بتایا۔“

”چلو جان لیا۔ لیکن اس زخمی سے تمہارے شوہر تک  
 ”کہانی کیسے ہے؟“  
 کے لیے اس طرف گئے اور زخمی حالت میں واپس آگئے۔  
 ”میں نے یہ بھی مان لیا کہ تمہارے شوہر اس علاقے  
 کی طرف گئے تھے۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہو تب  
 کہ جو زخمی تمہارے بہان سے غالب ہو اسے وہ تمہارا شوہر ہی  
 تھا۔ اس کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟ جو کہ شاید نہیں معلوم  
 ہو کہ اس زخمی کو شناخت نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا پورا چہرہ  
 ناقابل شناخت ہے۔“

”یہی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نزل صاحب کلمے  
 پہنچانا نہیں جاسکتا ہے“ نیلمہ نے کہا۔  
 ”کیا مطلب؟“ کہ نزل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔  
 ”جہنم کے گم صاف صاف بناؤ۔“

”میرے شوہر اس علاقے میں کیلے نہیں گئے تھے۔ بلکہ ایک اور آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔ اس آدمی کا نام میرے شوہر نے ریش بتایا تھا۔ میں نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ میں نے انہوں نے کہا تھا کہ وہ اپنے ایک دوست ریش کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق ریش ہمت دہرا اور ڈان آدمی تھا۔ میرے شوہر جو ایک بار پہلے بھی اس علاقے کی طرف جا چکے تھے۔ اور وہاں سے واپسی پر انہوں نے وہ پتھر لکھ جواپنے انھی پتھر لیا تھا۔ لیکن اس ہڈان کا ارادہ جنگل میں دوڑ کر جانے کا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس جنگل میں جیسے کچھ ہو رہا ہے۔ وہ انسانوں کی کارستانی معلوم ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ قانون سے بھاگے ہوئے کچھ لوگوں نے اس علاقے میں ایسا اڈہ قائم کر لیا ہو۔ اور وہ دوسروں کو روکنے کے لیے اس قسم کے شہدے

دکھا رہے ہوں۔ میرے شوہر کا کہنا تھا کہ اس بار وہ اور ریش دونوں مل کر اس ختوت سے پردہ اٹھائے گی کوشش کریں گے۔ میں نے انہیں سمجھانے کی کبھی کوشش کی لیکن وہ ہمت ہرجوش اور ہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ ان کی زندگی کا سب سے دلچسپ کارنامہ ہو گا ہر حال ایک دن وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ ریش بھی ان کے ساتھ تھا۔

میں کیا تم نے اس وقت ریش کو دیکھا تھا؟ ہرگز نے دریافت کیا۔

”مہینے بھرے سمندر کا گھناؤنا رخا رہیسی ان سے آئین  
ہی بہرل جانے کا۔ ظاہر ہے کہ میں کیا کچھ سمجھتی تھی۔ وہ چلے  
گئے اور میں ان کی دایہ کی راہ دیکھتی رہی۔ شروع شروع  
میں ان کے کچھ خطو دا آئے۔ پھر خطو آئے بند ہو گئے۔ میری  
پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا  
کروں۔ کہاں جاؤں؟ بس سے ہلے چوں؟ کچھ دن اسی طرح  
پریشانی میں گزر گئے۔ پھر ایک صبح دروازے پر دستک ہوئی  
اور جب میں نے دروازہ کھولا تو رملیش دروازے پر  
موجود تھا۔“

”ہمیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ ریش ہے؟“  
 ”ظاہر ہے کہ اس نے اپنا تعارف کر لیا ہوگا“ فیملی نے  
 ہونٹوں کو میچتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی حالت بہت خراب  
 ہو رہی تھی۔ پچھلے اس کے جسم پر اس طرح جھول رہے تھے  
 جیسے برسوں پر لے ہوں۔ اس کا پورا چہرہ مسو جھا ہوا تھا۔  
 جبکہ جو خراشیں بڑی ہوئی تھیں۔ اس سے بولا بھی نہیں  
 جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے قبر سے نکل کر آیا ہو۔ اس  
 کی کمروری کا یہ عالم تھا کہ اس سے کھڑا بھی نہیں ہوا تھا اور  
 وہ چکر اور دروازے کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔ میں بڑی مشکل  
 سے اسے اٹھا کر اندر لائی۔ میں نے اسے جانے وغیرہ  
 بلوائی۔ کچھ دیر کمرے کے باوجود دیا تب جا کر اس کی حالت  
 سنبھل سکی تھی۔ پھر اس نے بھائی اور میرے شوہر کی جو کہانی  
 سنائی۔ اسے سن کر میرے ادرمان خطا ہو گئے۔ اس نے بتایا  
 کہ وہ دونوں جیل میں داخل ہونے تک بالکل محفوظ تھے۔  
 کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن انہی انہوں نے خود ظہر  
 فاصلہ ہی طے کیا، ہوگا کہ انہیں پکڑ لیا گیا وہ کئی آدمی تھے  
 جنہوں نے انہیں پکڑا تھا۔ لوگ چیخے چلے زور گئے انہیں  
 ۔ انہوں نے ایک نہیں سنی اور ان دونوں کو ایک زمین

143

142

دوڑ کرے میں لے جا کر بند کر دیا گیا۔ ریش کے کنبے کے مطابق وہ کمرہ جنگل ہی کے کسی جھٹے میں بنایا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد ان دونوں پر تشدد شروع کر دیا گیا۔ یہ دونوں اپنے بارے میں بتانا چاہتے تھے لیکن ان لوگوں کی عمری اور ان کی بے رحمی کا یہ عالم تھا کہ وہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے۔ ان ہراساں ایسا تشدد کیا گیا کہ ان دونوں کی حالت غیر ہو گئی۔ وہاں کوئی بھی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ دو تین دنوں کے بعد ان دونوں کو اس تہ خانے سے نکال کر ایک کیمپ میں قید کر دیا گیا۔ جہاں اور بھی بہت سے آدمی جوروں سے بھی بدتر زندگی گزار رہے تھے۔ ان دونوں کو اس کیمپ میں الگ الگ مقام پر رکھا گیا تھا لیکن شام کے وقت جب قیدیوں کی حاضری لی جاتی تو یہ دونوں ایک دوسرے سے مل لیتے تھے۔ اسی دوران ریش کو ایک ایسا آدمی مل گیا جو کیمپ سے فرار کا منصوبہ بنا رہا تھا اس کا منصوبہ تقریباً تیار تھا۔ لیکن بد قسمتی یہ تھی کہ میرا شوہر ان کے اس منصوبے میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ کبھی اور تھا میرے شوہر نے جب یہ سنا تو بے جا رہ دل مسموم کر رہ گیا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن جملے کس طرح انہوں نے میرے نام ایک خط لکھ رکھا تھا۔ وہ خط انہوں نے ریش کے حوالے کر دیا کہ وہ اگر اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائے تو یہ خط جھٹک چینی دے۔ تو ریش وہی خط دیکھنے کے لیے میرے پاس آیا تھا۔ نیلا اناکر کرخاوش ہوئی اس کی آنکھیں اس وقت بہت اداس ہو گئی تھیں۔

کرل گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا پھر اس نے میز کی دراز سے سگار کا کس نکال کر اس میں سے ایک سگار منتخب کر کے اسے سلکا یا اور دھیمے دھیمے کش لیتے ہوئے کرسی سے اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگا۔ اس کے اس انداز سے اس کی بے قراری کا اظہار ہو رہا تھا۔

”یہ تو ہے عجیب کہانی سناؤ“ کرل نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”وہ ریش کہاں ہے؟“

”میں نہیں جانتی“ نیلا نے اس کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ وہ اتنا خوفزدہ تھا جیسے دنیا بھر کی باتیں ان کے تعلق میں ہوں۔ میں نے اس سے اس کا پتہ پوچھا تھا لیکن اس نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ اس کی کوشش یہی

تھی کہ وہ کسی طرح میرے شوہر کا خط میرے حوالے کرے کہیں بھاگ لے۔ اور اس نے یہی کیا۔ اس نے وہ خط میرے حوالے کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

”اوہ“ کرل نے ایک گہری سانس لی۔ ”تو تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتا تھا؟ اس کا خط کون کہاں تھا؟“

”اب ایسی بات بھی نہیں ہے کرل صاحب!“ نیلا نے کہا۔ مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا۔ لیکن وہ میں بعد میں بتاؤ گی۔ نیلے میں اپنے شوہر کی باتیں کرلوں۔“

”چلو بتاؤ تمہارے شوہر کو کیا ہوا؟ کرل کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔“ اور ہاں۔ میرا سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ تمہیں کیسے معلوم کہ وہ زخمی تھا اور میری کتھا۔ کیونکہ اس میں اور بھی بہت سے لوگ ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ بیڑی ان میں سے کوئی ایک ہو۔“

”نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میرے شوہر نے مجھے جو خط لکھا ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زخمی سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”اوہ۔ کیا لکھا ہے اس خط میں؟“

”یہ ہیں۔ آپ خود ہی پڑھ لیں۔ نیلا نے اپنے میگ سے ایک خط نکال کر کرل کی طرف بڑھا دیا جسے اس نے فوراً ہی چھٹ لکھا تھا۔ وہ انگریزی میں لکھا ہوا ایک خط تھا جس کے ہر لفظ سے ایک محبت کرنے والے لیکن انتہائی مجبور انسان کی بے بسی کا اظہار ہو رہا تھا۔ سر بندر لال نے لکھا تھا۔

نیلا!

بس اتنا ہے کہ کسی طرح زندہ ہوں ہوتا ہے کہ اپنے محبت کرنے والوں کو بڑی جری نہیں بتاؤں جاؤں۔ لیکن تمہیں اس لے بتاؤں ہوں کہ تم ایک حوصلہ مند عورت ہو۔ تم جانتی ہو کہ کس طرح صبر کیا جا سکتا ہے اور کس طرح اپنے آپ کو آئینہ آنے والے وقت کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔

تم بھی اپنے آپ کو تیار کر لو میں تمہیں یہ بڑی خبر سن رہا ہوں کہ میں شاید واپس نہ آسکیں۔ کیونکہ حالات نے مجھے اپنے شیخے میں جکڑ لیا ہے۔ بہت مشکل سے یہ خط لکھ رہا

ہوں۔ اپنے دوست کو دے رہا ہوں ہو سکتا ہے کہ یہ خط تم تک پہنچے میں کامیاب ہو جائے یا پھر تم زندگی بھر میری راہ ہی دیکھتی رہ جاؤ۔ تمہیں بہت سی باتیں ریش سے معلوم ہو چکی ہیں۔ مجھ پر یہ انتہا تشدد کیا جا رہا ہے۔ اور اب مجھے اپنا تصور کا پتہ چلا گیا ہے۔ میرا قصور یہ ہے کہ میں نے اس علاقے کے بارے میں ایک شہر تیار کیا تھا۔ اسی کی سزا مجھے دی جا رہی ہے ان لوگوں نے۔ مجھ سے یہ کہا ہے کہ وہ مجھے ہلاک نہیں کریں گے بلکہ بہت بری طرح سزا دیں گے۔ مجھے بری طرح زخمی اور کتہ کر دیا جائے گا۔ میرے جسم کو اس طرح سح کر دیا جائے گا کہ شناخت ہی نہ ہو سکے۔ اس کے بعد وہ لوگ مجھے کیمپ سے نکال کر جنگل کی سرحد پر بھیج دیں گے۔ پھر میری قسمت ہوگی کہ کوئی مجھے دیکھے اور میرا علاج ہو سکے۔ یا پھر میں تڑپ تڑپ کر جان دے دوں گا۔ لیکن میرے صحت یاب ہونے کے بعد بھی زندگی میرے لیے ناقابل برداشت ہوگی۔ کیونکہ میں اتنا بھیاں ہو چکا ہوں گا کہ لوگ میری طرف دیکھنا نہیں گوارا نہیں کریں گے۔ بھگوان تمہاری رکشا کرے۔ اب اجازت دو۔ میں کسی کے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں شاید کوئی اس طرف آ رہا ہے۔

تمہارا سر بندر لال!

کرل نے خط پڑھ کر ایک طرف رکھ دیا۔ اس کے ملحقہ پر شکنیں نمودار ہو گئی تھیں۔ نیلا نے وہ خط دوبارہ اپنے پاس میں رکھ لیا تھا۔

”اب تو واقعی مجھے بھی تمہارے بیان پر یقین ہونے لگا ہے۔“ کرل کچھ دیر بعد بولا۔

”میں نے آپ سے کہا تھا اگر وہ زخمی سوائے میرے شوہر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“ نیلا نے اس لیے میں پھر کہا۔

”ہاں۔ لیکن ابھی بھی کچھ چیزیں مت رہتی ہوئی ہیں مثلاً وہ دھماکا کیوں ہو گا؟ سچر کا دھماکا تھا؟ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ تمہارا شوہر کیوں اغوا کر لیا گیا؟ اس میں

ایسی کون سی خاص بات تھی؟“

”میں معلوم کرنا تو آپ لوگوں کا فرض ہے کرل۔ یہ نیلا تلخ ہو کر بول رہی تھیں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ میرا شوہر آپ کے پاس تھا اور آپ نے اسے ہمیں گم کر دیا۔“

”ہاں مجھے بھی تمہاری اس برائیت کا احساس ہو رہا ہے۔ مجھ پر ہاں۔ مجھے یاد رہا ہے۔ تم نے اس ریش کے بارے میں کیا کہا تھا۔ تم نے کہا تھا کہ تم اس کے تھکانے سے واقف ہو گئی ہو۔ کہاں ہے وہ؟“

”جہاں سے بہت دور۔“ نیلا نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ قطعہ کچھ دنوں ہے کہ ریش جس وقت میرے شوہر کا خط لے کر میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت تو اسی نے اسے دیکھ لیا۔ تو اسی میرے مانی کا نام ہے۔ وہ بہت جیسٹ لیز قسم کا آدمی ہے۔ نجانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ بجائے میرے پاس آنے کے ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا اور ریش کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ میرے پاس اتنی خستہ حالت میں کون آیا تھا۔ ریش کے باہر نکلتے ہی اس نے تعاقب شروع کر دیا اور بالآخر اس طرح اس نے ریش کا ٹھکانہ دیکھ لیا۔“

”اوہ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہوئی۔“ کرل اضطراب سے اپنے ہاتھوں کو ملتا ہوا بولا۔ ”بتاؤ وہ کہاں ہے؟“

”شہر سے کچھ فاصلے پر کھیتوں کا ایک سلسلہ ہے۔ نیلا نے بتایا۔ ایک طرف ایک خشک تالاب ہے۔ بہت پرانا تالاب کے کنارے ایک پرانا سامان بنا ہوا ہے۔ ریش اسی مکان میں ہے۔“

”کیا تم مجھے وہاں تک لے جا سکتی ہو۔؟“

نیلا کے چہرے پر ہلکی سی ہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ کرل کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی تھی۔

”اس میں سوچنا کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ ریش سے مل کر کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جو تمہارے شوہر کی کھوج میں مدد دے سکے۔“

”اگر ایسی بات ہے تو پھر میں تیار ہوں۔“ نیلا نے کہا۔

”مجھے کب چلنا ہو گا؟“

”ابھی اور اسی وقت۔ اس کام میں دیر نہیں کی جا سکتی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آنے والے لمحات میں کیا ہو جائے گا۔ ابھی میرے ساتھ چلو۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تیل ہوں، نیلا کر سی سے کڑی ہوئی  
میں اپنی روح بہرہ، بوجھ زیادہ دیر تک برداشت نہیں  
کرتی“

کرل نے میٹھ کے ٹھکانے تک جانے کے لیے اپنی  
گاڑی کا انتخاب کیا تھا۔ نیلا اس کے برابر بھی تھی جب کہ  
ڈرائیونگ سیٹ کرل نے ہی سمجھا تھا۔  
”کس طرف چلوں؟“ کرل نے گاڑی اسٹارٹ کرنے  
ہوئے بول پھرا۔

”بس شہر سے باہر نکال لیں، نیلے نے بتایا“ آگے چل  
کر میں راستہ بتاؤں گا“

کرل نے گاڑی ایک جھٹکے سے بڑھادی، اس وقت  
اس کا چہرہ انتخاب حس ہو رہا تھا کہ اس پر کسی قسم کے تاثرات  
کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ اس کی لگاؤ سنسنے کی  
طرف جی ہوتی تھیں۔ اور وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتا چلا جا  
رہا تھا۔

”آپ کو چاہیے تھا کہ کچھ آدمیوں کو بھی اپنے ساتھ لے  
لیتے“ نیلا نے بچہ در بچہ کہا۔

”وہ کیوں؟“ کرل اس کی طرف دیکھے بغیر غرا۔  
”نجانے وہاں کیسے حالات پیش آئیں۔ وہاں کتنے  
آدمی ہوں“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوگی، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ تھلا  
وہ رہیش بہت خوفزدہ ہے۔ اور اسی خوف کی وجہ سے  
وہ ادھر ادھر چھپتا پھرتا رہا ہے۔ اسی لیے اس ویران مقام  
پر اس کے ساتھ کسی آدمی کے ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا  
ہوتا۔ لیکن تم مجھے بتاؤ کہ تم نے اس کا تھکا کس طرح دیکھ  
لیا تھا؟“

”میں اپنے مالی کے ساتھ وہاں تک جی گئی تھی، نیلا  
نے بتایا۔ لیکن میں اس مکان کے قریب نہیں گئی بلکہ  
سے دیکھ کر واپس آئی“

”یہ تم نے اچھا کیا۔ اور اب ہم دونوں اس مکان میں  
داخل ہوں گے۔ تھلا کام صرف اتنا ہو گا کہ تم اس کے دل  
سے خوف کو ختم کر دو۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے دیکھ کر وہ بھگ  
اٹھے۔ اسی لیے تم اسے قابو میں رکھو گی۔ ٹھیک ہے؟“

”ٹھیک ہے“ نیلا نے گردن ہلا دی۔  
اس دوران وہ لوگ شہری حدود سے باہر آچکے تھے

اب سڑک کے دونوں طرف گھنٹیوں کے سلسلے شروع ہو  
چکے تھے۔

”آگے چل کر ایک کچا راستہ آئے گا“ نیلا نے بتایا یہی  
راستہ چر گاڑی موڑ لیجئے گا۔ کچھ فاصلے پر وہ خشک تالاب  
ہے جس کے کنارے وہ مکان بنا ہوا ہے۔“

کرل نے کچھ نہیں کہا۔ وہ گاڑی چلانے میں مصروف  
رہا تھا۔ کچھ دوڑ چل کر نیلا کے کہنے کے مطابق وہ کچا راستہ  
دکھائی دے گیا۔ اس نے اسی راستے پر گاڑی اٹار دی اس  
وقت وہ پورا علاقہ سنسن ہو رہا تھا۔ گھنٹیوں میں کام کرنے  
ہوئے کسان بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

کچھ دور چلنے کے بعد ایک خشک تالاب دکھائی دے  
گیا۔ اور اس تالاب کے کنارے سرخ اینٹوں سے بنا ہوا ایک  
بڑا سا مکان دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔ ایک مناسب مقام  
پر پہنچ کر کرل نے گاڑی روک دی۔ اور کڑی نگاہوں سے اس مکان  
کا جائزہ لینے لگا۔ مکان میں زندگی کی کوئی نشاندہی نہیں تھی صرف  
سناٹا تھا۔ اس مکان کا دروازہ کچھل سمٹ تھا۔ البتہ جہاں  
اس نے گاڑی روک لی تھی۔ اس رخ بڑا ایک کھڑکی تھی جو بند  
دکھائی دے رہی تھی۔

”چلیں کرل“ نیلا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔  
”ہم ابی منزل تک پہنچ گئے ہیں“

”نہیں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں نے  
کہا نا کہ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ کو تھلا کے ساتھ دیکھ کر خوفزدہ  
ہو جائے۔ اسی لیے تم پہلے اتر کر اسے ذہنی طور پر تیار کر دو۔  
مجھے یقین ہے کہ وہ تمہاری بات مان لے گا“

کچھ ہی لمحوں میں اس نے گاڑی سے اتر کر مکان کی  
طرف بڑھ گئی کرل اسے چلتے ہوئے دیکھتا رہا۔ نیلا کی  
واپسی بہت دیر بعد ہوئی تھی۔ واپسی میں اس کی رفتار  
بہت تیز تھی۔ قریب آنے کے بعد اس نے پھوٹی ہوئی  
سائیکوں کے درمیان بتایا۔

”چلیں کرل۔ رہیش موجود ہے۔ میں نے اسے آپ  
کے بارے میں سب کچھ سمجھا دیا ہے“

کرل گاڑی سے اتر کر اس کے ساتھ ہولیا۔  
مکان کے دوسرے رخ بڑا ایک دروازہ تھا جو اس  
وقت پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے کرل اس کھلے  
ہوئے دروازے سے اندر آیا۔ اس کے بعد نیلا نے قدم رکھا

اور اسی وقت قیامت ٹوٹ پڑی۔ لیکن یہ قیامت نیلا کے  
لیے نہیں بلکہ صرف کرل کے لیے تھی۔

وہ ایک بڑا ہال تھا۔

اس ہال میں کئی کچھ بچے ہوتے تھے جن کی وجہ  
سے اس ہال میں قیامت کی پیش کشی ختم ہو گئی تھی۔  
بچے ہونے لگ چھوٹی چھوٹی سنسنیں پر کام کر رہے تھے  
بہت ہی عدد میں تھے جن پر وہ مشین لگی ہوئی تھیں میزوں  
کے ساتھ ساتھ فرش پر نالوں کے لیے شمار پیکش بھی  
لگے ہوئے تھے۔ اور ان میں کچھ بچہ کر انہیں ہیک کہا جا رہا  
تھا۔

اس ہال میں ہوا کے گزر کے لیے ادھر کی طرف روشن  
دال بنے ہوئے تھے۔ جن میں لمبے کی موٹی موٹی سلاخیں  
لگی ہوئی تھیں۔ اس ہال میں کام کرنے والوں کی تعداد ایک  
ساحٹ کے قریب تھی۔ اور ان کی نگرانی کے لیے کچھ لوگ فخر  
تھے جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں اسٹین گنیں اٹھا رکھی تھیں  
ان کی نگاہیں کام کرنے والوں کی طرف لگی ہوئی تھیں۔  
کام کرنے والے بسنے میں ہلندے ہوئے تھے۔ ان کے

چہروں ہی سے ان کی زندگی سے بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا  
ان کے چہرے تپے ہوئے تھے۔ بدن لالہ ہو چکے تھے اس  
کے باوجود وہ کانپے جا رہے تھے۔ ایک مستقل خوف نے  
انہیں مصروف رکھا تھا۔ وہ زندگی کو بھگت رہے تھے اس  
زندگی کو جو اس ہال کی جی ہوئی اور کیف فضا میں بہت ہی  
بے چارگی کا نشانہ تھی۔ کبھی کبھی ہال کا دروازہ کھلتا اور کچھ لوگ  
اندر آ کر کام کی رفتار کا جائزہ لیتے اور مطمئن ہو کر چلے جاتے  
اسی ہال میں ایک ایسا شخص بھی کام کر رہا تھا جو دوسرے  
لوگوں کی نسبت بڑی حد تک پرسکون تھا۔ اگرچہ کرل نے اس  
کا بھی حال خراب کر رکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی گرد و غبار  
کی تہہ جی ہوئی تھی۔ اس کے باوجود اس کے اندازہ ظاہر کیے  
تھے کہ کبھی اس کی زندگی سے دلچسپی کم نہیں ہوئی۔ وہ جیسے  
کے ہنسرے واقف ہے۔ اس کی روشنی آنکھیں۔ بہت ہی  
تھیں کہ اس نے ہر وقت بزدل رہنے کا ہتھیار رکھا ہے۔  
اس نے جو صلہ نہیں ہلا ہے۔ یا اسے آئندہ کہ وہ اس  
جہنم سے نکلے میں کامیاب ہو جائے گا۔

کچھ دیر بعد ہال کا دروازہ کھلا اور ایک قوی بڑا آدمی  
داخل ہوا۔ ہال میں موجود دوسرے نگران اسے  
دیکھ کر موڈ ہو گئے۔ لیکن وہ کسی کی طرف دھیان دینے  
بغیر اس آدمی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ جس کے چہرے سے  
ابھی تک زندگی کی توانائی کا احساس ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے  
ایک نظر اس قوی بیکل شخص کی طرف دیکھا پھر اپنے کام  
میں مصروف ہو گیا اس طرح جیسے اس کے نزدیک صرف  
بے کام کی لاپتہ ہو۔ وہ قوی بیکل گہری لگا ہوں سے ان  
کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔  
”ہوں“ قوی بیکل نے ہنگامی لی۔ ابھی تک تم میں  
دم ختم باقی ہے۔ کیوں؟“  
وہ میں جانا ہوں کہ میں تم لوگوں کی مجبوری ہوں۔ اس  
آدمی نے اپنا ہاتھ روک کر قوی بیکل کی طرف دیکھا۔ اسی لیے  
مجھے آئندہ کے میں تمہارے اس جہنم سے نکلنے میں کامیاب  
ہو جاؤں گا۔ تم لوگ زیادہ دیر تک مجھے یہاں نہیں روک  
سکتے۔“  
”اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہاری یہ قید زندگی بھر کی  
بھی ہو سکتی تھی۔ قوی بیکل غرا۔ ”لیکن کیا کروں؟“  
اس آدمی کے ہونٹوں پر بڑی پرسکون مسکراہٹ پھیل  
آئی تھی۔  
”چلو تمہیں باس یاد کر رہا ہے۔“  
وہ آدمی اپنے دونوں ہاتھ جوا کر ایک طرف ہٹ گیا  
مجھے معلوم تھا کہ یہ موقع جلد ہی آنے والا ہو گا۔  
”بہتر ہے تم خاموش رہو۔ درہم میں باس کے حکم کی  
بروا نہیں کروں گا۔“ قوی بیکل نے کہا۔  
”چلو۔ یہ بات بھی اگر تمہارے باس کو بتا دی جائے  
تو کیا رہے؟“  
قوی بیکل جڑ جڑ ہو کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں شعلہ بن گئیں  
تھیں وہ اس طرح اس آدمی کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے  
اسے پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا ہو۔ پھر اس نے اپنے آپ پر قابو  
پاتے ہوئے اس آدمی کو اپنے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور وہ  
دونوں ہال سے باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھ گئے  
اس آدمی کو قوی بیکل کے ساتھ جانا ہوا دیکھ کر کام کرنے والے  
آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے لیکن جب ان کی نگرانی کرنے  
والوں نے اپنی اپنی اسٹین گن کے دسے کو تھپ تھپاؤ  
یہ سرگوشیاں اس طرح دم توڑ گئیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ

ہو۔ وہ پہلے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ وہ دونوں ہال سے باہر آ گئے جہاں ایک کبیلہ تھی اور کبیلہ میں کاٹ کباڑ بھرا ہوا تھا۔ کبیلہ کے آخر میں ایک زمین بھرا تھا جس کے بیچے وودو مسیحی فطرت سے تھے قوی ہیکل کو دیکھ کر وہ دونوں ہی ادا ب ہو گئے۔ قوی ہیکل ان کی طرف دھیان دے بغیر زمین طے کرنے لگا۔ وہ آدی اس کے پیچھے چلے جہاں رہا تھا۔

زمین طے کرنے کے بعد وہ دونوں اوپر آ گئے یہاں بھی دو عجیب فطرت موجود تھیں۔ اور سامنے ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہوئی تھی جس کے باہر دو دروازے اور ایک جیب کھڑی تھی۔ جیب اور دروازوں کے آس پاس بھی کچھ لوگ موجود تھے قوی ہیکل نے چلتے چلتے رک کر اس آدی کی طرف دیکھا اور درشت بولے میں بولا۔

”میں تم سے پھر کب رہا ہوں سادون اگر میرا کبھی تم پر بس چلا تو تم اپنے پیروں پر کھڑے رہنے کے قابل نہیں رہ سکو گے“

”میرا بول نام سادون نہیں سادون کا رہتا ہے“ اس آدی نے سرکارتے ہوئے جواب دیا اور تمہاری اطلاع کے لیے میں یہ بتا دوں کہ میں تم سے بہت خوفزدہ رہتا ہوں کیونکہ تم یہاں کے باس کے دائیں ہاتھ ہو۔ جبکہ میری حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔ اسی لیے تمہارا اس طرح مجھے دھمکیاں دینا اچھا نہیں لگا۔ یہ تمہاری حیثیت سے بہت کم ہے نہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے“

قوی ہیکل حیرت منہ ہو کر رہ گیا اس نے کچھ کہنے کے لیے اپنا منہ کھلا بھرا اس طرح جلدی سے منہ کر لیا جیسے عین وقت پر اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

وہ دونوں اس عمارت کے باس آ گئے جہاں کچھ لوگ پہلے سے کھڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پھر قوی ہیکل کی طرف دیکھ کر گردن ہلا دی قوی ہیکل سادون کو اپنے ساتھ اس عمارت میں لے آیا کئی گروں سے گزرنے کے بعد وہ ایک دروازے کے پاس آ کر رک گئے کبے سے کسی عورت اور مرد کے بولنے کی آواز سن آئی تھیں قوی ہیکل نے آگے بڑھ کر دروازے پر پہلے سے دست دی جس کے خواب میں اندر سے غراں ہوئی آواز آئی۔

”آجاؤ۔ دروازہ کھلا ہے“

قوی ہیکل نے دروازے کو دھکا دیا اور سادون کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔ سادون بڑے اطمینان سے کمرے میں داخل ہو گیا۔ مگر وہ کھٹکے طبع پر استعمال میں آنے والا معلوم ہوتا تھا۔ اس میں صوفے اور کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک جانب ایک میز تھی۔ میز کے برابر کب لورڈ بنا ہوا تھا۔ اس وقت اس کمرے میں ایک غیر ملکی موجود تھا جس کے سامنے والے صوفے پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ عورت بھی غیر ملکی ہی تھی۔ لیکن اس نے مقامی لباس پہن رکھا تھا۔

”میں سادون کو لے آیا ہوں باس“ قوی ہیکل نے اس غیر ملکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ“ قوی ہیکل نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

قوی ہیکل سادون کو کھینچ کر لورڈ لگا ہوں سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا۔ سادون کے اطمینان میں ابھی تک کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

”بیٹھ جاؤ سادون“ غیر ملکی نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

”کیا میں اس مہربانی کی وجہ سے بوجھ کر رہتا ہوں؟“ سادون نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تم اس حال میں صرف اپنی ضد سے سنبھے ہو“ غیر ملکی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ درمیان قویہ چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ مل کر کام کرو۔ پہلا ساتھ دو۔ کیوں رہنا؟ اس نے عورت کی طرف دیکھا۔

”اور کیا؟“ عورت نے بھی جلدی سے اپنی گردن ہلا دی ہم اس کے دشمن نہیں ہیں“

”تو پھر یہ کہاں کی دوستی ہے کہ تم نے مجھے قہر کر لیا مجھے جھٹوں پر کام کرنے کے لیے چھوڑ دیا تاکہ میں وہاں جہنم کے عذاب سے گزرنے کا تجربہ حاصل کرتا رہوں؟ یہی دوستی ہوئی نا؟“

”تم غلط سمجھ رہے ہو“ غیر ملکی جلدی سے بولا۔ یہ ہم نے اس لیے کیا تھا کہ تم نے ضد کر لی تھی۔ تم پہلا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے“

”تو پھر تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں آج تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں؟“

”مجھے یقین نہیں ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس دوران

نے اپنی ضد ترک کر دی ہو“ سادون مسکرا کر رہ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسیخ خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”خیر۔ یہ بتاؤ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟“ اس نے لچھو دیر بعد بولا۔

”یہ یوں ناظم کی بات۔ یہ بتاؤ کچھ پینا ہند کرو گے؟“ سادون نے کوئی جواب نہیں دیا۔ غیر ملکی نے ریشا کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر اٹھلائی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

”میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا انڈرو سوخ استعمال کرو“ غیر ملکی نے کہا۔ ہم دونوں مل کر بہت کچھ کر سکتے ہیں“

”تم بھی کسی باتیں کرتے ہو؟“ سادون زہر کھڑے ہوئے

بولا۔ ایک ایسا شخص جیسے آئی آسانی کے ساتھ قیدی بنایا جائے بھلا انڈرو سوخ والا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تو ایک عورت کھلتا ہوں۔ جسے تم بڑی آسانی سے اٹھا کر لے آئے ہو اور جسے تم نے اس کے ماضی سے اس کے دل سے لائق کر دیا ہے“

”میں سادون ابھی بھی کچھ نہیں جانتا“ غیر ملکی جلدی سے بولا۔ وقت ابھی بھی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو“

”یہ بات مجھے معلوم ہے کہ وقت میرے ہاتھ میں ہے“ سادون نے کہا۔ اس لیے تمہارے قیدیوں میں سب سے زیادہ مطمئن انسان میں ہی تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم میری مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ تم دوست بنا کر چلو۔ میری دشمنی سے تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

”اس لیے تو میں نے بلایا ہے نہیں؟“ غیر ملکی جلدی سے کہا۔ ”میں تمہاری لامیت سے واقف ہوں۔ بس تم میرا ساتھ دو“

”ٹھیک ہے“ سادون نے گردن ہلا دی۔ ”لیکن میری شرط یہی ہے کہ قائم ہے“

”چلی تم اس مسئلے پر بھی متوجہ لیتے ہیں؟“ غیر ملکی نے کہا۔ آج رات تم بھی سو کر لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری شرطیں ٹپک پیدا ہو جائیں۔ دوسری طرف میں بھی مصالح و مشورہ کر لیتا ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم صبح ہونے تک کسی نتیجے تک پہنچ ہی جائیں“

”تو پھر مجھے اجازت دو“ سادون کھڑا ہو گیا۔ ”میرا خیال ہے کہ آج رات اور اس صبح میں گزارنی ہوئی“

”نہیں نہیں۔ تمہارے لیے ایک کمرہ محفوظ کر دیا گیا ہے۔ تم اب اسی کمرے میں رہو گے“

”تو پھر مجھے اس کمرے تک پہنچا دیا جائے۔ میں بہت تنگ کیسے ہوں؟“

”ابھی نہیں۔ ابھی پوری طرح آزاد نہیں ہوا ہوں“ سادون نے کہا۔ ”اور ویسے بھی اتنے دلوں سے تمہارے پاس ہوں کہ ایسی چیزوں کا ڈالو جنہوں ہی گیا ہوں۔ اس لیے فی الحال اپنی عادت خراب نہیں کرنا چاہتا۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری پہلیاں کل پھر ختم ہو جائیں۔ اس وقت کیا کروں گا؟“

اس وقت ریشا ایک شرے میں مشروب کی ایک بوتل ادا کھاس لے آئی تھی۔ اس نے شرے لاکر میز پر رکھ دی۔

”نہیں۔ مجھے مدت دینا“ سادون نے ریشا کو منع کر دیا۔

”ورد عادتیں خراب ہو جائیں گی۔ اتنا کہہ کر اس نے غیر ملکی کی طرف دیکھا۔ ہاں۔ تو میرے رہنے کا بندوبست کہاں کیا ہے تم نے؟“

غیر ملکی صوفے سے کھڑا ہو گیا۔ ”تم تو میرے ساتھ ہیں تمہیں پھوڑا نا ہوں“

ریشا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا کہ اس نے بڑی مضبوطی سے اپنے ہونٹوں کو بچھ کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن وہ غیر ملکی اسی وقت سادون کو اپنے کمرے سے باہر لے گیا۔ ان دونوں کے جانے کے بعد ریشا نے ایک کھاس میں اپنے لیے مشروب انڈرل اور دھیرے دھیرے چک بیاں لینے لگی۔ کچھ دیر بعد اس کے اعصاب پر سکون ہو گئے تھے۔

غیر ملکی بھی کچھ دیر بعد اس کمرے میں واپس آ گیا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ ریشا غیر ملکی کو دیکھتے ہی پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ میں نہیں آتا کہ تم اس شخص کی خوشامد کیوں کر رہے ہو؟ تم نے دیکھا نہیں کہ تمنا مغرور آدی ہے۔ اگر وہ کسی دن ڈاکو کے ہتھے چھڑ گیا تو وہ اسے پس کر رکھ دے گا“

”تم لوگ نہیں سمجھتی ریشا، غیر ملکی نے اپنے لیے گلاس میں مشروب انڈرل لے لیا ہے۔ تمہارے لیے اندازہ نہیں تھا کہ یہ شخص تمہارے لیے اس قدر اہم ثابت ہوگا۔ میں یہ تو جانتا تھا کہ یہ آدی کام کا ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی اتنی لامیت ہے“



”کیا اہمیت ہے اس کی؟“ ہر ملنے تنگ کر لوچھا۔  
 ”نہیں تو معلوم ہی ہے رشتا کہ ہم لوگ یہاں کس قسم کا  
 مال تیار کرتے ہیں۔ ہم نے اپنے سارے وسائل اس فیکٹری  
 کو قائم کرنے میں صرف کر دیے ہیں۔ جو دن رات ابھروں  
 افریقہ چرس اور کوئین تیار کرنے میں لگی رہتی ہے۔ یہ فیکٹری  
 کتنی منفعت بخش ہے۔ اس کا نہیں بخوبی اندازہ ہو گا۔ آج  
 پوری دنیا منشیات کی پیدائش میں ہے۔ وہ جگہ جگہ چوری  
 دنیا میں رائج ہے۔ کروڑوں اربوں ڈالر کے سودے دن رات  
 ہو کر رہے ہیں۔ لیکن صرف فیکٹری قائم کر لینا ہی سب کچھ نہیں  
 ہے۔ مال کی تیاری اگر اہم ہے تو اس سے زیادہ اہمیت مال  
 کی کھپت ہے سمجھیں۔“  
 ”یہ تو سمجھ گئی۔ لیکن اس سلسلے میں بیساون کس کام  
 آسکتا ہے؟“  
 ”سادوں کی حیثیت میگنا قبیلے کے سردار جیسی ہے۔“  
 ”وگھڑے بتایا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قبیلہ سردے  
 پاس آباد ہے۔ اور یہ قبیلہ اگر تعاون کرے تو ہم اہل محلہ  
 کے بارگاہی جاسکتا ہے۔ اور اس قبیلے کے تعاون کو حاصل کرنے  
 کا طریقہ یہ ہے کہ سادوں کو اپنے اختیار میں لے لیا جائے۔ پھر  
 راضی ہو کر یا پھر اپنا مال بڑی آسانی کے ساتھ سردے کے  
 پار پہنچا سکتے ہیں۔ جہاں ہمارے مالک موجود ہیں اور وہ بڑی  
 سے بڑی رقم کے عوض ہمارے مال کی خریداری کو تیار رہتے  
 ہیں۔“  
 ”کیا یہ بات تمہیں پہلے سے نہیں معلوم تھی کہ سادوں کی  
 حیثیت کیا ہے۔؟“  
 ”معلوم تھی۔“ وگھڑے نے اپنی گردن ہلائی۔ ”لیکن اس وقت  
 ہم نے یہ سمجھا تھا کہ سادوں کو لاٹھ دے کر اپنی طرف کھینکے  
 ہیں۔ ہم نے اس کو لاٹھ دیا۔ لیکن یہ ہماری باتوں میں نہیں  
 آیا۔ یہ انکار کرتا رہا۔ پھر ہم نے سوچا کہ اس کو ٹوکر لیا جائے  
 تاکہ یہ جبراً اور تشدد کے لئے ہمارا ساتھ دینے پر راضی ہو جائے  
 لیکن یہ بھی نہیں ہو سکا۔ یہ شخص اس کے بعد بھی جھکنے پر  
 راضی نہیں ہوا۔ دوسری طرف ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ اگر ہم  
 نے سادوں کی غیرو موجودگی میں اپنا قبیلہ کو اپنے ساتھ متاثر  
 کرنا چاہا تو وہ لوگ سادوں کی ہر طرح کے بغیر ہمارے ساتھ ہو  
 جائیں گے۔ لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ دولت کا لالچ بھی  
 انہیں عملدست نہ دینے پر راضی نہیں کر سکا۔ جو ہرگز ہم نے

پھر سادوں سے رجوع کیا اور اب وہ بڑی حد تک نرم ہو چکا  
 ہے۔ وہ ہمارا ساتھ دینے کے لیے کسی حد تک تیار ہے۔“  
 ”لیکن تم لوگوں نے انسانوں کو جانوروں کی کھا لیں مینا  
 کہ سردے سے بارہیجینے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کا کیا ہوا؟  
 رہتا ہے لوچھا۔“  
 ”وہ ایک اعتقاد منصوبہ تھا۔ وگھڑے نے ہراساں نہ بنایا۔  
 میں نے برتاؤ سے کہا میں سمجھا کہ یہ بے وقوفی مدت کر دوں  
 کل کے دور میں ایسی ایسی چیزیں نہیں چلیں۔ لیکن اس  
 پر تو خاموشی نادلوں کا بھوت سوار تھا۔ وہ اپنی ضد بڑا رہا  
 اس نے کہا کہ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس کا منصوبہ ناکام  
 ہو جائے۔ سرحد پر تعینات محافظان انسانوں کو جانوروں کے  
 ان سے باز نہیں نہیں کر رہے تھے۔ اور اس طرح یہ لوگ مختل  
 مختل اہمال سردے کے بارگاہی دیا کر رہ گئے۔ لیکن ہوا کیا؟ یہ  
 منصوبہ کس بڑی طرح ناکام ہوا۔ کھلا کون اتنی کسی انسان کو  
 جانور کی کھا لیں پسینے دیکھ کر کچھ نہیں جانے گا۔ چارپانچ آدمی  
 جب گویوں سے مر گئے تو پھر برتاؤ کو ہوش آگیا۔ اور اس نے  
 یہ کارروائی ترک کر دی۔“  
 ”لیکن جہاں تک میں سمجھتی ہوں وگھڑے کہ تم بھی ایک حماقت  
 ہی کر رہے ہو۔“ ریشا نے کہا۔  
 ”وہ کس طرح؟“ وگھڑے نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ہاتھ  
 کی حماقت کر رہا ہوں؟“  
 ”تم خود سوچو کہ یہ سادوں تک مل کر تمہارا ساتھ دینے کے  
 لیے تیار نہیں تھے۔ تمہارا جبر و تشدد بھی اسے اس بات پر  
 راضی نہیں کر سکا تھا۔ لالچ بھی اس کے کام نہیں آیا پھر  
 اچانک اس نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا؟ اس کے مزاج میں  
 یہ تبدیلی کہاں سے آئی۔؟“  
 ”اوہ۔“ وگھڑے نے اپنے ہونٹ سکیڑے۔ ”میں تو اس طرف  
 دھیان ہی نہیں دے رہا تھا۔ تم نے بہت اچھی بات کی ہے  
 ریشا۔ واقعی سادوں کا اس طرح اچانک بدل جانا حیرت کی بات  
 ہے۔ آخر اس نے اپنا ارادہ کیوں بدل دیا؟ ان دونوں ہم  
 اس پر کوئی مستحق بھی نہیں کر رہے تھے۔ اس کے باوجود۔۔۔  
 ”تو نہیں اس بات کا پتا چلتا چاہیے تھا۔ ایسا نہ ہو کہ تم  
 اس پر بھروسہ کر لو۔ اور وہ تمہیں نقصان پہنچا جائے۔“  
 ”اب اس کے دل میں جھانک کر کس طرح دیکھیں؟ میں  
 تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ شاید وہ ہمارے ساتھ تعاون پر راضی ہو گیا

”ہے۔“ اگر تم اجازت دو تو میں اس سے براہ راست گفتگو کر سکتی ہوں۔“  
 ”ریشا نے کہا۔  
 ”تم؟“ وگھڑے حیرت زدہ تھا۔ ”وہ کس طرح؟ تم اس سے  
 کس طرح معلوم کر لو گی۔؟“  
 ”تمہیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس میں بڑی قوت  
 ہو اگر کرتی ہے۔ ذرا سی ادالیں۔ ذرا سی باتیں اور انسان سو مکی  
 طرح چکھتا جاتا ہے۔“  
 ”ہوں؟“ وگھڑے ریشا کی طرف دیکھتے ہوئے ہنکاری کی  
 ”تم شاید چٹیک بگتی ہو۔ لیکن وہ اتنا بے وقوف نہیں ہے  
 میگنا قبیلے کا سردار ہونے کے باوجود اس نے شہر میں تعلیم  
 حاصل کی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ لوگوں سے کس طرح گفتگو  
 کی جاتی ہے۔ بالان کے ساتھ گیا۔ وہ یہ رکھا جاسکتا ہے۔  
 اسی لیے ہو سکتا ہے کہ تم اسے قائل ہو کر لے بیٹا ناکام ہو جاؤ۔“  
 ”یہ فئے دلی بری ہے۔“ ریشا نے کہا۔ ”تم یہ سب فح  
 ہر چھوڑ دو۔ تم دیکھ لیتا میں کس طرح اسے بے دام غلام  
 بنا کر رکھ دوں گی۔“  
 ”ٹھیک ہے۔“ وگھڑے اس کی طرف دیکھ کر سرکا دیا۔ میری  
 نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ میرے  
 لیے بہت اچھا ہو گا۔ میں تو خود ہی چاہتا تھا کہ ایسا کوئی  
 راستہ نکل آئے۔“  
 ”تو میں جلی۔“ ریشا صوفے سے کھڑی ہوئی۔ ”یوں  
 آپ تم دیکھتے رہنا کہ کیا انقلاب برپا ہوتا ہے۔“  
 ”جاؤ۔ میں نے اسے آخری کرے میں بھرا ہے۔“  
 ”وگھڑے نے بتایا۔ باہر دو آدمی اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔“  
 ”اگر تم اسے اعتقاد میں لیتا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی  
 نگرانی ختم کرانی ہوگی۔“ ریشا نے کہا۔ ”وہ میرے لیے بہت  
 دشوار ہو جائیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ پر بھی اعتقاد  
 نہ کرے۔“  
 ”ہاں۔“ وگھڑے نے ہر خیال انداز میں اپنی گردن ہلا دی۔  
 ”تمہارا ہوشوہ بھی درست ہے۔ تم جاؤ۔ میں اپنے آدمیوں  
 کو ہدایت کر دیتا ہوں۔“  
 ”ریشا جس وقت آخری کرے میں پہنچی اس وقت سادوں  
 سوئے کی تیاری کر رہا تھا۔ ریشا دوڑا سے ہر بائی سی دھنگ دینے  
 کے بعد کرے میں داخل ہو گئی تھی۔ اسے دیکھ کر سادوں کی

”تمہیں ایک لمحے کے لیے چکیں۔ کچھ کھنے کے لیے اس نے  
 اپنے ہونٹ کھولے پھر اس نے خود ہر باقی پایا۔ وہ اب  
 حیرت کی بجائے بڑی دل چسپی سے ریشا کو دیکھ رہا تھا۔  
 ”کیا مجھے دیکھ کر حیران نہیں ہوئے۔؟“ ہر میلنے بڑی  
 رسائیت سے ہلچلا۔  
 ”میں نے حیران ہونا چھوڑ دیا ہے۔“ سادوں نے  
 خشک ہلچے میں کہا۔ ”تم یہ بتاؤ تمہیں مجھے سے کیا کام  
 پڑ گیا۔“  
 ”میں تمہارے لیے آزادی کی نوید سن کر آئی ہوں۔“  
 ”لیکن مجھے ایسی کسی نوید کی ضرورت نہیں ہے۔“  
 ”یہ کیا کہہ رہے ہو۔؟“ کیا تم آزاد ہونا نہیں چاہتے کیا  
 اپنے لوگوں میں دلچسپی جانا نہیں چاہتے؟“  
 ”میں نہیں جانتا۔ لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اس کے لیے  
 میں کسی عورت کی مدد قبول کروں گا۔ میں آزاد ہو رہا ہوں۔  
 اور تمہارے سامنے اس سلسلے میں تمہارے وگھڑے بات بھی  
 ہو چکی ہے۔ اب تم کہہ دیجئے میرے پاس آئی ہو۔؟“  
 ”میں جانتی ہوں کہ تم لوگ عورتوں کی مدد نہیں لیا کرتے  
 اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم وگھڑے کیسا معاہدہ کر رہے ہو  
 تم اس کے ساتھ تعاون کرنے کو تیار ہو گئے ہو۔ لیکن میری  
 اس پیش کش کا وگھڑے کوئی تعلق نہیں ہے۔“  
 ”کیا یہ سادوں اس بار حیران ہوا تھا؟ یہ کیا کہہ رہی  
 ہو کیا تم کچھ اور کہنے آئی ہو؟“  
 ”ہاں۔ میں صرف اتنا کہنے آئی ہوں کہ جب تمہیں آزادی  
 مل جائے تو میری آزادی کی بھی کوشش کر لینا۔ حالانکہ میرا تم  
 سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم ایک دوسرے کے لیے تو بے  
 اجنبی ہیں لیکن شاید تمہارے دل میں کسی جبرور عورت کے  
 لیے کوئی نرم گوشہ موجود ہو۔“  
 ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟“ سادوں نے لوچھا۔ ”میرا عجوبہ  
 میرا خیال ہے کہ یہ کوئی نیا جال ہے جو وگھڑے تمہاری مدد سے  
 مجھ پر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔“  
 ”نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تم سے بیچ بھری  
 ہوں۔ تم میرے بارے میں جانتا ہے۔ ایسی ناگ میں وگھڑے کی جو باتیں  
 اور اس کا دل بھلانے کے لیے اس کے ساتھ رہتی ہوں ان  
 سے زیادہ تم میرے بارے میں اور کچھ نہیں جانتے۔ نہیں  
 یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اکی وگھڑے ہوں جو زبردستی کی ہو

حالات نے مجھے اس کے قریب رہنے پر مجبور کر دیا ہے  
 اگر میرے بس میں ہو تو میں ابھی اور اسی وقت سب کچھ  
 آگ لگا کر یہاں سے چلی جاؤں۔  
 ”مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا ہے“ ساون نے کہا۔ میں  
 نے یہ دیکھ لیا کہ اس کے ہر کام میں تہمدی مرضی شامل  
 رہتی ہے۔ یہاں کا بظاہر وہی مالک ہے۔ لیکن اسے فعال  
 رکھنے والی تم ہو۔ وہ تم ہی سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ تم  
 اس کے ساتھ ساتھ رہتی ہو۔ میں نے خود نہیں جھوٹوں  
 کے حال پر سوچتے ہوئے دیکھا ہے اور اب خود کو مجبور بہر  
 رہی ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟  
 ”بہت آسان ہے۔“ ریٹا کی آنکھیں ہیں آنسو آگئے۔ وہ  
 مجبور یوں کے کئی روپ ہوا کرتے ہیں ساون۔ تمہیں نہیں  
 معلوم کہ جو عورت اپنے چہرے پر غاڑ لکری تماشائی کے  
 لیے مسکرا رہی ہو۔ تو اس کی اس مسکراہٹ کے پیچھے کتنے  
 درد چھپے ہوتے ہیں۔ تم لوگ تو ظاہری بالوں کی طرف دھیان  
 دیتے ہو صرف تم ہی نہیں بلکہ ہر ایک کی یہی نگاہ ہوتی ہے  
 وہ اس سے آگے دیکھ ہی نہیں سکتا۔ بہت سہلے میری مل  
 گھسے کہا کرتی تھی کہ میری ریٹا ڈارلنگ تو بے بس ہے۔ وہ  
 راج کبھی کے۔ میری دو بہنیں تھیں۔ میری ماں مجھ سے بہت  
 پیار کرنا کرتی تھی۔ میں ان دونوں سے زیادہ خوبصورت اور  
 ذہین تھی۔ میری ماں مجھے پرسکون کہا کرتی۔ لیکن اسے کہا  
 معلوم تھا کہ تقدیر اس وقت مسانداز ادا رہی ہوئی تھی۔ میں  
 پرسکون نہیں بن سکی۔ البتہ ایک طوائف ضرور بن گئی۔ تم مجھے  
 طوائف بھی کہہ سکتے ہو۔ کوئی عورت جب ایسی مجبوری  
 کے لیے کسی سے سودا کر لے تو وہ اسی وقت طوائف ہو  
 جاتی ہے۔ چاہے یہ سودا ایک آدمی سے ہو۔ یا صد آدمیوں  
 سے۔ تو حالات نے مجھے وکٹری آغوش میں دھکیل دیا۔ وہ  
 مجھ سے غافلے اٹھا تا رہا۔ اور میں اس کے اشاروں پر  
 رقص کرتی رہی۔ میرے اندر بھیجی ہوئی ریٹا میری پرسکون  
 کو موت آئی اور میں صرف ایک داشتہ بن گئی۔ ایک ایسے  
 شخص کی داشتہ جو معاشرے میں زہر پھیلاتے کا کاروبار کیا  
 کرتا ہے۔ اور میں اسے برا سمجھتے ہوئے بھی اس کا ساتھ دینے  
 پر مجبور ہوں۔  
 ”میرا خیال ہے کہ اب تہمدی زبان فتح بول رہی ہے۔“  
 ساون نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تمہارے لیے سے

تہمدی سچی کا اندازہ ہو رہا ہے۔  
 ”کیا تم ابھی بھی میرا ساتھ نہیں دو گے؟“  
 ”کیوں نہیں؟“ ساون جلدی سے بولا۔ ”اگر تہمدی اچکھ  
 صبح سے تو میں تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔“  
 ”تو پھر سلاؤ کیا تمہارے گریٹا نے مسکراتے ہوئے ایک خاص  
 انداز سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔  
 ساون اس کی طرف بڑھا اور اسی وقت کر کے کا دروازہ  
 زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور وکٹر دوڑتا ہوا اندر چلا آیا۔  
 تو وہ قیامت صرف کرل راجندر کے لیے تھی جسک  
 اس کے ساتھ آئی ہوئی لڑکی نیلا ہر اس قیامت کا کوئی  
 اثر نہیں پڑا تھا۔  
 وہ کئی آدمی تھے جنہوں نے کرل کو گھیرے میں لے  
 لیا تھا۔ جبکہ نیلا ایک طرف جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس وقت  
 اس کے ہونٹوں پر بڑی طمانیت بھری مسکراہٹ تھی۔  
 ”یہ سب کیا چہرے؟“ کرل نے دوسرے دہلاؤ کوں ہوتم  
 لوگ۔“  
 ”درا آہن بات کر۔ کرل۔ ان میں سے ایک نے کہا۔  
 آپ کے شوہر کرنے سے ہم ڈر نہیں جاتیں گے۔ بلکہ ایسی  
 کوشش ہی نہ کریں تو ہرگز نہیں۔“  
 ”تم جانتے ہو میں کون ہوں۔“ کرل پھر اسی انداز میں  
 بولا۔ ”تم لوگوں کو ابھی اس حرکت کا مزہ چکھنا ہو گا۔“  
 ”یہ تو بھلا بات ہے کرل؟“ وہی آدمی جس نے کرل  
 سے پہلے بات کی تھی مسکراتے ہوئے بولا۔ ”نی ایل تو تم  
 اپنی خیر منادو۔“  
 ”تم تو کچھ رہی تھیں کہ اس مکان میں وہ زنجی بڑا ہول ہے۔“  
 کرل نے نیلا کی طرف دیکھا۔ پھر یہ لوگ کون ہیں؟“  
 ”ہم سب ایک ہی تھیلے کے چٹے بنے ہیں کرل۔ نیلا کے  
 بجائے اس کی آدنی سے جواب دیا۔  
 ”کیا؟“ کرل کا منہ کھلا رہ گیا۔ ”کیا یہ عورت بھی تہمدی  
 ساتھی ہے؟“  
 ”جی جناب۔ نیلا نے شوخ لہجے میں کہا۔ ہم سب ایک  
 ہی ہیں۔ اور ہاں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ یہ لوگ ذرا بے رحم  
 واقع ہوئے ہیں۔ اس نے ذرا اعتماد رہے گا۔ آپ نے کوئی  
 جھلائی دکھائی اور ان لوگوں نے آپ کی کھال آبادی۔“

”تم ذلیل کیسی،“ غصے کی شدت سے کرل کے منہ  
 فونک اڑنے لگا تھا۔  
 ”خاموش رہو؟“ وہی آدمی زور سے دہلاؤ۔ ”اب اگر تم نے  
 یہ کہا تو میں بڑی بے رحمی دکھا نے میں زیادہ دیر نہیں لگے  
 کرل جڑ بڑھ کر رہ گیا۔ صورتحال اس کے لیے خطرناک  
 دھمکی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا  
 ہوں کیا جا رہا ہے۔ یہ دھوکا اسے کیوں دیا گیا ہے۔ یہ لڑکی  
 بیاچا کی ہے؟  
 اسے زبردستی دھکیل کر ایک کمرے میں بند کر دیا گیا۔  
 اس کمرے میں اتنی تاریکی اور گھٹن تھی کہ اندر آتے ہی کرل  
 دم گھٹنے کا احساس ہونے لگا۔ وہ گھبرا کر پٹا لٹیکن اتنی دیر  
 میں دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔  
 ”محمود دروازہ؟“ وہ دروازہ دیکھنے لگا۔ ”میں کھتا ہوں کچھ  
 دروازہ۔ ذلیل۔ کیسی۔“  
 ”مجھے دوسرے کمرے کے ہنسنے کی آواز آئی۔ پھر خاموشی چھا  
 ئی۔ دروازہ دیکھتے ہوئے کرل کے ہاتھوں میں درد ہونے لگا۔  
 کرل اس نے اپنی کوشش ترک کر دی تھی۔ یہ احساس  
 ہو گیا تھا کہ وہ بہت ہی غلط باتوں میں پڑ گیا ہے۔ ان لوگوں  
 نے کسی خاص مقصد سے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے۔  
 اس کمرے میں تاریکی اتنی شدید تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ پا  
 نہیں دے رہا تھا۔ کرل نے اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلانے لگے  
 ایک قدم بڑھنا شروع کر دیا۔ چند قدم چلنے کے بعد اس کے ہاتھ  
 دیوار سے ٹکر لگے۔ وہ انداز سے دوسری طرف دھڑا۔ اس  
 طرف بھی دیوار آگئی تھی۔ اس نے اپنا رخ پھر تبدیل کیا۔ کچھ  
 دھڑکے بعد میری دیوار بھی آگئی۔ وہ پھر پٹا۔ اس دفعہ وہ آبی  
 دروازے کے پاس آ گیا تھا جس کے ذریعے اندر آیا تھا۔  
 پھر کرل کو ایک اور بات کا اندازہ ہو گیا۔ وہ کمرے بالکل  
 خالی تھا۔ اس میں فریج نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ کوئی لٹر کوئی  
 کرسی کچھ بھی نہیں تھی۔ بس ایک کمرہ تھا۔ تنگ اور گھٹنا ہوا جہاں  
 اسے لاکر قید کر دیا گیا تھا۔ اور قید کرنے والے اس کی کوئی  
 بات سننے کو تیار نہیں تھے۔  
 اس نے دونوں ہاتھوں سے دیواروں کو ٹٹولنا شروع  
 کیا لیکن کچھ بھی نہیں۔ کوئی سوچ کوئی بات کچھ بھی نہیں تھا۔  
 وہ اپنے انداز سے جھٹا ہوا پھر دروازے کے پاس آ گیا۔

اس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ دروازہ بہت مضبوط تھا۔  
 قدیم طرز کے اس دروازے کو بہت مضبوط اور موٹی لکڑی  
 سے بنایا گیا تھا اور آسانی کے ساتھ اسے توڑا نہیں جاسکتا  
 تھا۔  
 کرل نے ڈھال ہو کر دروازے کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ اگر اس  
 کمرے میں روشنی کا انتظام ہوتا تو شاید اسے اتنی دشت نہیں  
 ہوتی۔ لیکن اندھیرے نے اس کے اعصاب پر ہتھوڑے برساتے  
 شروع کر دیے تھے۔ اندھیرا اور گھٹن لیکن نہیں اس کمرے  
 سے ہوا کا گڑبڑ ہو رہا تھا۔ دروازہ اتنی دیر میں اس کا دم گھٹ  
 کر رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی دروازہ تھی۔ جس کے ذریعے ہوا آتی تھی۔  
 لیکن وہ دروازہ کہاں تھی۔  
 وہ پھر کھڑا ہوا اور دیواروں کو دوبارہ ٹٹولنے لگا۔ بڑی  
 احتیاط کے ساتھ۔ ایک ایک انگ لیکن وہ دروازہ نہیں ہاتھیں  
 مل سکی۔ اگر کوئی دروازہ تھی تو وہ چھت اور دیواروں کے درمیان  
 کہیں تھی۔ اوپر کی طرف۔ جہاں تک اس کی رسائی نہیں  
 ہو سکتی تھی۔  
 وہ تنک باہر کر دیا۔ اسے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کی  
 زندگی میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے اس طرح دھوکا کھایا  
 تھا۔ اس لڑکی نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا تھا۔ اس نے کرل  
 کو ایسی کجانی سنائی جس میں کوئی جھول نہیں تھا۔ وہ ایک سنگین  
 کہاں تھی۔ کرل کی جگہ کو بھی ہوتا تو اس کجانی پر یقین کر لیتا۔  
 سب کچھ اپنی اپنی جگہ آگئی تھی میں سمجھنے کی طرح جڑا ہوا تھا  
 ہر کردار ہوتا ہوا تھا۔ کرل اسی لیے اس کے دھوکے میں  
 آ گیا تھا۔ دروازہ۔  
 لیکن اب کیا ہو! سوال تو یہ تھا کہ اسے یہاں سے نجات  
 کس طرح ملے۔ ایسے دھوکا اسے کیوں دیا گیا تھا؟ ہوجئے سوچتے  
 اس کے دماغ کی رکیں پھٹنے لگیں۔ لیکن کوئی بات اس کی  
 سمجھ میں نہیں آ سکی۔ تنگ آکر اس نے سوچنا ترک کیا اور پھر  
 وہیں دیوار کے پاس بیٹھ گیا۔  
 ٹھنڈے دھوکے دیر تک لیٹا رہا تھا۔ یہاں وقت گزرنے  
 کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ صبح  
 ہے یا شام ہو رہی ہے۔ البتہ بیٹ میں آنکھنے والی آگ  
 ظاہر کر رہی تھی کہ وہ بہت دیر سے جھوکا ہے۔ اور اسے یہاں  
 بھی لگ رہی ہے۔  
 ہاں۔ زندہ رہنے کے لیے ہوا کے ساتھ ساتھ پانی بھی

ضروری تھا۔ اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ اسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن اسے قید کرنے والے اسے قید کر کے بھول گئے تھے۔ انہیں یاد نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے کسی جیب سے جانگے انسان کو بے بسی میں مبتلا کر دیا ہے۔ وہ دوپار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔

آہستہ آہستہ انداز سے اسے ایک بار پھر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ وہ مضبوط دروازہ اسی مضبوطی کے ساتھ بند تھا اس نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بنا کر اس دروازے پر برسائی شروع کر دیں۔ زور سے۔ زور سے۔ پوری قوت کے ساتھ۔ پوری شدت کے ساتھ۔ لیکن کوئی رد عمل نہیں جواب میں صرف خاموشی رہی۔ ایسی خاموشی جو اس کے وجود میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ زور زور سے جلتے لگا پکارتے لگا۔ لیکن اس کی آواز بھڑکنی۔ یہ سنا کر اس کی رگوں میں اترا ہوا اس کے دل کی دھڑکنوں کو زور دینا رہا تھا۔

”جھگڑاؤں میں کہاں کہیں گیا ہوں؟“ اس نے غصے سے اپنے سر کے بال لٹختے لے پھراس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ یہ آنسو فقط قطرہ اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے اس کے ہونٹوں تک آئے اور اس نے اپنی زبان پھیر کر ہونٹوں سے آنسوؤں کا ڈانچہ محسوس کیا۔ اس سے اس کی ہپاس تو نہیں بچھ سکی تھی، لیکن وقتی طور پر قرار آ رہا تھا۔ لیکن وقتی قرار بھی بالآخر رخصت ہو ہی گیا۔

اس کی زبان پھر ترختے لگی۔ اب حلق میں کانٹے سے اترنے لگے تھے۔ یہ کانٹے اس کے حلق سے ہوتے ہوئے اس کی روح تک میں اتر رہے تھے۔ اس کے وجود کو اندر سے جلی کر رہے تھے۔ گھائل کر رہے تھے۔ دوسری طرف اس کا کھونا ہوا بیٹ اندر کی طرف دھنسا رہا تھا۔ جیسے پیٹ کی جگہ کوئی کھانا نمودار ہوئے لگا ہو۔ اس نے قہر پ کر دو تین ہاتھوں سے اچھا پیٹ ڈالیا۔

کچھ بھی نہیں۔ اس کی یہ تکلیف اس طرح ختم نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس شدت میں اضافہ ہو گیا۔ اسے لول لگا جیسے اس کے پیٹ سے کوئی گولہ اٹھ کر اس کے حلق میں آ کر اٹک گیا ہو۔ اس نے گمے کو لنگا جابا۔ لیکن اسی وقت تک زور کی آواز اس نے فٹے کر دی۔

خالی سینہ۔ خالی پیٹ۔ خالی وجود۔ وہ لکڑی لکڑی

میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ وہ اس جگہ سے اٹھے بھی جا سکتا۔ وہ اپنی ہی غلامت میں لٹک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ یہ نیند کا غلبہ نہیں تھا بلکہ اس کے بدن میں تیزی سے نمودار ہوتی نا توانی تھی۔ وہ لٹک رہا اور دیوار سے ٹکراتا ہوا فرش پر ہر پھر ہو گیا۔

اور بھی کئی گھنٹے۔ کئی دن گئی تھیں۔ اسے کچھ اندازہ نہیں تھا۔ جس آنکھیں مٹھیں اور اندر ہر طرف اندھیرا معلوم ہوتا۔ یہ اندھیرا اب اس کے وجود کا حصہ بنا رہا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس اندھیرے سے ایک بھی کوئی چیز ہوا کرتی ہے۔ ایک بار اس کے ذہن میں روشنی کا تصور آیا تھا لیکن اس نے اپنے سر کو زور زور سے جھٹک کر خود کو اس بے معنی تصور سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ بجائے روشنی کیا ہونے لگا؟ کہاں ہونی ہے۔ اب تو اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ اور یہاں کس طرح آ گیا ہے۔ وہ کون لوگ تھے جو اسے یہاں تک لے آئے تھے۔ اور اس کا نام کیا ہے۔

ہاں اب اسے اپنا نام بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ جلتے اس کا نام کیا تھا۔ لیکن یہ نام کیا چیز ہے۔ کس کام آیا کرتی ہے۔ کیا زندہ رہنے کے لیے کسی نام کا ہونا ضروری ہے؟ لیکن یہ نام کیا چیز ہے؟ یہ کس کے پاس ہوتی ہے۔

اندھیروں کے درمیان ایک عجیب سا احساس، جیسے اندھیرے کی دھیر دھیر کو کسی نے جا قوسے دو حقیقتوں میں تعمیر کر دیا ہو۔ ایک ایسا احساس، جو اس کی آنکھوں کے لیے تھا تھا۔ ایک عجیب مزہ چھاتی ہوئی چیز اس کی آنکھیں اس چیز کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ اس نے اپنے وہ ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے جن کی کھال تک لٹک رہی تھی جلا کر ایسا کرے میں بھی اسے جہت و غمخواری ہوئی تھی۔

”اس کی تو حالت غیر ہو گئی ہے جناب!“ اس کے کانوں سے کسی کی آواز سنائی۔

”مٹھیک ہے۔ اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔“ یہ دوسری آواز تھی۔

غلطی بات ہے۔ بہرہ ور فرش سے بلند ہونے لگا۔ اس فرش سے جس چاروں طرف وہ خود بخود غلامت میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ بدلے سے کچھ کرکھ طرح ہٹ رہا تھا۔ لیکن کرکھ کے لیے ان دن کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس اہمیت تو اس بات کی تھی کہ وہ زندہ ہے اور اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے؟

اسے اٹھا کر مختلف مرحلوں سے گزرا جاتے لگا۔ وہ ایک کا صرف احساس کر سکتا تھا۔ یہ احساس اس کے ہاتھ ہوتا تھا اس کی رگوں تک میں اترا رہا تھا۔ شاید نبت اور اطمینان بھری زندگی اسی کو کہتے ہیں۔ شاید ایسا کیا بھی گیا۔ صاف کیا گیا۔ کپڑے پہنائے گئے۔ پھر غلامانہ فی قوت بخش مشروب اس کے حلق میں اندر لگا گیا۔ اور اب احساس تھا ایک نئی زندگی دیتا ہوا احساس۔

بہار سے نیند آ گئی۔ یہ مرحلہ بھی بجائے کتنی دیر کا تھا ہے کچھ یاد نہیں تھا۔ بے دلد ہونے کے بعد زندگی بخش ٹل اس پر سے پھر گرے گئے۔ ان مراحل نے اسے یاد ناسرور کیا۔ دھیرے دھیرے۔ جیسے سورج کی کرنیں سے دھیرے نمودار ہوتی ہیں اور ہر طرف اچالاک پھرتی ہے۔ یاد آ گیا کہ وہ کون ہے۔ اور اس کے ساتھ کیا رہی تھی۔

وہ کرکھ راجندر تھا۔ اور نیلما نام کی ایک لڑکی اسے دکا دے کر اپنے ساتھ چلی کی مدد سے قید کر گئی تھی۔ وہ بڑا کرکھ بیٹھا۔

وہ لڑکی اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی۔ اس وقت وہ ایک ایسے کمرے میں تھا جو خصوصیت سے آراستہ تھا۔ اور وہ خوبصورت لڑکی اس وقت بھی اس خوبصورت فریج کا کوئی جز ہی معلوم ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر راجندر کا خون کھولنے لگا۔ لیکن اسے لڑکی کے ہمارے میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ کر حیرت نہ تھی۔ بے پناہ حیرت۔ اس حیرت نے اسے لنگ لنگ کر دیا تھا۔ وہ بے مدد تھا۔ ڈی۔ ایس۔ بی پرویز۔

وہ چلتے کی طرح دلیر اور لومڑی کی طرح چالاک تھا۔ وہ تبدیل بھی جلتا تو اس کی رفتار اچھی خاصی تیز ہوتی تھی۔ وقت وہ ایسی جہازوں کے درمیان سے گزر رہا تھا بالکل بچہ اور خشک شخص۔ وہ کھڑکی سے دیکھ کر رگ کر ماحول کا جائزہ لیتا اور پھر تیز رفتاری سے

آگے بڑھ جاتا۔ اس کے دونوں ہاتھوں سے ریل اور لنگ رہے تھے۔ اس کے شانے پر ایک دو مار مار ڈھکی تھی۔ کمرے ایک تنگ بھی بندھا تھا۔ جبکہ اس نے اپنی پشت پر کھانے پینے کی چیزیں بھی ایک باسکٹ میں لاد رکھی تھیں۔

اچھا خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے مٹھیں محسوس کی۔ اور ایک مناسب جگہ بیٹھ کر اس نے اپنی پشت سے بندھی ہوئی باسکٹ اتاری اور کھانا شروع کر دیا۔ باسکٹ میں ایک بڑا سا تھوڑا سا بھی تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے پانی کے دو چار ٹھونٹ لیے اور ان چیزوں کو دوبارہ سمیٹ کر آگے بڑھنے لگا۔

کچھ دور چلنے کے بعد اس کے پاؤں رگ گئے۔ اس نے بجلی کی کسی تیز سی سے اپنے ہوسٹر سے ایک ریل اور کھینچا اور ریلوں کے بل کھوم گیا۔ اس کے سامنے ایک دیہاتی گھرا ہوا حیرت اور خوف سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کون ہو تم؟“ اس نے ڈانٹ کر پوچھا۔

”میں بالے رام ہوں سی۔“ دیہاتی نے گھر کا چوہا دیا۔

”کہاں رہتے ہو تم؟“

”وہ جی اس طرف ہماری بستی ہے۔“ بالے رام نے انگلی سے ایک طرف اشارہ کیا۔

”تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے تھے؟“

”نہیں جی۔ میں تو ابھی بھی بچہ نہیں لے کر ادر ضرور آیا کرتا ہوں۔“

”کہاں ہیں تمہاری بیوی بچے؟“

”اس کو مٹی کے پیچھے ہیں جی۔“ بالے رام نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارے علاوہ اور اس طرف کون بھی بچے ہیں؟“

”ہے۔“ اس طرف تو جی، میں صرف ایک آیا کرتا ہوں۔“

”میں نے آپ کو دوسرے آتا ہوا دیکھا، جی میں نے  
 سمجھا کہ آپ کوئی مسافر ہیں جو راستہ بھول گئے ہیں میں ہی  
 لیے آپ کی مدد کرنے آیا تھا کہ آپ نے مجھ پر ہستون نکل  
 لیا۔“ تمہیں کیسے معلوم کہ یہ ہستون ہے۔“  
 ”کیسے نہیں معلوم جی۔“ فلیس نہیں دیکھی میں کیا ہر پہننے  
 ہماری بستی میں ایک مندر ہوا لگا کر نہا ہے۔“  
 ”اوہ۔“ وہ حالاک اور دلچسپ مسکرایا۔ ”میں نے اس  
 طرف تو دھیان ہی نہیں دیا تھا۔“  
 ”نہم کو کہاں جانے باؤ جی؟ بامے رام نے پوچھا  
 ”مجھے مجھے دراصل کچھ آدمیوں کی تلاش ہے۔“ اس  
 نے جواب دیا۔  
 ”کن لوگوں کی۔“ مجھے بھی تو باتیں شاید میں تمہاری  
 کچھ مدد کر سکوں۔“  
 ”ہاں تم واقعی مدد کر سکتے ہو۔“ اس نے اپنی گردن  
 ہلائی۔ ”میں کچھ ایسے لوگوں کی تلاش میں ہوں جو پھر سے آئے  
 ہیں۔ اور جن کے ساتھ سواریاں وغیرہ بھی ہیں اور جو  
 بندو گلیں وغیرہ لے کر چلتے ہیں۔“  
 ”میں سمجھ گیا۔“ دیہاتی جلدی سے بول پڑا۔ ”میں نے  
 ایسے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے۔“  
 ”کہاں دیکھا ہے جلدی بتاؤ۔“  
 ”میں وہاں تک تو نہیں جاؤں گا۔“ دیہاتی نے کہل  
 ”لیکن تمہیں کچھ فاصلے تک ضرور لے جاؤں گا۔ تم وہاں سے  
 خود ہی چلے جانا۔“  
 ”ٹھیک ہے۔“ ایسا ہی کرو۔ اور سوچ میں نہیں بہت  
 سالانہ بھی دوں گا۔“  
 ”مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے جی۔ تم بس ان لوگوں  
 سے میری بھولی اور رائی کو واپس دلا دینا۔“  
 ”بھولی اور رائی۔ یہ کون ہیں؟“  
 ”یہ میری بکریاں ہیں جی۔ بامے رام نے بتایا۔ وہ  
 لوگ زبردستی ان بکریوں کو لے گئے۔ انہوں نے میری  
 بکریاں مجھ سے چھینی ہیں۔“ فلیس نے ان پر بہت غصہ  
 ہے جی۔ لیکن میں کروڑ آدمی ان کا گھبراہٹا دیکھتا ہوں۔“  
 ”گھبراؤ نہیں۔ تم مجھے ان کا راستہ دکھاؤ۔“  
 ”تمہاری بکریاں ان سے واپس دلا دوں گا۔“  
 ”تو پھر آپے مہرے ساتھ۔“ دیہاتی نے ایک طرف  
 اشارہ کیا۔

وہ شخص اس دیہاتی کے ساتھ چل پڑا۔ دیہاتی  
 کے کہنے کے مطابق اس کی بکریاں واقعی ایک ٹیلے کے  
 عقب میں موجود تھیں۔ اس دیہاتی نے آواز میں دے  
 دے کر اپنی بکریاں سنائی مٹھوئیاں۔ بکریاں اس کی آواز پر  
 دوڑی جلی آتی تھیں۔  
 ”کہاں بکریوں کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔“  
 ”ہاں جی میں آپ کو راستہ بتا کر اپنی بکریاں آگے لے  
 جاؤں گا۔“ میں تمہیں ایک جگہ بتا دوں گا۔ وہاں میں تمہارا  
 اتنی گز ہرگز نہ لگے۔ میری بکریوں کو ان سے چھڑا کر وہاں لے  
 آنا۔“  
 اس شخص نے اس بات پر اپنی گردن ہلا دی پھر  
 لوگ ایک طرف چل پڑے۔ اور ابھی تھوڑی ہی فاصلے  
 پر تھا کہ وہ پورا ماخول انجانے آوازوں سے گونج اٹھا۔  
 یہ آواز اس ایسی گلیں جیسے زلزلہ برپا ہو رہا ہو اس دیہاتی  
 کی بکریاں بھوک بھوک کر بھاگنے لگیں اور ہر طرف ایک  
 افراغی مچ گئی۔  
 \*  
 وہ عجیب قسم کی گھر گھراہٹ سی تھی۔ ایسا  
 ہوتا تھا جیسے تمہیں کوئی پہاڑی اچانک ہی پھٹ  
 پڑی ہو۔ گردوغبار کا ایک طوفان تھا۔ جو ان کے  
 سے گزر رہا تھا۔ وہ شخص خطرہ محسوس کرتے ہی قریب  
 کے ایک بڑے پتھر کی اوٹ لے چکا تھا۔ اور چھوٹے  
 چھوٹے سنگریزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش  
 جو اس گردوغبار کے ساتھ برس پڑے تھے۔  
 نے اپنے آپ کو پتھر سے باہل چپکالیا تھا۔ درندہ  
 کا بھی وہی حشر ہوتا تھا۔ جو اس غریب دیہاتی کا ہوا تھا  
 جو باہل اپنی بکریوں ہی کی طرح بھوک کر ایک سم  
 بھاگ اٹھا تھا۔ اور بدحواسی میں کسی پتھر سے ٹھوکر کھا  
 نشیب میں لڑکھ گیا تھا۔  
 کچھ دیر بعد جب گردوغبار کا یہ طوفان تمام  
 پتھر کی اوٹ سے باہر نکلا۔ اس کی چوٹا نظریں۔  
 اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ اس سمت  
 جہاں اس دیہاتی کے ملنے کی توقع تھی نشیب  
 اترنے ہی تھوڑے فاصلے پر اس کی نظر دیہاتی  
 پڑی۔ جس کا سر پھٹ چکا تھا۔ شاید لڑھکتے وقت  
 کا سر کسی پتھر سے ٹکرا کھا گیا تھا۔ وہ جب اس کے

زور سے پہنچا تو اس کی تیز کار آنکھوں نے اندازہ لگا  
 یا کہ اس کی دل کی دھڑکیں اس کا ساتھ چھوڑ چکی ہیں  
 اس نے جھک کر اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ کہ شاید  
 بندگی کی کوئی رقع باقی ہو۔ مگر بے سود۔ وہ دنیائے  
 باہر جنہوں سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس شخص نے اس  
 نکلنے آنکھوں کو اپنی آنکھوں کے پورے بند کیا ہی تھا  
 اچانک کچھ سرسراہٹیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں  
 وہ سانپ کی طرح سرعت سے پلٹا۔ اور یہ محسوس کرنے  
 ی کہ یہ آواز اس اوپر کی سمت سے آرہی ہیں۔ وہ وہیں  
 میں سے چپک گیا۔ وہ چونکہ نشیبی علاقے میں تھا۔  
 اس لیے اس کے دیکھنے جانے کے امکانات تھے  
 مگر آہستہ آہستہ وہ سرسراہٹیں جب دور جاتی محسوس  
 ہوئیں۔ تو وہ اٹھا اور جھک کر بڑی ہوشیاری سے اوپر  
 سمت چڑھنے لگا۔ اس کے رینگنے کا انداز بالکل  
 پہاڑی گڑبڑ کی طرح تھا۔ جو وقفہ وقفہ سے اپنا سر  
 اٹھا کر اٹھانے خطرے کا جائزہ لیتا اور پھر اوپر کی جانب  
 رینگنے لگتا۔ چند ہی لمحوں بعد اس نے اپنا سر اٹھا  
 اس کو کافی دور ایک شخص نظر آیا۔ جو پہاڑی کے  
 ہموار راستے پر آہستہ اطمینان سے چلا جا رہا تھا جیسے  
 وہ پہاڑوں ہی کا باشندہ ہو۔ اس دلیر شخص نے ایک  
 دیکھ سوچا۔ اور پھر ہوشیاری کے ساتھ اس کے  
 ناقب میں چل پڑا۔  
 اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ گردوغبار کا یہ طوفان  
 پہاڑی کے کسی حصے کو ڈانٹا مائنٹ سے اڑا رہے  
 لے نشیب میں نمودار ہوا تھا۔  
 وہ اس شخص کے پیچھے پیچھے بڑی ہوشیاری کے  
 ساتھ لگا رہا۔ آخر یہاں ایک میل تک کامیابی سے وہ ان  
 نقاب کرتا رہا یہاں تک کہ وہ شخص غار وار جھاڑیوں  
 کے ایک جھنڈ میں داخل ہو کر نظروں سے اوجھل  
 ہو گیا۔ چند لمحوں انتظار کے بعد وہ دلیر شخص جو کہنے  
 ملا میں ان جھاڑیوں کی سمت بھونک بھونک قدم  
 لٹا ہوا مسلسل آگے بڑھتا رہا۔ جھاڑیوں کے اس جھنڈ  
 میں گھس کر بڑے لمبے کے لہاس اور جسم پر خراشیں  
 لگ رہی تھیں۔ مگر وہ حتیٰ الامکان خانوکی کے ساتھ خدا  
 ہواڑیوں میں اپنا راستہ بنا رہا تھا۔ اور پھر جب وہ  
 غری خاص و غولوی کے اس جھنڈ کو عبور کر چکا تو

اس کی نظروں کے سامنے دور دور تک چلیں میدان  
 تھا۔ جس کو دیکھتے ہی وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس کے  
 اندازے کے مطابق اس پر اسرار شخص کو زیادہ سے  
 زیادہ ہزار ہزار کی قدی ہو کر وجود ہونا چاہیے تھا جس  
 کے تعاقب میں وہ ان غار وار جھاڑیوں میں داخل  
 ہوا تھا۔ مگر تا حد نظر چلیں اور ویران میدان یا پھر  
 پہاڑیوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ اتنی جلدی دنیا کی  
 تیز ترین شے بھی اس طول میدان کو عبور نہیں کر سکتی  
 تھی۔ کچا وہ ایک آدمی۔ اس دلیر شخص کے ماتھے  
 پر شکنیں بڑھ گئیں۔ وہ ایک لمحہ چپ چاپ کھڑا رہا اور  
 پھر ہلکا ہلکا ہی اس کے ذہن میں یہ ایک خیال بجلی  
 کی طرح گونڈا لگا۔ وہ شخص انہیں جھاڑیوں میں نہیں  
 چھپ تو نہیں گیا۔ کیا اس کو اپنے تعاقب کا شریک  
 تھا۔۔۔ یقیناً وہ انہیں جھاڑیوں میں نہیں ہو کر  
 ہے۔ اس کے ذہن نے فیصلہ دیا۔ اور اس نے اپنی  
 کمر سے بندھے خنجر کو نکال کر اپنی انگلیوں کی گرفت میں  
 جبکہ دلیہ اس کی گرفت کا انداز تھا تھا کہ وہ خنجر زنی کلہاڑ  
 ہے۔ وہ واپس جھاڑیوں میں داخل ہو گیا اور بڑی ہی  
 ہوشیاری سے جاؤں طرف کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھنے  
 لگا۔ اس کی مطابق نظریں ہر اکران جھاڑیوں کا جائزہ  
 لے رہی تھیں۔ جو ایک آدمی کو اپنی آغوش میں چھپا  
 سکتی تھیں۔ چند قدم چل کر اس کی نظریں ایک ایسی  
 جھاڑی کی سمت اٹھ کر رہ گئیں۔ جو بے ترتیب انداز میں  
 پھیلی ہوئی تھی۔ اور خاصی تھنی تھی۔ نچانے کہیوں اس کو  
 جھاڑی کی ترتیب انسانی ہاتھوں کا کرشمہ تھی۔ وہ دبے  
 پاؤں بڑی احتیاط کے ساتھ اس سمت بڑھا۔ اور پھر  
 اس کا خدشہ درست ہی ثابت ہوا تھا۔ اس جبکہ جھاڑی  
 کو باقاعدہ ایک ترتیب کے ساتھ گولا میں لگایا گیا  
 تھا اور یہ سو فیصدی انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا پھر  
 ایک ہلکی سی گڑبڑاہٹ سن کر دلچسپ وہ زمین سے چپک  
 گیا۔ اور لڑی لگا لگا اس گڑبڑاہٹ کی سمت مرکوز کر دی  
 جہاں ان تھنی جھاڑیوں کا قطعہ تھا۔ اور یہ کچھ کر اس  
 کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں کہ اس جگہ ایک  
 خداداد سائفر رہا تھا۔ اور جھاڑیوں کا وہ قطعہ کسی خاص  
 میکینزم کے تحت تزییناً دو فٹ دائیں سمت ہٹ  
 چکا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے اس خلا سے ایک آدمی

ابھر کر باہر نکلا اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک بڑے پتھر کے پیچھے ہاتھ ڈالا اور وہی ہلکی سی گڑبڑ دوبارہ گونئی۔ اور وہ خلا پھر پڑ ہوئی تھی۔ جھانپوں کا قطعہ اس جگہ پر موجود ہوا۔ جہاں وہ چند لمحے پیشتر موجود تھا۔ خلا سے ابھرے والے شخص نے کندھے پر لٹل چلائی اور مطمئن انداز میں ایک سمت بڑھ گیا۔ چند لمحوں تک زمین پر بے حس و حرکت تھے رہنے کے بعد وہ شخص اٹھا اس بڑے پتھر کے پاس جا پہنچا۔ جس کے نیچے غالباً کوئی کل دبا کر اس شخص نے خلا کو بند کر دیا تھا۔ اس نے پتھر کے نیچے ہاتھ ڈالا اور پھر اس کا ہاتھ ایک گھری ہوئی ہینڈل نمائے سے مکرایا اور اس کو کھاتے ہی وہی ہلکی سی گڑبڑ گونئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ دوبارہ نمودار ہو گیا۔ دلیر شخص نے محتاط انداز میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر وہ دبے قدموں کے ساتھ اس خلا میں اتر گیا۔ یہ خلا ابھرا ایک تاریک سرنگ کی جی جودور تک چلی گئی تھی۔ اس نے خلا سے آنی ہوئی روشنی کی کرنوں میں اس جگہ کا جائزہ لیا۔ اور پھر دائیں سمت سرنگ کی دیوار پر توجہ دیا۔ ایسا ہی ہینڈل نظر آیا۔ جیسا کہ وہ سرنگ سے باہر پتھر کے پیچھے پوشیدہ دیکھ چکا تھا۔ اس نے ہینڈل کھما یا اور خلا بند ہو گیا۔ خلا کے بند ہونے ہی میں تاریکی سی چھا گئی۔ چند لمحوں بعد جب اس کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو گئیں تو وہ آگے بڑھے لگا۔ سرنگ کا اختتام ایک کنواں نما گڑھے پر ہوا۔ جس میں باقاعدہ اوپر چلنے کے لیے آہنی سیڑھیاں موجود تھیں بالکل اس طرح کی جیسے کہ کنوئیں وغیرہ میں اترنے کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ مختصر اس نے اپنی کمر میں آڑس لیا تھا اور اس بار اپنی دور مار بندوق ہاتھ میں لے کر آہستہ آہستہ سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ اس کے انداز سے کے مطابق وہ ایک کنواں تھا۔ پرانا کنواں جیسے کہ عام طرہ پر بڑی بڑی حویلیوں میں ہوتا ہے۔ اور پھر اس کا اندازہ درست ہی ثابت ہوا۔ کنواں کی منزل پر پہنچے اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو اس کے سامنے ایک عظیم الشان چوٹی نظر آئی۔ جو ایک ایسی وادی کے گرد سر اٹھائے کھڑی تھی جہاں سبزہ ہی سبزہ تھا۔ اس بھر مقام پر ایسی ہری بھری وادی کا وجود بذات خود ایک حیران کن منظر تھا۔ اس ہر اس عظیم الشان عمارت کی تعمیر دیکھ کر تو وہ ہکا بکا سا

رہ گیا۔ اسے یہ جاوٹی منظر کی طرح معلوم ہو رہا تھا حویلی میں داخل ہونے کا اس سرنگ کے علاوہ لفظ راستہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس کے باوجود وسیع و عریض حویلی اس کی نگاہوں کے سامنے موجود اس نے چاروں طرف کا باریک بینی سے جائزہ لیا وہ اس کنوئیں سے باہر نکلنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہ یہ جگہ خطرناک ہو سکتی تھی۔ بلکہ اس تنگ جگہ میں وہ کسی کی طرح گھیرا جا سکتا تھا۔ حویلی کے آس پاس کوئی مو نہیں تھا۔ نہ کوئی پھر بدر نہ مکین... اور ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ نیچے کیوں اس دلیر کو یہ خاموشی بڑی بڑا سراسر سی تھی۔ اس کی چھٹی جس کسی خطبے کا اعلان کر رہی تھی۔ مگر اس کا ذہن اس خطرے کی نشاندہی کرنے سے قاصر تھا۔ بالآخر اس کنوئیں میں سے باہر قدم لگا دیا اور وہی وہ مندرجہ ہی تھا کہ دفعتاً ایک فائر کی آواز گونئی اور ایک جھٹکے بندوق اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی اور یہ دیکھ کر وہیں ساکت ہو گیا کہ ایک دائرہ والی شکل حویلی کے دروازے کی دائیں سمت کھڑا تھا۔ اور اس ہاتھوں میں ایک جدید رائفل تھی جس کا رخ اسی سمت تھا۔ میرا نام اقبال ہے اور میں راستہ بھٹک کر ادھر ہوں اس دلیر شخص نے گھبرائے بغیر سکون سے جواب دیا۔ مگر تم لوگ کون ہو؟

”ہم یہ دائرہ والے شخص نے طنز پر مسکراتے ہوئے لولا اسی جلدی کیا ہے ہمارے بارے میں جا۔ کی... اپنا چل جائے گا۔ فی الحال تو تم اپنی پشت باسکٹ اور پھر اتار کر ہمارے حوالے کر دو“

کوئی راستہ نہ پا کر مجبوراً اقبال ناکی شخص نے باسکٹ گرا دی اور پھر پھر کمال کر زمین پر ڈال دیا۔ ”گڈ“ دائرہ والے شخص مسکرایا۔ اب چپ چاپ چلو۔ ہمارے سرکار بڑی بے چینی سے تمہارے منہ میں اس نے حویلی کے کشادہ بھاگ کی طرف کرتے ہوئے کہا اور اقبال چپ چاپ ان کے حویلی میں چلی میں داخل ہو گیا۔

”کیسے کیا حال ہیں جناب کرنل راجندر صاحب ڈی۔ ایس۔ پی۔ پرورد ملک نے طنز پر اتفاق میں ا۔ قحط کیا۔

”تت۔ تم۔ اور یہ لڑکی نیل...“ وہ ہکلاتے ہوئے لولا۔

”جی! یہ پولیس الپٹرکاری نیل ہیں۔ فرام اپیشل برائٹ براؤن اور خاص طور پر تمہیں گھبرنے کے لیے ان کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔“ پرورد مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”کرنل! یہ بات تو اب تم ہر واضح ہوئی ہوگی کہ تم چاروں طرف سے گھر چکے ہو۔ تمہارے بچے کے تمام راستے میں بند کر چکا ہوں صرف ایک راستہ کھلا ہے صرف ایک...“ وہ غلامانی انداز میں کسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اور وہ راستہ صرف یہ ہے کہ تم سے جو بچہ بچا جا جائے وہ سچ پرچ بتائے چلو شاید قانون تمہارے بارے میں بعد روانہ ہو یہ اختیار رکھتا ہے ورنہ تم خود دیکھ سکتے ہو کہ دوسری صورت ہی بھرو، تاریک کر وہی قید تھائی اور بھوک اس کے سسکتے تمہارا مقدمہ بن جائیں گے۔“

”نہیں۔ نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔“ کرنل راجندر نے کہا۔ ”قانون تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔“

”قانون؟“ پرورد مسکرایا۔ ”بے شک۔ قانون کے تقابلاً ہندوؤں کی بندش سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر کان بھول کر سن لو کہ یہاں کا قانون میں نہیں۔ یہ سب لوگ جو یہاں موجود ہیں۔ میرے ہم خیال ہیں۔ اور ہم لوگ قانون کی سرپرستی کے لیے اس کے بارے میں ہی بھی کسی قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ پرورد کا چہرہ غصے سے سرخ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں غصے لگنے لگی تھیں۔

”تم تمہارے کونے پر تو ملک و قوم کی حفاظت قانون کی سرپرستی کی ذمہ داری رکھی گئی تھی۔ تمہیں دردی اس لیے عطا نہیں کی گئی تھی کہ تم ملک کے خوں کی اعانت کرو۔ جرائم پیشہ افراد کے ساتھ تعاون کرنا۔ کرنل راجندر اتم کو وہ سزا دی جائے گی جس کا پورے ملک میں بھینٹ ہے۔“

”لیکن تم تمہارے کسی سوال کا جواب میں نہیں دوں تم مجھے عدالت میں پیش کیوں نہیں کر دیتے۔“

”راجندر نے پرورد ملک سے کہا۔

”تو تم ایسے باز نہیں آؤ گے۔“ خاویا اس نے بے تنوید شخص کو قحط طلب کرتے ہوئے آواز دی۔

”کرنل صاحب کو اسی کمرے میں دوبارہ بند کر دو ایسی ان کے اسکو وٹاؤٹ نہیں ہوتے ہیں۔“

”نہیں۔ نہیں۔ نہیں بھگوان کے لیے ایسا مت کرو۔ کرنل راجندر کہہ رہے ہیں۔“

”میں تم سے تعاون کرنے کو تیار ہوں۔“

”ہوں۔“ پرورد مسکرایا۔ ”تو پھر ٹھیک ہے شروع ہو جاؤ۔“

”تم ملک کیا معلوم کرنا چاہتے ہو۔“ کرنل نے سوچے ہونٹوں پر زبان پھیرنے ہوئے پوچھا۔

”ایسی کہانی تم خود ہی سناتے چلو۔ تم کن ٹوٹوں کو اس زخمی کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتے رہے ہو۔“ وہ زخمی کہن تھا یا تم ان کے چنگل میں کیسے پھنسے۔“

”ٹھیک ہے۔ راجندر نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ میں تمہیں تمام واقعات سے آگاہ کر دیتا ہوں۔ لیکن یقین چاہو۔ میں بھی انجانے میں ان کے چنگل میں پھنس گیا تھا۔ اس میں میرا قصور نہیں بلکہ حالات نے مجھے سوچنے سمجھنے کی ہمت ہی نہیں دی تھی۔“

”اس کا فیصلہ تمہاری کہانی سن کر کیا جائے گا؟“

”پرورد بزم ملک نے کمری پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”چند ماہ قبل میری پوشنگ سرحدی علاقے کے اطراف میں کی گئی تھی۔ دنوں غیر متوقعہ اشیا کی اسٹنگ کا دوبارہ اسے عروج پر تھا۔ اور بالکل میں غیر ملکی اشیا کا قتلہ میں دستبند ہوئی تھیں شروع شروع میں تو اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی مگر جب ہیروئن کی لعنت بڑی تیزی سے پھیلنے لگی تو حکومت کو تشویش ہوئی اور سرحدی علاقے میں میری ڈیوٹی لگا دی گئی۔ کہ ایک خبر کی اطلاع کے بموجب اسی سرحدی علاقے میں اسٹنگ کا زور تھا۔ پھر حال ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ ایک بڑی مقدمہ میں ہیروئن اسمگل کی جائے گی۔ خبر کی اطلاع پر میں نے فوراً کارروائی کا انتظام کرنا شروع کر دیا۔

”اور متوقعہ راستے کو قہرے میں لے لیا گیا۔ لیکن اس روز کسی بھی غیر معمولی حرکت سے سابقہ نہیں پڑا۔ یہاں تک کہ ایک جڑیا کے بچے کی نقل و حرکت پر بھی نظر رکھی گئی۔ مگر ہمیں ہینڈل دھرم



والہس لومنا پڑا۔ پھر یہ خیال آیا کہ شاید کسی وجہ سے سیلان ملتی کر دی گئی ہو۔ لیکن دوسرے ہی دن جس خبر نے ہمیں اطلاع دی تھی اس کی لاش پانی کی ٹوٹنے نشوونما ہوئی کیونکہ میں تو اس کی دوسری اطلاع کالے چینی سے منتظر تھا۔ یہ بات لوفطی ثابت ہو چکی تھی کہ ہماری صفوں میں دشمن کا کوئی آدمی موجود تھا جس نے اس فٹنگ خبر اسٹیمنگ کو دے دی تھی۔ ادنیٰ نتیجے کے طور پر اس عزیز کو اپنی جان سے ہاتھ دھوئے پڑے۔ اس واقعے کے غالباً تیسرے روز ایک فوجی اور خوبصورت لڑکی گیتا جس نے خود کو اس فٹنگ کی بہن بنا رکھا تھا۔ مجھ سے ملاقات کی اور ملاقات کے دوران کچھ ایسے انکشافات کیے جو اس گروہ کا قلع قمع کر دینے میں مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ اس نے بتا دیا کہ مرنے سے قبل اس کے بھائی نے ایک خط کے ذریعہ اسے یہ ہدایت دی تھی کہ اس کی کسی ناگہانی یا اتفاقی موت پر وہ مجھ سے ملاقات کرے اور اس خفیہ مکان کی نشاندہی کرے۔ جہاں بھول اس کے اس گروہ کے خلاف کچھ سرعام مل سکتے تھے۔ کرنل راجندر نے یہی سائنس لی اور پھر کچھ سزا سنا پا لی مل جائیگا۔ ”ضرور“ اور وزیر ملک کے قریب کھڑے ایک شخص کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔ پانی کا گلاس وہ ایک ہی سانس میں خالی کرتے ہوئے کھینچ لگا۔ میں گیتا کے منہ سے ہر اس کے ساتھ اس خفیہ مکان کی طرف چل پڑا جس کے بارے میں اس کے بھائی نے آگاہ کیا تھا۔ وہ قریب ہی کی ایک چھوٹی سی بستی کا ایک مکان تھا۔ گیتا نے اس مکان کا نا اٹھولا۔ اور ہم اس میں داخل ہوئے۔ وہ دو کمروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ مگر اس میں ضرور زندگی کی ہر شے موجود تھی۔ ایک کمرے میں جو غالباً بیڈ روم کے طور پر اسے استعمال ہوتا تھا۔ ایک شاندار مہری بجھی ہوئی تھی۔ جس پر گیتا نے مجھے بٹھا دیا۔ اور خود ایک الماری سے ایک لفافہ نکال کر میرے حوالے کر دیا اس لفافے میں موجود خمرہ و دیگر کچھ شے پڑا۔ کیونکہ وہ خمرہ جس میں کچھ لوگوں کے نام اور پتے لکھے تھے۔ اس خمرے کا ہنڈی کی خمرہ نہ تھی۔ کیونکہ میں اس کی خمرہ اچھی طرح پہچانتا تھا۔ میں ابھی اس کی شش و پنج میں مبتلا تھا۔ کہ گیتا ایک ڈرے میں کچھ نرپا وغیرہ

لے آئی۔ اور اس نے ایک ہا میری طرف بڑھا دیا۔ وہ ایک لمحے کے لیے چپ ہوا اور پھر پٹمانی سے بھر کر اپنے میں بولا۔ ڈی ایس۔ بی صاحب! امر دکتنا ہئی ہونڈا کیوں نہ ہو مگر ایک عورت کے سامنے اس کی ساری ہوشیاری دھری رہ جاتی ہے۔ اور پھر عورت کی کسی؟ وینس کے مجھے جیسی۔ کوشش اور میرے بدن کی مالک، حالانکہ اس خمرہ کو دیکھ کر میرے ذہن میں خطرے نے سر اٹھا رکھا تھا۔ مگر اس کے خوبصورت ہاتھوں نے مجھے شراب کا جام پیش کیا تو میں بغیر کسی تردد کے اسے ایک ایسی سانس میں چڑھا گیا اور اس پھر...! میرے ہوش دھاس میرا ساتھ چھوڑنے لگے ایک عجیب سی سناہٹ میرے بدن میں تیرتی تھی۔ نکلے گا شراب میں کیا شے ملی ہوئی تھی جس نے میرے کمرے میں کسی سی بھری ہوئی تھی۔ میں نے گیتا کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر بڑی قانڈا مسکراہٹ تھی۔ کھیل رہی تھی ایک تو ویسے ہی کیا تم قیامت تھی وہ اس کی مسکراہٹ نے اور ستم ڈھا دیا۔ اور میرے اندر ہوس کا ناگ بھنکارنے لگا وہ خود سپردی کے انداز میں میری طرف بڑھی تو میں سب کچھ بھول کر اس کے سنگ مرمر جیسے حسین بدن کی گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ شاید اسی سہانے کا اثر تھا کہ میں اس مکان میں آنے کا مقصد تک بھول چکا تھا اور غائے کب تک میں ان خواہناں محووں سے اٹھتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ پھر کب میری آنکھ لگ گئی۔ وہ بارہ جب میری آنکھ کھلی تو رات کا وقت تھا۔ اس کا گدار جسم میرے پہلو میں تھا۔ میں نے اپنے ذہن کو چھٹکا اڑا دیا۔ بیٹھا۔ میرے بدن پر عجیب سی چیچھاہٹ تھی۔ بالکل ایسا کے جیسے ہر عجیب سے تاثرات ابھرائے تھے۔ اور جب میں نے لپٹ آن کی؟ وہ ایک نورک کر کے بگاڑ کر گیتا کا عریاں بدن اس کے اپنے خون میں نہا ہوا تھا۔ کسی نے بڑی بے دردی سے اس کے گلے کو کسی تیز دھارے سے کاٹ دیا تھا۔ میں فوجی ہوں جن قتل و غارت گری میرا پیشہ ہے۔ مگر یہ سفاکانہ قتل دیکھ کر تو ایک لمحے کو میں بھی نرپا ہوا تھا۔ اور پھر جانک میری نظر اپنے جسم اور ہاتھوں پر پڑی۔ اور یہ دیکھ کر کہ ہوش اڑنے کے میرے بدن پر کچھ خون کے قطرے سے جے ہوئے تھے۔ اور یہ چیچھاہٹ اسی خون کی وجہ سے بین

نے محسوس کی تھی۔ میری وردی وہیں دھن پر پڑی تھی ان حالات میں میرا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔ مجھے پھلنے کی کامیاب پلاننگ کی گئی تھی۔ میں نے جلدی سے میری پر پڑی چادر سے جسم کو پونچھا اور پھر تیزی سے وردی اٹھا کر خالی ہوسٹلر جس میں بھر ہوا اور پھر اس وقت میرا منہ جڑا رہا تھا۔ سوچتے کھنکھنے کا وقت نہ تھا میں نے سرعت سے وردی پہنی، ہی کٹی کہ اچانک دروازے پر ایک شخص نمودار ہو گیا۔

”اتنی جلدی بھی کیا ہے کرنل راجندر!“ اس نے اپنے ہاتھ میں میرا رولر مقام رکھا تھا۔ غالباً تم سمجھ ہی گئے ہو گے کہ یہ ایک جال تھا۔ حسین جال جس میں آخر کار تم بڑی طرح پھنس چکے ہو۔ وہ شخص شہزادہ انداز میں مسکرایا۔

”شٹ اپ!“ میں اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے چلا ہا۔ ”میں تم لوگوں سے نمٹ لوں گا۔“

”ہا ہا ہا!“ وہ شخص بڑے زور سے ہنسنے لگا۔ کوشش میں موجود ان تصاویر سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ راجندر جو تمہاری ہوس پرستی کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔ تم نے نہ صرف اس معصوم لڑکی کے جسم کو ناپاک کیا بلکہ اپنے راز کے ڈر سے اس کی جان بھی لے لی۔ وہ ایک لفافہ میری طرف بڑھاتے ہوئے کھینچ لگا۔ ہمارے پاس کی طرف سے یہ ایک پیش کش ہے۔ تمہاری نجات کی پیش کش۔ اب تم جا سکتے ہو۔ اس لفافے میں موجود ہدایات پر عمل کرو گے تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ درنہ... تم خوب سمجھ سکتے ہو کہ تم ایک ایسی دلیل میں گردن گردن دھنس چکے ہو۔ جو نہ صرف تمہاری عزت کو لنگھ سکتی ہے بلکہ تم جیسے جوان اور متعدد شخص کی زندگی بھی نکل سکتی ہے۔“

کرنل راجندر کی آواز بھرانے لگی۔ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور پھر پرویز ملک کو قی طاب کرتے ہوئے کھینچ لگا۔

”ڈی۔ ایس۔ بی صاحب! بس اس دن سے میں ان کے ہاتھوں میں مھلوتا بن چکا ہوں۔ کیونکہ اس لفافے میں ناقابل تردید شواہد و ثبوت موجود تھے جن کے منظر عام پر آ جانے سے دنیا کی کوئی عدالت میرا

اعتبار نہ کر سکتی تھیں۔ کے ساتھ میری عریاں تصاویر وہ خود فراموشی کے لمحے اور پھر اس کا قتل۔ یہ سب کچھ مجھے پچھانسی کے تحت تک پہنچانے کے لیے کافی تھا۔“

”اس زخمی شخص کے بارے میں تمہیں کس نے ہدایات دیں تھیں؟ پرویز ملک نے پوچھا۔“

”جب وہ بدترین دھماکا ہوا تھا۔ تو حکومت کی ہلوری سفینری کو حرکت میں آنے پر مجبور ہو نا پڑا اور جب متاثرہ علاقے سے ایک زخمی شخص کو لایا گیا تو لاچار حکومت کو اس شخص میں دیکھی یعنی بڑی کہ وہ جس جگہ پایا گیا تھا۔ وہ پورا علاقہ نہ صرف کسی بجائی تو سے تباہ ہو چکا تھا۔ بلکہ وہاں نالکاری اثرات بھی پائے گئے تھے۔ اسی لیے حکومت نے اپنے طور پر ملزمی حکام کو بھی اس معاملے کی تفتیش کرنے کی ہدایت دی۔ یہ بالکل ایک اتفاق تھا کہ جس ٹیم کو اس معاملے کی تفتیش کے لیے چنا گیا میں اس کا سربراہ تھا۔ اس واقعے کے دوسرے دن ہی مجھے حسب سابق ایک لفافہ ملا جو ان پر اسرار گروہ کے پاس کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور جس میں یہ ہدایت درج تھی کہ میں کسی بھی طرح اپنے اثر و رسوخ کو بروئے کار لاتے ہوئے اس زخمی شخص تک رسائی حاصل کروں اور اس زخمی کو کسی بھی طرح انوا کرنے میں ان کے ساتھ تعاون کروں۔ اس کے ساتھ ساتھ مجھے یہ اطلاع بھی دیا گیا تھا کہ اس کام کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے پر مجھے ہمیشہ کے لیے آزاد کر دیا جائے گا۔ اور میرے خلاف وہ تمام ثبوت جو ان کے پاس ہیں۔ میرے حوالے کر دیے جائیں گے۔ میرے پاس سوائے ان کی ہدایات، ہر عمل پیرا ہونے کے کوئی اور راستہ نہ تھا۔ میرے لیے انہوں نے کسی شخص کے ہاتھوں ایک پارسل بھی روانہ کیا تھا جس میں ایک انتہائی جدید اور چھوٹا سا ٹریسٹر تھا۔ اور جس پر وقتاً فوقتاً مجھے ان سے رابطہ قائم کرنے کی ہدایات دی گئیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ہسپتال پر حملہ تمہارے ہی اہم پر کیا تھا؟ پرویز نے پوچھا۔“

”ہاں! میں نے ان کو تمام تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے اس زخمی کو وہاں سے نکال لے جانے کا مشورہ دیا تھا۔“

”کیا تمہارے دل میں اس زنجی کے بارے میں کچھ جاننے کا جش پیدا نہیں ہوا۔“

”اس بارے میں میں نے ایک دن ٹرانسیربرہی ان سے پوچھنے کی جسارت کی تھی، نتیجے میں انہوں نے نہ صرف مجھے ڈانٹ دیا، بلکہ میرا زانہ افشا کوئی کی بجی دھکی دی تھی۔“

”تم نے ان کے کسی آدمی کو تلاش کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”ناکار ان کے بارے میں کچھ تفصیلات حاصل کر سکتے۔“

”ان لوگوں کا طریقہ کار اتنا برا ہے کہ میں ان کی پرچہ نہیں تک نہیں پہنچ سکا۔ شروع میں میں نے بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہا۔“

”اوہ وہ ٹرانسیربرہی انہوں نے نہیں دیا تھا۔“

”اوہ۔ وہ چونک اٹھا ہاں وہ میرے پاس ہے۔ بلکہ یہاں اس وقت بھی موجود ہے۔“

”کہہ کر کرلے اپنی جیب ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کے پاکٹ کے چم کے برابر ایک پلاسٹک کا چوکور پیکٹ نکال کر پرویز کے سامنے میز پر ڈال دیا۔“

”تم ان سے اس پر رابطہ کس طرح قائم کرتے ہو؟“

”پرویز ملک نے اس ٹرانسیربرہی کا بخور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔“

”میں... نہیں۔ وہ خود ہی جب چاہتے مجھ سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ انہیں جب بھی ضرورت ہوتی تو ہر سرخ بدن جل بچہ کر سگلتا نشر کرنے لگتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ مالک کا سوچ ان کے ان کے ان سے بہت کم کروں میرے ایک بار یہ پوچھنے پر کہ ان سے اشتراک کے وقت رابطہ کس طرح قائم کیا جاسکتا ہے۔ انہوں نے مجھے تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسا فی الحال ممکن نہیں۔ جب ضرورت محسوس ہوئی نہیں آگاہ کر دیا جائے گا۔“

”ٹرانسیربرہی ہمیشہ ایک ہی شخص کی آواز ہوتی تھی یا آوازیں بدلتی رہتی تھیں۔“

”صرف ایک دو بار مختلف آوازیں محسوس ہوئیں ورنہ زیادہ تر ایک ہی شخص کی آواز مجھ سے خطاب ہوتی تھی یا کرلے راجندر نے سوچنے ہوئے جواب دیا۔“

”ہوں۔ پرویز ملک نے ہنگامہ بھرا اور وہ خاموش

سے ٹرانسیربرہی کا بخور مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک ہی ٹرانسیربرہی کا سرخ بدن جلنے لگا۔ اور پھر اسی کے ساتھ ساتھ اس میں سے ہلکی ہلکی ٹون کی آواز بھی آنے لگی۔

”... وہ... وہ مجھ سے رابطہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔“

کرلے راجندر ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔

”میں پرویز ملک کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”نیل! ام دوسرے کمرے میں دیکھو ہوئے ٹرانسیربرہی پر اس کل کو دیا کہ اس کی فریڈوٹھی معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ اس طرح ہمیں ان کا سرخ بدن مل سکتا ہے۔ اور تم کرلے مالک کا سوچ ان کے ان کے ان سے رابطہ قائم کرو۔ اپنے لیے اور آواز پر فالو رکھنا ضرور انہیں احساس نہ ہونے پائے کہ تم ٹریپ کیے جا چکے ہو۔ ورنہ...“

کرلے نے گردن ہلاتے ہوئے ٹرانسیربرہی کا سوچ ان کے وید۔

”ہیلو...“ ٹرانسیربرہی ایسی آواز ابھری جیسے کوئی کھٹکھا بھیر یا غرا رہا ہو۔

”ہیلو... ڈی۔ ایس۔ بی پرویز ملک صاحب! آپ اپنی لیڈی الیکٹرون کو واپس بلا لیں، یہ صرف ٹرانسیربرہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔“

”آواز سے متحیرانہ انداز ظاہر ہو رہا تھا۔ اس میں ڈکٹا فون بھی پوشیدہ ہے جو ہزار گز کے فاصلے تک کی ہر آواز اپنے اندر جذب کر کے ہمارے کانوں تک پہنچا دیتا ہے۔“

”تم کون ہو؟“ پرویز ملک نے اپنی کوشش کیا کہ

”ہوئے دیکھا تو جھٹکا لگ گیا۔

”ہا۔ ہا۔ ہا۔“ ٹرانسیربرہی ہلکا سا تھپہ نشر ہوا۔ بھائی انٹیلی جنس کا ایک قابل اور ذہن افسر اور ایسا اتحاد سوال۔ ہم بہر حال ہمارے بارے میں تمہارا جاننا ضروری نہیں کہ ہم کون ہیں۔ جتنا تم جان چکے ہو اس اتنا ہی کافی ہے۔ اس سے زیادہ جاننے کی خواہش رکھنے والے کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لیے روک دی جاتی ہیں۔ اور تم۔ مسٹر پرویز ملک... یہ دوسری طرف سے ہونے والا تہرہ مجھے میں غرا۔“

”تم اس زنجی کو بھول جاؤ اور اس سلسلے میں اپنی سرگرمیاں بند کرو۔ تمہارے لیے یہ ایک پرخطر مشورہ ہے۔ تم دلیبر ہو اور مجھے دلیبر لوگ پسند ہیں۔ اس لیے تمہیں اپنی جان بچانے کا ایک

موقعہ دے رہا ہوں۔ اس ٹرانسیربرہی سے فوری طور پر دور ہٹ جاؤ۔ اس میں ایک جھوٹا سا سگ بڑا جگمگم چھپا ہوا ہے۔ جو میری گفتگو ختم ہونے کے بیس سیکنڈ بعد خود بخود پھٹ جائے گا۔ تمہاری وجہ سے ہمیں اپنا یہ جدید اور قیمتی ٹرانسیربرہی کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ تم اس سے کوئی فائدہ اٹھا سکو۔ خدا حافظ! ٹرانسیربرہی سے خدا حافظ کے الفاظ سننے ہی پر پرویز ملک چلا ہوا تھا اور کمرے میں موجود لوگ بے غمی غمناک نظر کر دوتے تھے۔ ابھی مشکل سے انہوں نے بجاس گز کا فاصلہ ہی طے کیا ہو گا کہ ایک زوردار دھماکا ہوا۔ اور وہ کمرہ زمین بوس ہو گیا جس کمرے میں وہ ٹرانسیربرہی ہوا تھا...!

”زرتاج کی آنکھوں میں آنسو جھلنے لگے۔ اس نے ٹرانسیربرہی کا سوچ تک کی کثیف کو اندر دھکیل دیا اور پھر آخر کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ آخر اپنے کمرے میں بس تھوڑا سا ہاتھ تھا۔ وہ بڑی دیر تک دروازے سے لگی۔ اس کے معصوم چہرے کو دیکھتی رہی پھر آواز سے کہے کا دروازہ بند کر کے واپس اپنے ڈرائنگ روم میں پہنچی۔ وہ پیسٹوں کا سپور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ ”ہیلو“ دوسری طرف سے کسی نے عزائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”لو۔ ناہین! زرتاج نیگم بارعب آوازیں بولی۔

”یس یس ما دام۔ میں آپ کا خادم بول رہا ہوں دوسری طرف سے بولنے کی آواز سنائی دی۔

”مجھے ایک کشادہ ہنگامے کی تلاش ہے جس میں کم از کم باغ کرے ہوئے جائیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ نصف درجن خوشخوار گیتوں کا انتظام بھی کرنا ہے۔ جرنل شپہرڈ ہوں تو بہتر ہے۔“

”آپ کو یہ جگہ کس مقصد کے لیے چاہیے میڈم؟“

”موڈبانہ لہجے میں پوچھا گیا۔

”زرتاج ناہین! زرتاج نیگم بڑے اٹھوے اور سخت لہجے میں بولی۔ کیا تمہیں مقصد بتانا ضروری ہے۔“

”اوہ۔ تو۔ تو۔ میڈم۔ میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا۔“

”گھبرائے ہوئے لہجے میں بتایا گیا۔“

”بلکہ میں تو صرف

اس لیے یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایسا مکان تلاش کیا جائے جو آپ کی ضرورت کے پیش نظر موزوں ثابت ہو سکے۔“

”اوہ! زرتاج نیگم کے لہجے کی سختی نے دم توڑ دیا۔“

”دراصل ایک شخص کو ہنگامہ دینی ہے جس کو ہر حال میں اغوا کیے جانے کے امکانات ہیں میں چاہتی ہوں کہ وہ ایک ایسی رہائش گاہ ہو جہاں پرندہ بھی پر نہ مار سکے۔ آبادی سے الگ تھلک اور اس کی حفاظت کا بھی پورا پورا بندوبست ہونا چاہیے۔“

”ٹھیک ہے میڈم۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی جائے گی۔“

”ٹھیک باغ و زراعت زرتاج نیگم ایک خوبصورت اور کشادہ ہنگامے کے ٹھکانے پر موجود اس کا لکھنوی جائزہ لے رہی تھی۔ واقعی اس مقصد کے تحت اس سے زیادہ موزوں جگہ وہ خود بھی بتواتر شاید اس جیسا ہی ہوتا۔ بڑے کامیاب گیت جس میں بھالے لگے ہوئے تھے اور ان کے پہلوں کا رخ آسمان کی جانب تھا۔ ان پر باقاعدہ دھات کی تختی تھی۔ چہار دیواری پر تیز لو کیلے آسمانی کانٹوں کا ایسا حال بچھا گیا تھا کہ چہار دیواری کو عبور کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ گیت سے اندر داخل ہونے ہی بائیں جانب ایک کشادہ دروازہ ہوا تھا اور جہاں کچھ پہریدار موجود تھے۔ جنہوں نے اپنے ہاتھوں میں خوشخوار جرنل شپہرڈ کی زنجیریں مٹائی ہوئی تھیں۔ قد اور جسم کتے، اپنی لائی لائی زبانیں لکالے بانپ رہے تھے۔ ان کی خوفناک شکلوں سے ہی ان کے خوشخوار ہونے کا اندازہ ہو رہا تھا۔ پہریداروں نے زرتاج نیگم کو دیکھ کر موڈ بانڈ انداز میں سر جھکا دیا تھا۔ گیت کے دائیں جانب ایک خوبصورت لان تھا جس میں مومی پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاہاں ایک خاص ترتیب کے ساتھ چلی ہوئی تھی۔ اور چہار دیواری سے تقریباً دو گز کے فاصلے پر مختلف پھولوں کے درخت چہار دیواری کے ساتھ ساتھ ایک قطار کی صورت میں چلے گئے تھے جس سے نہ صرف باہر سے اندر عمارت کی سرگرمیاں نظر نہیں آسکتی تھیں بلکہ عمارت کی خوبصورتی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ باغ گروں کی یہ عمارت واقعی ایک مضبوط قلعے کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اس کا دل انہی نے خشنے کے تحت دھڑک اٹھا۔ کیا اختراں تمام احتیاجی نڈیاں اور خوشخوار وحشی گیتوں کی موجودگی کے باوجود وہ ذوقی لانے میں کامیاب ہو سکے گا۔

جسکی توقع اسکے پاس کوئی نہیں شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے اور... اور وہ اس اور کے آگے کچھ نہ سوچ سکی۔ اس رہائش گاہ کا جائزہ لینے کے بعد اس نے کچھ ضروری ہدایات دیں اور واپسی کے لیے نکل گئی۔

گھر آکر وہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی اور دروازہ بند کرنے کے بعد بستر پر بندھال سی پڑ گئی اس کی طبیعت میں بوجھل پن تھا۔ وہ رہ کر اس کا خیال اختر کی طرف چلا جاتا۔ اور وہ سوچ سوچ کر کہہ لیا جانی کہ اس کے پاس کے حکم کے مطابق اختر کو اس رہائش گاہ سے ڈی اڑانی ہے۔ جہاں سکیں کی مرضی اور اجازت کے بغیر پرندہ بھی داخل نہیں ہو سکتا تھا جیسے کہ اسے اس بھولے بھالے چہرے اور معصوم شخصیت کے مالک اختر سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔

اس کی اس دس سالہ جراثیم پیکر زندگی میں اس سے پہلے بھی کوئی ایسا لمحہ نہیں آیا تھا۔ جس میں وہ کسی انسانی جذباتی کمزوری کا شکار ہوئی ہو۔ مگر جب سے اختر اس کی تخیل میں دیا گیا تھا۔ اس کے جذبات اٹھ پھل ہوئے تھے۔ اختر غیر محسوس انداز میں اس کے قریب آچکا تھا۔ بالکل قریب۔ اس کے دل و دماغ بہر اس کی شخصیت نے جا دوکر دیا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا وہ بڑبڑاتی۔ اس کی پلکوں کے گوشے تم ہو چکے تھے۔

اس ایک بار جو فیصلہ کر لیتا ہے اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ میں۔ مجھے معاف کر دینا اختر۔ معاف کر دینا۔ اس کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے۔ اور ٹھیک اسی وقت کہے نہیں بلکی سی ٹون ٹون کی آواز گونجی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پاس اس سے ٹراسٹ پر رابطہ قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے جلدی جلدی ایسے آنسو پونچھے اور اسے اپنی جانب کھینچ کر ٹراسٹ پر کے ایک بن بن لگی رکھ دی۔ ٹون ٹون کی آواز بند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسری آواز گونجی۔

”کوڑا بتاؤ“

”لو۔ ٹون ٹون جناب! زرتاج بیگم نے موڈ بانڈیجے میں کھل اس نے اپنے اعصاب پر قابو پا لیا تھا۔ کیا تمام انتظامات مکمل ہو گئے۔“

”جی ہاں! رہائش گاہ کا انتظام ہو چکا ہے۔ اس

کے ایک میڈروم میں ایک انسان کی ڈی رکھ دی گئی ہے۔ اس عمارت میں چھ عدد دو خوار کتے اور چھ سٹخ افراد اس کی حفاظت کے لیے مستعد ہیں وہ عمارت اب ایک چھوٹے سے قلعے کی صورت کر چکی ہے۔ جہاں ہماری مرضی کے بغیر ایک چوہا بھی داخل نہیں ہو سکتا۔ زرتاج بیگم لظاہر خوشگوار کمرے میں بولی تھیں۔ تیرے خیال میں تو پاس! اگر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا ہی مقصود تھا۔ تو ایک گولی کافی تھی اتنا کھراک پھیلانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”لو۔ ٹون ٹون۔“ دوسری طرف سے تنبیہ کے انداز میں کہا گیا۔ ”تم مجھ سے گفتگو کرتے وقت ہوس میں رہا کرو۔ تم جانتی ہو کہ میرے ہر کام میں ایک مصلحت پونڈیدہ ہوتی ہے۔ اگر اسے مارنا ہی ہوتا تو واقعی اس کے لیے ایک ہی گولی کافی تھی۔ مگر... تم نہیں جانتی ہو۔ ٹون ٹون! یہ وہ کیا شے ہے۔ وہ اتنی اعصاب کا مالک ایک ایسا انسان ہے جو کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتا۔ لومڑی کی طرح چالاک اور شہر کی کو خوار... میں نے بلا وجہ ہی اس پر قابو حاصل کرنے کے لیے لاکھوں روپے بہرا دے دیے ہیں۔“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا پاس! زرتاج بیگم نے فحوت زوہ اچو میں معدلت کی۔ بلکہ میرا ذہن اس ڈرلے کے پس پرندہ اس مصلحت کے بارے میں جانا چاہتا تھا۔“

”مجھ کو کہ میں نے جن طریقوں سے اس طرفان بلا خیز کر لینے کا یو میں کیا ہے۔ آج اس کا رد عمل دیکھنا چاہتا ہوں کہ ہمیں ان طریقوں نے اس کی صلاحیتوں کو رنگ تو نہیں لگا دیا۔ اگر اس کی صلاحیتیں واقعی ان طریقوں سے متاثر ہوئی ہیں تو وہ میرے لیے بالکل ناکارہ ہے اور ناکارہ لوگوں کے لیے میرے گروہ میں کوئی کچا نہیں۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔“

”بھول آپ کے اگر وہ واقعی آپ کے معیار پر پورا اترتا تو پھر ہرگز زرتاج نے جان بوجھ کر ہمارا چھوڑ دیا تھا۔“

”تو پھر۔ تم دیکھو گی کہ وہ زرخیز شخص کس طرح ہمارے پاس پہنچ جاتا ہے۔“

”میں سمجھی نہیں۔“

”ٹون ٹون! یہ اس آواز نے زرتاج بیگم کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا: میں نہیں پہنچتا چکا ہوں کہ بے ہسپتال سے اس زرخیز شخص کو کسی باری نے اٹھا لیا تھا اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ باری میری نظر میں ہے۔ ان کی تمام سرگرمیوں سے میں واقف ہوں۔“

”جی۔ ہاں! زرتاج بیگم نے بڑا زبان بھیرے ہوئے بولی۔“

”تو اس اختیار کے لیے دوسرا حکم اس زرخیز شخص کو عطا کرنے کے مسئلے میں ہو گا۔“

”اگر اختر زندہ بچا تو...“ وہ افسردہ سے بے یں یوں۔

”میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم کو اس کی سلاستی کی کچھ زیادہ ہی فکر ہے۔“

”نہیں پاس! وہ بوکھلا کر بولی۔

”ٹھیک ہے۔ تم اس عمارت میں مختلف اوزناب جنگیوں پر پونڈیدہ طور سے بی۔ وی کمرے فٹ کر دو دو۔ اور ان میں ایٹمی ڈارک لینٹرن فٹ ہونے چاہئیں تاکہ اندھیرے میں بھی واضح طور پر ہر وہ تمام مناظر کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ کام تم زور و فائز ہونے کے سپرد کر سکتی ہو۔ جو ان معاملات میں ماہر ترین شخص ہے اور ہاں کل رات اختر اس ڈی کو لانے روانہ ہو جائے بہت بہتر پاس۔“

”اور ہاں! اس کے بعد تم تیار رہنا میرا خاص آئی نہیں اسٹیشن روم کیمپ نمبرون ڈی پر لے جانے گا۔ جہاں تم ایک بڑی اسکرین پر اختر کی کارگزاری ملاحظہ کر سکتی ہو۔ اس محلے کے ساتھ ہی دوسری طرف سے مسلسل منقطع ہو گیا اور زرتاج نے ٹراسٹ پر کا سوئچ آف کر کے ٹیف ڈوبارہ اندر دھکیل دیا۔

زرتاج بیگم اس وقت ایک وسیع اور کشادہ کمرے میں ایک بڑی اسکرین کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی جس پر اس وقت بجلیاں سی ٹریپ رہی تھیں اس کا ذہن بدستور اختر کی طرف سے متاثر نہ تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اختر کو اس قلعے تمام مکان سے ایک انسان کی ڈی لانے کا حکم دے آئی تھی۔ ٹھیک بارہ بجے شب اختر کو اس مکان میں داخل ہونا تھا اور اب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہونا بھی یہ یائوس بہ سوال اس کے ذہن میں چکر رہا تھا۔ اچانک اسکرین پر روشنی کے جھلکے تیز ہونے لگے اور پھر آہستہ آہستہ اس پر۔ اس مکان کا عکس اسکرین پر لگا پھر

مکان کے مختلف حصے دکھائی دیے گئے۔ اور پھر اچانک ہی اسکرین پر ہر گھٹ کے دائیں جانب لان کا عکس واضح ہونے لگا۔ اور پھر وہ خوف سے لڑنے لگی لان میں اس شخص کی سیلیاں کرتے ہوئے وہ دو خوار کتوں کو دیکھ رہی تھی۔ باقی کتے شاید دوسری سمت سے نظر آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ اور اب اسکرین پر مکان کے باہری حصے کی تصویر نمایاں تھی۔ اور پھر یہ دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھا کہ گیٹ کے باہر دو سے ایک سیاہ سیاہ۔ آہستہ آہستہ مکان کی جانب بڑھنا نظر آ رہا تھا۔ اسکرین پر اب اس سناٹے کا منظر واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں اختر تھا۔ وہ محسوس چہرہ فشرہ صفت اختر جس کی معصومیت نے اس کے اندر ہل چلی پھیل کر دی تھی۔ اختر گیٹ کے قریب آ کر گر گیا تھا۔ اس نے محتاط لظروں سے اندر دھڑک کر جائزہ لیا اور چند لمحوں میں کھڑا کچھ سوچا رہا اور پھر وہ مکان کے چاروں طرف کے ساتھ ساتھ آخری سرے تک چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چند لمحوں ہی گزار دیے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا۔ جیسے وہ فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ کس طرف سے اندر داخل ہونا چاہیے۔ اچانک اس نے اس انداز میں اپنا منہ اوپر اٹھایا جیسے کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اسکرین پر اس کا پورا چہرہ فشرہ تھا۔ اور اس بار زرتاج نے صاف دیکھا کہ جسے کوئی جانور اپنے منہ سے پھٹا کر فضا میں کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بالکل اسی انداز میں اختر نے فضا میں کچھ سوچا تھا۔ اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اس نے گردن ہلانے اور پھر مکان کے عقبی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ اسی کے ساتھ ہی ساتھ اسکرین پر کتوں کی ہلکی سی غر آہٹ ابھری شاید کتوں نے بھی کسی اجنبی کی بوسو بھگ لگائی۔

”پاس نے واقعی پورا انتظام کر رکھا ہے! اسکرین سے کتوں کی ابھرتی ہوئی غر آہٹ سن کر اس نے سوچا شاید کیرول کے ساتھ ایسے حساس مانگر و فون بھی مکان میں ڈٹ کر دیے گئے تھے۔ جو وہاں کی ہلکی سی آواز کو بھی سمجھ سکتے تھے۔

مکان کے عقبی حصے کا جائزہ لے کر اختر کچھ سوچنے لگا۔ شاید اس کا ذہن کتوں سے ملنے کا کوئی طریقہ سوچ رہا تھا اس نے کندھے پر ہاتھ ہوا تھا اندر اور ایک ریشم کی پتی مگر مضبوط رسی کا پٹھا لکھا اور پھر اچانک ہی اس کی نظر

ایک کافی بنی برہمن تھی۔ جو دفعتاً کسی طرف سے اُدھر لک  
آئی تھی۔ اور اس سے تو زیادہ تر فٹ کے فاصلے پر ایک کر  
نہاں سے اپنا بوجھ جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جسے  
وہ اپنے کسی شکار کو غنیمت کہنے کے بعد اپنے بچوں پر لگے  
خون کو جاتا چاٹ کر صاف کر رہی ہو۔ اس نے لپٹا تھیلے  
میں ڈال کر کندھے پر لٹکالیا۔ اور بجلی کی تیر کی سی ساتھ  
وہ بنی پر چھٹا اور دائیں ہاتھ سے اس کو اپنی گرفت میں  
لے کر اس مکان کے اندر اچھال دیا۔ اس آفت ناگہانی پر  
غریب بنی کی غیر معمولی تھیں گونجیں اور وہ اس کے  
اوجھل ہوئی۔ اس کے ہاتھ پر دستور اختر کا احاطہ کیے ہوئے تھے  
شاید یہاں اس سلسلے میں اختر کی تمام حرکات و سکنات کو ظہور  
کرنے کی ہدایت دے چکا تھا۔ بنی کو مکان کے اگلے سرے  
کی طرف اچھالتے ہی چاقی جو ہندو اختر تھی چہار دیواری  
تک بھاگتا ہوا آیا۔ اور دوسرے ہی لمحہ وہ اچھلا اور کسی کس  
میں کام کرنے والے شخص کی طرح فضا میں قلابازی کھائی  
اور پھر اس کے پیر چہار دیواری پر جا گئے۔ رہے گئے  
سول کے جوتوں اور پھر اس کے پیچھے سے اندازے اس کے  
پیروں کو زخمی ہونے سے بچا لیا اور پھر وہ اسی برقی ذری  
کے ساتھ چہار دیواری کے قریب ایک درخت کی شاخیں  
پکڑ کر کسی ہند کی طرح اوپر چڑھتا چلا گیا۔

اس نے خوشخوار کتوں کو بنی میں لپٹا کر اپنا مقصد بھی  
حاصل کر لیا تھا کیونکہ بنی کے لان میں گہنے ہی وہ سب  
کے سب اس پر چھید پڑے تھے۔ اور ایک ساعت  
کے لیے ان کی توجہ بنی خال کی طرف مبذول کر کے وہ ایک  
گھنے درخت کے پتوں میں خود کو چھپا چکا تھا۔ اس کے  
اس وقت صرف درخت اور اس کی مٹی شاخوں کا منظر  
اُبھر رہا تھا۔ اور اس کے مانگ پر کتوں کی غراہٹ آمیز بنی  
جلی آوازیں گونج رہی تھیں۔ جو شاید بنی کا تپا پا کر کرنے  
کے بعد اسی درخت کے نیچے مٹھا اور پراٹھا نے بھوک  
رہے تھے۔ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ پر کتوں کی نساؤں پڑ گئیں  
جو مسلسل بھونک رہے تھے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کے  
محی فظ بھی دوڑے چلے آئے تھے۔

”یہ سب کے سب اس درخت کے نیچے جمع ہو کر  
بھونک رہے ہیں“ ان میں سے ایک خوشنویس نے کہا  
ہوئے بولا۔

”اف فوہ بار! ان کتوں نے تو ناگ میں دم کر دیا ہے

ذرا سا پتہ کھڑا ہے تو یہ بھونکنا شروع کر دیتے ہیں۔ ابھی  
ابھی ایک لے جاری بنی کو چہرہ بھڑا کر رکھ دیا“

دوسرا بے پرواہی کے انداز میں کہنے لگا۔ میرے  
خیال میں تو ایک اُدھ بنی اور اس درخت پر موجود کوئی  
بیس کے چکر میں ہے سب یہاں جمع ہو کر غراہ رہے ہیں“

”ٹھیک ہے“ پہلے والے شخص نے ٹھکانے میں  
کہا۔ ”تم لوگ ہوشیار رہو اور طرف گشت جاری رکھو اور  
ان کسٹروں کو بھونکنے دو“ اس نے کتوں کی طرف اشارہ  
کرتے ہوئے کہا۔ ”چند منٹ بعد خود ہی خاموش ہو جائیں  
گے“ وہ پانچوں اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے واپس لوٹ  
گئے۔ اور وہ بھی کیٹ کی جانب بے کرے کی طرف چل  
پڑا۔ چند لمحوں میں اس کے ہاتھوں کا عکس جھلکنا رہا  
اور پھر آہستہ آہستہ اسی درخت کا سین نظر کرنے لگا۔ جس  
پر اختر نے بیٹھ لی تھی۔ کتے دستور درخت کے نیچے موجود  
تھے۔ مگر اب ان کی غراہٹوں میں وہ جوش و خروش شامل  
نہیں تھا۔ شاید وہ جان چکے تھے کہ دشمن ان کی پہنچ سے  
بہت دور ہے۔

زرتاج سانس روکے اس مقام کا ڈرائی کو دیکھ رہی تھی  
کبھی اس کے دل میں اچانکے خدشے جنم لینے لگتے اور کبھی  
وہ اختر کی پھرتی حاضر و معاضی اور بہترین قوت فیصلہ کی وجہ  
سے اطمینان کا سانس لیتی۔ اختر آستے آستے شاہ درخت کا مالک  
ہو سکتا ہے وہ بھی اس کی بدینہ میں کبھی نہ ہو سکتی تھی۔ مگر وہ  
خود اپنی آنکھوں سے شاہد کر رہی تھی۔ ظاہر ہے یقین نہ کرنے  
کا سوال ہی نہیں تھا۔ تو کیا اختر دہری شخصیت کا مالک  
ہے؟ اس کے ذہن میں ایک سوال کلکایا۔

مگر اس سے قبل کے وہ کسی نیچے پر پہنچتی اس کی  
آنکھیں اس کے ہاتھ پر درخت کی ایک شاخ پر سمٹے ہوئے  
اختر کے ہونے پر پڑیں۔ جو خود اس کے حرکت کرنے  
کی وجہ سے نمایاں ہوا تھا۔ وہ تو اس سے قبل بھی اس  
شاخ کا منظر لی۔ وہی پر منعکس ہو رہا تھا۔ مگر درخت کے  
پتوں اور شاخوں کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آ سکا تھا۔

آہستہ آہستہ اس کے ہونے نے ایک موٹی سی شاخ  
کے دونوں طرف اپنے پیر لٹکائے اور پھر تھیلے میں ہاتھ  
ڈال کر ریٹم کی ڈوری کا وہی پتہ دوبارہ نکال لیا جس کو  
وہ پہلے بھی استعمال کرنے کا ارادہ کر کے رہ گیا تھا۔ کتے  
ایک بار پھر جو کئے انداز میں غراے لگے تھے۔ مگر وہ ان

سے بے پرواہی کی ڈور سے الجھا ہوا تھا۔ چند ہی لمحوں  
بعد ڈوری کے اگلے سرے پر ایک بڑا پھندا بنا کر وہ  
کتوں کی جانب متوجہ ہوا اور آہستہ آہستہ اس شاخ سے  
نیچے کی سمت سرکنے لگا۔ اس کو حرکت کرنے دیکھ کر کتے  
بھونکنا شروع ہو گئے۔ اور ان میں وہی جوش و خروش پیدا  
ہو گیا۔ بلکہ اس بار تو ایک جیسے کتے نے کچھ زیادہ ہی جوش  
کا مظاہرہ کرتے ہوئے پھنڈیل دوڑوں ناگوں پر کھڑے ہو کر  
گلے دوڑوں نیچے درخت کے تنے پر گاڑ دیے۔ اور ٹھیلے  
ختر بھی کسی ایسی ہی لے کا منظر مٹا اس نے دائیں  
ہاتھ کو جنبش دی اور دوسرے ہی لمحے ریٹم کی ڈوری کا  
پھندا اس کی اوپر پھنسی ہوئی متوقفتی سے گزرتا ہوا اس کی  
مردن تک جا پہنچا۔ اور جیسے ہی کتے نے اس بلکے بے  
امان سے چٹکانا پائے کے لیے پیچھے ہٹ کر اپنے دونوں  
گلے پاؤں زمین پر لٹکائے چاہے تو ایک جیسے کتے ساتھ پھندا  
مردن کے گرد تنگ ہو گیا اور اس کے دونوں اگلے پاؤں  
خلاء میں لہر کر رہ گئے۔ اس کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں  
بلند ہوئیں مگر پھر ان غراہٹوں نے بھی دم توڑ دیا۔ اور اب  
اس کا تہ پنا بل کھاتا جسم ہوا میں لہراتا ہوا آہستہ آہستہ اوپر  
اٹھ رہا تھا۔

زرتاج اختر کی اس فریاد پر عیش غش کر رہی تھی۔  
حالانکہ وہ خود ایک ذہن غور تھی۔ اتنی ذہین کہ اپنے گروہ  
میں عورت ہونے کے باوجود اس نے ایک مقام حاصل  
کر لیا تھا۔ مگر اختر کے اس انوکھے طریقہ کار نے اس کو بھی  
چونکے پر مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ اختر کو جس قسم کی بوجھن  
سے غمنا تھا۔ وہ نہ صرف خطرناک تھی۔ بلکہ جان لیوا بھی  
ایک دو گتے ہوئے تو وہ خنجر یا کسی تیز دھار آئے کی مدد  
سے ان سے نمٹ سکتا تھا۔ بہتوں ہوتے ہوئے بھی  
وہ اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ ڈاکٹر  
کی آواز ان محافظوں کو ہوشیار کر دیتی، جو اس وقت کیٹ  
کے بائیں سمت میں واقع اس کشادہ کرے کی سر و فضا  
میں بے فکر کی کے ساتھ گرم گرم چلنے کی ہلکی ہلکی چسکیوں  
سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ظاہر ہے اس صورت حال  
میں اس کی ہم نام ثابت ہو سکتی تھی۔ گو کہ ان محافظوں  
کو جو رائفلیں اور ہوا اوزار دیے گئے تھے ان میں اصلی  
کھڑکی نہیں تھیں۔ جن سے اختر کی جان کو کسی قسم کا خطرہ  
درپیش ہوتا۔ مگر اختر کو کیا معلوم۔ اس کو تو اس  
ڈولے کی حقیقت کا پتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ ان محافظوں

تک کو نہیں معلوم تھا۔ کہ ان کو جو کارٹوس ہتیا کیے گئے  
ہیں وہ محض پناؤں سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔  
زرتاج کے دماغ پر مختلف خیالات نے پورش  
کر دی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس کے  
پر نگاہ ڈالی۔ جہاں اب اس کے کئی لاش رتی کے پتے  
نے نکال کر ایک شاخ پر لٹکانی جا چکی تھی پھر وہی پھندا  
اختر کا وہی الٹا طریقہ کار۔

آخر ایک تھیلے کے صبر کرنا اور سنی خیر لمحات نے بعد  
زرتاج نے دیکھا کہ اختر اب تک تین کتوں کی لاشوں کو  
درخت کی مختلف شاخوں پر لٹکائے میں کامیاب ہو چکا  
تھا۔ اور اب کتے بھی شاید اس کے اس تھیلے کا سبب  
جان چکے تھے۔ اس لیے اس کے پھندے سے کتر لے  
لگے تھے۔

اختر کافی دیر تک وہی طریقہ دہراتا رہا۔ مگر جب  
مزید کامیابی نہ ہوئی تو اس کے چہرے پر اکتاہٹ کے آثار  
نمودار ہونے لگے۔ اور پھر اس نے رستی کو سمیٹ کر  
دوبارہ اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ اور ایک لمبا پچھلا خنجر  
نکال کر دائیں ہاتھ میں پکڑا اور بے دھرمک درخت  
کی پچلی شاخ سے زمین پر کو پڑا۔ ایک تو دہرے کے  
جوتے پہنے ہوئے کہا تھا۔ دوسرے اس کے قد میں تے  
نرم نرم تھا اس ہونے کی وجہ سے اس کے کودنے کی  
آواز اتنی مدھم تھی کہ چند گز کے فاصلے تک بھی بمشکل  
پہنچی ہوگی۔ وہ ان محافظوں کی طرف سے اتنا فکر مند  
نظر نہیں آتا تھا۔ زمین پر کودتے ہی اس نے تیزی کے  
ساتھ زمین پر لوٹ لگا کر خود کو ان کتوں کے جبروں  
سے بچا۔ جو یک لحظ ہی اس پر چھید پڑے تھے۔  
اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کے ہاتھ کی گرفت میں  
دبے ہوئے خنجر نے حرکت کی اور سب سے قریب آنے  
والے کتے کے حلقوں کو ادھیڑا تا ہوا لٹک گیا۔ اس غریب  
کے منہ سے ہلکی سی خرخراہٹیں نکلیں اور وہ وہیں پر  
پٹخیاں کھانے لگا۔ مگر اسی اثنا میں باقی دو کتوں کو  
اس کے قریب آنے کا موقع مل چکا تھا۔ ان میں سے ایک  
نے اس کی دائیں ٹانگ پر ہمارا گروہ جس تیزی سے اس  
کی ٹانگ کی طرف چھینا تھا۔ اس سے بھی کچھ تیزی سے  
اس کے منہ پر ایک ٹھوکر پڑی اور نہ چلنے لگتی قوت سے  
وہ ٹھوکر ماری تھی مٹی کہ وہ ٹھوکر مٹا فضا میں بلند ہوا  
اور تقریباً بیس فٹ کی دوری پر جا کر پھندے سے گرا اور پھر

وہ وہیں بھر کئی کی طرح گھسنے لگا شاید اس کا بچلا دھڑلے کا ہرچکا تھا۔ البتہ آخری کتنے مے موقع پلے ہی آکے پھر کو اپنے خود بخوار جھڑوں کی گرفت میں لے لیا۔ شاید آخر کی قسمت ہی ابھی تھی جو وہ مضبوط لانا لک بولٹ پیٹنے ہوئے تھا۔ اس نے جھک کر اپنا خون آلود جھڑ کٹے کے دائیں پہلو میں پیوست کر دیا۔ تقریباً آٹھ پانچ لمبا خنجر شاید سیدھا اس کے دل میں ترزو ہو گیا تھا اس کے جھڑوں کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔ اختر نے بائیں پیر کے زخم کو دیکھنے تک کی تکلیف گوارہ نہیں کی۔ اور نہ ہی اس کے چہرے پر کسی قسم کی تکلیف یا پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔ وہ خواب اس کٹے کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ جس کا بچلا دھڑلے کا ہرچکا تھا۔ مگر وہ زندہ تھا۔ اور وہ فادر جانور لگے دونوں پیروں کی مدد سے اپنے نکلے دھڑلے کو کھینچ کھینچ کر برابر آخر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے دردناک اور تیز آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اختر نے اس نے زبان جانور کو اس تکلیف دہ حالت سے ہمیشہ کے لئے نجات دلانے کے ارادے سے اپنا خنجر اٹھا پایا تھا کہ چونک کر رک گیا۔ ایک محافظ اس طرف آ رہا تھا۔ اختر کی تمام حکمت بیدار ہو چکی تھیں۔ وہ اس محافظ پر نظر پڑا۔ آہستہ آہستہ دبے قدموں پیچھے ہٹتا اور قریب کے ایک درخت کی آڑے لے۔

وہ محافظ کچھ برہم آواز میں کتوں کو یاد تازہ کیا کہ آ رہا تھا۔ شاید اس سردی میں اس کو اٹھنا ناگوار نظر آ رہا تھا۔ جون ہی وہ اس زخمی کتے کے پاس پہنچا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ شاید دوسرے کتوں کے لیے کسی حرکت اجسام کو دیکھ کر اسے کسی خطرے کا احساس ہو چکا تھا۔ اس کا ہاتھ ایک دم کندھے سے لگی راتھل پر جا پڑا۔ اور اس سے قبل کہ وہ اپنے کندھے سے راتھل اٹار سکتا۔ ایک ریشمی پھندا ابھرا میں ہلایا اور اس کے حلقوں کے گرد تنگ ہو گیا۔ محافظ کے دونوں ہاتھ اس کی ابا ہی گردن کی جانب پکڑے۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ کسی کا حلقہ اس کی گردن کے گرد کس کر انتہائی قوت کے ساتھ کھینچا جا رہا تھا۔

”گڈ۔ گڈ۔“ ویری گڈ۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے تالیاں بجاتے ہوئے طنز پر لہجے میں لہلاہا تو پھر بس ریشما صاحبہ

آپ نے تو ساون سے وہ راز اگلوئے کی حاتی بھری تھی اور خود اپنے راز اس کے مسلنے اگل دیا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ وہ بے ڈھنگے انداز میں ہنسا۔

ایک ایک وکٹر کو ملنے پا کر رہتا تھا۔ ایک سارہ گئی تھی۔ ساون بھی کچھ کم حیرت زدہ تھا۔ تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے اس کرے میں ڈانٹا فون چھپا رکھے ہیں۔ وہ اپنی حیرت پر قابو پا رہا تھا۔

”تو تم کیا سمجھتے تھے میں یوں ہی تمہیں آرا دھوڑتا ہوں؟“ نہیں سر سداون گما رہا تھا۔ وہ ترہجی لگا ہوں سے رہتا کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میرا بیٹا کچھ اس قسم کی محتاط طبیعت کا حامل ہے کہ کبھی کبھی تو میں خود اپنے سامنے پر شک کرنے لگتا ہوں۔ پھر تم برکس طرح اعتماد کر سکتا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری اسی محتاط طبیعت کے طفیل مجھے اپنی آنکھیں میں پلنے والی ایک ناگس کے خیالات کا بھی علم ہو گیا۔“ رہتا کا چہرہ اس وقت غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے نکلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں میں دبا رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصے دھب لگنے لگے۔ ”کیا مذاق ہے وکٹر؟ وہ تقریباً چیخنے ہوئے بولی۔“ یہ سب تمہاری ناؤں میں تھا۔“ میں لوبا گرم کر کھڑی تھی۔ مگر۔۔۔ تم۔۔۔ یہ وہ جیسے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

”نہیں۔ پر سداون رہتا ڈانٹ لگا۔ اب اس اداکاری کی کوئی ضرورت نہیں۔“ وکٹر سختی سے دھڑا۔ ”تم خود بخود کر چکی ہو کہ تم ایک ایسے شخص کی داہتر ہو جو معاشرے میں زہر پھیلا رہا ہے۔“

”یہ سب تو میں نے ساون کے دل کو بوم کر کے کی خاطر کہا تھا۔ مجھے اس کی ہمدردی حاصل کرنی تھی۔“ ہاں۔ اتم اپنی زندگی کی اصل حقیقت سے پردہ اٹھ کر ہی تو اس کی ہمدردی حاصل کر سکتی تھیں۔ اگر واقعی ساون کو دھوکا دینا ہوتا۔ تو اسے اپنی زندگی کے اصل حالات سے واقف نہ کریں۔ بلکہ کوئی بھی کہانی گڑھی جاسکتی تھی۔ مگر تمہیں تو یہاں سے فراں ہونے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ لگ رہا تھا۔

”نہیں۔ وکٹر۔۔۔ یہ جھوٹ ہے۔ غلط فہمی ہو گئی ہے تمہیں۔۔۔“

”غلط فہمی! ہاں غلط فہمی! ہو نہیں سکتی ہے بلکہ ہو گئی تھی۔ میں سچ سچ تمہیں چاہنے لگا تھا۔ گو تم واقعی میری زندگی میں ایک داہتر کی حیثیت سے داخل ہوئے۔ میں مگر آہستہ آہستہ تم میرے حواسوں پر چھانی چلی گئیں۔“ وہ گلو گہرے میں بولا۔ ”مگر اب تم میرا وہ روپ بھی دیکھ سکو گے۔ جو آج تک تم نے نہیں دیکھا۔“

”بہتر؟“ وہ غصے سے بھری آواز میں چیخا اور دوسرے ہاتھ سے ایک مستحق قوی ہیکل شخص کرے میں اٹکایا۔ اس چیز پر کلمے جا کر کہہ رہا تھا۔ ”میرا بیٹا میں قید گردو؟“ اس نے حکم دیا۔ اور ہاں سب لوگوں کو میرے اس حکم کی اطلاع پہنچا دی جائے تاکہ یہ حقدار میری مدد چڑھی ہوئے کے طفیل کسی قسم کی رعایت حاصل نہ کر سکے۔

سداون ابیری سے اس بدلتی صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حقیقت کیا ہے۔ کیا وہ عورت اپنے بیان کے مطابق واقعی اسے قریب دے کر حقیقت آگوا نا چاہتی تھی یا درحقیقت یہ اس کے دل کی آواز تھی۔

اس نے پیڑ کے ساتھ کمرے سے لنگھ کر بیٹا رلیک نگاہ ڈالی۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ چکا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ مسلسل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس سے لگا ہونے ہی ساون کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کی آنکھیں چنچ چنچ کر کھڑی رہی ہوں۔ ساون مجھے بجا لوبا۔ ساون مجھے اس درد سے بجا لوبا۔ اسی لگائش میں وہ پیڑ کے ساتھ کمرے سے لنگھ چکی تھی اور اس وقت اس کے کمرے میں وکٹر تھا ہی موجود تھا اور وہ مسلسل اس کے چہرے کے اندر چڑھاؤ سے اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کیوں؟“ سداون اب کیا میرے اس فیصلے سے تمہیں بھی کوئی تکلیف پہنچی ہے۔“ اس نے مسکرا کر پوچھا۔ ”وہ۔ وہ ایک مظلوم لڑکی ہے۔ وکٹر! اس پر مہربانی کھاؤ۔“ ساون بے یقین بول رہا تھا۔

”ہوں؟“ وکٹر نے ہنسا بھرا۔ ”تمہیں اس سے اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہونے لگی ہے۔“ جبکہ پہلے تو تم نے اس پر فریادیں کر تے ہوئے نہیں دی تھی۔ اور پھر وہ ایک انگریز لڑکی ہے۔ تمہاری ہم وطن بھی نہیں۔ پھر اس کے لیے اس ہمدردی کی وجہ۔۔۔“ وکٹر بڑے خیال انداز میں بڑبڑاتا

”بات رنگ و نسل اور قومیت کی نہیں۔ وکٹر! بلکہ ایک مظلوم ہستی کی ہے جسے تم نے اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ وہ تمہارے گناہوں کی تباہ کنیوں میں اتر گئی تھی۔ اب اگر اس کے سینے میں روشنی کی ایک کرن بجی ہے تو یہ اس کی فطرت ہے۔ اس کا حق ہے۔ اسے چھوڑ دو۔“ اسے چھوڑ دو۔“

”تھیک ہے سداون! کما رہا تھا۔“ وہ بڑی خیانت سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ”اگر تمہیں اس سے کسی خاص قسم کی دلچسپی پیدا ہو چکی ہے۔ تو ایک راستہ ہے۔ اس کی زندگی کے محفوظ رہنے کا۔۔۔ وہ جان لو کہ کرک گیا۔“

”کیا۔۔۔؟ وکٹر۔۔۔ وہ کون سا طریقہ ہے۔؟“ ”میں اسے تمہارے پیڑ دیکھ دیتا ہوں۔ تم اسے لے کر اپنے گھر جا سکتے ہو۔ مگر شرط وہی ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ مکمل تعاون۔۔۔ وہ ایک لوبا اپنے جملے کا اثر دیکھنے کے لیے رکا اور پھر کہنے لگا۔ تم اپنے قبیلے میں سردار کی حیثیت رکھتے ہو۔ سب لوگ تمہارے حکم پر چلتے ہیں۔ بس سرحد پار ممال مال پہنچانے میں ہماری مدد کر دیا کرنا۔ اور رہتا تمہارے۔۔۔ لیکن اگر۔۔۔“ وہ پھر چپ ہو گیا۔

”لیکن اگر تم۔۔۔“ ”لیکن اگر تم۔۔۔“ ”میں اسے تمہارے ساتھ تعاون پر رضی نہیں ہوتے تو تمہارے ساتھ جو سلوک ہو گا۔ وہ تو ہو گا ہی۔ مگر تم رہتا کا حال نہ دیکھ سکو گے۔ کبھی چار کتوں کے درمیان گوشت کی ایک بونی کا حشر دیکھا ہے۔ وہ چھارے لیتا ہوا کہنے لگا۔ بس میرے ذاتی محافظوں کے بورے ایک دوسرے کو تم کٹے تصور کر لو۔ اور رہتا گوشت کی ایک بونی کا لبا تم میرا مطلب سمجھ چکے ہو گے۔ وہ شہنشاہی ایک لوبا کا اور پھر ساون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تو میرا تھیک ہے سداون! اب تم کل شام تک فیصلہ کر لو کہ کیا جانتے ہو وہیں اب کل شام ہی تم سے ملاقات کر کرک گیا۔“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

وکٹر کے باہر جاتے ہی ساون کے ذہن پر فتنن خیالوں نے یروض کر دی۔ وہ ایک عجیب سچویشن میں پھنس گیا تھا۔ بے شک وہ یہاں سے لنگھنا چاہتا تھا۔ لیکن ان شرائط پر نہیں جو وکٹر نے پیش کی تھیں۔ وہ اگر ایک زندہ ضمیر کا مالک نہ ہوتا تو پہلے ہی وکٹر کی شرائط کو تسلیم کر کے رہائی حاصل کر سکتا تھا۔ مگر اس کے ضمیر نے



یہ گولڈن کیکار وہ اپنی جان بچانے کے لیے نئی نسلوں کی تباہی قبول کرے۔ وہ خوب اچھی طرح واقف تھا کہ اس کی مدد کے بغیر وہ کٹر لیگنہا قبیلے کے ذریعے منشیات سرحد کے پار نہیں پہنچا سکتا تھا۔ یہی معاملہ اس کی اپنی جان تک فدی و دربارہ و پتھر کی چٹان کی طرح دیکھ کے ہلستے میں حائل رہا۔ مگر اب... وہ تھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اب بات صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہی تھی۔ بلکہ اس میں ایک مظلوم عورت کی ذات بھی ملوث ہو چکی تھی۔ بے شک ریشا جرم پیشہ تھی۔ مگر اس سے تفصیلی ملاقات کے بعد وہ اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ اس میں ریشا کا کوئی قصور نہ تھا۔ وہ شخص ایک بے بس عورت تھی جو حالات کے تحت کوئی مرضی کے ساتھ نہیں دھل گئی تھی۔ مگر ایک شریف انسان کے اندر چاہے وہ کتنا ہی برا جرم کیوں نہ بن جائے، اگلے کی ایک کرن ضرور ہوتی ہے اور جب کسی حادثے یا واقعے سے شائبہ ہو کر وہ کرن اس انسان کے سینے میں پھونکتی ہے تو اس کا بے حس ضمیر بے دار ہونے لگتا ہے۔ اور شاید ریشا کے سینے میں آجائے کی وہی کرن پھوٹ رہی تھی۔ جس کے تحت وہ سادوں کے سلنے اپنے تمام عیب گناہ گناہ تھی۔ اور وہ یہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کوئی عورت اپنے عیب جب کسی مرد پر عیاں کرنے تو وہ صرف اسے اپنا ٹھیکتی، عمدہ یا ایک سچا دوست سمجھ کر ہی ایسا کرتی ہے۔ اور شاید سادوں کے عزم و ولولے اور سچی دھنکے والی شخصیت میں اسے اپنی نجات کی ایک کرن نظر آئی تھی۔

”لو کیا وہ مظلوم عورت جس نے اسے اپنا نجات دہندہ تصور کر کے اس پر اعتماد کیا تھا۔ اس کے سامنے ان خونی و نرندہ صفت ہمدلوں کے حوالے کر دی جائے گی؟ کیا اس کی غیرت یہ برداشت کر سکتی ہے؟ نہیں، کوئی نہیں!“ اس کے دل میں ایک بے قراری سی پیدا ہوئی۔ وہ اپنی سہری سے اٹھ کر گھر سے نہیں ہٹنے لگا اس کا ذہن تیزی سے ریشا کی نجات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ غم نے کیوں اسے اس انگریز عورت سے ہمدردی ہو چلی تھی۔ اور وہ یہ قیامت، ہر اس کو کیا چاہتا تھا۔ اور پھر اچانک اس کی آنکھیں کسی خیال کے تحت جھک اٹھیں۔ اس نے مطمئن انداز میں اپنا سر ہلایا۔ اور سہری پر آکر لیٹ گیا۔ کچھ دیر بعد ہی کرے

میں اس کے خراٹے گونجنے لگے تھے۔  
ڈاکٹر کھنڈہ زخمی شخص کے کمرے میں واپس آچکا تھا۔ دوسرے ڈاکٹر اس کے گرد اس طرح جمع ہو گئے جیسے وہ اس کے بے قراری سے منتظر ہوں۔  
”ہاں ڈاکٹر کھنڈہ... اس نے تمہیں اس زخمی کے بارے میں کئی حقائق سے آگاہ کیا۔“ ڈاکٹر اظہر نے پہل کرتے ہوئے سوال کیا۔  
”ذرا صبر سے کام لو! اس نے ابھی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سب سے پہلے تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ زخمی کی حالت کس قدر ہے؟ تم سب کی کیا رائے ہے۔؟“  
”کیا مطلب؟“ ان میں ایک چونک کر بولا۔ ”اس زخمی کی حالت کے بارے میں ہم سے زیادہ تم جانتے ہو۔ سمجھو۔؟“  
”میرا مطلب یہ نہیں۔ وہ جھجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ بلکہ میں تم سب کی الگ، الگ بے لاگ رائے جانا چاہتا ہوں۔ بغیر کسی خوف و خشے کے آپ سب باری باری اس زخمی کے بارے میں اپنی قیمتی رائے کا اظہار کریں۔ یا یوں سمجھیں کہ آپ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اس مریض کے بارے میں کیا رائے قائم کرتے ہیں؟ یہ زندہ قح سے گایا نہیں...؟ جواب صرف زبان ہاں یا نہیں میں دیتا ہے۔“  
”لیکن یہ سب...“  
”ڈاکٹر اظہر ہلینڈ...“ کھنڈہ نے اس کی طرف التجا پز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر یہ لوگوں نے مجھے اپنا سربراہ مان، ہی لیا ہے تو پھر جو میں کہوں اس پر عمل کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جو تجسس کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے، اس کا اہل زخمی کے بارے میں ہتہا کر وہ معلومات اور تفصیل جاننا ہے پھر بھی میں آپ سے چند منٹ صبر کی درخواست کر رہا کروں گا۔“  
”ٹھیک ہے ڈاکٹر کھنڈہ... اظہر نے کہا۔ ”میرے خیال کے مطابق تو کہ اس شخص کے بدن میں زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگا رہے ہیں۔ مگر اس کا مزہ چٹا محال ہے۔ ہاتھوں کو کہیں کہیں اس کی شیع زندگی کا ٹھیکنے سے پہلے بھڑکنے لگے۔“ اس کے لیے مجھے میں مایوسی

فی۔ اور پھر ایک ایک کر کے ان سبھی نے اپنی اپنی رائے ظاہر کر دیا تھا۔ اکثرینٹ ان ڈاکٹر کی زخمی جو اس کی رگی سے نہ صرف مایوس ہو چکے تھے۔ جبکہ حیرت و حیرت کے ساتھ کہ وہ زندہ کیسے ہے۔  
”مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔ ڈاکٹر اظہر! ڈاکٹر کھنڈہ ایک سرور آہ بھرتے ہوئے کہا۔  
”بس... میں سمجھا نہیں... اظہر نے استغیاہیہ لیے میں...“  
”بس...“ سمجھیں آپ لوگ... وہ تمام لوگوں کو غافل تھے ہوئے کہنے لگا۔ کہ ہم سب کی زندگی اس زخمی کی سانسوں کی مرہون منت ہے۔ ہمارے دلوں ہر گھنٹہ اس کی سانسوں کی ڈور ڈوٹی اور اوپر ہمارے دھڑکنے کی گونج ہے۔“  
”یہ کہتے ہوئے اس نے برناڈ سے اپنی گھٹکوں کا مدد بیان کر دیا۔  
”ادب...“ وہ سب کے چہروں کا لغوہ جائزہ لینا لگا۔ ہمارے کلب کا بس ایک سیڑھی راستہ ہے کہ ہم نا تھائی کے ساتھ اس مریض کے علاج میں لگ جائیں، اور اس کی موت کے امکانات کو اپنے ذہن سے لہر پھینک دیں۔ ہمیں صرف یہ سوچنا ہے کہ اسی جوان کی زندگی کے کئی سال باقی ہیں۔ وہ بڑے شہابی طریقے سے ان کے ذہنوں پر برقی مایوسی کی مٹا رہا تھا۔  
”بس اب تم لوگ جت جاؤ۔ بھگوان جو کرے گا۔“  
”یہ کیسے گا؟“  
ڈاکٹر کھنڈہ کے الفاظ نے واقعی ان سب پر سرسرا کر دیا تھا۔ وہ ایک نئے عزم و ولولے کے ساتھ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور راجہ اپنی ڈیوٹی نبھانے نہیں اس مریض کی زندگی کے لیے جدوجہد کرتے تھے۔ بڑے بڑے جو بیس گھنٹے گزار چکے تھے۔ اور اس نا انہوں نے اس کے کئی چھوٹے آپریشن بھی کئے تھے۔ مریض کے ہڈی گروپ کا خون انہیں وافر میں ہتہا کر دیا گیا تھا۔ اور جلد بڑھ رہی تھی۔ مگر ضروریات کا سامنا بھی موجود تھا۔ لہذا انہیں ریشمنڈ کے دوران کسی خاص وقعت کا سامنا نہیں رہا تھا۔ مگر ایک دشواری ان کے سامنے بکھری

ہوئی تھی۔ کہ مریض کے جسم کی وہ تمام نسیں جن کے ذریعے اسے رفیق غذا فراہم کی جا رہی تھی۔ ایک ایک کر کے ہلکے ہوئی جا رہی تھیں۔ پہلے نٹکی سے ناک کے ذریعہ غذا کی فراہمی روک دی گئی تھی۔ اور بازو کی نٹس کے ذریعہ غذا کا حصول اس کے جسم میں آنا لگتا لیکن بازو کا ایک زخم رہنے لگا۔ قراب انہوں نے نٹس کی نٹس کے ذریعہ غذائی سلسلہ بحال کر دیا تھا۔ مگر... ہ تھا کہ اگر صورتحال میں جلد ہی کوئی تبدیلی نہ آئے تو پھر... ان سب میں اس پھر کے آگے کچھ اور سوچنے کی اہمیت ہی نہ تھی۔  
”ہم نے یہ جو آپریشن کر کے، میں ان کا دل زل آئندہ چوبیس گھنٹے میں، اس شخص کے ہوش میں آنے کی صورت میں مل سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں پہلے اس شخص میں جس وقت ہوش میں آنے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت اس کا ہوش میں نہ آنا ہی بہتر تھا۔ اس وجہ سے اسے بے ہوشی کا انجکشن دے دیا گیا تھا۔ مگر اب...“ وہ اپنے بل پر سے ملنے پڑا نٹکی مارتا ہوا بولا۔ اس کا ہوش میں آنا ضروری ہے بہت ضروری...“ اور پھر یہ کہتے کہتے وہ اچانک بی رگ گیا۔ جیسے دفعتاً اس کو کچھ خیال آگیا ہو۔ اپنی طہ دروازہ آہستہ سے کھلا ایک شخص اندر آگیا تھا۔ اسے دیکھتے ہی چونک پڑا۔ وہ وہی بے چوڑے جسم اور سرخ سرخ آنکھوں والا آدمی تھا۔ جس نے اس کو باس کے بلانے کا ہتھکڑی کے زخمی شخص کے ہلاک کر دینے کے ارادے کو تبدیل کر دینے کی ہدایت دی تھی اور جس نے خود کو ان سب کا دوست بھی کہا تھا۔  
”خونی آنکھوں والے شخص نے شخص نے کہا میں داخل ہوتے ہی ڈاکٹر کھنڈہ کو اپنی ناک پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر اس سے قریب آکر چپکے سے اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا دیا اور خاموشی سے واپس چلا گیا۔  
اس کے چلنے کے بعد کھنڈہ کو ہوش آیا اور اس سے قہقہے اس کے ساتھ ہیں میں سے کوئی بول پڑتا اس نے انہیں چپ ہونے کا اشارہ کیا اور کاغذ کی تہ کھول کر دیکھا۔  
”ڈاکٹر کھنڈہ! یہ تو تمہیں معلوم ہی ہو گیا۔“

ہو گا کہ اس کمرے میں جگہ جگہ ٹون لہب ہیں۔ جو اس کمرے میں ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ ایک دوسرے کمرے میں باس کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس لیے میں کاغذ کا سہارا لے کر تھمتے سے درخواست کرتا ہوں کہ تم ٹھیک پندرہ منٹ بعد اسی کمرے سے نکل کر اپنے سونے کے کمرے کے حلقہ کاغذ روم میں پہنچ جانا میں اس بات کا اطمینان کر چکا ہوں کہ وہ جگہ قطعی محفوظ ہے اور ہم وہاں آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کھنہ نے خاموشی سے وہ کاغذ جیب میں رکھ لیا۔ ڈاکٹر اظہر کے چہرے پر لہجے کے آثار دیکھ کر اس نے کاغذ نکالا اور ایک کاغذ پر اس کمرے میں ڈکٹا فون نصب ہیں اس لیے محتاط رہو۔ اس شخص کے بارے میں ابھی مجھ سے کچھ دریافت نہ کرنا تمہاری تسلی کیلئے اتنا بتا دوں کہ وہ ہملا دوست ہے۔ اور عملی مدد پر آمادہ ہے۔ لیکر کمرے کی طرف بڑھا دیا۔ اظہر نے خاموشی سے اس کی تحریروں کو دیکھا۔ اور امید کی ایک کرن نے اس کے چہرے پر طمانیت کی لہر دوڑا دی۔ پھر اس نے یہ تحریر دوسرے سامنے کی طرف بڑھا دی۔ اور باری باری وہ سب کتبے کی ہر سطر خاموشی کا سہنہ سمجھ گئے۔ وہ کاغذ لے کر اپنی جیب سے لائیںر نکالا اور اسے شعلے کی نذر کر دیا۔ اس شخص کی تحریروں کے ساتھ کبھی اسی نے یہ ہی عمل کیا تھا۔

”میں بہت تنگ چکا ہوں“ وہ نفاہت سے کہنے لگے میں بولا۔ اور میرے خیال میں آپ لوگ بھی آرام کریں تاکہ کل صبح ہم سب تازہ دم ہو کر اپنی لڑائی جگہ میں صرف ایک بار وہ ڈاکٹر نے یہاں ٹھہر جائیں۔ تاکہ مریض کی دیکھ بھال ہوتی رہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنی کمرے سے اٹھا اور اپنے بیڈ روم کی سمت چل پڑا۔ جہاں وہ اس پرلور دوست کی ہدایت کے مطابق اس سے گفتگو کر سکتا تھا اپنے کمرے میں آکر اس نے اپنے کپڑے بدلے اور باہر روم میں داخل ہو گیا۔ دروازے کی چوڑی اس نے کھلی چھوڑ دی تھی۔ اور اس کی توقع کے عین مطابق کسی نے آہستہ سے ایک پٹ کھولا اور پھر جلدی سے دروازے

کولاک کر دیا۔ وہ اس کا وہی ہر اصرار دوست تھا اور دے دے قریبوں انتہائی خاموشی کے ساتھ باقاعدہ دم میٹر داخل ہوا اور کھنہ کو موجود پاکر آہستہ سے باہر روم کا دروازہ بند کر دیا۔

”اب کمرے میں نصب پوٹیدہ ڈکٹا فون کے خط سے چھٹکارہ یا کہ ہم یہاں آزادی سے گفتگو کر سکتے ہیں“ اس نے لیکر کسی تہیہ کے مد ہم آواز میں کہا۔ مسہر پہلے تو میں یہ سوچنا چاہوں گا کہ آپ مجھ پر اعتماد کیا ہیں یا نہیں۔“

”اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو کیا اس وقت میں یہاں موجود ہوتا۔“ ڈاکٹر کھنہ نے کہا۔ ”واقعی تم نے اس وقت مجھے بلا کر جو مشورہ دیا تھا۔ حالات نے ثابت کر کے وہ ایک دوستانہ مشورہ تھا۔ تم ہمارے فتن ہو گئے۔ تو بس ڈاکٹر۔ یوں سمجھ لو کہ میرے کہنے پر عمل کر کے تم نقصان میں نہیں آہو گے۔ میں کون سا کیمیا کسی سوزوں وقت پر مٹاؤں گا۔ لیکن میں جو بھی تمہارا اندر د ہوں۔ اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔“

میں میرا بھی فائدہ ہے۔ کیا فائدہ ہے۔ یہ ابھی نہ مناسب نہیں۔ وہ ایک لمحہ کا اور پھر پھر لگا۔ ”اس وقت مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے کہ مریض اگر اس میں آجائے تو اسکی اطلاع ممکنہ حد تک برناؤ کو نہیں ملے چاہیے۔ اور بالفرض اگر کسی طرح سے یہ چھپنا ممکن ہے تو پھر اس کو خواب اور داکے ذریعے یہ کہہ کر دینا کہ اس کی زندگی کے لیے یہ بہت ضروری تھا۔ یا تم ایک ماہر ڈاکٹر ہو اس سلسلے میں کون سی ایسی پیش کر سکتے ہو جس سے مرنڈ مطمئن ہو جا۔ تم بہتر سمجھتے ہو کہ میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس کو اس زخمی سے کسی قسم کی بات چیت کرنے سے محذور تک مثال دیا جائے۔ یہ کہہ کر وہ مڑا اور ڈاکٹر کھنہ کو کہا۔

”تجوز کر کر کے سے گزرنا ہو چکا گیا۔“

اس کے تانے کے بعد کھنہ بھی اپنے بستر پر آکر لیٹ گیا۔ اس کے اعصاب سخت تنگ کے باعث چٹکنے لگے تھے اس کی آنکھوں میں نیند کا شمارا نہ آتا تھا۔ چند لمحوں بعد اس کے خزانے کمرے کی لچھل نفا میں گونجنے لگے تھے۔ برناؤ اس وقت ایک کشادہ کمرے کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کے گرد کچھ اور افراد بھی

جو موجود ہاں انداز میں بیٹھے اس کے لولنے کے منتظر تھے۔ جیسا کہ تم لوگوں کو معلوم ہے کہ تانوں کے جھیس میں جن کی سنگت کا جو طریقہ ہے نہ بنا یا تھا۔ ناکام ہو چکا ہے۔ کے چہرے پر افسردگی کے اثرات پھیلے۔ ”اور فی الحال ات کی سہلائی قطعی بند کر دی گئی ہے۔ کیونکہ حکومت نے دی علاقے پر گشت بر گشت بڑھانے کا حکم دے دیا ہے۔“

”باس! ان میں سے ایک مودمان بچے میں بولا۔“

”بھیک کہہ رہے ہیں مگر۔۔۔۔۔۔“

”تم اپنی بات جاری رکھ سکتے ہو۔“ برناؤ نے کچھ نرمی سے کہا۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں باس! کہ اس سلسلے میں بیٹنا کے اس فوجانہ ساون کا کاغذ کا حاصل کرنے میں ناک کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی ہے۔ اس نے قدر سے ہوتے کہا۔ اگر ہم اس فوجانہ کاغذ کا حاصل کرنے کا کام چاہتے ہیں تو بڑی آسانی سے سرحدی علاقے پہنچنا جاری رکھی جا سکتی ہے۔“

”ہاں! برناؤ نے خیال انداز میں بڑبڑایا۔ میرے میں بھی یہی بات تھی۔ اور اسی وجہ سے میں نے دیکر دیکر اس کو اصرار کیا تھا۔ مگر وہ تو ایسے ہی عموماً کہ ہے کہ کسی سے ہرگز نہیں دینا۔ حالانکہ اسے ہر کالارے دیا گیا۔ وہ نہ مانا تو پھر اس پر سختی کی گئیں۔ مگر تک اس کی طرف سے کوئی امید افزا اطلاع نہیں ملے۔“

”پھر آپ کا جو کہو، ہم بجا آوری کے لیے تیار ہیں۔“ اور شخص نے زبان کھولی۔

”میں اس سلسلے میں دیکھنے اور مشورہ کر لوں۔“ برناؤ نے کہا۔ پھر تم لوگوں کو مطلع کر دوں گا۔ فی الحال تو ایک سہ ہمارے سامنے کھڑا ہوا ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے ان کو یہاں اٹھانے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس کے چہرے کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔

”کون سا مسئلہ باس؟“ ایک قندہ دشمن نے پوچھا۔

”کے چہرے کے خند خال سے ایک عجیب کرختگی نکل رہی تھی۔“

”ڈی! میں۔ پی۔ برویز ملک! اس شخص نے ہمارا ایک ہ نوٹ لیا ہے۔“

”اگ! کیا مطلب؟“ بیک وقت دواشی اس کی بیان گونچ اٹھیں۔

”برویز ملک نامی نئے ڈی! میں۔ پی۔ نے یہاں کا چارٹ

سنبھال لیا ہے اور کر نے خاص طور پر زخمی شخص کے غوا کی تعقیب کے لیے اسے روانہ کیا ہے۔ میں اس شخص کے بارے میں تمام معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ اور میری معلومات کے مطابق وہ ایک ایسا ذہین آفسر ہے جو ہمارے ہی ہوسٹے میں اپنا جواب نہیں دیتا۔ اور مجرموں پر ایک سخت ایسے نوٹ پڑتا ہے کہ انہیں اپنے بچاؤ کا راستہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ چند لمحوں خاموش رہا اور وہ سب ساکت اس کے چہرے کو دیکھتے رہے۔

”اس کی غیبت کا سبب اس کی شاندار کامیابی ہیں۔ اس کی دس سالہ ازمیت کے دوران کوئی بھی کہیں ناکل بند نہیں ہوئے کی نوعیت تک نہیں پہنچی۔ اس کے سپرد جو بھی فرائض کی تھی اس نے بری خوبی اور کامیابی کے ساتھ اسے انجام دیا۔ بلیس ڈیپارٹمنٹ اسے شاہین کے نام سے بلاتا ہے۔ کہ وہ آسمان کی بندھی سے اپنی غفالی نگاہ اپنے شکار پر جمائے رکھتا ہے اور ایک سخت اپنے شکار پر اس کی بے خبری میں چھٹ پڑتا ہے۔“

اس کے گرد کوئی جان بچھا کر اسے کرنل راجندر کی طرح نہ پھنسا لیا جاتے باس۔ ”بھوت سے چہرے والے شخص نے رائے پیش کی۔“

”نہیں۔ وہ اب ہوشیار ہو چکا ہے۔ اور ایسے کسی حال میں اس کو پالنا ممکن نہیں۔“

”تو پھر اس کے آگے بڑھی پھینک کر دیجی جائے۔“ دوسرے نے بھی اپنی رائے ظاہر کی۔

”نہ نے شاید غور سے میری بات نہیں سنی۔“ برناؤ کے لہجے میں سختی آگئی تھی۔ ”جس شخص نے اپنی کارکردگی کے معاملے میں کہیں کوئی شتم نہ چھوڑا ہو۔ بھلا اسے تو قلع کی جاکتی ہے کہ مال و دولت کا لالچی ہو گا یا نہ۔ وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں نہیں! اگر ایسا ہوتا تو کم از کم ایک آدمی کی فائل تو اس کو بند کرنے پر مجبور ہونا ہی پڑتا۔ مگر اس کا نشانہ دار اور بے داغ دیکھا۔“

”جس طرح اعلان کر رہا ہے کہ وہ کوئی ایسا سربراہ شخص ہے جو مرض کے کئے، دولت کی بھی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔“

”بھیک ہے باس! قندہ دشمن تکیے لیے میں بولا۔“

”میں آپ کا مطلب سمجھ چکا ہوں۔ اس شاہین کے شکار کی مجھے اجازت دے دیں۔ میں اس کے دونوں بازو توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اس کے بازو ہوں گے اور وہ ہر بار کر سکے گا۔ وہ تعمیر آئینہ انداز میں بولا۔“

ہاں! یہی واحد راستہ ہے۔ اس کی طرف سے بچنا۔  
وہ کروا اشیات حبش دیتا ہو کہنے لگا۔ "میں اس پر ہاتھ ڈالنا  
خطرات بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لیے تم پر بھی سناقت  
رکھنا۔ اور جہاں تک ہو سکے اسے لگا کر لے کر جاتے رہ کرنا۔"  
وہ تنبیہ کرنا ہو کہنے لگا۔ "اس مسئلے میں ہمیں جتنے آدمی ہلاک  
ہوں۔ ان کا انتخاب میں تم پر ہی چھوڑنا ہوں۔" اس نے ملین  
انداز میں گردن ہلاتی۔ "لیکن ستر مہلت رام ایک لمحہ  
کے اندر اس ڈی ایس بی کی آکھیں جا ہیں۔ عقاب آکھیں۔  
باہار باہار۔ بڑا ڈیک وقت فہم مار کر کھنس پڑا۔ اس کے  
فہم میں ایسی درندگی شامل تھی کہ ایک لمحے کو وہ بھی اہم  
رہ گئے۔

دارمسی والہ، اقبال نامی اس دشمن کو ایک جھڑپ سے  
کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا  
کہ وہ اقبال کو ایک کمرے میں قید کر گیا تھا۔ جہاں وہ بیٹھا  
ہوا حالات کے اس طرح اچانک رخ بدل لینے پر کفیا فحش  
مل رہا تھا۔

حالانکہ اس کی چھٹی جس نے روقت اسے جانے نہ دیا  
کا احساس دلانا چاہا تھا۔ یہ حالات البیاد پر امر رقبہ اختیار  
کر گئے تھے۔ کہ اسے ہاتھ پیر چلائے بغیر ہی خود کو ان لوگوں  
کے حوالے کر دینا پڑا۔ یہ بھی حوالہ میں داخل ہوتے وقت  
اسے ایک نادار موقعتہ ملاحظہ دارمسی والا شخص غیر ارادی طور  
پر اس کے پر سکون رویے سے متاثر ہو کر ایک لمحے کے لیے  
اس کے قریب سے گورا تھا۔ اور وہ اس وقت اس دارمسی  
والے شخص کے ہوس میں لٹے رہا اور کو بچنے کے پانسہ پلٹ  
سکتا تھا۔ سچ اسے تو خود ہی ان لوگوں کی تلاش تھی۔ اور  
اسی لیے وہ ان پہلوؤں کے دشوار گزار علاقے میں جھسکتا  
بھر رہا تھا۔

اچانک ہی کچھ قدموں کی آہٹیں کرے کے دو دروازے  
کی سمت آکر کھڑے ہو گئے اور پھر دارمسی والے شخص نے دروازہ  
کھولا۔ اندر اس سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "جلو سرکار  
نے نہیں پایا کیا ہے؟"  
"یہ سرکار کون ہیں؟ ان کا نام کیا ہے؟"  
"سرکار سرکار ہیں؟ دارمسی والا خسرانہ انداز میں  
مسکرایا۔ "ہمارے لیے تو سرکار ہی ہیں۔ باقی تو خود ان  
سے پوچھ لینا۔"  
اس کو پھر ایک ایسے کمرے میں بھیجا دیا گیا جیسے چوڑا

مونا بال کہا جاسکتا تھا۔ اور یہ بال مشرق و مغرب کے خبر  
استراحت کا نمونہ نظر آتا تھا۔ ایک طرف مغربی طرز کا جدید  
موجود تھا۔ اور دوسری طرف مشرقی انداز کا ایک تخت  
برسفید برق پانڈی بھی تھی۔ اور گاؤں کے بچے ہوتے  
دو اور ہر کچھ باغیچہ افراد کی نفسا دوسری برقی تھیں۔ اور  
فحش ہوتا تھا جیسے وہ چمڑے زمانے کے کسی تاجر  
کی حویلی میں آگیا ہو۔

اقبال کو کمرے میں تنہا نہیں چھوڑا گیا تھا۔ بلکہ  
کمرے کے ہر دروازے پر ستر سنتی موجود تھیں۔ جو بڑے  
مستعدی سے اپنی جگہ کھڑے اس کو گھور رہے تھے۔  
انہوں سے بغض و غضب کی چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔  
چند ہی منٹ بعد ایک انتہائی باغیچہ، اور پھر غرض  
سے اندر داخل ہوا۔ چوڑی دار پاتہ اور شیرازی  
ملبوس وہ واقعی کسی ریاست کا راجہ نظر آ رہا تھا۔

"شاید ہی ان کا سرکار ہے۔" اقبال نے سوچا۔  
اس کے خیال کی تصدیق بھی ہو گئی۔ دارمسی والے نے کہا  
انداز میں سر جھٹکا کر کہا تھا۔ "سرکار! یہ بھی راستہ بھٹک کر  
یہاں آ گئے ہیں۔"  
"ایک منٹ! بھنڈاری! وہ دشمن باغیچہ میرے  
پانڈی کی پیچھے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولاس اس کی نگاہوں  
کے چہرے پر جمیں۔"

"کون ہو تم؟" اس نے شائشہ لیے کہا۔  
"میں بنا چکا ہوں۔" اقبال نے بے پروائی سے جواب  
دیا۔ "وہ میں سن چکا ہوں۔" اس کے ہلچے کی شائشہ  
پر قرار تھی۔ "میرا نام سرور چوہان ہے اور یہ سب میر  
عازر ہیں اور قہار نام کہا ہے۔"

"اقبال!"  
"نوسٹرا اقبال!" اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی  
چھائی۔ تم کسی کی تلاش میں یہاں تک آ پئے ہو۔  
"میں سمجھا نہیں۔" اقبال واقعی چونک رہا تھا۔  
"دیکھو میاں اب تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تمہارا  
کی ٹکڑاٹھ اس بات کی گواہی ہے۔"  
"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میں کسی کی تلاش میں  
آ نکلا ہوں؟ اس کے لیے میں غلطی تھی۔"  
"جس وقت بھنڈاری نے مجھ سے تمہارے  
میں یہ کہا تھا کہ سرکار یہ بھی راستہ بھٹک کر یہاں

تم لفظ سمجھی۔ ہر غیر فحش انداز میں چونکے تھے اور پھر  
ایک دم پرسکون ہو گئے تھے۔ لفظ بھی بھر چونکا اس بات  
کی علامت تھی کہ تمہیں کسی شخص کی تلاش تھی۔ اور تمہارا پرسکون  
نڈاز بتا رہا ہے۔"

"بہت خوب!" اقبال تو حسی انداز میں سر ہلاتے ہوئے  
معنی خیز انداز میں بولا۔ "واقعی تمہارا مشاہدہ ذہین تجربہ  
رکھتا ہے۔" اخی بلیک بینی سے کسی شخص کی حرکات و سکنات  
پر نظر رکھنا اور پھر اس سے سو فیصد ٹھیک نتیجہ اخذ کرنا  
واقعی کمال کی بات ہے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ اب تو بتا دو کہ تمہیں کس شخص  
کی تلاش ہے۔" سرور چوہان نے سہکاتے ہوئے پوچھا۔  
"ان کی..." اقبال اچانک دروازے کی طرف ہٹیں  
ہاتھ اٹھا کر بولا جیسے واقعی اس نے دروازے پر اپنے  
مطلوبہ شخص کو دیکھ لیا ہو۔ اور غیر ارادی طور پر سرور  
چوہان کے ساتھ ہی ساتھ ان سب کی نظریں دروازے  
سمت اٹھ گئیں۔ فحش لب اس اتنی ہی ہمت اقبال کے  
یہ کافی تھی اس نے ہلکی سی تیزی سے سرور چوہان  
چھٹا لگا لی تھی۔ اور دوسرے ہی لمحے اس نے ایک  
تہ سے اس کی گردن چمڑے ہوئے داہیں ہاتھ میں  
لے خنجر کی ٹپک اس کے نچرے پر رکھ دی۔ ہتھکڑی سے  
ٹک سبکڈ کا دھوکہ تھا جس میں اس نے ہڈی پلٹ دی تھی  
اب "وہ دوسرے چمڑا اگر تم لوگوں نے ڈرا بھی  
بٹائی دیکھنا تو تمہارے سرکار کے کام ہے۔" اس کے  
ہلچے میں درندگی تھی۔ اپنے ہتھکڑی پھینک دو۔ اگر اپنے  
رکار کی زندگی سے پہلے ہے، وہ عزائے ہوئے بچے  
بن بولا۔

بھنڈاری اور اس کے ہمراہ اس عجیب صورتحال  
پر چونکا سے رہ گئے تھے۔ وہ عجیب کشمکش میں گرفتار  
تھے۔ اقبال نے ان کے سرکار کو اپنی ڈھال بنالیا تھا اور  
اس کے ہاتھ میں دیے خنجر کی ٹوک سرور چوہان کے گلے  
لادھڑنے کے لیے تیار تھی۔ بھنڈاری نے آخر کار  
اپنی ٹوک لپی لٹھ پھینک دی۔ اسی کے ساتھ باقی لوگوں  
بھی ہتھکڑی پھینک کر اپنے ہاتھ اوپر اٹھا دیے تھے۔  
وہ سرور چوہان کی گردن سے اپنے ہاتھ کی گرفت  
آزادی سی ڈھیل کر رہا ہوا۔  
"سرور چوہان! انہیں حکم دو کہ دو منٹ کے اندر

اندراں آ دیوں کو لے آئے۔" وہ سخت ہلچے میں کہنے لگا۔  
"دشمن اور بطرح کوہ؟" سرور چوہان نے پھنسی پھنسی  
آواز میں پوچھا۔  
"گڑا تم واقعی بڑے ذہین ہو۔" اقبال نے خنجر کی  
ٹوک پر دباؤ کم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تم نے میرے ساتھ  
مکمل تعاون کیا تو تم گھلنے میں نہیں رہو گے۔"  
"بھنڈاری! ان دونوں کو بلا لاؤ۔" خبردار کوئی گویا  
مت کرنا۔ یہ میرا حکم ہے۔" اس کے ہلچے کا رعب واپس  
آچکا تھا۔

بھنڈاری کے کمرے سے نکلے، ہی اقبال نے زمین  
پر ہڈی رائل پر جھٹک کر لیا تھا اور اس کی نالی کا رخ سرور  
چوہان کی سمت تھا۔ مگر یہ دیکھ کر وہ چونک اٹھا کہ سرور  
چوہان کے ہونٹوں پر سرکار ہٹ پھیل رہی تھی۔ مشفقانہ  
مسکراہٹ جیسے کوئی بزرگ کسی بچے کی غیر معمولی کارکردگی  
پر خوش ہو رہا ہو۔

اقبال بے چین سا ہونے لگا۔ اس کی چھٹی جس  
پہرے سے لے دار ہوئی تھی۔  
"اگر اجازت دو تو میں بیٹھ جاؤں۔" تم نے اتنی  
سختی سے گردن دہائی تھی کہ سخت تکلیف ہو رہی ہے۔  
سرور چوہان گردن جھٹکا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے۔" اقبال نے اجازت دے دی لیکن  
وہ پوری طرح ہوشیار کھڑا تھا۔ اس کی رائل کا رخ ابھی  
تک چوہان کی طرف تھا۔ سرور چوہان اجازت ملنے ہی صوفے  
کی سمت بڑھا اور نہ حال ہی حالت میں صوفے پر بیٹھ گیا  
اس نے اپنا ہاتھ صوفے کے ہتھے پر رکھ لیا تھا اور دھڑ  
ہاتھ سے گردن سہلار رہا تھا۔

اور پھر وہی خطرہ سامنے آگیا جس کی پیشگوئی اس کی  
چھٹی جس اتنی دیر سے کر رہی تھی۔ اچانک اس کے سروں  
تے زمین لٹک گئی۔ محاورے میں حقیقتاً وہ جس جگہ کھڑا  
تھا وہ جگہ اچانک ہی ایک جھٹکے کے ساتھ زمین میں  
دھنس گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ رائل ہیٹ کے نیچے  
خلا میں گر رہا تھا۔ گردن کے گرد اس کے کالوں میں چوہان  
کے قبضے کی آواز گونجی اور پھر وہ ایک جھٹکے کے ساتھ ہی  
سو گئی گھاس پھوس کے ایک دھیرے پر آگیا۔ گھاس کے ڈھیر  
نے اس کی ہڈی پسلی ٹوٹنے سے بجائی ورنہ جانی اور جانی  
سے وہ گرنا تھا۔ بکا دھڑس ہوتا۔ ٹوٹا۔ ٹوٹا۔ ٹوٹا۔ ٹوٹا۔ ٹوٹا۔  
اس نے اوپر نظر اٹھائی۔ اس جگہ جہاں سے وہ گر رہا تھا

تقریباً چار فٹ لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا ایک چکرور خلا نظر آیا تھا۔ جس میں سے ہلی ہلی سی روشنی اس طرح آرہی تھی جیسے کسی روشن دان سے روشنی کی کرنیں گزرتی ہیں۔ اس نے اس تہہ خانے کا جائزہ لیا۔ اس کا حرف ایک دروازہ تھا۔ جب نہ تھا۔ اس کے علاوہ کاس کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بہتر خانہ ایسے ہی خطے سے بننے کے لیے بنایا گیا ہو۔

چوہان کی سکا ہٹ نے اس کے کانوں میں خطے کی گھنٹیاں بجا دی تھیں مگر وہ سوج بھی نہیں سکتا تھا کہ اس طرح کے عجیب و غریب خطے سے واسطہ پڑے گا۔ وہ توان بہریداروں اور چوہان پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ اونٹن اس نے بے پروائی سے شانے اچکائے اور گھاس کے ڈھیر پر بیٹ گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ اس تہہ خانے نما کمرے کے دروازے پر کچھ آدھیں ابھریں اور وہ سبھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر آہستہ سے دروازے کی کنڈی ہلنے کی آواز اس کی سماعت سے نکلی۔

”دروازے کی کنڈی کھول دی گئی جو ان ارنفل بھیگ کر ہاتھ ادا ہوا تھا۔ باہر نکل آؤ۔ دروازہ چلا کی لوکان بار نہیں بچو گے“ باہر سے مینڈاڑی کی آواز سانی دی اس نے عجوبہ ارنفل وہیں بھیجی اور ہاتھ اوپر اٹھائے تن پر نقد بر باہر نکل آیا۔ ایک تنگ راستہ تھا۔ اور فرما ”جاس گزے اس راستے کا اختتام ایک ایسے ہی کنوئیں پر ہوا۔ جس میں وہ پہلے بھی پھنس چکا تھا۔ اس نے جھنڈی سانس لی اور کنوئیں میں لپسی سر جھپٹا چڑھنے لگا۔ اور جس وقت اس نے کنوئیں کی منڈی سے سر اٹھا یا جبکہ اکرہ گیا۔ اس کے سامنے خوشنادر ہراج کھڑے مسکرا رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی دوستانہ انداز میں سر اور چوہان بھی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”ہاں آؤ خوشنادر چوہان کی طرف دھڑکتے ہوئے بولا۔“ اقبال ہے۔ میرا جائزہ سامعی“ پھر اقبال کی سمت دھڑکتے ہوئے کہا۔ ”اجاؤ بھئی“ سر اور چوہان ہلے دشمن نہیں دوست ہیں“

وہ لوگ بال، بال بچے تھے۔ ڈی، ایس، پی پرویز ملک نے طے کے اڑتے ہوئے گرد و غبار کو دیکھا۔ واقعی

ٹراسٹ میں کوئی طاقتور ہم تھا۔ جس نے اس مضبوط ٹکڑے کے بننے کمرے کے پراخے اڑا دیے تھے۔ اس عمارت کے دوسرے حصوں کو بھی سخت نقصان پہنچا تھا۔ پرویز ملک نے اپنے کپڑوں پر جی گرد جھاری اتنی ہی دیر میں اپنی ٹریس نیل اور اس کے دیگر سامنی اس کے پاس آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ اور پھر پرویز ملک کو ہی سب سے پہلے کرنل راجندر کا خیال آیا تھا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ کرنل راجندر ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے اس کے بارے میں پوچھا۔ تو اس کے ایک سپاہی نے بتایا۔ کہ کمرے سے جھلانگ لگاتے وقت اس نے کرنل راجندر کو بہت واسی سے دوڑتے ہوئے میز سے ٹکرا کر گرتے دیکھا تھا۔ اور پھر اسے نہیں معلوم کہ وہ نکلے میں کاسیاب ہو گیا تھا۔ یا کمرے کے طے میں ڈب کر رہ گیا تھا۔

جب گرد و غبار کچھ کم ہوا، تو وہ سب اس طے میں کرنل راجندر کو تلاش کرنے لگے۔ اور کافی جدوجہد کے بعد بالآخر وہ مل گیا۔ مگر اس حالت میں کہ اس کا سر بالکل بچک چکا تھا۔ اور جسم کے دوسرے حصے بھی بڑی طرح پٹخے گئے تھے۔ پرویز ملک نے اپنے سر سے ٹوپی اتار لی۔ اور دو منٹ کے لیے وہاں خاموشی چھائی۔

پرویز ملک کے لیے یہ کیسی ایک جھنجھکی کی صورت اختیار کرنا جا رہا تھا۔ اس کے بے درخ اور شاندار ریکارڈ کے لیے ایک دھچکے کی شکل اختیار کرنے لگا تھا۔ اس نے دن کی بھگ دوڑ اور جانفشانی کا رت چلی گئی تھی۔ وہ جہاں سے چلا تھا وہیں دوبارہ آکر کھڑا ہو چکا تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی لہریں بلوں کی صفی سرسرا نے لگیں تھیں۔

”سرا“ اسٹریٹس ٹیم نے اس کی پریشانی محسوس کر لی تھی۔ ”ہم اپنی تعینات کانسٹ اگر دوبارہ اس ہسپتال کی طرف موڑ دیں جہاں سے اس زخمی کو اغوا کر لیا گیا تھا تو مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی سرسرا مل سکتا ہے۔“

”تمہارا مطلب ہے، جے جے، ہسپتال۔۔۔۔۔؟“ پرویز ملک کی آنکھیں جھلکنے لگیں تھیں۔

”اُوہ ہاں!“ تعینات ہوا خیال اچھا ہے۔ وہ توصیف نگاروں سے ٹیکہ کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ ”یکے بعد دیگرے ناکامیوں نے شاید میرے دماغ کو تنکا ملا ہے۔ جب

نہیں

ملا وہ جس فکر مند ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شگفتگی نظر آتی۔

تقریباً دو گھنٹے بعد ہی پرویز ملک جے جے ہسپتال جج چکا تھا۔ اور اس بار نیل اس کے ساتھ تھی۔ وہ سیدھا مٹرمیش کے کمرے پر پہنچا تھا۔ ڈاکٹر میش کو اطلاع تو اس نے باوجود مصروفیت کے انہیں اندر بلا یا تھا۔

”ہیلو ڈی، ایس، پی صاحب! وہ خوش دلی سے بولا۔ کیسے تکلیف کی۔۔۔۔۔؟“

”بس یوں ہی۔ اور صبر سے گزر رہا تھا۔ سوچا آپ سے اوقات کرنا چاہوں۔“ پرویز مسکرا کر بولا۔ ”بہت کراہا ہوا آپ پدھارے، وہ مخصوص الفاظ ادا کرتے ہوئے بولا۔

”بچے کیا ہیں گے۔ گرم یا ٹھنڈا؟“

”جو تھکا ہو۔“ ڈاکٹر پرویز نے فیصلہ اس پر چھوڑ دیا۔

”ڈاکٹر میش نے چپراسی کو چاہئے لانے کا حکم دے دیا جائے کے دوران پرویز نے اسٹریٹس نیل کا تعارف دیا۔ ڈاکٹر میش نے کرا دیا تھا۔ اور پھر مطلب کی بات پراتے نے اس نے کہا۔

”ڈاکٹر میش! میں ایک خاص سلسلے میں کچھ تمہارا اون چاہتا ہوں۔“

”جی! کیوں نہیں ڈی، ایس، پی صاحب! انانوں کے اتھ جھوٹے رقعاتوں کرنا بہت محنت و فن شہری کا فرض ہے؟“

”نہیں بلا جھجک جواب دیا۔ مگر۔۔۔۔۔ کس قسم کا تعاون؟“

”دراصل میں یہاں کے ان اشراف مزے کا نام وکیل پتے مل کر ناچاہتا ہوں۔ جو کسی مدد سے طور بہر حال اس زخمی نص سے ملوث رہے ہوں۔“

”ہوں!“ ڈاکٹر میش نے ہنکارہ بھرا۔ اور پھر اس نے نیل بھرا چپراسی کو بلایا اور مشر پانڈے کو بلانے کا حکم دیا۔

”میں نے جس شخص کو یہاں بلوایا ہے۔ وہ ہر اعتبار سے آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔ اس کے سپرد نہ صرف زبے اشات کی نگہ رانی ہے بلکہ وہ ہسپتال سے متعلق دیگر لوگوں پر بھی نظر رکھتا ہے۔“ ڈاکٹر میش نے کہا۔ اور اسی وقت ایک بھاری بھر کم شخص کو کمرے میں داخل ہوتا دیکھ کر وہ دلا بے لیجے۔ مشر پانڈے شریف لے آئے ہیں۔ اور مشر پانڈے! ان سے ملے وہ پرویز ملک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

نہیں

”آپ، ڈی، ایس، پی پرویز ملک ہیں۔ اور اس شخص کے اغوا کی تعینات کر رہے ہیں؟“

”بڑی خوشی ہوئی ہے آپ سے مل کر۔۔۔۔۔۔“

پانڈے نے گرم خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں بھی آپ کی تعریف میں ڈاکٹر میش سے بہت کچھ سنا چکا ہوں۔“ پرویز ملک مسکرا کر بولا۔

”اُوہ! یہ تو بس یوں ہی شرمندہ کرتے رہتے ہیں! وہ بڑی صاف آرو وین بات کر رہا تھا۔“

”دراصل ڈی، ایس، پی صاحب کو کچھ خاص معلومات درکار ہیں۔ جو ان کی تعینات میں انہیں بڑی سہولت جتا کر سکتی ہیں،“ ڈاکٹر میش نے وضاحت کی۔

”جی، فرمائیے، وہ پرویز ملک سے براہ راست مخاطب ہوا۔ آپ کے ساتھ تعاون کر کے مجھے خوشی ہوگی۔“

”بات یہ ہے پانڈے جی! اگر اس شخص کے اغوا کے سلسلے میں دوران تعینات میرے ہاتھ کچھ سراغ لگے۔ جن سے پتا چلتا ہے کہ ہسپتال پر جو حملہ کیا گیا تھا۔ وہ بڑے ہی منظم انداز میں اور زبردست پلاننگ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اور اس کے پیچھے چند ملک دشمن عناصر کا ہاتھ ہے۔ جن کے ذرائع بہت وسیع ہیں۔ اور ان کی پہنچ دور تک ہے۔ میں اس سازش کی جڑ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور میرے ہاتھ ایک جہرے بھی لگے۔ مگر افسوس کہ کسی وجہ سے میں ان سے وہ معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ جن سے میری تعینات آگے بڑھتی۔

پانڈے بڑے طور سے پرویز کی بات سن رہا تھا۔ پتا چڑھا کہ قابل ذکر ہے کہ وہ لوگ عین موقع پر اس زخمی کو نکال کر تین آسانی سے غائب ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے تعینات ہسپتال کے کچھ لوگوں کی مدد ضرور حاصل کی ہو گی یا پھر ان کے کچھ لوگ پہلے سے یہاں موجود رہے ہوں گے جنہوں نے اس گروہ کی باقاعدہ راہنمائی کی اور انہیں تمام تر سہولیات پہنچائیں۔

پرویز ملک مختصراً اپنا مدعا ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

”اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ میں آپ سے ان مشتبہ افراد کے نام دیتے نوٹ کرنا چاہتا ہوں۔ جو آپ کی دست میں اس حادثے میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ ان میں ہو سکتا ہے۔ اشاف کے لوگ بھی شامل ہوں۔ اور کچھ باہر کے لوگ بھی۔ جن کی حرکات و سکنات پر آپ کو کچھ ہلکا سا بھی شبہ ہوگا۔ پرویز، پانڈے کو تفصیل سے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

نہیں

”یہ تو بڑا مشکل مسئلہ ہے جناب! وہ گردن ملتا ہوا بولا۔“ فرض کیجیے میں ایک دو لوگوں پر شبہ ظاہر بھی کروں۔ تو کس بنادیں؟...؟“ عرض اپنے خیال کی بنا پر۔۔۔۔۔؟“ نہیں! ڈی، آئی، جی صاحب! یہ تو آپ مجھے پھنسانے کی بات کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو جب معلوم ہو گا تو میرے ان سے تعلقات خراب ہو سکتے ہیں۔“ وہ ایک لمحہ ہنسنے لگا۔

آپ میری بات سمجھ رہے ہیں۔ ناں؟“

”اس سلسلے میں آپ کو قطعی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ جو معلومات بھی ہم کو ہم پہنچائیں گے وہ صرف اس گھر تک محدود رہے گی۔ پرویز ملک نے منظم لہجے میں کہا۔

”نہیں جناب! اس سلسلے میں تو مجھے معاف ہی رکھیں۔ بات اپنے ہی اسٹاف کے لوگوں تک پہنچی تو میری پوزیشن کتنی ہلک ہو جائے گی۔ آپ کو اس کا احساس نہیں؟“

”مشر پانڈے! ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں اسٹاف کے لوگوں میں آپ کو یقین دلادیں کہ ان معلومات کے پس پردہ آپ کا نام ہمیشہ مخفی رہے گا۔ ہم کبھی نہیں چاہیں گے کہ پولیس کے ساتھ تعاون کرنے والے شخص کا واسطہ کر لیا جائے۔“

”تجربے سے بڑھ جائے گا۔“ پانڈے وہ قانون کی مدد کرنے سے باز آ جائے۔ پرویز بولا اور پھر میں نے توجہ طور پر آپ سے تعاون کی درخواست کی ہے۔ اور آپ کے نزدیک جو مشتبہ شخصیات ہیں ان کے بارے میں جاننا چاہیے جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے طور پر اگر پوچھ پچھ کر شروع کر دیں تو آپ کے ہاں اسٹاف کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ ہمارا کافی وقت ضائع ہو جائے گا۔ جب کہ ہمارے پاس وقت کی کمی ہے۔

لیکن اگر آپ اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کے طور پر ان مشتبہ افراد کی لسٹ ہمارے حوالے کر دیں تو ہم اپنے طور پر ان کے حالات کا جائزہ کر کے اپنے شکوک و شبہات کو دور کر سکتے ہیں۔

پھر ان مشتبہ افراد میں حقیقتاً اس گروہ کا کوئی فرد شامل ہی ہو سکتا ہے اس بات کو دو میں شاید کوئی سرائے ایسا مل جائے کہ ہماری پیش قدمی میں جان بڑھ جائے۔ پرویز ملک نے پوری وضاحت مناسب سمجھتے ہوئے پانڈے کو قائل کرنا چاہا جو بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔

”شک ہے سر!“ وہ اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہنے لگا۔ ”اگر آپ یقین دلاتے ہیں کہ میرا نام پوشیدہ رہے گا تو میں آپ کو ان چند لوگوں کی فہرست منور بنا کر بھی دے دیتا ہوں جن کی حرکات و سکنات میں کچھ غیر معمولی کیفیات

کا مشاہدہ میں نے کیا تھا۔“ یہ کہہ کر وہ ڈاکٹر ہمیش کے کمرے سے نکل گیا۔

ڈاکٹر ہمیش جس نے ان دونوں کی گفتگو سنی تھی۔ اب وہ پرویز ملک کو تشریف نظر سے دیکھ رہا تھا۔

”ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! واقعی میں آپ کی عقل و فرست کا تو پہلے ہی سے قائل تھا جب آپ نے اس جوگی فقیر اور پھر کرنل راجندر پر جس ہوشیاری سے ہاتھ ڈالا تھا لیکن آج آپ کے صبر و تحمل اور دونوں کو تسخیر کرنے والی جادو اور گفتگو کا بھی قائل ہو گیا ہوں۔“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔ ”آپ اسے ڈرا دھمکا کر بھی ان افراد کی فہرست طلب کر سکتے تھے مگر آپ نے اپنے نرم رویے اور شائستہ الفاظ سے بالآخر اسے قائل کر دیا۔“ ڈاکٹر ہمیش واقعی اس سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔

”یہ تم شک کہہ رہے ہو ڈاکٹر! میں واقعی اسے ڈرا دھمکا کر کچھ نادبا الفاظ سے مخاطب کر کے بھی اس کو اس کام پر مجبور کر سکتا تھا مگر وہ صرف اپنی جان چھلانے کے لیے بونہی چند ایک لوگوں کے نام لکھا دیتا۔ لیکن میرے رویے نے اس کے دل میں پیدا شدہ شکوک و دودھ کو دیر سے تو وہ بذات خود قانون کی سر بلندی کے لیے اس کے ساتھ تعاون کرنے کے اشتیاق میں مبتلا ہو گیا۔ اور اب دیکھنا۔“

”دجائے کیوں مجھے یقین ہے کہ پانڈے کا تعاون ہماری تحقیق کے مندرجہ ذیل کے گروہ کے پانڈے نے واپس آئے میں کچھ زیادہ ہی ذرا دھمکا دی تھی مگر جب اس نے مشتبہ افراد کی ایک مکمل فہرست پرویز ملک کے حوالے کر دی تو اس کے انتظار کی کوفت ختم ہوئی۔“

”ان افراد کے ناموں کے آگے میں خصوصی طور پر وہ وجوہات مختصر درج کر دی ہیں جس کی وجہ سے میری نگاہیں وہ مشتبہ دکھائی دیتے ہیں۔“ اس نے فہرست جیسے ہونے کہا۔ ”اور فہرست میں میرے آخری نام میں پرویز کا ہے جو یہاں اسٹاف نرس کی حیثیت سے کام کرتی ہے۔ وہ ایک لمحے کو ہنسی کا۔ ”جس کے بارے میں مجھے شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ اس زخمی سے دلچسپی رکھنے والے ایک شخص سے واقف تھی بلکہ اس کی واقفیت دوستی کے رشتے میں بدل گئی تھی اور جب تک وہ زخمی یہاں رہا وہ اس شخص کے ساتھ اکثر و بیشتر دیکھی جاتی رہی ہے۔“

”ڈی۔ ایس۔ پی پرویز ملک کی آنکھوں میں چمک اٹھی جو بڑی توجہ سے پانڈے کی باتیں سن رہا تھا۔

”بہت خوب پانڈے جی! آپ نے ہم پر واقعی رحمت

نہا ہے۔ لیکن ایک بات میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں؟“

”ضرور!“ وہ پرویز ملک سے نظریں چرائے کی کوشش کر رہا تھا۔

”ان درجن بھر افراد کی لسٹ میں صرف پرویز کے بارے میں ہی آپ اتنے اعتماد سے جو شبہ ظاہر کر رہے ہیں اس کی کوئی خاص وجہ؟“

”جی! میرا شبہ ہے۔“ وہ بول کھلا کر رہ گیا۔ ”میں پانڈے جی! پرویز ملک مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ ”حسن ہر انسان کی کمزوری ہے اور یقیناً وہ آپ کو کچھ غیر معمولی حسین اور خوبصورت لگتی ہوگی۔“

”یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈی۔ ایس۔ پی صاحب! وہ اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطوں کو پونچھتا ہوا بولا۔

”اور چونکہ وہ آپ کو حسین لگتی ہے اس وجہ سے آپ اس کی حرکات و سکنات اور سرگرمیوں پر نظر رکھتے ہیں؟“

”پرویز کے ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ طاری تھی۔

”اور اس کی ذات میں غیر معمولی دلچسپی رکھنے کی بنا پر ہی وہ شخص آپ کی نظروں میں آ گیا۔ جو اس زخمی شخص سے دلچسپی رکھتا تھا۔“

پانڈے نے بڑبڑا کر کہا اور اس پر ”حسین نرس کی ٹوہ میں گئے رہنے کی وجہ سے آپ کو کوئی ایسی بات معلوم ہو گئی جس کے نتیجے میں آپ کا شکوک یقین میں بدل گیا جس کا اظہار آپ ابھی کر رہے تھے ہیں۔“

پانڈے تو حیرت سے منہ پھاڑے پرویز کو تنک ہی رہا تھا۔ ڈاکٹر ہمیش کی آنکھوں کے دہسے بھی پھیل گئے تھے

”میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ ان کی ملاقات کا پتا آپ کو کیسے چلتا تھا۔ صرف اتنا بتا دیجیے کہ آپ ان دونوں کو زیادہ تر کس جگہ ملاقات کرتے دیکھا کرتے تھے۔“

”ہسپتال کے قریب ہی ایک ہوٹل میں ان کی ملاقات ہو کر تھی؟“

”دونوں کی ملاقات کا کوئی خاص وقت مقرر تھا۔ یا مختلف اوقات میں ملاقاتیں ہوتی تھیں؟“

”مختلف اوقات میں!“ پانڈے جلدی سے بولا اور پھر اپنی ناک کھجاتے ہوئے کہنے لگا۔

”اب مجھے اجازت دے دیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔“

”مجھے کچھ دوسرے کام ہیں۔“

”شک ہے مگر پانڈے! آپ کے تعاون کا شکریہ!

اب آپ جانتے ہیں؟“

ڈاکٹر ہمیش نے پرویز کی آنکھوں میں چمکتی شرارت دیکھ لی تھی۔ پانڈے کے جانے کے بعد اس نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ پانڈے ایک دم کیوں بول کھلا گیا تھا؟ اور اس کے چہرے سے احساس مذمت بھی ظاہر ہو رہا تھا؟“

”مجناب! اس عمر میں بھی حسین لڑکیوں یا کم از کم پمختی کے حسن میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی خاص خاص لمبروفیات کا بھی آپ کو علم رہتا تھا۔ اور اسی غیر معمولی دلچسپی اور اس کی ٹوہ میں گئے رہنے سے ان پر یہ انگشتان ہوا کہ وہ شخص اس زخمی آدمی سے غیر معمولی دلچسپی رکھتا ہے۔ وہ اسی لیے بول کھلائے تھے کہ ان کی سن پرستی کا بھانڈا پونچھ لگا تھا۔ پرویز ایک قہقہہ مارے ہوئے بولا۔ اور ہمیش بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگا تھا۔

پرویز نے ڈاکٹر ہمیش کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور انیسٹرٹینمنٹ ٹیم کو اسٹے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑا۔ اب اس کے ذہن میں اسٹاف نرس پرویز کی بات گھوم رہا تھا۔

اندھے ذہن کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت نے ریشمی رتی کے حلقے سے اس کی گردن اس طرح جکڑ لی تھی کہ وہ بے بسی سے ہاتھ پر جھلا کر رہ گیا۔ پھر اس کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔

بہندی منٹ کے بعد اس کے ہاتھ پر دھیسلا گئے۔ شاید وہ بے ہوش ہو چکا تھا یا پھر اس کی روح، جسم سے پرواز کر چکی تھی۔

درتاج بیکم کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ اس کی ایک ہی ٹھٹھکی سے کسی معصوم بچے کی طرح خوفزدہ ہو جانے والا اختراعی ذہین اور رفیق شخصیت کا حامل ہوگا۔ اس نے اپنے شکار کی گردن کو عقب سے اتنی تیزی اور مہارت کے ساتھ رتی میں جکڑ دیا تھا۔ کہ اس غریب کی آواز بھی نہ نکل سکی تھی۔ اور اب اس کے وہ تمام خدشے ایک ایک کر کے دم توڑ رہے تھے۔ جو اختراعی جان کو لاحق تھے۔ اور اب اسے یہ اطمینان ہوتا جا رہا تھا۔ کہ اختراعی حاصل کرنے میں کامیاب رہے یا نہ کامیاب اس کی جان ضرور بچ جائے گی۔ کیونکہ وہ خونخوار شطروں سے تو کامیابی کے ساتھ منٹ ہی چکا تھا۔ اب اس کی کامیابی کی راہ میں حائل ہونے والے صرف وہ مانع محافظ بچے تھے۔ جو اس وقت گریٹ سے ملحقہ کمرے میں بیٹھے گرم گرم چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

یوں تو وہ جانتی تھی، کہ ان کی لاشوں میں مصنوعی



کار توں بھرے ہوئے تھے۔ ملازمے یہ بھی معلوم تھا۔ کہ ان لوگوں کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا۔ وہ بہترین ملازمے تھے۔ جو دو کراٹے اور شہزادی کے ماہر آب تک تو اختران سے اپنی حکمت عملی کے تحت ایک ایک کر کے.....  
— منظر اب تھا۔ مگر اب تو ان پانچوں سے تنہا بھڑانا گزیر ہو چکا تھا۔

کیا اختر تہا ان تمام لڑکوں کو شکست دے سکتا ہے؟  
ایک نکتہ اس کے ذہن میں اس سوال نے خرا بھالایا۔  
”ہاں اس کی ذہانت، اس کی حکمت عملی اس بات کی گواہی دے رہی تھی۔ اور اب نہ تاج کو یہ اعتبار تھا۔ کہ وہ ان پانچوں پر قابو حاصل کرنے کے لیے کون سی حکمت عملی اختیار کرتا ہے؟“

اختر۔ اس محافظ کی لاش گھسیٹ کر درختوں کی آڑ میں لے جا چکا تھا۔ جہاں وہ چٹکا پڑا مژدہ محافظ کے جسم سے اس کے کپڑے اُتار رہا تھا۔ ایک لمحہ تو نہ تاج یہ دیکھ کر کھینچ رہ گئی۔ بھلا اس کے کپڑے اُتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ اُس نے سوچا۔ اور پھر کیا ایک اس کے ذہن میں چٹکا کا سا بھوکاں محافظ کے کپڑے اُتارنے کا مطلب اس کی سمجھ میں آ چکا تھا واقعی اختر تہا، قدم پر اپنی ذہانت کے کل بھلایا تھا۔ اس نے محافظ کے کپڑے پہن کر اسی انداز میں لالعل کندھے سے لٹکائی اور واپس اس کمرے کی طرف چل پڑا۔

وہ پانچوں اس وقت کمرے میں موجود تھے۔ اور شاید جانے کے آخری لمحوں کو حلق سے اُتار رہے تھے۔  
”یہ تیش کہاں جا کر بیٹھ گیا؟“ ان میں سے ایک تیش زور دے لے کر بولتا۔ کتوں کی بھی آوازیں نہیں آئیں؟  
”ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو؟“ دوسرے شخص نے توجہ دلائے۔  
پراس کی تصدیق کی۔

”چلو! اٹھو! دیکھتے ہیں؟“ اور سب اپنی اپنی رائفیں سنبھالتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ مگر باہر نکلتے سے قبل ایک محافظ نے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر باہر کا جائزہ لیا۔ اور پلٹ کر بولا۔ ”سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہے۔ تیش آ رہا ہے۔“ اور یہ سن کر ان کے منے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔  
ان کے چہروں سے تشویش کے اثرات غائب ہو گئے۔  
”یہ رہ کہاں گیا تھا؟“ ان میں سے ایک بڑ بڑایا۔  
”وہ آ رہا ہے، خود اسی سے پوچھ لیتا؟“ دوسرے نے جواب دیا۔

لیکن پھر پوائیوں۔ اگر اس غریب کو کچھ پوچھنے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ دروازے میں داخل ہونے والے شخص کے چہرے پر لب کی روشنی پڑتے ہی وہ چونک اٹھا۔  
ادراس سے قبل کہ اس کا ہاتھ لالعل کندھے سے اُتارنا۔ وہ شخص ان سب کو اپنی رائفل کی زد میں لے چکا تھا۔  
”ہیڈز اپ! کسی نے بٹنے کی کوشش بھی کی تو کھوپڑی میں پھلتا ہو! اسسٹنٹ آف ڈول گا، وہ انتہائی شکاری سے بولا۔ اب تم لوگ ایک ایک کر کے اپنی رائفل زمین پر ڈال دو۔ اور سونو، وہ پھر تیشی انداز میں غرایا۔ کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ.....“

۵۵ سب کمرے میں رہ گئے تھے۔

اختر نے اسٹنٹ غیبتوں اور پھر بولور انداز میں قلابا بایا تھا کہ انہیں اس کے خلاف کچھ کرنے کی حسرت ہی نہ گئی۔ اختر کا بوجہ یہ تھا کہ اگر انہوں نے اس کی بات ماننے میں تامل کیا تو وہ اندھا دھند گولیاں برساتی شروع کر دے گا۔  
”کیا تم لوگوں نے میری آواز نہیں سنی؟“ اختر غرایا۔  
”صرف ایک منٹ کے بعد میں تم لوگوں کو بھونا شروع کر دوں گا۔“

موت نازل ہونے کے لیے ایک منٹ بہت ہی کم مہلت تھی۔ لیکن اتنی کم ایک سائنس ڈرامہ ہی لے لی تھائے۔ ان لوگوں نے مجبور ہو کر اختر کے کہنے کے مطابق اپنی اپنی رائفل ایک طرف ڈال دی۔ فرش پر رائفلوں کا ڈھیر لگ گیا تھا۔  
اختر نے اس وقت اپنے ہونٹ پیچھے رکھے تھے۔ اور اس کی عقابانی نگاہیں ان بڑی ہوتی تھیں۔

”شاباش! وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اب تم لوگ سامنے والی دیوار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ اس نے سفاک لہجے میں کہا۔

ان لوگوں نے معنی تیز لگا ہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اختر کی طرف پشت کر کے دو لڑے ٹھیک کر کھڑے ہو گئے۔ اور ان کے ہاتھ بھی خود بخود اوپر اٹھ چکے تھے۔ ان کے دلوں سے لگنے ہی اختر نے جھپٹ کر فرش پر بڑی رائفیں اٹھائیں اور کمرے سے باہر پھینک دیں اور پھر خود بھی کمرے سے باہر نکلا اور جھپٹ کر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

”خدا کی پناہ! مسکوں کے سامنے بیٹھی ہوئی زرتاج بگم نے

اپنی دونوں مٹکیاں پیچھے لیں۔ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی تھی۔ ایک سیدھا سادا انسان اتنا خطرناک نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ سوج ہی نہیں سکتی تھی کہ اختر اس طرح حالات پر قابو پالے گا۔ وہ کچھ دیر پہلے تک اختر کی طرف سے پریشان معنی اس مکان میں اختر کا راستہ روکنے کے لیے جتن کا کھیل کو مقرر کیا گیا تھا۔ وہ انتہائی بے رحم اور خطرناک لگتے تھے۔ لیکن اب اسے ان لوگوں کی سلامتی کی فکر ہو گئی تھی۔ اختر نے جس انداز سے ان پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی تھی کہ اگر ان میں سے کسی نے اختر سے مقابلہ کرنے کی حماقت کی تو وہ شاید اسے ادھر کر رکھ دے گا۔ زرتاج نے

اس سے پہلے انسانی فہارت اور خوشخبری کا ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا تھا۔ اس نے اپنی نگاہیں اس مسکین پر مرکوز کر دیں جس میں وہ منتظر اپنی پوری وضاحت کے ساتھ موجود تھا۔

اختر ابھی تک اس کمرے کے باہر کھڑا تھا جس میں اس نے پہلے دیکھا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ایک ٹھیک اس دروازے کی طرف اس طرح دیکھتا رہا جیسے اس کی نگاہیں دروازے کی حد کو پار کر کے دوسری طرف دیکھ رہی ہوں۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ لگ آئی۔ اور اس نے ایک رائفل اٹھائی۔ اور اس دروازے کی طرف اس کا رخ کر کے اچانک ٹیکر کر دیا۔ اور اسے ان رائفلوں میں معنوی گولیاں کھینچی تھیں۔ اس کے ہاتھ وہ اتنی پُر قوت گولیاں تھیں کہ ان کے چلنے سے ابھی تاحی آواز پیدا ہو سکتی تھی۔ اور اگر کسی انسانی جسم پر مارا جائے تو انسان کو زخمی بھی کر سکتی تھیں۔ اس کی رائفل سے چلی ہوئی گولی اس دروازے سے لگ کر چٹکتی تھی۔

اختر نے اپنے سر کو جھٹک دیا۔ جیسے اس کی کچھ میں نہیں آیا ہو کہ گولی نے اپنا کام کیوں نہیں کیا۔ پھر اس نے رائفل کو ادھر ادھر پلٹ کر دیکھا اور ایک طرف اچھال کر پھینک دیا۔ اس کمرے کے سامنے کچھ کرنا مشا دیکھنے والی زرتاج کے بدن پر چوٹیاں سی پڑنے لگی تھیں۔ کیا اختر کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ رائفیں معنوی گولیوں سے بھری ہیں۔ لیکن وہ زیادہ دیر تک اس موضوع پر سوچ نہیں سکی کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ اختر کی طرح دے پاؤں چلتا ہوا دروازے کے پاس پہنچ گیا تھا۔ زرتاج کی کچھ میں نہیں رہا تھا کہ آخر اختر کو کیا دکھائی دے رہا ہے۔ خود اس قسم کی فضا حرکتیں کیے جا رہا ہے۔ اس نے کچھ سوچ کر ایک دوسرے میں دبا دیا۔ اب

اسکریں ہراس کیسے کا اندرونی منظر تھا جس کمرے میں اختر نے ان محافظوں کو بند کیا تھا۔  
ان محافظوں میں سے ایک دروازے کے پاس کھڑا ہو کر اپنے ہاتھ میں دیے ہوئے خنجر کی لک کے ذریعے دھاک کی کندی پھرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ دوسرے بڑی توجہ اور دلچسپی سے اس کی اس جہد کو دیکھ رہے تھے۔  
اس دروازے کے بالکل اوپر ایک بالائی سی درختی جس کے اندر خنجر کی لک کو داخل کر کے دروازے کی کندی کو پیچھے کر آیا جاسکتا تھا۔

زرتاج نے جلدی سے پہلا ہٹن دیا۔ منظر بدلا اور اسکریں برابر اختر کے لگے۔ اختر جس وقت سے اس فہم پر روانہ ہوا تھا۔ دلچسپیاں اسی وقت سے شروع ہو گئی تھیں۔ وہ جتنی دیر اور ہوشیاری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس انداز نے ہر لمحے ایک نئی معنوی پیدا کر دی تھی۔ ہر لمحہ ایک نیا خوف۔ ایک نیا انداز۔ ایک نئی جرأت۔ ایک نئی کامیابی۔ اسکریں سے پہلے کوئی نہیں چاہتا تھا۔ اختر اس دروازے کے ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ اوپر اٹھا رکھا تھا۔ پھر اچانک وہ چلی کی سی تیزی کے ساتھ مڑا اور دوسرے ہاتھ سے کندی کھول کر اس نے اوپر اٹھاتے ہوئے ہاتھ سے اس آدمی کو کمرے سے باہر پھینک لیا۔ جو خنجر کی لک کے ذریعے کندی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو اتنی زور کا پھٹکا دیا تھا کہ وہ فٹ بال کی طرح اچھلا اور بعد سے زمین پر گر پڑا۔ اور اتنی دیر میں کہ زرتاج اپنی بلیکس تک جھپٹ سکتی اختر نے اس دروازے کو دوبارہ بند کر دیا تھا۔

”وہ ڈنڈر فل! زرتاج نے بے ساختہ تالیاں بجانی شروع کر دیں۔“ ویل ڈن اختر۔ ویل ڈن! اور اب دوبارہ اختر نے اس شخص کو دلوچ لیا تھا۔ وہ خنجر اس کے ہاتھ سے پہلے ہی چھوٹ کر ایک طرف جاگرا تھا۔ اختر اسے اتنی زور سے پھینک دیا تھا کہ اس کے لیے خنجر کو سنبھالنا محال ہو گیا تھا۔ اختر اس کے ساتھ کچھ عجیب بھی ہوتا رہا تھا۔ پھر جب اختر نے اس پر سبھی گرفت ختم کی تو وہ کسی مردہ جی کی طرح گر پڑا۔ اس کے اندر اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اپنے پیر دل پر کھڑا بھی ہو سکتا۔  
”ہاں اب بناؤ؟“ اختر غرایا۔ رائفلوں میں لٹکی گولیاں کیوں بھری گئی ہیں؟“

وہ آدمی گری گری گری سانس لینے لگا تھا۔ اس کے حواس اس کے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ اس کے باوجود اس کی آنکھوں اور اس کے چہرے کے تناظر نے یہ بظاہر کر دیا کہ اختر کا یہ سوال اس کے لیے بھی حیران کن تھا۔ اس کو بھی نہیں معلوم تھا کہ رانفلوں میں کیسی گولیاں رکھی گئی ہیں۔

”بتاؤ۔ رانفلوں میں معنوی گولیاں کیوں ہیں؟“ اختر پھر غریبا ٹھیک ٹھیک بتانا۔ درمدم ویکھ دیکھ پتے ہو کہ میں کیسا آدمی ہوں؟“

”میں۔ میں نہیں جانتا۔“ اس نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ ”میں سچ کہتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم خود میری سچے میں نہیں آ رہا کہ رانفلوں میں معنوی گولیاں کیوں رکھی گئی ہیں۔ تم یقین کرو۔“

”ہوں؟“ اختر نے ایک گری سانس لی۔ ”جلو نہیں کر لیا۔ اب یہ بتاؤ کہ اس مکان میں کتنے کرے ہیں اور ہر کرے میں کیا کیا چیزیں رکھی ہیں؟“

”اس میں بہت سے کرے ہیں۔“ اس آدمی نے رٹے ہوئے طوطے کی طرح بولنا شروع کر دیا۔ ”کوئی کرہ لائبریری کے طور پر استعمال ہوتا ہے کسی کرے کو خوب گاہ بنایا گیا ہے۔ مہربی بھی میں نہیں آتا کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کیا نہیں کسی خاص کرے کی تلاش ہے؟“

”ہاں۔ کیا یہاں کوئی ایسا بڑا کرہ بھی ہے جس میں کوئی زخمی یا بے ہوش انسان موجود ہے؟“ اختر نے پوچھا۔

اس آدمی نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

”بتاؤ؟“ اختر اس کی طرف ایک قدم بڑھ گیا۔ ”بتاؤ وہ کون سا کرہ ہے؟“

”ہاں۔ سائیک کرہ ایسا ہے؟“ اس نے جلدی سے کہا۔

”اس کرے میں ایک زخمی انسان موجود ہے۔ کم از کم ہمیں یہی بتایا گیا ہے۔ اور اس کی حفاظت کے لیے ہم کو یہاں رکھا گیا تھا۔ لیکن تم نے ہم سب پر قابو پایا۔ ہم کسی کو مرنے دکھانے کے قابل نہیں رہے۔“

”تیر۔ یہ سب باتیں چھوڑ دو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا ہوں کہ تم کو کون ہو نہیں یہاں اس نے رکھا ہے کیوں رکھا ہے۔ تم نہیں سمجھ اس کرے تک پہنچاؤ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں چاہتا۔“

”آؤ چلو۔“ وہ آدمی اپنے سر کو جھٹکنے لگا۔ وہ ابھی تک

فرش پر گر کر انہیں جھٹکا ہوا تھا۔ اختر نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر اس کا ہاتھ تھام کر ایک جھٹکے سے اسے اٹھا دیا۔ اس وقت بھی اس کی بے پناہ طاقت کا انہماک ہوا تھا۔ اس نے اتنی آسانی کے ساتھ اس لحیم خیم آدمی کو کھڑا کر دیا تھا۔ جیسے اس کے سامنے کوئی بچہ بیٹھا ہو۔

”تم بھی کہاں کے آدمی ہو دوست؟“ اس محافظ نے سناٹھی لگا ہوں سے اختر کی طرف دیکھا۔

”بس اب مجھ اس جگہ پہنچاؤ؟“ اختر نے کہا۔

زنتاج نے اپنی نگاہیں اس کیوں پر جمائیں۔ اس نے نہیں معلوم تھا کہ اس بڑے کرے میں اختر کے لیے ایک اندر آزمائش اس کا انتظار کر رہی ہے۔

دو دلوں کے بعد یہ لوگ رطاب ہو گئے۔ یہ پورا ایک قافلہ تھا جس میں نے شمار ترک اور دوسری گاڑیاں تھیں۔ ہر گاڑی میں دو چار آدمی موجود تھے۔ وکٹر جی شان سے سادہ کی بستی کی طرف روانہ ہوا تھا۔ لوں لٹکتا جیسے اس کی فوج کہیں حملہ کرنے جا رہی ہو۔ ٹرکوں پر نشہ اور اشیا کے علاوہ اچھا خاصا اسلحہ لدا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ جانے والوں میں سب کے سب گرنے کے غنڈے تھے جنہیں معاوضے دے کر اس نہر میں شامل کیا گیا تھا۔

سب سے اگلی جیب پر وکٹر دو آدمیوں کے ساتھ اس کی پچھلی جیب پر دو افراد کے علاوہ سادوں اور ریشم اس جیب کے بعد تھی ٹرک تھے۔ سب سے آخر میں ایک اور جیب بھی جو محافظت کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اس نے کچھ لوگ نیپٹری کی نگرانی کے لیے بھی چھوڑ دیے تھے۔

سادوں اس وقت معمول سے کہیں زیادہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے سے اس کی پریشانی اندازہ ہو رہا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ تم کچھ پریشان ہو گیا؟“ ریشم نے پوچھا۔

”ہاں؟“ سادوں نے گردن ہلا دی۔ ”میں سمجھا تھا کہ اس کے ساتھ حضور سے سے لوگ تباہی کے لیکن یہاں تو پورا فوج جا رہی ہے۔ اور میں اس قسم کے ہنگامے کے ساتھ میں داخل ہونا نہیں چاہتا۔ بستی ورنے میں ہے سب دیکھ کر جنگ برآمد نہ ہو جائیں۔ انہیں سمجھانا بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔“

”میں خود بھی ہر گھڑی رہی ہوں کہ اس کی حماقت۔“

ریشم نے کہا۔ کسی کو شک نہیں ہوتا ہو تو اسے شک ہوئے۔ اس قسم کے کام بہت خاموشی سے کیے جاتے ہیں۔ اور وہ پورا لاؤشکرے کر جا رہا ہے۔ یہ قافلہ فوراً ہی نگاہوں میں آ جاتے گا۔“

”اس نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ آخر اتنے آدمیوں کی ضرورت کیا ہے؟“ سادوں دھیرے سے بولا۔ ”میں نے اس سے معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بستی کے قریب پہنچ کر سب کچھ بتا دے گا۔“

”اگر اس سے نیپل جیننگ ہو گئی تو ریشم نے خدشہ ظاہر کیا۔“

”تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟“ یہ اس کا معاملہ ہے وہی ٹٹا رہے گا۔“

اس قافلے نے شام ہونے پر ایک جگہ بڑا ڈوکر لیا سادوں کی حیرت پر حسی ہی جا رہی تھی۔ بڑا ڈوکر ان لوگوں نے ٹرکوں سے خیمے اتارنا کر ہر طرف تعینات کر دیے اور ڈرامی دہریں خیموں کا شہر آباد ہو گیا تھا جن کے درمیان لوگوں کی آمد و رفت ہو رہی تھی۔ سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ سادوں کو کچھ عورتیں بھی دکھائی دے گئیں۔ ان میں سے بعض بعض تو بہت خوبصورت اور جدید لباسوں میں ملبوس تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس قسم کی اسمگلنگ کر رہا ہے جس میں عورتوں کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اور ان عورتوں کے رقبے سے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پلنگ کے لیے آئی ہوں۔ رنگ برنگ کپڑے۔ ٹیپ ریکارڈر۔ موٹیوی اور کھلنے پلنے کا بہت سا سامان۔ سادوں ان سب کو دیکھ دیکھ کر لکھا جا رہا تھا۔

مسٹر کے درمیان اس کی وکٹر سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ حالانکہ اس کی جیب سادوں کی جیب سے آگے ہی تھی۔ لیکن بڑا ڈوکر کر وکٹر اپنے آدمیوں کے درمیان چلا گیا تھا جبکہ ریشم اور سادوں ایک طرف آکر بیٹھ گئے تھے۔ یہ صورت حال سادوں کی طرح ریشم کے لیے بھی حیران کن تھی۔

”کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ سادوں نے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں۔ تمہاری طرح میں بھی حیران ہوں۔ وکٹر سے ایسی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کیا کرتا پھر رہا ہے۔ اور اس نے بہت سی عورتیں بھی متے کر لی ہیں۔ مجھے تو اب تک رہا ہے جسے ان عورتوں میں سے ایک کو میں بھیجنا تھی ہوں۔ دیکھ اس کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔“

سادوں گری گری گری لگا ہوں سے قافلے والوں کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ لوگ بڑی مہارت کے ساتھ خیمے لگانے میں مصروف تھے۔ ایک طرف آگ روشن کر کے کھانا پکانے کا انتظام بھی کر لیا تھا۔ ایک آدمی کچھ دیر کے بعد سادوں اور ریشم کے پاس آکر بولا۔

”اب لوگوں کے لیے بھی خیمے کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔“ اس نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اس میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔“

”سنو۔“ ریشم نے اس آدمی کے چلے جانے کے بعد اپنا کانک سادوں کا بازو پکڑ لیا۔ ”مجھ یاد آ گیا۔“

”نہیں نے کہا تھا نا کہ مجھے اس عورت کا نام یاد نہیں آ رہا ہے۔ لیکن اب اس کا نام یاد آ گیا ہے۔ وہ فلم کی ایک بہت اچھی فنکارہ ہے۔ لاؤ جی۔“

”اچھا؟“ سادوں نے حیرت سے اپنے ہونٹ سیٹھ لیے۔ یہ تو تم نے غیب بات بتائی کسی فلم کی فنکارہ سے وکٹر کا کیا تعلق؟“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا میرا خیال ہے کہ یہ بھی وکٹر کی کوئی چال معلوم ہوئی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اتنا کھینچا کر کیا ہوگا؟“

”چلو فی الحال اپنے خیمے میں چلتے ہیں؟“ سادوں نے کہا۔

”دیکھیں تو یہی خیمے کے اندر کیا کیا ہے؟“

اور خیمے کے اندر بھی بہت کچھ تھا۔ دو دو لیٹر۔ میز۔ دو کرسیاں۔ میز پر تھکاس میں پانی اور ضرورت کی کچھ اور چیزیں۔

”یہ تو کامل ہو گیا۔“ ریشم جاہلوں طرف دیکھتی ہوئی بولی پھڑکے پاس اتنی دولت کہاں سے آتی؟“

”دیکھو۔ تمہیں یہ دو میں ذرا حالات معلوم کرنے کی کوشش کرنا ہوں؟“ سادوں نے کہا۔ ”میرے چلنے پھرنے بڑے کوئی پابندی نہیں ہے۔“

”نہیں۔ میں اس کیل نہیں رہوں گی۔“

”ادھ۔ ہو۔ تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ جب تک وکٹر کو میری طرف سے فائدے کی امید ہے۔ وہ اس وقت تک تم پر ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ دن بھر کے خطرے کے بعد تم کو گئی ہوگی۔ دیکھ تو میں خود بھی تنگ کیا ہوں۔ لیکن اس ہر ورن کی یہاں موجودگی نے مجھے بھی انجان میں ڈال دیا ہے۔ میں کوشش کرنا ہوں کہ کہیں سے کوئی سراغ ہاتھ لگ جائے۔“

رہا کہ اس خیمے میں چھوڑ کر سادوں باہر گیا۔ قافلے والے ابھی تک اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ اس کی طرف کسی نے دھیان نہیں دیا۔ وہ عیسوں اور لوگوں کے درمیان چلتا رہا۔ یہ بڑا ذہین و غلام بودہ بنایا گیا تھا۔ اس کے چاروں طرف وہ ٹھک اور چپ کھڑے کر دیئے گئے تھے جن کے ذریعہ یہ قافلہ یہاں تک پہنچا تھا۔ اس طرح اس وسیع و عریض میدان میں ٹھکوں اور چیمپوں کا ایک بڑا سادہ دارنہ بن گیا تھا جس کے اندر خیمے لگا دیئے گئے تھے۔ ٹھکوں اور چیمپوں کے حصار کے باہر یقیناً میرے داروں کو مقرر کیا گیا ہوگا۔ اسی لیے سادوں کو کسی نے نہیں روکا تھا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ ٹھکوں اور چیمپوں کے حصار سے باہر نہیں جاسکے گا۔ وہ چلتے چلتے ایک خیمے کے پاس ہر گز گھبراہٹ کے اندر سے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں آ کر ہی نہیں اس نے جس سے جھپو کر اپنے کان خیمے کی دیوار سے لگا کر اندر اندر ہونے والی گفتگو سننے لگا۔ اس کے اندر دو آدمی ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

”ہم نے شیڈول بہت ٹائٹ رکھا ہے جناب! ان میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا، بس جانتے ہی کام شروع ہوتا ہے گا اور ایک جینے کے اندر ختم“

”میں بھی یہی جانتا ہوں بھائی! یہ دوسری آواز بھی۔“

”کیونکہ ہر دو گھنٹہ زیادہ خرچ برداشت نہیں کر سکتی ہے۔ ایک جینے میں تمام ڈسٹ فور مکمل کر لینا“

”فکرت کریں۔ یہ ہوتا ہے گا۔ پہلے نہ کہا اسی لیے تو میں سارا ڈسٹ ساتھ لیتا آتا ہوں“

سادوں خیمے کی دیوار سے الگ ہٹ گیا۔ یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آخر یہ لوگ کون تھے۔ وہ کونساں ساتھ کیسے آدھوں کو لایا تھا جو ہر دو گھنٹہ اور ڈسٹ و فور وغیرہ کی باتیں کر رہے تھے۔ اصولاً تو انہیں اسمگلنگ اور رشیات کی باتیں کرنی چاہیے تھیں۔

سادوں اس خیمے سے آگے بڑھ گیا۔ اب زیادہ تر خیمے نصب کیے جا چکے تھے۔ پھر اسے وہ ٹھک دکھائی دے گیا جو کسی آدمی سے ایک طرف کھڑا ہو کر باتیں کر رہا تھا۔ سادوں ایک کمراس کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ذہن میں خلیفہ شہزادہ ہوا تھا۔ وہ ٹھک سے آگے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں گئی۔ اس نے اپنے ساتھ والے آدمی کو رخصت کیا۔ اور سادوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا بات ہے خیر تو ہے۔ تم پریشان محسوس رہے ہو؟“

”نہیں۔ میں پریشان نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ مجھے تیرانی ہو رہی ہے۔“

”ادھر، وکٹر ہنس بڑا! تم یقیناً اس لادشکر کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہو گے۔“

”ہاں۔ اور میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم میری بستی کی طرف اتنی بڑی فوج لے کر کیوں جا رہے ہو۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ بستی والے مجھ سے بھی بدگمان ہو جائیں؟“

”نہیں۔ بلکہ یہ سب کچھ ان کی بدگمانی و دور کرنے کے لیے ہے۔“

”مطلب یہ کہ یہ سارا سامان اور قافلہ جو تم دیکھ رہے ہو وہ صرف میرے آدھوں کا نہیں ہے بلکہ یہ ایک فلم ڈسٹ ہے جو فلم کی شوٹنگ کے لیے جا رہا ہے۔“

”ادھر! سادوں نے ایک ٹھکری سانس لی۔ کسی حد تک یہ بات میری سمجھ میں بھی آ رہی تھی۔ لیکن اس سے کیا فائدہ؟ اس سے بہت فائدہ ہے ہوں گے فلم والے اپنا کام کرتے رہیں گے اور ہم اپنا۔ اس ڈسٹ کی وجہ سے کسی کو شک نہیں ہوگا کہ ہم کہاں رہے ہیں اور ہماری بستی کی طرف آنے کا مقصد کیا ہے۔ اس فلم کی شوٹنگ کے لیے باقاعدہ اجازت لے لی گئی ہے۔ وہ یہ جا رہے بہت دنوں سے کسی لوکیشن کی تلاش میں تھے۔ تو اتفاق سے مجھ سے ملاقات ہو گئی اور میں نے انہیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دے دی۔ اس طرح یہ قافلہ میرے ساتھ چل رہا ہے۔“

”تم بہت تیز آدمی ہو وکٹر! سادوں نے اس کی آنکھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔“

”میں کیا معلوم کر میں کتنی بڑی تنظیم چلا رہا ہوں بڑا اپنے ذہن کی مدد رکھوں تو بہت جلد تیار ہو جاؤں۔ اب تم دیکھو وکٹر اور اگر تم کو اس فلم کی ہیروئن لانا چاہیے تو تمہاری ملاقات کرادوں۔“

”نہیں۔ میرے لیے ایک رہیا کافی ہے! سادوں نے کہا۔“

”ادھر رہیا میں تو اسے بھولی ہی گیا تھا۔ اس نے تمہارا واس پکڑ لیا ہے۔ نہ جانے کیوں اس نے یہ سمجھ لیا کہ میں زبردستی اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہوں۔ بے وقوف! اگر وہ سے کہتی تو میں خود اسے جانے کی اجازت دے دیتا۔ کیونکہ اس کی طرف سے مجھے کوئی خطرہ تو ہے نہیں۔ وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ یاد رکھو اگر زندگی میں کامیابی حاصل کرنا

ہے تو ایسے کرداروں کو اپنے واسن کی گرد بکھا کرو۔ آگے بڑھے اور بے پروائی سے جھاڑ دیا۔ بس اس کے علاوہ ان کی اندر کوئی حقیقت نہیں ہے۔“

سادوں ٹھکری نکا ہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا کہ وہ دیر بعد وہ اپنے خیمے میں پہنچا تو رہیا اس کے انتظار میں تھی۔

”تم نے اتنی دیر لگا دی! وہ جلدی سے اس کے پاس آئی۔“

”مجھے تو خوف محسوس ہونے لگا تھا۔“

”تمہارا اندازہ درست تھا رہیا! سادوں بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ وہ لڑکی لاجوتی ہی ہے۔ وکٹر فلم کی کسی لوٹ کو لوکیشن کے رہانے ہماری بستی کی طرف لے جا رہا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس طرح کسی کو شک نہیں ہوگا۔ فلم بھی بنی رہے گی اور اس کا کام بھی ہوتا ہے گا۔“

”میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ اس نے یقیناً کوئی ایسا پتہ چلا دیا ہوگا۔“ رہیا نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ ”کیا میرے بارے میں پوچھ رہا تھا؟“

”نہیں۔ تم اب اس کے ذہن سے نکل گئی ہو۔ تمہیں آزادی ملی ہے۔“

”میں سمجھتی ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے یہ خیال آ رہا ہے کہ میرے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ صرف ہکا ہے۔ تم خود سوچو مجھے اتنی آسانی سے کہاں جانے دے گا۔ میں اس کے ساتھ رہی ہوں۔ اس کے شمار رازوں اور کارناموں سے واقف ہوں۔ پھر وہ کس طرح یہ گوارا کرے گا کہ میں اس کی چنگل سے آزاد ہو کر کہیں چلی جاؤں نہیں سادوں۔ تم وکٹر کی فطرت سے واقف نہیں ہو۔ ایسے لوگ نرم دل نہیں ہوتے جیسا وہ خود کو ظاہر کر رہا ہے۔“

سادوں بھی سوچ میں پڑ گیا۔ رہیا کی بات میں وزن تھا۔ وہ لڑکا تو ایسا آدمی نہیں تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ رہیا کو جانے کی اجازت دے دیتا۔ یقیناً اس نے رہیا کے لیے کوئی بات سوچ رکھی ہوگی۔ اور اس وقت کا انتظار کر رہا ہوگا۔ جب تک اس کا کام ختم ہو جائے۔ وہ بھی صرف سادوں کی وجہ سے خاموش تھا۔

”تم گمراہ کر دو! سادوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں نے ایک ترکیب سوچ لی ہے۔ میں انہیں شہر فرار کروادوں گا۔“

”وہ کس طرح؟“ رہیا نے دلچسپی سے پوچھا۔

”اے آدمیوں کے ذریعہ۔ اپنی بستی میں پہنچ کر مجھے طاقت حاصل ہو جائے گی۔ میرے آدمی نہیں شہر کے باشندے گے۔ جہاں نہیں ایک مکان میں پہنچا دیا جائے گا جس کا علم وکٹر کے رفیقوں کو بھی نہیں ہوگا۔ تم وہاں رہو گی پھر میں ہی تم سے آکر مل لوں گا۔“

”ہاں یہ ٹھیک رہے گا۔ ایک نئی امید سے رہیا کا چہرہ چمک اٹھا۔“

خیمے کے دروازے پر اسی وقت کسی کے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دونوں جو تک کر دوڑنے کی طرف دیکھنے لگے۔ لاجوتی دوڑتی ہوئی خیمے میں داخل ہوئی۔ اس سے پہلے کہ دونوں اس سے کچھ کہہ سکتے وہ مدھال ہو کر ایک طرف گریختی تھی۔

بدینی کو گمان بھی نہیں تھا کہ پولیس اس میں دلچسپی لینے لگی۔

پرویز نے بدینی کا پتا معلوم کر لیا تھا۔ پانڈے اسے یہ بتا چکا تھا کہ وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ دھجی جاتی رہی ہے جو اس زخمی میں دلچسپی لے رہا تھا۔ اور جس نے ایک دفعہ ہسپتال میں آکر اس زخمی کو اپنا بھائی ظاہر کیا تھا۔ پہلے تو پرویز نے یہ سوچا کہ وہ بیلہ کی دے ذریعہ بدینی کو گھیرنے کی کوشش کرے۔ پھر اس نے اپنا یہ ارادہ تبدیل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اب اس کام میں دیر کر رہا تھا۔ اسے اپنی یہ کارروائیاں تیز کر دینی تھیں۔ اسی لیے وہ براہ راست ہی بدینی کے کمرے پر پہنچ گیا۔ پھر ہسپتال ہی کے اجالے میں عقبی سمت واقع تھا۔ بدینی اپنے سامنے ایک پولیس آفیسر کو دیکھ کر بڑی طرح گھبرا گئی تھی۔

”پریشان نہ ہوں شرمی جی! پرویز نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔ میں آپ کو کسی گھنٹہ میں ڈالنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ آپ سے کچھ باتیں کروں گا۔ اس کے بعد پولیس ہو جاؤں گا۔“

”آہاں آپ آئیں اندر آ جائیں۔ بدینی جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی۔“

پرویز نے اندر آ کر ایک کرسی منتخب کی اور اس پر بیٹھ کر گہری نگاہوں سے بدینی کو دیکھنے لگا۔ بدینی کے بارے میں اس کا اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ واقعی ایک حسین لڑکی تھی۔ اور ایسی لڑکی کے لیے پانڈے جیسے آدمی کی دلچسپی اور از قیاس نہیں تھی۔

”درا جائے۔ میں آپ کی کیا سیدھا کر سکتی ہوں؟“ پدمنی بڑے سچے ہوئے انداز میں اس سے بولی۔ اس دوران وہ اس کے سامنے والی کرسی پر گر پڑی۔

”میں تم سے صرف یہ پوچھنے آیا ہوں کہ رجن سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟“ پر دینے کہا۔ نام اس کے ذہن میں پتلاں آ گیا تھا۔

”کون رجن؟“ پدمنی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

”وہ ایک بہت بڑا آدمی ہے۔ اب تک کسی آدمیوں کو قتل کر چکا ہے۔ پچھلے دنوں ہی وہ سون پور کی جیل سے فرار ہوا ہے۔ اور ہماری اطلاع کے مطابق وہ تمہارے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ تم دونوں کبھی بار ایک ہو مل میں ایک ساتھ دکھائی دیے ہو؟“

”کیا؟“ خوف سے پدمنی کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کی آنکھیں پٹی ہو گئی تھیں۔ تو اس کا نام رجن ہے۔ لیکن اس نے تو یہ ”ہاں“ کیا کیا بتایا تھا اس نے؟“ پر دینے کی طرف جھک آیا۔

”اس نے اپنا نام دشو بتایا تھا؟“ پدمنی بول پڑی۔ اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ کوئی ڈاکو یا قاتل ہے تو میں کسی اس سے نہیں ملتی، پدمنی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”پر وہ بڑا ہی دل میں مسکرا دیا اس کی ترکیب کا کیا رہی تھی۔ پدمنی نے خود ہی اس شخص کے بارے میں سب کچھ دیکھا تھا۔

”ٹھیک ہے پدمنی جی؟“ اس نے کہا۔ تم اپنے آپ کو سناں لو میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں نہیں بریلیان کرنے کے لیے نہیں آیا اس لیے اتنا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم مجھے یہ بتا دو کہ اس شخص سے کیسے اور کہاں تمہاری ملاقات ہوئی تھی؟“

پدمنی نے اسے دشو سے ملنے کا پورا واقعہ بتا دیا۔ پر دینے بڑے غور سے اس کی داستان سننا رہا تھا۔

”بہت خوب؟“ پدمنی کے خاموش ہو جانے کے بعد اس نے ایک گہری سانس لی۔ ”کیا اس زخمی کے غائب ہوجانے کے بعد تمہیں یہ خیال نہیں ہوا کہ شاید اس دشو ہی نہ اسے غائب کر دیا ہو؟“

”میں نے ایک آدھ بار ایسا سوچا تھا؟“ پدمنی نے کہا۔

”لیکن وہ زخمی جس وقت غائب ہوا اس وقت دشو میرے ساتھ ہی ہوا تھا؟“

”ہوئی بات نہیں ہوئی۔ یہ کام اس نے اپنے آدمیوں سے کروایا ہوگا۔ ایسے لوگ براہ راست کسی معاملے میں ملوث نہیں ہو کرتے۔“

”لیکن وہ زخمی۔ میرا مطلب ہے کہ اس زخمی سے اس کا کیا تعلق تھا؟“

”جی تو وہ سوال ہے جس کا جواب ہمیں تلاش کرنا ہے؟“ پر دینے نے کہا۔ کیا تم نے اس دوران یہ بتا جانے کی کوشش نہیں کی کہ دشو کون ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ کیونکہ وہ تو ایک بڑا سرگردان کرشمہ ہے سامنے آتا تھا؟

”ہاں۔ اسی لیے تو میں نے اس کا کھوج لگانے کی کوشش کی تھی؟“ پدمنی نے جواب دیا۔ ”میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے؟ کہاں رہتا ہے؟ حالانکہ میں ایک ٹرس ہوں۔ یہ سب برا کام نہیں ہے لیکن خستہ کامداد کو شخص میں مجھ پرنا ہے اسی لیے ایک دن میں نے اس کا تعاقب کیا تھا؟“

”پھر کیا ہوا؟“ پر دینے نے سامنے کرسی سے کھڑا ہو کر دیکھا۔

”کہا تم نے اس کا پتا چلا لیا؟“

”ہاں؟“ پدمنی نے اپنی گردن ہلا دی۔ ”مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں رہتا ہے؟“

”کیا؟“ پر دینے نے اس کے پاس آگیا۔ ”شاید تم نے کمال کر دیا۔ بتاؤ کہاں ہے اس کا مکان؟“

”مومن روڈ پر؟“ پدمنی نے جواب دیا۔ ”میرے خیال میں وہ کوئی گودام ہے۔ جہاں میں نے کبھی ٹرک ہی ٹرک کھڑے جوتے دیکھے تھے؟“

”تم واقعی بہت غفل مند لڑکی ہو؟“ پر دینے نے اسے بولا۔ ”کیا تم مجھے وہ دکھا سکتی ہو ابھی اسی وقت؟“

”کچھ دیر بعد میری ڈیوٹی شروع ہونے والی ہے جناب؟“ پدمنی نے بتایا۔

”تم اس کی فکر مت کرو میں ڈاکٹر ہمیش سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ آج کے لیے تمہیں رہا کر دے۔ پس اب جلدی سے اٹھ جاؤ۔ ہمارے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے؟“

”لیکن میری آپ سے ایک درخواست ہے جناب؟“ پدمنی نے کہا۔

”آپ مجھے اس کے سامنے نہیں لائیں گے۔ دیکھیں نا وہ چاہے قاتل ہو یا ڈاکو ہو۔ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ میرا احترام کرنا ہے۔ اس لیے جب میں ایک خبر کے روپ میں اس کے سامنے

پہنچوں گی تو اس کے دل پر کیا اثر کرے گی میں ایک ٹرس ہوں۔ برا کام دوسروں کے درد کو ختم کرنا ہے۔ ان کے درد کو ٹھکانا نہیں ہے؟“

”میں سمجھ گیا۔ پر دینے مسکرایا۔ ”تم واقعی ایک اچھی ٹرس معلوم ہو رہی ہو۔ اس لیے تمہاری خواہش کا احترام کیا جائے گا؟“

”یوں کھانے کے سفر کے بعد، لوگ مومن روڈ پہنچ چکے تھے۔ راستے میں ایک جگہ سے پر دینے نے ڈاکٹر ہمیش کو فون کر کے پدمنی کے بارے میں بتا دیا تھا۔ یہ سفر دینے کی جیب میں ہوا تھا۔ اس وقت پدمنی اور پر دینے کے علاوہ اس جیب میں اور کوئی نہیں تھا۔

”میں نے اس دن اس گودام میں بہت سے آدمیوں کو دیکھا تھا۔ پدمنی نے بتایا۔ اس لیے میرے خیال میں آپ کا تہنا چاہنا نہیں ہوگا؟“

”فحوت کر دے میں ابھی گودام میں داخل ہونے نہیں جا رہا۔ پر دینے نے کہا۔ میں صرف اس کھانے کو ایک نظر دیکھ لینا چاہتا ہوں؟“

پدمنی خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اس نے رائے بنانا شروع کر دیا۔ ٹھیک ہے۔ اب یہاں سے سوڑ لیں۔ اس جگہ سے بائیں طرف چلیں گے۔ اور ہاں۔ یہ ہے وہ گودام پر دینے نے اس گودام کے سامنے گاڑی روک دی اس وقت صرف اس پورے علاقے میں سناٹا چھوڑا تھا بلکہ گودام کے اس پاس بھی بڑی ویرانی تھی۔ گودام کا پڑا کٹ کھلا ہوا تھا۔ لیکن گودام کے اچانے میں بھی خاموشی تھی۔ وہ دو بہت دیر تک جیب میں بیٹھے ہوئے گودام کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن انہیں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس گودام کو خالی کر دیا گیا ہو۔

”میرا خیال ہے کہ اس گودام کو آج کل استعمال نہیں کیا جا رہا۔ پر دینے نے کہا۔

”ہاں۔ مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے؟“

”اسی لیے اب خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں اس گودام کا تازہ لے لینا چاہیے؟“

”اس سے پہلے کہ پدمنی کچھ کہہ سکی۔ پر دینے نے اپنی جیب گودام کے کھلے ہوئے گیت کی طرف دوڑا دی۔

مرد اور چوہان ان تینوں کو اس سال میں واپس لے گیا۔ اقبال کے اندام میں اب سیٹل جیسی بے پروائی تھی کچھ دیر پہلے تک وہ انتہائی چونکا پھرتا اور خند خود

رہا تھا۔ لیکن اب صورتحال اچانک تبدیل ہو چکی تھی۔ یہاں دشو اور بلراج تھے۔ اور جب وہ دونوں مطمئن تھے تو پھر اس کے پریشان ہونے اور فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ سب بال میں اگر بیٹھے گئے۔

”تو یہ تمہارا ساتھی ہے؟“ مرد اور چوہان نے اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اس کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی؟“ وہ کس طرح؟“ دشو نے پوچھا۔

”تم نے سنا ہوگا کہ ایک آدمی لا کر کہا تھا کنگا بھی آگ لگ گئی ہے۔ تو ہمارا گودا ڈور ڈھسے ناک پھٹی میں آگ کا مطلب ہے۔ ہوا کہ کوئی اجنبی ہماری حدود میں داخل ہو گیا ہے۔ میں نے اسی وقت باہر نکل کر اپنے آدمیوں کو تمہارے اس دوست کے لیے روانہ کر دیا تھا۔

”ہوں۔ اب سمجھا؟“ دشو نے ایک گہری سانس لی۔

”خیر تو اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”وقت کا انتظار کر رہا ہوں یا چوہان نے کہا۔ میں غافل نہیں ہوں اور نہ ہی مطمئن ہو گیا ہوں میں نے اپنے آدمی اور دھڑر واد کر دیے ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہوگا کہ ہمارے آدمیوں کی معلومات کتنی درست ہوتی ہیں۔ دوسرے طرح تمہارے بارے میں سب کچھ معلوم کر آئے ہیں ابی طرح مجھے یہ بھی پتا چل جائے گا کہ وہ ٹرک کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ کہاں سے حملہ کرے ہیں۔ ان کا وہ کہاں ہے اور ان کی تعداد کتنی ہے۔ جب یہ سب ہمیں معلوم ہو جائے گا تو اس کے بعد ہمارے خلاف بہت کچھ کر سکیں گے۔

”اور اس وقت تک تمہارا کیا ہوگا؟ بلراج نے تنگ کر لیا۔ ”کیا ہم لوں ہی ہاتھ پر یا ہتھ دھرے بیٹھے رہیں گے؟“ اقبال نے چونک کر بلراج پھر دشو کی طرف دیکھا پھر خاموش رہا۔ یہاں کے معاملات ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ لیکن بلراج کے اس سوال نے اس کے ذہن میں خطے کی کھٹیاں بجا دی تھیں۔ اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ شاید لوگ یہاں پا بند کر دیے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ چوہان نے کہا۔ میں تمہیں جانے کی اجازت اس نے نہیں دوں گا کہ تم ہمارے کام آسکتے ہو۔ اور اب تمہارا ساتھی بھی تم میں اگر شامل ہو گیا ہے۔ جو خود بھی بہت دلیر معلوم ہوتا ہے۔ لہذا ہم تمہارے تجربوں سے فائدہ اٹھائیں گے تو عدلیہ ہم اور کامیاب ہو جائے گی؟“

”اگر ہم جانا چاہیں تو لیا تم ہمیں روکنے کی کوشش کر مگے؟“

دشمن نے گہری نگاہوں سے بلراج کی طرف دیکھا جو چوہان سے بحث کرنے میں لگا ہوا تھا۔ لیکن اس نے بلراج کی بات میں دخل نہیں دیا۔ اس سے بات ظاہر ووری نہ تھی کہ بلراج جو کچھ کہہ رہا ہے وہ دشمن کو سوجھ سے الگ نہیں ہے۔ جبکہ اقبال بالکل خاموش تھا۔

”ہاں۔ میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ تمہیں جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔“ چوہان نے کہا۔ ہماری آدنی تمہارا رستہ روک لیں گے۔“

”اگر ہم چلے ہی جائیں تو پھر کیا ہو گا؟“

”میں نے کہا نا کہ تم لوگ کامیاب سے نکلنا نا ممکن ہے۔ ہمارے آدمیوں کے علاوہ یہاں چاروں طرف خوف کئے منڈلا رہے ہیں۔ جو دیکھتے ہی دیکھتے تمہیں پھانسی رکھ دیں گے۔“

اقبال ایک جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہیں چوہان کی طرف پڑی ہوئی تھیں۔

”تمہیں اقبال نہیں؟“ دشمن چیخ اٹھا۔ ”کچھ مدت کرنا بیٹھ جاؤ۔“

اقبال نے گہری نگاہوں سے ان لوگوں کی طرف دیکھا پھر ایک جھٹکے سے بیٹھ گیا۔

”تمہاری دلیری اور مہارت میں کوئی شک نہیں جو ان چوہان اقبال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ تم نے کچھ دیر پہلے مجھ پر قابو بھی پایا تھا۔ لیکن وہ جگہ مختلف تھی۔ صورتحال مختلف تھی۔ لیکن اب ایسا نا ممکن ہے کہ اچھا ہو کہ تم بیٹھ چکے ہو۔ ورنہ اس ہال کی ہر دیوار سے گولیاں بارش کی طرح برسے لگتیں۔“

اقبال نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ پھر پہلو پر کر رہ گیا۔ چوہان نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا ورنہ دشمن اٹھنا پریشان نہیں ہوتا۔

”ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہاں کتوں کی پوری فوج موجود ہے۔ جو صرف دو آدمیوں کا حکم ملتے ہیں ایک میں اور دوسرا نا گاہی تو تم لوگ دیکھ ہی چکے ہو کہ با تم لوگ اسے دیکھا بند کر دے۔“

دشمن نے کچھ نہیں کہا۔ اقبال اور بلراج بھی خاموش رہے تھے۔ چوہان نے اپنے ایک آدنی کو بلا کر ناکامانی اس آدنی کو طلب کر لیا۔

ناگ آتا تو اسے دیکھ کر دشمن کی بے پروائی رحمت ہو گئی تھی۔ وہ اتنا ہی خوفناک آدمی تھا کسی جنگی جھٹکے کی طاقت اور اس کا چہرہ ایسا تھا جیسے کسی آدنی کی گردن پر بھیڑیے کا چہرہ لگا دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کے جسم سے بدبو بھی اٹھ رہی تھی جو کتوں کی جنت کا نتیجہ ہو سکتی تھی۔ وہ کسی شنی انسان کی طرح چوہان کے سامنے آ کر جھک گیا۔

”ناگ! چوہان نے اسے مخاطب کیا اب سیدھے کھڑے ہو کر ان ہمالوں کو دیکھو۔“

اس نے سیدھے کھڑے ہو کر اپنی خوفناک نگاہیں ان پر مرکوز کر دیں۔ اس کی آنکھوں سے شعلے پکٹتے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ تمہاری اولادوں کی موجودگی میں یہاں سے نکل جائیں گے چوہان نے کہا۔

اس شخص نے اپنے ہونٹ کھینچ لیے۔ پھر ہونٹ پھیلا کر اپنے دانتوں کی نمائش کرنے لگا۔ اس کے دانت کسی بھیڑیے کے دانتوں کی طرح سفید سفید اور اندر کی طرف مڑے ہوئے تھے۔ ہاں ان کتوں کو ابی اولاد بچتا ہے۔ چوہان نے ان تینوں کو رہا دیا اور بڑا بڑا طاقت ور ہے کہ اگر با کچھ کو بھی اپنی گرفت میں لے لے تو وہ بھی اس سے جان نہیں چھڑا سکتا۔ یہ ابھی نہیں اپنی طاقت کا مظاہرہ دکھانے لگا۔

چوہان کے اشارے پر ناگ نے ایک دیوار سے لٹکی ہوئی پیتل کی ایک بڑی سی مثال اٹار لی۔ اب وہ تینوں بڑے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنے دونوں انگلیوں سے مثال کے کنارے پر ہلے اپنی سانسیں روکیں اور ایک زوردار آواز نکالتے ہوئے اس مثال کو گاہ کے کسی پڑے کی طرح پھاڑ کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ اس کی طاقت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ چوہان نے اس کے بارے میں جی ہی کہا تھا۔ وہ اگر واقعی کو بھی پکڑ لیتا تو شاید وہ بھی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ سب ہی اس کی طاقت دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اقبال بھی پہلو ہلنے لگا تھا۔ جبکہ بلراج کے جسم پر ہلکی کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ لیکن دشمن کا وہ ان دونوں مختلف رہا تھا۔ وہ اگر پریشان بھی تھا تو اس نے اپنی پریشانی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

”ناگ! چوہان نے ایک سرگاہٹ کے ساتھ اسے مخاطب کرتے ہوئے ان تینوں کی جانب اشارہ کیا۔ اب ذرا ان ہمالوں کو ان کے کروں میں پہنچا دو۔“

ناگ نے اپنے دانت نکال دیے۔ اس حکم کو سن کر شاید سے دلی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں بازو پھیلائے اور دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھنے لگا۔ اقبال پر کھڑا ہو گیا۔

”تمہیں اقبال؟“ دشمن نے اسے منع کر دیا۔ تم کچھ مدت کرنا سے میری طرف آنے دو۔“

ناگ کسی پھوپھے ہوئے ساند کی طرح ان دونوں کی طرف دھڑک رہا تھا۔

اس پھوپھے ہوئے مضبوط ترین اور تندہ انسان کی آنکھیں چری ہوئی تھیں۔ اور ان سے فون فانی ایسی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے واقعی کوئی سانپ ہی پھینک رہا ہو۔ اس کے دونوں بازو ان دونوں کو ہمیں دینے کے لیے پھیلتے ہوئے تھے۔ بلراج بولکھا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ خوفزدہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ لیکن اس وقت اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے وہ اس شخص کی طاقت کا مظاہرہ دیکھ رہی تھا۔ اس نے اسے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کے جسم کا کوئی بھی حصہ اس سے بچے ہوئے شخص کی گرفت میں آگیا تو وہ اسے مر رہا کر دے گا۔ اور اس سے بچاؤ کی یہی ترکیب تھی کہ اس کی گرفت کے دائرے سے دور رہا جائے۔ اپنے آپ کو اس کے پھیلتے ہوئے ہاتھوں کی زد سے بچا لیا جائے۔

”جلو بھاؤ باس۔“ وہ حلق بھاڑ کر چلا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک طرف جھلانگ لگا دی تھی۔ اقبال نے بھی غیر ارادی طور پر اس کی پیروی کی تھی۔

دشمن بھی کھڑا ہو گیا تھا۔ لیکن وہ بلراج کی طرح بولکھا ہوا نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو پرسکون رکھا تھا۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے ناگ کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے بھی یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اگر با کچھ بائی تک نوبت پہنچی تو وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اس وقت اس کا ذہن بڑی تیزی سے سمجھنے میں مصروف تھا۔

بلراج نے یہ محسوس کرنے کے بعد کہ دشمن نے اس کے مشورے پر عمل نہیں کیا تھا۔ چیخ بول کر شروع کر دی۔ وہ دشمن کو اس شخص کے سامنے سے ہٹا لینا چاہتا تھا۔ لیکن دشمن اس کی چیخ و پکار پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔ اس کی نگاہیں ناگ پر پڑی ہوئی تھیں۔

ناگ پھینکنا ہوا دشمن کے پاس آیا۔ اور دشمن نے اچانک اپنے سامنے رکھی ہوئی میز کو ٹھوکر مار دی۔ یہ ٹھوکر اتنی زوردار تھی کہ وہ میز پوری قوت کے ساتھ ناگ سے جا ٹکرائی لیکن

جس قوت سے وہ میز ناگ کو لگی تھی اسی قوت کے رعب کے طور پر وہ میز درمیان سے آدھی ہو گئی۔ ناگ کے ولادی جسم نے اس میں کچھ بھی جھٹکے کر دیے تھے۔ اب پہلی بار دشمن کے چہرے پر تشویش کے آثار پیدا ہونے لگے۔ اس نے اپنی گردن ہٹا کر ادھر ادھر دیکھا۔ نچ لکھنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ناگ کی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی جبکہ اس سے کچھ فاصلے پر چوہان کھڑا ہوا تھا۔ اندازے سے کہتا رہا تھا۔ اور چوہان سے الگ بلراج کھڑا تھا۔ جو دشمن کے والی قیامت کے خوف سے سوکھے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ اگر اس کے بس میں ہوتا تو وہ چوہان کو قابو میں کر کے اس سے کہتا کہ وہ ناگ کو کچھ کا کچھ دے۔ لیکن اس طرح کہے میں چوہان کے کچھ سلسلہ سلسلے بھی موجود تھے جو بلراج کی دلچسپی پیش قدمی پر اسے گولی مار سکتے تھے۔

دشمن نے آخری کوشش کے طور پر ناگ کے پیٹ میں اچانک ایک ٹھوکر سید کر دی۔ لیکن خود ہی تڑپ کر رہ گیا۔ ایسا فیس ہوا جیسے اس نے ٹوٹ پوسٹ کے کسی انسان کو نہیں بلکہ لوبہ کی کسی دھان کو ٹھوکر ماری ہو۔ اس کا پیر جھنجھکا کر رہ گیا۔ درد کی ایک لکیر سی اس کے ہلوسے بدن میں دوڑی چلی گئی۔ ناگ کی پھینکنا راتیر ہو گئی اور اس نے ڈھٹو کا ایک ہاتھ پکڑ کر اسے جھٹکا دے دیا۔

دشمن کی فٹ بال کی طرح اٹا ہوا سامنے والی ایک دیوار سے ٹکرایا۔ اس نے خود کو سنبھالنے کی ہمت کوشش کی تھی۔ لیکن ناگ کی بے پناہ قوت کے سامنے وہ ایک مٹی کی تنکے کی طرح ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کے دیوار سے ٹکراتے ہی بلراج پوری قوت سے چیخ بڑھا تھا۔ اس نے اپنے باس کی طرف دوڑنا چاہا لیکن اسی وقت چوہان کے کچھ سلسلے اس کی راہ میں آئے اور اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ چیخ دنا بکھار رہا تھا۔

ابھی اس حرکت کے بعد ناگ سامنے لگا۔ اس کی ہنسی بھی اتنی ہی خفاں تھی جتنا خود اس کا وجود پھر وہ پہلے ہی کی طرح اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے دشمن کی طرف بڑھنے لگا۔ دشمن نے اچھی تک فرس پڑھا ہوا تھا۔ دیوار سے ٹکرانے کے عمل نے اس کے ہوش اٹا دیے تھے۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ سر کے بل نہیں جھکایا ورنہ اس کی کھوپڑی کئی حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوتی۔ وہ اپنی کر کے بل جھکایا تھا۔ اسی لیے اس کی کمریس چوٹ اٹھ گئی۔

دشمن فرس پڑھا ہوا گہری گہری سانسیں لیتا رہا



اس دوران ناگاپھر اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس بار اس کے قدموں کی آہٹ پلٹے ہی دشمنوں نے گراہ کر روٹ بدلی اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر زور سے جھٹکا دیا۔

اس جھٹکے کے ساتھ ہی ناگا پر چھینکوں کے دورے سے بڑھ گئے تھے۔ پہلی چھینک دوسری چھینک کی تیسری چھینک اور اسی دوران دشمنوں کو گرا ہوا۔ اس نے کھلبے ہوئے ہی ناگاکے پیٹ پر ایک لات رسید کر دی۔ ناگا ہر کوئی اثر نہیں ہوا۔ دشمنوں نے دوسری ٹھوکر ماری۔ ناگالے اپنے ہاتھ بدلنے لیکن مسلسل پیدا ہونے والی چھینکوں نے اسے بے حال کر دیا تھا۔ اس کا ہاتھ دھما ہی میں محوم کر رہ گیا۔ دشمنوں نے تیسری ٹھوکر بھی ماری۔

”باس شاباش۔ ویل ڈن۔ شاباش“ بلراج اچھل اچھل کر شہر کے بعد دیگے کئی اور ٹھوکر دیں۔ بالآخر ناگا اچھل کر ہر گز بڑا۔ اس کی چھینکیں رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں اور دشمنوں نے تیسری سے اس کو ٹھوکر مارے جارہا تھا ناگا کی ناک اور منہ سے اب خون بھی بہنے لگا تھا۔ اس کے غرائے اور جھٹکائے کی آواز میں انتہائی وحشت تھیں۔ ان جھیب آوازوں سے بھرا کر خون گریز رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے بیک وقت بہت سے جانوروں کو نیم ذبح کر کے اس کمرے میں ڈال دیا گیا ہو۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سبب منہم رکھا تھا اور مسلسل چھینکے جارہا تھا۔ جبکہ دشمنوں کی ٹھوکریں رکنے کا نا ہی نہیں لے رہی تھیں۔ پھر یہ تماشا اس وقت ختم ہوا جب اس نے گردن ڈال دی۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

اس کے بے ہوش ہونے ہی کے میں خاموشی طاری ہو گئی۔ یہ خاموشی بے پناہ حیرت لے طاری کی تھی۔ یہ حیرت جو جان کے چہرے سے اور اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ یہ حیرت ان لوگوں کو بھی جو اس کمرے میں کھڑے ہوئے یہ ہمسایک جنگ دیکھ رہے تھے۔ یہ حیرت خود بلراج کو بھی۔ جو آنکھیں پھاٹے ہوئے اپنے پاس کو دیکھ رہا تھا سب سے پہلے بلراج ہی کی حیرت ختم ہوئی وہ دھڑا ہوا دشمنوں کے پاس آگیا۔ اس نے کہنے ہی دشمن کا ہاتھ تھا

لیا تھا۔ ”جو اگر گریٹ باس۔ یو اگر گریٹ یو جھبت کی شدت سے اس سے بولا نہیں جارہا تھا۔

دشمنوں کے پہلے کی طرح ہر سکون ہو چکا تھا۔ یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ ابھی بھی ایک خونریز جنگ لڑ رہا تھا ہوا ہے۔ اس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ تھی۔ جو عام طور پر دکھائی دیتی۔ اس کے انداز سے کسی قسم کے بچان یا جوش کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

”تم کیا ہو؟ چہان نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا تم نے کیا کیا اس کے ساتھ؟“

”یہ ایک انسان نما حیوان ہے جو جان صاحبہ؟ دشمنوں نے تلخ ہو کر جواب دیا۔ اور میں ایک مکمل انسان ہوں اور آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی حیوان انسان کی ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہذا یہ بھی میری ذہانت کا مقابلہ نہیں کر سکا اور میں نے اسے مار دیا۔

”میں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی شکست بھی ہو سکتی ہے۔ اور وہ بھی صرف ایک انسان کے ہاتھوں۔ میں تمہاری اس ذہانت کی داد دے دوں گا۔ لیکن یہیں رہ سکتا آخر تم نے یہ کمال اس طرح کر دکھا یا تم نے نامکمل کو ممکن کر دکھا یا ہے۔ آخر یہ ہوا کس طرح۔ تم نے اس کے چہرے پر کیا پھینکا تھا؟“

”اگر میں نے یہ بتا دیا تو اس کے بعد پہلے سے زیادہ بے دست پا ہو کر رہ جاؤں گا؟ دشمنوں نے کہا۔ اسی لیے تم یہ مت بولو۔ جو بس یہ دیکھ لو کہ میں نے تمہاری ناک کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ تم اس پر بہت غصہ کیا کرتے تھے۔ اور تمہارا یہ شہکار اس وقت بے ہوش پڑا ہوا ہے۔ یہ اس وقت کسی بچے سے زیادہ بے ضرر ہے۔ میں اگر چاہوں تو اس کی گردن مروڑ کر رکھ سکتا ہوں اور یہ اپنی جان بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو؟ چہان نے ایک گہری سانس لی میں نے تمہارا اندازہ لگانے میں غلطی کی تھی۔ میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تم اس کے ہاتھوں زخمی ہو جاؤ۔ میرا منہ صرف یہ تھا کہ تم اتنے دہشت زدہ ہو جاؤ گے۔ اور میں سے لکھنے کو لے دوں گا۔ میں تمہارے ذہن میں نہ آسکے گا۔ لیکن تم نے ناگا کو تو مروڑ کر رکھ دیا ہے۔ بہر حال اس کے باوجود میں یہ کہنا ہوں کہ تم لوگ یہاں سے اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک میں اجادت نہ دوں۔“

”اب تم پھر گمان کیے جا رہے ہو چہان صاحبہ؟ بلراج بہت دیر کی خاموشی کے بعد بول پڑا۔

”یہ بد گمان نہیں حقیقت ہے۔“

”اگر یہ حقیقت ہے تو ہم اس حقیقت کو بھی دیکھ لیں گے۔ یہ بات اقبال نے ہی کہی۔

ہم سب کے سب اس بات میں اس کی جس نے عین تسلیم کیا ہے۔ ہم میں سے کسی کو بہت حاصل نہیں کر رہا اپنی یہی غلط فہمی کے لیے کسی اور کو ہلاک کر دے۔ ہمیں اس لیے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اسی لیے بہتر یہی ہو گا کہ ہم اپنا زخم ایما نداری سے انجام دیتے رہیں۔“

”ہات ڈاکٹر اظہر نے ان لوگوں سے بھی جو اس کے ارد گرد موجود تھے۔ اس وقت کھڑے بنائے گئے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا۔ اور زخمی کے کمرے میں صرف باقی ڈاکٹر اور مرلیض رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر اظہر کی باتوں نے مرلیض ہونے ڈاکٹر کی لی آنکھوں میں چمک پیدا کر دی تھی۔

”آخر ہم لوگوں کو بھی تو بشری زندگی محفوظ رکھنے کا حق حاصل ہے؟ ڈاکٹر تیرا ڈی نے کہا۔“ سوال یہ ہے کہ ہم کیا کریں۔ یہاں ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟“

”دیکھو۔ یہاں آنے کے بعد ہم سب ان ہی سوالات میں غرق ہوئے تھے؟ ڈاکٹر اظہر نے سمجھانے کی کوشش کی پھر ایسا ہوا کہ جو کچھ ہم لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہم نے اسے مقررہ سمجھ لیا ہے۔ یہ جان لیا کہ ہم اپنی سی کوشش کرتے بھی رہیں تب بھی یہاں سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی لیے بہتر یہ ہے کہ کم از کم اپنا فرض ہی ادا کر دیں۔ اور ہمارا فرض اس وقت یہ ہے کہ اس کو بچانے کی کوشش کریں۔ کامیابی ناکافی خد کے ہاتھ میں ہے۔“

”میرے خیال میں تو اس کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔ ایک اور ڈاکٹر نے کہا۔ تم خود ہی دیکھو اس کی کیا حالت ہو گئی ہے۔ اس کے جسم کا کون سا حصہ ہے جو شکستہ نہیں ہے۔ حیرت تو یہ ہے کہ یہ ابھی تک زندہ کس طرح ہے۔ اسے تو بہت پہلے مر جانا چاہیے تھا۔

”اس کی قوت ارادی نے اسے زندہ رکھا ہے۔ ڈاکٹر اظہر بولا۔ اس کے علاوہ شاید خدا بھی اسے زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ بہر حال ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ یہاں مرلیض کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ میرے اپنے اندازے کے مطابق اس میں بہتر کی کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں۔ وہ سب اب مرلیض کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کیونکہ اس کے علاوہ یہاں ان کے لیے اور کوئی مصروفیت نہیں تھی

ایک مرلیض کئی ڈاکٹر اور نرسوں اندیشہ زخمی کے مستندہ چہرے ہر اب بھی کبھی مرلیض اس طرح جھٹکے لگی تھی جیسے سیاہ بادلوں کے نیچے شفق چھپی ہوئی ہو۔ بادل ہٹ جائیں تو شفق ایک لمحے کے لیے دکھائی دے جائے۔ پھر بادل اس کے سامنے آجائیں۔ یہ گرجہ زیادہ ہی کامیابی نہیں تھی لیکن اسی ایک اشارے نے ان ڈاکٹر کو ہر امید پر رکھا تھا۔

”یہ دیکھو ڈاکٹر! ایک ڈاکٹر نے اظہر کو مخاطب کیا۔ اس کے ہاتھ پیروں میں گر گئی تھیں۔ اسی وقت ڈاکٹر کھڑے بھی وہاں آگیا۔ اس نے آتے ہی ڈاکٹر کی کیم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک مرلیض کے پاس رہتا اور دوسرا آرام کرتا۔ پھر دوسری کیم مرلیض کے پاس آجائی اور پہلی کیم لے کر چلی جاتی۔ اس طرح ان لوگوں کا کام آسان ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر تیرا ڈی ڈاکٹر گیتا اور دوسرے ڈاکٹر پہلی کیم میں تھے۔ ڈاکٹر اظہر کو دوسری کیم کا نگران بنایا گیا تھا۔ خود ڈاکٹر کھنڈ ان دونوں کی نگرانی کے لیے تھا۔

پہلی کیم کو مرلیض کے پاس چھوڑ کر ڈاکٹر کھنڈ اظہر اور دوسرے ڈاکٹر کو کمرے کے پاس کمرے میں بھلا آیا۔ ان لوگوں کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ یہاں اگر اس نے اپنی اور بڑاڈ کے درمیان ہونے والی گفتگو سے انہیں آگاہ کیا۔ وہ سب ہی اس کیمانی کو سن کر حیران رہ گئے تھے۔

”یہ بڑا عجیب آدنی اس قسم کی نوعیات میں کیوں مبتلا ہو گیا۔“ ایک ڈاکٹر نے سوال کیا۔

”سیدھی بات ہے۔ دولت یہ ڈاکٹر کھنڈے جواب دیا اور وہ بھی اتنی لچکی کہ بنا ڈنے اپنے سارے وسائل صرف کر دیے ہیں۔ وہ گھائے کا سودا کرنے والوں میں سے نہیں ہے۔ بہت متوجہ سمجھ کر قاتل قہر خیز کر رہا ہے۔ اور اسے یہ بھی امید ہے کہ مرلیض صحت یاب ہو جائے گا۔“

دوسری شام کو ان لوگوں نے مرلیض کی طرف سے ایک اچھی خبر حاصل کی۔ وہ خبر یہ تھی کہ مرلیض نے گراہ کر صرف کر وٹ بدلنے کی کوشش کی تھی بلکہ کچھ بڑھاپا بھی تھا۔ لیکن اس وقت اس کے قریب موجود ڈاکٹر کی کیم سمجھ میں اس کی بڑھاپا نہیں آسکی تھی۔ یہ خبر بڑا ڈاکٹر سنائی کئی تو وہ بھی خوشی سے جھوم اٹھا تھا۔

”میں نے کہا تھا کہ تم لوگ اگر سخت کرتے رہے تو کامیابی مل جائے گی۔ اس نے کھنڈے کہا۔ میں تم لوگوں کی کارکردگی

سے بہت خوش ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ اگر کسی طرح کام کرتے رہے تو ایک ہفتہ کے اندر اندر وہ پوری طرح چوڑی میں آجائے گا۔

ڈاکٹر محمد اور دوسرے ڈاکٹروں کو بھی اس بات کا یقین تھا۔ ایک معجزہ ان کی آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہا تھا۔ زندگی سے نفرت بھرا عزم ایک شخص میں زندگی کے آثار پیدا ہو چکے تھے اور وہ بھی اتنی تیزی کے ساتھ کہ یہ لوگ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

دوسری بار اگلی صبح اس نے آنکھیں کھول کر دیکھ کر کہا تھا ڈاکٹروں کی سمجھ میں صرف اتنا آسکا تھا کہ وہ آگ لگ کر رہا تھا۔ اور یہ لفظ قرین قیاس بھی تھا کیونکہ وہ آگ ہی کے سمندر سے گرنا ہوا ان کے ہاتھوں تک آیا تھا۔ آگ ہی نے اس کی یہ حالت کر دی تھی۔ بہر حال اس غیر متوقع کامیابی نے ڈاکٹروں کے حوصلہ اور ہند کر دیے اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ تن دی کے ساتھ اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

دوسری طرف برنارڈ کا رویہ بھی ان ڈاکٹروں کیساتھ تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ اب بہت دوستانہ بنے ہیں ان سے باتیں کیا کرتا۔ ان کے ساتھ پیچھے کرا دھڑا دھڑکی گپ شپ کیا کرتا۔ ان ڈاکٹروں کے لیے پابندی تو ابھی تک برقرار تھی۔ لیکن اس کی نوعیت اب پہلے جیسی شدید نہیں رہی تھی۔ بلکہ انہیں اس بات کی آزادی حاصل ہوئی تھی کہ وہ اس عمارت سے باہر نکل کر کھڑی بہت چل قدمی بھی کر لیا کریں۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت بھی کوئی کوئی نگران ان کے قریب رہا کرتا تھا۔

ان لوگوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ وہ عمارت آبادی سے اس قدر فاصلے پر جوئے کے باوجود ہر قسم کی سہولیات سے مزین تھی۔ برنارڈ نے داخل نہیں منگل کا سماں پیدا کر رکھا تھا۔ سب سے زیادہ حیران کن بات یہ تھی کہ اس نے اس زنجی کے لیے اس عمارت میں ایک جدید قسم کا آپریشن تھیٹر قائم کر دیا تھا۔ جہاں یہ ڈاکٹر حضرات اپنے تجربہ میں مصروف ہو گئے تھے۔ ان کے دلوں سے واپسی کی امید تو بھانم ہو چکی تھی۔ وہ شاید اسی لیے واپسی کا کوئی دوا بنے ہوئے نہیں لاتے تھے۔ یا انہوں نے فہم کر لیا تھا۔ لیکن ان ہی ڈاکٹر میں ایک ایسا بھی تھا جو ابھی تک مطمئن نہیں ہوا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں فرار کے راستے تلاش کرتی رہتی تھیں۔

اس کا نام ڈاکٹر کرشن ساگر تھا۔ شاید وہ اس ٹیم کا سب سے کم عمر ڈاکٹر تھا۔ اسی لیے وہ اس قدر بوجھ تھا وہ زیادہ تر خاموش رہا کرتا۔ لیکن اس کی آنکھیں اندرونی خیال سے جھپکتی رہتی تھیں۔ وہ بڑے عرصے پہلے ارد گرد کا جائزہ لیتا رہتا۔

اس وقت جب ڈاکٹروں کو چیل قدمی کی اجازت ملی تو وہ بھی معمول کے مطابق سب کے ساتھ عمارت سے باہر آگیا۔ اس میں بغا ہر ایسی کوئی بات نہیں تھی جو نگرانوں کو اس کی جانب سے مشکوک کرتی۔ اس دن کرشن نے اپنے دل کی ایک فیصلہ کر رکھا تھا۔ اور وہ فیصلہ یہ تھا کہ وہ فرار کی کوشش کرے گا۔ اسے دوسرے ڈاکٹروں کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس کے خیال میں یہ سب بزدل اور ملا بوس دل والے لوگ تھے جنہوں نے برنارڈ کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

وہ موقع کی تلاش میں رہا۔ اور جیسے ہی نگران کی توجہ دوسری طرف ہوئی اور دوسرے ڈاکٹر اپنی اپنی باتوں میں مصروف ہوئے وہ ان کے درمیان سے نکل آیا۔ اس نے چالاکانہ کر سیدھا نہیں چلا بلکہ فوراً ہی عمارت کی پشت پر پہنچ گیا۔ سامنے کی طرف دور دور تک ایک طویل دو دروازے کا پھیلا ہوا تھا۔ اسی لیے اس طرف جانے میں اس کے دیکھ بے جانے کا امکان تھا۔ جبکہ پیچھے کی طرف کچھ فاصلے پر خود وہ جھاپیاں آگئی ہوئی تھیں۔ جہاں ان کا یہ سلسلہ بہت دور تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

مکان کی پشت پر آئے، یہ وہ زمین پر گرنا۔ یہ اس نے اعتبار کیا تھا۔ ورنہ چھت پر کھپے ہوئے نگرانوں میں سے کوئی اس کی طرف دیکھ بھی سکتا تھا۔ لیکن اس کی باجیٹ اس نے فضول تھی کہ چھت پر کھپے ہوئے نگران بھی اپنی خوش گلیوں میں مصروف تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کسی کو یہ توقع بھی نہیں ہوئی کہ ڈاکٹروں میں سے کوئی اس طرح فرار حاصل کرنے کی کوشش بھی کر سکتا ہے۔

کرشن کچھ دیر تک اسی طرح زمین پر پشت کے بل لیٹا رہا۔ پھر اس نے دھیرے دھیرے جھانپوں کی طرف رہنما شروع کر دیا۔ وہ بھانپتا ان جھانپوں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ یہ اس کی پہلی کامیابی تھی۔ اس نے بہت بڑی جرات کا ثبوت دیا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ اگر اسے گرفتار کر لیا گیا تو اس کا کیا حال ہوگا۔ لیکن اسے اس کی

یہ پروا نہیں تھی۔ وہ لوگ جسم قسم کی زندگی گزار رہے تھے اس سے تو یہ بھی بہتر تھا کہ کوئی نہ کوئی انجام سامنے آجائے۔ بلکہ وہ کتنا ہی مرگاہوں نہ ہو۔

تو اس نے پہلی کامیابی حاصل کر لی تھی۔ اسے علم تھا کہ اس کے کامیاب فرار کے بعد وہاں رہ جانے والے انکوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ان بڑبڑاہے تھیں۔ یہاں تک کہ ان سے چیل قدمی کی آزادی چھین لی جائے۔ اور یہی نہ جانے کیا کیا ہوگا۔ لیکن وہ اسی اندیشے سے ناگوں کے قبضے میں نہیں رہ سکتا تھا۔ دوسرے ڈاکٹروں کے لیے اس نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ شہر چلے ہی پولیس جبر سے گا۔ اگر ان کی زندگی ہوئی تو وہ بچ جائے گا۔

وہ جھانپوں کے درمیان آکر وہ کھڑا ہو گیا۔ اسے زمین معلوم تھا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ اور کون سا تر کس سمت واقع ہے۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ وہ اگر چلنا شروع کرے تو کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جائے گا۔

لیکن وہ ابھی اس عمارت سے کچھ ہی فاصلے پہنچا تھا کہ ایک مشکوک کرک گیا۔

اس کے سامنے کچھ فاصلے پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ اور کاؤ بولنے ٹاپ کا ایک آدمی اس لاش کا سامنا رہا تھا۔

کرشن خوری طور پر ایک جھاڑی کی میں چھپ گیا۔ اتنی اس میں تھی کہ وہ کوئی آہٹ پیدا کیے بغیر جھاڑی کی رٹ میں کھڑا ہو جائے۔ اس کے خیال کے مطابق لاش کا نشانہ کرنے والا آدمی برنارڈ کے آدمیوں میں سے نہیں تھا۔ اس کا حلیہ بہت برا تھا کہ وہ کوئی اوبھ اور کرشن کی رچ وہ بھی اس لاش کو دیکھ کر حیران ہو رہا ہے۔ کرشن ڈاکٹر تھا۔ اور اسی لیے یہ اندازہ لگانا اس کے لیے دشوار نہیں تھا۔ وہ لاش تو بھانپتا کہ وہ دن براتی تھی۔ گوشت خوردگیوں نے اس لاش کے جسم سے گوشت غائب کر دیا تھا۔ اس رچ وہ بہت بھیانک منظر پیش کر رہی تھی۔

کرشن جھانپوں کی کر دیکھ دیکھا۔ اس کی حس پر بتا ہی تھی کہ لاش کا سامنا کرنے والا آدمی اس کے لیے خطرناک ہے۔ وہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ پوری طرح مسلح تھا۔ جب کہ کرشن کے پاس سولے اپنے وجود کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ شخص ابھی تک تو اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ہو سکتا تھا کہ اس کی نگاہ کرشن پر پڑی جائے

وہ کب تک جھانپوں کے پیچھے چھپا رہ سکتا تھا۔ کبھی کبھی تو اسے باہر نکالنا ہی تھا۔ اور اس وقت اگر وہ شخص اسے دیکھ لیتا تو۔

اس نے اپنے بھاؤ کے لیے کسی چیز کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں۔ اس کے سامنے ایک بڑا سا ٹوکھا بھٹا ہوا تھا۔ وہ بھٹا اس کے بالکل قریب تھا۔ صرف ہاتھ آگے بڑھنا تھا اور وہ بھٹا اس کے ہاتھ میں آجاتا۔ اس نے پتھر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور یہی اس کی غلطی ہو گئی۔

کاؤ بولنے جیسا آسان پتھر سے پٹا اور اسی عمل میں اس نے بہتوں نکال کر فرار ہو چکا۔ دیکھ اس کا نشانہ اس بلا کا تھا کہ کرشن کے سامنے رکھا ہوا پتھر کی گزروں میں قہقہہ ہو گیا۔ اس کا بڑھتا ہوا ہاتھ بند ہو کر رہ گیا تھا۔ اس شخص نے بہتوں کا رخ بھانپوں کی طرف کیا اور کرشن کو کھلا کر دونوں ہاتھ اٹھائے جھانپوں سے باہر آگیا اس شخص کے ہونٹوں پر بڑی طنزیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ بڑی گہری نگاہوں سے کرشن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کرشن ہنسنا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کون ہو تم؟" اس نے کرشن کی طرف دیکھتے ہوئے پھر خود ہی بول ڈالا۔ میرا خیال ہے کہ تم برنارڈ کے ساتھی تو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس کے کسی آدمی کا غیر مسلح دکھائی دینا ناممکن ہے۔ پھر تمہارے چہرے سے یہ پتا چل رہا ہے کہ اس قسم کا کھیل تمہارے لیے اجنبی ہے اور برنارڈ جیسے شریف آدمی کو لوہے کے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ اسی لیے بہتر ہے کہ تم خود ہی اپنے بارے میں سچ بتا دو۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ کرشن نے ایک گہری سانس لی۔ یہ اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ بلکہ ہم لوگوں کو زیر کرنا یہاں لایا گیا ہے۔"

"ہم لوگوں کو کیا مطلب ہے؟" اس نے اپنی جگہ انکھیں سیکڑیں۔ یہ کیا تمہارے علاوہ اور جو ہے کوئی؟"

"ہاں بہت سے ہیں۔ کرشن نے جواب دیا۔ ہم سب ڈاکٹر ہیں جنہیں ملک کے مختلف حصوں سے اکٹھا کر لیا ہے۔ ہم سمجھوں کو زبردستی یہاں لایا گیا ہے۔ بہتوں دھکا کر تشدد کر کے آج میں موقع پا کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تم سامنے آ گے۔"

"ہوں۔ تمہاری گہرائی دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔" اس

نے ادنیٰ گردن بلانی کیا تم لوگوں کو کسی زخمی کی دیکھ بھال کے لیے جمع کیا گیا ہے۔

”ہاں“ کرشن نے جواب دیا۔ ہم جس وقت یہاں آئے تھے۔ اس وقت اس کی حالت بہت نازک تھی لیکن اب سنبھل چکی ہے۔

”بہت خوب“ وہ شخص مسکرا دیا۔ تم نے ایک اچھی خبر سنائی ہے۔ اب تم اس طرح ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے سب کچھ بتا دو۔ میں بوری کہانی سننی چاہتا ہوں۔

کرشن نے اسے اب تک کے سارے حالات سے آگاہ کر دیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے کرشن کی کہانی سننا رہا تھا۔ اب تم ہاتھ کر سکتے ہو یا اس نے کرشن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں تمہاری کہانی سے مطمئن ہو گیا ہوں۔

”اور تم کون ہو؟“ کرشن نے ہاتھ کراتے ہوئے پوچھا۔

”میں اس برناڈ کا دشمن ہوں۔ اس نے کہا۔ تم مجھے طوفان کے نام سے پکار سکتے ہو۔“

”طوفان؟“ کرشن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”یہ کیا نام ہے؟“

”بس یہی میرا نام ہے۔ میں طوفان کی طرح حملہ کرتا ہوں اور تباہ کر کے رکھ دیتا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ برناڈ کے ساتھ کتنے آدمی ہوں گے۔“

”میرے اندازے کے مطابق اس عمارت میں کم از کم پچاس مسلح جوان موجود ہیں۔“ کرشن نے بتایا۔

”ہوں۔ میرا بھی یہی اندازہ تھا۔“ طوفان نے کہا۔

”اس کے باوجود تم اکیلے اس طرف چلے آئے؟“

”ہاں میں اکیلا ہی کام کیا کرتا ہوں۔“ طوفان نے کہا۔

”خیر احوال ہے کہ میں اکیلا ہی بہت سوں پر بھاری ہوں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر ہوش مندی سے کام لیا جائے۔ اور جب تم جیسا سختی مل گیا ہے۔ تو کیوں نہ اس نہری موقع سے فائدہ اٹھا لیا جائے؟“

”کیا مطلب؟“ کرشن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”میں چاہتا ہوں کہ تم اس عمارت میں دایس چلے جاؤ۔“ طوفان نے کہا۔ تمہارا واپس جانا ہی بہتر ہوگا۔

”وہ کیوں؟“ میں اب کیسے جا سکتا ہوں؟ ایک دو لمبیں بڑی مشکوک سے اس جہنم سے نکلا ہوں اور تم دوبارہ مجھے اسی جہنم میں سمیٹنا چاہتے ہو۔“

”ہاں کیونکہ بغیر تمہارے مجھے ہونے تمہارے ساتھ آدھی حاصل نہیں کر سکتا۔“ جنہیں ابھی وہاں سے نکلے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے۔ اسی لیے تمہاری حاضری محسوس نہیں کی جا رہی ہوگی۔ تم آسانی سے دایس مار سکتے ہو۔ لیکن اس بار تم کچھ چیزیں اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو میں تمہیں دوں گا۔

”میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا کہ تم کیا چاہتے ہو؟“

”دیکھو۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں اس زخمی کے لیے آیا ہوں۔ اب یہ بات بھول جاؤ کہ میں اکیلا ہوں اور برناڈ کے آدمیوں کی تعداد بے شمار ہے۔ میں یہ کام کیا کر سکتا ہوں یا نہیں۔ یہ سب سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔ اب یہاں آکر بیٹھا چلاؤ کہ وہ زخمی تم ڈاکٹروں کے تعاون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگ اب اس کے ساتھ تعاون ختم کر دو۔ اس کی بجائے کی حد و چند ترک کر دو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو وہ دیر خود مر جائے گا۔ اور میں اسے اس مقصد کو حاصل کروں گا جس کے لیے آئی ہو۔ دروازہ کا سفر طے کر کے یہاں تک پہنچا ہوں۔ اور اگر وہ مریض زندہ رہا تو تم بغیر نہ رہو۔ تم اس سے ایک دم بچ کر ہلاک کروں گا۔ اور یہ صرف دھمکی نہیں ہے۔“

کرشن ساگر گئے۔ میں گرفتار ہو گیا۔ وہ برناڈ اور اس کے آدمیوں سے بچ نکلا تھا تو یہ معینیت اس کے سامنے آئی تھی۔ اور اس شخص کے تصور پر تباہی تھی کہ یہ جو کچھ کہتا ہے اس پر عمل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ وہ مریض مر جائے اور اس علاقہ نہ کیا جائے؟“ اس نے طوفان سے پوچھا۔

”ہاں۔ میں یہی کہہ رہا ہوں۔ اور اس پیغام کو دوسرے ڈاکٹروں تک پہنچانے کے لیے تمہارا واپس جانا ضروری ہے۔ ورنہ ایک فنانڈری موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم ان لوگوں کے ہاتھوں نہیں رہ سکتے۔ لیکن میرے ہاتھوں نیچے مارے جاؤ گے۔“

”فرض کریں میں دایس جا کر برناڈ کو تمہارے بارے میں بتا دوں تو؟“

”میں بھی یہی چاہتا ہوں۔“ فان نے کہا۔ تم جس وقت برناڈ سے میرا نام لو گے اس وقت اس کی کولہاٹہ دیکھنے کے قابل ہوگی۔ وہ لوکلہاٹہ اس زخمی کو یہاں سے

کہیں منتقل کر لے گی کوشتش کرے گا۔ اس طرح وہ زخمی بدعمرات سے کھلے میدان میں آجائے گا۔ جہاں میں اس کے استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔

”میں تم سے ایک بات کہنی چاہتا ہوں۔“

”کیا بات ہے؟“

”تم اگر مجھے میرے دشمن کے روپ میں میرے سامنے آئے ہو۔ لیکن تمہارے حوصلے کو دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے۔ تم کیسے آدمی ہو کہ نہیں کسی پر ہوا نہیں ہے۔ تم کو اس بات کا بھی ڈر نہیں ہے کہ برناڈ اکیلا نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہمت سے مسلح اور خوشحال لوگ ہیں۔ تم اس کے باوجود اپنے فیصلے پر اٹھے ہوئے ہو۔“

”تمہاری یہ بات پسند آئی۔“ طوفان مسکرا دیا۔ لیکن میں نے نہیں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ مجھے اس کی کبھی پروا نہیں ہوئی کہ میرے سامنے کتنے آدمی ہیں بس اب تم اپنے دشمن پر روانہ ہو جاؤ۔ میں ہر حال میں اس زخمی کو مرنا ہوا دیکھنا چاہتا ہوں۔“

رہا وہ سادوں دونوں نے ہوش لاجوئی کو اسٹارٹر پر لٹا دیا۔ کچھ دیر بعد اسے ہوش آ گیا تھا۔

”کیا بات ہوئی؟“ رہتا ہے نرم لہجے میں دریا فت کیا تم کسی سے خوفزدہ ہو کر کبھی متھیں کیا؟

”ہاں۔“ لاجوئی نے متوجہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔

”مجھے اوپ کد سے خطرہ ہے۔“

”یہ تم کس کی بات کر رہی ہو؟“ سادوں نے پوچھا۔

”الوپ کد۔“

”تم لوگ اسے نہیں جانتے۔ وہ پہلی بار اس فلمیں کام کر رہا ہے۔“ لاجوئی نے جواب دیا۔ وہ بہت خبیث انسان ہے۔ یہ اس کی پہلی فلم ہے اور پہلی ہی فلمیں اسے ولن کا جاس مل گیا ہے۔

”کیا وہ اسی لیے نہیں مار دینا چاہتا ہے کہ پہلی ہی فلم میں اسے ولن کا جاس مل گیا ہے۔“

”نہیں۔“ لاجوئی کے ہونٹوں پر ایک دھیمی سی کراہٹ رہی آئی ہے۔ بات تو میں نے یوں ہی کہہ دی تھی۔ وہ مجھے کسی اور وجہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ لیکن میں اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ میں جس سے بھی کہتی ہوں۔ وہ میرا ملنا ڈالتا ہے۔ میری بات کا یقین ہی نہیں کرتا ہے۔“

”آخر کیوں۔ تمہاری بات کا یقین کیوں نہیں کیا جاتا۔“ آخر کیوں۔

”کیونکہ اس کا کام ہی یہی ہے کہ وہ مجھے ہلاک کر دے۔“ لاجوئی نے کہا۔

”یہ تم نے مجھیں اور اٹھا دیا۔ جب تک تم نہیں پوری بات نہیں بتاؤ گی۔ ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور نہ ہی ہماری کچھ میں آئے گا۔“

”آخر کیوں۔ میں نہیں کیوں بتاؤں۔ میں تم لوگوں سے واقف نہیں ہوں مجھے نہیں معلوم کہ تم لوگ کون تھے۔“ ہم لوگوں کی داستان انہی ہے جس پر شاید تم یقین بھی نہ کرو۔ سادوں نے کہا۔ چونکہ تم مجھے ایک بے ضروری عورت معلوم ہو رہی ہو اسی لیے بتا دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ہم دونوں قیدی ہیں۔“

”قیدی؟“ لاجوئی نے چونک کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔ وہ اس دوران بغیر ہر پٹہ کی سختی یا کس کے قیدی کیسے قیدی۔“

”یہ ایک طویل اور لمبی ہوئی کہانی ہے جو شاید تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔“ سادوں نے کہا۔ کچھ کچھ سڑک کر چل دی سے۔ بولا۔ نہیں۔ میں نہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ اپنے لیے نہیں بلکہ اس لڑکی کے لیے۔ ہو سکتا ہے کہ تم اس کے لیے کوئی بہتر راستہ نکال سکو تاکہ یہ عذابوں سے چھٹکارا پائے۔ اس موقع پر رہتا ہے کچھ جانا یا کچھ خاموش ہوئی۔

”ہاں۔ ہاں۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو ضرور سننا ہو سکتا ہے کہ میں کسی کام ہی آ جاؤں۔“

”تم تو خود کسی سے جان بچا کر بھر رہی ہو۔“ ریٹلے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تم ہمارے کس کام آؤ گی۔“

لاجوئی بھی مسکرا دی۔ کوئی ضروری تو نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم جس انداز سے میری مدد کر سکتے ہو اور جس طرح میں مدد کرنا چاہتی ہوں وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں اور ویسے بھی آدمی آدمی کے کام آتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“ سادوں نے کہا۔ تمہارے روپ میں مجھے امید کی ایک کرن دکھائی دی ہے۔“

سادوں نے اسے اپنے ریشا برناڈ اور اس سفر کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ کہا کہ ہر موڑ پر لاجوئی کی خوبصورت آنکھیں حیرت سے پھیلی جا رہی تھیں۔

”سبھی سمجھ گئے“ وہ سادوں کے خاموش ہونے کے پلٹی یقین نہیں آتا کہ ہم لوگ اتنے خطرناک جال میں پھنس گئے ہوں گے۔

”نہیں، تم لوگ نہیں بلکہ صرف میں“ سادوں نے کہا ”میرے دو بڑا بڑا سادی ہم کی ذمہ داری میرے سر ہے، جبکہ تم لوگ اپنی لونٹ کے ساتھ خوشگام میں مصروف ہو گئے ہو، پتا بھی نہیں چلے گا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے، کون ساھیل کھلا جا رہا ہے، جبکہ میں مستقل سولی پر لٹکا ہوں گا۔“

”تو پھر تم نے کیا سوچا ہے؟“ لاجوتی نے پوچھا۔  
 ”ابھی تک میرے ذہن میں کوئی بات نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہ اپنے قبیلے میں پہنچ کر مجھے کو اٹاٹی حاصل ہو جائے گی، جبکہ رہتا ہے کسی طرح نے اسرار ہے گی، میں اس کے ساتھ تو ہوں گا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ میرے قبیلے والے اس کے معاملے میں میرے ساتھ تعاون نہ کریں، اس کے علاوہ خود بڑا بڑا بھی اس کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرے گا، اسی لیے اس کو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا ہاں اگر تم چاہو تو کسی طرح اسے اپنے لئے جاسکتی ہو پھر میں اس سے آکر مل لوں گا۔“

”رہتا، میں تمہاری مدد کے یقیناً خوشی حاصل کروں گی، لاجوتی رہتا کی طرف مخاطب ہو کر بولی، لیکن فی الحال تو میں خود عذاب میں مبتلا ہوں۔“

”تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟“ سادوں نے پوچھا۔ وہ شخص الوپ کا تھا، انہوں نے دغمن ہے۔“

”الوپ دراصل بہت دولت مند آدمی ہے، لاجوتی نے بتانا شروع کیا، یہ فلم جو بنا رہا ہے، یعنی جس کا سرمایہ لگا ہوا ہے، اس کا نام ریش منگل ہے، وہ پہلے ہی بڈ فلمیں بنا چکا ہے، لیکن اس کی کئی فلمیں بیکے بعد بیکے ناکام ہوئی، جس کی وجہ سے اس کی معاشی حالت پہلے جیسی نہیں رہی ہے، اس کے باوجود وہ فلمیں بنا رہا ہے اس فلم کا ڈائریکٹر بھی بہت ذہین انسان ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم پس منظر کے بجائے اصل کہانی بنانا شروع کر دو؟“ سادوں نے کہا۔

”پس منظر جانے بغیر یہ کہانی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اسی لیے میں بھی مختصر بنانا ہی ہوں، تو پھر اسے بہتر بنانا ضروری ہے۔ اگر تم لوگوں کو فلم سے دلچسپی نہ تو تم نے یقیناً اس کا نام سنا ہوگا۔“ لاجوتی ریش منگل

نے فلم بنانے کا اعلان کیا تو یہ الوپ کا اس کے پاس آیا اور اس نے یہ پیش کش کی کہ وہ فلم میں سرمایہ لگانے کو تیار ہے، بشرطیکہ اس فلم کا ولن اسے بنایا جائے اور ہیرو ولن لاجوتی ہو۔“

”یہ تو عجیب بات ہوئی، میرٹانے کہا، لوگ تو ہیرو بننے کی خواہش کرتے ہیں اور وہ ولن بننا چاہتا ہے؟“ ہاں۔ یہی تو عجیب بات ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اس فلم کے لیے کہانی اسی نے منتخب کی ہے اور اس کہانی میں ایک موٹا ایسا آتا ہے جب وہ مجھے ہلاک کر دیتا ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی، وہ اگر تمہیں ملنا ہی چاہتا تھا تو براہ راست بھی مار سکتا تھا۔ اس کے لیے اتنا جھگڑا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”یہی تو میری سمجھ میں نہیں آ سکتا ہے۔“ لاجوتی نے کہا، ”ارادے اگر جیسے ہوئے ہوں تو وہ اور بڑا بہ خطرناک ہوتے ہیں، سامنے کے ارادوں سے تو یہ بھی جاسکتا ہے، لیکن بوشیدہ ارادوں کی دہشت، یہی کچھ اور ہو کر رہی ہے، لیکن تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ تمہیں مارنا چاہتا ہے۔ اگر اس کہانی میں ایسا کوئی واقعہ ہے، تو اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہیں ہلاک کرنے والا ہے۔“ اس نے ریش منگل کے دوران ایسا کرنے کی کوشش کی ہے۔“ لاجوتی نے بتایا۔

”تمہاری کہانی سمجھ میں نہیں آ رہی، میرٹانے کہا۔ ایک طرف تو تم یہ کہتی ہو کہ ابھی اس فلم کی شوٹنگ بھی شروع نہیں ہوئی، پھر یہ ریش منگل وغیرہ کے مرا حل کہاں سے آگئے؟“

”تم ٹھیک کہتی ہو، لیکن یہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ یہ الوپ کلا انتہائی چالاک اور فطین انسان ہے، اس نے ریش منگل اور بدری نامہ کو یہ باور کرا دیا ہے کہ وہ اس وقت تک بہتر فرما دے گا جس میں دے سکتا ہے، جب تک وہ ہیرو ولن کے برعکس نہ کرے جو ریش منگل اور بدری نامہ دونوں اس کے زیر احسان ہیں، اسی لیے انہوں نے اس کی تجویز مان لی، یہاں تک کہ اس میں الوپ کے ساتھ ریش منگل کرتی رہیں تو اس طرح وہ ریش منگل کے دوران کئی ہلے مجھے ہلاک کر دینے کی کوشش کر چکا ہے۔ یہاں بات ہے کہ یہ منصوبہ ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”میری سمجھ میں ابھی بھی کچھ نہیں آیا، سادوں نے کہا سوال تو یہی ہے کہ اس نے تمہیں سامنے کے لیے اتنا اتفاق طریقہ کیوں اختیار کیا۔ یہ تو بالکل بڑا ہی بات ہوئی، تم جب چاہو اس پروڈکشن سے الگ ہو سکتی ہو، پھر اس کا منصوبہ دھڑلے جانے لگا۔“

”یہی تو مسئلہ ہے کہ میں یہ نہیں کر سکتی، لاجوتی نے وجہ سے جواب دیا، میں نے معاملہ پر سامنے کرنے کے بعد ان لوگوں سے ابھی خاصا ایڈوائس بھی لے لیا ہے، جن کی وجہ سے میں اخلاقی اور قانونی طور پر ان کی پابند ہو کر رہتی ہوں۔“

”وہ ریش منگل کس قسم کی ہوتی ہے۔“ میرٹانے دریافت کیا۔

”یہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی، لاجوتی نے کہا، اگر تم دونوں اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ لو تو تمہیں یقین ہو جائے کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں، وہ بالکل سچ ہے۔“

”جہاں یہ بتاؤ کہ اب ہم لوگ تمہارے لیے کیا کر سکتے ہیں، میں تم دونوں پر اعتماد محسوس کرنے لگی ہوں، اسی لیے میں نے یہ سب کچھ تمہیں بتا دیا ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ تم دونوں میری مدد کرو۔“

”تمہاری مدد صرف اسی صورت میں کی جاسکتی ہے جب ہم اپنی آنکھوں سے یہ ریش منگل دیکھ لیں۔ اگر میں نے یہ محسوس کر لیا کہ تم نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے تو میں اپنی مجبور دلوں کے باوجود تمہاری مدد کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“

اسکریں روشن تھا اور اس روشن اسکریں پر احتراز اور اس لحاظ کی نقل و حرکت دکھائی دے رہی تھی، جو اختر کے اشاروں پر چلنے کے لیے مجبور ہو گیا تھا، وہ دونوں ختاف کروں سے گزرتے ہوئے اس ہال کی طرف بڑھ رہے تھے اور زرتاج یہ سوچ رہی تھی کہ اس بظاہر معصوم نظر آنے والے آدمی کے سینے میں کیسے خوفناک طوفان اٹکایا لیا ہے، اس کی معصوم صورت کے پیچھے کیسی دہشت ناک پوشیدہ ہے۔ اس کے بازوؤں میں کیسی بے پناہ قوت ہے اس کے انداز میں کیسی برقی رفتار ہے۔ وہ کتنی تیزی سے حملہ کرتا ہے اور کیسی جرات سے غالب آجاتا ہے۔ زرتاج یہ دیکھ رہی تھی کہ وہ دونوں اس دوران بڑے

کسے میں پہنچ چکے تھے، جہاں کے دوار کے سامنے ایک بڑی سی مہری تھی، اور اس مہری پر رکھ کر دینا ہوا دکھائی دے رہا تھا، اور زرتاج کے علم کے مطابق وہ ایک انسان شہر والی ڈی تھی، ریش منگل کے جہاں قہر جاتی خوبصورتی اور جرات سے انسان ساخت میں ڈھال لگا تھا، اس پر اصل کا لگانا ہوتا تھا، وہ بڑے غور اور دلچسپی سے اس ڈی کا جائزہ لے رہی تھی، اسکریں پر اس وقت اس ڈی کا پھر آجڑا اور پھر یکنگ اس کے ذہن میں ایک زورور دھماکا ہوا، وہ پھر اس کا شاسا تھا، اس نے مضطرب انداز میں ایک بٹن دبایا، اور اسکریں پر ڈی کا چہرہ واضح ہونے لگا، اسکریں اس کے بڑے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھا، ابھی وہ اس جہت کا گہرا مشاہدہ تھا، اس نے مستحباب میں مبتلا رہی تھی کہ دفعتاً اس کے ذہن کو پھر ایک جھٹکا لگا، اس کی نظروں نے اس ڈی کی پلنگ میں لرزش محسوس کی تھی اس نے غور کیا تو ڈی کا عمل نفس بھی اس کی نظروں میں چھپنے لگا اور پھر اس کی سمجھ میں سب کچھ آچکا تھا، یہ شخص ایک ڈی تھی۔ اب وہ جان چکی تھی کہ اس بہتر ہو کر نہ لینا ہوا ہے۔ وہ ضرغام تھا، ایک انتہائی خطرناک انسان، وہ سیدھی سرکس میں ملازم تھا، جہاں وہ شہر میں کوسدھانے کا کام کیا کرتا تھا، پھر اس کے پاس نے ضرغام کو اپنے گروہ میں شامل کر لیا تھا، اور اب وہ وہ دوسری جیسے ہوئے تھی کہ طرح ہو گیا تھا، زرتاج جاتی تھی کہ ایک طرف عام میں آدمیوں پر بھاری ہے۔ آخری امتحان تھا، اور نتائج یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اس آزمائش میں بھی برآمدات کے لایا نہیں، نچانے کیوں اس نے اسے اس تبدیلی سے لاعلم رکھا تھا۔

دروانے کے پاس پہنچ کر وہ آؤی رک گیا، جو اختر کو یہاں تک لے آیا تھا۔ ”یہی ہے وہ زخمی جیسے تمہارا سے اٹھا کرے جاؤ گے؟“ اختر کے ساتھ آنے والے محافظ نے ہمت کر کے طرف اشارہ کیا، ”اور اسی کی حفاظت کے لیے ہمیں یہاں مقرر کیا گیا ہے، ہمارا کام تو یہ تھا کہ ہم اس زخمی کو تم سے بچانے کی کوشش کرتے، لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔“ بس اب خاموش ہو جاؤ، اختر نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا دیا، میں اس زخمی کو اٹھانے جا رہا ہوں، لیکن اس سے پہلے تم لینا ارادہ بناؤ۔“

کہا مطلب ہے؟" محافظ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تم مزاحمت کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر ایسا کوئی ارادہ ہے تو جتنا دو!"

"میں نہیں، میں یہ محافظ کو کھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا ہوں۔ ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں نے یہ اندازہ کر لیا ہے کہ میں تمہارے راستے میں نہیں آ سکتا!"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر تمنا دیکھتے ہو؟" اختر یہ کہتا ہوا اس بستر کی طرف بڑھ گیا۔

زرتاج کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں ٹک نہیں چھیک رہی تھیں۔ وہ جیسے سانس لینے تک بے چارہ تھی۔ اس نے دیکھا کہ اختر بڑے بڑے قدموں کے ساتھ چلتا ہوا اس سہری کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور اسی وقت بجلی سی کو نکل گئی۔ زرتاج نے اپنے ہونٹ بیچھ لیے تھے۔ بستر میں چاند کے نیچے لیٹا ہوا مضرغام نہ صرف تڑپ کر اٹھا تھا بلکہ اس نے اختر کے سینے پر ایک زوردار سی ٹھوکر بھی سید کر دی تھی۔ وہ ایسی ٹھوکر تھی جس کی شدت سے اختر ایک طرف اچھل کر جا کر۔

اس کے گرنے ہی مضرغام ایک وحشانہ سانحہ بلند کرنا ہوا۔ البتہ سے پیچھے آیا اور اس نے اختر پر جھلانگ لگا دی۔ زرتاج نے اس بوری ہم کے دوران پہلی بار اختر کو حیران عموماً کیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اختر نے اس کی جیب سے سے پینچکی کوشش کی تھی۔ لیکن مضرغام کی لگائی ہوئی ٹھوکر شاید اس کے سینے میں تکلیف دے رہی تھی۔ اسی لیے وہ کراہ کر گر گیا۔ جبکہ اس کی اس کمزوری کا مضرغام نے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ وہ اس پر کسی ہلاکی طرح چھا گیا تھا۔

اس نے کسی دشمن کی سی تیز رفتاری کے ساتھ اختر پر ٹھوکریں برسائی شروع کر دیں۔ ایک ٹھوکر، دوسری ٹھوکر، تیسری ٹھوکر۔ اختر کے ہاتھ پاؤں۔ اور کر پر ٹھوکر کی بارش ہو رہی تھی۔ وہ لڑھکتا پھرتا تھا۔ اس دوران اختر کے ساتھ آنے والا شخص موقع دیکھ کر کمرے سے باہر چلا گیا تھا۔

اختر لڑھکتا ہوا ایک دلہانہ کے ساتھ ہالگا۔ اب مزید دھمکی کی گئی نہیں تھی۔ مضرغام نے اس وفد اس کے چہرے پر ٹھوکر مارنا چاہا لیکن اختر نے اپنی گردن ایک طرف کر کے اپنے چہرے کو اس متوقع ٹھوکر سے بچا لیا۔

مضرغام نے دوسری ٹھوکر ماری کی کوشش کی اور اس وفد اختر نے اپنے دونوں گھٹنے سیکڑ کر اپنے چہرے سے لگالے۔ مضرغام کا پھر اختر کے دونوں گھٹنوں کے درمیان والے خلا میں پھنس کر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی اختر نے کروٹ بدلی تھی۔

خدا کی پناہ یہ ایسا دو تھاکہ زرتاج نے ساختہ اپنی کمر سے کھڑی ہو گئی۔ وہ موج ہی نہیں سکتی تھی کہ اختر کی اس حرکت سے ایسا ہو جائے گا۔ اختر کے کروٹ بدلنے ہی مضرغام کا تلو اس کے دونوں گھٹنوں کے درمیان آ کر جھول گیا۔ اس کے تلوے کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

وہ ایک کرناک چنچ کے ساتھ تڑپ کر ایک طرف جا کر۔ اس کے گرنے ہی اختر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ زرتاج اس کے چہرے پر چھائی ہوئی دہشت کو دیکھ کر اسکرین کے ماننے کا پ کر رہ گئی تھی۔ اختر نے کھپے ہوئے ہی مضرغام کو ٹھوکر ماری شروع کر دیں۔ اس سے پہلے مضرغام نے بھی اپنے گھٹوں کی ماری تھیں۔ لیکن اس کے انداز میں اتنی برقی ڈیڑھ نہیں تھی۔ جبکہ یہاں ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اختر کے بلوے بدن میں بجلی کے کوئلے ٹپک رہے تھے۔ ایک دو تین مضرغام کی چیخوں میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ پھر اس کی کواہ کم ہوتی چلی گئی۔ بالآخر اس نے اپنی گردن ایک طرف ڈال دی۔ زرتاج یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ مر چکا ہے یا بے ہوش ہو گیا ہے۔

اب اس کمرے میں سناٹا تھا۔ اس کمرے کے دیواروں اور سانوں کے درمیان اختر ایک فاع کی طرح کھڑا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لیے تھے۔ اور گہری لگاؤ سے بے حس و حرکت بیٹھ رہا تھا۔ مضرغام کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ نہیں لگایا جاسکتا تھا کہ کچھ دیر پہلے یہ شخص مضرغام کی ٹھوکروں کی زد میں تھا۔ نجانے اس نے اتنی قوت برداشت کہاں سے حاصل کی تھی۔ چر سکون انداز اور ہر سکون چہرہ۔

اختر کچھ دیر تک مضرغام کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس سہری کی طرف بڑھنے لگا جس پر کچھ دیر پہلے مضرغام لیٹا ہوا تھا۔ وہ سہری اب خالی تھی۔ وہ اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ بجائے وہ سہری میں گیا دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے اپنی لگاؤ اس دروازے کی طرف جماد میں جہاں سے اس کے ساتھ آنے والا محافظ باہر گیا تھا۔ زرتاج نے دیکھا کہ اس دروازے کی طرف دیکھتی

اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہو گئی تھی۔ یہ ایسی چمک تھی جو کسی جانور کی آنکھوں میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے کسی شکار کو آتا ہوا دیکھ لے۔ زرتاج کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے۔ وہ دروازہ تو بند تھا۔ پھر اختر کو کہاں دکھائی دے رہا تھا؟

دیکھتے ہی دیکھتے اختر نے ایک جست لگائی اور اچھل کر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ بالکل ایسا ہی اس نے اس وقت بھی کیا تھا۔ جب اس نے محافظوں کو کمرے میں بند کر دیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک دروازے کے پاس کھڑا رہا۔ پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھل دیا۔ وہ چاروں محافظوں پر چڑھ پڑا۔

زرتاج نے اپنی سانسیں روک لیں۔ اختر کے لیے اب ایک بنا بر حذر شروع ہونے والا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اس نے برقی رفتاری کے ساتھ پیٹلے والے محافظ کے گردن پر ہاتھ ڈال کر اسے کمرے میں بیچھن لیا۔ وہ لوگ بھی کسی کے نیٹے ہونے نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی جنگ و جدل میں گزاری تھی۔ وہ دوسروں پر غالب آنے کا فن جانتے تھے۔ لیکن اختر کا حملہ اتنا غیر متوقع اور آجاک تھا کہ وہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پائے۔ اختر نے جس آؤٹی کو جینے سے کھینچا تھا۔ وہ لڑھکتا ہوا کمرے کے فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ جبکہ اس کے ساتھ ہی اختر نے دروازے کے باہر کھپے ہوئے بقیہ لوگوں پر جھلانگ لگا دی تھی۔ وہ بے دریغ کسی چننے کی طرح ان پر جا پڑا تھا۔ اس عمل کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے کئی چنچیں سنا دیں۔ اور زرتاج نے جلدی سے دھڑا بن دیا۔ اب وہ کمرہ اسکرین پر تھا جس کے پس وہ محافظ موجود تھے۔

وہ سب کے سب فرش پر گرے ہوئے تھے اور اختر انہیں جھلانگتا ہوا دوسرے دروازے کی طرف دوڑ رہا تھا۔ زرتاج کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ رنگ آئی یہ اختر کی ہوشیاری کا ثبوت تھا۔ اس نے وہی کیا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ وہ اگر چاہتا تو ان لوگوں سے بھی الجھ سکتا تھا۔ لیکن اس نے شاید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ اسی لیے وہ ان لوگوں کو فرش پر ڈھیر کرنے کے بعد ایک طرف دوڑ پڑا تھا۔

زرتاج نے محافظوں کی طرف توجہ رکھنے کی بجائے ایک اور بن دیا۔ یہ بن اس کمرے سے باہر کے کمرے کے منظر کو واضح کرتا تھا۔ لیکن یہ کیا۔ اختر اس کمرے میں



”ہاں۔ وہ اختر اسکرین سے اوجھل ہو گیا ہے۔“ زینج نے جلدی سے بتایا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہاں میں تو اسے دانا کر رہی تھی۔ لیکن وہ مجھے نہ کس طرف نکل گیا ہے۔“

”میں جانتا ہوں کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ کیونکہ میں خود بھی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تم فکر مت کرو۔ وہ مجھ نہیں جاسکتا۔ اس مکان سے باہر میرے آڈیوں کی پوری ٹیم موجود ہے۔ وہ اسے کہیں نہیں جانے دیں گے۔“

”تھوٹو لو پاس۔“ زینج نے ایک گھری سانس لی۔ وہیں تو ڈر ہی گئی تھی۔

”تھے وقف ہوئے۔ دوسری طرف سے ہنسنے ہوئے کہا گیا۔ کہا تم نے سمجھتی ہو کہ میں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہوگا۔ مجھے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ ان بھجوں پر غالب آجائے گا۔ وہ ان لوگوں کو ڈھک کر کے باہر نکل آئے گا۔ میں خوش ہوں۔ میرا تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ مجھے اس بات کی برداشت نہیں کہ اس نے میرے آڈیوں کا کیا حشر کیا ہے۔ ہر قسم کی سیکورٹی جانی ہے۔ مجھے ان میں سے کسی کی پرہیز نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ سو گنڈر جمع کرنے سے بہتر ہے کہ ایک شیر کو رکھ لیا جائے۔ وہ ان کیڈوں پر بھاری پڑ جائے گا۔ بہر حال تمہارا آج کا کام ختم ہوا۔ تم آرام کر سکتی ہو۔“

”بہت بہت شکریہ پاس۔“ زینج نے ڈائریکٹر کو دیکھا اور اسکرین سیٹ کے پاس سے اٹھ کر وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ آج وہ ایک عجیب سے جذبے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اختر جس وقت اس کے پاس لایا گیا تھا اسی وقت اس کی وجاہت نے اسے متاثر کر دیا تھا۔ پھر اس کی معصومیت نے اس کے دل میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ اذیت اس کی بے پناہ دلیری کے لیے کہ وہ نہ کر لیا تھا اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ زندگی بھر جس قسم کے مضبوط ہتھکڑی میں رہی ہے ایسا سہارا سولنے اختر کے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ وہ اس کو اپنے سینے میں سمیٹ کر رکھ لینا چاہتی تھی۔ وہ اپنے تصور میں غیاب صرف اختر ہی کی ہو کر رہی تھی۔ صرف اختر کی۔

اسی وقت ڈائریکٹر کے اشارے نے اسے جڑ کا دیا وہ چند لمحوں تک خالی خالی نگاہیں سے اس الماری کی طرف

دیکھتی رہی جہاں سے وہ اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے الماری کھولی۔ ڈائریکٹر کا ہاتھ بار بار چل اور بچ رہا تھا۔

”یس پاس۔“ اس نے ڈائریکٹر آن کرتے ہوئے دیا۔ ”اختر کا کوئی پتا نہیں چلا۔ دوسری طرف سے اس کے پاس کی آواز سنائی دی۔ تمام آڈیوں کو الرٹ کر دینا ہر حال میں اسے تلاش کرنا ہے۔“

سادن اور ریٹا اس وقت ایک دھڑکتے پیچھے ہوئے تھے۔

اتفاق سے دوسرے ہی دن لا جوئی نے انہیں یہ بتایا تھا کہ آج انوپ کمار اس کے ساتھ پھر رہی ہوگی۔ والد اسے اور اس نے فلم کے پردے اور سوراؤ ڈائریکٹر کو ان بات کے لیے راضی کر لیا ہے کہ یہ رہی ہوگی۔ وہاں سے میں کی جائے۔ فلم کا پردہ اور سوراؤ ڈائریکٹر جو سوراؤ کے مرہون احسان ہیں۔ اسی لیے اس کی بات رو نہیں کی جاسکتی۔ ”لیکن تم اس بڑے کے لیے کیوں تیار ہو گئیں۔ ڈیٹا لے لو چھوٹا جیک تمہیں یہ احساس ہے کہ وہ اس رہی ہوگی کے دوران جان لینے کی کوشش کرنا ہے۔“

”یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن میں تم لوگوں کے پھر سے بد تیار ہو گئی۔ لا جوئی نے بتایا ہے کہ تمہارا جیک بک تم اپنی آنکھوں سے اس رہی ہوگی کو نہیں دیکھو گے تو تمہیں پھر بد یقین نہیں آئے گا۔“

”ہاں۔ میں نے یہ بات کی تھی۔“ سادن نے کہا۔ ”میرا تم جب یہاں سے جانے لگو تو ہمیں بتا دینا۔“

لا جوئی کچھ دیر ان کے خیمے میں بیٹھ کر واپس چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد یہ دونوں سوچ بچار میں ڈوب گئے۔ یہ دونوں ہی اس کی مدد کرنی چاہتے تھے لیکن وہ خود بھی جہاں قیدی تھے خود غور رہتے۔ اور ایک غور شخص دوسرے کی مدد کر سکتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اگر وکٹر سے بات کی گئی تو اس کا رویہ کچھ اور ہو جائے گا۔

اس نے ابھی تک ان لوگوں کو اس کیمپ میں نکل و حرکت کی آزادی دے رکھی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ اس سے رہایت واپس لے لے۔ اس کے علاوہ وکٹر ایسا آدمی تھا جسے لا جوئی سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اگر کچھ بھی دیتا تو فلم کے ڈائریکٹر اور پردہ اور سوراؤ کا ساتھ دیتا۔

کیونکہ ان ہی لوگوں کے ذہن نے اسے اپنا مقصد حل کرنا تھا۔ بہر حال سادن نے لا جوئی سے وعدہ کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ ہر قیمت پر اپنے اس وعدے پر قائم رہنا چاہتا تھا۔

”کچھ بھی ہو میں لا جوئی کو اس انوپ کمار سے محفوظ رکھنا ہوگا۔“ سادن نے کہا۔ ”میں اس سے وعدہ کر چکا ہوں۔ لیکن ہم یہاں سے نکلیں گے کس طرح۔ وہ یہاں نے بڑھ چکا۔ وکٹر نے تو ہمارے چاروں طرف اپنے آڈی لگا رکھے ہوں گے۔“

”یہ بات تو ہے۔ لیکن ہمارے لیے گھومنے پھرنے کی پابندی نہیں ہے۔“ سادن نے کہا۔ ”میں ایک سیدھا سادہ آدمی ہوں۔ چالاکی اور داؤ پیچ سے ناواقف ہوں۔ لیکن اب محسوس کر رہا ہوں کہ یہ حربے اختیار کیے بغیر کام بھی نہیں چل سکتا۔“

”کیا مطلب۔“ وکٹر نے ابھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیسی چالاکی کرنے والے ہو؟“

”میں نے اس کیمپ میں گھومنے پھرنے کے دوران ایک ایسا شخص دیکھ لیا ہے۔ جہاں ہر قسم کے پڑے رکھے ہوئے تھے۔ خانہ بدوشوں کے لباس سے لے کر کوٹ پتلون تک موجود ہیں۔ تم نے تو خود دیکھا تھا کہ اس کیمپ میں خانہ بدوشوں کے لباس میں بہت سے مرد اور عورتیں گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔ ہم بھی اگر ویسا ہی لباس پہن کر کیمپ سے نکل لیں۔ تو پھر کوئی بھی ہمیں پہچان نہیں سکے گا۔ اور ہم آسانی کے ساتھ اس کیمپ سے نکل کر مدد کر سکیں گے۔“

”تم میں بھی اب ان ہی لوگوں کی طرح چالاکی آتی جا رہی ہے۔“ وکٹر نے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیسی تیز رفتاری سے تم نے یہ بات کہی۔“

”یہ بات تو ہے۔“ وکٹر نے اس کی طرف دیکھا۔ ”میں نے یہ بات کہی۔“

بدوش ہیں یا فلم ہی سے متعلق لوگ ہیں۔ سادن پر جو کچھ بتایا اس کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی۔ اسی لیے وہ آسانی سے گھوم پھرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ نے جانے کس ملامت میں الجھا ہوا تھا کہ کیمپ تک جانے کے بعد اس نے سادن اور ریٹا سے ملاقات کی بہت کم کی تھی۔ لیکن یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ ان کی طرف سے غافل بھی ہو گیا ہو۔ اس نے یقیناً اپنے آڈیوں کی نگرانی کے لیے لگا دیے ہوں گے۔ سادن کو اس وقت ان ہی آڈیوں کی نگاہوں سے بچ کر اس خیمے تک پہنچنا تھا جہاں اس نے ملبومات کے ڈھیر دیکھے تھے۔

کیمپ میں معمول کے مطابق چہل پہل تھی۔ سادن انہیں پہچانتا تو نہیں تھا۔ لیکن انشاؤر احساس تھا کہ ان میں بہت سے فلمی لوٹ کے لگے تھے اور کچھ وکٹر کے آڈی جن کی نگاہیں اس کی جانب یقیناً تھراں ہوں گی۔ وہ بہت دہرنگ ہوں ہی ادھر ادھر کھڑے رہا۔ ان لوگوں کو دیکھتا رہا جو فلم بننے کے خیال سے بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ ان لوگوں میں بہت جوش اور بھان دکھائی دے رہا تھا۔ سادن یہ دیکھ کر کچھ حیران تھا کہ آٹھ گھنٹے کے فاصلے پر وہ پردہ اور پردہ لہرے آتے آڈیوں کا انداز کس طرح کیا ہوگا۔ پھر اسے لوگوں کے لیے اخراجات کتنے ہوتے ہوں گے۔ بہر حال یہ سب باتیں اس کے سوچنے کی باتیں نہیں۔

وہ ادھر ادھر کھڑے رہا۔ وہ موقع پا کر اس خیمے میں داخل ہونا چاہتا تھا جس کے اندر ملبومات رکھے تھے۔ وہ کمرچ بہت دیر سے اس خیمے کے گرد منڈلا رہا تھا۔ لیکن اسے ابھی تک موقع نہیں مل سکا تھا۔ کوئی کوئی وہاں ضرور دکھائی دے جاتا۔ پھر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ وہ مایوس ہو گیا۔ لوگ ملبومات کے اس خیمے کے پاس پہنچنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ رات میں اس وقت خیمے میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا جب کیمپ کے لوگوں پر نیند مسلط ہو گئی ہو۔

وہ واپس کے آدے سے مڑا اور اس وقت تک نیم خیمے سا آدمی اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک سخت چہرے والا آدمی تھا جس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور اس کے منہ سے بدلے کے جھکے اٹھ رہے تھے۔ وہ سادن کے سامنے کھڑا ہوا۔ آہستہ آہستہ لہر لہر رہا تھا۔

”اے۔ تم ادھر ادھر کیا گھومتا پھر رہا ہے؟ اس نے  
لوکھڑائی ہوئی آواز میں ساون کو سختیاب کیا: چلو جا کر  
میرے کپڑے لے آؤ۔“  
ساون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر کچھ سوچ کر  
خاموش ہو گیا۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ شخص اپنی بات کی مزید  
وضاحت کر دے۔  
”نہ نے سنا نہیں؟ اس نے پھر کہا: جاؤ میرے کپڑے  
لے آؤ۔“

”کہاں ہیں آپ کے کپڑے؟“ ساون نے نرم لہجے میں  
دریافت کیا۔

”اے۔ تم کبھی ہرودکشن کا آدمی ہے؟“ وہ غصے سے بولا  
”تم کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ انوپ کمار کے کپڑے کہاں ہوتے  
ہیں؟“ اوہ؟“ ساون نے ایک گہری سانس لی۔ ”یہ انوپ کمار  
تھا۔ ساون خود اس کو دیکھتا اور اس سے ملتا جانتا  
تھا۔ اور انوپ کمار اس کے سامنے آیا بھی تو ایک ایسے انداز  
میں جو سادہ کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ ساون شاید اسے  
ہرودکشن سے متعلق کوئی معمولی آدمی سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے وہ  
اسے درشت لہجے میں ساون کو اپنے کپڑے لانے کا حکم دیتے  
جدا ہوا تھا۔  
”ساون! ساون! کادل چاہا کہ وہ انکار کر دے۔ اس سے کہہ دے  
کہ وہ اس کا غلام نہیں ہے۔ پھر اچانک ایک خیال نے اس  
کی زبان روک دی۔ وہ خود بھی تو اس خیمے میں جانا جانتا  
تھا۔ جس کی طرف انوپ کمار اشارہ کر رہا تھا۔ یعنی وہ جس  
موقع کی تلاش میں تھا وہ موقع اچانک ہی اسے حاصل  
ہو گیا تھا۔“

”میں خیمے میں نہیں جاسکتا جناب؟“ اس نے کچھ  
سوچنے کے بعد بولیں، ہی ایک بات کہہ دی۔ ”وہ دروازے  
پر بیٹھا ہوا آدمی مجھے اندر نہیں جانے دے گا۔“  
”کیسے نہیں جانے دے گا؟“ انوپ کمار نے لگا: ”تم  
جاؤ۔ اس سے کہہ دینا کہ انوپ کمار نے جو کپڑے آج پیک  
کر لئے ہیں وہ دے دے۔“

ساون دل ہی دل میں مسکرایا۔ یہ ایک حیرت انگیز  
اتفاق تھا۔ اس کے ہیک وقت دونوں کام ہو گئے تھے۔  
یعنی اس نے انوپ کمار کو بھی دیکھ لیا تھا اور اس خیمے میں  
جانے کا موقع بھی مل رہا تھا۔ لاگوئی نے انوپ کے ہاتھ  
میں جو کچھ کہا تھا وہ درست ہی معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ  
وہ دیکھنے ہی سے درشت مزاج اور تند خو تھا۔ اس کے

چہرے پر اس کی سفاکی ایک مستقل روپ بن کر نظر آئے  
تھی۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں یہ ظاہر کر دیتی تھیں کہ  
شخص اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کسی کا خون بھی  
کر سکتا ہے۔ لاگوئی اگر اس سے خوفزدہ تھی تو پھر اس کا  
خوف بے فنی نہیں تھا۔

بہر حال وہ اس بار بڑی خود اعتمادی کے ساتھ ہی  
خیمے کی طرف بڑھ گیا۔ جس کے دروازے پر ایک آدمی ایک  
کرسی پر ایک بڑا سا جھریلے بیٹھا تھا۔  
”میں انوپ کمار صاحب کے کپڑے لینے آیا ہوں۔ ہرودکشن  
نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

”کیسے کپڑے؟“ اس نے اپنی گردن اوپر اٹھائی۔ اس  
وقت ساون کادل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ لیکن وہ  
شخص ساون سے واقف نہیں تھا۔ وہ اسے ہرودکشن  
ہی سے متعلق کوئی آدمی سمجھتا تھا۔ کیسے کپڑے چاہیں انوپ  
کمار صاحب کے؟

”وہ جو انہوں نے پیک کر کے رکھے ہیں؟“ ساون نے  
انوپ کمار کی بات دہرای۔

”اوہ۔ وہ کپڑے۔ جاؤ۔ اندر نہ کے اوپر کاغذ کا ایک  
بندل رکھا ہے۔ وہی ہیں ان کے کپڑے۔“

اجازت ملنے کی دہر تھی کہ ساون فوراً ہی خیمے میں داخل  
ہو گیا۔ اس خیمے میں وہ پہلے ہی جھانک چکا تھا۔ اسی  
لیے اسے معلوم تھا کہ اس میں کپڑوں کے انبار رکھے ہوئے  
ہیں۔ اس وقت اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ آخر اسے  
سامنے کپڑے کسی ایک ہی خیمے میں کیوں موجود ہیں لیکن  
اب اس کی سمجھ میں آیا تھا کہ یہ ملیسوسات پرودکشن کے  
کام میں استعمال ہوتے ہیں۔ بہر حال وہ خیمے میں داخل ہو  
گیا۔ جہاں ہر طرف رنگ رنگ ملیسوسات کا ڈھیر لگا ہوا  
تھا۔ انوپ کمار کے کپڑے ایک بندل میں بندھے ہوئے  
سپاہنے ہی رکھے تھے۔ لیکن ساون کو علاقائی لباس کی  
تلاش تھی۔ کچھ دیر کے بعد اس نے دو عدد علاقائی لباس  
اٹھا کر انہیں بھی ایک بندل میں باندھا اور کاغذ میں لپیٹ  
کر انوپ کمار کے بندل کے نیچے رکھ کر باہر لے آیا۔ یہ اس  
نے دلیری کا کام کیا تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اسے  
چیک کر لیا گیا تو وہ کہہ دے گا کہ یہ لباس بھی انوپ کمار  
ہی نے منگوائے تھے۔ پھر بعد میں جو روتا دیکھا جاتا لیکن  
یہ اتنی قحط تھا کہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ خیمے کے دروازے پر

ہوا آدمی کسی سے گپ شپ میں مصروف تھا۔ اسی  
مادون اس کی نگاہیں پکڑ کر دونوں بندل لیے ہوئے  
بلنے میں کامیاب ہو گیا۔

سب سے پہلے اس نے خانہ بدوشوں والا لباس ریٹا  
لے گیا پھر انوپ کمار کے خیمے میں پہنچ گیا۔ جہاں  
یہ کپڑے تھے میں بدست پڑا ہوا تھا۔ ساون نے اس  
باس کا بندل اس کے سر پر لے رکھا اور اپنے خیمے میں  
آ گیا۔  
دوسرے دن لاگوئی گھرائی ہوئی ان کے خیمے میں  
ہوئی۔ اور اس نے بتایا کہ انوپ کمار اسے رہبرسل  
ہے لے جا رہا ہے۔

”ٹھیک ہے؟“ ساون نے اسے تسلی دی۔ ”تم بے فکر ہو  
مکے ساتھ چلی جاؤ۔ ہم لوگ تم سے زیادہ دھن نہیں  
اگے۔“  
لیکن تم لوگ وکٹر کے آدمیوں کی نگاہوں سے کیسے  
لوگے؟

”ہم نے اس کا انتظام کر لیا ہے؟“ ساون نے بتایا پھر  
نے خانہ بدوشوں والا لباس دکھاتے ہوئے لاگوئی کو  
بھاسل کرنے کی پوری کھانا اور اپنے منصوبے کے  
میں بتا دیا۔ لاگوئی نے یہ سن کر اطمینان کی سانس  
بابت وہ اور ریٹا ایک درخت کے پیچھے چھپ کر انوپ  
لاگوئی کو دیکھ رہے تھے۔ ساون کو اب احساس  
تھا کہ لاگوئی کا مشہور درست ہی ہو سکتا ہے کیونکہ  
رہبرسل کے لیے اتنی دور آنا سوائے حماقت کے اور  
نہیں تھا۔ اب اس کے ارادے خطرناک تھے۔

”بھولاگوئی۔ آج ہماری آخری رہبرسل ہوگی۔“ انوپ  
نے سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ ان  
پہنچ نہ سکی تھی۔

”یک ہے؟“ لاگوئی نے اپنی گردن ملا دی۔ ”میں  
ورک رہبرسل سے تنگ آچکی ہوں۔ مجھ میں نہیں  
سے دل نہیں کیا ہے۔ اور تم کیا چاہتے ہو۔ مجھے تو  
رکنا اور یہ دوسرے رہبرسل بھی حیرت ہوئی ہے۔ آخر  
نے تمہیں اتنی آزادی کیوں دے رکھی ہے کہ تم مجھ  
لیے اٹھا کر رہبرسل کے لیے کسی دیرانے میں لے آؤ  
کیسی رہبرسل ہے؟“

”سب تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔“ انوپ کمار  
بے تمہارا ڈانٹ بکڑا اور ہرودکشن کے بندلوں میں سے

ساتھ مجبور ہیں۔ ہاں اگر تم چاہو تو اس ظلم میں کام  
کرنے سے انکار کر سکتی ہو۔“

”شاید تم اسے یہ کہہ رہے ہو کہ تم جانتے ہو کہ میرے  
لیے یہ ممکن نہیں رہا۔“ لاگوئی نے کہا۔ ”میں نے نہ صرف  
ایک عرصت پر سائن کر دیے ہیں بلکہ ایک والس کے طور  
پر ابھی خاصی رقم بھی لے لی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے  
آج تک ایسا نہیں کیا۔ یہ میرے کہہ رہا ایک داروغہ بن جانے  
کا پھر یہ کہ میں شوٹنگ کے چکر میں شہر سے اتنی دھڑا چکی  
ہوں۔ اسی لیے میرا واپس جانا ممکن نہیں ہے۔ تم یہ سب  
ابھی طرح جانتے ہو۔ اسی لیے میری مجبوروں سے فائدہ  
اٹھانے کی کوشش کر رہے ہو؟“

”اب جا رہے جو بھی سمجھ لو؟“ انوپ کمار نے بے پروائی سے  
کہا۔ ”تم کو واپسی منظور نہیں۔ تو اس رہبرسل میں یہ رہنا  
دو۔ میں جس طرح کہتا ہوں وہ کرو۔“

ساون کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ لاگوئی  
کے لیے میں اتنی بے خوفی کہاں سے آئی تھی۔ وہ انوپ کمار  
جلے شخص سے اس قدر بھل کر اس طرح بات کر رہی تھی۔ وہ  
جانتی تھی کہ ساون اور ریٹا حسب وعدہ کسی مشکل وقت  
میں اسے بچانے کے لیے اس کے ارد گرد ہی کیوں موجود  
ہوں گے۔

”ٹھیک ہے۔ بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ لاگوئی نے اچھا  
”لیکن اتنا سوچ لو کہ آج کے بعد میں تمہارے ساتھ اس  
حق پر قسم کے رہبرسل کے لیے نہیں آؤں گی۔ چاہے مجھے  
اپنا ایکریٹ منسوخ ہی کیوں نہ کرنا پڑ جائے۔ چاہے کچھ  
بھی ہو جائے۔“

”میں بھی آج کے بعد تمہیں رحمت نہیں دوں گا۔“  
انوپ نے کہا۔ ”خیر! تم دوڑنا شروع کر دو۔ ساتھ ساتھ  
کک دوڑنے کے بعد دائیں اور بائیں لہراتے ہوئے دوڑنا  
یعنی ڈگ ڈگ کی صورت میں۔ پھر میں تم پر گریبان چلانا  
شروع کر دوں گا۔ تم یہ ظاہر کرو کہ ایک کوئی تمہارے پیرو  
میں لگی ہے اور تم گر جاؤ گی۔“

”تمہارے ریوا اور میں گولیاں کیسی بھری ہوئی ہیں؟“  
لاگوئی نے پوچھا۔

”میں یہ نہیں کہوں گا کہ میں تم پر مصنوعی گولیاں برساتے  
والا ہوں؟“ انوپ کمار نے جواب دیا۔ ”میرا مطلب ہے کہ یہ  
گولیاں مصنوعی تو ہوں گی۔ اس کے باوجود یہ اتنی خطرناک  
ہیں کہ اگر گگ گگین لوگوں کو شہت پہنچا سکتی ہیں۔“

”تمہارا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا رہبر ہل کے لیے مصنوعی اور بے ضرر گولیاں استعمال نہیں کی جاسکتی ہیں؟“  
 ”نہیں! انوب نے قطعی فیصلہ کن انداز میں اپنی کمر ہلا دی۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم تو خود ایک سمجھی ہوئی اداکارہ ہو۔ تم ابھی طرح حاشیہ ہو کہ حقیقت اور تصنیف میں کتنا فرق ہو گا کہ تمہارے اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ رولاور میں مصنوعی گولیاں بھری ہوئی ہیں تو تمہارے چہرے کے تاثرات پسندوں ہی نہیں گئے۔ ان میں کوئی جان پیدا نہیں ہو سکے گی۔ کوئی خاص تاثر نہیں بھرے گا لیکن جب یہی گولیاں حقیقی ہو جائیں تو پھر تم خوف اور وحشت کی ایسی اداکاری کرو گی جو بے مثال ہوگی!“

کچھ کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ سادو نے اپنی مٹھیاں پیچھ لیں۔ اب کھیل شروع ہونے والا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ انوب کلا لاجوئی کے ساتھ کس قسم کی رہبر ہل کیا کرتا ہے۔ اور یہ رہبر ہل واقعی کتنی خطرناک ہے۔ لاجوئی کے سارے اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔  
 ”یہ کھیل شروع ہونے والا ہے۔ ریٹا! اس نے سرگوشی کی۔ اب بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔“

”یہی ہیں سوج رہی ہوں۔ یہ ریٹا تو نیش بھرے لیچے ہیں بولی۔ تم مجھے براہ راست اس کے سامنے نہیں جاسکتے اس کی بالوں سے یہ پتلا ہل رہا ہے کہ اس کے پاس رولاور وجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ غصے میں آکر تمہیں بھی ہلاک کر ڈالتے۔“

”کاش اس وقت میرے پاس بھی کوئی ہتھیار ہوتا لڑاؤ نے کہا۔ پھر تو اب تک میں اس شخص کا فتنہ ختم کر چکا ہوتا یہ شخص مجھے پہلی ہی نگاہ میں پسند نہیں آیا ہے۔“

”ہاں صورت ہی سے بے رحم اور کید صفت آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ ریٹا نے رائے دی۔ لیکن ڈرا یہ تو سوچو کہ اب کیا کیا جائے؟“

”میرے ذہن میں ایک ترکیب آرہی ہے۔“  
 ”وہ کیا ہے؟“

”میں اس کے سامنے پہنچ جاتا ہوں۔ اور اس سے کہتا ہوں کہ ہنگل صاحب نے اسے بلایا ہے۔“  
 ”یوں ہنگل؟“

”سننے والی فلم کا ڈائریکٹر سادو نے بتایا۔ اس طرح وہ مجھ پر کوئی شبہ بھی نہیں کرے گا۔ اور وہ مجھے ہنگل کا آدمی

بھیجے گا کیونکہ کل ہی میری اور اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اور میں نے اس کے کہنے کے لیے لاکر اس کے خیمے میں رکھے تھے۔ میں اگر حوالہ دوں گا تو وہ فوراً نہیں انے کا۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ کوشش کر کے دیکھ لو۔“ ریٹا نے کہا۔  
 ہر حال میں لاجوئی کو اس کے ہاتھ سے بچانا ہے۔ میرا ہتھکڑا ساختم نہیں جاؤں گی۔ بلکہ میں چھری رہوں گی۔ تاکہ معاملہ اگر کوئی اور رخ اختیار کرے تو میں کسی طرح تمہاری مدد کر سکوں۔“  
 ”ہاں۔ یہی مناسب ہے۔ سادو نے ایک گہرا سانس لیا۔ تم تو دیکھتی رہنا میں اب جا رہا ہوں۔“

اس دوران انوب کمر لے لاجوئی کو دوڑانا شروع کر دیا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے رولاور نکال لیا اور اس کا رخ لاجوئی کی طرف کیا، ای تھا کہ سادو درخت کے عقب سے نکل کر چلا تا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔  
 ”انوب صاحب۔ انوب صاحب!“

انوب کمر کا ہاتھ جھٹک لیا وہ بڑی حیرت سے سر ہل کر طرف دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف لاجوئی بھی کھڑی ہو گئی تھی۔  
 ”کیا بات ہے۔“ انوب غایا۔ ”کون تو تم۔؟“

”صاحب۔ وہ آپ کو ہنگل صاحب نے بلایا ہے؟“  
 ”نہیں۔ پوچھتا ہوں کون ہو تم۔؟“

”اتنی جلدی بھول گئے صاحب۔ میں بھی اس فلا کا آدمی ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا۔ کل میں نے آپ کو کپڑے لاکر دیے تھے۔“

”خیر۔ یہ بتاؤ تمہیں کیسے معلوم کہ ہم یہاں ہیں؟“  
 ”ہم نہیں جی۔ ہنگل صاحب کو معلوم ہو گا۔ انہوں نے ہی مجھے اس طرف بھیجا ہے۔“

انوب اپنے ہونٹ چبانے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں سے اس کی ناکا کی کھلا ہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا رولاور ابھی جیب میں رکھ لیا اور پاؤں پٹختا ہوا کیمپ کی طرف چل پڑا۔ اس کے جاتے ہی لاجوئی دوڑتی ہوئی ان دونوں کے پاس آ گئی۔  
 ”اگر تمہیں ذرا بھی دے ہو جانی تو شاید یہ میرا آخری دن ہوتا۔“

”اگر تمہاری قیامت نہیں سکتا تھا۔ سادو نے کہا۔ میں نے اس کی حرکتوں پر پوری نگاہ رکھی تھی۔“  
 ”اور تمہاری خاطر سادو نے بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے۔“ ریٹا نے بتایا۔ ”وہ جس وقت کیمپ پہنچے گا اس

وقت اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ جھوٹا لولا لیا ہے۔ جس کا نتیجہ ہو گا کہ اس آدمی کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ جس نے انوب سے غلط بیانی کی ہے اور باب بہ بات و کثر تک پہنچے گی تو نہ جانے سادو کے ساتھ کیا جائے؟“

”اوہ۔ تو بہت جلد ہوا۔“ لاجوئی نے اپنے ہونٹ کپکپاتے۔ میں نے واقعی تم لوگوں کے لیے ایک عذاب لڑا کر دیا ہے۔ پھر کسی خیال سے اچانک اس کی آنکھیں ایک انٹھیں۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں ایک روشن پہلو پر نظر نہیں کر رہے ہو۔“

”اس وقت ہم تینوں اس کیمپ سے بہت فاصلے پر ہیں۔ اور ہماری نگرانی کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔“  
 ”تو پھر؟“

”پھر یہ کہ تم تینوں اس کیمپ سے نکل آئے میں اوروں کی آسانی سے فرار ہو سکتے ہیں۔“

”کہاؤ ان دونوں نے جو کہ لاجوئی کی طرف دیکھا۔ ہر ایک وقت دونوں خوشی سے اچھل اٹھے۔“

”ہمارے ذہن میں یہ تصور بھی نہیں تھا۔ سادو نے بات واقعی اس سے اچھا موقع کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور میں اس سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے۔“

”یہ بات ہم دونوں کی حد تک واضح ہے لیکن شاید ہمارے لیے پریشان کن ہو جائے۔“ ریٹا نے لاجوئی سے کہا۔  
 ”نہیں اس کیمپ میں ہمارا کچھ بھی نہیں ہے۔ جبکہ تمہارے بارے مفادات والے ہیں۔ تمہاری چیزیں ہوں گی تمہارے پیسے ہوں گے۔ تمہارا قلم مستقبل ہو گا۔“

”یہ سب کچھ میرے پاس ہی ہے۔“ لاجوئی نے کہا۔  
 ”یا بھئی ہو کر میں اپنی رقم اپنے ساتھ لیے گھومتی رہتی ہوں۔ وہ سب شہر کے بینکوں میں جمع ہے۔ ان کے علاوہ برقی مستقبل ان لوگوں کے علاوہ بھی روشن ہے۔ اور ماں تک اس کیمپ کا سوال ہے تو سوائے چند چورے اسوں کے میرا وہاں اور کچھ بھی نہیں ہے۔ بس انوب سے ان سے جانے تو یہی میرے لیے بہت بڑی بات ہوگی۔“

”اوہ۔ پھر تو میں فوراً اس منصوبے پر عمل کرنا چاہیے۔“  
 ”ابن سوال یہ ہے کہ ہم جہاں کس طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔ شہر کی طرف؟ سادو نے جواب دیا۔ ”میرا اپنے قبیلے اطراف جانا ہے تو قوی ہوگی۔ میرے بغیر کوئی بھی میرے ملکا طرف نہیں جائے گا۔ وہ شہر میں واپس آئے گا۔“

جہاں میں اس کے استقبال کے لیے موجود رہوں گا۔“  
 ”اس معاملے میں میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ لاجوئی نے کہا۔ شہر میں میرے پاس بے شمار وسائل ہیں۔ تم دونوں چاہو تو میرے یہاں رہ سکتے ہو۔“

”پر وہ نہ جیب گودام کے گھلے ہوئے ٹکٹ کی طرف دوڑا دی تھی۔“

ٹکٹ کے اندر آنے کے بعد بھی کوئی مزاحمت نہیں ہوئی۔ وہاں کوئی متاعی نہیں جو ان کی ماہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا۔ اس کے برابر پہنچتی ہوئی پستی تشریف بھری لگا ہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں ایسا لولا تو نہیں کہ تم کسی غلط جگہ پر آ گئی ہو۔ پورے نے اعلیٰ کے اندر جیب کو روکتے ہوئے پوچھا۔“

”ہرگز نہیں۔ یہ جگہ اچھی طرح جانے۔ پانی نے کہا۔“  
 ”دشمن نہیں آیا تھا۔ یہاں اس کے آدمی بھی موجود تھے۔ چلو اتر کر دیکھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے یہ گودام خالی کر دیا ہو۔ اور ہمیں کوئی ایسا مراعات مل جائے جس کی مدد سے ہم دشمن اور اس کے آدمیوں تک پہنچ سکیں۔“

پدھنی سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ دونوں جیب سے اتر آئے اور گودام کی مرکزی عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ اس وقت ہر دو بہت چوکتا ہو رہا تھا۔ وہ خود آگے تھا جبکہ پدھنی کو اس نے اپنے پیچھے چھوڑنے کی ہدایت کر دی تھی۔ گودام کی مرکزی عمارت کا دروازہ بند تھا۔ اس میں ایک بڑا سا تال لگا ہوا تھا جبکہ اس دروازے کے برابر میں ایک کھڑکی آدھی کھلی ہوئی تھی۔ دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن وہ کھڑکی پر وہ دیکھنے کے قہر سے بند تھی۔

”ہم اس کھڑکی کے ذریعے عمارت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ پر وہ نہ لے اشارہ کیا۔ اگر تم چاہو تو یہیں رک کر میرا انتظار کرو۔“

”نہیں میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔ یہ منی نے جلدی سے کہا۔“  
 ”مجھے یہاں خوف محسوس ہو رہا ہے۔“  
 ”ٹھیک ہے۔ تو میں وہ ڈرم لے کر آتا ہوں۔ پر وہ نے ایک ڈرم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
 ”جو کچھ فاصلے پر چلا جاتا تھا۔“

اس ڈرم کو کھڑکی کے نیچے رکھ کر وہ دونوں ہادی ہادی اس کھڑکی کے ذریعے گودام کی عمارت میں داخل ہو گئے۔

وہ جس جگہ انترے تھے وہ ایک بڑا سا ہال تھا جس میں کسی زمانے میں گندم وغیرہ کی بوریاں رکھی جاتی تھیں کیونکہ وہاں کے فرش پر جگہ جگہ گندم چھڑکی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ دیوار کے ساتھ دو چار بوریاں بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس ہال کی چھت خاصی بلند تھی اور ایک طرف ایک اور دروازہ تھا جو کھلا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ پر ویز نے اپنا ہتھولہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دبے قدموں اس دوسرے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ یہی اس کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ پر ویز نے دیر تک اس کھلے ہوئے دروازے کے پاس کھڑا ہوا اندر کی آہٹ لیتا رہا پھر جب کسی قسم کی آواز نہیں سنا دی تو وہ اس دروازے کو ہموار کر کے دوسری طرف آگیا۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا لیکن یہ کمرہ خالی نہیں تھا۔ اس میں ایک آدی موجود تھا۔ وہ شخص دیوار کے ساتھ کڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ اور بہو بڑو کو آتے دیکھ کر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ وہ پر ویز کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر خوف سے لرزے لگا تھا اس کے لیے میں ایک بڑا سا روشن دان تھا جس کے ذریعے وہ کمرہ پوری طرح روشن ہو رہا تھا۔ اور اس روشنی میں پر ویز کو وہ شخص بہت ہی مغلوب اور بے بس محسوس ہوا تھا اس کے کپڑے تک جھول رہے تھے۔ اس کی آنکھیں وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔

”کون ہو تم؟“ پر ویز نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

”میں گریب آدی ہوں سرکار! اس شخص نے اپنے ہاتھ جوڑ لیے۔“ مجھ پر رحم کرو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتا۔ پر ویز نے بدھنی کی طرف معنی خیز لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی اور اس شخص سے مخاطب ہوا کہ کھڑا نہ ہوں۔ میں تم پر کوئی ظلم کرنے نہیں آیا۔ تم یہ بتا دو کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”یہاں میں اپنی مرضی سے نہیں آیا ہوں سرکار۔ مجھے یہاں لاکر رکھا گیا ہے۔ میں تو ایک سیدھا سادا دیہاتی ہوں۔ یہ لوگ مجھے اٹھا کر لے آئے۔“

”کون لوگ نہیں اٹھا کر لے آئے۔“

”میں ان کے نام تو نہیں جانتا۔ لیکن ان کا جو سردار ہے وہ بہت زبردست آدی معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ دور رہ کر بھی اس کے سارے پر کام کرتے ہیں۔ اس سے بہت ڈرتے ہیں یہ لوگ۔ اور وہ ہے بھی بہت کھڑناک آدی میں اپنی بقی سے لکل کر ایک طرف جا رہا تھا کہ اس نے راستے میں

پکڑ لیا۔ مجھ سے پوچھا کہ اس بستی میں آس پاس کوئی ایسی جگہ ہے جہاں باہر کے آدی دکھائی دیتے ہوں۔ میری ہمت تو ایک دیرانے میں سے سرکار۔ اس کے ارد گرد کچھ سنا رہتا ہے۔ لیکن ادھر کچھ کچھ دلوں سے باہر کے کچھ آدی دکھائی دے رہے تھے۔ اور میری بد قسمتی کہ میں ان آدیوں کے بارے میں جانتا تھا۔ بس یہی کھرا بی ہوئی کہ میں نے اس آدی کو بتا دیا۔ اس نے جھٹ مجھے اپنی گاڑی میں بیٹھا لیا اور یو لوجا چلوں کہ وہ جگہ دکھا دو۔ میں نے کچھ جگہ دکھانے کے بعد میری جان چھوٹ جانے لگی۔ لیکن میں نے وہ جگہ دکھا دی تو اس نے اپنے آدیوں سے میرے لیے کہا کہ اس کو ٹرک میں ڈال کر شہر لے جاؤ اور اپنا ہمارا رکھو۔ بس سرکار۔ وہ لوگ مجھے ٹرک میں اٹھا کر یہاں لے آئے۔ اور اس دن سے میں اس قید میں بیٹھا ہوا ہوں پوچھا۔ کیا تم اس آدی کا حلیہ مانتا ہو؟“ پر ویز نے

”کیوں نہیں۔ اس کی صورت تو میری آنکھوں میں بسی ہوئی ہے؟ اتنا کہہ کر اس نے وشنو کا حلیہ بتا دیا۔“ اسے یہ تو اسی وشنو کا حلیہ ہے یہ پڈنی نے اضافہ کے عالم میں پر ویز کا بازو پکڑ لیا۔

”ہاں۔ مجھے بھی یہی شبہ تھا۔ پر ویز نے کہہ کر کام طلب یہ ہوا کہ وشنو یہاں موجود نہیں ہے۔ وہ یہاں سے کسی ہم چر جا چکا ہے۔ لیکن وہ ہم کیا ہو سکتی ہے بہر حال اس کا پتا تو بعد میں چلے گا۔ فی الحال تو اس کو اس کی بستی تک پہنچانا ہے؟“

”تمہاری بڑی مہربانی ہو گی سرکار! وہ دیہاتی بیا بول پر لڑا ہوا گھر والے رو رو کر مرنے لگے ہوں گے۔“ چلو۔ یہاں سے نکلو۔ تمہاری کہانی راستے میں آلوں گا۔“

پر ویز اس خوفزدہ دیہاتی کو لے کر اس کو گودام باہر آگیا۔ واپسی کے لیے بھی انہوں نے کوئی کی راہ اختیار کی تھی۔ پر ویز اسے اور بدھنی کو الٹا پھرنے کے گھر آیا تھا۔ یہاں آئے کے بعد بدھنی گریہ و زاری کی طرف خوفزدہ بھی تھی تو نیکم کو دیکھ کر ہر سکون ہو گئی تھی۔ اس اعتماد دیاں ہو گیا تھا۔

نیکم کے فلیٹ میں سب سے پہلے اس دیہاتی کی دیکھ بھال کی گئی۔ پر ویز نے ایک ملازم کے ذریعے اس کے لیے لباس خرید کر منگوا لیے اور غسل کرنے کے لیے غسل خانے میں دھنکیل دیا گیا۔ نہاد دھو کر اس کی جا

بہتر ہو گئی تھی۔ لیکن اس پر جھاپا ہوا خوف ابھی تک دور نہیں ہوا تھا۔ نیکم نے اس کے لیے کھانے کا انتظام بھی کر دیا تھا۔

”ہاں اب بتاؤ۔ پر ویز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گفتگو شروع کی۔ کیا ان لوگوں نے تمہارا خیال نہیں رکھا تھا؟“

”نہیں۔ ان لوگوں نے میرا بہت خیال رکھا سرکار! بنسی نے کہا۔“

”تو پھر تمہاری یہ حالت کس طرح ہو گئی؟“

”یہ تو دوسرے آدیوں کی وجہ سے ہوئی ہے بنسی نے بتایا۔ یہ دوسرے لوگ بہت بے رحم اور بے دروہ ہیں۔“

”صاف صاف کہو۔ کون دوسرے لوگ؟“

”میں سب بتا دیتا ہوں سرکار! بنسی نے ایک گہری سانس لی۔ میں نے آپ کو بتایا کہ اس آدی نے مجھے شہر کی طرف بھیج دیا تھا۔ اس کے ساتھی مجھے اس گودام میں لے آئے۔ جہاں سے آپ نے مجھے چڑھایا ہے یہاں بھی بہت سے آدی تھے۔ سب کے سب خطرناک دکھائی دیتے تھے۔ لیکن کچھ بات یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے مجھے کوئی تکلیف نہیں دی۔ میرا بہت دھیان رکھتے تھے۔ کھانے پینے کا بلور انتظام تھا۔ بس چکرے متاکہ میں کہیں لکل نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اہر کوئی تکلیف نہیں تھی۔ جو آدمی مجھے لے کر یہاں آیا اس کا نام بلرام تھا۔ وہ بہت طاقتور تھا۔ ہر کار کھنڈہ مار کر دیوار توڑ سکتا تھا۔ تو اس بلرام کا ذوق بھی بہت اچھا تھا۔ وہ کبھی میرا دھیان نہ کھاتا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں سمجھ گیا ہوں۔ میں نے اپنی پوری زندگی میں اتنی گولیاں چلتی ہوئی نہیں سنی ہوں گی جیسے وہ فوج میں ایک دوسرے کے آئے سامنے آئی ہوں۔ ہر طرف ہنگامہ مچا تھا۔ بہت شور مچ رہا تھا۔ کچھ لمحے میں نہیں آتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ جاکر دیکھنا۔ جس کمرے میں تھا اسی میں چکا بیٹھا رہا۔ اس کے بعد جی بالکل سناٹا چھا گیا بالکل سناٹا۔ گولیاں چلنا بند ہو گئیں۔ لوگوں کا شور ختم ہو گیا۔ پھر میں انتظار ہی کرنا پڑا لیکن میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ نہ اس وقت نہ صبح نہ شام۔ اسی طرح پانچ دن گزر گئے۔ اور آج آپ چلے آئے جس جی یہ ہے میری کہانی۔

”کمال ہے؟ پر ویز بڑبڑایا۔ گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو

کہ تم مسلسل پانچ دنوں تک وہاں بھوکے پیاسے رہے تھے؟ یہ تو میں نہیں کہتا جی۔ کیونکہ وہاں سخت ٹھہرت تھا پینے کا سامان تھا جو ایک دو دن تک چلنا رہا پھر ختم ہو گیا۔“

”عجب آدی ہو۔ تم نے وہاں سے نیکم کی کوشش کیوں نہیں کی۔ تمہیں تو یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ گودام خالی پڑا ہے؟“

”ہاں جی۔ مجھے اس کا اندازہ تھا۔ اس کے باوجود میں نہیں نکل سکا کیونکہ میں بہت ڈرا ہوا تھا جی۔ میں ایک سیدھا سادا دیہاتی آدی ہوں۔ میں نے ابھی تائیں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہاں تو ڈر کے مارے نیکی حالت خراب تھی۔ میں گودام سے باہر کس طرح آتا؟“

”ہوں؟ پر ویز نے ایک گہری سانس لی۔ پھر تو تمہیں یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ حملہ کرنے والے کون تھے؟“

”نہیں جی۔ میں تو دیکھا بیٹھا رہا تھا۔ میں ان لوگوں کو کیسے دیکھتا؟“

”اچھا جن لوگوں نے تمہیں قید کیا تھا۔ ان میں سے کسی کا نام بتا سکتے ہو۔“

”ہاں جی ایک کا نام مجھے معلوم ہو گیا تھا۔ برجہ نام تھا اس کا۔ لمبا چوڑا آدی تھا جی۔ ہر وقت پستول لیے رہتا تھا جی۔“

”برجہ؟ پر ویز نے پُر خیال انداز میں اپنی گردن ہلائی پھر نیکم کی طرف دیکھا۔ کیا تمہاری یادداشت میں اس کا گواہ آدی ہے؟“

”نہیں مجھے بھی یاد نہیں آ رہا۔ نیکم نے جواب دیتے ہوئے پولیس کے ریکارڈ میں اس کا تذکرہ ہوا۔“

”کیا اس وشنو نے بھی برجہ کا نام تو نہیں لیا۔ پھر ویز نے بدھنی سے پوچھا۔

”جی ہاں کا جواب بھی انکار میں تھا۔ پر ویز نے کھپے ہو کر شہلہ شروع کر دیا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ جن لوگوں نے اس دیہاتی کو قید کیا تھا ان لوگوں پر کسی اور گروہ نے حملہ کر دیا تھا۔ لیکن اس کو قید کرنے والے کون تھے اور اس پر حملہ کرنے والے کون تھے۔ یہ ایک ایسی پہلی تھی جس کا سراغ نا تو ان میں سے کسی آدمی کو قابل میں کر کے حاصل کیا جاسکتا تھا یا پھر اسی گودام میں اس سے کار لا موجود تھا۔ اس گودام کا کوئی ڈکون تو مالک ہو گا۔ کوئی تو اسے استعمال کرتا ہو گا۔ پھر اس کے ذریعے وشنو اور اس کے آدیوں تک رسائی کی

جاسکتی تھی۔

”اب میرے لیے کیا حکم ہے سرکار؟ بسی کی وارنے اسے جو لگایا۔ وہ بڑی رحم طلب لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”تمہیں ایک دن دوں تمہیں رہنا ہوگا۔ پر مرنے پہلے اس کے بعد تمہیں تمہاری بیٹی تک پہنچا دیں گے۔“

”او بھگوان! یہ سب کچھ لکھا ہو کر لکھنے میں نے کبھی اس کو راستہ بتا کر اپنی موت ہی ہوتی۔“

”سب سیریلے کسی خیال کے تحت ہو کر غلط کیا۔ کیوں نہ ہو؟ اسے پہلے شروع کر دیں جس سے پہلے دیکھنا پانے سہجی کئے کر گیا ہے۔“

”اوہ ہاں! پر بڑے چونک بڑا یہ تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ہے کہ دشمن اور اس کے ساتھی سے ہماری مدد ہو چلائے ٹھیک ہے۔ میں ذرا دوام کے مالکان کا پتا چلانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم لوگ اس سفر پر روانہ ہو جائیں گے۔“ انا کہہ کر اس نے دیہاتی کی طرف دیکھ کر دوست، تمہیں ایک بار پھر وہ راستہ بتانا ہوگا۔ لیکن پہلے تمہیں کسی اور کو بتانا تھا۔ اس بار تمہیں بتاؤ گے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

اختیار ہی راہ بنانا ہوا۔ آج اسے تک آیا اور پھر نکلے کیا سوچ کر اس نے کرائے کی بارڈھ کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ یہ عمل اس نے انتہائی برقی رفتار سے کیا تھا۔ اس میں اس کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا۔ بس اس کے ذہن میں آیا کہ جھانڈوں کی طرف چھلانگ لگا دو اور اس نے چھلانگ لگا دی، ہو سکتا ہے کہ اس معاملے میں اس کی چوٹی جس نے اس کی رہائی کی ہو لیکن وہ ان جھانڈوں میں چھلانگ لگانے کے بعد وہیں بیٹھا رہا۔ اُن نے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ بس اس کی نگاہیں عمارت کے دروازے اور برآمدے کی طرف لگی ہوئی تھیں جہاں لوگوں کی جھاگ دوڑتی ہوئی تھی۔ یہ لوگ شاید کسی کی تلاش میں تھے۔ ان کی طرف گھومتے پھرتے تھے لیکن ان میں سے کسی کا دھیان ان جھانڈوں کی طرف نہیں گیا تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہ جھانڈوں کی بہت گہرائی میں تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔

ایک دوسرے کو آواز میں دیتے رہے اور وہ یہیں دیکھا ہوا بیٹھا رہا۔ اسے یاد نہیں کہ وہ کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا تھا۔ اور خالی الذہن، جیسے یہ ساری جھاگ دوڑا اور کسی کے لیے ہو رہی ہو۔ ان کا ذہن دار کوئی اور ہو۔ اس کی خالی نگاہیں اس طرح برآمدے اور دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں جیسے اس کے فہم میں کچھ بھی نہیں ہو۔ کوئی بات نہ ہو۔ کوئی تاثر نہ ہو۔ کوئی جذبہ نہ ہو۔

اس کی یہ کیفیت اچانک ہی ہوئی تھی، اس سے پہلے وہ ان لوگوں سے مقابلہ کرتے ہوئے جتنا پر جوش اور ترن تھا دکھائی دے رہا تھا۔ اب وہ سب کچھ اس طرح ختم ہو گیا تھا جیسے کوئی مٹین چلتے چلتے اچانک رک جائے۔ وہ کسی مشین ہی کی طرح رکھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر یہی اواز لائق کے تاثرات تھے۔ وہ بہت دیر تک ان ہی جھانڈوں کے درمیان بیٹھا رہا۔ پھر اسے سے جھانڈوں سے نکلا اور اسی لیے نیمازی کے ساتھ چلتا ہو گیا۔ اسے باہر آکر کسی نے اس کی راہ نہیں روکی تھی۔ کوئی بھی اس کے راستے میں مزاحم نہیں ہوا تھا۔

کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ خالی خالی انداز میں ایک طرف چلتا رہا۔ اسے بھی اعلازہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے اس کی منزل کہاں ہے، اور وہ خود کون ہے، یہ سب کچھ اس کے ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ ایک خونی اور جان بیوا امتحان کے مرحلے سے گزر چکا ہے۔ وہ نے نیمازی کی کیفیت کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ اس طرح چلنے کے دوران وہ کچھ آدمیوں سے ٹکرا بھی گیا۔ لیکن ان سے معذرت کیے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ وہ بچانے لگتی طرف تک اسی طرح چلتا رہا تھا۔ پھر ایک کار اس سے کچھ فاصلے پر آ کر رک گئی اور اس میں دس دو آدمی اتر کر اس کے پاس آئے۔

”بھائی صاحب! ان میں سے ایک نے اسے قتل کیا۔ کہاں کہاں جا رہے آپ کو؟“

”مجھے؟“ اخترانے اپنی پکیں جھپکائیں۔ ”مجھے نہیں علم کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ بس چل رہا ہوں۔“

ان دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر گردن ہلا دی۔

”آپ ایسا کریں۔ ہمارے ساتھ چلیں۔“ ایک نے کہا۔

”ہم آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا دیں گے۔“

”کیا ہے؟“ اخترانے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ کیا ہے گھر تک پہنچا دو گے۔ کیا تم جانتے ہو کہ میرا گھر کہاں ہے؟“

”ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے۔“ پہلے والے نے کہا۔ آپ میں تو ہماری سمجھت ہے۔“

اخترانے چون چرا ان کے ساتھ ہو گیا۔ وہ دونوں تھک چڑی تک لانے جس کی ڈرائیونگ پہ ایک اور آدمی تھا۔ قتل ان دونوں میں سے ایک نے جلدی سے اخترانے کے ہاتھ کی گلاڑی کو واڑا کھول دیا۔ اخترانے کی جھک کے زخم کی پچھلی پہلیے گیا۔ وہ دونوں بھی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے فٹ پد کے ساتھ والی نشست سمجھا لی تھی جبکہ دوسرا اخترانے کے برابر بیٹھا تھا۔ ان سے بیٹھنے ہی گاڑی ایک طرف روانہ ہو گئی۔

”آپ آ کہاں سے رہے ہیں۔“ اخترانے کے ساتھ والے نے دریافت کیا۔

”مجھے یہ بھی یاد نہیں۔“ اخترانے جواب دیا۔ ”بس چلا جاؤں۔“

”کیا آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ کون ہیں۔“

”میں شاید مجھے یہ بھی یاد نہیں کہ میں کون ہوں۔ البتہ، لوگ مجھے اخترانے کہہ کر پکارتے تھے۔“

”کون لوگ؟“

”میں یہ بھی نہیں بتا سکتا کہ وہ کون لوگ تھے۔ البتہ کہہ رہا ہے۔“

”پہلی بتائیں کہ ایسا کیوں ہے۔“

”سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ ڈرائیور کے ساتھ والے نے کہا۔

”کہا ہے آپ کے بارے میں سب کچھ معلوم ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ہم آپ سے مل گئے۔ آپ سمجھنے سے بچ جائیں گے۔ ورنہ یہ شہر بہت بے رحم ہے۔“

اخترانے ایک گہری سانس لے کر اپنی آنکھیں بند کر لی اور اپنا سر میڈ سے لگا دیا۔ اس کے ذہن میں اس وقت آنکھیں مل رہی تھیں۔ اسے کچھ یاد آئے۔

نا پھر رہ جاتا تھا۔ جیسے تصویر چلتے چلتے اچانک دھندلا جائے۔ جیسے ذہن پر گہری چھا جائے۔ ایک ایسی دھندلا ہو جائے جس پر دیکھنے کی ہمت نہیں دیتی۔ اسے

نقص ہو رہا تھا۔ دے رہی تھی۔ یہ جلتی ہوئی آگ کی تصویر

تھی۔ اس تصویر میں وہ آگ بھڑک بھی رہی تھی۔ اس کے شعلے بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ اور اس کی تپش جسم کو قسرت ہونے لگی تھی۔ وہ ایسی تپش تھی جس نے ہر مومن تن سے خار سے جاری کر دیے تھے۔ سورج شاید سوا گھنٹے پہلے آج تھا۔ پھر پھر گئی ہوئی آگ کے درمیان دھماکے شروع ہو گئے۔ یہ دھماکے حواس کو غرق کر دینے والے تھے۔ ان دھماکوں نے اعصاب کی دھجیاں بکھر دی تھیں۔ ان کی شدت، براہقی، ہی جاری تھی۔ پھر ہی جاری تھی۔ پھر اخترانے ایک چھوٹی سی گڑبگڑ میں گھل دیں۔ وہ گاڑی اس وقت ایک بنے سے مکان کے

کیا نوڈ میں داخل ہو رہی تھی۔ سامنے کی طرف ایک دلیلیز تھی۔ جس کو ٹھوکر کرنے کے بعد لکڑی کا ایک منقش سا دروازہ تھا۔ اس مکان کی طرف لے کر پانی معلوم ہوتی تھی۔ اس وقت دروازے سے بچنے کی سہجیوں پر دو آدمی کھڑے تھے۔ جنہوں نے اس گاڑی کو دیکھ کر استقبال کرنے والے انداز میں اپنے ہاتھ پائے اور لکڑی والی دروازہ کھول دیا۔ گاڑی کو میٹر میں لے کر اس روک لیا گیا تھا۔

”اتریں جناب۔“ آگے بیٹھے ہوئے شخص نے بڑے احترام کے ساتھ اخترانے کو مخاطب کیا۔

”کیا یہی میرا گھر ہے؟“ اخترانے پوچھا۔

”فی الحال اس کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے جواب دیا۔

”آپ ایک دو دن یہاں آرام کریں گے۔ پھر آپ کو آپ کے گھر پہنچا دیا جائے گا۔“

اخترانے کچھ کہنا جانا پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پہلی جیسی لائق کی بکھری تھی۔ وہ ان کے کہنے کے مطابق گاڑی سے باہر گیا۔ جہاں سے اسے اس مکان کے عالیشان ڈرائیونگ روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ جہاں ایک صوفے پر ایک ادھیڑ عمر لیکن بہت وجہ اور تندرست آدمی اپنے ہاتھ میں پائپ لیے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ دونوں جب اخترانے کو پہلے ہوئے ڈرائیونگ روم میں داخل ہوئے تو اس شخص نے گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا۔ پھر پائپ اپنے منہ میں لگا لیا۔ ان دونوں میں سے ایک نے اخترانے کو اشارہ کیا اور وہ بڑی بے پروائی کے ساتھ ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔ جبکہ وہ شخص اس ادھیڑ عمر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ ادھیڑ عمر نے گردن اٹھاتے ہوئے



●

210

جانتا تھا۔ تو اب یہ سننے ہی بے گار ہو گیا اور یہ گڑبگڑ کی طرف دوڑ لگا دی۔ پھر راستے ہی میں اس کو یہ خبر ملی کہ وہ بستی سالانہ ہو گیا ہے۔ اور تم بھی اس بستی میں تھے۔

ابن کا دل بیٹھ کر رہ گیا۔ ابن تم سے مایوس ہو گیا۔ اسی چکر میں ان لوگوں سے مل لیا۔ یہ سالانہ ہفت اچھا لوگ تھے۔ یہ ابن کو پہلا دیا اور ابن ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور آج تمہارا منہ اسانے اگلیا ہے۔ لیکن تم اپنی اسٹوری بھی تو بتاؤ آخر تمہارے کو کیا ہو گیا ہے اور سالانہ کے من میں بولنے بولنے درد ہو گیا ہے؟

لیکن اختر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ عبدل کی طرف دیکھتا رہا تھا جبکہ عبدل متک بار کر خود ہی خاموش ہو گیا تھا۔ وہ دادر سے کچھ اور کہنے لگا والا تھا کہ وہی اومیر عمر آدمی اس گھر سے میں داخل ہو گیا۔ عبدل اسے دیکھتے ہی مودب سا ہو گیا تھا۔

”کیا باتیں ہو رہی ہیں جہاں سے؟“ اومیر عمر نے مکرانے ہوئے پوچھا۔

”تم کو نہیں معلوم وکرم بابو یہ سالانہ ہے؟“ عبدل نے کہا۔ یہ سالانہ ابن کا استاد داور ہے۔ ایک اگلیا بھلا ہوا پر بھلا ہے۔ لیکن اس پیرم بھلے نے کیا ہو گیا ہے کہ کچھ لوٹتا ہی نہیں ہے۔ سالانہ چب پڑا ہے۔“

”اوہ۔ تو یہ وہی داور ہے تم جس کے قہقہے مٹانے میں؟“ اومیر عمر نے حیرت ظاہر کی۔

”بالکل وہی۔ برو برو وہی۔ ابن سالانہ دھوکا کھا ہی نہیں سکتا۔ اٹھا جند گانی اس کے ساتھ گوارا ہے؟“

”تم آو میرے ساتھ؟“ وکرم نے اس کے شلے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”فکر مت کرو۔ وہ یہاں بالکل ٹھیک ہے اس کی دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ تم آو۔“

عبدل نے ایک نظر داور کی طرف دیکھا پھر وکرم کے ساتھ بولیا۔ وکرم اسے اسی کمرے میں لے آیا تھا جہاں روشن داور کو بے چارہ تھا۔

”بیٹھ جاو عبدل؟“ وکرم نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ”میں جانتا تھا کہ داور کو تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں پہچان سکتا۔ کیونکہ اس پوری دنیا میں تمہارے علاوہ اس کے قریب اور کوئی نہیں رہا ہے۔ وہ بیک وقت بہت خوش قسمت ہے اور بد قسمت بھی ہوا کہ یہاں چلا آیا۔“

”وکرم بابو۔ تم سالانہ کی طرح اس کو جانتا ہے۔“ عبدل

نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے باب دلاور کی وجہ سے؟“ وکرم نے جواب دیا۔ ”تم کو شاید یہ معلوم ہوگا کہ داور کا باب کیسا پیارا آدمی تھا۔ میں سمجھا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ اب چرکا ہے۔“

اس نے داور اور اس کی ماں کے ساتھ کیسی شہنشاہی کہا تھا۔ پھر اس نے اپنا گروہ بنایا اور روز بروز دولت مند اور طاقتور ہوتا گیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ پورے شہر میں اس سے زیادہ طاقتور اور دولت مند کوئی نہیں تھا۔ اس کی تنظیم دنیا بھر کے دھندلے کیڑے کیڑے سب سے بڑا کام اس ملک تھا اسی زمانے کی بابت ہے کہ میں بھی دلاور کے ساتھیوں میں تھا۔ بلکہ میں قابل اعتماد آدمی اور دوست تھا۔ پھر دلاور نے مل کر ایسے ایسے کام کیے کہ پورا ملک میری شان ہو گیا۔ پوری پولیس ہماری تنظیم کے پیچ لگ گئی۔ لیکن ہمارا کچھ بھی نہ بگاڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے ہاتھ بہت طبع تھے داور کے پاس سب کچھ تھا۔ لیکن اندر سے وہ کچھ کھولا ہوتا جا رہا تھا۔ جانتے ہو وہ کس لیے اندر سے اتنا لوٹ گیا تھا اپنی بیوی اور بچوں کے لیے۔ اس نے ان پر ظلم کیے تھے۔ انہیں اتنی بڑی دنیا میں بے سہارا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن جب ان کی یاد آئی تو زب کر رہ جاتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنی بیوی اور بچوں کو اپنے پاس لے آئے لیکن وہ تجانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اس دوران تمہارا داور جوان ہو گیا۔ اور اس نے انفرادی طور پر راجہ طاقت حاصل کر لی۔ جتنی طاقت بجا اس آدمیوں میں ہو سکتی ہے۔ اس شخص نے بمبئی میں دھاک بیٹھا وہی تھی ایک دو بار اس کا دلاور کے گروہ سے بھی ٹکراؤ ہوا اور اس نے اس گروہ کے آدمیوں کو اچھا خاصا نقصان پہنچا۔ لیکن اسے شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ اس نے جن لوگوں کو شکست دی ہے۔ وہ اس کے باب کے آدمی ہیں۔“

”تم ٹھیک کہتا ہے وکرم بابو؟“ عبدل نے ایک گہری سانس لی۔ ”ابن کو بھی یہ ساری کہانی معلوم ہے۔ دلاور نے قسم اٹھا یا تھا کہ وہ اپنے باب سے بدلے لے گا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا باب کیا کر رہا ہے، اس کے پاس کتنا دولت اور کتنا پورا اور اگلیا ہے، پھر بھی وہ جوان کا بچہ ہے تباہ کرنا چاہتا تھا۔ چلو آگے۔ لو آگے۔ کیا اسٹوری ہے تم آگے کی اسٹوری؟“

یہ ہے کہ دلاور ایک ذہین آدمی بھی ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس جیسوں کی زندگی طویل

نہیں ہو سکتی۔ اور نہ ہی ان کا اقتدار زندگی بھر برقرار رہتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ان کی جگہ آجاتا ہے۔ عرفہ میں ہوتے ہیں۔ دشمن ہمارے بھی آتے ہیں۔ اور تنظیم کے اندر بھی ہوتے ہیں۔ تو اس نے یہ کام کیا کہ اپنی دولت کا ایک بڑا حصہ ایسی جگہ محفوظ کر دیا جہاں کسی کی نظر نہ پہنچ سکے۔ اس نے سوائے میرے اور کسی کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اس نے یہ دولت اپنے دو بیٹوں کے لیے جمع کی تھی۔ اس نے ان دونوں کے نام اور حلیے بھی مجھے بتا دیے تھے۔ میں تو خود چونک کر داور کے کارناموں سے واقف ہو گیا تھا۔ اسی لیے میں جانتا تھا کہ داور کون ہے اور کس حلیے کا آدمی ہے؟

”بابا۔ دلاور کو کیسے معلوم ہوگا کہ اس کا بیٹا جوان ہو کر کس نام کا ہو گیا ہے؟“ عبدل نے کہا۔ ”اس نے تو اپنے بیٹے کو دکھایا بھی نہیں تھا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو کہ اس نے داور کو اس کے بچپن میں دیکھا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ جوان ہونے کے بعد داور کیسا ہو گیا ہے۔ لیکن شاید یہ یاد ہوگا کہ داور ایک بار اس کے سامنے بھی آیا تھا۔ میرا مطلب ہے کہ دشمن کی حیثیت سے۔ دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے۔ داور نے دلاور کا ایک ٹک لوٹ لیا تھا۔ اسی سلسلے میں دونوں کی ملاقات ہوئی تھی لیکن ان دونوں کو نہیں معلوم تھا کہ ان کے درمیان کس طرح ہے۔ لیکن دلاور اس کے بعد سے پریشان رہنے لگا تھا۔ وہ مجھ سے کہا کرتا کہ مجھے کیوں اسے یہ یقین ہوتا تھا کہ دلاور اس کا بیٹا ہے۔ شاید اسی کو خون کی کشش کہتے ہیں بہر حال۔ دلاور نے اس کے بعد جب چھان بین کی تو پتا چلا کہ اس کا خیال صحیح تھا داور ہی اس کا بیٹا تھا۔ بس یہ یقین ہو جانے کے بعد وہ توپ اٹھا۔ لیکن ہوا یہ کہ دلاور اس زمانے میں بہت آگے بڑھ چکا تھا۔ اس نے رستہ گری کے معاملات میں دخل و مباشرت کر دیا تھا اور ان کے دروں کے ساتھ ہنگاموں میں ملوث تھا جو رستہ گری کے واقعات میں اہمیت رکھتے تھے دلاور نے اس کی تلاش میں اپنے آدمی بھی روانہ کیے تھے لیکن ان میں سے کوئی بھی داور تک نہ پہنچ سکا۔ اس دوران علی گڑھ کی سائنسی بستی کامر علیہ پیش آگیا۔ مجھے پتا چلا کہ داور سائنسی بستی کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ ہاں اس

دوران دلاور ایک حادثے میں بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ سے یہ کہا کہ میں اس کی موت کے بعد اس کی دولت اس کے دونوں بیٹوں یعنی داور و علیہ کو دے دوں گا۔ اس طرح اس نے مجھے اپنا زار دار اور پٹی دولت کا امین بنا دیا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد دلاور کا انتقال ہو گیا۔ اب مجھے ہی اس کی سربراہی حاصل کرنی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ میرے خلاف بھی ہنگامے شروع ہو گئے۔ میں گرجے بہت مضبوط آدمی تھا۔ لیکن دھوکے سے مجھ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس صورتحال سے میں اتنا پریشان ہوا کہ میں نے بمبئی چھوڑ دیا۔ یہاں آکر ابھی ایک دوسری تنظیم قائم کرنی۔ اس دوران مجھے داور اور اس سائنسی بستی کا پتا معلوم ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ میں داور تک پہنچ سکتا۔ اس بستی میں ایک خوفناک دھماکا ہوا اور وہ بستی تباہ ہو گئی۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ اس دھماکے میں داور بھی ہلاک ہو گیا ہوگا۔ لیکن اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ جو آدمی یہاں لایا گیا ہے وہی داور ہے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی؟

”میں تم سے قیچ کہتا ہوں باب کر وہی داور ہے؟“ عبدل جلدی سے بولا۔ ”ابن نے یہ بتا دیا کہ ابن ساری جہن گانی اس کے ساتھ گوارا ہے۔ ابن کو معلوم ہے کہ اس کی آنکھیں کیسی ہیں۔ اس کی ناک کیسی ہے۔ اس کا منہ کیسا ہے۔ ابن سب جانتا ہے؟“

”یہی سب تو جہان کر کے والی باتیں ہیں؟“ وکرم نے ایک گہری سانس لی۔ ”ظاہر ہے کہ تم جھوٹ نہیں بول سکتے یا تمہیں دھوکا نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر وہ کون ہے جسے ہسپتال سے اخراج کر لیا گیا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ عبدل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ ”یہ کوئی دوسرا اسٹوری ہے کیا؟“

”ہاں۔ بالکل دوسری کہانی ہے۔“ وکرم نے کہا۔ اور اسی داور ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ ہوا یہ کہ بستی میں دھماکے کے بعد وہاں سے صرف ایک آدمی ملے۔ لیکن اس کی حالت ایسی ہے کہ جیسے اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیے گئے ہوں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا ہے۔ اس کے بدن پر ایسی کوئی علامت بھی نہیں ہے جس کی مدد سے اسے شناخت کیا جاسکے۔ لیکن یہ حیرت کی بات ہے کہ وہ اس انجام تک پہنچنے کے باوجود زندہ تھا۔ اس نے زندہ رہ کر

ڈاکٹروں کو حیران کر دیا تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ آخر ایسی کوئی طاقت ہے جو اس شخص کو زندہ رکھے ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ وہ چونکہ ایسے علاقے سے ملا تھا جہاں تالکاری کے اغرات تھے اس لیے اس کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دی گئی۔ لیکن اس دوران اس ہسپتال میں عجیب واقعات پیش آنے لگے۔ اور حکایت دہری طرح اس زخمی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”وہ کیا واقعات تھے وکرم بیٹھ۔ پوچھو بھائی پوچھا“

”اس اسٹری میں تو مڑا کر لیا ہے۔“  
”اس مریض کو ہسپتال سے انکار کرنے کی کوششیں کی گئیں اور بالآخر اسے انکار کر لیا گیا۔ وکرم نے بتایا لیکن اس وقت تک اس زخمی پر دھیان نہیں دیا تھا لیکن بعد میں جب یہ پتا چلا کہ بہت سی بارشیں اس زخمی میں دھپسی لے رہی ہیں تو میں بھی کھٹک گیا آخر ایک زخمی شخص سے کسی کو کیا دل چسپی ہو سکتی تھی۔ میں نے اس زخمی پر تو نہیں لیکن اس میں دھپسی لینے والے دوسرے لوگوں پر اپنے آدمیوں کو لگا دیا میں یہ تسلیم کرنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ زخمی کو کیوں انکار کرنا چاہتے ہیں پھر ہی دوران برناڈانی ایک غیر ملکی نے مقامی آدمیوں کی مدد سے اس زخمی کو انکار والیا اور اسے ایک دہرائے میں رکھ دیا ان کے بعد کچھ اور بارشیں بھی نظر آئیں۔ ان کی سبب زخمی میں دھپسی لے رہی تھیں۔ میری حیرت جتنی جا رہی تھی۔ پھر مجھے یہ پتا چلا کہ انہوں نے اس زخمی کو اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ ان کے خیال میں دادر ہے۔“  
”کیا اب عدل اچھل پڑا وہ دادر ہے۔ یعنی وہ زخمی لیکن وہ دادر کیسے ہو گیا! دادر تو“

”تم سبیل پوری کہاں توں لو؟ وکرم نے اس کی بات کاٹ دی۔“ پھر کوئی سوال کرنا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ بارشیں دادر میں کیوں دھپسی لے رہی تھیں دادر سے انہیں کیا مطلب تھا؟ دوسری بات یہ تھی کہ انہیں یہ کس طرح یقین آ گیا کہ یہ زخمی ہی دادر ہے۔ کیونکہ وہ زخمی تو بیچا نا بھی نہیں جانا تھا۔ پھر اس جنگ میں ان تینوں نے اپنے وسائل کیوں جو تک دیے۔ انہیں یہ سن کر حیرت ہوئی کہ صرف برناڈا اس کے علاج پر لاکھوں روپے خرچ کر چکا ہے۔“  
”وہی تو پوچھتا ہوں مائی باب کہ آخر ایسا کیوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنی کا ستارہ بروست آدمی

ہے۔ لیکن دوسرے لوگوں کا اس سے کیا مطلب ہے؟ میں خود بھی یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا تھا۔ وکرم نے کہا: ”یہ ایسا معرکہ تھا کہ جو کچھ میں نہیں آتا تھا پھر اچانک ایک دن مجھے یہ پتا چل گیا کہ ان لوگوں کو دراصل دادر کی تلاش نہیں تھی۔“  
”تو پھر کس کی تلاش تھی۔؟“  
”وہ کوہا کی وکرم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ان لوگوں کو کوہا کی برائی تلاش تھی۔“

گو دام کے مالکان کا پتا نہیں چل سکا لیکن یہ لوگ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے تھے۔

پرویز نے اس سفر کے لیے خصوصی اجازت نامہ حاصل کر لیا تھا۔ اسے خاص اختیارات دیے گئے تھے جن کی رو سے وہ اس شخص کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے کا مستحق قرار دے دیا گیا تھا جو اس کی راہ میں آنے کی کوشش کرے۔ حکومت خود بھی اس مسئلے کو حل کر لینا چاہتی تھی۔

اس سفر میں بارہ افراد اس کے ساتھ تھے ان کی رہنمائی بنی ہی کر رہا تھا۔ وہ دہرائے میں سے واقف تھا جو راستہ اس نے دشمنوں اور اس کے ساتھی کو دکھایا تھا۔ بنی کے علاوہ اس قافلے میں سطل اور بی بی شریک تھیں۔ اس قافلے میں جو مرد شامل تھے وہ دیگر کے بہترین اداکاروں تھے جن کا اختیار پرویز کے ہاتھوں میں دے دیا گیا تھا۔ وہ سب اس کے حکم کے پابند تھے ان لوگوں نے سفر کی وافر ضروریات کے علاوہ اسٹیلوں کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

شہر سے ایک دن کے فاصلے کو طے کر کے یہ قافلہ لا اس مقام پر پہنچ گیا جو بنی کے بیان کے مطابق دشمن کے غائب ہونے کا مقام تھا۔

”بس سرکار! اس نے جھاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے ہوئے کہا۔ یہی وہ جھاڑیاں ہیں جن سے وہ دشمنوں اس کا ساتھی کر کے دوسری طرف گئے تھے۔ ہم نے ان سے کہا بھی تھا کہ اس طرف عجیب عجیب جناحوں دکھائی دیتے ہیں۔ جو آدمی کو چیر پھا کہ برابر کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر نے میری ایک نہیں سنی۔ اور اپنے ساتھی کو لے کر چلا گیا۔ لیکن اس نے اپنے دوسرے آدمیوں سے کہہ دیا کہ وہ مجھے شہر لے جائیں۔ تو جناب ہمیں شہر میں بنا

ر دیا گیا جہاں سے آپ لوگ مجھے بھر یہاں تک لے گئے ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ بنی۔ تمہارا بہت بہت شکریہ ہے۔ پرویز نے اس کے شانے پر ہتھکی دی۔ تم یہاں سے جا سکتے ہو۔ بنی بہت ہی محزون دکھائی دینے لگا۔ ایک عرصے کے بعد اسے رہائی ملنے والی تھی۔ اس کے لیے بہت بڑی ٹبر تھی۔ پرویز نے اسی وقت کچھ رقم اس کے حوالے کی اور اسے جانے کی اجازت دی۔ بنی ان لوگوں کو پرنا پنا کر ہوا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا تھا۔

”اب یہاں سے ہمارے سفر کا دوسرا اور خطرناک مرحلہ شروع ہو رہا ہے۔ پرویز نے اپنے آدمیوں سے کہا میں یہاں کے بارے میں پہلے بھی رپورٹیں مل چکی ہیں لیکن ہم نے نہ جانے کس مصلحتوں کی بنا پر اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ بہر حال اب حکومت نے توجہ دی ہے اور ہم لوگ یہاں دکھائی دے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان جھاڑیوں کے اس طرف ہمارے لیے کوئی خطرہ ہو اور وہ ہو سکتا ہے کہ خطرے ہی خطرے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں دور دور تک کسی انسان کا کوئی وجود نہ ہو اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت بھی کچھ لگا ہوں ہمیں دیکھ رہی ہوں، ہماری نگراں کر رہی ہوں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار رہنا پڑا۔“  
”تم تیار ہیں سر۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ آپ حکم کو دیں۔“

”بس فی الحال تو تم لوگ ساتھ ساتھ رہو گے اور اس وقت تک خود کوئی کارروائی نہیں کر گے۔ جب تک میں نہ کہوں۔“

اس کے بعد یہ قافلہ جھاڑیوں کی طرف روانہ ہو گیا دونوں ٹریکوں کو درمیان میں رکھا گیا تھا۔ بدستی اپنے شوق کی وجہ سے پرویز کے ساتھ چلی آئی تھی۔ جبکہ سطل کی ڈیوٹی پرویز کے ساتھ لگا دی گئی تھی۔ جھاڑیوں کے پاس انہیں ان لوگوں نے راستے بھٹنے شروع کر دیے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس سفر میں کام آنے والے اسلحہ تھے۔ جھاڑیوں کے ذریعے ان کی پشت پر بندھا تھا۔ جھاڑیاں بہت گھنی اور کانٹے دار تھیں۔ ان لوگوں کے لیے راستہ بنانا بہت دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اور یہ جھاڑیاں گہرائی میں بہت دور تک چلی گئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان جھاڑیوں کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یا یہاں

سوائے جھاڑیوں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ان کے کپڑے کانٹوں میں الجھ رہے تھے اور ان کے جسموں پر خراشیں پڑ رہی تھیں۔ اس کے باوجود وہ بڑے جارحانہ تھے۔ بالآخر یہ جھاڑیاں ختم ہوئیں تو وہ ایک وسیع و عریض میدان میں آ گئے۔ اس میدان کے انتہائی جانب بھوسے رنگ کی جھاڑیوں کا ایک سلسلہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ میدان گر چہ بخر تھا۔ لیکن درخت بھی دکھائی دے رہے تھے۔

”یہ عجیب پر اسرار جگہ معلوم ہوتی ہے۔ بدستی نے پرویز کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنی رائے دی۔“  
”تم ٹھیک کہتی ہو۔ پرویز مسکرا دیا۔ حالانکہ یہاں کو دور تک کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو بہت عجیب اور حیرت انگیز ہو۔ ایسے میدان نہیں لاکھوں مل جا سکتے۔ ایسے درخت ہر جگہ ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہمیں اس جگہ کے بار بار اور خوفناک ہونے کا احساس ہو رہا ہے تو یہ غلط نہیں ہے۔“  
”تیس نہیں سمجھی جناب۔ بدستی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

”ایسا احساس اس جگہ ہونا ہے جہاں بہت خون بہہ چکا ہوں۔ پرویز نے کہا۔ میں ایسا محسوس کر رہا ہوں جیسے یہاں ہی بہر خون بہا گیا ہے۔“  
بدستی کا پ کر رہ گئی۔ اسی نے ایک آدمی خرچ اٹھا۔ وہ دیکھیں جناب۔ وہ اس درخت کے پیچھے کھڑے ہو کر دکھائی دے رہی ہے۔“

”ک جاؤ تم لوگ۔ پرویز نے اپنا ہاتھ ادا پر اٹھا دیا۔ سب کے سب رک گئے۔ ان کی نگاہیں ایک ایک درخت کے پاس لگی ہوئی تھیں۔ جہاں کوئی چیز بڑی ہوئی تھی لیکن اتنے فاصلے سے وہ چیز صاف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ پھر وہ سب آہستہ آہستہ پرویز کی قیادت میں اس چیز کی طرف بڑھنے لگے۔

وہ ایک لاش تھی۔ لیکن وہ کسی انسان کی لاش نہیں تھی۔ بلکہ انسان نما کسی ایسے جانور کی لاش تھی جس کا قد انسان ہی کے برابر تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ کے کپٹ پھیلے ہوئے تھے اور اس کی پشت میں گولیوں کے کئی سوراخ تھے۔ جن سے خون نکل نکل کر مچھل چکا تھا۔ وہ لاش اونچے پڑی ہوئی تھی۔

”ہو کوئی جانور نہیں انسان کی لاش ہے“ برو نے لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا: اس نے جانور کی شکل پس رکھی ہے“

اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر لاش پلٹ دی۔ پر دیر نے تنہیک ہی کہا تھا۔ وہ ایک انسان کی لاش تھی۔

”تو یہ بد قسمت! اپنی روزی حاصل کرنے کے چتر میں اس طرح مار دیا گیا! برو نیز لاش کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ کیا مطلب سر؟ نیلم نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ بے چارہ ہنسی کی طرح کوئی مقامی دیہاتی معلوم ہونا ہے۔ برو نیز نے کہا: ان مقامی لوگوں کو روز گار کا جھانسر دے کر مہمان لایا گیا اور انہیں مختلف جانوروں کی کھالیں پہنا دی گئیں اور ان سے کہا گیا کہ وہ اس علاقے میں گھومتے رہیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مقامی سیدھے ساتھ دیہاتی لوگ اس طرف نہ آسکیں اور خوف کھا کر مہمان پھر نہ آسکیں کیوں اس بے چارے کو اس طرح ہلاک کر دیا گیا ہے؟“

”انہیں جانوروں کی کھالیں کس لیے پہنائی گئی تھیں سر؟“ ایک نے دریافت کیا۔

”ہم یہی معلوم کرنے کو اس طرف آئے ہیں۔ برو نیز نے کہا: جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں، اس علاقے میں یقیناً کوئی ایسی چیز ہے جسے وہ لوگ سیونی دنیا کی لگا ہوں سے چھپانا چاہتے تھے۔ لیکن اب محسوس ہوتا ہے جیسے کام ختم ہو گیا ہو یا لیے اس بے چارے کو ہلاک کر دیا گیا“

”تو بہت برا ظلم ہے جناب۔“ پدمنی دھیرے سے بولی۔

”انسان اپنے مفادات کے لیے اور بھی بہت کچھ کیا کرتا ہے۔ وہ بہت بے رحم اور خود غرض ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ اس لاش کو چھو کر ایک طرف چل دیے لیکن اس علاقے میں اسی قسم کی کچھ اور لاشیں بھی دکھائی دے گئیں وہ بھی انسانی لاشیں تھیں جن کے خوں پر جانوروں کی کھالیں پہنا دی گئی تھیں۔ برو نیز کے خیال میں یہ سب مقامی آبادیوں کے بد نصیب لوگ تھے۔ انہوں نے اس وادی میں اپنا سفر جاری رکھنا لاشوں کے علاوہ انہیں اور کوئی نہیں مل سکا۔ اس لاش کا محتاجی ہے۔ وادی زندوں کی نہیں بلکہ مردوں کی، کو لیکن

انہیں شاید یہ نہیں معلوم تھا کہ کچھ آنکھیں ان کی عکرا کر رہی تھیں۔ یہ آنکھیں درختوں کے اوپر تھیں۔ درخت کے درمیان تھیں۔ اور بڑے بڑے پتھروں کے عقبہ میں تھیں۔ یہ سب لوگ سچے تھے لیکن ان میں سے کسی نے اس قافلے پر گولی چلانے کی کوشش نہیں کی وہ بس اس قافلے کو دیکھتے رہے تھے۔

ایک طویل سفر طے کرنے کے بعد قافلہ جب لگا جگہ پہنچا جہاں انسانی آبادی کے آثار دکھائی دے رہے تھے تو اسی جگہ پہلی گولی سنائی ہوئی ان کے قریب گزری۔ اس گولی نے کسی کو نقصان نہیں پہنچایا تھا یہ خطرے کے پہلے گھنٹی تھی۔ وہ سب کے سب برو نیز کے اشارے پر زمین پر گھٹ گئے جبکہ برو نیز دھکتا ہوا آدمیوں سے کچھ دور چلا گیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ گولی با سے چلائی گئی ہے۔ اور گولی چلانے والا اتنا بے وقوف ہو سکتا کہ اسے ایک جانب لڑھکتے ہوئے نہ دیکھ لے اس لیے یہ حرکت بس بوں ہی ایک موہوم ہی امید پر تھی۔ اور اس کا نتیجہ دیکھنے کا منظر تھا۔

یہ نتیجہ بہت عجیب ثابت ہوا۔ دوسری گولی نہیں بجائی کیوں گولی چلانے والے نے بس ایک ہی گولی پر لگا دیا تھا۔ برو نیز بہت دیر تک بوں ہی لیٹا رہا۔ پھر دھیرے دھیرے کھڑا ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ گولی چلانے والا ان لوگوں کو فراموش ہی کر گیا تھا۔ برو نیز کو وہ آدمی دکھائی دے گا جس نے گولی چلائی تھی۔ وہ ابلتا ہی تھا۔ اور وہاں سے زیادہ فاصلے پر بھی نہیں تھا۔ وہ ایک درخت کی شاخ پر تھا۔ اس کے ہاتھ پر حرکت کرتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

”تم لوگ یہیں رہنا! برو نیز نے اپنے آدمیوں کو ہدایت کی۔ میں اس آدمی کے پاس جا رہا ہوں۔“ برو نیز نے اپنا روالو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دھیرے دھیرے اس درخت کی طرف بڑھنے لگا۔ جس کی شاخ پر وہ آدمی دکھائی دے رہا تھا۔ درخت کے قریب پہنچ کر برو نیز کو ہاتھ چل گیا کہ دوسری گولی نہ چلے گی۔ وہ سچی۔ وہ آدمی سخت اذیت میں مبتلا تھا۔ چلنے سے اس طرح اس درخت کی ایک شاخ اس کے بدن میں تڑا دی ہو گئی تھی۔ اور وہ اس شاخ پر لٹکا ہوا تھا۔ وہ شاخ اس کے ایک ران کے درمیان سے آ رہا ہو رہی تھی۔ یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا۔ برو نیز دھشت زدہ ہو کر اس

کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس شخص کے ساتھ کیا گزری ہوگی! وہ مردہ تو نہیں تھا۔ لیکن موت سے بدتر حالت تھی اس کی اس کے ہاتھ میں ایک روالو رہا ہوا تھا۔ شاید اسی روالو سے اس نے گولی چلائی تھی۔

”ہے بھگوان کیا ہوا ہے اس کو؟ نیلم کی آواز آئی۔ برو نیز نے مڑ کر دیکھا۔ نیلم اور دوسرے لوگ بھی اس دوران درخت کے پاس آ گئے تھے۔ ان سبھوں کی نگاہیں اوپر لگی تھیں۔

”رام اور ہاشے! تم دونوں اوپر جاؤ اور احتیاط کے ساتھ اس آدمی کو اتار لاؤ۔ برو نیز نے اپنے دو آدمیوں کو حکم دیا۔ اسے اتار کیسے چلے جناب؟“

”شاخ کاٹ دو۔ ایک آدمی اس کو سنبھالے رہے۔ برو نیز کے دونوں آدمی تیزی سے اوپر چلے گئے اس شخص کو اوپر سے نیچے لائے، شاخ کاٹنے میں ان کی حالت خیر ہو گئی تھی۔ بہت ہی احتیاط سے کام لینا پڑا تھا۔ سب سے پہلے اس شاخ کو اس کی ران کے دونوں اطراف سے کاٹا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے نیچے اتار لیا۔ نیچے اتارنے کے بعد یہ محسوس ہو گیا تھا کہ اس کی حالت کتنی خراب ہے۔ یہ اس کی قوت ارادی تھی یا سچے کون سا جذبہ تھا جس نے اب تک اسے زندہ رکھا ہوا تھا۔ نیچے اتارنے پر وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

”کچھ دیر نہیں آنا کہ اس کا کیا کیا جائے؟ برو نیز نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ اب برو نیز نہیں بچے گا۔“ میں بھی یہی سمجھتا ہوں سر۔ برو نیز کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا: مجھے اس شخص کی طرح پوری شاخ کی گوشت کے اندر محسوس کر دوسری طرف نکل گئی۔

”ہم نے دونوں طرف سے شاخیں کاٹ کر دی ہیں سر لیکن شاخ کا ایک بڑا ٹکڑا اس کی ران میں پڑ پڑا ہے۔ گوشت کے اندر چھپنا ہوا ہے۔ ہاشے نے بتایا۔ ”نچلے! بے چارہ کب یہاں سے اس شخص کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئی لیکن اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار تھے۔ وہ بھی جانتی تھی کہ یہ شخص زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکے گا۔

”میں نے کسی شخص کو ایسی حالت میں اس سے قبل بھی نہیں دیکھا۔“

برو نیز اپنے آدمیوں کی طرف کی دیکھتے ہوئے بولا۔ تم لوگوں کا خیال کچھ بھی ہو لیکن میں بے سوچ رہا ہوں کہ یہ شخص درخت کی ایک شاخ میں تڑاؤ کس طرح ہو گیا۔ اگر یہ کوئی مادہ تھا تو کیسا حادثہ تھا؟ یہ شخص کس سے خوفزدہ ہو کر درخت پر چڑھ گیا تھا؟ جہاں اس کی یہ حالت ہوئی حیرت انگیز حادثہ ہے۔ اس کا تعلق ہے۔ برو نیز نے درخت پر بیٹھا ہوا اور درخت کی شاخ اچانک اس کی ران میں سے ہوتی ہوئی دوسری طرف گزری ہوئی تھی۔ اس نے ایسا کیس اس سے پہلے نہ بھی سنا تھا۔ البتہ دوسری جنگ عظیم میں جاپانی اپنے قیدیوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر معلق کر دیا کرتے تھے اور ان کے نیچے زمین پر ایک خاص قسم کے ٹوپیلے بالوں کا یو دار کھدایا جاتا تھا۔ وہ یو دار اقل رات اس قیدی کی پشت کو بھارتی ہوا دوسری طرف لٹک جاتا تھا۔ لیکن یہاں معلوم کچھ اور ہے۔ کیونکہ یہ آدمی اور قسم کا درخت ہے۔ یہ ایک عام سا درخت ہے۔ اور اس کی شاخ بڑی

”جناب! یہ ہوش میں آ رہا ہے۔“ پدمنی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

برو نیز نے جو تک کر زخمی اور بدنی کو دیکھا۔ بدنی اسے پانی پلا رہی تھی۔ اس سے پہلے اس نے کسی دوا کے کچھ قطرے اس کے منہ میں ڈال دیے تھے۔ برو نیز جلدی سے اس زخمی کے پاس پہنچ گیا۔ جو بائی بی چکا تھا۔ بدنی نے دوبارہ اس کے سر کو زخموں پر دیکھا دیا تھا۔ اس نے اب اپنی آنکھیں کھول دی تھیں اور ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کبھی بھی اس کا جسم جھٹکے کبھی لینے لگا تھا۔ اس کی جرح ران سے اب خون نہیں نکل رہا تھا۔ لیکن باہر خون کے قطرے پڑ رہے تھے۔ برو نیز جلدی سے دواؤں کو گچھٹے ہوئے بولا۔

”دوست جلدی سے بتاؤ کہ تم کون ہو اور تمہاری یہ حالت کس نے کر دی کیا حادثہ ہوا تھا تمہارے ساتھ؟“ لیکن تم۔ تم لوگ کون ہو؟ اس زخمی نے انگلی اٹھاتے دیا منت کیا۔

”مہرا نام برو پنہے۔ میرا تعلق پولیس سے ہے۔“ برو نیز نے جلدی سے جواب دیا۔

”ہوں! زخمی نے ایک گہری سانس لی۔ ”مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔“

رینا سادان اولاجوتی کے لیے یہی راستہ تھا کہ وہ دوڑ لگا دیں۔

سادان نے جھوٹ بول کر انوب کمار کو بڑا ڈکی طرف بھیج دیا تھا۔ لیکن انوب کو جلد ہی معلوم ہو جانا کہ اس سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ ایسی صورت میں وہ ہنگامہ برپا کر سکتا تھا۔ دوسری طرف وکٹر بھی موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رینا اور سادان کہیں تقریب کر کے گئے ہیں۔ انوب کی چیخ و پکار سے بھی متوجہ کر سکتی تھی۔ پھر وہ اپنے بڑوں کو ان لوگوں کی طرف روانہ کر دیتا۔ اسی لیے بچت کا اب بھی طریقہ تھا کہ وہ بڑا شرم و غم کر دیں۔ قدرت نے انہیں آواز کا ایک موقع فراہم کیا تھا۔ اور انہیں اس موقع سے فائدہ اٹھا لینا چاہیے تھا۔ لہذا ان لوگوں نے ایک طرف چلنا شروع کر دیا۔

وہ اس وقت ایک ایسے میدان میں تھے جہاں ہر طرف جھاڑ جھککے علاوہ اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سادان کے لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی اس نے زندگی میں بہت دشواریاں برداشت کی تھیں۔ بہت سختیاں جھیلی تھیں۔ وہ اپنے قبیلے میں رہائش کے دن بیلوں تیتے ہونے میں لڑائیوں میں پھنس چلا کرتا تھا۔ لیکن اصل مسئلہ دونوں لڑکیوں کا تھا۔ بلکہ لاجوتی کا تھا۔ رینا پھر بھی سمجھ جاتی تھی۔ اس نے بھی دشواریاں اٹھائی تھیں۔ لیکن لاجوتی بہت نازک تھی۔ اس نے قانونوں پر چلنا سیکھا تھا۔ اور گاڑیوں میں سفر کرنا بھی۔ اسی لیے اس کا پیدل چلنا زیادہ دشوار ثابت ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود وہ عزم و ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ ساتھ چلتی جا رہی تھی۔

”میں نہیں آتا کہ تم لوگ ملک کے کس حصے میں رہ رہے ہو؟“

رینا نے چلتے چلتے کہا ”یہاں کوئی دکھائی بھی نہیں دے رہا ہے۔“

”کوئی گاؤں مل جائے تو پتا چل جائے گا۔ سادان نے جواب دیا۔ لیکن مجھے لاجوتی کی فکر ہے۔ اس پکاری کی ہماری وجہ سے پریشانی اٹھانی پڑی ہے۔“

دوسرے کی وجہ سے اُلجھے ہوئے ہیں۔“

لاجوتی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہ معاملہ ہر ایک کا تھا۔ لاجوتی کا بھی تھا اور سادان اور رینا کا بھی تھا۔ ”تمہارے انوب کمار کی حرکت میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ سادان نے لاجوتی کا دھیان ہٹانے کے لیے پوچھا۔ ”مجھے تو وہ شخص کوئی نفسیاتی مریض معلوم ہوتا ہے۔“ لاجوتی نے کہا۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ وہ بڑے ڈر و غم سارا اس کے اشاروں پر چلتے ہیں۔ وہ جو کنبلے دی کر جاتا ہے میں نے فلموں میں کام کیا ہے۔ لیکن ایسی ریمپرل کبھی نہیں دیکھی جیسی رہبرسل وہ میرے ساتھ کیا کرتا تھا۔“

”وہ تمہیں ہلاک کرنا چاہتا تھا۔“ سادان بولا۔ لیکن اس کے لیے اس نے جو طریقہ اپنایا تھا وہ حیرت انگیز تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ایک جنونی شخص ہے۔ اس دوران وہ لوگ اپنی خاصی دور لنگل آئے تھے۔ وہ اب جس راستے پر چل رہے تھے۔ اس کے دونوں طرف انسان یا بھٹوں کی بنائی ہوئی گھنٹیاں تھیں۔ لیکن انہیں کوئی دوسرے دھڑکا نہیں تھے۔ ان گھنٹیاں میں سہرنگا ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اس علاقے میں تو فصلیں دکھائی دے رہی تھیں اور نہ ہی انسان دکھائی دے رہے تھے۔

”شام ہونے سے پہلے پہلے ہمیں کوئی ایسی جگہ مل جانی چاہیے جہاں ہم رات گزار سکیں۔“ سادان نے کہا۔ ہاں۔ اب تو میں بھی بڑی طرح تنگ گئی ہوں۔“

رینا اپنی گرد بانی بونی بولی۔ ”بھوک بھی لگ رہی ہے۔“

”میں تو پیاسا محسوس کر رہی ہوں۔“ لاجوتی نے بتایا۔ ”حلق میں گانے پڑ گئے ہیں۔“

”لوگ بیک وقت کچھ بول رہے ہوں۔“

”ہمیں ہم لوگ محسوس ہو رہا ہے کہ بیک کی طرف تو میں آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔“

”سوال یہ نہیں پیدا ہوتا کہ سادان نے کہا۔“ میں نے رینگناؤں، جھنگوں اور میدانوں میں زندگی گزارا ہے۔ اسی لیے میرے بھٹکے کا کام ان ہی نہیں ہے۔ ہم لوگ اس وقت اس کیپ سے بہت فاصلے پر ہیں۔“

”لو بھرے آواز یہی جیسی ہیں؟“ رینا نے پوچھا۔ ”اب چاہے کسی بھی آواز میں بولیں۔“ مجھے سے جہاں جابا یہ لاجوتی وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

”ٹھیک ہے۔“ تم دونوں نہیں رہو۔ میں ٹپلے پر چڑھ کر دوکھتا ہوں۔“ سادان نے کہا۔

وہ دونوں اس کی طرف دیکھتی رہیں اور وہ تیزی کے ساتھ ٹپلے پر چڑھتا چلا گیا۔ ٹپلے کی دوسری طرف خانہ بدوشوں کا کوئی کاروان نظر آ رہا تھا۔

کچھ دور بعد وہ تینوں ٹپلے کو عبور کر کے اس کاروان میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں مرد بھی تھے، عورتیں بھی اور بچے بھی۔ جوان اور بوڑھے تھے۔ وہ سب کے سب بڑی حیرت اور دلچسپی سے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ خانہ بدوشوں نے عارضی خیمے بنا رکھے تھے۔ جن کے درمیان ان کی کھوپڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اور درمیان میں چادر لٹائی پڑی ہوئی تھیں جو ان کے لیے چوپال کا کام دیتیں۔ وہاں تخی کے چوپلے روشن تھے جن سے نکلنے والے دھواں اٹھ رہا تھا۔ خانہ بدوش عورتیں کھانا پالاکا میں مصروف تھیں۔ ان عینوں کو دیکھ کر وہ سب ان کے گرد جمع ہو گئے۔ ان کی نگاہوں میں ان کے لیے دلچسپی کے ساتھ شکوک بھی دکھائی دے رہے تھے۔

گاڑیاں تھیں اور وہ کسی بھی وقت یہاں آسکتے تھے جبکہ ان لوگوں نے پیدل سفر کیا تھا۔ اس نے ان خانہ بدوشوں کو اعتقاد میں لینا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ان کو پناہ دے سکیں۔ وہ بوڑھا بھی لوگوں کے ساتھ آکر بیٹھ گیا جبکہ کچھ لوگ بوڑھے کے اشارے پر دور رہ گئے تھے۔

دو عورتیں ان کے لیے گلاسوں میں بکری کا دودھ روٹیاں لے آئی تھیں۔ ان لوگوں نے بہت ہی رغبت سے بچہ پیز کھائی تھیں۔ بھوک میں انہیں یہ سب کچھ ایسی نعمت کی طرح معلوم ہوا تھا جو بچائے کتنی صدیوں کے انہیں حاصل ہوئی تھی۔

”ہاں۔ بتاؤ کون ہو تم لوگ۔“ بوڑھے نے ان سے سوال کیا۔ کہاں جا رہے ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟“

”ہم لوگ مسافر ہیں بابا۔“ سادان نے کہا۔ ہم لوگ اپنے راستے پر جا رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے ہم پر حملہ کر کے ہمارا سارا سامان لوٹ لیا۔ ہم بڑی مشکلوں سے جان بچا کر اوڑھ آئے ہیں۔ تم ہمیں ایک رات کے لیے پناہ دے دو۔ صبح ہوتے ہی ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔“

”اس علاقے میں تو چور ڈاکو نہیں ہوتے۔“

”اس علاقے میں تو چور ڈاکو نہیں ہوتے۔“

”میں تو نہیں معلوم۔“ سادان نے جواب دیا۔ وہ بہت سے لوگ تھے۔ انہوں نے ہمارا سب کچھ چھین لیا ہے۔ ”ہوں۔“ بوڑھے نے ایک چمڑی سا سانس لے کر پوچھا۔ ”ہو لولا۔“ ٹھیک ہے۔ بس ایک رات کے لیے تم لوگ رہ سکتے ہو۔ ہم لوگ خود خانہ بدوش ہیں۔ ہمارے پاس ہاتھ کے لیے زیادہ کچا لٹس نہیں ہوتی۔ بس ایک رات اور کل صبح تم لوگ روانہ ہو جاؤ گے۔“





میں بھی ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک لوٹھا بابا کسی کو جیل میں مل جلے اور وہ اسے اپنے قبیلے کا سردار بنا دے اور وہ قبیلہ بھی سالہا افریقہ میں ہوگا۔

”یہ حق ہے عبدال“ وکرم نے ایک گہری سانس لی بعض اوقات حقیقت افسانوں سے زیادہ دلچسپ اور جڑت لگیز ہو کر رہتی ہے۔ تمہارا دور واقعی ایک بہت بڑے قبیلے کا سردار ہے۔ اس قبیلے کے پاس اس وقت اتنی دولت ہے کہ ہندو دنیا کا آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم نے شاید داور کے بازو پر سانپ کا نشان بھی دیکھا ہو گا۔ یہ نشان داور کو برا بھلا نہ جاننے کی علامت ہے۔ اسے کوہرا بنا دیا گیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس قبیلے کے لاکھوں افراد اس کے ایک اشارے پر جان دینے کے لیے تیار ہیں۔“

”چلو۔ یہ سب مان بھی لیا جائے تو اس لفظ کا داور سے کیا تعلق ہو تا ہے۔“ عبدال نے پوچھا۔

”یہ اصل ہوس کی دھڑکی کہانی ہے“ وکرم نے کہا۔ ”ہر پارٹی داور کے لیے نہیں بلکہ داور کو حاصل کرنے کے لیے دوڑ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی یہی کوشش ہے کہ وہ دوسرے کو دھکا دے کر گرا دے اور خود کے بڑھ جائے۔ یہ سلسلہ چل رہا ہے اور جب تک انہیں یقین نہیں ہو جاتا کہ داور ان کے ہاتھ سے نکل گیا ہے وہ اتنی طرح جدوجہد کرتے رہیں گے۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر پارٹی اصل داور کو چھو کر اس زخمی کے پیچھے کیوں پڑی ہے۔ انہیں کیوں یقین ہے کہ وہ زخمی ہی داور ہے ان یقین کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔“

”یہ تو اب ان کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے۔ اور ان کے منہ میں یہ نہیں آتا کہ ان لوگوں کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اگر انہوں نے داور کو پکڑ لیا تو بہت دولت مل جائے گی انہیں۔“

”یہ پیش کش داور کے قبیلے والوں کی ہے“ وکرم نے بتایا۔ ان کا کہنا ہے کہ جو کوئی بھی ان کے سردار کو ان کے پاس لائے گا وہ اسے اتنی دولت دیں گے کہ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا۔ ان کے پاس سونے اور چھرات کا بڑا ذخیرہ ہے۔ مجھے بھی یہ بات اٹھا پتا چلی ہے۔“

”چلو۔ یہ سب ہو گیا اب سوال یہ ہے کہ اب ان لوگ کیا کریں؟ اساتو کو کچھ لوٹنا ہی نہیں ہے۔“

”وہ آگ اور بارود کے سمندر سے نکل کر آیا ہے“ وکرم نے کہا۔ اسی لیے اس کے ذہن پر ابھی تک اس قیامت کا خوف طاری ہے۔ اور اسی خوف نے اس کی یادداشت گم کر دی ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں آ رہا۔ وہ اپنا نام بھول گیا ہے۔ اپنا ماضی فریٹ کر گیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ آخراں سب تباہی سے بچ نکلنے میں کامیاب کس طرح ہو گیا یہ تو ایک ناممکن سی بات ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہوٹے یادداشت کی گمشدگی کے اس پر کوئی اثر نہیں ہوا ہے اس کے سامنے اعضا سلامت ہیں۔ جسم پر کسی زخم کا نشان بھی نہیں ہے۔ پھر دیکھنا یہ ہے کہ اس تباہی سے بچ نکلنے کے بعد یہ کہاں کہاں بھٹکتا رہا ہے؟ اس نے کس طرح اپنی زندگی گزار دی ہے؟

”ہاں سیٹھ یہ بات تو ہے“ عبدال نے اپنی گردن ہلانے میں کامیابی تک کلام نہیں کرنا ہے۔ لیکن اپنی کواں زخمی پر بھی حیرت ہوتا ہے۔ آخر وہ سالہا کون ہے؟

”وہ بھی ایک ایسا متحضر ہے جو ابھی تک حل نہیں ہو سکا ہے“ وکرم نے کہا۔ ”اس زخمی کی قوت برداشت حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ جہاں تک میرے ذرائع کا تعلق ہے۔ تو مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس زخمی کے پرچے ہو چکے ہیں۔ اس کے جسم کا ہر عضو ناقابل شناخت ہے اس کے باوجود وہ زندہ ہے۔ کم از کم اپنے اعضا ہونے تک زندہ تھا تو ابھی قوت برداشت مجھے غیر انسانی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی اور قوت نے اسے زندہ رکھا ہے۔ شاید کسی سائنسی...“ وکرم بولنے بولتے رک گیا۔ جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔ پھر وہ ایک جھٹکے سے ٹھٹھا ہو گیا۔ عبدال میں نے اس زخمی کا منہ حل کر لیا ہے میں نے لٹازہ لگا لیا ہے کہ وہ کون ہو سکتا ہے۔“

”میرے کو بھی بتاؤ سیٹھ۔ وہ سالہا کون ہے“ عبدال نے پوچھا۔

”بسمارک! وکرم نے مٹھرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ وہ زخمی سولے نے بسمارک کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنی کسی سائنسی قوت کے بل پر زندہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی کوئی دوا استعمال کر لی ہو کہ جڑی سے بری تباہی بھی اس کا کچھ نہیں لگا سکے۔ وہ سو فیصد بسمارک ہے عبدال وکرم نے عبدال کو بسمارک کی کہانی سنا رکھی تھی۔ اسی لیے عبدال آنکھیں میچاڑے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ ”میں سمجھتا ہوں سیٹھ کہ تم برابر بولتا ہے“ عبدال نے کہا۔ ”وہ سالہا وہی شیطان سائنسدان جان پڑتا ہے جس

کو موت ہی نہیں آتی۔ باب سے وہ سالہا زندہ ہو کر بھر رہا ہے۔ یہاں چاڑے کا ایسا رولاد والا آدمی کو تو زندہ نہیں رہنا چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو عبدال۔ اسے واقعی زندہ نہیں رہنا چاہیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ بڑا ڈنڈا اٹھا کر کے کہاں لے گیا ہے۔ سیٹھ ہم نے اس طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن اب بسمارک کی زندگی اور موت کی کشمکش کو سامنے کرنا ہو گا۔ ہمیں ہر حال میں بڑا ڈنڈا ٹھیک پہنچ کر بسمارک کو ہلاک کر دینا ہے۔ اس ایک انسان کی موت لاکھوں کے تحفظ کی ضمانت بن جائے گی۔“

”چلو یہ مقرر تو سالانہ ٹھٹ گیا“ عبدال نے ایک گہری سانس لی۔ یعنی یہ بتا چل گیا کہ وہ سالہا شخص کون ہے لیکن اب یہ کیسے پتا چلے گا کہ سالہا اپنا داور مٹا دے دن کہاں رہا؟ وہ زندہ کیسے رہ گیا؟ اب ان کے منہ میں ایک بات آتی ہے۔ سیٹھ۔ اگر تم مان لو تو سالہا یہ بھی بتا چل جائے۔

”ہاں ہاں کہو۔ کیا بات ہے؟“

”ہمیں سیٹھ تو یہ بتاؤ کہ تم سالہا بسمارک کو مارنے کے لیے اتنا بریشان کیوں ہے؟ تم تو خود ایک گرہہ کا لیڈر رہے۔ تم تو دوسرے انسانوں کی جنگ کا لڑائی کر رہے ہو۔“

”یہ ٹھیک ہے کہ میں ایک برادری ہوں میں نے بھی اپنی ایک تنظیم بنائی ہے۔ جو مشرقیوں کی تنظیم نہیں ہے۔ لیکن تمام برادریوں کے باوجود میں نے کبھی زمین کا سودا نہیں کیا میں اپنے ملک کو کسی اور کے ہاتھوں تباہ ہونے دے نہیں دیکھ سکتا۔ ہم برسے لوگوں میں بھی کوئی نہ کوئی اچھا پہلو ضرور ہو کر اٹھتا ہے۔ اور شاید یہی میرا اچھا پہلو ہے کہ میں وطن کو تباہ ہونے دے نہیں دیکھ سکتا۔ بسمارک اتنا خطرناک ہے کہ وہ وطن کو تباہ کر سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ وہ اس وقت بری طرح زخمی ہے۔ حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کے باوجود اس کی مثال اس خیمہ کی سی ہے جو سو رہا ہے۔ اور جو کسی وقت بھی حیدار ہو کر تباہی مچا سکتا ہے۔ اور جس وقت وہ اپنے آپ میں آگیا اس وقت وہ ایک معمولی سی چیز کو بھی ہم سے زیادہ ہولناک بنا کر رکھ دے گا۔ اور اسے انکار کرنے والے اپنا سر پیٹ کر دے جائیں گے۔ ان لوگوں کو یہ نہیں معلوم کہ وہ داور کے دھوکے میں کس کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔“

”وکرم سیٹھ۔ اگر اپنی چل کر اس سالہا برادری کو تباہ دے لو گناہ برادری سے مل نہیں دے گا۔ کیونکہ ایسا آدمی لوگوں کے لیے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔“

”ہاں۔ ہو سکتا ہے کہ برادری کچھ میں میری بات آجائے۔“ وکرم نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ غلطی سے کس کو اٹھا کر لایا ہے۔ تو وہ کبھی بسمارک کو ہلاک کر دے۔ لیکن اس کے لیے مجھے خود ہی بڑا ڈنڈا کرنا ہو گا۔ میرے گئے لیڈر کام نہیں بنے گا عبدال۔“

”اپنی بھی تمہارے ساتھ چلے گا۔“

”کہوں نہیں۔ تم بھی میرے ساتھ رہو گے۔ اور اس دوران داور کی سیس رہا نہیں ہوگی۔ تم اس کی طرف سے بے فکر رہنا۔ وہ اب کہیں نہیں جائے گا۔ اور ہاں۔ تم ابھی کوئی بات بتانے والے تھے۔ وہ کیا بات تھی؟ تم داور کے لیے کچھ کچھ رہے تھے۔“

”اپنی یہ بول رہا تھا کہ سیٹھ تم سالہا اس بلیک کیٹ والوں سے کیوں نہیں پوچھتا۔ داور کو لانے والا تو وہی لوگ ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ لوگ داور کو کہاں سے لایا تھا۔“

”یہ تم نے ٹھیک کہا۔“ وکرم خوش ہو گیا۔ ”بہت اچھا مفروضہ ہے تمہارا۔ بلیک کیٹ والے تو میرے ذہن سے مل ہی گئے تھے۔ میں آج ہی اس کے ایک خاص آدمی کو پکڑوا کر لایا ہوں وہ پھر سب کچھ بتا دے گا کہ داور کو کہاں نے کہاں سے تلاش کیا اور وہ اس سے کیا کام لینا چاہ رہے تھے۔ پھر میں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ وہ داور کی اصلیت سے واقف ہیں یا نہیں۔“

عبدال خاموش رہا۔ وکرم نے اسی وقت روشن کو بلا کر اسے حکم دیا کہ وہ فوری طور پر بلیک کیٹ کے کسی آدمی کو پکڑ لائے۔ عبدال بڑی حیرت سے اس آدمی کو دیکھ رہا تھا جو ایک بڑا آدمی تھا۔ لیکن اس کے سینے میں وطن کے لیے بہت اچھے جذبے تھے۔ مجھے لوگ کسی بھی نیت کے مالک ہو کر آتے ہیں۔ یعنی وہ اپنی حرکتوں سے اپنے ملک کو چاہے خود تباہ کر دیں۔ لیکن وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی دوسرا ان کے ملک کو تباہ کرے گی کوشش کرے۔ لیکن عبدال کو ان معاملات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب سیاسی بائیں

ہوا کرتی ہیں اور سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا وہ تو صرف اتنا جانتا تھا کہ اسے اور اس کے دوست داد کو زندہ رہنا چاہیے۔ چاہے کسی طرح بھی ہو۔

روشن نے ایک آدمی کو پکڑ کر لائے میں بہت پھرتی کامنڈا ہر کہتا تھا۔ عبدال اس کی کارکردگی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ ایک قوی بیل آدمی تھا جس کے چہرے پر ہر گھٹی مومجین تھیں۔ مگر کچھ آدمی اسے دھکے دیتے تھے وکرم کے سامنے لائے تھے۔ لیکن اس کی درشت مزاجی میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ کسی شہر کی طرح غرا ہوا تھا جیسے دھوکے سے قہر کر دیا گیا ہو۔

”یہ وولف ہے باس، روشن نے وکرم کو بتایا۔ پھر بڑے کی صفت رکھتا ہے۔ اسی لیے اسے وولف کہا جاتا ہے۔ یہ بلیک کیٹ کا خاص آدمی ہے۔“

”بیٹھ جاؤ وولف، وکرم نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا پھر روشن کی طرف دیکھا، ”مظاہر اتنی جلدی سے کہاں سے لے آئے؟“

”اس کا فلیٹ قریب ہی ہے باس، روشن نے کہا۔ میں بہت دنوں سے اس کی تاک میں تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کا تعلق بلیک کیٹ سے ہے۔ آج اپنے حکم دیا تو میں اپنے آدمیوں کو لے کر اس کے فلیٹ پہنچ گیا۔ اس کی بدقسمتی سے کہ اس نے ہماری دستک کے جواب میں دروازہ کھول دیا اور ہم اسے یہاں لے آئے۔“

”اس حرکت پر تم سبھی کو پکھتا نا پڑے گا۔ وولف غرایا۔ تم اپنے آدمیوں سے کہو کہ وہ اپنے ہتھیار چھیک کر پھرتے مقابلہ کر لیں۔“

”تم نہیں جانتے کہ تم اس وقت کس کے سامنے کھڑے ہو؟ روشن نے وکرم کی طرف اشارہ کیا۔ یہ ہمارے باس سیٹھ وکرم ہیں۔“

پھر ایسا ہوا جیسے صابن کا جھاگ بیٹھ گیا۔ ہر سیٹھ وکرم کے نام میں کیا تاثر تھا؟ وولف اپنی غائب ہونے لگا تھا۔ وہ اب کسی خوفزدہ خرگوش کی طرح دکھائی دینے لگا تھا۔ ”معاف کرنا تھے نہیں معلوم تھا کہ آپ سیٹھ وکرم ہیں۔“ وہ وکرم کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ میں نے صرف آپ کا نام سنا تھا۔ اسی لیے۔“

”کوئی بات نہیں۔ وکرم نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔ تم نے کچھ بھی نہیں کیا ہے۔“

کرشن ساگر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے وہ طوفان نا نانی اس آدمی کے کہنے پر دوبارہ اس عمارت میں واپس آ گیا تھا جہاں برناڈا اس کے آدمی اور ڈاکٹروں کی پوری ٹیم جمع تھی۔ اس کی گمشدگی اور واپسی کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا تھا۔ شاید لوگوں نے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ اسے طوفان کی ہمت اور جد سے زیادہ بڑی ہوئی خود اعتمادی پر مبنی بھی آ رہی تھی۔ اس نے یہ جانتے ہوئے بھی کرناڈا کی پوری ٹیم موجود ہے۔ برناڈا کو چیلنج سمجھا دیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس زخمی کو مردہ دیکھنا چاہتا ہے۔ آخر کیوں ایک زخمی سے لیے خطرناک شخص کی کیا دشمنی تھی وہ اس زخمی کو مردہ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ طوفان کس طرح برناڈا اور اس کے خونخوار ساتھیوں کا مقابلہ کر سکے گا۔ اسی قسم کے کئی سوالات لیے وہ اس عمارت میں واپس آ گیا۔ اور یہاں ایک بیل بچی ہوئی تھی۔

یہ بیل اس کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس زخمی تھی جو مکمل طور پر ہوش میں آ گیا تھا اور ڈاکٹروں کی پوری ٹیم اس کے میں موجود تھی۔ کھنڈ بھی اسی کے تھا اور برناڈا بھی مریض کو ہوش میں دیکھنے کے لیے اس کے میں پہنچ چکا تھا۔ اس کی حیرت انگیز قوت ارادی اور زندگی سے محنت اسے موت کے دروازے سے واپس لے آئی تھی۔

ڈاکٹر کرشن ساگر بھی اس کے میں داخل ہو گیا۔ جہاں سب کے سب مریض کو گھیرے میں بے ہوش تھے۔ حالانکہ ڈاکٹروں کے نزدیک یہ بات غلط تھی مریض کے کمرے میں اتنی بھیڑ نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اس وقت وہ سب اتنے مجبوز ہوتے تھے کہ انہیں صوفے کی بھی پروا نہیں رہی تھی۔

زخمی اپنے بستر پر جھٹ لیا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں نہ صرف کھلی ہوئی تھیں۔ بلکہ ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں کسی قسم کے تاثرات نہیں تھے۔ نہ خوف کے نہ جہت کے اور نہ ہی اپنے اوپر گرنے والی لکیروں کے۔ وہ بالکل بے بس آنکھیں تھیں۔ خالی خالی اور غیر متعلق سی۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ لرز رہے تھے جن سے بے ربط قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اتہام بھی کہ وہ اپنے ہاتھ

پروں کو بھی جھپٹ دے سکتا تھا۔ میڈیکل سائنس نے اس زخمی کے سلسلے میں ایک ناقابل تصور کارنامہ کر رکھا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہا ہے ڈاکٹر؟“ برناڈا نے اچانک کھڑے کو مخاطب کیا۔ ”یہ جو کچھ بھی کہ رہا ہو اس وقت اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ کھنڈ مریض کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کا ذہن ابھی تک سنبھل نہیں پایا ہے۔ لیکن جس طرح یہ اپنی زندگی کی طرف لوٹنے اسی طرح اپنے ذہن کی طرف بھی لوٹ آئے گا۔ بس کچھ دنوں کے بعد اس کے ذہن سے غبار چھٹا شروع ہو جائے گا۔ اور یہ ذہنی طور پر بھی درست ہو جائے گا۔ میں اور کسی کے سلسلے میں ایسا ہی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن یہ ایک حیرت انگیز انسان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس نے کس طرح اپنی موت پر فرخ پائی ہے۔ ایسا شخص زیادہ دنوں تک ذہنی طور پر غیر حاضر نہیں رہ سکتا۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو ڈاکٹر؟“ برناڈا نے ابی گردن ہلائی۔ ”میں تم لوگوں کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ تم نے واقعی ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔“

”ہم نے ایک مریض کی خدمت کی ہے۔ ڈاکٹر اطہر نے کہا۔ اس خدشے سے بے نیاز ہو کر تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو؟ میں رہائی نصیب ہوتی ہے یا نہیں مت آجاتا ہے؟ ہمیں اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہمارے سامنے ایک مریض تھا اور ہم نے اپنے پیشے کے تحت اپنا فرض ادا کیا ہے۔“

”گھبراؤ نہیں۔ تم لوگوں کو رہائی مل جائے گی۔ برناڈا نے سکرانے ہوئے کہا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔“

”میں یہ جانتا ہوں کہ ایک دفعہ وہ باقی سب لوگ اس کے سے باہر چلے جائیں۔ ڈاکٹر کھنڈ نے ان بھون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مریض کے پاس بھیڑ نہیں ہونی چاہیے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ برناڈا نے کہا۔ اور سب سے پہلے وہی اس کے سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد دوسرے ڈاکٹر بھی باہر آ گئے۔ ڈاکٹر کرشن بھی ان میں ہی شامل تھا اسے برناڈا نے طوفان کے بلے میں بات کرتی تھی۔ اسی لیے اس نے گوریڈو میں برناڈا کو آواز دے کر روک لیا۔

”کیا بات ہے ڈاکٹر؟“ برناڈا نے اس کی آواز پر جھپٹتے ہوئے پوچھا۔ کوئی خاص کام ہے کیا؟

”ہاں بہت ہی خاص کام ہے۔ کرشن نے کہا۔ میں

ایک آدمی کا پیغام پہنچانا چاہتا ہوں۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا یہاں کس آدمی کا پیغام آ سکتا ہے؟“

”اس آدمی کا نام طوفان ہے۔ کرشن نے بتایا۔ کم از کم اس نے اپنا نام یہی بتایا تھا۔“

”طوفان؟ برناڈا کا منہ کھلا رہ گیا۔ طوفان؟ اس نے گوشی کی۔ وہ اچانک بے پناہ خوفزدہ معلوم ہونے لگا تھا۔ گلاٹھوں کا۔ یہ کہنا صحیح تھا کہ اس کا نام کم از کم کرناڈا کی حالت خراب ہو جانے کی اور واقعی اس کی حالت غیر ہوئی تھی۔ کیا کہتے ہو وہ۔ وہ یہاں کیسے آ گیا۔“

”میں یوں ہی پھلتا ہوا تھی جسے کی طرف چلا گیا تھا جناب۔ کرشن نے کہنا شروع کیا۔ وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس نے فرار ہونے کی کوشش کی تھی۔ تو وہ ایک درخت کے عقب سے نکل کر میرے سامنے آ گیا۔ وہ بہت ہی چھوٹا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے ایک لمبے میں مجھے قابو میں کر لیا تھا۔ پھر اس نے کہا کہ میں واپس جا کر آپ کو یہ پیغام دے دوں کہ آپ اپنے آدمیوں کے ساتھ فوراً اس عمارت کو خالی کر دیں۔ ورنہ وہ پوری عمارت کو تباہ کر کے رکھ دے گا۔“

”یہی کہا تھا اس نے؟“ برناڈا نے خوف بھری نظر میں سرگوشی کی۔ اس نے یہی کہا تھا کہ گلاٹھ کا پیغام کرشن نے اسے طوفان کے حلیے اور اس کے لباس سے اگاہ کر دیا۔

”ہاں۔ بالکل وہی۔ وہی ہے۔“ برناڈا خوف بھرے انداز میں اپنے سر کو جھپٹنے لگا۔ اب مجھے یہاں سے جانا ہوگا ہر حال میں یہ عمارت خالی کرنی ہوگی۔ ورنہ۔“

کرشن حیرت سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ برناڈا جسے آدمی کا یہ خوف اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس کے پاس تو بے پناہ دماغ تھے۔ دولت تھی۔ خونخوار لڑاکوں کی پوری ایک جٹالیں اس کے ساتھ تھی۔ ہر قسم کے اسلحے بھی ان کے پاس موجود تھے۔ اس کے باوجود صرف ایک آدمی سے اتنا دہشت زدہ ہو رہا تھا۔ آخر کیوں؟ اس نے ابھی تک برناڈا کو یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ طوفان اس زخمی کو ہلاک کرنے آیا تھا یہ خبر سن کر تو محلے اس کی اور کیا حالت ہو جائی کرشن بھی یہ بات چھپا کر تھا۔

”اب کیا ہوگا؟“ برناڈا نے دونوں کو ملنے لگا تھا۔ ”یہ بہت برا ہوا۔ وہ یہاں بھی آ گیا۔ اب میں کیا کروں عمارت کس طرح خالی ہو سکتی ہے؟“

وہ اس انداز سے اپنے آپ سے گفتگو کر رہا تھا جیسے اس نے کرشن کی موجودگی کو فراموش کر دیا ہو۔ طوفان کے خوف نے اس کے حواس کلم کر دیئے تھے۔  
”میرے لیے کیا حکم ہے جناب؟ کرشن نے اسے غفلت کیا؟ ہم لوگ کیا کریں؟“

”اوہ تم! برناڈ نے اس طرح چونک کر کرشن کی طرف دیکھا جیسے اسے پہلی دیکھ رہا ہو۔ پھر پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا: تم اپنے ساتھیوں کو بتا دو کہ وہ یہاں سے نکلنے کے لیے ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ اور ان مریض کو کبھی بڑی احتیاط کے ساتھ اس عمارت سے باہر نکالنا ہے۔ اس کی دوائیں اور تمام ضروری سامان بھی ساتھ جائے گا۔“

”میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں جناب۔ کہ آخر صرف ک کوئی نے آپ کو اتنا خوفزدہ کیوں کر دیا ہے، آپ اپنے لوگوں سے کہیں وہ اسے پکڑ لیں گے جس طرح ہمیں پکڑ لائے تھے۔ ہمیں تم یہ نہیں جانتے۔ تم جاؤ اپنے آدمیوں کے پاس۔ میں اپنے آدمیوں کو یہاں سے چلنے کے لیے کہہ دیتا ہوں جلدی کرو۔“

برناڈ ڈی لوکھاٹ قابل دیدہ بختی کرشن کی حیرت بڑھتی ہی جاسی تھی۔ برناڈ جیسے آدمی کا اگر صرف طوفان کا نام نہ کر یہ حال ہو رہا تھا تو نہ جلتے طوفان علی طوہرہ کیسا ہو گا؟

برناڈ اس کے بعد کرشن کے پاس نہیں بٹھرا۔ بلکہ وہ دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ شاید وہ اپنے آدمیوں کو خبردار کرنے کے لیے گیا تھا۔ کرشن کچھ دیر تک وہیں کھڑا رہا پھر ڈاکٹروں کو صورتحال سننے آکا کرنے کے لیے ان کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکٹر لوہنے اپنے کمرے میں تھے۔ لیکن ڈاکٹر ٹھٹھا اظہار اس زخمی کے پاس تھے جواب مکمل طور پر ہوش میں آچکا تھا۔ کرشن مارگے جلدی جلدی ان دونوں کو ساری بات بتا دی۔ وہ دونوں بھی یہ سن کر بہت حیران ہوئے تھے۔ آخر اس شخص میں ایسی کون سی بات ہے جس نے برناڈ کو اتنا بے حواس کر دیا ہے؟ گھنٹہ نے کہا۔

”یہی بات تو سمجھ میں نہیں آئی۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس نے موت کو سامنے دیکھ لیا ہو۔ اس نے فوری طور پر تمام ڈاکٹروں کو ایک جگہ جمع ہو جانے کو کہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ مریض کو کبھی اس عمارت سے ہٹا لینا چاہتا ہے۔“

”اس کا کیا دماغ خراب ہو گیا ہے، مریض کی حالت اس قابل کہاں ہے کہ اسے حرکت دی جاسکے۔ وہ تو اس طرح اس کی جان لے لے گا۔“

”یہ میں نہیں جانتا۔ اس کا یہی کہنا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ مریض کے ساتھ ساتھ ضروری دوائیں اور دیگر سامان بھی عمارت سے باہر نکال لیا جائے۔ کرشن نے بتایا۔ ”اب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر ہم لوگوں کا کیا رویہ ہونا چاہیے؟ ڈاکٹر اظہر نے کہا: کیا ہم لوگ برناڈ کا ساتھ دیتے ہوئے بے عمارت خالی کر دیں یا ہمیں بیٹھ کر طوفان کا انتظار کرتے رہیں جو واقعی طوفان ثابت ہو رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم لوگوں کو برناڈ کی بات ماننے سے انکار کر دینا چاہیے۔ اسے اس مریض سے دلچسپی ہے تو اس مریض کو اپنے ساتھ لے جائے۔ ہم لوگ اس طوفان کو صورتحال سے آگاہ کر دیں گے، اور ویسے بھی وہ طوفان برناڈ اور اس کے ساتھیوں کے لیے ایک ہے۔ اسے ہم لوگوں سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟“

”یہ تم ٹھیک بگھتے ہو۔“ گھنٹہ نے بھی اس کی تائید کی۔ ہم کیوں اس چکر میں پڑیں؟ لیکن کم از کم ہمیں یہ تو معلوم ہو جائے کہ اگر ہم نے برناڈ کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا تو ہمارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہو سکتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اپنے آدمیوں کو ہمیں ہلاک کرنے کا حکم دے دے۔ ”ہاں۔ یہ خطہ لوشی جگہ موجود ہے۔ اظہر نے کہا۔ لیکن اس سے پہلے ہم کیوں نہ یہ معلوم کر لیں کہ یہ طوفان آخر کونسا حد تک خطرناک ہے؟“

ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ برناڈ لوکھاٹا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

”جلو۔ چلو جلدی کرو۔“ وہ اپنے ہاتھ ملاتا ہوا بولا۔ ”تم لوگ باہر جاؤ۔ میں نے اس مریض کو منتقل کرنے کا بھی بندوبست کر لیا ہے۔ ہمارے آدمی اس مریض کو اوپر اس کے ساتھ دوسری ضروری چیزوں کو یہاں سے نکال لیں گے۔ تم لوگ اس کی فکر مت کرنا۔“

”آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟ گھنٹہ نے برناڈ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”تم اتنے ہیرا نے ہوئے کیوں ہو۔؟“

”تم لوگ باہر آؤ۔ میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

برناڈ نے کہا: تمہیں یہ اندازہ نہیں کہ طوفان کس چیز کا نام ہے۔ آؤ باہر جاؤ۔“

وہ تینوں باہر آ گئے۔ باہر آنے کے بعد انہیں معلوم ہوا دوسرے ڈاکٹروں کے علاوہ برناڈ نے اپنے ساتھیوں بھی میدان میں جمع کر رکھا تھا۔ ان ڈاکٹروں کی طرح برناڈ دوسرے آدمیوں کو بھی صورتحال کا اندازہ نہیں تھا۔ وہ نے اس کی بوکھاٹ دیکھ دیکھ کر حیران ہوتے جا رہے تھے۔ ان میں سے کئی ایسے تھے جنہوں نے یہ سن لیا تھا کہ ہاں اس کی سطور فان نانی آدی کی وجہ سے اس قدر لاشاں رہا ہے۔ وہ اب برناڈ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ انہیں اس طوفان سے نکل لینے کی اجازت دی جائے۔

”ہمیں؟“ برناڈ نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مخاطب کیا۔ ”میں تم لوگوں کو خود کشی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ طوفان سے مقابلے کا مقصد یہ ہو گا کہ تم اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا نافر کر لو۔ تم میرے اپنے ہو۔ اسی لیے میں نہیں چاہوں کہ کسی کا کوئی نقصان ہو جائے۔ اس نے ہم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ہم جلد از جلد اس عمارت کو خالی کر دیں اسی لیے مارے لیے یہی بہتر ہے کہ ہم دی کر دیں جو ہم سے کہا گیا ہے۔ اگر ہم نے ایسا نہیں کیا تو یہ ہماری حماقت ہوگی۔“

”آخر یہ سلسلہ کیا ہے جناب؟ ایک ڈاکٹر نے برناڈ سے دریافت کیا۔ ”تم ایک شخص کی وجہ سے اس قدر ہلے ہوئے کیوں ہو؟“

”ٹھیک ہے۔“ برناڈ نے ایک گہری سانس لی۔ ”میں یہ بتا رہا ہوں۔ کیونکہ تم لوگوں کو بتائے بغیر میں اس عمارت کو خالی بھی نہیں کر سکتا۔ میں اس سے انتہائی بے بس ہو گیا ہوں۔ خیر تو بات یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شخص اس طوفان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔“

”یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے برناڈ کے ایک آدمی نے کہا۔ ”آخر وہ ایک انسان ہے۔ کوئی بلا تو نہیں ہے۔“

”تم اسے بلا ہی سمجھ لو۔“ برناڈ ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”اس کے اندر ایک حیرت انگیز خوبی ہے اور وہ خوبی یہ ہے کہ تمہاری گولیاں اور تمہاری تلواریں وغیرہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ تم چاہے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دو۔ اس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔“

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ نقین نے ذکر کرنے والی آواز میں ایک مہرے سے دوسرے مہرے تک سب ہی سرگوشیاں کرتے

”میں تم سے اسے کہہ رہا ہوں۔“ برناڈ نے کہا۔ ”میں کوئی پاگل یا دیوانہ نہیں ہوں۔ جو اس قسم کی باتوں پر یقین کر لوں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے۔ جس کا مظاہرہ میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔“

”آخر یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔“ برناڈ نے ڈاکٹر گھنٹہ سے مخاطب کیا۔ ”تم تو ایک ان ہوئی بات کر رہے ہو۔“

”حالانکہ میرے پاس تفصیل بتانے کا وقت نہیں ہے۔ لیکن میں یہ تفصیل ضرور بتاؤں گا۔ تاکہ تم لوگ بھی اس صدی کے ایک بہت بڑے تجربے کے بارے میں جان سکو۔“ برناڈ نے کہا۔ ”میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بھی طوفان کی لگائیں ہماری طرف لگی ہوتی ہوں گی۔ وہ یہ دیکھ رہا ہو گا کہ ہم کہاں تک اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہو گا کہ میں اپنے آدمیوں کو اس عمارت سے باہر اس لان میں سمیٹ کر لے آیا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میری یتھ ٹھیک ہے۔ میں اس کے مشورے پر عمل کر رہا ہوں۔ اسی لیے شاید میرے پاس اتنا وقت نہ ملے۔ میں تم لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے طوفان کے بارے میں بتا دوں۔ تاکہ تمہیں اندازہ ہو جائے کہ میری پریشانی بلاوجہ نہیں ہے۔ وہ ایک انسان ہے۔ لیکن اس کی معنوی طور

پر خلق بھی گئی تھی ہے۔ ایک بار ایک دین سائنسدان نے اس پر تجربہ کیا تھا کہ اسے لافانی کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ سائنس دان نے اس شخص کی حیا میں اس اضافہ کر دیا۔ پھر اس کے جسم کے اندرونی نظام میں کئی تبدیلیاں پیدا کیں۔ اس کے بعد اس کے متعدد آپریشن کئے گئے۔ جن میں اس شخص کے جسم کو ایک ڈونک کا بنا لیا گیا۔ پتا نہیں کیسے کیسے تجربوں کے بعد وہ شخص ایک ایسی بلا بن گیا جس پر دیگر لوہاں اور ہتھیار وغیرہ کوئی اثر نہیں کر سکتا۔ میں یہ غلط نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرے خوف کی بھی وجہ یہ کہ ہم لوگوں کو مارتا رہے گا اور ہم اس کا کچھ نہیں لگا سکیں گے۔ یہ بالکل ناممکن بات ہے۔ برناڈے کھتے تھے کہ اور انسان کا نظام اتنا نازک ہوتا ہے کہ وہ بیرونی کسی چیز کو اپنے اندر قبول نہیں کر سکتا۔

”شاید تم نے س سائنسدان کا نام نہیں سنا جس نے اس شخص پر تجربہ کیا تھا۔ اس کا نام بسمارک تھا۔ اپنے عہد کا سب سے بڑا سائنس دان۔ اس نے مسلسل دس برسوں تک اس شخص پر تجربہ کیا۔ ایک دو دن کی بات نہیں مٹھی۔ مسلسل دس برس، ہر تجربے کے بعد دیکھا جاتا تھا کہ اس شخص کے رویے میں کیا تبدیلی آئی ہے۔ کوئی خرابی ہوتی تو اسے دھڑک دیا جاتا۔ تمہارے سامنے جو زخمی ہے وہ بھی اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھا۔ طوفان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔ بیہوش و سرسوں کے بعد وہ ایسا ہو گیا کہ انسان اسے مار نہیں سکتا تھا۔ بسمارک نے اس کے ذریعے بہت دولت حاصل کی۔ وہ اس کے ذریعے بینکوں میں ڈاکے ڈالوا کرتا تھا۔ یہ شخص بے خوف ٹھس جاتا اور سب کچھ میٹ کر لے آتا۔ جبکہ وہاں موجود لوگ اور پولیس اس کا کچھ نہیں لگا پاتی تھی۔ اس پر لوہاں برساتیں جاتیں اور یہ مسکراتا رہتا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک دن یہ شخص خود بسمارک ہی سے ماتی ہو گیا۔ یہ ظاہری طور پر باقی ہو کر بسمارک کے سامنے تو نہیں آیا لیکن اس نے بسمارک کے خلاف کاروائیاں شروع کر دیں۔ بسمارک اس سے اتنا تنگ آ گیا کہ اسے ملک چھوڑنا پڑا۔

”لیکن آپ کو کیسے معلوم کہ یہ وہی آدمی ہے برناڈے ہی کے کسی آدمی نے اس سے بلوچھا۔ یہ کوئی اور بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

کیوں آیا ہے؟ برناڈے نے کہا بسمارک نے اسے اس کا نام دیا تھا۔ اسٹوم یعنی طوفان، تو یہ طوفان اب ہمارے ہمارا گیا ہے۔ ہم اپنے ہتھیاروں کے باوجود اس کچھ نہیں لگا سکیں گے اور یہ ہمیں مار کر ملام لگا۔ اس نے عمارت خالی کرنے لیے کہا ہے تو ہمیں کی بات مانی ہی ہوگی۔ ورنہ دوسری صورت میں ہمارا منظر ہوگی۔

”کیا اس شخص کو کسی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا کسی نے سوال کیا۔

”کیوں نہیں۔ لیکن اس کی طاقت کو ختم کرنے صرف بسمارک کے پاس تھا۔ برناڈے بتایا یہ طوفان بھی اس راز واقف ہے۔ اسی لیے وہ کبھی بذات خود بسمارک کے سامنے نہیں آیا۔ بلکہ درپردہ اسے لٹھ پہنچاتا رہا ہے۔ اس کے آدمیوں کو ہلاک کر رہا ہے۔

”کیا وہ تم سے واقف ہے برناڈے؟ کھتے تھے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلوچھا۔

”ہاں۔ وہ مجھ سے بہت اچھی طرح واقف ہے۔ برناڈے جواب دیا۔ ”آج میں ایک اور راز کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ وہ انکشاف یہ ہے کہ میں اور بسمارک ساتھ تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ کام کیا کرتے تھے۔ پھر بسمارک میرے خلاف ہو گیا۔ اور مجھے اپنی جان بچ کر کھانا پڑا۔ کیونکہ میں کسی بھی طرح اس کی زبان سے اس کے وسائل کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اسی طرح طوفان بھی مجھے جانتا تھا۔ اسی لیے وہ میرا تعاقب کر رہا تھا۔

”کیا وہ تم سے واقف ہے؟

”وہ جو کچھ جانتا ہے۔ وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ برناڈے نے کہا۔ ”میری بڑھتی ہوئی عمر کے وہ زخمی ابھی تک بلوچے جو اس میں نہیں آسکا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہیں ہوتی تو طوفان کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔ وہ طوفان کے رخ کو پھیر سکتا تھا۔ کیونکہ طوفان کی ہلاکت کا مارا صرف اسی کے پاس ہے۔

”کیا مطلب؟

”ایک وقت بہت سی آوازیں گونجتی تھیں۔ یہ زخمی ہے۔

”بہتر ہے کہ اس وقت میں اس کے بارے میں بھی بتا دوں۔ برناڈے نے ایک گہرا سانس لی۔ یہ زخمی وہی

راک ہے۔ وہی مایہ ناز سائنس دان جس نے پوری اپنی حکمرانی کا خواب دیکھا تھا۔ اور خود بے بس ہو کر لیتا ہے۔ لیکن اس کا ذہن کسی وقت بھی جاگ سکتا ہے۔ اس وقت بھی اس کا ذہن بیدار ہوگا۔ اس وقت پوری یا تو ایک قیامت کا سامنا کرنا ہوگا۔

”لڑنا اس بسمارک کے لیے ٹھیک رہے ہو۔ کھتے تھے۔

”لوچھا، ہم نے اس کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے۔ درست ہے کہ وہ بے حد ذہین ہے۔ لیکن اس کی وہانت بے جا کر رہی ہے۔ تمہارے ہی کہنے کے مطابق وہ مت نازل کر سکتا ہے۔ لیکن تم نے تو ہمیں کوئی اور ہی راہ بتائی تھی۔

”ہاں۔ اس وقت میں نے غلطی سے اسے انکار کیا تھا۔ اس نے اسے داور مجھا تھا۔ کیونکہ میں یہی بتا گیا تھا کہ اگر وہ داور کو کسی طرح ایک خاص قبیلے تک پہنچا دیں۔ ہمیں اتنی دولت دی جائے گی جو تصور میں نہیں ملتی۔

”اس وقت میں نے سامنے انتظامات کر لیے۔ بے غاشتر۔

”بہت خرچ کی۔ اور وہ سب کچھ کیا جو تم لوگوں کے سامنے ہے۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ زخمی نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔ لیکن یہ کوئی اور کون ہے؟

”میں اپنی قوت ارادی کہاں سے آئی کہ دھچکتاں مچانے کے باوجود زندہ ہے۔ پھر اچانک یہ انکشاف آیا کہ یہ زخمی بسمارک ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب طوفان کی آمد نے بھی اس کے بسمارک کے لیے تصدیق کر دی ہے۔

”تو یہ طوفان یہاں کس لیے آیا ہوگا بایں؟ ایک نے دریافت کیا۔

”بسمارک کو ہلاک کرنے؟ برناڈے جواب دیا۔

”اگر ایسا ہے تو پھر اس آدمی کو عمارت خالی کر دینے کا یہ ضرورت ہے۔ وہ تو جب جی چاہے عمارت میں داخل ہو کر بسمارک کو ہلاک کر سکتا ہے۔

”مہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ یہ چاہتا ہے کہ لوگ زخمی بسمارک کو کھلم کھلا کر لے آئیں۔ اور وہ ہمیں چھب کر بسمارک کی طرف بھگتا ہے۔ اسے ہم لوگوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اسے مل خوف سونے ہوئے غصے سے ہے۔ تم لوگوں نے نکال دیا۔

”وہ غیر کوئی گولیاں مار دیں گے کہ باوجود

مطمئن نہیں ہوتے۔ انہیں اس کے حملے کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اسی لیے وہ اگر اس کے قریب بھی جاتے ہیں تو بہت ڈرتے ڈرتے۔ بہت ہوشیار ہو کر یہی حمل طوفان کا ہے۔ وہ دیکھ لینا چاہتا ہے کہ بسمارک کی وہی حالت ہے جو اس نے سنی ہے یا اس نے غلط سنی ہے۔ جب اسے یہ اطمینان ہو جائے گا کہ بسمارک اپنی حرکت کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس وقت وہ اطمینان سے بسمارک کو ہلاک کر دے گا۔ وہ اسی لیے ہم سب کو کھلم مبدلان میں لانا چاہتا ہے۔

”برناڈے! باتیں سب کی سمجھ میں آگئی تھیں۔ خود کرشن بھی سمجھ گیا تھا کہ طوفان نے عمارت خالی کرنے کا حکم کیوں دیا ہے۔ وہ اس زخمی کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

”میری سمجھ میں ہے نہیں آیا ہونا کہ جب تمہیں یہ علم ہو گیا تھا کہ زخمی کون ہے تو پھر تم نے اس کی اتنی حفاظت کیوں کی۔ تم بسمارک کو کیوں بچانا چاہتے ہو؟

”سیدھی سی بات ہے کہ ایک امید کے لیے۔ اس نے جواب دیا۔ اور وہ امید یہ ہے کہ شاید اس طرح بسمارک میرے ساتھ ہو جائے۔ صحت مند ہونے کے بعد وہ میری خدمات کا اعتراف کرے۔ اور اس اعتراف کے طور پر وہ اپنی صلاحیتیں میرے فائدے کے لیے وقف کر دے۔ اگر وقف نہ بھی کرے تب بھی کم از کم وہ اتنا فائدہ ضرور پہنچا سکتا ہے کہ میری آئندہ تسلیوں تک فراغت کی زندگی بسر کر سکیں۔ یہ بہت ہی چھوٹا اور کھٹا سا منصوبہ ہے، لیکن یہی حقیقت ہے کہ یہی سوچ کر میں نے بسمارک کا علاج کروایا تھا۔ لیکن اب سب کچھ فضول ہے۔ میں اسے ہلاک ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ اگر وہ خود تندرست ہوتا تو شاید اب تک طوفان کو اپنے راستے سے ہٹا چکا ہوتا۔ لیکن اب وہ بھی اپنے پاؤں سے لے کر کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لیے میرے لیے آپ بھی بہتر ہے کہ میں بسمارک کو کھلم میدان میں لے جا کر چھوڑ دوں اور خود یہاں سے چلا جاؤں۔ تم سمجھو کہ کوئی نہ کرنا کہ حضرت میری طرف سے اب آزاد ہیں۔ وہ جہاں چاہے جاسکتے ہیں۔ اب ان کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ میں نے یہ بادی لغو کیا۔ جیت لی تھی۔ لیکن طوفان کی آمد نے مجھے ہرا دیا ہے۔ میری طرف سے تم سب لوگ جاسکتے ہو۔ کہیں بھی چلے جاؤ۔

”سب کے سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ یہ شکست



خود ہوجا اس شخص کا تھا جس نے اپنی گردن اگڑانے رکھی تھی۔ جو زمین پر پاؤں نہیں رکھتا جس نے خاندان کیسے کیسے خواب دیکھ رکھے تھے۔ لیکن ان خوابوں کی تعبیر بہت بھلائی گئی تھی۔ وہ اب ایک بہت معمولی انسان بن گیا تھا۔ اور صرف ایک شخص کی وجہ سے اسے تباہ کرنے کے لیے کوئی فوج نہیں آئی تھی۔ صرف ایک آدمی آیا تھا۔ اور اس نے بازی ہلک دی تھی۔

وہ سب کے سب اس عمارت کو خالی کرنے میں مصروف تھے۔ ان میں سے ہر ایک بھاگ دوڑ میں لگ گیا تھا۔ لوگ دوڑ دوڑ کر اس عمارت سے سامان نکال نکال کر باہر لارہے تھے۔ ایک اسٹریچر پر زخمی لہلہاک کو بھی اٹھا کر لے آیا گیا تھا۔ جسے عمارت کے باہر والے ایک میدان میں رکھ دیا گیا تھا۔ اس وقت برناڈا اور اس کے ساتھیوں کی توجہ کسی پر نہیں تھی۔ برناڈا نے نہیں طوفان کے بارے میں بتا کر اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو گئے تھے ان کی بس یہی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح جہاں سے نکل لیں۔ طوفان نام کے اس شخص کا گرجہ دوڑ دوڑ کر کوئی پتا نہیں تھا۔ لیکن اس کی دہشت ہر طرف پھیلی ہوئی غصوں ہو رہی تھی۔ اگرتقریباً کاہ عالم تھا کہ سماج کی طرف سے بھی ان کی توجہ ہٹ گئی تھی۔ وہی شخص جس کے علاج کے لیے انہوں نے آسمان زمین ایک کر دیا تھا۔ اب وہی ان کی توجہ سے نیا ز ایک کھلے میدان میں اسٹریچر پر ہڑا ہوا تھا۔ صرف ڈاکٹر ڈھنڈے ڈاکٹر اظہار اور ان کے ساتھی ڈاکٹر تھے جنہوں نے اس اگرتقریباً کے وقت بھی اسے گھیر رکھا تھا۔

”اب ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہیے سر؟“ کرشن ساگر نے ڈاکٹر ڈھنڈے سے سوال کیا۔

”ہم اس کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں کہ یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اتفاق سے ہمیں آزادی مل گئی ہے اور ہمیں اس کا فائدہ اٹھالینا چاہیے۔“

”مجھ میں نہیں آتا کہ برناڈا جیسے شخص نے ہماری طرف سے اپنی توجہ کیوں ہٹائی ہے؟“

”ظاہر ہے کہ اب ہمارا کوئی مصروف نہیں رہا۔ اس نے ہمیں زخمی کے علاج کے لیے اکٹھا کیا تھا۔ اور جب زخمی ہی کے بارے میں اسے یقین ہو گیا ہے کہ اس کی

موت آنے والی ہے تو ہمارا مقصد ہی ختم ہو گیا۔ وہ بڑا مجرم ہے۔ اور جب کوئی بڑا مجرم مارا جائے تو اس کی ہر حالت ہوتی ہے۔ وہ دو کوڑی کا ہو کر نہ پانچ سو اس وقت برناڈا بھی دو کوڑی کا ہو کر نہ آگیا۔ یہ خوش قسمتی نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔“

”مجھ میں نہیں آتا کہ صرف ایک شخص ڈاکٹر اظہار بڑا پایا۔ یہ تو بالکل ایک انسان جیسی بات ہو گئی جس پر کوئی اختیار بھی اثر نہیں کر سکتا۔“

”کہانیوں اور غفلت کے درمیان بہت کم فاصلہ ہوا کرتا ہے۔ ڈاکٹر اظہار ڈاکٹر ڈھنڈے کے کہاں؟ اب میرا منہ ہے کہ آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہ کریں اور یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ ابھی اور اسی وقت۔“

”آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چل رہے ہیں نا؟“

”نہیں۔ میں اس زخمی کے ساتھ رہوں گا۔“

”جواب دیا۔“ مجھے نہیں معلوم کہ یہ داؤد ہے یا اسماعیل۔ یا کوئی اور ہے۔ میرے نزدیک صرف یہ ایک زخمی ہے اور اس کا علاج اور دیکھ بھال میرا فرض ہے۔“

”کمال کہتے ہیں ڈاکٹر ابھی؟“ اظہار نے کہا جب برناڈا جیسا آدمی اپنے ساتھیوں کو لے کر طوفان کے ڈر سے اس زخمی کو چھوڑ کر بھاگ رہا ہے تو پھر آپ کس طرح اس کی حفاظت کر سکیں گے اس کے ساتھ رہنا سولے حماقت کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔“

”لیکن میں یہ حماقت ضرور کروں گا۔“ ڈھنڈے نے بھر زور دیتا ہوا۔ ”لولا۔ اور میں ایک سینیئر ڈاکٹر ہوں۔“

کی حیثیت سے تم لوگوں کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم لوگ ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔“

ڈاکٹر اظہار اور دوسرے ڈاکٹر ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ اس میدان میں اچانک گولیاں کی آوازیں گونج اٹھیں۔

”شنو بلراج اور اقبال بڑی طرح جھپٹتے تھے۔ جو بان نے انہیں اس بڑی طرح ٹھٹھکے میں جکڑا تھا کہ نجات کی کوئی راہ دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ شخص ان کی طرف سے مطمئن ہی نہیں ہو رہا تھا۔ حالانکہ اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ بیٹوں اس کے برابر اسٹیشنوں سے اتفاق نہیں رکھتے۔ اس کے باوجود انہیں رہا کرنے کے لیے تیار

نہیں تھا۔ ”شنو نے جس انداز میں ساگا جیسے شخص کو دیکھا۔ اس نے اسے جو بان کو نشانہ کر لیا تھا اس کے باوجود اس نے اپنے آدمیوں کو لگا کر یہ حکم دیا تھا کہ ان تینوں کو قید کر دیا جائے۔ اس وقت اس نے بلراج کے کہنے پر بلراج چیلنج کر دیا تھا کہ وہ لوگ اس کی قید سے نکل کر دکھاؤں ان تینوں کو ایک ہی مقام پر بند کیا گیا تھا۔ یہ بھی اس کے اعتماد کی دلیل تھی۔ گویا وہ انہیں یہ باور کراچا ہوا تھا کہ وہ تینوں مل کر اس کا کچھ نہیں لگا کر سکیں گے۔

بلراج اور اقبال تو اس وقت بستر پر بیٹھے تھے جبکہ شنو بڑی بے تانی سے نکل رہا تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ وہ صرف سوچ رہا تھا۔ ”باس! اس بار تو تم بہت بڑی طرح جھپٹتے ہو۔ بلراج نے کچھ دیر بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”ہمارا مہال سے نکلنا ہی مشکل ہو گیا ہے۔“

”ایسی بات نہیں ہے بلراج۔“ شنو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ”تم جب چاہے یہاں سے نکل سکتے ہیں جو بان نے ہمیں تجھ میں ٹھٹھکی کی ہے۔“

”وہ کس طرح؟“ اقبال نے جلدی سے پوچھا۔

”میلے تم یہ بتاؤ کہ تمہارے لیے یہاں سے نکلنا کیوں مشکل ہے؟“ شنو نے دریافت کیا۔

”اس کی وجوہات تو سامنے ہیں باس! اقبال نے کہا۔ ”پہلی اور سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ہم نپتے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم صرف تین ہیں جبکہ جو بان کے آدمیوں کی تعداد کسی طرح بھی سو سے کم نہیں ہوگی اور سب کے سب مسلح تیسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسی کوٹھری میں بند کیا گیا ہے جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہاں اتنے خوشخوار کتے ہیں۔ لیکن ان سے بچ کر نکلنا بہت مشکل ہے۔ ان کے علاوہ ہم ایسی جگہ میں ہیں جو بھول بھلیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہاں سے باہر نکلنے کا راستہ ہی نہیں ملے گا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اس کوٹھری سے نہیں نکل سکتے۔“

”بالکل یہی باتیں میرے ذہن میں بھی ہیں باس! بلراج نے کہا: ”یہی دشواریاں ہمارے راستے میں ہیں اب تم سناؤ تم کیا کہتے ہو؟“

”تم لوگوں کا کہنا بالکل صحیح ہے۔ یہاں واقعی اتنی ہی دشواریاں ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہیں۔ اس کے باوجود ہمارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل نہیں ہے۔ میں نے تم جیسے لوگوں کی قیادت کی ہے۔ تم مجھے باس کہتے ہو۔ اسی لیے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ میں تم لوگوں کے ماننے کسی حق پر چڑھے کی طرح کسی تجزیے میں بے بسی سے قید رہوں۔ میں نے اب تم لوگوں کے ساتھ یہاں سے نکلنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں یہاں اب تک صرف اس لیے تھا کہ یہ دیکھ لوں کہ جو بان کتنے ہے اور اس کے دشمن کون ہیں ان کے وسائل کیا ہیں۔ لیکن یہ معاملہ آسانی سے سلجھتا نظر نہیں آتا۔ خود اس جگہ میں ہماری منزل بھی کھو گئی ہے۔ اسی لیے ہمارا اب یہاں سے نکلنا ہی ہر ہے۔“

”اگر تم یہ بات کہہ رہے ہو باس تو پھر ٹھیک ہی ہو گا۔“ بلراج یقیناً نہ کرنے والے انداز میں بولا۔ ”لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہاں سے نکلنے کے کس طرح؟“

”سب سے پہلا مرحلہ تو اس کوٹھری سے نکلنے کا ہے۔“ اقبال نے کہا: ”یہاں سے کا دروازہ اتنا مضبوط ہے کہ ہم اگر دس برس بھی کوشش کرتے رہیں تو اس کو توڑ نہیں پائیں گے اس میں جتنا زور لگایا جائے اس کی جانی جو بان کے پاس ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ مسلح سپر ہیرڈر بھی۔ پھر خوشخوار کتے کھڑے ہیں۔ ان سب دشواریوں پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے؟“

”بڑی آسانی سے۔“ شنو مسکراتے ہوئے کہا: ”تم لوگ یہاں سے نکلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ میں علی مظاہرہ کر کے دکھاتا ہوں۔“

”وہ دونوں حیرت سے اسے باس کی طرف دیکھنے لگے۔ ویسے ان دونوں کو اس شخص کی صلاحیتوں پر بھرپور دیر تھا وہ جانتے تھے کہ یہ شخص ناگن کوٹھن ماننے کا ہنر جانتا ہے۔ شنو نے ان کے دیکھنے ہی دیکھتے ہوئے کے دروازے پر زور سے دستکیں دینی شروع کر دیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ دیکھتا بھی جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد باہر کی طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔

”کیا بات ہے؟“ کیوں شوکر رہے ہو۔“

”تم اپنے سردار کو ہلا کر آؤ۔ ان سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔“ شنو نے کہا۔ ”جلدی کرو۔ وہ بات تمہارے سردار کے فائدے کے لیے ہے۔“

”لیکن اس وقت قیادت ہو چکی ہے سردار آرام کر رہے

ہوں گے۔

”کچھ بھی ہوا نہیں جا کر بتا دو۔ ورنہ بعد میں جو ہوگا اس کی ذمہ داری تم ہی لوگوں پر عائد ہوگی۔“  
”ٹھیک ہے۔“ دوسری طرف سے کچھ سوچ کر کہا گیا۔  
”میں سردار کو جا کر بتا دیتا ہوں۔ اب آئیں یا نہ آئیں یہ ان کی مرضی ہے۔“

گوٹھری سے باہر خاموشی چھا گئی شاید وہ شخص سردار چوہان کو بلانے کے لیے چلا گیا۔ وشنو نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ”جانی کا مسئلہ تو حل ہونے والا ہے یعنی چوہان اگر یہ دروازہ کھول دے گا۔ اب میری بات ذرا غور سے سن لو۔ چوہان کے آتے ہی تم لوگ سانس روک لینا اور جتنی تیزی کے ساتھ بہاں سے نکل کر دوڑ سکتے ہو دوڑ لینا لیکن یاد رہے کہ سانس نہیں لینی ہیں بس سانس بند کیے ہوئے دوڑتے چلے جانا ہے۔ سمجھ گئے؟“

ان دونوں نے اس کی بات سمجھی ہو یا نہ سمجھی ہو لیکن جلدی سے اپنی گردنیں ہلا دیں۔ ان کے پاس نہ انہیں ایک حکم دیا تھا ان کے لیے یہی بہت تھا۔ وشنو ان دونوں کو سمجھا کہ دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا جبکہ یہ دونوں اس کی ہدایت کے مطابق سانس روک کر دوڑ لگنے کو لال

تند ہو چکے تھے۔ بالآخر باہر سے دروازہ کھلنے کی آواز آنی لگی وہ کھلا اور چوہان اندر آ گیا اس کے اندر آتے ہی وشنو نے بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف جھٹکا دیا اور دوسرے چلیا: ”دوڑو۔“

ان دونوں نے اپنی سانسیں روک لیں اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ ان کا خیال تھا کہ کسے سے باہر گئے ہی بہریدار ان سے اچھ جا نہیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بہریدار موجود تو تھے۔ لیکن ان سے اچھنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے آپ کو بے ہوش ہونے سے بچانے کے لیے لیکن وہ بے ہوش ہونے چلے جا رہے تھے۔ اقبال اور بلراج دوڑ رہے تھے اور بہریدار اور دوسرے لوگ بے ہوش ہو کر گرے جا رہے تھے۔ اس وقت ان کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اس واقعے پر حیرت کا اظہار کر سکتے۔ انکی نگاہوں کے سامنے ایک ان ہونی ہو رہی تھی۔

انہوں نے اپنے عقب میں دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔ وہ دونوں ہی ایک وقت مڑے۔ وشنو بھی دوڑتا چلا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ ان

دونوں کی حالت غیر ہونے لگی تھی۔ سانسیں سینے میں گھٹی ہوئی تھی اور ایسا لگتا تھا جیسے خود بھی بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ سینہ بھٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا بہریدار کو بے ہوش ہونے دیکھ کر انہیں خوشی تو ہوئی تھی لیکن بے پناہ اذیت نے خوشی کے احساس کو کم کر دیا تھا پوٹی سے نکل کر یہ دونوں باہر آئے جہاں کتے حصار خانے موجود تھے۔ اور یہی اصل مرحلہ تھا۔ لیکن یہاں بھی صورتحال مختلف نہیں تھی۔ کتے بھی بہریداروں کی طرح اپنی اپنی جگہ اس طرح لڑھکے ہوئے تھے جیسے انہیں اچانک موت نے آسا ہو۔ یہ دونوں ان کتوں کو پھلانگتے ہوئے چوبلی کے مرکزی گیٹ کی طرف دوڑ پڑے۔ اب وشنو بھی ان کے قریب آچکا تھا اور اپنے ہاتھ سے مسلسل دوڑنے سے سانس کا اشارہ کیے جا رہا تھا۔

ان کے لیے کہیں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کوئی نہیں تھا جو ان کا راستہ روک سکتا وہ گیٹ سے بھی باہر نکل آئے اور وشنو کے باطل قریب پہنچ گئے۔ اس نے انہیں دیکھ کر اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک طرف لڑھک گیا وہ دونوں بھی زمین پر لڑھک گئے تھے۔

نجانے وہ سب کتنی دیر تک اسی طرح زمین پر لیٹے اپنے سانسوں کو بحال کرتے رہے تھے۔ سینہ دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرے تھے۔ ذہن میں سنسنیائے رنگ ناپی تھی۔ ہاتھ بہروں سے جان نکل جا رہی تھی۔ کچھ عجیب کیفیت تھی۔ اتنی دیر تک سانس روک کر دوڑنے کا تجربہ انہوں نے پہلی بار کیا تھا کچھ بہریدار نہیں ہوش آیا۔ ان کے اعصاب بحال ہوئے تو یکے بعد دیگرے اٹھ بیٹھے سب سے پہلے وشنو ہی کھڑا ہوا تھا اس کے بعد وہ دونوں کھڑے ہوئے۔ اذیت بھرے لے گورچکے تھے اور اب حیرت نے ان کی زبانیں لنگ کر دی تھیں۔ وہ دونوں وشنو کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کسی آسیب کو دیکھ رہے ہوں۔

”یہ سب کیا تھا؟“ بلراج نے سوال کیا۔ ”کیا ہوا تھا ان لوگوں کے ساتھ؟“ تم نے ان کے ساتھ کیا کر دیا۔“

”میں نے کہا تھا کہ ہم جب چاہے یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تو دیکھو کہ ہم نکل آئے۔“ وشنو نے کہا۔  
”یہ تو ٹھیک ہے۔“ لیکن آخر اس طرح؟“  
”زہریلی گیسوں کے ذریعہ۔“ وشنو نے جواب دیا۔

”زہریلی گیس؟“

”نہم انہیں بے ہوش کر دینے والی گیس بھی کہہ سکتے ہو۔“ وشنو نے بتایا: ”میں شاید نہیں معلوم کہ میں اس قسم کی چیزیں اس لیے پاس رکھتا ہوں۔ جو بظاہر بے ضرر نظر آتی ہیں۔ لیکن ان کی تباہ کاریاں بہت وسیع ہوتی ہیں۔ ساگا والے معاملے میں تم نے دیکھ لیا ہوگا۔ اسی طرح میرے پاس زہریلی گیسوں کے کپسول تھے۔ جو دیکھنے میں عام پکسینوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ لیکن ان کی تباہ کاریاں بہت دور تک ہوتی ہیں۔ وہ پکسینوں کو دم دس فرلانگ کے دائرے میں موجود ہر جاندار کو بے ہوش کر سکتے ہیں۔ اس کا مظاہرہ تم نے دیکھ لیا ہوگا۔ یعنی ایک مقام پر اگر ان پکسینوں کو بھلا جائے تو اس کے ارد گرد دس فرلانگ تک دیکھتے ہی دیکھتے ہر جاندار بے ہوش ہو جائے گا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور خطرناک ایجاد ہے۔ میں نے اسی لیے تم لوگوں کو تاکید کر دی تھی کہ تم اپنی سانسیں بند کر کے دوڑو۔ اگر تم ایسا نہیں کرتے تو تم بھی بے ہوش ہو کر لڑھک چکے ہوئے۔“

”واہ باس۔ یہ تو کمال ہے۔ لیکن تم نے ان کپسولوں کو پھانسا اس طرح؟“

”بہت آسان طریقہ ہے۔ بس چنگی سے مسل دینا پڑتا ہے۔ اور وہ اپنا کام دکھانے لگتا ہے۔ جس طرح تم نے دیکھ لیا ہے۔“

”باس اگر گیٹ کے بلراج نے آگے بڑھ کر وشنو کا ہاتھ چوم لیا۔“ بلوکر گیٹ ہاں۔“

”میری تعریف کے بجائے یہاں سے نکلنے کی سوچو۔“ وشنو نے کہا: ”ایک گھنٹے کے بعد کپسولوں کا اثر ختم ہونا شروع ہو جائے گا۔ اور وہ لوگ ہوش میں آنے لگیں گے ہوش میں آتے ہی وہ لوگ ہمارا تعاقب شروع کر دیں گے ہمیں انسانوں کی اتنی ہر دانتی نہیں ہے لیکن کتے ان کے ساتھ ہیں۔ اصل خطر ان کی طرف سے ہے۔“

”لیکن ہم جا نہیں گے کس طرح باس؟“ اقبال نے پوچھا ”جو کہ تو بھول چکی ہو۔“ بلراج نے کہا: ”میں نے اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھی ہیں۔“ وشنو نے کہا: ”اور اس اندھیرے میں بھی وہ درہ کھلے یا دے جہاں سے ہمیں یہاں لایا گیا تھا۔ اس دسے سے نکلنے کے بعد کچھ ہمارے لیے کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“

بلراج اور اقبال ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

یہ دونوں اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود وشنو کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایک بے مثال آدمی تھا بے پناہ بہادر، طاقتور، ذرا دہین۔ اس نے سچ ہی کہا تھا کہ اس کی آنکھیں کھلی رہتی ہیں۔ اس کی آنکھیں واقعی کھلی رہتی تھیں۔ ورنہ وہ اتنی بڑی تنظیم کا مالک نہیں ہوتا۔ ان کا سفر پھر شروع ہو گیا مگر چار رات کا وقت تھا لیکن وشنو ان کی آنکھیں بن گیا تھا۔ وہ اس طرح چلا جا رہا تھا جیسے مدتوں سے یہیں رہنا آیا ہو اور یہ دونوں اس کی تقلید کر رہے تھے۔ راستہ بہت ہی چڑیج تھا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ تمام راستے میں درخت اور جھاڑیوں کے ایسے سلسلے تھے جو ایک ہی طرح کے معلوم ہوتے تھے۔ ان میں بھٹکے کا پورا خدشہ موجود تھا لیکن وشنو جیسے اندھیرے میں بھی روش آنکھیں لیے جا رہا تھا۔ بالآخر کئی گھنٹوں کے سوکے بعد یہ تینوں وہ درہ عبور کر گئے جس کے ذریعے وہ چوبلی کے علاقے میں داخل ہوئے تھے۔ اب ان کے سفر کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

”بہت بہت مبارک باد باس۔“ بلراج نے کہا: ”تم ہمیں دسے سے باہر لے گئے ہو۔ ہم چوہان کے چنچل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔“

”ہاں۔ لیکن شاید تم لوگوں کو یہ احساس نہیں ہو سکا ہوگا کہ میں نے راستہ کم کر دیا تھا۔“ وشنو نے کہا: ”ابھی پہلے اس دسے تک پہنچنے میں اتنی دیر لگ گئی کہ ورنہ ہمیں یہ درہ بہت پہلے ہی کراس کر لینا چاہیے تھا۔“

”خیر۔ جو ہو سو ہو۔ اب یہ بتائیں ہمیں کیا کرنا ہے۔“ اقبال نے پوچھا۔

”چلتے رہنا ہے۔“ وشنو نے جواب دیا: ”کیونکہ اب تک چوہان اور اس کے آدمیوں کو ہوش آ گیا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے تعاقب میں چل پڑے ہوں۔“

”اب تو چلنے کی ہمت نہیں ہے باس۔“ بلراج نے کہا: ”چلتے چلتے حالت خراب ہوئی ہے۔“

”وہ تو ہے۔ لیکن ہمارے پیڑھ چلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم انہیں خود تک پہنچنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یاد رکھو صرف بے ہوش ہونے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے پاس ڈبیل کی بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ جو سب کے سب جدید اسلحوں سے لیس ہیں۔ ہم لاکھ بہادر اور ہوشیار بھی ہیں اس حقیقت کو بھی سامنے رکھ لینا چاہیے کہ ہم اتنے ڈبیل

کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہوش میں آنے کے بعد چوہان غصے سے بھڑک رہا ہوگا۔

لیکن یہ بات کئی باس یا بلراج نے کہا یہاں اتنا رد کر کیا فائدہ ہوا ہمیں یہ بھی نہیں بتا چل سکا کہ یہ چوہان آخر ہے کون۔ یہ چاہتا کہ اس نے ہمیں کیوں قید میں رکھا سوا تھا۔ اس کے دشمن کون ہیں؟

ہاں، اس شخص نے خواہ مخواہ ہماری منزل کوئی لڑائی و شلوغ غصے سے بولا۔ درنا ب تک ہم ان لوگوں تک پہنچ چکے تھے۔ ہمارا وقت ابھی بہت ضائع ہو گیا ہے۔ یہ حال اب کیا ہو سکتا ہے۔ ہمیں ابھی منزل تک پہنچنا ہے اور ہم نئے سفر سے اپنا سفر شروع کر رہے ہیں۔

یہ لوگ پھر چل پڑے۔ اپنے نئے راستوں سے ہوتے ہوئے ان کا سفر جاری رہا۔ پھر بہت دور نکل آنے کے بعد ایک محفوظ مقام پر وشنو نے انہیں رک جانے کے لیے کہا۔ وہ لوگ نہ چلا ہو کر گر پڑے تھے۔ ان کے قریب وشنو بھی بیٹھ گیا تھا۔ پھر ان لوگوں نے ہر خطرے سے بے نیاز ہو کر اپنے پاؤں پھیلا لیے۔ بے پناہ تنگن نے ان پر نیند مسلط کر دی۔ بہت جلد انہیں نیند آگئی۔

سو کر وہ دوسری صبح ہی لے میدان ہمارے تھے۔ رات خیریت سے گزر چکی تھی۔ کوئی خطرہ ان کے قریب نہیں آیا تھا۔ دن کی روشنی انہیں یہ بتا رہی تھی کہ وہ اس جگہ پہنچ چکے ہیں۔ جہاں سے جہازوں کے ایک سلسلے کے بعد انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا۔

اب ہم ہلک ٹنگ اچکے ہیں باس، بلراج نے خوش ہو کر کہا۔

ہاں، وشنو نے ابھی گردن ہلا دی، ہم یہاں سے واپس جاسکتے ہیں، لیکن اس ناکامی کا بے احساس رہے گا۔ کیونکہ اس سفر نے سولے پریشانیوں کے اور کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

وہ لوگ پھر آگے بڑھ گئے۔ لیکن زیادہ دیر نہیں چلے ہوں گے کہ اچانک کچھ لوگوں کی آوازوں نے انہیں بری طرح جولا کا دیلا۔

تو وہ بوڑھا اس طرح اچانک سامنے آگیا تھا جیسے کوئی آسیب چلا آیا ہو۔

وہ تینوں ہی ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ انہیں احساس ہونے لگا تھا کہ ان کی منزل کوئی ہوئی ہے۔ شعل

بردار لوگ چلے آ رہے تھے۔ بوڑھا ان کے سامنے تھا۔ ان کے لیے فرار کی کوئی راہ نہیں تھی۔ ان کی ساری محنت بے کار تھی۔ ساون کا دل چاہا کہ وہ اس بوڑھے پر تلے لڑے۔ اسے راستے سے ہٹا دے۔ وہ ایک کمرور بوڑھا تھا اور ساون بڑی آسانی سے اس پر قابو پا سکتا تھا۔ لیکن بوڑھے نے شاید ساون کا یہ ارادہ بھانپ لیا تھا۔ اسی لیے وہ جلدی سے بولا۔

”تم شہری لوگ فیصلہ کرنے میں بہت جلدی کرتے ہو اور بعد میں پچھتاتے بھی ہو۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ساون نے اس کی طرف دیکھا۔

”تمہیں اس طرح ہمارے ڈیرے سے بھاگنے کی کیا ضرورت تھی بابو؟ بوڑھے نے کہا۔ ”کیا تم لوگوں کو ہم پر بھروسہ نہیں تھا۔ ہم تمہارے غریب تھے، لیکن جب ہم کسی کو بٹھا دیتے ہیں تو پھر اپنی برادری نہیں کرتے۔ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہمارا اپنا کیا نقصان ہو رہا ہے۔ ارے تم لوگوں نے اپنے تمہارے بھائیوں سے پہلے ہم سے پوچھ لیا ہوتا، ہم کو بتا دیتے۔“

”کیا بتاتے تم کو؟“ ساون پھٹ پڑا۔ میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے کہ تم نے ہم لوگوں کا سو ذرا کر لیا ہے۔ بے وقوف ہو تم۔ بوڑھا جلدی سے بولا۔ ”بھلے ماں سودا کرنے کیلئے کچھ لوگ آئے تھے۔ لیکن تم نے ذرا ہم سے بھی تو پوچھ لیا ہوتا کہ ہم نے تمہارا سودا کیا یا نہیں اور ہم نے تو تم لوگوں کی خاطر اپنے اس بیٹے کو بھی مار دیا ہے جو ہماری روایت کے خلاف جا رہا تھا۔“

”کیا؟“ ان تینوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”یہ تم کیا کہہ رہے ہو بابا۔“

”ٹھیک کہہ رہا ہوں، بوڑھے کی آواز بھاری تھی۔ ”لو دیکھ لو۔ یہ لوگ تمہارے بچے نہیں آ رہے ہیں بلکہ اس کا گریہ کر رہے ہیں۔“

وہ تینوں سناٹے میں رہ گئے۔ شعل بردار جلوس ان سے کچھ فاصلے پر آ کر گر گیا تھا۔ لوگ ایک دائرہ بنا کر گر ہو گئے تھے۔ یہ لوگ شاید اپنی روایت کے مطابق اس کا گریہ کر رہے تھے۔ آئے تھے ساون کو حل نہیں تھا کہ بوڑھے نے کس طرح اپنے بیٹے کو ہلاک کیا ہوگا۔ لیکن وہ تصدیق کیلئے سے دیکھ رہا تھا کہ رات کا وقت ہے۔ بوڑھے کا بیٹا اپنے اپنے تمہارے لکل کر جوڑی جوڑی اس شخص کے ٹھکانے کی

طرف جا رہا ہے جس نے ساون لا جوتی اور مثال اطلاق دینے والے کو انعام دینے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ ابھی کچھ ہی دور چلا ہوگا کہ بوڑھا اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ بوڑھا اسے اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے سمجھانا ہے۔ لیکن نوجوان نہیں مانتا۔ اس کا موقف ہے کہ گھر آئی لکشی کو ٹھکرا یا نہیں چاہیے۔ اس پر بوڑھا طیش میں آ جاتا ہے۔ اس کی غیرت اسے اس کا منہ ہے اور وہ اپنے ہاتھوں اپنے بیٹے کا خون کر دیتا ہے۔ کس کے لیے ہائے لوگ کے لیے جو اس کے لیے بالکل اجنبی ہیں۔ جنہیں اس نے پہلے بھی نہیں دیکھا۔

”اب تم لوگ چلے جاؤ۔ بوڑھے نے بھرائی ہوئی آواز میں ساون کو مخاطب کیا۔ ”میں یقین دلاتا ہوں کہ اب کئی تمہارا بیٹا نہیں کرے گا۔ لیکن تم ہمارے ڈیرے واپس نہیں جاسکتے۔ ہمیں کب تک اپنے آدمیوں کو قابو میں رکھوں گا؟ یہی کا کیا بھروسہ؟ ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ تمہارے خلاف ہو جائیں۔ پھر میں زندگی بھر مشر مند رہوں گا۔ اب چلے جاؤ تم لوگ۔“

وہ تینوں سناٹے میں رہ گئے۔ روایت کی یا سدا کی یہ انداز انہوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک انوکھی مثال ان کے سامنے آئی تھی۔ وہ تینوں کچھ دیر تک عجیب سی نگاہوں سے اس بوڑھے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر آگے بڑھ گئے۔ بوڑھا اپنے آنسوؤں کو دبوختا ہوا شعل بردار لوگوں کی طرف جلا گیا تھا۔

”چلو“ ساون نے ان دونوں سے کہا۔ ”ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔“

وہ تینوں پھر آگے بڑھ گئے۔ ان سے ایک غلطی یہ ہوئی تھی کہ انہوں نے بوڑھے سے دریافت نہیں کیا تھا کہ انہیں کس سمت سفر کرنا ہے۔ افراتفری میں ان کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی۔ اور اب انہیں بخانے کتنا طویل سفر کرنا تھا۔ تنگن نے ان کے جسموں کو لوڈ دیا تھا۔ لیکن جب عجوبیاں منہ کھولے سناٹے کھڑی ہوئی تو پھر تنگن کی پرورہ نہیں کی جاتی۔ انہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ رات اس ڈیرے میں گزار کر دوسری صبح تازہ دم ہو کر اپنا سفر پھر شروع کر دیں گے۔ لیکن انہیں رات گزارنے کی نوبت ہی نہیں آ سکی تھی۔

رات ہی کو ان کے سامنے ایسا حادثہ پیش آگیا تھا کہ انہیں اپنا سفر پھر سے شروع کرنا پڑا تھا۔

ساون کو ابھی طرف سے کوئی پریشان نہیں تھی۔ لیکن سلا دونوں لوگوں کا تعلق جو چلتے چلتے لوٹنے لگے تھے۔ ان کے اعصاب جواب دہ تھے۔ جارہے تھے۔ تاروں کی دھنکی میں راستہ پوری طرح واضح دکھائی دے رہا تھا۔ البتہ خابہ وشنو کے مغل برداروں کی روشنیوں دوسرے ستاروں کی طرح جھلکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ جو لمحہ پہلے مدھم مدھم ہوئی جانی تھیں۔ بوڑھے نے انہیں وہاں سے روانہ کر کے تھل شعل کا ثبوت دیا تھا۔ ورنہ پہلے دے ان کے خلاف کچھ بھی کر سکتے تھے۔ بوڑھے کے بیٹے کی موت کی ذمہ داری انہوں نے ان تینوں پر عائد کر دی ہوگی۔ ساون

کو لکھنا نام کی لڑکی کا خیال آنے لگا۔ جو اس نوجوان کی محبوبہ  
یا مسکرتہ تھی۔ جس نے ان تینوں کو دشمنوں کے حوالے کر کے  
روپے حاصل کرنے کے خواب دیکھے تھے۔ اور اب اس کی  
لاش پڑبین کر رہی ہوگی۔ پھر وہ آدی کی کون تھا۔ جو ان تین  
کا سودا گندہ تھا۔ اسے ان لوگوں سے کیا دلچسپی تھی۔ وہ  
آدی و کمرلا لاجپتی کی ظلم نوٹ کا بھی نہیں ہو سکتا تھا۔  
الوپ کمار کے ہونے کا بھی امکان انہیں تھا۔ وہ کوئی اور  
ہی تھا۔ مہر حال وہ کوئی بھی تھا۔ ان کا دوست نہیں

تو نہیں سکا لیکن ان کی باتوں سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس کی ران میں درخت کی کوئی شاخ پیوست کر دی گئی ہے۔ اور یہ کام سماگنانے کیا ہے؟

مختصہ ہاں اب بتاؤ: ”پرویز نے مادون سے پوچھا: ”تم لوگوں کے ساتھ کیا گزری ہے؟“

ہاں اگر یہ دونوں چاہیں تو واپس جاسکتی ہیں۔ ویسے بھی ان پریشانیوں نے انہیں بری طرح تھکا دیا ہے۔  
 پھر یہی طے پایا کہ لاجوئی اور ریشا غری کی طرف چلی جائیں۔ جبکہ سادوں کو اس غم کے ساتھ ہی رہنا تھا ریشا کو لاجوئی اپنے گھر میں اپنے ساتھ ہی رکھنے والی تھی پرویز نے اپنے آدمیوں کے ذریعے فوری طور پر ان دونوں کو پھر بھیجنے کے انتظامات کروا دیے۔ لاجوئی اور ریشا کے چلے جانے کے بعد پرویز نے سادوں سے بلوچھا۔  
 ”کیا تم کسی ساگانی یا کسی آدمی سے واقف ہو؟“  
 ”نہیں“ سادوں نے انکار میں گردن ہلادی۔ میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔“  
 ”اس شخص نے مرنے سے پہلے ہمیں یہ بتایا تھا کہ وہ ساگا کے خوف سے اس درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن ساگا یہاں بھی اس کا تعاقب کرتا ہوا آپہنچا۔ اور اس نے اس آدمی کو دو ٹون ہاتھوں سے پکڑ کر درخت کی ایک ٹوکی شاخ پر دوسے مارا کہ درخت کی وہ شاخ اس کی دان میں اترتی چلی گئی۔ اور وہ اس میں آٹک کر رہ گیا۔ بس اس سے زیادہ اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ لیکن اس سے یہ ظاہر ہوا کہ ساگانی وہ آدمی ہے انتہا طاقتور ہے۔“  
 ”ہاں۔ یہ بات قہر ہے۔ لیکن میں نے وہ کڑے آدمیوں میں ایسے کسی آدمی کو نہیں دیکھا۔ اور نہ ایسا کوئی نام سنا ہے۔“  
 ”اب یہ بات بھی سمجھ میں نہیں کہ کسی کب و کسٹھ اور کی کھالوں والے آدمیوں سے اس علاقے میں لڑائی کا کام لیا کرتا تھا۔ تو پھر اس نے ان لوگوں کو ہلاک کیوں کروا دیا۔ ان بے چاروں کو مارنے کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“  
 ”نہیں ایسا تو نہیں ہے جناب کہ اس علاقے میں کوئی اور پارتی بھی ہو“ سادوں نے خیال ظاہر کیا۔ ”ہوسکتا ہے کہ ان لوگوں نے جالوروں کی کھالوں والے آدمیوں کو ملامت اور ساگا ان ہی لوگوں کا آدمی ہو؟“  
 ”ہاں۔ یہ ہو سکتا ہے۔“ پرویز کی آنکھیں جھک بھٹیں اگر ایسا ہے تو میں اس دوسری پارتی کا بھی بتا چلا ہوا ہوں۔“  
 ”فی الحال تو ہم انہیں تلاش نہیں کر سکتے۔ یہ سب تمہارا ہوتا ہے کہ وہ دوسری پارتی یہاں سے کسی طرف چلی گئی ہو یا یہی ہے ہم سب کو کھار اور اس کے آدمیوں کے پیچھے روانہ ہو جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس دوران وہ لوگ کچھ اور آگے بڑھ گئے ہوں؟“

”نہیں میں یہ سمجھتا ہوں کہ سادوں نے ریشا اور لاجوئی کے جانے کے بعد انہوں نے اپنا زادہ بل دیا ہوگا۔ پرویز سوچنے ہوئے ہوا کہ کیونکہ سادوں کے بغیر وکٹر بے کار ہو گیا ہے۔ اور لاجوئی کے بغیر ظلم والے کچھ نہیں کر سکتے۔ اسی لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہ لوگ واپس آ رہے ہوں گے کیونکہ ان کی فیکٹری یہیں ہے۔“  
 ”تو پھر اس وقت تک میں کیا کرنا ہوگا؟“ سادوں نے بلوچھا۔  
 ”انتظار۔“ پرویز نے جواب دیا۔ ”ان لوگوں کا بھی اور پولیس کی مزید کمک کا بھی۔ میں ان لوگوں کو نوٹ لکھنے کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔ ہر طرف سے گھیر کر انہیں پکڑا جاتا گا۔ دیکھنا ہے کچھ زیادہ ذہین ہوتے ہیں یا قانون۔“  
 اسی دوران جاگ ایک طرف سے کچھ لوگ نکل کر ان کے سامنے آ گئے۔ یہ لوگ درختوں کے اسی جھنڈے کے عقب سے نکلے تھے۔ جہاں سے سادوں اور ریشا، لاجوئی خود دلاؤں تھیں۔ ان کی بھی تعداد تین تھی۔ اور ان میں سے ایک بہت ہی قوی، پیکل، قد اور بھاری تن قوت کا آدمی تھا۔ پرویز اور اس کے ساتھی ان تینوں کو دیکھ کر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ وہ سب گہری نگاہوں سے ایک دوسرے کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر قوی پہل آدی کہ بڑھتا ہوا بولا۔  
 ”میں نہیں پہچان گیا ہوں۔ ذی ایس ہی پرویز؟“  
 ”تم کون ہو؟“ پرویز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بلوچھا۔  
 ”وشنو؟“ اس نے جواب دیا۔ ”ہوسکتا ہے کہ تم نے میرا نام سنا ہو؟“  
 ”نہیں سن رکھا ہے۔“ پرویز کے ہونٹوں پر سکاٹ آ گئی۔ ”اور تم تمہاری ہی تلاش میں اس طرف آئے تھے؟“  
 ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو گے۔“ وشنو نے اپنی کھنٹھائی میں اس موقع پر تم سے بحث نہیں کروں گا لیکن تمہارے بارے میں بھی جان لوں میں کہ اگرچہ ایک فوجی ہوں۔ میری بی بی ایک تنظیم ہے۔ لیکن اپنی زمین اور اپنے وطن کا دشمن نہیں ہوں۔ میں اس کی حفاظت کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں اور کرتا رہا ہوں۔“  
 ”تھے یہ بھی معلوم ہے۔“ پرویز نے کہا۔ تمہارے ساتھ یہ دو آدمی کون ہیں؟“  
 ”میرے ساتھ بلراج اور اقبال۔ ہم لوگ اس طرف جالوروں کی کھالوں والے انسانوں کا پتا چلانے آئے تھے۔“

”یہ سچی کہ میں وکٹر ناٹی ایک ایسے آدمی کے تعاقب میں تھا جو اس ملک کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ لیکن یہاں کہہ رہا ہوں کہ ناٹی ایک آدمی کے پیش میں مجھ سے کچھ نظر بہت معتبر اور معزز نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی گزریا بہت بڑا سر نہیں۔ اس نے ہم لوگوں کو قید کر لیا تھا۔ اس کے پاس بے شمار خطرناک لوگ موجود ہیں جو بوری طرح مسلح ہیں۔ خاص طور پر ان کا ایک آدمی ساگا بہت خطرناک تھا۔“ ساگا پرویز کو جک اٹھا۔ ”ہاں۔ میں یہ نام دوسری بار سن رہا ہوں۔ کیا وہ بہت طاقتور شخص ہے؟“  
 ”میں نہیں کیسے معلوم؟“ وشنو نے بلوچھا۔  
 ”پرویز نے مرے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کر کے اس کی کہانی سنادی۔“  
 ”ہاں۔ وہ انتہائی طاقتور انسان ہے۔“ وشنو نے کہا۔ ”میں یہ کہتا تھا۔ وہ میرے ہاتھوں مارا جا چکا ہے۔ پھر اس نے پرویز کو ساگا سے بھرنے والے مقابلے کے بارے میں بتا دیا۔ اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ ان کی حوصلے میں کیا کچھ ہے۔ اور وہ کس طرح لوگوں کو قید رکھنے کے لیے انتظامات کیا کرتا ہے۔“  
 ”میں یہ سمجھتی ہوں مراد ہم لوگوں کو باقاعدہ ایک طے جملے کی تیاری کر لینی چاہیے۔ یہ سب تمہارا اب ایک طرف تو وکٹر اور اس کے ساتھی ہیں اور اب دوسری طرف یہ جوہاں بھی سامنے آ گیا ہے۔ یہ بھی وہ طریقہ ہے کہ خطرناک نہیں معلوم ہوتا۔“  
 ”ہاں یہ بات تو ہے۔“ پرویز ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”جب ہم اس علاقے میں پولیس چھاپے کی تیاریاں کر رہے ہیں تو جوہاں کو بھی کیوں جھوڑا جائے جہاں تک وشنو اور ان کے ساتھیوں کا تعلق ہے۔ تو ان کے لیے عدالت فیصلہ کرے گی۔ لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ ان کے یہ سفارش کروں گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خطرناک جرموں کو مرتکب کر کے میں ہماری مدد کی تھی۔“  
 وہ ایک بحری جہاز تھا جس کے ایک کیمپ میں داہر اور عبدل دونوں موجود تھے۔  
 داہر تو اس وقت سو رہا تھا جبکہ عبدل اس کے سامنے والی ایک کرسی پر بیٹھا تھا۔ پھر اچھا سو رہا تھا۔ واقعات بہت تیزی سے رونما ہوئے تھے۔ زندگی

کھلی ہوئی کتاب کی طرح عبدل کے سامنے تھی۔ کیسے حیرت انگیز واقعات تھے۔ وہ حیرت تھے جو اس نے اور داہر نے ایک ساتھ سر کیے تھے۔ کیسے کیسے کردار تھے جو ان کی زندگی میں داخل ہوئے اور غائب ہو گئے۔ کچھ لکھا ہوا تھا۔ اور اب یہ لوگ ایک نئے جزیرے ایک نئی دنیا کی طرف سفر کر رہے تھے۔  
 عبدل اور وکٹر جس وقت برناڈ کے پاس پہنچے اس وقت وہاں عجیب افراتفری مچی ہوئی تھی۔ برناڈ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے طوفان ناٹی شخص نے اپنی فوج کی خوشی میں گولیاں برساتی شروع کر دی تھیں۔ پھر بجائے کیا ہوا کہ کئی ہمسار کے بدن میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے ڈاکٹر کو یہ بتا دیا کہ اس کی تخلیق کوئی طوفان کو صرف ریت کے ذریعے مارا جاسکتا ہے طوفان کو ریت کا طوفان ہی مار سکتا تھا۔

# نی تیکا

عمران ڈائجسٹ کے مقبول ترین سلسلوں میں سے ایک اور زبردست سلسلہ ایک دل ہلا دینے والے سفر کی حیرت انگیز داستان ایک لالہ بانی اور حاسن نوجوان کی آپ بیتی، اس کا سفر جاری تھا کہ ایک مدت قیام کے دوران اسے عجیب غریب جیلے کا ایک بوڑھا نفلہ آیا۔ اور پھر۔؟

قدم قدم پر رونگٹے کھڑے کرنے والی ایک عجیب کہانی ایک حصے میں مختل

قیمت، ۳۰ روپے، ڈاک خرچ ۶ روپے

منگلوانے کا پتہ،

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

۳۲، اردو بازار — کراچی



وہاں سب کچھ ہی حیرت انگیز تھا۔ طوفان جیسے شخص کا وجود جیسے موت نہیں آسکتی تھی۔ ہمارے جیساڑھی جس کے بدن کی دھجیاں ہر جگہ تھیں۔ طوفان کی ہلاکت کا راز بتا گیا تھا۔ تجلے اس کو اس موقع پر کیسے ہوش آگیا تھا۔ لیکن وہاں تو انہوں نے واقعات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ ہمارے یہ راز ظاہر کرنے کے بعد مر گیا تھا جیسے وہ صرف یہی بتانے کے لیے زندہ رہا تھا۔ پھر طوفان کی فائرنگ اور اس کے قہقہے۔ اس کے بعد برناڈ کا اپنے آدمیوں کو یہ حکم دینا کہ وہ طوفان کی طرف ریت اچھالی شروع کر دیں۔ لہذا طوفان کو دائرے میں لے کر سب کے سب اس کی طرف ریت اچھالنے لگے تھے۔ یہ ایک بے وقوفی کا عمل بھی ہو سکتا تھا۔ ایک مرتے ہوئے شخص کا ہڈیاں بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہی عمل کارآمد ثابت ہوا۔ ریت کے ذرات طوفان کے کالوں اس کے غصوں اور اس کے طعنوں میں اترنے لگے۔ اور اس کے اندر کی مشینبری جام ہونے لگی۔ وہ جھج جھج کر گالیوں دیتا رہا۔ گولیاں چلائیں لیکن یہ لوگ انجام کی ہر دیکھے بغیر اس پر ہل پڑے تھے۔ برناڈ کے کئی آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے۔ لیکن انہوں نے طوفان کو ہار کر دیا تھا۔ وہ آدنی کیا تھا۔ خود بھی ایک مشین کی طرح تھا۔ ہمارے اس کے اندرونی نظام میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ نازک اور بے چیدہ آلات بھی فٹ کر دیے تھے۔ ریت کے ذرات نے ان آلات کو منجمد کر دیا۔ ان کی حرکت ختم ہو گئی۔ اور طوفان کسی ایسے رولٹ کی طرح گر پڑا جس کا اندرونی نظام ٹوٹ چھوٹ گیا ہو۔ ایک انتہائی خطرناک شخص کو ایک معمولی سے لٹنے نے اس کے انجام تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن حاصل کیا ہوا کچھ بھی نہیں اس کے ساتھ ہی ہمارے دم بھی دم توڑ دیا تھا۔ اور یہ کہانی ختم ہو گئی تھی۔

مخانی نے برناڈ ڈاکٹروں اور برناڈ کے آدمیوں نے کیا کیا ہو گا۔ لیکن وکرمل اور عبدل نے اپنے آپ کے تھے۔ ذہن میں ایک غلطی لیے ہوئے کہ حاصل کچھ بھی نہیں ہوا۔ چاہے کتنا ہی زور کیوں نہ لگایا جائے۔ چاہے پوری دنیا کو ہنس نہس کر دیا جائے۔ انجام خالی ہاتھوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

وکرمل کے یہاں ایک اور حیرت انگیز خبر ان کا انتظار کر رہی تھی۔

ایک قوی سیکل افریقی ان کے انتظار میں تھا۔ اس کا نام وشاوا تھا۔ وہ اس قبیلے کا خاص آدمی تھا جس قبیلے نے داور کو کو برا بھلا کیا تھا۔ وہ اپنی امانت ان لوگوں سے واپس لینے آیا تھا۔

”تمہیں کیسے معلوم کہ تمہارا کوبرا ہم لوگوں کے پاس ہے؟“ وکرمل نے پوچھا۔

”ہمارے دوح ڈاکٹروں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ یہ ہم ہی تھے جنہوں نے بہت سے بڑے لوگوں کو اس زخمی کے سچے لگا دیا تھا۔ تاکہ وہ سب کے سب اس زخمی کو کو برا سمجھ کر اس میں اچھے دواں اور ہمارا کوبرا ہم تک پہنچ جائے۔ تم ستاروں کی چال سے ناواقف ہو۔ تمہیں نہیں معلوم کہ یہ کیسے کھیل ہیں۔ اب کوبرا تمہارے پاس ہے۔ اور میں اسے لینے آیا ہوں۔ تم اس کی فکرت کرو کہ سفر کے انتظامات کسی طرح ہوں گے۔ اور ہمارا کوبرا اکیلا نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ اس کا یہ ساتھی بھی ہو گا۔ اس کا اشارہ عبدل کی طرف تھا۔

”کیا تم نہیں بتا سکتے ہو کہ تمہارا کوبرا اتنی بڑی قیامت سے کیسے محفوظ رہا۔؟“ وکرمل نے پوچھا۔

”میں نے کہا کہ یہ سب ستاروں کے کھیل ہیں۔ اس کے لیے تم کو اچھے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا بہت سے کہ تم نے اتنے دنوں تک ہمارے دیر نواہی حفاظت میں رکھا۔ ہم معاوضے کے طور پر تمہیں کچھ دے سکتے ہیں۔“

لیکن وکرمل نے کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ تیسرے دن افریقہ کے لیے ایک بحری جہاز بردان کا سفر شروع ہو گیا تھا۔

عبدل بھی داور کے ساتھ تھا اور اس کے سامنے بیٹھا ہوا مسافر رہا تھا کہ تجلے نے زندگی اب افریقہ جا کر کیسے گل کھلائے گی، ہو سکتا ہے کہ وہاں سے ایک نیا سفر شروع ہو جائے یا پھر یہ کہانی ہی ختم ہو جائے۔ کون جائے۔۔۔